اسم تاریخی

اشرف التفاسیر

۱۳۶۳ھ

تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

بیسمنٹ میاں مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ

38- اردو بازار لاہور فون 7354851

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

پارہ ہفتم

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ

۴۰۔ اردو بازار ★ لاہور

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ ہفتم)

مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات ——— 702

کمپوزنگ ——— لیزر کمپوزنگ ان' شار سائنس مارکیٹ'

تکیہ املی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور

پرنٹر ——— پیر بھائی پرنٹرز

ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ' 40 اردو بازار' لاہور۔

قیمت ———

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست "تفسیر نعیمی" پارہ ہفتم واذا سمعوا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ

اور جب سنا انہوں نے وہ جو اتارا گیا طرف اُن پیغمبر کے تو دیکھتے ہو تم ان کی آنکھوں کو کہ بہتی ہیں آنسو سے اس وجہ سے

اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لئے

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

کہ پہچانا انہوں نے حق کو کہتے ہیں اے رب ہمارے ایمان لائے ہم بس لکھ تو ہم کو ساتھ گواہوں کے

کہ وہ حق کو پہچان گئے کہتے ہیں اے رب ہمارے ایمان لائے ہم تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں بعض عیسائیوں کی نرمی کا ذکر تھا' اب ان کی آنکھوں کی نمی' محبت الٰہی میں آنسو بہانے کا ذکر ہے۔ گویا قلب کی حالت بیان کرنے کے بعد چشم کی حالت زبان کی عبارت کا ذکر ہے۔ قلب کے بعد قالب کا تذکرہ ہے۔ چونکہ دل بادشاہ ہے جسم اس کی رعایا لہٰذا اول اس کا ذکر پہلے آنکھوں و زبان کا ذکر اب بعد میں ہوا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کی اس قرب محبت کا ذکر تھا جو انہیں مسلمانوں سے ہے اب اس کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ اس محبت مومنین کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل نرم آنکھیں تر ہو گئیں اور ایمان نصیب ہو گیا۔ صالحین کی محبت نیکیوں کی تخم ہے' تخم کا ذکر پچھلی آیات میں تھا۔ درخت یا پھلوں کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

حب درویشاں کلید جنت است بغض درویشاں کلید لعنت است

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کے مومنوں سے قریب المحبت ہونے کی دو وجہیں بیان ہوئیں ایک ان میں علماء صوفیوں درویشوں کا ہونا دوسرے ان کے دلوں میں تکبر و غرور نہ ہونا اب اس کی تیسری و چوتھی وجہ بیان ہو رہی ہے قرآن مجید کی آیات سن کر آنکھوں سے آنسو بہانا اور زبان سے اعلان کرنا گویا ایک نعمت کی چار وجہیں ہیں جن میں سے دو کا ذکر پہلے ہوا بقیہ دو کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں عیسائیوں کی محبت مومنین کا ذکر تھا۔ اب ان کی محبت قرآن اور محبت صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے کبھی محبت قرآن و محبت رسول پہلے نصیب ہوتی ہے محبت مومنین بعد میں بطور نتیجہ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کبھی سورج سے دھوپ کو معلوم کرتے ہیں کبھی دھوپ سے سورج کا پتہ لگاتے ہیں۔ یہاں دھوپ سے سورج کو معلوم کرنا ہوا' مسلمان دھوپ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج قرآن اسی شمس الضحیٰ کی نورانی شعاعیں ان لوگوں نے دھوپ سے سورج کا جانا۔

شان نزول : جب مہاجرین حبشہ بادشاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں بلائے گئے۔ جہاں حبشی عیسائی اور مشرکین مکہ کا اجتماع

تھا تو نجاشی بادشاہ نے امیر مہاجرین حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے قرآن میں ہماری مریم بتول کا ذکر بھی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے قرآن میں اس جناب کے ذکر کی پوری ایک سورت ہے۔ سورۂ مریم اور ان کا ذکر تو بہت جگہ ہے۔ شاہ حبشہ نے سورۂ مریم سنانے کی عرض کی' آپ نے یہ رکوع تلاوت کیا **واذکر فی الکتاب مریم** اور **فلک عیسی ابن مریم** تک پڑھا اس کے بعد سورۂ "شریف شروع سے **ھل اتاک حدیث موسی** تک کی تلاوت کی اس پر نجاشی اور اس کی درباری عیسائی بہت روئے۔ جیسا کہ ابھی اس سے پچھلی آیت میں عرض کیا گیا پھر نجاشی بادشاہ کے ستر' اصحاب مدینہ منورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورۂ یٰسین سنائی۔ جس پر وہ بہت ہی روئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' اور زار و قطار رونے لگے ان واقعات پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان لوگوں کے اس جذبہ کی تعریف فرمائی گئی۔ (تفسیر مدارک) یہ پورا واقعہ ابھی پچھلی آیت کریمہ میں تفصیل سے عرض کیا گیا۔

تفسیر: **واذا سمعوا ما انزل الی الرسول** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ معطوف ہے۔ **منھم قسیسین** پر اور واؤ عاطفہ ہے اس میں ان عیسائیوں کے مومنوں سے محبت کرنے کی تیسری چوتھی وجہ بیان فرمائی گئی معطوف علیہ میں پہلی دوسری وجہ بیان کی گئی تھی مگر اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ اسی دوسرے قول کو ترجیح ہے۔ (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ اس آیت سے قرآن مجید کا دوسرا خمس شروع ہوتا ہے پہلا خمس ختم ہو گیا۔ **لایستکبرون** پر لہذا مناسب یہ ہی ہے کہ یہ آیت نئی ہو۔ (صاوی) رب تعالیٰ نے یہاں **اذا** فرمایا **کلما** نہیں فرمایا۔ جس سے مسلمانوں کو اشارۃً بتایا کہ قرآن کریم سننے پر یہ وجدانی کیفیت یہ سوز و گداز ہمیشہ نہیں ہوتا یہ رنگ کبھی ہوتا ہے لہذا اگر کسی وقت تلاوت یا نماز یا عبادت یا وعظ میں یہ رنگ نہ آئے تو اس سے بددل نہ ہو جانا کہ یہ قبض و بسط ہر چیز میں ہوتا رہتا ہے' تم مزے کے لئے عبادت نہ کرو خدا کے لئے کرو **سمعوا** کا فاعل **ھم** ضمیر ہے' جس کا مرجع **انا نصاری** یا نصاری میں قسیسین و رہبان ہیں یہاں بھی **سمعوا** فرمایا استمعوا نہ فرمایا' جس میں اشارۃً بتایا کہ کبھی یہ وجدانی کیفیت اتفاقاً سن لینے سے بھی پیدا ہو جاتی ہے' خواہ ارادۃً توجہ سے سنے یا ویسے ہی اتفاقاً **ما انزل** سے مراد سارا قرآن مجید نہیں بلکہ اس کی بعض آیات مراد ہیں اس لئے **انزل** فرمانا درست ہے۔ ممکن ہے کہ **ما انزل** سے مراد قرآنی آیات بھی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ کے حالات بھی جو نجاشی بادشاہ نے ان مہاجر مسلمانوں سے سنے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ قرآن کریم میں جہاں **الرسول** یا **النبی** بغیر قید کور ہوتا ہے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں یہ تڑپا دینے والی شان جب پیدا ہوئی جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اس سے پہلے نہ کوئی اس سے تڑپا تھا نہ اس میں یہ سوز و گداز تھا اس لئے **القرآن** نہ فرمایا بلکہ **ما انزل الی الرسول** بڑی عبارت ارشاد ہوئی بلکہ یہ کتاب قرآن ہی جب بنی جب کہ اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ قرآن کے معنی ہیں پڑھی ہوئی کتاب کس کی پڑھی ہوئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ خالی بیڑی کچھ نہیں کرتی مگر جب مشین میں چارج کر دی جائے پھر سب کچھ کرتی ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ وہ ہے جہاں قرآنی عبادات بلکہ دلوں کی بیڑیاں چارج کی جاتی ہیں اس آستانہ سے کعبہ میں زمین مدینہ میں پاور بھرا گیا اس کارخانہ سے حضرت صدیق و فاروق مہاجرین و انصار کی

بیڑیاں چارج ہوئیں ' دعائیں وہ ہی قبول ہوتی ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کلپاور ہو تری اعینھم تفیض من الدمع یہ عبارت واذا سمعوا کی جزا ہے دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا اس لئے اس کا مفعول ایک ہی آیا۔ یعنی اعینھم تری میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا حضرات صحابہ کرام سے جنہوں نے ان عیسائیوں کا رونا آنکھوں سے دیکھا۔ تفیض حال ہے ' اعینم کا اور من الدمع تفیض کی تمیز ہے کائنا" یا ثابتا" کے متعلق ہو کر یہ عبارت تین طرح سے نہایت ہی فصیح و بلیغ ہے۔ بہتے ہیں آنسو مگر فرمایا گیا ان کی آنکھیں بہتی ہیں ' پھر آنسوؤں کا ذکر دمعا" سے نہ فرمایا بلکہ الدمع معرفہ سے کیا۔ پھر الدمع پر من داخل فرمایا اس میں ایسی خوبیاں ہیں جو قال سے نہیں بلکہ حال سے معلوم ہو سکتی ہیں ' تفیض بنا ہے فیض سے بمعنی چھلکنا یعنی برتن کا بھر جانا اور اس سے کچھ گر جانا بزرگوں کے فیوض و برکات کو اس لئے فیض کہتے ہیں کہ وہ ان کے بھرے ہوئے دل کا چھلکاؤ ہوتا ہے جو جوش میں بہنے لگتا ہے۔ جس سے ہم جیسے لوگ چلو بھر لیتے ہیں یعنی ان کی آنکھیں آنسوؤں سے اس قدر بھر جاتی ہیں کہ ان سے آنسو ابل پڑتے ہیں۔ تم ان کا یہ حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ خیال رہے: کہ برتن سے کوئی چیز گر جانے میں برتن خالی ہو جاتا ہے آس پاس چیز بہہ جاتی ہے اسے اردو میں گر جانا بہہ جانا اور عربی میں سیلان یا جریان کہا جاتا ہے مگر چھلکنے میں برتن خالی نہیں ہوتا' آس پاس چیز بہہ جاتی ہے جس سے چیونٹی مکھی وغیرہ جانور پی لیتے ہیں اسے عربی میں فیض اردو میں ابلنا یا چھلکنا کہا جاتا ہے چونکہ مرد مومن کے ایسے آنسو جو عشق الٰہی میں بہیں اس زمین کے لئے جہاں وہ بیٹھ کر روئے اس در و دیوار کے لئے بلکہ وہاں کے ذروں کے لئے جو شخص وہاں محبت و اخلاص سے آکر بیٹھ جائے اس کے لئے فیض رساں ہوتے ہیں اور خود رونے والے کے لئے کمی نہیں ہوتی اس لئے یہاں تفیض فرمایا۔ فیض کے معنی یہاں بہت چسپاں ہیں ' مما عرفوا من الحق اس عبارت میں دو من ہیں۔ پہلا مما میں دوسرا من الحق میں پہلا من تعلیلیہ ہے ما مصدریہ دوسرا من یا ما کا بیان ہے یعنی من بیانیہ یا من تبعیضیہ ہے۔ حق سے مراد یا قرآن مجید ہے یا اسلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا یہ تمام چیزیں کیونکہ یہ سب حق ہیں یعنی وہ لوگ قرآن سن کر اس لئے روتے ہیں کہ وہ حق کو پہچان چکے یقولون ربنا امنا۔ یہ عبارت نیا جملہ ہے یا عرفوا کے فاعل سے حال ہے یقولون کا فاعل وہی قرآن سن کر رونے والے عیسائی ہیں۔ ربنا سے پہلے یا پوشیدہ ہے امنا کا مفعول بہ پوشیدہ ہے یعنی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بالقرآن یا بما انزل یعنی وہ لوگ رو کر یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم قرآن پر یا ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یا اس اتارے ہوئے پر ایمان لے آئے ہمارے گذشتہ گناہ معاف فرمادے یہ کلام یعنی امنا اب ایمان لانے کے لئے ہے نہ کہ گذشتہ ایمان کی خبر دینے کے لئے جیسے بعث اور اشترایت (تفسیر مدارک) فاکتبنا مع الشاہدین اس جملہ میں ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ اکتب سے مراد یا مسلمانوں کے دفتر میں نام لکھنا ہے یا بمعنی اجعل شاھدین سے مراد وہ پرانے مسلمان ہیں جو پہلے کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان لا چکے ہیں ' اور صدیق و فاروق یا مہاجرین و انصار بن چکے ہیں یا اس سے مراد امت محمدیہ ہے جو قیامت میں تمام نبیوں کے حق میں گواہی دے گی۔ لتکونوا شھداء علی الناس یعنی اگرچہ ہم آج مسلمان ہوئے مگر ہمیں اپنے فضل و کرم سے پرانے مسلمانوں میں سے بنادے یا ہم کو قیامت میں امت محمدیہ میں اٹھا جو حضرات انبیاء کی گواہ ہے۔ خیال رہے: کہ انجیل شریف میں امت محمدیہ کے فضائل میں یہ بیان فرمایا گیا تھا کہ وہ امت سارے نبیوں کی گواہ ہوگی۔ وہاں سے معلوم کر کے یہ دعا مانگ رہے ہیں لہٰذا آیت واضح ہے (تفسیر مدارک) یا یہ مطلب ہے کہ مولیٰ ہم کو بھی اتفاقا" تیرے محبوب کی گلی میں پھیرا مار چلے پھر ہمیں

یہاں آنا میسر ہو یا نہ ہم تو غائبین ہیں یہ خوش نصیب صحابہ جو ہر وقت تیرے محبوب کے آستانہ میں سایہ کی طرح حاضر رہتے ہیں ہم غائبین نجورین کو ان حاضرین شاہدین کے ساتھ لکھ لے ہمارا نام بھی ان کے دفتر میں آجائے' غرضیکہ شاہدین یا بنا ہے شہود سے یا شہادت سے یا مشاہدہ سے یہاں ہر معنی درست ہیں۔ شہود حاضری' شہادت گواہی' مشاہدہ نظارۂ جمال مصطفائی۔

خلاصہء تفسیر : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان نو مسلم عیسائیوں کی چار حالتوں کا ذکر فرمایا کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سننا۔ آنکھوں سے آنسو بہانا' دل میں سوز و گداز معرفت الٰہی کا ہونا زبان سے اپنے ایمان کا اظہار کرنا پھر اچھوں کا سنگ مانگنا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ ان مذکورہ عیسائیوں کے دلوں کا حال تو وہ ہے جو آپ نے ابھی سن لیا اور ان کا عمل یہ ہے کہ یہ لوگ جب حضرات صحابہ سے یا آپ سے یا مسلمانوں سے وہ قرآن وغیرہ سنتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا تم آپ دیکھتے ہی ہو کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگتی ہیں اس طرح کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑتے ہیں۔ یہ آنسوؤں کا ابل پڑنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ حق پہچان چکے ہیں بذریعہ انجیل شریف قرآن مجید کی حقانیت پہچان چکے ہیں یا قرآن سنتے ہی حق پہچان گئے اسلام کی حقانیت معلوم کر گئے یا انہوں نے قرآن کے ذریعہ آپ کو پہچان لیا۔ آپ سراپا حق ہیں بعض لوگوں نے آپ سے قرآن کو جانا۔ بعض نے قرآن سے آپ کو پہچانا یہ پہلے لوگوں میں سے ہیں انہوں نے اس سوز و گداز کو غنیمت جانتے ہوئے یہ کیا کہ وہ روتے ہوئے دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی ہم ایمان لائے تو ہمارے ایمان کا گواہ رہ' اور اپنے فضل و کرم سے ہم کو پرانے مسلمانوں میں شامل فرما لے یا قیامت میں ہم کو ان شاہدین میں اٹھا جو حضرات انبیاء کرام کے گواہ ہیں' خیال رہے: کہ جیسے عرق کشید کرتے وقت دوا اور پانی دیگ۔ یعنی قرع میں ہوتا ہے۔ آگ کی گرمی سے اس کی بھاپ اوپر والے انبیق سے ٹکرا کر پانی بن جاتی ہے وہ پانی ٹوٹی سے ٹپک جاتا ہے ایسے ہی رونے کی حالت میں دل سے گرم بھاپ سی اٹھتی ہے دماغ سے ٹکرا کر پانی بنتی ہے وہ پانی آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے ٹپک پڑتا ہے یہ آنسو رونے کا آخری درجہ ہے۔ یہاں ذکر ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ابلتی ہیں اگر فقط بکوا فرمایا جاتا تو یہ باریک بات حاصل نہ ہوتی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دوسرے سے قرآن مجید پڑھوا کر سننا بھی عبادت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب سے قرآن مجید پڑھوا کر سنا یہ فائدہ' واذا سمعوا سے حاصل ہوا۔ سبحان اللہ قرآن پاک پڑھنا' عبادت سننا عبادت اسے دیکھنا عبادت' اسے چھونا اسے لکھنا اسے لکھوانا سب عبادت ہے نیز اس گریہ وزاری سوز و گداز کو غنیمت جانے۔ اس موقعہ پر دعا ضرور مانگے یہ وقت نزول رحمت الٰہی کا ہے نیز دعا کے الفاظ منہ سے ضرور کہے اور دعا میں اولا" ربنا یا اللھم ضرور کہے کہ یہ آداب دعا سے ہے ربنا کہنے میں اپنے پروردہ ہونے رب کے مالک ہونے کا اقرار ہے۔ دوسرا فائدہ: اگر بغیر ارادہ کان میں قرآن مجید کی آواز آجائے اور ارادے سے سنے تو یہ بھی عبادت ہے یعنی ارادۃ" سننا بھی عبادت ہے اور اتفاقا" سن لینا بھی عبادت یہ فائدہ بھی واذا سمعوا سے حاصل ہوا کہ سمع کہتے ہیں مطلقا سننے کو اور استماع کہتے ہیں ارادۃ" توجہ سے سننے کو' اسی لئے اگر آیت سجدہ اتفاقا" سن لے تب بھی سجدہ تلاوت واجب ہے۔

تیسرا فائدہ: قرآن مجید کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ طاہرہ سننا بھی عبادت ہے یہ فائدہ ما انزل الی الرسول سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام' کلام' اعمال' احوال سب رب

کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں۔ چوتھا فائدہ: قرآن کریم سن کر رونا بلکہ ہر ذکر الٰہی پر گریہ وزاری کرنا اگر عشق و محبت سے ہو تو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے یہ فائدہ تفیض من الدمع سے حاصل ہوا بلکہ عذاب الٰہی سن کر خوف سے رونا اور رحمت الٰہی سن کر امید سے رونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ان کے رب کی صفات پر شوق و محبت سے رونا یہ سب کچھ عبادت ہے بلکہ ان کے نام پر وجد کرنا جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم یعنی جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے ان کا حال یہ ہے۔ اللہ رسول کے ذکر سے ان کی کھالوں پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے! مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے!
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے! دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

پانچواں فائدہ: قرآن کریم جب لوح محفوظ ہی میں تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی نازل نہ ہوا تھا تو اس میں الفاظ۔ معانی احکام، مضامین، عرفان ایمان سب کچھ تھا مگر سوزو گداز و رونہ تھا یہ صفت قرآن میں جب پیدا ہوئی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھ لیا اس زبان فیض ترجمانی سے مس ہو کر سوزو گداز و درد، عشق، جذبہ سب کچھ اس میں ہو گیا۔ جیسے لوح محفوظ میں قرآن کریم، مکی، مدنی نہ تھا اس میں وقف سکتہ، رکوع وغیرہ نہ تھے یہ سب چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے سے حاصل ہوئیں۔ ایسے ہی یہ ہے یہ فائدہ بجائے القرآن کے ما انزل الى الرسول فرمانے سے حاصل ہوا۔ بلکہ زمین مدینہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان ہماری عبادات میں دعاؤں میں سوزو گداز درد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے ہی ہے۔ یہ سودا صرف اسی دوکان سے ملتا ہے۔ چھٹا فائدہ: رونے کے ساتھ معرفت حق ہو تو نور پر نور ہے۔ یہ فائدہ مما عرفوا الخ سے حاصل ہوا۔ جب مزہ ہے کہ دل عشق سے پر ہو آنکھیں آنسوؤں سے محبت کی جڑ دل میں قائم ہو اس کی شاخیں آنکھوں وغیرہ ہیں۔ ساتواں فائدہ: رو رو کر دعا مانگنا قبولیت سے قریب ہوتا ہے، یہ فائدہ فاكتبنا مع الشهدين سے حاصل ہوا یعنی وہ لوگ روتے ہوئے یہ دعا مانگتے ہیں۔

دعائیں تو سالک بہت ہیں مگر اثر کے لئے چشم تر چاہئے

یہ کرم بھی رب کی طرف سے ہی ہوتا ہے ادھر سے فیض ہو تو آنکھوں میں نمی آتی ہے بلکہ ہمارا بزرگوں کے پاس حاضری دینا دل کی نرمی آنکھوں کی نمی حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ آٹھواں فائدہ: معرفت الٰہی سے جو رونا ہو وہ بہت مقبول ہے رونے کی بہت قسمیں ہیں۔ ان میں سے وہ قسم اچھی ہے جس کا تعلق معرفت الٰہی اور عشق مصطفوی سے ہو۔ خیال رہے کہ عشق معرفت کے بعد ہوتا ہے یہ فائدہ مما عرفوا الخ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اپنے ایمان کا اعلان اور لوگوں کے سامنے اقرار کرنا بھی رب تعالیٰ کو پیارا ہے بلکہ اقرار شرط ہے احکام اسلامیہ جاری کرنے کے لئے یہ فائدہ يقولون ربنا امنا الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: پرانا مسلمان ہونا یعنی قدیم الاسلامی اللہ کی نعمت ہے یہ فائدہ مع الشاهدين کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ان نو مسلموں نے پرانے مسلمانوں کے ساتھ ہو جانے کی آرزو کی۔ گیارھواں فائدہ: کسی بندے کا اچھا ہونا بھی اللہ کی نعمت ہے اور اچھوں کے ساتھ ہونا ان کے زمرہ میں داخل ہونا بڑی نعمت ہے، یہ نعمت دنیا میں بھی مفید ہے، آخرت میں بھی فائدہ مند یہ فائدہ مع الشاہدین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اصحاب کہف کا کتا اچھوں کے ساتھ ہو گیا۔ اس کا بھی

بیڑا پار لگ گیا۔ بارھواں فائدہ: نو مسلم اور پرانے مسلمان ایمان میں برابر ہیں۔ سب کا حشر ایک ساتھ ہو گا یہ فائدہ بھی مع الشاہدین کی تفسیروں سے حاصل ہوا۔ رب تعالٰی نے ان کی اس دعا کا تو ذکر فرمایا مگر یہ نہ فرمایا کہ ان کی یہ دعا رد ہو گئی معلوم ہوا کہ قبول ہو گئی۔ تیرھواں فائدہ: اہل کتاب اگرچہ سارے نبیوں 'کتابوں' توحید وغیرہ کو مانتے ہوں مگر مومن نہیں کافر ہیں۔ جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں یہ فائدہ امنا سے حاصل ہوا کہ ان عیسائیوں نے کہا کہ ہم اب ایمان لائے۔ چودھواں فائدہ: بعض تحریریں ہمارے اعمال کے بعد ہوتی ہیں۔ جیسے اعمال نامہ کی تحریر یہ فائدہ فاکتبنا سے حاصل ہوا کہ انہوں نے عرض کیا کہ اب تک ہمارا نام کفار کی فہرست میں تھا۔ اب وہاں سے مٹا کر مومنین کی فہرست میں لکھ دے کیونکہ ہم ایمان لا چکے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی ما انزل الی الرسول صرف القرآن کیوں نہ فرمادیا گیا جو مختصر تھا۔ جواب: اس کے کئی جواب اشارۃ" ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے گئے کہ یا تو اس لئے کہ ان لوگوں نے قرآن مجید کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سن کر گریہ وزاری کی ما انزل میں ان دونوں کا شامل فرمایا گیا یا اس لئے کہ قرآن کریم میں یہ تڑپا دینے کی تاثیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے کے باعث پیدا ہوئی کارتوس بندوق میں آکر اپنا کمال دکھاتا ہے۔ دوسرا اعتراض: قرآن کریم تو آہستہ آہستہ تیئس سال میں نازل ہوا پھر اس کے لئے انزل کیوں ارشاد ہوا۔ انزال کے معنی ہیں ایک دم اتارنا۔ جواب: یا تو یہاں انزال میں تجرید ہے اور اس کے معنی ہیں مطلقاً اتارنا۔ یکدم اور آہستگی کا لحاظ نہیں یا قرآن کریم کا نزول کئی بار ہوا ایک بار آہستگی سے اور بار ہا یکدم۔ چنانچہ جبریل امین ہر ماہ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سناتے تھے یا ان لوگوں نے پورا قرآن نہ سنا تھا بلکہ کچھ آیات سنی تھیں ان آیات کا نزول یک دم ہی ہوا تھا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے عیسائی قرآن مجید سنکر روتے اور اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں۔ کیونکہ پچھلی آیت میں عام عیسائیوں کا ہی ذکر ہے یہ بات تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بہت عیسائی قرآن مجید کی تردید کرتے اس کا مذاق اڑاتے ہیں' پھر یہ فرمان درست کیونکر ہوا۔ جواب: پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ الذین قالوا انا نصری میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے نجاشی اور ان کے ساتھی اور وہ ستر عیسائی مراد ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تب تو یہ آیت کریمہ واضح ہے کہ یہ لوگ جو ایمان لائے ان کا یہ حال ہے کہ قرآن سنکر روتے اور عرض کرتے ہیں' دوسرے یہ کہ قالوا انا نصاری سے مراد عام عیسائی ہیں کہ یہ بمقابلہ مشرکین و یہود نرم ہیں اس صورت میں واذا سمعوا سے مراد ان میں سے بعض لوگ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان عیسائیوں میں بعض لوگ تو یہاں تک مسلمانوں سے قریب ہیں کہ قرآن سن کر رو پڑتے ہیں' مومن بن جاتے ہیں بلکہ بیان القرآن میں محمد علی لاہوری نے تو یہاں لکھا کہ لارڈ ہیڈلے رات کو تہجد کے وقت نماز میں قرآن مجید پڑھ کر روتا تھا اور ابھی آج کئی یورپین عیسائی ہیں جن کے دل قرآن مجید کے سننے سے پگھلتے ہیں واللہ اعلم' بہر حال یہ آیت کریمہ بالکل درست ہے' بعض عیسائیوں نے مسلمان ہو کر قرآن مجید کے ترجمے تفسیریں انگریزی میں شائع کیں۔ چنانچہ آج کل محمد پکتھال انگریز کا انگریزی ترجمہ بہت مروج ہے میں نے حرمین شریفین میں انگریز عیسائیوں کی تفسیر انگریزی میں دیکھی وہاں یہ تفسیریں انگریزی خواں حاجی مسلمانوں کو مفت دی جاتی ہیں' کسی مشرک یا

یہودی کو اس قسم کی توفیق نہ ملی- **چوتھا اعتراض:** یہ عیسائی جب مسلمان ہو گئے تو انہیں عیسائی کیوں کہا گیا- مسلمان ہو جانے کے بعد ان کا مسلمانوں سے محبت کرنا قرآن مجید سن کر رونا اپنے ایمان کا اعلان کرنا عجیب بات نہیں مشرکین اور بعض یہود بھی مسلمان ہو کر یہ کام کرتے ہیں- سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مسلمان ہو کر بڑے مبلغ اسلام ہوئے- **جواب:** اس کا جواب پچھلی آیت میں دے دیا گیا کہ عیسائیوں میں ایسے مخلص بہت ہوئے مشرکین' یہود ہیں بہت تھوڑے جو نہ ہونے کے برابر ہیں' اس کے متعلق بہت کچھ وہاں ہی عرض کیا گیا- وہاں ہی ملاحظہ کرو- **پانچواں اعتراض:** ان عیسائی نو مسلموں سے مسلمان ہو چکنے کے بعد یہ کیوں دعا کی کہ **فا کتبنا مع الشاہدین** یہ لوگ شاہد تو ہو ہی گئے ہر مسلمان شاہد ہے' **جواب:** اس کے دو جواب تفسیر میں عرض کئے گئے- ایک یہ کہ شاہدین سے مراد ہیں پرانے مسلمان جو ان لوگوں سے بہت پہلے توحید و رسالت کی گواہی دے رہے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم آج مسلمان ہوئے ہیں' مگر مولیٰ اپنے کرم سے ہم کو ان پرانے مسلمانوں میں شمار فرمالے جو ہم سے پہلے بہت نیک اعمال کر چکے- دوسرے یہ کہ شاہدین سے مراد ہے قیامت میں انبیاء کرام کے گواہ تو مطلب یہ ہے کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہمارا حشر مسلمانوں کے ساتھ کر ان کی طرح ہم کو انبیاء کرام کا گواہ بنا یہ سعادت ان کے ساتھ ہم کو بھی نصیب کر- **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی **اعینھم تفیض من الدمع** صرف **یبکو** کیوں نہ فرمادیا گیا' وہ تو مختصر لفظ تھا- **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ ان کے یہ آنسو دوسروں کے لئے فیض رساں ہوتے ہیں- خوف خدا عشق حضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں رونے والے کی جگہ بھی بافیض ہو جاتی ہے' تفیض بہت ہی پر لطف لفظ ہے-

تفسیر صوفیانہ : قرآن مجید پڑھنے اور سننے والے مختلف قسم کے ہیں جن میں سے بعض وہ خوش نصیب ہیں جن کی زبان اور کان میں الفاظ قرآن پہونچتے ہیں ان کی عقل تک شواہد قرآن ان کے دلوں تک حلاوت ولذت قرآن پہنچتے ہیں ان کی روحیں اسی قرآن کے ذریعہ جمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر لیتی ہیں ان کے اسرار صفات الٰہی کا نظارہ کرتے ہیں ایسے قاریوں اور سامعین پر علوم غیبیہ اسرار الٰہیہ تجلیات ربانیہ کھل جاتے ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں ان کے دل مجلس سماع میں عشق کی آگ سے بھڑک جاتے ہیں- ان کے رونگٹے خوف خدا سے کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے اعضاء پر وجدانی علامات طاری ہو جاتی ہیں- ان کے یہ حالات اپنے اختیار میں نہیں بلکہ کسی طرف سے فیض کا نتیجہ ہوتے ہیں- ان کے پاس کے جن و انس بلکہ زمان و مکان میں عجیب تاثیرات پیدا ہوتے ہیں- اس آیت کریمہ میں اس حقانی جماعت کا ذکر ہے-

حکایت : حضرت جنید بغدادی ایک بار نماز میں یہ آیت کریمہ بار بار تلاوت کر رہے تھے **کل نفس ذا ئقتہ الموت** ہاتف غیبی نے آواز دی اے جنید تمہاری تکرار آیت سے چار مومن جن مر چکے ہیں جنہوں نے ہیبت الٰہی میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا اب اور کتنوں کو مارو گے آگے بڑھو- حضرت ابو بکر صدیق قرآن مجید پڑھتے وقت بے تاب ہو کر روتے تھے' یہ عیسائی مومن حضرات صحابہ کرام کے فیضان سے آن کی آن میں درجہ پر پہنچ گئے اور اس مرتبہ پر پہنچ کر بھی اپنے کو مبتدی تصور کر کے کہنے لگے کہ مولیٰ ہم کو اس جماعت میں شامل فرمادے جو تیرے رسول کی قدر و منزلت کا مشاہدہ کرنے والے ہیں- انہوں نے

حق یعنی قرآن کو تو پہچان لیا اب صاحب قرآن حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے مشاہدہ کرنے کا شوق دامن گیر ہوا اور یہ دعا مانگی قرآن مومن کی ابتدا' ہے' صاحب قرآن انتہا (تفسیر عرائس البیان) عارف پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ حضور ہی اس کی ابتدا ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی انتہا ہے

مرد مومن نائب پیغمبر است مرد مومن مالک خشک و تر است

مرد مومن را محمد انتہاء است! مرد مومن را محمد ابتدا است

صوفیاء فرماتے ہیں کو کامل وہ ہے جو اچھا ہو اور اچھوں کے ساتھ ہو اچھوں کا ساتھ اللہ کی بڑی رحمت ہے اس لئے ان لوگوں نے دعا کی کہ ہم کو شاہدین کے ساتھ لکھ لے لکڑی کے سہارے لوہا تر جاتا ہے۔ نیکوں کے سہارے ہم شامتوں کے مارے گنہگاروں کا انشاء اللہ بیڑا پار ہوگا۔ ہر رشتہ نسبت دیکھتا ہے' زوجیت' براوری وغیرہ ہم جنس سے ہی ہو سکتی ہے مگر عشق وہ رشتہ ہے جو نہ نسبت دیکھے نہ جنسیت نہ براوری نہ برابری حتی کہ گنہگار کو جناب احمد مختار سے عشق ہو جاتا ہے بلکہ بندہ کو پروردگار سے والہانہ محبت ہو جاتی ہے "گنہگار جانتا ہے کہ میں کہاں' حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں۔

لاف مہرش چہ زتم من حبشی او قرشی فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی

مگر پھر دل اختیار میں نہیں اس آستانہ تک پہنچ ہی جاتا ہے' ان کے قدموں سے لپٹ ہی جاتا ہے' عشق کا خدا بھلا کرے کہ ہم جیسے بدکاروں کو سرکاروں تک پہنچا رہا ہے۔ اب پڑھو **فاکتبنا مع الشاہدین** اگر اس آیت کی زندہ و جاوید تفسیر دیکھنا ہے اور مع الشاہدین کی لذت پوچھنا ہے تو حضرت بلال کو دیکھو۔ ان سے اس ہمراہی کی لذت پوچھو ڈاکٹر اقبال نے حضرت بلال کی بارگاہ میں عرض کیا ہے۔

حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا

تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی ہوئی اسی سے ترے دم قدم کی آبادی

کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے سہے وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لئے

اسی معیت کی برکت ہے جس نے حضرت بلال کو زندہ جاوید بنادیا۔

رومی کو ہے فنا حبشی کو دوام ہے اقبال کس کے لطف کا یہ فیض عام ہے

یہ آیت کریمہ مسائل تصوف کی کان ہے۔ کلام الٰہی سن کر رونا۔ یار کے ذکر پر وجد آنا' رونے اور وجدانی حالت میں کچھ منہ سے عشقی الفاظ ابل پڑنا۔ اچھوں کے ساتھ کی دعائیں کرنا' ایمان کے وسیلہ سے دعائیں مانگنا وغیرہ سبھی کچھ اس سے ثابت ہوتا ہے' نیز ان آنسوؤں سے فیض پہنچ رہی ہے کب تک قیامت تک کہ ان آنکھوں کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیض کا چشمہ ہیں گھڑے کا پانی ختم ہو جاتا ہے کہ وہ چشمہ سے کٹ گیا مگر نلکے کا پانی ختم نہیں ہوتا کہ اس کا تعلق چشمہ سے ہے ایسے رونے والے اللہ کے مقبول ہیں ان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پھر ان کا فیضان ختم کیسے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیضان کا چشمہ ہیں اولیاء اللہ اس چشمہ کے نلکے تمام دنیا اس سے ہمیشہ فیض لے مگر وہاں کمی نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں' جیسے پنسل کے سرے پر حرف مٹانے والا ربڑ لگا ہوتا ہے تو پنسل کا ایک سرا لکھنے کا کام کرتا ہے۔ دوسرا سرا ربڑ والے

لکھے کو مٹانے کا ایسے ہی ہمارے زبان اور دیگر اعضاء کے دو کنارے ہیں' ایک کنارہ سے گناہ ہوتے ہیں دوسرے کنارہ سے کئے ہوئے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ جھوٹ بولے بدنظری کی گناہ لکھے گئے' توبہ کرلی' آنکھ سے آنسو بہالئے سب کئے گناہ بے کئے بن گئے' دیکھو وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم کو شاہدین کے ساتھ لکھ لے یعنی اس آنسو توبہ کی برکت سے ہمارے نام کفار کی فہرست سے اپنی عفو و کرم سے مٹا دے اور مومنوں کی فہرست میں درج فرمادیئے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا

اور کیا حال ہے ہمارا کہ نہ ایمان لائیں ہم ساتھ اللہ کے اور اس کے جو آیا ہمارے پاس حق سے اور لالچ کرتے ہیں ہم یہ

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر کہ ہمارے پاس آیا اور ہم طمع کرتے ہیں

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ قوم نیک کے تو ثواب دیا ان کو اللہ نے بوجہ اس کے جو کہا انہوں نے وہ باغات کہ

کہ ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے تو اللہ نے ان کے کہنے کے بدلے انہیں باغ دیئے جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ ہے نیک کام والوں کا اور وہ لوگ جنہوں

نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بدلہ ہے نیکوں کا اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع ۱

نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ یہی لوگ ہیں دوزخ والے

آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخ والے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں نو مسلم عیسائیوں کی چشم گریاں زبان ذاکر کا ذکر تھا۔ اب ان آیت میں ان کے دل بریاں اور ارادے کی پختگی کا تذکرہ ہے گویا ان کے ظاہر کا ذکر فرمانے کے بعد ان کے باطن کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان نو مسلم عیسائیوں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کے ایمان سے نہ نکل سکنے کا تذکرہ ہے کہ ان میں ایمان ایسا رچ گیا کہ کسی کے طعن کسی کی ملامت سے نکل نہ سکا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مومنوں کی ایمانی پختگی کا تذکرہ تھا۔ اب ان آیات میں ان کے ثواب ان کی مقبولیت کا ذکر ہے کہ ارشاد ہے **فاثابھم اللہ** **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان نو مسلموں کے داخل **فی الدین** ہونے کا ذکر تھا

اب ان کے داخل فی الصالحین ہونے کا تذکرہ ہے یعنی وہ آن کی آن میں دین میں بھی آ گئے اور صالحین کے زمرہ میں بھی داخل ہو گئے۔

شان نزول : جب حبشی عیسائیوں کا ستر آدمیوں کا وفد مدینہ منورہ سے مومن ہو کر اپنے ملک حبشہ میں واپس پہنچا اور یہود کو ان کے ایمان قبول کر لینے کی خبر ہوئی تو وہاں کے یہودیوں نے انہیں ملامت کی ان پر زبان طعن دراز کی کہ تم لوگوں نے اپنا جدی پشتی دین چھوڑ دیا اور ایسا نیا دین اختیار کر لیا جو اس علاقہ میں پہلے سے نہ تھا تب ان لوگوں نے ان یہود کو وہ جواب شاندار دیا جس کا یہاں ذکر ہے (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی وغیرہ)

تفسیر : **وما لنا لا نومن باللہ وما جاء نا من الحق**- قوی احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہٰذا **و مالنا** کا واؤ ابتدائیہ ہے **ما** تعجب سے استفہام کے لئے ہے اور **لا نومن** حال ہے **لنا** کی ضمیر سے **باللہ** متعلق ہے **نومن** کے اور **وما جاء** نا الخ معطوف ہے اللہ پر اس صورت میں یہ کلام وہ ہے جو ان نو مسلموں نے اپنے دل میں سوچا یا رب تعالیٰ سے عرض کیا اور ہو سکتا ہے کہ اس میں ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہو۔ جنہوں نے ان لوگوں کو مسلمان ہو جانے پر طعنہ دیا ہو کر تم نے اپنے پرانے دین کو کیوں چھوڑا۔ اور مسلمان کیوں ہو گئے تب واؤ زائدہ ہے۔ پوشیدہ سوال کے جواب میں واؤ زائدہ آ سکتا ہے (روح المعانی)۔ بہر حال ان کا یہ کلام نہایت ہی مخلصانہ ہے حق سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات حق جنکا ہر قول ہر فعل ہر ادا حق ہے جو سراپا حق ہیں یا مراد قرآن مجید ہے یا اسلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یعنی وہ نو مسلم اپنے دل میں سوچتے ہیں یا رب تعالیٰ سے بطور شکریہ عرض کرتے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ہیں بطور عقیدت کہتے ہیں یا طعنہ دینے والے عیسائیوں یہودیوں کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سراپا حق ہیں کیوں ایمان نہ لائیں۔ ہمارے پاس وہ حق تشریف لے آیا۔ پھر اس پر ایمان نہ لانا' بڑی ناشکری' بے قدری ہے۔ **ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصلحین** یہ جملہ **لا نومن** کی ضمیر سے حال ہے **نطمع** سے پہلے مبتداء پوشیدہ ہے کیونکہ مضارع جب حال ہو تو اس کے اول واؤ نہیں آتا واؤ صرف جملہ اسمیہ حالیہ کے اول آتا ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ عبارت **نومن** پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور **لا** نفیہ کے تحت ہے۔ **طمع** سے مراد امید قوی ہے یا مراد ہے لالچ۔ دنیاوی لالچ بری ہے' دینی لالچ اچھی یہاں دینی لالچ مراد ہے یا طمع کے معنی ہیں کسی چیز سے سیر نہ ہونا زیادتی کی خواہش کئے جانا اس کا مقابل ہے قنع سیر ہونا زیادتی کی خواہش نہ کرنا قنع سے بنا ہے قناعت دنیا کے لئے قناعت اچھی آخرت کے لئے طمع اچھی **یدخل** کا پہلا مفعول تو ہے **نا** اور ' مفعول دوم **الجنتہ** پوشیدہ ہے۔ قوم صالحین سے مراد وہ حضرات صحابہ کرام ہیں جو ان سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور مہاجرین و انصار کے لقب سے سرفرازی پا چکے تھے۔ بہت جہاد و نیک اعمال کر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر خدا رسیدہ ہو چکے تھے یعنی ہم لوگ اگرچہ ہیں تو نو مسلم اسلام سے ناواقف آج ہی مسلمان ہوئے مگر ہم کو اپنے رب کریم سے امید قوی ہے کہ ہم کو ان قدیم الاسلام صحابہ کرام کے ساتھ ہی جنت میں داخل فرما دے جو ہم سے پہلے اسلام کی بڑی بڑی خدمات کر کے بہت ترقیاں کر چکے یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو اپنے رب سے طمع ہے کہ صالح مومنین میں ہم کو داخل فرما لے اس زمرہ میں ہمارا شمار فرما لے غرضیکہ یا تو وہ صالحین کے ساتھ رحمت میں داخلہ مانگ رہے ہیں یا صالحین کا ساتھ مانگ رہے ہیں

فاثابھم اللہ بما قالوا اس جملہ میں ان کے اخلاص' دعاوغیرہ کے نتیجہ کا ذکر ہے۔ اس لئے اس پر ف ترتیب کی لائی گئی۔ **اثاب** بناہے **اثابتہ** سے جس کا مادہ ثواب ہے بمعنی نیک بدلا اور جزاء خیر ھم کا مرجع وہی نو مسلم عیسائی ہیں۔ جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے' **بما** میں ب سببیہ ہے اور **ما** مصدر یہ قول سے مراد یا تو ان کا زبانی قول ہے جو ابھی مذکور ہوا جو صحیح اعتقاد کے ساتھ تھا یا مراد ہے دلی قول یعنی عقیدہ یا اس سے مراد وہ دعا ہے جو ابھی مذکور ہوئی یعنی **فاکتبنا مع الشاہدین**۔ **بما کانوا** سے یہ بتایا گیا کہ یہ ثواب ان کے صرف اس دعا کا اس کلام کا نتیجہ ہے صرف اس قول کو ہم نے قبول کرلیا اور انہیں سب کچھ دے دیا۔ **جنت تجری من تحتھا الا نھار** یہ اثاب کا دوسرا مفعول ہے جنت کے معنی اس کے جمع لانے کی وجہ بہنے کے معانی انہار و بحار میں فرق کہ جنت میں پانی دودھ شہد شراب طہور کی نہریں کیوں ہیں دریا کیوں نہیں۔ یہ سب باتیں بارہا بیان ہو چکیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ آخرت میں باغات ہیں جن میں پھل ہوتے ہیں وہاں دانے کے کھیت نہیں کیونکہ دانہ بھوک دور کرنے پیٹ بھرنے کے لئے ہوتا ہے پھل لذت کے لئے وہاں بھوک نہیں تاکہ کھیت کے دانے ہوں یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ جب کرم کرے گا تو ایک مومن کو ایک قول یا ایک عمل کے عوض ایک دو بلکہ بہت سی جنتیں عطا فرمادے گا پھر ہر جنت میں ایک دو نہریں نہ ہوں گی بلکہ بہت سی نہریں ہونگی وہ کریم ہم کو ہمارے لائق جزا نہ دے گا بلکہ اپنی کرم نوازی اپنی شان کے لائق دے گا۔ خیال رہے کہ ان لوگوں نے نیکوں کا ساتھ مانگا تھا۔ جنت نہیں مانگی تھی مگر چونکہ نیکوں کا ساتھ جنت میں ہی مل سکے گا اس لئے انہیں جنت بھی دے دی گئی' دانہ حاصل کرنے والے کسان کو بھوسہ بھی مل جاتا ہے' ایسے ہی صالحین کا ساتھ مانگنے والوں کو جنت بھی عطا ہو جاتی ہے۔ **خلدین فیھا** یہ عبارت اثابھم کی ضمیر ھم سے حال مقدرہ ہے' خلود کے معنی بہت رہنا بھی ہوتے ہیں اور ہمیشہ رہنا بھی' یہاں ہمیشہ رہنا مراد ہے کیونکہ بہت سی آیات میں ان کے ساتھ ابدا بھی مذکور ہے یعنی وہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ ابدالاباد تک رہیں گے نہ مریں نہ وہاں سے نکلیں **وذلک جزاء المحسنین** ذلک سے اشارہ جنات وہاں کی نہریں وہاں ہمیشہ قیام ہے۔ محسنین کے معنی ہیں نیک لوگ خوش عقیدہ نیک عمل المحسنین سے مراد یا تو یہ ہی لوگ ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یا ہر قسم کے نیک لوگ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے اخلاص اور اس دعا اس تمنا کی برکت سے پرانے نیک کار مومنوں کے زمرہ میں شمار ہو گئے اور اس جزاء کے مستحق وہاں عمل کا وقت عمل کی مقدار نہیں دیکھی جاتی اخلاص دیکھا جاتا ہے **والذین کفروا وکذبوا بایتنا اولئک اصحاب الجحیم**۔ اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ جب **الذین** کے بعد **امنو** ہو اور بعد میں عطا جنت وغیرہ کا ذکر ہو تو الذین سے مراد صرف انسان ہوتے ہیں کہ مومن جن اور فرشتوں کے لئے جنت اور وہاں کی نعمتیں نہیں فرشتے جنت میں ہوں گے جزاء کے لئے نہیں بلکہ جنتیوں کی خدمت کے لئے بعض جانور جنت میں جائیں گے۔ جیسے اصحاب کہف کا کتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ عیسیٰ علیہ السلام کا خچر وہ بھی جزا کے لئے نہیں بلکہ ان بزرگوں کے ساتھ رہنے خدمت کرنے کے لئے اور جب الذین کے بعد کفرو کا اور دوزخ کی سزا کا ذکر ہو تو وہاں کا فر انسان کا فر جن سب ہی مراد ہو سکتے ہیں کو دوزخ کی سزا جن کافروں کے لئے بھی ہے یہاں **الذین** سے مراد یا تو دوسرے عیسائی ہیں جو ایمان قبول نہ کریں اور ایمان لانے والوں پر طعن کریں یا مراد یہودی ہیں جن کی اسلام دشمنی مشہور ہے کفر سے مراد ان کا پچھلا کفر ہے یعنی توریت و انجیل کی تحریف اپنے انبیاء کرام کو جھٹلانا ہے۔ **کفروا** ماضی ہے اگر اس کے بعد ضبطی اعمال کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے جنہوں نے کفر کیا کیونکہ ایک آن کا کفر تمام نیکیاں برباد کر دیتا ہے لیکن اگر کفروا

کے بعد دوزخ کی سزا کاذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں جو کافر رہے مرتے دم تک یا جو کافر ہوئے مرتے وقت یا جو کافر ہوئے علم الہٰی میں کیونکہ ایک آن کا کفر دوزخی نہیں بناتا لہٰذا یہاں کفروا اور کذبوا کے معنی ان تین میں سے کوئی کرنا چاہیں یعنی جو کفر تکذیب کرتے رہے یا مرتے وقت جنہوں کے کفر و تکذیب کی یا جو علم الہٰی میں کافر و مکذب ہوئے اور آیات جھٹلانے سے مراد آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار کرنا ہے یعنی آیاتنا سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں یا توریت و انجیل کی آیتیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم از سر تاقدم آیات الہیہ میں آپ کے بال شریف آیت آپ کی آنکھ شریف آیت وغیرہ کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نمونہ بنایا ہے نمونہ وہ ہوتا ہے جو کاریگر کا کمال دکھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمال ذوالجلال کے نمونہ اتم ہیں۔ جحیم دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ یہاں مطلقاً دوزخ مراد ہے اصحاب النار کے معنی ہیں دوزخ والے جو کہ وہاں ہی رہیں وہاں سے نہ نکلیں نہ مریں، یعنی وہ یہودی عیسائی جو پہلے سے بھی کافر تھے اور اب ہمارے قرآن ہمارے محبوب اور محبوب کے معجزات کے منکر ہو گئے وہ دوزخی ہیں کہ وہاں ہمیشہ رہیں کبھی وہاں سے نکل نہ سکیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر : ان نو مسلم عیسائیوں کی پختگی ایمان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے ہم قوم عیسائی یا یہودی ان کو مسلمان ہو جانے پر طعنہ دیتے ہیں تو ان کے طعنوں کا اثر نہیں لیتے بلکہ ان کو نہایت مخلصانہ تبلیغ والا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق پر ایمان کیوں نہ لائیں جب وہ حق ہمارے پاس آگیا اور ہم نے اسے پہچان بھی لیا پھر ایمان لانے سے رکاوٹ کیا ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کو ایمان لاکر اپنے رب کے کرم سے امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان صالحین مومنین قدیم الاسلام صحابہ کی جماعت میں شمار فرمالے ہم کو ان کے ساتھ جنت کا داخلہ نصیب فرمادے نئے پرانے مومنوں میں فرق نہ کرے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول اس امید کی وجہ سے انہیں ایسی جنتیں عطا فرمائیں۔ جن کے نیچے شراب طہور شہد دودھ وغیرہ کی نہریں بہہ رہی ہیں یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' نہ انہیں وہاں موت آئے نہ وہاں سے نکالے جائیں۔ ہمارے ہاں نیک کاروں کی جزا ایسی ہے ان نیک کار خوش عقیدہ مسلمانوں کا بدلہ تو یہ ہے' رہے وہ بدنصیب جو پہلے بھی کافر رہے اور اب بھی ہماری آیات قرآنیہ معجزات نبویہ کے انکاری ہوئے یہ بدنصیب دوزخ والے ہیں کہ وہاں ہمیشہ رہیں گے اور سخت سے سخت عذاب پائیں گے غرضیکہ ایک ہی قرآن ہے ایک ہی نبی ہے مگر لوگ مختلف ہیں ان کے ذریعہ کوئی جنتی بن جاتا ہے' کوئی ان کا انکار کرکے دوزخ حاصل کر لیتا ہے نصیب اپنا اپنا۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کفر میں کمزوری ہے ایمان میں دل کی قوت دیکھو یہ نو مسلم عیسائی ایمان لاتے ہی ایسے شیر دل بہادر ہو گئے کہ انہیں اپنی قوم کے طعنوں زبان درازیوں کی کوئی پروا نہ رہی ان سب سے صاف صاف کہہ دیا **ومالنا لا نومن** جیسے کہ فرعونی جادوگر ایمان لانے سے پہلے فرعون سے ڈرتے بھی تھے اس کی اطاعت بھی کرتے تھے مگر ایمان لاتے ہی اللہ نے انہیں دل کی وہ قوت عطا فرمائی کہ فرعون کے ڈرانے دھمکانے پر صاف صاف کہہ دیا۔ **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کرلے مقوی دوائیں غذائیں جسم کو قوت دیتی ہیں ایمان و تقویٰ دل کو تقویت بخشتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: ایمان کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ماننا کافی نہیں نہ توحید سے نجات ہے بلکہ

مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانے انہیں جانے پہچانے یہ فائدہ من الحق کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا ذکر باللہ کے ساتھ کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی کے پاس آنے جانے سے پاک ہے آنا جانا ساتھ رہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے یہ فائدہ **وما جاء نا من الحق** سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے **جاء نا** ارشاد نہ ہوا بلکہ حق کے لئے فرمایا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** اچھوں کا ساتھ اور نیکوں کے زمرہ میں داخل ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے یہ فائدہ **مع القوم الصلحین** سے حاصل ہوا' شیطان سے وہی بکری محفوظ رہتی ہے جو ریوڑ میں رہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین** موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام نے دعا کی تھی **والحقنی بالصالحین** اللہ تعالیٰ اچھوں کا ساتھ نصیب کرے۔ **پانچواں فائدہ:** اسلام لاتے ہی نو مسلم اور پرانا مسلمان نفس ایمان میں برابر ہو جاتے ہیں کوئی پرانا مسلمان کسی نو مسلم کو اس لئے حقارت سے نہ دیکھے کہ وہ نو مسلم ہے یہ فائدہ **ان یدخلنا ربنا** سے حاصل ہوا بلکہ جو آج مسلمان ہو اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور پرانے مسلمان کے گناہ موجود ہیں اس لئے وہ نو مسلم قابل احترام ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے چاہے تو ایک لفظ سے سارے گناہ بخش دے اور دوزخی کو جنتی بنا دے یہ فائدہ **فاثابهم الله** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان لوگوں کے صرف اس کہنے پر **ونطمع ان یدخلنا** رب نے انہیں جنت کا وارث بنا دیا' یہ فائدہ **بما قالو** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عطاء جنت کا سبب ان کا یہ قول بنایا۔ لہذا مسلمان کو چاہئے کہ ہمیشہ اچھی بات منہ سے نکالے۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ ایک مومن کو صرف ایک جنت عطا نہ فرمائے گا۔ بلکہ کئی جنتیں دے گا یہ فائدہ جنات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نیکی کی تمنا کرنا بھی نیکی ہے دیکھو ان نو مسلم عیسائیوں نے جماعت صحابہ میں شامل ہونے کی تمنا کی تو اس تمنا پر بھی انہیں ثواب دیا گیا کہ ارشاد ہوا **فاثابهم الله بما قالوا** نیکی کرنا' کرانا' نیکی میں مدد دینا' نیکی کی تمنا کرنا سب ہی ثواب ہے یہ ہی حال گناہ کا ہے۔ **نواں فائدہ:** اگر رحمت الٰہی دستگیری کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک قرآن مجید کی ایک آیت سے ایمان مل جاتا ہے اگر ادھر سے دستگیری نہ ہو تو ہمیشہ حضور کو دیکھنے پورا قرآن سننے جاننے سے بھی ایمان نہیں ملتا یہ فائدہ **والذین کفروا وکذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا دیکھو یہ نو مسلم عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نگاہ دیکھ کر آپ سے صرف چند آیات سن کر ایمان لائے کفار مکہ یہود مدینہ نے عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اسے جانا سمجھا مگر مومن نہ ہوئے' رب کی بے نیازی سے خوف چاہئے۔

پہلا اعتراض: یہ نو مسلم عیسائی ایمان لاتے ہی نیک و صالح ہو گئے ان کے سارے گناہ معاف ہو گئے پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ ہم کو صالح قوم میں داخل فرما۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ صالحین سے مراد پرانے مسلمان ہیں جو بہت سے نیک اعمال کر چکے ہیں ان نو مسلموں کے ایمان لانے سے پہلے ہی لہذا یہ دعا بالکل ہی درست ہے مطلب یہ ہے کہ مولیٰ ہماری بے عملی کو نہ دیکھ ہم کو ان عاملین کے زمرہ میں شامل فرما لے یا جنت میں ان کے ساتھ جگہ دے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **بما قالوا** فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ صرف اس کہنے سے جنتوں کے بھی مستحق ہو گئے اور پرانے صالحین کے ساتھ ہو گئے یہ تو ناانصافی ہے کہ ایک شخص کو بغیر کسی عمل کے بڑے پرانے عاملوں کے برابر کر دیا جائے (آریہ)۔ **جواب:** یہ ناانصافی نہیں بلکہ کرم نوازی اور عطاء خسروانہ ہے۔ جنت کسبی بھی ہے اور وہبی عطائی بھی یہ عطائی جنت ہے رب تعالیٰ نیک کار

مومنوں کے چھوٹے بچوں کو جو ہوش سنبھالنے سے پہلے فوت ہو گئے ان کے ماں باپ کے ساتھ جنت میں رکھے گا تو ماں باپ کو کسبی جنت ملے گی۔ ان بچوں کو عطائی جنت کسی کا حق مار لینا بے انصافی ہے۔ بغیر حق کچھ دے دینا مہربانی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا **کفروا و کذبوا باٰیٰتنا** حالانکہ آیات کا جھٹلانا بھی کفر ہے تو کفر اور جھٹلانے کو الگ الگ کیوں فرمایا۔ **جواب:** یہاں کفر سے مراد ہے پچھلے نبیوں کا ان کے احکام و فرمانوں کا انکار اور جھٹلانے سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن و معجزات کا انکار لہذا مضمون میں تکرار نہیں یا یوں کہو کہ کفر بہت سی قسم کا ہے جن میں سے ایک کفر ہے آیات الہیہ کا جھٹلانا یہاں نوعیت کفر بتانے کے لئے کفروا کے بعد **کذبوا باٰیٰتنا** ارشاد ہوا۔ کفر تکذیب بدترین کفر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ان نو مسلم عیسائیوں نے تو صالحین کا ساتھ مانگا تھا۔ جنت نہیں مانگی تھی اس کی جزاء میں جنت کی عطا کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا **فاثابھم اللہ بما قالوا جنٰت تجری جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ اچھوں کی ہمراہی مانگنا بھی عبادت ہے اور عبادت کی جزاء جنت ہے' دوسرے یہ کہ اچھوں کی ہمراہی جنت ہی میں نصیب ہو گی کہ وہی تو اچھوں کا مقام ہے ان کے ساتھ رکھنے کے لئے انہیں جنت دی گئی۔ تیسرے یہ کہ جو دانہ مانگتا ہے اسے بھوسہ بھی ساتھ ملتا ہے کسان دانہ کے لئے کاشت کرتا ہے بھوسہ بھی پاتا ہے۔ اچھوں کی سنگت دانہ ہے اس کے مقابلہ جنت اور وہاں کی نعمتیں بھوسہ ہیں وہ بھی عطا کی گئیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض انسانوں کی فطرت میں کفر و فساد ہے ان کی ہدایت عارضی ہوتی ہے پھر وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ یہ لوگ صورتاً" انسان ہوتے ہیں' سیرت میں شیطان یا درندے یا جانور وہ سب کچھ سن کر بھی نہیں سنتے اور سب کچھ دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے بعض لوگوں کی فطرت میں ہدایت اطاعت معرفت داخل ہے ان کی گمراہی عارضی ہوتی ہے ان کے چراغ میں تیل بتی سب کچھ ہوتا ہے صرف دیا سلائی دکھانے کی دیر ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ان نو مسلم عیسائیوں نے حضرات صحابہ کرام کی صحبت پاتے ہی ایمان قبول کر لیا اور لوگوں کے طعن پر کہہ دیا کہ ایمان کیونکر قبول نہ کریں ہمارے پاس تو حق آ گیا یعنی تیل بتی ہر چیز تیار تھی لقمہ دکھانے کی دیر تھی وہ ہم کو مل گیا ہم تو چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو صالحین میں داخل فرمائے کیونکہ ہماری ان کی فطرت ایک ہی ہے یہ لوگ تو جنتوں کے مستحق ہو گئے اور پہلی قسم کے لوگ دوزخ کے ایندھن بنے' ہر قوم وہاں ہی پہنچتی ہے جہاں کا خمیر ہوتا ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

خوئے بد در ذات تو اصل نبود — کز بد اصل نیاید جز جحود!

آں بدی عاریتی باشد کہ او — آرد اقرار و شود او توبہ جو!

ہمچو آدم زلتش عاریہ بود! — لاجرم اندر زماں توبہ نمود!

چونکہ اصلی بود جرم آں ابلیس — رہ نبودش جانب توبہ نفیس!

آدم علیہ السلام کی لغزش عارضی تھی' لہذا بہت جلد رجوع و توبہ انہیں میسر ہو گئی۔ ابلیس کا جرم اصلی تھا اور اس کی گذشتہ عبادات عارضی اس لئے اسے توبہ نصیب نہ ہوئی۔ عارضی سیاہی صابن سے دھل جاتی ہے اصل سیاہی کو کون دھوئے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو قسم کی دعائیں مذکور ہیں۔ بعض وہ جو خود رب تعالیٰ نے ہم کو تعلیم کے لئے ارشاد فرمائیں جیسے اھدنا الصراط المستقیم۔ بعض وہ دعائیں جو مقبول بندوں نے مانگیں اور رب تعالیٰ نے نقل فرمائیں۔

دوسری قسم کی دعاؤں میں دو برکتیں ہیں ایک قرآن مجید کی دعا ہونا دوسرے مقبول بندوں کے منہ سے نکلی ہوئی ہونا یہاں جو دعائیں ہیں وہ دوسری قسم کی ہیں یہ بہت ہی مقبول ہیں بعض بات انسان کے منہ سے ایسی نکل جاتی ہے۔ جس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور انسان مقبولین میں سے بن جاتا ہے۔ بعض بات ایسی نکل جاتی ہے۔ جس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ شیطان کی ایک بات سے اس کی لاکھوں سال کی نیکیاں برباد ہو گئیں **لم اکن لا سجد لبشر** حضرت آدم علیہ السلام کی ایک ہی بات سے ان کی خطا معاف ہو گئی دیکھو رب نے فرمایا **بما قالوا** ہم نے ان نو مسلموں کو جنتیں ایک قول کی وجہ سے عطا فرما دیں نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار آیات اللہ کا انکار ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کافر ہے مومن جو خشک روٹی کھاتا ہے وہ جنت کی نعمت ہے۔ جو پھٹے پرانے کپڑے پہنتا ہے' وہ جنت کا لباس ہے' جس جھونپڑے میں رہتا ہے وہ جنت کا محل ہے کہ وہ ان چیزوں کا استعمال کر کے اللہ کی اطاعت کرتا ہے' پھانسی والے قیدی کو مضبوط کالی کوٹھڑی میں رکھتے ہیں اسے اچھا کھانا دیتے ہیں' ظاہر ہے کہ وہ کھانا رحمت کا نہیں عذاب و سزا کا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ حرام کر لو ان پاکیزہ چیزوں کو جو حلال کیں اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ حد
اے ایمان والو نہ حرام ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّا
سے بڑھو بے شک نہیں پسند کرتا اللہ بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اس میں سے جو روزی دی تمکو اللہ نے حلال پاکیزہ لو
بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں اور کھاؤ جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال و پاکیزہ
تَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
ڈرو اللہ سے وہ اللہ کہ تم اس پر ایمان لانے والے ہو۔
اور ڈرو اللہ سے جس پر تمہیں ایمان ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں عیسائیوں کی تعریف کے سلسلے میں ارشاد ہوا تھا کہ ان میں قسیس و راہب لوگ ہیں جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ ترک دنیا اور حلال چیزوں کو حرام کر لینا رب تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ قسیس و راہب تارک الدنیا تھے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو تارک دنیا اور حلال چیزوں کو حرام کر لینے سے منع فرمایا جا رہا ہے' غرضیکہ پچھلی آیت کریمہ سے ایک شبہ کو دور کیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اچھے عقائد کی تعلیم تھی اب اچھے اعمال کرنے اچھی غذائیں کھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا جڑ کا ذکر فرما کر شاخوں کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان عیسائیوں کی برائیاں بیان ہوئیں جو کافر اور دین کو جھٹلانے والے ہیں۔ اب مسلمانوں کو حد سے بڑھنے سے روکا جا رہا ہے جو ان عیسائیوں کا طریقہ تھا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو خبر دی گئی تھی کہ تم وہ

صالحین ہو جن کے ساتھ ملنے ساتھ رہنے کی تمنا دوسری قومیں کرتی ہیں کہ رب سے دعائیں کرتی ہیں **ان یدخلنا مع القوم الصالحین** اب مسلمانوں کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنی ساکھ قائم رکھو ہمیشہ صالحین رہو اپنے کسی کام میں حد سے آگے نہ بڑھو۔

شان نزول : ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی جماعت میں وعظ فرمایا جس میں قیامت دوزخ اور عذاب الٰہی کا ذکر بلیغ کیا۔ حضرات صحابہ کرام کے دلوں پر بہت ہی اثر ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں دس صحابہ کرام جمع ہوئے۔ ابو بکر صدیق، علی مرتضیٰ، عبد اللہ ابن مسعود، ابوذر غفاری، مولیٰ ابی حذیفہ، عبد اللہ ابن عمر، مقداد ابن اسود، سلمان فارسی، معقل ابن مقرن، خود عثمان ابن مظعون صاحب خانہ اور ان بزرگوں نے تارک الدنیا ہو جانے کا عہد کیا وعدہ کیا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رات کو نوافل ادا کریں گے، بستروں پر نہ سوئیں گے گوشت چربی وغیرہ اچھے کھانے نہ کھائیں گے۔ عورتوں سے نکاح نہ کریں گے اور جو شادی شدہ ہیں وہ اپنی بیویوں کے پاس نہ جائیں گے۔ ٹاٹ پہنیں گے، خانہ بدوش ہو کر زمین میں مسافرانہ زندگی بسر کریں گے حتیٰ کہ بعض صاحبوں نے کہا کہ ہم خصی ہو جائیں گے تاکہ عورتوں کے لائق نہ رہیں کیونکہ گناہوں کی جڑ دنیا ہے نہ دنیا سے ہم تعلق رکھیں گے نہ گناہ کریں گے یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان ابن مظعون کے گھر تشریف لے گئے مگر وہاں کسی کو نہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی بیوی ام حکیم سے پوچھا کہ کیا یہ خبر حق ہے کہ ان لوگوں نے یہ عہد و پیمان کئے ہیں ام حکیم نے نہایت حکیمانہ انداز میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عثمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی ہے تو سچ ہے کچھ دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا انہوں نے اس کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ ہم نے نیت خیر سے یہ ارادہ کیا ہے تاکہ گناہوں سے بچے رہیں اور ناراضی الٰہی کے مستحق نہ بنیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رب نے ترک دنیا کا حکم نہیں دیا روزے بھی رکھو افطاری بھی کرو رات کو سوؤ بھی نوافل بھی پڑھو میں تم کو عیسائیت کی تعلیم دینے نہیں آیا دیکھو میں نے نکاح بھی کیا گوشت بھی کھاتا ہوں، دنیا میں بھی مشغلہ رکھتا ہوں یہ میری سنت ہے جو میری سنت سے منہ موڑے وہ میری جماعت سے نہیں، تم پر اپنی جان کا بھی حق ہے۔ اپنی بیوی بچوں کا بھی گذشتہ قومیں اپنے نفسوں پر ایسی سختیاں کر کے ہلاک ہو گئیں یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی گئی۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی، روح البیان، خازن، صاوی، مدارک، تنویر المقباس وغیرہ) اس کے شان نزول میں اور روایات بھی ہیں مگر یہ روایت قوی ہے، بہر حال حضرات صحابہ کرام بلکہ تمام مسلمانوں کی فہمائش کے لئے یہ آیات اتریں۔

تفسیر : **یا ایھا الذین امنو** چونکہ آئندہ کچھ احکام اور کچھ ممانعتیں بیان ہو رہی ہیں اور یہ چیزیں مومنین کے لئے ہوتی ہیں کافر احکام شرعیہ کے مکلف نہیں اس لئے پہلے انہیں **امنوا** کے خطاب سے پکارا قوی احتمال یہ ہے کہ اس خطاب میں تمام انس و جن مومنین شامل ہیں۔ صرف صحابہ سے خطاب نہیں کہ اگرچہ شان نزول خاص ہے مگر الفاظ عام ہیں اس خطاب کے نکات بارہا بیان ہو چکے **لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم۔ لا تحرموا** بنا ہے تحریم سے جس کے معنی ہیں حرام کرنا، حرام سمجھنا، حرام کہنا، حرام کا فتویٰ دینا یہاں سارے معنی درست ہیں، طیبات جمع ہے طیبہ کی اس کا مادہ ہے طیب ط کسرہ کے

جزم سے طیب کے بہت معنی ہیں کھری چیز‘ نتھاری صاف کی ہوئی چیز‘ اندرونی پاکی اور صفائی والی چیز‘ عمدہ اعلیٰ چیز‘ دل پسند چیز جسے دل قبول کرے اس لئے خوشبو کو طیب مدینہ منورہ کو طیبہ۔ مومن کو طیب مومنہ کو طیبہ کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **الطیبات للطیبین** یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی پسندیدہ چیز لہٰذا طیب وہ لذیذ چیز ہے جس کی طرف دل راغب ہو اس کا مقابل ہے خبیث‘ جیسے حلال کا مقابل ہے حرام اور طاہر کا مقابل ہے نجس بعض چیزیں حلال ہیں مگر طیب نہیں‘ جیسے کڑوی اور بد مزہ بدبودار‘ حلال چیزیں اور بعض چیزیں طیب بھی ہیں حلال بھی جیسے لذیذ مزے دار غذائیں پھل وغیرہ **ما احل** سے مراد مطلقاً حلال چیزیں ہیں خواہ کھانے کی ہوں یا پینے کی یا برتنے کی جیسے حلال غذائیں‘ حلال مشروبات‘ حلال لباس‘ بیویاں‘ مکانات وغیرہ اس ایک لفظ میں تمام چیزیں داخل ہیں یعنی اللہ کی حلال کی ہوئی لذیذ نعمتوں کو نہ تو اپنے پر حرام کرلو قسم کھا کر یا عہد کرکے نہ دوسروں کے لئے حرام کرو۔ ان کی حرمت کا فتویٰ دے کر یا ان میں حرام چیز شامل کرکے چنانچہ بحیرہ سائبہ وغیرہ جانوروں کو حرام نہ کہو یوں ہی آج کل کی مروجہ فاتحہ‘ ختم کی چیز کے حرام ہونے کے فتوے نہ دو۔ غرضیکہ یہ ایک فرمان صدہا‘ احکام کو شامل ہے‘ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لم تحرم ما احل اللہ لک** یوں ہی اپنے حلال مال میں مغصوب چوری‘ حق غیر کا مال ملا کر خلط ملط کرکے حلال کو حرام نہ کرلو (از تفسیر کبیر) **ولا تعتدوا** اس عبارت میں یا تو پہلے حکم کی ہی تاکید ہے یا نیا حکم ہے یہ بنا ہے **اعتداء** سے جن کا مادہ عدو ہے معنی حد سے بڑھ جانا‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال چیزوں کے لئے حدیں مقرر فرمادیں ہم تم ان سے آگے نہ بڑھو اگر اس سے مراد ہے حلال کر حرام نہ کرلینا تو اس پہلے حکم کی تاکید ہے اور اگر مراد ہے حرام کو حلال نہ بنالینا تو نیا حکم ہے یعنی نہ تو حلال و طیب چیزوں کو حرام کرلو نہ حرام کو حلال جانو کیونکہ **ان اللہ لا یحب المعتدین** اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ جو حلال و طیب چیزوں کو حرام جانیں وہ بھی رب کے محبوب نہیں مردود ہیں اور جو حرام کو حلال جانیں وہ بھی مردود ہیں تم کو چاہئے کہ تابع فرمان الٰہی رہو جسے وہ رب کریم حلال کرے اسے حلال جانو جسے حرام کرے اسے حرام جانو۔ **وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا** اس عبارت کا منشا یہ ہے کہ صرف حلال سمجھنے پر ہی کفایت نہ کرو بلکہ حلال طیب چیزیں خود کھاؤ بھی اوروں کو کھانے کا حکم بھی دو **کلوا** امر ہے یا مباح کرنے کے لئے ہے یا واجب کرنے کے لئے کیونکہ جان بچانے کے لئے کھانا فرض ہے مرن برت رکھ کر مرجانا حرام‘ روزانہ کئی بار کھانا سنت ہے زیادہ کھانا جائز نیز حلال کھانا فرض ہے حرام کھانا حرام ہے‘ لہٰذا **کلوا** میں دو احتمال ہیں یعنی کھاؤ یا کھانے کو جائز جانو کھانے سے مراد مطلقاً استعمال کرنا ہے۔ جس میں کھانا پینا پہننا برتنا سب ہی داخل ہیں چونکہ حرام و حلال کا تعلق زیادہ کھانے سے ہوتا ہے اس لئے اکثر کھانے کا ذکر فرمایا جاتا ہے‘ رب فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا** سود نہ کھاؤ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سود کھاؤ نہیں‘ پہن لو برت لو‘ مطلب یہ ہے کہ بالکل استعمال نہ کرو حلال وہ چیز ہے جو شریعت میں حرام نہ ہو حرام تین قسم کی ہیں بذات خود حرام جیسے سور‘ کتا‘ گدھا وغیرہ حرام۔ حرام بغیرہ جو کسی حادثہ کی وجہ سے حرام ہو جاوے جیسے مردار بکری وغیرہ حرام عارضی جو ہماری کسی حرکت سے ہمارے لئے حرام ہو جائے جیسے چوری‘ جوئے‘ سود‘ رشوت یا حرام کمائیوں ناجائز پیشوں سے حاصل کی ہوئی چیزیں ان تمام کی تفصیل قرآن مجید نے نہیں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ان تین کے سوا باقی سب چیزیں حلال ہیں حلال کے بعد طیب کا ذکر فرمانے میں وہ حکمت ہے۔ جو ابھی عرض کی گئی کہ بعض چیزیں حلال ہوتی ہیں طیب نہیں‘ جیسے تھوک رینٹ وغیرہ بعض چیزیں طیب یعنی مزیدار لذیذ ہوتی ہیں مگر حلال نہیں جیسے بعض حرام جانوروں کے گوشت کہ بظاہر بڑے مزیدار معلوم ہوتے ہیں مگر حلال نہیں بعض چیزیں حلال بھی ہیں طیب بھی

جیسے حلال گوشت یا اپنی زوجہ اس لئے حلال کے ساتھ طیب فرمایا گیا۔ **واتقو اللہ الذی انتم بہ مومنون۔** اس فرمان کا مقصود یہ ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کر لینا تقویٰ نہیں' بلکہ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں رہا جائے یہ مقصد بھی ہے کہ حلال طیب چیزیں کھانے استعمال کرنے میں اتنے مشغول نہ ہو کہ تم خدا تعالیٰ کو ہی بھول جاؤ اس کا ڈر ہمیشہ اپنے دل میں رکھو یہ بھی مقصد ہے کہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے تقویٰ میں تمام برائیوں سے بچنا اور تمام نیکیاں کرنا داخل ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے' تقویٰ میں تمام برائیوں سے بچنا اور تمام نیکیاں کرنا داخل ہے یا یہ مقصد ہے کہ حلال طیب روزی تقویٰ کے لئے استعمال کرو کیونکہ عبادات کی روح عبادات کا نور اکل حلال صدق مقال سے وابستہ ہے اگر روزی حرام ہے تو کسی عبادت میں نور اور سرور نہ ہوگا۔ نوے فیصدی تقویٰ اکل حلال صدق مقال میں ہے' دس فیصدی تقویٰ باقی دوسری چیزوں میں یعنی اے مسلمانوں کوئی عہد و پیمان کرو مگر اللہ سے ڈر کر کرو ہمیشہ اللہ کا ڈر اپنے دل میں رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے ایمان کا تقاضا تقویٰ ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں حرام کی ہیں بعض چیزیں حلال سور کتا وغیرہ حرام ہے گائے' بکری وغیرہ حلال یہ حلال جانور طیب ہیں۔ حرام جانور خبیث اب جو کوئی ان طیب چیزوں کو حرام ذریعوں سے حاصل کرے یا اس میں حرام شامل کرے وہ طیب کو حرام بناتا ہے یوں ہی جو قسم وغیرہ کے ذریعہ طیب کو حرام کرے وہ بھی جرم کرتا ہے ان سب کی ممانعت اس آیت میں فرمائی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے حلال کی ہیں تم نہ تو انہیں حرام سمجھو نہ اپنے پر کسی طریقہ سے حرام کر لو نہ دوسروں کو ان کے حرام ہونے کا فتویٰ دو نہ ان میں حرام چیز خلط کر کے حرام بناؤ نہ انہیں حرام کو یوں ہی کسی حرام چیز کو حلال جان کر حد شرعی سے آگے نہ بڑھو اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں یعنی حلال طیب کو حرام جاننے والوں اور حرام چیز کو حلال جاننے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ جو حلال طیب روزی تمہیں اللہ دے وہ خوب کھاؤ پیو استعمال کرو' تقویٰ اس میں نہیں کہ حلال کو حرام کر لو بلکہ حرام سے بچنا تقویٰ ہے' لہٰذا ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ایمان کے ساتھ تقویٰ لازم ہے۔

حکایت : امام حسن رضی اللہ عنہ ایک دعوت میں تشریف لے گئے' آپ کے ساتھ فرقد بخی اور اس کے ساتھی بھی تھے' دعوت میں بھنے مرغ' شہد' فالودہ اور قسم قسم کے کھانے شربت تھے فرقد الگ ہو بیٹھا امام حسن نے پوچھا کہ کیا تیرا روزہ ہے وہ بولا نہیں لوگوں نے کہا کہ یہ عمدہ غذائیں نہیں کھایا کرتا تو حضرت امام حسن نے فرمایا کہ اے فرقد شہد ایک مکھی کے منہ کا لعاب ہے' آٹا گھی بھی اللہ کی نعمتیں ہیں ان میں سے کونسی چیز حرام ہے' اللہ کی نعمتیں بندوں کے ہی لئے پیدا ہوئی ہیں' ایک روایت میں ہے کہ کسی نے امام حسن سے عرض کیا کہ فلاں شخص لذیذ غذائیں نہیں کھاتا' وہ کہتا ہے کہ میں ان کا شکریہ ادا نہیں سکتا آپ نے فرمایا کہ وہ ٹھنڈا پانی بھی پیتا ہے یا نہیں لوگوں نے کہا ہاں پیتا ہے فرمایا کیا وہ ٹھنڈے پانی کا شکریہ ادا کر سکتا ہے' وہ جاہل ہے ٹھنڈا پانی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ جس کا شکریہ ناممکن ہے (تفسیر مدارک)۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے' **پہلا فائدہ:** اسلام میں ترک دنیا حرام ہے تصوف کے معنی یہ نہیں کہ حلال چیزیں چھوڑ دی جائیں حرام سے بچنے سے تصوف حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ لاتحرموا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا

یعنی حرام نہ سمجھو' دوسرا فائدہ: اگر کسی شخص نے قسم کے ذریعہ اپنے پر حلال چیز کو حرام کرلیا ہو وہ قسم توڑ کر حلال چیز کھائے اور قسم کا کفارہ ادا کرے قسم کا بہانہ بنا کر حلال سے پرہیز نہ کرے' یہ فائدہ لاتحرموا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا حرام نہ کرلو' لہٰذا اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا یا اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا یا ماں باپ کی خدمت نہ کروں گا تو قسم کی وجہ سے ان چیزوں سے محروم نہ رہے بلکہ یہ کام کرے قسم کا کفارہ دے' رب تعالیٰ فرماتا ہے لم تحرم ما احل اللہ لک تیسرا فائدہ: جو چیز رب تعالیٰ نے حرام نہ کی ہو وہ حلال ہے اسے حرام نہ کہو یہ فائدہ لاتحرموا کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا حرام نہ بتاؤ لہٰذا فاتحہ ختم شریف وغیرہ کے کھانے حرام نہ جانو یہ چیزیں حلال ہیں اللہ کا کلام پڑھ دینے یا کسی کو ایصال ثواب کر دینے سے حرام نہیں ہو جاتیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے قل لا اجد فیما اوحی الی چوتھا فائدہ: حلال و طیب میں کچھ فرق ہے۔ حلال وہ چیز ہے جو حرام نہ ہو طیب وہ چیز ہے جو گندی نہ ہو' ستھری ہو اس سے دل نفرت نہ کرے لہٰذا تھوک رینٹ وغیرہ اگرچہ حرام نہیں حلال ہیں مگر طیب نہیں یہ فائدہ حلالا "طیبا" سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: یہ سمجھنا کہ فقیر یا بزرگ وہ ہے جو اچھا کھانا اچھا لباس استعمال نہ کرے اپنے پاس پیسہ نہ رکھے اچھے مکان میں نہ رہے' غلط ہے' بزرگ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا پابند ہو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ اور فالودہ کھایا ہے۔ آپ کو مٹھائی اور حلوہ بہت پسند تھا' اور فرماتے تھے کہ مومن میٹھا ہوتا ہے' حلوہ پسند کرتا ہے۔ (تفسیر مدارک) خیال رکھو: کہ اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ غذائیں صالحین بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ فاسق فاجر لوگ تو ان کے طفیلی کھا لیتے ہیں' اب ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ اعلیٰ نعمتیں بدکاروں فاسقوں فاجروں کے لئے ہیں نیک لوگوں کے لئے خشک روٹی موٹے کپڑے ٹوٹے مکان اور فاسقوں کی دست نگری ہے یہ محض غلط ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے' والطیبات من الرزق قل ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیمۃ معلوم ہوا کہ دنیا میں اچھے کھانے مومنوں کے لئے ہی پیدا کئے گئے کفار فساق ان کے طفیل کھاتے ہیں اور قیامت میں تو صرف مومنوں کو ملیں گے' کفار ان سے محروم رہیں گے۔ چھٹا فائدہ: شرعی حرام چیزوں کو حلال جاننا بے دینی ہے یہ فائدہ لا تعتدوا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ بعض بے دین تارک نماز' بھنگی' چرسی پوستی ہو کر فقیری اور خدا رسی کا دعویٰ کرتے ہیں لوگ ان کے معتقد ہو جاتے ہیں' دونوں مردود ہیں' فقیری کے لئے تقویٰ ضروری ہے۔ ساتواں فائدہ: اہل سنت کے نزدیک حرام روزی بھی رزق الٰہی ہے' مگر اس کا استعمال گناہ ہے یہ فائدہ کلوا مما رزقکم اللہ حلالا " طیبا " سے حاصل ہوا' جیسا کہ تخصیص کا فائدہ ہے' کہ وہ بعض چیزوں کو نکالنے کے لئے ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر)۔ آٹھواں فائدہ: دوسرے گناہ لازم گناہ ہیں مگر حرام غذا متعدی گناہ ہے معمولی زخم لازم ہے مگر کینسر کا زخم متعدی کہ اس کی شاخیں تمام جسم میں پھیل کر سارے جسم کو خراب کر دیتی ہیں۔ حرام غذا سے خون' گوشت' حتیٰ کو نطفہ۔ جو کچھ بھی بنے گا حرام ہی ہوگا' حرام لباس پہن کر جو عبادت کی جائے گی ناقص ہی ہوگی۔ غصب کی ہوئی زمین پر جو عبادت کی جائے گی غلط ہی ہوگی غرض کہ حرام روزی بہت دور تک خرابی ڈالتی ہے' اس لئے حلال روزی کا بہت تاکیدی حکم دیا گیا۔ نواں فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں ہوتا کبھی صرف مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے' دیکھو یہاں کلوا صیغہ امر ہے مگر اباحت کے لئے ہے۔ جیسا کہ ابھی اس کی ایک تفسیر میں عرض کیا گیا۔ (تفسیر کبیر) دسواں فائدہ: ساری حلال و طیب چیزیں خود ہی نہ کھالے بلکہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خیرات بھی کرے اپنی روزی میں فقراء و مساکین کا حصہ بھی رکھے' یہ فائدہ مما رزقکم اللہ میں من تبعیضیہ فرمانے سے

حاصل ہو' غرضیکہ نہ بخل کرے نہ اسراف و فضول خرچی' (تفسیر کبیر) گیارہواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کی روزی غفلت کے ساتھ نہ کھائے اس کا شکریہ بھی ادا کرے' یہ فائدہ واتقوا اللہ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کلوا امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے کیا طیب روزی کھانا فرض ہے اگر کوئی شخص لذیذ غذائیں نہ کھائے تو گنہگار ہو گا؟ بہت سے غریب لوگ ہیں جنہیں اعلیٰ درجہ کی لذیذ غذائیں میسر نہیں ہوتیں تو کیا وہ سب گنہگار ہیں؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں صرف اباحت و اجازت کے لئے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں ان کے حلال سمجھنے کا عقیدہ مراد ہے تب وجوب کے لئے ہی امر ہے یعنی حلال طیب چیزوں کا کھانا جائز سمجھو یا حلال روزی کھانا فرض ہے حرام کھانا حرام۔ خیال رہے جان رکھنے کے لئے بقدر ضرورت کھانا فرض ہے کہ جو کوئی بھوک ہڑتال کر کے جان دیدے وہ خود کشی کر کے مرا اور روزانہ دو وقتہ یا سہ وقتہ کھانا سنت ہے یوں ہی جان بچانے کے لئے معمولی غذا کھا لینا فرض ہے لذیذ نعمتیں کھانا سنت ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ نہ تو اپنے کو لذیذ غذاؤں کا عادی بنالو کہ معمولی غذا کھا ہی نہ سکو نہ لذیذ غذاؤں سے یکسر محروم ہو جاؤ ہر طرح کی عادت ڈالو یہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ رہا' صرف کھجور' جو کی روٹی' ستو پر بھی گذارہ فرمالیا اور کبھی مرغ و بٹیر بھی کھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شریف اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں مما رزقکم اللہ من کے ساتھ کیوں ارشاد ہوا کیا بعض لذیذ غذائیں ہی حلال ہیں سب نہیں۔ جواب: مفسرین کرام نے اس من میں دو احتمال نکالے ہیں' ایک یہ کہ من تبعیضیہ نہیں بیانیہ ہے اور یہ عبارت حلالا" طیبا" کا حال مقدم ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو حلال طیب روزی اللہ تمہیں دے وہ کھاؤ تب تو مطلب بالکل واضح ہے۔ دوسرے یہ کہ من تبعیضیہ ہے اور مطلب یہ ہے حلال و لذیذ نعمتیں ساری کی ساری نہ کھالو بلکہ کچھ تم کھاؤ کچھ فقراء و مساکین کو کھلاؤ تمہاری ہر نعمت میں مساکین کا بھی حصہ ہے لہذا مطلب بالکل واضح ہے (از تفسیر روح المعانی)۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حلال کے ساتھ طیبہ کیوں ارشاد ہوا جو حلال ہے وہ طیب ضرور ہے یہ قید بے فائدہ ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ علماء کے نزدیک حلال وہ جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ ہے جو دل کو مرغوب ہو' صوفیاء کے نزدیک حلال وہ ہے جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ جو رب تعالیٰ کو پسند ہو جس کے استعمال سے رب راضی ہو۔ بعض چیزیں حلال ہوتی ہیں مگر طیب نہیں کہ ان کے کھانے سے رب راضی نہیں' بعض چیزیں حلال نہیں مگر طیب ہیں جیسے اضطرار کی حالت میں مردار کا گوشت ہے تو حرام مگر رب تعالیٰ ان کے کھانے سے ناراض نہیں بلکہ جو نہ کھائے اور مرجائے تو رب تعالیٰ اس سے ناراض ہے۔ چھوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا لا تحرموا طیبات اور یہ جملہ نہی ہے نہی یعنی ممانعت حرام کرنے کے لئے آتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قسم کھا کر حلال چیز اپنے پر حرام کر لینا حرام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر اپنے نفس پر شہد کیوں حرام فرمالیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں معصوم سے ناجائز کام سرزد نہیں ہو سکتا۔ جواب: لولا "تو لا تحرموا کے بہت معنی ہیں ایک معنی وہ ہیں جو سائل نے بیان کئے اس معنی سے بھی قسم کھا کر کھانا چھوڑ دینا حرام نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے نفس پر اونٹ کا گوشت حرام فرمالیا ایک نذر مان کر' ہاں ہماری شریعت میں اس قسم پر قائم رہنا ممنوع ہے بلکہ قسم توڑ دینا اور کھانا کھا لینا ضروری ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم توڑ دی تھی شہد کھا کر قسم کا کفارہ لوا

فرمادیا تھا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں اس لئے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم پر نہایت ہی محبوبانہ انداز سے فرمایا لم تحرم ما احل اللہ لک لہٰذا آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف اس آیت کے خلاف ہے۔ **پانچواں اعتراض:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مریض کو مضر غذائیں کھانا جائز نہیں بلکہ تندرستوں کو بھی مضر صحت غذائیں ممنوع ہیں' فقہاء کا یہ فتویٰ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** حرام چیزیں دو قسم کی ہیں ایک تو نوعا" حرام دوسرے شخصا" حرام یا ایک بذات خود حرام دوسری کسی عارضہ سے حرام مضر صحت چیزیں ایسے لوگوں کے لئے حرام ہیں کہ نقصان وہ چیزوں سے بچنا ضروری ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یہ حرام لغیرہ کہلاتی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو قوم صالح علیہ السلام کے کنویں کے پانی سے روک دیا حتیٰ کہ جن لوگوں نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا۔ ان کو آٹا پھینک دینے کا حکم دیا کیوں وہ پانی بذات خود حرام نہ تھا بلکہ مضر تھا لہٰذا حرام ہو گیا۔ بعض لوگ بزرگوں کے جنگلوں کے جانوروں کا شکار نہیں کرتے کیوں اس لئے کہ وہ مضر ہوتے ہیں لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ بلکہ وبائی زمین میں جانا ممنوع ہے نقصان کے اندیشہ سے جہاں کی آب و ہوا مضر صحت ہو وہاں سے منتقل ہو جانا چاہئے یہ تمام احکام اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** کھانے کے احکام کے ساتھ تقویٰ کا حکم کیوں دیا کہ فرمایا واتقوا اللہ کھانے میں اور تقویٰ میں کیا مناسبت ہے۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ حلال روزی تقویٰ کی اصل ہے' حرام خور متقی نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ تقویٰ یہ نہیں کہ لذیذ غذائیں چھوڑ دی جائیں تقویٰ یہ ہے حرام و ممنوع کام چھوڑے جاویں' تیسرے یہ کہ انسان کو چاہئے کہ کھانے پینے میں ہی زندگی نہ گزارے تقویٰ و طہارت کی کوشش میں رہے بلکہ کھانا پینا تقویٰ کے لئے اختیار کرے' حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است — تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

بہر حال کھانے کو تقویٰ سے گہرا تعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے جیسے جسمانی پرورش کے لئے حلال و طیب روزیاں پیدا فرمائیں جن سے جسم کی ترقی ہوتی ہے ایسے ہی روحانی پرورش کے لئے روحانی طیب و حلال غذائیں پیدا فرمائیں' جسمانی صحت کے لئے مضر غذاؤں سے بچو روحانی صحت کے لئے مضر اعمال سے۔ بچو یہاں ارشاد ہوا کہ اے مسلمانوں حلال و طیب روحانی غذاؤں سے اپنے کو محروم نہ کرلو اپنے نفس پر ظلم و زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے لہٰذا باطن کو سنبھالنے کے لئے ظاہر کو درست رکھو لہٰذا کھاؤ حلال و طیب پیو حلال و طیب بولو حلال و طیب چلو حلال و طیب دیکھو حلال و طیب سنو حلال و طیب چھوؤ حلال و طیب بلکہ دماغ سے سوچو تو حلال طیب سوچو دل میں حلال و طیب ہی کو جگہ دو بلکہ شریعت میں جو طیب چیز حلال راستہ سے آئے وہ حلال ہے جو حرام ذریعہ سے آئے وہ حرام مگر طریقت میں جو حرام مقصد کے لئے کھائی جائے وہ بھی حرام ہے اگر رزق نفس کے لئے کھایا حرام ہوا یار کو منانے اسے راضی کرنے کے لئے کھایا تو حلال ہے ناپاک لباس سے نماز جائز نہیں ہوتی حرام لباس پہن کر نماز قبول نہیں ہوتی۔ شریعت میں طیب وہ جسے نفس پسند کرے دل کو مرغوب ہو جیسے لذیذ کھانے طریقت میں طیب وہ ہے جسے رب تعالیٰ پسند کرے جسے رب ناپسند فرمادے وہ اگرچہ حلال ہو مگر طیب نہیں دیکھو بحالت روزہ حلال غذائیں طیب نہیں کہ ان کے کھانے سے رب ناراض ہے افطار کے بعد وہی چیزیں طیب ہو گئیں' بحالت نماز کوئی جائز بات طیب نہیں

کہ اس وقت بات کرنے سے رب ناراض ہے سلام پھیرتے ہی یہ باتیں طیب ہو گئیں مومن کی زندگی بھی طیب ہے موت بھی طیب کہ وہ اللہ کے لئے ہے اللہ اس سے راضی ہے کافر کی زندگی بھی خبیث ہے موت بھی خبیث کہ رب اس سے راضی نہیں۔ یہ آیت کریمہ بہت وسیع ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

بے ہوا نہی از ہوا ممکن نہ بود — غازی بر مردگاں نتواں نمود!!
پس کلوا از بہر دام شہوت است — بعد ازاں لاتسرفوا آں عفت است
چونکہ رنج صبر نہ بود مر ترا — شرط نہ بود پس فرو ناید جزا
حبذا آں شرط و شادا آں جزا — آں جزائے دل نواز و جانفزا

ہمیشہ غازی و مجاہد کے سامنے زندہ کفار چاہئیں ورنہ مردہ کفار پر جہاد کوئی نہیں کرتا ہمارے نفس و ہوا زندہ ہیں ہم کو ان پر جہاد کا حکم دیا گیا ان پر جہاد ان کی مخالفت ہے۔ ہے لہٰذا نفس کے حقوق ادا کرو' طیب لذیذ غذائیں کھاؤ تاکہ وہ زندہ رہے اور تم اس پر جہاد کرتے رہو (از تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب العالمین نے ہر چیز کی حد مقرر فرما دی ہے۔ جو ان حدوں میں رہے وہ کامیاب ہے۔ جو حد توڑ کر باہر نکل جائے وہی ناکام ہے آنکھ ناک کان ہاتھ پاؤں سے سب کے لئے حدود ہیں حتیٰ کہ مال' وقت جگہ' زندگی' موت' سونا' جاگنا' سب کی حدیں ہیں حتیٰ کہ بندوں میں گنہگاروں کی نیک کاروں کی مومنین کی کفار کی مومنین میں ولیوں کی غوث و قطبوں کی حدود میں جو حد سے نکلا مارا گیا۔ فرعون عبدیت کی حد توڑ کر دعویٰ خدائی کر بیٹھا کفار مکہ اپنی حدود توڑ کر نبوت کی حد میں داخل ہونے لگے کہ بولے ہم میں نبی میں کوئی فرق نہیں ہلاک ہوئے' صوفیاء کی اصطلاح میں حلال وہ ہے۔ جو معارف الیہ تک پہنچا دے اور غیبی خوان سے ملے اور طیب وہ ہے جو دل میں یار کا شوق پیدا کر دے۔ یہاں اہل مشاہدہ سے خطاب ہے کہ جب تم مقام مشاہدہ تک پہنچ گئے تو مجاہدے کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اس درجہ پر پہنچ کر حلال و طیب روزی کھاؤ حد سے آگے نہ بڑھو' غرضیکہ شریعت کا کفر و ایمان حرام و حلال اور ہے طریقت کا کفر و ایمان حرام و حلال کچھ اور حضرت سلطان باہو قدس سرہ فرماتے ہیں۔

جو دم غافل سودم کافر سانوں مرشد ایہہ فرمایا ہو — مرن توں اگے مر کے باہو تب مطلب نوں پایا ہو
سنیا سخن تو کھل گیاں اکھیں اساں چت مولیٰ نال لایا ہو — کیتی جان حوالے رب دے ہم نے ایسا سخن پکایا ہو

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ

نہیں پکڑ فرماتا ہے تمہاری اللہ اس لغو پر جو تمہاری قسموں میں ہو اور لیکن پکڑ فرماتا ہے تمہاری اس قسم

اللہ تمہیں نہیں پکڑتا تمہاری غلط فہمی کی قسموں پر ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم نے مضبوط کیا

الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

پر جو تم منعقد کرو تو اس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس مسکینوں کو اس درمیانی سے کہ کھلاتے ہو تم

تو ایسی قسموں کا بدلہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے ہو اس

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

گھر والوں کو اپنے یا پہنانا ہے ان کو یا آزاد کرنا ہے ایک گردن کا پس جو نہ پائے تو روزے ہیں تین دن کے

اس کے اوسط میں سے یا انہیں کپڑے دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن کے

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

یہ کفارہ ہے قسموں کا تمہاری جب کہ قسم کھاؤ تم اور حفاظت کرو تم لوگ قسموں کی اپنی اسی طرح بیان

روزے یہ بدلہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اس طرح اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم شکر کرو

تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم احسان مانو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حلال چیزوں کو حرام کر لینے کی ممانعت فرمائی گئی تھی اب اس آیت کریمہ میں قسم کھالینے کی ممانعت فرمائی جارہی ہے' قسم کے ذریعہ بھی حلال شے کو حرام ہی کیا جاتا ہے' مثلاً یہ کہ خدا کی قسم میں گوشت نہ کھاؤں گا' وغیرہ گویا قاعدہ کلیہ بیان فرمانے کے بعد اس کی ایک فرد کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ جس میں عام لوگ مبتلا ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حلال کو حرام کر لینے پر آخروی سزا کا آخرت کے وبال کا ذکر ہوا کہ **ان اللہ لا یحب المعتدین** اب اسی جرم پر دنیاوی سزا کا ذکر ہے یعنی قسم کھالینے پر کفارہ واجب ہو جانا گویا آئندہ کی سخت سزا کے بعد موجودہ نرم سزا سنائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں صرف تحریم حلال کا ذکر تھا اب اس تحریم حلال پر اللہ کے نام کو آڑ بنا لینے کی حرمت بیان ہورہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام تو وہ بابرکت ہے۔ جس سے حرام شے حلال ہوتی ہے۔ بکری مرجائے تو حرام اللہ کے نام پر ذبح ہو جائے تو حلال تم کیسے بے وقوف ہو کہ اس کے نام پاک سے حلال کو حرام بناتے ہو کہ اس کے نام کی قسم کھا کر چیزیں حرام کر لیتے ہو۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دو روایات ہیں' ایک یہ کہ جب ان گیارہ حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک دنیا سے سخت ممانعت فرمائی تو وہ بولے کہ ہم نے تو اپنے عہد پر قسمیں کھالی ہیں' اپنی قسموں کا ہم کیا کریں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں قسموں کا کفارہ دے کر ختم کر دینے اور حلال چیزوں کو استعمال کر لینے کا حکم دیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس کا شان نزول یہی بیان (تفسیر خازن' تفسیر روح المعانی)۔ **دوسرے:** یہ کہ سیدنا عبداللہ ابن رواحہ کے گھر ایک مہمان آیا رات کو کھانے کے وقت عبداللہ ابن رواحہ گھر موجود نہ تھے ان کی بیوی صاحبہ نے ان کے انتظار میں مہمان کو کھانا نہ دیا جب آپ گھر آئے اور پتہ لگا کہ میرے انتظار میں اب تک مہمان کو کھانا نہیں کھلایا گیا تو آپ نے قسم کھالی کہ میں کھانا نہ کھاؤں گا اس پر بیوی صاحبہ نے قسم کھالی کہ میں بھی تمہارے بغیر نہ کھاؤں گی ادھر مہمان نے قسم کھالی کہ اگر آپ

دونوں نہ کھائیں گے تو میں بھی نہ کھاؤں گا۔ مجبوراً حضرت عبداللہ نے اپنی قسم توڑی اور کھانا کھایا پھر ان کی بیوی نے بھی کھایا اور مہمان نے بھی صبح کو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر انہوں نے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا ارشاد فرمایا تم نے بہت اچھا کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (ابن زید' تفسیر روح المعانی) مگر ان دونوں روائتوں میں تعارض نہیں ممکن ہے یہ دونوں واقعات متصل یعنی قریب قریب ہوئے ہوں' ان پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہو۔

تفسیر : **لا یؤاخذکم اللہ** اس عبارت میں عاقل بالغ مسلمانوں سے خطاب ہے کیونکہ کافر اور دیوانہ اور مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کی قسم پر یہ مذکورہ احکام جاری نہیں ہوتے **لا یؤاخذ** بنا ہے مواخذہ سے جس کا مادہ اخذ ہے بمعنی پکڑ فرمانا قوی یہ ہے کہ یہاں یہ مضارع بمعنی حال ہے اور پکڑ سے مراد ہے دنیاوی پکڑ یعنی کفارہ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں تم پر پکڑ نہیں فرماتا کہ کفارہ واجب نہیں کرتا اخروی پکڑ یعنی گناہ مراد نہیں **باللغو فی ایمانکم** اس میں ب سببیہ ہے لغو قسم اس کی تحقیق پہلے سپارہ میں ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ لغو کے لغوی معنی ہیں' ساقط ناقابل اعتبار چیز قسم لغو کے متعلق احناف اور شوافع کا اختلاف ہے شوافع کے ہاں قسم لغو یہ ہے کہ بغیر ارادہ قسم واللہ باللہ منہ سے نکل جائے۔ بعض لوگ واللہ کہنے کے عادی ہوتے ہیں' واللہ آیئے۔ واللہ جایئے وغیرہ احناف کے ہاں لغو قسم یہ ہے کہ جھوٹے واقعہ پر غلط فہمی سے اسے سچ سمجھ کر کھالی جائے چونکہ اس قسم میں جھوٹ بولنے کی نیت نہیں ہوتی اس لئے اس پر نہ کفارہ ہے نہ گناہ مگر یہاں لغو قسم میں قسم غموس بھی داخل ہے' قسم لغو اور قسم غموس دونوں اس میں برابر ہیں کہ ان میں کفارہ واجب نہیں ہوتا قسم غموس یہ ہے کہ گذشتہ چیز پر دانستہ طور پر جھوٹی قسم کھائی جائے اس میں احناف کے نزدیک گناہ تو ہے مگر کفارہ نہیں (تفسیرات احمدیہ) **فی ایمانکم** ثابت کے متعلق ہو کر لغو کا حال ہے یا اس کی صفت یعنی تمہاری قسموں میں جو لغویت واقع ہو جاتی ہے اس پر رب تعالیٰ کسی قسم کی پکڑ نہیں فرماتا کہ اس پر کفارہ لازم نہیں فرماتا ہے۔ **ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان۔ لکن وہم** دور فرمانے کے لئے ہے یہاں پکڑ سے مراد دنیاوی پکڑ یعنی کفارہ ہے جو صرف قسم منعقدہ میں واجب ہوتا ہے اور **ما عقدتم** سے مراد قسم ہے جو پوری کرنے کے لئے کھائی جائے یہ قسم منعقدہ میں ہی ممکن ہے۔ قسم منعقدہ یہ ہے کہ کوئی آئندہ کام کے متعلق قسم کھائے کہ قسم خدا کی میں یہ کروں گا اس کے خلاف کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے ما عقدتم میں ما مصدریہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ قسمیں منعقد کرنے پر تمہاری پکڑ فرماتا ہے کہ تم پر کفارہ واجب کرتا ہے اس صورت میں آیت کریمہ بالکل واضح ہے اور اس آیت میں تینوں قسموں کا ذکر ہے لغو میں قسم لغو اور قسم غموس کا ذکر ہے اور عقدتم میں قسم منعقدہ کا مذہب حنفی کے مطابق یہ تفسیر ہے اور یہ ہی تفسیر بہت قوی ہے (تفسیر احمدی) گذشتہ امتوں میں لغو قسم پر بھی پکڑ تھی یعنی گناہ اور قسم منعقدہ پر کفارہ نہ تھا اسلام میں لغو قسم پر گناہ بھی نہیں اور منعقدہ قسم پر کفارہ ہے۔ (تفسیر احمدی) خیال رہے: کہ ما عقدتم سے پہلے حنث یا نکث پوشیدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ منعقدہ قسم کے توڑنے پر تمہاری پکڑ فرماتا ہے کیونکہ قسم منعقدہ سے کفارہ نہیں بلکہ اس کے توڑنے سے کفارہ ہوتا ہے (روح المعانی احمدی وغیرہ) امام شافعی کے ہاں قسم منعقدہ اور قسم غموس دونوں میں کفارہ واجب ہے' وہ قسم غموس کو ما عقدتم میں داخل مانتے ہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ قسم یہاں لغو میں داخل ہے ان کے ہاں ما عقدتم میں تفسیر حنفی قوی ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** وہاں غموس کو کسب قلوبکم میں بیان فرمایا اور صرف مواخذہ کا ذکر کیا کفارہ کا ذکر نہ

کیا احناف کی تفسیر سے یہ آیت اس سورۂ بقرہ کی آیت کے خلاف نہ ہوگی۔ **فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین** یہ عبارت **یو اخذکم** کا بیان ہے یعنی قسم منعقدہ پر پکڑ یہ ہے کہ اس کا کفارہ' خیال رہے: کہ یہاں کفارہ میں چار چیزیں بیان فرمائیں جن سے پہلے تین میں اختیار دیا گیا۔ دس مسکینوں کا کھانا' ان کا کپڑا یا غلام آزاد کرنا' ایک ہی ترتیب رکھی کہ اگر یہ تینوں کام نہ ہو سکیں تو تین دن کے روزے ہیں کھانا دینے کی احناف کے ہاں دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ مسکین کو بطور دعوت کھلا دیا جائے تب تو دو وقت اس کا پیٹ بھرنا ضروری ہے' دوسرے یہ کہ اسے مالک کر دیا جائے اس صورت میں شرط یہ ہے کہ فی مسکین آدھا صاع یعنی قریباً" سوا دو سیر گندم یا اس کا آٹا دے دیا جائے فطرہ کی طرح کھانا کھلانے کی صورت میں سالن بھی دینا ہوگا مالک کرنے کی صورت میں یا جنس دے یا قیمت دے کھانا دینے کی صورت میں تو دس مسکینوں کو ایک دن میں دے دے یا ایک مسکین کو روزانہ سوا دو سیر گندم یا ساڑھے چار سیر جو دیا کرے اگر ایک مسکین کو دس مسکینوں کا کھانا دے دیا تو ایک دن کا ادا ہوا نو دن اور دینا ہوگا۔ کھانا کھلانے کی صورت میں اسے اختیار ہے کہ روزانہ ایک مسکین کو صبح شام کھلا دیا کرے یا ایک ہی دن میں دس مسکینوں کو کھلا دے (تفسیر احمدی و کتب فقہ) **من اوسط ما تطعمون اھلیکم** یہ عبارت ثابت کے متعلق ہو کر اطعام کا بدل ہے اور حالت رفعی میں ہے یا اطعا" ما محذوف کی صفت ہے اوسط سے مراد ہے درمیانی کھانا یا عدد میں درمیانی کہ نہ تو دن میں ایک وقت نہ تین وقت بلکہ دو وقت کھلائے یا درجہ میں درمیانی کہ نہ تو نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا کھلانا واجب ہے نا بالکل ہی لونی بلکہ جیسا کھانا عموماً" اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ ویسا کھلائے (احمدی) **اھلیکم** سے مراد بیوی بچے اور متعلقہ لوگ سب ہی ہیں جن کا کھانا انسان کے ذمہ ہوتا ہے **او کسوتھم** یہ عبارت معطوف ہے اطعام پر ھم کا مرجع وہی دس مسکین ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا کسوۃ سے مراد اتنا لباس ہے جس سے مسکین کا عام بدن ڈھک جائے لہذا مرد کو کرتہ پائجامہ یا تہبند دے اور اگر مسکین عورت کو دینا ہے تو دوپٹہ بھی دے صرف ستر ڈھک دینا یعنی ناف سے گھٹنے تک کا لنگوٹا دے دینا کافی نہیں (عام تفاسیر و احمدی) نکتہ عجیبہ عربی میں اگر اطعام کے بعد دو مفعول مذکور ہوں تو کھانے کا مالک کر دینا مراد ہوتا ہے جیسے **اطعمت زیدا الخبز** اور اگر ایک مفعول مذکور ہو تو صرف اباحت یعنی کھانا کھلا دینا مراد ہوتا ہے اور **کسوۃ** کاف کے کسرہ سے ہو تو معنی ہوتے ہیں کپڑے کا مالک کر دینا اور اگر کاف کے فتحہ سے ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو عاریتہ" کپڑا پہنا دینا اس آیت کریمہ میں اطعام کے بعد صرف ایک مفعول یعنی عشرہ مساکین مذکور ہے لہذا کھانے کا مالک کرنا ضروری نہیں اور **کسوت** کاف کے کسرہ سے ہے لہذا اس کے معنی ہیں کپڑوں کا مالک کر دینا تو اگر دس مسکینوں کو عاریتہ" کچھ دن کے لئے کپڑے پہنا دے تو کفارہ ادا نہ ہوگا یہاں مالک کر دینا ضروری ہے' یہ نکتہ حضرات شوافع نہ سمجھے انہوں نے کھانے میں بھی مالک کرنا ضروری مانا لباس پر قیاس کر کے خلاصہ یہ ہے کہ کسوۃ کاف کے کسرہ سے لباس کا نام ہے نہ لباس کے نفع کا لہذا کفارہ میں لباس صرف پہنا نہ دے بلکہ فقیر کو دے دے۔ (تفسیر احمدی) یہاں بھی خیال رہے: کہ یا تو روزانہ ایک مسکین کو ایک دن میں دس جوڑے دیدے تو ایک مسکین کا جوڑا مانا جائے گا' نو مسکینوں کو اور دینا پڑے گا (احمدی) یہ مسئلہ خیال رہے: **او تحریر رقبتہ** یہ عبارت معطوف ہے **کسوتھم** پر اور کفارہ کی تیسری قسم کا بیان ہے تحری معنی آزاد کرنا رقبہ کرنا رقبہ معنی گردن مگر مراد ہے گردن والا یعنی غلام چونکہ رقبہ مطلق ارشاد ہوا لہذا اس کے معنی ہوں گے وہ غلام جو ذاتا" کامل ہو وصفا" مطلق یعنی غلام ایسا آزاد کرے جو اندھا' بولا لنگڑا' دیوانہ نہ ہوں کہ یہ لوگ ذاتا" ناقص ہیں ہاں غلام مسلمان ہو یا کافر کہ اسلام و کفر غلام کا وصف ہے یہ نکتہ شوافع نہ سمجھے اور ان حضرات

نے فرمایا کہ کافر غلام کسی کفارہ میں آزاد نہیں ہو سکتا کیونکہ قتل کے کفارہ میں مومن غلام آزاد کرنا ضروری ہے تو تمام کفارات میں یہ ہی چاہئے حالانکہ کفارہ قتل میں غلام مطلق نہیں وہاں فرمایا گیا۔ **تحریر رقبۃ مومنۃ** جہاں مقید ہے وہاں مقید مانا جائے گا۔ جہاں مطلق ہے وہاں مطلق رکھا جائے گا لہٰذا مذہب احناف بہت قوی ہے **فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام** اس عبارت میں کفارہ قسم کی چوتھی نوعیت کا ذکر ہے جو ترتیبی ہے **لم یجد** سے مراد ہے اداء کفارہ کے وقت ان چیزوں پر قادر نہ ہونا بعد میں اگرچہ قادر ہو جائے **لم یجد** کا مفعول پوشیدہ ہے' ضمیر غائب مونث یعنی جو ان مذکورہ تین چیزوں میں سے کسی چیز کو نہ پائے' نہ غلام نہ کھانا نہ کپڑا تو وہ تین روزے رکھے۔ خیال رہے: کہ احناف کے نزدیک قسم کے کفارہ میں تین روزے مسلسل لگاتار رکھنا ضروری ہے لہٰذا اگر درمیان میں کوئی روزہ ناغہ ہو گیا یا عورت کو حیض آگیا تو پچھلا رکھا ہوا روزہ بیکار ہو گیا اب پھر تین روزے رکھے یہ ہی احناف کا مذہب ہے اس کے دلائل انشاء اللہ فوائد میں عرض ہوں گے۔ **ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم** 'ذالک سے اشارہ ان چاروں مذکورہ چیزوں کی طرف ہے۔ اگرچہ کفارہ کی مذکورہ چیزیں ابھی ابھی مذکور ہوئی ہیں مگر چونکہ وہ بہت بڑی شان والی ہیں اس لئے **ذالک** اشارہ بعید ارشاد ہوا جیسے ذالک الکتاب میں ہے چونکہ ان کاموں کو اللہ کے نام کی شرافت سے نسبت ہے اس نسبت سے یہ چیزیں عظیم الشان ہوئیں' جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دنبہ عظیم قرار دیا گیا' بذبح عظیم کفارہ فرما کر یہ بتایا کہ مذکورہ چیزیں صف کفارہ ہیں ان سے دوسری عبادات ادا نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا کفارہ کے روزوں میں قضا روزوں کی نیت نہیں کر سکتے کھانے کپڑے میں زکوٰۃ کی نیت نہیں کر سکتے نیز ان کاموں پر ثواب کا وعدہ نہیں گذشتہ گناہ مٹنے کا وعدہ ہے کفارہ کی اضافت ایمان کی طرف اس لئے ہے کہ قسم کفارہ کا ذریعہ ہے جیسے کہا جاتا ہے نماز مغرب یا روزہ رمضان قسم توڑنا کفارہ واجب ہونے کی شرط ہے اس لئے کفارہ قسم کہا جاتا ہے کفارہ حنث نہیں کہا جاتا ایمان سے مراد وہی منعقدہ قسم ہے جس کی طرف اشارہ فرمایا **بما عقدتم الایمان** میں **اذا** ظرفیہ ہے اور ممکن ہے کہ شرطیہ ہو اور اس کی جزا پوشیدہ ہو (روح المعانی)۔ خیال رہے: کہ احناف کے نزدیک ان چاروں کفاروں میں سے کوئی کفار قسم توڑنے سے پہلے نہیں ادا کر سکتے اور شوافع کے ہاں اگلے تین مالی کفارے قسم توڑنے سے پہلے بھی دیئے جا سکتے ہیں' مگر روزوں کا کفارہ صرف قسم توڑنے کے بعد ادا ہو گا (احمدی) کفارہ بنا ہے کفر سے بمعنی چھپانا یا مٹانا بد عقیدگی کو کفر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ نیکیوں کو مٹا دیتا ہے ایک دوا کا نام کافور ہے مگر اس کی تیز خوشبو دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتی ہے چونکہ یہ نیک اعمال قسم کے گناہ کو مٹا دیتے ہیں اس لئے انہیں کفار کہتے ہیں **ان الحسنات یذھبن السیات** چونکہ منعقدہ قسمیں بہت قسم کی ہوتی ہیں اپنے کام پر قسم کہ میں یہ کروں گا' دوسرے شخص کے کام پر قسم کہ تو یہ کرے گا رب کے کام پر قسم کو مثلاً آج بارش ہو گی یا تیرے بیٹا پیدا ہو گا ان سب قسموں میں اگر پوری نہ ہوں تو کفارہ واجب ہوتا ہے' اس لئے ایمان جمع ارشاد ہوا اپنے خاص مقبول بندوں کی قسم رب تعالیٰ پوری فرما دیتا ہے اگر وہ رب پر قسم کھالیں **واحفظوا ایمانکم** اس عبارت میں کفارہ کے علاوہ ایک اور اہم حکم دیا گیا یعنی اپنی قسموں کی حفاظت کرنا اس حفاظت کی بہت تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اپنی قسموں کو پورا ہی کرو بلاوجہ توڑ کر کفارہ نہ دو اس صورت میں یہ قید ہو گی کہ قسم بری بات پر یا اچھی بات سے رکنے پر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو بہت قسمیں نہ کھایا کرو تاکہ تمہاری قسموں کی حفاظت رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم** ایک شاعر کہتا ہے۔

قلیل الالا یا حافظ یمینہ　　اذا بلہ ت منہ الالیہ برت

اس شعر میں قسم کی حفاظت سے مراد ہے قسم نہ کھانا (روح المعانی) تیسرے یہ کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھاؤ نہ کہ توڑنے کے لئے توڑنا کسی مجبوری سے ہو مسلمان کو اپنی زبان کا ہی پاس چاہئے کہ جو زبان سے کہے پورا کرے چہ جائیکہ قسم اس کی پاسداری تو بہت ہی چاہئے اگر قسم توڑ کر کفارہ دے دینے کی عادت ڈال لی گئی تو خلق میں تمہارا تمہاری قسموں کا اعتبار اٹھ جائے گا اور رب تعالیٰ بھی ناراض ہو گا کہ مذکورہ کفارہ اس بدنیتی جھوٹے ارادوں کا گناہ نہیں مٹا سکتا اگر کوئی رمضان میں روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے تو قضا کا ثواب ادا کی طرح نہیں ہو سکتا جو بلاوجہ وقت پر نماز نہ پڑھے قضا کر کے پڑھے تو اگرچہ فرض ادا ہو گیا مگر بلاوجہ قضا کرنے کا گناہ معاف نہیں ہوا یوں ہی قسم کھا کر بلاوجہ توڑ دے پھر کفارہ دیدے تو اگرچہ قسم کا گناہ تو ختم ہو گیا مگر اس بلاوجہ توڑنے کا گناہ کیسے معاف ہو گا اس لئے ارشاد ہوا **واحفظوا ایمانکم کذلک یبین اللہ لکم ایاتہ لعلکم تشکرون** یہ ان احکام کا تتمہ ہے **کذالک** میں **ذالک** سے ان ہی مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے **یبین** بنا ہے **تبین** سے بمعنی خوب بیان کرنا یا آہستگی سے بیان فرمانا ہمارے لئے لعل شک کے لئے ہوتا ہے یہاں نتیجہ اور مقصد کے لئے ہے یعنی جیسے ہم نے قسم کے احکام بہت تفصیل سے بیان فرمائے یوں ہی ہم تمہارے لئے اے مسلمانوں اپنی آیات و احکام خوب واضح کر کے بیان کرتے ہیں تا کہ تم بندہ شکر گزار بنو خیال رہے: کہ **یبین** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ براہ راست رب تعالیٰ ہی مفصل بیان فرماتا ہے جیسے قسم کے احکام میراث کے حصے یا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مفصل بیان فرماتا ہے جیسے احکام نماز زکوٰۃ کو قرآن مجید میں اگرچہ مجمل ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل بیان فرمائی نیز لکم فرما کر بتایا کہ یہ تفصیل و ابیان تمہارے نفع کے لئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے سے ہی واقف ہیں اور تم سے پہلے کے شاکر ہیں قرآن مجید مجمل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح ہیں اور علماء دین اس متن و شرح پر حاشیہ چڑھانے والے دیکھو لفظ صلوٰۃ قرآن میں ہے نماز کی شرح کہ کیسے پڑھو حدیث میں اور نماز کے اعمال میں کون فرض ہے کون واجب کون سنت فقہ میں ہے **یبین اللہ** ان سب کو شامل ہے۔

خلاصہء تفسیر: ہر جرم پر آخرت میں پکڑ ہو گی خواہ اس طرح کہ پیشی ہو کر معافی ہو جائے۔ خواہ اس طرح کی سزا بھی دے دی جائے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** مگر بعض جرم وہ ہیں جن پر دنیا میں بھی پکڑ ہو جاتی ہے خواہ سیاسی پکڑ ہو جیسے چوری پر ہاتھ کٹنا زنا پر سنگسار ہونا شراب پر اسی کوڑے یا شرعی پکڑ جیسے رمضان میں روزہ توڑنے پر کفارہ لازم ہونا خواہ غیبی پکڑ جیسے زنا عام ہو جانے پر وبائیں آنا زکوٰۃ کا رواج نہ رہنے پر بارشیں بند ہو جانا اور بعض گناہوں پر دنیا میں پکڑ نہیں جیسے نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا یہ ہی حال نیکیوں کا ہے کہ بعض نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے جیسے والدین کی خدمت۔ قسم غموس ان گناہوں میں سے ہے جن کی پکڑ آخرت میں تو ہے مگر دنیا میں نہیں کہ اس پر کفارہ نہیں مگر قسم منعقدہ کا توڑنا ان گناہوں میں سے ہے جس پر دنیا میں بھی شرعی پکڑ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے اس آیت کریمہ میں ان ہی قسموں کا ذکر ہے۔ ابھی تفسیر میں اشارۃً عرض کیا گیا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک احناف کی دوسری شوافع حضرات کی ان مختلف تفسیروں سے مختلف احکام حاصل کئے گئے ہیں ہم یہاں حنفی تفسیر عرض کرتے ہیں اے مسلمانوں تمہاری لغو قسمیں خواہ غموس ہوں یا لغو ان دونوں میں اللہ تعالیٰ تم پر دنیاوی مواخذہ یعنی کفارہ واجب نہیں فرماتا ہاں منعقدہ قسمیں جن کو منعقد کرنے کے لئے تم کھاؤ ان پر پکڑ فرماتا ہے کہ ان کے توڑ دینے کی صورت میں تم پر کفارہ واجب کرتا ہے ان قسموں کے توڑنے کا کفارہ یہ

ہے کہ تم قسم توڑ دینے کے بعد دس مسکینوں کو اپنے گھر بار کا درمیانی کھانا دو خواہ اس طرح کہ ان کی دعوت کر کے انہیں کھلا دو خواہ اس طرح کہ انہیں کھانے کا مالک کر دو یا دس مسکینوں کو بدن چھپانے والا کپڑا دے دو یا کوئی صحیح سالم غلام یا لونڈی آزاد کر دو خواہ وہ غلام مسلمان ہو یا کافر ان تین میں تو تم کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو چاہو ادا کر دو لیکن اگر ہر وقت کفارہ دینے کے تم ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو کہ نہ تمہارے پاس دس مسکینوں کا کھانا ہو نہ کپڑا نہ آزاد کرنے کے لئے غلام تو مسلسل تین روزے رکھو تمہاری قسموں کا یہ کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر توڑ دو تو یہ ادا کرو یہ بھی خیال رکھو کہ اولا" تو قسم کھاؤ نہیں اور جب کھاؤ تو اسے حتی الامکان نبھاؤ اس کی حفاظت کرو کہ مسلمان کی زبان خصوصا" قسم بہت حفاظت کی چیز ہے ہم تمہارے نفع کے لئے اس طرح اپنے احکام اپنی آیات خوب واضح کر کے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم بندۂ شکر گزار بنو۔

فوائد و مسائل : قسم تین قسم کی ہے قسم لغو، قسم غموس، قسم منعقدہ۔ قسم لغو یہ ہے کہ انسان نادانستہ طور سے گذشتہ کی جھوٹی قسم کھالے مثلاً اس نے کہا خدا کی قسم زید آگیا اسے یہی خبر تھی مگر واقعہ میں یہ غلط تھا زید نہ آیا تھا اس قسم پر نہ گناہ نہ کفارہ قسم غموس یہ ہے کہ گذشتہ واقعہ پر دانستہ طور پر جھوٹی قسم کھالے اس میں گناہ ہے کفارہ نہیں قسم منعقدہ یہ ہے کہ آئندہ کے متعلق قسم کھائے کہ میں یہ کروں گا یا نہ کرونگا یا ایسا ہو گا اس قسم کو توڑ دینے پر وہ کفارہ واجب ہو گا جو یہاں ارشاد ہوا۔ **مسئلہ** قسم غموس میں گناہ ہے کفارہ نہیں اس گناہ کا ذکر سورۂ بقر میں گذر گیا کہ ارشاد ہوا **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** سے مراد ارادۃ" جھوٹی قسم کھانی ہے اور پکڑ کے بعد کفارہ بیان نہ ہوا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں پکڑ سے مراد اخروی پکڑ یعنی گناہ ہے (تفسیر احمدی)۔

مسئلہ : قسم منعقدہ میں کفارہ واجب ہے مگر قسم توڑ دینے کے بعد اور گناہ کے متعلق تفصیل ہے اگر کسی نیکی کے نہ کرنے یا گناہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو اس کے توڑ دینے میں کوئی گناہ نہیں بلکہ توڑ دینا اور کفارہ ادا کر دینا ضروری ہے اور اگر اس کے برعکس کی قسم تھی تو اس کا توڑنا ممنوع ہے یہ مسئلہ **یؤاخذکم** کے بعد **فکفارتہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **فائدہ:** کفارہ قسم میں اگر فقراء کو کھانا دیا گیا تو اس کا مالک کر دینا ضروری نہیں دو وقت دس مسکینوں کی دعوت کر دینا بھی کافی ہے لیکن اگر کپڑا دیا گیا تو کپڑے کا مالک کر دینا ضروری ہے یہ فائدہ اطعام کو مصدر فرمانے اور کسوۃ کاف کے کسرہ سے فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **فائدہ:** قسم کے کفارہ میں ہر مسکین کو پورا جوڑا دینا ضروری ہے صرف تہبند یا لنگوٹہ دے دینا کافی نہیں یہ فائدہ بھی کسوۃ سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **فائدہ:** قسم کے کفارہ میں تین روزے رکھنا ہوں تو مسلسل لگاتار رکھنا ہوں گے یہ ہی قول ہے حضرت عبداللہ ابن عباس مجاہد اور قتادہ وغیرہم کا یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ چنانچہ ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ جب کفارہ کی آیت نازل ہوئی تو حضرت حذیفہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ کیا ہم کو ان تین کفاروں میں اختیار ہے فرمایا ہاں لیکن اگر روزہ سے کفارہ دینا پڑے تو تین دن کے مسلسل رکھنا ہوں گے **ثلثۃ ایام متتابعات**' ابن ابی شیبہ' ابن حمید' ابن جریر' ابن ابی داؤد' ابن منذر' حاکم' اور بیہقی نے بہ سند صحیح روایت کی کہ حضرت ابی ابن کعب کی قراءت میں متتابعات موجود ہے ان کی قراءت یوں ہے فصیام ثلثۃ ایام متتابعات یہ ہی احناف کا مذہب ہے (تفسیر روح المعانی) **فائدہ:** پہلے کفاروں سے عاجز ہونا اداء کفارہ کے وقت معتبر ہے یعنی جو شخص قسم کا کفارہ ادا کرتے وقت مسکینوں

کے کھانے کپڑے غلام آزاد کرنے پر قادر نہ تھا اس نے تین روزے رکھ لئے بعد میں وہ ان پر قادر ہو گیا تو کفارہ ادا ہو گیا۔ یہ ہی مذہب احناف ہے' امام شافعی کے ہاں قسم توڑنے کے وقت عاجز ہونا معتبر ہے' مذہب احناف بہت قوی ہے جیسا کہ **فمن لم یجد** کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے فائدہ: قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا نہیں کر سکتے۔ توڑنے کے بعد کفارہ واجب ہوتا ہے' یہ فائدہ **واحفظوا ایمانکم** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قسم پوری کرنے اس کی حفاظت کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے نہ کہ کفارہ واجب کرنے کے لئے احناف کا مذہب یہ ہی ہے امام شافعی کے ہاں تین مالی کفارے تو قسم توڑنے سے پہلے (حنث سے پہلے) بھی ادا کئے جا سکتے ہیں مگر کفارے کے روزے قسم توڑنے کے بعد ہی رکھے جائیں گے۔ (تفسیر خازن و احمدی وغیرہ) فائدہ: قسم کے کفارہ میں کافر غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے مومن کی قید نہیں یہ ہی احناف کا مذہب ہے یہ فائدہ **تحریر رقبۃ** میں رقبۃ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ امام شافعی کے ہاں مومن غلام ہی آزاد کیا جائے گا کافر نہیں۔ کفارہ قسم کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔ فائدہ: بلا وجہ قسم توڑ دینا بعد میں کفارہ دے دینا گناہ ہے کہ کفارہ سے اگرچہ قسم توڑنے کا گناہ تو مٹ گیا مگر بد نیتی وعدہ خلافی دوسرے کو دھوکا دینے کا گناہ تو باقی رہا انسان کو چاہئے کہ اولاً" تو کسی سے وعدہ کرے نہیں قسم کھائے نہیں اور جب کرے تو پورا کرے ورنہ رب تعالیٰ بھی ناراض ہو گا اور مخلوق میں اس کا اس کی زبان کا اس کی قسموں کا اعتبار جاتا رہے گا جن انبیاء کرام کے متعلق فرمایا گیا صادق الوعد وہ حضرات وعدے پورے کرتے تھے وعدہ خلافی کر کے قسمیں توڑ کر کفارے نہیں دیا کرتے تھے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف لغو قسم میں کفارہ نہیں اس کے علاوہ دونوں قسموں میں کفارہ ہے خواہ قسم غموس ہو یا قسم منعقدہ کیونکہ ارشاد ہوا **ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان** لہٰذا جو قسم ارادۃً" کھائی جائے خواہ گذشتہ پر جھوٹی قسم ہو یا آئندہ پر دونوں میں کفارہ ہے (شوافع) اس کو پارہ سیقول میں یوں بیان فرمایا **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم**۔ کسب اور عقد ایک ہی چیز ہے (شوافع) یہ اعتراض حضرات شوافع کا انتہائی ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی اجمالاً" تفسیر میں گذر گیا کہ عقد سے مراد دلی ارادہ نہیں ہے بلکہ منعقد کرنا مضبوط کرنا مراد ہے یہ وہ ہی قسم ہو سکتی ہے۔ جس کے پورا کرنے نہ کرنے پر انسان قادر ہو اور وہ قسم منعقدہ ہی ہے۔ غموس قسم پر انسان کا اختیار نہیں لہٰذا وہ عقدتم سے الگ ہے ہاں وہ قسم **کسبت قلوبکم** میں داخل ہے اس میں گناہ ہے کفارہ نہیں لہٰذا یہاں اس آیت کریمہ میں پکڑ فرمانے سے مراد ہے' کفارہ لازم فرما دینا اور وہاں پہلے پارہ والی آیت میں پکڑ سے مراد آخرت کی پکڑ یعنی گناہ ہے اس لئے یہاں پکڑ کے بعد کفارہ کا ذکر ہے اور وہاں کفارہ کا ذکر نہیں۔ لہٰذا یہاں لغو قسم سے مراد غموس اور لغو دونوں ہیں اس کی مکمل تحقیق تفسیرات احمدیہ میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض**: جب آیت کے شروع میں فرما دیا گیا کہ **کفارتہ اطعام عشرۃ مساکین**' تو پھر بعد میں کیوں فرمایا کہ **ذالک کفارۃ ایمانکم** دوبارہ فرمانا زائد ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں اشارۃً" عرض کر دیا گیا کہ اس دوبارہ فرمان کا منشاء یا تو یہ ہے کہ ان چاروں کاموں کا مجموعہ کفارہ نہیں بلکہ ان میں سے جو کام بھی کر لیا جائے کفارہ ادا ہو جائے گا' یا یہ بتانا ہے کہ یہ کام صرف کفارۂ قسم ہیں انہیں اور دوسرے ارادوں میں صرف نہ کرو یا یہ بتانا ہے کہ یہ کام قسم توڑنے کا گناہ مٹانے کے لئے ہیں ان کاموں پر کسی قسم کے ثواب کا وعدہ نہیں غرضیکہ دوبارہ فرمانا بہت حکمتوں سے ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم کا کفارہ قسم توڑنے سے پہلے بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ ارشاد ہوا **فکفارتہ**

اطعام سے مراد قسم ہے جس سے معلوم ہوا کہ کفارہ واجب کرنے والی چیز قسم ہے نہ کہ حنث یعنی قسم توڑنا سبب پائے جانے کے بعد چیز ادا ہو جاتی ہے' جیسے زکوٰۃ کا سبب مال ہے نہ کہ سال' تو سال گزرنے سے پہلے بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ نیز مسلم شریف میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی کسی چیز پر قسم کھالے پھر وہ چیز اچھی محسوس ہو تو **فلیکفر عن یمینہ ولیات الذی ھو خیر** دیکھو اس میں کفارہ کا ذکر پہلے ہے اور قسم توڑنے کا ذکر بعد میں معلوم ہوا کہ کفارہ حنث یعنی قسم توڑنے سے پہلے دیا جاسکتا ہے۔ (حضرات شوافع) یہ اختلافی مسئلہ ہمارے اور شوافع کے درمیان بہت مشہور ہے اس پر ان حضرات کے یہ مشہور دلائل ہیں جو ان کے علماء مختلف طریقوں سے بیان فرماتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی یہ ہے کہ یہ دلائل تمہارے بھی خلاف ہیں اس لئے کہ آپ لوگ بھی روزے سے کفارہ دیتے ہیں' قسم توڑ دینا ضروری مانتے ہیں۔ صرف مالی تین کفاروں میں حنث پر کفارہ مقدم کرنا جائز کہتے ہیں۔ یہ فرق اس آیت میں کہاں ہے نیز آپ کی پیش کردہ مسلم شریف کی حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہاں ارشاد ہے **فلیکفر عن یمینہ ولیات الذی ھو خیر**۔ اگر یہ **ف** تعقیب کی ہے تو چاہئے کہ کفارہ پہلے دینا اور قسم بعد میں توڑنا واجب ہو جائے حالانکہ یہ آپ بھی نہیں کہتے اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ قسم کفارہ کا سبب نہیں اس کا سبب حنث یعنی قسم توڑنا ہے کیونکہ قسم توڑنے کے لئے نہیں کھائی جاتی بلکہ پوری کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا **واحفظوا ایمانکم** جب قسم توڑنا کفارہ کا سبب ہے تو سبب سے پہلے مسبب کیسے ہو سکتا ہے آپ کی پیش کردہ حدیث میں حنث اور کفارہ میں ترتیب مذکور نہیں مطلب یہ ہے کہ قسم کے بعد اگر قسم توڑنا بہتر ہو تو یہ دونوں کام کرے حنث اور کفارہ ترتیب سے خاموشی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو **فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع** اللہ کے ذکر کی طرف آنے کی کوشش کرو۔ تجارت چھوڑ دو یہاں یہ معنی نہیں کہ پہلے سعی کرو بعد میں تجارت بند کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اذان سنتے ہی یہ دونوں کام کرو نیز کفارہ کے متعلق صحیح حدیث یوں بھی وارد ہے' **فلیات الذی ھو خیر ثم لیکفر عن یمینہ** کہ پہلے قسم توڑے پھر اس کے بعد کفارہ دے یہاں ثم نے ترتیب بتادی کہ حنث پہلے ہو اور کفارہ بعد میں خیال رہے کہ ہمارے اور شوافع کے ہاں اس آیت کریمہ میں حنث ضرور پوشیدہ ہے یعنی **عقد تم الایمان ثم حنثتم لکفارتہ** جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فمن کان منکم مریضا اوعلی سفر فعدۃ من ایام اخر**۔ اس آیت میں فافطر پوشیدہ ہے یعنی جو بیمار یا مسافر ہو اور رمضان کے روزے نہ رکھے تو آئندہ قضا کرے ایسے ہی یہاں ہے کیونکہ ہم اور شافعی حضرات دونوں کہتے ہیں کہ بغیر قسم توڑے کفارہ واجب نہیں صرف جواز تقدیم میں اختلاف ہے اس کی پوری تحقیق یہاں ہی تفسیر روح المعانی میں دیکھو۔ **چوتھا اعتراض:** جب کپڑے دینے کی صورت میں فقراء کو کپڑوں کا مالک کردینا ضروری ہے تو کھانا دینے کی صورت میں بھی انہیں کھانے کا مالک کردینا ضروری ہونا چاہئے وہاں اباحت کافی کیسے ہوگی۔ (حضرات شوافع)۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اطعام میں مصدر ارشاد ہوا اور لباس میں اکساء مصدر نہ ارشاد ہوا بلکہ **کسوۃ** مادہ کا ذکر ہوا اس لئے یہ فرق ہوا ہم ابھی بہت نفیس طریقہ سے یہ فرق تفسیر میں عرض کر چکے۔ **پانچواں اعتراض:** یہ عجیب بات ہے کہ قسم کے کفارہ میں مالی کفارہ بہت سخت ہے اور بدنی کفارہ بہت ہی نرم غلام آزاد کرنے میں تو بہت ہی مالی خرچ ہوتا ہے کہ غلام سینکڑوں روپیہ کا ہوتا ہے' کھانا کپڑا بھی بہت قیمتی ہے اور تین روزے نہایت معمولی کام ہے ان میں مناسبت کوئی نہیں (بعض بے دین)۔ **جواب:** رکعات نماز' زکوٰۃ کی مقدار' میراث کے حصے سزاؤں کی

تفصیلی کفارات کے احکام عقل انسانی سے وراء ہیں یہاں صرف گردن جھکانا اور قبول کر لینا ضروری ہے دنیاوی بادشاہوں کے قانون' طبیب کے نسخے میں دواؤں کی مقداریں بلاچون وچرا مان لی جاتی ہیں یہ تو احکم الحاکمین کے قوانین ہیں بلا بحث مانو وہ حاکم بھی ہے' حکیم بھی علیم بھی اس نے جو احکام دیئے بالکل درست دیئے اگرچہ اس کے تمام احکام میں صدہا حکمتیں ہیں مگر ہم حکمتوں کے پیچھے نہ پڑیں اگر احکام شرعیہ کی حکمتیں معلوم کرنا ہوں تو ہماری کتاب اسرار الاحکام کا مطالعہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ : قسمیں دو قسم کی ہیں دنیا سے علیحدگی پر قسم یہ لغو قسم کہلاتی ہے' قرب الٰہی سے محرومی پر قسم یہ قسم منعقدہ ہے جو اس طرح کی قسم میں پھنس جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں یعنی اپنے پانچ حواس ظاہری اور پانچ حواس باطنی کو وہ کھانا غذائے روحانی کو جو تم اپنے اہل یعنی دل' روح سر وخفی کو دیا کرتے ہو ان کے کھانے یہ ہی شوق' محبت' صدق' اخلاص' تفویض' تسلیم' رضا بالقضا' انس ہیبت' شہود' کشف اور ان کی درمیانی غذا' ذکر' فکر' شوق' توکل' عبادت' خوف' امید ہیں اپنے حواس کو یہ غذائیں دو کہ انہیں ان عبادات میں لگا دو یا ان خواس کو تقویٰ ظاہری باطنی کا لباس پہناؤ یا گردن آزاد کرو اس طرح کہ اپنے نفس کو ہوئی و ہوس حب دنیا اطاعت شیطان کی قیدوں سے آزاد کر دو اگر کوئی ان کٹھن چیزوں پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے ایک وہ دن جو گزر گیا ایک دن موجودہ اور ایک دن آئندہ گذشتہ زمانہ کا روزہ یہ ہے کہ کئے ہوئے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے موجودہ زمانے کا روزہ یہ ہے کہ غفلت پیدا کرنے والی چیزوں سے باز رہے اگلے دن کا روزہ یہ ہے کہ عزیمت پر کمربستہ رہے گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرے اطاعات پر ثابت قدم رہے' مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں چون ست صبرت از خدائے دوست جوں
چونکہ بے ایں شرب کم داری سکوں چوں زابراری خدا و زلیشروں

اے بیوقوف جب تو کمینی دنیا یہاں کے کھانے پینے سے صبر نہیں کر سکتا تو حق تعالیٰ اس کے عشق سے اور غذا روحانی سے صبر کیوں کیسے لیتا ہے (تفسیر روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صوفیاء کے مشرب میں ساری قسمیں اور ان کے کفارے اور کفاروں کے مصارف خود ہم میں ہی موجود ہیں خدا دیکھنے والی آنکھ دے۔ صوفیاء' فرماتے ہیں کہ جیسے طبیب اپنے مریض کو نسخہ لکھ کر بھی دیتا ہے جس کے اجزاء بیمار کو معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ نسخہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ بنفشہ زکام کے لئے لکھا ہے ملٹھی کھانس کے لئے گلاب کے پھول جلاب کے لئے ساتھ ہی کوئی گولی یا پڑیا بھی دیتا ہے' جس کے اجزاء نہ دیکھے جاتے ہیں' نہ عقل میں آتے ہیں وہ بغیر سمجھے کھائی جاتی ہے اور کہتا ہے کہ یہ گولی اس نسخہ کے ساتھ یا چائے کے ساتھ کھاؤ ایسے ہی رب تعالیٰ نے عبادات کفارات میں بعض چیزیں وہ رکھی ہیں جو عقل میں آجائیں بعض وہ جو عقل سے وراء ہوں کہ بندہ نہیں صرف بندگی کی بنا پر مانے عقل کو دخل نہ دے نماز کے اجزاء سمجھ میں آتے ہیں کہ ان میں رب تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اپنے عجز کا اظہار مگر نماز کے اوقات اس کی تعداد اور رکعات عقل سے وراء ہے یوں ہی کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کپڑا دینا عقل میں آتا ہے کہ یہ صدقہ ہے مگر دس کی پابندی کہ اگر آٹھ نو مسکینوں کو دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا یہ عقل سے وراء ہے کہ اسے سمجھو نہیں مگر عمل کرو نیز ان کی ترتیب بھی عقل میں نہیں آتی۔ نیز فرماتے ہیں کہ ہماری قسمیں اپنی ہماری ہوتی ہیں جن کا ادا ہم پر لازم ہوتا ہے اگر ادا نہ کریں تو کفارہ دینا پڑتا ہے' مگر اللہ والوں کی بعض قسمیں ان کی اپنی نہیں ہوتیں وہ قسمیں رب کی طرف سے ہوتی ہیں ہیں ان قسموں کہ خود رب تعالیٰ پوری فرماتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے اگر مومن جوش میں کہہ دے کہ آج بارش ہو گی یا تو بخشا جائے گا یا تجھے

اللہ بیٹا دے گا تو رب تعالیٰ ان کی زبان کی لاج رکھتا ہے' ضرور پوری کر دیتا ہے اس لئے یہاں ارشاد ہوا کفارۃ ایمانکم اور فرمایا گیا اذا لفتم ہماری قسمیں اور ہیں ہمارے منہ سے نکلی ہوئی رب کی قسمیں کچھ اور۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے بات یہ ہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور تیر گندی چیزیں ہیں شیطان

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

کے کاموں سے ہیں پس بچو ان سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ بات یہ ہی کہ ارادہ کرتا

تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ شیطان یہ ہی چاہتا ہے

اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ

ابلیس یہ کہ ڈالدے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض شراب اور جوئے میں اور روک دے تم کو

کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوادے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد

ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝

اللہ کے ذکر اور نماز سے تو کیا تم باز رہو گے۔

اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی گذشتہ آیات میں مسلمانوں سے فرمایا گیا تھا کہ حلال و طیب چیزوں کو حرام نہ کرلو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام چیزوں شراب جوا وغیرہ کو حلال نہ ٹھہرالو گویا تقویٰ کے ایک رخ کا ذکر پچھلی آیات میں تھا یعنی حلال و طیب چیزیں استعمال کرنا اور اس کے دوسرے رخ کا ذکر اب ہے یعنی حرام چیزوں سے بچنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان حلال و طیب چیزوں کا ذکر تھا' جنہیں کوئی شخص قسم کھا کر اپنے پر حرام کرے اب ان چیزوں کا ذکر ہے' جو رب تعالیٰ نے حرام فرمادیں گویا عارضی حرمت کا ذکر فرمانے کے بعد حرمت اصلی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ اپنی کھائی ہوئی قسموں کی حفاظت کرو جن میں تم اللہ کا نام لیتے ہو' اللہ کے نام کی حرمت کا لحاظ رکھو' اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ کے نام کا اتنا احترام ہے کہ اس کے نام کی کھائی قسم پوری کرنا چاہئے تو اس کریم کے احکام کا بھی احترام کرو کہ شراب و جوئے وغیرہ سے پرہیز کرو۔

شان نزول : ایک انصاری کے گھر حضرات صحابہ کی دعوت تھی جس میں مہاجرین بھی مدعو تھے انصار بھی' کھانے کے بعد حسب معمول شراب کا دور چلا تمام مہمان نشہ میں چور ہو گئے اسی بے خودی میں ایک صاحب بولے کہ مہاجرین سے انصار

افضل ہیں۔ اس پر ایک انصاری نے حضرت سعد کی ناک پر اونٹ کی ہڈی ماری جس سے خون جاری ہو گیا نشہ اترنے پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زخمی ناک لئے ہوئے حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے بہت صدمہ پہنچا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن) حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میرے متعلق قرآن کریم کی چار آیتیں احکام کی نازل ہوئیں۔ میں نے بدر کے دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مال غنیمت میں ایک تلوار مانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تلوار وہاں ہی رکھ دو جہاں سے اٹھائی ہے تب آیت کریمہ **یسلونک عن الانفال** نازل ہوئی۔ میں بیمار تھا میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مال کے متعلق سوال کیا تو آیت کریمہ **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت** نازل ہوئی' میرے اسلام قبول کرلینے پر میری ماں نے مجھے دوبارہ کافر ہو جانے پر مجبور کیا تو آیت کریمہ **ووصینا الانسان بوالدیہ** نازل ہوئی' ایک دعوت میں بحالت نشہ میں ایک انصاری کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تو یہ آیت کریمہ **انما الخمر والمیسر** نازل ہوئی (تفسیر احمدی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت تمنا تھی کہ شراب حرام کردی جائے جب آیت کریمہ **یسلونک عن الخمر والمیسر** نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا الٰہی شراب کے متعلق بیان شافی نازل فرما **لا تقربوا الصلواۃ وانتم سکاری** نازل ہوئی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر یہ آیت کریمہ سنائی پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہی دعا کی الٰہی شراب کے متعلق بیان شافی نازل فرما پھر جب یہ آیت کریمہ **انما الخمر** نازل ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بلا کر سنائی جناب عمر رضی اللہ عنہ بہت ہی خوش ہوئے اور بولے **انتھینا ربنا**۔ الٰہی ہم شراب سے باز آئے۔ (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ شراب کے متعلق پہلے یہ آیت نازل ہوئی **قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس** اس پر بعض حضرات نے شراب چھوڑ دی بعض لوگ پیتے رہے۔ پھر آیت کریمہ **لا تقربوا الصلواۃ وانتم سکاری** نازل ہوئی تو کچھ اور صاحبوں نے بھی شراب چھوڑ دی۔ بعض حضرات نے کہا کہ نماز کے اوقات کے علاوہ ہم شراب پی لیا کریں گے اور نشہ میں گھر سے نہ نکلیں گے۔ پھر سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی **انما الخمر والمیسر** تب سب حضرات نے توبہ کرلی (تفسیر روح المعانی) اس آیت کے نزول کے دن اہل مدینہ نے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی شراب گرائی تو مدینہ کی گلیوں میں شراب بارش کے پانی کی طرح بہتی تھی۔ عرصہ تک گلی کوچوں میں شراب کی بو رہی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر جو واقعہ پیش آیا وہ ہم بیان کر چکے ہیں میں نے وہ جگہ دیکھی ہے جہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مکان تھا اور شراب کا دور چل رہا تھا کہ اس آیت کا اعلان ہوا اور ان حضارت نے بے مثل طریقہ سے شراب چھوڑی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی اب اس جگہ مسجد بنی ہے جسے مسجد فضیح یعنی شراب والی مسجد کہتے ہیں۔ قابل زیارت جگہ ہے۔

تفسیر : **یاایھا الذین امنو** چونکہ اہل عرب سے شراب چھڑانا بظاہر بہت ہی مشکل اور بہت اہم تھا کہ وہاں صدیوں سے پانی کی طرح شراب پی جاتی تھی نیز ان سے جوئے کی عادت چھوڑانا بھی آسان نہ تھی کو جوا وہاں بہت مروج تھا اور اس میں بہت آسانی سے مال مل جاتا تھا یہ دونوں چیزیں نفس کو بہت پسند تھیں۔ اس لئے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا پھر حرمت کا ذکر سنایا نیز شرعی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں کفار ان احکام کے مکلف نہیں نیز نیکیاں کرنا گناہوں سے بچنا صرف

مومنوں کو عذاب سے بچا سکتا ہے۔ کفار کچھ بھی کریں عذاب کے مستحق ہیں ان وجوہ سے مسلمانوں کو خطاب کر کے شراب و جوئے کی حرمت کا حکم سنایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں ہمارے ملک میں جو ذمی کفار رہتے ہوں ہم ان کو ان مذکورہ چیزوں سے جبراً" نہ روکیں گے انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام خمر اور میسر کے معنی اور ان کی تفسیر سورۂ بقر میں گزر چکی ہے اور انصاب والازلام کے معنی اسی سورۂ مائدہ کے اول میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں اجمالاً" اتنا عرض کرتے ہیں کہ خمر کے لغوی معنی ہیں چھپانا اسی لئے دوپٹہ کو خمار کہتے ہیں کہ وہ سر کو چھپا لیتا ہے لغت میں خمر انگوری شراب کو کہا جاتا ہے یہاں وہ ہی مراد ہے یہ ہی مذہب احناف ہے۔ چونکہ یہ شراب عقل کو چھپا لیتی ہے لہذا خمر کہلاتی ہے دوسرے اماموں کے ہاں ہر نشہ آور پتلی چیز خمر ہے خواہ شراب انگوری ہو یا دوسری شرابیں یا تاڑی وغیرہ اس اختلاف کے نتائج ہم سورۂ بقر میں عرض کر چکے ہیں کہ شراب انگوری کا ایک قطرہ بھی حرام ہے اور دوسری شرابیں جب نشہ دیں یا لطف و لذت کے لئے استعمال کی جائیں تب حرام ہیں یہ امام اعظم کا قول ہے شریک ابن عبداللہ اور امام اوزاعی کے ہاں ان کا حکم افیون وغیرہ خشک نشہ آور چیزوں کا سا ہے (دیکھو تفسیر احمدی) قرآن کریم نے صرف خمر یعنی شراب انگوری حرام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتی یعنی نشہ آور چیز حرام فرمادی ہمیشہ قرآن مجید ایک فیصد چیزیں بیان کرتا ہے باقی ننانوے فی صدی چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حرام فرماتے ہیں۔ قرآن مجید نے صرف سور کا گوشت حرام کیا سور کے باقی اجزا نیز کتا بلی وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمائے تاکہ مسلمان کسی وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو جائیں خیال رہے کہ قرآن مجید جب چند چیزوں کو جمع فرماتا ہے تو ان میں ضرور کوئی مناسبت ہوتی ہے نماز کو زکوۃ کے ساتھ جمع فرماتا ہے اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ اپنے نام پاک کو اپنے رسول کے ساتھ جمع فرمایا امنوا باللہ ورسولہ دوسری ایمانیات 'قیامت' فرشتوں وغیرہ کے ساتھ جمع نہیں فرمایا یہاں خمر کو جوئے کے ساتھ اس لئے جمع فرمایا کہ شراب خواری اور جوا لازم ملزوم ہیں کہ شراب خوار کا خرچ تو بڑھ جاتا ہے کمائی رہتی نہیں شرابی نشہ کی صورت میں کما نہیں سکتا اب اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے چوری بھیک یا جوا کا مشغلہ کرتا ہے ' شرابی سے چوری و بھیک بھی مشکل سے ہوتی ہے اس لئے عموماً" جوا کھیلتا ہے 'اس تناسب سے جوئے کا ذکر شراب کے ساتھ فرمایا۔ میسر بنا ہے یسر سے بمعنی آسانی رب فرماتا ہے فان مع العسر یسرا۔ جوئے کو میسر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں دوسرے کا مال بہ آسانی جیت لیا جاتا ہے اس لفظ کی تحقیق بھی سورۂ بقر میں ہو چکی یہاں اجمالاً" اتنا عرض ہے کہ جوا ہر وہ عقد ہے۔ جس میں دو طرفہ مال کی ہار جیت کی شرط ہو جوئے کی بہت قسمیں ہیں اور سب حرام اگر ایک طرف سے مال کی شرط ہو تو وہ انعام ہے جوا نہیں اس میسر کو عربی میں قمار بھی کہتے ہیں قمار کے لغوی معنی ہیں غلبہ 'چونکہ جوئے میں شراب کی سی لذت آتی ہے 'جوئے کا نشہ بھی انسان کو غافل کر دیتا ہے 'اس لئے اللہ تعالیٰ نے شراب کے ساتھ ہی جوئے کا ذکر فرمایا شراب شخصی تباہی کا سبب ہے۔ جوا قومی تباہی کا ذریعہ ہے نیز شراب میں لذت جان ہے۔ جوئے میں لذت مال ان وجوہ سے شراب کا ذکر پہلے اور جوئے کا بعد میں کیا گیا۔ انصاب جمع نصب کی بمعنی گاڑھنا اس کی جمع قلت انصاب ہے اور جمع کثرت نصب سادہ پتھر جس کی پوجا کی جائے وہ نصب ہے اور نقشین پتھر جس میں کسی کی شکل بنائی جائے اور اس کی پرستش کی جائے وہ اصنام ہے اس کی تحقیق بھی شروع سورۂ مائدہ میں ہو چکی۔ ازلام جمع زلم کی ہے فال کھولنے کے تیر رجس من عمل الشیطان عربی میں رجس گندے کاموں گندے عقیدوں کو کہا ہے اور رجز بمعنی عذاب ہے اور رکس گندی بدبو دار چیزوں کو کہتے ہیں چونکہ یہاں

دو گندے کاموں کا ذکر ہوا۔ شراب و جوا اور دو گندے عقیدوں کا بت پرستی 'اور تیروں سے فال اس لئے رجس ارشاد ہوا جو
گندے کام گندے عقیدے دونوں پر بولا جاتا ہے (تفسیر صاوی) عمل شیطان سے مراد شیطان کے بنائے ہوئے کام ہیں نہ کہ
شیطان کے کئے ہوئے کام کیونکہ شیطان خود نہ تو شراب پیتا ہے نہ جوا کھیلتا ہے نہ بت پرستی کرتا ہے نہ تیروں سے فال لیتا ہے۔ وہ
خود مشرک یا بدکار نہیں وہ تو بڑا پکا موحد ہے نیز اسے سارے جہان کو گمراہ کرنے کی فکر لگی ہے اسے شراب و جوئے کی فرصت
کہاں وہ تو بہت مصروف زندگی رکھتا ہے اسے ایک آن کی فرصت نہیں یا عمل الشیطان سے مراد ہے شیطان کے پسندیدہ کام جن
سے شیطان خوش ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ یہ چاروں کام بذات خود بھی گندے ہیں اور ان سے شیطان بھی خوش ہوتا ہے۔
جس کام سے شیطان خوش ہو بہت برا ہے حتیٰ کہ اگر وہ نماز سے خوش ہو تو وہ نماز نیکی نہیں۔ یوں ہی جس کام سے اللہ رسول خوش
ہو جائیں وہ بہت اچھا ہے 'فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اس لئے اس پر ف جزائیہ آئی
اجتناب کے معنی ہیں دور رہنا اس کا مادہ ہے جنب بمعنی دوری اس لئے گندے شخص کو جس پر غسل فرض ہو جنبی کہتے ہیں۔
قرآن کریم فرماتا ہے فبصرت بہ عن جنب وھم لا یشعرون پرہیز کو اجتناب اس لئے کہتے ہیں کہ انسان بری چیز سے دور
رہتا ہے ہ کا مرجع یا شیطان ہے یا رجس یا مذکورہ چیزوں میں سے ہر ایک چیز اسی لئے یہ ضمیر واحد لائی گئی لعل ہمارے لئے بمعنی
امید ہوتا ہے رب تعالیٰ کی طرف سے خبر یقینی کے لئے یعنی جب حالت یہ ہے تو تم شیطان سے یا پلیدی سے یا ان چاروں کاموں
میں سے ہر ایک سے پرہیز کرو اس امید پر کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ انما یرید الشیطان۔ شراب و جوئے کی دینی خرابیاں بیان
فرمانے کے بعد ان کے دنیاوی نقصانات بتائے جا رہے ہیں کہ یہ چیزیں فتنہ فساد بغض و عداوت کی جڑیں ہیں 'شیطان سے مراد یا تو
ابلیس ہے کیونکہ وہ تمام دنیا کے انسانوں پر نظر رکھتا ہے ہر شخص کا بدخواہ ہے۔ برے کام وہ ہی کراتا ہے یا شیطان سے مراد قرین
شیطان ہے جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے 'یا اس سے مراد برے ساتھی ہیں جو ہم کو برے کاموں کا مشورہ دیتے ہیں ان یوقع
بینکم العداوۃ والبغضاء چونکہ عداوت و بغض ڈالنے والا شیطان ہے شراب و جوا ان کے سبب ہیں اس لئے یوقع کا
فاعل شیطان کو قرار دیا گیا۔ عداوت اور بغض میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ عداوت عام ہے بغض خاص عداوت ہر دشمنی کو کہتے
ہیں کھلی ہو یا چھپی ہوئی بغض خاص چھپی ہوئی دشمنی کو کہا جاتا ہے جو کسی کے دل میں رہے (تفسیر روح البیان) فی الخمر
والمیسر ظاہر یہ ہے کہ یہاں فی بمعنی بسببیہ ہے۔ اس کے بعد تعاطی پوشیدہ ہے چونکہ بت پرستی اور تیروں سے فال دشمنی
و عداوت کا سبب نہیں اس لئے یہاں صرف شراب و جوئے کا ذکر تو ہوا ان دونوں کا ذکر نہ ہوا رجس و گندگی میں وہ سب برابر
ہیں۔ اس لئے پہلے ان چاروں کا ذکر تھا یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب و جوئے کے ذریعہ تمہاری آپس میں دشمنی و عداوت ڈال
دے کہ شرابی عموماً" جماعت کے ساتھ شراب پیتے ہیں۔ نشہ آ جانے پر آپس میں گالی گلوچ اور مار پیٹ کرتے ہیں نشہ اتر جانے
پر اپنی چوٹ دیکھ کر بدلہ کی کوشش کرتے ہیں نیز ہارا ہوا جواری جیتنے ہوئے کا دشمن بن جاتا ہے کہ اس نے میرا اس قدر مال بڑی
آسانی سے لے لیا موقعہ پا کر اسے قتل تک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ بارہا کا مشاہدہ ہے۔ غرضیکہ شراب و جوا فساد بلکہ خونریزی کی
جڑیں ہیں ان سے نظام ملک کی بربادی ہے بلکہ شراب ہر برائی کی جڑ ہے کہ برائی سے روکنے والی عقل ہے۔ جب شراب نے
عقل ہی کھو دی تو شرابی جو چاہے کرے ویصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوۃ یہ شراب و جوئے کے دینی نقصان ہیں۔
یصد بنا ہے صد سے بمعنی روک ٹوک و آڑ اس کا فاعل شیطان ہے اگرچہ یہ دونوں چیزیں ساری عبادات سے ہی روکنے کا ذریعہ

ہیں مگر چونکہ ذکر اللہ بقیہ عبادات سے افضل ہے اور ذکر اللہ میں نماز سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس لئے خصوصیت سے ان دونوں کا ذکر فرمایا تجربہ ہے کہ شرابی شراب کی لذت اس کے نشہ میں چور ہو کر نماز وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتا جواری جب تک اپنا سب کچھ ہار نہ دے جوا نہیں چھوڑتا جیتنے والا ایک بار جیت کر جوئے کی ہوس میں لگا رہتا ہے پھر نماز و ذکر اللہ کیسے کرے لہذا ان دونوں کی مشغولیت ذکر اللہ اور نماز سے رکاوٹ کا خاص سبب ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا فهل انتم منتهون نہایت بلیغ و لطیف طریقہ سے ممانعت ہے یعنی اے مسلمانوں ہماری سخت ممانعت ہے اور ان عقلی و نقلی خرابیوں دینی و دنیاوی نقصانات سننے کے بعد کیا تم شراب و جوئے سے باز رہو گے یعنی بالضرور باز رہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر جوش سے فرمایا انتہینا ربنا۔ اے ہمارے رب ہم ضرور باز رہیں گے یا ہم باز آگئے۔

خلاصہ ء تفسیر : چونکہ شراب عرب شریف میں صدیوں سے پانی کی طرح پی جاتی تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اسے بہت آہستگی سے حرام فرمایا کہ اولاً اس سے نفرت دلائی پھر کچھ عرصہ بعد اس کے پینے پر پابندی لگائی کہ بحالت نشہ نماز کے قریب نہ جاؤ پھر کچھ عرصہ بعد یعنی 3 ہجری بعد غزوۂ احد یہ آیت کریمہ نازل فرما کر قطعاً حرام فرمادی (روح البیان) شراب پچھلے بعض دینوں میں حلال تھی شروع اسلام میں بھی حلال تھی مگر جوا' بت پرستی' ناجائز فال نہ کسی دین میں بھی حلال رہی نہ کبھی اسلامی میں حلال ہوئی کیونکہ بدعقیدگی اور بدمعاملگی کبھی حلال نہ ہوئے مگر چونکہ شراب خواری جوئے کا ذریعہ کے شرابی آدمی کمانے کی بجائے جوئے چوری سے اپنا خرچ چلاتا ہے' نیز شراب خواری میں عقل جاتے رہنے پر بت پرستی بھی کر سکتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ان سب کی ممانعت فرمائی اور شراب کو پہلے بیان فرمایا کہ یہ جوئے بت پرستی وغیرہ کا ذریعہ ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو شراب و جوا' بت پرستی' تیروں سے فال کھولنا یہ سارے کام گندے ہیں' شیطانی ہیں۔ لہذا ان سے ایک دم بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ شراب و جوئے میں دنیاوی و دینی بہت سی خرابیاں ہیں شیطان چاہتا ہے کہ شراب و جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی و بغض ڈال دے کہ تم شراب کے نشہ میں ایک دوسرے کو گالیاں دو آپس میں مار پیٹ کرو نشہ اترنے پر اس مار پیٹ کا بدلہ لو جوئے میں ہار جانے والا جب جیتنے والے کو اپنا مال لے جاتا ہوا دیکھے تو اس کے دل میں غم و غصہ کی آگ بھڑک جاوے جوش و غضب میں اسے ہلاک ہی کر ڈالے لہذا یہ دونوں چیزوں ہزار ہا دنیاوی خرابیوں کا ذریعہ ہیں اور یہ دونوں تم کو نماز سے اللہ کے ذکر سے روکتی ہیں' کہ شرابی نشہ میں نماز نہیں پڑھتا او نشہ اتر جانے پر پھر پینے کی فکر میں رہتا ہے' جواری جب جوئے کے لئے بیٹھ جائے تو ختم کرنے میں نہیں آتا نماز کہاں اور ذکر اللہ کہاں جب شراب و جوا گندی چیزیں بھی ہیں اللہ رسول کی ناراضی کا سبب بھی آپس کے عداوت و بغض کا ذریعہ بھی نماز ذکر اللہ بقیہ ساری عبادات سے رکاوٹ بھی تو اے مومنو ہمارے محبوب کے غلامو ہماری رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے تم ان سے باز آؤ گے ضرور باز آجاؤ۔ یہ فرمان عالی سن کر مسلمانوں کو چاہئے کہ بیکار خرچوں سے بچیں چائے' حقہ' سگرٹ' پان' تمباکو' نسوار وہ چیزیں ہیں جن میں فائدہ مطلقاً نہیں مگر ان میں مال اور وقت دونوں ضائع ہوتے ہیں۔ مسلمان کی زندگی سادہ چاہئے یہ بھی خیال رکھو کہ شیطان ہمارا ایمانی دشمن ہے اگر وہ کسی آرام دہ چیز کا مشورہ بھی دے تو وہ مٹھائی میں زہر دے رہا ہے اور ہمارے دوست اللہ و رسول ہیں اگر وہ ہم کو تکلیف دہ حکم بھی دیں تو وہ کام درحقیقت اچھے ہیں' ہم طبیب کے نشتر برداشت کرتے ہیں کیونکہ اس لئے کہ اسے اپنا دوست جانتے ہیں۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: شرعی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں۔ کفار ان کے مکلف نہیں، چنانچہ کفار پر نماز روزہ زکوۃ و حج وغیرہ فرض نہیں ان پر شراب و جوا وغیرہ حرام نہیں یہ فائدہ یا ایھا الذین امنوا سے حاصل ہوا۔ سیاسی و ملکی انتظامات کے احکام کفار پر بھی جاری ہیں چنانچہ وہ چوری ڈکیتی قتل نہیں کرسکتے اگر کریں گے سزا شرعی ان پر جاری ہوگی۔ دوسرا فائدہ: انگوری شراب نجس نجاست غلیظہ ہے اس کا ایک قطرہ بھی حرام قطعی ہے نشہ دے یا نہ دے اس کی حرمت یا نجاست کا منکر کافر ہے یہ فائدہ رجس سے حاصل ہوا (تفسیر احمدی)۔

مسئلہ : شراب انگوری کے سوا دوسری شرابیں نجاست خفیفہ ہیں ان کی حرمت انگوری شراب کی سی نہیں۔ شراب انگوری ایک قطرہ پینے پر شرعی حد یعنی اسی (80) کوڑے جاری ہوگی دیگر شرابوں میں حد نشہ تک پینے میں سزا شرعی ہے اس سے کم پینے میں نہیں (تفسیر احمدی) نشہ آور اور خشک چیزیں جیسے افیون، بھنگ، چرس وغیرہ نجس نہیں پاک ہیں تاحد نشہ انہیں کھانا حرام ہے اگر نشہ نہ دیں۔ جیسے کہ دواء وغیرہ میں اطباء استعمال کرائیں تو حرام نہیں بہت سی معجونوں میں افیون پڑتی ہے اور اطباء بیماروں کو استعمال کراتے ہیں۔

مسئلہ: انگوری شراب مسلمان کے لئے مال متقوم نہیں لہذا اسے برباد کردینے والے پر تاوان لازم نہیں اس کی تجارت مسلمان کے لئے حرام ہے (تفسیر احمدی و کتب فقہ) شراب انگوری کے سوا دوسری شرابوں کے مال ہونے میں اختلاف ہے اس کے برباد کردینے پر امام اعظم کے نزدیک تاوان ہے۔ صاحبین کے ہاں تاوان نہیں (تفسیر احمدی)۔ تیسرا فائدہ: انگوری شراب پینے کے سواء اور کسی طرح بھی استعمال نہیں کی جاسکتی لہذا اس کا اعضاء پر لیپ کرنا بھی حرام ہے یہ فائدہ رجس سے حاصل ہوا مگر شرعی سزا اس کے پینے پر ہوگی۔ لیپ کرنا وغیرہ حرام تو ہے مگر اس پر یہ سزا نہیں۔ خیال رہے کہ انگوری شراب اور دوسری شرابوں میں چھ طرح فرق ہے (1) شراب انگوری نجاست غلیظہ ہے دوسری شرابیں نجاست خفیفہ (2) شراب انگوری کے ایک قطرہ پینے پر سزا شرعی یعنی اسی کوڑے جاری ہوں گے۔ دیگر شرابوں میں حد نشہ تک پینے پر (3) شراب انگوری مطلقاً حرام قطعی ہے اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔ دوسری شرابوں میں بہت گفتگو ہے وہ تاحد نشہ حرام ہیں اس سے کم میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک مکروہ تحریمی امام اعظم کے ہاں نہیں بلکہ تاحد نشہ میں بھی شریک ابن عبداللہ اور امام اوزاعی اور ابن ابی لیلا کا اختلاف ہے (تفسیر احمدی)۔ (4) شراب انگوری کی حرمت کا منکر کافر ہے دوسری شرابوں کی حرمت میں اختلاف لہذا ان کی حرمت کا منکر کافر نہیں (5) شراب انگوری کا لیپ وغیرہ بھی حرام ہے دوسری شرابوں کا نہیں، (6) شراب انگوری کی مسلمان خرید و فروخت نہیں کرسکتا دوسری شرابوں کی خرید و فروخت بوقت ضرورت کرسکتا ہے۔ چوتھا فائدہ: جوئے سے حاصل کیا ہوا مال جیتنے والے کے ملک نہیں بن جاتا اس پر فرض ہے کہ واپس دے قریباً" ساری حرام آمدنیوں کا یہی حال ہے جیسے رشوت، سود وغیرہ کی آمدنیاں یہ فائدہ والمیسر سے حاصل ہوا حتی کہ عقود فاسدہ یا ظلم سے حاصل کیا ہوا مال حاکم کے فیصلہ سے بھی ظالم کے لئے حلال نہیں ہوجاتا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں کسی مقدمہ میں ایک فریق کی تیز زبان حیالاکی کی بناپر اس کے حق میں فیصلہ کردوں تو وہ مال اس کے لئے حلال نہ ہوگا۔ حرام ہی رہے گا وہ مال اس کے لئے دوزخ کا انگارا ہے جب نبی کے فیصلہ سے یہ مال حلال نہ ہوسکا تو دوسرے حکام کے فیصلے سے حلال کیسے ہوگا۔ پانچواں فائدہ: بت سازی بت فروشی مسلمان کے لئے حرام ہے اس کی قیمت مسلمان کے لئے حلال نہیں یہ فائدہ والانصاب سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: فال کھولنا کھلوانا

اس پر پیسے لینا دینا حرام ہے' یہ فائدہ **والازلام** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** صرف نیک اعمال کرنے سے کامیابی و نجات نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے برے اعمال سے بچنا بھی ضروری ہے یہ فائدہ **فاجتنبوہ لعلکم تفلحون** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نیکیاں کرنا گناہوں سے بچنا دکھلاوے نام و نمود کے لئے نہ ہونا چاہئے' بلکہ نجات حاصل کرنے کے نیت سے ہونا ضروری ہے' یہ فائدہ بھی **لعلکم تفلحون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** مسلمانوں کا آپس میں بغض و عداوت بھی حرام ہے اور جو چیز بغض و عداوت کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام یہ فائدہ **ان یوقع بینکم العداوۃ** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** جو چیز اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے وہ بھی حرام ہے یہ فائدہ **ویصدکم عن ذکر اللہ** سے حاصل ہوا اس لئے اذان جمعہ ہو جانے پر تجارت وغیرہ مشاغل حرام ہیں۔

مسئلہ: شطرنج مالی ہار جیت سے حرام ہے اس کے بغیر احناف کے ہاں ممنوع ہے امام شافعی کے ہاں جائز بشرطیکہ نماز و ذکر سے نہ روکے (تفسیر احمدی) **مسئلہ:** شراب خواری بعض دینوں میں بلکہ شروع اسلام میں بھی حلال رہی مگر جوا' سود' چوری' رشوت' ظلم کسی کا مال دبالینا چھین لینا وغیرہ کبھی کسی دین میں حلال نہ ہوئے نہ اسلام میں کبھی حلال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے امین اور صادق الوعد تھے۔ حضرات صحابہ کرام نے اسلام قبول کرتے ہی ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کی۔

پہلا اعتراض: شراب و جوا اور فال بد عملیاں ہیں مگر بت پرستی بد عقیدگی کچھ اور چیز۔ **جواب:** یہ چاروں چیزیں رجس یعنی گندگی ہونے میں برابر ہیں کہ ان تین کی گندگی عملی ہے اور بت پرستی کی گندگی اعتقادی نیز اس طرح بیان فرمانے میں مسلمانوں کی شراب وغیرہ سے انتہائی نفرت دلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں بت پرستی سے قریب ہیں (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض:** تو پھر عداوت و بغض کے بیان میں صرف شراب و جوئے کا ذکر کیوں ہوا وہاں بھی ان چاروں کا ذکر چاہئے تھا۔ **جواب:** اس لئے کہ یہاں مقصود شراب و جوئے کی حرمت بیان فرمانا ہے بت پرستی و فال کا ذکر تبعاً ہوا نیز بت پرستی و فال میں یہ دنیاوی نقصانات نہیں عداوت و بغض شراب و جوئے میں یہ بھی ہیں ان وجوہ سے وہاں صرف دو کا ذکر ہوا (تفسیر کبیر) **تیسرا اعتراض:** کیا شیطان بھی شراب' جوا' بت پرستی فال کا مرتکب ہے وہ تو بڑا موحد ہے' پھر اسے **من عمل الشیطان** کیوں فرمایا گیا یعنی شیطانی کام' **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ عمل الشیطان سے مراد ہے' شیطان یہ کام کراتا ہے ان سے راضی ہوتا ہے' جیسے کہا جائے کہ نماز روزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں یعنی اسے خوش کرنے والے کام۔ **چوتھا اعتراض:** اگر جوا حرام ہے اور جوئے سے حاصل شدہ مال حرام تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ سے رومیوں کے فارس پر چند سال میں غالب آجانے پر مالی شرط لگائی جس میں مالی ہار جیت تھی پھر آپ کے شرط جب پوری ہو گئی کہ رومی فارسیوں پر چند سال میں غالب آگئے تو آپ نے مشرکین سے وہ مال وصول کیوں کیا وہ تو جوئے کا مال تھا' دیکھو سورہ روم کی پہلی آیت کی تفسیر' **جواب:** اس کا جواب تفسیر احمدی نے تو یہ دیا ہے کہ شرط صدیقی جوا حرام ہونے سے پہلے تھی لہٰذا اس آیت سے وہ منسوخ ہو گئی مگر فقیر کے نزدیک یہ جواب قوی نہیں کیونکہ شرط لگانا اگرچہ پہلے تھا۔ ہجرت سے قبل مگر شرط جیتنا اس آیت کے بعد ہوا یعنی شرط کے نو سال بعد جواب تحقیقی وہ ہے جو فقہاء نے دیا کہ مسلمان کا کفار سے مالی شرط لگانا حرام ہے کیونکہ اس میں اپنے ہار جانے کا اندیشہ ہے لیکن اگر مسلمان شرط جیت گیا تو مال حلال ہو گا کہ حربی کافر نے اپنی خوشی سے دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شرط

جیت لینے کا یقین تھا کہ قرآن کریم نے اس کی خبر دے دی تھی۔ **سیغلبون فی بضع سنین** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط میں یہ ترمیم کرا دی کہ بجائے تین سال کے نو سال کرا دیئے اس لئے جناب صدیق کی وہ شرط بھی جائز تھی اور یہ مال بھی حلال اسی بنا پر فقہا فرماتے ہیں **'لا ربو بین الحربی والمسلم فی دارھم** یعنی دار الحرب میں حربی کافر اور مسلمان کے درمیان سود نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** جوئے میں فریقین جیتنے والے کو اپنا مال دے دینے پر راضی ہوتے ہیں پھر اسے حرام کیوں کیا گیا۔ **جواب:** زنا' سود' رشوت میں بھی فریقین فال لینے دینے پر راضی ہوتے ہیں مگر حرام ہیں جن عقود کو شریعت نے حرام کر دیا وہ بہرحال حرام ہیں خواہ رضا سے ہو یا بغیر رضا جیسے یہ مذکورہ چیزیں ہاں تجارت کرایہ عاریت' ہبہ وغیرہ عقود ان میں رضا معتبر ہے کہ دوسرے کی رضا کے بغیر حرام ہیں رضا ہو تو درست **الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔**

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام کے نزدیک مومن وہ ہے جس کے دل کی تختی پر رب تعالیٰ قلم عنایت سے ایمان حقیقی لکھ دے **اولئک کتب فی قلوبھم الایمان** ایمان کا اصل مقام دل ہے ظاہری اعضاء ایمان کی تجلی گاہ ہیں' جیسے سورج کا اپنا مقام چوتھا آسمان ہے زمین پر اس کی تجلی ہے۔ صوفیاء کے ہاں خمر مردہ چیز ہے جو عقل کو بے نور کر دے لہٰذا تکبر' حرص' ہوس' محبت دنیا بلکہ رب سے غافل کرنے والی ہر چیز خمر ہے اس خمر ہی سے نفس امارہ بن جاتا ہے اور انسان حیوان بلکہ شیطان بن جاتا ہے۔ شیطان پر تکبر کی خمر کا ہی خمار چڑھا جس سے وہ مردود بارگاہ ہوا ان کی اصطلاح میں دنیا کے عوض دین کھو بیٹھنا جوا ہے اور ایسا دنیادار جواری ہے۔ حرص' بخل' غصہ' عداوت سیدھے راستے سے بھٹک جانا اس کے نتیجے ہیں۔ **تعبد من دون اللہ** بت پرستی جو اللہ کے رضا کے مقابل کسی اور کو راضی کرے وہ عرفاء کے ہاں شرک ہے اور اللہ کے سوا کسی سے خیر کی امید شر ہے خوف ازلام ہے۔ ضار و نافع اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے مقابل کوئی کچھ نہیں یہ سب چیزیں گندگی اور شیطانی ہیں ان سے بچو گے تو نجات پاؤ گے یہ چیزیں تمام برائیوں کی جڑیں ہیں ان میں مبتلا ہونے والا اللہ کے ذکر حقیقی سے محروم رہتا ہے' اے مسلمانو کیا اس سے بچو گے سبحان اللہ' یار نہیں چاہتا کہ میرا چاہنے والا اغیار کو بھی چاہے یار و اغیار ایک دل میں نہیں رہ سکتے' صوفیاء کے ہاں خمر بری چیز ہے شراب اچھی ہے جو خدا سے غافل کرے وہ خمر ہے جو دنیا سے غافل کر کے یار کی طرف متوجہ کرے وہ شراب طہور ہے **وسقاھم ربھم شرابا طھورا** " ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

نمی گویم کہ از عالم جدا باش ــــ بہر جائیکہ باشی باخدا باش

اگر ریا کی نماز خدا سے آڑ بن جائے تو وہ خمر ہے اگر زن و فرزند خدا رسی کا ذریعہ بن جائیں تو وہ شراب طہور ہیں' سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' صوفیاء کرام کا شراب و خمر میں فرق دریائے ناپید اکنار ہے ان کے ہاں خمر خانے اور جگہ ہیں مے خانے اور جگہ۔

مست جس جام میں پی لے وہ ہی پیمانہ بنے ــــ جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی مے خانہ بنے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى

اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور ڈرتے رہو۔ پس اگر منہ پھیرو تم تو جان لو کہ بجز اس کے

اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے

رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور کچھ نہیں کہ ہمارے رسول پر پہنچانا ہے ظاہر نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے

رسول کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کچھ گناہ

جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ

اچھے کوئی گناہ اس میں جو کھایا پیا انہوں نے جبکہ پرہیزگاری کریں اور ایماندار رہیں اور عمل کریں

نہیں ہے جو کچھ انہوں نے چکھا جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں پھر ڈریں اور ایمان

اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع ٢

اچھے پھر ڈریں اور مومن رہیں پھر ڈریں اور اچھے رہیں اور اللہ پسند کرتا ہے نیک کاروں کو

رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں اور اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے' پہلا تعلق: پچھلی آیات میں شراب و جوئے سے سخت ممانعت فرمائی گئی ہے اہل عرب پر ان کا چھوڑنا بہت گراں تھا کیونکہ وہ صدیوں سے ان دونوں چیزوں کے عادی تھے اب وہ بات بتائی جارہی ہے جس سے ان کا چھوڑنا آسان ہو جائے یعنی اللہ رسول کی بخوشی فرمانبرداری ان کا بندہ بے دام بن جانا گویا سخت حکم پہلے دیا اور اس حکم پر عمل آسان کرنے والی چیز کا ذکر اب فرمایا جارہا ہے گویا اپریشن کے ساتھ بے حس کر دینے والے ٹیکہ کا یا کڑوی دوا کے ساتھ شکر کا ذکر فرمایا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں شراب و جوئے کے متعلق احکام دیئے گئے اب فرمایا جارہا ہے کہ ان پر عمل کرنے میں تمہارا ہی بھلا ہے' ہمارے محبوب کا فائدہ نہیں وہ تم سے تمہارے اعمال سے بے نیاز ہیں' اس بے نیازی کا اظہار بھی گویا تبلیغ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں شراب و جوئے کے متعلق ایک اٹل قانون کا ذکر تھا اب اس قانون کے نفاذ کا ذکر ہے کہ اس قانون کے بننے سے پہلے جو کچھ کھا پی لیا گیا وہ سب معاف ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں جوئے اور شراب کی عقلی برائیاں بیان ہوئیں اب ارشاد ہے کہ تم ان عقلیات پر بس نہ کرو' تم تو اس لئے یہ چیزیں چھوڑ دو کہ اس میں ہماری اور ہمارے رسول کی اطاعت ہے' غرضیکہ جوئے شراب چھوڑنے کا حکم پہلے دیا گیا اور اس چھوڑنے پر ثواب ملنے کی شرط کا ذکر اب ہے کیونکہ جو شخص عقلی خوبیاں یا برائیاں دیکھ کر پرہیزگاری اختیار کرے وہ نہ متقی ہے نہ مستحق ثواب بلکہ ثواب کا مستحق وہ ہے جو اللہ رسول کی اطاعت کے لئے یہ کام کرے۔

شان نزول : جب شراب و جوئے کی حرمت کی آیات نازل ہوئیں اور مسلمان ان سے یکدم باز آگئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مسلمان ان چیزوں کی حرمت سے پہلے شراب پیتے ہوئے اور جوا کھیلتے اس سے حاصل کیا ہوا مال کھاتے ہوئے فوت یا شہید ہو گئے اور وہ زندہ مسلمان جو مدینہ منورہ سے دور دراز مقامات پر آباد ہیں انہیں جب تک کہ حرمت کی خبر نہ پہنچی اور وہ بے خبری میں ان دونوں چیزوں کو استعمال کرتے رہیں

ان کا کیا حکم ہے کیا وہ لوگ گنہگار ہوں گے تب یہ آیت کریمہ لیس علی الذین امنوا نازل ہوئی جس میں آپ کے سوال کا بالتفصیل جواب دیا گیا (تفسیر کبیر) اس کے قریب قریب تفسیر خازن 'خزائن نے بھی بیان فرمایا۔

تفسیر : واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول یہ عبارت معطوف ہے فاجتنبواہ پر مطلب یہ ہے کہ شراب وغیرہ سے بچو اللہ و رسول کی اطاعت کرو اطاعت کا مادہ ہے طوع بمعنی خوشی و رغبت اس کا مقابل ہے کرہ بمعنی ناخوشی و بے رغبتی بخوشی فرمانبرداری کو اطاعت کہا جاتا ہے اس خوشی پر ثواب ملتا ہے۔ جبری فرمانبرداری تو منافقین بھی کر لیتے تھے مگر ثواب کے مستحق نہ تھے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح مطلقاً بہر حال ضروری ہے 'خواہ آپ کا حکم قرآن کے موافق ہو یا اس کے خلاف اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علیحدہ اطیعوا فرمایا گیا رہا ہے عالم حاکم ماں باپ ان کی اطاعت میں شرط ہے کہ خلاف شرع حکم نہ دیں اس لئے دوسری جگہ ان کے لے واولی الامر ارشاد ہوا علیحدہ اطیعوا نہ ارشاد ہوا

ہاں اللہ کی اطاعت اس لئے ہے کہ وہ ہمارا خالق مالک رازق حاکم حقیقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس لئے ہے کہ وہ ہمارے نبی رسول شفیع ہیں اس لئے اللہ کی اطاعت کا ذکر پہلے ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذکر بعد میں قرآن مجید میں عموماً" رسول اور الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں لہذا یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں کیونکہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی رسول کی اطاعت واجب نہیں 'ساری نبوتیں منسوخ ہو چکیں 'عبادات' اطاعت اور اتباع کا فرق ہم پانچواں پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں 'عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہے اطاعت اللہ کی بھی اس کے رسول کی بھی اور دوسرے بزرگوں کی بھی 'اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اطاعت عقل سے ہوتی ہے 'اتباع عشق و محبت سے 'انجن اسٹیشن والوں کی اطاعت کرتا ہے مگر ڈبے انجن کی اتباع کہ ڈبے نہیں دیکھتے کہ لائن صاف ہے یا نہیں سنگل ہے یا نہیں لائن کمزور ہے یا مضبوط ان کا کام ہے انجن کے پیچھے دوڑنا' ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

خیال رہے کہ قرآن مجید میں اطاعت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول فرمایا جاتا ہے اور خطاب کے موقع پر عموماً" نبی فرمایا جاتا ہے کیونکہ اطاعت واجب ہوتی ہے محسن کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ شان رسالت محسن ہیں رسول کے معنی ہیں فرماں رساں فیضان رساں اس لئے یہاں بھی رسول فرمایا گیا یہ بھی خیال رہے: کہ اگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف قرآن حکم دیں تو اس کے لئے وہی حکم شریعت ہے اس کے لئے قرآن کا وہ حکم شریعت نہیں اس کی بہت مثالیں ہم نے اپنی کتاب سلطنت مصطفیٰ میں بیان کی ہیں وہاں مطالعہ کرو یہ بھی خیال رہے کہ اللہ کی اطاعت صرف اس کے فرمان واحکام میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور کے عمل میں بھی ہے کہ آپ کے احکام فرض یا واجب ہیں اور آپ کے اعمال سنت موکدہ یا غیر موکدہ لہذا اطاعت خدا سے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم عام تر ہے یہاں دو اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے اطاعت الٰہی اطاعت رسول مگر پانچویں پارے میں چار اطاعتوں کا حکم ہے اور ایک جگہ صرف ایک اطاعت کا ذکر ہے یعنی اطاعت رسول کا ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس کی وجہ ہم پانچویں پارے میں زیر آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم میں عرض کر چکے ہیں۔ اطاعت رسول جان ہے باقی تمام اطاعتوں

کی واحذروا یہ عبارت اطیعوا پر معطوف ہے یہ لفظ بنا ہے حذر سے بمعنی احتیاط ہوشیاری یا بچنا یا ڈرنا یہاں چاروں معنی بن سکتے ہیں اگر بمعنی ڈرنا ہو تو ڈر دو قسم کا ہوتا ہے ایذا کا ڈر اور پکڑ کا ڈر' ایذا کے ڈر کا انجام نفرت ہے پکڑ کے ڈر کا انجام اطاعت ہے لہٰذا احذروا کے معنی ہوئے اطاعت کے باوجود شیطان سے ڈرتے رہو کہ وہ ہر جگہ ہر وقت پہنچ جاتا ہے یا ہم سے ڈرتے رہو اطاعت کر کے بے خوف نہ ہو جاؤ یا احتیاط سے کام لو ہماری اطاعت ہمارے قوانین کے ماتحت کرو یا اپنی زندگانی ہوشیاری سے گزارو اپنے ہر عضو ہر کام پر نظر رکھو انجن کا ڈرائیور آگے لائن سگنل پر بھی نظر رکھتا ہے اور انجن کے ہر پرزہ پر بھی نگاہ کئے رہتا ہے تم بھی اپنے جسم و دل کے ہر حال پر نگاہ رکھو کہ دل کدھر جا رہا ہے اعضاء کدھر' **فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین** اس عبارت کے چند منشاء ہو سکتے ہیں' ایک اللہ کے سخت غضب کا اظہار دوسرے عذاب الٰہی کا سخت خطرہ تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام دنیا سے استغنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی کا اظہار اس لئے مفسرین نے ان کی جزا میں کئی احتمال بیان کئے ہیں یا تو **فاعلموا** ہی اس کی جزا ہے یا اس کی جزا ہے **فلن تضروا نبیانا تولی** کے معنی بارہا' بیان ہو چکے کہ یہ ولی بمعنی قرب سے بنا باب تفعل میں آ کر سلب قرب یعنی دوری کے معنی دیتا ہے اب اس سے مراد ہوتا ہے منہ پھیر لینا پیٹھ کر لینا یعنی نہ ماننا بلاغ کے معنی ہیں تبلیغ احکام الٰہیہ مبین سے مراد ہے کھلم کھلا تبلیغ واضح طور پر احکام الٰہی کا پہنچا دینا یعنی اگر تم اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے منہ پھیرو گے تو ہمارے نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے کیونکہ ان کے ذمہ تمہاری ہدایت دینا نہیں ان کے ذمہ صرف احکام الٰہیہ کا پہنچا دینا ہے وہ اپنا کام بہت اچھی طرح کر چکے تم نہ مانو گے تو سزا پاؤ گے ان کا کام پورا ہو چکا اب تمہارا انجام باقی ہے نجات یا عذاب (تفسیر روح المعانی) **لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا** اس عبارت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب ہے یہاں مومنین و صالحین سے مراد وہی حضرات صحابہ ہیں جو شراب و جوا حرام ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے یا شہید ہو چکے تھے اور وہ حضرات صحابہ ہیں جو شراب و جوا حرام ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے یا شہید ہو چکے تھے اور وہ حضرات صحابہ ہیں جنہیں ابھی تک شراب و جوئے کی حرمت کی خبر نہ پہنچی تھی' چونکہ وہ تمام حضرات مومنین و صالحین تھے ان میں کوئی فاسق نہ تھا اس لئے انہیں مومنین صالحین ارشاد فرمایا' جناح کی تنوین عموم کے لئے ہے یعنی کسی قسم کا گناہ چھوٹا ہو یا بڑا **فیما** میں ما سے مراد وہی شراب و جوا ہے جس کے متعلق سوال تھا اگرچہ طعم کے معنی کھانا یا چکھنا ہیں مگر کبھی پینے کے لئے بھی آ جاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے **ومن لم یطعمہ فانہ منی** یعنی جو نہر کا پانی نہ چکھے گا نہ پئے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

فان شئت حرمت النساء سواکم وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا

یعنی اگر تم چاہو تو میں ٹھنڈا پانی' نیند نہ چکھوں' یہاں پانی و نیند کے لئے طعم ارشاد ہوا اس آیت میں بھی طعم عام ہے جس میں شراب پینا اور جوئے کی آمدنی کھانا سب ہی شامل ہیں یعنی ان مومنین صالحین صحابہ پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ وہ اس سے پہلے شراب پی چکے یا جوئے کی آمدنی کھا چکے یا جو اب بے خبری میں کھا پی رہے ہیں' کیونکہ قانون بننے اور جاری ہونے سے پہلے لوگوں پر حاوی نہیں ہوتا فقیر کی یہ تفسیر خیال میں رہے کہ اس سے تمام اعتراض اٹھ جاتے ہیں آیت کریمہ **بفضلہ تعالیٰ** واضح ہو گئی **اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات** اس عبارت میں **اذا** نہ تو شرطیہ ہے نہ ظرفیہ بلکہ بیان واقعہ کے لئے ہے جس میں ان صحابہ کا تقویٰ' ایمان' نیک کار ہونے کا ذکر ہے' ان تینوں فعلوں کا فاعل وہی حضرات صحابہ ہیں جن کے متعلق

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تھا (کبیر' روح المعانی وغیرہ) یہاں تقویٰ سے مراد بد عقیدگیوں سے بچنا ہے اور ایمان سے مراد اچھے عقیدے اختیار کرنا عملوا الصالحات سے مراد نیک اعمال کرنا ہے نہایت نفیس ترتیب سے ان چیزوں کا ذکر ہوا' بد عقیدگیوں سے بچنا پہلے ہے اچھے عقیدے اختیار کرنا بعد میں لا الہ پہلے ہے الا اللہ بعد میں نیک اعمال ان دونوں کے بعد ہیں' صالحات جمع فرما کر اشارۃً بتایا کہ ہر قسم کے نیک اعمال کرتے ہیں بدنی اعمال ہوں یا مالی ثم اتقوا وامنو۔ ثم ترتیب رتبی کے لئے ہے اور اس تقویٰ سے مراد شراب و جوئے سے بچنا ہے ایمان سے مراد ایمان پر قائم رہنا ہے۔ چونکہ یہ تقویٰ اور ایمان پر استقامت پہلے تقویٰ اور ایمان کے بعد ہے لہذا ثم ارشاد ہوا یعنی وہ لوگ پھر شراب و جوئے سے بچیں اور ایمان پر قائم رہیں ثم اتقوا واحسنو یہاں تقویٰ سے مراد باقی تمام گناہوں برائیوں سے بچنا ہے اور احسان سے مراد یا بقیہ نیک اعمال کرنا ہے یا نیکیوں میں اخلاص کرنا غرضیکہ یہاں تین جگہ تقویٰ کا ذکر ہے اور دو جگہ ایمان کا ہر جگہ تقویٰ و ایمان کے علیحدہ معنی ہیں جو ہم نے عرض کئے اس کے علاوہ ان کے اور بہت معنی کئے گئے ہیں جیسا کہ انشاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کیا جائے گا' واللہ یحب المحسنین اس عبارت میں ایمان تقویٰ احسان کے نتیجہ کا ذکر ہے' محسنین سے مراد یا تو مذکورہ تقویٰ و ایمان والے ہیں نیک اعمال ہیں اخلاص کرنے والے یا لوگوں سے اچھے سلوک کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ نیک کار مومنوں سے بہت ہی محبت فرماتا ہے' اگر خدا کا پیارا بننا ہے تو نیک اعمال کرو۔

خلاصہء تفسیر : جیسے جسمانی نعمتیں بعض ایسی ہیں جن کی ضرورت ہر شخص کو ہر وقت ہے جیسے ہوا' پانی غذا' دھوپ وغیرہ انہیں نعمت عامہ کہتے ہیں بعض نعمتیں وہ ہیں جن کی ضرورت کسی کسی کو کبھی کبھی پڑتی ہے جیسے سونا' چاندی' موتی' جواہرات انہیں کہتے ہیں نعمت خاصہ۔ یوں یہ روحانی نعمتیں بعض تو خاص ہیں' جیسے نبوت' ولایت' قطبیت' غوثیت یا زکوٰۃ' حج و جہاد وغیرہ اور بعض نعمت عامہ ہیں جن کی سب کو ہر وقت ضرورت ہے جیسے ایمان اور اللہ رسول کی اطاعت بلکہ دنیاوی نعمتوں کی حاجت میرے بعد جاتی رہتی ہے مگر ایمان و اطاعت رسول کی ضرورت بعد موت بھی رہتی ہے یہاں اسی نعمت عام کا ذکر ہے۔ جس کا ہر شخص ہر وقت محتاج اس لئے ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو ہمیشہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح بخوشی فرمانبرداری کرو اور ہمیشہ شیطان سے ہوشیار رہو کسی وقت اپنے کو اس کے شر سے محفوظ نہ سمجھو اپنی زندگی احتیاط سے گذارو اگر تم میں فرمانبرداری کا جذبہ ہو گا تو تم پر شراب و جوا چھوڑنا بلکہ تمام شرعی پابندیاں آسان ہو جائیں گی۔ یہ خیال رکھو کہ اگر تم فرمانبرداری سے منہ موڑو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے ہمارے محبوب کا کچھ نہ بگڑے گا کیونکہ ان کے ذمہ احکام کی تبلیغ فرما دینا ہے نہ کہ تم کو ہدایت دینا اور وہ تو اچھی طرح تبلیغ فرما چکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے اللہ تعالیٰ اپنے قوانین بیان کرنے کے بعد کبھی عذاب کا ذکر فرماتا ہے کبھی ثواب کا کبھی اپنے علیم و خبیر ہونے کا کبھی اپنے غنی و بے نیاز ہونے کا کبھی اپنے محبوب کی بے نیازی کا یہاں یہ آخری پانچواں طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ کیونکہ جسمانی اور روحانی عالم کا نظام حاکم و محکوم سے مل کر چلتا ہے اور ضروری ہے کہ محکومین کو یہ خبر ہو کہ ہم حاکم کے حاجتمند ہیں وہ ہم سے بے نیاز ہے اس سے حاکم کا وقار دلوں میں قائم ہو گا اور اس وقار سے نظام درست رہے گا اس لئے یہ ارشاد ہوا پھر فرمایا کہ یہ بھی خیال رکھو کہ نیک کار مومنوں پر اس کا کچھ گناہ نہیں جو وہ اس حرمت سے پہلے شراب یا جوئے کا مال کھا پی چکے یا جو تحریم کے بعد حرمت کی خبر ملنے سے پہلے کھا پی لیں کیونکہ قانون بننے

سے پہلے اور اس کے شہرت سے پہلے واجب العمل نہیں ہو تا وہ تمام رعائتوں کے مستحق جب ہیں جب کہ شرک و کفر سے بچیں درست عقیدے اختیار کر کے مومن کامل رہیں اور درستی عقائد کے ساتھ ہر قسم کے نیک اعمال کریں پھر شراب و جوئے سے بچے رہیں ایمان پر قائم رہیں پھر تمام برائیوں سے بچیں اور نیک کام کریں یا اخلاص سے نیکیاں کریں یا لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کریں' خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کاروں سے محبت کرتا ہے اگر تم اس کے پیارے بندے بننا چاہتے ہو تو اپنے نسب' قومیت دولت پر گھمنڈ نہ کرو نیک کار بنو۔

نوٹ : یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ بعض بے دین جاہلوں نے اس آیت کریمہ کی عجیب ہی تفسیر بلکہ تحریف کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شراب و جوا حرام جب ہیں۔ جب ان سے عداوت بغض اللہ کے ذکر سے غفلت پیدا ہو اگر یہ فسادات پیدا نہ ہوں بلکہ ان سے خوبیاں مصلحتیں ہوں تو مومنوں پر کسی چیز کے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں' شراب پئیں جوئے کے مال کھائیں کچھ بھی کریں فیما طعموا عام ہے۔ نعوذ باللہ یہ بکواس بالاجماع مردود ہے (تفسیر کبیر)۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح مطلقاً ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے جو بھی حکم دیں اس پر فرمانبرداری لازم ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کریم کا تو یہ حکم ہے آپ اس کے خلاف کیوں حکم دے رہے ہیں یہ فائدہ اطیعوا کو مکرر فرمانے سے حاصل ہوا' دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ انبیاء کرام کی میراث نہیں تقسیم ہوتی۔ حضرت علی فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کریں۔ حضرت خزیمہ کی ایک گواہی دو کی برابر ہے یہ احکام بظاہر قرآن کریم کے موافق نہیں مگر ان کے لئے واجب العمل رہے بلکہ انسانوں کے سوا دوسری مخلوق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار ہے' جیسے ساری مخلوق رب تعالیٰ کی مطیع ہے کہ وہ اس کا خالق ہے یوں ہی باذن پروردگار ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے رسول ہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر سورج لوٹا اشارہ پر چاند پھٹا حکم پر جانوروں کنکروں پتھروں لکڑیوں نے کلمہ پڑھا جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان ہوا۔ جنات سب تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شہنشاہ کونین ہیں۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا ابد حیات النبی ہیں آپ کو موت آئی مگر موت آپ کی حیات کو فنا نہ کر سکی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے نبی ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہمیشہ کے لئے جاری ہیں یہ تینوں باتیں واطیعوا الرسول سے حاصل ہوئیں کیونکہ اطاعت واجب ہونے کے لئے تین شرطیں' فرمانبردار کا زندہ ہونا اس کی فرماں روائی کا قائم ہونا فرمان کا باقی ہونا' غیر منسوخ ہونا۔ تیسرا فائدہ: اللہ کی اطاعت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایسی لازم و ضروری ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لئے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا ضروری کعبہ اللہ تعالیٰ کی مسجودیت کا مظہر ہے اور حضور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مظہر اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ چوتھا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اپنی زندگی بہت ہوشیاری اور احتیاط سے گزارے کسی وقت اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے جب تک کہ ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو جائے' یہ فائدہ واحذروا سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی بے نیازی کے مظہر ہیں' انہیں کسی بندے کی حاجت نہیں۔ سب کو ان کی

حاجت ہے اگر تمام جہان گمراہ ہو جائے تو نہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں فرق پڑ سکتا ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں یہ فائدہ فان تولیتم فاعلموا سے حاصل ہوا۔ اگر کوئی سورج سے روشنی نہ لے تو سورج کے نور میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چھٹا فائدہ: انسان کیسی ہی نیکیاں کرے اگر اللہ رسول سے قرب حاصل نہ کر سکے تو وہ تمام نیکیاں بے کار ہیں نیکی وہی اچھی ہے جو اللہ رسول کے قرب کا ذریعہ یہ فائدہ تولیتم کے پہلے معنی سے حاصل ہوا کہ اگر تم دور ہو گئے نیز انسان کیسی ہی نیکی کرے اگر اس کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو۔ ادھر سے ہٹا ہوا ہو تو سب برباد ہے جیسے نمازی کا پوری نماز میں رخ کعبہ کو چاہئے کہ اگر نماز کے کسی حصہ میں سے پھر گیا تو قرآن قیام 'رکوع' سجدہ تو وہ ہی ہو گا مگر نماز نہ ہو گی' یوں ہی مومن کی ساری زندگی سارے اعمال میں اپنا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رکھے ورنہ ناکام ہو گا یہ فائدہ تولیتم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اگر تم منہ پھیرو' ساتواں فائدہ: قانون بننے سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا نیز قانون کے اعلان سے پہلے اگر کوئی اس سے بے خبر ہے اور اس کے خلاف عمل کرے تو وہ مجرم نہیں یہ فائدہ لیس علی الذین امنو سے حاصل ہوا لہٰذا اگر کوئی شخص دنیا کے ایسے گوشہ میں ہو۔ جہاں شرعی احکام بالکل نہ پہنچے ہوں وہ کسی شرعی حکم کا مکلف نہیں۔ ہاں اس پر شرک سے بچنا عقیدہ توحید اختیار کرنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی گواہی ہر ذرہ دے رہا ہے۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مغفور ہیں کیونکہ وہ احکام شرعیہ آنے سے پہلے وفات پا گئے اور تھے وہ موحد اس زمانہ میں نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی تھا یہ فائدہ بھی لیس علی الذین امنوا سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی محبوبیت' نسب و دولت' عزت دنیاوی سے حاصل نہیں ہوتی اس کے حصول کا ذریعہ ایمان و تقویٰ ہے جس قوم کا آدمی ان دو چیزوں سے موصوف ہو خدا کا پیارا ہے یہ فائدہ واللہ یحب المحسنین سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور فرماتا ہے العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین ہر مومن عزت والا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جگہ اطیعوا کیوں ارشاد ہوا اللہ کے لئے الگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے الگ جیسے امنوا باللہ ورسولہ میں امنوا ایک ہی ارشاد ہوا ہے ایسے ہی یہاں اطیعوا ایک ہی ارشاد کیوں نہ ہوا۔ جواب:
چند وجہ سے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل اور مطلق واجب ہے جیسے خدا کی اطاعت کہ ماں باپ سلطان وغیرہ کی اطاعتوں میں کیوں اور کیسے کی گنجائش ہے اگر وہ جائز حکم دیں تو اطاعت کرو ورنہ نہیں مگر اللہ کی اطاعت کی طرح رسول کی اطاعت مطلقاً ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقلاً" واجب ہے۔ خدا کی اطاعت کی طرح' اطاعت الٰہی کی ضمن میں اطاعت رسول نہیں' لہٰذا قرآن مجید کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ماننا لازم ہیں۔ حدیث پاک قرآن مجید کی طرح واجب العمل ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح ہے یعنی ماں باپ کی اطاعت دینی طور پر یوں ہی لازم ہے جیسے خدا کی اطاعت کہ سرتابی کفر ہے بخلاف ایمان کے کہ ایمان اللہ رسول کے ملانے کا نام ہے نبوت توحید سے مل کر ایمان بنتا ہے۔ اس لئے امنوا ایک آیا اطیعوا دو **دوسرا اعتراض**: اس آیت میں رب نے اپنا تو ذاتی نام لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام لیا اطیعوا اللہ ومحمدا کیوں نہ فرمایا اطیعوا الرب واطیعوا الرسول کیوں نہ ارشاد ہوا۔ جواب: ایک اس لئے کہ اطاعت بقدر احسان واجب ہے ماں باپ

سے ہم کو جان ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان 'عرفان' قرآن 'بلکہ رحمان ملا۔ اس لئے آپ کی اطاعت ماں باپ سے بھی زیادہ واجب ہے یا اس لئے کہ اطاعت ڈر سے بھی ہوتی ہے لالچ سے بھی اور محبت سے بھی ان میں محبت کی اطاعت بڑی قوی ہے **الرسول** فرمانے میں محبت جوش مارتی ہے کہ رسول وہ ہیں جنہوں نے بندوں کا رشتہ رب سے جوڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بالمحبت چاہئے یہ خوبیاں **فان تولیتم** تو شرط ہے اور **فاعلموا** جزا قاعدہ یہ ہے کہ جزا شرط پر معلق و موقوف ہوتی ہے جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن نکل آئے گا دن کا نکلنا سورج کے طلوع پر موقوف ہے اس قائدے سے لازم یہ آیا کہ اگر لوگ اطاعت الٰہی سے منہ موڑیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ فرض اگر منہ نہ موڑیں تو تبلیغ فرض نہ ہو یہ تو درست نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ بہر حال لازم ہے۔ رب فرماتا ہے **بلغ ما انزل الیک** **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر چکا کہ **فاعلموا** اس شرط کی جزا نہیں ہے اس کی جزا پوشیدہ ہے اور یہ جملہ **فاعلموا** اس جزا کی علت ہے یعنی اگر تم اللہ رسول کی اطاعت سے منہ موڑو گے تو اپنا ہی بگاڑو گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا کیونکہ ان کے ذمہ صرف تبلیغ ہے وہ کر چکے جیسے کوئی حاکم کسی مجرم سے کہے کہ اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو جان لے کہ میں جج ہوں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مبلغ ہیں تبلیغ کے علاوہ ان میں اور کوئی صفت نہیں **انما** حصر کے لئے آتا ہے تم کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین مشکل کشا 'حاجت روا بہ عطا الٰہی سب کچھ ہیں 'تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے حصر کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی ان محبوب کے ذمہ تم تک احکام پہنچا دینا ہے تم سب کو ہدایت دے دینا ان پر واجب نہیں یعنی وہ مبلغ اعظم ہیں ہادی حقیقی نہیں ہادی حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لہذا تمہارے کفر و سرکشی کا سوال ان سے نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ کے سوا اور کچھ نہیں نہ نبی ہیں نہ رسول جیسے **انما انا بشر مثلکم** کا مطلب یہ نہیں کہ میں صرف بشر ہوں نبی رسول وغیرہ کچھ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف بشر ہوں نہ فرشتہ ہوں نہ جن نہ خدا نہ خدا کا بیٹا حصر حقیقی حصر اضافی کا فرق یاد رکھو۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مومنین صالحین جو شراب و جوئے کا مال کھا پی چکے اس میں ان پر گناہ نہیں جبکہ وہ متقی و پرہیزگار رہیں۔ یہ فرمان کیونکر درست ہوا جب شراب و جوا حرام نہ ہوئے تھے تو حلال تھے اور حلال چیز خواہ متقی کھائے یا فاسق کسی پر گناہ نہیں پھر اس قید کے کیا معنی نیز جو لوگ شراب و جوئے کی حرمت سے پہلے فوت ہو چکے وہ اب متقی مومن کیسے بنیں گے پھر یہ شرط کیسے درست ہوئی۔ **نوٹ:** تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کو بہت ہی قوی سمجھا اور اس کے بہت جوابات دیئے جن میں سے بعض فقیر کو پسند نہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جوابات دیئے گئے ہیں۔ بہترین جواب یہ ہے کہ یہاں **اذا ما اتقوا** نہ تو شرط ہے نہ ظرف بلکہ مقام مدح میں ہے جس سے حضرات صحابہ کرام کی تعریف فرمائی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان متقین 'مومنین' صالحین 'محسنین' پر اس زمانہ کے شراب و جوئے کے استعمال میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ جب شراب و جوا حلال تھے تب ان کا استعمال کرنا تقویٰ کے خلاف نہ تھا۔ فسق و فجور نہ تھا۔ گویا انہیں متقی فرما کر گناہ نہ ہونے کی علت کی طرف اشارہ فرما دیا گویا صفت کو بطریق شرط بیان فرمایا جیسے میں کہوں کہ زید جبکہ میرا پیارا بیٹا ہے تو اسے میرے گھر کی ہر چیز کھانا پینا درست ہے یہاں جب کہ کہنا شرط کے لئے نہیں یہ ہی جواب تفسیر کبیر نے دیا 'جیسے قرآن کریم حضرات صحابہ کی نہایت شاندار تعریفیں فرما کر ارشاد کرتا ہے **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصالحات منہم مغفرۃ واجرا عظیما** یہاں منہم

فرمانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض صحابہ فاسق ہیں بعض عادل بلکہ وجہ عظمت بیان فرمانا مقصود ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سچی فہم نصیب کرے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تین جگہ تقویٰ کا ذکر فرمایا۔ دو جگہ ایمان کا ایک جگہ احسان کا اس کی کیا وجہ ایک چیز کو بار بار بیان کرنے سے کیا فائدہ یہ تکرار کیسی۔ **جواب:** یہاں صرف لفظی تکرار ہے معنوی تکرار نہیں ان تینوں تقووں اور دو جگہ ایمانوں میں بہت سے احتمال ہیں۔ **ایک یہ** کہ پہلے تقوے سے مراد ہے برے عقیدوں سے بچنا یعنی تقویٰ عامہ دوسرے تقوے سے مراد ہے شراب و جوئے سے بچنا۔ اور تیسرے تقوے سے مراد ہے تمام بری باتوں سے بچنا۔ **دوسرے یہ** کہ پہلے تقوے سے مراد ہے بد عقیدگی سے بچنا دوسرے سے مراد گناہوں سے بچنا تیسرے تقوے سے مراد شبہات سے بچنا ہے' **تیسرے یہ** کہ پہلے تقوے سے مراد تمام حرام چیزوں سے بچنا ہے دوسرے سے مراد اس پر قائم رہنا ہے تیسرے تقوے سے مراد جو چیزیں آئندہ حرام کی جاویں ان سے بچنا نہیں چھوڑ دینا (تفسیر خزائن العرفان) **چوتھے یہ** کہ پہلے تقوے سے مراد شروع عمر کی پرہیزگاری ہے دوسرے سے مراد جوانی میں پرہیزگاری ہے' تیسرے سے مراد بڑھاپے کی پرہیزگاری۔ **پانچویں یہ** کہ پہلے تقوے سے مراد اپنے رب کے درمیان معاملہ میں تقویٰ کرنا ہے دوسرے سے مراد اپنے نفس کے معاملہ میں پرہیزگاری تیسرے تقوے سے مراد لوگوں کے معاملات میں تقویٰ و پرہیزگاری ہے کہ بندہ کا کمل یہ ہے کہ رب کا مطیع۔ اپنے نفس پر مجاہد حقوق عباد کا محافظ ہو (تفسیر صاوی) **چھٹے یہ** کہ پہلے تقوے سے مراد فعلی تقویٰ ہے۔ دوسرے سے مراد اس پر ہمیشگی کرنا تیسرے سے مراد ظلم سے بچنا' یعنی کسی بندے کو نہ ستانا' **ساتویں یہ** کہ پہلے تقوے سے مراد ہے بیرونی زندگی یعنی لوگوں کے روبرو میں تقویٰ حضرات صحابہ ان تمام تقووں کے جامع تھے۔ **ساتواں اعتراض:** تقویٰ اور احسان میں کیا فرق ہے کہ رب العالمین نے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا اور فرمایا **یحب المحسنین** **جواب:** احسان کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں' **ایک یہ** کہ احسان تقویٰ کا نتیجہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ پرہیزگار مومن محسن ہیں اور محسن اللہ کے محبوب ہیں **دوسرے یہ** کہ احسان تقوے کی شرط ہے' ظاہری نیکیاں تقویٰ ہیں دل کا اخلاص احسان ہے اخلاص کے بغیر ظاہری نیکیاں ایسی ہیں جیسے بغیر جان کے جسم یا بغیر مغز کے پوست۔ **تیسرے یہ** کہ احسان تقوے کا ایک رکن ہے اللہ رسول کے حقوق ادا کرنا تقویٰ ہے اور لوگوں کے حقوق ادا کرنا ان سے اچھا سلوک کرنا احسان ہے۔ **چوتھے یہ** کہ نیک اعمال تقویٰ میں اور اللہ رسول میں استغراق احسان ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو سکے تو ایسے کرو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ بہر حال احسان میں بہت احتمال ہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ شان رسالت حکم دیں تو ان کی اطاعت واجب ہے اگر بہ شان بشریت حکم دیں تو وہ ہماری طرح ہیں آپ کی اطاعت واجب نہیں جیسے حاکم جب دفتر میں حکم دے تو وہ قانون ہے اور جب گھر میں حکم دے تو قانون نہیں کہ دفتر میں وہ حاکم ہے گھر میں خاندان کا ایک فرد اس لئے حضرت بریرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ مانا اور اپنا نکاح توڑ دیا اہل مدینہ پر درختوں کا پیوند کرنا ممنوع نہ ہوا اگرچہ حضور نے اس سے منع فرمایا تھا کہ وہ حکم بشری تھے حکم رسول نہ تھے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم کہ خدا تعالیٰ کی بھی دو شانیں ماننا پڑیں گی۔ ایک خدائی کی شان دوسری کوئی اور شان جب وہ خدائی شان سے حکم دے تو ماننا واجب جب دوسری شان سے حکم دے تو واجب نہیں' چنانچہ **اقیموا الصلواۃ** سے نماز فرض ہو گئی مگر **فاصطادوا** کے حکم سے شکار اور **فاکتبوہ** کے حکم سے قرض کا لکھنا

فرض نہیں ہوا کہ نماز کا حکم خدائی شان سے ہے اور شکار کا حکم دوسری شان سے جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ماننا فرض ہے مگر مشورہ ماننا فرض نہیں وہاں اختیار ہے ورنہ حکم و مشورہ میں فرق کیا ہوگا یہ ہی قرآنی احکام کا حال ہے **اقیموا الصلوٰۃ** حکم ہے اور **فاصطادوا** مشورہ اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ الارض کے متعلق فرشتوں سے مشورہ فرمایا تو فرشتوں نے اختلاف رائے کیا غرضیکہ حکم میں فرق ہے حاکم میں فرق نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں نبی ہیں بلکہ حضرت حلیمہ کی گود میں جناب آمنہ کے شکم میں نبی ہیں بلکہ عالم ارواح میں نبی ہیں چالیس سال کی عمر شریف میں اعلان نبوت فرمایا نبوت اور اظہار نبوت میں فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے سلطان کا نوکر جب ہی تنخواہ کا مستحق ہے جب سلطان کی خدمت کرے ڈیوٹی اچھی طرح دے نمک خور کر حرام خور ہے یوں ہی اللہ کی نعمتیں اس کے لئے حلال و طیب ہیں جو اس کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے فاسق و کافر کھانے پینے کا بھی مجرم ہے کہ اس کی غذا پانی سے فسق و کفر ہی پیدا ہوگا جیسے بھڑ جو کھائے اس سے زہر ہی بنتا ہے۔ مومن کا کھانا پینا' سونا' جاگنا' عبادت ہے کہ اس کی خوراک سے ایمان و عرفان و عبادات ہی حاصل ہوں گے جیسے شہد کی مکھی جو کھائے پئے اس سے شہد ہی بنتا ہے یہاں ارشاد ہوا کہ مومنین متقین صالحین' محسنین' پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اعلیٰ حلال و طیب غذائیں کھائیں' بشرطیکہ وہ ان نعمتوں کا حق ادا کریں کہ منعم کا شکر کریں ان کے لئے کھانا پینا مضر نہیں کہ انہوں نے شرائط ادا کردیئے صوفیا فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں محسن وہ ہے جو خود مرجائے مگر اس کے احسانات نہ مریں عامل کے ساتھ اس کے عمل بھی مرجائیں وہ ہمارے ہاں متقی اگرچہ ہو مگر محسن نہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

محسناں مردند و احسانہا بماند ۔۔۔ اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند
ظالماں مردن و ماند آں ظلمہا ۔۔۔ وائے جانے کو کند مکرو دہا
گفت پیغمبر خنک آنرا کہ او ۔۔۔ شد ز دنیا ماند از او فعل نکو
مرد محسن لیک احسانش نہ مرد ۔۔۔ نزد یزداں دین و احسان نیست خرد
وائے آں کو مرد و عصیانش بماند ۔۔۔ تانہ پنداری بمرگ او جاں بماند

یہ تقویٰ و احسان بھی رب تعالیٰ کی توفیق سے ہی نصیب ہوتے ہیں ہم کو تو نیچے گرنا آتا ہے۔ رب تعالیٰ بلندی عطا فرمائے تو اس کا کرم ہے نیز اطاعت تین قسم کی ہوتی ہے اطاعت بالخوف' اطاعت بالرجاء' اطاعت بالمحبت یعنی ڈر کی اطاعت' لالچ کی اطاعت' محبت کی اطاعت' ان تینوں میں محبت کی اطاعت قوی ہے کہ دونوں اطاعتوں کے لئے فنا ہے خوف گیا' اطاعت گئی' امید گئی' اطاعت گئی مگر محبت کی اطاعت کے لئے فنا نہیں اور رسول کے لفظ سے محبت وابستہ ہے دیکھو' جسمانیات میں ماں محبت کا سرچشمہ ہے' اس لئے بھائی کو ماں جایا کہتے ہیں۔ ایمانیات میں لفظ رسول محبت کا سرچشمہ ہے کہ ماں کا لفظ بولتے ہی اس کا دودھ اس کی تمام مہربانیاں یاد آجاتی ہیں ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا **یا ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی** اے میرے ماں جائے میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ پکڑ یوں ہی رسول بولتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کمالات احسانات یاد آجاتے ہیں اور محبت کا دریا موجیں مارنے لگتا ہے اس لئے اطاعت کے موقعہ پر الرسول فرمایا تاکہ

معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بالمحبت چاہئے اس محبت سے ساری اطاعتیں آسان ہو جاتی ہیں' اس لئے سارے قرآن مجید میں اطاعت کے ساتھ رسول ہی فرمایا جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ ہے نبی اللہ یا حبیب اللہ نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ضرور امتحان لے گا اللہ تعالیٰ تمہارا کچھ شکاروں سے کہ پالیں گے اسے ہاتھ
اے ایمان والو ضرور اللہ تمہیں آزمائے گا ایسے بعض شکار سے جس تک تمہارا ہاتھ اور نیزے
وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
تمہارے اور برچھے تمہارے تاکہ جان لے اللہ اس کو جو ڈرتے ہیں اس سے غیب میں پس جو حد سے بڑھے پیچھے
پہنچیں کہ اللہ پہچان کرا دے ان کی جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اس کے بعد جو حد سے بڑھے
فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾
اس کے پس واسطے اس کے عذاب ہے دردناک
اس کے لئے دردناک سزا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں اصلی و دائمی حرام چیزوں کی حرمت کا ذکر ہوا یعنی شراب و جوا' اب اس چیز کی حرمت کا ذکر ہے جو عارضی طور پر چند دنوں کے لئے حرام ہو جاتی ہے پھر حلال ہوتی ہے یعنی بحالت حرام شکار کرنا گویا دائمی حرام کے بعد عارضی حرام کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ احتیاط کرنے ہوشیار رہنے کا حکم ہوا کہ فرمایا گیا' واحذروا اب اس ہوشیاری کی تفصیل فرمائی جا رہی ہے کہ بہت موقعہ آزمائش کے آجاتے ہیں ان میں اپنے کو سنبھالنا اور شریعت کے دائرے میں رہنا ضروری ہے جیسے محرم کو شکاروں کا گھیر لینا گویا احتیاط کا اجمالی ذکر پہلے تھا اس کی تفصیل اب بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** کچھ پہلے گذشتہ آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ طیب و حلال چیزوں کو حرام نہ سمجھو اب فرمایا جا رہا ہے کہ طیب و حلال ہونا ہماری مرضی سے ہے۔ جس چیز سے ہم ممانعت کر دیں وہ حرام ہو جاتی ہے اگرچہ بذات خود طیب معلوم ہوتی ہو۔ طیب رہا نہ حلال پھر بعد احرام وہی شکار طیب بھی ہو گیا حلال بھی حرام و حلال ہونا ہمارے حکم پر ہے گویا پہلے طیب و حلال کے پاک ہونے کا ذکر تھا اور اب طیب و حلال کرنے والی چیز کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

شان نزول : 6 ہجری میں پندرہ سو چالیس مسلمان عمرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے چند امتحانات لئے جن میں مسلمان اول نمبر کامیاب ہوئے ان امتحانات میں ایک یہ تھا کہ حضرات صحابہ عموماً شکار کرتے تھے بعض صحابہ شکار کے بہت شوقین تھے اور حالت احرام میں سوا چند جانوروں کے تمام خشکی

کے جانوروں کا شکار کرنا حرام ہوتا ہے زمین حرم میں شکار کرنا حرام ہے یہ حضرات جب احرام باندھ کر مقام حدیبیہ میں پہنچے وہاں ان کو کچھ روز قیام کر کے بغیر عمرہ کئے واپس ہونا پڑا جس کا واقعہ بہت مشہور ہے اسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ تو اس حالت احرام میں پرندے چرندے یعنی شکار کے جانور ان کی سواریوں ان کے خیموں میں اس طرح گھس آتے رہے کہ اگر یہ حضرات چاہتے تو چھوٹے جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور بڑے جانوروں کا نیزوں سے شکار کر لیتے اللہ تعالٰی نے ان حضرات کو اس پیش آنے والے واقعہ کی خبر دینے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تاکہ مسلمان اس سے خبردار رہیں شکار سے بچیں الحمد للہ کہ تمام صحابہ کرام اس امتحان میں اول نمبر کامیاب ہوئے کسی صحابی نے ایک چڑیا بھی نہ پکڑی (روح البیان وغیرہ) اور بقیہ امتحانات میں بھی وہ حضرات یوں ہی کامیاب ہوئے حدیبیہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک جنگل ہے' جس کا کچھ حصہ حل میں واقعہ ہے کچھ حصہ حرم میں ہم نے اس میدان کی زیارت کی ہے' جدہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے راہ میں آتا ہے' جیسے میدان حنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک وسیع علاقہ کا نام ہے ہم نے اس کی بھی زیارت کی ہے' صلح حدیبیہ کا واقعہ بہت مشہور ہے اور سورۃ فتح میں مذکور ہے۔

تفسیر : **یا ایھا الذین امنوا** چونکہ شکار کے شوقین حضرات کو ایسی حالت میں شکار سے رکنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔ جبکہ شکار اپنے سامنے اپنے ہاتھ کی زد میں ہو اس وقت ان کا شکار نہ کرنا کتنا دشوار ہے یہ تو کسی شکاری سے ہی پوچھو۔ اس لئے رب تعالٰی نے پہلے الذین امنوا کے خطاب سے ان حضرات کو پکارا پھر یہ اہم واقعہ جو پیش آنے والا تھا بتایا کبھی الذین امنوا کے حساب میں سارے مومن فرشتے جن وانس داخل ہوتے ہیں جیسے اے ایمان والوں ہمارے نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو وغیرہ کبھی اس خطاب میں صرف مومن جن وانس ہی داخل ہوتے ہیں جیسے اے مومنو تم پر روزے فرض کئے گئے کبھی اس خطاب میں صرف مومن انسان شامل ہوتے ہیں۔ جیسے اے ایمان والو تم پر جہاد فرض کیا گیا کبھی اس خطاب میں صرف صحابہ کرام ہی داخل ہوتے ہیں' یہاں چوتھی قسم کا خطاب ہے۔ جس میں صرف صحابہ داخل ہیں جیسا کہ آیت کریمہ کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ واقعہ انہی حضرات کو پیش آیا دوسروں کو پیش نہ آیا' اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو کہیں بھی توحید کے لقب سے نہ پکارا بلکہ ایمان کے خطاب سے پکارا تاکہ پتہ لگے کہ بارگاہ الٰہی میں پیاری چیز نری توحید نہیں بلکہ وہاں ایمان کی قدر ہے اور ایمان پر ہی نجات کا مدار ہے' ایمان کی حقیقت اس کے ارکان اس کی اقسام ہم بارہا بیان کر چکے۔ لیبلونکم اللہ اس لفظ کی تحقیق دوسرے پارے کے شروع میں کی جا چکی ہے کہ یہ بنا ہے بلو سے معنی آزمائش و امتحان اسی سے ہے بلا مصیبت کو بلا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی بندوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰی امتحانات چند قسم کے لیتا ہے کبھی مرغوب چیز چھین کر کبھی مکروہ چیز دے کر کبھی خود مرغوب چیز دے کر بھی امتحان لیتا ہے کہ بندہ اس میں پھنس کر غافل ہوتا ہے یا نہیں یہ امتحان بہت سخت ہے یہاں یہ تیسری قسم کا امتحان ہے چونکہ یہ واقعہ ضرور اور عنقریب پیش آنے والا تھا اس لئے اس میں لام تاکید اور نون تاکید لائے گئے چونکہ اس میں تمام صحابہ ہی کا امتحان تھا کہ نہ کوئی شکار کرے نہ کوئی شکار کی طرف اشارہ کرے نہ کوئی شکار میں مدد دے اس لئے تمام حضرات سے خطاب ہوا۔ خیال رہے کہ ممتحن کبھی تو امتحان لیتا ہے اپنی بے علمی دور کرنے کو کبھی امتحان دینے والے کی غلط فہمی دور کرنے کو کہ وہ ہو نااہل مگر سمجھے اپنے کو قابل کبھی دوسروں کی دہن دوزی کے لئے کہ کسی شاگرد کو اعلٰی درجہ دینا چاہتا ہے

تو پہلے امتحان لے کر اس کی لیاقت دوسروں کو دکھادیتا ہے پھر اسے انعام اکرام سے نوازتا ہے اللہ تعالیٰ کے امتحانات تیسری قسم کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تمام نبیوں کے صحابہ سے زیادہ مطیع ہیں ان کی اطاعت دکھا کر قیامت میں انہیں درجے دے گا یہاں یہ ہی ہے بشئی من الصید یہ عبارت لیبلونکم کے متعلق ہے۔ ب سببیہ ہے اور من الصید میں من بیانیہ ہے صید بیان ہے شی کا صید کے معنی ہیں شکار کرنا مگر یہاں مراد ہے شکار والے جانور یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے یہاں صید سے مراد وہ وحشی جانور چرندے پرندے ہیں جو ان احرام والے صحابہ پر چھاگئے تھے شی فرما کر بتایا کہ وہ شکاری جانور بہت معمولی حقیر تھوڑے سے ہوں گے اگرچہ وہ تعداد میں بہت تھے مگر انہیں تھوڑا فرمایا چند وجہ سے ایک یہ کہ انہیں شکار کر لینے پر اللہ کی ناراضی جو ہو گی وہ بہت زیادہ ہو گی۔ عتاب الٰہی کے مقابل تھوڑے ہیں دوسرے یہ کہ انہیں شکار نہ کرنے پر جو اللہ کی رضا حاصل ہو گی وہ بہت زیادہ ہے' یعنی رضا الٰہی کے مقابلہ میں بہت حقیر تیسرے یہ کہ یہ شکار متاع دنیا ہے اور دنیاوی سامان اگرچہ بہت ہو مگر کم ہے کثرت اور چیز ہے عظمت کچھ اور چوتھے اس لئے کہ تاکہ ان مومنین پر یہ امتحان آسان ہو جائے سخت امتحان کو آسان بتایا جاتا ہے تاکہ امتحان دینے والا گھبرا نہ جائے' پانچویں اس لئے کہ ان جانوروں کو اللہ کی رضا سے نسبت نہیں لہٰذا اگر بہت بھی ہو تو تھوڑے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کا دنبہ اگرچہ ایک تھا مگر عظیم تھا کہ اسے جناب خلیل و ذبیح سے نسبت تھی اس لئے اسے عظیم فرمایا گیا وفدینٰہ بذبح عظیم' تنالہ ایدیکم ورماحکم یہ عبارت شی کی صفت ہے یا صید کا حال تنال بنا ہے نیل سے بمعنی پانا حاصل کرنا بعض لوگوں نے کہا کہ کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں پہنچنا اس وقت اس کے بعد الی آتا ہے ان کی دلیل حضرت امام زین العابدین کا یہ شعر ہے۔

ان نلت یاریح الصبا یوما الی ارض الحرم   بلغ سلامی روضۃ فیھا النبی المحتشم

مگر یہ دلیل کمزور ہے اس لئے کہ یہ قصیدہ جس کا یہ مطلع ہے حضرت امام زین العابدین کا نہیں یہ کوئی اور زین العابدین ہے اس قصیدے میں بہت غلطیاں ہیں اس شعر میں ریح مونث کے لئے بلغ فعل مذکر لایا گیا' بلغی چاہیے تھا لہٰذا یہ استدلال غلط ہے ہاتھ اور نیزوں کے پانے کے چند معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ بعض تم سے بہت ہی قریب آجائیں گے کہ تم انہیں ہاتھوں سے پکڑ لو اور بعض قدرے دور رہیں گے کہ ان تک تمہارے ہاتھ نہ پہنچیں مگر تمہارے نیزے پہنچ جائیں' نیزوں کی زد میں آجائیں۔ دوسرے یہ کہ بعض چھوٹے چھوٹے جانور تم تک پہنچیں گے۔ جنہیں تم ہاتھ ہی سے دبوچ لو بعض بڑے جانور رہوں گے جنہیں تم بھالے چھید کر گرا لو' تیسرے یہ کہ بعض شکاری جانوروں کو تم ذبح اختیاری کر سکو گے کہ انہیں نیزے سے گرا کر زندہ پکڑ لو اور ذبح کر لو بعض کو ذبح اضطراری کر سکو گے کہ تیروں نیزوں سے زخمی ہو کر ہلاک ہو جائیں۔ (تفسیر روح المعانی) بہر حال اس فرمان کا مقصود شکار کی کثرت ان پر قبضہ فرماتا ہے لیعلم من یخافہ بالغیب اس عبارت میں مذکورہ امتحان کا مقصد بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس امتحان کا مقصود تمہاری قوت ایمان کا اظہار ہے یہاں اللہ کے جان لینے سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو دکھا دینا یا اس کا ظاہر فرما کر جان لینا یا علم الٰہی سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام یا تاقیامت مسلمانوں کا جان لینا کیونکہ اللہ کے پیاروں کا جاننا گویا اللہ تعالیٰ کا ہی جاننا ہے ورنہ حق تعالیٰ تو ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا ہے غیب کے معانی اور اس کے اقسام شروع سورۂ بقرہ یومنون بالغیب میں بیان ہو چکے بالغیب سے مراد یا تو غیب یعنی دل سے ڈرنا ہے کہ زبان شہادت ہے اور دل غیب یا غیب میں ڈرنا یعنی رب سے بغیر دیکھے ڈرنا یعنی یہ امتحان اس لئے ہے کہ اس سے کھرے کھوٹے مومن متقی کی پہچان ہو جائے کہ جن

کے دلوں میں خوف خدا ہے وہ تو شکار نہ کریں گے اور جو صرف خوف خدا کے دعویدار ہیں وہ شکار کرلیں گے یہ شکار کھرے کھوٹے میں فرق کا ذریعہ ہے **فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم** اس عبارت میں اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے من سے مراد وہ حدیبیہ والے محرم صحابہ ہیں جن کا مذکورہ امتحان لیا گیا اعتدی کے معنی ہیں حد سے بڑھ گیا کہ اس حکم کے خلاف عمل کر بیٹھا شکار کرکے یا شکاری کی مدد کرکے یا شکار کی طرف اشارہ کرکے یا شکار کا گوشت کھا کر غرضیکہ اعتدی میں بہت وسعت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حد سے مراد احرام کی ساری حدود ہوں۔ سلا کپڑا' خوشبو' سر ڈھکنا' جوں کھٹل وغیرہ مارنا' شکار کرنا وغیرہ کی ممانعت اور ممکن ہے اسلام کی حدود مراد ہوں یا انسانیت کی حدیں یا نبی کے امتی ہونے کی حدیں یا اللہ کا بندہ ہونے کی حدود غرضیکہ ہر چیز حد میں رہے تو مفید ہے حد سے نکل جائے تو مضر' خلاصہ یہ ہے کہ تعدی میں شکاری حدود سے آگے بڑھنا مراد ہے یا احرام کی حدود سے یا اسلام کی حدود سے یا بندگی کی حدود سے نکلنا مراد ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ ابھی شکار کا ہی ذکر ہوا ہے اس میں بہت گفتگو ہے کہ یہاں دردناک عذاب سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے آخرت میں دوزخ کا عذاب سخت مراد ہے کیونکہ جو کوئی اب ان شکاروں کا شکار حلال جان کر کرلیتا وہ کافر ہو تا اور کافر کے لئے دوزخ ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ کفارہ ہے جو اگلی آیت میں مذکور ہے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ محرم کے شکار کا کفارہ عذاب نہیں ایک لحاظ سے عبادت ہے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عذاب الیم سے مراد شکاری کے کپڑے اتار کر اسے کوڑے مارنا ہیں اس موقع پر شکار کی یہ سزا رکھی گئی تھی قرآن مجید میں کوڑوں کو عذاب فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ **ولیشہد عذابھما طائفۃ** اور فرماتا ہے **فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب** اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یوں نقل فرمایا کہ آپ نے ہدہد کے متعلق فرمایا **لاعذبنہ عذابا شدیدا**۔ اکثر مفسرین نے اسی قول کو اختیار فرمایا دیکھو تفسیر کبیر اور روح المعانی۔ خازن وغیرہ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے ایمان والو میرے محبوب کے صحابیو' مطلع رہو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارا کچھ شکاری جانوروں سے امتحان لینے والا ہے کہ تم عمرہ کا احرام باندھے حدیبیہ میں ٹھہرے ہوؤ گے کہ تم کو چھوٹے بڑے شکار کے جانور گھیر لیں گے تم پر اس طرح چھا جائیں گے کہ تم کو ان کے شکار کے لئے محنت کرنا نہ پڑے صرف تیروں یا ہاتھوں سے با آسانی ان کا شکار کر سکو خیال رکھنا اس وقت تمہارے دل شکار کے لئے بے قرار نہ ہو جائیں یہ تمہاری آزمائش ہوگی کہ کس کے دل میں خوف خدا ہے اور کس کے دل میں نہیں اس کے ذریعہ رب تعالیٰ زبانی اور دلی متقین میں چھانٹ کردے گا۔ خیال رکھنا کہ اس اطلاع کے بعد جو کوئی زیادتی یعنی قانون شکنی کرتے ہوئے وہ شکار کرلے گا تو اسے دنیا یا آخرت میں سخت سزا دی جائے گی۔ لہذا احتیاط رکھنا شکار کو برے ارادہ سے دیکھنا بھی نہیں۔ خیال رہے کہ عام قانون یہ ہے کہ بحالت احرام شکار کرلینے سے اس جانور کی قیمت خیرات کرنا پڑتی ہے مگر حضرات صحابہ کرام کے اس شکار کرلینے پر صرف قیمت کی خیرات واجب نہ ہوتی بلکہ کوئی خاص سزا اس کے علاوہ بھی ہوتی کیونکہ اس شکار کرلینے میں صرف قانون شکنی نہ ہوتی بلکہ ربانی امتحان کی خلاف ورزی بھی ہوتی' دیکھو یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام تھا مگر ایلہ والوں کا شکار سے امتحان تھا ایلہ والوں نے شکار کرلیا تو بندر بنا دیئے گئے ان کے علاوہ اور یہودیوں نے بارہا شکار کئے مگر ان پر یہ عذاب نہ آیا۔ قانون شکنی کے سزاوار ہے امتحان میں رہ جانے کی سزا کچھ اور کہ اس میں حکم ربانی کی بے ادبی بھی ہے یہاں اس سزا کا نہ ذکر ہوا نہ اس کا ظہور ہوا کیونکہ اللہ کے فضل سے سارے صحابہ اس امتحان میں

کامیاب رہے اس آیت کی مذکورہ سزا مخفی ہی رہ گئی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** دنیا میں سختیاں و شواریاں رب تعالیٰ کی طرف سے، بندوں کے امتحانات ہیں اگر بندہ ان میں ثابت قدم رہے تو بڑا کامیاب ہے ان پر گھبرانا نہ چاہئے بلکہ راضی برضا رہنا چاہئے یہ فائدہ **لیبلونکم اللہ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا میں نعمتوں کی زیادتی ہر طرح کا عیش و آرام بھی حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا امتحان ہے کہ ان میں مشغول ہو کر بندہ رب سے غافل نہ ہو جائے یہ فائدہ **بشی من الصید** سے حاصل ہوا دیکھو رب نے احرام باندھے ہوئے صحابہ کے خیموں میں شکار داخل فرمادیئے اور ادھر صحابہ کو ممانعت فرمادی کہ خبردار انہیں ہاتھ نہ لگانا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ انہیں امتحان سے پہلے آگاہ فرمادیتا ہے تاکہ اس امتحان میں کامیابی آسان ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں پر قبر کے امتحان کے سارے پرچے آؤٹ کردیئے کہ وہاں کل تین پرچے ہوں گے۔ توحید کا' دین کا' نبوت کا تم اس کے جواب یہ دے دینا ورنہ امتحان سے پہلے اگر پرچے شائع ہو جائیں تو بیکار کردیئے جاتے ہیں یہ ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کرم و مہربانیاں۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے افضل ہیں دیکھو بنی اسرائیل کا دوبار امتحان لیا گیا جن میں وہ فیل ہی ہوئے' ایک بار حضرت شمویل علیہ السلام کے زمانہ میں طالوت کے ساتھ جانے والے مجاہدین کا امتحان ہوا کہ یہ پیاسے تھے آگے ٹھنڈے پانی کی نہر آئی تو حکم دیا کہ اس سے کوئی نہ پئے مگر **فشربوا منہ الا قلیل**' ہزاروں میں سے صرف تین سو تیرہ پاس ہوئے باقی سب فیل دوسری بار ایلہ والوں کا امتحان ہوا کہ ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام تھا اللہ کی شان کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیاں بہت نمودار ہوئیں یہ لوگ صبر نہ کرسکے سب نے شکار کرلیا اور ان پر عذاب الٰہی آگیا کہ بندر بنادیئے گئے **فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین** مگر حضرات صحابہ کا جب اس وقت نہایت سخت امتحان ہوا تو ان میں سے کسی نے شکار کرنا تو کیا اسے نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا تمام حضرات اول نمبر کامیاب رہے یہ ہے فرق اصحاب انبیاء اور اصحاب مصطفیٰ میں صلی اللہ علیہ وسلم شاگردوں کا فرق دیکھ کر ان کے معلمین کا فرق معلوم کرلو۔ **پانچواں فائدہ:** بحالت احرام صرف خشکی کے شکار حرام ہوتے ہیں دریائی جائز لہٰذا محرم مچھلی کا شکار کرسکتا ہے یہ فائدہ **تنالہ ایدیکم ورماحکم** سے حاصل ہوا کیونکہ دریائی شکار ہاتھ یا نیزے سے نہیں کئے جاتے بلکہ پنچھی یا جال سے کئے جاتے ہیں۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** بحالت احرام موذی جانوروں کا شکار حلال ہے جیسے چیل' کوا' دیوانہ کتا' شیر' بھیڑیا وغیرہ یہ فائدہ بھی **تنالہ ایدیکم ورماحکم** سے اشارۃً حاصل ہوا کہ یہ موذی جانور انسانوں کے خیموں میں نہیں آیا کرتے اس کا ذکر بھی انشاء اللہ اگلی آیت میں آئے گا۔ **ساتواں فائدہ:** دل کے حال کا پتہ اعمال و افعال سے لگتا ہے نافرمانیاں کرکے یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خدا سے ڈرتے ہیں' جھوٹا دعویٰ ہے یہ فائدہ **من یخافہ بالغیب** سے حاصل ہوا۔ اگر دل میں اللہ کا خوف نبی کی شرم ہے تو ان کی اطاعت کرو۔ **آٹھواں فائدہ:** امتحان اور اس کی نوعیت کی خبر پہلے سے دے دینا امتحان کے خلاف نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان صحابہ کا شکار سے امتحان لیا مگر پہلے اس کی خبر دے دی قبر میں امتحان ہوگا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر مع امتحان کے سوالات کی خبر پہلے دے دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کربلا میں حضرت حسین کو پیش آنے والے واقعات کی خبر پہلے دیدی لہٰذا

مخالفین کا یہ کہنا کہ اگر حضرات انبیاء کرام کو علم غیب ہو تو پھر ان کے امتحانات بیکار ہو جائیں گے کیونکہ امتحان کے لئے امتحان دینے والے کی بے خبری ضروری ہے محض غلط ہے۔

پہلا اعتراض : اللہ تعالیٰ تو علیم خبیر ہے اسے لوگوں کے امتحان کی کیا ضرورت ہے پھر وہ حضرات صحابہ کرام اور دوسرے مسلمانوں کے امتحان کیوں لیتا ہے۔ جواب: اس کا جواب دوسرے پارہ کے شروع آیت کریمہ **ولنبلونکم بشئی من الخوف** کی تفسیر میں گزر چکا کہ امتحان لینے والے کے علم کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کبھی دوسروں کو بتانے کے لئے ہوتا ہے رب تعالیٰ جب کسی بندے کو اعلیٰ مقام دینا چاہتا ہے تو دنیا میں اس کا امتحان لے کر کامیاب کر کے پھر دیتا ہے تاکہ دوسرے بندے اس مقام کے دینے پر اعتراض نہ کریں حضرات صحابہ کرام کا امتحان اسی لئے تھا۔ دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے وہ ہمیشہ سے علیم و خبیر ہے پھر یہ فرمانا کیونکہ درست ہوا کہ **لیعلم اللہ** تاکہ اللہ جان لے کیا وہ پہلے سے نہیں جانتا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں علم سے مراد دیکھنا ہے یعنی علم مشاہدہ یہ علم کسی چیز کے ہو جانے کے بعد ہی ہوتا ہے یا اللہ کے جاننے سے مراد ہے اللہ کے بندوں کا جان لینا کہ ان کا جاننا اللہ کا ہی جاننا ہے۔ تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کا خوف تو ہر حال میں چاہئے غائبانہ ہو یا حاضرانہ پھر یہ کیوں فرمایا گیا **من یخافہ بالغیب**۔ جواب: جیسے ایمان کے لئے ضروری ہے کہ بالغیب ہو یوں ہی خوف کے لئے ضروری ہے کہ بالغیب ہو اسی خوف پر ثواب ملے گا دیکھ کر تو کافر بھی خوف کرنے لگیں گے۔ جس خوف کی قدر ہے وہ خوف بالغیب ہے اس لئے یہاں خوف بالغیب کا ذکر فرمایا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جو کوئی حد سے بڑھے گا یعنی اس موقعہ پر شکار کرلے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حالانکہ بحالت احرام شکار کر لینے پر صرف کفارہ واجب ہوتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے کفارہ نہ عذاب نہ دردناک پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں حد سے بڑھنے سے مراد ہے اس شکار کو جائز سمجھ لینا پھر شکار کرلینا یہ کفر ہے اور کافر کے لئے عذاب دردناک ہے یا دردناک عذاب سے کوڑے لگانا مراد ہے یہ کوڑے صرف اس شکار کے لئے تھے لہذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اطاعت والوں کا ایمان اور درجے کا ہے محبت والوں کا ایمان دوسرے درجہ کا یوں ہی مطیعین کا عمرہ اور ہے محبین کا کچھ اور نماز روزہ حج زکوٰۃ سب میں یہ فرق مراتب ہے کہ سالکین کی یہ عبادات اور ہیں واصلین کی کچھ اور۔

نماز زاہداں سجدہ سجودے　　نماز عاشقاں ترک وجودے

دنیا گویا حدیبیہ کا میدان ہے عاشقین مولیٰ گویا محرمین ہیں دنیاوی لذات اور رب تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزیں گویا وہ شکار ہیں جو عشاق کے خیموں میں چھائے ہوئے ہیں ان میں سے جانی لذات تو ہاتھوں سے حاصل ہوتے ہیں اور مالی و جاہی لذات تیروں تیر کمان سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ اے لوگو جو محبین کا ایمان اختیار کر کے دینی لذات سے ایک طرف ہو بیٹھے اور حج وصول اور عمرہ وصل کا احرام باندھ چکے۔ خیال رکھو: کہ اس راہ سلوک طے کرنے کی حالت میں تمہیں نفسانی حیوانی شہوانی لذات کے شکار گھیر لیں گے جو تم کو بہت آسانی سے حاصل ہو سکیں گے۔ خیال رکھنا کہ ان شکاروں سے بچے رہو تاکہ تمہارا احرام قائم رہے اگر تم حد سے بڑھے تو محرومی کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے یہ عذاب بہت دردناک ہو گا کہ معرفت سے

بعد رجوع من اللہ کا سخت عذاب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قلب چوں آمد سیہ شد در زماں! زر در آمد شد زری او عیاں!

دست و پا انداخت زر دریوزہ خش! دوزخ آتش ہمی خند درخش

خالص سونا اور ملاوٹ والا دونوں ہی پہلے ہوتے ہیں مگر خالص سونا وہ ہے جو آگ میں جا کر پیلا رہے سیاہ نہ ہو جاوے یوں ہی مومن و منافق سب ہی کلمہ پڑھتے ہیں مگر خالص مومن وہ جو امتحان کی آگ میں سرخرو رہے (تفسیر روح البیان) عاقل شکاری شیر و چیتا وغیرہ کو شکار کرتا ہے۔ غافل شکاری ان کے ہاتھوں شکار ہو جاتا ہے مومن دنیا کو شکار کرتا ہے کافر اور غافل دنیا کے ہاتھوں شکار ہو جاتا ہے فرمایا گیا کہ اے مسلمانوں اللہ تمہارا اس شکار کے ذریعہ امتحان فرمارہا ہے تم شکار کرنا خود شکار نہ ہو جانا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کو شکار کرنے یا دنیا کے ہاتھوں شکار ہو جانے کی تین علامتیں ہیں۔ اگر دنیا دل میں آجاوے تو بندہ خود شکار ہو جاتا ہے اگر دل دنیا میں رہے تو شکار کرتا ہے اگر دنیا دین کے ساتھ تابع ہو کر رہے تو بندہ شکار کرتا ہے اور اگر دنیا خالص ہو جاوے کہ اس کے ساتھ دین نہ رہے تو بندہ شکار ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے اعضاء بدن' مال وغیرہ سب میں شرعی احکام رکھے تاکہ دنیا دین کے ساتھ رہے خالص نہ ہونے پائے اگر دنیا صفر بن کر دین کے عدد کے ساتھ مل جاوے تو بندہ دنیا کو شکار کر لیتا ہے اگر محض صفر تو بندہ دنیا کا شکار ہو جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہم کو صدہا تکوینی حدود میں رکھا ہے کہ ہماری زندگی' موت' بچپن' جوانی' بڑھاپا' کھانے پینے' سونے جاگنے' بیماری تندرستی کی حدیں ہیں جن کے اندر ہم کو رہنا پڑتا ہے یوں تشریعی حدیں بہت ہیں ہمارے اعضاء مال وغیرہ سب پر شریعت کا کنٹرول ہے پھر جیسے تکوینی حدود بعض دائمی ہوتی ہیں بعض عارضی' بیماری میں بہت سی غذاؤں پر عارضی پابندیاں لگ جاتی ہیں ایسے ہی تشریعی پابندیاں بعض دائمی ہیں بعض عارضی' جھوٹ کبھی نہ بولو گالی کبھی نہ بکو' حرام کبھی نہ کھاؤ' یہ دائمی حدود ہیں نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو کسی سے بات نہ کرو یوں ہی احرام میں سلا کپڑا نہ پہنو شکار نہ کرو یہ عارضی حدیں ہیں جو ان میں سے کوئی حد توڑے گا اسے دردناک عذاب ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ قتل کرو تم شکار کو حالانکہ تم احرام والے ہو اور تم میں جو اسے قتل کرے گا ارادۃ
اے ایمان والو شکار نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصدًا قتل کرے تو
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ
تو بدلہ ہے اس کی مثل جو قتل کیا جانوروں سے حکم دیں اس کا دو انصاف والے تم میں سے ہدی پہنچنے والی
اس کا بدلہ یہ ہے کہ ویسا ہی جانور مویشی سے دے تم میں سے دو ثقہ آدمی اس کا حکم کریں
الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَ
کعبہ تک یا کفارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کی برابر روزے تاکہ چکھے وہ وبال اپنے کام کا
قربانی ہو کعبہ کو پہنچتی یا کفارہ دے چند مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے کہ اپنے کام کا وبال

بَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

معاف کر دیا اللہ نے اس سے جو گزر گیا اور جو ہوئے گا تو بدلہ لے گا اس سے اللہ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

بخشے اللہ نے معاف کیا جو ہو گزرا اور جو اب کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں احرام والے صحابہ کرام کے ایک خاص امتحان کا ذکر ہوا' جو شکار کے ذریعہ لیا گیا۔ اب بحالت احرام شکار کی عام ممانعت کا ذکر ہے کہ کوئی شخص بحالت احرام یا حرم شریف کی حدود میں شکار نہ کرے گویا یہ آیت حکم خاص کے بعد عام حکم بیان فرما رہی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ جو کوئی بحالت احرام شکار کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ اس سزا کی تفصیل پہلے عرض کی گئی اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس جرم پر صرف سزا ہی نہ دی جائے گی بلکہ کفارہ بھی واجب لازم ہو گا۔ گویا شکار کی سزا کے بعد کفارہ کا ذکر ہوا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اس شکار کی حرمت بیان ہوئی جو محرم کے پاس خود پہنچ جائیں اب مطلقاً شکار کی حرمت کا ذکر ہے خواہ وہ محرم کے پاس خود آجائیں یا محرم ان کے پاس پہنچے۔

شان نزول : ایک عمرہ کے موقعہ پر حضرت ابوالیسر نے بحالت احرام حمار وحشی یعنی ایک نیل گائے کا شکار کر لیا لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اپنے اس قصور کی خبر دی اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی' خازن' تفسیر مدارک)۔

تفسیر : یا ایھا الذین امنوا چونکہ احکام شرعیہ خصوصاً اسلامی عبادات اور کفارات صرف مسلمانوں پر ہی لازم ہیں اور اس آیت میں احرام و حرم مکہ معظمہ کے احکام اور احرام کی حالت میں یا حرم شریف میں شکار کر لینے پر کفارات کا ذکر ہے اس لئے اس آیت کو مسلمانوں کے خطاب سے شروع فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ احکام مسلمانوں کے ہیں کفار پر جاری نہیں لا تقتلوا الصید عربی میں صید مصدر ہے بمعنی شکار کرنا مگر یہاں بمعنی مفعول ہے بمعنی شکاری جانور ہر وحشی جانور شکار ہے خواہ حلال ہو جیسے ہرن نیل گائے وغیرہ یا حرام جیسے بھیڑیا' چیتا وغیرہ خواہ پرندہ ہو جیسے کبوتر' فاختہ وغیرہ یا چرندہ یہاں شکار سے خشکی کے شکار مراد ہیں کیونکہ بحالت احرام دریائی شکار مچھلی وغیرہ حلال ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے اور خشکی کے شکار میں سے بھی چند جانور مستثنیٰ ہیں۔ چیل' کوا' چوہا' دیوانہ کتا' بھیڑیا اور خونخوار جانور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے خیال رہے کہ یہاں نہ تو فرمایا لا تصیدو (شکار نہ کرو) نہ فرمایا لا تذبحوا الصید (شکار کو ذبح نہ کرو) بلکہ ارشاد ہوا لا تقتلوا الصید شکار کو قتل نہ کرو تاکہ معلوم ہو کہ محرم کا کیا ہوا شکار مقتول ہے مذبوح نہیں یعنی مردار ہے حلال نہیں اسے نہ کوئی محرم کھا سکتا ہے نہ کوئی اور (تفسیر روح البیان و روح المعانی و تفسیر احمدی وغیرہ) تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ محرم کا مارا ہوا شکار مردار ہے جیسے کافر کا ذبح

جانور 'بعض نے فرمایا کہ مردار تو نہیں مگر اس کا کھانا ٹھیک نہیں 'جیسے غاصب کوئی مغصوب جانور ذبح کرے 'امام شافعی کے ہاں شکار صرف حلال وحشی جانور کو کہتے ہیں حرام وحشی شکار نہیں مگر مذہب احناف قوی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

صید الملوک ثعالب وارانب! واذا رکبت فصیدی الابطال!

عرب کا ایک اور شاعر کہتا ہے۔

لیث تری زبیتہ فا صطید ا!

ان اشعار میں لومڑی کو بھی شکار کہا گیا بہرحال شکار ہر وحشی جانور ہے خواہ حلال ہو یا حرام اور ہر شکار پر کفارہ مذکورہ واجب ہے **وانتم حرم** یہ عبارت **لاتقتلوا** کے فاعل سے حال ہے حرم جمع ہے حرام کی جیسے روح جمع ہے رواح کی (تفسیر مدارک و روح المعانی) حرام سے مراد م ہے احرام باندھنے والا خواہ حج کا یا عمرہ کا یا حرم شریف کی زمین میں داخل ہونے والا خواہ۔ احرام میں ہو یا نہ ہو لہذا محرم کہیں شکار نہیں کر سکتا نہ حرم میں نہ حل میں اور حدود حرم مکہ میں کوئی شکار نہیں کر سکتا خواہ محرم ہو یا حلال یہ آیت ان سب کو شامل ہے خیال رہے کہ حدود حرم جن میں شکار کرنا حرام ہے 'حسب ذیل ہیں 'مکہ معظمہ سے جانب مشرق چھ میل جانب مغرب بارہ میل 'جانب جنوب اٹھارہ میل 'جانب شمال چوبیس میل (تفسیر روح البیان) ان حدود میں ہمیشہ شکار کرنا حرام ہے نہ محرم شکار کرے نہ حلال **ومن قتلہ منکم متعمدا** ۔اب اس جرم کی سزا کا ذکر ہے یعنی کفارہ دنیاوی کا یہاں بھی **منکم** کی قید لگا کر فرمایا گیا کہ یہ مذکورہ کفارہ صرف مسلمان پر ہے 'قتل سے مراد مطلقاً مار ڈالنا ہے خواہ تیر سے شکار کو مار دے یا بندوق سے یا لاٹھی یا پتھر سے یا کتا وغیرہ چھوڑ کر سب کا کفارہ وہ ہے یہاں مذکورہ ہے **متعمدا** سے مراد یہ ہے کہ اسے اپنا احرام بھی یاد ہو یا زمین حرم ہونا بھی معلوم ہو اور یہ بھی خبر ہو کہ اس حالت میں شکار حرام ہے۔ قرآن مجید نے عمداً "شکار پر کفارہ واجب کیا اور حدیث شریف نے خطاء پر لہذا ہر شکار پر کفارہ ہے خواہ عمداً" ہو یا خطاء "یہ ہی اس مقام کی تحقیق ہے **فجزاء مثل ما قتل من النعم** یہ عبارت **قتلہ** کی خبر ہے چونکہ **من** میں شرط کے معنی تھے اس لئے یہاں **ف** جزائیہ آئی جزاء مبتدا محذوف الواجب کی خبر ہے یا علیہ پوشیدہ کا مبتدا اور **مثل** صفت ہے جزا کی امام شافعی و امام محمد کے ہاں **مثل** سے مراد صورۃ "مثل ہے یعنی جو جانور شکار کیا ہے اس کا ہم شکل جانور خرید کر ذبح کرے چنانچہ اگر ہرن مارا ہے تو بکری اگر نیل گائے ماری ہے تو گائے اگر شتر مرغ کا شکار کیا تو اونٹ خرگوش کا شکار کیا ہے تو بکری کا بچہ ذبح کرے 'ہمارے امام اعظم اور امام ابو یوسف کے ہاں **مثل** سے مراد معنی مثل ہے یعنی شکار کئے ہوئے جانور کی قیمت **من النعم** امام شافعی کے ہاں مثل کا بیان ہے اور امام اعظم کے ہاں **ماقتل** کا بیان نعم وحشی اور پالتو دونوں جانوروں پر بولا جاتا ہے خیال رہے کہ جن شکاری جانوروں کی مثل صوری نہ ہو جیسے چڑیا وغیرہ ان کے متعلق امام شافعی بھی فرماتے ہیں کہ وہاں قیمت ہی واجب ہو گی۔ امام اعظم کا فرمان بہت ہی قوی ہے کیونکہ ان کے ہاں مثل کے معنی بہت عام ہیں کسی صورت میں فرق نہیں کرنا پڑے گا۔ امام شافعی کے ہاں کہیں مثل صوری مراد لینا ہو گا کہیں مثل معنی یعنی قیمت نیز آگے ارشاد ہے **یحکم بہ ذوا عدل منکم** اگر مثل سے مراد صوری مثل ہو تا تو دو عادلوں کے فیصلہ کرنے کے کیا معنی فیصلہ تو قیمت کا ہی ہو گا **یحکم** صفت ہے جزا کی یا مثل کی ذوا عدل سے مراد وہ دو آدمی ہیں جنہیں جانوروں کی قیمت لگانے کا محاورہ ہو **منکم** فرما کر بتایا کہ یہ فیصلہ کرنے والے مسلمان متقی ہوں کافر یا فاجر نہ ہوں یعنی اس شکاری پر اس شکار

کئے ہوئے جانور کی قیمت واجب ہے' اس قیمت کا فیصلہ جائے شکار یا اس کے قریبی بستی کے دو آدمی متقی مسلمان جنہیں قیمت لگنے کی مشق ہو کریں اگرچہ ایک آدمی کی قیمت لگنے کا بھی اعتبار ہے مگر دو سے قیمت لگوانا بہتر ہے **ھدیا بالغ الکعبۃ** **ھدیا** یا تو جزا کا حال ہے یا بہ کی ضمیر کا اور بالغ الکعبہ ھدیا کی صفت ہے کیونکہ بالغ الکعبہ اضافت لفظی ہونے کی وجہ سے ھدیا کی طرح نکرہ ہے۔ ہدی وہ جانور ہے جو حرم شریف میں لے جا کر ذبح کیا جائے ثواب کے لئے ھدی یا بکری ہوتی ہے یا گائے یا اونٹ کعبہ سے مراد حدود حرم مکہ معظمہ میں کیونکہ خاص کعبے میں جانور ذبح نہیں کئے جاتے یعنی اگر اس شکار کی قیمت اتنی ہو کہ اس سے ہدی خریدی جا سکے تو شکاری کو اختیار ہے کہ یا تو اس کی ہدی خرید کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے **او کفارۃ طعام مساکین** یہ عبارت یا تو جزا پر معطوف ہے یا من النعم کے محل پر معطوف ہے اور طعام مساکین کفارہ کا بیان ہے یعنی اس صورت میں شکاری کو اختیار ہے کہ یا تو وہ اس کی قیمت سے ہدی خرید کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے یا اس قیمت سے گندم یا جو وغیرہ خرید کر مساکین کو دے ہر مسکین کو گندم کا آدھا صاع یا جو کا پورا صاع **او عدل ذالک صیاما** یہ عبارت کفارۃ پر معطوف ہے اور ذالک سے اشارہ طعام کی طرف ہے عدل کے معنی ہوتے ہیں برابر اگر عین کے کسرے سے ہو تو اسی جنس کا برابر مراد ہوتا ہے اگر عین کے فتحہ سے ہو تو غیر جنس سے برابر مراد ہوتا ہے (تفسیر احمدی' روح البیان وغیرہ) چونکہ روزے کھانے کی غیر جنس ہیں اس لئے یہاں عدل عین کے فتح سے ارشاد ہوا یعنی اگر شکاری چاہے تو بجائے کھانا دینے کے روزے رکھے کہ ہر مسکین کے کھانے کے عوض ایک روزہ رکھے خیال رہے کہ ہدی تو صرف حرم شریف میں ہی ذبح ہو گی مگر کھانا اور روزے ہر جگہ ادا ہو سکتے ہیں کیونکہ ہدی میں بالغ الکعبۃ کی قید لگائی گئی ان دونوں میں یہ قید نہیں ہے امام شافعی کے ہاں صدقہ میں بھی حرم کی قید ہے کہ کھانا وہاں کے ہی مسکین کو دے مگر روزے میں ان کے ہاں بھی گنجائش ہے کہ خواہ حرم شریف میں رکھے یا اور جگہ خیال رہے کہ یہ کفارہ کی ہدی اگر ذبح کی جائے تو صرف حرم میں لیکن اگر کسی مسکین پر خیرات کر دی جائے تو اور جگہ بھی درست ہے کہ اب وہ ہدی نہیں بلکہ صدقہ ہے طعام کی طرح نیز اگر اس قیمت کا کھانا دے تو فی مسکین آدھا صاع گندم دے اگر یہ جانور ہی فقیر کو دیتا ہے تو ایک ہی کو دے سکتے ہیں (تفسیر احمدی' روح المعانی) یہ بھی خیال رہے کہ شکاری کے لئے بھی یہ ہی جزائیں ہیں اور شکاری کی مدد کرنے والے اشارہ کرنے والے پر بھی یہی جزائیں ہیں۔ بحکم حدیث امام شافعی کے ہاں صرف شکاری کی یہ جزائیں ہیں' دوسرے مددگاروں کی نہیں (تفسیر احمدی) **لیذوق وبال امرہ** یہ عبارت نتیجہ ہے گذشتہ تمام جزاؤں کا لیذوق متعلق ہے جوزی پوشیدہ فعل کے وبال بنا ہے وبل سے بمعنی بوجھ اس لئے بہت زیادہ بارش کو وابل ثقیل غذا کو جو ہضم نہ ہو وبیل دھوبی کے ڈنڈے کو جس سے وہ کپڑے کوٹے وبل کہتے ہیں (روح المعانی وغیرہ) امرہ کی ضمیر یا تو رب تعالیٰ کی طرف ہے تب امر سے مراد حکم ہے یا اس کا مرجع خود شکاری ہے تو امر سے مراد جرم ہے یعنی یہ جزائیں اس لئے واجب ہوئیں کہ شکاری محرم اپنے جرم کی سزا بھگتے یا یہ جزائیں اس لئے ہوئیں کہ محرم شکاری اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے کا وبال چکھے اور آئندہ اس جرم سے باز رہے **عفا اللہ عما سلف** اس عبارت میں گذشتہ شکاروں کی معافی کا اعلان فرمایا گیا عما میں ما سے مراد شکار ہیں اور سلف سے مراد ہے اس قانون بننے سے پہلے یا اسلام کی تشریف آوری سے پہلے جو مجرموں نے شکار کر لئے مقصد یہ ہے کہ تم نے بحالت احرام اسلام سے پہلے یا یہ حکم آنے سے پہلے جو شکار کر لئے وہ معاف کر دیئے گئے ان پر نہ تو دنیا میں یہ جزا واجب ہو گی نہ آخرت میں پکڑ اگرچہ چاہئے تو یہ تھا کہ ان شکاروں پر بھی پکڑ ہو کیونکہ اے اہل

عرب تم لوگ دین ابراہیمی پر تھے ان کے دین میں بحالت احرام شکار حرام تھا نیز جاہلیت کے لوگ بھی اسے حرام سمجھتے تھے **ومن عاد فینتقم اللہ منہ** اس عبارت میں اس محرم کا ذکر ہے جو ایک بار شکار کر کے جزاء و کفارہ دے کر دوبارہ پھر شکار کرے من سے مراد ہے محرم عاد سے مراد ہے دوبارہ شکار کرے خواہ پہلے شکار کی جزاء دے کر یا بغیر دیئے من مبتدا ہے بمعنی شرط اور فینتقم سے پہلے ھو پوشیدہ ہے فھو ینتقم کیونکہ جب مضارع جزاء ہو تو اس پر ف جزائیہ نہیں آتی للذا اسے جملہ اسمیہ بنایا جائے (روح المعانی خازن وغیرہ) انتقام یعنی بدلہ لینے سے مراد ہے اس پر دوبارہ جزاء کفارہ واجب فرمانا یہی عام علماء فقہا کا مذہب ہے مگر سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے صرف اخروی گناہ ان کے نزدیک دوبارہ شکار کر لینے پر جزاء وغیرہ واجب نہیں مگر یہ قول جمہور علماء کے خلاف ہے۔ بہرحال خواہ محرم میں یکبار چند شکار کرے یا آگے پیچھے کرے اس پر فی شکار ایک جزاء واجب ہوگی جتنے شکار اتنی جزائیں **واللہ عزیز ذوانتقام** اس عبارت میں قانون کی اہمیت کا اظہار ہے یعنی یہ قانون ہے رب تعالیٰ کا اور وہ تو غالب و قادر بھی ہے کہ سب اس کے بندے ہیں بدلہ لینے والا سزا دینے والا بھی کہ کوئی اسے سزا دینے بدلہ لینے سے روک نہیں سکتا للذا اس سے ڈرو اور احرام میں شکار سے بچو۔

خلاصہء تفسیر : یہ آیت کریمہ بڑے ہی معرکہ کی ہے بحالت احرام شکار کر لینے کے متعلق ائمہ مجتہدین میں بڑا اختلاف ہے اور تمام علماء کا استدلال اسی آیت سے ہے اس لئے اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں ہم مطابق مذہب حنفی خلاصہ تفسیر عرض کرتے ہیں جو کہ نہایت ہی قوی اور مدلل ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا اے ایمان والو خبردار احرام میں یا حرم شریف میں کوئی خشکی کا شکار نہ کرنا سوا ان چند جانوروں کے جنہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مستثنیٰ کر دیا احرام خواہ حج کا باندھا ہو یا عمرہ کا بہرحال اس میں شکار حرام ہے۔ جو احرام والا یا حرم شریف میں داخل ہونے والا عمداً ایسا شکار قتل کر کے مجرم ہو جائے وہ شکار کی جگہ یا اس سے قریب بستی میں دو عادل متقی قیمت جاننے والوں سے اس کی قیمت لگوا لے اگر اس کی قیمت ہدی کو پہنچ جائے یعنی اس قیمت کی بکری یا گائے یا اونٹ آسکے تب اس کو تین چیزوں کا اختیار ہے ایک یہ کہ اس قیمت کی ہدی خرید کر حرم شریف میں پہنچا کر ذبح کرے وہاں کے فقراء اس کا گوشت کھالیں یا اس قیمت کا غلہ خریدے اور وہاں ہی یا حرم شریف پہنچ کر اسے مساکین میں تقسیم کر دے فی مسکین آدھا صاع (سوا دو سیر) گندم یا ایک صاع یعنی ساڑھے چار سیر جو دے یا فی مسکین غلہ کے صدقہ کے عوض ایک روزہ رکھے کہ اگر اس قیمت سے دس صاع گندم آتی ہے تو بیس روزے رکھے روزے خواہ وہاں ہی رکھ لے یا حرم شریف پہنچ کر یہ سزا اسی لئے ہے کہ یہ شکاری اپنے اس جرم کا وبال چکھے اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرے اس آیت کے نزول سے پہلے جو کچھ تم بحالت احرام شکار کر چکے ہو اگرچہ ان پر بھی سزا تو چاہئے تھی مگر خیر ہم نے معاف فرما دیا جو کوئی دوبارہ پھر شکار کرے خواہ پہلے شکار کی سزا بھگت کر یا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اس سے بھی یہ ہی بدلہ لے گا کہ اس کو دوبارہ یہ ہی سزا بھگتنا پڑے گی اللہ سے ڈرو وہ بڑا غالب بھی ہے بدلہ لینے والا بھی اسے کوئی سزا سے روک نہیں سکتا۔

تتمہ : جب محرم بھوک سے مر رہا ہو اور سامنے مردار بھی ہو اور شکار بھی تو امام زفر کے ہاں مردار کھالے شکار نہ کرے کہ مردار کی حرمت ایک وجہ سے ہے اور اس شکار کی حرمت چند وجہ سے مگر امام اعظم کے نزدیک شکار کر کے کھائے اور اس کا کفارہ دے دے مردار نہ کھائے کہ مردار کی حرمت دائمی ہے اس شکار کی حرمت عارضی کہ احرام کھل جانے یا حرم سے باہر نکل جانے

پر ختم ہو جاتی ہے (مبسوط، تفسیر روح المعانی) اگر مردار اور شکار مذبوحہ موجود ہو تو سب کے نزدیک یہ شکار کھائے مردار نہ کھائے (دیکھو روح المعانی)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: احرام و حرم کے یہ احترامات یعنی شکار کی یہ جزائیں صرف مسلمانوں کے لئے ہیں، کفار ان کے مکلف نہیں یہ فائدہ اس آیت کے اول میں یا ایہا الذین امنوا فرمانے سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ: جو لاوارث بے یارو مددگار اللہ کے پیاروں کی پناہ لے لے وہ دنیاوی آفات سے بھی بچ جاتا ہے، یہ فائدہ لا تقتلوا الصید فرمانے سے حاصل ہوا کہ پالتو جانور اپنے مالک کی امان میں ہے اس کا ذبح حرم و احرام میں جائز ہے شکاری جانور لاوارث بے یارو مددگار ہے اس نے کعبہ معظمہ کی امان لی کہ اس کے حدود حرم میں آگیا تو وہ امان پا گیا کہ اس کا شکار کرنا حرام قرار دیا لہٰذا اگر ہم جیسے نکارے مجرم جن کا کوئی ولی وارث نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیں تو انشاء اللہ دنیا و آخرت کے عذاب سے بچ جائے گے۔

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام! ہیچو کاہے آدم کوہے گناہ آوردہ ام

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

تیسرا فائدہ: کعبہ معظمہ کی حدود حرم کعبہ کا دامن پناہ ہیں کہ جو ان حدود میں آگیا گویا کعبہ میں آگیا کعبہ نے اسے پناہ دے دی یوں ہی حضرات اولیاء اللہ و علماء دین کعبہ مصطفوی کے حدود حرم میں جو ولی کی نگاہ میں آگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم کرم تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے کوئی آئے تو سہی یہ فائدہ وانتم حرم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ومن دخلہ کان امنا غرضیکہ حرم کعبہ، حرم جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا فرق ہے حرم کعبہ میں شکار کو شکاری سے امان ہے۔ حرم مصطفوی میں گنہگار کو عذاب نار اور قہاری سے امان ہے صلی اللہ علیہ وسلم خدا اس حرم سے الگ نہ کرے۔

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے! بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

چوتھا فائدہ: محرم اور حدود حرم کا ذبح کیا ہوا شکار حرام ہے جسے کوئی نہیں کھا سکتا نہ محرم نہ دوسرا کوئی اور یہ فائدہ ومن قتلہ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے من ذبحہ یا من صادہ نہ فرمایا بلکہ قتلہ فرمایا فقہی معمے: ہم تیزی ذہن کے لئے چند فقہی معمے عرض کرتے ہیں۔ معمہ: وہ کون مسلمان ہے جس کا ذبیحہ حرام ہے۔ حل: وہ احرام یا حرم والا مسلمان ہے جس کا ذبیحہ شکار حرام ہے۔ حتیٰ کی بعض اماموں کے ہاں یہ مردار سے بھی بدتر ہے، جیسا کر خلاصہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ معمہ: وہ کون مسلمان ہے جس پر اس کی بیوی حرام ہے حل: یہ وہ حاجی ہے جو حج کر کے طواف زیارت کئے بغیر واپس آجائے وہ جب تک پھر مکہ معظمہ جا کر طواف زیارت نہ کرے تب تک اس کی بیوی اس پر حرام ہے معمہ: وہ کون سا مسلمان ہے کہ جب نماز پڑھے تو ہو جائے مگر بعد میں وہ درست نماز خود بخود باطل ہو جائے، حل: یہ وہ شہری مسلمان ہے جو جمعہ کے دن نماز ظہر اپنے گھر پڑھ لے پھر بعد نماز جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آئے وہاں جمعہ کی نماز تیار پائے اس کی ظہر پہلے درست ہوئی تھی اب نماز جمعہ پالینے کی وجہ سے اس کی ظہر باطل ہو گئی۔ معمہ: وہ کون مسافر ہے جو اپنے گھر میں نماز ادا پڑھے مگر قصر پڑھے حل: یہ وہ شخص ہے جس کا گھر کنارہ شہر پر ہو اپنے گھر سے بہ ارادہ سفر نکلے کچھ دور جا کر نماز قصر شروع کر دے دوران نماز وضو ٹوٹ جائے وہ گھر میں

لوٹ کر وضو کرے وہاں ہی یہ نماز پوری کرے تو یہ شخص یہ نماز قصر کرے گا۔ معمہ: وہ کون مسلمان ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو نہ ہو کچھ عرصہ بعد وہ باطل نماز بغیر اعادہ خود بخود ہو جائے حل: یہ وہ صاحب ترتیب مسلمان ہے، جس کی ایک نماز رہ جائے وہ اسے بغیر قضا کئے ہوئے اگلی نمازیں پڑھتا رہے۔ چونکہ اس پر ترتیب فرض تھی اس لئے اس کی کوئی نماز نہ ہوگی مگر جب یہ نمازیں پانچ سے زیادہ ہو جائیں گی تو سب درست ہو جائیں گی کہ اب اس پر ترتیب فرض نہ رہی۔ پانچواں فائدہ: اگر محرم شکاری ہدی دے تو اس کا حرم شریف میں جا کر ذبح کرنا ضروری ہے، حل میں اسے ذبح نہیں کر سکتا لیکن اگر مساکین کو صدقہ یا روزے سے کفارہ دے تو ہر جگہ دے سکتا ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں ہدی میں قید لگائی گئی بالغ الکعبہ کی مگر مسکینوں کو کھانا دینے اور روزوں میں یہ قید نہیں اسے مطلق رکھا گیا۔ مقید میں قید ہے مطلق میں اطلاق، مسئلہ حرم یا حرام میں شکار کے تین کفارے ہیں، ایک یہ کہ اس شکار کی قیمت کا جانور خرید کر حرم شریف کی حدود میں ذبح کر دے۔ دوسرے یہ کہ اس قیمت کی گندم خرید کر ہر مسکین کو فطرے کی بقدر یعنی سوا دو سیر دے، تیسرے یہ کہ ہر سوا دو سیر کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: اگر محرم چند شکار کرے تو ہر شکار کا مستقل ایک کفارہ واجب ہوگا۔ مسئلہ: حدیث شریف سے ثابت ہے کہ محرم کا شکاری کو کسی قسم کی مدد دینا بھی حرام ہے نہ اسے شکار بتائے نہ بندوق وغیرہ اٹھا کر دے نہ ذبح وغیرہ میں مدد دے اگر کرے گا تو اس پر بھی کفارہ مذکورہ واجب ہوگا۔ مسئلہ: ان مذکورہ کفارات میں یہ اختیار خود شکاری محرم کو ہوگا کہ وہ چاہے تو ہدی لے جائے چاہے مساکین کو کھانا دے، چاہے روزے رکھے قیمت لگنے والے عادلوں کو نہیں یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے (تفسیرات احمدیہ)۔ چھٹا فائدہ: مدینہ منورہ کی حدود میں شکار کر لینے پر مذکورہ کفارہ واجب نہیں یہ ہی امام اعظم کا قول ہے امام شافعی کے ہاں وہاں کے شکار پر بھی کفارہ واجب ہے امام اعظم کی دلیل یہ ہی آیت ہے کہ یہاں ارشاد ہوا وانتم حرم ساتواں فائدہ: اگر محرم شکار کا کفارہ ادا کرنے کے بعد پھر دوسرا شکار کرے تو اس پر دوسرا کفارہ واجب ہوگا، یہ فائدہ ومن عاد فینتقم اللہ سے حاصل ہوا تمام ائمہ دین کا یہی مذہب ہے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر کفارہ واجب نہ ہوگا وہ یہاں انتقام سے مراد لیتے ہیں صرف اخروی عذاب باقی صحابہ دنیاوی کفارہ اور اخروی عذاب دونوں مراد لیتے ہیں (تفسیر خازن) آٹھواں فائدہ: اس آیت کے نزول سے پہلے اور اس قانون کے بننے سے پہلے جن محرموں نے شکار کر لئے تھے ان پر نہ گناہ ہے نہ کفارہ کیونکہ گناہ ہوتا ہے قانون شکنی سے جب قانون ہی نہ بنا تھا تو اس کے توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ فائدہ عفا اللہ سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: گناہ چند قسم کے ہیں وہ گناہ جس پر نہ سزا ہو نہ کفارہ جیسے جھوٹ بولنا غیبت کرنا وغیرہ، وہ گناہ جن پر سزا ہے جیسے چوری، قتل، زنا، تہمت زنا وغیرہ۔ تیسرے وہ گناہ جن پر سزا نہیں مگر کفارہ ہے جیسے رمضان شریف میں روزہ توڑ دینا، قسم توڑ دینا وغیرہ سزا میں محض عذاب ہوتا ہے اسے حاکم جاری کرتا ہے مگر کفارہ میں ثواب بھی ہوتا ہے اور اسے مجرم خود اپنے پر جاری کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جن جرموں میں بندہ کی حق تلفی ہو ان پر سزا دی جاتی ہے اور جن جرموں میں کسی محترم چیز کی بے حرمتی ہو ان میں کفارہ ہوتا ہے اور جن جرموں میں یہ کوئی چیز نہ ہو ان میں نہ سزا ہے نہ کفارہ صرف توبہ ہوتی ہے، حرم یا احرام کے شکار میں کعبہ معظمہ اور حج کی بے حرمتی ہے اس لئے اس پر کفارہ واجب ہے یہ جرم اسی تیسری قسم کا ہے۔

پہلا اعتراض : یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کہ **لا تقتلوا الصید وانتم حرم** یہ مضمون صرف **لا تصید وامحرمون** سے حاصل ہو سکتا تھا۔ جواب: اس دراز عبارت میں دو مسئلے بتائے گئے ایک یہ کہ محرم کا شکار حرم ہے وہ مذبوح نہیں بلکہ مقتول ہے دوسرے یہ کہ اس حرمت کی علت حرم یا احرام ہے ان دونوں سے نکلتے ہی شکار حلال ہے' دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عمداً" شکار کرنے سے محرم پر یہ مذکورہ کفارہ واجب ہے مگر تم کہتے ہو کہ خطاً" شکار سے بھی یہ کفارہ واجب ہے تمہارا یہ قول قرآن کریم کے فرمان متعمداً" کے خلاف ہے (سعید ابن جبیر)۔ خیال رہے کہ سواء سعید ابن جبیر کے کسی فقیہ نے خطاً" شکار کے کفارہ کا انکار نہ کیا ان کا یہ قول بالکل شاذ ہے (خازن)۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ عمداً" شکار پر کفارہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور خطاً" شکار کا کفارہ حدیث شریف سے ثابت' ہمارا ایمان قرآن و حدیث دونوں پر ہے ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں متعمداً" کی قید گناہ کے لئے لگی گئی ہو اس لئے آگے ارشاد ہے **لیذوق وبال امرہ** تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شکار کے کفارے میں اس کا ہم شکل جانور ذبح کرنا ہی واجب ہے جیسے ہرن کے شکار میں بکری نیل گائے کے شکار میں گائے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **من النعم** یہ نعم مثل کا بیان ہے من بیانیہ ہے پھر تم لوگ قیمت کیوں واجب کرتے ہو (شافعی)۔ جواب: احناف کے نزدیک **من النعم ما قتل** کا بیان ہے نہ کہ مثل کا یعنی محرم نے جو جانور شکار کر لیا اس کی مثل قیمت دے اس کی دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **یحکم بہ ذوا عدل** اس مثل کا فیصلہ دو متقی مسلمان کریں' ظاہر ہے کہ فیصلہ قیمت کا ہی کریں گے نہ کہ اس شکار کے ہم شکل جانور کا' دوسرے یہ کہ امام اعظم کے مذہب پر یہ آیت اپنے عموم پر رہے گی کیونکہ قیمت ہر شکار کی ہو سکتی ہے مگر امام شافعی کے ہاں اس آیت میں قید لگانی پڑے گی کیونکہ ہر شکار کا ہم شکل جانور نہیں ملتا تو وہ حضرات ایسے شکار میں قیمت ہی واجب کرتے ہیں آیت کو عموم پر رکھنا قید لگنے سے بہتر ہے لہٰذا مذہب احناف بہت قوی ہے۔ چوتھا اعتراض: چاہیے یہ کہ شکار کے کفارے کے روزے اور اس کی قیمت کا صدقہ بھی حرم شریف میں ہی ہو کیونکہ ہدی بھی وہاں ہی ذبح ہوتی ہے پھر تم صدقہ اور روزوں کو ہر جگہ کیوں جائز کہتے ہو (شافعی)۔ جواب: اس لئے کہ قرآن کریم نے صرف ہدی میں یہ قید لگائی ہے کہ حرم میں ذبح کرنا ہو' فرمایا **ھدیا بالغ الکعبۃ** صدقہ اور روزوں میں یہ قید نہیں لگائی' قرآن کریم کے مقید و مطلق پر ایسے عمل چاہیے کہ مقید مقید رہے اور مطلق مطلق اس میں کوئی تبدیلی نہ کرنی چاہیے نیز صدقہ اور روزے ہر جگہ عبادت ہیں ہر وقت عبادت ہیں مگر جانور ذبح کرنا یا تو خاص زمانہ میں عبادت ہے' جیسے قربانی یا خاص جگہ میں جیسے ہدی لہٰذا ہدی میں قید لگانا درست ہے مگر روزوں یا صدقہ میں کوئی قید لگانا درست نہیں مذہب احناف بہت ہی قوی ہے۔

نوٹ ضروری : یہ آیت کریمہ شکار احرام کے مسائل کا سرچشمہ ہے تمام اماموں نے اسی آیت سے اپنے اپنے مذہب کے مطابق اس سے مسائل نکالے ہیں اس کی تحقیق اور تفصیل کے لئے کتب فقہ کا مطالعہ فرماؤ ہم نے مذہب حنفی پر مذکورہ تفسیر کی ہے جو نہایت ہی قوی ہے دوسرے اماموں کی تفاسیر اور ان پر جرح قدح بڑی کتب میں ملاحظہ کرو' خصوصاً" تفسیر احمدی اور روح المعانی میں' ہم نے جس قدر عرض کر دیا اس میں کفایت ہے۔

تفسیر صوفیانہ : مومن دو قسم کے ہیں اہل سلوک اور اہل محبت یعنی جنہوں نے عشق خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام باندھ لیا' سلوک والے گویا حلال ہیں محبت والے گویا محرم ہیں نفسانی عیش و آرام دنیاوی چیزیں گویا خشکی کا شکار ہیں فرمایا جا رہا ہے

کہ اے محبت کا احرام باندھ کر کعبہ وصل کی طرف جانے والو تم خود شکار ہو چکے ہو اور شکار خود شکار نہیں کرتا للذا تم بھی اس دنیاوی شکار سے باز رہو جو طالب مولیٰ ان میں سے کوئی شکار کرلے کہ حرص و ہوس دنیاوی عیش میں مشغول ہو بیٹھے تو اسی عیش کی بقدر مجاہدہ و ریاضت کر کے اس کا کفارہ دے مگر اس مجاہدہ کا فیصلہ وہ حاکم یعنی دل اور روح کریں کہ اس کے عرض ترک طعام ترک شراب، مال کی خیرات، ضبط حواس گوشہ نشینی، وغیرہ سے کفارہ دے مگر یہ کفارے ایسے اخلاص سے ہوں کہ کعبہ قبولیت پہنچ جائیں یا اپنے اندرونی پانچ مسکینوں کو پانچ کھانے دے یعنی عقل قلب سر، روح، خفی کو روحانی غذائیں، صدق، نیت، حلق سے کنارہ کشی مکروہات پر صبر، مرغوبات سے علیحدگی و یکسوئی، اللہ کی عطاؤں پر شکر، رضا بالقضاء ازلی احکام پر سر تسلیم جھکانا یہ ان مساکین کی غذائیں ہیں یا ان کے برابر روزے رکھے، صوفیاء کے ہاں روحانی روزے یہ ہیں کہ اپنے کو اغیار سے علیحدہ رکھے ملک جبار کی طرف میلان کو اختیار کرے یہ تمام کفارات اس لئے ہیں کہ نفس امارہ اپنی سرکشی کی سزا پائے کہ وہ لذتوں، شہوتوں، غفلتوں میں مشغول ہوا تو اس کو یہ مذکورہ کام کرا کر سزا دو جو کچھ یہ لوگ طالبین محسنین بننے سے پہلے کر چکے ان کی معافی ہے جو دنیا کا تارک ہو کر پھر دنیا کی طرف لوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لے گا کہ اسے دنیا میں رسوائی آخرت میں خسارہ دے گا اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے، بدلہ لینے والا بھی مولانا فرماتے ہیں۔

عاشق صنع توام در شکر و صبر — عاشق مصنوع کے باشم جو گبر
عاشق صنع خدا بافر بود! — عاشق مصنوع او کافر بود

عشق و محبت صانع عالم سے کرو یا اس کی صنعت سے مصنوع سے عشق عشاق کے نزدیک کفر ہے کہ مصنوعات اغیار میں یار کے جویاں اغیار میں نہیں پھنستے مشرک مصنوعات الیہ کا پجاری ہے، مومن مصنوعات کے ذریعہ صانع کو پہچان کر اسے پوجتا ہے، مومن کے مصنوع معرفت صانع کا زینہ ہے کافر کے لئے مصنوع جال ہے، (تفسیر روح البیان)۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ

حلال کیا گیا تمہارے واسطے شکار دریا کا اور کھانا اس کا نفع کے لئے واسطے تمہارے اور واسطے مسافروں کے اور حرام کیا گیا اوپر

حلال ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدے کو اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار

الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

تمہارے شکار خشکی کا جب تک رہو تم احرام والے اور ڈرو اللہ سے وہ کہ اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے تم

جب تک تم احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حج یا عمرہ کے احرام والوں کو شکار سے روکا گیا تھا، اب بعض شکاروں کی اجازت دی جا رہی ہے گویا یہ آیت عام حکم کے بعد خاص حکم دے رہی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں محرم کو شکار کے قتل سے منع فرمایا گیا جس سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ جو جانور قتل و ذبح کے

لائق ہوں ان کا شکار محرم کے لئے حرام ہے اور جو جانور قابل ذبح نہ ہوں ان کا حکم یہ نہیں اب اس سے اشارے کی تصریح فرمائی جارہی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر و تشریح ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں محرم کو شکار سے روکا گیا تھا مگر دریائی شکار سے روک دینا سخت تکلیف کا باعث تھا کہ بعض ملک کے لوگ صرف مچھلی پر ہی گزارہ کرتے ہیں' اس لئے اب آسانی فرمائی جارہی ہے کیونکہ خشکی کے شکار پر کسی قوم کا گذارہ نہیں مگر دریائی شکار پر بہت سی قوموں کا گذارہ ہے وہ دوسری چیز کھا ہی نہیں سکتے۔

تفسیر : **احل لکم** احل بنا حلال سے بمعنی مباح' یہ حرام کا مقابل ہے یا تو یہ اجازت ہے بصورت خبر یعنی آج سے حلال کیا گیا جیسے **احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نساء کم** یا بمعنی خبر ہی ہے یعنی پہلے ہی سے حلال رکھا گیا ہے لکم میں خطاب احرام والے مسلمانوں سے ہے خواہ حج کا احرام باندھے ہوں یا عمرہ کا یعنی اے احرام والو تمہارے لئے آج سے حلال کیا گیا یا پہلے ہی سے حلال رکھا گیا **صید البحر وطعامہ** یہ عبارت احل کا نائب فاعل ہے صید کے معنی ہیں شکار کرنا یا شکاری جانور یعنی یہ یا تو بمعنی مصدر ہے یا بمعنی مفعول ہے **بحر** سے مراد مطلقاً پانی ہے خواہ بحر ہو یا نہر یا تالاب دریائی شکار وہ ہے جو پانی میں ہی پیدا ہو اور پانی ہی میں رہے۔ خشکی میں زندہ نہ رہ سکے حلال ہو یا حرام کیسے مچھلی یا مگرمچھ یا کیکڑا وغیرہ جو جانور دریا میں بھی رہے خشکی میں بھی جیسے مینڈک یا بطخ ٹڈی وغیرہ یہ دریائی شکار نہیں ان کا شکار کرنا محرم کو جائز نہیں اگر شکار کرے گا تو کفارہ مذکورہ دینا پڑے گا۔ **طعام** سے مراد وہ مچھلی ہے جسے دریا باہر پھینک دے اور وہ مر جائے حضرت ابوبکر و عمر ابو ایوب انصاری وغیرہم' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ ہی قول ہے یعنی محرم کو دریائی شکار کرنا' بھی حلال ہے اور جو دریا کنارہ پر پھینک دے اور وہ مر جائے وہ بھی حلال بعض نے فرمایا کہ تازہ مچھلی صید بحر ہے اور خشک مچھلی طعام بحر یہ دونوں حلال ہیں دیکھو حضرت یوشع علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے تو ساتھ میں مچھلی لے گئے عرصہ تک وہی کھاتے رہے (تفسیر احمدی) بعض نے فرمایا کہ صید بحر سے مراد ہے دریا کا ہر شکار حلال ہو یا حرام اور طعامہ سے صرف حلال شکار مراد ہے لہذا یہ عام کے بعد خاص ہے' بعض نے فرمایا کہ صید بحر سے مراد ہے خود محرم کا شکار کرنا اور طعامہ سے مراد ہے' دوسرے کا شکار کیا ہوا کھانا کہ یہ دونوں حلال ہیں خیال رہے کہ احناف کے ہاں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور حرام ہیں امام احمد بن حنبل کے ہاں مینڈک اور ناکہ (مگرمچھ) کے سوا تمام دریائی جانور حلال ہیں امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک تمام دریائی جانور حلال ہیں بعض ائمہ کے نزدیک جن دریائی جانوروں کی مثل خشکی کا جانور حلال ہو وہ دریائی بھی حلال ہے اور جن کا مثل خشکی کا جانور حرام ہو وہ دریائی بھی حرام ہے لہذا دریائی گائے بھینس حلال ہے اور دریائی کتا دریائی سور دریائی انسان حرام ہے (تفسیر خازن) **متاعا لکم وللسیارۃ** **متاعا** **احل** کا مفعول لہ ہے یا مشتمل پوشیدہ کا مفعول مطلق جس چیز سے نفع حاصل کیا جاوے وہ متاع ہے یا متاع بمعنی نفع حاصل کرنا لکم میں خطاب محرمین سے ہے سیارہ مبالغہ ہے سیر کا بمعنی چلنا سیارہ راہ گیر مسافر خواہ ایک ہو یا چند ہوں قافلے کی شکل میں یعنی اللہ تعالیٰ نے دریائی شکار حلال فرمادیا تم احرام والوں اور دوسرے مسافروں کو نفع دینے کے لئے رب تعالیٰ کی تم پر یہ خاص مہربانی ہے۔ لہذا مقامی محرم یہ شکار تازہ بہ تازہ کھائیں اور مسافر مچھلی خشک کر کے اپنے ساتھ توشہ کے طور پر رکھیں' سب درست ہے' اس لئے یہاں لکم بھی فرمایا گیا اور للسیارۃ بھی۔ **وحرم علیکم صید البر** یہ

محرمین کے لئے دوسرا حکم ہے حرم بنا ہے تحریم سے جس کا مادہ حرمت ہے۔ حلت کا مقابل یعنی ناجائز بھی حرمت بمعنی عزت و احترام بھی آتا ہے' جیسے بیت الحرام' اشہر حرام یہاں وہ معنی مراد نہیں یہاں حرم خبر کے لئے ہے کیونکہ نی شکار پہلے ہی حرام کیا جا چکا ہے' یہاں اس کا ذکر تاکید کے لئے ہے علیکم میں خطاب ان ہی احرام والے حاجیوں یا عمرہ کرنے والوں سے ہے جن کا ذکر ابھی ہو چکا یہاں بھی صید سے مراد یا شکار کرنا ہے یا شکار کا جانور خشکی کا شکار وہ جانور ہے جو خشکی میں رہ سکے اس کی پیدائش خواہ پانی میں ہو' خواہ خشکی میں لہذا ہرن' خرگوش کا شکار بھی محرم کو حرام ہے اور مرغابی' قاز' بطخ کا شکار بھی حرام ہے شکاری جانور وہ ہے جو بذات خود انسان سے وحشت کرے لہذا پالا ہوا ہرن بھی محرم کے لئے حرام ہے کہ وہ اگرچہ اب مانوس ہو گیا مگر اصل میں ہے وحشی اگر کوئی حلال آدمی شکار کرے وہ محرم کھا سکتا ہے جبکہ اس کے شکار میں کسی محرم نے مدد نہ کی ہو یہ ہی امام اعظم کا قول ہے خیال رہے کہ محرم پر خشکی کا شکار مطلقاً حرام ہے خواہ حلال جانور کا شکار کرے یا حرام کا لہذا محرم نہ تو ہرن کا شکار کر سکتا ہے نہ جنگلی سور کا نیز محرم کو بھیڑیئے' چیل کوے کا شکار کرنا حلال ہے' باقی درندوں میں تفصیل ہے اگر وہ حملہ کریں تو ان کا شکار کر سکتا ہے' بغیر حملہ کے نہیں کر سکتا اگر کر لیا تو اس کی قیمت خیرات کرنا پڑے گی جو بکری سے زیادہ نہ کی جاوے گی لہذا شیر' چیتا' شکرہ' باز وغیرہ کا شکار کرنا محرم کو ممنوع ہے' اس کی تفصیل کتب فقہ اور تفسیر روح المعانی وغیرہ میں دیکھو' ما دمتم حرما یہ حرام کے لئے قید ہے حرم بمعنی محرمین ہے یعنی جب تک تم احرام میں رہو' تب تک تم پر خشکی کا شکار حرام ہے خیال رہے کہ بحالت احرام شکار کی حرمت احرام ختم ہو جانے سے ختم ہو جاتی ہے مگر حرم شریف کے شکار کی حرمت کبھی ختم نہیں ہوتی ہے وہ بہر حال حرام ہیں محرم اور حلال کوئی بھی ان کا شکار نہیں کر سکتا واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون اس حرمت کی اہمیت دکھانے کے لئے مضمون کو اس جملہ پر ختم کیا گیا یعنی ان احکام کی مخالفت نہ کرو اللہ سے ڈرو تم سب کو وہاں ہی حاضر ہونا ہے اس کے حضور جمع ہونا ہے اس کی پکڑ سے کسی طرح نہیں چھوٹ سکتے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے حج عمرہ کے احرام والو شکار کے متعلق تم کو یہ آسانی دی جاتی ہے کہ تمہارے لئے بحالت احرام دریائی شکار حلال کیا گیا تم دریائی جانوروں کو شکار بھی کر سکتے ہو اور اگر بغیر شکار تم کو مل جاویں تو انہیں کھا بھی سکتے ہو اگر مچھلی کا شکار کرو تو جائز ہے اور اگر دریا نے مچھلیاں کنارے پر پھینک دیں تو بھی کھا سکتے ہو اس میں مقامی محرم اور مسافرین محرم کا سامان ہے کہ مقامی محرم تازہ مچھلیاں کھائیں مسافر محرم خشک مچھلیاں کھاتے رہیں ہاں جب تک تم احرام کی حالت میں رہو تب تک تم پر خشکی کا شکار حرام ہے اس کی سزا پچھلی آیت کریمہ میں بیان ہو چکی احرام کھل جانے پر خشکی کا شکار بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ حرم شریف کے حدود کا نہ ہو ان احکام کو معمولی نہ سمجھو بہت سختی ہے ان پر عمل کرو اللہ سے ڈرتے رہو جس کی بارگاہ میں تم کو حاضر ہونا اور سب کو جمع ہونا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دریائی شکار مطلقاً حلال ہے۔ خواہ احرام والا کرے یا حلال آدمی اور خواہ حرم شریف کے حدود کا شکار ہو یا بیرون حرم کا یعنی حل کلیہ فائدہ واحل لکم سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** بحالت احرام محرم خود بھی دریائی شکار کر سکتا ہے اور دوسرے کا کیا ہوا بھی کھا سکتا ہے اور اگر دریا خود ہی اسے پھینک دے جب بھی کھا سکتا ہے یہ فائدہ وطعامہ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** خشک مچھلی کھانا جائز ہے یہ فائدہ وللسیارۃ فرمانے سے حاصل ہوا حضرات صحابہ کرام نے ایک بار ایک بڑی مچھلی کا گوشت چند دن تک کھایا جیسا کہ احادیث میں ہے حضرت یوشع

وموسیٰ علیہ السلام نے تلاش خضر کے پورے سفر میں مچھلی کھائی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ **چوتھا فائدہ:** محرم کے لئے خشکی کا شکار مطلقاً حرام ہے یعنی شکار کرنا بھی اور دوسرے محرم کا مارا ہوا شکار بھی یہ فائدے وحرم سے حاصل ہوئے **پانچواں فائدہ:** احرام کی حرمت احرام کھلتے ہی ختم ہو جاتی ہے مگر حرم شریف کا شکار کبھی کوئی نہیں کر سکتا یہ فائدہ ماد متم حوما سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** بحالت احرام خشکی کا شکار کرنا سخت جرم ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں چار طرح اس کی ممانعت فرمائی اولاً" فرمایا **لا تقتلوا الصید** پھر اس کی سزا کا ذکر فرمایا پھر فرمایا **لیذوق وبال امرہ** پھر یہاں فرمایا **وحرم علیکم صید البر**۔ ان تاکیدوں کی تکرار سے اس حکم کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

مسئلہ: محرم بحالت احرام مکھی، مچھر، جوں، کھٹل بھی نہیں مار سکتا کیونکہ یہ چیزیں موذی نہیں، موذی وہ جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کر دے۔ لہٰذا سانپ، بچھو، چوہا، چیل، کوا موذی ہیں کہ یہ بلاوجہ انسان کا نقصان کرتے اسے تکلیف پہنچاتے ہیں مگر جوں، کھٹل، وغیرہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے انسان کو کاٹتے اس کا خون چوستے ہیں یہ فرق خیال میں رہے۔

مسئلہ: محرم کو بحالت احرام سر منڈانا جسم کا کوئی بال اکھیڑنا حرام ہے اگر ایسا کرے گا تو اس کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس قسم کے مسائل کتب فقہ خصوصاً" بہار شریعت میں دیکھو۔ **ساتواں فائدہ:** احرام کھل جانے کے بعد شکار کرنا تو جائز ہو گا مگر حالت احرام کا شکار کیا ہوا جانور حرام ہی رہے گا لہٰذا **ما دمتم حرما** کی قید شکار کرنے کے لئے ہے۔

پہلا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ بحالت احرام خشکی کا شکار تو حرام کر دیا جاتا ہے مگر دریائی شکار حلال رہتا ہے وہ بھی تو اللہ کی مخلوق ہے اسے حرم و احرام میں امان کیوں نہ دی گئی فرق کیا ہے۔ **جواب:** اس قسم کے احکام ہماری عقل سے وراء ہیں ہر جگہ عقلی گھوڑے دوڑانا نہیں چاہئیں کہیں عقل کے ہتھیار ڈال دینا چاہئیں صرف فرمان کی اطاعت ضروری ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن که جائے سپر باید انداختن

معلوم یہ ہوتا ہے کہ بحالت احرام خشکی کے شکار کا موقعہ تو بہت ملتا ہے مگر دریائی شکار کا موقعہ بہت کم میسر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ حرم شریف کی حدود میں کوئی دریا، نہر ہے ہی نہیں نیز خشکی کے شکار میں مشغولیت بہت ہوتی ہے دریائی شکار میں مشغولیت بہت کم وہ گھنٹوں میں ہوتا ہے یہ منٹوں سیکنڈوں میں لہٰذا خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا تاکہ حاجی اس میں اپنا وقت صرف نہ کریں اللہ اللہ اور ارکان حج و عمرہ کی ادا میں مشغول رہیں نیز خشکی کے شکار میں کبھی غلطی سے آدمی بھی مارا جاتا ہے کہ شکار کو گولی ماری آدمی زد میں آگیا مگر دریائی شکار میں ایسا کبھی نہیں ہوتا اس میں کسی انسانی جان کا خطرہ نہیں کہ انسان خشکی میں رہتے ہیں دریا میں نہیں رہتے نیز بعض ملک کے باشندے صرف مچھلی پر ہی گزارہ کرتے ہیں اور چیز کھا سکتے ہی نہیں مگر خشکی کے شکار پر گزارہ کسی کا نہیں۔ اگر مچھلی حرام کر دی جاتی تو وہاں کے مسلمان حج و عمرہ نہ کر سکتے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا کا ہر شکار حلال ہے، مچھلی ہو یا دریائی کتا سور کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **صید البحر وطعامہ**۔ جو جانور دریا کا شکار ہے وہی ہماری غذا ہے۔ جب سارے دریائی جانور صید ہیں تو وہ سب حلال غذا بھی ہیں۔ (نوٹ) یہ ان حضرات کا اعتراض ہے جو ہر دریائی جانور کو حلال سمجھتے ہیں، جیسے ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **وطعامہ** میں ہ کا مرجع صید نہیں بلکہ بحر ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس مچھلی کا شکار نہ کیا جا سکے بلکہ دریا ہی اسے مار دے کہ اسے کنارہ پر پھینک دے وہ بھی

حلال ہے یعنی دریا کا ہر شکار حلال نہیں بلکہ اس کا مارا ہوا حلال جانور بھی حلال ہے اگرچہ اس کا شکار نہ کیا جاوے اس کی تفسیر وہ
حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مارا ہوا حلال جانور بھی حلال ہے اگرچہ اس کا شکار نہ کیا جائے اس کی تفسیر وہ
حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **یحل میتۃ** دریا کا مارا ہوا جانور حلال ہے لہٰذا اگر مچھلی دریا میں ہی مر کر تر جائے وہ
حرام ہے کو وہ دریا کی ماری ہوئی نہیں بلکہ بیماری کی ماری ہوئی ہے اور اگر تیر یا گولی سے ماری جائے تو حلال ہے کہ یہ شکار کی ہوئی
ہے 'یہ فرق خیال میں رہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **متاعا لکم وللسیارۃ** تمہارے اور مسافروں کے لئے
نفع کا سامان اتنی دراز عبارت سے فائدہ کوئی نہیں معلوم ہوتا اس عبارت سے فائدہ کیا ہے۔ **جواب:** اس کے دو مقصد ہیں
ایک یہ کہ مچھلی تازہ بھی حلال ہے یہ بات **لکم** سے بتائی گئی اور باسی سوکھی بھی حلال۔ یہ بات **وللسیارۃ** سے بتائی گئی دوسرے
گوشت بدبو چھوڑ دیں تو حرام ہو جاتے ہیں مگر مچھلی حلال رہتی ہے دوسرے یہ کہ مچھلی کا صرف کھانا ہی جائز نہیں بلکہ اس کا ہر
استعمال حلال ہے۔ مچھلی کے تیل سے علاج اس کی بدن پر مالش وغیرہ سب کچھ حلال ہے احرام والوں کے لئے بھی اور غیر محرمین
کے لئے بھی۔

تفسیر صوفیانہ: اے بحر حقیقت میں غوطہ لگانے والو اور خالق کعبہ کی طرف قصد کر کے جانے والو اس سفر میں احرام باندھنے
والو تمہارے لئے اس دریا کے شکار یعنی دریاء معرفت کے مشاہدان کشف اور دلی واردات سب حلال ہیں یہ تمہارے لئے اور
تمام مسافرین راہ معرفت کے لئے روحانی غذائیں ہیں کہ تم ان واردات ان تجلی صفات سے خوب سیر ہو گے' حضور صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب کے پاس راتیں گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ان شکاروں سے تم خود بھی کھاؤ اور
دوسرے مسافرین راہ کو بھی کھلاؤ **فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر** خود کھاؤ فقراء کو کھلاؤ' مشائخ و علماء راسخین کے
ساتھ ان کے زیر تربیت طلباء کو بھی بہت کچھ مل جاتا ہے مگر خیال رکھنا کہ اس سفر میں خشکی کے شکار دنیا کے مطالب یہاں کے
منافع حرام ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا والوں پر آخرت حرام ہے اور آخرت والوں پر دنیا حرام ہے۔ اللہ والوں پر دونوں حرام
ہیں ان کا مقصود ذات معبود ہے باقی تمام موجود سے وہ الگ ہیں۔ جب تک تم کعبہ وصال اور قبلہ وصول کے لئے احرام باندھے
رہو۔ دنیا سے الگ رہو۔ یہاں صحو اور محو یعنی بقا اور فنا جمع نہیں ہوتیں ہوش و غشی دو ضدیں ہیں یہ جمع کیسے ہوں' یہاں ماحی بنو
صاحی نہ بنو' خبردار نہ بنو بے خبر بنو۔

این مدعیان در طلبش بے خبر انند   آنرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد!

صاحی یعنی باہوش کے افعال اپنے ہوتے ہیں مگر ماحی یعنی جو اس میں مر مٹا محو ہو گیا اس کے افعال اپنے نہیں ہوتے رب کے
ہوتے ہیں پھر جب تم حلال ہو جاؤ یعنی وصول کے ارکان سے فارغ ہو کر اصول کی راہ چلو تو تم سے یہ پابندیاں اٹھ جائیں گی اب تم
طائفین عاکفین ہو کر دنیا کا شکار کرو حلال روزی خوب کھاؤ کھلاؤ کھلاؤ تم کو اللہ کی بارگاہ میں جمع ہونا ہے' لہٰذا دنیا میں ہر غیر اللہ سے
بچو اللہ تعالیٰ حور بعد الکور یعنی وصال کے بعد فراق سے بچائے' غرضیکہ احرام کعبہ کے احکام اور ہیں احرام خالق کعبہ کے احکام
کچھ اور (تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم روحانیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا سمندر ہیں ولایت کے سلسلے
گویا مختلف دریا ہیں جو اس سمندر سے نکلے ہیں طریقت کے مسائل گویا اس سمندر و دریا کے شکار ہیں دنیا گویا خشکی ہے دنیا کی
چیزیں جو شریعت کے قانون کے ماتحت ہیں گویا وہ خشکی کے پالتو جانور ہیں اور دنیا کی حرام چیزیں گویا خشکی کا شکار ہیں سارے

مسلمان رب البیت کے طالب اس کے حاجی ہیں مسلمان حضور صلی علیہ وسلم کے اور اولیاء اللہ کے تمام عطیے عبادات عشق و محبت بخوشی استعمال کریں مگر دنیا کی حلال چیزیں برتیں حرام چیزوں سے پرہیز کریں کہ یہ خشکی کا شکار ہیں۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
بنایا اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے ذریعہ بقا لوگوں کے لئے اور عزت والے مہینہ کو اور ہدی
اللہ نے ادب والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا باعث کیا اور حرمت والے مہینہ اور حرم کی قربانی اور
وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ
کے جانور کو اور ہاروں کو یہ اس لئے ہے تاکہ جانو تم کہ بیشک اللہ جانتا ہے وہ جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے
گلے میں علامت آویزاں جانوروں کو یہ اس لئے کہ تم یقین کرو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
اور بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا
کچھ زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا
رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾
مہربان ہے۔
مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بتایا گیا تھا کہ حرام اور حرم شریف وحشی جانوروں پرندوں کی امن کا ذریعہ ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حرم شریف اور کعبہ معظمہ انسانوں کے لئے بھی آفات سے امان اور دنیاوی و اخروی سعادتوں کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے گویا کعبۃ اللہ کے ذریعہ جانوروں کی امان کا ذکر فرمانے کے بعد انسانوں کی امان کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کعبۃ اللہ شریف کے ان فیوض و برکات کا ذکر تھا جو وہاں جانے والوں کو ملتے ہیں اب اس کے ان فیوض و برکات کا ذکر ہے جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں گویا قریبی فیوض کے بعد بعیدی فیوض کا ذکر ہے سخی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو فقیر کو بلا کر دیتے ہیں دوسرے وہ جو فقیروں کے گھر آ کر دیتے ہیں۔ کنواں اور دریا بلا کر پانی دیتے ہیں بادل آ کر دیتا ہے کعبہ معظمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سخی ہیں کہ آ کر بھی دیتے ہیں اور بلا کر بھی۔ چنانچہ کعبہ معظمہ لوگوں کو بلا کر حج و عمرہ طواف سعی وغیرہ کراتا ہے اور دور سے ہی لوگوں کی نماز قربانیاں زندگی و موت درست کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظہور کے زمانہ میں لوگوں کو بلا کر صحابی بنایا مگر مومن ولی عارف تا قیامت بناتے رہیں گے تو کعبہ کے بلا کر دینے والے فیوض کا ذکر فرما کر وہ فیوض بیان ہو رہے ہیں جو کعبہ آ کر دیتا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حدود کعبہ یعنی ساری زمین حرم کے فیوض کا ذکر تھا جو شہر کے ارد گرد چو طرفہ ہے اب خاص کعبتہ اللہ شریف کے فیوض و برکات کا ذکر ہے۔ گویا بالعرض فیضان کے بعد بالذات فیض رسانی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔
چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حدود کعبہ یعنی زمین حرم کی برکتوں کا ذکر تھا اب ہدی، قلائد وغیرہ کے برکات کا تذکرہ ہے یعنی جو جانور کعبتہ اللہ سے منسوب ہو جائیں وہ بھی فیض پہنچاتے ہیں۔

تفسیر: **جعل اللہ الکعبتہ البیت الحرام** اس جملہ کی کئی ترکیبیں اور تفسیریں کی گئی ہیں مگر آسان ترکیب و تفسیر یہ ہے کہ **جعل** بمعنی خلق نہیں بلکہ بمعنی صنع ہے نہ بمعنی بین ہے یعنی اللہ نے بنایا اور کعبہ اس کا پہلا مفعول ہے اور بیت الحرام یا اس کی صفت یا بیان اور قیاما" دوسرا مفعول **جعل** فعل ماضی ہے مگر ہمیشگی اور دوام کے لئے ہے یعنی اول پیدائش کے وقت سے تا روز قیامت اللہ نے کعبہ کو ذریعہ بقا بنایا اور کعبہ کی یہ عظمت کسی بندے کی دی ہوئی نہیں بلکہ بلاواسطہ رب تعالیٰ کی عطا کردہ ہے لہذا کوئی بھی اس کی عظمت ختم نہیں کر سکتا جیسے سورج کی روشنی کسی کے بجھائے نہیں بجھ سکتی اس لئے **جعل** کا فاعل لفظ اللہ ہوا کعبہ بنا ہے کعب سے بمعنی بلندی یا اونچائی اس لئے ٹخنوں کو کعب کہتے ہیں کہ قدم میں ابھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **وارجلکم الی الکعبین** اور بالغہ لڑکی جس کے پستان ابھرے ہوئے ہوں اسے کاعبہ کہا جاتا ہے اس کی جمع ہے کواعب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکواعب اترابا** چونکہ کعبہ کی سطح سمندر سے بہت اونچی ہے یا چونکہ اس کا ذکر اس کا چرچا دنیا میں بہت بلند ہے لہذا اسے کعبہ کہا جاتا ہے یا کعبہ بمعنی مربع ہے یعنی چوکور چیز چونکہ اس کی لمبائی چوڑائی برابر ہے لہذا وہ کعبہ ہے یا کعبہ بمعنی مکعب ہے۔ جس کی لمبائی چوڑائی اونچائی سب برابر ہوں چونکہ اس کی تینوں سطحیں برابر ہیں لہذا اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔ **بیت الحرام** میں حرام عظمت و احترام کے معنی میں ہے یعنی عزت والا گھر یہ حرام حلت کا مقابل یعنی بمعنی ناجائز نہیں یہ عبارت یا تو کعبہ کی صفت ہے محض تعریف و توصیف کے لئے جیسے اللہ الرحمٰن الرحیم یا وضاحت کے لئے کیونکہ کفار عرب نے یمن میں ایک گھر بنایا تھا بیت خثعم اسے وہ کعبہ یمانیہ کہتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھیج کر جلوا دیا بیت حرام فرما کر بتایا کہ وہ کعبہ یمانیہ مراد نہیں بلکہ یہ کعبہ مکہ معظمہ والا مراد ہے (تفسیر صاوی و روح المعانی وغیرہ) **قیاما للناس** یہ عبارت جعل کا دوسرا مفعول ہے قیام کے تین معنی ہیں معنی مصدری یعنی کھڑا ہونا جیسے **واذکروا اللہ قیاما وقعودا** - قائم کی جمع یعنی کھڑے لوگ جیسے **واذا ھم قیام ینظرون** بمعنی اسم آلہ یعنی قیام و بقا کا ذریعہ یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی لوگوں کے بقا و قیام کا ذریعہ بقا و قیام سے مراد یا دنیاوی بقا ہے یا دینی بقا یا دونوں بقا دینی بھی دنیاوی بھی الناس سے مراد یا اہل عرب ہیں یا تمام جہان کے اہل اسلام یا تمام دنیا کے لوگ مومن ہوں یا کافر اگر اہل عرب مراد ہوں تو ان کے لئے کعبہ معظمہ سے ہے کہ لوگ حج و عمرہ کے لئے وہاں پہنچیں تو ان عرب کو روزی ملے نیز عرب میں لوٹ مار چوری ڈکیتی، قتل عام تھے مگر کعبہ معظمہ اور حدود حرم میں بالکل امن رہتا تھا۔ جس سے ان لوگوں کی جان و مال محفوظ تھے لہذا کعبہ معظمہ ان کی بقا کا ذریعہ ہے نیز کعبہ معظمہ کی وجہ سے تمام دنیا میں اہل عرب کی عزت و عظمت تھی نیز یہ لوگ اپنے بہت دینی کام کعبہ معظمہ سے کرتے تھے ان وجوہ سے کعبہ اہل عرب کے لئے ذریعہ بقا ہوا اور اگر سارے مسلمان مراد ہوں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے صدہا کام کعبہ معظمہ سے وابستہ ہیں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز اور تلاوت قرآن ہوتی ہے کعبہ جا کر ہی حج و عمرہ ہوتا ہے کعبہ معظمہ کا ہی طواف ہوتا ہے کعبہ معظمہ کو دیکھنا عبادت ہے کعبہ معظمہ میں پہنچ کر حجاج کو دنیا بھر کے پھل فروٹ ملتے ہیں کعبہ معظمہ میں ہی

تمام جہان کے مسلمان آپس میں مل لیتے ہیں جس سے ان کا قومی دینی نظام قائم رہتا ہے۔ ہر سال ان کی عالمی کانفرنس وہاں منعقد ہو جاتی ہے۔ لہذا کعبہ مسلمانان عالم کے لئے دینی و دنیاوی بقا کا ذریعہ ہے۔ کعبہ معظمہ ہی وہ جگہ ہے جہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں حاضری دینے سے تمام عمر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج کر کے انسان گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا غرضیکہ جیسے جسمانی بقا سورج سے ہے یوں ہی روحانی بقا کعبہ معظمہ سے خیال رہے کہ جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی ایمان سے ایمان کا تعلق کعبہ معظمہ سے' بلکہ مرتے ہی ہم جسمانی غذاؤں سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں مگر کعبہ معظمہ کی ضرورت دنیا برزخ' محشر سب جگہ رہتی ہے۔ قبر میں کعبہ کو منہ کر کے دفن ہوتے ہیں' بعض خوش نصیبوں کی روحیں غلاف کعبہ کے اندر یا چاہ زمزم میں رہتی ہیں' بعض عشاق بعد وفات بھی حج کرتے رہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع میں فرمایا کہ یونس علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام حج کرنے احرام باندھے آئے ہیں ایک صحابی کے متعلق فرمایا جو بحالت احرام اونٹ سے گرا گیا تھا کہ یہ تاقیامت حج کرتا رہے گا۔ محشر میں کعبہ معظمہ کی شفاعت حجر اسود کی گواہی سے ہماری نجات ہو گی یہ ہے **قیاما للناس** کا ظہور اور اگر ناس سے مراد سارے انسان ہیں تو ان کے لئے کعبہ معظمہ بقا کا ذریعہ اس لئے ہے کہ جب تک کعبہ آباد ہے وہاں حج و عمرہ و طواف ہو رہا ہے۔ تب تک دنیا آباد ہے اگر کعبہ ویران ہو جائے وہاں کا حج و عمرہ و طواف بند ہو جائے تو دنیا بھی فنا کر دی جائے جہاں میں کوئی باقی نہ رہے۔ حضرت عطا کا یہ ہی قول ہے (تفسیر روح المعانی) اور تفسیر مدارک نے فرمایا کہ اگر ایک سال لوگ کعبہ کو خالی کر دیں تو کعبہ غائب ہو جائے اور دنیا برباد۔ کعبہ معظمہ' قرآن مجید اور علماء دین کے ذریعہ دنیا کا بقا ہے جیسا کہ بہت احادیث سے ثابت ہے۔ **والشهر الحرام** یہ عبارت معطوف ہے **الكعبة** پر اور **جعل** کا پہلا مفعول ہے یہاں **شهر** سے مراد بقر عید کا مہینہ ہے۔ جس میں حج ہوتا ہے یا اس سے مراد حرمت و عزت والے چار مہینے رجب' شوال' ذیقعد' ذی الحجہ۔ یہاں حرام بمعنی محترم و معظم ہے۔ یعنی اللہ نے ماہ ذی الحجہ کو بھی لوگوں کو بقاء کا ذریعہ بنایا کہ اس مہینہ میں حج ہوتا ہے اور حج سے مسلمانوں خصوصاً" اہل عرب کی دین و دنیا وابستہ ہے۔ خیال رہے کہ ماہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ بہت ہی عظمتوں والا ہے امام نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اس ہی عشرہ میں موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پہلا کلام کیا۔ اسی عشرہ میں حج ہوتا ہے اسی عشرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی عشرہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبح اور فدیہ کا واقعہ پیش آیا اسی عشرہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے اور حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے نجات پائی اسی عشرہ میں بیعت الرضوان' صلح حدیبیہ' بشارۃ خیبر ہوا اسی لئے اس عشرہ میں خصوصاً" عرفہ کے دن یعنی نویں بقر عید کا روزہ بہت افضل ہے (تفسیر روح البیان) ان واقعات کے متعلق اور ان کی تواریخ کے بارے میں اور روایات بھی ہیں **والهدى والقلائد** یہ عبارت بھی معطوف ہے **الكعبة** پر اور **جعل** کا پہلا مفعول **هدى** وہ جانور ہے جو بیرون حرم سے حرم شریف میں لے جا کر ذبح کر دیا جائے **قلائد** جمع ہے **قلادة** کی بمعنی ہار یہاں ہار سے وہ ہار مراد ہے جو ہدی کے گلے میں ڈالا جاتا ہے کو جوتا یا کوئی اور چیز اس جانور کے گلے میں باندھ دی جاتی ہے۔ جس سے پہچانا جاتا ہے کہ جو جانور کعبہ معظمہ ذبح کے لئے جا رہا ہے' عرب کے ڈاکو چور دن رات ڈکیتی کرتے تھے مگر ان ہاروں کو دیکھ کر نہ ان جانوروں کی طرف رخ کرتے تھے نہ ان قافلہ والوں کی طرف یہ لوگ اور یہ جانور بڑی امن و حفاظت بلکہ عزت و عظمت کے ساتھ خانہ کعبہ پہنچ جاتے تھے واپسی میں یہ لوگ وہی ہار اپنے گلوں میں ڈال لیتے تو بخیریت اپنے وطن پہنچ جاتے تھے۔ (تفسیر کبیر) بہر حال یہ چار چیزیں یعنی

کعبۃ اللہ شریف ' ماہ ذی الحجہ ' ہدی اور ہدی کے ہار بہت وجہوں سے بقا کا ذریعہ ہیں **ذ لک لتعلمو ا ان اللہ یعلم ما فی السموت وما فی الا رض**۔ یہ گزشتہ مضمون کا نتیجہ ہے یعنی کعبہ **معظمہ** کی ان حرمتوں سے یہ نتیجہ نکالنا چاہئے **ذالک** سے اشارہ کعبہ **معظمہ** کو لوگوں کے لئے باعث قیام بنانا ہے **تعلموا** سے مراد علم مشاہدہ یا حق الیقین ہے۔ خیال رہے کہ **ذالک** نصبی محل میں ہے **جعل** یا **شرع** پوشیدہ فعل کا معفول ہے اور **لتعلموا** اس پوشیدہ فعل کا متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ **معظمہ** ماہ حرام ' ہدی ' قلادوں کو قیام اس لئے بنایا تا کہ تم آنکھوں دیکھے یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے ذرہ ذرہ کو جانتا ہے دیکھو اس نے سارے جہان میں خانہ کعبہ ماہ حرام کو ان خوبیوں کے لئے منتخب فرمایا کعبہ **معظمہ** کے سوا اور کسی گھر کے لئے یہ دعویٰ نہیں کیا گیا نہ بیت المقدس کے لئے نہ کسی اور جگہ کے لئے اور اس دعویٰ کا ظہور تا قیامت ہو تا رہے گا بڑی بڑی طاقتوں نے کعبہ **معظمہ** کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی حتی کہ ابرہہ نے ہاتھیوں سے اس پر چڑھائی کی مگر کوئی بھی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہوا اور کعبہ **معظمہ** کی عظمت ویسی ہی رہی یہ ہے رب تعالیٰ کے علم و حکمت کا ظہور اب بھی کعبہ کی عظمت دیکھو اور رب کعبہ کی علم و حکمت قدرت و قوت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لو ' **وا ن اللہ بکل شئی علیم** اس عبارت میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے یعنی پہلے ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو جانتا ہے اب فرمایا کہ ہر چیز کو جانتا ہے خواہ آسمان و زمین کی ہو یا ان کے علاوہ اس عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ رب تعالیٰ نے کعبہ **معظمہ** کو ان خوبیوں کے لئے منتخب فرمایا لہٰذا اس کے لئے سامان بھی ایسے ہی کر دیئے ' حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی جناب حوا کہ یہاں ہی ملایا دیگر انبیا کرام کو یہاں ہی بلایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں ہی بسایا۔ حضرت خلیل کے ہاتھوں جناب ذبیح کو یہاں ہی ذبح کرایا۔ حضرت ہاجرہ کو یہاں ہی دوڑایا ' آخر میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں ہی پیدا فرمایا ان وجہوں سے کعبہ **معظمہ** کی حرمت کو اور چار چاند لگ گئے ان سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے جو کچھ کرتا ہے عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

ہونے والا ہوتا ہے جب کوئی کار غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

ان چیزوں میں غور کر کے ایمان کو قوت حاصل ہوتی ہے **اعلموا ان اللہ شدید العقاب و ان اللہ غفور رحیم** اس عبارت کا مقصود ہے لوگوں کو احترام کعبہ پر آمادہ کرنا ہر قانون کے اعلان کے آخر میں قانون پر پابندی کرنے والوں کے انعام اور قانون شکنی کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہوتا ہے۔ **اعلموا** میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے یا سارے انسانوں سے یا تمام جن و انس سے۔ علم سے مراد علم مفید ہے جو عمل کا ذریعہ ہو اللہ کے عذاب و ثواب کو صرف جان لینا فائدہ مند نہیں شیطان نے بھی کہا تھا کہ **انی اخاف اللہ رب العلمین** مگر اس کا یہ خوف خدا کچھ مفید نہ ہوا یعنی اے لوگو یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی سخت ہے اگر تم نے کعبہ **معظمہ** کی بے حرمتی کی تو سخت سزا پاؤ گے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے اگر تم نے کعبہ وغیرہ کی عزت کی تو تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : یہاں رب تعالیٰ نے چار چیزوں کی حرمتوں ان کے فوائد کا ذکر فرمایا کعبہ **معظمہ** ' بقر عید کا مہینہ ' عام ہدی کے جانور اور ڈیل دار قربانی کے جانور جن کے گلے میں ہار پہنائے جائیں اور وہ حرم شریف میں قربان کئے جائیں مگر **جعل** فرما کر یہ بتایا کہ ان چیزوں کی یہ عظمت آج کی نہیں بلکہ بڑی پرانی ہے حتی کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتے کعبہ کا طواف

وغیرہ کرتے تھے اور آدم علیہ السلام اس طرف نماز پڑھتے تھے اور جعل اللہ فرما کر یہ بتایا کہ کعبہ کو یہ عظمتیں کسی مخلوق کی دی ہوئی نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں' لہٰذا کوئی شخص اس کعبہ کی عظمت دور نہیں کر سکتا کیونکہ جسے انسان بنائے اسے بگاڑ بھی سکتا ہے مگر جسے اللہ بنائے اسے کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ چراغ ہم بجھا سکتے ہیں اپنے مکان اپنے برتن ہم توڑ پھوڑ سکتے ہیں مگر چاند سورج کہ ہم بجھا نہیں سکتے آسمان کو بگاڑ نہیں سکتے کہ یہ چیزیں اللہ نے بنائی ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی اس حرمت و عزت والے گھر کعبہ معظمہ کو اہل عرب یا سارے مسلمانوں یا سارے انسانوں کے لئے ذریعہ قیام و سیلہ بقا بنایا کہ اس گھر سے ان کی دین و دنیا قائم ہے مومن جئیں تو کعبہ معظمہ سے وابستہ ہو کر مریں تو کعبہ کو منہ کر کے بعد موت غسل دیئے جائیں' دفن کئے جائیں تو کعبہ کی طرف منہ کر کے ان کی صدہا عبادتیں اس کعبہ سے وابستہ ہیں یوں ہی بقر عید کے مہینے اور کعبہ کی طرف جانے والے عام ہدی کے جانور اور خاص ڈیل والی قربانیاں ان سے بھی لوگوں کا قیام ہے کہ ان سے امیروں کے ارکان حج و عمرہ ادا ہوتے ہیں۔ غریبوں کا گزارہ ان کی گوشت سے ہوتا ہے ان تمام چیزوں میں غور فرماؤ تا کہ تم کو عین الیقین بلکہ حق الیقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمان زمین کی چیزیں بلکہ ہر چیز کا جاننے والا یہ چاروں رب کے انتخاب میں آگئیں تو آج تک وہ حرمت والی ہیں اگر تمام بادشاہ و سلاطین مل کر ان کی حرمتوں کو مٹانا چاہیں تو نہ مٹا سکیں گے اے لوگو تم نے کعبہ معظمہ وغیرہ کے لئے قوانین تو سن لئے اب ان پر پابند بھی رہنا اگر تم سے قانون شکنی کی تو اللہ تم کو سخت عذاب دے گا کیونکہ وہ شدید العقاب ہے اور اگر تم نے ان قوانین کی پابندی کی تو وہ تمہارے سارے گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے' پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوق اس کے بعض بندے صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں دیکھو لوگوں کا قیام ان کا بقا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر یہاں فرمایا گیا کہ لوگوں کا بقا و قیام کعبہ معظمہ وغیرہ سے ہے کہ ان کے دین و دنیا کعبہ سے وابستہ ہیں اس میں شرک نہیں لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ عزت ذلت دینے والا ایمان عرفان دین و دنیا کی نعمتیں بخشنے والا رب تعالیٰ ہے مگر یہ تمام چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے وابستہ ہیں تمام جہان کا قیام کعبہ سے ہے اور کعبہ کا قیام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے۔

کعبہ کی زینت ان ہی کے دم سے ۔ طیبہ کی رونق ان کے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں ۔ دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں

دوسرا فائدہ: جن وقتوں اور جن مہینوں کو اللہ کے مقبول بندوں سے نسبت ہو جائے اور جن تاریخوں میں کبھی کوئی اہم واقعہ ہو جاوے تو وہ دن وہ تاریخیں تاقیامت حرمت والے ہو جاتے ہیں' دیکھو بقر عید کا مہینہ اس لئے حرمت والا ہوا کہ اس میں حضرات انبیاء و اولیاء کے کچھ خاص واقعات ہوئے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا۔ لہٰذا ماہ ربیع الاول ماہ رجب اس لئے برکت و عظمت والے ہیں کہ ان میں سے ایک محبوب کے زمین پر آنے کا مہینہ ہے دوسرا زمین سے آسمان پر معراج میں جانے کا مہینہ ہے گویا بقر عید انبیاء کا مہینہ ہے اس لئے وہ شہر حرام ہوا اور یہ دونوں سید الانبیاء کے مہینے اس لئے یہ بھی محترم ہوئے ماہ ربیع آخر اس لئے حرمت والا ہوا کہ وہ سید اولیاء' حضور غوث الثقلین حضور قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کے ولادت و وفات کا زمانہ ہے۔ تیسرا فائدہ: جس چیز جس جانور کو اللہ کے مقبولوں سے نسبت ہو جاوے وہ بھی عظمت والا بلکہ بقاء عالم کا ذریعہ بن جاتی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں تو ان قربانی کے جانوروں کو جو بیت اللہ جائیں

باعث بقاء عالم بتایا دوسری جگہ انہیں شعائر اللہ قرار دیا کہ فرمایا والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ ان جانوروں کو یہ عظمت کہاں سے ملی کعبہ معظمہ کی نسبت سے جب جانور کعبہ کی نسبت سے قیاما للناس بن جاتے ہیں تو حضرات اولیاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے قیوم عالم اور غوث قطب کیوں نہ بنیں' حضور پیرلا ثانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بعض تصانیف میں بعض حضرات اولیاء کو قیوم عالم فرمایا گیا ہے اس کا ماخذ یہی آیت ہے' اس نام کو شرک بتانا سخت بے دینی ہے۔ جب یہ ہدی کے جانور قیاما" للناس ہیں تو وہ حضرات بھی قیوم عالم ہیں کہ ان کے ذریعہ عالم قائم ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دینی عظمت والی چیزوں کی توقیر ایمان ہے ان کی توہین کفر اور عذاب الٰہی کا باعث یہ فائدہ اعلموا سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب جو ان کی بے حرمتی کرے اللہ اس کے لئے شدید العقاب ہے جو ان کا احترام کرے اللہ اس کے لئے غفور رحیم ہے دیکھو شیطان کے لئے اللہ تعالیٰ شدید العقاب ہے کیونکہ اس نے رب کے پیغمبر کی تعظیم سے انکار بلکہ ان کی اہانت کی اور فرعون کے جادوگروں کے لئے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کیونکہ انہوں نے جناب کلیم اللہ کی تعظیم کی کہ جادو کرنے کے لئے ان سے اجازت مانگی وہ بہ یک دم مومن' صحابی' غازی' صابر' شہید سب کچھ بن گئے' مولانا فرماتے ہیں۔

از خدا خواہیم توفیق ادب! | بے ادب محروم ماند از فضل رب

پانچواں فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی عزت و حرمت رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا پتہ ہیں کہ ان کی عزت سے حق تعالیٰ کی عظمت معلوم ہوتی ہے یہ فائدہ ذالک لتعلموا سے حاصل ہوا دیکھو رب نے کعبہ معظمہ' ماہ ذی الحجہ' ہدی وغیرہ کو اپنی معرفت کا ذریعہ قرار دیا کہ فرمایا ان عظمتوں سے معلوم کر لو کہ اللہ علیم و خبیر ہے یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء رب تعالیٰ کی عظمتوں کا پتہ ہیں۔

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کی شان کے صدقے | میں ہر ہر آن یارب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

اللہ تعالیٰ وہ شان والا ہے جس نے ایسے شان والے محمد رسول اللہ کو پیدا فرمایا ایسے شان والے کعبہ کو بنایا خیال رکھو کہ حضور کی شان سے سب کی شانیں وابستہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **چھٹا فائدہ:** موسم حج میں حجاج تجارت' حرفت' نوکری و ملازمت وغیرہ کر سکتے ہیں اس سے حج میں کوئی خرابی نہیں ہوتی یہ فائدہ قیاما" للناس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ کعبہ کے قیاما" للناس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس سے تمام عالم کے تجارتی کاروبار وابستہ ہیں اس تجارت کی اجازت قرآن مجید میں صراحۃ" بھی ہے رب فرماتا ہے لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا" من ربکم (تفسیر روح المعانی)۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ کی مقبول چیزوں کے جسم سے لگی ہوئی چیزیں بھی دافع البلاء مشکل کشا باعث بقا ہوتی ہیں یہ فائدہ والقلائد سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ہدی جانوروں کے گلے کا ہار کو جو جوتے وغیرہ کا ہوتا ہے اسے بھی قیاما" للناس فرمایا کیوں اس لئے کہ ہدی کے جانور کو کعبہ سے نسبت اور اس پھٹے جوتے کے ہار کو اس جانور سے نسبت ہے۔

مجھے ہے دل سے الفت دل کو تم سے تم کو غیروں سے | میں اپنے دل کو چاہوں تم کو چاہوں' چاہوں غیروں کو

یہ نسبت بہت دور تک اثر دکھاتی ہے' بجلی کا کرنٹ جب کسی کے جسم میں آجائے تو جو اس جسم سے چھو جائے وہاں بھی پہنچتا ہے پھر جو اس دوسرے سے مس ہو جائے وہاں بھی علی ھذا القیاس لہٰذا حضرات انبیاء' اولیاء کے جوتے شریف لباس شریف بال

مبارک دافع البلاء ہیں یوسف علیہ السلام کی قمیص شافی امراض ثابت ہوئی۔ حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی لگی ہوئی خاک نے سامری کے بچھڑے میں جان ڈال دی بعض لوگ بزرگوں کا لباس ان کا جوتا ان کے بال ناخن وغیرہ کو تبرک سمجھ کر ان کا احترام کرتے ہیں ان کے اعمال کا ماخذ یہی آیت ہے۔ دیکھو پھٹے جوتے چمڑے وغیرہ کا ہار جو ہدی کے گلے میں پڑ گیا اس کا اتنا احترام کیا گیا کہ اس کا ذکر یہاں عزت کے ساتھ کیا گیا و القلائد اور اسے بھی بقاء انسانی کا ذریعہ بتایا گیا۔ جب یہ پھٹے جوتے کا ہار ہدی کے گلے میں پڑ کر محترم ہو گیا تو بزرگوں کا جوتہ ان کے قدم سے لگ کر ضرور محترم ہو گا۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کو بیت الحرام بھی بنایا اور لوگوں کو بقا کا ذریعہ بھی مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ مولیٰ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ منورہ کو حرم بناتا ہوں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی پیدائش کے دن سے مکہ کو حرم بنایا ان احادیث کا آپس میں بھی تعارض ہے اور یہ احادیث اس آیت کے بھی خلاف ہیں۔ جواب: کعبہ معظمہ اور مکہ محترمہ کے متعلق ابتدائے آفرینش سے رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا اور اس کے متعلق لوح محفوظ میں لکھا جا چکا تھا کہ یہ مقام بڑی حرمت والا ہو گا مگر اس فیصلہ الٰہی کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہوا لہٰذا اس آیت کریمہ میں اس فیصلہ کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں اس فیصلہ کے ظہور کا تذکرہ ہے بعض علماء نے فرمایا کہ اس مقام کی

ذاتی حرمت اول پیدائش کے دن سے ہے اور اس کے ساتھ بیرونی حرمت جو سونے پر سہاگہ کی طرح ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہے دیکھو زمین مدینہ اول ہی سے محترم ہے مگر اس کے احترام کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف فرما ہو جانے سے ہوا نیز یہ منور جگہ ذاتاً پہلے سے ہی قابل احترام ہے حتیٰ کہ حضرات سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے تخت پر تمام دنیا کی سیر فرمائی تو اس زمین کے خطہ کو پیدل طے کیا اس پر سے اڑ کر نہ گزرے پھر تبع اور دوسرے ساتھیوں کو اس کے متعلق خبر دی اس خبر پر تبع وہاں ہی آباد ہو گئے اور یہ ہی سبب بنا اس جگہ شہر بن جانے کا جس کا ذکر انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا بہر حال نہ تو احادیث آپس میں متعارض ہیں نہ قرآن و حدیث (تفسیر روح البیان) دوسرا اعتراض: کعبہ معظمہ ہدی اور ہدی کے گلے کے ہار لوگوں کے قیام ان کی بقا کا ذریعہ کیونکر ہیں دنیا میں ہر جگہ ایسے لوگ آباد ہیں جنہیں کعبہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ کعبہ کے دشمن ہیں۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں الناس سے مراد یا تو اہل عرب ہیں جب تو آیت بالکل ظاہر ہے کہ اہل عرب کی دین و دنیا کعبہ معظمہ کی برکت سے ہے وہاں خائف کو امان ہے اہل عرب کی روزی کعبہ معظمہ کے ذریعہ سے ہے کعبہ ہی سے نمازیں حج و عمرہ وغیرہ وابستہ ہیں اور اگر الناس سے مراد سارے مسلمان ہیں تو قیام سے مراد ہے ان کے دین کی بقا کا ذریعہ اسلام کے بڑے بڑے ارکان کعبہ معظمہ سے قائم ہیں حتیٰ کہ مریں تو کعبہ کو منہ کر کے دفن ہوں تو کعبہ کے رخ پر اور اگر ناس سے مراد سارے جہان کے انسان ہیں تو اس کا مطلب وہ حدیث بیان فرما رہی ہے کہ جب تک کعبہ آباد ہے دنیا قائم ہے جب کعبہ ویران وہاں کا طواف حج و عمرہ بند ہو جائے گا تو قیامت آجائے گی لہٰذا دنیا کی بقا کعبہ معظمہ اور ان چیزوں کی برکت سے ہے۔ تیسرا اعتراض: ان آیات کریمہ میں کعبہ معظمہ کی ان عظمتوں کو علم الٰہی کی دلیل قرار دیا گیا کہ ارشاد ہوا ذالک لتعلموا کعبے کی یہ عظمتیں رب تعالیٰ کے علم تام کی علامت کیونکر ہو سکتی ہیں۔ جواب: اللہ تعالیٰ

نے دنیا میں بہت سرسبز و شاداب خطے بھی بنائے ہیں اور وہ خطے بھی جہاں تیل وغیرہ کے چشمے یا سونے وغیرہ کی کانیں ہیں مگر زمین حرمین کو ان ظاہری و باطنی ٹیپ و ٹاپ سے پاک رکھا نہ وہاں زمین کے اوپر کھیت و باغ نہ اس کے نیچے تیل کے تالاب نہ سونے وغیرہ کی کانیں پھر اس کے باوجود اس زمین کو تمام خلق کا مرجع بنادیا آج ہر سلطنت اپنا پروپیگنڈہ حرمین شریفین میں زیادہ کرتی ہے کہ وہاں تمام دنیا جمع ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے علام الغیوب اور قدیر مطلق ہونے کی بڑی دلیل ہے کہ ہر خطہ زمین کو وہی چیز بخشی جس کے وہ لائق تھی اور وہ ایسا قادر ہے کہ جہاں جیسا باغ لگانا چاہے لگادے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کو اپنی قدرتوں کا مظہر بنایا اسے اپنی صفات کے انوار سے منور کرکے جگمگادیا اس جگہ کو اغیار سے محفوظ رکھا اخیار کو وہاں حاضری کی اجازت دی اور ان اخیار پر بھی بہت پابندیاں لگائیں کہ بغیر احرام وہاں داخل نہ ہوں وہاں شکار وغیرہ نہ کریں اسے اپنا گھر اور تمام جہان کا دل بنایا موسیٰ علیہ السلام کے طور پر حضرت عیسیٰ کو کوہ مصنصنیہ پر اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ معظمہ میں اپنا جلوہ دکھایا چنانچہ فرمایا گیا کہ جلوۂ الٰہی سینا پر آیا ساعیر پر بلند ہوا اور فاران پر چمکا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل کو پیام انسان کا ذریعہ بنایا اسے حکم دیا کہ اسی کعبہ دل کو اغیار سے خالی رکھو' یہاں یار کا ہی چرچہ رکھو کعبہ دل حقیقی بیت الحرام ہے اور سیرالی اللہ کا زمانہ گویا ماہ محترم ہے اسی زمانہ میں خلق کے اختلاط سے الگ رہو نفس امارہ گویا ہدی والا جانور ہے جس کے گلے میں ارکان شریعت کا ہار ہے' جسے کعبہ دل پر آداب طریقت کی چھری سے ذبح کردیا جاتا ہے ان ہی چیزوں سے مومن عارف کی بقا ہے کعبہ اجسام کا حج عمر میں ایک بار فرض ہے مگر اس کعبہ ایمان یعنی قلب مومن کا حج ہروقت عارف لوگ کیا کرتے ہیں (از عرائس البیان و تفسیر روح البیان) اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کا قبلہ ارواح کعبہ ایمان و عرفان اور خالق کا بیت الحرام جہاں خالق ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جس مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے وہ شہر حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فدا و قربان ہونے والے عشاق اس کعبہ کی ہدی ہیں ان عشاق کے گلوں میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق پڑا ہے' وہ قلائد ہیں یہ چار چیزیں بقاء نسل انسانی کا ذریعہ ہیں جیسے کعبہ معظمہ لوگوں کا جامع ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات جامع الناس ہے' خیال رہے: کہ جیسے کعبہ معظمہ باوجود ان عظمتوں و برکتوں کے اپنے قبلہ دائمی بننے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا حاجتمند ہے اسلام میں پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر کعبہ معظمہ قبلہ اسلام بنایا گیا اور یہ کہہ کر بنایا کہ جس قبلہ سے تم راضی ہو ہم اسی طرف تم کو پھیر دیتے ہیں اس سے تاقیامت سب کو سبق دے دیا گیا کہ بڑے سے بڑا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جسے جو ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم سے ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ملتا ہے یہ کعبہ کی دیواروں مکہ کے کوچہ و بازاروں سے پوچھو۔

وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا ہو کر
نشان بے نشاں بن کر زبان بے زباں بن کر

رب تعالیٰ نشان و پتہ سے پاک ہے اس کا نشان و پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قیامت کے اول حال میں سب بے زبان ہو جائیں گے اس وقت ہم سب بے زبانوں کی زبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے **وانا خطیبہم اذا صمتوا** - حسن مقید کی خوبی زیور سے ہوتی ہے حسن بے قید کی خوبی ادا سے ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ حسن مطلق ہے اللہ جمیل یحب الجمال

حضور اس حسن مطلق کی ادا ہیں۔

لطیفہ : جب کسی کو خط لکھنا ہو تو پتہ میں شہر، ضلع، وارڈ، نمبر مکان، ڈاک خانہ، لیٹر بکس نمبر لکھا جاتا ہے تب اس تک وہ خط پہنچتا ہے، مگر لا پتہ شخص کا پتہ یوں لکھا جاتا ہے کہ پوسٹ ماسٹر کو مل کر فلاں کو ملے اللہ تعالیٰ بستی، محلہ وارڈ، تحصیل، ڈاک خانہ سے پاک و بے نیاز ہے تو اب یہ ہی کہا جائے گا کہ ہر شخص ہر چیز ہمارا ہر نیک عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر خدا تعالیٰ کو ملے اس لامکان تک پہنچے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نشان بے نشان ہیں رب خود فرماتا ہے **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک** اور فرماتا ہے **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب** جو گنہگار تمہارے پاس پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کو پالے گا جو تمہارے پاس آکر تم سے پوچھے کہ رب کہاں ہے تو میں قریب ہوں یہ ہے نشان بے نشان کی شان صلی اللہ علیہ وسلم۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ
نہیں ہے ذمہ ان پیغمبر کے مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے وہ سب جو ظاہر کرتے ہو تم اور وہ جو چھپاتے ہو فرما
رسول پر نہیں مگر حکم پہنچانا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو
لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا
دو کہ نہیں برابر ہے گندا اور پاک اگرچہ پسند آئے تم کو زیادتی گندے کی پس ڈرو
تم فرما دو کہ گندا اور ستھرا برابر نہیں اگرچہ تجھے گندے کی کثرت بھائے تو اللہ سے
اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اللہ سے اے عقلوں والوں شاید کہ تم کامیاب ہو
ڈرتے رہو اے عقل والو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کعبہ معظمہ کی عظمتوں کا ذکر ہوا کہ وہ باعث بقائے انسان ہے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مراتب کا ذکر ہے جو باعث بقائے کعبہ ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ کعبہ ہوتا نہ اس کی یہ عظمتیں۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں لوگوں کو نیاز مندی اور کعبہ معظمہ کی بے نیازی کا ذکر ہوا کہ کعبہ معظمہ لوگوں کی بقاء کا ذریعہ ہے لوگ کعبہ کی بقا کا ذریعہ نہیں اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی اور تمام عالم کی نیاز مندی کا تذکرہ ہے کہ ان کے ذمہ

صرف تبلیغ ہے اگر کوئی بھی ان کی اطاعت نہ کرے تو ان کا کچھ نقصان نہیں اگر سورج سے کوئی نور نہ لے تو سورج کا کچھ نہیں بگڑتا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ترغیب و ترہیب دونوں تھیں کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اس سے ڈرو اللہ غفور رحیم ہے اس سے معافی کی امید رکھو اب اس ترغیب و ترہیب کے بعد نفیس تبلیغ فرمائی جا رہی ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو سنبھالو اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات سے پتہ چلا تھا کہ اگرچہ سارے عالم کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر عالم کے بعض حصے بہت ہی شاندار ہیں کہ ساری روئے زمین ان کی ہمسری نہیں کر سکتی جیسے کعبہ معظمہ' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگرچہ سارے انسانوں کے خالق و مالک ہم ہی ہیں مگر بعض انسان خبیث ہیں بعض طیب خبیث خواہ کتنے ہیں زیادہ ہوں مگر تھوڑے طیب سے ہمسری نہیں کر سکتے۔ پانچواں تعلق: کعبہ معظمہ دنیا کی آبادی کا ذریعہ ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کعبہ کی آبادی کا ذریعہ دیکھو کعبہ کا حج و عمرہ طواف وغیرہ صرف مسلمان کرتے ہیں اور کوئی قوم نہیں کرتی اور مسلمانوں کو یہ احکام حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے دیئے کعبہ اللہ کا گھر ہے مسلمان اسے آباد کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ و سلم آباد کرانے والے بسانے والے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ جنت کا بنانے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم اسے بسانے والے خدا تعالیٰ دوزخ کی آگ بھڑکانے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم اس بھڑکتے کو مسلمان کے لئے بجھانے والے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ بنانے کے بعد اس کے بسانے والے کا ذکر فرمایا خیال رہے کہ گھر کی آبادی وہاں کے مکینوں سے ہوتی ہے مسجدوں کی آبادی نمازیوں سے کچہریوں کی آبادی قاضیوں سے میدان جہاد کی آبادی غازیوں سے کعبہ کی آبادی حاجیوں سے اور نمازی غازی حاجی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے دم سے ہیں۔

شان نزول : حضرت جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک نو مسلم نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم میں بحالت کفر شراب کی تجارت کرتا تھا' مجھے اس سے بہت نفع ہوا اب میں بڑا امیر ہوں وہ مال میرے پاس بہت ہے اگر میں وہ مال کار خیر میں خرچ کردوں تو کیا مجھے کچھ ثواب ملے گا تب حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اگر تم وہ مال حج و جہاد جیسی اعلیٰ عبادات میں بھی خرچ کردو تب بھی وہ تم کو مچھر کے پر کے برابر مفید نہیں اللہ تعالیٰ طیب ہے وہ طیب ہی قبول فرماتا ہے تب یہ آیت کریمہ قل لا یستوی نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی تائید فرمائی گئی (تفسیر روح المعانی' خازن' روح البیان وغیرہ)۔ (2) امام مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ ہی آیت لا یستوی الخ کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص تھا حطیم وہ ایک بار اہل مدینہ کے جانور چرالے گیا سال آئندہ وہ یمامہ کے حاجیوں کے ساتھ عمرہ کرنے مکہ معظمہ چلا' جب یہ قافلہ مدینہ منورہ کے قریب سے گزرا تو حضرات صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے اجازت مانگی کہ ہم حطیم کا مال چھین لیں اور اسے گزشتہ چوری کی سزا دیں حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اس وقت عمرہ کرنے جا رہا ہے ہدی وغیرہ اس کے ساتھ ہیں تب حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی تائید اور حضرات صحابہ کی فہمائش کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان و روح المعانی و بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر : ما علی الرسول الا البلغ یہاں ما نافیہ ہے علی بمعنی لیس علی ایک پوشیدہ کلمہ کے متعلق ہے واجب یا ثابت یا لازم الرسول سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و سلم ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم ساری خلقت کے دائمی نبی دائمی پیغمبر ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو مطلق رسول فرمایا جاتا ہے کسی خاص قوم کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا الرسول میں الف

لام مضاف الیہ کے عوض ہے مضاف الیہ یا خالق ہے یا مخلوق۔ خیال رہے کہ رسول کا تعلق خالق سے لینے کا ہوتا ہے مخلوق سے دینے کا نبوت منسوخ ہونے پر نبی کا تعلق رب تعالیٰ سے لینے کا تو رہتا ہے مگر مخلوق کو دینے کا تعلق نہیں رہتا لہٰذا وہ حضرات رسول اللہ تو رہتے ہیں مگر رسول خلق نہیں رہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت منسوخ نہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تک رسول اللہ بھی ہیں رسول الخلق بھی۔ الا البلاغ میں الا سے حصر ثابت ہوتا ہے مگر یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سواء تبلیغ اور کچھ نہیں کرتے اور کچھ نہیں دیتے حضور ہدایت ' ایمان ' عرفان ' شفاعت ' رحمت ' پاکیزگی ' علم وغیرہ سب کچھ دیتے ہیں بلاغ کے معنی ہیں احکام الٰہیہ کا پہنچانا خواہ زبان سے ہو یا قلم سے یا تلوار سے یا اپنے عمل شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام تبلیغیں مکمل طور پر فرمائیں۔ عملی تبلیغ بچپن شریف سے کی زبانی تبلیغ ظہور نبوت کے بعد ہجرت سے پہلے کی اور زبانی ' قلمی سنانی تبلیغیں ہجرت کے بعد فرمائیں اور بواسطہ علماء ' اولیاء اللہ ' مجاہدین ' اسلامی سلاطین تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ باقی ہے یعنی اے لوگو ہمارے ان رسول کے ذمہ تم کو ہدایت دے دینا تم کو ہدایت یافتہ کر دینا لازم نہیں ان کے ذمہ احکام الٰہی تم سب تک پہنچا دینا ہے یہ کام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی وجہ الکمال پورا فرما دیا اب اگلا کام یعنی ان کی تبلیغ قبول کرنا نہ کرنا تمہارا ہے **واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون** اس جملہ میں لوگوں کو سخت ڈرایا گیا ما سے مراد سارے قول ' فعل ' حال ' اعمال ' احوال ہیں۔ **تبدون** سے مراد ہے علانیہ ظاہر ظہور کرنا **تکتمون** سے مراد ہے مخلوق سے چھپ کر کرنا یا کہنا یعنی یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کھلے چھپے ظاہر و خفی اعمال ' افعال احوال و اقوال جانتا ہے ہر شخص کو وہ سزا یا جزاء دے گا جس کا وہ مستحق ہے **قل لا یستوی الخبیث والطیب**۔ ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کے بعد **لھم** پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب مسلمانوں سے فرما دو تا کہ انہیں یہ مسئلہ اور خبث و طیب کا فرق معلوم ہو جائے یا کفار سے فرما دو یا سارے انسانوں سے فرما دو خواہ کافر ہوں یا مومن یا ساری مخلوق جن و انس سے فرما دو کیونکہ خبیث و طیب جن و انس سب ہی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس میں خطاب ہر مسلمان قاری قرآن سے ہو کیونکہ آگے آ رہا ہے **ولو اعجبک کثرۃ الخبیث (لا یستوی)** میں درجہ میں برابری کی نفی ہے خبیث بنا ہے خبث سے۔ خبث کے لغوی معنی ہیں میل اسی لئے لوہے کے میل کو خبث الحدید کہتے ہیں خبیث کے معنی ہیں میل والا اور طیب کے معنی ہیں میل سے صاف اصطلاح میں خبیث کے بہت معنی ہیں گندا ' ردی ' برا وغیرہ اسی لئے قرآن کریم نے ردی مال کو خبیث فرمایا **ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ** طیب بنا ہے طیب سے بمعنی کھرا و ستھرا و پاک ہونا خباثت و طیب دو قسم کی ہے جسمانی اور روحانی پھر ان دونوں کی بہت قسمیں ہیں اس آیت کریمہ میں یہ حکم عام بیان فرمایا کہ کوئی خبیث و طیب کسی قسم کے ہوں درجہ میں برابر نہیں۔ حرام خبیث ہے حلال طیب نجس خبیث ہے طاہر طیب برے اعمال خبیث ہیں اور نیک اعمال طیب کفر خبیث ہے ایمان طیب کافر خبیث ہے مومن طیب ' فاسق خبیث ہے متقی طیب ناشکرا خبیث ہے شکر گزار بندہ طیب جاہل خبیث ہے۔ عارف باللہ طیب ' بد بخت خبیث ہے نیک بخت طیب ' حریص لالچی آدمی خبیث ہے قناعت و صبر والا طیب غرضیکہ اس ایک جملہ نے ان سب کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں درجہ میں برابر نہیں **ولو اعجبک کثرۃ الخبیث** اس میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے کیونکہ یہ قل کے ماتحت ہے یعنی آپ فرما دو کہ اسے مسلمان تجھے خبیث کی کثرت خیرہ نہ کر دے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مالدار کفار اور زیادتی مال کی کوئی وقعت ہی نہ تھی ایک ایک مجلس

میں سونے چاندی کے ڈھیر تقسیم فرما دیئے۔

دولت دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تونگر! مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم

اعجب بنا ہے **اعجاب** سے اعجاب بنا ہے **عجب** سے معنی حیرت یا ہیبت یا تعجب کرنا بنا ہے **عجب** عین کے ضمہ سے معنی پسند آنا۔ خوش ہونا کثرۃ سے مراد ہے افراد کی زیادتی یا اجزاء کی زیادتی یعنی اگرچہ تم کو غیبت و گندی چیزوں کی زیادتی بظاہر بھلی معلوم ہو اور طیب چیز کم ہونے کی وجہ سے بظاہر حقیر محسوس ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ طیب تھوڑا ہو تو بھی اعلیٰ ہے خبیث زیادہ ہو تب بھی اونیٰ ایک گھڑا پیشاب سے ایک تولہ عطر افضل ہے تھوڑی حلال چیز بہت سی حرام چیز سے بہتر ہے کہ حلال مقبول ہے حرام مردود **فاتقوا اللہ یا اولی الالباب** یہ عبارت پہلے جملہ پر مرتب ہے اس طیب بنانے والی چیز کا ذکر ہے یعنی اللہ کا خوف یہ وہ پارس ہے جو لوہے کو سونا کر دیتا ہے۔ تقویٰ کے معنی اور اس کے اقسام یوں ہی عقل اور لب میں فرق اور عقل کی قسمیں بارہا بیان ہو چکیں چونکہ لب کی قسمیں بہت ہیں اور اہل عقل بہت قسم کے اس لئے **اولی الالباب** جمع ارشاد ہوا یعنی چونکہ خبیث اور طیب برابر نہیں اس لئے اے خالص عقل والو اللہ سے ڈرو اور طیب چھوڑ کر خبیث کے طالب نہ بنو کیونکہ خبیث کا طالب خود خبیث ہے اور طیب کا طالب خود طیب ہے **الخبیثات للخبیثین**۔ یوں ہی **الطیبات للطیبین** اگر تم دنیا میں خبیث کے طالب بنے تو سخت سزا پاؤ گے **لعلکم تفلحون** یہ تقویٰ و طہارت کا نتیجہ ہے یعنی تم طالب طیب بنو تاکہ تم تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر پہنچو اور دنیا و آخرت میں کامیاب رہو' دنیا میں بندے کی کامیابی یہ ہے کہ رب کو راضی کر لے آخرت میں کامیابی یہ ہے کہ رب تعالیٰ اسے راضی کرے دنیا کی زندگی میں تو جو رب چاہے وہ بندہ کرے آخرت میں جو بندہ چاہے وہ رب کرے **لھم ما یشاؤن** چونکہ تقویٰ طیب بننے کا ذریعہ ہے اس لئے طیب کے بعد تقویٰ کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو خوب خیال رکھو کہ جیسے **کعبہ معظمہ** کے تم حاجت مند ہو وہ تمہارا محتاج نہیں تمہارا قیام تمہاری بقا کعبہ سے ہے کعبہ کا قیام اس کی بقا تم سے نہیں یوں ہی وہ کونین کے دولہا کعبہ کی رونق مدینہ کی زینت اللہ کے محبوب خالق اور ساری مخلوق کے دائمی رسول تم سے بے نیاز ہیں تم ان کے حاجت مند اور نیاز مند ہو ان کے رسول کے ذمہ صرف یہ ہے کہ مخلوق تک اللہ کے احکام پہنچا دیں' وہ اپنا کام کر چکے زبان' قلم' عمل' تلوار وغیرہ کے ذریعہ تبلیغ کر چکے اب اگلا کام تمہارا ہے تم اپنا ظاہر بھی سنبھالو باطن بھی درست کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن دونوں جانتا ہے جیسا تمہارا ظاہر و باطن ہو گا ویسی تمہیں سزا و جزا ملے گی یہ بھی خیال رہے کہ ہماری عطا ہمارے محبوب کی سخا میں فرق نہیں عطا و سخا کا دریا موجزن ہے البتہ لوگوں کے لینے میں فرق ہے بعض اس سخا سے حصہ لے کر مرحوم بن جاتے ہیں بعض محروم رہتے ہیں۔

مرحوم لوگ طیب ہیں محروم خبیث لہٰذا **لا یستوی الخبیث والطیب** کی بہت تفسیریں ہیں خبیث سے مراد مال حرام طیب سے مراد مال حلال یہ دونوں برابر نہیں مال حلال میں برکت' رحمت' شفا' عبادات کی لذت دعا کی قبولیت سے مال حرام میں ان کے برعکس دوسرے یہ کہ خبیث سے مراد ہے انسان خبیث طیب سے مراد ہے انسان طیب کافر فاسق دوزخی انسان' مومن متقی جنتی محبوب انسان برابر نہیں ان دونوں کی پیدائش زندگی' موت کھانے پینے' بول چال سونے جاگنے' چلنے پھرنے میں فرق ہے اس کی ہر ادا طیب ہے مہمان کی غذا اور پھانسی والے ملزم کی غذا جو اسے جیل میں ملتی درجہ کی ملتی ہے برابر نہیں' تیسرے یہ کہ خبیث سے مراد کلمہ خبیث ہے اور طیب سے مراد کلمہ طیب ہے یعنی اچھی بری بات برابر نہیں کلمہ خبیث وہ ہے جو بری نیت سے بولا جائے

کلمہ طیب وہ ہے جو عشق و محبت اور اچھی نیت سے بولا جائے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی! نہ ہو تو مرد مسلمان ہے کافر زندیق

چوتھے یہ کہ خبیث سے مراد بنجر زمین ہے طیب سے مراد قابل کاشت زمین کہ یہ دونوں زمینیں نام شکل و حالات میں یکساں ہیں مگر خبیث زمین میں بویا ہوا دانہ برباد جاتا ہے طیب زمین میں بویا ہوا پھل پھول لاتا ہے اگرچہ دانہ پانی ہوا دھوپ یکساں ہیں پانچویں یہ کہ خبیث سے مراد ہے گندے دل طیب سے مراد ہے اچھے اور پاکیزہ دل ابو جہل کے لئے قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مفید نہیں ہوئے کہ دل خبیث تھا حضرات صحابہ کی یہ قابلیت انہیں چیزوں سے بے شمار مختلف فائدے نصیب ہوئے اس لئے ارشاد ہوا کہ محبوب تم فرما دو یا اے مسلمان تو اعلان کر دے کہ حلال و حرام نیک و بد کفر و ایمان فسق و تقویٰ ناشکری و شکر بے صبری و صبر غرضیکہ کوئی خبیث و طیب درجہ میں برابر نہیں خبیث مردود ہے طیب مقبول اگرچہ کبھی تم خبیث کی زیادتی اس کا شور اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے دھوکا کھا کر اسے پسند کر بیٹھو مگر اس کا انجام خراب ہے لہذا تم اللہ سے ڈرتے رہو خبیث کے طالب نہ ہو ہمیشہ طیب کے جویاں رہو کیونکہ خبیث کا طالب خبیث ہے طیب کا طالب طیب یہ دونوں طالب برابر نہیں کوا مردار کی جستجو میں رہتا ہے بلبل پھول کو جویاں کوا اور بلبل برابر نہیں اللہ سے ڈرو تاکہ دین و دنیا میں کامیاب رہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت غنی عن العالمین بھی ہے یعنی تمام مخلوق سے بے نیاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بے نیازی کے بھی مظہر ہیں تمام جہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نیاز مند ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے بے نیاز ہیں وہ صرف اپنے رب کے نیاز مند ہیں یہ فائدہ ما علی الرسول سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی تبلیغ فرمائی عملی قولی لسانی سنانی ارکانی جہاد و غزوات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہی تو تھے یہ فائدہ البلاغ کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: کوئی شخص براہ راست رب تعالیٰ سے ہدایت نہیں لے سکتا جسے جو ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ملے گا یہ بھی البلاغ کے اطلاق سے معلوم ہوا پہنچانے کی ضرورت وہاں ہی پڑتی جہاں خود نہ لیا جا سکے۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے دائمی نبی ہیں اور تاقیامت بواسطہ علماء و اولیاء آپ کی تبلیغ جاری ہے یہ فائدہ بھی البلاغ کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہ نہ فرمایا کہ کس قوم کی تبلیغ اور کب تک تبلیغ آپ کے ذمہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ تاقیامت سب کی تبلیغ آپ کے آستانہ سے جاری ہے۔ پانچواں فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا ظاہر بھی درست کریں اور باطن بھی عقائد بھی ٹھیک کریں اعمال بھی صورت بھی سنبھالیں سیرت بھی صرف ظاہر یا صرف باطن کی اصلاح کافی نہیں یہ فائدہ ما تبدون اور ما تکتمون سے حاصل ہوا۔ ضروری ہے کہ اندرون برتن شربت بھی اچھا ہو اور برتن بھی صاف و ستھرا ہو رب تعالیٰ توفیق دے۔ چھٹا فائدہ: کافر مومن جاہل عالم بے دین اور دیندار فاسق و پرہیزگار درجہ میں برابر نہیں مومن کافر سے عالم جاہل سے دیندار بے دین سے یوں ہی پرہیزگار فاسق سے درجہ میں کہیں افضل و اعلیٰ ہے یہ فائدہ لا یستوی سے حاصل ہوا جو کافر و مومن سب کو بھائی بھائی کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ ساتواں فائدہ: عظمت کے بغیر کثرت محض بیکار ہے دینی امور میں زیادتی تعداد اور کثرت رائے محض بیکار ہے ایک مسلمان سواد اعظم ہے لاکھوں بے دین و کفار سواد اعظم نہیں ڈاکٹر

اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

گریز از طرز جمہوری غلام مرد کامل شو که از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

جاہلوں ناقصوں کی جمہوریت سے مرد کامل کی شخصی حکومت بہتر دو سو گدھوں کی جمہوریت کا وزن ایک انسان کامل کے برابر نہیں ہوتا اور فرمایا۔

یاں لوگ گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے

یہ فائدہ **ولوا عجبک کثرۃ الخبیث** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: کامل عقل والا وہی ہے جس کے دل میں اللہ کا خوب ہے اور عقل وہی مفید ہے جو رب تعالیٰ تک پہنچاوے رب تعالیٰ ابو جہل عقل سے بچائے۔ صدیقی عقل نصیب کرے یہ فائدہ **واتقوا اللہ یا اولی الالباب** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: ہر شخص کو تقوے کا حکم ہے مگر جیسا شخص اس کا ویسا تقویٰ کافر کے لئے تقویٰ یہ ہے کہ ایمان قبول کرے مومن کے لئے تقویٰ یہ ہے کہ نیک اعمال قبول کرے بد عملیوں سے بچے پرہیز گار کے لئے تقویٰ یہ ہے کہ وہ شبہ کی چیزوں سے بچے حضرات انبیاء و اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے بچیں جو یار کے سامنے آڑ بن جائے جیسے حضرت سلیمان نے ایک ہزار گھوڑے ذبح کرا دیئے کہ ان کی وجہ سے آپ کی نماز میں تاخیر ہو گئی تھی رب نے ہوا کو ان کا گھوڑا بنادیا فرمایا **وسخرنا لہ الریح** اس لئے **واتقوا اللہ** مطلق فرمایا۔ دسواں فائدہ: عقل عام ہے اور لب خاص لب کے لفظی معنی ہیں خلاصہ یا مغز جو عقل دوہم و خیال سے خالص ہو وہ لب ہے لب خاص بندوں کو دی جاتی ہے عقل سے جہاز راکٹ ٹینک وغیرہ بنتے ہیں مگر لب سے دین 'ایمان' عرفان بنتے ہیں یہ فائدہ **اولی الالباب** فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے ذمہ صرف احکام دینا ہے وہ ڈاکیہ کی طرح رب کا حکم مخلوق تک پہنچادینے والے ہیں اس کے سواء شفاعت وغیرہ کوئی وصف نبی کو حاصل نہیں دیکھو رب فرمارہا ہے **وما علی الرسول الا البلاغ** الا سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا (چکڑالوی) جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں مطلب یہ ہے کہ رسول کے ذمہ تم کو ہدایت دے دینا نہیں ان کے ذمہ صرف احکام الٰہی پہنچا دینا ہے لہٰذا جو ہدایت حاصل نہ کرے تو اس کا اثر رسول کی ذات کریم پر بالکل نہیں اس کے ذمہ دار خود وہ لوگ ہوں گے ورنہ قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف 'رحیم' رحمت عالمین 'نور' سراج 'بشیر' نذیر خدا رسی کا وسیلہ عظمیٰ فرمایا ہے حضور اپنے رب کی عطا سے اس کے فضل سے سب کچھ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ظاہر و باطن سب کچھ درست کرنا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا وہ تو تمہاری نیتیں اور اوّلے دیکھتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان نیت ٹھیک کرے صورت جیسی چاہے رکھے اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا بلکہ نیت و ارادے بھی دیکھتا ہے لہٰذا صورت و سیرت دونوں ٹھیک کرو ہم نجس و گندے برتن کا کھانا قبول نہیں کرتے رب تعالیٰ مشرکین و کفار کی سی شکل رکھنے والوں کے نیک اعمال کیسے قبول کرے گا۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کثرت و قلت کوئی چیز نہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ سواد اعظم (بڑی جماعت) کے ساتھ رہو دوسری حدیث میں ہے کہ محبت والیوں زیادہ بچے جننے والیوں سے

نکاح کرو کہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ انکحوا لو دا لود ود فانی ا کا ثربکم الا مم وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: اس آیت میں خبیثوں گندوں کی کثرت و زیادتی کی برائی کی گئی ہے حدیث شریف میں مومنوں صالحوں' متقیوں کی زیادتی کی تعریف فرمائی گئی' بیشک مسلمانوں کی کثرت اللہ کی رحمت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ید اللہ علی الجماعت جماعت مومنین پر اللہ کی رحمت ہے۔ خیال رہے کہ اگر کسی زمانہ میں سب لوگ گمراہ ہو جائیں اور صرف ایک شخص ہدایت پر رہ جائے تو وہی سواد اعظم یعنی بڑا گروہ ہے کہ از صحابہ کرام تا یوم قیامت کے مسلمانوں کے عقائد رکھتا ہے دیکھو شرح فقہ اکبر وغیرہ۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اے عقل والو اللہ سے ڈرو تو کیا بے عقل والے اللہ سے نہ ڈریں اللہ کا خوف تو عاقل اور غیر عاقل سب کو ہی چاہئے۔ جواب: اس آیت کا منشا یہ ہے کہ اے عقل والو تم بھی اللہ سے ڈرو اپنی عقل و دانش پر گھمنڈ نہ کرو بلکہ عقل مفید وہی ہے جو دل میں خوف خدا پیدا کردے جو عقل رب سے غافل کردے۔ وہ عقل شیطانی ہے اور لعنت کا باعث اور جو عقل رب تک پہنچادے وہ عقل رحمانی ہے رحمت کا ذریعہ۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ اعظم ہیں تبلیغ کے معنی ہیں پہنچانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے احکام و فیوض بذریعہ قال مخلوق کے کانوں تک پہنچاتے ہیں اور بذریعہ حال دلوں تک بذریعہ نظر روحوں تک قال والی تبلیغ 23 سال تک فرمائی مگر حال والی اور نظر والی تبلیغ ابدالآباد تک فرماتے رہیں گے۔ مشرق و مغرب جنوب و شمال میں جو فیض جس کو مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے مل رہا ہے۔

جس طرف کو اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

لہٰذا اے مسلمانو ہمارے رسول کی تبلیغ سے ظاہر و باطن دل و دماغ روح و جسم کو فیض دے لو اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر یعنی جسم و جسمانیات کو بھی جانتا ہے اور تمہارے باطن یعنی روح و روحانیات سے بھی خبردار ہے صوفیاء کرام کے نزدیک خبیث وہ شے ہے جو نفسانی راستہ سے آئے خواہ ظاہری رزق ہو یا باطنی رزق عبادات وغیرہ اور طیب وہ شے ہے جو نفسانی راستہ سے بچا ہوا تم تک پہنچے طیب وہ ہے جس سے حق اللہ حق الرسول ادا کیا جائے خبیث وہ ہے جس میں مردودوں کی شرکت ہو طیب شہد ہے خبیث زہر مومن عادل درخت باردار ہے فاسق درخت خاردار ظاہر ہے کہ شہد اور زہر۔ بار (پھل) اور خار برابر نہیں روح علوی ہے انسان کو بلندی کی طرف لے جاتی ہے نفس سفلی چیز ہے جو ہمیشہ انسان کو نیچے گراتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ہمیں مرد اندر پئے نفسے چو زاغ کو بگورستان بردنے سوئے باغ
نفس اگرچہ زیرکست و خردہ داں قبلہ اش دنیا است او را مردہ داں

صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اولاً فرمایا کہ خبیث طیب برابر نہیں پھر فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم خبیث نہ بنو طیب ہو پانی جسم کو پاک بناتا ہے تقویٰ کا پانی نفس کو طیب بناتا ہے پھر فرمایا تاکہ تم کامیاب ہو ہر شخص کی کامیابی الگ ہے برات میں راستہ کے بچوں کی کامیابی یہ ہے کہ انہیں بکھیر کے پیسے زیادہ لوٹ میں مل جاویں براتیوں کی کامیابی یہ ہے کہ انہیں کھانا اچھا مل جاوے دولہا کے نیگیوں کی کامیابی یہ ہے کہ انہیں جوڑے روپے مل جاویں مگر دولہا کی کامیابی یہ ہے کہ اسے برات کا اصلی مقصود یعنی دولہن مل جاوے لہٰذا کفار بلکہ ہمارے نفس ناہنجار نے دنیا کی دولت و مال کو کامیابی سمجھا مگر اللہ والوں کے دل کی کامیابی یہ ہے کہ

اس زندگی میں مولیٰ مل جاوے لہٰذا نفس کے پیچھے نہ چلو ورنہ یہ تم کو بجائے باغ کے مردار کی طرف لے جائے گا نفس اگرچہ بہت چالاک ہے مگر اس کا قبلہ دنیا ہے دنیا میں خبیث بہ ظاہر بہت معلوم ہوتا ہے مگر در حقیقت حقیر ہے طیب اگرچہ معمولی اور کم محسوس ہوتا ہے مگر در حقیقت عظیم ہے تم ہمیشہ طیب کے طالب رہو۔

گلستان جہاں میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی　　مگر جو گل کے جویاں ہیں انہیں کیا خار کا کھٹکا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خبیث دو قسم کے ہیں اصلی اور عارضی یہی طیب کا حال ہے خبیث اصلی کبھی طیب نہیں بن سکتا خبیث عارضی تلاوت قرآن صحبت صالحین سے طیب بن جاتا ہے ناپاک کپڑا پانی صابن سے پاک ہو جاتا ہے کہ عارضی ناپاک ہے مگر پیشاب پر پانی صابن ڈالو تو پاک نہیں ہوتا کہ اصلی نجس ہے جو آرام یا راحت میں رب کو بھول جاوے وہ عارضی طیب ہے جو ہر حال میں دروازہ پر رہے وہ اصلی طیب ہے رب فرماتا ہے **ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصلی خبیث کو طیب بنا دیا دیکھو حضور کا قرین شیطان مسلمان ہو گیا شیطان اصلی خبیث ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طیب کر دیا اس کی حقیقت بدل دی پیشاب سمندر میں گر کر فنا ہو کر پاک ہو جاتا ہے پاخانہ آگ میں راکھ بن کر سور نمک کی کان میں نمک بن کر پاک ہو جاتا ہے ہمارا شعر ہے۔

تم کچھ کرپا کرو تو سالک برا بھلا بن جائے　　کھوٹا کھرا نہ دیکھے پارس کندن ہی بنائے

خدا وہ آگ نصیب کرے، جو ہماری حقیقت کر بدل دے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ پوچھو تم ان چیزوں کے متعلق کہ اگر ظاہر کر دی جاویں تمہارے لیے تو غمگین

اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تمہیں بری لگیں اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے کہ قرآن

عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ

کریں تم کو اور اگر پوچھو گے تم ان کے بارے میں جبکہ اتارا جا رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جاویں گی واسطے تمہارے معافی دی

اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انہیں معاف کر چکا　اور اللہ بخشنے والا علم والا

حَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

اللہ نے ان سے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے بیشک پوچھیں چیزیں ایک قوم نے پہلے تم سے پھر ہو گئے وہ اسکے انکاری۔

ہے　تم سے اگلی قوم نے انہیں پوچھا پھر ان سے منکر ہو بیٹھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تبلیغ ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ چونکہ وہ رب تعالیٰ کی طرف سے مبلغ اعظم ہیں، اس لئے ضروری احکام وہ تم کو خود ہی پہنچا دیں گے تم ان کی اطاعت کرو تم ان سے پوچھ پوچھ کر اپنے پر احکام سخت نہ کرا لو گویا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی تبلیغ کاذکر پہلے ہوا اور مسلمانوں کو تبلیغ کرنے کے آداب کاذکر اب ہو رہا ہے داتا کی دین کاذکر پہلے تھا فقیروں کو لینے کا طریقہ اب سکھایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کاذکر ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزات سے ثابت ہو گئی اب فرمایا جا رہا ہے اے مسلمانوں تم کفار کی طرح معجزات کے مطالبوں میں مشغول نہ ہو بلکہ اطاعت کی کوشش کرو بہت مطالبوں سے کبھی مصیبت آجاتی ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کھلے چھپے حالات جانتا ہے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بتائے سب کچھ جانتے ہیں تم ان سے پوچھ پوچھ کر اپنے عیوب نہ کھلوا لو اپنے پردے رہنے دو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ بعض لوگ خبیث ہیں بعض طیب یہ دونوں درجہ میں برابر نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم بہت پوچھ گچھ کرکے ان کو ظاہر نہ کرالو بعض لوگ خبیث ہیں مگر پردہ میں ہیں لوگوں میں بدنام نہیں تم ان کے عیوب نہ کھلوالو ممکن ہے کہ ان سوالات سے خود پوچھنے والے ہی کا پردہ چاک ہو جائے لہٰذا پردہ رہنے دو۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا' اے عقل والو اللہ سے ڈرو تاکہ کامیابی پاؤ جس سے معلوم ہوا تھا کہ کامیابی کا مدار اللہ سے خوب اور نیک اعمال کرنے برے اعمال سے بچنے پر ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنے اوقات بیہودہ اور لغو سوالات میں ضائع نہ کرو بلکہ عمل صالح میں صرف کرو بیہودہ سوالات کا انجام خراب ہوتا ہے کامیابی کثرت عمل سے ہے نہ کہ کثرت سوال سے۔

شان نزول : اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں (1) بعض منافقین بطور تمسخر دل لگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت غیر ضروری باتیں پوچھا کرتے تھے کوئی کہتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری اونٹنی گم گئی ہے بتائیے کہاں ہے کوئی کہتا کہ فرمائیے میرا باپ کون ہے میں کس کا بیٹا ہوں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرما کر ارشاد کیا کہ اچھا آج جو کچھ پوچھنا ہے ہم سے پوچھ لو ہم اس مجلس میں سب کچھ بتا دیں گے تو عبد اللہ ابن حذافہ سہمی کھڑے ہو کر عرض گذار ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے یعنی تم حلال سے پیدا ہوئے ہو اپنے ہی باپ کے ہو' دوسرا شخص بولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے فرمایا تیرا باپ سالم ہے شیبہ کا آزاد کردہ غلام (یعنی تو اپنے باپ سے نہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تیور دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنا کلام الٰہی میں توبہ کرتے ہیں (یعنی سب کے پردے رہنے دیجئے)' (بخاری جلد اول کتاب العلم باب الغضب فی التعلیم ص 20) عبد اللہ ابن حذافہ کی والدہ نے جب یہ واقعہ سنا تو اپنے بیٹے عبد اللہ پر ناراض ہوئیں اور بولیں کہ تجھ جیسا نالائق بیٹا کوئی نہ ہو گا اگر میں نے زمانہ جاہلیت میں کوئی ناجائز حرکت کی ہوتی تو آج میں کیسی رسوا ہو جاتی' عبد اللہ بولے کہ اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی حبشی غلام کا بیٹا کہہ دیتے تو میں اس کا بیٹا ہوتا (تفسیر خازن) کسی نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا صداقہ ہے یعنی تو حرامی ہے اپنے باپ کے نطفے سے نہیں کیونکہ اس کی ماں کا خاوند کوئی اور تھا ایک شخص نے پوچھا میرا انجام کیا ہو گا فرمایا تو جہنمی ہے تیرا انجام آگ ہے ایک نے پوچھا میرا باپ فوت ہو چکا ہے وہ کہاں ہے فرمایا دوزخ میں اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن عرفان) (2) حضرت علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ جب حج کی آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ سے فرمایا کہ حج کرنا فرض ہے تو حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال فرض ہے حضور خاموش رہے انہوں نے پھر یہی پوچھا تم خاموش رہے انہوں نے پھر یہی سوال کیا تب فرمایا کہ اگر ہم ابھی ہاں کہہ

دیتے تو ہر سال ہی فرض ہو جاتا عمر میں ایک بار فرض ہے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن وغیرہ)۔

تفسیر : **یاایھا الذین امنوا**۔ قرآن مجید میں کبھی **الذین امنوا** سے تاقیامت سارے انسان مومن مراد ہوتے ہیں کبھی سارے جن وانس بلکہ ملائکہ مومنین مراد ہوتے ہیں کبھی صرف صحابہ کرام ہی مراد ہوتے ہیں اس کا پتہ آیت کے مضمون سے چلتا ہے یہاں تیسری قسم کا خطاب ہے یعنی صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی مراد ہیں کیونکہ قرآن کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا انہیں کو میسر تھا اور اگلا مضمون یہ ہی ہے لہٰذا یہاں ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر میسر ہو۔ مومن اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حضرات صحابہ کی بھی اور ہماری بھی مگر ان چار ایمانوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اللہ تعالیٰ مومن ہے یعنی مخلوق کو امان دینے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن ہیں بمعنی امت کو ایمان بخشنے والے حضرات صحابہ مومن ہیں شہودی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل کو نزول قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو آنکھوں سے دیکھا اور دیکھ کر ایمان لائے ان کا ایمان ان چیزوں پر شہودی ہوا ہم بہرحال مومن بالغیب ہوئے کہ ان میں سے کوئی چیز نہ دیکھی اور ایمان لائے۔ حضرت بلال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اذان نہ دی کہ اب **اشھد ان محمد رسول اللہ** کسے دیکھ کر پڑھوں **لا تسئلو عن اشیاء**۔ **لا تسئلوا** بنا ہے سوال سے جس کا مادہ سئل ہے سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں جیسے **وافاسا لتموھن متاعا**" اور جیسے **لا یسئلون الناس الحافا**" اور اس کے معنی پوچھنا بھی ہیں جیسے **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب** جب بمعنی پوچھنا ہو تو اکثر اس کے بعد عن آتا ہے جیسے **و یسئلونک عن الانفال** یہاں پوچھنے کے معنی میں ہے۔ **اشیاء** سے مراد احکام شرعیہ اور دوسری چیزیں سب ہی ہیں۔ خیال رہے: کہ **اشیاء** جمع شئی کی ہے۔ وزن افعال نہیں ہے۔ ورنہ۔ جمع قلت ہوتی یہ ہے جمع کثرت شئی کی جمع بنی **شیئاء** بروزن حمراء آخر کلمہ میں دو ہمزہ جمع ہوئیں درمیان میں الف تھا یہ عربی میں ثقیل ہے اس لئے اس کی پہلی ہمزہ جو لام کلمہ ہے وہاں سے ہٹا کر شروع میں لگادی گئی۔ **اشیاء** ہو گیا چونکہ **شیئاء** بروزن فعلاء ہے اس لئے غیر متصرف ہوا خلیل اور سیبویہ نے یہ ہی کہا ہے اخفش اور فراء نے کہا ہے کہ یہ اصل میں **اشیاء** تھا جیسے اصدقاء اور صفیاء اس سے بنا اشیاء اور یہ وزن بھی غیر منصرف کا ہے مگر قوی بات وہ ہے جو امام کسائی نے فرمائی کہ یہ بروزن افعال ہے جیسے **ابناء** اور **اسماء** اس میں غیر منصرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں چونکہ بظاہر حمرا اور صفرا کے وزن پر تھا اس لئے اسے غیر منصرف مانا گیا جیسے کراویل اس میں غیر منصرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں صرف مصابیح کے وزن پر ہونے کی وجہ سے اسے غیر منصرف کہا گیا قیاس یہ ہی تھا کہ منصرف ہو قرآن نے غیر منصرف فرمایا اس لئے مان لیا گیا (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) فقیر کے نزدیک یہ قول بہت ہی قوی ہے قرآن مجید ہمارے قاعدوں کا پابند نہیں بلکہ ہمارے قاعدے قرآن مجید کے پابند ہیں **ان تبد لکم تسوکم**۔ یہ جملہ شرطیہ صفت ہے اشیاء کی تبد بنا ہے **بدء** سے بمعنی ظہور ابداء ظاہر کرنا تسوء بنا ہے **سوء** سے بمعنی برائی یا برا لگنا جہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی برا لگنا یا سوء اور مشقت میں پڑ جانا یعنی اے جماعت صحابہ جو میرے محبوب کو دیکھ کر ایمان لائے ہو تم ہمارے محبوب سے ایسی چیزوں کے متعلق نہ پوچھا کرو کہ اگر وہ بتادی جائیں تو تم کو غمگین کریں یا تم کو مشقت میں ڈال دیں **وان تسئلو عنھا حین ینزل القرن تبد لکم** اس عبارت میں ویسے سوال و

جواب کے دنیاوی انجام کا ذکر ہے یعنی یہ غور کرو کہ یہ زمانہ ہے نزول قرآن کا آج حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا رب تعالیٰ سے پوچھنا ہے اور آیات قرآنیہ کے نزول کا زمانہ ہے تمہارے سوالات پر نزول آیات ہوتا ہے تمہارے حالات سوالات آیات قرآنیہ کے شان نزول میں تو ہو سکتا ہے کہ تم ایسے سوالات کرو اور قرآن کریم ان کے جواب دے تو تم مصیبت یا مشقت یا پردہ دری میں گرفتار ہو جاؤ **عفا اللہ عنہا** یہ نیا جملہ ہے عفا بنا ہے علو سے معنی مٹنا معافی کو عفو اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے قصور و جرم مٹ جاتا ہے عنہا کی ضمیر کا مرجع یا تو سوال ہے جو لا تسئلو کے ضمن میں مذکور ہے یا اس کا مرجع اشیاء ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو معاف فرمایا کہ جن کی ممانعت نہ ہو وہ مباح کر دیں۔ چیزیں تین قسم کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا قرآن یا سنت میں مذکور ہو جیسے بکری گائے اور بغیر کیل و پنجہ والے جانور وہ حلال ہیں دوسرے وہ جن کا حرام ہونا قرآن یا حدیث پاک میں مذکور ہے جیسے سور' کتا' بلا وغیرہ تیسرے وہ جن سے خاموشی ہے نہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ہے نہ حدیث پاک میں وہ معافی میں ہیں ان کو حرام نہیں کہا جا سکتا جیسے آم' مالٹا' سنترہ وغیرہ پھل یا اعلیٰ درجے کے لباس و مکان وغیرہ ان ہی کی معافی کا یہاں ذکر ہے لہٰذا حلال چیز وہ ہے جو شریعت میں منع نہ ہو یا مطلب یہ ہے کہ تم سے زمانہ جاہلیت میں جو قصور ہو چکے ہیں وہ معاف کر دیئے یا تم نے اب تک جو ایسے سوالات کئے وہ معاف کر دیئے اب آئندہ نہ کرنا **قد سئالھا قوم من قبلکم** اس عبارت میں ان لایعنی سوالات کے برے انجام کا وہ نتیجہ بیان ہو رہا ہے جو گزشتہ لوگوں نے بھگتا قوم سے مراد قوم صالح علیہ السلام ہے جنہوں نے اپنے نبی سے غیبی اونٹنی مانگی اور قوم موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہم کو خدا تعالیٰ کا دیدار کرا دو یا جنہوں نے گائے کے ذبح کے حکم پر پوچھ پوچھ کر بہت قیدیں لگوالیں اور مصیبت میں پڑ گئے قوم عیسیٰ علیہ السلام نے غیبی دستر خوان مانگا جس سے ان پر عذاب الٰہی آگیا۔ غرضیکہ قوم اسم جنس ہے۔ جس سے بہت قومیں مراد ہیں **ثم اصبحوا بھا کافرین** - ثم عطف تراخی کے لئے ہے بھا کا مرجع وہ ہی مذکورہ اشیاء ہیں یعنی ان قوموں نے اپنے انبیاء سے ایسی چیزوں کے متعلق سوالات کئے اور جواب ملنے پر منکر ہو گئے جس سے ان پر عذاب الٰہی آگیا تم ان قوموں کے انجام میں غور کرو اور ایسے لایعنی سوالات سے باز رہو۔

خلاصہ ء تفسیر : شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ بعض لوگوں نے غیر ضروری سوالات کئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات دیئے مگر اللہ تعالیٰ نے نہ تو اپنے محبوب سے یہ فرمایا کہ آپ نے ایسے سوالات کے جوابات کیوں دیئے نہ یہ فرمایا کہ آئندہ ایسے سوالات کے جواب نہ دیا کریں تاکہ جواب نہ دینے کی وجہ سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے علم اور بے خبر نہ جانے بلکہ پوچھنے والوں سے فرمایا کہ آئندہ اس قسم کے سوالات نہ کیا کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب سے نہ روکا لوگوں کو سوال سے روکا کہ فرمایا اے وہ خوش نصیب لوگو جو دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ایمان کا خاص درجہ حاصل کر چکے تم ہمارے محبوب سے آئندہ کبھی ایسی چیزوں کے متعلق پوچھا نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جاویں تو تم کو ان سے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ تم کو بری لگیں ایسے سوالات تمہارے لئے مضر ہیں تم کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ ہے نزول قرآن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات نازل ہو رہی ہیں اگر تم اس زمانہ میں ایسے سوالات کرو گے تو تم پردہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی اور تاقیامت وہ آیات اور ان محبوب کے جوابات دنیا میں باقی رہیں گے لہٰذا ایسے بے فائدہ بلکہ مضر سوالات سے باز رہو اب تک تم نے جو اس قسم کے سوالات کر لئے اللہ نے معاف فرما دیئے با جو کچھ تم سے زمانہ جاہلیت میں ہو چکا۔ رب تعالیٰ

معاف فرما چکا یا جو چیزیں ہم اور ہمارے محبوب بیان نہ فرمادیں وہ معافی میں ہیں رب نے ان کی معافی دے دی اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی تم کو معلوم ہے کہ تم سے پہلے قوم صالح قوم موسیٰ قوم عیسیٰ علیہم السلام نے اپنے رسول سے ایسے بیہودہ سوالات اور مطالبات کئے پھر ان کے منکر ہو گئے۔ جس سے ان پر عذاب الٰہی آگئے تم ایسے خطرناک کام کرتے ہو لہٰذا تم اس سے باز رہو۔

نوٹ : حضرات صحابہ کرام کے سوالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے ہوئے ایک وہ جن کے جوابات قرآن کریم نے بغیر ترمیم و تبدیلی دیئے جیسے **یسئلونک عن المحیض** لوگ آپ سے حیض کے احکام پوچھتے ہیں **قل هوا ذی فاعتزلوا النساء** تم فرمادو کہ وہ گندگی ہے ایسی حالت میں بیویوں سے الگ رہو یا **ویسئلونک عن الانفال قل الانفال لله** الخ وغیرہ سوالات بہت ضروری تھے جن کے جوابات بعینہ دیئے گئے۔ دوسرے وہ سوالات جن کے جوابات کچھ ترمیم سے دیئے گئے کہ اصل سوال زیادہ مفید نہ تھے جیسے **یسئلونک عن الاهلة قل هی مواقیت للناس** حضرات صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ پوچھی تھی کہ یہ سورج کی طرح ہمیشہ پورا کیوں نہیں نکلتا تو اس کی وجہ بیان فرمانے کی بجائے اس کی حکمت اس کے فائدے بیان کئے گئے یا جیسے سوال کیا کہ ہم کیا مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ فلاں فلاں مصرف میں خرچ کرو تیسرے وہ سوالات جن کے جوابات دینے کی بجائے ان سے روک دیا گیا۔ یہاں ان تیسری قسم کے سوالات کا ذکر ہے کیونکہ یہ سوالات مضر تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل تا ابد بتادیا و کھادیا سمجھادیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم علم لدنی ہیں کون کس کا بیٹا ہے یہ ابتداء ہے کون دوزخ میں جاوے گا کون جنت میں یہ انتہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کو خبر ہے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب اسرار ہیں اس لئے ان کا اظہار نہیں فرماتے یہ فائدہ اس آیت کریمہ کے پہلے شان نزول سے حاصل ہوا۔

ایک ماہ عدن گورا سا بدن نیچی نظریں کل کی خبریں

حضور کے صدقہ سے بعض اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ یہ علوم بخشتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

بلکہ قبل از حزاون تو سالہا می شناسندت بہ چندیں حالہا
سرمہ کن در چشم خاک اولیاء تا بہ بینی زابتداء تا انتہاء

دیکھو اصحاب فیل کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چالیس دن پہلے ہوا اور قوم عاد یعنی ہود علیہ السلام کی کافر قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً چھ ہزار سال پہلے ہوئی مگر ان واقعات کے متعلق ارشاد ہوا **الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل** اور فرماتا ہے **الم تر کیف فعل ربک بعاد**۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ رب نے اصحاب فیل قوم عاد سے کیا کیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہیں جو ذات کریم اپنی ولادت سے پہلے دنیا کے ذرہ ذرہ کو دیکھ رہی ہو وہ اپنی وفات کے بعد بھی عالم کے ذرہ ذرہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام تشریعیہ اور احکام تکوینیہ کا مالک بنایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اور نہ میں سب کچھ ہے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی زبان سے جو نکلتا ہے وہی ہوتا ہے یہ فائدہ اس آیت کے دوسرے شان نزول سے معلوم ہوا کہ فرمایا اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں۔ **تیسرا فائدہ:** اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جو چیز شریعت میں حرام نہ کی گئی ہو وہ مباح ہے خواہ قرون ثلثہ میں ہو یا نہ ہو حدیث شریف میں ہے کہ حلال وہ جسے اللہ نے حلال کیا' حرام وہ جسے اللہ نے حرام کیا اور جس چیز سے خاموشی رہی وہ معاف ہے یہ فائدہ عفا اللہ عنہا کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جب عنہا کی ضمیر اشیاء کی طرف ہو لہذا نیاز فاتحہ 'حنفی' شافعی' بننا۔ قادری' چشتی بننا درست ہے کہ انہیں اللہ رسول نے حرام نہ کیا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق اور فہرست القرآن میں دیکھو' اس مسئلہ پر بہت آیات، بہت احادیث وارد ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** اپنے شیخ سے جو وظیفہ یا عمل حاصل ہوا اس کو بغیر قید ادا کرو پوچھ پوچھ کر اس میں پیدیں نہ لگواؤ یہ فائدہ بھی عفا اللہ عنہا سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات صحابہ کرام اللہ کے ایسے محبوب بندے ہیں کہ بہت سی آیات ان کے سوالات ان کے واقعات ان کے حالات کے بنا پر نازل ہوئیں یہ فائدہ **وان تسئلوا** جملہ شرطیہ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ گزشتہ انبیاء کرام کی کتابیں ان کی صحیفے رب تعالیٰ کی طرف سے پورے کے پورے لکھے لکھائے انہیں دے دیئے جاتے تھے ان کی آیات کے شان نزول نہ تھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی احکام کی آیات اکثر حضرات صحابہ کرام کے سوالات یا واقعات کی بنا پر نازل ہوئیں تا کہ ان حضرات کا احسان تاقیامت مسلمانوں پر رہے دیکھو تیمم کی آیت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہو جانے پر نازل ہوئی اور رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر جائز ہوا جو ان بزرگوں کا مخالف ہو اسے نہ تیمم کرنے کا حق ہے نہ رمضان کی راتوں میں اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نیز اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کو جامع قرآن بنایا کہ ان کے سینوں سے آیات لے کر قرآن جمع کیا گیا اگر ان حضرات کو فاسق مانا جائے تو قرآن کریم مشکوک ہو گا اگر قرآن کو غیر مشکوک ماننا ہے تو اللہ تعالیٰ کو حضرت جبریل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ کرام کو غیر مشکوک ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ قرآن بھیجنے والا حضرت جبریل لانے والے حضور لینے والے صحابہ کرام پھیلانے والے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن کریم کی مطلق آیتیں مطلق رہیں گی مقید مقید رہیں گی مقید کی وجہ سے مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا (حنفی) یہ فائدہ عفا اللہ عنہا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا (تفسیر احمدی مع تصنیف)۔ **ساتواں فائدہ:** جس چیز کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو اس کی بلاوجہ تحقیقات نہیں کرنا چاہئے وہ حلال ہے ہمارے پاس گوشت لایا گیا اب ہم لانے والے سے پوچھیں کہ اسے بسم اللہ سے ذبح کیا گیا تھا یا نہیں پھر خریدار نے حلال پیسے سے خریدا تھا یا حرام سے اسے پاک پانی میں پکایا ہے یا ناپاک میں یہ ہیں شبہات یا وسوسے کسی نے ہماری دعوت کی یا چندہ دیا تو اس کے متعلق تحقیقات کریں کہ یہ پیسہ حلال کا ہے یا حرام کا اس کی ضرورت نہیں فقہا فرماتے ہیں کہ جس کی کمائی مخلوط ہو اس کی دعوت کھانا اس کے ہدیئے لینا جائز ہے اس حکم کا ماخذ یہ آیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیئے قبول فرمائے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ستار عیوب ہے سب کے عیب چھپاتا ہے حتی کہ عیبوں کے متعلق سوالات سے بھی منع فرما دیا تا کہ لوگوں کے عیب نہ کھل جائیں تو ولید ابن مغیرہ کے دس عیوب کیوں بیان فرمائے حتی کہ اسے فرمایا عتل بعد ذالک زنیم وہ حرام کا جنا ہے وہ فرمان شان ستاری کے خلاف ہے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ ان کے عیوب چھپاتا ہے جو اس کے محبوب کی عزت و ناموس کے پیچھے نہ پڑیں جو اس کے حبیب کی عزت پر ہاتھ ڈالیں انہیں ذلیل و خوار کر دیتا

ہے ولید ابن مغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑا رہتا تھا اسے ذلیل کرنے کو اس کے عیوب بیان فرمائے اللہ تعالیٰ معز بھی ہے مذل بھی مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنہ پاکاں دہد

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند — میل مارا جانب زاری کند

جب خدا کسی کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے تو اس کو بے عیب بندوں میں عیب نکالنے کی سوجھتی ہے اور جب خدا تعالیٰ ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہم کو اپنے عیب سوچ کر رونے گریہ زاری کرنے کی توفیق دیتا ہے اللہ تعالیٰ دل بریاں چشم گریاں نصیب کرے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

یہ آیت مسلمان کی عزت و عظمت کی ہے وہ آیت بے دین کفار غضب و لعنت کی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد کیوں فرمایا گیا۔ **حین ینزل القران** کیا قرآن کریم کے نزول کے بعد لایعنی اور بیکار سوال کرنے چاہئیں' ایسے سوال تو ہمیشہ ہی برے ہیں۔ **جواب:** نزول قرآن کا ذکر ایسے سوالات کرنے نہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر ہے **تبدلکم** کے لئے مقصد یہ ہے کہ جب نزول قرآن بند ہو جائے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف واقع ہو جائے اور پھر تم علماء سے اولیاء سے ایسے سوالات کرو تو اتنا خطرہ نہیں ابھی نزول قرآن کے زمانہ میں ایسے سوالات بہت خطرناک ہیں کیونکہ اس وقت تم کو جواب ضرور دیا جائے گا اور وہ جواب قرآن کریم میں مذکور ہو گا تو قیامت تک تمہاری بدنامی ہوتی رہے گی۔ جن کی خوبیاں قرآن کریم میں آ گئیں وہ تاقیامت نیک نام ہو گئے جن کی برائیاں قرآن مجید میں آ گئیں وہ تاقیامت بدنام ہو گئے یہ زمانہ تمہارے لئے بڑی احتیاط کا ہے اس لئے صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں اپنے بیوی بچوں سے بے تکلف ہوتے ہوئے گھبراتے تھے کہ کہیں قرآن کریم کی آیت اس کے متعلق نازل نہ ہو جائے یہ ہی یہاں ارشاد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **عفا اللہ عنہا** سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے۔ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو بعد کی ایجاد ہو وہ حرام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **کل محدث بدعتہ و کل بدعتہ ضلالتہ** ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی لہٰذا اشیاء میں اصل حرمت ہے **عفا اللہ عنہا** کے معنی ہیں ہم نے وہ سوالات معاف کر دیئے (وہابی) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی سب چیزیں حرام ہیں تو تم بھی بعد کے ہی ہو اپنی حقیقت سوچو اور چھ کلمے' جمع قرآن مجید قرآن پاک میں اعراب لگانا حدیث کی کتابیں' چاروں سلسلے حنفی شافعی وغیرہ یوں ہی قادری چشتی وغیرہ اور تمام عربی علوم منطق فلسفہ ریاضی بلکہ تفسیر و حدیث و فقہ سب ہی حرام ہوں گے' نعوذ باللہ۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حدیث پاک میں نئے عقائد کا ذکر ہے کہ اسلام میں جو نئے عقائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوں وہ بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے گمراہی عقائد سے ہوتی ہے نہ کہ اعمال سے عملی بدعت کا ذکر اس حدیث میں ہے کہ جو اسلام میں اچھے طریقے ایجاد کرے تو اس کو تمام عاملین کا ثواب ہے اور جو اسلام میں غلط طریقے ایجاد کرے' اس کو تمام عاملین کا عذاب ہے **من سن فی الاسلام سنتہ حسنتہ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا** اس کی مکمل تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہم کو چار چیزیں بخشی ہیں' جسم' دل' دماغ' روح ان چاروں کے غسل کے لئے چار پانی عطا فرمائے' شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت' علم شریعت کو علم شرعی' فرعی کہتے ہیں۔ باقی تین علوم کو علم حقیقی' اصلی کہا جاتا ہے علم شرعی فرعی تو قال سے حاصل کیا جاتا ہے مگر علم حقیقی اصلی حال سے حاصل ہوتا یہ علم لدنی ہے اس کے لئے سوال خطرناک ہے یہاں ارشاد ہوا کہ اے مومنوں حقائق اشیاء کے متعلق سوال نہ کیا کرو اگر تم کو وہ علوم قال سے سکھائے گئے تو تم آفات میں پڑ جائے گے کیونکہ بذریعہ الفاظ تم اسے سمجھو گے نہیں تو شبہات میں پڑ جاؤ گے جیسے فلاسفہ کہ انہوں نے علوم الٰہیہ کو عقل سے معلوم کرنا چاہا تو گمراہ ہو گئے' دس خدا مان بیٹھے اور ان سے لاکھوں آدمی گمراہ ہو گئے حقائق کا علم قال سے محال ہے رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض** اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے **لقد رای من ایات ربہ الکبری** معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی علم اپنے خلیل و حبیب کو بتایا نہیں بلکہ دکھایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو شرعی علوم سکھائے اور حقیقی علوم دکھائے فرماتا ہے **یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** اور فرماتا ہے **سنریھم ایاتنا فی الافاق** اے مومنو اگر تم نے علوم حقیقیہ کے متعلق پوچھنا ہے تو بعد نزول قرآن خود قرآن سے پوچھنا تو وہ تمہیں بقدر تمہاری عقلوں کے دکھائے گا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حقیقی حاصل کرنے گئے تو انہوں نے فرمایا اے موسیٰ مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں **فلا تسالنی عن شئی** یہ کیوں فرمایا اسی لئے کہ علم حقیقی قال و سوال سے پالینا محال ہے۔ جب جناب کلیم نے پوچھنا شروع کیا تو تیسرے سوال پر انہیں اپنے سے جدا کر دیا اس آیت کے نزول سے پہلے جو تم سوالات کر چکے ہو وہ رب نے معاف فرما دیئے۔ تم سے پہلے فلاسفہ نے یہ علوم حقیقیہ قال و سوال سے حاصل کئے تو اس وجہ سے وہ کافر ہو گئے (روح البیان) قال والا علم محدود ہے کہ وہ بتیس حرفوں کی قید میں ہے ان حروف کا پابند ہے اور علوم حقیقیہ لامحدود غیر محدود کو محدود کیسے بیان کرے اور اسے اپنے احاطہ میں کیسے نے لے۔

طیبہ سے منگائی جاتی ہے سینہ میں چھپائی جاتی ہے
توحید کی مے پیالوں سے نہیں آنکھوں سے پلائی جاتی ہے

اس لئے بعض صوفیاء نے تصوف کی کتب نہایت مغلق اشاروں میں لکھی ہیں اور فرمادیا ہے کہ ہماری کتب وہ دیکھے جو ان کا اہل ہو نااہل ہاتھ نہ لگائے ورنہ ایمان کھو بیٹھے گا' جیسے فصوص الحکم مصنفہ حضرت محی الدین ابن عربی یا لوائح جامی موجودہ جاہل صوفیوں نے اس حال کو قال سے بیان کرنا شروع کیا کافر اور کافر گر ہو گئے اپنے کو خدا کہہ کر اپنے مریدوں سے اپنے کو سجدے کرانے لگے نعوذ باللہ ایک شخص کہتا تھا کہ مسئلہ وحدت الوجود یہ ہے کہ ہر چیز خدا ہے ہم تم خدا ہر در و دیوار خدا ہے میں نے کہا یہ صریحی شرک ہے وحدت الوجود یہ ہے کہ خدا کے سوا کچھ نہیں۔

ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی

ان دونوں میں بڑا فرق' صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس نے نبی کو معجزات سے یا صرف دلائل سے' محض عقل سے مانا وہ ٹھوکر کھا جائے گا اور جس نے نبی کو نبی ہے جانا اول سے مانا معجزات کو نبی سے مانا انشاء اللہ اس کے ایمان پختہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں نور سے سب کچھ دیکھو نور کو کسی سے نہ دیکھا نور کو خود نور سے دیکھو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حضور صلی اللہ علیہ

وسلم سے دیکھو سورج سے سب کو دیکھو سورج کو خود سورج سے ہی دیکھو آفتاب آمد دلیل آفتاب 'قبر میں مومن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پہچانے گا' جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہچان لیا اسے پھر زیادہ پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی ہے۔ اے لقاء تو جواب ہر سوال

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰـكِنَّ
نہیں بنایا اللہ نے کوئی کان چیرا جانور اور نہ سانڈ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن وہ
اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡـكَذِبَ‌ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾
لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ گڑھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور بہت ان میں سے نہیں عقل رکھتے
افتراء باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔
وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا
اور جب کہا جاتا ہے واسطے ان کے آؤ طرف اس کے جو اتارا اللہ نے اور طرف ان رسول کے
اور جب ان سے کہا جاوے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہمیں وہ بہت ہے
مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا‌ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًـا وَّلَا
تو کہتے ہیں کافی ہے ہم کو وہ کہ پایا ہم نے اوپر اس کے اپنے باپ دادوں کو اگرچہ ہوں انکے باپ
جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانیں نہ راہ
يَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾
دادے نہ جانتے ہوں کسی چیز کو اور نہ ہدایت پاتے ہوں
پر ہوں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو عبث اور غیر ضروری باتوں کے پوچھنے سے منع فرمایا گیا۔ اب عبث کاموں سے منع فرمایا جارہا ہے حلال جانوروں کو حرام کرلینے سے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں پوچھ پوچھ کر غیر ضروری چیزوں کو ضروری کرالینے یا غیر حرام کو حرام بنالینے سے منع فرمایا گیا تھا۔ اب حلال جانوروں کو حرام کرلینے سے روکا جارہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں گزشتہ کفار کی حالت کا ذکر ہوا کہ انہوں نے خود پوچھ پوچھ کر اپنے پر قیدیں لگوالیں اور خود ہی توڑتے ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں اپنے پر سختی کرالینے سے منع فرمایا گیا تھا کہ بے کار سوالات کرکے ہم سے اپنے پر سختی نہ کرالو اب خود اپنے پر سختی کرلینے سے منع فرمایا جارہا ہے کہ حلال

جانوروں کو اپنے پر حرام کر کے خود سختی نہ کرلو گویا غلط پابندی لگوا لینے سے منع فرمانے کے بعد غلط پابندی لگانے سے منع فرمایا جارہا ہے۔

تفسیر : **ما جعل اللہ من بحیرۃ** عربی میں جعل کبھی بمعنی خلق آتا ہے یعنی پیدا کرنا تب یہ ایک مفعول چاہتا ہے جیسے **جعل الظلمات والنور** اللہ نے تاریکیاں اور روشنی پیدا فرمائیں اور کبھی بنانے کے معنی میں آتا ہے تب دو مفعول چاہتا ہے جیسے **جعلکم خلائف الارض** رب نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا۔ یہاں بنانے کے معنی میں ہے پیدا کرنے کے معنی میں نہیں یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے ان جانوروں کو پیدا نہ کیا انہیں کسی اور نے پیدا کیا ہے یہ کفر ہے اس کا پہلا مفعول تو **من بحیرۃ** الخ ہے دوسرا مفعول پوشیدہ ہے حرا ما اور مشروعا" یعنی اللہ نے ان جانوروں کو حرام نہ فرمایا۔ استغراق نفی کے لئے ہے یعنی اللہ نے کوئی بحیرہ کوئی سائبہ وغیرہ حرام نہ فرمائیں۔ بحیرہ بروزن فعلیہ بمعنی مفعول ہے یہ بنا ہے۔ بحر سے بمعنی چیرنا دریا کو اس لئے بحر کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی زمین کو چیر کر اپنے لئے راستہ بناتا ہے تو بحیرہ کے معنی ہوئے چیرا ہوا زمانہ جاہلیت میں جو لونٹنی پانچ بار بچے جن دیتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے کہ اس سے نہ کوئی کام لیتے تھے نہ اس سواری کرتے وہ کسی کے باغ یا کھیت میں گھس جاتا اسے کھانے پینے سے نہ روکتے تھے اس کا دودھ بتوں پر چڑھاتے تھے خود پیتے تھے۔ بحیرہ کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے **ولا سائبۃ** یہ عبارت معطوف ہے **من بحیرۃ** پر لا تاکید نفی کے لئے لایا گیا۔ سائبہ بنا ہے سیب سے بمعنی چلنا یا چھوڑنا بمعنی اسم مفعول ہے یعنی چھوڑا ہوا چلایا ہوا آزاد کیا ہوا جانور اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی بیمار ہوتا تو نذر مانتا تھا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں یا بخیریت سفر سے واپس آؤں تو میری لونٹنی سائبہ ہوگی یعنی بتوں کے نام پر چھوڑی ہوئی سائبہ کو بھی بحیرہ کی طرح حرام مانتے تھے اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے جیسے ہندوستان کے ہندو نر بیل کو بتوں کے نام چھوڑ دیتے ہیں جسے بجار کہا جاتا ہے **ولا وصیلۃ** یہ عبارت معطوف ہے **ولا سائبۃ** پر یہ لفظ بنا ہے وصل سے بمعنی ملنا ملانا یہ بھی بمعنی اسم مفعول ہے یعنی ملا ہوا یا ملایا ہوا جانور اہل عرب میں جب کسی کی بکری سات بار بچے دیتی اگر ساتواں بچہ نر ہوتا تو اسے ذبح کر کے صرف مرد کھاتے تھے عورتوں کے لئے حرام جانتے تھے اور اگر مادہ ہوتا تو اسے بکریوں میں چھوڑ دیتے تھے اور اگر نر مادہ کا جوڑا پیدا ہوتا تو کہتے کہ یہ دونوں بہن بھائی مل گئے پھر اس بکری کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اسے ذبح نہ کرتے اس کو حرام سمجھتے تھے اس کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے **ولا حام** یہ عبارت معطوف ہے **ولا وصیلۃ** پر حام بنا ہے **حمی** سے بمعنی گرمی یا بمعنی اہل عرب کا دستور یہ تھا کہ جب ان کا لونٹ دس بار لونٹنی کو گابھن کردیتا تو اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور کہتے کہ یہ حام یعنی ذبح اور کام وغیرہ سے محفوظ کر دیا گیا اسے بھی بجار کی طرح چھوڑ دیتے اس کو چارہ پانی سے نہ روکتے وہ آزاد پھرتا تھا خلاصہ یہ ہے کہ بحیرہ اور سائبہ اونٹنیوں کے نام ہیں اور وصیلہ بکری کا اور حام لونٹ کا یہ تمام جانور بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے ان کے گوشت ان کا دودھ حرام سمجھا جاتا تھا اس آیت کریمہ میں ان کفار کے اس عمل کی اور اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ یہ حرام ہو جاتے ہیں **ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب** اس جملہ میں **ما جعل اللہ** الخ سے پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے کفروا سے مراد مشرکین عرب ہیں اس میں یہود و نصاریٰ وغیرہ داخل نہیں کیونکہ ان کے ہاں یہ عمل نہ تھے **الافتراء** بنا ہے فری سے بمعنی نرا جھوٹ **الافتراء** کے معنی ہیں کسی پر

جھوٹ باندھ دینا کذب سے مراد یہ ہی جھوٹے اعمال اور جھوٹے عقیدے جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیئے جاتے تھے کہ کفار عرب کہتے تھے کہ ہم کو اللہ نے یہ حکم دیئے ہیں حالانکہ ان چار جانوروں کا موجد بلکہ دین ابراہیم کو پہلا بگاڑنے والا عمرو ابن لحی ابن قمعہ ابن خندف تھا جو بنی مدلج سے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسے دوزخ میں جلتے دیکھا ہے (روح المعانی وغیرہ) **واکثرھم لا یعقلون** یہاں اکثر سے مراد عام کفار عرب ہیں جو محض اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی یہ کام کرتے تھے انہیں خبر نہ تھی کہ ان کاموں کی اصل کیا ہے اور ان کے بڑے بڑے مہنت پجاری جانتے تھے کہ یہ حرکتیں ہماری ایجاد ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں **لایعقلون** یہاں کا مفعول پوشیدہ ہے اصلاً وغیرہ اب تک تو کفار عرب کی بیماری کا ذکر ہوا کہ وہ جان مال جانوروں کے ذریعہ بتوں کی پرستش میں گرفتار ہیں اب ان کی بیماری کے درجہ لاعلاج میں پہنچ جانے کا ذکر ہے کہ وہ ناصح خیر خواہوں کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے بلکہ ان کی تردید کرتے ہیں جب بیمار طبیب سے علاج کرانے کی بجائے اس کی تردید کرنے لگے تو اس کی اصلاح یا علاج کی کیا امید ہے چنانچہ ارشاد ہوا **واذا قیل لھم** یہ نیا جملہ ہے اس میں ان ہی کفار کی ہٹ دھرمی اور ضد دکھائی گئی اس قول کا فاعل یا تو اللہ تعالیٰ ہے یا خاص مومن یا عام مسلمان ظاہر یہ ہے کہ لھم کا مرجع وہ اکثر مشرکین ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا **تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول۔ تعالو** کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے کہ لغتاً اس کے معنی ہیں چڑھنا نیچے سے اوپر آنا مگر اصطلاح میں مطلقاً آنے کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں چونکہ مشرکین کو دعوت اسلام دی گئی ہے کفر پستی ہے اسلام بلندی نیز ہم پست ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلند اونچے کے پاس جانا چڑھ کر ہوتا ہے نیچے کے پاس پہنچنا اتر کر یا گر کر ہوتا ہے برابر والے کے پاس جانا چل کر ہوتا ہے نیز نیچے تو بغیر واسطے کے بھی گرا جا سکتا ہے مگر اوپر بغیر سیڑھی کے نہیں ہو سکا رب تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لئے اولیاء علماء وسیلہ اس لئے یہاں **جیئوا یا ایتوا یا انزلوا** نہ فرمایا گیا بلکہ **تعالوا** ارشاد ہوا۔ **تعالو** فرمایا نہایت ہی موزوں ہے یہاں آنے سے مراد سے چل کر آنا نہیں بلکہ برے عقیدے چھوڑ کر اسلامی عقائد قبول کرنا مراد ہے **ما انزل اللہ** سے مراد اللہ تعالیٰ کے سارے احکام ہیں خواہ ذریعہ قرآن مجید دیئے گئے ہوں یا بذریعہ حدیث شریف اس لئے الی القران نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی قرآن و حدیث حکم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں لہٰذا قانون کو پکڑو حاکم کے پاس جاؤ تم پر قانون وہ جاری کرے اس لئے **ما انزل اللہ** کے بعد الی الرسول فرمایا گیا نیز انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اس لئے الی الرسول بعد میں ارشاد ہوا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہ کر قرآن و حدیث اختیار نہ کرو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دامن سے وابستہ رہو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا قرآن کی طرف آنے کے تابع نہیں بلکہ یہ مستقل چیز ہے اس لئے الرسول کے لئے علیحدہ الی فرمایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی کئی صورتیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں حاضری دینا حیات شریف میں یا بعد وفات شریف ان بزرگوں کے پاس پہنچنا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملتے ہیں یعنی علماء و اولیاء اللہ ایسی جگہ حاضر ہونا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہوتا ہے جیسے عبادات اور درس و تدریس کی مجلسیں علوم دینیہ کے مدرسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کرنا قبول کرنا ان پر عمل کرنا یہاں سارے احتمال درست ہیں پہلے تین احتمال زیادہ قوی ہیں کہ اطاعت تو **الی ما انزل اللہ** میں مذکور ہو چکی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ہجرت کے متعلق فرمایا تھا **انی ذاھب الی ربی سیھدین** قرآن مجید نے چند ہستیوں کی طرف بلایا ہے

اللہ کی طرف ففروا الی اللہ کلمہ طیبہ کی طرف تعالوا الی کلمتہ سواء اپنے فرمان اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ جو یہاں مذکور ہے اللہ کی طرف آنا یہ ہے کہ اس کے رسول کی طرف آجاؤ۔ کلمہ طیبہ کی طرف آنا یہ ہے کہ اسے قبول کرلو پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اباء نا یہ عبارت جزاء ہے واذا قیل کی اس عبارت میں حسبنا خبر مقدم ہے اور ما وجدنا الخ مبتداء مو خر ہے آباء سے مراد یا تو نسبی باپ دادے ہیں جن کی یہ اولاد ہیں یا روحانی باپ دادے یعنی ان کے پوپ پادری۔ ما وجدنا سے مراد ہے ان کے عقیدے ان کے یہ مذکورہ اعمال یعنی اے محبوب یہ اپنے کفرو کفریات پر ایسے ڈھیٹ ہیں کہ جب ان سے ہمارا قرآن یا مسلمان یہ کہتے ہیں کہ کہاں جارہے ہو اِدھر آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم کو باپ دادوں کے رسم و رواج کافی ہیں ہم کو اسلام و قرآن کی ضرورت نہیں اولو کان اباء ھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون یہ کلام ربانی ہے۔ جس میں ان کے کلام کی تردید کی گئی ہے اولو میں ہمزہ استفہامیہ ہے اور واؤ حالیہ آباء سے مراد ہی ان کے نسبی باپ دادے یا ان کے پوپ پادری ہیں علم سے مراد فروعی مسائل کا علم ہے۔ ہدایت سے مراد عقائد کا علم ہے یا بے علمی سے مراد جہالت ہے اور بے ہدایت ہونے سے مراد کفرو بد عقیدگی ہے یا بے علمی سے مراد معرفت الٰہی نہ ہونا ہے اور بے ہدایت ہونے سے مراد پیغمبر کی معرفت نہ ہونا ہے۔ بہر حال لا یعلمون اور لا یھتدون کی بہت تفسیریں ہو سکتی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو یاد رکھو ان مشرکین کے ایجاد کردہ چار جانور بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ۔ حام جنہیں وہ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں اور ان کے گوشت دودھ حرام سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نہ تو یہ عمل مشروع کیا اور نہ ان جانوروں کے گوشت دودھ حرام کئے یہ عقیدے کفار کی اپنی ایجاد ہیں کہ انہوں نے خود ہی یہ عقیدے گھڑے اور خود ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا کہ ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس قسم کے جانور بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرو ہم ان اعمال سے راضی ہیں اور رب تعالیٰ ہی نے ان کے گوشت دودھ حرام کر دیئے ہیں ان مشرکین کے عوام کا حال یہ ہے کہ ان میں کوئی عقل نہیں جو ان پنڈتوں مہنتوں نے کہہ دیا اسے مان لیا۔ ساتھ ہی یہ ایسے ضدی اور ڈھیٹ بھی ہیں کہ جب مسلمان ان سے کہتے ہیں کہ بد نصیبو کہاں بہے جارہے ہو اللہ رسول کے فرمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ ایمان لاؤ کفر سے بچو تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو ایمان وغیرہ کی ضرورت نہیں ہم کو وہ ہی عقیدے وہ ہی اعمال کافی ہیں جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے یہ بیوقوف اتنا نہیں سوچتے کہ کیا یہ اپنے باپ دادوں کی بہر حال پیروی کریں گے اگرچہ ان کے پاس نہ عقل ہو نہ ہدایت ہو بے عقلوں گمراہوں کی پیروی تو ہلاکت کے غار میں گرا دیتی ہے انہیں چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیں۔ خیال رہے کہ اھبطوا جیئوا تعالوا ان سب کے معنی ہیں آؤ لیکن اگر اوپر والا نیچے والے کو بلائے تو اس کے پاس چڑھ کر جانا ہوتا ہے اور اگر نیچے والا اوپر والے کو بلائے تو اس کے پاس اتر کر جانا ہوتا ہے اور اگر فرشی فرشی کو بلائے تو وہاں چل کر جانا ہوتا ہے۔ چڑھ کر۔ چل کر۔ اتر کر کا خیال رہے چونکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے فرمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا شان کی طرف بلایا گیا اس طلب کے لئے تعالوا فرمانا بہت ہی مناسب ہے۔ انسان نیچے جاتا ہے اتر کر بھی اور گر کر بھی اترنے میں واسطے کی ضرورت پڑتی ہے گرنے میں ضرورت نہیں لیکن اوپر جاتا ہے کسی وسیلہ سے ہاں اوپر جانا اپنی کوشش سے ہو جیسے ڈول بذریعہ رسی اوپر جاتا ہے مگر دوسرے کے کھینچنے سے چونکہ یہاں بطور جذب نہیں کھینچا گیا بلکہ انہیں اختیار سے بلایا گیا لہٰذا تعالوا فرمانا ہی مناسب تھا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کسی مخلوق کی عبادت کی نیت سے اس کے نام پر جانور چھوڑنا جیسے ہندو بتوں کے نام پر بجار چھوڑتے ہیں کفر ہے اور ایسا کرنیوالا کافر ہے یہ فائدہ **ما جعل اللہ** سے حاصل ہوا غیر خدا کی عبادت بہر حال کفر ہے خواہ کسی قسم کی ہو بدنی یا مالی۔

مسئلہ : جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف کر دینا جائز ہے جبکہ وہ غیر منقول وقف کے تابع ہو جیسے کسی مسجد پر منقول سامان نیا بیل وقف کر دیئے جاویں کہ یہ وہاں کام کریں (رد المحتار) بلکہ دینی خدمت کے لئے اپنی اولاد کو وقف کر دینا بھی جائز ہے کہ میرا بیٹا عالم بنے دین کی خدمت کرے اس سے دنیا کا کام نہ لیا جاوے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الذین احصروا فی سبیل اللہ الخ** حضرت حنہ نے اپنی بیٹی مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کیا تھا رب تعالیٰ ان کا وقف یوں بیان فرماتا ہے **رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا الخ** **دوسرا فائدہ:** کفار کے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا نہ گوشت حرام ہے نہ دودھ اگر ایسے جانور کو مسلمان بسم اللہ سے ذبح کرے تو حلال ہے یہ فائدہ بھی اس **ما جعل اللہ الخ** سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے ان چار جانوروں کو حرام سمجھنا علامت کفار قرار دیا جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے اگر یہ چاروں جانور شرعاً حرام ہوتے تو یہ آیت کریمہ مشرکین کی تائید میں ہوتی نہ کہ تردید میں حضرات صحابہ کرام غزوات جہادوں میں کفار کے یہ جانور بھی غنیمت میں حاصل کرتے تھے انہیں حرام نہیں سمجھتے تھے غازیوں میں تقسیم کرتے انہیں کھاتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام سمجھنا اللہ پر بہتان باندھنا ہے اور یہ کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ **ولکن الذین کفروا یفترون الخ** سے حاصل ہوا۔

لطیفہ : بعض مسلمان کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے جانور پالتے اسے فربہ کرتے ہیں پھر اسے بسم اللہ سے ذبح کر کے پکا کر ان بزرگ کی فاتحہ کرتے ہیں بعض بے عقل اس جانور کو حرام کہتے ہیں تعجب ہے کہ وہ حرام کہنے والے اس جانور کو حرام نہیں کہتے جو ولیمہ یا کسی دوست کی دعوت کے لئے پالا جاوے جب ہندوؤں کے معبود یعنی گائے کا گوشت اور گنگا کا پانی ہی حرام نہیں ہوا تو ان کے ناموں پر چھوڑے جانور بھی حرام نہیں اور جب وہ جانور حرام نہیں تو بزرگوں کی فاتحہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور حرام کیوں ہو گا۔ **پانچواں فائدہ:** صرف قرآن کی طرف آنا نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ حدیث کی طرف رجوع کرنا بلکہ اجماع امت اور قیاس مجتہدین کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے یہ فائدہ **تعالوا الی ما انزل اللہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں تعالوا الی القرآن نہ فرمایا اتنی دراز عبارت فرمائی قرآن' حدیث' اجماع' قیاس سب ہی **ما انزل اللہ** میں داخل ہیں۔ قرآن مجید تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر شریف میں اترنا شروع ہوا اور 23 سال تک اترتا رہا مگر دوسری وحی خفی ولادت مبارک سے ہی شروع ہو گئی اور تا ابد ہوتی ہی رہے گی بی بی حلیمہ کا بایاں پستان نہ چوسنا بچپن شریف میں کھیل سے نفرت حلیمہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جانا یہ کہہ کر جب ہم کھانے میں برابر ہیں تو کمانے میں برابری کریں گے یہ اسی خفی وحی سے تھا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ہاں مصر کی کسی دائی کا دودھ نہ چوسنا سوا اپنی والدہ کے اس دوسری خفی وحی سے تھا اس وقت توریت نہیں آئی تھی فرماتا ہے **وحرمنا علیہ المراضع** **چھٹا فائدہ:** صرف الفاظ قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

غلامی ہو عمل قرآن و حدیث پر ہو۔ تب نجات ہو گی یہ فائدہ **والی الرسول** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: شریعت کے مقابلہ میں کافریا جاہل باپ داداؤں کی حرام رسموں کو ماننا طریقہ کفار ہے۔ اللہ رسول کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کا رواج و رسم معتبر نہیں یہ فائدہ **قالوا حسبنا ما وجدنا** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: کافریا جاہل باپ داداؤں کی پیروی حرام ہے صالحین کی اتباع بہت ضروری ہے یہ فائدہ **لا یعلمون** اور **لا یہتدون** کی قید لگانے سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکونوا مع الصادقین** ہمارے بزرگان دین الحمد للہ صادقین یعنی دل کے زبان کے عقیدے کے عمل کے سچے ہیں ان کے ساتھ رہنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے بلکہ سیدھا راستہ وہ ہی ہے جس پر اللہ کے مقبول بندے چلے ہوں رب فرماتا ہے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم**۔ نواں فائدہ: نجات کے لئے صرف قرآن کریم کو مان لینا کافی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری بھی ضروری ہے یہ فائدہ **والی الرسول** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: بارگاہ نبوت میں حاضری مستقل طور پر ضروری ہے۔ قرآن کریم کے تابع نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی مقصود بالذات ہے یہ فائدہ **الی الرسول** میں علیحدہ الیٰ فرمانے سے حاصل ہوا۔ گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ تاقیامت ہر شخص کے لئے کھلا ہوا ہے کسی وقت کسی پر بند نہیں یہ فائدہ **تعالوا** کے مطلق ہونے سے حاصل ہوا کہ تاقیامت لوگوں کو رسول کی طرف آنے کی دعوت دی گئی نہ قرآن کا فیض بند ہوا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے فرمان ہر زمانہ ہر شخص کے لئے ہیں یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان ہمیشہ ہر شخص کے لئے ہیں۔ بارھواں فائدہ: جس کے ایمان کی ناامیدی ہو اسے دعوت اسلام دی جاوے کہ وہ اگرچہ ایمان قبول نہ کرے مگر اس مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملے گا علاج بیمار کا علاج کرنے پر حکیم کو فیس دوا کی قیمت ضرور ملتی ہے دیکھو اس آیت میں ان لوگوں کو دعوت اسلام دی گئی جو علم الٰہی میں کفر پر مرنے والے تھے۔

پہلا اعتراض: یہ چاروں جانور یعنی بحیرہ' وصیلہ وغیرہ حرام ہیں اگرچہ اللہ کے نام پر ذبح کئے جاویں ان کا دودھ بھی حرام ہے ان کے گوشت بھی حرام رب فرماتا ہے **وما اھل بہ لغیر اللہ** جس پر غیر خدا کا نام پکار دیا جاوے کہ یہ فلاں کے نام کا ہے وہ حرام **ما جعل اللہ** الخ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ نے ان جانوروں کو حرام نہ کیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے یہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑنا مشروع نہیں کیا ان کا یہ عمل کفر ہے اسی طرح ولیوں نبیوں کے نام پر پالا ہوا جانور حرام ہے اگرچہ بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے (بعض بے عقل و بے دین)۔ جواب: کفار عرب کے ان جانوروں کے متعلق دو عقیدے تھے ایک یہ کہ انہیں بتوں کے نام پر چھوڑنا اچھا کام ہے اس سے رب تعالیٰ راضی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس چھوڑ دینے سے ان کے گوشت دودھ حرام ہو جاتے ہیں یہ آیت کریمہ ان دونوں عقیدوں کی تردید کے لئے آئی ہے۔ یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ نے یہ عمل جائز کیا ہے اور نہ ان کے گوشت دودھ حرام کئے تمہاری تفسیر سے لازم یہ آوے گا کہ اس آیت نے ان کفار کے ایک عقیدے کی تو تردید کی مگر دوسرے عقیدے کی تائید کی کہ واقعی ایسے جانوروں کے دودھ و گوشت حرام ہیں لہذا تمہاری تفسیر باطل ہے نیز اگر آیت کریمہ کے وہ معنی ہوتے جو تم نے کئے تو آیت یوں نہ ہوتی اور جعل کا مفعول بحیرہ سائبہ نہ ہوتے بلکہ یوں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ کام یعنی بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا حرام کیا نیز اگر یہ جانور ہی حرام ہو جاتے تو حضرات صحابہ کرام اور تمام غازی مسلمان یہ جانور غنیمت میں نہ حاصل کرتے نہ کھاتے ہمیشہ غازیوں نے یہ جانور غنیمت میں لئے انہیں کھایا۔ نیز اگر یہ جانور حرام

ہو جاویں اور بعد میں وہ چھوڑنے والا کافر مسلمان ہو کر ان حرکتوں سے توبہ کرے تو تم بھی کہتے ہو کہ اب وہ جانور حلال ہو جاویں گے بہرحال یہ تفسیر محض باطل ہے **ما اہل** کے معنی ہیں **ما ذبح** تمام مفسرین نے اس کے معنی یہ ہی کئے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں وہ خدا پر کیا جھوٹ گھڑتے تھے۔ **جواب:** یہ کفار رب تعالیٰ پر دو جھوٹ گھڑتے تھے ایک یہ کہ ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم بتوں کے نام پر یہ جانور چھوڑیں رب تعالیٰ ہمارے اس عمل سے راضی ہے دوسرے یہ کہ ہمارے اس عمل سے ان جانوروں کے گوشت دودھ حرام ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام کر دیا نہ ان کا یہ عمل رب کو پیارا تھا نہ اس عمل سے ان کے گوشت دودھ حرام ہوتے تھے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں یہ کیوں فرمایا گیا کہ اکثر کفار بے عقل ہیں کفار تو سارے ہی بے عقل ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ عام مشرکین بغیر سوچے سمجھے محض کاہنوں' مہنتوں' پنڈتوں کے کہنے پر یہ جانور چھوڑتے تھے انہیں خبر نہ تھی کہ یہ کیوں چھوڑے جاتے ہیں۔ رہے ان کے کاہن پنڈت وغیرہ وہ تو بڑے چالاک تھے وہ جانتے تھے کہ یہ حرکتیں محض ہماری ایجادیں ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں چونکہ پنڈت تھوڑے تھے عوام زیادہ اس لئے انہیں اکثر فرمایا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں **ما انزل اللہ** کے بعد **والی الرسول** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ **ما انزل اللہ** یعنی قرآن و حدیث دل کے لئے پانی و صابن کی طرح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم دھونے والے ہاتھ کی طرح جیسے میلے کپڑے گندے کپڑے کو پانی' صابن' ہاتھ سب کی ضرورت ہے ایسے ہی میلے دل کو قرآن و حدیث کی ضرورت ہے اور نظر رسول کی ضرورت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **لا یعلمون** اور **لا یہتدون** میں کیا فرق ہے علم اور ہدایت تو ایک ہی ہیں یا لازم ملزوم ہیں۔ **جواب:** علم و ہدایت کے کئی فرق ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یا تو علم سے مراد فروعی مسائل کا علم ہے ہدایت سے مراد اصول عقائد یا بے علمی سے مراد جہالت ہے اور بے ہدایت ہونے سے مراد گمراہی ہے وغیرہ' علم و ہدایت نہ تو ایک ہیں نہ لازم ملزوم ابلیس کا علم بہت وسیع ہے مگر ہدایت نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واضلہ اللہ علی علم۔** **چھٹا اعتراض:** جیسے کفار عرب کا اپنے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنا حرام بلکہ کفر تھا مگر وہ جانور حلال ایسے ہی آج کل بزرگوں کی قبروں پر جانور دے آنا حرام بلکہ شرک ہے اگرچہ جانور حلال ہے یہ دونوں کام یکساں ہیں۔ **جواب:** کفار بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے ہیں ان کی عبادت کی نیت سے لہٰذا یہ عمل شرک ہے۔ مسلمان بزرگوں کے مزارات پر جانور دیتے ہیں۔ انہیں ثواب پہنچانے کی نیت سے کہ اس کا کھانا پکا کر بزرگ کی فاتحہ کر دی جاوے۔ عبادت اور ثواب میں بڑا فرق ہے۔ حضرت سعد نے اپنی ماں کے نام پر کنواں کھدوایا اور نام رکھا بیر ام سعد۔ آج مسلمان ولیمہ' عقیقہ دوستوں کی دعوت کے لئے جانور موٹا فربہ ذبح کرتے ہیں یہ کوئی شرک نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہلے آتے ہیں قرآن و حدیث پر عمل بعد میں کرتے ہیں۔ کلمہ پہلے پڑھتے ہیں۔ قرآن مجید بعد میں تو یہاں **الی الرسول** بعد میں کیوں ارشاد ہوا کہ **الی ما انزل اللہ** پہلے اور **الی الرسول** بعد میں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ کوئی شخص نیک اعمال کرنے کے بعد بھی اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ جانے ہر وقت ان کا حاجتمند رہے جیسے کوئی شخص کسی وقت اللہ کی ربوبیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جیسے جسمانی زندگانی کے لئے غذا پانی سے بڑھ کر ہوا ہے کہ کھانے پانی کے بغیر انسان کچھ دن زندہ رہ سکتا ہے مگر ہوا کے بغیر ایک آن نہیں گذار سکتا اس لئے غذا کھیت

میں پانی کنوئیں میں ہوتا ہے مگر ہوا ہر جگہ غذا فروخت ہوتی ہے۔ ہوا فروخت نہیں ہوتی۔ یوں ہی ایمانی زندگی کے لئے عبادات غذا و پانی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق گویا ہوا اور سانس ہے دیکھو نماز روزے کے لئے اوقات مقرر ہیں اور یہ کبھی معاف بھی ہو جاتی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں اور یہ کبھی معاف نہیں ہوتا بعد موت قبر و حشر میں بھی اس کی ضرورت ہے۔

تفسیر صوفیانہ : شیطان بعض جھوٹے فقیروں جاہل پیروں پر تسلط کر کے انہیں بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام بنا دیتا ہے بعض جاہل صوفی اپنے کان یا ناک چھید کر بالے ڈال لیتے ہیں یہ شیطان کے بحیرہ جانور ہیں (کان چرے ہوئے) بعض جاہل پیر اپنے گلے میں طوق ڈال لیتے ہیں ڈاڑھی' مونچھ ابرو پلک وغیرہ منڈوا دیتے ہیں۔ بستیوں میں آوارہ پھرتے ہیں شیطان کے حام جانور ہیں اس قسم کے لوگ اپنے کو قلندریہ کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ جھوٹے ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

قلندری نہ برِیشت و موی یا ابرو!!!　　حساب راہ قلندر بد انکہ موی بموست!!

گزشتن از سر مو در قلندری سہل است　　چوں حافظ آنکہ ز سر بگذرد قلندر اوست

یعنی بال منڈانے سے قلندری نہیں ملتی بلکہ ہر بال بال کا حساب رکھے ان کے حساب دینے سے قلندری ملتی ہے۔ بال سے گزرنا قلندری نہیں' سر سے گزر جانا قلندری ہے۔ بعض جاہل فقیر شہروں میں گھومتے ہیں ان کے منہ میں شریعت کی لگام گلے میں طریقت کا پٹہ نہیں ہوتا۔ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں ہر جائز ناجائز چیز سے مزے اٹھاتے ہیں یہ لوگ شیطان کے سائبہ جانور ہیں۔ بعض لوگ حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننے لگتے ہیں۔ جیسے صوفیوں کا فرقہ یہ لوگ شیطان کے وصیلہ جانور ہیں یہ تمام لوگ اپنے کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں مگر ہیں شیطان سا ہے کہ کہتے ہیں پہنچے ہوئے مگر پہنچے ہوتے ہیں شیطان تک۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شریعت کی مخالفت مضر نہیں ہم مقام سبقت تک پہنچ چکے ہم کو شریعت کی ضرورت نہیں ان کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے **ما جعل اللہ من بحیرۃ** الخ یہ لوگ نہ اہل شریعت ہیں نہ اہل طریقت نہ اہل معرفت نہ اہل حقیقت بلکہ یہ لوگ طبیعت اور صاحب خدیعت ہیں یعنی نفس امارہ کے وسوسوں میں پھنسے ہوئے یہ خود بھی بے دین ہیں ان کے ماننے والے بھی بے دین ان جیسوں کی تقلید کفر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از مقلد تا محقق فرقہا است　　ایں یکے کوہست آں دیگر صدا است

دست در بینا زنی آئی براہ　　دست در کورے زنی آئی بچاہ

اندھیارے کا دامن پکڑو اور پڑو گے اندھے کا دامن پکڑو چاہ یعنی کنوئیں میں گرو گے ان لوگوں نے اپنی جبہ و دستار فقیری کو دنیا کے شکار کا جال بنایا ہوا ہے کسی نے ایک جاہل بے دین صوفی سے کہا کہ اپنا جبہ میرے ہاتھ فروخت کر دے وہ بولا اگر شکاری اپنا جال بیچ دے تو شکار کس سے کرے یہ میرا جال ہے جس میں آدمی پھنستے ہیں اس آیت کریمہ میں ایسے جاہل شیطانوں کی تقلید سے منع فرمایا گیا ہے **اولو کان اباء ھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون** (تفسیر روح البیان)۔ جیسے کوئی پیر فقیر صوفی' عالم غذا' پانی' ہوا' سورج سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ایسے ہی کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قرآن ان کے احکام ان کے فرمان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ مرے بعد غذا ہوا کی ضرورت نہیں رہتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ضرورت وہاں بھی رہتی ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی طرف آنا ہی مفید ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بارگاہ میں حاضری میسر ہو اگر اس دروازہ تک رسائی نہیں ہے تو یہ ہی ہو گا کہ۔

کتابیں پڑھیں دینداری نہ آئی . بخار آ گیا پر بخاری نہ آئی

اس لئے یہاں والی الرسول بھی ارشاد ہوا جیسے کوئی شخص کسی کو دعوت نامہ بھیجے مگر جگہ کا پتہ نہ دے کہ دعوت کہاں ہے کھانا کہاں ملے گا تو کوئی بھی نہیں پہنچ سکے گا ما انزل اللہ میں تو نعمتوں کا ذکر ہے اور الی الرسول میں ان نعمتوں کے ملنے کی جگہ کا ذکر ہے یعنی ما انزل اللہ کہاں ملے گا ان رسول کے پاس خط میں سب کچھ ہو پتہ نہ ہو تو خط نہیں پہنچ سکتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کی طرف آؤ اطاعت کے قدم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ ارادت کے قدم سے جیسی منزل ویسی وہاں پہنچنے کی سواری۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے لازم پکڑو تم اپنی جانوں کو نہیں نقصان دے گا تم کو وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت

اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگڑے گا جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ ہدایت پر

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

پالو اللہ ہی کی طرف ہے لوٹنا تم سب کا پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تم کرتے تھے

ہو تم سب کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو تم کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں مشرکین و کفار کا کفر پر پختگی کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ اپنی حماقت میں ایسے مضبوط ہیں کہ اللہ رسول کی طرف آنے کا نام نہیں لیتے اب مسلمانوں کو ایمان پر پختہ رہنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب کفار اپنے کفر میں ایسے پختہ ہیں تو تم ایمان میں پختہ کیوں نہ ہو گویا کفار کی ضد کے بعد مسلمانوں کو استقامت کا حکم ہے غلط بات پر جم جانا ضد یا ہٹ دھرمی ہے اچھی بات پر مضبوطی سے قائم ہو جانا استقامت ہے استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین و کفار اسلام کی طرف نہیں آتے اب ارشاد ہے کہ ان کے اسلام کی طرف نہ آنے سے ایمان 'اسلام' قرآن' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا یہ لوگ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں مشرکین کے چار مخصوص جانوروں کا ذکر ہوا کہ وہ ان بیہودگیوں کو رب کی طرف نسبت کرتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمانو! تم اس قسم کی خرافات سے دور رہنا تمہارا ہر کام اللہ رسول کی ہدایت کے مطابق ہونا چاہئے اگلا گرے پچھلا ہوشیار۔

شان نزول : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اہل کتاب سے تو جزیہ قبول فرمایا مگر مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہ کیا ان کے لئے یا اسلام یا تلوار کا حکم دیا تو منافقوں نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ عجیب حکم ہے مشرکین اور اہل کتاب سب ہی کافر ہیں تو یہ فرق کیسا یا تو کسی سے جزیہ نہ لیا جاوے یا سب سے لیا جاوے مسلمانوں کو اس اعتراض سے رنج و دکھ پہنچا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ تم ان بیہودوں کی ایسی بکواس سے ملول نہ

ہوا کرو اپنے دین پر پختہ رہو۔ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ اسلام یا قرآن یا رحمان پر اعتراض وہ کرے گا جو اللہ تعالیٰ کو یا رحیم نہ مانے یا حکیم نہ جانے جو اسے رحیم بھی ملتا ہے حکیم بھی وہ اس کے کسی حکم پر اعتراض کر سکتا ہی نہیں جیسے مریض حکیم کی ہر دوا بخوشی کھاتا ہے۔ بچہ ماں کی ہر ہدایت بخوشی قبول کرتا ہے۔ (2) بعض مومنین کو کفار کے کافر رہنے اسلام قبول نہ کرنے سے بہت صدمہ ہوتا تھا۔ بعض مومنین کو اپنے عزیز و قرابت دار کافروں پر صدمہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے ان کا صدمہ دور کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ روح البیان۔ خازن وغیرہ)۔

تفسیر : **یا ایھا الذین امنوا** ظاہر یہ ہے کہ یہ ندا نہ تو اظہار غضب کے لئے ہے نہ غفلت سے جگانے کے لئے بلکہ انتہائی رحمت کے اظہار کے لئے ہے جیسا کہ اگلے مضمون اور شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے قرآن مجید میں مسلمانوں کو نداء غضب کے لئے تو ہوتی ہی نہیں اس خطاب میں تاقیامت مسلمان داخل ہیں صرف صحابہ کرام سے ہی خطاب نہیں۔ اسلام ظاہر کا نام ہے ایمان دلی اعتقاد کا نام اس لئے مسلمانوں کو اسلموا فرما کر خطاب نہیں فرماتا تھا بلکہ **امنوا** سے خطاب ہوتا ہے۔ مسلمان قومی بھی ہوتے ہیں اور مذہبی بھی مگر مومن مذہبی ہو گا صرف قومی مومن نہیں منافقین قومی مسلمان مانے جاتے مومن نہ مانے جاتے تھے اس لئے اس خطاب میں منافقین داخل نہیں ہو سکتے **علیکم انفسکم** حق یہ ہے کہ پورا **علیکم** اسم فعل ہے بمعنی **الزموا** اس کے بعد والا اسم منصوبہ ہوتا ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے صرف علیکم ہی اسم فعل ہے علیم یا علیہ اسم فعل نہیں ہوتا اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں مگر یہ قول زیادہ قوی ہے کبھی لازم بھی ہوتا ہے جیسے علیک بذلت الدین میں (روح المعانی) **انفس** جمع ہے نفس کی نفس کے بہت معنی ہیں دل، جان، ذات، یہیں یہاں بمعنی ذات ہے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی ذات کی فکر کرو یا اپنی ذات کی فکر لازم رکھو دوسروں کی فکر میں اپنی ذات کو نہ بھول جاؤ۔ اللہ نے ہم کو تین نعمتیں دی ہیں مال، جان، ایمان ہم مال و جان کے لئے تین کام کرتے ہیں۔ دشمنوں سے بچانا۔ آئندہ کے لئے بڑھانا اور مستقبل کی فکر کرنا یوں ہی چاہئے کہ ایمان کو دشمنوں سے بچاؤ۔ اعمال بڑھاؤ۔ عاقبت کی فکر کرو اس مختصری عبارت میں ان سب باتوں کا حکم لایا گیا اگر اللہ یہ تین چیزیں نصیب کر دے تو دنیا میں چین آخرت میں آرام سب کچھ نصیب ہو جاتا ہے۔ **لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم** اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے جو پہلے جملہ کی وجہ بیان فرما رہا ہے اور لا نفی کا ہے نہی کا نہیں **یضر** بمعنی استقبال ہے ضرر سے مراد دینی و دنیاوی نقصان ہے **کم** میں خطاب انہیں مومنین سے ہے۔ جن سے ابھی علیکم میں خطاب ہوا **من ضل** میں مراد مطلقاً گمراہی ہے۔ جس میں کفر، ارتداد، بدمذہبی، بدعملی سب ہی شامل ہیں **اذا** ظرفیہ ہے اور یہ عبارت **لا یضر** کا ظرف ہے **اھتدیتم** میں ہدایت سے مراد اپنے عقائد، عبادات، معاملات سب داخل ہیں جن میں تبلیغ بھی آگئی لہٰذا آیت بالکل واضح ہے یعنی راہ حق سے بہکنے والے بھٹکنے والے لوگ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے جب کہ تم پورے پورے ہدایت پر رہو کہ تمہارے عقائد بھی درست ہوں۔ عبادت بھی معاملات بھی اور تم ان کو بقدر طاقت تبلیغ بھی کر چکے ہو جب تم اپنے فرض ادا کر چکے اور وہ گمراہی رہے تو تم پر اس کا کیا وبال۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم سچے مسلمان رہے تو کفار نہ تو تمہارا دنیاوی نقصان کر سکیں کہ کفار تمہاری قوم تمہارے دین کو ختم کر دیں نہ دینی نقصان کر سکیں کہ کل قیامت میں تم سے ان کی بازپرس ہو جاوے۔ خیال رہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کو کفار کے مقابل شکست ہو جاوے تو کبھی اس میں ہمارا اپنا قصور

ہوتا ہے کبھی رب کی طرف سے آزمائش یہ چیزیں ضرر نہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزیدیوں نے شہید کردیا ضرر نہ پہنچایا نقصان تو اس کو پہنچا کہ اس کا منصوب خاک میں مل گیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنا کام کر گئے یہ نفع ہے نقصان نہیں۔ **الی اللہ مرجعکم جمیعا** " یہ عبارت نیا جملہ ہے **الی اللہ** مقدم خبر ہے اور **مرجعکم** الخ موخر مبتدا خبر کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا مرجع مصدر میمی ہے بمعنی رجوع (لوٹنا) کم میں خطاب سارے مومن و کافر انسانوں سے ہے مومنوں کا ذکر تو **امنوا** اور **علیکم** اور **انفسکم** وغیرہ میں ہو چکا ہے اور کفار وغیرہ کا ذکر **من ضل** میں ہو گیا مرجع سے مراد یا تو مرکز رب کی بارگاہ میں حاضری ہے یا قیامت میں دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ قبر میں صرف عقائد کا حساب ہے۔ قیامت میں اعمال کا بھی حساب ہوگا اور یہاں اعمال کا ذکر ہو رہا ہے کہ ارشاد ہے **فینبئکم بما کنتم تعلمون** یہ عبارت **الی اللہ** الخ پر معطوف ہے خبر دینے سے مراد ثواب و عذاب دینا ہے یعنی عملی خبر کیونکہ قولی خبر تو بذریعہ انبیاء کرام اور کتب آسمانی دنیا میں بھی دیدی گئی ہے کہ کون مومن ہے کون کافر اور مومنوں کا اجر یہ ہے کافروں کا عذاب یہ تعملون میں عمل سے مراد جسمانی عمل یعنی نیک و بد افعال اور قلبی عمل یعنی اچھے برے عقیدے سب ہی شامل ہیں لہٰذا یہ جملہ بشارت' نذارت' ترغیب' ترہیب سب کو شامل ہے اور بہت جامع ہے اگرچہ قیامت میں ہر ایک کو اس کے اعمال پر خبردار کرنا سزا و جزا دینا فرشتوں کا کام ہے مگر چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں اور جو کچھ بھی کرتے ہیں رب کے حکم سے کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے کام کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمایا اور کہا کہ اللہ تم کو خبر دے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے ایمان والو جن کے دل میں ایمان مضبوط ہو چکا تم اپنی فکر کرو دنیا میں رہ کر آخرت کا توشہ تیار کر لو دوسروں کی فکر میں اپنے کو نہ بھول جاؤ کیونکہ جب تم صحیح معنی میں ہدایت پر ہو کہ تمہارے عقیدے عبادتیں معاملات لوگوں کو شریعت کی تبلیغ ضرورت کے وقت کفار پر جہاد سب کچھ ٹھیک ہوں اس کے بعد جو لوگ بد عقیدہ بد عمل رہیں اور تمہاری نہ مانیں تو ان کے گمراہ بد عمل رہنے سے تم کو بالکل نقصان نہ پہنچے گا کسی کی بد عملی دوسرے کے لئے عذاب کا باعث نہ ہوگی تمہارے ذمہ تبلیغ احکام ہے باقی ہدایت دینا ہمارا کام ہے تم سب کا رجوع آخر کار قیامت میں ہماری ہی طرف ہے کہ اس دن مومن کافر' متقی' فاسق سب ہماری بارگاہ میں جمع ہونگے اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کے گذشتہ عقائد و اعمال کو پوری پوری خبر دے دیگا کہ مومنوں کو ثواب کفار کو عذاب دے گا۔ خیال رہے کہ **علیکم انفسکم** بہت وسیع آیت ہے۔ جیسے ڈرائیور مشین کے ہر پرزہ پر نظر رکھتا ہے کہ ہم کو چاہئے کہ اپنے ہر عضو آنکھ' کان' زبان وغیرہ پر نظر رکھیں کہ یہ پرزے غلط کام تو نہیں کر رہے ہیں اور جیسے ڈرائیور معمولی خرابی خود نکال لیتا ہے بڑی خرابی دور کرنے کے لئے مشین کو ورکشاپ میں بھیجتا ہے یوں ہی اگر اپنی اصلاح تم خود نہ کر سکو تو کسی شیخ کامل کے ذریعہ اپنی اصلاح کراؤ ہمارا کسی شیخ کی بیعت کرنا اس آیت پر عمل ہے کہ اپنی فکر رکھو۔ خیال رہے: کہ یہ آیت کریمہ تبلیغ واجب ہونے کی بہت اہم آیت ہے اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم خود ہدایت پر ہو تو تم کو دوسروں کی بد عملی سے نقصان نہ ہوگا اور ہم ہدایت پر جب ہی ہوں گے جبکہ سارے احکام خداوندی پر عمل کریں گے ان احکام میں تبلیغ بھی داخل ہے جو بقدر طاقت بلاعذر تبلیغ نہ کرے وہ ہدایت پر ہے ہی نہیں لہٰذا وہ اس پر پکڑا جاوے گا۔ ترمذی نے بروایت قیس ابن ابی حازم روایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ لوگو تم اس

آیت سے دھوکہ نہ کھاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور باوجود قدرت کے اسے نہ روکیں تو ان پر عام عذاب آجاوے گا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آیت اس زمانہ کے لئے ہے جب لوگ علماء ناصحین کے فرمان پر کان نہ دھریں تبلیغ پر انہیں ایذاء دیں تب تبلیغ فرض نہ رہے گی اور اسی آیت کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات چھ قسم کی ہیں۔ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور نزول قرآن سے پہلے ہو چکا۔ بعض وہ آیات ہیں جن کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا۔ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یعنی زمانہ صحابہ کرام میں ہوا۔ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور قریب قیامت ہوگا بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت کے بعد ہوگا اس آیت کا ظہور قریب قیامت ہوگا جبکہ لوگ تبلیغ کا اثر لینا چھوڑ دیں گے مبلغین کے پیچھے پڑ جاویں گے اور حساب و کتاب کی آیتوں کا ظہور قیامت میں ہوگا اور جنت و دوزخ وغیرہ کا ظہور بعد قیامت ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر سے کسی نے کہا کہ آپ تبلیغ چھوڑ دیں فرمایا ابھی اس کا وقت نہیں آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حاضرین ہمارے احکام غائبین کو پہنچا دیں۔ ہم لوگ اس وقت حاضر تھے تم لوگ غائب ہم پر قرض ہے کہ تم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پہنچائیں کسی شخص نے حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے کیا اب تبلیغ نہ کی جاوے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لوگو احکام شرعیہ لوگوں تک پہنچاتے رہو۔ جب لوگوں کا یہ حال ہو جاوے کہ بخل کی پیروی کرنے لگیں ہر شخص اپنی رائے پسند کرے۔

دنیا کی فکر میں پڑ کر آخرت کو بالکل بھول جاویں تو تم اپنی فکر کرنا لوگوں کی فکر چھوڑ دینا ایک زمانہ ایسا آرہا ہے۔ جبکہ ایمان پر قائم رہنا ہاتھ میں آگ لینے سے بھی زیادہ دشوار ہو جاوے گا جو اس زمانہ میں صبر کرے اسے پچاس مومنوں کا ثواب ملے گا۔ کسی نے پوچھا کہ اس زمانہ کے پچاس کا یا آج کل کے پچاس کا فرمایا آج کل کے پچاس کا یعنی پچاس صحابہ کرام کا دیکھو ترمذی شریف (تفسیر خازن و روح المعانی۔ تفسیر کبیر وغیرہ) غرضیکہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر سے یہ ہمیشہ قابل عمل رہی اور رہے گی۔ دوسری تفسیر سے اس پر عمل قریب قیامت ہوگا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر مسلمان خصوصاً علماء اور مبلغین کو چاہئے کہ دوسروں کو سنبھالنے کی فکر میں اپنے سے غافل نہ ہو جائیں خود بھی پکے مومن متقی بنیں یہ فائدہ علیکم انفسکم سے حاصل ہوا بلکہ خود پہلے نیک بنیں پھر دوسروں کو نیکی کی رغبت دیں ورنہ تبلیغ اثر نہ کرے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قوا انفسکم واھلیکم نارا**۔

لطیفہ : مشہور یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچے کو لائی اور بولی کہ حضور اسے گڑ مضر ہے مگر یہ کھاتا ہے میرے منع کرنے سے گڑ نہیں چھوڑتا اسے آپ منع فرماویں امام صاحب نے فرمایا اسے ایک ہفتہ کے بعد میرے پاس لانا چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد پھر آئی تو آپ نے اس بچہ کو گڑ کھانے سے منع فرمایا وہ بولی کہ آپ نے اس دن ہی منع کر دیا ہوتا فرمایا کہ گڑ میرے مزاج کے بھی خلاف ہے مگر میں کھایا کرتا تھا۔ پہلے میں نے خود چھوڑا پھر اسے منع کیا۔

دوسرا فائدہ: کسی کے گناہ کا وبال دوسرے پر نہیں پڑ سکتا اپنی کرنی اپنی بھرنی اپنی بدی کی سزا خود اپنے کو ہی ملے گی۔ یہ فائدہ **لا یضرکم** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ مسلمان اپنی نیکیوں کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے اور وہ اسے ضرور پہنچتا

ہے۔ بخشنے والا بھی محروم نہیں رہتا مگر اپنے گناہ کا عذاب کسی کو نہیں بخش سکتا یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ خدایا میرے صدقہ میرے حج وغیرہ کا ثواب میرے والدین کو پہنچے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدایا میرے جوئے میری شراب خوری کا عذاب میرے دشمنوں کو پہنچے۔ تیسرا فائدہ: جو شخص عملی یا قولی تبلیغ پر قادر ہو اور پھر نہ کرے اور لوگ اس کی سستی کی وجہ سے بددین یا بدعمل بن جاویں تو اس کوتاہی کرنے والے کو کوتاہی کرنے کا ضرور عذاب ہوگا مثلاً ماں باپ اساتذہ اپنے بیٹے یا شاگرد کو برائیوں سے نہ روکیں یا بادشاہ۔ حاکم اپنی رعایا کو بدکاریوں سے باز نہ رکھے تو اس سستی کی سخت سزا ان سب کو ملے گی یہ فائدہ **اذا ھتدیتم** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہوں کی گمراہی دوسروں کے لئے مضر نہ ہونے میں یہ شرط لگائی کہ دوسرے ہدایت پر رہیں ہدایت میں تبلیغ بھی داخل ہے۔ تبلیغ زبانی بھی اور تبلیغ قوت و طاقت سے بھی جیسی اپنی طاقت ہو ویسی تبلیغ کرے علماء زبان سے تبلیغ حکام جبراً لوگوں کو برائیوں سے روکیں۔ چوتھا فائدہ: جب لوگ بہت سرکش ہو جاویں کہ مبلغ کی تبلیغ کا اثر لینے کے بجائے اسے ستاویں اس کی زندگی اجیرن کردیں تو اس مجبوری میں تبلیغ لازم نہیں بلکہ خاموش رہے اور اپنی عزت و جان کی حفاظت کرے یہ فائدہ **لا یضر کم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: اعمال کی سزا جزا دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ملے گی دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء یہ فائدہ **فینبئکم** الخ سے حاصل ہوا آج عمل ہے حساب نہیں کل حساب ہوگا عمل نہ ہوگا۔ چھٹا فائدہ: اللہ کے محبوب بندوں کے کام رب تعالیٰ کے کام ہیں کیونکہ ان کو رب تعالیٰ سے بہت قرب ہے یہ فائدہ بھی **فینبئکم** الخ سے حاصل ہوا دیکھو قیامت میں سزا و جزا دینا فرشتوں کا کام ہے مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ رب تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان صرف اپنی اصلاح کرے دوسروں کی مطلق پرواہ نہ کرے۔ لہٰذا اسلام کا بڑا رکن یعنی تبلیغ ختم ہوگئی ہماری تبلیغ کرنا اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر اور فوائد میں گزر گیا کہ اس آیت پر عمل قریب قیامت ہوگا۔ جب لوگ واعظین مبلغین کا اثر لینا چھوڑ دیں گے بلکہ الٹا اثر لینے لگیں گے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تبلیغ کر دینے کے بعد لوگوں کی بدعملی کا یہ مبلغ ضامن نہیں ہدایت تو اللہ کے قبضہ میں ہے ورنہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **بلغوا عنی ولو اٰیۃ** تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ہے بلکہ جہاد بھی تبلیغ کے لئے ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی کی بدعملی کا اثر دوسرے پر نہیں پڑتا مگر حدیث شریف میں ہے کہ ماں باپ سے اولاد کا خاوند سے بیوی کا حاکم و سلطان سے رعایا کا سوال ہوگا کہ یہ لوگ مجرم کیوں بنے وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: یہ سوال ان لوگوں سے جب ہوگا جب انہوں نے اپنے ماتحتوں کی اصلاح میں کوتاہی کی ہوگی اور یہ سوال اپنے فریضہ میں کوتاہی کرنے کی بناء پر ہوگا کہ تم نے ان سے لاپرواہی کیوں کی لاپرواہی اپنی بدعملی ہے اگر یہ لوگ اپنے ماتحتوں کی اصلاح میں پوری کوشش کریں پھر لوگ اصلاح قبول نہ کریں تو ان سے قطعاً باز پرس نہ ہوگی لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے قطعاً خلاف نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے جرموں کی سزا بے قصوروں کو نہیں دی جاتی **لا یضر کم من ضل** مگر حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اگر ایک شخص جہاز کا تختہ توڑ دے تو سارے ہی ڈوبتے ہیں یوں ہی اگر ایک شخص قانون شکنی کرے تو سب پر وبال آ

جاتا ہے نیز رب تعالیٰ فرماتے ہیں **واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ** اس فتنہ سے ڈرو جس میں عذات صرف ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا۔ یعنی بے قصوروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیگا یہ آیت کریمہ اس حدیث اور اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت کریمہ میں بے قصوروں سے عذاب اخروی کی نفی کی گئی ہے اس آیت اور اس حدیث میں دنیاوی تکلیف کا ذکر ہے کہ وہ بروں کے ساتھ اچھوں کو بھی پہنچ جاتی ہے زکوۃ نہ دینے والوں کی وجہ سے بارش موقعہ پر نہیں ہوتی قحط پڑ جاتا ہے اور قحط سے سب کو ہی تکلیف ہوتی ہے۔ جن قوموں پر دنیاوی عذاب آئے اور وہ ہلاک کر دیئے گئے تو ان کے ساتھ بے قصور جانور اور بے گناہ بچے بھی ہلاک ہو گئے مگر یہ عذاب مجرموں کے لئے عذاب ہوتا ہے بے قصوروں کے کے لئے رحمت کہ اس کے عوض ان کو اعلیٰ مرتبے عطا ہوتے ہیں جیسے بادشاہ غداروں کے شہر کو بمباری سے تباہ کر دے ان میں جو وفادار لوگ وہاں رہتے ہیں۔ انہیں ان عمارات کے بڑے بھاری معاوضے ملتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ اس آیت اور حدیث کے خلاف نہیں۔ **خیال رہے:** کہ اکثر نیکوں کے صدقے برے لوگ اللہ کی نعمتیں پالیتے ہیں عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ یدافع عن الذین امنوا** مگر کبھی بروں کی نحوست سے اچھوں پر بھی مصیبت آجاتی ہے جبکہ برائی کا غلبہ اور بروں کی کثرت ہو جاوے گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں مگر یہ مصیبت اچھوں کے لئے رحمت بن جاتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ جب تم ہدایت پر رہو گے تو تم کو گمراہوں کی گمراہی مضر نہیں ہو گی تو کیا اگر ہم ہدایت پر نہ ہوں تو گمراہوں کی گمراہی ہم کو نقصان پہنچاوے گی جب کسی کے گناہ کا عذاب دوسرے کو نہیں ہوتا تو اس شرط کے کیا معنی۔ **جواب:** جو شخص ہدایت پر نہ ہو تو گمراہ ہو گا اور گمراہوں کے ٹولے اور دوسروں کے گناہ میں شریک ہوتا ہے تو لامحالہ اسے عذاب بھی ہوتا ہے یا یہ کہو کہ جو شخص باوجود قدرت کے لوگوں کو برائی سے نہ روکے وہ ان کی برائیوں گناہوں کی سزا پائے گا نہ روکنے کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ: اے وہ لوگو جو سچے طالبوں کا سا ایمان لا چکے یعنی اپنے کو راہ طلب میں ڈال چکے اور طالب مولیٰ بن چکے تم اس راستہ میں اپنے نفس سے غافل نہ رہو ہر وقت اپنی صفائی میں لگے رہو اگر تم کو لوگ کامل کہنے لگیں تمہارے مرید ہو جائیں تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ لوگوں کی تعریف خلقت کا تمہاری طرف رجحان تم کو اپنے متعلق دھوکہ نہ دیدے اگر سالک دوسرے سالک کی اصلاح میں لگ کر اپنے سے غافل ہو جاوے تو ہلاک ہو جاوے گا اور اسے بھی ہلاک کر دے گا جیسے کوئی دریا میں ڈوب رہا ہو دوسرا تیرنے والا اس کا ہاتھ پکڑے تو دونوں ڈوب جائیں گے اسے چاہئے کہ ڈوبتے کو اپنے کپڑے وغیرہ کا سہارا دے اس کا ہاتھ نہ پکڑے اسے بھی چاہئے کہ دوسرے کو دامن پکڑاوے ہاتھ نہ دے اگر راہ طلب میں دوسرے لوگ ہلاک ہو گئے تو ان کی ہلاکت تم کو مضر نہ ہو گی بشرطیکہ تم طلب میں ہو۔ اولاً تم اپنی کوشش سے یہ راستہ طے کرو پھر ایک وقت آوے گا کہ تم کو عنایت الٰہی خود جذب کرے گی پھر تم اس کی طرف ایسے کھچو گے جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھچا جاتا ہے تب **الی اللہ مرجعکم** کا ظہور ہو گا اس کے بعد رب تعالیٰ تم کو تمہاری کوششوں تمہارے اعمال کا ثواب دے گا بہر حال کوئی ناقص اپنے سے غافل ہو کر دوسروں کی رہبری میں مشغول نہ ہو جاوے ورنہ خود بھی ہلاک ہو گا دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا آج کل زمانہ لوگوں نے شیخوخت کو کھیل سمجھ لیا ہے ہر کس و ناکس پیر بن جاتا ہے پیروں کی نالائق جاہل اولاد میراثی پیر بن کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہدایت ہمارے لئے حفاظتی قلعہ ہے ہدایت کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن جو

اس دامن کی پناہ میں آگیا تمام آفات سے بچ گیا۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ۔

از رسالت در جہاں تکوین ما ست از رسالت دین ما آئین ما ست!
ملت مارا اساس دیگر است ایں اساس اندر دل ما مضمراست!

نبوت کے دامن سے وابستہ ہو کر ہماری دینی تخلیق ہوتی ہے رسالت ہی سے ہمارا دین ہمارا قانون وابستہ ہے ہماری دیوار کی بنیاد ہی کچھ اور ہے یہ بنیاد ہمارے دلوں کی زمین پر قائم ہے اللہ تعالیٰ اس بنیاد سے وابستگی نصیب فرمادے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے گواہی تمہاری آپس کی جب آوے تم میں سے ایک کو موت بروقت
اے ایمان والو تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں سے کسی کو موت آوے
الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ
وصیت کے دو آدمی ہیں انصاف والے تم میں سے یا دو دوسرے تمہارے غیروں میں سے اگر تم سفر کرو
وصیت کرتے وقت تم میں سے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو جب تم
ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ
زمین میں پس پہنچے تم کو مصیبت موت کی روکو تم ان دونوں کو پیچھے
ملک میں سفر کو جاؤ پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد
بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ
نماز کے پس قسم کھائیں وہ اللہ کی اگر شک کرو تم کہ نہیں خریدتے ہم اس کے عوض قیمت اگرچہ
روکو وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر تمہیں کچھ شک پڑے ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں
كَانَ ذَا قُرْبٰی وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾
ہو قرابت والا اور نہیں چھپاتے ہم گواہی اللہ کی بیشک ہم تب تو البتہ گنہگاروں میں سے ہیں
گے اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی کو نہ چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حفاظت نفس کا حکم دیا گیا تھا کہ ارشاد ہوا تھا علیکم انفسکم اب اس آیت کریمہ میں حفاظت مال کا حکم دیا جارہا ہے چونکہ حفاظت نفس مقدم ہے۔ حفاظت مال پر اس لئے پہلے حفاظت نفس کا حکم دیا پھر حفاظت مال کا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا

کہ تم سب آخر کار رب تعالیٰ ہی کی طرف لوٹو گے وہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ عطا فرمائے گا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اصلی ثواب وعذاب تو آخرت میں عطا ہو گا مگر ان کی کچھ سزاو جزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہو گا کہ دو خائن لوگوں کو دنیا ہی میں رسوا کر دیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے چار جانوروں بحیرہ سائبہ وغیرہ کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کی حرمت بیان فرمائی اب دوسروں کا مال ناجائز طور پر لینے کی حرمت کا ذکر ہے یعنی حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ ہے کہ نہ تو جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنا جائز ہے۔ اور نہ کسی کا مال ناجائز طور پر لینا درست ہے۔ **چوتھا تعلق:** کچھ پہلے لوگوں کو عبث سوالات کرنے سے روکا گیا تھا اب ایک نہایت اہم و ضروری مسئلہ کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہم ضروری مسائل تمہارے پوچھے بغیر ہی بیان فرما دیتے ہیں ان میں تمہارے سوال کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

شان نزول: تمیم ابن اوس داری اور عدی ابن زید دونوں عیسائی تھے اور ہر سال بغرض تجارت شام کو جایا کرتے تھے ایک بار ان کے ساتھ حضرت بدیل ابن ابی مریم جو حضرت عمرو ابن عاص کے غلام تھے مدینہ منورہ سے ان دونوں کے ساتھ تجارت کے لئے گئے۔ جب یہ تینوں ملک شام پہنچے تو بدیل سخت بیمار ہو گئے۔ جب بدیل اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو انہوں نے اپنے مال کی فہرست ایک کاغذ پر لکھ کر کپڑوں کی تہ میں رکھ دی جس کی خبر ان دونوں ساتھیوں کو نہ دی اور ان دونوں سے کہا کہ میں تو مر رہا ہوں تم میرا مال مدینہ منورہ میں میرے عزیزوں گھر والوں کو پہنچا دینا یہ کہہ کر وہ وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد ان دونوں نے ان کا مال تلاش کیا تو اس میں نہایت وزنی چاندی کا پیالہ جس پر سونے کا پانی چڑھا تھا نقشین تھا اس کا وزن تین سو مثقال تھا (ساڑھے چار ماشہ کا ایک مثقال ہوتا ہے) یہ پیالہ بادشاہ شام کے ہاتھ فروخت کرنے گئے تھے اور دونوں نے یہ پیالہ چھپا لیا اسے مکہ مکرمہ میں ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا پانچ پانچ سو درہم آپس میں بانٹ لئے باقی مال بدیل کے گھر والوں کو دے دیا جب ان لوگوں نے یہ مال کھولا تو اس میں مال کی فہرست کا پرچہ نکلا جس میں اس پیالہ کا نام بھی تھا مگر سامان میں نہ تھا یہ لوگ ان دونوں کے پاس آئے ان سے پوچھا کہ کیا بدیل نے اپنا کچھ مال فروخت کر دیا تھا ان دونوں نے کہا نہیں پوچھا کیا تم نے بدیل سے کوئی چیز خریدی ہے بولے نہیں تو ان لوگوں نے کہا کہ بدیل کے سامان میں مال کی فہرست ہے اس میں ایک وزنی قیمتی پیالہ کا نام بھی ہے مگر ان کے سامان میں وہ پیالہ نہیں ان دونوں نے کہا ہم کو خبر نہیں جو کچھ بدیل نے ہم کو دیا تھا وہ تم لوگوں تک ہم نے پہنچا دیا آخر کار یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا ان لوگوں نے وہاں جھوٹی قسم کھائی اور مقدمہ سے بری ہو گئے کچھ عرصہ بعد وہ پیالہ مکہ معظمہ میں ایک شخص کے پاس پایا گیا بدیل کے وارثوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس یہ پیالہ کہاں سے آیا وہ بولے ہم نے تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے اب یہ مقدمہ پھر بارگاہ نبوت میں پیش ہوا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کے گھر والوں سے فرمایا کہ تم قسم کھاؤ کہ یہ پیالہ بدیل کا ہے اور یہ دونوں عیسائی جھوٹے ہیں ان لوگوں نے قسم کھائی اور پیالہ حاصل کر لیا اس موقعہ پر یہ آیت اور اس کے اگلی آیت **فان عثر** الخ نازل ہوئی پہلے مقدمہ پر یہ آیت اور دوسرے مقدمہ پر دوسری آیت **فان عثر** الخ نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں فیصلوں کی تائید فرمائی گئی (تفسیر روح البیان' خازن' خزائن' تفسیر کبیر وغیرہ) ترمذی شریف میں آخری واقعہ یوں بیان ہوا کہ جب تمیم داری مسلمان ہوئے تو ان کے دل نے انہیں اس خیانت پر ملامت کی یہ خود بدیل کے گھر والوں کے پاس پہنچے اور یہ سارا واقعہ پیالہ فروخت کرنے کا بیان کر دیا اور انہیں پانچ

درہم دیئے کہ یہ میں نے لئے تھے اور بقیہ پانچ سو عدی کے پاس ہیں تب دوبارہ مقدمہ چلا مگر ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (تفسیر خازن)۔

تفسیر: **یاایها الذین امنوا** : حق یہ ہے کہ اس آیت کا کوئی حکم منسوخ نہیں اس کا ہر حکم تاقیامت باقی ہے لہٰذا **الذین امنوا** سے تاقیامت سارے مسلمان مراد ہیں اور یہ احکام سب پر جاری ہیں خیال رہے کہ منسوخ اور مخصوص آیتوں میں **الذین امنوا** سے مراد صرف صحابہ کرام ہوتے ہیں کیونکہ وہ احکام بعد کے مسلمانوں تک پہونچتے ہی نہیں۔ جیسے اے ایمان والوں ہمارے نبی کے گھر دعوت میں وقت سے پہلے نہ پہنچ جاؤ یا اے مسلمانو اللہ کے رسول سے آگے نہ بڑھو کہ یہ دونوں حکم حضرات صحابہ کے ساتھ خاص ہیں ہم کو ان پر عمل کا موقع نہ ملا یا جیسے فرمان باری تعالٰی کے اے ایمان والو جب ہمارے نبی سے عرض معروض کرنا چاہو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو وہ حکم منسوخ ہے ان جیسے احکام کی آیات میں **الذین امنوا** سے مراد صرف صحابہ کرام ہوں گے مگر غیر منسوخ اور غیر مخصوص آیتوں میں صرف صحابہ کرام مراد نہیں ہوتے بلکہ سارے مسلمان ظاہر یہ ہے کہ **الذین امنوا** سے مراد سارے انسان مسلمان ہیں کیونکہ فرشتے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور مومن ہیں مگر انہیں ابھی موت نہیں نہ وہ مال رکھتے ہیں لہٰذا اوہاں وصیت کے احکام جاری نہیں۔ مومن جنات پر سفر کے وہ احکام جاری نہیں جو یہاں مذکور ہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں **الذین امنوا** سے کیوں خطاب فرمایا **الذین اسلموا** کیوں نہ فرمایا **شهادة بینکم اذا حضر احد کم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم**۔ اس آیت کے نحوی ترکیب انتہائی مشکل ہے مفسرین نے اس کی بہت ترکیبیں کی ہیں سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ شہادۃ مضاف ہے بین کی طرف اور مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے **اثنان** یا تو شہادہ سے پہلے ذو پوشیدہ ہے یا اثنان سے پہلے شہادہ پوشیدہ ہے **اذا حضر** ظرف ہے شہادت کا اور **حین الوصیة** **اذا حضر** کا بدل ہے اب معنی بالکل واضح ہو گئے۔ خیال رہے کہ شہادۃ کے قریبا" چھ معنی ہیں حاضر ہونا' فیصلہ کرنا' قسم کھانا' جاننا' وصیت کرنا' گواہی دینا' تفسیر بیضاوی' پہلا پارہ آیت **وادعوا شهدا کم** میں لکھا ہے کہ شاہد کے معنی ہیں حاضر' گواہ' مددگار' امام و سلطان اور قسم' کھانا رب تعالٰی نے لعان کے بیان میں قسم کو شہادت فرمایا ہے۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی قسم کھانا یا گواہ بننا' (روح المعانی) یعنی اے مسلمانوں تمہارے آپس کے گواہ جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچے یعنی اس پر علامات موت نمودار ہو جاویں اور وہ مرنے لگے اس وقت وہ وصیت کرنا چاہے تو دو گواہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وصیت کی گواہی میں دو گواہ ضروری ہیں نہ تو اس میں ایک گواہ کافی ہے نہ چار گواہوں کی ضرورت۔ خیال رہے کہ بعض خبروں میں صرف ایک کی گواہی کافی ہوتی ہے جیسے رب فرماتا ہے **وشهد شاهد من اهلها** اور بعض میں چاری گواہی لازم فرماتا ہے۔ **لولا جاء وا علیه باربعة شهداء**۔ عام خبروں میں دو کی گواہی ضروری ہوتی ہے۔ وصیت بھی ان ہی میں سے ہے گواہی دو قسم کی ہوتی ہے گواہی اصلی یعنی عینی' گواہی فرعی' فرعی گواہی تو علامات' شہرت یا گواہی ہر گواہی سے ہو جاتی ہے مگر عینی و اصلی گواہی میں دو شرطیں ہیں ایک گواہ بنتے وقت دوسرے گواہی دیتے وقت گواہ بنتے وقت تو شرط ہے کہ گواہ واردات پر موجود ہوا سے دیکھے اور واردات والوں کو پہچانے' گواہی دیتے وقت ضروری ہے کہ حاکم کی عدالت میں حاضر موجود ہو وقف' نکاح' نسب میں گواہی فرعی بھی قبول ہے باقی اہم معاملات میں گواہی عینی ضروری ہے۔ یہاں گواہی عینی مراد ہے۔ اس آیت کے پہلے جز میں گواہ بننے کا ذکر ہے اور دوسرے جز میں گواہی دینے کا۔ خیال

رہے کہ سارے انبیاء اولیاء اللہ کی ذات و صفات کے جنت دوزخ وغیرہ کے فرعی گواہ تھے کسی نے ان میں سے کوئی چیز دیکھی نہ تھی مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضور مخلوق کے آگے خالق کے عینی واصلی گواہ ہیں **یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا** " اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوق کے عینی گواہ **جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا** اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ خالق چھپا نہ مخلوق کا کوئی ذرہ تک آپ کی گواہی عینی اور اصلی رہے۔ **ذوا عدل منکم ذوا عدل** صفت ہے **اثنان** کی اور **منکم** **کائنین** کے متعلق ہو کر ذوا عدل کا حال ہے۔ ذوا تثنیہ ہے ذو کا بمعنی والے عدل کے معنی ہیں عدالت و انصاف یہاں عدالت سے مراد ہے فسق کا مقابل یعنی تقویٰ و پرہیز گاری۔ **منکم** سے مراد ہے مدعی کے عزیز و قرابت دار یا ہم قوم یعنی وہ گواہ فاسق و فاجر نہ ہوں متقی و پرہیز گار ہوں مدعی کی قوم اس کے عزیزوں میں سے ہوں حضرت عکرمہ اور حسن زہری کی یہ ہی تفسیر ہے (روح المعانی و تفسیر کبیر' خازن وغیرہ) **او اخران من غیر کم ان انتم ضربتم فی الارض**۔ قوی قول یہ ہے کہ **او اخران** معطوف ہے۔ **منکم** پر اور **غیر کم** سے مراد ہے وہ اجنبی مسلمان جو وصیت کرنے والے کے قریبی رشتہ دار نہ ہوں بلکہ اجنبی ہوں دوسری قوم کے مسلمان ہوں۔ **ان انتم** اس کا تعلق **اوخران** سے ہے۔ **ضرب** کے چند معنی ہیں۔ مارنا' مثال بیان کرنا' چلنا سفر کرنا یہاں تیسرے معنی مراد ہیں یعنی اگر تم اپنے وطن سے باہر سفر میں ہو اور وہاں تم کو اپنے قرابت دار مسلمان گواہ نہ ملیں تو اجنبی مسلمان جو دوسری قوم سے ہوں انہیں ہی گواہ بنالو۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں جمہور فقہاء کا یہی قول ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) بعض مفسرین نے **منکم** سے مراد لئے مسلمان اور **من غیر کم** سے مراد لئے کفار اور معنی یہ کئے کہ اگر تم سفر میں وصیت کرنے لگو اور تم کو مسلمان گواہ نہ ملیں تو مسلمانوں کے علاوہ کفار و مشرکین کو گواہ بنالو۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ اب مسلمان کفار کو گواہ نہیں بنا سکتا۔ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ ایسی مجبوری کی وصیت میں اب بھی مسلمان کفار کو گواہ بنا سکتا ہے اور صرف ایسی وصیت میں کفار کی گواہی مسلمان کے لئے معتبر ہے۔ عبد اللہ ابن عباس۔ ابو موسیٰ اشعری' سعید ابن جبیر' سعید ابن مسیب' شریح' مجاہد' ابن سیرین' ابن جریج رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی قول ہے (تفسیر کبیر) باقی صحابہ کا اور تمام مفسرین و محدثین کا وہ قول ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا **فاصابتکم مصیبۃ الموت** یہاں ف عاطفہ ہے اور یہ عبارت **انتم ضربتم** الخ پر معطوف ہے اور شرط دوم ہے۔ اگرچہ مومن کی موت اللہ کی رحمت ہے مگر چونکہ اس میں شدت نزع بھی ہوتی ہے اور تمام دنیاوی تعلقات کا ختم ہو جانا بھی ہوتا ہے جو فطرۃً" تکلیف دہ ہے اس لئے اسے مصیبت فرمایا گیا اور موت کی مصیبت آنے سے مراد ہے۔ علامات موت کا ظاہر ہونا یعنی اگر تم سفر میں ہو اور وہاں تمہیں موت آنے لگے اور تم وصیت کرنا چاہو اور وہاں تمہارے عزیز و اقربا موجود نہ ہوں تو وہ اجنبی لوگ جو وہاں میسر ہوں انہیں کو گواہ بنالو۔ **تحبسونھما من بعد الصلوۃ** یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں وصیت کے گواہوں سے گواہی لینے کا طریقہ بتایا گیا ہے گویا اس سے پہلے انہیں گواہ بنانے کا ذکر تھا اب گواہوں سے گواہی لینے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے وہاں **وصابتکم** الخ میں مرنے والوں سے خطاب تھا اور یہاں **تحبسونھما** میں میت کے وارثوں اور حکام سے خطاب ہے۔ چونکہ وصیت کے متعلق اکثر مقدمے چل جاتے ہیں اور حکام کی عدالتوں میں گواہی کی نوبت آجاتی ہے اس لئے یہاں حکام اور وارثوں سے خطاب فرمایا شریعت کے بعض احکام پر ہر ایک شخص عمل کر سکتا ہے۔ جیسے نماز تہجد و نماز پنجگانہ بعض احکام پر جماعت کے ساتھ عمل ہوتا ہے اکیلے نہیں جیسے نماز جمعہ و عیدین بعض احکام پر حاکم کے فیصلے کے بعد عمل ہو سکتا ہے جیسے سزائیں' فسخ نکاح'

مقدمات کے فیصلے بعض احکام پر سلطان کے ذریعہ ہو سکتا ہے جیسے جہاد یہ گواہی حکام کی کچہریوں میں ہی ادا ہو سکتی ہے لہذا یہ حکم دیا گیا۔ **تجسون** فرما کر اشارۃً بتایا کہ حکام گواہوں کے گھر نہ جائیں گواہ حاکم کے پاس آئیں نیز گواہ حاکم کے پابند ہیں حاکم گواہ کا پابند نہیں گواہ حاکم کے سامنے کھڑا ہو حاکم گواہ کے آگے نہ کھڑا ہو یہ سب چیزیں اشارۃً **تجسونهما** سے معلوم ہوتی ہیں جس کے معنی ہیں ٹھہرانا اور روکنا نماز سے مراد نماز عصر ہے کہ اس وقت لوگوں کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے نیز اس وقت دن و رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ مسلمان خصوصاً اہل عرب اس وقت کا بہت احترام کرتے ہیں اس وقت جھوٹی گواہی جھوٹی قسموں سے بہت ڈرتے ہیں اس لئے یہ وقت گواہی لینے کے لئے مقرر فرمایا گیا یعنی اے میت کے وارثو اور اے حکام جب اس مسافر میت کی وصیت کے گواہ اس کا مال متروکہ اور وصیت لے کر تمہارے پاس پہنچیں تو تم ان گواہوں کو سب کے سامنے بعد نماز عصر گواہی دینے کے لئے کھڑا کرو **فیقسمان باللہ** کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں مگر یہ قسم جب ہے جبکہ **ان ارتبتم** یہ عبارت **یقسمان** کی شرط مؤخر ہے **ارتباب** بنا ہے **ریب** سے اس کے معنی ہیں بہت شک کرنا اس میں خطاب وارثوں سے ہے یعنی اگر تم شک کرو اور خیال کرو کہ یہ گواہ جھوٹ بول رہے ہیں یا انہوں نے میت کا کچھ مال خورد برد کر دیا تو تم اس اہتمام سے ان کی گواہی لو **لا نشتری بہ ثمنا ولو کان ذا قربی** یہاں ف عاطفہ ہے اور یہ جملہ معطوف ہے **تجسونهما** پر **یقسمان** کا فاعل وہی دونوں گواہ ہیں جن کو بعد نماز عصر گواہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ **لا نشتری یقسمان باللہ** کا مفعول ہے ان دونوں کے درمیان میں جملہ شرطیہ بیان ہوا یعنی **ان ارتبتم بہ** کا مرجع ان کی اپنی قسم ہے **ثمنا** سے مراد رشوت وغیرہ کا مال ہے جو لے کر جھوٹی گواہی دی جاوے **لو کان** میں **کان** کا اسم وہ شخص ہے جو انہیں مال دے کر جھوٹی گواہی دلوائے **ذا قربی کان** کی خبر ہے یعنی وہ گواہ گواہی دینے سے پہلے قسمیہ بیان دیں کہ اللہ کی قسم ہم کسی سے کچھ مال لے کر جھوٹی قسم نہیں دے رہے ہیں اگرچہ کوئی ہمارا عزیز قریبی ہی ہو اور ہم کو کچھ دے کر جھوٹی گواہی ہم سے دلوانا چاہے تو ہم نے تو اس کی قرابت داری کی رعایت کر کے جھوٹی گواہی دیں گے اور نہ رقم کے لالچ میں قسم تو اس پر لے جاوے گی **ولا نکتم شھادۃ اللہ** یہ عبارت لانشتری پر معطوف ہے اور قسم کا جواب شہادت اللہ سے مراد وہ گواہی ہے جس کے دینے کا رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے یعنی جو گواہی ہم میت کے پاس سے لیکر آئے ہیں وہ ہرگز نہ چھپائیں گے نہ کلاً" نہ بعضاً" سچی اور پوری گواہی دیں گے **انا اذا لمن الاثمین**۔ یہ عبارت گواہی اور قسم کی تاکید کے لئے ارشاد ہوئی یعنی اگر ہم روپیہ کے لالچ یا کسی عزیز کی قرابت داری کی رعایت کی وجہ سے قسم یا گواہی میں جھوٹ بولیں تو ہم سخت مجرم اور حق العباد مارنے والے ہو کر اپنے پر سخت ظلم کریں گے اور مجرموں کے زمرہ سے ہونگے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانوں جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور وصیت کرنا چاہے تو وصیت کے وقت اپنے عزیزوں قرابت داروں میں سے دو متقی پرہیزگار گواہ مقرر کرے جن کے سامنے وصیت کرے اور انہیں اپنی وصیت پر گواہ بناوے اور اگر مرنے والا سفر میں ہو جہاں اسے اپنے عزیز قرابت دار گواہ نہ مل سکیں اور اسے موت کا حادثہ پیش آجاوے تو وہاں سے ہی دوسرے اجنبی متقی مسلمانوں کو گواہ بنالے اب جب کہ مرنے والا مر جاوے اور یہ گواہی دینے وارثوں کے پاس آویں اور اے وارثو! اے حاکمو تم کو ان کی گواہی کے متعلق شک و شبہ ہو کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں یا انہوں نے مال میں خیانت کی ہے تو تم ان دونوں کو نماز عصر کے بعد مسلمانوں کے مجمع میں کھڑا کرو وہ سب کے سامنے گواہی دینے سے پہلے یہ قسم کھائیں کہ اللہ

کی قسم ہم سچی گواہی دیں گے کسی سے کچھ مال لیکر جھوٹی گواہی نہ دیں گے اگر ہمارا کوئی عزیز بھی ہم کو روپیہ دے جھوٹی گواہی نہ دیں گے اللہ کی طرف سے جس گواہی کی ہم پر ذمہ داری ہے اسے ہرگز نہ چھپائیں گے نہ گلا"نہ .معنا" اگر ہم ایسا کریں تو ہم سخت مجرم ہیں اور ہم ظالم قوم سے ہیں جو اپنے پر یا مسلمانوں پر ظلم کرتی ہے سخت مجرم ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ کی اور چند تفسیریں ہیں مگر یہ تفسیر نہایت آسان اور قوی تر ہے نیز اس تفسیر کی بنا پر آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں نہ اسے منسوخ ماننا پڑتا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اسلام میں وصیت بڑی اہم چیز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے وصیت کے متعلق یہاں مسلسل کئی آیات نازل فرمائیں اس پر گواہ بنانے کا طریقہ بلکہ گواہی سے گواہی لینے کا طریقہ بتایا حالانکہ دوسری جگہ قرآن مجید میں گواہی کے متعلق عام قانون بنا دیا گیا ہے۔ واشهد واذوی عدل منکم اس عام قانون کے ہوتے ہوئے پھر وصیت کے لئے علیحدہ قانون ارشاد ہوا جس سے وصیت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ دوسرا فائدہ: دوسرے مالی معاملات کی طرح وصیت میں بھی دو گواہ چاہئیں نہ تو ایک گواہ کافی ہے نہ چار گواہوں کی ضرورت ہے یہ فائدہ اثنان فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: مسلمان کی وصیت میں بھی دوسرے معاملات کی طرح دو گواہ مسلمان متقی ہی چاہئیں اس میں بھی کفار کی یا فساق کی گواہی معتبر نہیں یہ فائدہ ذوا عدل اور منکم فرمانے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ وصیت میں اپنے عزیز و اقارب کو گواہ بنایا جاوے صرف اجنبی لوگوں کو گواہ بنانا بہتر نہیں کیونکہ اہل قرابت ہمارے گھر کے حالات بہت اچھی طرح جانتے ہیں یہ فائدہ بھی منکم کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: اگر بحالت سفر وصیت کرنا پڑ جاوے تو چونکہ وہاں اپنے عزیز و اقارب نہیں ملتے اس لئے اجنبی لوگوں کو ہی گواہ بنا لینا چاہئے۔ مگر وہ بھی مسلمان اور پرہیزگار دیندار ہوں یہ فائدہ من غیر کم ان انتم الخ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: نماز عصر اور اس کے بعد کا وقت بڑی عظمت والا ہے کہ اس وقت دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اللہ کے مقبول بندوں کی موجودگی وقت اور جگہ کو مقبول بنا دیتی ہے یہ فائدہ من بعد الصلوۃ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: اگر گواہوں سے گواہی کسی خاص عظمت والی جگہ یا معظم وقت میں لی جاوے تو حرج نہیں بلکہ بہتر ہے تاکہ گواہوں پر ہیبت طاری ہو اور جھوٹی گواہی دینے کی ہمت نہ کریں جیسے مکہ معظمہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس یا بیت المقدس میں صخرہ کے پاس گواہی یا قسم لی جاوے یوں ہی بعد نماز عصر یا کسی اور متبرک وقت میں گواہی لی جاوے۔

مسئلہ: امام شافعی کے ہاں خون، طلاق، آزادی غلام اور دو سو درہم مال کی گواہی میں اس قسم کا اہتمام کرنا ضروری ہے امام اعظم کے ہاں گواہی کیسی ہی ہو کسی جگہ یا کسی وقت سے خاص نہیں (تفسیر خازن، تفسیر کبیر و احمدی وغیرہ) غرضیکہ امام اعظم کے ہاں قسم خود ایک معظم چیز ہے اس کے لئے دوسرے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ آٹھواں فائدہ: معاملات کی گواہی حاکم کے سامنے ہونی چاہئے گواہ حاکم کی کچہری میں حاضر ہوں گواہ حاکم کے پابند ہوں حاکم گواہوں کا پابند نہ ہو یہ سب مسائل حاصل ہوئے۔ تجسونهما سے نواں فائدہ: مقدمہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ دعویٰ، جواب دعویٰ، گواہی، حاکم کا فیصلہ، مگر ان سب میں گواہی کو بڑی اہمیت ہے کہ اس پر دعویٰ کی پختگی ہوتی ہے۔ اس پر حاکم کا فیصلہ موقوف ہے۔ فریقین کی جرح گواہوں پر ہی ہوتی

ہے دیکھو اس آیت میں دعویٰ یا جواب۔ دعویٰ یا فیصلہ کے لئے کوئی پابندی نہیں لگائی گئی بلکہ۔ گواہوں پر پابندیاں لگائی گئیں کہ انہیں کھڑا کرو۔ عصر کے بعد گواہی لو۔ گواہی سے پہلے ان سے یہ قسمیں لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اللہ کے گواہ ہیں۔ اور آخرت میں نبیوں کے گواہ ہوں گے اس لئے قدرت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہی اہتمام فرمایا۔ **دسواں فائدہ:** شرعی قسم صرف اللہ کی ذات وصفات کی ہی کھائی جاوے اسی قسم پر احکام شرعی جاری ہوتے ہیں لغوی قسم دوسری چیزوں کی بھی کھائی جاسکتی ہے جیسے **والتین والزیتون** الخ یہ فائدہ **فیقسمان باللہ** سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** جھوٹے گواہوں کی گواہی سے جو ظلم ہو گا اس ظلم میں حاکم داخل نہ ہو گا مگر گواہ برابر کے شریک ہوں گے حتیٰ کہ اگر جھوٹی گواہی سے قصاص یا رجم ہو گیا تو ان گواہوں پر خون بہلاواجب ہو گا یہ فائدہ **انا اذا لمن الا ثمین** سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** قرآن مجید سے کوئی شخص نہ فتویٰ دے سکتا ہے نہ عمل کر سکتا ہے۔ فتویٰ، عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہو گا۔ دیکھو قرآن مجید نے یہاں گواہی کے بیرونی احکام تو بیان کئے مگر گواہی کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا کہ وہ ان الفاظ سے گواہی دیں یہ حدیث شریف نے بیان کیا نماز زکوٰۃ کا صرف نام لیا طریقہ وقت رکعات نہ بتائیں تاکہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج رہیں۔ **تیرھواں فائدہ:** قرآن مجید کے بہت احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے آئے دیکھو تمیم داری اور عدی سے گواہیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے چکے تھے سارا مقدمہ طے ہو چکا تھا یہ آیتیں بعد میں آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ سمجھا بجھا کر پڑھا کر بھیجا ہے نزول قرآن تو اجراء احکام کے لئے ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بحالت سفر وصیت کرنا پڑ جاوے تو کفار کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے اور ان کی گواہی مسلمانوں کے مقابل قبول ہو گی کیونکہ یہاں فرمایا گیا **او اخران من غیر کم** کیونکہ اس آیت کریمہ کو شروع کیا گیا **یاایھا الذین امنوا** سے اور مومن کا غیر کافر ہوتا ہے۔

نوٹ: بعض ائمہ سفر کی وصیت میں بحالت مجبوری کفار کی گواہی مسلمان کے متعلق جائز کہتے ہیں یہ ہی مذہب ہے حضرت ابن عباس 'ابو موسیٰ اشعری' سعید ابن جبیر' سعید ابن مسیب' شریح' مجاہد' ابن سیرین اور ابن جریج کا تفسیر کبیر اور خازن نے اس پر بہت زور دیا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس کوفہ میں ایک ایسی ہی گواہی پیش ہوئی تو آپ نے قبول فرمائی یہ دلیل ان ہی حضرات کی ہے ان بزرگوں کے علاوہ امام حسن' زہری اور عام جمہور فقہاء محدثین حتیٰ کہ عام صحابہ کا یہ ہی قول ہے کہ کفار کی گواہی مسلمان پر کسی طرح جائز نہیں (تفسیر کبیر)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ فاسق مسلمان کی گواہی بھی جائز نہیں دیکھو رب نے فرمایا **ذوا عدل منکم** یہاں **منکم** فرما کر یہ بتایا کہ گواہ مسلمان ہو ذوا عدل فرما کر یہ بتایا کہ مسلمان بھی متقی پرہیزگار ہوں فاسق نہ ہوں۔ جب فاسق مسلمان کی گواہی بھی معتبر نہ ہوئی تو کافر کی گواہی کیونکہ قبول ہو گی لہٰذا یہاں **او اخران** سے مراد ہیں دوسری قوم کے مسلمان اور **منکم** سے مراد ہے اپنی جماعت اپنی برادری اپنی قوم کے مسلمان اگر آخران سے مراد کفار ہوتے ہیں تو **من بعد الصلوۃ** کیوں فرمایا جاتا۔ نماز عصر کے بعد کا وقت مسلمانوں ہی کے نزدیک عظمت والا ہے۔ یہود نصاریٰ' مشرکین نہ نماز عصر کو مانیں نہ اس کے بعد کے وقت کو۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت

بدیل کی وصیت کے گواہ دو عیسائی ہی تھے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ جب یہ آیت کریمہ عیسائیوں کی گواہی کے متعلق نازل ہوئی ہے تو ان کی گواہی کیوں قبول نہ ہو۔ جواب: وہاں وہ دونوں عیسائی حضرت بدیل کے وصی یعنی وصیت کے منتظم تھے نہ کہ گواہ کافر مومن کا وصی بن سکتا ہے کہ مرنے والا اپنے مال و اولاد کا انتظام اس کے سپرد کر جاوے یا اپنی امانت اسے سونپ جاوے وصایت 'امانت' شہادت الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہاں گفتگو شہادت میں ہے کفار کی گواہی مسلمان پر نہیں ہو سکتی۔ رب فرماتا ہے **واشهدوا ذوی عدل منکم** وہ آیت اس گواہی پر ناطق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فیقسمان باللہ** یعنی گواہ اللہ کی قسم کھائیں حالانکہ شرعاً گواہ پر قسم نہیں ہوتی مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور گواہ کے ذمہ سچی گواہی دینا اور مدعا علیہ کے ذمہ قسم ہے پھر یہ آیت کیونکہ درست ہوئی۔ جواب: یہاں گواہ اس واقعہ پر قسم نہ کھائیں گے۔ جس کی وہ گواہی دے دیتے ہیں بلکہ اس پر قسم کھائیں گے کہ ہم گواہی سچی دیں گے اس گواہی میں بغیر کسی کی رعایت کے سچی بات کہیں گے لہذا گواہی اور چیز کی ہے قسم اور چیز پر۔ **چوتھا اعتراض:** یہ آیت امام اعظم قدس سرہٗ کے خلاف ہے ان کے ہاں گواہی کے لئے اعلیٰ مقام اعلیٰ وقت کی پابندی نہیں مگر یہاں فرمایا گیا **من بعد الصلوۃ** یہ گواہی عصر کے بعد لی جاوے یعنی معظم وقت میں پھر امام اعظم نے قرآن کریم کے خلاف فتویٰ کیوں دیا۔ جواب: امام اعظم اس اہتمام کی ممانعت نہیں فرماتے بلکہ اس کے ضروری ہونے کا انکار کرتے ہیں یعنی حاکم پر یہ واجب نہیں کہ گواہوں کو کسی مقدس جگہ پر لے جاوے محترم وقت میں ان سے قسم لے اگر مناسب جانے تو ایسا کرے یہاں مناسب ہی ذکر ہے نہ کہ وجوب کا۔

تفسیر صوفیانہ: کامیاب زندگی اس کی ہے جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے اسے پاک و صاف بنائے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح من تزکی** نفس کی صفائی و پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مال کو پاک و صاف رکھے کہ مال سے غذا و لباس حاصل ہوتے ہیں اگر یہی گندے ہوئے تو نفس کیسے پاک ہو گا۔ خراب غذا سے خون بھی خراب بنے گا اور خراب خون نفس کو خراب کرے گا۔ پٹرول خراب ہو تو مشین صاف نہیں رہ سکتی مال کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ حلال ذریعہ سے آئے حلال ذریعہ میں جائے اچھی جگہ خرچ ہو اپنی زندگی موت بلکہ بعد موت اپنے مال کی حفاظت کرے کہ مرنے لگے تو اچھے مقام پر خرچ کرنے کی وصیت کر جاوے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی لئے وصیت کے احکام اور اپنی وصیت کی حفاظت کا ذکر فرمایا کہ وطن میں مرنے لگو تو اپنے عزیز و اقارب کو اپنی اچھی وصیت کا گواہ بنالو۔ پردیس میں مرنے لگو تو اجنبی مسلمانوں کو گواہ بنالو تاکہ تمہارا مال تمہارے بعد برباد نہ ہو مال سے ہماری جسمانی 'نفسانی بقا ہے جب مال کی حفاظت کی اس قدر تاکید ہے تو اعمال 'احوال' افعال کی حفاظت کیسی ضروری ہو گی' خود اندازہ لگالو۔ مومن چاہیئے تو اپنے احوال و اعمال کی حفاظت کرتا ہے اور حفاظت کرتا مرے اور مرنے کے لئے تو اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کا انتظام کر جاوے تاکہ اس کے اعمال اعمال باقیہ صدقات جاریہ بن جاویں اپنی اولاد اپنے شاگردوں اپنے مریدین کو اچھا بنا کر جاؤ انہیں اچھی وصیتیں کر جاؤ تاکہ تمہارے یہ اعمال تمہارے لئے قبر میں باعث ثواب بنتے رہیں ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو وفات کے وقت خصوصی وصیتیں فرمائیں کہ نماز کی پابندی کرنا' اپنے غلاموں ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا' تقویٰ پر قائم رہنا اپنے دین' اپنے قرآن اپنی امت کی بقا کی دعائیں مانگیں اور رب تعالیٰ نے حضور سے یہ وعدے فرمائے۔

رونقت. راروز روز افزاوں کنم — نام تو برنقرہ و برزر زنم
منبر و محراب سازم بہر تو — در محبت قہر من درقہر تو
تاقیامت باقیش داریم ما — تومترس از نسخ دیں اے مصطفیٰ
چاکر انت ملکہا گیر ندو جاہ — دین تو باقی زماہی تابماہ

یعنی اے محبوب تاقیامت تمہاری رونق روز بروز بڑھتی رہے گی تمہارا نام چاندی سونے پر لکھا جاوے گا تمہارے ذکر کے لئے ہم منبرو محراب بنائیں گے۔ جس پر تمہارا قہر ہو گا ہمارا قہر ہو گا ہم تمہارے دین کو تاقیامت باقی رکھیں گے تم اپنے دین کی بربادی کا خطرہ نہ کرو تمہارے در کے نوکر چاکروں کو ہم عزت عظمت ملک دیں گے تمہارا دین فرش سے عرش تک رہے گا یہ ہے دین کی فکر۔

دوسری تفسیر صوفیانہ: مال دو قسم کے ہیں ایک متاع دوسرا ثمن 'متاع وہ ہے جو کہ کھانے یا پینے یا دیگر ضروریات میں خرچ ہو جیسے دانہ 'لباس 'مکان وغیرہ ثمن وہ ہے جو کسی کام نہ آوے نہ کھائی جاوے نہ پہنی جاوے نہ برتی جاوے مگر متاع حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جیسے نوٹ یا روپیہ پیسہ 'اگر ثمن کا چلن ہو تو مفید ہے اس کی قدر ہے اگر چلن بند ہو جاوے تو محض بیکار ہے۔ منسوخ شدہ نوٹ ردی ہے۔ آخرت متاع ہے اور دنیا ثمن یعنی آخرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہمارے اعضاء ہمارے مال و اولاد سب ثمن ہیں مومن کی دنیا چالو سکہ ہے کافر کی دنیا وہ سکہ ہے جس کا چلن نہیں۔ مال 'اعمال 'احوال 'کمال یہ اللہ کی چار نعمتیں ہیں۔ جیسے مال میں حکم ہے کہ اچھی جگہ سے کماؤ محفوظ رکھو اچھی جگہ خرچ کرو اسی طرح اعمال 'احوال 'کمال اچھے کرو۔ محفوظ رکھو برباد نہ ہونے دو اور مرتے وقت بعد کے لئے جمع کرلو جسم کے کام اعمال ہیں دل کے عقیدے سے احوال ہیں۔ ان دونوں سے روح کو جو ترقی ہوتی وہ ہے کمال غرضیکہ مال کی طرح افعال 'اعمال 'احوال 'کمال سب میں احتیاط ضروری ہے۔ جب ثمن کی ایسی احتیاط ہے تو اصل متاع کی کیسی احتیاط لازم ہے خود غور کرلو۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ

پھر اگر اطلاع ملے اس پر کہ وہ دونوں مستحق ہو گئے گناہ کے تو دوسرے دو کھڑے ہوں جگہ میں ان کی ان میں

پھر اگر پتہ چلے کہ وہ کسی گناہ کے سزاوار ہوئے تو ان کی جگہ دو اور کھڑے ہوں ان میں سے جن کے خلاف گواہی دی گئی

الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ

سے کہ مستحق ہوئے جن پر پہلے دونوں گناہ کے مستحق ہو چکے میت کے قریبی پس یہ قسم کھائیں

یہ دونوں ان گناہ یعنی جھوٹی گواہی نے ان کا حق لے کر ان کو نقصان پہنچایا جو میت سے زیادہ قریب ہوں تو اللہ

مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَیْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى

اللہ کی کہ البتہ ہماری گواہی زیادہ سچی ہے ان کی گواہی سے اور نہیں حد سے بڑھے ہم بے شک ہم تب تو ظالموں سے ہیں

کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم حد سے نہ بڑھے ایسا ہو تو ہم ظالموں میں ہیں

اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ
یہ زیادہ نزدیک ہے اس سے کہ لائیں وہ گواہی اس کے صحیح طریقہ پر یا خوف کریں اس سے کہ رد کر دی جاوے
ہوں یہ قریب تر ہے اس سے کہ گواہی جیسی چاہیئے ادا کریں یا ڈریں کہ کچھ قسمیں رد کر دی جاویں
اَیْمَانِهِمْؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسْمَعُوْاؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۠ (۱۰۸)
گواہیاں پیچھے ان کی گواہیوں کے اور ڈرو اللہ سے اور سنو اور اللہ نہیں ہدایت دیتا فاسق قوم کو
ان کی قسموں کے بعد اور اللہ سے ڈرو اور حکم سنو اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مسافر میت کے ان وصیوں کا ذکر تھا جنہیں میت اپنے مال کا محافظ بنا جاوے اور انہیں اپنا مال اپنے وارثوں تک پہنچانے کا ذمہ دار کر جاوے۔ اب ان وصیوں کے جھوٹ ظاہر ہو جانے کا ذکر ہے کہ اگر وہ خیانت کر لیں اور جھوٹا بیان دیں تو کیا کیا جاوے گویا پچھلی آیت میں وصیوں کے بیان کا ذکر تھا اب ان کے جھوٹے بیان کی تردید کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں وصیوں کی گواہی کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کا یہ بیان ناقابل رد نہیں کہ کسی طرح ٹوٹ ہی نہ سکے بلکہ اگر علامات سے ان کا جھوٹ ثابت ہو جاوے تو ان کا بیان رد ہو سکتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں وصیوں کے بیان کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان وصیوں کے مقابل میت کے وارثوں کے تردیدی بیان ان کی قسم کا تذکرہ ہے۔ جس سے ان کا بیان ٹوٹ سکے۔

شان نزول: تمیم داری اور عدی ابن زید جب حضرت بدیل کا مال جھوٹی قسم کھا کر بدیل کے وارثوں کو دے گئے پھر وہ چاندی کا پیالہ مکہ معظمہ میں ایک شخص کے پاس پکڑا گیا اس نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے۔ تب بدیل کے وارثوں نے پھر یہ مقدمہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تمیم و عدی کے بیان لئے اس کے قابل بدیل کے وارثوں نے قسمیہ بیان دیا کہ یہ دونوں جھوٹے ہیں اور یہ پیالہ ہمارے عزیز بدیل کا ہے تب بارگاہ رسالت سے ان وارثوں کے حق میں فیصلہ ہوا کہ پیالہ انہیں دلوایا گیا اور تمیم و عدی سے پیالہ کی قیمت مکہ کے خریدار کو واپس کرائی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی تائید میں یہ دونوں آیات نازل ہوئیں اس کا تفصیلی بیان پچھلی آیت کریمہ کے شان نزول میں گزر چکا غرض کہ اس واقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں دو مقدمہ پیش ہوئے۔ پہلے مقدمے کے متعلق گزشتہ آیت آئی دوسرے کے متعلق یہ آیتیں۔

تفسیر: **فان عثر علی انهما استحقا اثما۔ ف** تعقیبیہ ہے چونکہ یہ واقعہ جو یہاں مذکور ہے پہلے واقعہ کے بعد ہے اس لئے **ف** لائی گئی **عثر** سے بمعنی پھسلنا یا عثور سے بمعنی خفیہ چیز پر اپنی کوشش کے بغیر اطلاع پانا۔ چونکہ پھسل جانے والا پھسلن کی جگہ پر بعد میں اطلاع پاتا ہے اس لئے اطلاع پانے کو بھی **عثر** کہہ دیتے ہیں اطلاع پانے والے میت کے وارث ہیں جن کے مال میں دونوں وصیوں نے خیانت کی ہے۔ **هما** کا مرجع وہ دونوں وصی ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا ہے۔ **استحقا** بمعنی **استوجبه** ہے یعنی واجب کر لیا **اثم** سے مراد ہے جھوٹ بولنے اور خیانت کرنے کا گناہ یعنی اگر وصیوں کے

بیان دینے کے بعد علامات و قرینوں سے معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں جھوٹ بول گئے اور اس مال میں خیانت کر گئے اور جھوٹ و خیانت کے گناہ کو اپنے ذمہ لازم کر گئے۔ اس واقعہ میں قرینہ تھا پیالہ کا مکہ معظمہ میں پکڑا جانا اور قابض کا بیان دے دینا کہ ہم نے تمیم سے یہ پیالہ خریدا ہے۔ **فاخران یقومان مقامہما** یہاں **ف** جزائیہ ہے اور یہ جملہ ان عثر کی جزا ہے **اخران** سے مراد اس مسافر میت کے وہ دو وارث ہیں جن کے مال میں خیانت ہوئی مقامہما میں **ھما** کی ضمیر ان دونوں وصیوں کی طرف ہے جو پہلے جھوٹا بیان دے چکے ان کی جگہ کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے سامنے وہاں ہی کھڑے ہوں جہاں مدعی مدعی علیہ یا گواہ کھڑے ہوتے ہیں یعنی اس صورت میں دوسرے دو شخص ان وصیوں کی جگہ حاکم کے سامنے حاضر ہوں **من الذین استحق علیہم الاولیان۔** اس عبارت کی نحوی ترکیب بہت ہی مشکل ہے۔ مفسرین نے اس کی بہت ترکیبیں کی ہیں اور اس کے بہت معنی بیان فرمائے ہم ان میں سے دو آسان ترکیبیں اور معنی عرض کرتے ہیں۔ اس عبارت میں **من** بیانیہ ہے اور یہ عبارت **اخران** کا بیان ہے **الذین** سے مراد وارثین میت ہیں اور استحق کا فاعل **اولیان** ہے۔ **علیہم** متعلق ہے استحق کے اور اولیان اولی کا تثنیہ ہے یہ بنا ہے ولایت سے اور اس سے مراد وہ دو جھوٹے وصی ہیں جو پہلے غلط بیانی کر چکے ہیں اور استحق کا مفعول پوشیدہ یعنی گناہ اور علیٰ ضرور مقابلہ کے لئے ہے علیہم میں **ھم** کا مرجع **الذین** ہے اس سے مراد وارثین میت ہیں معنی یہ ہوئے کہ اب ان دونوں جھوٹے وصیوں کی جگہ دو دوسرے گواہ کھڑے ہوں یہ دونوں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے خلاف بیان دے کر پہلے دونوں وصی گناہ کے مستحق ہو چکے ہیں وہ دونوں گواہی کے زیادہ حقدار تھے کہ وہی دونوں میت کے مرتے وقت وہاں موجود تھے۔ اس صورت میں مطلب بالکل واضح ہو گیا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ **اولیان** تثنیہ ہے ولی کا ولی بنا ہے **ولی** بمعنی قرب سے **اولی** بمعنی اقرب ہے اور۔ للاولیان سے مراد ہے وہ دو گواہ جو اب کھڑے ہو کر گواہی دے رہے ہیں اور میت کے قریبی وارث ہیں اور الاولیان بدل ہے آخران کا اور **الذین** سے مراد وارثین میت ہیں استحق کا مفعول وصیت ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ ان وارثوں میں سے دو سرے دو شخص جو میت کے قریبی وارث ہوں یہ کھڑے ہو کر وہ بیان دیں جو آگے آ رہا ہے۔ بہرحال اولیان کے دو معنی ہیں گواہی کے متولی اور میت سے قریب تر اور اولیان یا استحق کا فاعل ہے یا آخران کا بدل یہ دونوں معنی خیال میں رکھے جاویں **فیقسمان باللہ لشہادتنا احق من شہادتہما۔** اس عبارت میں ان دو وارثوں کے الفاظ کا ذکر ہے۔ جو وہ حاکم کے سامنے پیش کریں **فیقسمان** قسم سے بنا بمعنی حلف و یمین اور شہادت سے مراد ہے قسم قرآن مجید میں قسم کو شہادت فرمایا گیا ہے رب لعان کے بیان میں ارشاد فرماتا ہے۔ **فشہادۃ احدہم اربع شہادات باللہ۔** وہاں شہادت بمعنی قسم ہے کیونکہ لعان میں خاوند بیوی دونوں اپنے بیان پر چار چار قسمیں ہی کھاتے ہیں **احق** اسم تفضیل ہے حق کا یعنی لائق قبول اور **شہادتہما** میں بھی شہادت سے مراد قسم ہے **ھما** کا مرجع وہ پچھلے دو وصی ہیں جو جھوٹا بیان دے گئے یعنی یہ دونوں وارث حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر قسمیہ بیان دیں کہ وہ دونوں وصی جھوٹے ہیں اور یہ بر آمد شدہ مال ہمارے مورث کا ہے ہم اس کے اب مالک ہیں اور ہماری یہ قسمیں ان دونوں وصیوں کی قسموں سے زیادہ قابل قبول ہیں کیونکہ ان دونوں کا جھوٹ علامات سے ثابت ہو چکا مال بر آمد ہو گیا جس نے میت کی تحریک کی تصدیق کر دی۔ خیال رہے کہ اگرچہ یہ دونوں وارث مدعی ہیں اور مدعی پر قسم نہیں ہوتی مگر چونکہ تمیم داری اور عدی نے پیالہ مل جانے پر دعویٰ کیا تھا کہ یہ پیالہ ہم نے بدیل مرحوم سے خرید لیا تھا اس خریداری کا وارثوں نے انکار کیا لہٰذا اب یہ خریداری کے منکر ہوئے اور انہوں

نے قسم کھائی۔ پہلے مقدمہ میں تمیم داری اور عدی منکر تھے کہ پیالہ ہم کو بدیل کے مال میں نہیں ملا اس لئے انہوں نے قسم کھائی لہذا دونوں قسمیں برحق ہیں قانون شرعی کے موافق **و ما اعتدینا** یہ بھی ان دونوں وارثوں کا ہی کلام ہے جواب قسم کھا رہے ہیں **اعتدا** بنا ہے **عدو** سے بمعنی حد سے بڑھنا یعنی ہم اس قسم میں حد سے نہیں بڑھے ہیں ہم نے ان دونوں وصیوں پر زیادتی نہیں کی ہے **انا اذا لمن الظلمین**۔ یہ نیا جملہ ان ہی وارثوں کے کلام کا تتمہ ہے یعنی اگر ہم جھوٹی قسمیں کھاکر ان دونوں وصیوں پر زیادتی کر رہے ہوں تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے **ذالک ادنی ان یاتوا بالشھادۃ علی وجھھا** یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے جس میں ان مذکورہ قانون کی حکمت بیان فرمائی گئی **ذالک** سے اشارہ ہے وارثوں سے قسم لینے کی طرف **ادنی** بنا ہے **دنو** سے بمعنی قرب ادنیٰ کے معنی ہوئے قریب تر لائق تر **یاتوا** کا فاعل میت کے وصی میں یا سارے مسلمان جنہیں قسم کھانی پڑے شہادت سے مراد یا گواہی ہے یا قسم **وجھہ** سے مراد ہے حقیقت اور سچائی یعنی وصیوں کے بیان کے بعد وارثوں سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہے کہ اب وصی سوچ سمجھ کر سچی قسم کھائیں گے کیونکہ انہیں خوف ہو گا کہ اگر ہم نے جھوٹ بولا تو ہو سکتا ہے کہ ہمارا جھوٹ کھل جاوے اور میت کے وارث ہمارے خلاف قسم کھاکر مقدمہ جیت لیں۔ ہم سخت مجرم ہو جاویں **او یخافوا ان ترد ایمان بعد ایمانھم** یہ جملہ معطوف ہے ایک پوشیدہ عبارت پر اس سے پہلے یہ پوشیدہ ہے **یخافوا عذاب الاخرۃ** **یخافوا** کا فاعل وہی وصی میت ہیں یعنی وہ وصی اب جھوٹلیاں نہ دیں گے انہیں جھوٹے بیان سے یا تو آخرت کا خوف روکے گا یا یہ خوف کہ ان کی قسم رد ہو جاوے اور وہ بدنام ہوں **واتقوا اللہ واسمعوا** یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے **احفظوا احکام اللہ**۔ یعنی اللہ کے قوانین کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرو ہمارے حکم بہ گوش ہوش سن لو تقوے کے معنی تقویٰ کے اقسام و احکام بہت دفعہ بیان ہو چکے **واللہ لا یھدی القوم الفاسقین** یہ گزشتہ فرمان کا تتمہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے احکام واضح طور پر بیان فرمادیئے اگر تم نے اب بھی ان کی خلاف ورزی کی تو تم فاسق ہو گے اگر اس حال پر مرگئے تو تم کو جنت کی راہ اللہ تعالیٰ و کھائے گا۔ کافر کو نہ تو جوابات نکیرین کی ہدایت ملتی ہے نہ سوالات حشر کے جوابات کی نہ جنت کے راستہ کی یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں انسان جب تک فاسق و کافر رہے اسے نیک اعمال کی ہدایت نہیں ملتی۔

خلاصہ ء تفسیر: اگر وہ وصی جو پہلے گواہی اور قسمیہ بیان دیئے گئے ہیں کسی طرح علامات سے ان کا جھوٹ ثابت ہو جاوے اور پتہ چل جاوے کہ وہ دونوں اپنی قسمیہ بیانوں اور گواہیوں میں گناہ کما گئے تو میت کے وارثوں میں سے دو شخص ان کی جگہ کھڑے ہوں اور اس طرح قسمیہ بیان دیں کہ یہ دونوں وصی جھوٹے ہیں ان کا جھوٹ علامات سے ظاہر ہو گیا ہمارا بیان مقابلہ ان کے بیان کے زیادہ قابل قبول ہے ان کے بیان سے ہمارا بیان صحیح تر ہے ہم نے اپنے بیان میں زیادتی نہیں کی ہے اگر ہم اپنے بیان میں غلطی کریں تو ہم ظالموں میں سے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ قانون اس لئے جاری کیا گیا ہے تاکہ آئندہ گواہ درست گواہی دیا کریں اس خطرہ سے کہ اگر ہم غلط بیانی کریں گے تو ہمارا بیان رد ہو جاوے گا ان کی قسمیں دوسری قسموں سے ٹوٹ جائیں گے اے لوگوں اللہ سے ڈرتے رہو ہمارا حکم سنو اگر تم نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو تم فاسق ہو گے اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ جنت وغیرہ کی راہ نہیں دیتا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اگر گواہوں کا جھوٹ علامات سے ثابت ہو جاوے تو ان کی گواہی رد ہو سکتی ہے ہر گواہ کی ہر گواہی کا قبول کرنا واجب نہیں ہوتا یہ فائدہ **فان عثر** سے حاصل ہوا دیکھو کہ مخطط سے پیالہ بر آمد ہو جانے پر تمیم اور عدی کی گواہی باطل ہو گئی۔ دوسرا فائدہ: علامات کی بنا پر قسم کھائی جاسکتی ہے ہر چیز دیکھ کر ہی معلوم نہیں ہوتی بعض چیزیں علامات سے بھی معلوم ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ اس پر قسم بھی کھائی جاسکتی ہے یہ فائدہ **فیقسمان** سے حاصل ہوا دیکھو بدیل کے وارثوں نے علامات دیکھ کر قسم کھائی کہ یہ پیالہ ہمارا ہے اور وہ دونوں وصی جھوٹے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قسم کا اعتبار فرمایا قرآن کریم نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ تیسرا فائدہ: طے شدہ مقدمہ کے خلاف اپیل کی جاسکتی ہے اور وہ فیصلہ تڑوایا جاسکتا ہے یہ آیت کریمہ مقدمات کی اپیل کی اصل ہے۔ چوتھا فائدہ: اپیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دوسرے حاکم کے پاس ہی اپیل ہو بلکہ پہلے حاکم کے پاس بھی اپیل ہو سکتی ہے۔ جس نے وہ مقدمہ طے کیا تھا دیکھو بدیل کے وارثوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی اپیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کی۔ پانچواں فائدہ: نبی کا جو فیصلہ نبوت کی شان سے ہو وہ اپیل کے قابل نہیں مگر وہ فیصلہ جو حاکم ہونے کی شان سے گواہوں کی بنا پر ہو وہ اپیل کے قابل ہے بارگاہ الٰہی میں بھی اپیل ہو گی ایک مجرم جسے جہنم میں لے جانے کا حکم ہو چکا تھا ماہ رمضان اور قرآن کی سفارش پر چھوڑ دیا جاوے گا کفار کے لئے دوزخ کا فیصلہ ناقابل اپیل ہو گا مگر گنہگار مسلمان کے لئے دوزخ کا فیصلہ قابل اپیل ہو گا۔ کچا بچہ ماں باپ کا دامن پکڑ کر جنت میں لے جاوے گا۔ چھٹا فائدہ: قرآن کریم کی اصطلاح میں قسم کو بھی شہادت فرمایا گیا ہے دیکھو یہاں بدیل کے وارثوں کے قسمیہ بیان کو شہادت فرمایا گیا **فیقسمان باللہ لشھادتنا** کیونکہ قسم بھی گواہی کا کام دیتی ہے گواہی کا مقصد ہے مدعی ثابت کرنا یہ ہی مقصد قسم سے بھی ہوتا ہے۔ ساتواں فائدہ: اس آیت کریمہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بعض معاملات میں دو شخص مدعی ہو سکتے ہیں اس صورت میں وہ دونوں گواہیاں پیش کریں گے پھر ان دونوں گواہوں کو علامات سے پرکھا جاوے گا کہ کون سی گواہی قابل قبول ہے اس کی بہت سی مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں یہ اشارہ اس طرح ہوا کہ رب تعالیٰ نے تمیم داری عدی اور بدیل کے وارثوں ان دونوں کے لئے لفظ شہادت ارشاد فرمایا کہ ارشاد ہوا **لشھادتنا احق من شھادتھما** یہ نکتہ نہایت ہی باریک ہے۔ آٹھواں فائدہ: اس آیت کریمہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ نفی کے مدعی پر بھی گواہی پیش کرنا اسے دلیل سے ثابت کرنا لازم ہے۔ انکار اور چیز ہے نفی دوسری چیز منکر کے ذمہ گواہی نہیں نفی کرنے والے کے ذمہ گواہی ہے یہ اشارہ بھی بدیل کے وارثوں کے بیان کو شہادت فرمانے سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے **وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاری قل ھاتوا برھانکم**۔ دیکھو یہودیوں عیسائیوں نے کہا تھا کہ ہمارے سوا جنتی کوئی نہیں یہ تھا نفی کا دعویٰ ان سے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی دلیل لاؤ نیز ہم کلمہ میں پڑھتے ہیں **لا الہ الا اللہ** خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ ہے نفی کا دعویٰ اس پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ فی زمانہ وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کمالات کا انکار کرتے ہیں۔ جب ان سے دلائل مانگے جائیں تو کہتے ہیں ہم تو منکر ہیں ہمارے ذمہ دلیل نہیں وہ ان آیات سے عبرت حاصل کریں وہ لوگ منکر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے نافی ہیں۔ نواں فائدہ: قرآن کریم کی بہت سی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے نازل ہوئیں قانون تو سرکار جاری فرما چکے تھے۔ دیکھو بدیل کے وارثوں اور تمیم داری کے مقدمہ کے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیئے تھے۔ یہ آیات ان فیصلوں کے بعد اتریں۔ وضو کی آیت نماز کی

فرضیت کے بعد برسوں نازل ہوئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کو وضو کا قانون پہلے ہی سکھا چکے تھے۔ نماز ہجرت سے دو سال پہلے معراج کی شب فرض ہوئی مگر وضو کی آیت سورہ مائدہ میں آئی سورہ مائدہ کا نزول 5 ہجری سے شروع ہوا ان سات آٹھ برسوں میں مسلمانوں نے نمازیں بغیر وضو نہیں پڑھیں اس زمانہ میں قرآن نے وضو نہیں کرایا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرایا۔ **دسواں فائدہ:** گواہوں پر جرح کرنا ان کی گواہی کا سچا جھوٹا ہونا معلوم کرنا اگر علامات سے گواہوں کا جھوٹ ظاہر ہو تو اس کو رد کر دینا یہ تمام باتیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں آج کل مقدمات گواہوں پر جرح جو وکلاء کرتے ہیں۔ اس کا ماخذ یہ آیت بھی ہے۔ گواہی آنکھ بند کر کے نہیں قبول کرنی چاہئے۔ **گیارھواں فائدہ:** حاکم اپنے علم ذاتی پر فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ گواہیوں علامتوں قسموں پر فیصلہ کرے گا اور یہ فیصلہ ان گواہیوں وغیرہ کے بدلنے سے بدل جاوے گا کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے گواہی جرح وغیرہ کے بعد ہی ہوں گے رب فرماتا ہے **لیهلک من هلک عن بینة ویحیی من یحیی عن بینة** گواہیاں وغیرہ لینا حاکم کی بے علمی کی دلیل نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے **فیقسمان باللہ لشهادتنا** الخ قسم اور گواہی کا اجتماع کیسا گواہ پر قسم نہیں ہوتی پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں شہادت بمعنی گواہی نہیں بلکہ بمعنی قسم ہے بدیل کے وارثوں نے قسم کھائی کہ یہ پیالہ ہمارا ہے پھر اپنی قسم کے قابل قبول ہونے اور دونوں وصیوں کے جھوٹے ہونے کی قسم کھائی یہ قسم پر قسم تھی اسی کا یہاں بیان ہے۔ **دوسرا اعتراض:** میت کے دو وارث جو بعد میں اپنا بیان دیتے ہیں۔ وصیوں کے خلاف ان کا وہ بیان گواہی ہے یا قسم اگر گواہی ہے تو انہوں نے میت کو وصیت کرتے دیکھا نہیں نہ وہ بروقت وصیت وہاں موجود تھے کہ میت تو سفر میں فوت ہوا پھر گواہی کیسی اور اگر قسم ہے تو یہ مدعی تھے مدعی پر قسم کیسی حدیث شریف میں **البینة علی المدعی والیمین علی من انکر** یہ دونوں تو یہ کہہ رہے تھے کہ یہ پیالہ ہمارا ہے کہ ہماری مورث کا مملوکہ مال ہے وصی اس کے منکر تھے پھر ان وارثوں پر قسم ہونے کے کیا معنی قرآن و حدیث میں تعارض ہے۔
جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ان وارثوں کا بیان قسم تھا یہاں شہادت بمعنی قسم ہے۔ جب وہ پیالہ برآمد ہوا اور دونوں وصیوں یعنی تمیم داری اور عدی نے دعویٰ کیا کہ اس پیالے کے ہم مالک ہیں کیونکہ ہم نے بدیل سے خرید لیا تھا تو وارثوں نے ان دونوں باتوں کا انکار کیا تو اب وہ دونوں وصی مدعی ہو گئے اور وارث منکرین لہذا ان کا قسم کھانا بالکل درست ہو گیا۔
تیسرا اعتراض: یہ دونوں وارث قسم بھی کیسے کھا گئے قسم تو یقین علم پر ہوتی ہے یہ دونوں میت کے مرتے وقت جب وہاں موجود ہی نہ تھے تو انہیں فروخت کرنے نہ کرنے کا علم کیسے ہوا پھر اس پر قسم کیسے کھائی۔ **جواب:** علامات اور دونوں وصیوں کے پہلے بیان اور خود میت کی تحریر سے علم یقینی انہیں حاصل ہو گیا۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ علامات کی بنا پر قسم کھائی جا سکتی ہے۔ ہم کسی عمارت میں مینارے گنبد، ممبر دیکھ کر قسم کھا سکتے ہیں کہ یہ مسجد ہے اگرچہ ہم نے واقف کو وقف کرتے نہ دیکھا بلکہ اس کی گواہی بھی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم کسی شخص کو اپنے گھر بار میں رہتے بستے اولاد ہوتے دیکھ کر قسم کھا سکتے ہیں کہ یہ دونوں خاوند بیوی ہیں اگرچہ ہم نے ان کا نکاح ہوتے نہ دیکھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا حالانکہ ہدایت کی ضرورت تو اسی کو ہے متقی تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہے اسے ہدایت کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کافر ہو کر مرا اسے اللہ تعالیٰ قبر و حشر میں صحیح جواب دینے کی

ہدایت نہ دے گا وہ یا تو جواب دے گا ہی نہیں یا اوندھے جواب دے گا مثلاً یہ کہ میں بدکار تھا ہی نہیں۔ فرشتوں نے غلط لکھ دیا ہے۔ مومن کو درست جواب کی ہدایت ملے گی یا دنیا میں اللہ تعالیٰ کافر کو نیک اعمال کی ہدایت نہیں دیتا کوئی شخص اپنی عقل سے رب کو راضی کرنے کی ہدایت نہیں پاسکتا یہ ہدایت انبیاء سے ہی ملتی ہے عقل ہوائی جہاز بنا سکتی ہے ایمان نہیں بنا سکتی وہ نبی کی اتباع سے بنتا ہے کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی اجنبی شہر میں جا کر وہاں کے گلی کوچے معلوم نہیں کر سکتا کسی سے پوچھنے ہی پڑیں گے جو وہاں کا واقف ہو۔ حضرات انبیاء کرام سے ہی رب کے ہاں کی ہدایت مل سکتی بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جب تک فاسق فاسق رہے ہدایت نہیں پاتا جب فسق سے توبہ کرے پھر ہدایت پاتا ہے کافر کافر رہتے ہوئے مسلمان نہیں ہوتا کفر چھوڑ کر مسلمان ہوتا ہے یا بدمذہب اور فاسق اعتقادی کو اعمال کی ہدایت نہیں دیتا پہلے مومن ہو پھر اعمال کی ہدایت دے گا یا کافر کو پل صراط سے گزر کر جنت کی ہدایت نہیں دیگا مومن کو یہ ہدائتیں ملیں گی کہ ہر مسلمان بغیر کسی سے پوچھے اپنے جنتی گھر میں پہنچ جاوے گا۔

تفسیر صوفیانہ: جھوٹی گواہیاں جھوٹی قسمیں عالم کے فساد کا ذریعہ ہیں سچی گواہیاں قسمیں جہاں کے بقا کا ذریعہ مومن کو چاہئے کہ طمع دنیا کے لئے سچائی کو نہ چھوڑے جیسے تمیم داری اور عدی کی گواہیاں ان کے اعمال دیکھ کر باطل کر دی گئیں یوں ہی انسان کی گواہی توحید و رسالت کے لئے بھی خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے برے اعمال برے احوال برے افعال کی وجہ سے یہ گواہیاں رد کر دی جاویں مسلمان کو چاہئے کہ اپنے اعمال اپنے اقوال کے مطابق بنائے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

طریق صدق بیاموز ز آب صافی دل براستی طلب آزادگی جو سرو چمن

ایسا نہ ہو کہ ہم زبان سے کہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے اعضاء اور فرشتے ہمارے خلاف گواہیاں دیں یہ نہ سمجھو کہ خیانت صرف مال میں ہی ہوتی ہے خیانت مال' اعمال' احوال' افعال سب میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر قسم کا امین بنائے ایک بزرگ جب نماز کی نیت کرتے تو بہت روتے اور کہتے کہ میں نیت میں کہتا ہوں چار رکعت نماز واسطے اللہ کے نہ معلوم اس قول میں سچا ہوں یا نہیں ایسا نہ ہو کہ میں تو کہتا ہوں نماز واسطے اللہ کے پڑھتا ہوں اور ادھر سے جواب ملے کہ تو جھوٹا ہے تو نماز واسطے نفس یا واسطے دنیا کے پڑھتا ہے ایسا نہ ہو کہ سجدہ میں میرا سر جھکے کعبہ کی طرف مگر مجھے رد کر دیا جاوے کہ تیرا دل تو جھکا ہے دنیا کی طرف تیرا سجدہ جھوٹا ہے۔

کبھی قبلہ رو جو کھڑا ہوا تو حرم سے آنے لگی صدا ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

غرضیکہ گواہی اور قسم وہ ہی معتبر ہے کہ علامات اس کے موافق ہوں علامات کی مخالفت کے ہوتے نہ گواہی کا اعتبار ہے نہ قسم کا ایسی گواہیاں قسمیں ٹوٹ سکتی ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ تمیم داری کا یہ واقعہ ختم ہو چکا کہیں ہم بھی اس کی زد میں نہ آجاویں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ

جس دن جمع کرے گا اللہ پیغمبروں کو تو کہے گا کہ کیا ہے وہ جو جواب دیئے گئے تم وہ عرض کریں گے کہ نہیں ہے

جس دن اللہ جمع فرماوے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بیشک

اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۰۹﴾

علم ہم کو بیشک تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔

بے شک تو ہی ہے غیبوں کا خوب جاننے والا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں جھوٹی گواہی جھوٹی قسم کا دنیاوی وبال بیان ہوا **ان ترد ایمان** دوسرے فریق کو قسم کھانے کا حق مل جانا اور اس جھوٹے گواہ کا رسوا و شرمندہ ہونا۔ اب اسی جھوٹی گواہی جھوٹی قسم کا اخروی وبال بیان ہو رہا ہے۔ یعنی حضرات انبیاء کرام کا ان سے بیزار ہو جانا ان کی شفاعت نہ کرنا تاکہ گواہ جھوٹ کی خرابیوں کو دھیان میں رکھیں اور اس سے باز رہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات سے گواہی کی اہمیت معلوم ہوئی تھی کہ اس سے عالم کا نظام اور عدل و انصاف قائم ہے اب اس گواہی کی اخروی اہمیت بتائی جا رہی ہے گواہی قیامت میں بھی ہوگی اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام سے گواہی لے کا پھر فیصلہ فرمائے گا۔ لہٰذا گواہی میں بہت احتیاط کرو بلکہ ایمان نام گواہی کا ہے انسان توحید و رسالت کی گواہی دے کر ہی مسلمان بنتا ہے اگر جھوٹی گواہی کی وجہ سے کسی کا حق مارا گیا یا کسی پر ظلم ہو گیا تو اس کا وبال گواہوں پر پڑے گا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں گواہی کا اور اس کے متعلق مسائل کا ذکر تھا اب اس کی اہمیت کا تذکرہ ہے کہ سچی گواہی سنت انبیاء کرام ہے کہ وہ حضرات دنیا میں خالق کی گواہی مخلوق کے سامنے دیتے رہے اور قیامت میں مخلوق کی گواہی خالق کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے لہٰذا اس سنت کو بگاڑو نہیں۔ چوتھا تعلق: قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ بیان فرمانے کے بعد الہیات کے مسائل آخرت کے احوال بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ ان حالات میں غور کر کے احکام شرعیہ پر سختی سے عمل کریں۔ بہت دور سے شرعی احکام بیان ہو رہے تھے اب قیامت کی ہولناکی بیان ہو رہی ہے تاکہ لوگ ان میں غور کر کے گزشتہ احکام پر عمل کریں۔ لالچ یا محبت سے ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں ڈر سے ماننے والے زیادہ۔

تفسیر: **یوم یجمع اللہ الرسل** یوم کبھی بمعنی نہار آتا ہے رات کا مقابل کبھی بمعنی وقت یہاں بمعنی وقت ہے کیونکہ قیامت اور جنت دوزخ میں رات و دن نہ ہونگے یہاں یوم ظرف ہے یا تو اذکر فعل پوشیدہ کا اور خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اذکروا کا اور خطاب ہے تمام انسانوں سے یعنی اے محبوب انہیں وہ دن یاد دلاؤ یا اس دن کا تذکرہ کرو یا اے لوگو اس دن کو یاد کرو یا یاد رکھو اور ہو سکتا ہے کہ یہ صرف ہو **لا یھدی** کا یا **اتقوا اللہ** کا جو گزشتہ آیت میں گزرے یعنی اللہ تعالیٰ اس دن فاسقوں کو ہدایت نہ دیگا یا اللہ سے ڈرو یعنی اس دن سے ڈرو (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) پہلی دو صورتوں میں یہ نیا جملہ ہے دوسری دو صورتوں میں گزشتہ جملہ کے متعلق ہے۔ جمع فرمانے سے مراد ہے سب کو بارگاہ الٰہی میں بیک وقت پیش کرنا وہ دن ہے قیامت کا جب شفیع کی تلاش کے بعد حساب و کتاب شروع ہو جاوے گا گواہی شاہدی ہوگی مقدمات کی تحقیقات خود رب العالمین فرمائے گا۔ رسل سے مراد سارے انبیاء کرام مع ان کی امتوں کے ہیں یعنی سارے انسان رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم مجموع لہ الناس**۔ چونکہ حضرات انبیاء اصل ہیں امتیں ان کی تابع اس لئے صرف ان ہی کا ذکر ہوا (تفسیر روح المعانی وغیرہ)۔ خیال رہے کہ تلاش شفیع کے وقت حضرات انبیاء کرام یکجا نہ ہونگے متفرق مقام ہوں گے۔ اس لئے ایک ہزار سال تک لوگ انہیں ڈھونڈتے پھریں گے ایک ہزار سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگے گا اور حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں طلب شفاعت کرتے ہوئے اپنی درخواست پیش کریں گے مگر عدالتی کارروائی شہادت کے وقت یہ حضرات مع اپنی امتوں کے یکجا یعنی بارگاہ رب العالمین میں جمع ہوں گے یہاں اسی وقت کا تذکرہ ہے **فیقول ماذا اجبتم** یہ جملہ معطوف ہے **یجمع اللہ** پر یقول کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **ما استفہامیہ** ہے۔ **ذا** اسم موصول **اجبتم** اس کا صلہ یہ دونوں کی خبر یعنی رب تعالیٰ حضرات انبیاء کرام سے فرمائے گا کہ آپ حضرات کو آپ کی امتوں کی طرف سے تبلیغ کا جواب کیا ملا۔ خیال رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام کو یہاں جمع فرمایا جاوے گا اور ان حضرات سے ان کی نافرمان امتوں کے متعلق سوال ہو گا۔ جنہوں نے ان کی اطاعت نہ کی اس مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہ ہوں گے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تسئل عن اصحاب الجحیم**۔ دوزخیوں کے متعلق آپ سے سوال نہ ہو گا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کفار قوم کے خلاف حضرات انبیاء کرام کے حق میں گواہی دے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہونگے پھر اسی مجمع میں ان کی موجودگی کے کیا معنی لہذا اسی مجمع میں نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا یہ سوال اپنی بے خبری کی بنا پر نہیں وہ تو عالم الغیوب ہے یہ سوال ان کفار پر اظہار قہر و غضب کے لئے ہو گا اسی لئے رب تعالیٰ خود ان کفار سے خطاب نہ فرمائے گا کہ تم نے اپنے نبیوں کو کیا جواب دیا یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال نہ فرمایا کہ یہ کفار میری توحید میرے فرشتوں میری جنت دوزخ قیامت وغیرہ کو مانتے تھے یا نہیں صرف یہ کہا کہ اے رسولو یہ تم کو مانتے تھے یا نہیں یہ تمہارے تھے یا نہیں کیونکہ نبی کا ماننا اصل ایمان ہے نبی کو مان سب کچھ مان لیا نبی کا انکار سب کا انکار کیا۔ ابلیس نبی کا منکر ہو کر سب کچھ مانتا ہے مگر کافر ہے **قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب** یہ ان حضرات انبیاء کرام کا جواب ہے اس کے دو جز ہیں ایک **لا علم لنا** اور دوسرا **انک انت** پہلے جواب کا مقصد یہ نہیں کہ حضرات انبیاء کرام کو اپنی قوم کے جوابات یاد نہ رہے وہاں تو عام لوگوں کو دنیا کی ہر بات یاد آجاوے گی۔ رب فرماتا ہے **یوم یتذکر الانسان ما سعی**۔ نہ یہ مقصد ہے کہ وہ حضرات اس دن کی گھبراہٹ سے سب کچھ بھول گئے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا۔ فرماتا ہے **لا یحزنھم الفزع الا کبر وتتلقاھم الملئکۃ** اور فرماتا ہے **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرات یہ فرمار ہے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں کہ ان لوگوں نے ہمارے بعد کیا کیا کیونکہ ان سے سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے تمہیں جواب کیا دیا نیز یہی حضرات بعد میں ان لوگوں کی شکایت کریں گے۔ رب فرماتا ہے **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھو لاء شھیدا** بلکہ اس جواب کا مقصد ان حضرات کا اپنی نافرمان امتوں سے بیزاری ناراضی نفرت کا اظہار ہے ان کی شفاعت سے انکار ہمیں خبر نہیں تو ہی جانے یہ کبھی اظہار غضب کے لئے کہا جاتا ہے نہ کہ نفی علم کے لئے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ باپ نالائق بیٹے پر غضب ناک ہو کر اس کی ماں سے پوچھتا ہے کہ یہ کیا حرکتیں کرتا ہے ماں اس سے سخت بیزاری ظاہر کرتے ہوئے کہتی ہے مجھ کو کچھ خبر نہیں تم جانو لیکن اگر بچاتا ہو تو اس کی سفارش کرتی ہے کہ اسے معاف کرو اب نہیں کرے گا یہ ناسمجھ ہے غلطی کر گیا۔ اس کی مثال وہ آیت کریمہ ہے **لا تعلمھم نحن نعلمھم** اے محبوب ان منافقین کو آپ نہیں جانتے انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں۔ یہاں بھی علم رسول کی نفی نہیں بلکہ اظہار غضب ہے کیونکہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے **ولتعرفنھم فی لحن**

القول۔ آپ ان منافقوں کو کلام کی روش سے ہی پہچان لیتے ہیں۔ دوسرے جز کا مقصد بھی اظہار غضب ہی ہے کہ تو خود علام الغیوب ہے ان بد نصیبوں کے کفریات سے خبردار ہے۔ جس کے یہ لوگ مستحق ہیں وہ سزا انہیں دے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کو علام تو کہہ سکتے ہیں علامہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ علامہ ت تانیث کی ت کے مشابہ ہے (تفسیر کبیر) غیوب جمع ہے غیب کی اگرچہ غیب مصدر ہے مگر چونکہ غیب کی قسمیں بہت ہیں اس لئے اس کی جمع ارشاد ہوئی (روح المعانی) فقیر نے جو تحقیق یہاں عرض کی اسی کو روح البیان و روح المعانی نے ترجیح دی۔

خلاصہ ء تفسیر: تمام انبیاء کرام کے جمع ہونے کے تین موقعہ ہیں جن میں سے دو ہو چکے اور تیسرا آئندہ ہونے والا ہے۔ جس کا ذکر یہاں ہے۔ میثاق کے دن اللہ تعالیٰ نے سارے رسولوں کو جمع فرما کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا۔ جس کا ذکر اسی آیت کریمہ میں ہے **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** دوسرا اجتماع معراج کی رات بیت المقدس میں ہوا کہ سارے نبیوں نے جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جس کا ذکر احادیث میں ہے۔ تیسرا اجتماع وہ ہے جو قیامت کے دن ہو گا جس کا ذکر یہاں ہے یہ اجتماع کفار کے خلاف گواہی لینے کے لئے کیا جاوے گا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجتہ الوداع کے موقعہ پر نبیوں کا اجتماع ہوا ہے مگر سارے نبیوں کا نہیں۔ چند نبیوں کے نام حدیث شریف میں وارد ہوئے اس تیسرے اجتماع کے متعلق ارشاد ہوا کہ اے لوگوں اس دن کو یاد کرو یا یاد رکھو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے اس دن کا تذکرہ فرماؤ یا انہیں یاد دلاؤ جس دن اللہ تعالیٰ از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام تمام انبیاء کرام کو ان کی منکر و نافرمان امتوں قوموں کے ساتھ اپنے حضور جمع فرمائے گا اور ان نافرمان قوموں پر عتاب فرماتے ہوئے ان سے نہیں بلکہ ان کی موجودگی میں ان حضرات انبیاء سے سوال فرمائے گا کہ تم نے جب دنیا میں ہمارے احکام و فرمان کی تبلیغ ان لوگوں کو کی تو تم کو ان کی طرف سے کیا جواب ملا انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا۔ حضرت انبیاء کرام بیزاری ظاہر فرمانے کے لئے عرض کریں گے مولیٰ ہم نہیں جانتے تو ہی علام غیوب ہے تجھے خبر ہے کہ انہوں نے ہم کو کیا جواب دیئے یہ بے دین بد نصیب تیری بارگاہ میں حاضر ہیں تو ان کے جرموں پر مطلع ہے۔ جس سزا کے یہ لوگ مستحق ہیں وہ انہیں دے انہوں نے ہم کو جو جواب دیئے تجھے معلوم ہی ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سوال ہمیشہ سائل کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے اور مقاصد بھی ہوتے ہیں دیکھو رب تعالیٰ علام غیوب ہے پھر حضرات انبیاء کرام سے پوچھ رہا ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو کیا جواب دیا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم ہوتا تو جناب صدیقہ کی تہمت کے موقعہ پر لوگوں سے دریافت کیوں فرماتے خود ہی فرما دیتے کہ واقعہ یوں ہے رب تعالیٰ بعد تحقیق قیامت میں فیصلے فرمائے گا۔ دوسرا فائدہ: کسی سے کلام نہ فرمانا اس پر ناراض ہونے کی علامت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ براہ راست کفار سے نہ پوچھے گا بلکہ ان کے متعلق حضرات انبیاء کرام سے پوچھے گا تاکہ ان پر غضب کا اظہار ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یکلمھم**۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ یہ کلام ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ فرمائے گا بلکہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت وہاں حاضر بھی نہ کی جاوے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشی اور اس امت کی حاضری اور ہی شان

سے ہوگی یہ فائدہ یجمع اللہ الرسل سے حاصل ہوا کہ رسل سے مراد دیگر انبیاء کرام ہیں۔ چوتھا فائدہ: لا علم لنا فرمانا قائل کی بے علمی کی دلیل نہیں دیکھو حضرات انبیاء کرام کو ان کے جوابات کا علم ہے مگر فرما رہے ہیں لا علم لنا بیزاری اور شفاعت سے انکار کے لئے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا بہر حال کلام کا منشاء سمجھنا ضروری ہے۔ پانچواں فائدہ: مدار نجات توحید نہیں مدار نجات ایمان ہے اور مدار ایمان رسول کو ماننا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان کفار کے متعلق توحید' جنت دوزخ کے ماننے کا سوال نہ فرمایا بلکہ نبی کے ماننے کے متعلق سوال کیا۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب یہ ہوگا کہ کسی کو بے یار و مددگار کر دیا جاوے۔ دیکھو ان کو دوزخ میں بھیجنے سے پہلے حضرات انبیاء کو ان سے بیزار کر دیا گیا تاکہ ان کا کوئی شفیع و سفارشی نہ ہو اس لئے مسلمانوں کے مددگار بت سے بنادیئے جائیں گے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا۔

پہلا اعتراض: یہاں الرسل میں سارے انبیاء کرام داخل ہیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور آپ سے بھی یہ ہی سوال ہوگا۔ آپ بھی اپنی بے علمی ظاہر کریں گے اور لاعلمی کا اقرار فرمائیں گے۔ جواب: ہرگز نہیں الرسل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ورنہ یہ آیت کریمہ دوسری آیات کے خلاف ہو جاوے گی دیگر انبیاء کرام مدعی ان کی کافر قومیں مدعی علیہ کی حیثیت سے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان حضرات انبیاء کرام کی گواہ کی حیثیت سے پیش ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ صفائی کی حیثیت سے جلوہ گر ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے لتکونو اشھدا علی الناس ویکون الرسول علیکم شھداء اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدعیوں کی جماعت میں داخل ہوں تو فرماؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ کون ہوگا اور وہ آیت کریمہ کیسے درست ہوگی نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے ولا تسئل عن اصحاب الجحیم دوزخیوں کے متعلق آپ سے سوال نہ کیا جاوے گا لہذا یقیناً اس مجمع میں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔ دوسرا اعتراض: اس دن اللہ تعالیٰ براہ راست ان کفار سے ہی کیوں نہ پوچھیگا کہ تم نے اپنے نبیوں کو کیا جواب دیا۔ حضرات انبیاء کرام سے کیوں خطاب فرمایا۔ جواب: یا اس لئے کہ وہ تو حضرات انبیاء کی تشریف آوری کے ہی انکاری ہو جائیں گے عرض کریں گے ما جاءنا من نذیر ہمارے پاس دنیا میں کوئی نبی آئے ہی نہیں پھر جواب دینے کا سوال ان سے کیا کیا جاوے یا اظہار غضب کے لئے کہ رب تعالیٰ ان سے کلام نہ فرمائے گا۔ دوسرے وقت کلام کرے گا مگر تحقیق یا محبت کا نہیں بلکہ غضب و قہر کا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کو اس دن کچھ علم نہ ہوگا۔ صاف فرما رہے ہیں لا علم لنا اگر انہیں علم ہو تو ان کا یہ جواب جھوٹ ہو وہ حضرات جھوٹ سے پاک ہیں۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ لا علم لنا سے علم کی نفی مقصود نہیں بلکہ کفار سے بیزاری مقصود ہے اور ان سے قطع تعلق اور شفاعت سے انکار ورنہ قیامت میں ہر شخص کو اپنی ہر بات یاد ہوگی یوم یتذکر الانسان ما سعی۔ چوتھا اعتراض: حضرات انبیاء کرام قیامت کے اول وقت ہیبت کی بنا پر سب اگلی پچھلی باتیں بھول جائیں گے اس بھول کی بنا پر یہ کہیں گے پھر ہوش آنے پر ان کی شکایت فرمائیں گے حدیث شریف میں ہے کہ اولاً حضرات انبیاء کرام لوگوں کی طلب شفاعت کے وقت ان سے کہیں گے لست ھنا کم اذھبوا الی غیری یعنی ہم اس کام کے لئے نہیں کسی اور کے پاس جاؤ بلکہ نفسی نفسی پکاریں گے عام مفسرین بلکہ جلال الدین سیوطی نے بھی یہاں یہی لکھا پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ یہ فرمان اظہار بیزاری کے لئے ہے۔ جواب: محققین مفسرین کا یہ قول نہیں دیکھو تفسیر کبیر اور روح

المعانی اور روح البیان وغیرہ یہاں تفسیر صاوی شریف نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام کا یہ فرمانا لست هنا کم اذهبوا الی غیری۔ گھبراہٹ کی بناپر نہ ہو گا بلکہ مقصد یہ ہو گا کہ شفاعت کبریٰ کرنا ہمارا کام نہیں یہ کام کسی اور ہی کا ہے۔ ہمارا کام شفاعت صغریٰ ہے تم شفیع اکبر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ شفاعت نہیں دی لہٰذا اس وقت ہم صرف اپنے نفس کے مالک ہیں دیکھو تفسیر صاوی یہی مقام سبحان اللہ بہت اچھی تحقیق ہے پھر فرمایا کہ ان حضرات کے خدام یعنی اولیاء اللہ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے رب فرماتا ہے لا یحزنهم الفزع الاکبر تو ان حضرات کو گھبراہٹ کیسی۔ پانچواں اعتراض: لا علم لنا فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم کو ان کفار کے دل کی بات یا ان کے خاتمہ کی خبر نہیں کہ وہ کس حال پر مرے ہم ان کے ظاہر سے مطلع ہیں۔ جواب: یہ محض غلط ہے رب تعالیٰ نے کفار کے دل یا ان کے خاتمہ کا سوال نہیں۔ فرمایا بلکہ پوچھا ہم کہ تم کو انہوں نے جواب کیا دیا نا ممکن ہے کہ سوال کچھ اور ہو اور حضرات انبیاء جواب کچھ اور دیں۔ چھٹا اعتراض: حضرات انبیاء کرام سے یہ سوال کیوں ہو گا کہ ان کی کافر قوم نے انہیں کیا جواب دیا خود ان کفار سے ہی کیوں نہ پوچھا گیا کہ تم نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ جواب: چند وجہ سے ایک یہ کہ کفار تو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ ہمارے پاس کوئی رسول پہنچا ہی نہیں ماجاء نا من نذیر جس کے خلاف گواہیاں قائم ہوئیں اور وہ خاموش ہو گئے دوسرے یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ ان کفار پر اپنا غضب ظاہر فرمائیگا کہ اب ان سے کلام ہی نہ کرے گا۔ تیسرے یہ کہ اس میں حضرات انبیاء کرام کی بیزاری ظاہر ہو گی تاکہ کفار کو پتہ چل جاوے کہ ہمارا یار و مددگار آج کوئی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: قیامت کے دن کے دو حال ہیں اولاً رب تعالیٰ صفت قہاریت سے تجلی فرمائے گا خود فرمائیگا لمن الملک الیوم لله الواحد القهار مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر شفاعت کا دروازہ کھل جائے گا تو صفت غفاریت کا ظہور ہو گا۔ اولاً وحدت سے کثرت دفع ہو گی اس کے حضور سب مضمحل ہوں گے اس وقت ہر موجود اپنے کو معدوم سمجھے گا اور لا علم لنا کی پکار پڑے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عارفین عاشقین کاملین کی قیامت ہمیشہ ہی برپا رہتی ہے وہ ہمیشہ اپنی ذات اپنی صفات کو معدوم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

همہ نیست اند آنچہ ہستی توئی! پناہ بلندی و پستی توئی!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ موت اضطراری سے پہلے موت اختیاری سے مرجاؤ اس قیامت کے آنے سے پہلے اپنی قیامت قائم کر لو مرتوا قبل ان تموتوا اور من مات فقد قامت قیامته تاکہ وہ قیامت آسان ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہم لوگ اپنا حساب دیں گے ہم سے ہمارے اعمال کے متعلق سوال ہو گا حضرات انبیاء کرام اپنی قوموں کا حساب پیش کریں گے ان سے ان کی قوموں کے متعلق سوال ہو گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء سے یہ نہ پوچھا کہ آپ لوگوں نے کیا عمل کئے تھے بلکہ یہ پوچھا کہ آپ کو آپ کی قوموں نے کیا جواب دیئے تھے حساب ہے نگران کا نہیں ان کی قوموں کا اس ماذا اجبتم میں نفیس اشارہ اس طرف ہے کہ ان لوگوں نے آپ حضرات سے برتاؤ کیا کیا آپ حضرات ان سے خوش ہیں یا ناخوش اس لئے رب تعالیٰ نے یہ پوچھا کہ ان لوگوں نے رب کو مانا یا نہیں نیک اعمال کئے یا نہیں۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں بعض لوگ رب تعالیٰ کو اپنا حساب دیں گے بعض لوگ اس سے اپنا حساب لیں گے یعنی چکائیں گے جن پر زکوٰۃ چالیسواں حصہ فرض تھی مگر انہوں نے اپنا سارا مال راہ خدا میں خیرات کر دیا ظاہر ہے کہ وہ تو اپنا حساب رب سے چکائیں گے۔

اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡ

جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے یاد کرو تم میری نعمت کو جو تم پر اور تمہاری ماں پر ہے جبکہ میں نے

جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کرو میرا احسان اپنے پر اور اپنی ماں پر جب میں نے

تُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَکَہۡلًا ۚ وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ

قوت دی تم کو ساتھ پاک روح کے باتیں کرتے تھے تم لوگوں سے گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں اور جب

روح پاک سے تیری مدد کی تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر اور جب

الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَالتَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ۚ

سکھائی میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی بات اور توریت اور انجیل.

میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ان جھوٹے گواہوں کی رسوائی اور سزا کا ذکر ہوا جو اپنی مالی گواہی میں حد شرعی توڑ دیں اور جھوٹی گواہی دے دیں اب اس آیت کریمہ میں ان جھوٹے گواہوں عیسائیوں پر اظہار غضب ہے جو اپنی ایمانی گواہی میں جھوٹ بولیں کہ وہ حضرات مریم کے متعلق گواہی دیں کہ وہ رب تعالیٰ کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گواہی دیں کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ گویا مالی جھوٹی گواہی کے بعد ایمانی و اعتقادی جھوٹی گواہی کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں جھوٹی گواہی کے رد ہو جانے کا ذکر تھا کہ گواہوں کو اپنی جھوٹی گواہی کے رد ہو جانے سے خوف کرنا چاہئے۔ اب عیسائیوں کی اس جھوٹی گواہی کے رد ہو جانے کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے دنیا میں حضرت عیسیٰ و مریم کے متعلق دیں کہ وہ حضرات خود ان کی یہ گواہیاں رد کر دیں گے۔ تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں اس سوال و جواب کا اجمالی ذکر ہوا جو سواء ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے نبیوں سے کیا جاوے گا۔ اب اس تفصیلی سوال جواب کا ذکر ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خصوصی طور پر ہو گا چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گروہ انبیاء میں خصوصی شان رکھتے ہیں کہ آپ خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہیں وہ کلمۃ اللہ۔ روح اللہ ہیں اس لئے ان کے سوال و جواب کو خصوصیت سے علیحدہ کر کے بیان فرمایا۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرات انبیاء کے اس سوال کا ذکر تھا۔ جس کا تعلق ان کی ذات سے تھا یعنی ان کی اطاعت نہ کرنا انہیں ایذا دینا وغیرہ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سوال کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق ذات الٰہ العالمین سے ہے یعنی اس ذات کو حضرت مریم کا خاوند عیسیٰ علیہ السلام کا والد کہنا۔ چونکہ اس سوال و جواب میں رب تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے اس لئے اولاً "رب تعالیٰ نے بطور تمہید اپنی نعمتیں شمار کرائیں بعد میں سوال و جواب فرمایا۔

تفسیر: اذ قال اللہ یعیسی ابن مریم اس جملہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں قوی تفسیر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اذ ظرف ہے اذکرو فعل پوشیدہ کا اور خطاب ہے تمام انسانوں سے یا ظرف ہے اذکر کا اور خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم سے اگرچہ یہ سوال و جواب قیامت میں ہو گا مگر چونکہ یہ واقعہ یقینی ہے اس لئے قال ماضی فرمایا گیا۔ عربی میں یقینی مستقبل کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں فراء کے نزدیک عیسیٰ مبنی بر ضمہ ہے یا مبنی بر فتحہ عیسیٰ کی لفظی تحقیق اور اس کے معنی بار ہا بیان ہو چکے ہیں۔ چونکہ آپ بغیر والد پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کو ہر جگہ ابن مریم فرمایا جاتا ہے۔ عیسیٰ کے معنی شریف مریم کے معنی ہیں خادمہ چونکہ آپ کو بچپن شریف سے ہی آپ کی والدہ حنہ نے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اس لئے آپ کا نام بھی مریم یعنی خادمہ رکھا یعنی اے لوگو وہ وقت بھی یاد کرو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلائیں جب رب تعالیٰ حضرت عیسیٰ ابن مریم سے یوں خطاب فرمائے گا یہ خطاب عنقریب ہو گا اور یقیناً ہو گا۔ لہٰذا گویا فرما ہی دیا۔ اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں کو دنیا میں یاد کرنا عبادت ہے۔ جس پر ثواب ملے گا۔ آخرت میں اس کا ذکر باعث ثواب نہیں کہ عمل کی جگہ دنیا ہے نہ کہ آخرت ہم لوگوں کو قیامت میں نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ حساب کے لئے یا عتاب کے لئے کہ تم نے ہماری نعمتیں استعمال کیں بتاؤ شکر کیا اور کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو نعمتیں یاد دلانا کسی اور مقصد کے لئے ہے اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتیں یاد تو تھیں مگر آپ کو ادھر توجہ دلانے اور آپ کی قوم عیسائیوں کو شرمندہ فرمانے کے لئے اذکر فرمایا گیا ذکر سے مراد ذکر یعنی یاد کرنا ہے اور ممکن ہے کہ زبانی یعنی عیسائیوں سے فرمانا مراد ہو کہ بد نصیبو مجھ پر تو رب تعالیٰ نے یہ احسانات کئے تم نے میرے ذریعہ اس ذات کریم کو عیب لگائے اس ذکر کا منشا شکر کرنا نہیں کہ شکر کی جگہ دنیا ہے وہاں آخرت میں شکر کی جزا ملے گی۔ (صاوی - روح البیان) بلکہ عیسائیوں یہودیوں دونوں پر اظہار غضب مقصود ہے کہ یہودیوں نے ایسے انعام والے نبی اور ان کی والدہ کو گالیاں دیں اور عیسائیوں نے ان کے ذریعہ خدا کو بہتان لگائے۔ نعمت وہ اعلیٰ چیز ہے جو بغیر معاوضہ کسی کو دی جاوے اجرت، رحمت، نعمت ان میں بڑا فرق ہے۔ نعمت تین قسم کی ہیں۔ نعمت عامہ، نعمت خاصہ، نعمت شخصیہ، دھوپ، ہوا، زمین، آسمان، نعمت عامہ میں دولت، عزت، شہرت نعمت خاصہ یہاں شخصی نعمتیں مراد ہیں جو حضرت مسیح کے سوا کسی کو عطا نہ ہوئیں۔ نعمت اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ پر بولا جاتا ہے۔ یہاں بہت سی نعمتیں مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نعمتوں کی تفصیل یہاں ہی بیان فرمادی مگر حضرت مریم کی نعمتوں کا ذکر نہ فرمایا لہٰذا یا تو یہی نعمتیں حضرت مریم کی بھی ہیں جس ماں کا بیٹا ایسی عظمتوں والا ہو تو ماں بھی بہت شان والی ہو گی یا حضرت مریم کی نعمتوں سے مراد ہے ان کی جہاں بھر کی عورتوں پر بزرگی دینا۔ جناب زکریا علیہ السلام کی تربیت میں رکھنا [illegible] پرورش کرنا بچپن شریف میں جنتی میوے عطا فرمانا انہیں طیبہ طاہرہ بتول بنانا انہیں بذریعہ جبریل امین پاک [illegible] اے عیسیٰ تم میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو اور تمہاری والدہ مریم کو دنیا میں عطا کیں رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارہ نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے اذ ایدتک بروح القدس۔ یہ عبارت یا تو نعمتی کا ظرف ہے یا اس کا بدل ایدت بنا ہے تائید سے جس کا مادہ ہے اید بمعنی قوت و طاقت تائید کے معنی ہیں قوت دینا روح القدس یا حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ وہ روحانی نورانی مخلوق ہیں اور پاک بے گناہ بے عیب یعنی موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے یا روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام اور قدس اللہ تعالیٰ یعنی رب کی روح یا روح القدس سے مراد ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کیونکہ بعض روحیں پاک و نورانی ہیں۔ بعض خبیث و ظلماتی بعض چمکدار ہیں بعض دھندلی بعض خیر ہیں بعض شر بعض عزت والی بعض ذلیل جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (تفسیر کبیر) مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام

جناب مسیح کی خدمت میں رہتے انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھتے تھے۔ یہاں اس کا ذکر ہے یعنی ہم نے بذریعہ جبریل تم کو قوت دی تمہاری تائید کی۔ دوسرے نبیوں کے پاس حضرت جبریل وحی کے وقت ہی حاضر ہوتے تھے مگر جناب مسیح کے ساتھ ہر وقت باڈی گارڈ کی طرح ساتھ رہتے تھے اور آپ کو دشمنوں سے شر سے محفوظ رکھتے تھے **ایدتک** کے یہ معنی ہیں **تکلم الناس فی المھد و کھلا**۔ یہ دوسری خصوصی نعمت کا ذکر ہے جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی پیدا ہوتے ہی کلام آدم علیہ السلام نے بھی کیا مگر لوگوں سے نہیں اس وقت لوگوں سے کلام کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے **مھد** کے لفظی معنی ہیں شروع یا ابتداء بچوں کے گہوارے کو مہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ان کا ابتدائی مقام ہوتا ہے جس میں وہ جھولتے ہیں۔ کہل و کہولت چالیس سال کے بعد کی عمر کو کہا جاتا ہے اگرچہ ادھیڑ عمر میں کلام اور لوگ بھی کرتے ہیں مگر آپ آسمان سے واپس آکر اسی عمر میں کلام کریں گے اس لئے یہ کلام فرمانا بھی آپ کی خصوصیت قرار پایا اس کی پوری بحث سورۂ آل عمران میں ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ کرو یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ آپ تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اور آسمان سے تشریف لاکر چالیس سال قیام فرمائیں گے واللہ اعلم۔ **واذ علمتک الکتب و الحکمۃ و التورٰۃ و الانجیل** یہ تیسری نعمت کا ذکر ہے اس میں چار نعمتیں مذکور ہیں کتاب کا علم۔ حکمت کی عطا توریت کا علم انجیل کا علم **علمت** فرما کر بتایا گیا کہ دوسرے لوگ کتاب و حکمت استادوں سے سیکھتے ہیں مگر تم کو یہ علوم نہ تو کسی انسان نے سکھائے نہ حضرت جبریل نے براہ راست میں نے سکھائے مخلوق کے شاگرد کا علم ناقص ہو سکتا ہے مگر رب تعالیٰ کے شاگرد کا علم کامل ہو گا۔ حضرت جبریل کتاب لانیوالے ہیں۔ سکھانے والے نہیں۔ کتاب کا کاتب، پریس میں چھاپنے والا جلد باندھنے والا یوں ہی ڈاکیہ یعنی کتاب لانے والا استاد نہیں ہوتا بلکہ پڑھانے سکھانے والا استاد ہوتا ہے۔ حضرت جبریل کتاب لانے والے اور ہم تم کو کتاب و حکمت سکھانے والے **علمت** باب تفعیل فرما کر بتایا کہ یہ چاروں علم نہایت کامل عطا فرمائے۔ یہاں تفعیل آہستگی کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے یہاں کتاب سے مراد یا تو لکھنے کا علم ہے آپ بغیر کسی سے سیکھے اعلیٰ درجہ کی کتابت فرماتے تھے یا مطلقاً آسمانی کتابیں مراد ہیں جن میں توریت، زبور اور نبیوں کے صحیفے داخل ہیں حکمت سے مراد آسمانی کتب کے اسرار و رموز ہیں یا کتاب سے مراد توریت و انجیل ہے **والتورٰۃ** عطف تفسیری ہے حکمت سے مراد ان کے اسرار ہیں یعنی رب نے آپ کو لکھنے کا علم یا آسمانی کتب کا علم یا توریت و انجیل کا علم دیا ان کے اسرار سکھائے کہ آپ بغیر کسی کی شاگردی کے ان کتب کو پڑھتے بھی تھے اور ان کے اسرار و رموز سے کماحقہ خبردار بھی تھے اس تمام کی تفسیر تیسرے پارے سورۂ آل عمران میں ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہو کہ قرآن مجید کے بتیس ناموں میں ایک نام کتاب بھی ہے اور حکمت سے مراد حدیث شریف ہو کیونکہ حضور کا ہر کلام ہر کام بہت سی مصلحتوں سے ہوتا ہے نیز یہ تاقیامت محکم ہے کبھی تبدیل یا فنا نہیں ہو سکتا۔ یعنی اے عیسیٰ تم کو ہم نے زمین پر دوبارہ بھیجا ایک بار توریت و انجیل کے احکام وہاں جاری کرنے کے لئے دوسری بار قریب قیامت احکام قرآن و حدیث جاری فرمانے کے لئے چونکہ قرآن مجید تمام کتابوں سے اعلیٰ ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا جیسے **واسجدی وارکعی**۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں قریب قیامت تشریف لائیں گے تو نہ کسی امام کے مقلد ہوں گے نہ کسی شیخ کے مرید یعنی نہ حنفی شافعی ہوں گے نہ قادری چشتی وغیرہ بلکہ خود مجتہد مطلق ہوں گے مگر آپ کو قرآن و حدیث کا یہ علم کسی استاد سے حاصل نہ ہو گا بلکہ خود بخود القاء الٰہی سے عالم ہوں گے یہ معنی ہیں **علمتک الکتاب والحکمۃ** کی وہ خصوصی صفت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

سواء کسی کو نہ ملی۔ خیال رہے کہ یہ تمام نعمتیں بلاواسطہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں اور آپ کے واسطہ سے جناب مریم کو کبھی ماں کی عظمت سے بیٹے کو عظمت ملتی ہے کبھی اس کے برعکس بیٹے کے شرف سے ماں باپ کو شرف حاصل ہوتا ہے۔ جناب آمنہ و عبداللہ رضی اللہ عنہم کا درجہ ہماری عقل فہم سے وراء ہے کہ آپ اس ذات کریم کے والدین ہیں جو بعد خدا سب سے افضل ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ کنواری پاک مریم وہ نفخت فیہ کا دم ہے عجب نشان اعظم!
مگر آمنہ کا جایا وہ ہی سب سے بڑھ کر آیا اسے اک نے اک بنایا!

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگوں وہ وقت یاد کرو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سب کو وہ وقت یاد دلاؤ جب کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے جناب مریم کے فرزند عیسیٰ تم ہماری ان خصوصی نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے دنیا میں صرف تم کو دیں تمہارے سواء کسی کو نہ دیں اور وہ نعمتیں یاد کرو جو براہ راست یا تمہاری معرفت تمہاری ماں مریم کو بخشیں کہ تم کو بذریعہ جبریل امین جو کہ پاک روح ہیں قوت بخشی کہ وہ تمہارے خادم ہو کر ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے تھے تم کو یہ نعمت دی کہ تم بچپن میں جو گہوارہ میں جھولنے کی عمر ہوتی ہے اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے نہایت فصیح و بلیغ کلام فرماتے تھے یہ نعمت بھی صرف تم کو ہی دی اور ہم نے براہ راست بغیر کسی کی شاگردی کے آسمانی کتب کا علم بخشا حکمت راز و رموز سکھائے خصوصاً" توریت و انجیل کا عالم بنایا کہ تم بغیر کسی کی شاگردی کے یہ کتب پڑھتے پڑھاتے بھی تھے اور ان کے ان رموز و اسرار سے واقف بھی تھے جو اکابر انبیاء ہی جانتے ہیں تمہیں پہلی زندگی میں توریت و انجیل کا علم دیا اور دوسری زندگی میں قرآن و حدیث کا علم عطا فرمایا تاکہ آپ قریب قیامت اس کے احکام جاری فرمائیں قرآن مجید اولاً" میاں جی سے سکھایا جاتا ہے۔ پھر قاری صاحب سے پھر عالم سے پھر شیخ سے پھر حافظ سے اور اس کے لئے عمر صرف کی جاتی ہیں مگر تم کو یہ سب ہم نے بغیر واسطہ استاد عطا کیئے۔

فائدے: اس عبارت شریفہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور آخرت یعنی قیامت میں بھی یاد دلائے گا مگر دنیا میں یاد دلائیں تاکہ ہم ایمان لائیں رب کا شکر اس کی عبادت کریں۔ آخرت میں یاد دلائے گا یا اس کو الزام دینے کے لئے یا دوسروں کو الزام دینے کے لئے یہ فائدہ اذکر نعمتی سے حاصل ہوا جناب عیسیٰ علیہ السلام کو یہ نعمتیں یاد دلانا یہودیوں 'عیسائیوں پر الزام دینے کے لئے ہوگا۔ دوسرا فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ صرف والدہ سے پیدا ہوئے۔ یہ فائدہ عیسیٰ ابن مریم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو ماں باپ کی نسبت سے نہ پکارا۔ صرف عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح پکارا نیز حکم قرآن ہے کہ لوگوں کو باپ کی نسبت سے پکارو ادعوھم لاباءھم مگر آپ کو ماں کی نسبت سے پکارا اسی وجہ سے۔ تیسرا فائدہ: اللہ کی یاد اس کی نعمتوں پر دھیان ایسا اچھا عمل ہے جو بعد موت بلکہ قیامت بلکہ جنت میں بھی رہے گا۔ ساری نیکیاں مرنے سے فنا ہو جاتی ہیں مگر ذکر اللہ ہمیشہ باقی ہے یہ فائدہ اذکر نعمتی سے حاصل ہوا بعض بندے قبر میں بھی قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی مدد برحق ہے اور اللہ کی نعمت ہے کہ فرمایا ایدتک بروح القدس ہم نے براہ راست نہیں بلکہ بذریعہ جبریل تمہاری مدد کی تم کو قوت دی ہم کو حکم

دیا کہ یوں دعا کیا کرو واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا خدایا اپنی طرف سے ہمارا والی ہمارا مددگار مقرر فرمادے۔ پانچواں فائدہ: ماں باپ پر انعام اولاد پر انعام ہے اور اولاد پر انعام ماں باپ پر انعام ہے یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں یہ فائدہ وعلی والدتک سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ حضرات سادات کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا سے شرف حاصل ہوا یعنی اولاد کو عزت ملی باپ دادوں سے اور حضرت آمنہ ' عبداللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملا یعنی ماں باپ کو اولاد سے عزت۔ چھٹا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں لوگوں سے کلام فرمانا برحق ہے یہ فائدہ فی المھد فرمانے سے حاصل ہوا اس کا انکاری اس آیت کریمہ بلکہ بہت سی آیات قرآنیہ کا منکر ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن والا کلام نقل بھی فرمایا ہے قال انی عبداللہ۔ ساتواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام تمام فرشتوں حتی کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے بھی افضل ہیں جیسا کہ ایدتک کی تفسیر سے معلوم ہوا امداد و تعاون خادمانہ بھی ہوتی ہیں مخدومانہ بھی ماں باپ بچے کی مدد کرتے ہیں بادشاہ رعایا کی استاد شاگرد کی شیخ مرید کی مدد کرتے ہیں یہ مخدومانہ مدد ہے اولاد ماں باپ کی رعایا بادشاہ کی مرید شیخ کی مدد کرتے ہیں یہ مدد خادمانہ ہے۔ پہلی مدد کا نام کرم نوازی ہے۔ دوسری مدد کا نام خدمت ' حضرت جبریل امین خادم انبیاء ہیں اسی لئے مخدوم ملائکہ ہیں آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو علم لدنی بخشتا ہے وہ حق تعالیٰ سے بلاواسطہ فیض علم پاتے ہیں یہ فائدہ واذ علمتک سے حاصل ہوا آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے ملک چلانے کا علم۔ سلیمان علیہ السلام کو ملک رانی سلطنت ' پرندوں کی بولی کا علم ' حضرت یوسف علیہ السلام کو ملک رانی ' کاشتکاری ' غلہ کی حفاظت ' دنیا کو غلہ تقسیم کرنے وغیرہ کا علم رب تعالیٰ نے بغیر واسطہ عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے مگر ان سے وہاں کچھ سیکھنے نہیں دیا۔ صرف تین باتیں وہ معلوم کیں جس کا تعلق ظاہری علوم سے نہیں تھا۔ نواں فائدہ: حضرت جبریل علیہ السلام حضرات انبیاء کرام کے معلم یا استاد نہیں وہ صرف پیغام رساں کتاب الٰہی پہنچانے والے رہا علم کتاب حکمت وہ انہیں رب تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ بھی علمتک الکتاب سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: علم قرآن اور علم حدیث اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہ نعمت یاد دلائی۔ گیارھواں فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب دنیا میں قریب قیامت آسمان سے اتارے گا تو آپ الفاظ قرآن۔ احکام قرآن تجوید قرآن کے عالم ہونگے تمام احادیث کے پورے طور پر ماہر ہوں گے۔ یہاں آکر نہ کسی کی شاگردی کریں گے نہ کسی کی تقلید۔ بارھواں فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے اور احکام اسلامیہ لوگوں پر جاری کریں گے۔ آپ دنیا میں پہلے رہے تو انجیل و توریت کے احکام جاری فرماتے رہے اور اب رہیں گے تو احکام قرآن و حدیث جاری کریں گے یہ تینوں فائدے علمتک الکتاب والحکمۃ کی آخری تفسیر سے حاصل ہوئے جبکہ کتاب و حکمت سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ مراد ہوں۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی نعمتیں کیوں یاد دلائے گا کیا وہ ان نعمتوں کو بھول جائیں گے یا انکاری کریں گے یہ دونوں باتیں ان کی شان کے خلاف ہیں۔ جواب: صرف وہاں موجود عیسائیوں یہودیوں پر اظہار غضب کے لئے تاکہ وہ لوگ ان نعمتوں کو سنیں اور اپنی افراط و تفریط پر نادم و شرمندہ ہوں اور اس خطاب کا ذکر قرآن کریم میں اس لئے فرمایا کہ دنیا میں موجود یہودی و عیسائی سنیں اور اپنی افراط و تفریط سے توبہ کریں۔ دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام سے فرمائیگا کہ وہ نعمتیں یاد فرمایئے جو آپ پر اور آپ کی والدہ پر کی گئی مگر تفصیل صرف ان نعمتوں کی فرمائی جو عیسیٰ علیہ السلام پر کی گئی۔ اجمال و تفصیل میں مطابقت کیوں نہیں۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو یہ مذکورہ نعمتیں حضرت مریم کی بھی نعمتیں ہیں اولاد پر انعام ماں باپ پر انعام ہوتا ہے۔ جناب مریم پر رب تعالیٰ کا یہ انعام کہ وہ ایسے جلیل الشان فرزند کی والدہ بنائی گئیں۔ دیکھو جب حضرت مریم کو لوگوں نے گھیر لیا کہ بغیر نکاح یہ بچہ کہاں سے لائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی گود میں بولے اور صرف اپنے فضائل بیان فرمائے **قال انی عبداللہ** اعتراض ہوا ماں پر جواب میں آپ نے اپنے فضائل بتائے کیوں صرف اس لئے کہ مجھے پہچان لو تو جان جاؤ گے کہ ایسے فرزند کی ماں کیسی ہو گی موتی کو دیکھ کر سیپ کا پتہ لگاؤ سونے کو دیکھ کر کان کا پتہ لگاؤ فرزند کو دیکھ کر ماں کی شان معلوم کر لو یا حضرت مریم کے نعمتوں کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسرے مقام پر ذکر ہے وہ بھی اس دن بیان فرمائے جائیں گے۔ بہر حال کلام بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب عیسیٰ علیہ السلام کی تائید و تقویت کے لئے حضرت جبریل مقرر کئے جا چکے تھے تو یہود نے آپ کو ایذائیں کیوں پہنچائیں۔ حضرت جبریل نے ان کی مدد کیوں نہ فرمائی۔ **جواب:** حضرت جبریل کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ آپ کو قتل سے بچائیں۔ رہیں تکالیف وہ رب کے ارادہ سے پہنچیں تاکہ آپ کے مرتبے اونچے ہوں دیکھو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رب نے فرمایا **واللہ یعصمک من الناس۔** اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا اس کے باوجود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں بہت تکالیف پہنچیں ہاں وہ آپ کو شہید نہ کر سکے یہ تکالیف رب کی رحمت ہو جاتی ہیں یہ جواب خیال رہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں صرف ایک بار ہی کلام فرمایا مگر یہاں فرمایا گیا **تکلم الناس فی المھد** تم گہوارہ میں لوگوں سے کلام کرتے تھے یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہ فرمان عالی گہوارہ (جھنگوڑہ) اور ادھیڑ عمر کے کلام دونوں کے متعلق ہے واقعی ان دونوں زمانہ کے مجموعہ میں آپ نے بارہا کلام فرمایا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ نے ماں کی گود میں یعنی پیدا ہوتے ہی صرف ایک بار کلام کیا مگر گہوارہ میں لوگوں سے بارہا کلام کیا یہ گفتگو سورۂ آل عمران تیسرے پارہ میں ہو چکی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سواء اور انبیاء کرام نے بھی بچپن میں کلام فرمایا۔ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی حمد الٰہی کی بعض روایات میں ہے کہ آپ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا پھر یہ بطور خصوصی نعمت آپ سے کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** حضرت آدم علیہ السلام پر بچپن آیا ہی نہیں نہ وہ گہوارے میں جھولے آپ پورے ساٹھ ہاتھ مع عقل و ہوش و بلوغ پیدا ہوئے اور خود انہوں نے اور دیگر انبیاء کرام نے لوگوں سے کلام نہ کیا حضرت آدم نے یا رب سے کلام کیا یا فرشتوں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی حمد کی اپنی والدہ ماجدہ یا کسی اور سے کلام نہ کیا۔ **چھٹا اعتراض:** احادیث سے ثابت ہے کہ چند بچوں نے ماں کی گود یا گہوارہ میں کلام فرمایا جریج کی گواہی دینے والا بچہ۔ جناب آسیہ کی مشاطہ (کنگھی چوٹی کرنے والی) عورت کا بچہ۔ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دینے والا بچہ وغیرہ لہٰذا یہ کلام جناب عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت نہ رہا۔ پھر رب نے آپ کی خصوصیات میں کیوں ذکر فرمایا۔ **جواب:** آپ کی یہ خصوصیت دوسرے انبیاء کرام کے لحاظ سے ہے کہ گروہ انبیاء میں بطور معجزہ بچپن میں لوگوں سے کلام صرف آپ نے ہی کیا ان بچوں نے جو کلام کیا وہ نبی نہ تھے نیز یہ کلام ان کا اپنا معجزہ یا کرامت نہ تھا۔ بلکہ وہ نبی یا ولی کی کرامت سے بولے لہٰذا ان کی یہ گفتگو کلام کرانے والوں کا معجزہ یا کرامت تھا۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **علمتک الکتاب** ارشاد ہے **والتوراۃ**۔

والانجیل۔ توریت وانجیل بھی تو آسمانی کتاب میں ہی ہیں آپس میں تکرار ہے۔ الکتاب میں توریت وانجیل بھی آگئی تھیں۔ الجواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ الکتاب سے مراد یا کتاب کا علم ہے یا کتاب سے مراد بقیہ آسمانی کتابیں ہیں جیسے زبور اور دیگر انبیاء کے صحیفے یا الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے حکمت سے حدیث شریف مگر چونکہ توریت وانجیل ان میں معظمہ تھیں اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا۔ جیسے رب نے فرمایا حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی۔ آٹھواں اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ حضرات انبیاء کا علم لدنی ہوتا ہے وہ کسی کے شاگرد نہیں ہوتے مگر موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے گئے انہیں علم لدنی کیوں نہیں دیا گیا۔ جواب: اس کا مفصل جواب انشاء اللہ پندرہ پارہ کی آخرت آیات میں دیا جاوے گا یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب خضر علیہ السلام کے پاس کتاب یا حکمت یا شریعت کے مسائل سیکھنے نہیں گئے اور نہ انہیں رب تعالیٰ نے وہاں جانے ان سے سیکھنے کا حکم دیا صرف اپنی خوشی سے گئے اور طریقت کے اسرار سیکھنے کے شوق میں گئے وہ بھی ان سے سیکھنے نہیں بلکہ جناب خضر کے بعض کام دیکھے ان کے راز معلوم کئے اور چلے آئے اگر یہ حکم الٰہی وہاں گئے ہوتے تو نہ جناب خضر واپس کرتے نہ وہ آپس آتے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت کا علم لدنی ضرور عطا فرماتا ہے۔ بعض دیگر علوم بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے سیکھنے کا شوق کیا مگر کچھ سیکھا نہیں اگر کچھ سیکھ کر آتے تو اس پر عمل فرماتے کہ علم تو عمل کے لئے ہوتا ہے عجیب بات ہے کہ خضر علیہ السلام اپنے علم کی تبلیغ نہیں فرماتے اور موسیٰ علیہ السلام اس پر عمل نہیں کرتے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کا علم بھی لدنی ہے۔ نواں اعتراض: جب انجیل نے توریت کو منسوخ ہی کر دیا تو جناب مسیح کو توریت کا علم کیوں دیا گیا۔ منسوخ کتاب کا علم بیکار ہے۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہود نے توریت قریباً غائب کر دی تھی آپ کا یہ معجزہ تھا کہ آپ حافظ توریت تھے لوگوں کو بالکل صحیح توریت سنادی دوسرے یہ کہ کوئی کتاب بالکل منسوخ نہیں ہوتی عقائد۔ خبروں کی آیات بہت سے احکام کی آیات منسوخ نہیں ہوتیں لہٰذا توریت کا علم بیکار نہیں۔

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا

اور جب کر بناتے تھے تم گارے سے مثل شکل پرندے کی میرے حکم سے پھر تم پھونک مارتے تھے اس میں

اور جب مٹی سے پرندکی سی صورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد

بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ وَاِ

تو ہو جاتی تھی وہ پرندہ میرے حکم سے اور شفا دیتے تھے تم پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جبکہ تم

اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا اور جب میں نے

ذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ

مردوں کو زندہ نکالتے تھے میرے حکم سے اور جبکہ روکا میں نے بنی اسرائیل کو تم سے جبکہ لائے تم ان کے پاس کھلی دلیلیں تو کہا ان

بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جبکہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کافر بولے

كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾
لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ان میں سے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا
کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ۔

تعلق: اس عبارت کا پچھلی عبارت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزوں کا ذکر ہوا اب اس عبارت میں آپ کے بقیہ معجزات کا تذکرہ ہے گویا یہ عبارت گذشتہ عبارت کا تتمہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی عبارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علمی معجزات کا ذکر تھا اس عبارت میں آپ کے خداداد قدرت تصرف کا ذکر ہے گویا خداداد علم کے بعد خداداد قدرت کا تذکرہ ہے چونکہ علم تمام چیزوں سے افضل ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسری قوتوں کا ذکر بعد میں۔ تیسرا تعلق: پچھلی عبارت میں ذکر تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ جناب مسیح کو قوت و مدد دی گئی اب اس مدد کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم کی چیزیں آپ کے زیر فرمان ہو گئیں کہ بیماریوں بلکہ موت و حیات پر آپ کا قبضہ ہو گیا۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم وغیرہ کا ذکر ہوا۔ اب آپ کے دشمنوں سے محفوظ رہنے تمام مخالفین کا اپنی کوششوں میں ناکام رہ جانے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

تفسیر: **واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی۔** اس جملہ میں واؤ عاطفہ ہے اور یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے۔ تخلق بنا ہے خلق سے خلق کے معنی پیدا کرنا بھی ہے یعنی نیست کو ہست کرنا رب فرماتا ہے۔ **خالق کل شی** اور اس کے معنی گھڑنا بنانا بھی ہے۔ رب فرماتا ہے **وتخلقون افکا** یہاں دوسرے معنی میں ہے اس ہی لئے اس کے بعد **من الطین** بھی ارشاد ہوا اور **کھیئۃ الطیر** بھی۔ طین کہتے ہیں گارے کو خشک مٹی کو تراب کہا جاتا ہے۔ کاف معنی مثل ہے اور یہ پوری ہی عبارت تخلق کا مفعول ہے ظاہر یہ ہے کہ طیر سے مراد مطلقاً پرندہ ہے کیونکہ آپ ہر قسم کا پرندہ بنانے پر قادر تھے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد چمگادڑ ہو کیونکہ آپ نے صرف چمگادڑ ہی بنایا تھا کہ چمگادڑ میں بہت عجائبات قدرت ہیں یہاں اذن سے مراد صرف حکم یا اجازت ہی نہیں ہے حکم کو امر کہتے ہیں اجازت کو اجازت ہی کہا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے ہوئے اختیارات ہیں یا آپ کے لئے یہ کام آسان فرمانا ہے (روح البیان) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد حکم و اجازت عامہ ہو جو جناب مسیح کو دیدی گئی تھی یعنی تم میری دی ہوئی قوت و طاقت سے پرندے کی سی شکل بناتے تھے گارے سے۔ انبیاء کرام کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں معجزات لازمہ جیسے حسن یوسفی یا لحن داؤدی کہ یہ معجزے ہر دم ان بزرگوں کے لئے لازم تھے۔ دوسرے معجزات اختیاریہ جیسے عصاء موسوی اور ید بیضا کہ جب چاہا لاٹھی کو سانپ بنا دیا ہاتھ کو چمکا لیا۔ معجزات غیر اختیاریہ جیسے آیات قرآنیہ کا نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ معجزہ دوسری قسم کا تھا یعنی اختیاری معجزہ۔ یہ تینوں قسم کے معجزے ہوتے ہیں۔ اللہ کے اذن سے جیسی ہماری ہر حرکت اللہ کے اذن سے ہے **فتنفخ فیھا فتکون طیرا" باذنی۔** ف تعقیب بلا تراخی کی ہے نفخ سے مراد منہ سے پھونک مارنا یعنی دم کرنا ہے یہاں طیر سے مراد اس مٹی کے پرندہ کا حقیقتہ "پرندہ بن جاتا ہے۔ تخلق اور تنفخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان چڑیوں کے بننے کی دو شرطیں تھیں ایک یہ کہ اس کا

مجسمہ آپ کے ہاتھ سے بنے دوسرے یہ کہ آپ کی پھونک اس میں پڑے دوسرے کا بنایا ہوا مجسمہ آپ کی پھونک سے چڑیا نہیں بنتا تھا یوں ہی اگر آپ کسی اور کے بنائے ہوئے مجسمہ میں پھونک مار دیتے تو بھی پرندہ نہیں بنتا تھا۔ جیسے عصاء موسوی کا سانپ بنناکہ اس میں شرط یہ تھی کہ وہی لاٹھی ہو اور موسوی ہاتھ ہو۔ دوسرا لاٹھا آپ کے ہاتھ میں سانپ نہ بنتا تھا۔ نہ یہ عصا دوسرے کے ہاتھ میں سانپ بنتا تھا یعنی تم مٹی کی چڑیا بنا کر فوراً سکھائے ہوئے اس میں دم کرتے تھے اور تمہارے دم کرتے ہی رب کے حکم تم کو دیئے ہوئے اختیار کی وجہ سے وہ اصلی زندہ پرندہ بن جاتی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ نے صرف چمگادڑ بنایا کہ اس میں ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے جانوروں میں نہیں اس میں صرف گوشت و خون ہے ہڈی نہیں۔ یہ بغیر پروں کے گوشت سے اڑتا ہے۔ یہ بجائے انڈوں کے بچہ دیتا ہے۔ اسے حیض آتا ہے اس کے پستان ہیں جس سے دودھ نکلتا ہے۔ اس کی آنکھ دن کی روشنی اور رات کے سخت اندھیرے میں کام نہیں کرتی وغیرہ۔ (روح البیان) اس کا تفصیلی بیان شروع آل عمران میں ہو چکا۔ خیال رہے کہ یہ بظاہر تو ایک معجزہ ہے مگر حقیقت میں بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے کیونکہ جب جناب مسیح گارے کی چڑیا کی شکل بناتے تو وہ محض گارا ہوتی تھی آپ کے دم کی برکت سے اس میں گوشت 'ہڈی' پر۔ پھر اس میں دل کلیجی وغیرہ یوں ہی خون سب کچھ بن جاتے تھے اس شکل کی تکمیل کے بعد روح پڑ جاتی تھی ایک گارے کی اتنی چیزیں بن جانا بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے۔ یہ کایا پلٹ جانا غیر ممکن نہیں۔ صابن میں میدہ' تیل' ریٹھے سب کچھ ہوتے ہیں مگر سوڈا کاسٹک پڑتے ہی سب صابن کی شکل ہو جاتے ہیں۔ ہم ماں کے شکم میں صرف نطفہ تھے مگر اس ایک سے ہم میں ساری چیزیں بن گئیں سرکی جوں چارپائی کے کھٹمل ان کے گواہ ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ معجزہ بالکل برحق ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر لعاب ہانڈی میں ڈالا تو اس میں گوشت 'شوربا اتنا ہوا کہ سینکڑوں آدمی سیر ہوئے یہ معجزہ بھی بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے کہ شوربا میں بہت چیزیں ہوتی ہیں **وتبری الاکمہ والابرص باذنی** یہ عبارت تخلق پر معطوف ہے **تبری** بنا ہے **ابراء** سے جس کا مادہ **برء** ہے بمعنی دور ہو جانا اسی سے ہے **براءت** اور **بری ابراء** کے معنی ہیں تندرست کر دینا شفا دے دینا کیونکہ اس میں بیماری سے دوری ہو جاتی ہے **اکمہ** وہ اندھا جو ماں کے پیٹ سے ہی اندھا پیدا ہوا ہو یا ممسوح العین جس کی آنکھ کی جگہ چری ہوئی نہ ہو ان دونوں کی شفا باقاعدہ طبی ناممکن ہے **ابرص** سفید داغ والا اگر سفید داغ میں سوئی چبھونے سے خون نہ نکلے تو اس کا علاج بھی اطباء کے نزدیک ناممکن ہے غالباً" یہاں وہی مراد ہے کہ معجزہ ہوتا ہی وہ ہے جو دوسروں کو عاجز کر دے یعنی تم میرے حکم سے پیدائشی اندھے اور ایک خاص قسم کے برص والوں کو شفا دیتے تھے **واذ تخرج الموتی باذنی** یہ عبارت **تبری** الخ پر معطوف ہے اخراج سے مراد ہے گڑھے ہوئے بلکہ گلے ہوئے مردوں کو ان کی قبروں سے نکالنا تازہ مردہ کو زندہ کر دینے سے گلے ہوئے مردہ کو زندگی بخش کر قبر سے صحیح سلامت نکال دینا بہت ہی عجیب ہے کہ اس سے عالم امر و عالم اجسام سب پر تصرف و قدرت ظاہر ہوتی ہے آپ نے کل چار یا پانچ مردے زندہ فرمائے اس کی تفسیر و تفصیل سورہ آل عمران میں گزر چکی یعنی تم اللہ کے حکم سے گلے ہوئے مردوں کو زندہ کر کے نکالتے تھے **واذ کففت بنی اسرائیل عنک** اس عبارت میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل یعنی یہود نے کچھ عیسائیوں کی مدد سے آپ کو سولی دینا چاہی رب تعالیٰ نے آپ کو صحیح سلامت زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور یہ لوگ اپنے ارادوں میں ناکام ہو گئے۔ **کف** یعنی روک دینے سے یہ ہی مراد ہے بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں اور بعض مرتد عیسائی جو اس سازش میں ان سے مل گئے

تھے۔ اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم چونکہ آپ کی یہ حفاظت بطور معجزہ تھی۔ اس لئے ایسے معجزات کے سلسلہ میں بیان فرمایا اگرچہ حضرت خلیل و موسیٰ علیہم السلام اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کی گئی مگر اس طرح حفاظت صرف عیسیٰ علیہ السلام کی ہوئی اس لئے آپ کی خصوصیت ہے اذ جئتھم بالبینات یہ کففت فعل مذکور کا ظرف ہے بینات جمع ہے بینہ کی معنی روشن و ظاہر دلیل اس سے مراد جناب مسیح کے مذکورہ معجزات ہیں یعنی جب آپ نبی اسرائیل کے پاس ایسے کھلے نشانات اپنے معجزات لے کر آئے تو وہ لوگ بجائے ایمان لانے کے آپ کے قتل کی کوشش کرنے لگے ہم نے تم کو ان کے فریب سے بچالیا فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر مبین۔ الذین سے مراد وہی بنی اسرائیل ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا چونکہ وہ سب کافر نہ تھے ان میں سے بعض مومن تھے۔ اس لئے منھم ارشاد ہوا چونکہ اس زمانہ میں طب کا بہت زور تھا۔ بڑے قابل طبیب جالینوس کا زمانہ تھا۔ آپ نے ان سب کو اپنے مقابلہ کے لئے للکارا وہ تمام کے تمام آپ کے مقابلہ میں نہ آسکے اسی لئے ان لوگوں نے ان معجزات کو جادو کہہ دیا چونکہ ان کا معجزہ ہونا بالکل ظاہر تھا کہ بڑے سے بڑے ماہر علم طب بھی عاجز ہو گئے تھے اسی لئے اسے کھلا جادو کہا یعنی اس کے جادو ہونے میں کوئی تردد نہیں کھلم کھلا جادو ہے۔ جس نے سب کو حیران کر دیا۔

خلاصہء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کو یاد دلاؤ یا اے لوگو وہ وقت یاد کرو یا یاد رکھو۔ جب اللہ تعالیٰ قیامت میں تمام عیسائیوں یہودیوں کے سامنے انہیں شرمندہ کرنے ان پر اظہار غضب کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ اے مریم کے فرزند عیسیٰ تم میری ان خصوصی نعمتوں کو یاد کرو جو دنیا میں تم پر اور تمہاری والدہ مریم پر ہم نے کیں کہ ہم نے جبریل جو روح القدس ہیں ان کو تمہارے ساتھ رکھ کر ان کے ذریعہ تم کو قوت دی تمہاری مدد فرمائی تم کو یہ شرف بخشا کہ تم لڑکپن میں گہوارے میں اور بڑھاپے میں لوگوں سے نہایت ہی فصیح و بلیغ کلام فرماتے تھے کہ تم کو یہ شان دی کہ تم کو براہ راست ہم نے آسمانی کتابوں حکمت کی باتوں خصوصاً توریت و انجیل کا علم لدنی بخشا تمہیں یہ قدرت اور عالم میں تصرف عطا فرمایا کہ تم گارے سے چڑیا کی شکل بناتے تھے پھر اس میں دم فرما دیتے تھے تو وہ جیتی جاگتی سچی چڑیا بن جاتی تھی تم کو یہ [illegible] کشا حاجت روا بنایا کہ جس مشکل کو کوئی حل نہ کر سکتا وہ تمہارے در پر حل ہو جاتی تھی۔ چنانچہ مادر زاد اندھے جن کو اللہ نے [illegible] سے تم ہی انکھیارا کر دیتے تھے جس سے دنیا بھر کے طبیب عاجز تھے یوں ہی تم خدا داد قدرت سے کوڑھیوں کو [illegible] دیتے تھے یہ تو تمہاری قوت قدرت عالم اجسام پر تھی اللہ نے تم کو عالم ارواح پر یہ قدرت بخشی تھی کہ جب مردے کے جسم سے روح نکل جاتی اور مردہ قبر میں گل سڑ کر مٹی بن کر ہوا میں اڑ جاتا مگر تم میرے حکم سے اسے زندہ فرما کر قبر سے زندہ نکال لیتے تھے وہ وقت بھی یاد کرو کہ اسرائیلیوں نے تم سے سخت دشمنی کی تو ان کے شر سے تم کو بچا لیا کہ تم تو ان کے پاس معجزے [illegible] لائے مگر ان میں سے کافر یہی کہتے تھے کہ یہ کھلا جادو ہے وہ جادو اور معجزے میں فرق نہ کر سکے تم پر یہ نعمتیں تمہاری والدہ پر ہیں کہ ایسے شاندار بیٹے کی ماں کیسی شان کی مالک ہو گی اے عیسیٰ میری ان نعمتوں کو یاد فرماؤ۔ جن سے تم گروہ انبیاء میں ممتاز ہو۔ قرآن کریم نے یہ تو بتا دیا کہ جناب مسیح اپنی دم یعنی سانس کی پھونک سے مٹی کی چڑیا کو اصلی پرندہ بناتے تھے مگر یہ نہ بتایا کہ بیماروں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کس طرح کرتے تھے آیا یہ کام بھی دم سے ہی کرتے تھے یا کسی اور چیز سے ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں کام دم سے نہ کرتے تھے کیونکہ قبر کے وہ مردے جن کی زبان بھی گل چکی ہوں وہاں دم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بیماروں کو اچھا

کرتے تھے چھو کر اس لئے آپ کا لقب مسیح ہے یعنی چھونے والے چھو کر شفا دینے والے اور مردے جلاتے تھے پکار کہ جناب خلیل اللہ نے ذبح شدہ چار پرندے پکار کر ہی زندہ کئے تھے ثم ادعهن یاتینک سعیا لہذا آپ کی سانس اور ہاتھ و آواز معجزہ تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں معجزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام کی آواز میں یوسف علیہ السلام کے حسن میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرے سے پاؤں تک سراپا معجزہ تھے بلکہ آپ کا نام شریف آپ کی ہر ادا معجزہ بلکہ بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تعریض جائز ہے کہ خطاب کسی سے ہو سے سنانا کسی اور کو ہو۔ دیکھو رب تعالیٰ قیامت میں حضرت مسیح سے یہ خطاب فرمائے گا۔ مگر یہودیوں عیسائیوں کو سنائے گا کہ وہ لوگ جناب مسیح علیہ السلام کے یہ صفات سنیں اور اپنی بد عقیدگیوں پر شرمندہ ہوں پنجابی میں کہتے ہیں۔ دھیئے کام کر نوئے کان کر۔ دوسرا فائدہ: اولاد کی عزت سے ماں باپ کی عزت ہے یوں ہی باپ داووں کی عظمت سے اولاد کو شرف ہے یہ فائدہ وعلی والدتک کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہذا حضرات سادات کرام اگر صحیح العقیدہ رہیں تو اسلام میں ان کی بڑی عزت ہے کہ عزت والوں کو اولاد ہیں رب تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرماتا ہے وانی فضلتکم علی العلمین۔ بنی اسرائیل کی عالم پر بزرگی اس لئے تھی کہ وہ اولاد انبیاء تھے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مدد برحق ہے اور یہ مدد اللہ کی نعمت ہے دیکھو حضرت مسیح پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ روح القدس یعنی حضرت جبریل نے ان کی مدد فرمائی لہذا حضرات انبیاء کی مدد برحق ہے اللہ کی نعمت ہے جسے ان حضرات کی مدد نہ ملے وہ اللہ کی نعمت سے محروم۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ براہ راست بلا وسیلہ سب کچھ کر دے مگر قانون یہ ہے کہ واسطوں اور وسیلوں سے کام ہوں یہ فائدہ بروح القدس کی ب سے حاصل ہوا۔ دنیا عالم اسباب ہے ہم لوگ اسباب سے وابستہ ہیں۔ پروردگار قادر ہے بارش کی طرح بچے آسمان سے برسادے دانہ بھوسہ آسمان سے گرادے مگر قانون یہ ہے کہ بچے ماں باپ کے ذریعہ سے دانے کاشتکاروں کے توسل سے پیدا ہوں۔ پانچواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام کا علم لدنی ہوتا ہے جو انہیں براہ راست عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ وعلمتک الکتاب الخ سے حاصل ہوا کہیں ثابت نہیں کہ حضرات انبیاء کرام نے کسی کی شاگردی کی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے کی کوشش اپنے شوق سے کی مگر ان سے علم حاصل نہ کیا جیسا کہ ہم ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں اعتراض وجواب کے سلسلہ میں عرض کر چکے اگر آپ شاگردی کرتے تو ان پر اعتراضات نہ فرماتے ان سے سیکھ کر اس پر عمل کرتے۔ چھٹا فائدہ: بزرگوں کے دم میں بڑی تاثیر ہے۔ ربّ تعالیٰ نے حضرت آدم کے جسم میں دم۔ کے ذریعہ روح ڈالی ونفخت فیہ من روحی عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے میں دم کر کے ہی جان ڈالتے تھے فتنفخ فیہا حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونک کر ہی عالم کو فنا کریں گے۔ دوبارہ پھونک کر مردوں کو زندہ فرمائیں گے یوم ینفخ فی الصور۔ ہوا کلیہ حال ہے کہ آپ سے لگ کر گرم، برف سے لگ کر ٹھنڈی ہو جاتی ہے پھولوں سے لگ کر مہک جاتی ہے۔ روڑی گھورے سے گزرے تو بدبودار ہو کر سارے محلہ کو بدبودار کر دیتی ہے کبوتروں کے پروں سے لگ کر لقوے کو شفا دیتی ہے۔ چیڑ کے درخت سے لگ کر تپ دق کو شفا بخشی ہے یوں ہی ہوا بزرگوں کے منہ سے نکلے تو مصیبتیں دفع کر دیتی ہے۔ جس زبان سے آیات قرآنیہ یا دعا پڑھی جاوے پھر اس میں سے ہوا یعنی ان کے منہ کی بھاپ نکلے تو وہ بھی شفا بخشتی ہے۔ ساتواں فائدہ: اللہ کے مقبول

بندے باذن الٰہی دافع البلاء مشکل کشا حاجت روا ہوتے ہیں دیکھو اندھا پن کوڑھ بلا ہے مگر یہ بلائیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی دفع فرما دیتے تھے آب زمزم شفا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا اور اس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شامل ہے۔ خاک مدینہ شفا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے پیدا شدہ پانی شفا تھا۔ ارکض برجلک الخ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی گئی ہوئی آنکھیں روشن کر دیں اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا۔ بلکہ حضرت مریم کا ہاتھ لگنے سے کھجور کے سوکھے ہوئے گھنے ہوئے ڈنڈ میں سبزی بھی آئی پھل بھی جو فوراً پک گئے۔ آٹھواں فائدہ: اللہ کے مقبول بندے عالم اجسام عالم ارواح سب پر ہی راج کرتے ہیں اور باذن الٰہی تمام چیزیں ان کے زیر حکم ہوتی ہیں یہ فائدہ تخرج الموتی سے حاصل ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم سے گلے سڑے مردے کی خاک آناً فاناً جمع ہو کر جسم کی شکل اختیار کر لیتی تھی یہ آپ کا تصرف عالم اجسام میں تھا اور فوراً ہی عالم ارواح میں گئی ہوئی روح واپس آ کر اس جسم میں داخل ہو جاتی تھی جس سے مردہ زندہ ہو جاتا تھا۔ حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلتی تھی۔ تجری بامرہ حضرت مریم کے ہاتھ لگنے سے کھجور کا خشک ڈنڈ ہرا ہو کر آناً فاناً بار آور ہو گیا تھا رب فرماتا ہے وھزی الیک بجذع النخلۃ۔ جب ان انبیاء اولیاء کے اختیار خداداد کا یہ حال ہے تو حضرت سید الانبیاء کی قدرتوں کا کیا حال ہو گا۔ نواں فائدہ: یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ کے بندے مردے جلا دیتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں بحکم الٰہی آئی ہوئی ٹال دیتے ہیں اس میں شرک کی کوئی بات نہیں یہ فائدہ تخلق، تنفخ، تبری، تخرج کے مخاطب صیغے فرمانے سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کا فاعل عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہوں کہ میرے نبی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ جیسے گنہگاروں کا بیڑا پار لگا دیتے ہیں۔ حضور بحکم پروردگار بد نصیبوں کے نصب کھول دیتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الٰہی بندھی نصیب کھلے مشکلیں کھلیں — دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کرکی ہے

دسواں فائدہ: نبی کی نگاہ شے کی حقیقت بدل دیتی ہے۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک گارے کی حقیقت بدل کر اسے چڑیا بنا دیتی تھی جس میں خون گوشت دانت وغیرہ سب کچھ ہوتے تھے۔ جب حضرت مسیح کی پھونک مٹی کی چڑیا بنا سکتی ہے تو میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مجھ جیسے گنہگار کی حقیقت بدل سکتی ہے کہ ان کے کرم سے ہم بدکار نیک کار بن جائیں۔ جب پارس پتھر لوہے کو سونا بنا دیتا ہے۔ کیمیا سے تانبہ سونا قلعی چاندی بن جاتی ہے تو محبوب کی نگاہ کے کیا بنا سکتی ہے [illegible] ہم نے عرض کیا ہے۔

تم کچھ کر پا کرو تو سالک برا بھلا بن جائے — کھوٹا کھرا نہ دیکھے، پارس کندن سبھی بنائے

خس خس جتنا قدر نہ میرا صاحب نوں وڈھائیاں — میں گلیاں دا گوڑ کوڑا محل چڑھایا سائیاں

گیارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دعا سے یا ان کے معجزات و کرامات سے لوگوں کو دوبارہ عمر دیتا ہے جو پہلے اپنی عمر پوری کر کے فوت ہو چکے تھے یہ فائدہ تخرج الموتی باذنی سے حاصل ہوا۔ دیکھو جن سڑے گلے مردوں کو عیسیٰ علیہ السلام زندہ فرماتے تھے وہ اپنی عمریں پوری کر کے فوت ہوئے تھے۔ مگر آپ کے معجزے سے انہیں پھر عمر عطا ہوتی تھی لہٰذا اگر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے بارہ برس کی ڈوبی برات کو صحیح سلامت نکالا اور وہ لوگ بہت عرصہ زندہ رہے ہوں تو اس پر

کوئی اعتراض نہیں۔

نوٹ: اس برات کے دولہا کا نام سید کبیر الدین ہے۔ لقب دریائی دولہا۔ اب انہیں شاہدولہ کہا جاتا ہے۔ ان کی قبر شریف گجرات مغرب پاکستان میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی عمر شریف قریبا" چھ سو برس ہوئی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں اور آپ نے ایک بار حضور غوث رضی اللہ عنہ کو وضو کراتے ہوئے آپ کے قدم شریف سے ٹپکتے ہوئے قطروں کے پانچ چلو پانی پی لیا ئی چلو ایک سو سال عطا ہوئے جو عمر اپنی گزار چکے تھے وہ اس کے علاوہ آپ کی وفات شریف 1000ھ (ایک ہزار ہجری) کے بعد ہے ان تمام واقعات کی تفصیل دیکھو کتاب مقالات محمود وغیرہ میں اس سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ دولہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں اور تاریخ بیعت تاریخ عطاء خلافت سب کچھ وہاں مطالعہ فرماؤ جو لوگ اس واقعہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس آیت کریمہ **واذ تخرج الموتی** الخ میں غور فرمائیں۔ **بارھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو جہاں اور معجزے عطا فرماتے ہیں وہاں ہی ان کی محفو نیت کا معجزہ بھی بخشتا ہے۔ محفو نیت' محبوبیت' مذکوریت یہ ان حضرات کے خصوصی معجزات ہیں یہ فائدہ **واذ کففت بنی اسرائیل** سے حاصل ہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت' مذکوریت' محفو نیت تاقیامت زندہ جاوید معجزات بن جاتا ہے۔ مدینہ کی گلیاں' اولیاء اللہ کی محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہیں۔ جس قدر چرچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ دنیا میں کسی کا نہیں آپ کی محفو نیت کا یہ عالم ہے کہ آپ کا دین آپ کی نمازیں روزے قرآن آپ کی عزت عظمت سب محفوظ ہیں مٹانے والے مٹ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا کم نہ ہوا بلکہ جس کا جو چرچا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوا۔

پہلا اعتراض: حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی چڑیا بنا کر انہیں زندہ نہ کرتے تھے نہ اندھے کوڑھوں کو شفا بخشتے تھے بلکہ دل کے اندھے کوڑھوں یعنی کافروں جاہلوں کو کلمہ پڑھا کر مومن بناتے تھے اور ایسے دلوں کو علم بخش کر انہیں گویا چڑیا بنا دیتے تھے (مرزائی)۔

نوٹ ضروری: چونکہ مرزائیوں کے گھریلو مثیل مسیح میں کوئی معجزہ یا کرامت نہیں اس لئے یہ لوگ حضرات انبیاء کرام خصوصا" جناب مسیح کے معجزات کا شدت سے انکار کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے قرآن کریم کے ہر کلمہ کو اس کے ظاہری معنی پر ہی رکھنا ضروری ہے بلا شرعی وجہ کے کسی قسم کی تاویل کرنا درست نہیں ورنہ پھر اسلام کا نظام ختم ہو جاوے گا۔ صلوۃ' زکوۃ' صوم کے لغوی معنی کر لو سارے ارکان ختم یوں ہی لحم خنزیر کے معنی کر لو۔ خنزیر جیسے لوگ تمام محرمات کی حرمت ختم نعوذ باللہ از صحابہ کرام تا ایندم کسی عالم مفسر محدث نے ان آیات کے معنی نہ کئے نیز اگر یہ معنی کئے جاویں تو اس میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے ہر عالم مبلغ لوگوں کو کلمہ پڑھا کر تبلیغ کر کے یہ کام کر لیتا ہے پھر رب تعالیٰ نے خصوصیت سے آپ کے متعلق یہ صفات کیوں بیان فرمائیں۔ **دوسرا اعتراض:** حضرات انبیاء کرام کسی معجزے پر قادر نہ ہوتے تھے وہ بالکل بے اختیار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر ان کے بغیر اختیار کئے اپنے حکم سے کچھ عجائب ظاہر کر دیتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں قید لگائی کہ فرمایا **باذنی** یہ سب کچھ میرے حکم سے ہوتا تھا۔ لہذا ان واقعات سے ان کا اختیار ثابت نہیں ہوتا۔ **جواب:** یہ محض غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو ان افعل کا فاعل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ بتایا جاتا۔ تنفخ' تبری' تخرج بلکہ پھر تو یوں ہوتا کہ میں یہ کام کرتا تھا۔ **باذنی** فرما کر یہ بتایا گیا کہ

جناب عیسیٰ علیہ السلام ان معجزات پر مستقل قادر نہ تھے۔ رب تعالیٰ سے بے نیاز نہ تھے لہٰذا ان کے یہ معجزات دیکھ کر انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ ہماری کوئی حرکت و سکون ان کے اذن کے بغیر نہیں۔ رب فرماتا ہے **وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ رب العلمین۔** ہم بغیر رب کے چاہے کچھ چاہ بھی نہیں سکتے مگر پھر بھی ہم بعض کاموں میں مختار ہیں۔ خیال رہے کہ محض معجزات حضرات انبیاء کرام کے لئے بالکل لازم ہوتے ہیں کبھی ان سے جدا نہیں ہوتے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے حسن یا داؤد علیہ السلام کے لئے خوش آوازی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے سایہ ہونا بعض معجزات یا عصاء موسوی ید بیضاء اس آیت کریمہ کے متعلق پوری تحقیق تیسرے پارہ سورۂ آل عمران میں دیکھو **تیسرا اعتراض:** جاندار کے فوٹو اور مجسمہ بنانا حرام ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی چڑیاں کیوں بناتے تھے۔ بت سازی بھی تو بری ہے۔ **جواب:** تصویر سازی مجسمہ سازی ہماری شریعت میں حرام ہے ان شریعتوں میں حرام نہ تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات مجسمہ تصویریں بناتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **یعملون ما یشاء من محاریب و تماثیل** نیز آپ کا یہ مجسمے بنانا بت پرستی کرانے کے لئے نہ تھا بلکہ اپنا معجزہ دکھانے کے لئے تھا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا حسن زنان مصر کو دکھایا جس سے انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے یہ حسن دکھانا معجزہ دکھانے تبلیغ دین کے لئے تھا نہ کہ برے ارادے سے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تین جگہ ارشاد ہوا **باذنی** آخر یہ کیوں۔ **جواب:** اس لئے کہ بندہ کبھی اللہ تعالیٰ کے سے کام کرنے لگتا ہے مگر پھر بھی بندہ بندہ ہوتا ہے اللہ اللہ ہے۔ خالق و مخلوق میں فرق احتیاج و غنا کا ہے بندہ وہ ہے جو حاجتمند ہو اللہ وہ ہے جو غنی و بے نیاز ہو انجن و ریل دونوں یکساں طور پر دوڑتے ہیں مگر انجن انجن ہے ریل ریل ہے کہ انجن محتاج الیہ ہے اور ریل حاجتمند سورج اور سورج نما آئینہ دونوں چمکتے ہیں مگر سورج غنی ہو کر آئینہ محتاج ہو کر **باذنی** فرما کر یہی بتایا کہ حضرت عیسیٰ خدائی کام کرتے تھے مگر تھے بندے کیونکہ وہ اللہ کے اذن سے کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: بزرگان دین کا ایک درجہ ہے جسے درجہ فنا فی اللہ کہا جاتا ہے اس درجہ میں اعضاء بندے کے ہوتے ہیں اور ان میں طاقت رب تعالیٰ کی اس کے متعلق احادیث صحیحہ آیات قرآنیہ وارد ہیں۔ جب بندہ اس درجہ پہنچتا ہے تو اس سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں جس کے متعلق بہت آیات و احادیث وارد ہیں اس حالت میں بندے کے کام کو رب فرماتا ہے کہ میرا کام ہے اور رب تعالیٰ کے کام کو بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا کام ہے دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کنکر پھینکے مگر رب نے فرمایا کہ **ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** وہ کنکر تم نے نہ پھینکے اللہ نے پھینکے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

سنگریزہ می زند دست جناب!	ما رمیت اذ رمیت آید خطاب
تا ابد گر شرح ایں مفصل کنم!	جز تحیر ہیچ نبود حاصلم!

حضرت جبریل نے جناب مریم سے فرمایا تھا **لاھب لک غلاما زکیا۔** میں تم کو ستھرا بیٹا دینے آیا ہوں اسی قبیل سے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میں باذن الٰہی مردے زندہ کرتا ہوں اندھے کوڑھے اچھے کرتا ہوں اور اسی قبیل سے رب تعالیٰ کا جناب مسیح کی تصدیق فرمانا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے عیسیٰ تم میری نعمت فنا کو یاد کرو کہ ہم نے تم کو اپنی ذات میں ایسا فنا کیا کہ تم ہمارے سے کام کرنے لگے تمہاری انا ہم نے ختم کی تم کو فنا ہم نے بخشی اب بھی اولیاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

نیابت میں یہ سب کچھ کر دکھاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

صومعہ عیسی است خوان اھل دل ہاں وہاں اے مبتلا ایں در مل!
جمع گشتندے اندھیر اطراف خلق از خریش ولنگ و اہل دلق!
اوچو فارغ گشتے از اورا و خویش چاشت بیروں شد سے از خوب کیش!
پس دعا کر دے و گفتے از خدا حاجت و مقصود جملہ شد روا!
خوش روان و شادمان سوئے خواں از دعائے او شدندی باروان
آزمودی تو بسے آفات خویش! یافتی صحت ازیں شاہان خویش!

اب تک حضرات اولیاء اللہ سے ایسی مشکل کشائی دیکھنے میں آتی ہے یہ سب فنائی اللہ کی بہاریں ہیں مولانا نے فیصلہ فرمادیا ارشاد فرماتے ہیں۔

چوں بباطن بنگری دعویٰ کجاست اود دعویٰ پیش آں سلطاں فنا است
مات زید زید اگر فاعل بود! لیک فاعل نیست کو حاطل بود!
اوزروئے لفظ نحوی فاعل است ورنہ او مفعول و موتش قاتل است

یعنی یہ حضرات اور ان کے یہ دعوے سب مولیٰ کی ذات میں فنا ہوتے ہیں صورۃ لفظ میں یہ فاعل ہیں حقیقۃ "رب تعالیٰ جسے نحوی ترکیب میں مات زید کہو یعنی زید مرگیا تو زید فاعل ہے اور مرگیا فعل لیکن حقیقت میں زید مفعول ہے فاعل و قاتل موت ہے۔ فقیر حقیر احمد یار خاں کہتا ہے کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے وہ وہ نعمتیں ملیں جو میری عقل سے وراء ہیں ایسی ایسی مشکلیں حل ہوئیں جن کا حل کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ

اور جب اشارہ کیا میں نے طرف حواریوں کے یہ کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر کہا انہوں نے ہم ایمان لائے ہم اور

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ

گواہ ہو کر ہم مسلم ہیں۔ جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا طاقت رکھتا ہے رب تمہارا یہ کہ

رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔ جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر

اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

اتارے اوپر ہمارے دسترخوان آسمان کی طرف سے فرمایا ڈرو تم اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

آسمان سے ایک خوان اتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

انہوں نے کہا ہم ارادہ کرتے ہیں یہ کہ کھائیں ہم اس سے اور مطمئن ہو جاویں دل ہمارے اور جان لیں ہم یہ سچ کہا تھا آپ

بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ٹھہریں اور ہم آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

نے ہم سے اور ہو جاویں ہم اوپر اس کے گواہوں میں سے

سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان خاص معجزات کا ذکر ہوا جن کا تعلق زمین سے تھا۔ اب آپ کے اس خصوصی معجزے کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق آسمان سے ہے یعنی آسمان سے غیبی دستر خوان کا آنا اور لوگوں کا اسے اترتے ہوئے دیکھنا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے معجزات کا ذکر تھا اب آپ کے ایسے معجزے کا ذکر ہے جس کا تعلق آپ کے خدام یعنی حواریوں سے بھی ہے یعنی ان کی خواہش پر آسمانی دستر خوان آنا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہوئے انہیں جادو کہا اب اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ غیبی دستر خوان اپنی آنکھوں سے اترتے دیکھا پھر بھی ایمان نہ لائے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس میں کچھ تفصیل ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھی بنایا گیا ان کی خدمت میں انہیں رکھا گیا اب ارشاد ہے کہ جناب مسیح کو بہترین لوگ یعنی حواری عطا فرمائے گویا فرشتے کی ہمراہی کے بعد اچھے انسانوں کی ہمراہی بیان ہوئی اچھے ساتھی اللہ کی رحمت ہیں۔

تفسیر: **واذا وحیت الی الحواریین۔** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ پچھلے جملوں پر معطوف ہے اور اس میں قیامت کے ان ہی سوالات کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ فرمائے گا لہٰذا یہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ عبارت معطوف ہے واذ ایدت تک الخ پر اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور ابتدائیہ اور اذ سے پہلے اذکر یا اذکرو پوشیدہ ہو اور اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو یا مسلمانوں سے **اوحیت** بنا ہے وحی سے یہاں وحی سے مراد نبوت و رسالت کی وحی نہیں کیونکہ وہ تو صرف انبیاء کرام پر ہی آتی ہے اور حواری نبی نہ تھے بلکہ وحی بمعنی دل میں ڈالنا الہام کرنا ہے جیسے **واوحینا الی ام موسیٰ** اور **واوحی ربک الی النحل** میں وحی سے مراد دل میں ڈالنا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وحی بمعنی امر و حکم ہو۔ عربی میں امر و حکم کو بھی وحی کہا جاتا ہے چنانچہ عرب کا شاعر کہتا ہے۔

الحمد لله الذی استقلت باذنه السماء واطمانت

اوحی لها القرار فاستقرت

حوار یین جمع ہے حواری کی جو بنا ہے حور سے بمعنی خالص سفیدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص صحابہ کو حواری کہا جاتا ہے کہ ان کے دل صاف نیتیں پاک تھیں ان میں بعض مچھیرے تھے۔ بعض دھوبی بعض رنگ ریز ان کی تعداد اور زیادہ تحقیق پہلے کی جا چکی ہے۔ اب خالص مخلص دوست کو حواری کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ میرے حواری زبیر ہیں یعنی اے محبوب یا اے مسلمانوں وہ وقت یاد کرو یا یاد رکھو یا رب تعالیٰ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ وہ وقت بھی یاد کرو جبکہ ہم نے کچھ لوگوں کے دل میں ڈالا ان لوگوں کو حواری فرما کر اشارۃً دو باتیں۔ ایک یہ کہ وہ لوگ غرباء و مساکین تھے لوگوں کے کپڑے صاف کرنے والے ہمیشہ حضرات انبیاء کی طرف پہلے غرباء و مساکین ہی آئے ہیں بعد میں امیر لوگ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لانے والے اکثر غرباء و مساکین ہیں آج بھی غریبوں سے ہی دین قائم ہے مسجدیں آباد ہیں غریبوں سے اور علماء حفاظ قاری غازی شہید اکثر غریب ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ صفائی دل والے تھے۔ ایمان گندے دلوں میں نہیں جاتا جیسے سلطان گندے گھر میں نہیں آتا۔ **ان امنوا بی وبرسولی**۔ یہ عبارت **اوحیت** کا مفعول ہے ایمان کے معنی اس کے اقسام و احکام شروع پارہ **الم** میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ چونکہ اللہ پر ایمان اصل مقصود ہے اور نبی پر ایمان اس کا ذریعہ اس لئے رب پر ایمان کا ذکر پہلے ہوا۔ رسول پر ایمان کا ذکر بعد میں اللہ کو جاننا پہچاننا ماننا ذریعہ نجات نہیں بلکہ اللہ پر ایمان لانا ذریعۂ نجات ہے اس لئے **اعلموا** یا **اعرفوا** یا **اقبلوا** نہ فرمایا بلکہ **امنوا** فرمایا۔ خدا تعالیٰ کو دلیلوں سے جاننا اس کی مصنوعات سے پہچاننا علم ہے اور نبی کے ذریعہ سے جاننا ماننا ایمان ہے۔ مطلب یہ ہے مجھے حضرت عیسیٰ کے ذریعہ سے مانو۔ درخت کے پتے شاخیں جب ہی سرسبز رہیں گی۔ جب انہیں پانی کھاد ہوا دھوپ جڑ کے ذریعہ سے ملے جڑ سے کٹ جائیں تو لاکھ پانی پائیں سرسبز نہ رہیں گی۔ یہاں رسول سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام مسیح بھی ہیں کلمۃ اللہ بھی روح اللہ بھی نبی اللہ بھی مگر چونکہ ایمان رسالت پر لانا معتبر ہے اسی لئے ہم کلمہ میں محمد رسول اللہ کہتے ہیں نبی اللہ یا شفیع المذنبین نہیں کہتے نیز رب تعالیٰ نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف بیان کیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول فرمایا **لقد جاء کم**۔ **اذ بعث فیھم رسولا** حضرت ابراہیم نے دعا میں جناب مسیح نے بشارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ہی کہا **ربنا وابعث فیھم رسولا** اور **مبشرا برسول** رسول کے معنی ہیں پیغام رساں فیضان رساں رسول وہ برزخ کبریٰ ہیں جو رب سے لیتے ہیں مخلوق کو دیتے ہیں ان کا ایک ہاتھ رب تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے لینے والا دوسرا ہاتھ دوسرا ہاتھ مخلوق کی طرف ہوتا ہے دینے والا کان رب کی طرف ہوتے ہیں سننے کے لئے۔ زبان مخلوق کی طرف ہے رسول فرما کر یہ بتایا کہ نہ وہ تم جیسے بشر ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں آپ صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ غرضیکہ لفظ رسول میں ہم کو تین چیزیں معلوم ہوتی ہیں اپنی محتاجی رب تعالیٰ سے دوری۔ رب تعالیٰ کی بے نیازی اس کی اونچی شان۔ نبی کا دونوں طرف تعلق **قالوا امنا** یہ عبارت حواریوں کا جواب ہے جس میں **قالوا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان لوگوں نے صرف دل سے ہی ایمان قبول نہ کیا بلکہ اس کا اظہار زبان سے بھی کر دیا۔ یا تو ان لوگوں نے بیک وقت ایمان قبول کر کے یہ کہا یا آگے پیچھے ایمان قبول کرتے گئے اور یہ اعلان کرتے گئے **امنا** کا متعلق پوشیدہ ہے کیونکہ اس کا ذکر ابھی ہو چکا یعنی اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت ربوبیت وغیرہ تمام صفات پر ایمان ہے اور رسول کی نبوت رسالت وغیرہ تمام صفات پر ایمان ہے **امنا** میں بطور اجمال تمام چیزوں کا ذکر ہے **واشھد باننا مسلمون** یہ جملہ **امنا** پر معطوف ہے **اشھد** میں خطاب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے اس سے مراد یا گواہ بن جاتا ہے آج اور یا قیامت میں گواہی دینا ہے مسلمون یا بمعنی مخلصون ہے
یا بمعنی مطیعون چونکہ ایمان دل کی صفت ہے اسلام یعنی اطاعت جسم کی صفت دل جسم سے اعلیٰ ہے نیز ایمان تمام اطاعات و
عبادات سے پہلے ہے اس لئے ان حضرات نے ایمان کا ذکر پہلے کیا اسلام کا ذکر بعد میں (کبیر) مسلمون کہہ کر ان لوگوں نے عیسیٰ
علیہ السلام کو اپنے ایمان اپنے عبادات اپنے معاملات غرضیکہ سارے اسلامی ارکان کا گواہ بنالیا کہ مسلم ان سب چیزوں کا جامع
ہوتا ہے **اذ قال الحواریون یعیسی ابن مریم هل یستطیع ربک**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام مستقل اور علیحدہ جملہ
ہے اور **اذ** ظرف ہے **اذکر** فعل پوشیدہ کا چونکہ بتانا یہ تھا کہ ان حضرات کے یہ مطالبے اس لئے قبول کیے گئے کہ وہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے خاص خدام اور حواری تھے اس لئے یہاں **الحواریون** فرمایا گیا **قالوا** فرما کر ضمیر نہ لائی گئی الحواریون
سے مراد وہی حواری ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا قوی یہ ہے کہ حواریوں کی یہ عرض و معروض ان کے ابتدائی اسلام کے وقت کی
ہے جب کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ابھی دربار نبوت اور بارگاہ الٰہی کے آداب سے واقف نہ تھے۔ اس لئے جناب مسیح کو
نام لیکر اور انہیں ان کی والدہ ماجدہ کی طرف نسبت کر کے پکارتے کہتے یا نبی اللہ یا روح اللہ یا کلمۃ اللہ نا واقفوں پر ایسی باتوں کی پکڑ
نہیں ہوتی چونکہ حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کا دروازہ رحمت ہوتے ہیں اور چیز دروازے پر ہی مانگی جاتی ہے۔ اس لئے حواریون نے
رب کا مائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر انہیں پکار کر مانگا۔ ہماری قراءت میں **یستطیع ی** سے ہے دوسری قراءت
میں **تستطیع ت** سے اور **ربک** کے فتحہ سے اس صورت میں **ربک** سے پہلے سوال پوشیدہ ہے یعنی کیا آپ کا رب یہ کر سکتا
ہے یا آپ اپنے رب سے یہ دعا کر سکتے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں **استطاعت** سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی بات ماننا
آپ کی دعا قبول کرنا ہے یعنی کیا آپ کا رب آپ کی یہ دعا قبول کرے گا اور آپ کی یہ بات مان لے گا جیسے کہ ایک بار ابو طالب بیمار
ہوئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صحت کی دعا کی فوراً شفا ہو گئی تو تعجب سے بولے **ارى ربک یطیعک** حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لو اطعتہ لکان یطیعک** الخ (روح المعانی) یعنی اے اللہ کے حبیب اللہ تعالیٰ آپ کی بات مانتا
ہے فرمایا اگر تم اس کی بات ماننے لگو تو وہ تمہاری ماننے یہاں اطاعت بمعنی ماننا ہے اور ہو سکتا ہے کہ استطاعت سے مراد قدرت
ہو تو یہ سوال شک کے لئے نہیں کیونکہ وہ لوگ مومن تو پہلے ہی ہو چکے تھے پھر اللہ کی قدرت میں شک کیسے کرتے بلکہ اپنے دلی
اطمینان کے لئے ہے یا یہ مطلب ہے کہ کیا غیبی دسترخوان کا اترنا ممکن ہے رب تعالیٰ اس پر قادر ہے یا یہ نزول حکمت کے موافق
ہے۔ پروردگار ایسا کرے گا (تفسیر کبیر وغیرہ) **ربک** عرض کیا ربنا نہ کہا کہ اس وقت وہ حضرات رب تعالیٰ کی معرفت حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہی مانگ رہے تھے نیز رب تعالیٰ کو اس کے افضل بندوں افضل مخلوق کی طرف نسبت کرنے میں اس
کی تعظیم ہے کہا جاتا ہے رب البیت یا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم **ان ینزل علینا مائدة من السماء** یہ عبارت
یستطیع کا مفعول ہے چونکہ غیبی دسترخوان کی ضرورت ان حواریوں کو تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ضرورت تھی نہ
خواہش اسی لئے **علیک** نہ کہا بلکہ **علینا** عرض کیا مائدہ بنا ہے مید سے بمعنی حرکت کرنا گھومنا اسی لئے سمندر کے مسافر کو جو متلی
آتی ہے اس کا سر چکراتا ہے اسے مید کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے **ان تمید بکم** دسترخوان کو مید اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر
کھانے کے برتن گھمائے جاتے ہیں۔ خیال رہے کپڑے کا دسترخوان مائدہ ہے چمڑے وغیرہ کا دسترخوان سفرہ کہلاتا ہے
کھانے کی میز جو لکڑی وغیرہ کی ہو زمین سے اونچی رہے اسے خوان کہتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خوان پر کھانا سلاطین کا فعل

ہے سفرہ پر کھانا عجمیوں کا عمل اور مائدہ پر کھانا عرب کا کام ہے یہاں مائدہ سے مراد کھانے سے بھرا ہوا غیبی دستر خوان ہے اسی لئے آگے فرمایا من السماء (تفسیر صاوی) ایک شاعر کہتا ہے

وميدة كثيرة الالوان تصنع للجيران والاخوان

(معانی)

قال اتقوا الله ان كنتم مومنين یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان حواریوں کو جواب ہے یہاں تقوے سے مراد ڈرانا ہے نہ کہ بچنا **مومنين** سے مراد ہے کامل ایمان یعنی اے حواریو اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور ایسے مطالبے نہ کرو کیونکہ جو معجزات مطالبہ کر کے حاصل کئے جاویں اگر ان پر ایمان نہ لایا جاوے تو عذاب الٰہی آجاتا ہے یا مقصد یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے لئے معجزات اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے کہ کس نبی کو کیا معجزہ دیا جاوے۔ بندوں کو چاہئے کہ اس ربانی مقرر کردہ معجزہ پر قناعت کریں ان کا خود اپنی طرف سے مقرر کرنا سخت بے ادبی اور تقرر الٰہی میں دخل دینا ہے اسی لئے اس سوال سے باز آجاؤ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ یہاں بھی **ان** فرمانا شک کے لئے نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حواریوں کے ایمان پر اعتماد تھا بلکہ ترغیب کے لئے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری نافرمانی نہ کر **قالوا نريد ان نا كل منها** یہ ان حواریوں کا جواب ہے اس عرض و معروض کے چند مقصد ہیں ایک یہ کہ ہم صرف دستر خوان خالی نہیں مانگتے بلکہ نعمتوں سے بھرا ہوا چاہتے ہیں۔ جنہیں کھایا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ ہم دستر خوان صرف دیکھنا نہیں چاہتے کہ اترتا ہوا دیکھیں اور وہ غائب ہو جاوے بلکہ اس میں سے کھانا بھی چاہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اے روح اللہ ہمارا یہ سوال اللہ تعالیٰ کی قدرت یا آپ کی نبوت میں شک و تردد کی بناء پر نہیں ہم کو ان سب کو پورا یقین ہے اس عرض و معروض کے چار مقصد ہیں ایک یہ کہ دستر خوان مع طعام آوے ہم لوگ وہ غیبی غذائیں کھائیں۔ کھانا چند طرح کا ہوتا ہے غذاء کھانا "شفا" دواء کھانا۔ لذت کے لئے کھانا' برکت کے لئے کھانا' روٹی غذاء' دوائیں شفاء کھائی جاتی ہے' پھل فروٹ لذت کے لئے بزرگوں کے تبرکات برکت کے لئے کھائے جاتے ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کونسا کھانا مراد ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضرور تمندی اور احتیاج کا کھانا مراد ہے کیونکہ اس زمانہ میں سخت قحط تھا لوگ بھوکے مر رہے تھے ان کا مقصد تھا کہ ہم قحط کی زد سے بچ جاویں بے فکری سے کھا کر رب کی عبادت کریں۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ قوی نہیں ورنہ وہ آسمان سے دستر خوان آنے کی قید کیوں لگاتے بلکہ بارش اور برکت مانگتے نیز دستر خوان آنے سے قحط تو ختم نہیں ہو جاتا یہ لوگ دستر خوان کا کھانا ایک دو وقت کھاسکتے قحط مہینوں کا ہوتا ہے بلکہ تبرک کا کھانا مراد ہے۔ یعنی ہم وہ کھانا برکت کے لئے کھاویں جس سے ہمارے بیمار تندرست اور تندرست قوی ہو جاویں اس سے دلوں میں نور روح کو سرور حاصل ہو ہم فقیر ہیں اس کی برکت سے غنی ہو جاویں **وتطمئن قلوبنا** یہ اس سوال کا دوسرا مقصد ہے اطمینان سے مراد حق الیقین یا عین الیقین کا اطمینان ہے نہ وہ اطمینان جو ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تو ان حضرات کو پہلے سے ہی حاصل تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردے زندے فرمانے کی دعا کی اور عرض کیا **ولكن ليطمئن قلبي**۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے آپ کے معجزے جس قدر دیکھے وہ زمینی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آسمانی معجزہ دیکھ کر اللہ کی قدرت آپ کی نبوت پر حق الیقین حاصل کرلیں (تفسیر کبیر) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس غیبی کھانے کی برکت سے ہم کو دائمی دل کا چین نصیب ہو جاوے کہ آئندہ ہمارے دل دنیا کے رنج و غم عیش و طیش امیری و فقیری کا اثر نہ لیں کہ یہ دل کا چین اللہ کی بڑی نعمت ہے جو کسی کسی کو

نصیب ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔ چونکہ اس غیبی کھانے کو کسی انسان کا ہاتھ نہ لگا ہو گا اور آوے گا آپ کی معرفت سے اس لئے اس میں بے چینی دل کا علاج ہو گا اس صورت میں یہ کلام نہایت ہی عارفانہ ہو گا۔ دل کا چین یا اللہ کے ذکر سے نصیب ہو گا۔ دل کا چین یا اللہ کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے یا اللہ والوں کی نظر و فیض سے **ونعلم ان قد صدقتنا** یہ اس عرض کے تیسرے مقصد کا بیان ہے یہاں بھی علم سے مراد علم الیقین نہیں کہ وہ تو انہیں پہلے سے حاصل تھا بلکہ عین الیقین والا علم مراد ہے یعنی اب تک تو ہم نے دلائل سے آپ کی حقانیت جانی پھر ہم مشاہدہ سے آپ کی سچائی جان لیں گے کہ آپ نے جو فرمایا کہ اے حواریو تم مقبول الدعاء ہو۔ رب تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا ہے تمہاری ضدیں پوری کرتا ہے وہ واقعی سچ تھا (روح المعانی) اور اگر توحید و رسالت کی خبر میں سچائی مراد ہو تب بھی اعتراض نہیں کہ یہاں عین الیقین مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے آپ کے زمینی معجزے دیکھے اب آسمانی معجزے دیکھ کر ہم کو آپ کی تمام باتوں کی سچائی کا عین الیقین ہو جاوے کیونکہ جادو کبھی آسمان پر نہیں چلتا۔ **ونکون علیھا من الشھدین**۔ یہ اس عرض و معروض کے چوتھے مقصد کا بیان ہے۔ **شاھدین** کے معنی ہیں۔ مشاہدہ کرنے والے یا لوگوں کے سامنے عینی گواہی دینے والے یعنی ہم اس معجزے کو آنکھوں دیکھ لیں یا وہ بنی اسرائیل جو یہاں سے غائب ہیں ہم ان کے سامنے آپ کی سچائی کی عینی گواہی دیں ہم آپ کے مبلغ اعظم بن جاویں یا آئندہ نسلوں کے لئے یا تاقیامت لوگوں کے لئے ہمارا یہ عمل آپ کی حقانیت کا گواہ ہو جاوے لوگوں کو اس وجہ سے ایمان نصیب ہو۔ ہماری اس گواہی سے تاقیامت لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمانہ بھی لوگوں کو یاد دلاؤ جب کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کے خاص صحابہ حواریوں کے دل میں ایمان کی رغبت پیدا کی اور انہیں اللہ رسول پر ایمان لانے کی توفیق بخشی تو وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر علانیہ اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہوئے بولے کہ ہم ایمان لائے اور اے کلمۃ اللہ آپ یہاں گواہ ہو جاویں یا قیامت میں گواہی دیں کہ ہم آپ کے اور آپ کے رب کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ پھر وہ زمانہ بھی یاد دلائیں جبکہ ان حواریوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ کا رب آپ کی دعا سے یہ کرم نوازی فرمائے گا کہ ہم پر آسمان سے دسترخوان نعمتوں سے بھرا ہوا اتارے اس پر جناب مسیح نے فرمایا کہ ایسے سوالات نہ کرو اللہ سے ڈرو مت مانگو [illegible] تم مومن ہو تو اس سے باز آجاؤ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ حضور والا ہمارا یہ معروضہ آپ کی نبوت یا رب تعالیٰ کی قدرت میں کسی شک و شبہ کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے چار مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ ہم وہ غیبی کھانا کھائیں برکت حاصل کریں۔ اس سے ہمارے دل منور ہو جاویں۔ ہم کو قرب خدا اور زیادہ حاصل ہو جاوے دوسرے یہ کہ آپ نے جو ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ تم لوگ مقبول الدعا ہو رب تعالیٰ تمہاری مانتا ہے اس کا ہم کو عین الیقین حاصل ہو جاوے دل ہمارے مطمئن ہو جاویں ہم کو اپنے کامل الایمان ہونے پر اطمینان ہو جاوے۔ تیسرے یہ کہ ہم کو آپ کی صداقت عین الیقین سے معلوم ہو جاوے چوتھے یہ کہ ہم اس آسمانی معجزے کا مشاہدہ کرلیں اور دوسرے کے لئے ہم عینی گواہ بن جاویں نیز تاقیامت لوگوں کے لئے ہمارا یہ واقعہ کمال ایمان کا باعث ہے ہم آپ کے زندہ جاوید گواہ بن جاویں۔

فائدے: اس آیت [illegible] حاصل [illegible] الفائدہ [illegible] ایمان و تقویٰ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی نصیب ہو سکتا ہے

محض اپنی کوشش سے نہیں یہ فائدہ **واذ ا وحیت** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا کوئی شخص ایمان وغیرہ پر فخر نہ کرے شکر کرے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ رسول پر ایمان تمام ایمانیات کی اصل ہے کہ اس سے ملائکہ' قیامت' دوزخ' جنت وغیرہ سب پر ایمان نصیب ہو جاتا ہے یہ فائدہ **امنوا بی وبرسولی** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کو رسول ماننے سے ایمان میسر ہوتا ہے صرف بشر ماننے یا اپنا جیسا ماننے سے ایمان نہیں ملتا یہ فائدہ **وبرسولی** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے اس موقعہ پر جناب عیسیٰ کو رسول فرمایا ہم بھی کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کہتے ہیں۔ **محمد بشرا مثلنا** نہیں کہتے جو کہے کہ رسول کچھ نہیں دیتے ہم سب کچھ اللہ سے لیں وہ حضرات انبیاء کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اگر ہم سب کچھ اللہ سے لے سکتے تو رسول کی تشریف آوری کی ضرورت کیا تھی رسول کے معنی ہیں۔ پیغام رساں فیضان رساں' فرمان رساں اور واسطہ کی ضرورت جب ہوتی ہے جب بلاواسطہ نہ لیا جا سکے۔ **چوتھا فائدہ:** اپنا اسلام و ایمان چھپانے کی چیز نہیں اپنے قول' عمل سے اس کا اظہار کرنا چاہئے اس میں تقیہ کیسا یہ فائدہ **قالوا امنا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اپنے ایمان و اعمال پر اللہ کے مقبول بندوں کو گواہ بنانا چاہئے کہ یہ رب کے گواہ ہیں یہ فائدہ **واشهد باننا مسلمون** سے حاصل ہوا اب بھی حجاج جب روضہ انور پر مدینہ منورہ میں حاضری دیتے ہیں تو سلام کے بعد عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فریضہ تبلیغ اعلیٰ وجہ الکمال ادا فرمایا حضور بھی گواہ رہیں کہ میں حضور کا امتی ہوں مسلمان ہوں بہت رونا ک الفاظ ادا کرتے ہیں اگر عربی کے ترجمہ سے واقفیت ہو تو آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے اس عرض و معروض کی دلیل اس کی اصل یہی آیت کریمہ ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان و اسلام کا گواہ بنا لیا۔ **چھٹا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام قیامت میں گواہی دیں کہ ہم مسلم ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **من کل امة بشهيد وجئنا بک علی هولاء شهيدا**۔ ان حضرات کی یہ گواہی اپنی ساری امت کے لئے ہوگی خواہ ان کے زمانہ میں ہو یا بعد میں۔ **ساتواں فائدہ:** کبھی مسلم و مومن ایک ہی معنی میں آتا ہے اور کبھی ان دونوں میں فرق کیا جاتا ہے کہ ایمان دلی عقیدوں کا نام ہے اور اسلام اطاعت و فرمان برداری کو کہتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **قل لم تومنوا ولکن قولوا سلمنا** اور فرماتا ہے **فلما اسلما وتله للجبين** یہ فائدہ ایمان کو مقدم فرمانے اور مسلمون کو موخر لانے سے حاصل ہوا اپنے ایمان و اعمال کا مخلوق کو خصوصاً" انسانوں کو خصوصاً" مسلمانوں کو خصوصاً" اولیاء و انبیاء کو گواہ بنانا بڑی پرانی سنت ہے یہ فائدہ **واشهد** سے حاصل ہوا مسلمان اگر جنگل میں بھی نماز پڑھے تو اذان کہہ لے تا کہ اس جنگل کے گھاس تنکے کنکر اس کے ایمان کے گواہ ہو جاویں۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ وسیلہ عظمیٰ ہیں لہٰذا ہم لوگوں کو ان سے دعا کرانا بہت ہی بہتر ہے دیکھو حواریوں نے خود ہی نزول مائدہ کی دعا نہ کی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام سے دعا کرنے کی درخواست کی۔ حضرات صحابہ کرام تو اپنے صدقات و خیرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تقسیم کراتے تھے کہ اگر ہمارے صدقہ قابل قبول نہ بھی ہوں تو اس ہاتھ کی برکت سے قبول ہو جاویں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزکيهم بها** اے محبوب اپنے صحابہ کے صدقہ قبول فرمالیا کرو ان کے ذریعہ انہیں پاک و صاف فرمایا کرو اب مسلمان فاتحہ و ختم میں کہتے ہیں نذر اللہ نیاز رسول اللہ پھر دوسروں کو ایصال ثواب کرتے ہیں اس کا ماخذ یہ آیت اور ان جیسی آیات ہیں۔ **نواں فائدہ:** اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ذرہ کا رب ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کی نسبت بزرگ بندوں کی طرف کی جاوے یہ فائدہ **ربک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ

حواریوں نے رب تعالیٰ کو جناب عیسیٰ روح اللہ کی طرف نسبت کیا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تین قسم کی ہے ربوبیت عامہ' ربوبیت خاصہ' ربوبیت خاص الخاصہ' ربوبیت عامہ کے لحاظ سے فرمایا جاتا ہے۔ رب العالمین ربوبیت خاصہ کے لحاظ سے ربکم ربوبیت خاص الخاصہ کے لحاظ سے ربک ہے جیسے سورج کا طلوع روشنی کے لحاظ عام زمین پر ہے دانہ پھل پکانے کے لحاظ سے کھیتوں باغوں پر لعل بنانے کے لحاظ سے بدخشاں کے پہاڑوں پر۔ دسواں فائدہ: ان حواریوں نے غیبی دسترخوان اترنے کی درخواست کی تھی نہ کہ بارش وغیرہ کی یہ فائدہ من السماء سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری: مولوی محمد علی لاہوری قادیانی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اپنی کتاب بیان القرآن میں لکھا کہ یہاں دسترخوان سے مراد علم ہے۔ جو روحانی غذا ہے اس کا مقصد ہے حضرت روح اللہ کے اس معجزے کا انکار خیال تو کرو کہ ان لوگوں پر علم تو پہلے ہی آچکا تھا عیسیٰ علیہ السلام پہنچا چکے تھے پھر کونسے علم کا مطالبہ کر رہے تھے نیز پھر من السماء کہنے کی کیا وجہ ہے نیز پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس سوال سے روکا کیوں۔ علم مانگنا تو اچھی چیز ہے نیز پھر رب نے کیوں فرمایا کہ جو انکار کرے گا اسے بے مثال عذاب دیا جاوے گا غرضیکہ یہ تفسیر نہیں تحریف ہے۔ گیارھواں فائدہ: دعا میں صرف مانگنا ہی ضروری نہیں دعا کے بہت اچھے طریقے ہوتے ہیں۔ دیکھو حواریوں نے یہ نہ کہا کہ آپ نزول مائدہ کی دعا فرماویں بلکہ عرض کیا کہ کیا ایسا ہو سکے گا کہ رب تعالیٰ دسترخوان نازل فرماوے یہ مخفی دعا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا بھی دعا ہے غنی کے دروازے پر اس کی سخاوت کے گیت گانا اس کے دوستوں یہاں بچوں کو دعا دینا سب ہی بھیک مانگنے کے طریقے ہیں۔ بارھواں فائدہ: اللہ کی ظاہری نعمتیں اپنے لئے مانگنا چاہئیں باطنی رحمتیں محبوں ولیوں کے لئے دیکھو حواریوں نے عرض کیا ینزل علینا مائدۃ من السماء یہاں علینا کہا علیک نہ کہا جس میں اشارۃً بتایا کہ اس دسترخوان کی ضرورت ہم کو ہے۔ اے عیسیٰ روح اللہ آپ کو نہیں یہ بھی نبی کا ادب ہے۔ تیرھواں فائدہ: جو کھانا بزرگوں کی طرف نسبت کر دیا جاوے اسے تبرکاً کھانا اس سے برکت حاصل کرنا شفا غنا نور قلبی حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ اس میں بہت فائدے ہوتے ہیں یہ فائدہ ان ناکل منہا سے حاصل ہوا کہ حواریوں نے اس دسترخوان سے تبرکاً کھانے کی خواہش کی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے پیدا شدہ پانی اندرونی بیرونی بیماریوں کی شفاء تھی ارکض برجلک۔ حضرت مریم کے ہاتھ کی برکت سے خشک ڈنڈا ہرا ہوا اس میں پھل لگے وہ پھل وروزہ کے لئے مفید تھا وھزی الیک بجذع النخلۃ الخ حضرت خضر علیہ السلام جہاں رہتے ہیں وہاں کے پانی سے مردہ مچھلی زندہ ہو گئی واتخذ سبیلہ فی البحر سربا۔ چودھواں فائدہ یقین ایمان کے بہت درجے ہیں علم الیقین عین الیقین حق الیقین ان درجات کے مختلف اثرات ہیں ان میں ترقی کرنے کی کوشش کرنا بزرگوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ وتطمئن قلوبنا اور نعلم ان قد صدقتنا سے حاصل ہوا۔ پندرھواں فائدہ: گواہی سن کر بھی ہوتی ہے دیکھ کر بھی مگر سنی گواہی سے عینی اور مشاہدہ کی گواہی اعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ ونکون علیہا من الشاھدین سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔

پہلا اعتراض: عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نبی نہ تھے پھر ان پر وحی کیوں آئی وحی تو صرف حضرات انبیاء کرام پر آتی ہے۔
نوٹ: بعض لوگوں نے حواریوں کو نبی مانا ہے اور اس میں لفظ اوحیت سے دھوکا کھایا ہے یہ اعتراض ان ہی کا ہے (تفسیر کبیر)

جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ وحی کے لغوی معنی الہام یا دل میں ڈالنا یا حکم کرنا ہے۔ یہاں وہی معنی مراد ہیں۔ شرعی وحی مراد نہیں یہ لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بلکہ شہد کی مکھیوں کے لئے بھی قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے حق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بہ یک وقت بہت سے نبی ہوتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون ' ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت لوط اور سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ایک ہزار نبی ہوئے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ کوئی نبی نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں خاتم وہ جو سب کے بعد ہو اس کے ساتھ یا اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ دیکھو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں تو نہ آپ کے زمانہ میں کوئی نبی تھا نہ بعد میں حضرت خضر' الیاس علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ مگر ان کی نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منسوخ ہو گئی تھی اور وہ امتی ہو کر رہے عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت آئیں گے مگر امتی ہو کر نہ کہ نبی ہو کر۔ دوسرا اعتراض: حواری تو ایمان لا چکے تھے پھر انہیں اللہ رسول پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم ان کے حواری بننے مومن بننے سے پہلے کا ہے۔ چونکہ وہ حضرات آگے چل کر مومن و حواری بننے والے تھے لہذا انہیں حواری فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ امنوا سے مراد ہے ایمان پر قائم ہو۔ تیسرے یہ کہ یہاں ایمان سے مراد شہودی ایمان ہے جو سمعی ایمان سے افضل ہوتا ہے۔ تیسرا اعتراض: پیغمبر کو نام لیکر پکارنا بے ادبی ہے اور نبی کی بے ادبی کفر ہے تو حواریوں نے یا عیسیٰ ابن مریم کیوں کہا۔ کیا وہ مسلمان رہے۔ جواب: اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ ادب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے گزشتہ انبیاء کرام کو ان کی قومیں نام سے پکارتی تھیں ان کے عرف میں نام سے پکارنا بے ادبی نہ تھا۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح ۔۔۔ سندھیاں را اصطلاح سندھ مدح

دوسرے یہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حواری نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ابھی ان کو نبی کے آداب معلوم نہ تھے احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ بعض بدوی نو مسلم ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے تھے یا محمد کہ وہ ناواقف تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) تیسرے یہ کہ ان کا یہ پکارنا انتہائی ناز کے طور پر تھا نہ کہ بے ادبی کے لئے ناز کے آداب نیاز کے آداب سے جدا گانہ ہوتے ہیں۔ جیسے ہم اللہ تعالیٰ کو کہہ دیتے ہیں تو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں میرے آقا تیرے قربان اس تو اور تیرے میں جو رنگ آتا ہے وہ آپ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہنے میں نہیں آتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

موسیا آداب دانا دیگر اند ۔۔۔ سوختہ جان و رواناں دیگر اند

غرضیکہ انسان کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ شوق' ذوق' خوف' ناز' نیاز' بے خودی اور نارمل حال۔ اس نارمل حال میں ادب احترام وغیرہ سب لازم ہونگے دیگر حالات میں بعض وقت معافی ہو گی ایک صحابی نے نشہ کی حالت میں سورۂ کافرون کے ہر جگہ لا چھوڑ دیئے مگر ان پر حکم کفر نہ دیا گیا یہ حواری اس وقت شوق و ذوق کے نشے بیخودی میں تھے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حواریوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک تھا کہ وہ پوچھ رہے ہیں ھل یستطیع ربک کیا تمہارا رب یہ کر سکتا ہے اور اس کی قدرت میں شک کرنا کفر ہے۔ جواب: اس کی قدرت میں شک نہ تھا بلکہ اپنی اس عرض کی قبولیت میں شک تھا کہ نہ معلوم ہماری یہ دعا قابل قبول ہے یا نہیں اور دستر خوان کا اتارنا حکمت الٰہی کے موافق ہے یا نہیں گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ کیا ایسا ہو سکے گا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء استخارہ میں یہ الفاظ تعلیم فرمائے اللھم ان

کنت تعلم ان ھذا الامر خیر الی فی دینی و معاشی۔ خدایا اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے لئے بہتر ہے تو کر دے۔ یہاں بھی خدا کے عالم غیب ہونے میں شک نہیں بلکہ اس کام کے خیر ہونے میں شک ہے۔ جیسے ایک فقیر کسی امیر کبیر سے کہے کہ کیا آپ دس روپیہ سے میری مدد کر سکیں گے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فقیر کو دولت مند کی دولت میں شک ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اسے دس روپیہ ملنے میں شک ہے امیر کے پاس ہونا اور چیز ہے اور فقیر کو اس میں سے ملنا کچھ اور۔

پانچواں اعتراض: حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک حواریوں کو عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر یقین نہ تھا۔ نبی پر یقین کئے بغیر وہ مومن کیسے ہوئے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں علم سے مراد ظہور کا علم ہے یعنی ہم آپ کی سچائی آنکھوں سے دیکھ لیں اور سچائی سے مراد اس خبر میں سچائی ہے کہ حواری حضرات مقبول بارگاہ الٰہی ہیں ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت تو ان کے بہت سے معجزات وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ چکے تھے یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے لیعلم اللہ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے بہر حال آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سے ایک اعلیٰ نعمت اچھے ساتھی ہیں ساتھی تین قسم کے ہیں شیطانی ساتھی، نفسانی ساتھی رحمانی و ربانی ساتھی جو انسان کو اچھائی سے روک کر برائی پر لگادیں۔ وہ شیطانی ساتھی ہیں جو فقط مالی و جسمانی ساتھ دیں وہ نفسانی ساتھی ہیں مگر جو انسان کو برائی سے روک کر اچھائی پر لگادیں یا اچھائیوں میں تعاون و مدد کریں وہ رحمانی ساتھی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا فضل یہ ہوا کہ انہیں ساتھی اچھے دیئے حواری ان حواریوں پر اللہ کلیہ کرم تھا کہ ان کی ایسی ضد رب نے پوری فرمائی جو قریباً نہایت مشکل تھی یعنی آسمانی دسترخوان کا اترنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رب تعالیٰ کا یہ انعام بھی ہے کہ آپ کو حضرت صدیق و فاروق جیسے ساتھی عائشہ صدیقہ خدیجۃ الکبریٰ جیسی بیویاں فاطمہ حسن حسین جیسی اولاد عطا فرمائی یہاں اس نعمت کا ذکر ہے واذ اوحیت الی الحواریین الخ صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم چند قسم کے ہیں علم شریعت جسے علم ابدان کہتے ہیں۔ علم طریقت جسے علم قلوب کہا جاتا ہے۔ علم حقیقت المعارف جسے علم ارواح کہہ سکتے ہیں علم شریعت تو سورج کی روشنی یا ہوا کی طرح عام ہے ہر مومن کو بقدر ضرورت حاصل کرنا ضروری ہے مگر علم طریقت اور علم حقیقت المعارف خاص نعمت ہیں جو صرف اس کے اہل کو عطا ہوتا ہے جیسے دنیا میں سلطنت و غیرہ ان لوگوں نے [illegible] سے پہلے ہی علوم حقیقیہ کا مطالبہ کیا جو علم ارواح ہے اپنی طاقت سے بالا چیز کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم بہ ایمان کامل مومن ہو چکے ہو تو اب تقویٰ و طہارت حاصل کرو تاکہ اس تقویٰ و طہارت کی وجہ سے تم ان علوم کے اہل اور ان معارف کے قابل ہو سکو دل کو نقش دنیا سے دھو کر صاف کر لو تاکہ اس تختی پر یار کے نقش جلوہ گر ہوں مسجد کا داخلہ غسل بدن کے بعد چاہئے اور مسجد قرب میں داخلہ دل کے غسل کے بعد ہو سکتا ہے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن تین قسم کے ہیں بعض وہ جو نبی کو معجزات سے مانیں۔ بعض وہ جو نبی سے معجزات کو جانیں بعض وہ جو نبی کو خود نبی سے ہی جانیں مانیں یعنی نبی ہی دعویٰ ہوں نبی ہی دلیل آفتاب آمد دلیل آفتاب یہ مومن کی آخری منزل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ اسی درجہ کے مومن تھے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا مانا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانا گیا یہ حواری پہلی منزل میں تھے کہ کہہ رہے ہیں

کہ ہم کو آپ دستر خوان منگا کر دکھائیں تاکہ ہم آپ کے گواہ ہو جاویں۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ

عرض کیا عیسیٰ ابن مریم نے اے اللہ اے پالنے والے ہمارے اتار تو اوپر ہمارے دستر خوان آسمان سے ہو جاوے

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید

لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾

وہ واسطے ہمارے عید واسطے اگلوں کے ہمارے اور واسطے پچھلوں کے اور نشانی تیری طرف سے اور روزی

ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر

قَالَ اللّٰهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّيٓ أُعَذِّبُهُ

دے ہم کو تو تمام روزی والوں کے اچھا روزی دینے والا ہے فرمایا اللہ نے کہ بیشک میں اتارنے والا ہوں اسے اوپر تمہارے

روزی دینے والا ہے اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا تو بیشک میں اسے وہ عذاب

عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ ﴿١١٥﴾

پھر جو کفر کرے گا اس کے بعد تم میں سے تو میں سزا دوں گا اس کو وہ سزا جو نہ سزا دوں گا کسی کو جہانوں میں سے

دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا

ع ۱۵

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے غیبی دستر خوان اترنے کی درخواست کی تھی اب فرمایا جارہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں اس کی درخواست کی گویا امت کا نبی سے عرض و معروض کرنا پہلے مذکور ہوا اور نبی کا رب تعالیٰ سے عرض کرنا اب مذکور ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو دستر خوان کے مطالبہ سے روکا اب ارشاد ہے کہ آپ نے ان کی گذارشات سن کر قبول فرمالیں گویا تردید کا ذکر پہلے تھا قبولیت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حواریوں کی عرض و معروض کا ذکر تھا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عرض اور رب تعالیٰ کی قبولیت کا تذکرہ ہے چونکہ حضرت مسیح نے ہم سے یہ دعا کی اس لئے ہم نے اسے منظور فرمالیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں نزول دستر خوان کے وہ فوائد ذکر ہوئے جو حواریوں نے عرض کئے اس سے کھانا دلوں کا اطمینان۔ آپ کی سچائی آنکھوں دیکھنا وغیرہ اب اس نزول مائدہ کے وہ فوائد بیان ہو رہے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کئے اس کے نزول کے دن کا سب کے لئے عید بن جانا رب کی نشانی عالم میں ظاہر ہو جانا وغیرہ۔

تفسیر: قال عیسی ابن مریم۔ یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ کسی پوشیدہ شرط کی جزاء ہو یعنی جب جناب عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کی نیت و ارادہ کو معلوم فرمالیا تو عرض کیا قال کے معنی ہیں کہا۔ عرض کیا اگر برابر والے سے کلام ہے تو معنی کہا ہوتا ہے چھوٹے سے گفتگو ہے تو معنی فرمایا بڑے سے عرض و معروض ہے تو معنی عرض کیا یہاں تیسرے معنی میں ہے کہ رب تعالیٰ سے عرض ہے۔ قال فرما کر بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں نے کہا اور عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے جس کی جہاں تک پہنچ تھی اس نے اس سے کہا وہ جو کہتے ہیں کہ میری تجھ سے تیری رب سے اس کا ماخذ یہی آیت ہے نیز جناب مسیح نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے مجھ سے جو کچھ کہا اور میں نے تم سے جو کچھ کہا رب نے سن لیا بلکہ وہ ہماری حاجات جانتا ہے اس سے کہنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ فوراً دعا کی کیونکہ عبدیت کا اظہار مانگنے سے ہی ہوتا ہے۔ جناب خلیل نے آگ میں جاتے وقت دعا نہ کی کہ وہاں امتحان تھا اس وقت منہ سے کچھ نہ کہنا ضروری تھا نیز صرف دل سے ہی دعا نہ کی بلکہ زبان سے یہ الفاظ ادا کئے دیگر ذکر اذکار کی طرح دعا بھی ایک عبادت ہے زبان سے مانگی جاوے جب کوئی شخص کسی سے دعا کرائے تو وہ رد نہ کرے فوراً دعا کردے کہ زبان اور الفاظ کی تاثیریں جداگانہ ہیں پھر آپ نے یہ نہ کہا کہ خدایا اگر تو چاہے تو دستر خوان اتار دے بلکہ جزم سے کہا کہ اتار ہی دے کہ دعا کا طریقہ یہی ہے یہ نہ کہے کہ مولیٰ اگر تو چاہے تو دیدے کہ اس میں بے رغبتی ظاہر ہوتی ہے۔ غرضیکہ قال میں بڑی حکمتیں ہیں۔ رب تعالیٰ نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا ضمیر پر کفایت نہ فرمائی تاکہ صراحۃً معلوم ہو کہ رب تعالیٰ سے عرض کرنے والے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس دعا میں کوئی حواری شامل نہیں حواریوں نے تو ان جناب سے ہی عرض کیا تھا اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء۔ یہ عبارت قال کا مقولہ ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کے الفاظ رب نے نقل فرمائے اللھم کی تحقیق تیسرے پارے میں قل اللھم مالک الملک کی تفسیر میں عرض کی گئی کہ یہ اصل میں یااللہ تھا یا دور کرکے اس کے عوض مشدد میم آخر میں لگادی گئی معنی وہی رہے یہ ندا کے لئے میم صرف لفظ اللہ میں ہی آتی ہے اس میم میں اللہ تعالیٰ کے ان تمام ناموں کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے منان' ملک' مقتدر وغیرہ جس نے اللھم کہا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے ستر میم والے ناموں سے پکارا اسی لئے دعا میں اکثر اللھم کہا جاتا ہے۔ اگرچہ عبرانی زبان میں اللہ کا اور نام ہے مگر آپ نے اللہ کو عربی نام سے پکارا تاکہ یہ دعا زیادہ قبول ہو کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب کو اسی نام سے پکاریں گے ربنا میں دوسری نداء چونکہ آپ کو اس دعا کی قبولیت کا بہت شوق تھا اس لئے رب تعالیٰ کو اس کے ذاتی و صفاتی دونوں ناموں سے دوبارہ پکارا انزل فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں فوراً بغیر تاخیر غیبی دستر خوان اترے اگرچہ دستر خوان حواریوں نے مانگا تھا مگر آپ نے علیھم نہ فرمایا بلکہ اپنے کو بھی ان میں شامل کرنے کے لئے علینا فرمایا کہ نبی کی شرکت سے دعا بہت جلد قبول ہو یا اس معجزے کا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ہوگا یعنی ظہور معجزہ اور تبلیغ اور حواریوں وغیرہ کو بھی یعنی ان کے دلوں کو سکون و اطمینان وغیرہ اس لئے علینا فرمایا مائدہ سے مراد نعمتوں سے بھرا ہوا دستر خوان ہے صرف خالی دستر خوان نہیں۔ مائدہ' خوان' سفرہ وغیرہ کا فرق ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کیا گیا من السماء یا انزل کے متعلق ہے یا کسی پوشیدہ لفظ کے متعلق ہو کہ مائدہ کی صفت سماء سے مراد آسمان ہی ہے نہ کہ کوئی اونچی جگہ خیال رہے کہ آپ نے من الجنۃ نہ فرمایا۔ کیونکہ جنت میں پھل فروٹ میں گوشت' مچھلی' روٹیاں' گھی وغیرہ نہیں اس لئے وہاں سے یہ دستر خوان نہیں

آسکتا۔ مقصد یہ ہے کہ آسمان پر دسترخوان اور اس کی نعمتیں قدرتی طور پر بنیں اور ہم پر اتریں **تکون لنا عید الا ولنا واخرنا** اس عبارت میں دسترخوان کے شکریہ کا ذکر ہے حق یہ ہے کہ **تکون** کسی پوشیدہ شرط کی جزاء نہیں ورنہ **تکن** ہوتا بلکہ مائدہ کی صفت ہے تکون کا اسم پوشیدہ ہے یا وہ مائدہ یا اس کے اترنے کی تاریخ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں **عید تکون** کی خبر ہے **لنا** اس کے متعلق عید بنا ہے عود سے بمعنی لوٹ کر آنا اصطلاح میں خوشی کو عید کہا جاتا ہے۔ جو لوٹ لوٹ کر آوے یا جس کے لوٹ لوٹ کر آنے کی تمنا کی جاوے۔ غرضیکہ خوشی تین قسم کی ہوتی ہے وقتی خوشی' دائمی خوشی' یادگاری خوشی' آخری قسم یعنی یادگاری خوشی کو عید کہا جاتا ہے پھر خوشی منانے کی تین قسمیں ہیں حرام طرح سے خوشی منانا۔ ناچ گا کر حلال طرح خوشی منانا نئے کپڑے پہن کر عطر مل کر خوشی منانا باعث ثواب طرح سے خوشی منانا اللہ کی عبادت کر کے سجود شکر ادا کر کے یہاں آخری دو قسمیں مراد ہیں **اولنا** سے مراد ہیں اس وقت کے موجودہ عیسائی اور **اخرنا** سے مراد ہیں بعد میں آنے والے عیسائی بعض مفسرین نے اس عبارت کے کچھ اور معنی بھی کئے ہیں مگر یہ معنی نہایت ہی موزوں اور قوی ہی یعنی اے میرے رب اس دسترخوان کے اترنے کا دن ہمارے اگلے پچھلے عیسائیوں کے لئے عید کا دن بن جاوے گا کہ ہم اس دن خوشیاں منایا کریں گے اور تیری عبادات کیا کریں گے۔ (چنانچہ دسترخوان اتوار کے دن اترا اب تک اتوار عیسائیوں کے ہاں ہفتہ کی عید ہے (خازن' معانی' روح وغیرہ) **وایة منک** یہ عبارت معطوف ہے عید پر' **منک ایة** کی صفت یا حال ہے **ایة** سے مراد آسمانی معجزہ ہے ورنہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمینی معجزے تو بہت ظاہر ہو چکے تھے یعنی یہ غیبی دسترخوان تیری طرف سے میرا آسمانی معجزہ ہو گا یہ معجزہ بھی اگلے پچھلوں کے لئے ہو گا کہ اگلے لوگ دیکھ کر پچھلے لوگ اسے سن کر ایمان لائیں گے۔ نبی کے معجزے تین قسم کے ہیں دائمی معجزہ جیسے حسن یوسف' آواز داؤد علیہم السلام مکرر واقع ہونے والے معجزے جیسے جناب مسیح کا مردے زندہ کرنا بیماروں کو اچھا کرنا یا موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا ہاتھ چمک جانا۔ وقتی معجزہ جو صرف ایک بار واقع ہو جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈوبے سورج کو واپس بلانا۔ چاند چیرنا وغیرہ یہاں آیت سے مراد یہ آخری قسم ہے یعنی بار بار والے معجزے تو میں دکھاتا ہی رہا ہوں یہ معجزہ ایک بار میرے ہاتھ پر ظاہر ہو جاوے۔ لہذا آیت فرمانا بالکل درست ہے نیز آیت فرما کر اشارۃً بتایا کہ ان چند روٹیوں مچھلی کے چند ٹکڑوں کی آمد کی تاریخ کو عید منایا اس لئے ہے کہ وہ تیری قدرت کی نشانی ہے اور میرا معجزہ ورنہ روٹی مچھلی تیری دی ہوئی دنیا میں بہت ہے۔ جس چیز کو بڑوں سے نسبت ہو جاوے وہ بڑی بن جاتی ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ دنبہ کے متعلق فرمایا **وفدینٰه بذبح عظیم وارزقنا وانت خیر الرزقین**۔ یہ عبارت یا تو اسی دعا کی تاکید ہے یا نئی دعا ہے رزق بمعنی روزی ہے خواہ جسمانی ہو یا روحانی یا ایمانی یہاں یا تو اس سے مراد وہ ہی دسترخوان اور اس کی نعمتیں ہیں تب تو یہ پہلی دعا کی تاکید ہے یا اس سے مراد شکر کی توفیق دینا جو روحانی روزی ہے تو یہ دوسری دعا ہے (معانی) اور ہو سکتا ہے کہ یہاں رزق سے مراد وہ نورانیت ہو جو اس دسترخوان کی روٹیوں میں تھی یعنی خدایا ہم کو صرف روٹی ظاہری نہ دے بلکہ اس کا نور اس کا سرور بھی عطا فرما جس سے ہمارے دل روشن آنکھیں ٹھنڈی ہو جاویں۔ رازق کے معنی ہیں رزق پیدا کرنے والا بھی اور رزق دینے والا بھی اور رزق پہنچانے والا بھی یہاں دوسرے یا تیسرے معنی میں ہے۔ اس لئے صیغہ جمع ارشاد ہوا کیونکہ معنی سے رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے دوسرے دو معنی سے بندے بھی رازق ہیں یعنی رزق پہنچانے والے رزق مہیا کرنے والے (تفسیر صاوی وغیرہ) اللہ تعالیٰ کے رزق دو قسم کے ہیں ایک وہ جو بلاواسطہ بندوں کو ملتے ہیں جیسے ہوا دھوپ آسمان کا سایہ

زمین ' دوسرے وہ جو واسطے سے ملتے ہیں۔ جیسے کنویں کا پانی روٹی دوا وغیرہ پہلی قسم کا رازق ہر معنی سے رب ہی ہے مگر دوسری قسم کے رزق کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر روزی رساں بندے بھی ہیں اس لئے ہم وہ رزق بندوں سے خریدتے یا مانگتے ہیں۔ روحانی رزق بھی دو قسم کے ہیں فطری ایمان بلاواسطہ رزق ہے۔ شرعی ایمان ' عرفان ' قرآن عبادات واسطہ والے رزق ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام کے ذریعہ نصیب ہوتے ہیں یہ رزق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ اولیاء سے علماء سے مانگے جاسکتے ہیں جیسے دوا ' روٹی بندوں سے مانگنا شرک نہیں ایسے ہی ایمان عرفان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا شرک نہیں اس دوسرے قسم کے رزق کے لحاظ سے رازقین جمع ارشاد ہوئی یعنی خدایا تو ہم کو خوان کے بعد اس کے شکریہ کی توفیق دے جو روحانی رزق ہے یا یہ خوان والا رزق ضرور ہی دے دے تو تمام رزق مہیا کرنیوالوں تمام اسباب رزق والوں سے بہتر رازق ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں حضرات انبیاء کرام کی دو قسم کی دعائیں منقول ہیں بعض وہ جو ہم نہیں مانگ سکتے ہیں جیسے **توفنی مسلما والحقنی بالصلحین** وغیرہ ان دونوں قسم کی دعائیں قرآن مجید میں نقل فرمانے کے مقصد بہت ہیں جن میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو دعا مانگنی آجاوے کہ نبیوں نے اس طرح دعائیں مانگی ہیں چنانچہ اس دعا میں مانگنے سے پہلے رب کی ذاتی و صفاتی ناموں سے پکارنا اس کی مہربانی حاصل کرنے کے لئے۔ اول آخر رب تعالیٰ کی حمد ہونا بیچ میں اپنے مقصد کا اظہار جیسی دعا ہو ویسے ہی صفتی نام سے پکارنا۔ دعا صرف اپنے لئے نہ مانگنا بلکہ سب کے لئے مانگنا دعا کے ساتھ اپنے شکریہ کا ذکر کرنا کہ مولیٰ اگر ہمارا کام ہو گیا تو ہم بہت ہی شکر گزاری کریں گے وغیرہ وغیرہ یہ دعا مانگنے کے آداب ہیں یعنی اے مسلمانوں تم اگرچہ ایسی دعا نہ مانگو مگر اس طرح دعا مانگا کرو **قال اللہ انی منزلها علیکم** اس عبارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ جس میں بتایا گیا کہ رب تعالیٰ نے حضرت مسیح کی طلب سے زیادہ عطا کی چند وجہوں سے ایک یہ کہ جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کے بعد فوراً دسترخوان اترنے کی خبر دیدی ان کا مانگنا تھا کہ قبولیت کی بشارت آگئی۔ دوسرے یہ کہ آپ نے صرف نزول مائدہ کی دعا کی تھی مگر رب کی طرف سے اس کی بشارت بھی دی گئی اور دسترخوان بھی عطا ہوا یعنی رب نے صرف خوان اتارا ہی نہیں بلکہ پہلے خبر دی پھر اتارا۔ تیسرے یہ کہ حضرت مسیح نے عرض کیا تھا انزل ایک بار اتار ارشاد ہوا **انی منزلها** تم تو ایک بار خوان مانگتے ہو ہم مسلسل بہت روز تک اتارتے رہیں گے اس لئے حضرت مسیح نے باب افعال عرض کیا مگر جواب میں باب تفعیل ارشاد ہوا۔ (روح المعانی) **انی** فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ خوان کوئی فرشتہ نہ لائے گا۔ بلکہ جیسے خوان قدرتی ہو گا نہ دنیا کا نہ جنت کا ویسے ہی اس کا آنا بھی قدرتی ہو گا۔ **علیکم** میں خطاب حواریوں یا بنی اسرائیل سے ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت کیا گیا اس خطاب میں حضرت مسیح علیہ السلام داخل نہیں کیونکہ اگلے عتاب میں بھی آپ داخل نہیں ہیں **فمن یکفر بعد منکم** اس عبارت میں ان پر عتاب ہے جو خوان جیسی نعمت کی قدر نہ کریں **من** سے مراد بنی اسرائیل ہیں بعض نے فرمایا کہ اس میں حواری بھی داخل ہیں بعض نے فرمایا کہ حواری داخل نہیں **یکفر کفر** سے بنا بمعنی انکار یہاں انکار یا تو خوان کے معجزہ کا انکار مراد ہے یا اس خوان کے متعلق جو پابندیاں لازم کی جائیں گی ان کا توڑنا مراد ہے **بعد** کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے نزول دسترخوان یا دسترخوان یعنی خوان یا خوان کے نزول کے بعد جو تم بنی اسرائیل میں سے اس کا کفر کرے گا کہ اسے حضرت مسیح کا جادو کہے گا یا اس کی پابندیوں کو توڑے گا **فانی اعذبه عذابا لا اعذبه احدا من العلمین**۔ یہ جملہ **من یکفر** کی جزا ہے یہاں عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ

دنیاوی اور اخروی دونوں عذاب مراد ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ دوزخ میں سب سے زیادہ سخت عذاب تو ابلیس کو ہو گا۔ **عالمین** سے مراد تاقیامت جہان والے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس زمانہ کے جہان والے مراد ہیں مگر پہلا احتمل قوی ہے کیونکہ سور بنا کر مارنا پھر انہیں اس طرح رسوا کرنا صرف انہی لوگوں کے لئے ہوا یعنی یہ خوان ہے تو ہماری نعمت مگر جو اس نعمت کا شکر نہ کرے گا کفران کرے گا تو اس کے لئے یہ بجائے نعمت کے رحمت و نقمت ہو گا اسے وہ سزا دی جاوے گی کہ جو جن و انس میں کسی کو نہ دی جاوے۔

خلاصہ ء تفسیر: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کی نیت ان کا اخلاص ان کا ارادہ معلوم کر لیا تو بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اے ہمارے معبود اے ہمارے پالنے والے ہماری اس جماعت پر غیبی خوان نعمتوں سے بھرا ہوا اتار دے ہم اس نعمت کے دائمی شکر گزار ہوں گے کہ اس اترنے کے دن کے اگلے پچھلے عیسائیوں کی عید بنالیں گے کہ اس دن تیری عبادت کیا کریں گے نیز خوشیاں منایا کریں گے یہ خوان تیری قدرت تیری رحمت میری نبوت میری محبوبیت کی دلیل ہو گا کہ موجودہ لوگ خوان دیکھ کر آئندہ لوگ یہ واقعہ سن کر تیری قدرت میری نبوت پر ایمان لائیں گے ہم کو ظاہری باطنی رزق دے تو تمام روزی رسانوں سے بہتر روزی رساں ہے یہ دعا مانگتے ہی رب تعالیٰ نے فوراً بشارت دی کہ اے عیسیٰ تمہاری دعا مع اضافہ کے قبول ہے تم نے صرف ایک بار اخوان کا نزول مانگا ہم لگا تار بہت روز تک نازل فرماتے رہیں گے مگر خیال رکھنا کہ یہ معجزہ دیکھنے کے لئے جو اسرائیلی اس کا انکار یا اس کی ناشکری کرے گا اسے دنیا میں ایسی سخت سزا دیں گے جو کسی اور کو نہ دیں گے یہ خوان ماننے والوں کے لئے رحمت ہے۔ منکرین کے لئے زحمت۔

نزول دسترخوان کا واقعہ

حضرت سلمان فارسی و عبداللہ ابن عباس و جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہر طرح اطمینان دلایا کہ ہم یہ خوان محض شوق یا تفریح کے لئے نہیں مانگتے بلکہ اس میں ہمارے دینی مقاصد ہیں تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور رو رو کر وہ دعا کی جو یہاں مذکور ہے چنانچہ سرخ رنگ کا دسترخوان بادلوں میں ڈھکا ہوا آیا یہ تمام لوگ اسے اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے یہ دسترخوان مع بادلوں کے آہستہ آہستہ نیچے اترا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان رکھ گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دسترخوان کو دیکھ کر بہت روئے اور دعا کی مولیٰ مجھے شاکرین سے بنا الٰہی اسے ان حواریوں کے لئے رحمت بنا عذاب نہ بنا۔ حواریوں نے اس سے ایسی خوشبو محسوس کی جو اس سے پہلے کبھی نہ کی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواری سجدۂ شکر میں گر گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے کون کھولے گا یہ خوان سرخ غلاف سے ڈھکا ہوا تھا تمام نے عرض کیا حضور آپ ہی کھولیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ تازہ وضو کیا نوافل پڑھے دیر تک دعائیں مانگیں پھر دسترخوان سے غلاف ہٹایا اس میں حسب ذیل چیزیں تھیں۔ سات مچھلیاں' سات روٹیاں' ان مچھلیوں پر سنے نہ تھے اندر کانٹا نہ تھا اس سے روغن ٹپک رہا تھا ان کے سروں کے آگے سرکہ دم کی طرف نمک آس پاس سبزیاں بعض روایات میں ہے کہ پانچ روٹیاں تھیں ایک روٹی پر زیتون' دوسرے پر شہد' تیسری پر گھی' چوتھی پر پنیر' پانچویں پر بھنا گوشت شمعون حواری نے پوچھا کہ اے روح اللہ یہ کھانا جنت کا ہے یا زمین کا فرمایا نہ زمین کا نہ جنت کا یہ محض قدرتی ہے۔ چنانچہ اولاً "بیمار فقر افاقہ

مست برص و جذام والے لاپاہج بلائے گئے آپ نے فرمایا بسم اللہ کرکے کھاؤ تمہارے لئے مبارک ہے منکرین کے لئے بلا ہے پھر دوسرے لوگوں سے یہی فرمایا چنانچہ پہلے دن سات ہزار تین سو آدمیوں نے کھایا پھروہ خوان اٹھا لوگ دیکھتے رہے اڑتا ہوا ان کی نگاہوں سے غائب ہوگیا۔ تمام بیمار مصیبت زدہ اچھے تندرست ہوگئے فقراء غنی ہوگئے پھر یہ خوان چالیس دن تک مسلسل یا ایک دن کے ایک دن آتا رہا لوگ کھاتے رہے پھر حضرت روح اللہ پر وحی آئی کہ اب اس سے صرف فقراء کھائیں کوئی غنی نہ کھائے جب یہ اعلان ہوا تو اغنیاء ناراض ہوگئے اور بولے کہ یہ محض جادو ہے یہ منکرین 330 تین سو تیس آدمی تھے یہ لوگ شب کو اپنے بال بچوں میں بخیریت سوئے مگر صبح کو اٹھے تو سور تھے راستوں میں بھاگتے پھرتے تھے گندگی پاخانہ کھاتے تھے جب لوگوں نے ان کا حال یہ دیکھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھاگے آئے بہت روئے یہ سور بھی آپ کے گرد جمع ہوگئے روتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں نام بنام پکارتے تھے یہ جواب میں سرہلاتے تھے مگر کچھ کہہ نہ سکتے تھے تین دن نہایت ذلت و خواری سے جیئے چوتھے دن ہلاک ہوگئے ان میں کوئی عورت یا بچہ نہ تھا سب مرد تھے۔ جتنی قومیں دنیا میں مسخ کی گئیں وہ ہلاک کر دی گئیں ان کی نسل نہ چلی یہ قانون قدرت ہے (تفسیر خازن' روح المعانی' صاوی کبیر وغیرہ) ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان لوگوں کو تاکید کی گئی تھی کہ اس خوان میں سے کل کے لئے بچاکر چھپاکر نہ رکھیں بعض لوگوں نے کل کے لئے بچالیا وہ سور بنا دیئے گئے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں سخت عذاب' دسترخوان والے عیسائیوں فرعونی لوگوں اور منافقوں کو ہوگا (روح المعانی) بعض لوگوں نے کہا کہ غیبی دسترخوان نہیں اترا کیونکہ حواریوں نے وعید سن کر اس دعا سے توبہ کرلی مگر یہ بہت ہی ضعیف ہے احادیث شریفہ بلکہ خود اس آیت کے خلاف ہے یہاں یہاں ارشاد ہوا انی منزلها علیکم۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنا صرف اللھم کہنا ساتھ میں ربنا بھی کہنا سنت انبیاء ہے یہ پکارنا رحمت چاہنے اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے ہوتا ہے یہ فائدہ اللھم ربنا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: بندہ جیسی دعا مانگے رب تعالیٰ کو ویسے ہی نام سے پکارے بیمار کہے یا شافی الامراض گنہگار کہے یا ستار الغفار کافر قوم پر بددعا کرنی ہو تو کہے یا قہار یا جبار یہ فائدہ ربنا سے حاصل ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روزی مانگی تو اسے رب کہہ کر پکارا کہ پالنے والا روزی دیتا ہے۔ خیال رہے: کہ اللہ اسم ذات ہے ہر دعا میں یہ نام پکارے باقی اسماء صفاتی ہیں وہ حسب موقعہ لئے جاویں اس لئے آپ نے اللھم کے ساتھ ربنا بھی عرض کیا۔ تیسرا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ دعا میں جمع کے صیغے عرض کئے جاویں یہ فائدہ انزل علینا سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: مقبول بندوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں تو انہیں پہلے سے مطلع کر دیا جاتا ہے اس میں ان کی عزت افزائی ہوتی ہے ہماری دعائیں اگر قبول بھی ہوں تو ہم کو اطلاع نہیں دی جاتی یہ فائدہ انی منزلها سے حاصل ہوا۔ ذکریا علیہ السلام نے فرزند کی دعا مانگی تو فوراً اطلاع دیدی گئی کہ تمہارے صالح نبی بیٹا پیدا ہوگا پھر آپ نے یہ بھی پوچھا کہ کیسے ہوگا میں بوڑھا بیوی بانجھ ہے اس کا جواب بھی دیا گیا۔ پھر بیوی کے حمل کی نشانی پوچھی وہ بھی بتادی گئی یہ سب باتیں محبوبانہ ادائیں ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیلی قبلہ کی دعا نہ مانگی۔ صرف شوق میں آسمان کو دیکھا یہ لو اعلان فرماکر تبدیلی قبلہ کردی گئی یوں ہی اگر مقبول بندے کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو ان کو بھی اطلاع دے دی جاتی ہے بلکہ

انہیں اس دعا سے روک دیا جاتا ہے تاکہ ان کی زبان خالی نہ جاوے وحی سے یا الہام کے ذریعہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے بارے میں دعا کرنی چاہی تو فرمادیا گیا یا ابراھیم اعرض عن ھذا ۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی رب تعالیٰ اپنے مقبولوں کی دعا سے زیادہ عطا فرماتا ہے یہ فائدہ انی منزلھا الخ سے حاصل ہوا دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار خوان کے نزول کی دعا کی تھی۔ مگر چالیس روز تک نزول ہوتا رہا یہ ہے طلب سے زیادہ عطا۔ **چھٹا فائدہ:** جس دن یا جس تاریخ میں اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص نعمت بندوں کو ملی ہو اس دن یا اس تاریخ کو عید بنالینا ہمیشہ اس دن یا اس تاریخ کو عبادات کرنا خوشیاں منانا سنت انبیاء ہے یہ فائدہ تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا سے حاصل ہوا دیکھو خوان تو آیا ایک بار مگر جناب عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ کے لئے اس دن کو عید قرار دیا۔ قرآن مجید ایک بار ماہ رمضان میں اترا ایک بار شب قدر میں قرآن کریم آیا مگر تاقیامت یہ ماہ یہ رات تاریخی بن گئی کہ اس میں عبادات کئے جاتے ہیں لہذا عید میلاد یا عید معراج منانا سنت سے ثابت ہے۔ **ساتواں فائدہ:** جو کسی کو رزق پہنچائے اس کا رزق مہیا کرے اسے رازق کہنا جائز ہے رزاق اسماء الہیہ سے ہے یہ فائدہ خیر الرازقین سے حاصل ہوا یوں ہی خالق بمعنی پیدا فرمانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر خالق بمعنی شکل بنانے والا بندے بھی ہیں اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہوا فتبارک اللہ احسن الخالقین یہ ہے عربی کی اصطلاح اردو میں کسی بندے کو رازق یا خالق ہرگز نہ کہا جاوے کہ اردو میں یہ لفظ صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہی آتا ہے۔ جیسے لفظ رب قرآن مجید میں بمعنی مربی بھی آیا ہے اور بندوں کو رب کہا گیا ہے ارجع الی ربک مگر اردو میں لفظ رب صرف خدا تعالیٰ ہی کو کہا جاوے گا۔ جیسی اصطلاح ویسا استعمال دیکھو لفظ مہتر لکھنؤ میں بھنگی کو کہتے ہیں مگر چترال وقلات میں بادشاہ یا سلطان کو کہا جاتا ہے **آٹھواں فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاندان بہت ہی اعلیٰ ہے اس پر رب تعالیٰ کا بڑا کرم ہے دیکھو آپ کی والدہ جناب مریم کے لئے دنیا میں جنتی میوے آئے رب تعالیٰ فرماتا ہے وجد عندھا رزقا اور آپ کی برکت سے لوگوں کے لئے غیب سے آسمانی خوان اترا والدہ کی کرامت آپ کا معجزہ ہم شکل ہیں۔ **نواں فائدہ:** حضرت انبیاء کے معجزے مومنوں کے لئے رحمت ہوتے ہیں کفار و سرکش قسم کے لئے عذاب کا باعث دیکھو یہ غیبی خوان جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا وہ مومنوں کے لئے رحمت ہوا اور منکرین کے لئے سخت عذاب کا باعث بنا کہ ان پر بے مثال عذاب آیا۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں سے کبھی براہ راست بغیر واسطہ فرشتہ بھی کلام فرماتا ہے یہ فائدہ قال اللہ انی منزلھا سے حاصل ہوا اگر یہ کلام بذریعہ فرشتے کے ہوتا تو فرشتے کا ذکر ہوتا جیسے زکریا علیہ السلام کے متعلق فرمایا ونادتہ الملئکۃ وھو قائم الخ اگر خواب میں کلام ہوتا تو خواب کا ذکر ہوتا جیسے حضرت ابراہیم نے فرمایا انی اری فی المنام اگر صرف دل میں القاء ہوتا تو اس کے لئے الفاظ دوسرے ہوتے جیسے واوحینا الی ام موسی الخ لہذا رب نے بلا واسطہ جناب مسیح کی بیداری میں وہ کلام کیا جو کان نے سنا مگر یہ کلام مفصل نہ تھا کان کی آواز تھی اس لئے آپ کا لقب کلیم اللہ نہیں۔

پہلا اعتراض: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوان کے اترنے کے دن کو اگلوں پچھلوں کے لئے عید کیوں قرار دیا۔ جسے نعمت ملے وہی اس کی خوشی کرے بعد والے کیوں کریں۔ **جواب:** خوان کا اترنا سارے اگلے پچھلے عیسائیوں۔ کے لئے نعمت تھا کہ یہ ان کے نبی کا آسمانی معجزہ تھا نبی پر کرم ساری امت پر مہربانی ہوتی ہے اور نعمت کی خوشی منانا اس نعمت کا شکریہ ہے شکریہ سے رب

تعالیٰ راضی ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج صرف صحابہ کے لئے نعمت نہیں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کے لئے نعمت ہے سب ہی اس کی خوشی منائیں۔ دوسرا اعتراض: یہ غیبی خوان جنتی خوان تھا مگر جنت میں گوشت، گھی، مچھلی وغیرہ نہیں وہاں تو پھل فروٹ وغیرہ ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے فیهما فاكهة ونخل ورمان۔ پھر اس خوان میں یہ غذائیں کہاں سے آگئیں غذا بھوک دفع کرنے پیٹ بھرنے کے لئے کھائی جاتی ہے۔ میوے لذت کے لئے جب جنت میں بھوک نہیں تو وہاں بھوک دفع کرنے کی غذائیں کیسی۔ جواب: یہ خوان جنت سے نہیں آیا بلکہ آسمان سے یا آسمان کی طرف یعنی فضا سے آیا تھا۔ اسی لئے یہاں من السماء فرمایا گیا من الجنة نہیں کہا گیا مچھلی روٹی وغیرہ امر الٰہی سے بنی امر سے ہی پختہ ہوئی۔ جیسے بنی اسرائیل پر من و سلویٰ جنت سے نہیں بلکہ آسمان کی طرف سے آتا تھا۔ اب بھی بارش، اولا، شبنم وغیرہ ہوا میں بن کر برستے ہیں اس کی قدرت کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ جنت میں درخت گندم کا ہونا یقینی نہیں اولاً تو اسی میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں کیا چیز کھائی تھی بعض کہتے ہیں گندم بعض فرماتے ہیں انجیر بعض کوئی اور پھل اور اگر مان لیا جاوے کہ درخت گندم ہی وہاں تھا اور وہی آپ نے کھایا تو یہ اس وقت تھا حضرت آدم علیہ السلام کے امتحان کے لئے پھر نہ وہاں گندم رہا نہ ہو گا۔ جیسے شیطان پہلے جنت میں تھا مگر پھر وہاں رہا نہ رہے گا۔ جنت میں تبدیلی وغیرہ ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کا بہت سا علاقہ خالی ہے۔ وہاں مسلمانوں کے نیک اعمال سے باغ لگائے جائیں گے یعنی ان کے اعمال درختوں کی شکل میں ہوں گے اور فرماتے ہیں کہ جو مسجد بنائے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنائے گا من بنى مسجدا لله بنى الله له بيتا في الجنة تیسرا اعتراض: غیبی خوان آنے سے سب نے اس معجزے کا انکار نہ کیا بعض نے کیا تو ان منکرین پر عذاب کیوں آگیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے شق القمر وغیرہ کا مطالبہ کیا معجزات دکھانے پر بہت لوگ ایمان نہ لائے ان پر عذاب کیوں نہ آیا۔ جواب: یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا تھا ما كان الله ليعذبهم وانت فيهم اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا حالانکہ ان میں آپ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غضب کے قوانین کا دور دورہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر رحم و کرم کے قوانین جاری ہوئے رات میں اندھیرے کا دور دورہ ہوتا ہے سورج نکلتے ہی نوری قانون جاری ہو جاتے ہیں گرمی میں لو دھوپ تپش پیاس کے قوانین کا رواج ہوتا ہے بارش ہوتے ہی ٹھنڈک سکون ٹھنڈی ہوائیں خنکی کا رواج ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج بہار رحمت کا بادل ہیں یہی قیامت میں ہو گا کہ اولاً حضرات انبیاء کرام بھی کسی کی شفاعت نہ کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ ہوتے ہی بچے بھی شفاعت کرنے لگیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام انقلاب آور ہے گنہگاروں کو چاہئے کہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کے نام کے توسل سے دعا کیا کریں کہ ان کے نام کی برکت سے غضب رحم میں۔ قہر مہر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

بخشی گئیں تقصیریں جب نام نبی آیا لاچاری میں کام اپنے کی مدنی آیا

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن خوف سے ہر کلیجہ دہل جائیگا

اوڑھ کر کالا کمبل وہ آ جائیں گے حشر کا سارا نقشہ بدل جائیگا

چوتھا اعتراض: وہ غیبی دستر خوان آیا صرف عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں پر مگر اس کے شکریہ میں عید منائی سب نے اس کی کیا وجہ ہے جنہوں نے اس میں سے کھایا تھا وہ ہی عید مناتے انزل علینا اور تکون لنا عید الاولنا واخرنا کے طرز بیان میں بڑا فرق ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ جواب: وجہ یہ ہے کہ اپنے پر احسان اور اپنے بزرگوں پر احسان اپنے بال بچوں' نوکر چاکروں پر احسان یہ سب خود اپنے پر ہی احسان ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہم سب مسلمانوں پر اللہ کا احسان ہے یوں ہی حضرت عیسیٰ عیسائیوں کے نبی اور حواری اولیاء تھے ان پر خوان آنا سب عیسائیوں پر اللہ کا احسان تھا۔ اس لئے سب ہی عید منائیں۔ پانچواں اعتراض: اس غیبی دستر خوان کی چند روٹیوں اور مچھلی کے چند ٹکڑوں کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی کہ اس کے نزول کا دن عید قرار دیا گیا دنیا میں اس سے زیادہ مقدار میں کھانے پکتے رہتے ہیں۔ جواب: اس لئے کہ ان روٹیوں وغیرہ کی نسبت بہت قوی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیت اور جناب مسیح کا معجزہ تھے اس نسبت کی وجہ سے ان کی عظمت بڑھ گئی۔ صفا مروہ پہاڑ شعائر اللہ ہونے اور حضرت اسماعیل کا فدیہ ذبح عظیم ہوا کیوں نسبت کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ: حواریوں نے غیبی خوان کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے مگران دونوں عرض و گذارش میں چند طرح فرق ہے ان حواریوں نے تردد و شک سے مطالبہ کیا آپ نے حق الیقین رکھتے ہوئے اس کی دعا کی کہ حواریوں نے کہا ھل یستطیع ربک اور آپ نے عرض کیا ربنا انزل علینا دوسرے یہ کہ حواریوں نے کھانے کا ذکر پہلے کیا جو نفسانی کام ہے اور یقین وغیرہ کا ذکر بعد میں مگر جناب مسیح نے دینی مقصد کا ذکر پہلے کیا اور کھانے کا ذکر آخر میں کہ وانت خیر الرازقین۔ تیسرے یہ کہ حواریوں نے رزق سے رازق کو پہنچاننے کی کوشش کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رازق سے رزق کو کہ عرض کیا انت خیر الرزاقین یعنی اس رزق کو ہم اس لئے چاہتے ہیں کہ وہ تیرا عطیہ ہے چوتھے یہ کہ حواریوں نے اپنا مقصد ہی عرض کیا۔ حضرت مسیح نے اول آخر حمد الٰہی کی بیچ میں اپنے مقصد کا ذکر فرمایا کہ اللھم ربنا پہلے کہا اور انت خیر الرازقین آخر میں فرمایا نفسانی و روحانی لوگوں میں فرق ہمیشہ ہی رہیں گے (تفسیر کبیر) صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسخ شدہ قوموں کی شکلوں پر ان کے نفسانی صفات و عیوب ظاہر ہوئے جنہیں بندر کر دیا گیا ان کے نفوس میں بندر کے عیوب تھے جنہیں سور کیا گیا ان کے نفوس میں سور ہی کے عیوب تھے یوں ہی آخرت میں لوگ اپنی نفسانی اندرونی صفات پر اٹھیں گے سیاہ دل والے سیاہ رو ہوں گے چمکیلے دل والے نورانی شکل ہوں گے یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر خیالے کو کندور دل وطن	روز محشر صورتے خواہد شدن!
زانکہ حشر حاسداں روزے گزند	بیگماں برصورتے گرگاں کند!
حشر برحرص و خس و مردار خوار	صورتے خوکے شود روز شمار!
زانیا نرا گندہ اندام نہاں	خمر خواراں راہمہ گندہ دہاں
سیرت کاندر وجودت غالبست	ہم براں تصویر حشرت واجب است

یعنی جو خیال دل میں وطن کے لئے وہ حشر میں ایک صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ حاسد لوگ بھیڑیئے کی شکل میں حریص و حرام خور لوگ سور کی شکل میں زانی لوگ ننگے اور خراب بدن شرابی لوگ گندہ دہن ہو کر اٹھیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے چار بندوں کے لئے چار عیدیں مقرر فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عید بت شکنی کا دن کہ کفار اپنی عید منانے گئے تھے آپ نے یہاں اپنی عید منائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عید جادو گروں سے مقابلہ کا دن رب فرماتا ہے **موعد کم یوم الزینة** فرعونیوں نے اپنی عید منانی چاہی مگر عید منائی موسیٰ علیہ السلام اور مومن مسافروں نے۔ تیسری عید عیسیٰ علیہ السلام کی جس کا ذکر یہاں ہے۔ چوتھی عید حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عید یہ عید تین ہیں دو عیدیں سال بھر کی یعنی فطر اور اضحیٰ ایک عید ہر ہفتہ کی یعنی جمعہ۔ مومن جنت میں یہ ہفتہ والی عید منایا کریں گے کہ ہفتہ میں ایک بار رب کا دیدار ہوا کرے گا اور انشاء اللہ خاتمہ ایمان پر نصیب ہو تو مومن کی موت بھی عید ہے مگر یہ عید یار کی دید کی عید ہے کہ قبر میں جاتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو گا۔ وہ حقیقی عید ہو گی اور دائمی لازوال عید زندگی میں ہم مدینہ جاتے ہیں مرنے کے بعد انشاء اللہ مدینہ ہماری قبر میں ہو گا۔ حضرت صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر گھڑی ہر ساعت عید تھی۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا　　　خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ

اور جب فرمائے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم کے کیا تم نے کہا تھا واسطے لوگوں کے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا

اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں

اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ

اللہ کے سوا عرض کریں گے　پاک ہے تو نہیں ممکن تھا واسطے میرے یہ کہ کہوں جو نہیں میرا

کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا عرض کرے گا پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں

بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ

حق　اگر کہا ہو میں نے یہ تو بے شک جان لیا ہو گا تو نے جانتا ہے تو وہ جو میرے دل میں ہے اور نہیں

پہنچتی　اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں

مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

جانتا ہوں میں جو تیری ذات میں ہے بے شک تو ہی جاننے والا ہے تمام غیبوں کا

جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان خصوصی نعمتوں کا ذکر تھا جو رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے وسیلہ سے حواریوں کو عطا فرمائیں اب آپ کے دامن پاک سے ان دھبوں کو دھویا جارہا ہے جو عیسائیوں نے لگائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم کو اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم دیا نعوذ باللہ یعنی وجودی نعمت کے بعد سلبی نعمت کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ناشکروں کی سزا کا ذکر ہوا کہ جو غیبی خوان کی ناشکری کرے گا اسے سخت سزا ملے گی اب حضرت عیسیٰ علیہ اسلام سے ناشکری کا الزام دفع فرمایا جارہا ہے کہ انہوں نے خوان آنے کے بعد لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کے شکریہ میں رب کی عبادت کا حکم دیا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان نعمتوں کا ذکر تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں عطا ہوئیں بغیر باپ پیدا ہونا۔ رب القدس سے ان کی تائید ہونا۔ بچپن میں کلام فرمانا وغیرہ وغیرہ اب اس خاص کرم کا ذکر ہے جو آخرت میں آپ پر ہوگا۔ یعنی آپ کی صفائی لوگوں پر ظاہر فرمانا۔

تفسیر: **واذ قال اللہ یعسی ابن مریم** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اور یہ عبارت کسی پچھلی عبارت پر معطوف نہیں **اذ** ظرفیہ ہے اس سے پہلے **اذکر** یا **اذکرو** فعل پوشیدہ ہے **اذکر** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اگر **اذکرو** ہو تو سارے مسلمانوں سے یا سارے اہل کتاب سے یا سارے انسانوں سے خطاب ہے **قال** ماضی ہے بمعنی مستقبل اور یہاں اس سوال و جواب کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ فرمائیگا اور آپ جواباً کچھ عرض کریں گے اور یہ سوال و جواب تمام محشر والوں خصوصاً عیسائیوں کے سامنے ہوگا انہیں شرمندہ کرنے کے لئے یہ گفتگو عالم برزخ میں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھاتے وقت نہیں ہو چکی جیسا کہ بعض عقلمندوں نے سمجھا کیونکہ اگر یہ گفتگو ان وقتوں میں خفیہ طور پر ہو چکی ہو تو اس کا مقصد ہی فوت ہو گیا یعنی نصاریٰ کو شرمندہ کرنا نیز آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ **ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم** جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت میں ہے (تفسیر کبیر) نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں کسی نے نہ تو آپ کو خدا کا بیٹا وغیرہ کہا نہ آپ کی والدہ کو خدا یا خدا کی بیوی کہا یہ ساری بدعقیدگیاں آپ کے آسمان پر جانے کے بعد پیدا ہوئیں پھر دنیا میں آپ سے یہ سوال کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ جب آپ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تب بھی آپ کو کوئی خدا نہ کہے گا سب ہی عبداللہ کہیں گے رب فرماتا ہے **وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ** لہٰذا یہ سوال و جواب آخرت میں ہی ہوگا چونکہ یہ سوال و جواب یقیناً ہونے والا ہے اس لئے اسے ماضی سے فرمایا گیا جیسے **ونفخ فی الصور**۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اس وقت ابن مریم فرمانے میں عیسائیوں کی بھی تردید ہوگی جو انہیں ابن اللہ کہتے تھے اور یہود کو بھی جو ان کے نسب شریف پر طعن کرتے تھے اور بے دینوں کی بھی جو انہیں کسی باپ کا ریوسف نجار کا بیٹا مانتے تھے۔ **ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ** یہ عبارت **قال** کا مفعول یا مقولہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال استفہام انکاری کے طور پر ہے یعنی تم نے یہ نہ کہا تھا اور اس سے مقصود ہے۔ عیسائیوں کو شرمندہ کرنا ورنہ رب تعالیٰ جانتا ہے کہ جناب مسیح یہ کہہ سکتے ہی نہ تھے الناس میں الف لام عہدی ہے جس سے صرف عیسائی انسان مراد ہے جنات نے حضرت مسیح کی الوہیت کا عقیدہ کبھی نہ رکھا۔ خیال رہے: کہ یہاں **وامی** فرمانے کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے حضرت مریم کو بھی **الہ** یا معبود مانا ہے وہ کہتے ہیں الٰہ تین ہیں باپ بیٹا

اور رہا وہ روح القدس کو خدا نہیں مانتے۔ دوسرے یہ کہ جب عام عیسائیوں نے حضرت مسیح کو الٰہ مان لیا تو اس سے حضرت مریم کا الٰہ ہونا لازم آگیا کہ بیٹا ماں باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ عیسائی حضرت مریم کی تعظیم و توقیر الٰہ جیسی کرتے ہیں قرآن کریم نے عیسائیوں کے متعلق فرمایا کہ یہ اپنے پوپ پادریوں کو ارباب مانتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے معجزات کا خالق مانتے ہیں اور حضرت مریم کو ان کے کرامات کا خالق مانتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ خالق الٰہ ہی ہوتا ہے ان وجوہ سے یہاں **وامی** فرمایا گیا (تفسیر خازن' کبیر وغیرہ) ورنہ عام عیسائی جناب مریم کو الٰہ نہیں مانتے۔ **دون** بہت معنی میں آتا ہے۔ دور' علیحدہ' مقابل' سوا' نہ کہ' غیر' یہاں بمعنی سواء ہے کیونکہ کوئی عیسائی یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ الٰہ نہیں صرف حضرت عیسیٰ و مریم الٰہ ہیں لہٰذا آیت بالکل صاف ہے یعنی اے مریم کے فرزند عیسیٰ کیا ان عیسائی انسانوں سے تم نے کہا تھا کہ اللہ کے سواء مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ مان لینا۔ **قال سبحنک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق**۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ جواب ہے جو آپ رب تعالیٰ سے عرض کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ سوال زبانی سن کر ہیبت الٰہی سے کانپ اٹھیں گے۔ پانچ سو سال تک خاموش رہیں گے پھر یہ جواب عرض کریں گے (تفسیر روح المعانی و خازن وغیرہ)۔ **سبحانک** کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں **سبحانک لا علم لنا** آیت کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ شاہی دربار کا یہ ادب ہے کہ وہاں کچھ عرض کرنے سے پہلے سلطان کی تعریف کی جاوے بعد میں کچھ عرض کیا جاوے اسی لئے دعا مانگتے وقت پہلے حمد الٰہی بعد میں درود شریف کی تلاوت پھر اپنے گناہوں کا اقرار پھر عرض مدعا اس لئے آپ نے اولاً عرض عرض کیا **سبحنک**۔ نیز اللہ کی حمد وہ کی جاوے جو اپنی عرض کے موافق ہو چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اولاد' بیوی' شریک سے پاک ہونے کا ذکر ہے لہٰذا سبحنک عرض کیا۔ اس کے معنی ہیں تو پاک ہے۔ یہاں پاکی سے مراد ہے شریک سے باپ بیٹا ہونے سے بیوی اختیار کرنے سے بلکہ نااہلوں کو نبی بنانے سے پاک ہونا ہے۔ جو لوگوں کو بجائے توحید و ایمان کے شرک کی دعوت دی تو مقصد یہ ہے کہ میرے مولیٰ ان بد نصیبوں کا یہ کچھ کہنا صرف مجھ پر اعتراض نہیں بلکہ تجھ پر بھی اعتراض ہے کہ تو نے نبوت کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا جس نے بجائے نبوت کے اپنی الوہیت کا اعلان کر دیا۔ یہ کلمہ اظہار تعجب' اظہار عظمت وغیرہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خیال رہے: کہ **ما یکون لی** الخ پوشیدہ عبارت کی علت ہے وہ پوشیدہ عبارت ہی فرمان الٰہی کا جواب ہے [illegible] کیونکہ مجھے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا نہ دنیا میں مرتے وقت نہ آخرت میں **یکون** مضارع فرمانا ہمیشگی کے [illegible] عبارت کے دو تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ مجھے مناسب نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا میں مستحق نہیں ہوں [illegible] کو صفی اللہ' کلیم اللہ' نجی اللہ نہ کہا تو میں اپنے کو اللہ یا ابن اللہ کیسے کہہ سکتا ہوں میری زبان پر غیر موزوں لفظ کیسے آ سکتا ہے دوسرے یہ کہ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو حق نہ ہو محض باطل ہو کیونکہ تو نے مجھے نبی بنایا ہے نبی کی زبان پر ناحق بات نہیں آ سکتی جیسے آم کے درخت میں سنترہ نہیں لگ سکتا لہٰذا یہ جملہ نبی کی شان بیان فرما رہا ہے یعنی اے میرے مولیٰ تو شریک سے اولاد سے نااہلوں کو نبی بنانے سے پاک ہے میں نے یہ ان سے نہ کہا کیونکہ یہ کہنے کا مجھے نہ کبھی استحقاق تھا نہ ہے **ان کنت قلته فقد علمته** یہ اپنی اس عرض و معروض کی نہایت قوی دلیل بیان فرمائی اگر مگر کبھی تو شک کے لئے بولا جاتا ہے جیسے اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا تو رب مجھے بخش دے گا۔ کبھی ترغیب کے لئے جیسے اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر کبھی علامت کرم چاہنے یا بیان استحقاق کے لئے یہاں آخری دو مقصدوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ میرے خلاف مجھ پر الزام

لگانے والے تو لاکھوں یہ انسان ہیں ان کے مقابل میں اکیلا تجھ سے اپنی براءت ظاہر کر رہا ہوں تیرا علم میرے دعوے کی دلیل ہے یعنی مجھے یہ کہنے کی ہمت و جرات و استحقاق نہیں نہ میں نے یہ کہا اس کی دلیل خود تیرا اپنا علم ہے کہ تو علام الغیوب ہے اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا مگر مولیٰ تو تو جانتا ہی ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا سبحان اللہ کیسی پیاری دلیل ہے کہ خود تو اور تیرا علم میرے اس نہ کہنے کی دلیل ہے میرے مولیٰ تیرا علم میرا گواہ ہے۔ خود تو میری اور میری امت کا گواہ ہے۔ **تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔** یہ جملہ نیا ہے جو **فقد علمتہ** کی علت ہے **تعلم** سے دوام علم مراد ہے ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننا **ما** سے مراد علوم یا معلومات ہیں نفس کے گیارہ معنی ہیں۔ ذات روح' دل' خون' ارادہ' عین علم' حقیقت و ماہیت' غیب' سر' نفس بمعنی ذات رب تعالیٰ پر بولا جاتا ہے باقی دوسرے معانی سے اس ذات کریم پر نہیں بولا جاتا کہ وہ روح خون وغیرہ سے پاک ہے یہاں پہلے نفس سے ذات یا دل مراد ہے اور دوسرے **نفسک** سے صرف ذات یا علم مراد ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں نفس بمعنی ذات بہت جگہ رب تعالیٰ کے لئے ارشاد ہوا ہے **کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** اور **واصطنعتک لنفسی** اور **یحذرکم اللہ نفسہ** وغیرہ مگر **فی نفسی** میں **فی** ظرفیہ ہے کہ انسان کے علوم اس کی ذات یا اس کے دل میں ہوتے ہیں اور **فی نفسک** میں **فی** ظرفیہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علوم کا ظرف نہیں اس کا علم یا عین ذات ہے یا **لا عین ولا غیر** جیسا کہ منطق اور علم کلام جاننے والے پر ظاہر ہے صرف مشاکلت کی وجہ سے **فی** ارشاد ہوا اور **فی نفسک** سے اشارۃً فرمایا گیا کہ اپنے جو علوم تو نے ہم پر ظاہر نہیں فرمائے وہ میں نہیں جانتا اور جو اپنے علوم مجھ پر ظاہر فرما دیئے وہ میں تیری عطا سے ضرور جانتا ہوں اس جملہ کی تفسیر وہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمائی کہ **تعلم ما اعلم ولا اعلم ما تعلم** کہ جو میں جانتا ہوں وہ تو جانتا ہے کہ تیرے بتانے سے تو میں نے جانا ہے مگر جو تو جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا (تفسیر روح المعانی و خازن) **تعلم ما نفسی** الخ کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک کہ ہر قول و فعل کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے پھر اس کا خیال دماغ میں پھر اس کا قول یا عمل زبان یا اعضاء میں۔ مولیٰ تو جانتا ہے کہ میرے دل میں اس قول کا ارادہ ہی نہیں پیدا ہوا تو اس کا خیال یا قول کیسے ہو سکتا ہے جب کنوئیں میں ہی پانی نہ ہو تو گھڑے لوٹے اور گلاس میں کہاں سے آئے۔ دوسرے یہ کہ میرے مولیٰ تو نے اپنے بندوں کے دلوں میں مختلف تخم بوئے ہیں۔ کسی دل میں نبوت کا تخم ہے کسی میں ولایت کا کسی میں ایمان کا کسی میں طغیان کا جب تو نے میرے دل میں کفر و شرک کا تخم بویا نہیں اس میں تو نبوت و رسالت کا تخم بویا ہے تو اس سے کفر کا درخت کیسے پیدا ہو سکتا ہے **تعلم ما فی نفسی** نفسی زمین ہے۔ نبوت تخم ہے سبحان اللہ کیا پیاری عرض و معروض ہے یعنی میرے دل کی چھپی باتیں جو میں نے ظاہر نہ کیں تو جانتا ہے مگر تیرے علوم جو تو نے ظاہر نہ فرمائے وہ میں نہیں جانتا کیونکہ **انک انت علام الغیوب** یہ عبارت **تعلم ما فی نفسی** کی دلیل ہے یعنی تو **علام الغیوب** ہے میں **علام الغیوب** نہیں۔ خیال رہے کہ علام الغیوب حق تعالیٰ کے ان ناموں میں سے ایک نام ہے جو کسی بندے پر نہیں بولا جاتا کیونکہ الغیوب میں الف لام استغراق ہے اور علام مبالغہ کا صیغہ تو اس کے معنی ہوئے سارے غیبوں کا بہت ہی جاننے والا ہمیشہ سے جاننے والا ظاہر ہے کہ یہ صفت کسی بندے کی نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مقبولوں کو علم غیب دیا مگر ان کا علم رب تعالیٰ کے علم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے پھر ان کا علم حادث و فانی ہے۔ رب کا علم دائمی اور باقی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا وہ وقت بھی یاد کرو یا لوگوں سے اس کا تذکرہ فرماؤ۔ جب اللہ تعالیٰ

تمام انسانوں خصوصاً عیسائیوں کے سامنے انہیں شرمندہ فرمانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال فرمائے گا کہ جناب مریم کے فرزند عیسیٰ کیا ان لوگوں (عیسائیوں) سے دنیا میں تم نے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں مریم کو اللہ کے سوا لائق عبادت (معبود) مان لو یا آئندہ مان لینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب میں تین باتیں عرض کریں گے اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد پھر اپنا جواب دعویٰ جس سے نبی کا مقام اور نبی کی شان ظاہر ہو جاوے کہ نبی کوئی ناحق بات کہہ سکتے ہی نہیں ان کی زبان پر کوئی ناحق بات آسکتی ہی نہیں پھر اپنے جواب کے ثبوت میں رب تعالیٰ کے علم کی گواہی کہ تو خود ہی علام الغیوب ہے تیرا علم میرا گواہ ہے چنانچہ کہیں گے کہ میرے مولیٰ تو شریک ہمسر اور بے علمی وغیرہ سے پاک ہے جو اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے وہ لوگوں سے یہ بری باتیں کیسے کہہ سکتا ہے۔ میرے لائق یا میرا حق یہ کبھی ہوا ہی نہیں کہ میں لوگوں سے وہ بات کہوں۔ جس کا مجھے استحقاق نہیں۔ اے میرے مولیٰ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں سچ عرض کر رہا ہوں میرا گواہ تیرا علم محیط ہے اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھے معلوم ہی ہو گا۔ میرے دل و جان کی باتیں تو جانتا ہے تیرے علوم پر بغیر تیرے بتائے میں مطلع نہیں کیونکہ تو ہی علام الغیوب ہے تیرے سوا کوئی علام الغیوب نہیں اور تو جانتا ہے کہ یہ کچھ بھی میں نے نہیں کہا تو میں سچا ہوں کہ واقعی میں نے نہیں کہا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قیامت کے دن پچھلی امتیں اپنے نبیوں کی تعلیم کا ان کی تبلیغ کا انکار بھی کریں گی اور ان کی طرف غلط تعلیم کی نسبت بھی کر دے گی۔ دیکھو عیسائی وہاں بھی کہہ دیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سے خود فرمایا تھا کہ مجھے خدا یا خدا کا بیٹا مانو ان کی تردید کے لئے رب تعالیٰ ان کے ہاتھ پاؤں سے بھی گواہی لے گا یا خدا دوسرے ذریعوں سے بھی یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ کوئی کافر بے دین نہ تو آپ کی تبلیغ کا انکار کر سکے گا نہ کوئی غلط تعلیم آپ کی طرف نسبت کر سکے گا تاکہ یہ نوبت پیش آئے خود فرماتا ہے **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کیونکہ آپ سارے نبیوں کے گواہ ہیں اگر آپ کے خلاف کوئی قوم یہ حرکت کرے تو آپ کا گواہ کون ہو اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے بلکہ جو مشرکین اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر یا شاعر یا دیوانہ کہتے تھے جب قبروں میں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال ہو گا کہ تم انہیں کیا کہتے تھے تو وہاں یہ کچھ نہ کہہ سکیں گے بلکہ کہیں گے ہا ہا لا ادری ہائے ہائے مجھے خبر نہیں تاکہ قبر میں بھی کوئی آپ کے دامن پر کوئی داغ نہ لگا سکے۔ دوسرا فائدہ: حاکم اتمام حجت کے لئے ضابطہ کی کارروائی کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ خود حقیقت حال سے خبردار ہو دیکھو رب تعالیٰ علام الغیوب ہے سب کچھ جانتا ہے مگر پھر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جواب دعویٰ مانگے گا یہ تحقیق حاکم کی بے علمی کی دلیل نہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کے موقعہ پر جو تحقیقات فرمائی اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت نہیں ہو سکتی وہ ہم کو تعلیم دینے کے لئے ضابطہ کی کارروائی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرمایا کہ اگر تم سے کوئی قصور ہو گیا ہے تو توبہ کر لو یہ بھی ضابطہ کی کارروائی ہے تفتیش کے بغیر مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہونا چاہئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ سوال کہ اے عائشہ اگر تم نے کوئی گناہ کیا ہے تو توبہ کرو اگر یہ سوال آپ کی بے علمی کی دلیل ہے تو یہی سوال رب تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا بات یہ ہے کہ عدل اسی کا نام ہے عدالت کا یہی کام ہے یہ فائدہ انت قلت للناس سے حاصل۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کو جھوٹے الزام لگانا وہ جرم ہے جو کفر انسان کے سوا کوئی

مخلوق نہیں کرتی نہ جن نہ کوئی اور یہ فائدہ للناس فرمانے سے حاصل ہوا اگر انسان سیدھا رہے تو فرشتوں سے بڑھ کر کام کر لیتا ہے اگر ٹیڑھا چلے تو شیطان سے بدتر حرکت کر لیتا ہے۔ چوتھا فائدہ : بارگاہ الٰہی میں کچھ عرض و معروض کرنے سے پہلے اس کی حمد و ثناء کرنا سنت انبیاء ہے یہ فائدہ سبحنک فرمانے سے حاصل ہوا ہم بھی ایسی کرنی چاہئے جو اپنے مدعا کے موافق ہو لہٰذا دعا سے پہلے خدا تعالیٰ کی حمد ضرور کرنی چاہئے۔ پانچواں فائدہ : نبی کی زبان سے ناحق بات نہیں نکل سکتی ورنہ اسلام و ایمان کا نظام درہم برہم ہو جاوے گا وہ ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں وہ خود حق ہوتے ہیں ان کا ہر قول و فعل برحق ہوتا ہے۔ جیسے آم کے درخت سے سنترہ نہیں پیدا ہو سکتا یوں ہی نبی سے باطل قول سرزد نہیں ہوتا یہ فائدہ ما یکون لی ان اقول الخ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا یہ بات یقینی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان شریف سے کبھی بتوں کی تعریف نہیں نکلی سورہ نجم میں جو واقعہ مذکورہ ہے وہ شیطان کا تھا کہ اس نے بتوں کی تعریف کی تھی رب فرماتا ہے القی الشیطان فی امنیتہ چھٹا فائدہ : خدا تعالیٰ کے سوائے کوئی مخلوق علام الغیوب نہیں یعنی ہمیشہ سے سارے غیب جاننے والا صرف رب تعالیٰ ہے یہ فائدہ انک انت علام الغیوب سے حاصل ہوا۔ حضرات انبیاء کرام کے علوم غیبیہ علم الٰہی کے سمندر کا قطرہ ہیں اور تمام جہان کے علوم نبی کے علم کے سمندر کا قطرہ اور تمام نبیوں کے علوم ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سمندر کا قطرہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

معدن اسرار علام الغیوب برزخ بحرین امکان و وجوب

ساتواں فائدہ : قیامت میں سوال و جواب عوام سے تو ان کے اعمال کے متعلق ہوں گے اور حضرت انبیاء کرام سے ان کی امت کے متعلق یہ فائدہ انت قلت سے حاصل ہوا دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ حضرات انبیاء سے سوال ہو گا ما ذا اجبتم اس سے پتہ لگا کہ قیامت کے حساب میں بھی فرق ہے حضرات انبیاء کرام و دیگر لوگوں میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ حساب قبر حضرات انبیاء کرام سے بھی ہو گا مگر ان کا اپنا نہیں بلکہ ان کی امت کا کہ آپ سے انہوں نے کیا معاملہ کیا۔ آٹھواں فائدہ : اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں عیب نکالنا در حقیقت اللہ تعالیٰ کو عیب لگانا ہے کہ اس نے ایسے شخص کو منتخب فرمایا جو اس کا اہل نہیں یہ فائدہ سبحنک کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا آج جو کوئی حضرت جبریل یا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کو کسی قسم کا عیب لگائے وہ در پردہ رب تعالیٰ کے علم اس کی حکمت کا انکار کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو قرآن لانے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن لینے کے لئے حضرات صحابہ کو قرآن پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا اگر ان میں سے کسی میں کوئی عیب ہوتا تو یہ حضرات رب کے انتخاب میں نہ آتے۔

پہلا اعتراض : جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ غلط تعلیم کسی کو دی ہی نہیں تو قیامت میں ان سے یہ سوال کیوں فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ علیم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے قصور ہیں پھر انہیں مدعیان کے مقابل بلا نا ان سے یہ سوال فرماتا کیوں ہوا۔

جواب : اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس سوال کا مقصد صرف عیسائیوں کو شرمندہ اور لاجواب کرنا ہے۔ جو کہتے تھے کہ ہم کو تثلیث پرستی کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اس کا مقصد نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ پر عتاب یا شرمندہ کرنا نہیں ہے آج بھی بعض رعایا کے لوگ بڑے سے بڑے حاکم کے خلاف اگر دعویٰ کر دیں تو وہ جواب دعویٰ دیتے ہیں اس میں ان کی توہین نہیں بلکہ مدعی کی شرمندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا اعتراض : کوئی عیسائی حضرت مریم کو نہ تو خدا مانتا

ہے نہ ان کی پرستش کرتا ہے تثلیث والے عیسائی بھی باپ۔ بیٹا روح القدس کی الوہیت کے قائل ہیں۔ پھر یہ سوال کیونکر درست ہوا کہ وامی الھین جواب : عیسائیوں کے بہت فرقے ہیں ان میں ایک فرقہ جناب مریم کو خدا مانتا ہے جیسا کہ ہم ابھی تفسیر روح المعانی وغیرہ کے حوالہ سے تفسیر میں عرض کر چکے باقی عیسائی فرقے عملاً انہیں خدا بھی مانتے ہیں ان کی پرستش بھی کرتے ہیں میں نے خود گرجا میں جاکر دیکھا ہے کہ سامنے والی دیوار میں حضرت مسیح کی تصویر کے ساتھ قد آدم تصویر مریم بھی ہوتی ہے ادھر یہ لوگ دعا کے وقت جھکتے ہیں نیز جب انہوں نے جناب مریم کو خدا کی ماں مان لیا تو بدرجہ اولیٰ انہیں خدا مان لیا کہ خدا کی ماں خدا ہی ہونی چاہئے نیز جب حضرت مریم کو ان کی کرامات کا خالق مان لیا تو انہیں خدا مان لیا لہٰذا یہ سوال بالکل درست ہے۔ تیسرا اعتراض : یہاں فی نفسک میں اگر نفس سے مراد ذات بھی ہو تب بھی معنی درست نہیں ہوتے کیونکہ فی ظرفیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ظرف یا مظروف ہونے سے پاک ہے۔ جواب : عام مفسرین نے یہاں نفس کو بمعنی ذات لیا ہے وہ حضرات فی کو ظرفیہ نہیں مانتے وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ابھی فی نفسی میں فی آچکا ہے اس کی مناسبت سے یہاں بھی فی ارشاد ہوا جسے اصطلاح میں تشاکل کہا جاتا ہے جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ میں برائی کی سزا کو برائی کہا گیا یا جیسے مکروا ومکراللہ یا جیسے یخادعون اللہ وھو خادعھم میں بعض لوگ فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہاں نفس کا ترجمہ علم فرمایا اس ترجمہ پر کوئی اعتراض نہیں نفس کے گیارہ معنی ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کئے ایک معنی علم بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے معنی علم فرمائے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ ہی صدہا اعتراضات کو اٹھا دیتا ہے ترجمہ کیا ہے کرامت ہے غرضیکہ نفسی میں نفس سے مراد دل ہے اور نفسک میں نفس سے مراد علم ہے۔ آیات مذکورہ مکروا ومکراللہ وغیرہ میں بھی یہی توجیہ قوی ہے ہر چیز کے معنی منسوب الیہ کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ آنکھ بیٹھ گئی دیوار بیٹھ گئی گولی نشانہ پر بیٹھ گئی۔ دکان بیٹھ گئی۔ ان سب میں بیٹھنے کے معنی جدا گانہ ہیں یہ قاعدہ خوب یاد رکھو۔

تفسیر صوفیانہ : قیامت میں سچوں کو ان کا صدق کام دے گا اور مخلصوں کو ان کا اخلاص جھوٹوں اور ریا کاروں کو جھوٹ وریا کاری نقصان ہی دے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سچے ہیں ان کی تمام گفتگو سچی ان کا سچ ان کی محبوبیت کے ظہور کا ذریعہ بنے گا کفار عیسائی جھوٹے ان کے کلام و کام سب جھوٹے ان لوگوں کو اس سے اور زیادہ روسیاہی نصیب ہوگی۔ رب تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال سچ و جھوٹ کی کسوٹی کے طور پر ہوگا اس لئے انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ کام۔ کلام۔ قلب و قالب کا سچا رہے سچا جئے سچا ہو کر مرے سچا ہو کر سچوں کی جماعت میں اٹھے۔ حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قیامت میں گنہگاروں کو بھی خوف ہوگا اور حضرت انبیاء کرام سے ان کی امت کا کہ انہوں نے ان حضرات کے ساتھ برتاؤ کیا مگر ایک قول میں ہے حضرات اولیاء اللہ کو نہ خوف جان نہ ان سے اپنا حساب نہ دوسروں کا اس لئے ارشاد ہوا الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اس آیت میں اولیاء ارشاد ہوا انبیاء اللہ نہ فرمایا گیا یہ ہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے اولیاء پر بنی اسرائیل کے انبیاء رشک کریں گے یہ رشک اسی بے خوفی اور آزادی کا ہوگا جیسے بادشاہ کسی بے فکر غریب کی زندگی پر رشک کرے دیکھو حضرت مسیح روح اللہ کلمۃ اللہ جیسی ہستی سے ان کی امت کے متعلق یہ سوال و جواب ہی بن گئے مگر اولیاء اللہ سے یہ کچھ نہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے عالم اجسام میں لاکھوں آفتیں ہیں اور ہر قسم کی آفت

کے لئے علیحدہ پناہ ہے۔ دھوپ سے پناہ چھتری یا درخت کا سایہ بارش سے بچاؤ چھت یا چھتری بھوک سے پناہ روٹی کی دوکان پیاس سے پناہ کنواں بیماری سے پناہ طبیب کی دوکان۔ ظلم سے پناہ حاکم کا دربار اسی طرح عالم ارواح میں صدہا آفتیں ہیں ہمارے جرم و قصور۔ دنیاوی آفات جو دل کو بے چین کردیں۔ سب آفتیں ہیں ان کی پناہ اللہ کا ذکر۔ اللہ کی رحمت اللہ کے محبوب کا دامن کرم ہے فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** اور فرماتا ہے **ففروا الی اللہ** اور فرماتا ہے **ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** اس دن حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عیسائی آفت میں ڈالنا چاہیں گے تو حضرت مسیح اللہ کے علم کی پناہ لیں گے کہ عرض کریں گے **ان کنت قلتہ فقد علمتہ** اس آیت نے ہم کو پناہ لینے کا طریقہ سکھایا ہے سب چیزیں انسان دنیا میں آکر سیکھتا ہے مگر پناہ لینے کا طریقہ ماں کے پیٹ سے سیکھ کر آتا ہے کہ ہر مصیبت میں رو رو کر ماں پکارتا ہے۔ روتا ہے ہم کو چاہئے کہ جوان ہو کر سبق نہ بھول جائیں ہر وقت رو رو کر رب کی پناہ میں آجایا کریں۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ
نہ کہا میں نے واسطے انکے مگر وہ جو حکم دیا تو نے مجھے اس کا یہ کہ پوجو اللہ کو میرے اور اپنے رب کو
میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا
وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ
اور تھا میں اوپر انکے ذمہ دار جب تک رہا میں بیچ ان کے پھر جب تو نے پورا لے لیا مجھ کو تو تھا تو ہی
بھی رب اور میں ان پر مطلع تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ
عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ
نگران اوپر ان کے اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے اگر عذاب دے تو انہیں تو بے شک وہ بندے ہیں
رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے
وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾
تیرے اور اگر بخش دے تو ان کو تو بے بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے۔
ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا

تعلق: ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ بیان نقل فرمایا جو آپ اپنی برآت میں دیں گے۔ اب آپ کے اس بیان کا ذکر ہو رہا ہے جو آپ عیسائیوں کے دعوے کے جواب میں دیں گے گویا الزام کی تردید کے بعد آپ کے جوابی دعویٰ کا ذکر ہے کہ میں نے ان لوگوں کو وہ نہ کہا تھا یہ کہا

تھا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برآت کی ایک دلیل کا ذکر تھا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اب آپ کی برآت کی دوسری دلیل ہے اللہ کا امر یعنی میں نے ان سے وہ سب نہ کہا کیونکہ تو خود جانتا ہے اور میں نے ان سے وہ نہ کہا کیونکہ تو نے مجھے اس کہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس کے خلاف حکم دیا تھا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برآت کا ذکر تھا اب ان کی ذمہ داری ختم ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں جناب مسیح کی برآت کا ذکر تھا اب آپ کی بیزاری کا ذکر ہے جو آپ اپنی اس قوم سے فرمائیں گے **ان تعذبهم** الخ۔

تفسیر: **ما قلت لهم الا ما امرتني به**۔ یہ جملہ نیا ہے اور یہاں حصر اضافی ہے یعنی میں نے ان لوگوں کو شرک کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف توحید و ایمان ہی کی ہدایت کی یہ مطلب نہیں کہ سوا اس قول کے ان سے اور کوئی کلام ہی نہیں کیا آپ نے ہر قسم کی تبلیغ فرمائی ایمان کی بھی اعمال کی بھی قول سے مراد بعد ظہور نبوت کے فرمان ہیں کیونکہ نبی تبلیغ فرماتے ہیں بعد نبوت ماں کی گود میں جو آپ نے کلام فرمایا وہ تبلیغی کلام نہ تھا بلکہ اپنی شان اپنی والدہ کی برآت بیان فرمانے کے لئے تھا۔ خیال رہے کہ آپ نے اپنے لئے قول فرمایا اور رب تعالیٰ کے لئے امر اس میں انتہائی ادب کا اظہار ہے تاکہ بندہ اور رب کے لئے ایک سا لفظ استعمال نہ ہو ورنہ آپ نے اپنی قوم کو سخت تاکیدی حکم دیا تھا۔ اس طرح کا ادب بزرگوں سے بہت ثابت ہے۔ حضرت عباس نے ایک شخص کو جواب دیا کہ **انا اسن وهو اكبر** بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ عمر میری زیادہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **واذا مرضت فهو يشفين** جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ حضرت خضر نے فرمایا **فاردت ان اعيبها** میں نے چاہا کہ میں کشتی کو عیب دار کر دوں غرضیکہ معمولی چیزوں کو اپنی طرف نسبت کرنا بڑی چیز کو رب کی طرف نسبت کرنا سنت انبیاء کرام ہے۔ یہاں **ما** سے مراد قول ہے یعنی میں نے ان لوگوں سے صرف وہی کہا۔ جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام اور سارے نبیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم تو میثاق کے دن دیا تھا **واذ اخذ الله ميثاق النبيين** الخ اور خود ان کو عبادت کرنے کا حکم ان کے دنیا میں آتے ہی دیا گیا کہ جناب مسیح نے ماں کی گود میں فرمایا **واوصاني بالصلوة والزكوة** الخ حضرت ابراہیم نے ہوش سنبھالتے ہی توحید کے دلائل قائم کئے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن سے ہی عبادات کیں مگر تبلیغ کا حکم ظہور نبوت کے بعد دیا گیا یہ تیسرا حکم مراد ہے جو ظہور نبوت کے بعد دیا گیا۔ **ان اعبدوا الله ربي وربكم** یہ عبارت **به** کی ضمیر کی تفسیر ہے پہلی صورت میں یہ فرمان الہی ہو گا جو عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا کہ تم یہ کہو دوسری صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان جو آپ نے اپنی قوم سے کیا۔ آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دین میں عبادت کا حکم رہا کیونکہ عبادت انسان کی زندگی کا مقصد ہے اس کے بغیر انسان کی زندگی بیکار ہے مگر ہر دین میں عبادت کے طریقے مختلف رہے جیسے انسان بچپن سے مرنے تک رزق کا حاجتمند ہے مگر بچپن میں ماں کا دودھ رزق ہے۔ جوانی میں روٹی چاول بیماری میں غذا اور ہے تندرستی میں اور دین عیسوی میں ترک دنیا بڑی عبادت تھی ہمارے دین میں دنیا کو دین بنانا بڑی عبادت ہے لہذا یہ فرمان بالکل صحیح ہے عبادت صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ اتباع صرف رسول کی اطاعت اللہ کی بھی رسول کی بھی اسی لئے یہاں صرف اللہ کا ذکر ہے۔ یہاں عبادت سے مراد یا تو دلی و اعتقادی عبادت ہے یعنی ایمان قبول کرنا یا بدنی عبادت اطاعت احکام مراد ہے پہلی صورت میں یہ کفار نصرانیوں سے خطاب

ہے۔ دوسری صورت میں مومن عیسائیوں سے اور ہو سکتا ہے کہ کفار ہی سے خطاب ہو اور معنی یہ ہوں کہ ایمان لاکر عبادت کرو جیسے بے وضو سے کہا جاوے کہ نماز پڑھ یعنی وضو کرکے نماز پڑھ لہذا آیت واضح ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عبادت سے مراد ہر قسم کی عبادت ہو دلی عبادت یعنی درستی عقائد 'بدنی عبادت مالی عبادت تو یہ فرمان بہت جامع ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے میری امت تم ہر حال ہر کام میں عبادت ہی کرو یعنی ایسی زندگی گزارو کہ تمہارا کھانا پینا چلنا پھرنا سب کچھ عبادت ہی ہو اپنی عادات کو بھی عبادات بنالو تو یہ فرمان نہایت ہی عارفانہ ہو گا۔ **ربی** فرماکر اشارۃً بتایا کہ تمہارا رب میں نہیں ہوں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ بندہ ہوں چونکہ ربوبیت الٰہی کے مظہر اتم آپ ہیں اس لئے **ربی** پہلے فرمایا اور **ربکم** بعد میں آپ ربوبیت الٰہی کے وسیلہء عظمیٰ ہیں کہ رب کی ربوبیت آپ کے ذریعہ بندوں پر ظاہر ہوتی ہے کہ ایمان تقویٰ پیغمبر کے ذریعہ بندوں کو ملتے ہیں یعنی میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم سب اس رب کی عبادت کرو یا اس کی الوہیت پر ایمان لاؤ جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اللہ کے ساتھ **ربی و ربکم** فرمانے میں چند باتیں ظاہر فرمائی گئیں۔ (1) میں اللہ یا اللہ کا بیٹا یا اللہ کا شریک نہیں خالص پروردہ بندہ ہوں (2) اللہ کی ربوبیت کا پہلا فیض مجھ کو ملا میرے واسطہء سے تم کو ملا میں رب اور تمہارے درمیان واسطہ عظمیٰ ہوں (3) رب تعالیٰ کو میری معرفت جانو اللہ وہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کا رب ہے تو تم مومن بنو گے اگر میرا انکار کرکے تم نے اور ذریعوں سے رب کو مانا تو کافر رہو گے۔ (4) حقیقی پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو سب کو ہمیشہ بغیر لالچ کے پالتا ہے۔ بعض بندے بعض کے مربی ہوتے ہیں مگر چند روزہ مربی وہ بھی کسی غرض سے **وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم** اس کلام کا مقصد اپنے بری الذمہ ہونے کا اظہار ہے کیونکہ کسی عیسائی نے آپ کو آسمان پر جانے پر پہلے نہ خدا کہا نہ خدا کا بیٹا نہ آپ کی عبادت کی۔ یہ ساری حرکتیں آپ کے رفع آسمانی کے بعد ہوئیں۔ جب کہ آپ کی ذمہ داری ختم ہو چکی تھی اگر آپ کی موجودگی میں لوگ آپ کو یہ کچھ کہتے اور آپ منع نہ فرماتے۔ تب آپ پر الزام آتا یہاں **شھید** بمعنی نگران محافظ و ذمہ دار ہے۔ اس لئے علی ارشاد ہوا بمعنی گواہ نہیں ہو سکتا **ما دمت فیھم** فرمایا **ما کنت حیا** نہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ان کی یہ بدعقیدگیاں میری حیات میں ہی ہوئیں مگر جب کہ میں ان میں مقیم نہ تھا میرا قیام آسمان پر تھا یہ نکتہ خیال رہے آپ کے نزول آسمان کے بعد وفات سے پہلے کوئی عیسائی دنیا میں رہے گا ہی نہیں یا مسلمان ہو جائیں گے یا قتل یعنی جب تک میں زمین پر ان لوگوں میں مقیم رہا۔ میں نے ان کے حالات عقائد اعمال کی خبر رکھی ان کی نگرانی کرتا رہا اور انہیں بگڑنے نہ دیا میری موجودگی میں صلیب پرستی تثلیث وغیرہ کچھ نہ کر سکے **فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم** اس فرمان کا مقصد رفع آسمانی کے بعد اپنی ذمہ داری ختم ہو جانے کا ظاہر فرمانا ہے۔ یہاں **توفی** سے مراد موت نہیں بلکہ لے لینا اٹھا لینا ہے۔ جیسے قرض ادا کرنے کو وفاء دین اور وعدہ پورا کرنے کو وفاء عہد کہا جاتا ہے **رقیب** کے معنی نگران محافظ ہیں اور یہ جملہ حصر کے لئے ہے یعنی جب تو نے مجھے پورا پورا لے لیا آسمان پر اٹھا لیا تو پھر میں نگران نہ رہا صرف تو ہی ان کے اعمال و احوال کا نگران رہا میری ذمہ داری ختم ہو چکی آیت کے معنی یہ نہیں کہ میرے بعد تو حافظ و نگران ہوا میری موجودگی میں تو حافظ نہ تھا۔ لہذا آیت صاف ہے شہید اور رقیب قریباً" ہم معنی ہیں نگران میں کبھی فرق یہ کیا جاتا ہے کہ **شھید** وہ جو لوگوں کو دیکھے اور لوگ اسے دیکھیں مگر رقیب وہ کہ وہ تو لوگوں کو دیکھے مگر لوگ اسے نہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کا تبین فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید** چونکہ اس زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام ظاہر تھے کہ لوگ انہیں دیکھتے تھے۔ رب تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے مگر اسے کوئی

نہیں دیکھتا اس لئے حضرت مسیح کو شہید اور رب تعالیٰ کو رقیب کہنا بہت ہی موزوں ہے یہ فرق دائمی نہیں کبھی اس کے خلاف بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ کو شاہد و شہید کہتے ہیں **وانت علی کل شی شھید** یہ عبارت تتمہ ہے **کنت انت الرقیب** کا ہم نے پانچویں پارہ میں عرض کیا ہے کہ شہید یا ہے شہادت بمعنی گواہی سے یا ہے شہود بمعنی حضور سے یا ہے مشاہد سے یہاں شہود بمعنی حضور سے ہے لہذا شہید کے معنی ہوئے حاضر معنی یہ ہوئے کہ اے مولیٰ تو ہر چیز پر حاضر ہے اللہ تعالیٰ حاضر و غائب ہونے سے پاک ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہر چیز تیرے حضور حاضر رہیں انقلاب میرے حضور میں ہے نہ کہ تیرے حضور میں **ان تعذبھم فانھم عبادک**۔ جناب مسیح اپنی معذرت کے بعد ان شکایت کرنے والے عیسائیوں کا معاملہ ہے رب تعالیٰ کے سپرد فرما رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تو ان لوگوں کو مجھ پر بہتان باندھنے یا دوسرے جرموں کی سزا دے تو نہ تجھ پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے نہ کوئی انہیں تجھ سے جبراً "چھوڑا سکتا ہے کیونکہ یہ تیرے بندے ہیں تو مالک مطلق ہے لہذا ان تعذ بھم کی جزا پوشیدہ ہے اور **فانھم** الخ اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے لہذا ف تعلیلیہ ہے **وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم** اس جملہ میں بھی ان شرطیہ کی جزاء پوشیدہ ہے اور **فانک** اس پوشیدہ جزا کی علت ہے۔ **ف** تعلیلیہ ہے **تغفر غفر** سے بنا ہے بمعنی چھپانا یہاں بمعنی بخش دینا ہے اور بخشنے نہ کہ کفر و شرک بخشنا کافر کا کفر نا قابل معافی جرم ہے۔ دوسرے جرموں کی بخشش ہو سکتی ہے۔ جس سے اس کا عذاب ہلکا ہو جاوے چنانچہ بعض کفار کا عذاب اس لئے ہلکا ہو گا کہ انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے جیسے نوشیروان یا حاتم طائی یا روئے سخن مومن عیسائیوں کی طرف ہے کہ اگر تو ان مومن عیسائیوں کے گناہ بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا کہ تو غالب بھی ہے جو چاہے کرے حکمت والا بھی ہے کہ تیرے ہر کام میں حکمت ہے غرضیکہ اس عرض و معروض کا مقصد کفار کی شفاعت فرمانا ان کا کفر بخشوانا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ کفار عیسائیوں کے کفر کی بخشش ہی مراد ہو اور مقصد یہ ہو کہ اگر تو ان کافروں مشرکوں کو بھی بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا۔ اسی صورت میں یہ عرض و معروض شفاعت نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا ہے جیسے حضرت عبداللہ ابن عمر کا فرمان ہے کہ اگر رب تعالیٰ سب کو دوزخ میں بھیج دے تو اس کا عدل ہے اگر سارے بندوں کو جنت دیدے تو اس کا رحم ہے وہاں بھی رب تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے نہ کہ مقبولوں کے عذاب یا مردودوں کے ثواب کا امکان بیان فرمانا۔

نوٹ: اس جملہ کو مفسرین نے مشکل ترین سمجھا ہے کیونکہ بظاہر اس میں کفار کی شفاعت فرمانے کا شبہ ہوتا ہے حالانکہ کفار کے کفر کی بخشش نہیں ہو گی ان کی شفاعت ممنوع ہے پھر حضرت مسیح نے شفاعت کیوں فرمائی اس لئے اس کی بہت توجیہیں کی ہیں۔ فقیر نے جو توجیہ کی ہے اس سے آیت کریمہ واضح ہو جاتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کا یہ سوال و جواب حضرت مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ہو چکا اور اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ اگر تو اب ان عیسائیوں کو توفیق ایمان دے کر انہیں مومن بناوے انہیں بخش دے تو تیری مہربانی ہے مگر یہ توجیہ بہت ہی ضعیف ہے اگلی آیت کے بالکل خلاف ہے۔

خلاصہ تفسیر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ کے سوال کا جواب دیکر اپنی معذرت پیش فرما کر عرض کریں گے کہ میرے مولیٰ میں نے ان لوگوں سے صرف وہی کہا تھا جو کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کے بندو اللہ پر ایمان لاؤ اس کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب میں رب نہیں بلکہ اللہ کا پروردہ بندہ ہوں اے مولیٰ جب تک میں ان لوگوں میں رہا تب تک تو

ان کے عقائد ان کے اعمال کی نگرانی کرتا رہا انہیں بگڑنے سے حتی الامکان بچاتا رہا میری موجودگی میں نے یہ لوگ مجھے اللہ کہہ سکے نہ میری عبادت کر سکے جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا پھر میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ پھر وہ تیرے حوالہ ہوئے ان کے افعال اعمال عقائد کا حافظ نگران تو رہا تو ہر چیز پر ہمیشہ سے نگران ہے میری موجودگی میں اور میری پس پشت ہر چیز تیرے حضور حاضر ہے اے میرے مولیٰ جن لوگوں نے مجھے غلط تبلیغ کا الزام لگایا اگر تو انہیں اس جرم یا دیگر برے اعمال کی سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں تجھ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا تجھ سے ان کو کوئی چھڑا نہیں سکتا اور اگر تو ان کا یہ جرم اور دوسرے برے اعمال بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ تو سب پر غالب ہے اور تیرے ہر کام میں حکمت ہے تجھ پر اعتراض کرنے کی کس میں جرات ہے اب ان کا معاملہ تیرے حوالے ہے۔

روایت: مسلم شریف اور ابن ابی الدنیا نے باب حسن الظن میں اور بیہقی نے باب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ **رب انھن اضللن کثیرا** اور یہی آیت **ان تعذبھم** تلاوت کی تو اپنے ہاتھ شریف دعا کے لئے اٹھائے اور بہت رو رو کر عرض کیا **اللھم امتی امتی**۔ جبریل امین حاضر ہوئے اور پیغام الٰہی پہنچایا کہ اے محبوب ہم تمہاری امت کے متعلق تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیں گے تم کو غمگین نہ ہونے دیں گے۔ احمد نسائی بیہقی نے بروایت ابوذر غفاری روایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب نماز پڑھی اس میں یہی آیت **ان تعذبھم** الخ بار بار پڑھتے رہے حتی کہ سویرا ہو گیا صبح کو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج حضور نے صبح تک یہ آیت کیوں تلاوت کی فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے شفاعت کی اجازت لے لی مجھے اجازت مل گئی انشاءاللہ میری شفاعت ہر امتی کو پہنچے گی جو کفر نہ کرے (روح المعانی)۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پیغمبر کا قول و فعل رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے حکم سے ہوتا ہے ان کی تبلیغ رب تعالیٰ کے حکم سے ہے ہم لوگوں کی تبلیغ پیغمبر کے حکم سے اس لئے وہ حضرات رسول ہیں۔ دوسرے لوگ رسول نہیں اگرچہ وہ بھی تبلیغ کرتے ہیں اور سارے وہی کام کرتے ہیں جو رسول نے کئے یہ فائدہ **الا ما امرتنی بہ** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: پیغمبر کی تبلیغ میں غلطی نہیں ہو سکتی کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے ہماری تبلیغ میں غلطی ہو سکتی ہے ہمارے فیصلے ہمارے فتوے غلط ہو سکتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم سے نہیں ان کے ذمہ دار ہم خود ہیں نبی کی تبلیغ کا ذمہ خود رب تعالیٰ کے کرم پر ہے یہ فائدہ بھی **الا ما امرتنی بہ** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: ربوبیت کا مظہر اتم حضرات انبیاء کرام ہیں ہم لوگوں کو رب تعالیٰ کی ربوبیت روحانی کا فیض بواسطہ پیغمبر پہنچتا ہے کہ رب کی نعمتیں ان کے ہاتھوں ان کے وسیلہ سے ملتی ہیں یہ فائدہ **ربی** پہلے فرمانے سے حاصل ہوا کہ فرمایا **ربی و ربکم** جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ چوتھا فائدہ: حضرات انبیاء کرام اپنی امت کے سارے اعمال' افعال' احوال' اقوال پر مطلع و خبردار ہوتے ہیں ان کے نگران ہوتے ہیں یہ فائدہ **کنت علیھم شھیدا** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ جناب مسیح فرماتے ہیں **وانبئکم بما تاکلون و ما تدخرون فی بیوتکم** جو کچھ تم اپنے گھروں کی کوٹھڑیوں میں کھاتے بچاتے ہو میں تم کو اس کی خبر دے سکتا ہوں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر قیام فرما کر فرمایا کہ یہ چغل خور تھا اور یہ لوٹ کے

پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا اس لئے ان دونوں پر عذاب قبر ہو رہا ہے' فرمایا حضرت عمر کی نیکیاں آسمان کے تاروں جتنی ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** گزشتہ انبیاء کرام کی قومیں ان کے پردہ فرمانے کے بعد بگڑیں ان کے زمانہ میں نہ ان حضرات کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ سکیں نہ ان کے عبادت کر سکیں یہ فائدہ بھی **کنت علیھم شھیدا** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ لہٰذا وہ حضرات معبودین باطلہ میں داخل نہیں اور جو آیات جھوٹے معبودوں کے برائیوں میں آئی ہیں وہ حضرات انبیاء کرام پر چسپاں نہیں ہو سکتیں اس سے موجودہ وہابی عبرت پکڑیں جو ان حضرات کو بتوں کی برابر کر دیتے ہیں پناہ بخدا۔ **چھٹا فائدہ** انبیاء کرام کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اگر ان کی ساری قوم گمراہ ہو جاوے تو وہ ذمہ دار نہیں یہ فائدہ **فلما توفیتنی** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت ہی حلیم الطبع جمالی رسول ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھو جناب خلیل فرماتے ہیں کہ جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو غفور رحیم ہے یعنی نافرمانوں کے لئے بھی بددعا نہیں فرماتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نافرمان عیسائیوں کے لئے بددعا نہیں فرماتے۔ حضرت نوح و موسیٰ علیہ السلام جلال والے پیغمبر ہیں کہ نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔** خدایا کسی کافر گھر والے کو نہ چھوڑ سب کو فنا کر دے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے متعلق فرمایا کہ **واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم۔** خدایا ان کے دل سخت کر دے کہ بغیر دردناک عذاب دیکھے ایمان ہی نہ لائیں عذاب دیکھ کر ایمان لاویں جو قبول نہ ہو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات ذوالجلال ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** کفار کے لئے نہ مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے نہ ان کی سفارش و شفاعت درست نہ انہیں مغفور کہنا جائز نہ انہیں ثواب بخشا درست یہ فائدہ **وان تغفرلھم** الخ سے حاصل ہوا کہ جناب مسیح نے ان کی بخشش کی دعا نہ کی بلکہ انہیں رب تعالیٰ کے حوالہ کیا اسی لئے آخر میں غفور رحیم نہ کہا بلکہ العزیز الحکیم کہا (تفسیر کبیر)۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اس دنیا سے پردہ فرما جانے پر اس جہان سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں انہیں کسی کے متعلق کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی دیکھو جناب مسیح نے فرمایا **وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم** مگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی بعد وفات بھی امت کے حالات سے خبردار رہتے ہیں۔ اصحاب کہف جو اولیاء اللہ ہیں انہیں سوتے ہوئے پتہ نہ لگا کہ ہم تین سو سال سوئے رہے کہا کہ ہم شاید دن بھر سوئے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو برس بعد زندہ ہونے پر پتہ نہ چلا کہ ہم سو برس وفات یافتہ رہے۔ بلکہ فرمایا **قال لبثت یوما او بعض یوم** معلوم ہوا کہ نبی سوتے ہیں اور یہاں سے پردہ فرما جانے پر اور وفات کے بعد اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں (وہابی) **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی مدلل جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں مطالعہ کرو یہاں اتنا سمجھ لو کہ الحمد للہ معترض نے یہ تو مان لیا کہ حضرات انبیاء کرام اپنی زندگی میں لوگ کے حالات سے خبردار ہوتے ہیں یہ بھی ان کے عقیدے کے خلاف ہے ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبی کو اپنی زندگی میں دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں ہوتی۔ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں **شھید** بمعنی مطلع و خبردار یا گواہ نہیں ورنہ **علیھم** کے خلاف ہوگا بلکہ بمعنی ذمہ دار و نگراں ہے۔ یہاں علم نبی کا ذکر نہیں نبی کی ذمہ داری کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق ہم بہت کچھ پارہ **سیقول ویکون الرسول علیکم شھیدا** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ حضرت عزیر و اصحاب کہف کے متعلق ہم تیسرے پارہ کی تفسیر میں زیر آیت **لبثت یوما او بعض یوم** کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ رب تعالیٰ نے ان

حضرات کو اس عالم سے بے خبر کر دیا تھا تاکہ ان کے معجزات و کرامات کا ظہور ہو جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو تعریس کی رات اس طرف سے بے توجہ کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نماز فجر قضا ہو گئی اگرچہ حضرات بعد پردہ فرمانے کے اس طرف سے بے خبر ہو جاتے ہیں تو شب معراج میں سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے پیچھے نماز پڑھنے بیت المقدس میں کیوں جمع ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے آخری حج حجتہ الوداع میں حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام حج کرنے کیسے تشریف لے آئے انہوں نے احرام کیسے باندھ لئے انہیں کیا خبر کہ آج معراج کی رات ہے یا حجتہ الوداع کا دن ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہو رہا ہے کہ وفات یافتہ نبی ولی زندہ مقبول بندوں سے ملاقات کرتے ان سے سلام و کلام کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الھتہ یعبدون** اے محبوب اپنے سے پہلے والے نبیوں سے پوچھ لو کہ کیا ہم نے اللہ کے سواء اور معبود بنائے جن کی عبادت کی جائے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حافظ و رقیب ہوا تو کیا ان کی موجودگی میں رب تعالیٰ نہ رقیب تھا نہ حافظ اس کی صفات ازلی ابدی ہیں دیکھو۔ یہاں فرمایا گیا **توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم** **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس عرض و معروض کا مقصد یہ ہے کہ میرے اٹھ جانے کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ صرف تیری ذمہ داری رہ گئی اس لئے **کنت انت الرقیب** حصر کے ساتھ فرمایا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی شفاعت جائز ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے کفار عیسائیوں کے متعلق فرمایا **وان تغفر لھم** الخ۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس عرض و معروض کا مقصد شفاعت کفار نہیں۔ اس کے مقصد تین ہو سکتے ہیں۔ دیکھو تفسیر۔ **چوتھا اعتراض:** اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام ان کفار کی شفاعت کے لئے ہو تو سوال یہ ہے کہ آپ کی یہ عرض قبول ہوئی یا نہیں اگر قبول ہوئی تو کفار کی بخشش ماننی پڑے گی اور اگر قبول نہیں ہوئی تو نبی مقبول الدعا نہ رہے۔ **جواب:** آپ کا یہ کلام اگر شفاعت کے لئے ہے تو آپ کی شفاعت رد نہ ہوئی بلکہ ان کفار کو مفید نہ ہوئی۔ ان کا کوئی گناہ معاف نہ ہوا کیونکہ آگے فرمایا جا رہا ہے **ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم** یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا اور اے عیسیٰ یہ مردود ہیں جھوٹے ہیں ایسے جھوٹے کہ دنیا میں رہے تو جھوٹے ہو کر اور آج میری بارگاہ میں تمہارے سامنے جھوٹ بولے لہذا آپ کی اس سفارش سے انہیں نفع نہیں ہو گا۔ ان کا کوئی گناہ معاف نہیں ہو گا۔ یہاں تو مقدمہ کا ذکر ہے فیصلہ تو آگے سنایا جا رہا ہے۔ لہذا آیت واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ جملہ عزیز حکیم پر کیوں ختم فرمایا چاہئے تھا کہ غفور رحیم پر ختم فرماتے کیونکہ مغفرت کے ذکر کے بعد غفور رحیم کہنا بہتر تھا جیسی دعا ویسا رب کا نام۔ **جواب:** اس کا جواب بھی ابھی بحوالہ تفسیر کبیر گزر گیا کہ چونکہ آپ ان کفار کی بخشش کی شفاعت نہیں فرما رہے ہیں بلکہ رب تعالیٰ کے کمال قدرت و حکمت کا ذکر کر کے اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اگر تو انہیں بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ تو سب سے غالب ہے اور حکمت والا ہے مغلوب کو کوئی غالب روک سکتا ہے بذریعہ طاقت اور بے علم کو کوئی عالم روک سکتا ہے سمجھا بجھا کر اس کے فائدہ حکمت دکھا کر جو رب غالب بھی ہو حکیم بھی وہاں روکنے کا سوال ہی نہیں لہذا یہاں عزیز حکیم فرمانا نہایت موزوں اور مناسب ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے قریباً" ہر چیز میں ظاہر بھی رکھا ہے جو محسوس ہوتا ہے اور باطن بھی جو محسوس نہیں ہوتا عقل یا نقل سے معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو ہمارا جسم ظاہر ہے مگر روح باطن درخت کی شاخیں پھل پھول ظاہر ہے جڑ کلوہ اندرونی رس جو ہر چیز کو پہنچتا ہے وہ باطن ظاہری زمین جو محسوس ہوتی ہے وہ ظاہر ہے اس کے اندر جو تیل کے چشمے سونے چاندی کی کانیں ہیں وہ باطن یوں ہی عالم روحانیات میں ہر شی کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اس باطن پر مدار ایمان ہوتا ہے نماز کے ارکان شرعیہ اس کا ظاہر ہے جس سے نماز ہوتی ہے اس کا خشوع و خضوع' اخلاص وغیرہ باطن ہے۔ جس سے نماز قبول ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کا بھی ایک ظاہر ہے ایک باطن ان کی بشریت عبدیت یہ ان کا ظاہر ہے مگر ان کی رسالت نبوت محبوبیت قرب الٰہی یہ باطن ہے اس آیت کریمہ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ظاہر کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اپنے باطن کا بھی ان اعبد وا اللہ میں اپنے ظاہر کی طرف اشارہ ہے کہ میں رب کی طرف سے مبلغ ہوں اور ربی و ربکم میں اپنے باطن کا ذکر فرمایا کہ میرا وہ درجہ ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا حصہ میرے واسطہ سے ملاوہ میرا رب ہے پھر میرے واسطے سے تمہارا رب کہ تمہاری روحانی میرے ذریعے سے فرماتا ہے تم کو ایمان 'ایقان' انجیل شریف وغیرہ میرے ذریعہ ملی جیسے درخت کی جڑ ہر وقت درخت کو فیض دیتی ہے۔ یوں ہی نبی کا فیض ہر وقت امت کو پہنچتا ہے۔ پتے شاخیں وغیرہ جڑ سے بے نیاز ہو کر کھاد ہوا پانی دھوپ وغیرہ سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ یوں ہی امت نبی سے مستغنی ہو کر اعمال وغیرہ سے روحانی زندگی حاصل نہیں کر سکتی اس لئے فرمایا کنت شھید ا الخ۔ جب تک میں ان کے دل و جان و ایمان میں جلوہ گر رہا یہ مومن رہے جب انہوں نے مجھے اپنے دلوں اپنے ایمانوں سے نکال دیا اور وہ محض تیرے بندے رہے میرے امتی نہ رہے گمراہ ہو گئے اللہ کا بندہ اس کی مخلوق ہونا کمال نہیں اللہ کا بندہ تو ابلیس بھی ہے۔ نبی کا امتی ہونا کمال ہے اس سے ایمان عرفان وغیرہ سب کچھ نصیب ہوتے ہیں۔ جب تک عیسائی حضرت مسیح کے سچے امتی رہے تو ان میں اولیاء صالحین رہے جب اپنی بد عقیدگیوں کی وجہ سے ان کے امتی نہ رہے تو نرے مشرک و کافر ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ الصلوۃ و السلام ایسے رحمت والے جمال والے رسول ہیں کہ اپنی شکایت کرنے والوں کی بھی شکایت نہیں فرماتے بلکہ تاحد جواز شفاعت ہی فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ ہم مسلمانوں کے لئے بہت نصیحت کا ذخیرہ ہے۔ اس میں شریعت' طریقت' حقیقت معرفت کے بہت سبق موجود ہیں۔ خیال رہے: کہ جناب مسیح علیہ الصلوۃ و السلام کی اس عرضی شفاعت سے وہ عیسائی بالکل فائدہ نہ اٹھائیں گے جیساکہ اگلی آیت میں آرہا ہے کہ فرمایا جاوے گا کہ آج سچوں کو سچ نفع دے گا جھوٹے ہیں انہیں نفع نہیں ہو گا لہٰذا وہ سب دوزخ میں ٹھونس دیئے جاویں گے اس کی وجہ یہ نہیں کہ حضرت مسیح کی شفاعت فائدہ مند نہیں بلکہ وہ عیسائی اس سے فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں اعلیٰ درجہ کی غذا اور امروے کے منہ میں ڈالو تو کچھ فائدہ مند نہ ہوگی اس لئے نہیں کہ دوا بیکار ہے بلکہ اس لئے کہ جس کے منہ میں دوا ڈالی گئی وہ بیکار محض ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی چادر آپ کا لعاب دہن عبد اللہ ابن ابی کے لئے غیر مفید ہوا کہ وہ منافق تھا

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
فرمائے گا اللہ یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو سچ ان کا واسطے ان کے باغات ہیں کہ نیچے
اللہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

بہتی ہیں نہریں رہیں گے ان میں ہمیشہ راضی ہوگا ان سے اللہ اور راضی ہوں

نہریں رواں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی

عَنْهُؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۱۱۹) لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

گے وہ اللہ سے یہ کامیابی ہے بڑی اللہ ہی کا ملک آسمانوں اور زمین کا اور وہ جو ہے

یہ ہے بڑی کامیابی اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ

فِیْهِنَّؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۱۲۰)

ان میں اور وہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے۔

ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں ایک مقدمہ کا ذکر تھا جو بارگاہ الٰہی میں کفار عیسائیوں پر قیامت میں چلے گا اب ان آیات میں حاکم حقیقی جل مجدہ کے فیصلہ کا ذکر ہے جو وہاں دیا جاوے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر تھا اب ان آیات میں اس تبلیغ کو قبول کرنے والوں کے نتیجہ کا ذکر ہے جو قیامت میں ملے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی پوری ملکیت اس کی شان غفاری کا ذکر تھا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس غفاری سے فائدہ اٹھائیں گے گویا کریم کی دین کا ذکر پہلے ہوا فقیروں کے لینے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچائی کا ذکر فرمایا تھا **ما قلت لهم الا ما امرتنی** اب ان آیات میں سچ کے ثواب کا ذکر ہے گویا عمل نیک کے بعد جزاء عمل کا بیان ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضمنی شفاعت کا ذکر تھا جو وہ ان کفار عیسائیوں کی کریں گے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ شفاعت ان مردودوں کو کام نہ دے گی کیونکہ وہ سچے نہ تھے گویا مفید دوا کا ذکر پہلے ہوا اور ان لاعلاج بیماروں کے فائدہ نہ لینے کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **قال الله هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم۔** ظاہر یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عرض و معروض کے جواب میں قیامت کے دن ارشاد ہوگا کہ انہوں نے عرض کیا تھا کہ اگر تو انہیں بخش دے تو تو عزت والا حکمت والا ہے۔ جواب کا مقصد یہ ہے کہ ہماری بخشش سچوں کو پہنچے گی یا اے عیسیٰ تم سچے ہو تم پر ہمارا کرم ہوگا لہذا **قال** بمعنی مستقبل ہے چونکہ یہ فرمان یقیناً ہوگا لہذا اسے ماضی سے ارشاد فرمایا اور ہو سکتا ہے کہ **قال** ماضی کے ہی معنی میں ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ قانون نافذ کر چکا یہ فرمان دے چکا لوح محفوظ میں اور تمام نبیوں کی کتابوں میں کہ دنیا میں تو جھوٹ فریب سے بھی کام چل جاتا ہے مگر قیامت میں صرف سچ ہی کام آوے گا وہاں جھوٹ و فریب نقصان ہی کریں گے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ **هذا يوم** سے قیامت کا دن مراد ہے **يوم** چونکہ خبر ہے **هذا** کی لہذا اس پر پیش آیا اور چونکہ یہ مضاف ہے **ينفع** کی طرف لہذا اس پر تنوین نہیں آئی [illegible] مصدری ہے نفع میں بہت گنجائش ہے اپنے سچے

عقائد کا نفع اپنے اچھے اعمال کا نفع نبی کی شفاعت کا نفع اپنے بچوں کے نیک اعمال کا نفع بلکہ مسلمانوں کی دعاؤں کا نفع جو تا قیامت ہوتی رہیں گی۔ قیامت میں مومنوں کو یہ سارے نفعے نصیب ہوں گے کافران میں سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکے گا اس لئے سزا و جزاء قیامت پر موقوف ہے تاکہ ساری دعائیں پہنچ جائیں پھر سب ملا کر نفع دیا جاوے گناہوں کی معافی بلندی درجات سب کچھ عطا ہو گا۔ **صادقین** سے مراد حضرات انبیاء کرام اور مومنین ہیں صدق یعنی سچائی چند قسم کی ہے عقیدے کی سچائی یعنی درست عقیدے رکھنا عمل کی سچائی یعنی نیک کام کرنا۔ زبان کی سچائی کہ بات سچی کرنا یہ تمام سچائیاں دنیا میں ہوں تو مفید ہیں آخرت بلکہ مرتے وقت ہی فرشتوں کو دیکھ کر ہر شخص اچھا عقیدہ اختیار کر لیتا ہے کہ اسلام سچا تھا اس کے فرمان سچے تھے فرعون ڈوبتے وقت پکار اٹھا کہ **آمنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل** مگر وہ ایمان معتبر نہ ہوا اور قیامت کے دن آخر کار کفار بلکہ ابلیس بھی سچ بول دے گا **وعد تکم فاخلفتکم** لہٰذا دنیا کی سچائی مفید ہے۔ یوں ہی دنیا کی سچائی بھی مومن کے لئے مفید ہے کفار کی سچائی بخشش کا ذریعہ نہیں یعنی قول عمل 'سچائی شاخیں ہیں عقیدے کی سچائی جڑ ہے جب جڑ قائم ہو تو شاخیں ہری ہوتی ہیں یعنی رب تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائیگا کہ اے عیسیٰ تم سچے ہو یہ الزام لگانے والے تم پر بہتان باندھنے والے عیسائی جھوٹے ہیں آج روز قیامت ہے یہ وہ دن ہے جب ان سچوں کو ان کا سچ کام آوے گا۔ جو دنیا میں سچے رہے کہ مومن متقی پرہیزگار بنے ان کی معافی بھی ہے ان کے لئے عطاء انعام بھی۔ لہٰذا آپ نہ تو ان کی شفاعت کرو نہ ان کے عذاب پانے پر مغموم ہو کہ تمہاری شفاعت برحق ہے مگر یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے **لھم جنت تجری من تحتھا الانھار** یہ مذکور نفع کی تفصیل ہے کہ سچوں کو سچ کا نفع یہ ملے گا۔ **لھم** میں لام ملکیت کا ہے یا خصوصیت کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھی ہمارے لئے بنائی ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** اور جنت بھی ہمارے لئے **لھم جنات تجری** الخ مگر ان دونوں میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ دنیا کی ملکیت عارضی ہے جنت کی ملکیت مستقل اور دائمی۔ دنیا کا کبھی کوئی مالک کبھی کوئی 'جنت کا جو مالک ہو گا وہ دائمی ہو گا۔ دوسرے ہم یہ دنیا کی ملکیت ناقص ہے۔ جنت کی ملکیت کامل بارہا دنیا کے ہم مالک ہوتے ہیں مگر نفع نہیں اٹھا سکتے مکان ہمارا ہے مگر دوسرے نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے ہم نہیں نکال سکتے روٹی ہماری ہے مگر نہیں کھا سکتے کہ نقصان دیتی ہے مگر جنت میں یہ نہیں وہاں جنتی لوگ جنت کے مالک تو آج ہی سے ہیں مگر انہیں دکھائی جائے گی قبر میں عطا کی جائے گی بعد قیامت یہ سب باتیں **لھم** فرمانے سے حاصل ہوئیں انسان کے جنتی ہونے کی علامتیں ہیں ایک یہ کہ اسے نیک عمل آسان ہوں گناہ بھاری ہوں دوسری یہ کہ اس کے دل کا رجحان اچھوں کی طرف ہو بروں سے نفرت ہو انسان کے یہ حالات **لھم جنات** کی تفسیر ہے۔ **جنات** کے معنی اس کی قسمیں اور یہ کہ ایک مومن کو کتنی جنتیں عطا ہوں گی۔ سب کچھ بارہا بیان ہو چکا۔ حاتم طائی بستان' روضہ 'جنت سب کے معنی باغ ہیں مگر جنت وہ گھنا باغ جس کی زمین سبزہ سے چھپی ہو **تجری** فرما کر بتایا کہ وہاں پانی' دودھ شہد' شراب طہور کے تالاب نہ ہونگے بلکہ بہتی ہوئی نہریں ہوں گی ان کا بہاؤ بھی تیز اور خطرناک نہ ہو گا جو کسی کو بہا لے جائے جسے سیل کہتے ہیں بلکہ آہستہ روانی ہو گی۔ پھر وہاں بحر یعنی دریا نہ ہونگے بلکہ نہریں ہونگی جو حسین اور غیر مضر ہوتی ہیں پھر وہ نہریں جنتوں سے دور نہ ہوں گی بلکہ ان کے باغات کے نیچے ہی رواں ہونگی پھر ایک نہر پانی کی نہ ہو گی بلکہ چند نہریں ہونگی پانی کی' دودھ کی' شہد کی' شراب طہور کی یہ تمام باتیں اس ایک مختصر سے جملہ میں بیان فرما دیں **خالدین فیھا ابدا** اس عبارت میں جنت کی وہ نعمت بیان فرمائی جو تمام مذکورہ نعمتوں کی جان ہے یعنی وہاں

موت نہ آتا وہاں سے نکالا نہ جاتا وہاں خزاں یا پھلوں کی بہار ختم نہ ہو نا وہ باغات بھی دائمی ان کی بہار بھی دائمی ان کے پھل پھول بھی دائمی وہاں کے باشندے بھی دائمی باشندوں کا ان سے نفع اٹھانا بھی دائمی ہو گا کہ نہ انہیں موت آئے نہ بیماری جس میں کسی پھل سے پرہیز کرنا پڑے سبحان اللہ ایک خالدین فیھا میں یہ سارے دوام ساری ہمیشگیاں بیان فرمادیں۔ خیال رہے: کہ خلود کے معنی ہمیشگی بھی ہے اور دراز قیام بھی مگر جب اس کے ساتھ ابدا ارشاد ہو جاوے تو معنی ہمیشگی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں معنی ہمیشگی ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی جنت کی نعمت ہی کا ذکر ہے لہٰذا رضی اور رضو معنی مستقبل ہیں مالک کی رضا بڑی نعمت ہے جو تمام نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر نعمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ راضی رہے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خوش و راضی رہیں گے اس کی نعمتوں پر خوشیاں منائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ ان سچوں کی دنیاوی حالت و کرامت کا ذکر ہو یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کی تھوڑی عبادات پر ان سے راضی رہے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تھوڑے رزق پر بلکہ اس کی بھیجی ہوئی تکالیف پر اس سے راضی رہے کہ کبھی انہوں نے رب کی ناشکری نہ کی وہ سمجھے کہ یار کے پاس سے جو آئے وہ تحفہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ناخوش او خوش بود درجان من — جاں فدائے یار دل رنجان من

تمہارے ہاتھ کے کنکر بھی اچھے — مرے مولیٰ تیرے پتھر بھی اچھے

رگ دل میں تیرے نشتر بھی اچھے!

جب یہ لوگ ایسے راضی بہ رضا ہو جاتے ہیں تو ان کے گناہ سے بھی رب تعالیٰ ان پر ناراض نہیں ہوتا بخش دیتا ہے ذلک الفوز العظیم۔ ذلک سے اشارہ یا تو ان تمام مذکورہ نعمتوں کی طرف ہے۔ جنت نہریں ہمیشگی وغیرہ یا رضاءالٰہی کی طرف یعنی جنت اور وہاں کی یہ نعمتیں پالینا بڑی ہی کامیابی ہے یا دنیا میں رب کو منالینا اسے راضی کر لینا بڑی ہی کامیابی ہے وہ ہی کامیاب ہے جو یار کو منا کر یہاں سے رخصت ہو للہ ملک السموت والارض و ما فیھن یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں یا تو عیسائیوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور حضرت مریم رب کی بیوی فرمایا گیا کہ آسمان و زمین اور ان کی ہر چیز ہماری مملوک مقبوض اور ہمارا بندہ ہے حضرت مسیح اور ان کی والدہ بھی زمین پر رہنے والی مخلوق ہیں لہٰذا وہ بھی ابن اللہ نہیں بلکہ عبد اللہ ہیں۔ للہ میں لام ملکیت کا ہے۔ اسے مقدم فرمانے سے فائدہ حصر کا ہوا یہاں ملک معنی ملکیت ہے ملک 'ملک اور ملکوت کے بہت سے فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں چونکہ آسمان سات ہیں اور ان کی حقیقتیں مختلف ہیں زمین یا تو ایک ہے اس کے ساتھ حصے ہیں یا سات طبقہ ہیں مگر حقیقت سب کی ایک یعنی مٹی اس لئے سموت کو جمع اور ارض کو واحد فرمایا جاتا ہے ما سے مراد ہر عقل والی اور بے عقل چیزیں ہیں یعنی سارے آسمان' زمین ان میں کی چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں یا یہ ایک پوشیدہ سوال کا جواب ہے کہ کہنے والا کہتا کہ اتنی بڑی جزاء اتنا عظیم ثواب کون دے گا فرمایا وہ دے گا جو ان سب چیزوں کا سچا مالک ہے (تفسیر خازن) وھو علی کل شیء قدیر اس جملہ میں بھی یا تو عیسائیوں کی تردید ہے کہ ابن اللہ یا اللہ وہ ہوتا ہے جو ہر چیز پر قادر ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ایسے نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے مقدور بندے ہیں لہٰذا عیسائی جھوٹے ہیں یا اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت کا ذکر ہے کہ رب تعالیٰ ان چیزوں کا صرف مالک ہی نہیں بلکہ ان کا قابض بھی ہے ان پر قادر بھی دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ بعض مالک قابض نہیں ہوتے۔ بعض مالک جو قابض قادر نہیں ہوتے رب تعالیٰ ان عیوب سے

پاک ہے شئی کے معنی اس کے اقسام قدر کے معنی اس کی صورتیں مع تمام سوال و جواب کے ہم پہلے پارہ میں ان اللہ علی کل شئی قدیر کی تفسیر میں عرض کر چکے وہاں دیکھو۔

خلاصہ ء تفسیر: اب تک حضرت عیسیٰ اور بے دین عیسائیوں کے مقدمہ کا ذکر ہوا کفار نے دعویٰ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دعویٰ پیش کر کے اشارۃً "شفاعت فرمائی اب مقدمہ کے فیصلے کا ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اس شفاعت سے وہ عیسائی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے نہ ان کی بخشش و معافی ہو چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ عرض و معروض پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ قیامت کا دن وہ ہے کہ آج کسی کو دولت عزت وغیرہ کام نہ آوے گی آج سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا کہ جو دنیا میں سچے مومن بن کر رہے سچے اعمال سچے اقوال کیے ان کو ہر طرح کا نفع ہو گا کہ ان کی نیکیاں قبول ہوں گی۔ گناہ معاف ہوں گے ان کی اولاد کی نیکیاں انہیں فائدہ دیں گی ان کے صدقات جاریہ بعد موت بھی ان کو پہنچتے رہے اور نبیوں ولیوں کی شفاعت مفید ہو گی۔ اس کی جزاء میں انہیں ایسے گھنے باغات عطا ہوں گے جن کے نیچے دودھ 'شہد' پانی' شراب طہور کی نہریں رواں ہیں خوبی یہ ہے کہ وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کہ نہ مریں نہ وہاں سے نکالے جاویں نہ وہ باغات اجڑیں نہ کبھی ان کے پھل ختم ہوں ان سب پر طرہ یہ کہ رب تعالیٰ ان سے راضی وہ رب تعالیٰ سے خوش سب سے بڑی کامیابی یہ ہی ہے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کوئی سننے والا اس جزا پر حیرت نہ کرے اللہ تعالیٰ ہی کی ہے زمین آسمان ان کی تمام چیزیں اس شان کا لیا مالک الملک جو چاہے عطا فرماوے وہ خزانوں کا مالک بھی ہے اور ہر طرح قادر و مقتدر بھی اس کی پکڑ ہے تو بہت سخت عطا ہے تو بہت وسیع و فراواں لہذا دنیا میں سچے بنو سچے رہو رب کی نعمتیں حاصل کرو۔ چونکہ یہ عیسائی ایسے جھوٹے ہیں کہ دنیا میں رہے تو جھوٹ بولتے رہے اور آج قیامت میں ہمارے دربار میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے نہایت بے حیائی سے جھوٹ بولے ایسے لوگ نہ اپنے اعمال صالحہ سے فائدہ اٹھائیں نہ نبی کے توسل سے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو دنیا میں سچے عقیدے سچے اعمال اختیار کرے گا وہی قیامت میں نفع میں رہے گا۔ جھوٹے' بے دین کی بخشش نہیں اگرچہ بزرگوں کی اولاد ہو یہ فائدہ ینفع الصادقین سے حاصل ہوا۔ لہذا وہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس شفاعت سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا میں کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جو بوئے گا وہی کاٹے گا یہ فائدہ بھی ینفع الصادقین لام سے حاصل ہوا اس سے وہ بھنگی چرسی بے نماز بے روزہ فقیر عبرت پکڑیں جو مولیٰ علی یا غوث پاک کے ملنگ کہلاتے ہیں اپنے کو شرعی احکام سے بے نیاز جان کر جنت کے ٹھیکیدار ہونے کے مدعی ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کو اعمال کی ضرورت تھی تو ان کے ملنگ کیسے بے نیاز ہو گئے۔ **تیسرا فائدہ:** جنت اہل جنت کی اپنی ملکیت ہو گی یہ فائدہ لھم جنت کے لام سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** انشاء اللہ ایک جنتی کو بہت سی جنتیں عطا ہوں گی وہ کریم ہر قسم کے عمل کی الگ جنت عطا فرمائیگا یہ فائدہ جنات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ہر جنتی کے باغوں میں ایک نہر نہ ہو گی بلکہ بہت سی نہریں ہوں گی دودھ کی' شہد کی' پانی کی وغیرہ یہ فائدہ الانھار فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جنت کے پھل نہ کبھی ختم ہوں نہ وہاں خزاں وغیرہ آئے نہ جنت کے لئے فنا ہے نہ جنتیوں کو موت نہ وہاں سے نکلنا یہ فائدہ خالدین فیھا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکیں بلکہ ہر جنتی کے نامزد ہو چکیں آدم علیہ السلام وہاں رہ کر

آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں وہاں سیر کر کے آئے حضرت مریم نے وہاں کے پھل کھائے یہ فائدہ بھی لھم جنات کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: ہر سچے متقی مومن کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں یہ لفظ صرف صحابہ کرام سے خاص نہیں لہذا اولیاء اللہ علماء دین صالحین کو رضی اللہ عنہ کہنا جائز ہے یہ فائدہ رضی اللہ عنھم الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ۔ جس کے دل میں خوف خدا ہو اس سے رب تعالیٰ راضی ہے۔ نواں فائدہ: اگر بندہ رب تعالیٰ کے تھوڑے رزق پر راضی رہے تو رب تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے اعمال سے راضی ہو تا ہے بلکہ اگر بندہ رب کی بھیجی مصیبت میں راضی بہ رضا رہے صبر سے کام لے تو بندے کے گناہ پر رب تعالیٰ اس سے ناراض نہیں ہو جاتا بلکہ اسے دنیا میں ہی توبہ کی توفیق دے دیتا ہے آخرت میں بخشش فرماتا ہے یہ فائدہ بھی رضی اللہ عنھم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: دنیا میں بادشاہ بن جانا بڑا امیر دولتمند بن جانا کامیابی نہیں رب کو منالینا بڑی کامیابی ہے جسے اللہ توفیق دیدے یہ فائدہ ذالک الفوز العظیم سے حاصل ہوا۔ نیک بندہ بن جانا انسانیت کا کمال ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ہر کہ سیمائے راستاں دارد سرخدمت بر آستاں دارد

گیارھواں فائدہ: اللہ کا ملک یعنی ظاہری ملکیت حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے مجازاً بہ عطاء الہی بندوں کو بھی حاصل ہے دیکھو یہاں سموت وارض کی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے منحصر فرمائی گئی مگر دوسری جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے واتیناہ ملکا عظیما اور فرمایا گیا وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ اور فرماتا ہے تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء بلکہ پورا مالک وہی ہے جو مالک کر دینے پر قادر ہو پورا عالم وہ ہے جو عالم بنا دینے پر قادر ہو ناقص مالک ناقص عالم دوسرے کو مالک یا عالم نہیں بنا سکتا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سچوں کا سچ انہیں نفع دے گا تو قیامت میں آخر کار سب ہی سچ بول دیں گے کہ ہم کافر و مشرک ظالم تھے۔ چاہئے کہ ان کی بھی بخشش ہو جاوے۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ صادقین سے مراد دنیا میں سچے رہنے والے ہیں ہر دانہ بونے کا ایک وقت ہو تا ہے۔ بے وقت بویا جاوے تو پھل نہیں دیتا سچ بولنے نیک اعمال کرنے کا بھی ایک وقت ہے بے معنی زندگی کا زمانہ اس کے بعد ہر نیکی بے کار ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سچوں کا سچ کام آوے گا دنیا میں بہت مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں اور بہت سے کافر سچے آج ولایت کے عیسائی تجارت معاملات میں بہت سچے ہیں تو چاہئے کہ وہاں ان کفار کی بخشش ہو اور جھوٹے مسلمانوں کی گرفتاری ہو۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں سچ سے مراد عقیدے ہی کی سچائی ہے اس کے بغیر صرف زبانی یا معاملات کی سچائی بیکار ہے جڑ درست ہو تو شاخیں درست رہتی ہیں کافر خواہ زبان یا معاملات کا کتنا ہی سچا ہو مگر جھوٹا ہے کہ اس کے عقیدے جھوٹے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ سچے کافر کا عذاب جھوٹے کافر سے ہلکا ہو جیسے نوشیرواں کا عذاب اس کے عدل کی وجہ سے یا حاتم طائی کا عذاب اس کی سخاوت کی وجہ سے ہلکا ہو گا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتیں اہل جنت کی ملکیت ہو نگی مگر قرآن کریم دوسرے مقام پر فرماتا ہے نزلا من غفور رحیم جس سے معلوم ہوا کہ جنت مہمان خانہ ہے وہاں کی نعمتیں مہمانی ہیں۔ مہمان گھر کا مالک نہیں ہوتا لہذا آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: وہاں جنتیوں کی خاطر تواضع مہمانوں کی سی ہو گی مگر وہ ہو نگے

جنتوں کے مالک قاعدہ ہے کہ مالک کی تواضع خاطر اپنے گھر میں نہیں کی جاتی مہمان کی تواضع خاطر بہت ہوتی ہے وہاں خاطر تواضع کے لحاظ سے مہمان خانہ فرمایا گیا یعنی جنتی ہونگے۔ اپنی جنتوں کے مالک مگر ہمیشہ ان کی خاطر تواضع مہمانوں کی سی کی جاوے گی اور تواضع خاطر کرنیوالا کون ہوگا۔ غفور رحیم۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف سچوں کو ملیں گی تو جو نا سمجھ بچے یا دیوانے بچپن میں دیوانگی میں فوت ہو گئے وہ جنتی نہ ہونے چاہئیں تو کیا مسلمانوں کے بچے دوزخی ہونگے۔ جواب: اس آیت کریمہ میں لولا ''تو حصر ہے نہیں اگر ہو بھی تو حصر اضافی ہوگا۔ جھوٹوں' چالاکوں' چالبازوں کے مقابلہ میں یعنی جنت فریب چالاکیوں چالبازیوں سے نہیں ملے گی۔ سچائی سے ملے گی اگر ان کے علاوہ دوسروں کو بھی مل جاوے جو سچ کا موقع نہ پائیں تو اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ دوزخ صرف کفر یا بد عملی کی وجہ سے دی جاوے گی مگر جنت ملنے کے تین ذریعہ ہیں لہذا جنت کسبی بھی ہے یعنی اپنے عمل سے وہبی بھی ہے دوسرے نیک بندوں کے طفیل عطائی بھی محض رب تعالیٰ کے کرم سے مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کو جنت وہبی ملے گی۔ کفار کے چھوٹے فوت شدہ بچوں کو یا جو مخلوق جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جاوے گی انہیں جنت عطائی ملے گی لہذا آیت کریمہ واضح ہے پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی تو کیا جنتیوں کے علاوہ دوسرے لوگ اللہ سے ناراض ہوں گے کوئی بھی اللہ سے ناراض ہو سکتا ہی نہیں ناراض ہو کر اس کا کیا کرے گا۔ جواب: یہاں رضا بمعنی خوشی ہے ناراضی کا مقابل مراد نہیں مومن بندہ دنیا میں اللہ سے بہر حال خوش رہتا ہے آرام سے رہے یا تکلیف سے اللہ اس سے بہر حال خوش رہتا ہے اس پر غضب نہیں کرتا وہ تھوڑے عمل کرے یا زیادہ نیکی کرے یا گناہ اپنے دروازے سے اسے نکالتا نہیں کفار تو خدا تعالیٰ کو گالیاں تک دیتے سنے گئے ہیں نیز آخرت میں اللہ جنتیوں سے خوش ہوگا جنتی اس کے فضل و کرم پر خوشیاں منائیں گے کفار پر رب کا غضب رہے گا وہ اللہ کی پکڑ پر ہمیشہ مغموم رہیں گے۔ چھٹا اعتراض: للہ ملک السموت الخ سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں کا صرف اللہ تعالیٰ ہی مالک و قابض ہے اور تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان جنان کے مالک ہیں تمہارا یہ عقیدہ شرکیہ ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ دائمی حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے عارضی مجازی مالک اللہ نے اپنے بعض بندوں کو بنایا ہے۔ آپ اپنے گھر کے اور بادشاہ ملک کا مالک ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سچ تمام نیکیوں کی جڑ ہے ایمان' احسان' توبہ' تقویٰ' دیانت' امانت وغیرہ سب کچھ سچ کی ہی قسمیں ہیں جیسے مکان کا اجیالہ قلعی چونہ سے ہے دل کا دماغ کا اعضاء ظاہری کا اجیالہ سچ سے سچ کی برکت سے کبھی کافر کو ایمان بلکہ عرفان مل جاتا ہے۔ جھوٹ کی نحوست سے کبھی مسلمان کافر فاسق ہو جاتا ہے سچا بندہ دنیا میں بھی رحمت کے باغوں کرامت کی نہروں میں رہ کر عزت و عظمت وصل کے پھل کھاتا ہے آخرت میں بھی کھائے گا۔ سچ وہ سدا بہار باغ ہے جس میں کبھی خزاں نہیں آتی سچے سے رب اس کا رسول سارے بندے راضی سچا ہمیشہ خوش و خرم رہتا ہے سچے کو سب سلام کرتے ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں۔

سلام علی السادات من کل صادق سلام علی ذی الوجد من کل عاشق
سلام علی ذی الصحومن سکر غفلت سلام علی الناجین من کل کلفته
سلام علی من مات من قبل موته سلام علی من فات من قبل فوته

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے سچے بندے مظہر ذات و صفات الٰہی ہو جاتے ہیں اللہ کی صفت ہے مالک الملک والملکوت ظاہری باطنی ملکوں کا مالک سچا بندہ اللہ کی عطا سے ملک و ملکوت دونوں میں تصرف کرتا ہے۔ حضرت مسیح و عزیز خرقیل و ابراہیم علیہم السلام کی پکار پر گلی ہڈیاں جسم بنتی تھیں یہ ان کا ملک میں تصرف تھا پھر عالم برزخ میں گئی ہوئی روح وہاں سے واپس ہو کر ان جسموں کو زندہ کرتی تھی یہ ان کا ملکوت میں تصرف تھا۔ حضرت مسیح کے تصرف سے اندھے کوڑھے پل بھر میں شفا پاتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہوائیں چلتی اور بدلتی تھیں یہ ہے ملک السموات والارض کی ملکیت کا ان بندوں پر ظہور سچا بندہ جو کہہ دے اللہ اس کی بات سچی کر دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے لوا قسم علی اللہ لابرہ اگر سچا بندہ اللہ پر قسم کھا لے اللہ اس کی قسم پوری فرماوے تاکہ اس کی زبان خالی نہ جاوے اس کی بات جھوٹی نہ ہو جاوے اللہ تعالیٰ اپنے سچوں کے طفیل ہم کو بھی سچا بنائے۔ الحمد للہ کہ سورہ مائدہ شریف کی تفسیر آج بروز اتوار 15 رجب 1386ھ 30 اکتوبر 1966ء بعد نماز ظہر مکمل ہوئی۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائے اور بقیہ قرآن مجید کی تفسیر کی توفیق دے۔

وصلے اللہ علی حبیبہ محمد و الہ و اصحبہ اجمعین

امین۔ برحمتہ وھو ارحم الراحمین

سورۃ الانعام مکیۃ	آیاتہا ۱۶۵ رکوعاتہا ۲۰

سورہ انعام مکیہ ہے اس میں بیس رکوع ایک سو پینسٹھ آیات تین ہزار ایک سو کلمات اور بارہ ہزار نو سو تیس حروف ہیں

سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ پوری سورت مکہ معظمہ میں ایک ہی شب میں نازل ہوئی اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تسبیح کرتے آئے جن سے آسمانوں کے کنارے بھر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبحان ربی العظیم کہتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ توریت میں سب سے پہلی آیت وہی ہے جو سورۂ انعام کی پہلی آیت ہے (خزائن عرفان)۔ خیال رہے کہ اس پوری سورت کا نزول ایک دم ایک ہی شب میں بھی ہوا اور اس کی آیات کا نزول مختلف موقعوں پر مختلف حالات میں بھی ہوا لہذا اس کی آیات کے شان نزول جو بیان ہوں گے وہ حضرت ابن عباس کے اس فرمان کے خلاف نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ساری سورۂ انعام مکیہ ہے مگر اس کی تین آیات قل تعالوا قل الخ مدنیہ ہیں اور بھی اس میں بہت قول ہیں۔ خیال رہے کہ سورتوں یا آیتوں کا مکی مدنی ہونا اس لئے نہیں کہ قرآن کا بھیجنے والا اللہ تعالیٰ مکی مدنی ہے یا قرآن لانے والے جبریل مکی مدنی ہیں یا لوح محفوظ جہاں سے قرآن آرہا ہے وہ مکی مدنی ہے بلکہ صرف وجہ یہ ہے کہ قرآن لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مکی مدنی ہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی رہے قرآن کی سورتیں آیتیں مکی بنتی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہو گئے تو قرآن مدنی ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال وہ قرآن کریم کی صفت

بلکہ قرآن عربی زبان میں اس لئے آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی صبح کے وقت سورۃ انعام کی تین آیات تکسبون تک پڑھے تو رب تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے۔ جو دوسری صبح تک اس کی حفاظت کرتے ہیں (بغوی، خازن، روح البیان) اس سورت کریمہ میں توحید کے دلائل، عدل، انصاف، نبوت، معاش، معاد بے دینوں کے دلائل کے جوابات ملحدین کی تردید سب سے زیادہ اس سورت میں ہے یہ چیزیں علم عقائد کی اصل اصول ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سورۃ کی آیت کریمہ وعنده مفاتح الغيب الخ نازل ہوئی تو اس کے ساتھ چالیس فرشتے آئے (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ پچھلی چار سورتیں سب مدنیہ تھیں یہ سورت مکیہ ہے جو ان سورتوں سے کہیں پہلے آچکی تھی۔ گزشتہ سورتوں میں اصلاح اعمال پر زیادہ زور تھا۔ اس سورت میں اصلاح عقیدہ پر زیادہ زور ہے۔ اگرچہ اصلاح عقیدہ اصلاح عمل سے پہلے ہے مگر عقائد کی دلیلوں کا اصلاح اعمال کے بعد بیان ہونا مناسب ہے۔ سورۂ مائدہ میں وعدہ پورے کرنے پر بہت زور تھا اور مسلمان اسلام لانے پر رب تعالیٰ اور اس کے نبی سے بہت سے وعدہ کرتا ہے اس لئے اس سورۃ کے بعد سورۂ انعام رکھی گئی تاکہ بتایا جاوے کہ اے مسلمانو رب تعالیٰ اور اس کے نبی سے کئے ہوئے وعدہ پورے کر نیز سورۂ مائدہ میں کھانوں خصوصاً غیبی کھانے کا ذکر تھا۔ سورۂ انعام میں حلال جانوروں کا ذکر ہو گا یہ بھی کھانوں کی ہی ایک قسم سے ہیں۔ ان مناسبتوں سے سورۂ مائدہ کے بعد سورۂ انعام رکھی گئی سورۃ کے معنی اس کے اقسام سورۃ، آیت، منزل، رکوع کی تعریفیں ان کے فرق ہم سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے اول میں بیان کر چکے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنائیں اندھیریاں اور روشنی

سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیریاں اور روشنی پیدا کی

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ

پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔ وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر

اس پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں وہ ہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد

قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲

حکم دیا وقت مقرر کا اور وقت مقرر ہے نزدیک اس کے پھر تم شک کرتے ہو۔

کا حکم رکھا اور ایک مقررہ وعدہ اس کے یہاں ہے پھر تم لوگ شک کرتے ہو۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: سورۂ مائدہ کی آخرت آیت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ کا ذکر ہوا کہ وہ آسمان زمین وغیرہ کا مالک ہے اس آیت کریمہ میں اس کی خلق کا ذکر ہے کہ وہ ان سب کا خالق ہے گویا یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی نوعیت بتا رہی ہے کہ وہ خالق ہونے کی بنا پر مالک ہے ایسی ملکیت کسی اور کو حاصل نہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا ذکر تھا اب بندوں کو حمد الٰہی اور اس کا شکر بجلانے کا اشارۃً "حکم" دیا جا رہا ہے کہ جس کی چیزیں تم برتتے ہو اس کا شکر بھی کرو۔ تیسرا تعلق: سورۂ مائدہ کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ کے سچے فیصلے کا ذکر تھا جو قیامت میں ہوں گے اب رب تعالیٰ کی محمودیت عامہ کا ذکر ہے کہ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وقضی بینھم بالحق و قیل الحمد للہ رب العالمین۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ملکیت کا اجمالی ذکر تھا اب اس اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے جیسا کہ ان آیات کریمہ کی روش سے معلوم ہو رہا ہے اور ترتیب خلق کا بھی ذکر ہے کہ پہلے آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر ہوا پھر ان میں تاریکیوں، روشنی کی پیدائش کا پھر انسان کی پیدائش کا۔

تفسیر: الحمد للہ الذی خلق السموت والارض۔ ہم حمد کے معنی اور حمد و مدح و شکر میں فرق لفظ اللہ کی تحقیق سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں یہاں دو باتیں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ قرآن مجید کی پانچ سورتوں کے اول میں الحمد للہ ہے (1) سورۂ فاتحہ میں وہاں فرمایا گیا الحمد للہ رب العالمین (2) اس سورۂ انعام میں کہ ارشاد ہوا الحمد للہ الذی خلق السموت والارض (3) سورۂ کہف میں کہ وہاں ارشاد ہوا الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب (4) سورۂ سبا میں کہ وہاں ارشاد ہوا الحمد للہ الذی لہ ما فی السموات والارض (5) سورۂ فاطر میں کہ وہاں ارشاد ہوا الحمد للہ فاطر السموت والارض ان پانچوں میں سورۂ فاتحہ کی حمد بہت ہی جامع ہے کہ وہاں رب العالمین ارشاد ہوا ان سورتوں میں آسمان زمین وغیرہ کا یہ سب چیزیں العالمین میں آجاتی ہیں نیز خلق سے ربوبیت زیادہ اہم ہے کہ خلق تو آنی چیز ہے جو ایک بار ہو چکی مگر ربوبیت یعنی پرورش دائمی چیز ہے۔ جس کا تعلق بندے سے ہمیشہ رہتا ہے ربوبیت کا فیض ہر وقت بندے کو پہنچتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ بہت جامع سورت ہے۔ دوسرے یہ کہ الحمد للہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ الحمد میں الف لام استغراقی ہو اور یہاں حمد واقعی کا ذکر ہو یعنی واقع میں ساری حمدیں اللہ کی ہیں خواہ بلا واسطہ ہوں یا بالواسطہ دوسرے یہ کہ الحمد میں الف لام عہدی ہو اور حمد سے مراد حمد مقبول ہو اور معنی یہ ہوں کہ بارگاہ الٰہی میں وہ حمد مقبول ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل حمد وہ ہے جو ان کے رب نے ان کی ان کی مخلوق خواہ کتنی ہی حمد کرے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا کرشمہ بھی بیان نہیں کر سکتی اس لئے رب کا نام ہے حامد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل حمد وہ ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی غرضیکہ اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں تین تفسیروں میں اللہ تعالیٰ محمود ہے دوسرے لوگ اس کے حامد ایک تفسیر میں اللہ تعالیٰ حامد ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محمود حمد مصدر معروف ہے یا مصدر مجہول۔ خیال رہے کہ الحمد للہ دعویٰ ہے اور الذی خلق الخ کی اس کی دلیل ہے۔ کسی کی تعریف یا اس کے کمال کی بنا پر کی جاتی ہے یا اس کے احسان کی وجہ سے الذی خلق میں کمال الٰہی کا بھی ذکر ہے اور رحمت الٰہی کا بھی۔ قوی یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں اشارۃً "حمد الٰہی کا حکم دیا گیا ہے خلق اور کسب کا فرق

ہم بارہا بیان کر چکے ہیں اگرچہ زمین و آسمان دونوں ہی سات سات ہیں مگر اکثر قرآن مجید میں سموت جمع اور ارض واحد لایا جاتا ہے اس کی وجہ بارہا عرض کی جا چکی ہے یہاں سموت سے مراد سارے آسمان ان کی تمام چیزیں ہیں۔ جیسے چاند' سورج' تارے وغیرہ اور زمین سے مراد زمین اور اس کی تمام مخلوق دریا' خشکی' پہاڑ' درخت وغیرہ چونکہ آسمان میں قوت فاعلیت ہے زمین میں قوت مفعولیت یعنی آسمان موثر ہے زمین اثر قبول کرنے والی نیز آسمان اور آسمانی چیزیں غیب ہیں کہ ان آنکھوں سے نہ آسمان نظر آتا ہے نہ آسمانی مخلوق فرشتے وغیرہ صرف نبی کے فرمان سے ان کا ثبوت ہے آج سائنس والے آسمان کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ زمین اور زمینی چیزیں شہادت ہیں اس لئے آسمان اور وہاں کی مخلوق کو ماننا ایمان کا رکن ہے کہ ان کا انکار کفر ہے نیز زمین والوں کی روزی آسمانوں میں ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون ان وجوہ سے آسمان کا ذکر پہلے ہوا زمین کا بعد میں ورنہ زمین آسمان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور زمین آسمانوں سے افضل بھی ہے کہ زمین ہی سے حضرات انبیاء و اولیاء پیدا ہوئے اور زمین ہی میں ان کا مدفن ہے خیال رہے کہ زمین کا بہترین طبقہ جو عرش و کرسی' کعبہ معظمہ سے بھی افضل ہے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کا وہ حصہ ہے جو جسم اطہر سے ملا ہوا ہے کہ اسی جگہ سے جسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنا ہے۔ پھر زمین حرم مکہ معظمہ پھر زمین بیت المقدس فلسطین پھر زمین شام پھر زمین کوفہ و بغداد و مقدس (روح البیان) اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ نے اپنے کمال کا ذکر بھی فرمایا ہے اور اپنی رحمت کا بھی آسمانوں زمین کی پیدائش رب تعالیٰ کی بڑی قدرت کا ظہور ہے کہ بغیر میٹریل بغیر اوزار صرف کن سے ایسی بڑی مخلوق پیدا فرما دی پھر ایسی مضبوط کہ نہ کبھی گھسے نہ خراب ہو اور اس میں رب کی رحمت بھی ہے کہ ہماری زندگی زمین و آسمان سے وابستہ ہے رب تعالیٰ نے پہلے یہ سامان بنائے پھر ہم کو پیدا فرمایا۔ وجعل الظلمت والنور یہ عبارت خلق الخ پر معطوف ہے جعل بمعنی خلق بھی ہوتا ہے تب ایک مفعول چاہتا ہے اور بمعنی صیر بھی تب دو مفعول چاہتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں بمعنی خلق اس لئے ایک مفعول آیا اگر بمعنی خلق ہو تب خلق اور جعل میں فرق یہ ہوتا ہے کہ خلق تکوین کو کہا جاتا ہے اور جعل تکوین کو بھی کہتے ہیں اور تشریع کو بھی رب فرماتا ہے ما جعل اللہ من بحیرۃ یہاں بمعنی شرع ہے نیز لفظ خلق اندازہ لگانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور جواہر کی پیدائش پر بولا جاتا ہے اور جعل عام ہے چونکہ آسمان و زمین بذات خود موجود ہیں کسی سے قائم نہیں اس لئے وہاں خلق فرمایا اور اندھیرا اجیالا دوسرے سے قائم ہے اس لئے یہاں جعل ارشاد ہوا ظاہر یہ ہے کہ یہاں اندھیرے اجیالے ہیں اندھیریاں بہت قسم کی ہیں رات کی اندھیری' تہ خانہ کی اندھیری' قبر کی اندھیری' دریا کے تہ کی اندھیری' ماں کے پیٹ کی اندھیری مگر نور ایک ہے اس لئے ظلمات جمع اور نور واحد ارشاد ہوا سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ظلمات سے مراد کفر و نفاق ہے۔ نور سے مراد ایمان و اخلاص' ظلمات سے مراد جہالت ہے نور سے مراد علم ظلمات سے مراد دوزخ ہے نور سے مراد جنت ظلمات سے مراد گمراہی ہے نور سے مراد ہدایت۔ خیال رہے کہ نور' ضوء' شعاع' بریق سب میں روشنی کے معنی ہیں مگر ان میں قدرے تفاوت ہے جو ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں حق یہ ہے کہ ظلمت بھی نور کی طرح ایک وجودی چیز ہے لہٰذا یہ بھی مخلوق ہے۔ نور کی نفی کا نام ظلمت نہیں۔ ثم الذین کفروا بربھم یعدلون۔ یہ عبارت الحمد للہ الخ پر معطوف ہے ثم فرمانا کفر کی بعد اور تعجب ناک ہونے کی بنا پر ہے یعنی ان دلائل کے باوجود کفار شرک کرتے ہیں یہاں کفروا بمعنی اشرکوا ہے۔ یعدلون یا تو بنا ہے عدول سے بمعنی علیحدگی دوری تب بربھم کی ب بمعنی عن ہے یا بنا ہے عدل سے بمعنی برابری ہے اگر

بنا ہے عدل سے بمعنی برابر و مساوات تو اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی مشرکین بعض مخلوق کو رب تعالیٰ سے علیحدہ ہوتے علیحدہ رہتے ہیں۔ اس کے دین کی طرف نہیں آتے اس صورت میں کفروا سے مراد سارے ہی کافر ہیں مشرک ہوں یا دوسرے کفار (تفسیر خازن' روح المعانی وغیرہ)۔ خیال رہے کہ کفار کا اپنے بتوں اپنے پوپ پادیوں کی تعریفیں کرنا اللہ تعالیٰ سے ہٹ جانا ہے کہ وہ کھاتے ہیں رب کا اور گاتے ہیں اوروں کا مگر مسلمان کا نبیوں ولیوں کی تعریفیں کرنا ان کی مدح و ثنا کرنا اللہ سے عدول کرنا نہیں کہ اللہ کے دھڑے کی تعریف اللہ کی تعریف ہے شیطان کے دھڑے کی تعریف شیطان کی تعریف ہے لہٰذا یہ فرمان برحق ہے۔ بعض نے فرمایا کہ کفروا بنا ہے کفران سے بمعنی ناشکری اور معنی یہ ہیں کہ ان نعمتوں کے باوجود ناشکرے بندے رب تعالیٰ کی حمد سے علیحدہ رہتے ہیں (روح المعانی) یعنی اللہ کی نعمتیں پاکر اس کی حمد و شکر نہیں کرتے بلکہ اپنی تعریف کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں کمال کی وجہ سے ہم کو یہ ملا حالانکہ جب وہ ناسمجھ بچے تھے۔ بے کمال تھے تب بھی ہم ان پر نعمتیں برسا رہے تھے اور بارہا ایک ہی آدمی کبھی امیر پھر فقیر ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ ناشکری کے تین درجے ہیں اول یہ کہ راحتوں کو اپنا کمال جانے مصیبتوں کو محض اسباب ظاہری سے سمجھے دوسرے یہ کہ نعمتوں کو اپنے کمال سے مصیبتوں کو اتفاقاً" جانے تیسرے یہ کہ مصیبتوں کو خدا کا ظلم سمجھے یہ درجہ کفر ہے **هو الذی خلقکم من طین** یہ نیا جملہ ہے جس میں منکرین قیامت کی پرزور تردید ہے یہاں خلق کے معنی ہیں ابتداء پیدائش تراب کہتے ہیں خشک مٹی کو طین کہتے ہیں۔ تر مٹی یعنی گارے کو یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت و شان والا ہے جس نے تمہاری پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی اس طرح کی مٹی یعنی گارے کو یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت و شان والا ہے جس نے تمہاری پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی اس طرح کہ مٹی سے غذا بنائی غذا سے خون پھر خون سے نطفہ پھر نطفہ سے تمہارے اجسام یا اس طرح کہ تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا تم ان کی اولاد میں ہو تو گویا تمہاری پیدائش کی ابتداء مٹی سے فرمائی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان و زمین' اندھیروں' نور کی پیدائش کا ذکر فرمایا جو کسی مادہ سے نہیں بنے اب انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جو مادہ سے بنا تاکہ بتایا جاوے کہ رب تعالیٰ بڑی شان والا ہے اس نے مادہ سے بھی مخلوق پیدا کی اور بغیر مادہ کے بھی پھر اس کی شان دیکھو کہ تمام عناصر میں عاجز عنصر مٹی ہے نیز طین اور تراب دونوں بے قدری چیزیں ہیں ان بے قدر حقیر عاجز عنصر سے ہر قسم کے انسان بنائے سونا چاندی ہیرے موتی سے نہ انسان بنانہ انسان کی غذا و پھل پھول **ثم قضی اجلا** یہ عبارت **خلقکم** پر معطوف ہے قضا سے مراد اگر لکھنا ہے تو ثم زمانی تاخیر کے لئے ہے کیونکہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں بن جاتا ہے تب اس کی تقدیر موت وغیرہ لکھی جاتی ہے یہ زمانہ ارواح کی پیدائش سے بہت بعد ہے اور اگر قضا سے مراد ہے فیصلہ فرمانا تو ثم بیانی تاخیر کے لئے ہے کیونکہ تمام کی موت و زندگی کا فیصلہ ربانی ان کی پیدائش سے پہلے ہو چکا ہے اجل کے معنی ہیں زمانہ کی مقررہ حد یہاں اس سے مراد ہے موت کیونکہ ہر چیز کی موت اس کی زندگی کی حد ہے یعنی تمہاری پیدائش کے بعد تمہارے لئے موت تمہاری تقدیروں میں لکھی جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں لکھی گئی یا پھر یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری پیدائش سے پہلے ہی تمہاری موت کا فیصلہ رب تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ کون کتنا جیئے گا **و اجل مسمی عنده** یہ عبارت نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے **اجل** مبتداء ہے اور **مسمی** اس کی خبر یہاں **اجل** سے مراد قیامت میں اٹھنے کا وقت ہے اور **مسمی** کے معنی مقرر معین ہے چونکہ قیامت ہماری برزخی زندگی کی حد ہے اس لئے اسے **اجل** فرمایا اگرچہ قیامت اخروی زندگی کی ابتداء ہے (روح البیان) **عنده** کا تعلق **مسمی** سے ہے چونکہ انسان کو اپنی موت کا پتہ بڑھاپے اور

دیگر نشانات سے لگ جاتا ہے۔ مگر قیامت وہ چیز ہے جس کا پتہ کسی نشانی علامت سے نہیں چلتا اس لئے قیامت کے متعلق عندہ فرمایا اور موت کے متعلق عندہ ارشاد نہ ہوا یعنی ایک معیاد اور بھی ہے جو اللہ کے نزدیک مقرر ہے وہ۔ ہے قیامت کا دن۔ بعض نے فرمایا کہ پہلی اجل سے مراد ہے نیند اور دوسری اجل سے مراد ہے موت' بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلی اجل سے مراد ہے ہماری گزشتہ عمر اور دوسری اجل سے مراد ہے ہماری بقیہ عمر اس کے متعلق اور بہت قول ہیں (تفسیر کبیر و روح المعانی) بعض کے نزدیک پہلی اجل سے مراد ہے حادثات سے موت دوسری اجل سے مراد ہے طبعی موت (روح البیان) مفسرین کی اصطلاح میں حادثات کی موت کو اجل اخترامی کہتے ہیں۔ دوسری موت کو اجل طبعی یہ دو قسم کی موت ہمارے لحاظ سے ہے رب تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کی ایک ہی موت ہے جو باذن الٰہی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی اجل سے مراد ہے انسان کی ہر حالت کی حد اور دوسری اجل سے مراد ہے موت یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے بچپن' جوانی' بڑھاپے' بے شعوری' شعور و عقل' فقیری امیری' تندرستی' بیماری' غفلت و ہوشیاری سب کی معیادوں کا فیصلہ فرمادیا کہ تم فلاں وقت تک ایسے رہو گے فلاں وقت تک ویسے موت کی میعاد اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے۔ ثم انتم تمترون۔ یہ عبارت پچھلی ساری عبارت پر معطوف ہے ثم فرمایا صرف تعجب دلانے کے لئے ہے تاخیر کے لئے نہیں انتم میں خطاب ان کفار سے ہے جو قیامت کے انکاری تھے تمترون یا تو مریۃ سے بنا ہے بمعنی شک یا مراء سے بمعنی جھگڑا یعنی اے منکرین قیامت تم ہماری ان قدرتوں کو جان کر مان کر پھر قیامت میں شک کرتے ہو یا قیامت کے متعلق مسلمانوں سے جھگڑتے ہو تمہارا یہ شک یا یہ جھگڑا بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ جب ہم تم کو ایجاد کر سکتے ہیں تو دوبارہ اٹھا بھی سکتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کے تین جز ہیں الحمد للہ۔ جس میں دعویٰ ہے کہ الذی خلق الخ جس میں اس دعوے کی دلیل ہے ثم الذین کفروا جس میں نافرمان ناشکرے بندوں کی شکایت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تمام تعریفیں واقعہ میں ہی کی ہیں خواہ براہ راست اس کی تعریف کی جاوے یا اس کی کسی مخلوق کی تعریف کی جاوے واقعہ میں تمام تعریفیں اس کی ہیں کہ مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف ہوتی ہے یا وہ حمد رب کے ہاں قبول ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہو اللہ تعالیٰ وہ شان والا ہے جس نے سارے آسمانوں و زمین کو پیدا فرمایا ان کے علاوہ قسم قسم کی جسمانی یا روحانی تاریکیاں بھی پیدا فرمائیں اور جسمانی و روحانی روشنی بھی ایسے شان والے رب کے برابر کون ہو سکتا ہے ان تمام باتوں کے باوجود مشرکین میرے بعض بندوں کو میرے برابر کر دیتے ہیں کہ میرے سوا ان کی بھی پرستش کرتے ہیں یا انہیں بلند کر کے مجھ تک یا مجھے گرا کر ان بندوں تک پہنچا دیتے ہیں یا پھر بھی ناشکرے بندے اپنے رب سے ہٹ کر اپنے کمالات پر فخر کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ تو وہ قدرت والا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اس طرح کہ تم سب کی اصل حضرت آدم کو مٹی سے بنایا لہٰذا تمہاری اصل مٹی ہے یا اس طرح کہ تم کو نطفہ سے نطفہ کو خون سے خون کو غذا سے غذا کو مٹی سے بنایا بہر حال تمہاری اصل مٹی ہی ہے پھر تمہاری موت کے لئے ایک میعاد مقرر فرمائی۔ جس کا پتہ کسی قدر کبھی تم کو بھی دے دیا جاتا ہے کہ تم بعض بیماریوں یا بڑھاپے یا کوئی خاص علامت سے موت کا وقت جان لیتے ہو اور تمہاری ایک میعاد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہے تمہیں پتہ نہیں یعنی قیامت کا دن کہ تم قیامت تک عالم برزخ میں رہو گے اے قیامت کے منکر کافرو ان تمام باتوں کے باوجود قیامت میں شک کرتے ہو مسلمانوں سے اس کے متعلق جھگڑتے ہو اتنا نہیں سمجھتے کہ جو ایجاد پر قادر ہے وہ دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے جب ہم نے تم کو پہلی بار بنایا تو

دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے ان چیزوں میں غور کرو اور قیامت پر ایمان لاؤ۔ عرب میں بہت قسم کے کفار تھے دہریے یعنی اللہ کی ہستی کے منکر۔ مشرکین چند الہ ماننے والے۔ قیامت کے منکر 'نبوت اور کتاب کے منکر 'ختم نبوت کے منکر ہو سکتا ہے کہ تمترون میں ان تمام کفار سے خطاب ہو ہر کافر انسان کی پیدائش میں غور کرکے ان تمام شکوک سے توبہ کرے کوئی چیز بغیر فاعل کے نہیں ہوتی تو تمہاری پیدائش بغیر رب کے کیسے ہو گئی تم خود دلیل فاعل ہو جب تم تلوار دیکھ کر لوہار کو مکان دیکھ کر معمار کو مان لیتے ہو تو اپنے کو دیکھ کر خالق جبار کو مان لو کوئی ملک دو بادشاہوں کا متحمل نہیں ہو تا ملک کا انتظام چاہتا ہے کہ بادشاہ یا صدر ایک ہو ماتحت عملہ بہت تمہاری پیدائش چاہتی ہے کہ دل ایک ہو باقی اعضاء چند اپنے میں غور کرو اللہ کو ایک مان لو اللہ نے تمہاری طفولیت جوانی بڑھاپے 'بلکہ جاگنے سونے کی حدیں رکھیں ان کو دیکھو اور قیامت کو مانو ایک وقت تمہارے سونے کا دوسرا وقت جاگنے کا ایسے ہی ایک وقت مرنے کا ہے اور دوسرا اٹھنے کا۔ واجل مسمی عندہ۔ تم خود دلیل قیامت ہو۔ اللہ نے تم کو پیدا کرکے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری بقا کے لئے ہوا 'غذا 'دوائیں وغیرہ پیدا کیں تو کیسے ہو سکتا ہے کہ عالم روحانیت میں انہیں آوارہ چھوڑ دے اس نے تمہاری روحانی بقا کے لئے نبی 'کتابیں 'احکام بھیجے خلقکم من طین میں غور کرو اور نبوت کو مان لو پھر ہر چیز اپنے کمال پر یا اپنے اصل پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے جوانی بڑھاپا تمہارے جسموں کی پیدائش حد سے پہلے ترقی کرتی رہتی ہے حد پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے یونہی نبوت کمال یا اپنی اصل پر پہنچنے سے پہلے برابر جاری رہی اپنے کمال پر پہنچ کر ختم ہو گئی الیوم اکملت لکم دینکم دریا سمندر پر پہنچنے سے پہلے رواں رہتے ہیں وہاں پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں اب پڑھو واجل مسمی عندہ ثم انتم تمترون میں خطاب سارے کفار سے ہے اور ہماری پیدائش اجل مسمی توحید 'قیامت 'نبوت 'ختم نبوت سب کی دلیل ہے ہم ان تمام دلائل کے دفتر ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مخلوق کی خصوصاً حضرات انبیاء و اولیاء کی تعریفیں کرنا شرعاً منع نہیں بلکہ اگر نیت خیر سے ہوں تو عبادت ہے کہ یہ تمام تعریفیں بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی ہی تعریفیں ہیں کہ جو بندہ جو بھی بنا رب کے بنانے سے بنا صنعت کی تعریف سے صانع خوش ہوتا ہے۔ کتاب کی تعریف سے مصنف خوش ہوتا ہے۔ خط کی تعریف سے لکھنے والا خوش ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے صحابہ و اہل بیت و اولیاء اللہ کی تعریف سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ اسی نے ان کو قابل تعریف بنایا ہے یہ فائدہ الحمد للہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حمد الٰہی بہترین عبادت ہے مگر جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ماتحت ہو اپنی رائے اپنی عقل سے 'تعریف نہ عبادت ہے نہ مقبول یہ فائدہ الحمد اللہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ تمام عبادات کا یہ ہی حال ہے کہ حضرت کی تعلیم کے مطابق ہوں تو عبادت ہیں ورنہ بیکار بلکہ معز و نقصان رساں۔ تیسرا فائدہ: جسمانی و روحانی اندھیریاں بہت زیادہ ہیں اور روشنی صرف ایک یہ فائدہ الظلمات کو جمع فرمانے اور نور کو واحد فرمانے سے حاصل ہوا کفر و شرک بہت ہیں ایمان صرف ایک فسق بہت ہیں تقویٰ و پرہیز گاری صرف ایک ہی یہ حال جسمانی روشنی و تاریکی کا ہے ماں کے پیٹ میں اندھیرا اور قسم کا تھا رات کا اندھیرا اور قسم کا دریا کی تہ میں اندھیرا اور طرح کا تہ خانہ یا قبر میں اندھیرا اور قسم کا ہے مگر روشنی ایک ہی ہے خواہ چراغ سے حاصل ہو یا چاند سورج وغیرہ سے۔ چوتھا فائدہ: شرک کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی بندے کو رب تعالیٰ کے برابر مانا جاوے خواہ بندے کا مرتبہ اتنا اونچا سمجھا جاوے کہ وہ خدا کی برابر ہو جاوے یا رب تعالیٰ کا درجہ اتنا ہی نیچا سمجھا جاوے کہ وہ بندے کے برابر ہو جاوے۔ مشرکین

عرب فرشتوں کو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی اولاد مانتے ہیں یہ عقیدہ شرک ہے کہ اس میں بندہ کو رب تک پہنچادیا بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنے معبودوں کا حاجت مند جانتے ہیں یہ شرک ہے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کو نعوذ باللہ نیچا کر کے بندوں کے برابر کردیا اگر برابری کا عقیدہ نہ ہو تو شرک نہیں یہ فائدہ بربہم یعدلون سے حاصل ہوا لہذا حضرات انبیاء و اولیاء کو باذن الٰہی حاجت روا یا مشکل کشا ماننا شرک نہیں اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو بعض بندے بعض کے حاجت روا ہوتے ہیں حکام رعایا کے حکیم بیمار کے امیر تخی غریبوں کی حاجتیں پوری کرتے رہتے ہیں دوسری جگہ قرآن کریم مشرکین کا ایک قول نقل فرماتا ہے جو وہ قیامت میں اپنے معبودان باطلہ سے کریں گے اذ نسویکم برب العلمین ہم سے بڑی غلطی ہوئی کہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے ان آیات سے وہ حضرات عبرت پکڑیں جو بات بات پر مسلمانوں کو مشرک کہتے رہتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: انسان کی اصل مٹی ہے لہذا مٹی باقی تمام عناصر سے افضل ہے کہ اسی سے حضرات انبیاء و اولیاء کی پیدائش ہے اور بعد وفات اسی میں دفن ہوتا ہے۔ بلکہ سب کی غذا بھی مٹی ہی سے ہے یہ فائدہ خلقکم من طین سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: قرآن کریم کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے آسمان بعد میں پیدا ہوئے تو یہاں خلق السموات والارض کیوں فرمایا آسمانوں کا ذکر زمین سے پہلے کیوں فرمایا زمین آسمان سے اشرف و افضل بھی ہے اور پیدائش میں پہلے بھی جواب: آسمان فاعل ہیں زمین مفعول آسمان فیض رساں ہیں زمین فیض یاب دھوپ' بارش' چاندنی' تاروں کی روشنیاں آسمان سے زمین پر آتی ہیں اس لئے فاعل کو مفعول سے پہلے بیان فرمایا گیا۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہے اس لئے کہ آسمان کا ذکر زمین سے پہلے قرآن مجید میں ہوتا ہے نیز آسمان پر گناہ نہیں ہوتے زمین پر کفر و شرک گناہ سب کچھ ہوتے ہیں نیز آسمان پر گندگی نہیں زمین پر ہر جگہ گندگی کے ڈھیر ہیں مگر محققین علماء کا قول یہ ہے کہ زمین آسمانوں سے افضل ہے کیونکہ آسمان فرشتوں کا مسکن ہے تو زمین حضرت انبیاء خصوصاً حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن بھی ہے مدفن بھی۔ آسمان پر صرف نماز ہوتی ہے کہ فرشتے قیام' رکوع' سجود میں ہیں۔ مگر زمین پر نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد وغیرہ ساری عبادات ہوتی ہیں نیز زمین منشاء کائنات ہے کہ انسان جو مقصود عالم ہے وہ زمین پر ہی رہتا ہے۔ کسی شاعر نے زمین و آسمان کا مکالمہ یوں نقل کیا۔

فلک بولا کہ مجھ میں چاند اور مہر انور ہے — زمین بولی کہ مسجد میں مری اللہ اکبر ہے
فلک بولا کہ تاروں سے منور میرا سینہ ہے — زمین بولی کہ مجھ میں طور ہے مکہ مدینہ

آسمان نے زمین کو طعنہ دیا کہ۔

فرعون تجھ سے نکلا ہامان تجھ سے نکلا!

زمین نے جواب دیا کہ۔

ان سب کا پیرو مرشد شیطان تجھ سے نکلا!

مگر چونکہ آسمان کو حضرات انبیاء سے مناسبت ہے اور زمین کو امت سے اس لئے آسمان کا ذکر پہلے ہوتا ہے زمین کا بعد میں آسمان

سایہ فگن ہے۔ زمین آسمان کے زیر سایہ ہے یوں ہی آسمان فیض رساں ہے زمین فیضیاب۔ دوسرا اعتراض: ظلمت کو جمع نور کو واحد کیوں فرمایا گیا یا دونوں کو واحد فرمایا جاتا یا دونوں کو جمع۔ جواب: اس لئے کہ تاریکی کے اسباب بلکہ تاریکی کی قسمیں و میں بہت ہیں روشنی کی نوعیت ایک ہے اگرچہ نور کے صفات مختلف ہیں کہ کوئی روشنی تیز ہے کوئی ہلکی مگر حقیقت نور ایک ہی ہے یعنی وافع ظلمت اس وجہ سے ظلمت جمع اور نور واحد ارشاد ہوا۔ تیسرا اعتراض: مشرکین اپنے باطل معبودوں کو رب تعالیٰ کے برابر نہیں جانتے وہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے یہ سب مخلوق ہیں پھر بربھم یعدلون فرمانا کیونکر درست ہوا۔ جواب: مشرکین اپنے معبودوں کو بندہ مان کر ان میں بعض صفات ایسی مانتے ہیں جس سے رب تعالیٰ کے ساتھ برابری ہو جاوے جیسے انہیں رب کی اولاد یا بیوی ماننا یا رب کی طرح انہیں ازلی ابدی ماننا یا رب تعالیٰ کو ان کا حاجتمند ماننا یا انہیں بعض چیزوں کا خالق ماننا وغیرہ وغیرہ ایک صفت میں برابر کر دینا شرک کے لئے کافی ہے بندہ کسی صفت میں رب کی برابر نہیں ہو سکتا رب رب ہے بندہ بندہ ہے۔ چوتھا اعتراض: مشرکین اپنے معبودوں کو بہ عطاء الٰہی خالق مانتے ہیں۔ فلاسفہ بہ عطاء الٰہی عالم یا دس عقلوں کو ازلی (قدیم) مانتے ہیں۔ آریہ بہ عطاء الٰہی روح و مادہ کو عنادی یعنی قدیم مانتے ہیں انہیں مشرک کیوں کہا جاتا ہے۔ تم بھی اللہ کے بعض بندوں کو سمیع علیم، عالم غیب یا جنت وہاں کی نعمتوں اور جنتیوں کو ابدی مانتے ہو یہ اذن الٰہی اسلام کے ان عقیدوں اور مشرکین یا فلاسفہ کے عقیدوں میں کیا فرق ہے تم بھی بندوں کو خدا کے برابر مانتے ہو۔ بربھم یعدلون تم پر بھی صادق ہے (دیوبندی) جواب: سمع، بصر، علم وغیرہ عطائی ہو سکتے ہیں مگر خالقیت عطائی نہیں ہو سکی۔ خالقیت بغیر غنا ناممکن ہے اور غنا الوہیت کا مدار ہے معبود وہ جو غنی ہے بندہ اور عابد وہ ہے جو محتاج ہے بندہ کاسب ہے خالق نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز کو ازلی ماننا باذن الٰہی۔ شرک نہیں کفر ہے یعنی فلاسفہ جن کا مذکورہ عقیدہ ہے وہ شرعاً" کافر ہیں کہ ایک عقیدہ قرآنیہ کے منکر ہیں مگر مشرک نہیں کہ انہوں نے کسی کو رب کے برابر نہیں مانا اس کے متعلق ہماری کتاب اسلام کی چار اصطلاحوں کا مطالعہ کرو۔ کفر شرک میں فرق ہے کفر عام مطلق ہے شرک خاص مطلق ہے پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ موت کا وقت مقرر ہے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کیسے کرتے تھے وہ مردے اپنی عمر پوری کر کے مر چکے تھے یوں ہی حضرت خلیل اللہ کی پکار پر ذبح شدہ جانور اور حضرت خرقیل علیہ السلام کی دعا سے فوت شدہ بستی والے حضرت عزیر علیہ السلام کے سامنے مرا ہوا گدھا یہ تمام زندہ کیونکر ہوئے حالانکہ ان سب کا ثبوت قرآن مجید سے ہے۔ جواب: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کے قانون کا ذکر ہے ان واقعات میں اس رب کی قدرت کا ظہور اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی دعا یا معجزے سے ان مردوں کو دوبارہ عمر بخشی وہ رب بجھے چراغ میں دوبارہ عمر کا تیل بتی ڈال سکتا ہے ہاں کوئی شخص رب کا مقابلہ کر کے کسی مردے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اس کی مفصل بحث تیسرے پارہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے مقبولوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں مگر بدلتا ہے رب تعالیٰ ہی خود فرماتا ہے یمحوا اللہ ما یشاء یثبت و عندہ ام الکتاب۔ چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو اجل کا ذکر کیوں ہے اجل یعنی موت تو ایک بار ہی آوے گی۔ قضی اجلا اور پھر فرمایا واجل مسمی عندہ۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ پہلی اجل سے مراد انسان کی موت ہے دوسری اجل سے مراد قیام قیامت ہے یعنی دنیاوی زندگی اور برزخی زندگی دونوں کی انتہاء کا ذکر ہے وغیرہ۔ ساتواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں کہ فرمایا گیا واجل مسمی عندہ جب قیامت رب کے نزدیک مقرر ہے پھر دوسرے

کو اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے جگہ فرماتا ہے وعندہ علم الساعۃ پھر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم کیوں مانتے ہو یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: حق یہ ہی ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم قیامت عطا فرمایا اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو ان آیات میں یہ تو ارشاد ہے کہ علم قیامت رب تعالیٰ کو ہی ہے مگر عطاء علم کی نفی نہیں اس نے اپنے بعض محبوب بندوں کو یہ علم بھی بخشا ہے۔ جس پر بہت دلائل قائم ہیں۔ حصر علم عطاء علم کے خلاف نہیں پورا عالم ہوتا ہی وہ ہے۔ جو دوسرے کو علم سکھا بھی سکے اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے وہ عالم بھی ہے اور علیم بھی یعنی علم دینے والا بھی۔

تفسیر صوفیانہ: اے لوگو! اس اللہ کی حمد کرو جس نے اپنے بندوں میں حضرات انبیاء و اولیاء پیدا فرمائے جو اس کی مخلوق پر آسمانوں کی طرح سایہ فگن ہیں اور ان بندوں میں دوسرے لوگ بنائے جو زمین کی طرح نبوت وولایت کے سایوں میں ہیں وہ حضرات فیض دیتے ہیں یہ لوگ فیض لیتے ہیں۔ اس زمین پر نفوس کی اندھیریاں اور دل کے نور ڈالے چنانچہ نفس کے عیوب حیوانی' شیطانی' بہیمی' درندگی' حسد' غصہ' کینہ وغیرہ ہیں جو اندھیریاں ہیں دل کے وصف روحانی ہلکی ہے۔ جس پر نفس کے عیوب غالب آگئے اس کا دوست شیطان بن گیا۔ جس پر دل کے صفات کا غلبہ ہو گیا وہ رحمان کی حمایت میں آگیا فرماتا ہے اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور پھر ان ظلماتی لوگوں نے اپنی اندھیروں کی وجہ سے شیطان کو رحمانی کے برابر کر دیا کہ اس کی پرستش کرنے لگے یعنی رب کے بندے کے بندے بن گئے۔

لطیفہ: حضرت ابو اعیث ابن ہمیل نے بعض لوگوں سے کہا کہ اے میرے بندے کے بندو ان لوگوں نے یہ شکایت حضرت شیخ اسماعیل سے کی انہوں نے کہا کہ حق فرمایا تم ہوائے کے بندہ ہو اور ابو الغیث خدا کا بندہ ہے۔ جس کی وجہ سے ہوا ان کا بندہ بن گئی (یعنی نفسانی خواہش) کہ تم بندے ہو اور ہوا ان کا بندہ رب تعالیٰ نے روح کے لئے ایام فراق کے لئے میعاد مقرر فرمائی۔ جس میعاد میں وہ بارگاہ الٰہی سے دوری میں رہیں گے۔ ان کے نزدیک وصال کے لئے ایک وقت مقرر ہے اس فصل کے بعد وصل ہے جس دل پر یہ آفتاب طلوع ہو جائے تو پھر کبھی غروب نہیں ہوتا کہ تم اے جلدباز و اس وصال میں شک کرتے ہو اس لئے وقت سے پہلے وصال چاہتے ہو (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ معرفت الٰہی کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ عالم کی چیزوں سے اسے پہچاننا دوسرا درجہ خود اپنے ذریعہ سے اسے پہچاننا ہم خود اس کی معرفت کی دلیل بلکہ اس کی کتاب ہیں تیسرا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رب کو پہچاننا۔ چوتھا درجہ ہے خود رب سے رب کو پہچاننا یہاں پہلی آیت میں معرفت کا پہلا درجہ بتایا گیا یعنی اس کی مخلوق کے ذریعہ اسے پہچاننا دوسری آیت میں معرفت کا دوسرا درجہ بیان ہوا یعنی خود اپنے ذریعہ رب کو پہچاننا۔ ھو الذی خلقکم مگر اپنے ذریعہ رب کو وہ پہچانے گا جو پہلے اپنے کو پہچانے وفی انفسکم افلا تبصرون اور خود اپنے کو پہچاننا شیخ کامل کی نگاہ سے ہی ہو سکتا ہے ہم اپنی جسمانی بیماریاں تندرستی خود نہیں جانتے طبیب بتاتا ہے یوں ہی اپنے روحانی جنانی کیفیات خود نہیں سمجھ سکتے کوئی بتائے تو جانیں مکھن دودھ میں ہی ہوتا ہے مگر نکلتا ہے کسی کامل کی کوشش سے اس کی رئی (مدھانی) کے ذریعہ سے یہ دوسری آیت بڑی معرفت کی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کو مٹی سے پیدا فرمانے سے بہت حکمتیں ہیں ایک یہ کہ مٹی ارذل مخلوق ہے اور انسان اشرف مخلوق اللہ کی شان ہے کہ ارذل سے اشرف بنایا مٹی بہت ہی ناپاک جس سے غسل واجب ہوتا ہے انسان اعلیٰ درجہ کا پاک حسین ہو الایہ وہ رب ہے۔ جس نے ایسی ناپاک چیز سے ایسا پاک انسان

بنایا بعض مٹی قیمتی ہوتی ہے۔ جیسے سیل کرو' گیرو' سفید مٹی مگر انسان بے قیمتی' بے قدری مٹی یعنی تراب سے بنایوں ہی جس انسان میں عجز و انکسار بے قدری ہے اسی سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے نیز فرماتے ہیں کہ خدا کے سواء ازلی یعنی ہمیشہ سے کوئی چیز نہیں ہر چیز نیست سے ہست ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کے بعد بندے اللہ کے حکم سے ابدی ہیں یعنی ہمیشہ رہنے والے جنت وہاں کی نعمتیں اور جنتی لوگ ابدی ہیں۔ **خالدین فیها ابدا** لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غلام غیر فانی لازوال ابدی ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا **بالحق لما جاء هم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لازوال ابدی فرمایا۔ آیت کریمہ **کل شیء هالک الا وجهه** اور **کل من علیها فان** میں ہلاکت اور فنا بمعنی موت ہے یا وہاں معنی یہ ہیں کہ ہر چیز بذات خود قابل فنا قابل ہلاکت ہے جسے رب چاہے وہ ابدی ہوتا ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۚ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ

اور وہی معبود ہے آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے حالات کو تمہارے ظاہر حالات کو اور جانتا

اور وہ اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے

مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا

ہے جو تم کماتے ہو اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی نشانیوں میں سے ان کے رب کی مگر ہوتے ہیں وہ اس

کام جانتا ہے اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی اپنے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر

مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا

سے منہ پھیرنے والے بس بے شک جھوٹا کہا انہوں نے حق کو جبکہ آیا وہ ان کے پاس پس عنقریب آئیں

لیتے ہیں تو بے شک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا تو اب خبر ہوا چاہتی ہے اس چیز کی

مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

گی ان کے پاس خبریں اس کی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے

جس پر ہنس رہے تھے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی صفت خالقیت کا ذکر تھا اب اس کی صفت علم کا تذکرہ ہے کہ خلق بغیر علم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا تعلق: بعض منکرین قیامت کہتے تھے کہ عالم کا کوئی خالق مختار نہیں سب کچھ خود بخود بن گیا ہے۔ اس لئے حشر نہیں۔ بعض کہتے تھے کہ عالم کا خالق مختار تو ہے مگر اسے جزئیات کا علم نہیں اور جو عالم نہ ہو وہ سزا جزا نہیں دے سکتا۔ دیکھو جج مقدمہ میں تفتیش و تحقیق پہلے کرتا ہے فیصلہ بعد میں یہ تفتیش جج کے علم کے لئے ہوتی ہے تا کہ وہ سزا و جزا درست طرح دے سکے بے خبر حاکم سزا دے گا تو غلط۔ لہذا قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ کچھ نہیں پچھلی آیات میں پہلے گروہ کا رد ہوا اب دوسرے گروہ کی تردید ہے۔ تیسرا تعلق: ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ کی قدرت و علم وغیرہ کے دلائل دیئے گئے ہیں منکرین کی وجہ انکار کا بیان ہوا کہ وہ لوگ ان میں غور

نہیں کرتے لہٰذا وہ سزا کے مستحق ہیں کہ جو سمجھانے سے نہیں مانتا وہ گوشمالی چاہتا ہے۔

تفسیر: **وهو الله فی السموت وفی الارض۔** یہ نیا جملہ ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے **هو** کا مرجع ذات رب العالمین ہے۔ چونکہ وہ سب کو معلوم ہے اس لئے بغیر ذکر کئے ہوئے بھی اس کی طرف ضمیر پھر سکتی ہے یا الحمد للہ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے لفظ اللہ اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی معبود' مالک' مدبر امر' خالق یا اللہ علم ذات ہے مگر چونکہ وہ ان صفات میں مشہور و معلوم ہے اس لئے اس سے وہ صفات مراد ہیں لہٰذا **فی السموت والارض** لفظ اللہ کے متعلق ہے جیسے کہا جاتا ہے **هو حاتم فی طی یا هو نوشروان فی قومه** وہ اپنی قوم میں نوشیرواں ہے۔ یعنی عادل ہے وہ بنی طے میں حاتم یعنی سخی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ رب تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں معبود ہے کہ ہر جگہ اس کی عبادت ہو رہی ہے یا اس کی مالکیت خالقیت آسمانوں اور زمین میں ہے ایک احتمال یہ ہے کہ **فی السموت والارض** متعلق مقدم ہو **یعلم** کا اور **هو الله** علیحدہ جملہ ہو اور **فی السموت** سے **جهركم** تک دوسرا جملہ ہو اور معنی یہ ہوں کہ وہ رب کریم اللہ ہے۔ وہ تمام مخلوق ان کے کھلے چھپے اعمال کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی فرشتے آسمانوں میں اور جن و انس وغیرہ زمین میں جو کھلے چھپے اعمال کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی فرشتے آسمانوں میں اور جن و انس وغیرہ زمین میں جو کھلے چھپے اعمال کرتے ہیں وہ جانتا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ **فی السموت** ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہو معلوم' مشہور' معبود وغیرہ یعنی آسمانوں زمین میں وہ جانا پہچانا ہوا ہے اسے سب جانتے ہیں لہٰذا اس عبارت کی تین تفسیریں ہیں (تفسیر خازن' کبیر' روح البیان و معانی وغیرہ) تیسری تفسیر نہایت لذیذ ہے اس کا مقصد انسان کی جہالت پر تعجب دلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کی ہر چیز جانے مگر نہ جانے تو کون وہ جو اشرف المخلوق ہے جس پر ہماری نعمتیں بہت ہیں جو عالم کا مقصود۔ جس کی خاطر سارا عالم بنا یعنی انسان اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ بہت ہی شاندار ہے۔ جس میں بتایا کہ یہاں **فی** اضافت کا ہے لفظ اللہ مضاف ہے۔ **سماوات وارض** کی طرف یعنی آسمانوں اور زمین کا اللہ ہے **یعلم سركم وجهركم** یہ عبارت یا تو **هو** کی دوسری خبر ہے یا **فی السموات** کا متعلق جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا **یعلم** دوام اور استمرار کے لئے ہے سر سے مراد بندوں کے چھپے اعمال ہیں دلی ہوں یا ظاہری اعضاء کے اور جہر سے مراد کھلے عمل ہیں یا سر سے مراد ہے نیت و اخلاص سوا وغیرہ جہر سے مراد ہیں اعمال یا سر سے مراد ہیں ہماری چھپی ضرورتیں جن کی ہمیں بھی خبر نہیں جہر سے مراد ہیں ہماری کھلی ضرورتیں جن کی ہمیں خبر ہے یا سر سے مراد ہمارے چھپے حالات ہیں اور جہر سے مراد ہمارے ظاہری حالات غرضیکہ سر اور جہر میں چار احتمالات ہیں اور اس جملہ کی چار تفسیریں یعنی وہ رب تعالیٰ ہمیشہ سے تمہارے خفیہ و اعلانیہ اعمال یا تمہاری نیت' اخلاص' عقائد وغیرہ اور تمہارے حالات ہمیشہ سے جانتا ہے **ویعلم ما تكسبون** یہ عبارت پہلے **یعلم** پر معطوف ہے لہٰذا جو اس کی ترکیب ہے وہی اس کی **ما تكسبون** سے مراد دلی اور بدنی اعمال کی سزا و جزا ہے جو ہمارے کسب کا نتیجہ ہے جسے ہم بذریعہ اعمال کماتے ہیں کیونکہ اعمال تو **سركم و جهركم** میں آچکے تھے گویا کسب سے مراد ہے مکتسب جیسے کہا جاتا ہے یہ مال فلاں کی کمائی ہے یعنی کمائی ہوئی چیز یا کمائی کا نتیجہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کمائے ہوئے ثواب و عذاب کو بھی جانتا ہے کہ تم کس سزا و جزا کے مستحق ہو۔ غرضیکہ تمہارے اعمال اور نتیجہ اعمال سے خبردار ہے اس سے کوئی چیز چھپی نہیں تم میں سے بعض وہ ہیں جو تھوڑے عمل کر کے زیادہ ثواب کما لیتے ہیں جیسے حضرت ربیعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا کر جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی حاصل کر لی یا حضرت طلحہ نے جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی حفاظت کر کے جنت خرید لی بعض وہ ہیں جو زیادہ عمل کریں مگر ثواب تھوڑا پائیں۔ بعض وہ ہیں جو عمل بہت کریں رائیگاں جائیں بلکہ وبال جان بن جائیں۔ جیسے ابلیس کے اعمال بہت ہیں مگر بیکار بلکہ وبال ہم سب کو جانتے ہیں **وما تاتیھم من ایۃ من ایات ربھم** یہ علیحدہ اور مستقل جملہ ہے جس میں کفار کی غفلت بلکہ ہٹ دھرمی کا ذکر ہے گویا رب کو جاننے کے بعد اس کے ماننے کا ذکر ہے کہ مجھے جانتے سب ہیں **ھو اللہ فی السموات وفی الارض** مگر مجھے مانتے صرف مومن ہیں کفار مانتے نہیں اور بغیر مانے جانے جاننا مفید نہیں۔ **ھم** کا مرجع کفار عرب ہیں یا تمام دنیا کے کفار آیت سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں یا قرآن کریم کی آیات کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بھی تاقیامت سب کے پاس پہنچے سب نے آنکھوں دیکھے کے تمام نبیوں کے معجزات کے قصے رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت معجزات بعینہ باقی ہیں جیسے قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت چرچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین' علماء' اولیاء اور اولیاء اللہ کی کرامات یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں اور قرآنی آیات بھی ہر ایک کے پاس پہنچیں۔ **الا کانوا عنھا معرضین کانوا** کا مرجع وہی کفار ہیں **عنھا** کا مرجع آیات الہیہ **اعراض** سے مراد ہے چھوڑنا یا جھٹلانا یا ان میں غور و فکر نہ کرنا یعنی کفار عرب یا سارے کفار کا یہ حال ہے کہ ان کے پاس آپ کا جو معجزہ یا جو قرآنی آیت بھی پہنچتی وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں یا اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اس میں غور و تامل نہیں کرتے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے پاس دلائل قدرت دلائل وحدانیت میں جو دلیل پہنچتی ہے وہ اس میں غور نہیں کرتے یا اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کا ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ اس کے بنانے والے کی توحید کی دلیل ہے کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

ففی کل شئی لہ ایۃ — تدل علی انہ واحد!

ہر گیاہے کہ از زمین روید — وحدہٗ لا شریک لہ گوید!

فقد کذبوا بالحق لما جاء ھم۔ ظاہر یہ ہے کہ **فقد** کی **ف** تعلیلیہ ہے اور اس جملہ میں ان کے کفر و تکذیب کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال ہر عمل ہر قول حق ہے یعنی آیات الہیہ کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اس مجسم حق صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر چکے ہیں جن کا ہر حال حق ہے جو خود حق ہیں۔ جہاں وہ لمانہ ہو وہاں بارات کیسی جہاں نور نہ ہو وہاں روشنی کیسی جہاں ان محبوب کی غلامی نہ ہو۔ وہاں تصدیق یا ایمان کیسے۔ حق کے تین معنی ہیں۔ ثابت یعنی ناقابل زوال باطل قابل زوال' سچ جس میں جھوٹ کا شائبہ نہ ہو' باطل جھوٹا' حکمت والی چیز' باطل لغو و بیہودہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات' افعال' اعمال' احوال ان تینوں معنوں سے حق ہیں۔ آپ کی نبوت آپ کی کتاب آپ کا دین آپ کے احکام بلکہ آپ کا نام آپ کی عزت آپ کی محبوبیت لازوال ہے۔ جب آپ لازوال ہیں تو آپ کی ہر چیز لازوال' یوں ہی آپ کے کلام' کام' افعال' احوال سچے ہیں نیز آپ کی ذات آپ کا کلام آپ کی ہر ادا میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔ خیال رہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا جانتے نہ تھے آپ کو سچا جانتے مانتے ہیں نہ جھوٹا کرتے تھے بلکہ جھوٹا کہتے تھے لہٰذا **کذبوا** کے معنی ہیں کہ انہوں نے جھوٹا کہا یہ معنی نہیں کہ آپ کو جھوٹا کیا یا جھوٹا جانا۔ **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم لما جاء ھم** فرما کر یہ بتایا کہ وہ کفار آپ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کو نہیں جھٹلاتے تھے اور قیامت بلکہ اپنی موت کے وقت بھی نہیں جھٹلائیں گے یہ جھٹلانا ان کا اس

دنیا میں عارضی ہے فسوف یاتیھم انباء ما کانوا بہ یستھزءون یہ ف جزائیہ ہے اور اس جملہ میں کفار کی تکذیب وغیرہ کی جزا اس کے نتیجہ کا ذکر ہے انباء سے مراد وہ سزا اور عذاب ہے جس سے انہیں اسلام کی حقانیت کی خبر لگ جاوے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق ہونے کا پتہ چل جاوے گا اگرچہ وہ عذاب قیامت میں ہو گا مگر چونکہ قیامت صغریٰ یعنی ان کی موت بھی قریب ہے اور قیامت کبریٰ بھی قریب کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے سوف ارشاد ہوا معنی عنقریب یعنی ان تک وہ عذاب پہنچ جاوے گا جو انہیں ان تمام چیزوں کی حقانیت کی خبر دے دے گا اور وہ ان کو حق مان لیں گے مگر اس وقت ماننا کام نہ آوے گا آج ہم ان کو مناتے ہیں اور نہیں مانتے۔ کل وہ ہم کو منائیں گے ہم نہ مانیں گے۔

آج لے ان کی پناہ آج حیا کر ان سے — کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

خلاصہ ء تفسیر: یہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے منکر انسانوں کی شکایت فرمائی کہ میں ہر ذرہ میں ظاہر مجھے ہر چیز جانے مانے پہچانے میری عبادت کرے ابلیس تک مجھے مانتا ہے ہر جگہ میری عبادت ہو رہی ہے مجھ سے غافل ہوا تو کون اشرف خلق انسان چنانچہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ سارے آسمانوں اور ساری زمین میں ہر جگہ اس کی عبادت ہو رہی ہے وہی آسمانوں اور زمین کا معبود ہے اس کی معبودیت کی تو یہ شان ہے اس کے علم و خبر کی یہ شان ہے کہ اے لوگو وہ تمہارے کھلے چھپے حالات اعمال 'احوال' تمہاری نیتیں وغیرہ بھی جانتا ہے اور تمہارے اعمال کے انجام سے بھی خبردار ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے مگر کفار کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس اس کی جو نشانی قدرت یا جو آیت قرآنی پہنچتی ہے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں کہ یا تو اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے ہی نہیں۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنالیا ہے یا اس میں غور نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس ذات کریم کا انکار کر چکے ہیں جو کہ سراپا حق ہے جن کا ہر کام و کلام حق ہے جب وہ حق ان کے پاس تشریف لایا تو انہوں نے انکار کر دیا جس دل میں وہ حق یعنی محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر نہ ہوں وہاں آیات الہیہ کی روشنی کیسے پہنچے اب عنقریب انہیں اس انکار کا نتیجہ مل جاوے گا یہ اس کا انجام آنکھوں دیکھ لیں گے ابھی موقعہ ہے اسے غنیمت جانیں ایمان قبول کر لیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بعض جن و انس کے سوا کسی مخلوق میں کافر و مشرک و نافرمان نہیں سب رب تعالیٰ کے عابد اس کے مطیع ہیں یہ فائدہ اللہ فی السموات و الارض سے حاصل ہوا۔ یہ رب تعالیٰ کی بے نیازی ہے کہ بے عقل چیزوں کو اپنی معرفت بخشی اس معرفت سے محروم رہا تو کون عاقل منکر انسان انتہائی بڑے عاقل ابو جہل 'ابولہب امیہ ابن خلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچان سکے۔ پہچانا کس نے سیدھے سادے حضرت بلال نے۔

نہ میرے قلب و جگر میں نہ دیدہ تر میں — کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر میں

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر ذرہ ہر قطرے کا جاننے والا ہے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں یہ فائدہ یعلم کے اطلاق اور ما تکسبون کے عموم سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: دنیا میں عمل تو بہت لوگ کرتے ہیں مگر عمل کا پورا ثواب کوئی حاصل کرتا ہے ثواب بقدر عقل ملے گا یہ فائدہ ویعلم ما تکسبون سے حاصل ہوا ایک شخص فرض نماز یا جماعت کی پابندی نہیں کرتا مگر رات بھر نفل پڑھتا ہے اس کا ثواب کم دوسرا شخص نفل تھوڑے پڑھتا ہے مگر فجر و عشاء کی جماعت تکبیر

تحریر پاتا ہے اسے تمام رات نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے ایک شخص وہاں مسجد بناتا ہے جہاں پہلے ہی مسجدیں بہت ہیں یہ مسجد ویران پڑی رہتی ہے اس کا بالکل ثواب نہیں یا بہت کم دوسرا آدمی دینی مدرسہ بناتا ہے۔ جس سے علماء پیدا ہوتے ہیں یقیناً اس مدرسہ والے کا ثواب زیادہ ہے۔ ایک شخص نوافل پڑھتا ہے دوسرا شخص عالم ہے جو اپنی تصنیف فتووں سے مخلوق کو فائدے پہنچاتا ہے یقیناً اس عالم کا ثواب اس عابد سے زیادہ ہے عمل کرو مگر عقل کے ساتھ۔ چوتھا فائدہ: جب تک توفیق الٰہی دستگیری نہ کرے تب تک انسان کو کوئی چیز ہدایت نہیں دے سکتی اور اگر اس کریم کی توفیق شامل حال ہو تو دنیا کی ہر چیز بلکہ خود اپنے حالات ہدایت کا ذریعہ بن جاتے ہیں یہ فائدہ وما تاتیھم الخ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں غور نہ کرنا طریقہ کفار ہے مومن کو چاہئے کہ ہر چیز میں قدرت کے نشانات دیکھے اور ان کے خالق کی حمد و ثنا شکر کرے یہ فائدہ معرضین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کو اٹھتے تو اٹھتے ہی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے تھے۔ ان فی خلق السموات والارض الخ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ افسوس ہے اس پر جو یہ آیت کریمہ پڑھے اور چاند تاروں وغیرہ میں غور نہ کرے۔ مگر خیال رہے کہ ان مصنوعات الٰہیہ میں وہی غور مفید ہے جو معرفت الٰہی کا ذریعہ بن جاوے جو غور و خوض بے دینی و الحاد پیدا کردے وہ تو کفر ہے آج بعض سائنسی محققین راکٹوں اور سائنسی آلات کے ذریعہ فضاء خلا' چاند وغیرہ کی تحقیقات میں معروف ہو کر آسمان بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے منکر ہو گئے ہیں۔ یہ غور بے دینی ہے۔ مصنوع میں نہ پھنس جاؤ اس کے ذریعہ صانع کا پتہ لگاؤ۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا حق ہیں آپ کی ہر ادا ہر حال ہر کام ہر کلام حق ہے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حق بھی ہے یہ فائدہ فقد کذبوا بالحق کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے نہ مانا وہ روحانیت کی کوئی چیز نہیں مان سکتا یہ فائدہ فقد کذبوا بالحق کی تعلیلیہ ف سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا ہیں ساری ایمانیات بارات حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارش ہیں ساری ایمانیات اس بارش کی بہاریں جیسے ایک بارش ہزاروں دانے پھل پھول اگا دیتی ہے ایسے ہی ایک تعلق رسول ایمان و عرفان ولایت 'غوثیت و قطبیت کے پھل پھول پیدا فرما دیتی ہے۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں سکونت مدینہ منورہ میں ہوئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری جلوہ گری تاقیامت ہر جگہ ہر دل میں ہوئی یہ فائدہ جاءھم سے حاصل ہوا اس کی تفسیر وہ آیات ہیں لقد جاءکم رسول۔ بعث فیھم رسولا۔ سورج رہتا ہے آسمان پر مگر طلوع ہوتا ہے سارے جہان پر۔ نواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت۔ ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہو گئے کہ اب کوئی صحابی نہیں بنتا آنکھوں سے وہ جلوہ نظر نہیں آتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ختم نہ ہوئی وہ دنیا میں ایسے آئے کہ پھر نہ گئے۔ یہ فائدہ بھی جاءھم سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا تاقیامت تمام کفار کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ سورج ڈوب کر فنا نہیں ہو جاتا بلکہ ہماری نگاہوں سے چھپ جاتا ہے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ ۔۔۔ مرے چشم ظاہر سے چھپ جانے والے

مگر یہ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کافروں کے پاس بھی ہے مومنوں کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کی عقل یا آنکھوں میں آئے مگر مومنوں کے دل میں ایمان میں جاننے میں آئے اس لئے یہاں جاءھم

فرمایا اور سورۂ توبہ میں جاء کم فرمایا مومنوں کو عرفان بخشنے آئے کافروں کا طغیان بڑھانے آئے جیسے سورج چمگادڑ کی آنکھ اندھی کرنے آتا ہے۔ دوسروں کی آنکھیں روشن کرنے۔ دسواں فائدہ: جو کوئی دلائل قدرت سے ایمان نہ لائے اور رب کا مطیع نہ بنے وہ اس وقت توبہ کرے گا۔ جب توبہ کرنا کام نہ آوے گا۔ یہ فائدہ فسوف یاتیھم الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں رہتا ہے حالانکہ رب تعالیٰ جگہ میں رہنے سے پاک ہے اگر وہ آسمان و زمین میں رہتا ہے تو بتاؤ کہ آسمان و زمین کے بننے سے پہلے کہاں رہتا تھا وہ قدیم ہے اور آسمان و زمین حادث و نوپید (آریہ) جواب: یہ اعتراض اس وجہ سے ہے کہ معترض نے فی السموات سے پہلے موجود یا ساکن پوشیدہ مانا ہے یہ غلط ہے یا تو اس سے پہلے معبود پوشیدہ ہے یا فی السموت خود لفظ اللہ کے متعلق ہے کیونکہ اللہ بنا ہے الٰہ سے بمعنی معبود اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے فی السماء الہ وفی الارض الہ یا لفظ اللہ سے اس کی وہ صفات مراد ہیں جن میں وہ مشہور و معروف ہے جیسے حاتم سے مراد ہو سخی نوشیرواں سے مراد ہے انصاف والا یوں ہی اللہ سے اس کی رحمت و قدرت اس کا علم و حکمت مراد ہے لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ دوسرا اعتراض: انسانوں کے سارے اعمال تو سر کم و جھر کم میں آ گئے پھر ما تکسبون فرمانا غیر ضروری ہے اس کے بعد ما تکسبون کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ جہر و سر میں مراد ہے۔ علانیہ و خفیہ اعمال کرنا اور ما تکسبون سے مراد ہے اعمال کی سزا و جزا لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں پہلے ارشاد ہوا کہ ان کے پاس جو آیت آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں پھر آگے ارشاد ہوا فقد کذبوا بالحق کہ انہوں نے حق کو جھٹلایا وہ آیات ہی تو حق تھیں۔ جن کے جھٹلانے کا ذکر پہلے ہوا۔ پھر اسے دوبارہ کیوں بیان فرمایا۔ جواب: اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اور مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ ان محبوب کے انکاری ہو گئے اس لئے آیات الٰہیہ کا بھی انکار کر گئے۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ان کے پاس ان کے مذاق کی خبریں عنقریب آجائیں گی خبریں تو اب بھی آچکیں پھر آئندہ آنے کے کیا معنی۔ جواب: یہاں خبروں سے مراد عملی خبریں ہیں یعنی سزا و جزاء انسان قولی خبریں نہیں مانتا عملی خبر مان لیتا ہے سمجھ جاتا ہے کہ تو نے کیا کیا تھا۔ پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ ہلاکت غضب کی موت ہے۔ حالانکہ رب فرماتا ہے کل شئی ھالک الا وجھہ اور یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے فلما ھلک۔ جواب: ان آیات میں ہلاکت بمعنی فنا ہے شہادت کے مقابل مراد نہیں۔ نیز ہلاکت عام معنی میں آتا ہے مگر اہلاک غضب کی موت کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ یہاں اس آیت میں اہلاک ہی ارشاد ہوا ہے باب افعال سے۔

تفسیر صوفیانہ: وہ اللہ تعالیٰ آسمان وجود اور زمین نفوس میں معبود و مقصود ہے وہ رب تعالیٰ انسانوں کے خفیہ ملکی صفات کو بھی جانتا ہے اس لئے اسے اپنا خلیفہ بنایا اور اس کے ظاہری حیوانی نفسانی حالات کو بھی جانتا ہے اور تم ملکی قوتوں سے جو نیکیاں کرتے رہتے ہو انہیں بھی جانتا ہے اور جو حیوانی نفسانی ظاہری صفات سے برائیاں کر لیتے ہو انہیں بھی جانتا ہے انسان نیکیوں میں فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور گناہوں میں جانوروں بلکہ ابلیس سے آگے نکل جاتا ہے انسان دو رخ والا آئینہ ہے اس کے ایک رخ میں ربوبیت کے خصوصیات ہیں دوسرے رخ میں عبودیت کے اثرات اس لئے فرمایا گیا کہ ہم تمہارے ملکی صفات کو غیب اور حیوانی صفات کو شہادت میں جانتے ہیں۔

حیف باشد کہ عمر انسانی چوں بہائم بخواب و خور گذرد
آدمی می تواند از کوشش! کز مقام فرشتہ درگذرد

اس لئے آگے ارشاد ہوا کہ ان انسان نما جانوروں یعنی کفار کا یہ حال ہے کہ جب بھی ان کے پاس آیات ایسے آتی ہیں تو ان کا انکار کر کے اور کفر بڑھا لیتے ہیں کیونکہ وہ اے محبوب آپ کے منکر ہیں آیات تکوینیہ میں تو غور ہی نہیں کرتے آیات تشریعہ کا انکار کرتے رہتے ہیں انہوں نے اپنی ملکی صفات کھو دیئے حیوانی احوال ان پر چھا گئے لہٰذا یہ لوگ اپنا انجام آگے چل کر دیکھ لیں گے۔ بہتر ہے کہ انسان یہ دیکھنے سے پہلے سنبھل جاوے نہاں میں مانا عیاں میں ماننے سے بہتر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ظاہری اعضاء کی نیکیاں بھی مختلف ہیں ان کے گناہ بھی جدا گانہ ہیں ایسے ہی دل کی نیکیاں و گناہ مختلف ہیں اور دماغ کے گناہ و نیکیاں بھی جداگانہ دل کا کام ہے چاہنا پسند کرنا محبت کرنا یا نفرت کرنا اگر دل اللہ رسول اس کے پیاروں کو چاہے کفر و کفار سے نفرت کرے تو بندہ مومن ہے اس کے برعکس ہو تو بندہ کافر یوں ہی دماغ کا کام ہے غور کرنا۔ سوچنا بعض غور عبادات ہیں بعض غفلت بعض غور ایمان ہیں بعض کفر اپنے گناہ سوچنا اللہ کی نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں سوچنا قرآن مجید و احادیث میں غور کرنا عبادات ہیں۔ اللہ رسول میں عیب سوچنا اپنی بڑائی سوچنا کفر ہے۔ اسی غلط غور سے ابلیس مردود ہوا۔ جب فلسفی سائنس والی غور و سوچ سے ہوا جہاز اور ہر قسم کی مشین بنا لیتا ہے تو اللہ ولی اسی غور سے ایمان و عرفان بھی بنا سکتا۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق فرمایا فقد کذبوا بالحق حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں یعنی ناقابل زوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زوال یا فنا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں فنا ہو جانے والے فنا نہیں ہوتے موت اور چیز ہے فنا کچھ اور چیز اللہ کے محبوب موت سے فنا نہیں ہوتے جیسے سورج غروب ہو کر فنا نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہیں کہ آپ کے ہر قول فعل عمل سچے ہیں وہاں باطل یعنی جھوٹ کی پہنچ نہیں کیونکہ ان کا عمل ہر حرکت ہر سکون رب کی طرف سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق یعنی پر حکمت ہیں کہ آپ کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر نماز قضا ہو تو اس میں بھی حکمت ہے۔ انبیاء کرام کی خطائیں بھی حکمت سے پر ہوتی ہیں۔

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ

کیا نہ دیکھا انہوں نے کتنی ہلاک کردیں ہم نے ان سے پہلے قومیں قدرت دی ہم نے ان کو زمین میں وہ جو
کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا

نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ

نہ قدرت دی ہم نے تم کو اور بھیجی ہم نے ان پر بارش بہنے والی اور بنائیں ہم نے نہریں کہ بہتی تھیں ان کے نیچے
جو تمہیں نہ دیا اور ان پر موسلا دھار پانی بھیجا اور ان کے نیچے نہریں بہیں تو انہیں ہم نے گناہوں

تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥

سے پس ہلاک کر دیا ہم نے ان کو انکے گناہوں سے اور پیدا کیں ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں
کے سبب ہلاک کیا اور ان کے بعد اور سنگت اٹھائی۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں موجودہ کفار کے آیات الیہ سے منہ پھیرنے ان سے عبرت نہ پکڑنے کا ذکر ہوا اب منہ پھیرنے اعراض کرنے والوں کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ بیماری گزشتہ قوموں میں بھی تھی ان کا انجام ہلاکت ہوا تاکہ یہ موجودہ لوگ عبرت پکڑیں (تفسیر کبیر)۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں موجودہ کفار کے آیات الیہ سے منہ موڑنے ان میں غور نہ کرنے کا دعویٰ فرمایا گیا آیات خواہ تکوینیہ ہوں یعنی عالم کی چیزیں یا تشریعیہ قرآن مجید کی آیات یا عذاب الٰہی جو پچھلی قوموں پر آئے اب اس کے ثبوت اور دلیل کا بیان ہے کہ یہ لوگ گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور ہلاکت کے اسباب سے خبردار ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتے گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کی دلیل۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کھلے چھپے حالات جانتا ہے اب اس علم الٰہی کے ثبوت میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات کا اجمالی ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ہم بندوں کے حالات سے بے خبر ہوتے تو گزشتہ قوموں کو عذاب کیسے دیتے وہی حاکم مجرم کو سزا دے سکتا ہے جو علم و قدرت دونوں رکھتا ہو اگر ہمارے علم و قدرت کا انکار کرتا ہو تو ان تاریخی واقعات میں غور کرو۔

تفسیر: الم یروا کم اھلکنا۔ یہ نیا جملہ ہے اس کا ہمزہ انکاری سوال کے لئے ہے یروا بنا ہے رویت سے بمعنی دیکھنا خواہ آنکھ کا دیکھنا ہو یا دل کا دیکھنا یعنی غور کرنا اگر آنکھ کا دیکھنا مراد ہے تو ان ہلاک شدہ قوموں کے اجڑے ہوئے علاقے مکانات کے کھنڈروں کا دیکھنا مراد ہو گا جو مکہ والے اپنے سفروں میں دیکھا کرتے تھے بلکہ اصحاب فیل کی ہلاکت کے آثار خود مکہ معظمہ میں موجود تھے اور اگر دل کا دیکھنا مراد ہو تو عاد و ثمود و لوط مراد ہوں گی۔ جن کے واقعات عرب میں خصوصاً مکہ معظمہ میں ہی مشہور تھے۔ یرو کا فاعل یہی مکہ والے ہیں کم خواہ استفہامیہ ہو بمعنی کتنے یا خبریہ ہو بمعنی بہت سے۔ ہر حال اھلکنا کا مفعول ہے اھلکنا سے مراد ہے دنیا میں عذاب بھیج کر ان کو فنا کر دینا۔ صرف موت کے معنی میں نہیں ہے لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔ موت ہر زندہ کو آتی ہے مگر موت کی نوعیت میں فرق ہے کسی کو وصل کی موت آتی ہے جسے وصال کہا جاتا ہے کسی کو طبعی موت آتی ہے جسے وفات کہتے ہیں کسی کو کرامت و عزت کی موت آتی ہے جسے شہادت کہتے ہیں کسی کو ہلاکت و خواری کی موت آتی ہے جسے ہلاکت کہا جاتا ہے عشاق کی موت وصال ہے مطیعین کی موت شہادت ہے دنیادار کی موت طبعی ہے غضب و قہر کی موت ہلاکت چونکہ یہاں کفار مردودین کی موت کا ذکر ہے لہٰذا اھلکنا فرمایا گیا۔ جیسے سفر کبھی طبعی ہوتا ہے جیسے عام سفر کبھی رحمت کا ہوتا ہے۔ جیسے حج و زیارت کا سفر کبھی عذاب کا ہوتا ہے جیسے مجرم پھانسی والے کا سفر جو کسی جگہ لے جا کر پھانسی دیا جاوے من قبلھم من قرن پہلا من تو اھلکنا کے متعلق ہے اور من قبل کم کا بیان ہے۔ قرن کے معنی ہیں ملنا اسی سے ہے اقتران اصطلاح میں کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے زمانہ، جماعت ہم زمانہ لوگ، قوم یہاں یا تو بمعنی زمانہ

ہے تو قرن سے پہلے اصحاب پوشیدہ ہے یا بمعنی جماعت یا قوم ہے اس میں اختلاف ہے کہ کتنے زمانہ کو قرن کہتے ہیں بعض کے نزدیک ساٹھ سال بعض کے خیال میں ستر(70) یا اسی(80) سال مگر قوی یہ ہے کہ قرن سو برس کا ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن بشر مازنی سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن جیو گے تو وہ پورے ایک سو سال جیئے۔(خازن) وہ جو حدیث شریف میں ہے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم وہاں قرن سے مراد جماعت یا گروہ یا ہم زمانہ لوگ ہیں پہلے قرن سے مراد ہے حضرات صحابہ دوسرے سے تابعین تیسرے سے تبع تابعین (روح البیان) یعنی کیا مکہ والوں نے یہ نہ دیکھا یا یہ غور نہ کیا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں ہلاک فرمادیں ان قوموں کی کیفیت یہ تھی کہ ہم نے ان کو تین نعمتیں وہ دی تھیں جو دوسروں کو نہیں ملتی پہلی نعمت یہ کہ مکنہم فی الارض مالم نمکن لکم مکنا بنا ہے تمکین سے جس کا مادہ یا تو مکان ہے بمعنی جگہ یا مکانت بمعنی قدرت و قوت یا بمعنی درازی عمر یا جسم کا پھیلاؤ رزق میں فراخی (خازن) یہ جملہ قرن کی صفت ہے ہم کا مرجع وہی قرن ہے۔ کیونکہ وہ معنی جمع ہے کہ اس سے مراد پوری جماعت و قوم ہے الارض سے مراد ان کی اپنی زمین ہے۔ جہاں وہ رہتے بستے تھے۔ ما اسم موصول ہے اپنے صلہ سے مل کر تمکینا پوشیدہ کی صفت ہے اور تمکین مفعول مطلق ہے۔ مکنا کالذ امطلب واضح ہے لکم میں خطاب مکہ والوں سے ہے یعنی ان قوموں کو ہم نے وہ قوت، رزق میں برکت، جسم میں پھیلاو درازی عمر عطا فرمائی تھی کہ اے مکہ والوں ان کا عشر عشیر بھی نہیں عطا ہوئی ان پر دوسری مہربانی یہ تھی وارسلنا السماء علیہم مدرارا۔ یہ دوسری نعمت کا ذکر ہے جو ان مذکورہ قوموں کو عطا ہوئی تھیں۔ یہاں سماء سے مراد بارش ہے یعنی آسمان کی طرف سے آنے والا پانی مدرارا بنا ہے درج سے یہ بروزن مفعل مبالغہ کا صیغہ ہے درکے لغوی معنی ہیں بہنا کثرت سے دودھ یا زیادہ آنسوؤں کو مدرار کہا جاتا ہے تیز بارش کو بھی مدرار کہتے ہیں۔ جو زمین پر خوب بہے اور اس سے پرنالے بہنے لگیں۔ پھر اچھے یا برے عمل کو جس کا نفع نقصان جاری رہے کہا جاتا ہے للہ درہ یہاں بمعنی خراٹے کی بارش ہے یعنی ہم نے ان لوگوں پر حسب موقع تیز شرائے کی بارشیں بھیجیں۔ خیال رہے کہ یہاں ایک بار بھیجنا مراد نہیں۔ وجعلنا الانہار تجری من تحتہم۔ یہ تیسری نعمت کا ذکر ہے جو انہیں دنیا میں عطا ہوئی۔ جعلنا کے دو مفعول ہیں ایک الانہار دوسرا تجری من تحتہم انہار سے پانی کی نہریں مراد ہیں۔ چونکہ ان کے شہروں میں بہت سی نہریں تھیں بلکہ ایک ایک شہر میں چند نہریں اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا نہر یا دریا سے نکلتی ہے یا کسی خاص چشمہ سے ان کے شہروں میں دونوں قسم کی نہریں تھیں۔ تحتہم سے مراد تحت مساکنہم یا تحت بساتینہم ہے مقصد یہ ہے کہ موسم ربیع میں ان پر بارشیں ہر وقت ہوتی تھیں اور موسم خزاں میں ان کے محلوں ان کے باغات کے نیچے پانی کی نہریں رواں رہتی تھیں ان پر پانی کی کبھی کمی نہیں ہوئی تھی اور جہاں پانی کی فراوانی ہوگی ظاہر ہے کہ وہاں کھیتوں باغات پھلوں پھولوں غلہ کی بھی بہتات ہوگی۔ غرض کہ وہ ہر طرح عیش میں تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے گھر دولت سے بھرے تھے اور ان کے بازار غلے اور پھلوں سے بھرے پڑے تھے۔ جب گھر میں دولت بھی ہو بازار میں رزق بھی ہو تو سمجھ لو کہ اس قوم کی عیش و عشرت کی کیا حالت ہوگی فاھلکنا ھم بذنوبہم یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے لکفروا با فعصوا۔ لہٰذا ف جزائیہ ہے اھلاک سے مراد طبعی موت دنیا نہیں بلکہ دنیا میں غیبی عذاب سے انہیں تباہ و برباد کر دینا ہے ذنوب سے مراد ان کے جنانی و جسمانی دونوں قسم کے گناہ ہیں۔ کفر اور نافرمانی انبیاء یعنی انہوں نے ہماری نعمتوں کی قدر نہ کی کفر و نافرمانی میں مشغول ہو گئے تو ہم نے

ان کے برے عقائد بد اعمال کی وجہ سے ان پر عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا کہ اب ان کے قصے رہ گئے۔ غرضیکہ **ذ نوب** جمع فرما کر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ انہوں نے ایک قسم کے دو ایک گناہ نہ کئے بلکہ جانی 'جسمانی' مالی گناہ صدہا قسم کے کئے انہوں نے ایک دو دن گناہ نہ کئے بلکہ عرصہ دراز تک گناہ کرتے رہے۔ تب ہم نے پکڑا اور ہو سکتا ہے کہ **ذ نوب** سے مراد اپنے نبی کی مخالفت ہو چونکہ یہ گناہ تمام گناہوں کی جڑ ہے اس لئے اس ایک گناہ کو ذنوب فرمایا پیغمبر کی مخالفت سے عذاب آتا ہے۔ **وانشانا من بعدهم قرنا اخرین** ۔ یہ جملہ معطوف ہے **فاهلكنا هم** پر انشانا کے معنی ہیں خلقنا ہم نے پیدا فرمایں اور وہاں بسادیں قرن کے معنی ابھی عرض کئے جا چکے کیونکہ یہ معنی جمع ہے لہٰذا اس کی صفت **اخرین** جمع ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ قوم فرعون وغیرہ کی ہلاکت کے بعد مصر میں بنی اسرائیل بسا دیئے گئے۔ شہر ویران نہ رہا مگر قوم عاد و ثمود و قوم لوط کی ہلاکت کے بعد وہ بستیاں اجڑی ہی رہیں وہاں آبادی آج تک نہ ہوئی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جانے 'رہنے' ٹھہرنے سے بھی منع فرمایا لہٰذا یہ آیت کریمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ بعض ہلاک شدہ قوموں کی بستی میں ہی دوسری قومیں بسادی گئیں اور بعض قوموں کی ہلاکت کے بعد وہاں تو کوئی قوم نہ آئی مگر دنیا آباد رہی اور قوموں نے دنیا بسادی اس میں فرمایا گیا کہ ہم کسی قوم کے حاجت مند نہیں۔ ہماری دنیا آباد رہے گی۔ خواہ کوئی خاص قوم رہے یا نہ رہے ایسے ہی کفار عرب کی ہلاکت کے بعد دوسری قومیں عرب کو آباد رکھیں گی ان حالات سے عبرت پکڑو۔

خلاصہ ء تفسیر: کفار عرب جو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ڈوبے ہوئے ہیں کیا انہوں نے گزشتہ کفار کی اجڑی ہوئی بستیاں ان کے ویران کھنڈر اپنے سفروں میں نہ دیکھے یا کیا انہوں نے ان کفار کے حالات نہ جانے ضرور دیکھے ہیں ضرور جانتے ہیں جو ان سے پہلے گزرے جیسے نوح 'شعیب' لوط' صالح ہود علیہم السلام کی کافر قومیں جنہیں ہم نے بدنی قوت 'مالی طاقت' ظاہری ساز و سامان ان کفار عرب سے کہیں زیادہ دیا تھا ان پر یہ کرم فرمایا تھا کہ ہم ان پر موسم بہار میں ہر وقت خوب کافی بارش بھیجتے تھے اور موسم خزاں میں دریاؤں 'قدرتی چشموں سے ان کے محلوں' باغات کے نیچے نہریں بہا کرتی تھیں ان پر کبھی پانی کی تنگی نہ ہوتی تھی جب پانی کی ایسی فراوانی تھی تو ظاہر ہے کہ ان پر دانہ پھل پھول کی بھی بہتات تھی۔ غرضیکہ وہ ہر طرح عیش آرام میں تھے مگر وہ اس کرم فرمائی سے فائدہ نہ اٹھا سکے انہوں نے ہمارے انبیاء کی مخالفت ہی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر دنیاوی عذاب بھیج کر انہیں تباہ کر دیا ہلاک کر دیا۔ پھر ان کی ہلاکت سے ہمارے شہر خالی نہیں رہ گئے ہم نے ان کی جگہ دوسری قومیں بسادیں یا دنیا میں قومیں آباد کر دیں یہ ہی انجام ان کفار کا ہوگا کہ یہ نہ رہیں گے ان کی بدنامی رہے گی۔

نماند ستمگار بد روزگار بماند بر و لعنت پائیدار

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تباہ شدہ قوموں کے واقعات معلوم کرنا ان کے اجڑے ہوئے نشانات ویران بستیاں دیکھنا عبرت پکڑنے کے لئے اور اللہ کا خوف دل میں پیدا کرنے کے لئے یہ سب کچھ عبادت ہے۔ جس پر ثواب ملتا ہے یہ فائدہ **الم یروا** کی دونوں تفسیروں سے حاصل ہوا۔ لہٰذا مقبول بارگاہ بندوں کے حالات پڑھنا ان کی قبروں پر اللہ کی رحمتیں رونق میلے لگے ہوئے دیکھنا رب کی رحمت دیکھنے اس سے امید رکھنے کے لئے یہ بھی عبادت ہے خوف خدا کے لئے مردودین کے حالات دیکھو امید کے لئے مقبولین کے حالات کا مطالعہ کرو۔ دوسرا فائدہ: تاریخ و جغرافیہ اچھے علم ہیں ان کا سیکھنا ثواب ہے جبکہ ان سے اپنے ایمان میں پختگی پیدا کی جاوے یہ فائدہ **مكنا هم في الارض** لخ سے حاصل

ہوا۔ تیسرا فائدہ: اللہ کی نعمتوں کی ناشکری نعمتیں چھن جانے بلکہ عذاب آ جانے کا ذریعہ ہے دیکھو گزشتہ قوموں نے دنیاوی نعمتوں کی قدر نہ کی تباہ کر دی گئیں۔ یہ فائدہ فاھلکنا ھم بذ نوبھم سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: تاریخ واقعات جغرافیائی حالات اگر قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں تو معتبر ہیں دیکھو اہل عرب ہلاک شدہ قوموں کے حالات ان کی بستیوں کے نشانات کسی آیت یا حدیث سے نہیں بلکہ شہرت سے جانتے تھے اس کا اعتبار کیا گیا اور اس آیت میں ان کا حوالہ دیا گیا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی حالات ولادت پاک رضاعت شریف وغیرہ کی کیفیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات وغیرہ کی تاریخی روایات محض شہرت سے معتبر ہیں ان کے لئے آیت قرآنی یا حدیث صحیح کی ضرورت نہیں۔ کفار مکہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے نہ ان کفار کی ہلاکت کے وقت موجود تھے مگر صرف شہرت سے انہیں مانتے تھے۔ اس ماننے کا اعتبار کیا گیا (تفسیر کبیر)۔ پانچواں فائدہ: کوئی دنیاوی طاقت کوئی قوت انسان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی اس کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے وہ ہے اس کی عبادت اس کے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری۔

پہلا اعتراض: کفار مکہ نے ان گزشتہ قوموں کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا پھر الم یروا کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: یہاں رویت سے مراد دل کی رویت یعنی علم ہے۔ عرب میں ان کے واقعات بہت مشہور تھے۔ کفار عرب کو معلوم تھے اور اگر اس سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہو تو ان قوموں کے نشانات ان کی اجڑی بستیاں دیکھنا مراد ہے علامات کا دیکھنا گویا ان چیزوں کا ہی دیکھنا ہے۔
دوسرا اعتراض: اگر کفار کی ہلاکت ان کے کفر و عناد کی وجہ سے تھی تو ان پر مذکورہ نعمتیں ان کی کونسی عبادت و ریاضت سے برسائی گئی تھیں۔ جواب: وہ رب کریم نعمت و آرام اپنے فضل سے دیتا ہے نہ کہ ہمارے استحقاق سے مگر عذاب بغیر جرم نہیں دیتا تم نے ماں کے پیٹ سے آتے ہی ماں کا دودھ اور ہزار ہا قسم کی نعمتیں پائیں یہ تمہاری کس عبادات کا نتیجہ تھیں۔ محض اس کریم کی عطا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ماکہ بودیم و دعا ماچہ بود فضل تو دل داداے رب وودود

تیسرا اعتراض: دوسری آیات اور احادیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بستیوں پر عذاب آئے وہ کبھی آباد نہ ہوئیں مگر یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے ان قوموں کے بعد دوسری قومیں پیدا فرما دیں آیات میں بھی تعارض ہے اور آیت و حدیث میں بھی تعارض ان کی موافقت کیونکر ہو۔ جواب: قوموں کی ہلاکت دو طرح ہوئی ہے ایک اس طرح کہ ان کی بستیوں میں ہی عذاب آ گئے جیسے قوم عاد و ثمود یا قوم لوط' دوسرے اس طرح کے ان قوموں کو بستیوں سے نکال کر انہیں ہلاک کیا گیا۔ جیسے قوم فرعون کہ مصر سے نکال کر انہیں ہلاک کیا گیا پہلی صورت میں وہ بستیاں کبھی آباد نہ ہوئیں وہ اجڑی ہی رہیں مگر دوسری قسم کے عذاب میں بستیاں آباد رہیں جیسے مصر۔ یہاں انشاء نا کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان ہی بستیوں میں دوسری قومیں آباد کر دی گئیں۔ تب دوسری قسم کا عذاب مراد ہو گا۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں ہم نے دوسری قومیں پیدا فرما دیں۔ تب پہلی قسم کا عذاب مراد ہے۔ لہٰذا آیات و احادیث موافق ہیں ان میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جن بستیوں پر عذاب الٰہی آیا وہاں رہنا بسنا بلکہ وہاں ٹھہرنا بھی ممنوع ہے تو نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ساری روئے زمین پر طوفان آیا جو عذاب الٰہی تھا تو چاہئے کہ زمین کے کسی حصے میں رہنا جائز نہ ہو۔ جواب: طوفان نوحی کفار کے لئے عذاب تھا مگر حضرت نوح

اور ان کی کشتی میں سوار مومنوں کے لئے رحمت وہ طوفان ہر جنت سے عذاب نہ تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام زمین پر رہے اور طوفان آگیا اگر ہر طرح عذاب ہو تا تو حضرت نوح علیہ السلام اور مومنوں کو وہاں سے پہلے نکالا جاتا پھر عذاب آتا کیونکہ عذاب والی جگہ سے پہلے مومنین کو نکالا جاتا ہے پھر عذاب آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واخرجنا من کان فیھا من المومنین**۔ دیکھو غزوہ احزاب میں مدینہ منورہ میں ہوا کا طوفان آیا جس سے کفار بھگا دیئے گئے مگر یہ طوفان کفار کے لئے عذاب تھا اور مومنین کے لئے رحمت لہذا مدینہ منورہ میں رہنا درست رہا۔

تفسیر صوفیانہ: قانون الٰہی رہا ہے کہ لولا "بندوں کو نعمتوں سے نواز تا ہے پھر جب سارے بندے ناشکرے ہو جاتے ہیں تو وہ نعمتیں چھین لیتا ہے اگر اس پر درست ہو گئے تو خیر اور اگر پھر بھی نہ سمجھے تو ان پر عذاب آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے یہ عذاب آنا بند ہو گئے اب کبھی کوئی بستی اللہ کے بندوں سے خالی نہیں ہوتی۔ ان صالحین کی برکت سے عذاب سے حفاظت رہتی ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کچھ اللہ کے بندے ابدال رہیں گے جن کے سینے صاف، نیت اچھی، مسلمانوں پر رحیم و کریم اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لئے چن لیا ہے یہ حضرات چالیس ہیں جو قیامت تک رہیں گے۔ جب ان میں کسی کی وفات ہو جاتی ہے تو ان کی جگہ دوسرے مسلمان کو قائم کر دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ گنتی پوری رہتی ہے یہ لوگ قلب ابراہیمی پر ہوتے ہیں کسی کو برا نہیں کہتے اپنے ماتحتوں کو حقیر نہیں جانتے۔ طبیعت کے نرم دل کے سخی ہوتے ہیں۔ ان کی ذات ہدایت کا چراغ ہے یہ اللہ کا ٹولہ ہیں اور حزب اللہ ھم الغالبون۔ مگر عذاب معنوی تاقیامت ناشکرے مسلمانوں پر بھی آتا رہے گا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

شکر نعمت نعمت افزوں کند	کفر نعمت از کفت بیروں کند

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسخ صوری ختم ہو چکا مگر مسخ دل تاقیامت باقی ہے کہ بے ادب ناشکرے کا دل مسخ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ قابل اصلاح نہیں رہتا (روح البیان)۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور اگر ہم اتارتے اوپر آپ کے تحریر کاغذ میں پھر چھوتے وہ اسے اپنے ہاتھوں سے تو کہتے وہ جنہوں نے انکار کیا

اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اتارا گیا اوپر ان کے کوئی فرشتہ

مگر جادو کھلا اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ

لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا

اور اگر اتارتے ہم فرشتہ تو فیصلہ کر دیا جاتا معاملہ کا پھر نہ مہلت دیئے جاتے وہ اور اگر ہم بناتے اسے فرشتہ

اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم نبی فرشتہ کرتے جب بھی اسے

عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ ۝۹

تو بناتے اُسے مرد اور ضرور شبہ ڈالتے ان پر اس میں جو دھوکا کھاتے

مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان لوگوں کو تبلیغ اسلام کی گئی تھی جو محبت دنیا میں گرفتار ہونے کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے انہیں فرمایا گیا کہ دنیا آنی فانی ہے منٹوں میں فنا ہو جاتی ہے اس کی محبت میں آخرت کی لازوال نعمتیں چھوڑنا نادانی ہے اب ان لوگوں کو دعوت ایمان دی جا رہی ہے جو نبی پر اعتماد نہیں کرتے۔ ان کے معجزوں کو جادو کہہ کر ایمان نہیں لاتے جادو اور معجزہ میں فرق نہیں کرتے۔ گویا ایک جماعت کی فہمائش کے بعد دوسرے منکر جماعت کی فہمائش کی جا رہی ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گزشتہ قوموں کی خبریں دی گئیں۔ جن سے اس زمانہ کی تواریخ خاموش تھیں یہ خبریں دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل تھیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اس خبر کو جادو ہی کہیں گے۔ آپ کی نبوت کے قائل نہ ہونگے۔ گویا پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی معجزے کا ذکر تھا۔ اب ان بدنصیبوں کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ چونکہ یہ لوگ حق یعنی حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ اس لئے آیات رب پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اب ان بہانوں حیلوں کا ذکر ہے جس کی آڑ میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ گویا کفر پر اصرار کا ذکر پہلے ہوا اور وجہ اصرار بیان ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار مکہ کی ڈھٹائی کا ذکر فرمایا کہ وہ پچھلے عذابوں کو سن کر ان کی علامات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اب ارشاد ہے کہ یہ کفر میں ایسے پکے تھے کہ آپ کے موجودہ معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لاتے بلکہ اگر ان کے منہ مانگے معجزات بھی دکھا دیئے جاویں۔ جب بھی ایمان نہ لائیں گویا ایک قسم کی پختگی کفر ارشاد فرما کر دوسری قسم کی ڈھٹائی بیان فرمائی جا رہی ہے۔

شان نزول: ایک بار نضر ابن حارث' عبداللہ ابن امیہ' نوفل ابن خویلد وغیرہ نے کہا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اللہ کی کتاب تحریری شکل میں نہ لائیں اور اس کے ساتھ کم از کم چار فرشتے آئیں جو منہ در منہ ہم سے کہیں کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ کتاب کے پاس سے آئی ہے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن' روح المعانی روح البیان وغیرہ) اس میں یہ بتایا کہ ان لوگوں کو یہ بہانہ بازیاں ہیں اگر یہ معجزات ان کو دکھا بھی دیئے جائیں جب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لانے کے اس لئے آپ ان کی اس بات پر دھیان نہ دیں اگر یہ ایمان لانیوالے ہوتے تو آپ کے ہاتھ پر چاند پھٹتے سورج لوٹتے کنکروں پتھروں کو کلمہ پڑھتے دیکھ کر ایمان لے آتے۔ خیال رہے کہ کفار مکہ کے قرآن کریم کے متعلق تین مطالبے تھے جن کی آڑ لے کر وہ اسلام قبول نہ کرنے کے بہانے کرتے تھے۔ ایک وہ جو ابھی عرض کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دینے کے لئے کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترتا جو اپنی اصلی شکل میں آکر آپ کی نبوت کا اعلان کردے۔ تیسرے یہ کہ انسان نبی نہیں ہونا چاہئے نبوت کا

بوجہ انسان نہیں اٹھاسکتا بلکہ فرشتہ نبی ہوتا جو ہم میں تبلیغ کرتا یہاں ان تین آیتوں میں ان کے تین مطالبوں کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

تفسیر: **ولو نزلنا علیک کتا با فی قرطاس** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کے اس غلط مطالبہ کا جواب نہایت نفیس طریقہ سے دیا گیا ہے۔ کتاب سے مراد یا تو قرآن مجید ہے یعنی یہ اسم ہے۔ جیسے امام یا اس سے مراد ہے کوئی لکھی ہوئی تحریر یعنی یہ مصدر ہے بمعنی مکتوب قرطاس ق کے کسرہ سے بھی آتا ہے۔ فتحہ سے بھی اور پیش سے بھی قرطس بھی آتا ہے وزن درھم اور قرطس بھی بروزن جعفر اس کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس میں کچھ لکھا جاوے خواہ ورق ہو یا پٹھا یا کوئی اور چیز یہاں یا تو یہ معنی مراد ہیں یا بمعنی ورق و کاغذ ہے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں (تفسیر صاوی) یعنی اگر ہم یہ قرآن مجید یا کوئی سی تحریر کاغذ یہ کسی اور چیز میں لکھ کر آسمان سے اتارتے اور اسے یہ اترتے ہوئے دیکھ بھی لیتے۔ خیال رہے کہ یہاں **انزلنا** نہ فرمایا بلکہ **نزلنا** ارشاد ہوا یعنی اگر ہم آہستہ آہستہ کتاب اتاریں یا اس طرح کہ روزانہ ایک دو سورت یا دو چار آیات آپ پر لکھی ہوئی اترتی رہے یا اس طرح کہ وہ کتاب لوہے تانبے کی طرح ایک دم فورا نہ گرے بلکہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح آہستہ آہستہ اترے جسے یہ سب لوگ جمع ہو کر آسانی سے دیکھ لیں پھر صرف دیکھیں ہی نہیں بلکہ **فلمسوہ بایدیھم** ف عطف تعقیبی کے لئے ہے لمس کے معنی ہاتھ سے چھونا بھی ہے جسم کے کسی حصہ سے مس کرنا بھی مجازا" تحقیق و تلاش کرنے کو بھی **لمس** کہہ دیتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے **انا لمسنا السماء** ہم نے آسمان کی تلاش کرلی۔ یہاں پہلے معنی میں ہے اس لئے **بایدیھم** فرمایا گیا تاکہ دوسرے تیسرے معنی کا احتمال نہ رہے۔ دیکھو تفسیر روح البیان چونکہ آنکھ سے دیکھنے میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے کہ شاید نظر غلطی کر جاوے مگر ہاتھ سے چھو لینے میں یقین ہو جاتا ہے اس لئے اس طرح ارشاد فرمایا گیا یعنی وہ لوگ اس کتاب یا اس کاغذ کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے ٹٹول ڈالتے چونکہ سب لوگوں کا چھونا مراد ہے اس لئے **ایدیھم** جمع ارشاد ہوا یعنی ایک دو آدمی نہیں بلکہ سارے آدمی اپنے ہاتھوں سے وہ کاغذ چھو لیتے **لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین۔** یہ عبارت **لو** کی جزا ہے۔ بجائے ضمیر کے **الذین کفروا** فرمایا گیا یہ بتانے کے لئے کہ اس موقعہ پر بعض تو ایمان لے آویں گے مگر بعض وہ جو تقدیر الہی میں کافر ہو چکے جن کا کفر پر مرنا علم الہی میں آچکا وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ یہ کاغذ یہ تحریر جسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں معجزہ نہیں قبول نہیں کرتے بلکہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے جادو ہے۔ جس کی حقیقت کچھ نہیں ہم احساس میں غلطی کر رہے ہیں یہاں تک تو ان کے ایک مطالبہ کا جواب دیا گیا یعنی قرآن مجید کا کتابی شکل میں آنے کا مطالبہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اور آسمانی تحریر کا مطالبہ دوسرے مطالبہ کے متعلق ارشاد ہو **وقالوا لولا انزل علیہ ملک** ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور و لو ابتدائیہ ہے اس میں ان کے دوسرے مطالبہ کا جواب ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ یہ جملہ **لقال الذین** پر معطوف ہے اور **لو** کی دوسری جزا ہو (روح المعانی) مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے **قالوا** کا فاعل یا تو وہ ہی کفار ہیں جو غیبی تحریر کا مطالبہ کرتے تھے یا دوسرے کفار کہ بعض کفار تو غیبی تحریر کا مطالبہ کرتے تھے اور بعض کفار نزول فرشتہ کا۔ اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ اپنی اصل شکل میں ظاہر ظہور کیوں نہیں اترتا جسے ہم اس کی شکل میں دیکھیں اور وہ ہم سے کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتے نازل ہوتے تھیں جنہیں حضرات صحابہ بلکہ بعض کفار نے شکل انسانی میں دیکھا اس کی تفسیر وہ آیات کریمہ میں **لولا انزل علیہ**

ملک لیکون معہ نذیرا۔ ملک کے معنی اس کی قسمیں ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں ان کے اس مطالبہ کے رب تعالیٰ نے دو جواب دیئے ایک یہ کہ ولو انزلنا ملکا لقضی الامر۔ یہاں فرشتہ اتارنے کا وہی مطلب ہے جس کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا یعنی فرشتہ کا اپنی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے اتارنا قضا سے مراد ہے۔ پورا کرنا امر سے مراد ہے ان کفار کی ہلاکت کا معاملہ یعنی اگر ہم اس طرح فرشتہ اتار دیں۔ جس طرح یہ مطالبہ کرتے ہیں تو ان بد نصیبوں کا کام ہی تمام ہو جاوے کہ یہ سارے مر جاویں۔ اس لئے کہ کسی انسان میں فرشتہ کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں اگر دیکھے تو مر جاوے انسانی آنکھ تو جن کو اس کی شکل میں نہیں دیکھ سکتی یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ کسی نبی نے فرشتہ کو اس کی اصلی شکل میں کبھی نہ دیکھا۔ جس نے دیکھا شکل انسانی میں دیکھا۔ حضرت مریم کے پاس جناب جبریل گئے تو شکل بشری میں حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت داؤد علیہم السلام کے پاس فرشتے شکل انسانی میں گئے اس لئے حضرت ابراہیم ان کے لئے گوشت لائے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی حفاظت کا انتظام کیا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔ فقیر کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی حقانی شکل کو کوئی انسان نہیں دیکھ سکتا۔ بشری شکل سب نے دیکھی اسی لئے معراج رات میں لوگوں سے چھپا کر کرائی گئی کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شکل نوری میں تھے یوسف علیہ السلام کے جمال خاص کی تاب مصری عورتیں نہ لا سکیں بے خود ہو گئیں۔ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں کیونکہ اس دن حضرت یوسف نے اپنا جمال خاص دکھایا تھا۔

حسن یوسف سے کہیں بڑھ کر تھا حسن مصطفیٰ
بات یہ تھی اس کا کوئی دیکھنے والا نہ تھا!

حسن یوسف کی مختلف تجلیاں ہیں جب بھائیوں نے کنعانی کنوئیں پر انہیں فروخت کیا تو تجلی کی اور نوعیت تھی کہ نو درہم میں فروخت کر دیا۔ جب مصر میں پہنچے تو اور تجلی تھی کہ لاکھوں روپیہ صرف انہیں دیکھنے زیارت کرنے کے لئے لوگوں نے دیدیئے جب مصری عورتوں نے دیکھا تو اور نوعیت تھی کہ ہاتھ کٹ گئے۔ جب قحط کا زور ہوا تو حسن یوسفی کی تجلی اور شان کی تھی۔ بھوکے مصری ایک جھلک دیکھ کر دو دو ماہ تک بھوک و پیاس محسوس نہ کر سکے سورج طلوع کے وقت اور قسم کے جلوہ دکھاتا ہے دوپہر میں اور نوعیت کا غروب کے وقت اور طرح کا آسمان صاف ہے تو سورج کی تجلی اور طرح کی ہوتی ہے۔ ہلکا بادل ہو تو اور قسم کی گہرا بادل ہو تو اور طرح کی یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرش پر جلوہ گر ہوں تو ان کی تجلی اور طرح کی ہے کہ مومن و کافر چھوٹے بڑے سارے انسان دیکھیں مگر جب معراج کو چلیں تو اور تجلی کہ صرف فرشتے دیکھیں سدرہ سے آگے بڑھیں تو اور قسم کی نورانیت کہ صرف رب جلیل دیکھے ہم جب خوشی میں ہوں تو چہرے کا رنگ اور ہوتا ہے جب رنج یا غصہ میں ہوں تو رنگ و روپ اور بچپن جوانی بڑھاپے میں شکل رنگ مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس ہلاکت کی وجہ یہ ہوتی کہ جب کوئی قوم معجزہ طلب کر کے ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دی جاتی ہے مگر فقیر کے نزدیک پہلی وجہ قوی ہے کیونکہ ابو جہل وغیرہ نے بارہا منہ مانگے معجزے دیکھے ایمان نہ لائے مگر ہلاک نہ ہوئے یا اس لئے کہ ان میں بعض کافر ایمان لے آئے یا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین ہیں ثم لا ینظرون۔ یہ عبارت لقضی الامر پر معطوف ہے ینظرون نظر سے بنا ہے بمعنی تاخیر' دیر' مہلت' قرآن کریم فرمایا ہے فنظرۃ الی میسرۃ یعنی یہ تو کہتے ہیں کہ فرشتہ ہم سے کلام کرے یہ تو فرشتہ کو دیکھتے

ہی بلا مہلت ہلاک ہو جاویں گے پھر اس کا کلام سنے گا کون اس جملہ کے اور دو تین مطلب بھی بیان کئے گئے ہیں مگر یہ مطلب فقیر کے نزدیک بہت ہی قوی ہے۔ دوسرا جواب: یہ دیا کہ **ولو جعلنہ ملکا لجعلناہ رجلا** یہ ان کے تیسرے مطالبہ کا جواب ہے کہ فرشتہ نبی چاہئے۔ خیال رہے کہ جیسے دنیا میں قانون بنتے ہیں اسمبلی میں قانون لاتا ہے ڈاک کا محکمہ پبلک میں جاری کرتا ہے متعلقہ آفیسر جو کہے کہ متعلقہ آفیسر کی ضرورت نہیں ڈاکیا ہم کو قانون پہنچا دیا کرے تو وہ غلط کہتا ہے یوں ہی قانون اسلامی بنتے ہیں رب کے ہاں لاتا ہے فرشتہ، مخلوق پر جاری کرتے ہیں نبی اللہ انبی کلو اسطہ ضروری ہے پھر نبی چونکہ مبلغ اور قانون جاری کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے نبی انسان ہونے چاہئیں جو قولی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کر سکے فرشتہ نماز روزہ جہاد وغیرہ نہیں کر سکتا۔ بیوی بچے نہیں پال سکتا۔ دوسری وجہ وہ ہے جو یہاں ارشاد ہوئی۔ اس جملہ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ **جعلناہ** کی ضمیر وہ مانگا ہوا فرشتہ ہے۔ جس کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں آتا تو شکل انسانی میں مرد بن کر آتا جیسا کہ حضرت مریم و ابراہیم و لوط علیہم السلام کی خدمت میں آیا دوسرے یہ کہ پہلی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دوسری فلک کی طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اسی کو اختیار فرمایا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اب مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ بنا کر بھیجتے پھر بھی آپ شکل انسانی میں مرد کی شکل بن کر ہی آتے اس صورت میں ان کی مصیبت یہ تھی کہ **وللبسنا علیھم ما یلبسون** کہ پھر بھی ان پر مشتبہ ہو جاتا۔ خیال رہے: کہ نبی کے لئے وحی لانے والا فرشتہ مشکوک نہیں ہونا چاہئے ورنہ وحی مشکوک ہوگی اور مخلوق کے لئے نبی مشکوک نہیں ہونا چاہئے ورنہ توحید، کتاب بلکہ سارا دین مشکوک ہو جاوے گا۔ نبی فطری طور پر فرشتہ کو جانتے ہیں اور مخلوق کو بذریعہ معجزہ نبی کی پہچان کرائی جاتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس جملہ کو پوشیدہ **لو** کو جزا مانا ہے کیونکہ اس پر لام تاکید ہے جو **لو** کے جواب پر آتا ہے اس کے معطوف پر نہیں آتا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ **لجعلناہ** پر معطوف ہے اور یہ قاعدہ غلط ہے بلکہ معطوف پر بھی لام آسکتا ہے۔ لبس کے لغوی معنی ہیں ڈھانکنا اسی سے ہے لباس کہ وہ جسم کو ڈھانک لیتا ہے مشتبہ کر دینے شبہ ڈال دینے کو بھی **لبس** کہہ دیتے ہیں کہ اس سے اصل حقیقت ڈھک جاتی ہے۔ پہلے **لبس** کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی ہے **یلبسون** میں وجہ شبہ مراد ہے۔ جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اب کر رہے ہیں یعنی اگر فرشتہ شکل انسانی میں آتا ہے تو جو شبہات اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کر رہے ہیں کہ نبی بشر نہیں ہونا چاہئے فرشتہ چاہئے یا آپ کی گواہی کے لئے فرشتہ کیوں نہیں آیا یہی شکوک پھر بھی کہتے کہ اسے بشر ہی سمجھتے لہٰذا ان کا یہ مطالبہ بالکل ناجائز ہے اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔

خلاصہء تفسیر: قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا ہوا اترا جن غیبوں کو کتاب لکھی ہوئی ملی انہیں بھی سب لوگوں کے سامنے نہ دی گئی کہ لوگو دیکھو ہم آج تمہارے نبی کو کتاب دے رہے ہیں بلکہ انہیں تنہائی میں سب کی نگاہوں سے اوجھل دی گئی دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی تو کوہ طور پر اکیلے بلا کر چالیس دن کا چلہ کرا کر عطا فرمائی تاکہ لوگ نبی سے کتاب کو مانیں لہٰذا کتاب کا ماننا ایمان بنے کتاب سے نبی کو نہ مانیں اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دیا گیا تو پڑھا ہوا وہ بھی کسی نے آتے اترتے نہ دیکھا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اعتماد کر کے قرآن مانا جاوے کہ یہ کتاب اللہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ ہے زبان و ہونٹ ایک ہیں مگر اس ایک ہی کان سے سونا چاندی لعل جواہرات نکل

رہے ہیں اس زبان سے قرآن حدیث احکام' فرمان' مشورے صادر ہو رہے ہیں ان کفار کا یہ مطالبہ غلط تھا کہ ہم قرآن اترتے دیکھ کر قرآن سے آپ کو مانیں گے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو آپ سے نئے نئے مطالبے کرتے رہتے ہیں یہ بہانہ باز ہیں نیک نیت آدمی کے ایمان قبول کرنے کے لئے آپ کے دکھائے ہوئے معجزات بہت کافی ہیں بہانہ خوروں کا اطمینان کبھی نہیں ہو سکتا یہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آپ کی نبوت کی لکھی ہوئی کتاب اور اپنی اصلی شکل میں فرشتے آویں اگر یہ فرض محال ہم ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیں ان کی رائے کے مطابق کاغذ وغیرہ میں تحریر بھی بھیج دیں یہ اسے اترتے ہوئے دیکھ بھی لیں بلکہ اپنے ہاتھوں سے وہ کاغذ بھی ٹٹول کر اطمینان کر لیں۔ تب بھی جن کے دلوں پر کفر کی مہر لگ چکی ہے یہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ نرا جادو ہے اور آپ جادوگر ہیں تب بھی آپ کو نبی نہیں مانیں گے رہا فرشتے کے نزول کا مطالبہ اس کے متعلق خور غور کریں کہ یہ کیسا واہیات مطالبہ ہے اگر فرشتہ اپنی اصل شکل میں ان کے پاس آوے تو نہ یہ زندہ بچیں نہ ان کے مطالبے باقی رہیں یہ تو بغیر مہلت فوراً ہی فنا ہو جاویں اور اگر ہم بہ شکل انسانی اسے بھیجیں تو جو وہم آپ کے متعلق کر رہے ہیں وہی اس فرشتے کے متعلق کریں کہ یہ تو انسان بول رہا ہے آدمی گواہی دے رہا ہے ہم تو فرشتے کی گواہی چاہتے ہیں یا اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو شکل انسانی میں ہی بھیجتے تاکہ یہ لوگ اسے دیکھ سکیں اس کی سن سکیں تو پھر ان پر وہی شبہ پڑتا جو آج پڑ رہا ہے یا اگر ہم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنس ملائکہ سے بناتے تب بھی شکل انسانی میں بناتے پھر ان بے دینوں کو وہی شبہ ہوتا جو اب ہو رہا ہے بہرحال یہ اس شبہ میں گرفتار رہتے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدہ حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بعض معجزات دکھائے جاتے ہیں بعض سنائے اور بتائے جاتے ہیں' چاند کا چرنا سورج کا لوٹنا' کنکروں کا کلمہ پڑھنا انگلیوں سے پانی نکلنا وہ معجزات ہیں جو دکھائے گئے مگر معراج وہ معجزہ ہے جو دکھایا نہ گیا بتایا اور سنایا گیا اسی طرح نزول وحی نزول کتاب وہ معجزہ ہے جو دکھایا نہیں جاتا سنایا جاتا ہے تاکہ لوگ کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانیں۔ دوسرا فائدہ: زیادہ قیل و قال میں گرفتار رہنے والا ہدایت نہیں پاتا ہر چیز ہر حکم کی وجہ کے پیچھے نہ پڑو۔ بغیر وجہ پوچھے اطاعت کرو۔

قال را بگذار مرد حال شو! زیر پائے کاملے پامال شو

تیسرا فائدہ: ماننے والے کے لئے ایک معجزہ بھی کافی ہوتا ہے اس سے وہ ایمان قبول کر لیتا ہے نہ ماننے والے کے لئے ہزارہا معجزات بھی کافی نہیں یہ فائدہ لقال الذین کفروا الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: کوئی شخص فرشتے کو اس کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتا اگر دیکھے تو ہلاک ہو جاوے یہ فائدہ لقضی الامر سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں کہا گیا۔ یوں ہی کوئی شخص فرشتے کی جھڑک نہیں سن سکتا بعض قوموں پر اس چیخ و جھڑک کا عذاب آیا جس سے وہ ہلاک کئے گئے رب فرماتا ہے ومنهم من اخذته الصيحة۔ پانچواں فائدہ: فرشتے شکل انسانی میں آسکتے ہیں فرشتہ کہتے ہی اس مخلوق کو ہیں جو نوری ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں جنات وہ ناری مخلوق ہے جو مختلف شکل اختیار کر سکتی ہے یہ فائدہ لجعلناہ رجلا الخ سے حاصل ہوا۔ چنانچہ بہت سے رسولوں کی خدمت میں فرشتے مہمانوں کی شکل میں پہنچے ہیں۔ چھٹا فائدہ: فرشتے اگر شکل انسانی میں آئیں تو مرد کی شکل میں آتے ہیں عورت کی شکل میں نہیں آتے یہ اشارہ بھی لجعلناہ رجلا سے حاصل ہوا ہاں لوط علیہم السلام کے ہاں لڑکوں کی شکل میں گئے تھے۔ ساتواں فائدہ: جب پیغمبر کے پاس فرشتہ تبلیغی حکم لاتا ہے تو وہ حضرات

...نے ہیں یہ ناممکن ہے کہ اس وقت وہ اسے نہ پہچانیں ورنہ ان کے لئے وحی مشکوک ہو جاوے گی اور وحی تبلیغی ...ھر ہے یہ فائدہ للبسنا علیھم الخ سے حاصل ہوا ہاں جب غیر تبلیغی کلام کریں گے تو اشتباہ ہو سکتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے مہمانوں کی شکل میں آئے تو وہ نہ پہچان سکے کہ اس وقت ان کی حاضری کسی تبلیغی حکم کی وحی کے لئے نہ تھی یہ فائدہ بھی للبسنا علیھم الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: نبوت انسانوں سے خاص ہے سوا انسان کوئی مخلوق نبی نہیں بن سکتی یہ فائدہ بھی لجعلناہ رجلا سے حاصل ہوا کہ رجل انسان مرد کو ہی کہتے ہیں۔ دوسری مخلوق کے نر و مادہ کو رجل یا امراۃ نہیں کہا جاتا جناب کو رجال فرمایا گیا مگر قید کے ساتھ برجال من الجن۔ مطلقا رجل انسان کو کہتے ہیں۔ نواں فائدہ: نبی صرف مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورت کبھی نبی نہ ہوئی یہ فائدہ بھی رجلا سے حاصل ہوا قرآن کریم فرماتا ہے وما ارسلنا من قبلک الا رجلا نوحی الیھم۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں کتاب کے بعد فی قرطاس کیوں فرمایا کتاب تو کاغذ ہی میں لکھی جاتی ہے یہ عبارت زائد ہے۔ جواب: جن کے رد میں یہ آیت آئی ہے انہوں نے یہی مطالبہ کیا تھا کہ ہم کو قرطاس میں کتاب لاکر بلکہ اترتے ہوئے دکھاؤ ان کے سوال کی مطابقت کے لئے یہ ارشاد ہوا نیز آگے آرہا ہے فلمسوہ وہ اسے چھوتے اور چھونا قرطاس کا ہی ہوتا ہے اس لئے فی قرطاس فرمانا نہایت موزوں ہے۔ دوسرا اعتراض: چھونا یا ٹٹولنا تو ہاتھوں سے ہی ہوتا ہے پھر لمسوہ کے بعد بایدیھم کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: ہاتھوں کا ذکر تاکید کے لئے ہے جیسے کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا اپنے کانوں سے سنا نیز مطلقا چھونا پاؤں وغیرہ سے بھی ہو جاتا ہے مگر ہاتھوں سے چھونا کامل ہوتا ہے۔ تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے فرشتے ہی نبی کیوں نہ بنادیئے تاکہ لوگ ایمان جلد قبول کر لیتے انہیں یہ کہنے کا موقعہ ہی نہ ملتا۔ جواب: اس میں چند حکمتیں ہیں ایک یہ کہ فرشتوں سے تبلیغ کا فریضہ پورا ادا نہ ہو سکتا تبلیغ وہ کرے جو قوم سے بات چیت کر سکے اس کے دکھ درد سے خبردار ہو قولی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کر سکے کھا کر پی کر نکاح کر کے بچے پرورش کر کے بیمار ہو کر جی کر مر کر لوگوں کو دکھا سکے تاکہ یہ افعال سنت بن جاویں فرشتہ یہ کام کسی طرح نہیں کر سکتا لہٰذا فرشتہ انسان ہی چاہیئے کہ انسان کی تبلیغ اصلی مقصود ہے۔ دوسری مخلوق انسان کے تابع ہے۔ چوتھا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ مطالبہ پورا کیوں نہ کر دیا وہ قادر تھا کہ قرآن کتابی شکل میں سب کے سامنے بھیج دیتا۔ دیکھو قوم عیسوی کے مطالبہ پر غیبی دستر خوان آیا تھا یہ بھی آجاتا۔ جواب: یہ مطالبہ پورا نہ کرنے کی بہت سی وجہیں ہیں ایک وجہ تو قرآن مجید میں یہاں ہی ارشاد فرمادی گئی کہ یہ لوگ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ دوسری وجہ وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دی کہ ان کفار کا یہ مطالبہ قانون قدرت بلکہ قانون فطرت کے خلاف ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم کو رب دکھا دو۔ کیونکہ نبی پر نزول قرآن ان معجزات میں سے ہے۔ جن کا چھپانا ضروری ہے تاکہ کتاب کو نبی کے ذریعہ مانا جاوے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، جنت، دوزخ، قیامت، فرشتے ان سب کو نبی کی زبان سے مانو ان کے دیکھنے کا مطالبہ نہ کرو کہ ان کا نبی کی معرفت جاننا ایمان ہے۔ غرضیکہ غیب کو شہادت بنانے کی کوشش نہ کرو۔ خیال رہے کہ نبی کی ذات شہادت ہے مگر نبی کی نبوت غیب ہے انہیں بشر، عبداللہ اپنے والدین کا فرزند مان لینا کافی نہیں کہ یہ چیزیں شہادت ہیں انہیں رسول نبی ماننا ضروری ہے کہ یہ چیزیں غیب ہیں یوں ہی قرآن مجید کا کاغذ اس کے الفاظ شہادت ہیں اس کا کلام الٰہی ہونا نبی پر نازل ہونا غیب ہے اس پر ایمان لاؤ پانچواں اعتراض: آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا

کہ نبی پر جب فرشتہ تبلیغی وحی لے کر آوے گا تو انہیں شبہ بالکل نہ ہو گا حالانکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حراء میں پہلی وحی نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو نہ پہچانا۔ جب کچھ دیر کے بعد ورقہ بن نوفل نے بتایا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آتا تھا تو آپ کو پتہ لگا جیسا کہ بخاری شریف وغیرہ کی احادیث معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری یہ تفسیر اس حدیث کے خلاف ہے۔ جواب: اس حدیث میں ایسی کوئی عبارت نہیں جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جبریل امین کو نہ پہنچانا اگر ایسا ہوتا تو آپ ان سے پوچھتے کہ تم کون ہو کہاں سے آئے مجھے کیا پڑھانا چاہتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ پوچھا نیز اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نہ پہچانتے ورقہ ابن نوفل کے بتانے سے پہچانتے تو اتنی دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ آیت **اقراء باسم ربک الذی خلق** مشکوک رہتی کہ نہ معلوم یہ کس کا کلام ہے اور قرآنی آیت میں شک کفر ہے نیز پھر لازم آتا کہ حضرت ورقہ کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہو جاوے یعنی علم وحی میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جاویں یہ ناممکن لہٰذا حق یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اول بار میں ہی پہنچان لیا۔ حضرت ورقہ سے صرف اس کی تائید کرائی تاکہ عام مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں کہ مکہ والے ورقہ کو بہت مانتے تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے کلام الٰہی کی ہیبت تھی یا اس خاص فیضان الٰہی کی ہیبت تھی، جو حضرت جبریل نے سینہ سے لگا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو القا کیا۔ اب بھی تحریک ہے کہ فیضان کے القا کے وقت ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دل والے نبی سے سب کچھ جانتے پہنچانتے ہیں نبی کو کسی اور چیز سے نہیں پہچانتے یعنی سورج سے ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ سورج کو کسی چیز سے نہیں دیکھتے آنکھ سے سب کچھ محسوس کرتے ہیں اور کسی چیز کے ذریعہ آنکھ کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے وہی بہت کامیاب رہتے ہیں۔ اسی معرفت کی وجہ سے وہ حضرات صدیق 'فاروق' عارف 'کامل بن گئے کہ رب تعالیٰ نے نبیوں کو اس لئے بھیجا کہ ان کے توحید و معجزات و کتاب کو پہچانا جاوے۔ مقصد نبوت انہوں نے ہی پورا کیا مگر دلیل کی دلدل میں پھنسے رہنے والے نبی کو اور چیزوں سے پہچانا چاہتے ہیں اس لئے وہ کبھی کہتے تھے کہ آپ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لائیں اس سے ہم آپ کو پہچانیں گے کبھی کہتے تھے کہ فرشتے آئیں وہ کہیں کہ آپ نبی ہیں تو ہم ان کے ذریعہ سے آپ کو پہچانیں گے اس لئے وہ اگر مگر کے چکر میں پھنسے رہے کبھی منزل پر نہ پہنچ سکے اور رب تعالیٰ نے بھی فرمایا کہ یہ لوگ آسمانی تحریر اور فرشتوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے کہ یہ اوندھے چل رہے ہیں۔ خیال رہے کہ نبی کا معجزہ صرف تنبیہہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جس سے مخلوق کی غفلت دور ہو جاوے ورنہ مدار ایمان معجزہ نہیں ہے کفار مکہ نے معجزے دیکھے ایمان نہ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے سے بعد تاقیامت مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کو پہچانتے ہیں بلکہ عشاق کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رب کو جانا پہچانا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے کہ رب کون ہے کیسا ہے تو ہم اس کی ذات و صفات سے بے خبر رہتے بلکہ اپنے کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہچانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ آئینہ حقیقت نما ہیں جن سے ہر شخص کو اپنی اور دوسرے کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جس نے اپنے کو اپنی عقل سے جانا غلط جانا۔ جس نے اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا درست جانا اگر تندرست یا بیمار اپنے کو اپنی رائے سے جانے غلط جانے گا اپنے کو طبیب کے ذریعہ جانو تو اس لئے رب تعالیٰ نے تمام

ایمانیات توحید کتاب وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائے اور ساتھ ہی فرمایا **ویعلمھم الکتاب والحکمتہ** اندھیرے گھر میں شمع روشن ہو تو گھر کی ہر چیز شمع سے دیکھی جاتی ہے مگر شمع کو کسی اور دوسری شمع سے نہیں دیکھتے بلکہ شمع کو خود شمع سے ہی دیکھتے ہیں دنیا اندھیرا گھر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر کی روشن شمع ہیں۔ سب چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور چیز سے نہ دیکھو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دیکھو صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں نور سے سب کچھ دیکھو۔ نور کو کسی اور چیز سے نہ دیکھو۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا
اور بے شک مذاق کیا گیا ان رسولوں سے جو آپ سے پہلے تھے پس نازل ہوا ان پر جنہوں نے مذاق کیا
اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا تو وہ جو ان سے ہنستے تھے
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ
ان سے وہ جو تھے ساتھ اس کے مذاق کرتے فرمادو سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام
ان کی ہنسی انہیں کو لے بیٹھی تم فرمادو زمین میں سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١
جھٹلانے والوں کا
کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ع ۸

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے سوالات کے مدلل جوابات دیئے گئے جو ان لوگوں کے لئے کافی تھے جو دلائل سے بات سمجھنا چاہتے ہیں اب ان آیات میں ان ضدی لوگوں کے ایسے مطالبات کرنے والوں کے انجام و نتیجہ کا ذکر ہے یعنی عذاب الٰہی میں گرفتاری تا کہ وہ لوگ ایمان قبول کرلیں جو دلائل سے نہیں مانتے اور ڈرانے سے مانتے ہیں گویا ایک قسم کے لوگوں کو پہلے دعوت ایمان دی گئی۔ دوسرے قسم کے لوگوں کو اب دعوت ایمان دی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے ناجائز مطالبوں کا ذکر تھا۔ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کو صدمہ پہنچا تھا۔ اب اس صدمہ کو دفعہ فرمانے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تسکین دینے کے لئے گذشتہ قوموں کے حالات سنائے جارہے ہیں کہ کفار کا یہ سلوک صرف آپ سے ہی نہیں ہے بلکہ گزشتہ انبیاء کرام سے بھی ہوتا رہا ہے۔ جس کی پاداش میں ان پر عذاب آتے رہے ہیں تا کہ ان کے حالات سن کر قلب پاک کو تسلی ہو۔ گویا زخموں کا ذکر پہلے تھا مرہم کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے ناجائز مطالبوں کا ذکر تھا اب ان مطالبوں کی نوعیت کا تذکرہ ہے کہ ان کا مقصد صرف مذاق اڑانا دل لگی کرنا ہے۔ اس کا علاج عذاب الٰہی آجاتا ہے جیسا کہ پہلے

سے ہوتا چلا آرہا ہے۔

شان نزول: ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں تشریف فرماتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حضرت بلال حبشی، صہیب رومی، عمار ابن یاسر جیسے فقراء مسلمین تھے ادھر سے ابو جہل، ولید بن مغیرہ، امیہ ابن خلف وغیرہم، سرداران قریش گذرے ان حضرات کو دیکھ کر ابو جہل ان اپنے ساتھوں سے بولا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جنت کا بادشاہ کہتے ہیں ذرا ان بادشاہوں کو تو دیکھو یہ حالت اور بادشاہی اس بکواس کے موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر روح البیان)۔

تفسیر: **ولقد استھزی ء برسل من قبلک** اگرچہ کفار نے اس موقعہ پر حضرت بلال۔ عمار وغیرہم کا مذاق اڑایا تھا مگر غیور شہنشاہ اپنے غلاموں کی اہانت اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے بڑے غیور ہیں اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اس لئے رب العالمین نے ان کفار کی بکواس کو اپنے رسول کی توہین قرار دے کر برسل ارشاد فرمایا ورنہ بظاہر ان بد نصیبوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی نہیں کی تھی ان واقعات کو جو یہاں مذکور ہیں کفار مکہ جانتے مانتے تو تھے کہ پہلے عذاب الٰہی نازل ہوئے ہیں مگر وہ یہ مانتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام کو جھٹلانے کی وجہ سے ہوئے ہیں وہ انہیں اتفاقیات زمانہ سے سمجھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو لام اور قد کی تاکید سے شروع فرمایا یہ تاکید منکرین کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے **استھزی** بنا ہے **استھزاء** سے جس کا مادہ ہے **ھزء یا ھزو** بمعنی دل لگی و مذاق یا کسی کو ہلکا بنانا باب استفعل میں آکر اس میں مبالغہ و زیادتی کے معنی پیدا ہوئے رسل کی تنوین تعظیم کی ہے اور اس کی جمع تکثیر کی جس کے معنی ہوئے بہت سے رسول بہت شاندار رسول **من قبلک** ایک پوشیدہ لفظ کے متعلق ہے۔ مضت گزرے اور ہو سکتا ہے کہ یہ **استھزء** کے متعلق ہو یعنی جو شاندار بہت سے رسول آپ سے پہلے گزرے ان سے بھی دل لگی اور مذاق کئے گئے یا حضرات انبیاء کرام سے آپ سے پہلے بھی مذاق کئے گئے **فحاق بالذین سخروا منھم** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ گزشتہ جملہ پر معطوف ہے اور **ف** عاطفہ ہے ہو سکتا ہے کہ **ف** جزائیہ ہو اور یہ جملہ کسی پوشیدہ شرط کی جزا ہو (**لما استمروا علیہ**) یہاں **ف** ارشاد فرما کر یہ بتایا کہ گذشتہ کفار پر عذاب آنے کی وجہ ان کا پیغمبروں کی توہین کرنا ان کا مذاق اڑانا ہے آیات قرآنیہ اور واقعات عذاب گواہ ہیں کہ کسی قوم پر صرف ان کی بد عملی سے عذاب نہیں آئے بلکہ جب پیغمبروں کو تکلیف دکھ پہنچے تب عذاب آئے ان حضرات کی بددعا سے۔ **حاق** بنا ہے **حیق** سے اور **حیق۔ حیوق۔ حیقان** کے معنی ہیں نازل ہونا واقع ہونا گھیر لینا لوٹنا مگر یہ کلمہ شر یا مصیبت نازل ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

فاو طاجرد الخیل عقر دیار ھم — و حاق بھم من باس ضربتہ حائق

رب فرماتا ہے **ولا یحیق المکر السیئی الا باھلہ**۔ چونکہ پہلے دل لگی کرنے والوں کا ذکر صراحۃً نہیں ہوا تھا اس لئے **بھم** نہ فرمایا بلکہ **بالذین** الخ ارشاد ہوا۔ الذین سے مراد کفار ہیں **سخروا** بنا ہے **سخریہ** سے **سخریہ** اور **استھزاء** دونوں قریباً ہم معنی ہیں **سخریہ** اور **استھزاء** دونوں ہی مسلمانوں سے حرام ہیں نبی یا احکام اسلام سے کئے جاویں تو کفر ہیں مگر مزاح یعنی خوش طبعی اچھی چیز ہے کسی سے مذاق اور کسی کا مذاق اڑانا ان دونوں میں فرق ہے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے کبھی صحابہ کرام اور صحابہ کرام نے کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مزاح کیا ہے یعنی دل خوش کر دینے والی بات۔ **سخروا** ماضی فرما کر بتایا گیا کہ جن لوگوں نے ایک بار بھی انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم سے دل لگی کی وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ جب کہ اس سے توبہ نہ کی **منہم** کا مرجع وہی رسل ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اس صورت میں **من** صلہ کا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع کفار ہوں اور **من** تبعیضیہ ہو۔ لہٰذا اس عبارت کے دو معنی ہیں (۱) جنہوں نے ان نبیوں سے مذاق کیا۔ (۲) کفار میں سے جنہوں نے مذاق کیا پہلے معنی قوی ہیں۔ خیال رہے کہ **استہزاء** کا صلہ ب بھی آجاتی ہے **سخر** کا صلہ **من** آتا ہے۔ عذاب الٰہی تین طرح کے ہیں ایک وہ جو نیک کاروں کی برکت سے بدکاروں سے بھی دفع ہو جاتا ہے رب فرماتا ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا** دوسرا وہ جو بدکاروں پر آتا ہے نیک کار وہاں سے نکال دیئے جاتے ہیں **فاخرجنا من کان فیہ من المومنین**۔ تیسرا وہ جو نیک و بد سب پر آجاتا ہے مگر یہ عذاب نیکوں کے لئے رحمت بن جاتا ہے کہ انہیں آخرت میں اس کا اچھا بدلہ دے دیا جاتا ہے یہاں یا تو دوسرا عذاب مراد ہے یا تیسرا عذاب **ما کانوا بہ یستہزء ون** یہ عبارت **حاق** کا فاعل ہے **ما** موصولہ ہے تو **ما** سے پہلے عذاب پوشیدہ یا **ما** سے مراد ہی عذاب ہے **بہ** کا مرجع **ما** ہے وہ کفار اس عذاب کا بھی مذاق اڑاتے تھے۔ جس سے حضرات انبیاء کرام ڈراتے تھے کفار کہتے تھے کہ وہ عذاب کب آوے گا جس سے ہم کو ڈرایا جاتا ہے یعنی ان پر اس مذاق اڑانے کا عذاب نازل ہو گیا ان پر عذاب مسلط ہو گیا اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا۔ جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے انہیں اس عذاب سے کوئی چیز بچا نہ سکی۔ خیال رہے کہ یہ عذاب مذاق اڑانے والوں پر بھی آیا اور ان پر بھی جو ان کے مددگار ان کے موافق تھے اس عذاب کے موقعہ پر حضرات انبیاء کرام اور مومنین وہاں سے باہر نکال دیئے جاتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے **قل سیروا فی الارض**۔ یہ جملہ نیا ہے جس میں گزشتہ جملہ کے دعوے کا ثبوت ہے کہ پچھلے جملہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نبیوں کا مذاق اڑانے والے کفار پر عذاب الٰہی آیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ خبر بالکل حق ہے اگر تم کو اعتبار نہ ہو تو عذاب کے مقامات پر جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ ظاہر یہ ہے کہ **قل** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور **سیروا** میں خطاب کفار مکہ سے ہو۔ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے **قل** فرمانے کے چند مقصود ہوتے ہیں کہیں یہ کہ اے محبوب آپ اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کریں جیسے **قل اعوذ برب الفلق**۔ کہیں یہ کہ ہم سے یہ فرماؤ جیسے **قل اللہم مالک الملک توتی الملک من تشاء** کہیں یہ کہ آپ مسلمانوں سے یہ فرما دیں۔ جیسے **قل للمومنین یغضوا من ابصارہم** کہیں یہ کہ آپ کفار سے یہ فرما دیں مسلمانوں سے فرمانے کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ حکم ہمارا ہو زبان تمہاری ہو تا کہ مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے سے دو گنا ثواب ملے۔ ہماری عبادت کا تمہاری اطاعت کا بعض چیزیں فرض بھی ہیں سنت بھی جیسے نماز' روزہ وغیرہ اور بعض چیزیں فرض تو ہیں مگر سنت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کبھی نہ کیں جیسے زکوٰۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں زکوٰۃ نہ تھی انبیاء کرام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ کفار سے کہلوانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان مردوں سے ہم براہ راست خطاب نہیں کرتے۔ آپ فرما دو آپ انہیں تبلیغ کرو یہاں یہ آخری قسم کا **قل** ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **قل** میں خطاب تمام صحابہ سے ہو اور **سیروا** میں خطاب کفار عرب سے ممکن کہ **قل** میں خطاب تا قیامت ہر مسلمان سے ہو اور **سیروا** میں خطاب دنیا کے ہر کافر سے قرآن کریم نے بعض ایسی چیزوں کی خبر دی ہے جو لوگوں کی نگاہ سے بالکل اوجھل کر دی گئی ہیں جیسے اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج اور ان کی دنیا جو سد سکندری کے پیچھے ہے کہ

یہ چیزیں نظر نہیں آتیں لوگوں کی نگاہوں سے غائب کر دی گئی ہیں جیسے ہوا اور پانی کے باریک کیڑے جو موجود ہیں مگر ہماری نگاہ سے غائب ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ توریت و انجیل والوں سے پوچھو ان کی کتابوں میں بھی ان کا ذکر ہے۔ بعض وہ چیزیں ہیں جن کے آثار و نشانات باقی رکھے گئے ہیں جیسے پچھلی عذاب والی قوموں کی اجڑی بستیاں ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ زمین میں سیر کرو جا کر خود دیکھ لو یہاں یہ آخری صورت ہے۔ **سیروا** بنا ہے **سیر** سے بمعنی مطلقاً چلنا دن میں ہو یا رات میں سفر میں ہو یا وطن میں ضرورۃً" ہو یا تفریحاً" مگر **سری** کے معنی ہیں رات میں چلنا جانا اسی سے ہے **اسراء** رات میں لے جانا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اسری بعبدہ** راتوں رات لے گیا اپنے بندہ کو **سیروا** میں امر مشورہ کا ہے نہ کہ شرعی وجوب کا کیونکہ کفار پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے ارض سے مراد زمین کفار ہے۔ جہاں عذاب الہی آئے۔ خواہ مکہ معظمہ میں وہ جگہ ہوں جیسے اصحاب فیل کی ہلاکت کی جگہ جو مکہ معظمہ سے صرف ایک یا دو میل ہے یا دوسرے ممالک میں ظاہر یہ ہے کہ سیر سے مراد قدموں سے چلنا ہے۔ ممکن ہے کہ سیر سے مراد تاریخی سیر ہو یعنی ان قوموں کے حالات بغور سننا تفسیر خازن نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی باقی تمام مفسرین نے پہلی صورت کو اختیار فرمایا کہ قدموں سے جانا مراد ہے۔ **ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین** یہ عبارت **سیروا** پر معطوف ہے اگر سیر سے مراد قدموں سے جانا تھا تو **انظروا** سے مراد ہو گا۔ آنکھوں سے دیکھنا۔ چونکہ یہاں سیر سے مراد ہے اپنے کاروبار کے لئے جانا جو کہ محض جائز ہے اور ان مقامات کو دیکھنا ایمان حاصل کرنے کے لئے واجب ہے اس لئے ثم ارشاد ہوا تاکہ دونوں امروں میں فرق ظاہر ہو کہ وہ امر مشورہ کا ہے اور یہ امر **انظروا** وجوب کا (تفسیر کبیر' روح المعانی' بیان وغیرہ) اور اگر **سیروا** میں سیر سے مراد تھی علمی سیر یعنی ان کے حالات معلوم کرنا تو **انظروا** سے مراد ہو گا۔ عبرت حاصل کرنا۔ چونکہ کسی چیز کو ایک بار معلوم کر کے بار بار اس میں غور کرنا ہوتا ہے یعنی علم ایک بار اور غور و تفکر بالاستمرار (دائمی) اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ **کیف کان الخ انظروا** کا مفعول بہ ہے **مکذبین** سے مراد وہی مذاق اڑانے والے کفار ہیں کہ دل لگی مذاق جھٹلانے ہی کی وجہ سے تو تھا یعنی پھر غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا وہ کس بری طرح پامال کر دیئے گئے۔ انہیں کوئی طاقت عذاب الہی سے نہ بچا سکی۔ یہی حال تمہارا ہوتا ہے اگر تم باز نہ آئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار کے مذاق اڑانے دل لگی کرنے پر ملول نہ ہوں آپ سے پہلے بہت سے شاندار رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ان حضرات نے صبر کیا انجام یہ ہوا کہ ان کی دل لگی ان پر ہی پڑی انہیں سخت عذاب نے گھیر لیا۔ جس کا مذاق اڑاتے تھے آپ ان کفار مکہ سے فرما دیں کہ تم اپنی دولت و تندرستی' شان و شوکت پر مغرور نہ ہو یہ عارضی چیزیں ہیں دشمنوں کو بھی دے دی جاتی ہیں بلکہ کفار کا انجام دیکھو کہ مال و دولت ان کے پاس تم سے زیادہ تھا مگر ہلاک ہو گئے ہم نے یہ خبریں بالکل سچی دی ہیں اگر تم کو اعتبار نہ آئے تو زمین عذاب میں چلو پھر وہاں جاؤ پھر ان کی بستیاں ان کے نشانات دیکھو اور عبرت پکڑو تاکہ تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ ورنہ تم بھی عذاب پاؤ گے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور کفار مکہ پر عذاب الہی آیا کہ وہ بدر و حنین وغیرہ میں ہلاک کر دیئے گئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر زمانہ میں حضرت انبیاء کرام کے دشمن رہے ہیں قانون قدرت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مخالفین کی مخالفت کے ذریعہ عروج دیتا ہے بلکہ دنیا میں مخالفین پہلے آتے ہیں۔ شیطان

پہلے پیدا ہوا بعد میں حضرت آدم علیہ السلام۔ نمرود پہلے پیدا ہوا بعد میں حضرت ابراہیم۔ ابوجہل پہلے اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں۔ یہ فائدہ **ولقد استھزء** الخ سے حاصل ہوا اللہ الخالفین کی مخالفت پر صبر کرنا سنت انبیاء ہے۔ **دوسرا فائدہ:** قدرت نے ہر چیز کو دو صورتیں بخشی ہیں اصلی صورت اور عارضی صورت اگر کالا آدمی پوڈر سرخی مل کر گورا بن جاوے تو یہ سفیدی اس کی عارضی ہے۔ سیاہی اصلی صورت ہے گورا آدمی اپنے منہ پر سیاہی مل لے تو سیاہی اس کی عارضی ہے۔ حسن اصلی صورت ہے دنیا میں چیزیں عارضی صورت میں آتی ہیں قیامت میں اصلی صورت میں نمودار ہوں گی لوگوں کی آنکھیں ظاہر بین ہیں۔ بعض حقیقت بین ہیں ابوجہل وغیرہ نے حضرت بلال کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا تو یہ بکواس بکی۔ جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے کردی۔ حضرت صدیق نے جناب بلال کو حقیقت بین آنکھوں سے دیکھا تو بڑی بھاری قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا حسن ازلی دیکھنے کے لئے آنکھ بھی حقیقت بین چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** علم تاریخ بہترین علم ہے۔ اس سے بہت دینی سبق حاصل ہوتے ہیں یہ فائدہ بھی اسی **ولقد استھزی** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تسکین دینے کے لئے گزشتہ انبیاء کرام کے تاریخی واقعات سنائے۔ **چوتھا فائدہ:** زمین میں سفر کرنا مباح ہے بلکہ سفر کا حکم مقصد کے حکم سے وابستہ ہے۔ حرام کام کے لئے سفر حرام ہے فرضی کام کے لئے سفر فرض' سنت کام کے لئے سفر سنت ہے چوری ڈکیتی کے لئے سفر حرام ہے۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض ہے۔ زیارت قبور کے لئے سفر سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے سفر فرما کر مقام ابواء میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ یہ فائدہ **سیروا فی الارض** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا قہر دیکھنے کے لئے اس کا خوف دل میں پیدا کرنے کے لئے عذاب والی جگہوں پر سفر کر کے جانا بہتر ہے۔ جہاں کفار کے اجڑے گھروں کے نشانات ہیں۔ اسی طرح رب کی رحمت دیکھنے اس سے امید باندھنے کے لئے بزرگوں' مقبولوں کے آستانوں پر حاضری دینا بھی بہتر ہے کہ وہاں کی حاضری سے ایمان میں قوت اطاعت الٰہی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **سیروا فی الارض** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور کرنا کفار کے کفر و عذاب میں غور کرنا بڑی عبادت ہے اس غور سے ایمان کو قوت ملتی ہے یہ فائدہ **ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اپنے گناہوں میں غور کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان کے درجات میں غور کرنا بھی عبادت ہے اللہ تعالیٰ یہ تصور پکارے۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں!

اس ہی تصور یار کا امتحان قبر میں ہے بلکہ اسی تصور پر وہاں کی کامیابی موقوف ہے کہ آخری سوال یہی ہے کہ تم ان محبوب کو کیا کہتے تھے۔ **ساتواں فائدہ:** بزرگوں سے دل لگی مذاق کرنے والے ان کا ٹھٹھا کرنے والے کچھ روز اپنا دل بہلالیں۔ آخر کار مار بہت کھاتے ہیں خود ہی اپنے کئے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عرب کا مقولہ ہے کہ **من حفر لاخیہ و تعولہ** جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے۔ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ یہ فائدہ **فحاق بالذین سخروا** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں رب تعالیٰ نے عذاب کی جگہوں پر جانے کا حکم دیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مسجدوں کے سواء اور کسی جگہ سفر کر کے جانے سے منع فرمایا۔ مسجد حرام مسجد نبوی مسجد اقصیٰ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سواء ان تین مسجدوں کے کسی اور مسجد میں سفر کر کے نہ جاؤ یہ سمجھ کر کہ وہاں نماز کا ثواب زیادہ

ہے جو ثواب گجرات کی مسجدوں میں ہے وہی ثواب لاہور کی شاہی مسجد کی نماز کا ہے ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد تجارت وغیرہ کے لئے سفر کیا ہے اس کی نفیس تحقیق ہمارے کتاب جاء الحق حصہ اول میں مطالعہ کرو۔ **دوسرا اعتراض:** کفار پر سواء ایمان لانے کے اور کوئی حکم شرعی جاری نہیں ہوتا تمام احکام شرعیہ بعد ایمان جاری ہوتے ہیں تو انہیں سفر کرنے نظر کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ **جواب:** یہاں سفر کا حکم ترغیب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں کفار کو نیکیوں کی رغبت دینا اچھا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تو کیا نظر و غور کا انہیں امر دینا بھی ترغیب کے لئے ہے۔ **جواب:** نہیں یہ حکم وجوبی ہے کفار پر ایمان لانا بھی واجب ہے اور لانے کے لئے ایمان کے ذریعے اختیار کرنا بھی واجب ہے اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ کفار کو حکم دیا ہے کہ تم میرے محبوب صلی اللہ علیہم وسلم کے حالات میں غور کرو۔ **ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنتہ۔** کفار اسلامی عبادات کے مکلف نہیں 'ایمانیات' سیاسی احکام ان پر بھی جاری ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں سیر اور نظر کے درمیان **ثم** ارشاد ہوا **ثم انظروا کیف کان۔** دوسری آیات میں ارشاد ہے **قل سیروا فی الارض فانظروا** یعنی وہاں ف فرمائی گئی اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت میں سفر سے مراد سفر تجارت وغیرہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم تجارت وغیرہ کے لئے ان زمینوں میں گزرو تو غور بھی کرو اس فرق کو دکھانے کے لئے یہاں ثم ارشاد ہوا اور وہاں ان آیات میں اس مقصد کے لئے سفر کرنا مراد ہے کہ یہی حالات دیکھنے کے لئے ان زمینوں میں جاؤ اور دیکھو اس لئے وہاں ف ارشاد ہوئی (تفسیر کبیر 'خازن' مدارک بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر صوفیانہ: بعض انسان وہ ہیں جو صورت میں ناس (انسان) ہیں مگر سیرت میں نسناس (بن مانس) وہ گویا یاجوج ماجوج ہیں کہ شکل میں آدمی عادت میں بلا اور آفت ایسے لوگوں کو اللہ والوں سے قطعاً انس و محبت نہیں یہ لوگ اگرچہ جسم میں بزرگوں کے پاس رہیں مگر طبیعت اور دل سے بزرگوں سے دور رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایسے بدکاروں کے جسم اگر کسی مقدس مقام پر دفن بھی ہو جاویں تب بھی وہ ان جگہوں سے دور پھینک دیئے جاتے ہیں اور جو اچھے مقامات کے لائق ہیں اگرچہ کسی اور جگہ دفن ہو جاویں مگر وہ اچھے مقامات پر پہنچا دیئے جاتے ہیں سرکش لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ ہمیشہ خوش بخت لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ انہیں ان حضرات سے انس والفت نہیں اس آیت کریمہ میں اس ہی کا ذکر ہے (روح البیان) حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض اللہ والے ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں ایک جگہ ٹھہرتے نہیں ان کے اس عمل کا ماخذ یہ ہی آیت ہے کہ زمین میں پھرنا آیات الہیہ میں غور کرنا کہ یہ بھی وصول الی اللہ کا ایک طریقہ ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا **سیروا فی الارض ثم انظروا** الخ تا جسمانی سیر و نظر روحانی سیر کا ذریعہ ہے (تفسیر صاوی)۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

فرماؤ کس کی ملک ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں فرماؤ اللہ کی ملک ہیں لکھ لیا ہے اپنی ذات

تم فرماؤ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تم فرماؤ اللہ کا ہے اس نے اپنے کرم کے ذمہ پر رحمت

لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

بڑا رحم وکرم البتہ ضرور جمع کرے گا تم کو قیامت کے دن نہیں ہے کوئی شک اس میں وہ لوگ کہ خسارہ میں ڈالا

کھ لی ہے بیشک ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کچھ شک نہیں وہ جنہوں نے اپنی جان نقصان میں

يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾

انہوں نے جانوں اپنی کو بس وہ نہیں ایمان لائینگے اور اسی کی ملک ہیں وہ چیزیں جو رات اور دن میں ہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے

ڈالی ایمان نہیں لاتے اور اس کا ہے جو کچھ بستا ہے رات اور دن میں اور وہ ہی سنتا جانتا ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے ان اعتراضات کے جواب دیئے گئے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کرتے تھے اب ان آیات میں ان کے ان اعتراضات کے جوابات دیئے جا رہے ہیں جو وہ توحید الٰہی کے متعلق کرتے تھے ایمان کے رکن دو ہیں توحید اور رسالت ایک رکن کی تحقیق فرما کر دوسرے رکن کی تحقیق فرمائی جارہی ہیں چونکہ رسالت کی معرفت توحید کی معرفت سے پہلے ہے۔ یعنی پہلے انسان نبی کو مانے پھر ان کی تعلیم سے رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو مانے اس لئے نبوت کا ذکر پہلے ہوا توحید کا ذکر بعد میں وضو پہلے کرو نماز بعد میں پڑھو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں دنیاوی عذابوں سے ڈرا کر کفار کو اسلام کی طرف مائل کیا گیا تھا کہ گزشتہ قوموں کی سزائیں ان کے بلاکتیں دیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ اب رحمت الٰہی کی امید دلا کر انہیں تبلیغ فرمائی جارہی ہے۔ کتب علی نفسہ الرحمۃ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سے اعتراضات اٹھائے گئے تھے اب رب تعالیٰ اپنی ملکیت عامہ کا ذکر فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ماننے کا حکم دے رہا ہے کہ چونکہ ہم تمہارے مالک، خالق، رب ہیں تم پر ہمارا حق ہے ہماری مانو کہ ہمارے نبی پر ایمان لے آؤ۔

شان نزول: ایک بار کفار مکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو دنیاوی ضروریات اور تنگدستی نے اس دعویٰ نبوت اور نیا دین قائم کرنے پر مجبور کیا ہے تو ہم سارے قبیلے مل کر آپ کے لئے مال جمع کئے دیتے ہیں کہ آپ سارے عرب میں امیر ترین ہو جاویں گے آپ تبلیغ بند فرماویں اس پر آیت کریمہ ولہ ما سکن الخ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا کہ ساری مخلوق جس پر دن رات گزرے اللہ ہی کی ہے وہ اپنے حبیب کو غنی سے غنی تر بنانے پر قادر ہے (روح البیان) ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں دولت کے بھوکے مالدار جب ہو جاتے ہیں تو ان کا مکان خوراک لباس بلکہ یار دوست سب بدل جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شان ہے کہ سارے حجاز کے بادشاہ بن جانے پر بھی نہ مکان بدلا نہ غذا لباس، دوست احباب جو لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب ثلثہ نے خلافت غصب کرلی انہوں نے یہ نہ سوچا کہ انہوں نے خلافت سے کیا کمایا کیا دولت جمع کی۔

تفسیر: قل لمن ما فی السموت والارض۔ قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کے بعد لھم پوشیدہ ہے یعنی ان کفار سے فرمایئے جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ قل کا روئے سخن کبھی کفار کی طرف ہوتا ہے

کبھی مومنوں کی طرف کبھی تمام انسانوں کی طرف۔ کبھی تمام مخلوق کی جانب اللہ تعالیٰ اکثر توحید کا مضمون توحید کے دلائل اپنے محبوب سے بیان کراتا ہے اور نبوت کا مضمون نبوت کے دلائل خود بیان فرماتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید کے گواہ ہیں اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا گواہ چونکہ یہاں توحید کا مضمون ہے لہٰذا قل ارشاد ہوا گواہ دو طرح کے ہوتے ہیں وقتی گواہ اور دائمی گواہ قولی گواہی وقتی ہے۔ تحریری یا دلائل کی یا علامات کی گواہی دائمی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور رب تعالیٰ کی یہ گواہیاں دائمی ہیں۔ قیامت تک لوگ یہ گواہیاں دیتے رہیں گے بلکہ قیامت اور جنت میں بھی ہمیشہ گواہیاں دیں گے یہ گواہیاں درحقیقت اللہ رسول ہی کی گواہیاں ہیں کہ سب نے ان سے سیکھ کر گواہیاں دی ہیں۔

سیکھا ہے سکھایا ترا! جانا ہے بتلایا ترا

لہٰذا قل میں دوامی قول مراد ہے لمن کالام ملکیت یا خلقت کا ہے نفع کا نہیں اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق اور حقیقی مالک ہے مگر ان سے نفع نہیں حاصل فرماتا نفع تو ہم اٹھاتے ہیں لمن خبر مقدم ہے اور ما فی السموات الخ مبتدا موخر آسمان کی چیزوں سے مراد وہاں کے چاند تارے سورج بروج وغیرہ ہیں اور زمین کی چیزوں سے مراد بیرون زمین کی مخلوق انسان جانور' درخت' پتھر وغیرہ اور اندرونی چیزیں پانی کے چشمے' معدنیات وغیرہ ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار و منکرین سے پوچھیں کہ آسمانوں زمین کی تمام چیزیں کس کی مخلوق' مملوک ہیں ان کا خالق و مالک کون ہے۔ خیال رہے کہ کفار سے یہ سوال ان سے اقرار کرانے کے لئے ہے سوال و جواب کے طریقہ سے تبلیغ بہت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے قل للہ یہ عبارت یا اس سوال کے جواب کی تعلیم ہے یا تعلیم کے لئے خود جواب دینا ہے۔ پہلی صورت میں للہ سے پہلے قولوا پوشیدہ ہے۔ دوسری صورت میں یہ پوشیدہ نہیں للہ سے پہلے یا اس کے بعد الکل پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب آپ ان کو جواب کی تلقین کر دو ان سے کہو کہ کہہ دو کہ ساری چیزیں اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں یا آپ ہی ان سے فرما دو کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم فرما دو کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے پھر آپ کی تعلیم سے یہ لوگ یہ کہیں تب وہ مومن ہونگے بغیر آپ کی تعلیم کے وہ یہ سب کچھ مان لیں مومن نہ ہوں گے کہ مومن وہ ہے جو ذات الٰہی اس کے صفات کو نبی کی تعلیم ان کے بتانے سے مانے غرضیکہ اس عبارت کی تین تفسیریں ہیں۔ خیال رہے کہ خطاب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ خطاب فوری جو صرف ایک موقعہ کے لئے ہو جیسے چلو تبوک کے غزوہ کو خطاب وقتی جو ایک خاص مدت تک کے لئے ہو جیسے نبی کے گھر دعوت میں کھانے کے وقت سے پہلے نہ پہنچ جاؤ۔ خطاب دائمی جو ابد الاباد کے لئے ہو جیسے نماز پڑھو یہاں قل میں خطاب ہمیشگی کے لئے ہے کہ یہ عقیدہ ہر شخص کو ہمیشہ رکھنا چاہئے۔ حضرت خلیل نے ایک بار فرما دیا کہ حج کے لئے آؤ تا قیامت اس کے جواب میں لبیک کہا جاوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حج وداع کے موقعہ پر پوچھا کہ تم رب سے میرے متعلق کیا کہو گے اب تا قیامت مسلمان کہتے ہیں یا رسول اللہ آپ نے تبلیغ کر دی کتب علی نفسہ الرحمۃ یہ نیا جملہ ہے جو قل کے تحت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یعنی آپ یہ بھی فرما دو کہ کتب الخ خیال رہے: کہ کتب ماضی ہے کتابت کا معنی لکھنا اصطلاح میں واجب کر لینے کو بھی کتابت کہا جاتا ہے۔ جیسے کتب علیکم الصیام یہاں یا تو لغوی معنی میں ہے اور اس کی تفسیر وہ حدیث ہے۔ جو مسلم بخاری نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً" نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق

پیدا فرمانے کا فیصلہ فرمالیا تو ایک تحریر اپنے دست قدرت سے لکھ کر اپنے پاس عرش کے اوپر رکھ لی **ان رحمتی سبقت غضبی**۔ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے یا غالب ہے ترمذی شریف کی روایت میں یوں ہے **رحمتی تغلب غضبی** ابن مردویہ کی روایت میں ہے **رحمتی سبقت غضبی** (روح المعانی) اس صورت میں یہ آیت کریمہ ظاہر ہے یا معنی واجب کرلینا ہے۔ تب اس سے مراد تاکید وعدہ فرمالینا ہے اور حضرات انبیاء کرام کی معرفت بندوں کو بتادینا (تفسیر مدارک) چونکہ یہ وعدہ یا لازم فرمالینا بہت پہلے ہوچکا ہے لہٰذا ماضی کا صیغہ ارشاد ہوا نفس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ دل یا نفس امارہ یا جان مراد نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ رحمت سے مراد دنیا میں رحمت عامہ ہے۔ بندوں کو رزق دینا' نافرمانوں کے عذاب میں جلدی نہ کرنا۔ ان کی ہدایت کے لئے حضرات انبیاء کو بھیجنا اور آخرت میں رحمت خاصہ صرف مسلمانوں کے لئے انہیں بخشنا ان پر انعام و اکرام کی بارش کرنا مگر بہتر یہ ہے کہ رحمت میں کوئی قید نہ لگائی جاوے اللہ تعالیٰ نے ان گنت رحمتیں اپنے ان گنت بندوں کو بخشیں جیسا بندہ ویسی رحمت' بعض لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ ہم کو دیا اس کی رحمت ہے اب اگر کسی چیز کو ہم اپنے لئے عذاب بنالیں تو ہماری مرضی۔ اللہ کی جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملے رحمت ہے جو ہم ان کے بغیر لیں وہ عذاب بن جاتی ہے بجلی پاور تار کے ذریعہ آئے رحمت ہے بلاواسطہ اس پر ہاتھ لگاؤ تو جان لے لیتا ہے وغیرہ یعنی اے محبوب ان لوگوں سے یہ بھی فرمادو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم پر رحمت لازم فرمالی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس رحمت سے مراد امت مصطفوی پر خاص رحمت فرمانا ہے کہ ان پر دنیا میں عذاب نہ آئے (روح المعانی) حق تعالیٰ کی ملکیت کے بعد رحمت کے ذکر فرمانے میں اشارۃً" بتایا گیا کہ ملکیت تین قسم کی ہوتی ہے قہر والی جیسے قصائی ذبح کے لئے جانور خرید کر اس کا مالک بنے اور رحمت والی جیسے کسی مظلوم غلام کو خرید کر مالک اس کی پرورش کرے جیسے حضرت صدیق نے جناب بلال کو خریدا۔ تیسری ملکیت غرض والی جیسے ہم دودھ کا جانور خرید کر اس کی خدمت کریں دودھ کے لئے اللہ تعالیٰ تمام جہان کا خالق و مالک ہے مگر رحمت والا بے غرض والا مالک ہے اس لئے اس نے نبی ولی پیدا فرمائے ہیں یہ رحمت کا ظہور ہے غذائیں بنائیں یہ جسمانی رحمت کا ظہور ہے اب اگر کوئی ان رحمتوں کی مخالفت کرکے دوزخ میں جائے تو اس کی اپنی مرضی وہ حضرات تو رحمت کے لئے آئے جیسے کوئی بجلی کے پاور سے اپنے کو ہلاک کرے یا ریل تلے سر دیکر خودکشی کرے کہ یہ اس کے استعمال کی غلطی ہے

لیجمعنکم الی یوم القیمۃ۔ یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے پوشیدہ قسم کا جواب یا رحمت کا بیان' جمع فرمانے سے مراد ساری مخلوق کو ایک جگہ ایک وقت میں مجتمع کردینا ہے لفظ الی یا تو زائدہ ہے یا صلہ کا تو یوم القیامۃ اس فعل **لیجمعن** کا ظرف ہے یا معنی فی ہے یا عبارت یوں ہے **لیجمعنکم الی المحشر فی یوم القیمۃ** یا **لیجمعن** کے بعد فی الدنیا پوشیدہ ہے' مطلب یہ ہے کہ تم کو قیامت تک دنیا میں جمع فرماتا رہے گا (تفسیر کبیر) یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے میلے لگاتا اور ختم کرتا رہے گا۔ دیکھ لو ابراہیمی' موسوی۔ عیسوی میلے لگتے رہے مگر کہاں گئے۔ تخت سلیمانی سلطنت داؤدی کے قصے رہ گئے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ تم کو رشتہ اسلامی کی وجہ سے قیامت تک جمع فرماتا رہے گا تمہارے تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے مگر رشتہ اسلامی تاقیامت رہے گا مرے بعد کوئی کسی کا بھائی ہے نہ بیٹا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اور مسلمان ہے مگر پہلے معنی قوی ہیں کہ تم کو قیامت کے دن یا قیامت کے دن میں جمع کرے گا **لا ریب فیہ** اس عبارت کا تعلق **لیجمعنکم** سے ہے **فیہ** کی ضمیر یا تو یوم قیامت کی طرف ہے یا جمع کی طرف۔ یعنی اس قیامت میں یا اس جمع فرمانے میں کوئی تردد و شک کی

گنجائش نہیں وہ ضرور آنے والی ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام نے اس کی خبر دی اور عقلی دلائل اس پر بہت موجود ہیں یہ عبارت جمعاً کی صفت ہے یا اس کی تاکید (روح المعانی) **الذین خسروا انفسھم**۔ اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ یہ مبتداء بمعنی شرط ہے اور **فھم لا یومنون** اس کی خبر بمعنی جزاء **الذین** سے مراد یا تو زمانہ نبوی کے کفار ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے یا سارے کفار مراد۔ خسارہ اس نقصان کو کہتے ہیں جس میں اصلی مال بھی نہ رہے۔ نفع کا تو ذکر ہی کیا **انفس** جمع ہے نفس کی بمعنی ذات یا جان یعنی جن کفار نے اپنی جانوں یا اپنی ذاتوں کو پورے ٹوٹا میں ڈال دیا اس طرح کہ ایمان ہی اختیار نہ کیا جس سے وہ اللہ کی کسی رحمت کے مستحق نہ رہے اگر مومن ہو کر گناہ کر لیتے تو رحمت سے بالکل محروم نہ ہو جاتے **فھم لا یومنون** یہ عبارت **الذین** کی خبر بمعنی جزاء ہے یعنی جن لوگوں نے علم الٰہی میں اپنے کو خسارہ میں ڈالا ہے کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں آگیا کہ یہ خسارہ میں رہیں گے وہ اے محبوب ہرگز ایمان نہ لائیں گے (تفسیر کبیر' خازن وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں خسران سے مراد ہے علم الٰہی میں ان کا خسارہ میں ہونا اور **لا یومنون** سے مراد ہے ان کا دنیا میں ایمان قبول نہ کرنا لہٰذا آیت واضح ہے کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں **ولہ ما سکن فی الیل والنھار** یہ عبارت **للہ** پر معطوف ہے اور **قل** کا مقولہ ہے یعنی اے محبوب آپ اپنے رب کی یہ صفت بھی ان لوگوں سے بیان کر دو یہاں بھی لام ملکیت کا ہے ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے **ما** سے مراد تمام عاقل و غیر عاقل جاندار اور غیر جاندار چیزیں ہیں آسمانی ہوں یہ خلائی چیزیں زمینی ہوں یا دریائی زمین کے اوپر کی ہوں یا زیر زمین لہٰذا یہ فرمان عالی **فی السموات والارض** کی تفسیر ہے یا اس کی تاکید **سکن** بنا ہے سکون سے یہاں سکون حرکت کا مقابل نہیں تا کہ اس سے حرکت کرنے والی (متحرک چیزیں) نکل جاویں بلکہ اس سے مراد مطلقاً رہنا ہے خواہ جنبش کرتے رہنا خواہ ٹھہرا رہنا خواہ پہلے رہ چکی ہوں یا اب ہو یا آئندہ رہنے والی ہوں لہٰذا ماضی دوامی ہے اس لئے تفسیر جلالین نے سکن کے معنی کئے ہیں حل صاوی نے معنی کے وجہ اس کی اور بہت سی تفسیریں ہیں مگر آسان اور قوی تفسیر یہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سکن یا بنا ہے سکون سے بمعنی ٹھہرنا یا سکونت سے بمعنی رہنا یا سکن سے بمعنی دل کا چین رب فرماتا ہے **ان صلوتک سکن لھم** پہلے معنی یہاں نہیں بن سکتے لہٰذا یا دوسرے معنی مراد ہیں یا تیسرے معنی یعنی اللہ کی مملوک و مخلوق ہیں وہ تمام چیزیں جو رات و دن میں رہتی ہیں یا اللہ کے محبوب ہیں وہ بندے جو رات و دن میں چین ہی کرتے ہیں دنیاوی تفکرات و پریشانیاں ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں کہ ان کے دل اللہ رسول کی محبت سے لبریز ہیں وہاں غم و فکر کے رہنے کی جگہ ہی نہیں۔ لیل و نہار سے مراد یہ دونوں وقت ہیں جن میں شام سویرا بھی داخل ہے یعنی ساری موجودات جو کبھی بھی وجود میں آئیں جن پر رات دن گذریں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت حقیقیہ ہیں ان میں سے ایک ذرہ کا مالک حقیقی کوئی نہیں سواء رب کے اتنی بڑی سلطنت و ملکیت کے باوجود **وھو السمیع العلیم**۔ وہ سب کی سنتا بھی ہے سب کو جانتا بھی ہے پھر اس کا سننا جاننا کسی وقت کسی جگہ سے خاص نہیں بلکہ وہ ہر جگہ سے ہمیشہ سنتا جانتا ہے چیونٹی بھی اس کے علم و سمع میں ہے ہاتھی بھی پہاڑ کی بھی خبر رکھتا ہے ذرہ بے مقدار کی بھی۔

خلاصہ ء تفسیر: ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اللہ تعالیٰ نے اپنی تین صفات بیان فرمائیں اس کی ملکیت' خالقیت' قا۔غیت' دوسرے اس کی رحمت تیسرا اس کا سب بندوں کو قیامت میں جمع فرمانا ترتیب یہ رکھی کہ پہلے ملکیت کا ذکر فرمایا۔ پھر رحمت کا تاکہ معلوم ہو کہ اس کی ملکیت قہری یا غرضی نہیں رحمت کی ہے آخر میں قیامت کا ذکر فرمایا جو رحمت کے

ظہور کا دن ہو گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میری ذات و صفات کے گواہ ہیں لہٰذا میرے منکروں کو میری ذات و صفات اس طرح منوائیں کہ ان پر میرے متعلق خود ہی سوال قائم کریں پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب انہیں سنائیں کہ اس طرح کی گفتگو دلنشیں ہوتی ہے آپ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کس کی مملوک ہے ان کا خالق ان کا حقیقی مالک کون ہے اور پھر خود ہی جواب دیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہیں وہ خالق و مالک ہونے کے باوجود ایسا رحیم و کریم بھی ہے کہ اس نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت عامہ دنیا میں اور رحمت خاصہ آخرت میں لازم فرمالی کہ دنیا میں ہر چیز کو اس کی رحمت گھیرے ہوئے ہے آخرت میں ہر مومن پر اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوں گے۔ خیال رکھو کہ وہ تم سب کو قیامت کے دن ایک جگہ ایک وقت میں جمع فرمائے گا کہ تم سب زمین شام میں اکٹھے ہو گے نہ اس قیامت میں شک کی گنجائش ہے نہ جمع فرمانے میں کیونکہ ان پر نقلی و عقلی دلائل قائم ہیں جو اللہ کے علم میں خسارہ و نقصان والے ہو گئے کہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا ان کے کافر رہنے سے اے محبوب آپ ملول نہ ہوں۔ خیال رکھو کہ جن چیزوں پر رات دن گزرتے ہیں جو ان وقتوں میں داخل ہوں یعنی ساری چیزیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق و مملوک ہیں اتنی بڑی سلطنت ملکیت کے باوجود وہ سب کی خبر رکھتا ہے ہر چیز کے ہر حال کو جانتا ہے سب کی سنتا ہے یہ اس کی قدرت ہے کہ ذرہ کی بھی خبر رکھے پہاڑ کی بھی چیونٹی کی بھی ہاتھی کی بھی۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار بخششیں ہیں مگر اس کی نعمتوں رحمتوں کے دروازے مختلف ہیں۔ کنواں پانی کا دروازہ ہے۔ کھیت غذا کا حکیم کی دوکان شفا کا اللہ کی رحمت لینے کے لئے ان دروازوں پر جانا پڑتا ہے یوں ہی ایمان، عرفان، قرآن اللہ کی رحمتیں ہیں مگر ان کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ رحمت دینے والا رب تعالیٰ ہے بانٹنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بانٹنے والا جتنا قوی ہوتا ہے اتنا ہی بڑا حصہ ملتا ہے کنوئیں کا پانی ایک ہے مگر ڈول چرسا، رہٹ ٹیوب ویل وغیرہ کے ذریعہ سے مختلف طور سے ملتا ہے پھر دریا بادل کے ذریعہ جو پانی ملتا ہے وہ تو دنیا کو سیراب کر دیتا ہے اور نبیوں کے ذریعہ جو عبادات لوگوں کو ملیں ان کا ثواب اور تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو عبادات ملیں ان کا ثواب کچھ اور ہی ہے کیونکہ تقسیم فرمانے والا رحمۃ للعالمین ہے۔

حدیث: مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے جن کا ظہور قیامت میں ہو گا ایک حصہ دنیا میں تقسیم فرمایا اسی سے ماں بچوں پر باپ اولاد پر دوست دوست عزیز اپنے قریبوں پر رحمت کرتے ہیں جن و انس حتیٰ کہ وحشی جانور اس رحمت سے اپنے بچوں پر مہربان ہیں مسلم شریف میں ہے اگر اللہ کی رحمت کو کماحقہ کافر جان لیں تو وہ اس سے مایوس نہ ہوں اگر اس کے عذاب کو کماحقہ مسلمان جان لیں تو وہ اس سے بے خوف نہ ہوں۔ فقیر کہتا ہے کہ اے مولا جب تیرے بندے یوسف علیہ السلام نے اپنے ایسے قصوروار بھائیوں کو بخش دیا۔ جب تیرے بندے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی ہندہ، عکرمہ ابو سفیان جیسے قصورواروں کو معافی دے دی تو تو ارحم الراحمین ہے نہ معلوم تو جو ارحم الراحمین ہے کیسی معافیاں دے گا اے رحیم و کریم رب تو ہم گنہگاروں سیہ کاروں، بدکاروں سے فرمادے لا تثریب علیکم الیوم۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے گواہ

ہیں یہ فائدہ پہلے قل سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اپنی ملکیت تامہ کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جاننا ایمان ہے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کے ان سب کو ماننا محض بے کار ہے یہ فائدہ دوسرے قل سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ تیسرا فائدہ: تبلیغ کا بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ اسلامی عقائد کے متعلق منکرین سے خود سوال کرو اور خود ہی جواب دے دو۔ اس طریقہ سے بات خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے یہ فائدہ ان دونوں قل سے حاصل ہوا جو چیز انتظار کے بعد ملتی ہے اس میں لذت بھی آتی ہے اور اس کی قدر بھی ہوتی ہے ہم کو رب نے منتظر بنا دیا کہ قبر میں تم کو اپنے حبیب کا دیدار کرائیں گے تو عشاق موت کے ایسے منتظر ہو گئے۔ جیسے دولہا برات کا لو دیدار میں جو لذت ہو گی وہ بیان سے باہر ہے۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی شخص ایک ذرہ کا نہ خالق ہے نہ حقیقی مالک یہ فائدہ للہ سے حاصل ہوا جو کسی اور کو ادنیٰ چیز کا بھی خالق یا حقیقی مالک مانے وہ مشرک ہے ہر ادنیٰ اعلیٰ چیز اس کی مخلوق ہے اس کی حقیقی مملوک۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے کوئی بندہ ایسا نہیں جسے اس رحیم و کریم کی بندہ نوازی رحمت خسروانہ سے حصہ نہ ملا ہو یہ فائدہ کتب الخ سے اور ان احادیث سے حاصل ہوا جو ابھی تفسیر میں پیش کی گئیں۔ ہاں آخرت میں اس کی رحمت کے حقدار صرف مومن ہیں اس لئے ان کا نام رحمان بھی ہے یعنی دنیا میں سب پر رحم فرمانے والا اور رحیم بھی یعنی آخرت میں صرف مومنوں پر رحمت کرنے والا۔ چھٹا فائدہ: کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا دوسرے وہ جو آخر کار مومن ہو جائیں گے۔ خسارہ میں پہلی قسم کے کفار ہیں یہ فائدہ الذین خسروا سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: دنیا میں لوگوں کے مجمعے میلے لگتے ہی رہیں گے کوئی میلہ چند دن کا کوئی چند ماہ کا کوئی چند سال کا مگر آخر کار بچھڑنا اور فنا ہونا ہے یہ فائدہ لیجمعنکم الی یوم القیامۃ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا نبیوں ولیوں کے اچھے میلے کفار و مشرکین کے برے میلے ان سب کا ذکر قرآن کریم میں ہے کہاں گئے نمرودی فرعونی میلے ان کے قصے ہی رہ گئے۔ آٹھواں فائدہ: بچھڑے ہوئے متفرق انسانوں کو جمع کرنے والی بہت چیزیں ہیں مگر محض عارضی اور محدود ہیں۔ رشتہ اسلامی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا وہ دائمی ہے اور عالمگیر ہے یہ فائدہ الی یوم القیمۃ کی ایک اور تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے خود ہی سوال کی تلقین فرمائی۔ خود ہی جواب کی کہ خود ہی سوال کرو خود ہی جواب دو۔ چاہئے یہ کہ سوال کرنے والا اور شخص ہو جواب دینے والا دوسرا شخص یہ آیت کریمہ اس قاعدے کے خلاف ہے۔ جواب: یہاں سوال و جواب پوچھنے کے لئے نہ ہیں بلکہ کفار کو سمجھانے کے لئے ہے کہ اس طرح سے سمجھنا بہت مفید ہوتا ہے ایسے سوال و جواب ایک شخص ہی کر سکتا ہے لائق و شفیق استاد شاگردوں کو سمجھانے کے لئے پہلے ان سے خود ہی علمی سوال کرتا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتا ہے تاکہ بچے آسانی سے سمجھ لیں۔ دوسرا اعتراض: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم فرمائی ہے تو دنیا میں بیماریاں، آفات، تکالیف و مصیبتیں اور آخرت کے متعلق شیطان نفس امارہ برے ساتھیوں کو کیوں پیدا فرمایا اور وہ بندوں پر غضب و قہر کیوں فرماتا ہے۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں قہر و غضب کی نفی نہیں۔ رحمت کا ثبوت ہے وہ رحیم بھی ہے قہار جبار بھی چونکہ اس کی رحمت زیادہ ہے اس لئے رحمت کا ذکر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ چیزیں بھی درحقیقت رحمت ہی ہیں اگر ہم غلط استعمال سے انہیں غضب بنا

لیں تو غلطی ہماری اپنی ہے مصیبتوں میں صبر ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ شیطان سے بچنے کی کوشش رحمتوں کا ذریعہ ہے مہربان حکیم کا نشتر بھی رحمت ہی ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **للہ** سے معلوم ہوا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کا خالق نہیں ایسے ہی کوئی چیز کا مالک بھی نہیں پھر تم حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم کا مالک کیوں مانتے ہو تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ جیسے کوئی مجازی خالق نہیں ہو سکتا ایسے مجازی مالک بھی نہیں ہو سکتا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی اپنے گھربار' سازو سامان اور زمین و باغ کے مالک نہیں پھر آپ یہ چیزیں فروخت کر کے ان کی قیمت کیوں لیتے ہیں اور پھر آپ پر زکوۃ و فطرہ' قربانی کیوں واجب ہے زکوۃ تو مالک نصاب پر ہوتی ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کوئی خالق مجازی نہیں ہو سکتا۔ خالقیت ایک ایسا وصف ہے جو حقیقی ہی ہے مجازی نہیں۔ خالق وہ ہے جو نیست کو ہست کرے نابود کو بود کرے اس میں مجاز کی گنجائش نہیں مگر ملکیت حقیقی ازلی دائمی بھی ہوتی ہے اور مجازی' حارث عارضی بھی حقیقی دائمی ازلی ابدی مالک صرف رب تعالیٰ ہے۔ مجازی عارضی مالک ہم تم سب ہیں جیسے حقیقی زندہ حقیقی سمیع و بصیر صرف رب تعالیٰ ہے۔ مجازی زندہ اور سمیع و بصیر ہم ہیں۔ لفظ (کا) بہت طرح استعمال ہوتا ہے۔ مالک' قابض' مستحق اور نفع والا سب ہی کے لئے (لفظ) بولا جاتا ہے۔ یہ مکان زید کا ہے یعنی وہ اس کا مالک ہے یہ مکان زید کے بیٹے کا ہے یعنی وہ اس کا مستحق ہے وارث ہے۔ زید کے قرض خواہ کا ہے یعنی اس کا مستحق ہے وارث ہے۔ زید کے قرض خواہ کا ہے یعنی وہ اس کا قابض ہے اس کے پاس گروی رکھا ہوا ہے۔ یہ مکان بکر کا ہے یعنی وہ اس میں کرایہ پر رہتا ہے اس سے نفع اٹھاتا ہے یہ سارا جہاں اللہ کا ہے یعنی وہ اس کا مالک حقیقی ہے یہ جہاں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یعنی اس کے کار مختار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **انا اعطینک الکوثر** اور **اللہ المعطی و انا قاسم**۔ سارا جہاں ہم سب کا ہے یعنی ہم سب اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** اس "کا" کے بہت معنی ہیں یہاں پہلی قسم کا "کا" ہے۔ لہذا اس سے لازم نہیں کہ اسے کسی اور کی طرف نسبت نہ کر سکیں۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز واجب نہیں اس کا کوئی حاکم نہیں وہ فاعل مختار ہے۔ پھر **کتب علی نفسہ** کیسے درست ہوا۔ **جواب:** کسی اور کے واجب کرنے سے رب تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ کریم خود اپنے کرم سے اپنے ذمہ کچھ لازم فرمالے تو وہ اس کا کرم و مہربانی ہے۔ اگر داتا کسی فقیر سے کچھ دینے کا وعدہ کرے تو وہ خود ہی اپنے ذمہ واجب کر رہا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **لیجمعنکم الی یوم القیامۃ** کیونکر درست ہوا الیٰ انتہاء کے لئے آتا ہے جمع انتہاء نہیں چاہتی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **الی** بمعنی فی ہے اور اگر اپنے معنی میں ہے تو پوشیدہ عبارت کے متعلق ہے نہ کہ **لیجمعنکم** کے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **خسروا** شرط ہے۔ اور **لا یومنون** جزا حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے کہ **لا یومنون** شرط ہے اور **خسروا** جزا۔ جو ایمان نہیں لاتا وہ خسارہ میں ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ جو خسارہ میں ہو وہ ایمان نہیں لاتا تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** یہاں خسارہ سے مراد رب تعالیٰ کے علم میں خسارہ ہے اور ایمان نہ لانے سے مراد ہے دنیا میں ایمان نہ لانا مطلب یہ ہے کہ جو علم الٰہی میں خسارہ میں رہا وہ دنیا میں ایمان نہ لائے گا لہذا مطلب واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جو دن و رات میں رہتے ہیں وہ اللہ کی ملک ہیں تو کیا جو چیزیں دن و رات میں نہیں رہتیں۔ ان پر نہ دن گزرتا ہے نہ رات نہ ان کی عمر جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں' عرش' لوح' قلم یہ چیزیں خدا کی ملک نہیں اس کی ملکیت کو دن رات گزرنے یا دن رات میں رہنے سے

مقید کیوں فرمایا گیا۔ جواب: بیشک ہر چیز خدا تعالیٰ کی ملک ہے مگر جو دن رات وقت و زمانہ سے وراء ہیں وہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتیں ہماری نظر دن رات والی چیزوں تک محدود ہے یہ قید ہماری نظر کے لحاظ سے ہے یعنی جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب خدا کا ہے جیسے **لہ ما فی السموت والارض** کا مطلب یہ نہیں کہ آسمانی زمینی چیزیں تو رب تعالیٰ کی ہوں جو آسمان و زمین سے خارج ہیں وہ کسی اور کی ہوں وہاں بھی یہ ہی مطلب ہے کہ یہ تمام دیکھی بھالی چیزیں اللہ کی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے سارا قلعہ بادشاہ کا ہوتا ہے مگر اس قلعہ میں کمرے مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ جیسا کمرہ ویسا اس کا سامان بھینس خانہ' پاخانہ' باورچی خانہ' ملازم خانہ پھر بادشاہ کا جلوت خانہ' خلوت خانہ یہ سب بادشاہ کے ہیں مگر ان کمروں کے منشاء مختلف ہیں بھینس خانہ میں صوفہ سیٹ میز و کرسی نہیں ہوتی۔ ان میں سے خاص اس کی آرامگاہ وہاں کے خاص کمرہ ہوتا ہے یا سارا ملک بادشاہ کا ہے مگر خاص دارالخلافہ اس کی خاص تجلی گاہ ہوتا ہے۔ جہاں سے احکام صادر ہوتے ہیں انعام و اکرام تقسیم ہوتے ہیں۔ سارا جہان اللہ کا ہے مگر عشاق کے دل اس کی خاص تجلی گاہ ہیں۔ جہاں سے تکوینی احکام تشریعی ارکان خسروانہ انعام شاہانہ اکرام عالم میں تقسیم ہوتے ہیں۔ طور' مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' بیت المقدس سب ہی اللہ تعالیٰ کی مملوک و مخلوق ہیں مگر ان کے درجات مختلف ہیں یوں ہی انسان کی آنکھ' کان' ناک و دماغ دل وغیرہ سب اللہ کی مخلوق ہیں مگر دل خاص تجلی گاہ یار کا خلوت خانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض رحمتیں بندوں کو ان کے اعمال یا دعا سے عطا فرماتا ہے۔ یہ رحمت عامہ ہیں مگر رحمت خاصہ وہ ہیں جو اس نے ہم کو بغیر طلب بخشیں انہیں کے متعلق یہاں ارشاد ہے۔ **کتب علی نفسہ الرحمۃ**۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ورعدم ما مستحقاں کے بدیم کہ بریں جاں و بریں دانش زدیم!

مانہ بودیم و تقاضہ' مانبود لطف تو ناگفتہ ماہی شنود!

جب سارے رحمت والے چھوڑ دیتے ہیں تب وہ رحیم یاد رکھتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی یہ مناجات پڑھتے تھے۔

اللھم ارحمنا اذا عرق الجبین' وکثر الانین' وبکی علینا الحبیب' ویئس منا الطبیب۔

اللھم ارحمنا اذا وارنا التراب' ودعنا الاحباب' وفارقنا النعیم' وانقطع النسیم۔

اللھما ارحمنا اذا نسی اسمنا' وبلی جسمنا' واندرس قبرنا' وانطوی ذکرنا۔

اللھم ارحمنا یومی تبلی السرائر' وتبدی الضمائر' وتنشر الدواوین وتحسر الموازین۔

اللھم یا حی یا قیوم' یا رحمن یا رحیم' برحمتک نستعین۔

یعنی اے اللہ ہم پر اس وقت رحم فرما جبکہ پیشانی پر پسینہ آجائے رونے والے کی پکار اٹھے ہم پر پیارے رو چکیں حکیم جواب دے چکے الٰہی ہم پر اس وقت رحم کر جبکہ ہم مٹی میں چھپ جاویں دوست احباب چھوڑ جاویں دنیاوی نعمتیں ختم ہو جاویں ہوا ہم پر بند ہو جاوے اے اللہ ہم پر اس وقت رحم کر جبکہ ہمارا نام بھولا جا چکے ہمارے جسم گل سڑ جاویں ہماری قبریں مٹ جاویں ہمارا چرچہ ختم ہو جاوے اے اللہ ہم پر اس وقت رحم فرما۔ جبکہ چھپی باتیں کھلیں دل کے بھید ظاہر ہوں۔ دفتر اعمال پھیلے ہوں وزن ہو رہا ہو اے ہمارے قیوم ہم ان اوقات میں تیری مدد مانگتے ہیں (روح البیان) غرضیکہ صوفیاء کے نزدیک جو رحمت رب تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمائی وہ رحمت مطلقہ ہے جو ہماری طلب سے وراء ہے دنیا جمع تفریق و جدائی کی جگہ ہے آخرت جگہ اجتماع کی ہے یہاں جسم' روح' قلب' قالب میں فاصلہ ہے مگر قیامت میں ایسے مجتمع ہوں گے کہ ان میں کوئی کسی کے خلاف

نہ ہوگا۔ دنیا کی ہر چیز آسمان زمین وغیرہ گول ہیں دائرہ کی شکل میں اور دائرہ مرکز پر کھینچا جاتا ہے۔ دنیا کے دائرہ کا مرکز حقیقت محمدیہ ہے کہ سارا دائرہ اس مرکز پر کھچا اور اس سے وابستہ ہے ہدایت کا بھی ایک دائرہ ہے جس کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انسان تین قسم کے ہیں بعض مرکز ہدایت سے وابستہ بعض مرکز سے دور مگر دائرہ کے اندر اور بعض دائرہ ہدایت سے خارج جب رب تعالیٰ نے ارواح پیدا فرمائیں تو بعض دائرہ ہدایت کے اندر رہے بعض اس دائرہ سے باہر اندر والوں میں بعض مرکز ہدایت سے وابستہ رہے مرکز سے وابستہ ہونے والے حضرات صحابہ و اولیاء خاص ہیں جو ہدایت پر ہیں ہدایت گیر ہیں کہ ان کے افعال و اعمال۔ اقوال ہدایت ہیں جو اس دائرہ سے خارج رہے وہ پورے خسارہ میں ہیں جو کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ہر انسان تاجر ہے اس کی زندگی گھڑیاں بلکہ اس کی ہر سانس اصل رقم ہے۔ جسے خرچ کر کے وہ نیک یا بد اعمال کے سودے خریدتا ہے ہر شخص کی زندگی کی دوکان صبح کھلتی ہے رات کو بند ہو جاتی ہے مرنے پر یہ دوکان ختم ہو جاتی ہے اگرچہ بعض بندے ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی دوکان نہ رات کو سوتے میں بند ہو نہ مرنے پر ختم ہو۔ ہمیشہ کھلی رہتی ہے تجارات چار قسم کی ہیں ربح یعنی نفع کی۔ تولید یعنی برابر نہ نفع نہ نقصان۔ نقصان کی اور خسران کی گھاٹے والی تجارت نقصان کی ہے۔ اگر اصلی پونجی بھی ختم ہو جاوے وہ خسران کی۔ جہاں انا ہے وہاں نقصان یا خسارہ ہے اور جہاں فنا ہے وہاں نفع ہے۔ یہاں انا والی تجارت کا ذکر ہے کہ وہ نری خسران کی ہے۔ نفع والی تجارت حضرت صدیق و فاروق صحابہ کرام و اولیاء اللہ کرتے رہے کہ سب کچھ کیا۔ مگر کہتے رہے کہ ہم نے کچھ نہ کیا جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے عرض کیا کہ **جئنا ببضاعۃ مزجات** ہم کھوٹی پونجی لائے ہیں۔ تب ہی ساری مشکلیں حل ہو گئیں۔ بھائی کو بھائی مل گئے اور باپ کو فرزند مل گئے۔ یہ ہے فنا کی لذت۔ اللہ کے بندے دو قسم کے ہیں۔ بعض خلوت پسند جنہیں رات کی تاریکی میں سکون ملتا ہے۔ بعض وہ جلوت پسند جن کو دن کی روشنی بھاتی ہے۔ یہ دونوں اللہ کے مقبول ہیں۔ چونکہ خلوت پسند رات میں سکون لینے والے افضل ہیں نیز رات دن سے افضل کہ یہ محبین کی انسیت کا وقت ہے۔ محبوبین کی آنکھ کی ٹھنڈک کی ساعت ہے روزانہ قبولیت کی ساعتیں رات کے آخری حصے میں آتی ہیں۔ شب قدر جو ہزار ماہ سے افضل ہے رات ہی ہے معراج کے لئے رات ہی منتخب ہوئی بہر حال رات دن سے افضل ہے اس لئے رات کا ذکر پہلے ہوا۔ دن کا ذکر بعد میں لہذا رات کے سکون والے دن کے سکون والوں سے زیادہ قرب والے ہیں وہ مناسب کی ہے جا مناسب کرے **وھو السمیع العلیم** (از روح البیان مع اضافہ) صوفیاء کرام کے مشرب ہیں **ولہ ما سکن فی الیل والنہار** سکن کے چار معنی ہیں ایک تو یہ جو ابھی عرض کئے گئے دوسرے یہ کہ اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو دن رات چین و سکون سے رہتے ہیں۔ کبھی بے چینی بے قراری ان کے پاس نہیں آتی تیسرے یہ کہ مقبول بندے وہ ہیں جو غموں کی رات میں اور خوشی کے دن میں اللہ کے دروازے پر ٹھہرے رہتے ہیں کبھی وہ دروازہ نہیں چھوڑتے۔ چوتھے یہ کہ اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو ہمیشہ عجز و مسکنت میں رہتے ہیں۔ دن رات ان میں عجز و انکسار ہوتا ہے کبھی غرور و تکبر نہیں کرتے غرضیکہ سکن کے چار معنی ہیں اور لیل و نہار کے تین معنی اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ بہت سی ہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا

فرما دو کیا اللہ کے سوا کو بناؤں ولی وارث پیدا فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے

تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں وہ اللہ جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور وہ کھلاتا ہے

يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

اور نہیں کھلایا جاتا فرماؤ بیشک میں حکم دیا گیا یہ کہ ہوؤں میں پہلا وہ جو اسلام لایا اور ہرگز نہ ہوؤ تم

اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں اور ہرگز شرک والوں میں سے نہ

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

شرک کرنے والوں میں سے تم فرماؤ کہ بیشک میں ڈرتا ہوں کہ اگر نافرمانی کروں میں رب اپنے کے عذاب

ہونا تم فرماؤ کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب

عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾

سے بڑے دن کے وہ شخص کہ پھیرا جائے اس سے ان دن تو بیشک رحم کیا اس پہ اور یہ کامیابی ہے ظاہر

کا ڈر ہے اس دن جس سے عذاب پھیر دیا جائے اس پر اللہ کی مہر ہوئی اور یہی کھلی کامیابی ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں یہ بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مکان و مکانیات' زمان و زمانیات کا خالق و مالک ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ پھر اس کی عبادت بھی کرو اس کے سواء کسی اور کو معبود نہ بناؤ گویا یہ آیات گزشتہ آیات کا نتیجہ ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت مالکیت کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ وہ فریادی کی فریادیں سننے والا ہے ہر دکھی سکھی کے حال سے خبردار ہے اب ارشاد ہے کہ چونکہ وہ مختار علیم سمیع و بصیر ہے لہذا اس کی ہی فرمانبرداری و اطاعت کرو گویا اس آیت میں ان کی تردید ہے۔ جو رب تعالیٰ کو عالم کا خالق و مالک مانتے تو ہیں مگر غیر مختار مان کر وہ کہتے ہیں کہ اس سے عالم ایسا صادر ہو رہا ہے۔ جیسے سورج سے روشنی یا گرمی۔ جس میں سورج کا اختیار سزا و جزا کا کوئی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر تھا کہ وہ کیسا ہے۔ اب ان آیات میں بندوں کی صفات کا ذکر ہے کہ ہم کو کیسا ہونا چاہئے یعنی پہلے ارشاد تھا کہ وہ خالق 'مالک 'سمیع 'علیم ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم کو چاہئے اس کے عابد مطیع' فرمانبردار ہوں تا کہ اس کی عطاء اور ثواب کے مستحق بنیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ان کے خاص خدام کا اس عقیدے سے اور رب تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ ہونا بالکل ناممکن ہے یہ عقیدہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی اور آگ کے لئے گرمی کیوں نہ ہوں کہ وہ تو خاص سانچہ میں ڈھالے ہوئے ہیں۔ شعر

خدا نے ان کو اپنے حسن کے سانچہ میں ڈھالا ہے وہ آئے اس جہاں میں سب حسینوں میں حسین ہو کر
عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آئے لیکن آئے رحمتہ للعالمیں ہو کر!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دل کی کشتیوں کا لنگر ہیں زمین نفس کا پہاڑ اگر لنگر ہی ہچکولے کھانے لگے تو کشتی کیسے ٹھہرے گویا توحید کے بعد رسالت کا ذکر ہے۔

شان نزول: مقاتل فرماتے ہیں کہ ایک بار کفار مکہ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے کہ آپ ہم کو ایک نئے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اب ہم آپ کو اس پرانے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں جو ہم لوگوں کا اور ہمارے باپ دادوں کا پرانا دین ہے آیئے وہی دین اختیار کیجئے جو عرب میں قدیم سے چلا آرہا ہے۔ اس موقعہ پر ان کفار کی تردید کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن وغیرہ)۔

تفسیر: قل اغیر اللہ اتخذ ولیا کفار نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک کی دعوت دی یہ سمجھ کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام چھوڑ سکتے ہیں یہ عقیدہ رب تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے نبوت کے لئے ایسی ذات کو منتخب کیا جو اسلام پر پختہ نہیں ہے پھسل سکتی ہے اس لئے اس آیت کو قل سے شروع فرمایا کہ اے محبوب چونکہ ان کفار کی یہ حرکت مجھ پر اعتراض ہے اور تم میری ذات و صفات کے گواہ ہو۔ لہٰذا تم یہ جواب دو۔ قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار مکہ سے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آبائی دین کی دعوت دینے آئے تھے۔ جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا اس قل کا تعلق مسلمانوں یا رب تعالیٰ یا کسی اور سے نہیں جیسا کہ مضمون آیت سے ظاہر ہے اغیر اللہ میں ہمزہ سوال و استفہام کے لئے ہے اور سوال انکاری تعجب کے اظہار کے لئے تعجب یا تو کفر و شرک کی اہمیت کی بنا پر ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی بنا پر کہ کفر و شرک جیسی بدترین چیز اختیار کرلوں تعجب ہے کہ تم مجھے کیا مشورہ دے رہے ہو یا لے بے وقوفو کیا میں شرک کرسکتا ہوں۔ جسے رب تعالیٰ نے گناہوں سے بھی معصوم و محفوظ کیا ہے۔ خیال رہے کہ بعض اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں مگر سارے نبی گناہوں سے معصوم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ گناہ سے بھی معصوم ہیں۔ آپ نے کبھی گناہ کا خیال بھی نہیں کیا محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے معصوم وہ جو گناہ نہ کرسکے چڑیا کے پر ہوں مگر پنجرے میں بند اڑنے سے محفوظ ہے۔ مگر جب پر ہی کاٹ دیئے جاویں تو وہ اڑنے سے گویا معصوم ہے۔ اولیاء اللہ شریعت طریقت کے پنجرے میں ہونے کی وجہ سے گناہ نہیں کرتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریعت آنے سے پہلے گناہ سے معصوم تھے۔ یہاں غیر اللہ سے مراد ہر ماسوای اللہ ہے کوئی بھی ہو کیونکہ عبادت کسی ماسوای اللہ کی جائز نہیں۔ غیر' دون' الا وغیرہ کے تین معنی ہوتے ہیں۔ سوا یا علاوہ اجنبی بے تعلق' دشمن عبادت اور الوہیت کے موقعہ پر غیر دون الا۔ معنی سوا ہوتا ہے۔ دوستی و محبت کے موقعہ پر غیر معنی دشمن ہوتا ہے اللہ کے غیر کو دوست نہ بناؤ یعنی دشمن خدا کو مدد وغیرہ کے موقعہ پر معنی اجنبی ہوتا ہے۔ اتخاذ کے معنی اس کے اقسام ہم پہلے پارہ میں تم اتخذتم العجل کی تفسیر میں عرض کر چکے یہاں ولی کے معنی ہیں معبود کیونکہ جن لوگوں کے رد میں یہ آیت کریمہ آئی ہے انہوں نے بتوں کی عبادت ہی کی دعوت دی تھی (تفسیر بیضاوی اور جلالین' صاوی) ولی کے بہت معنی ہیں۔ معبود' قریب مصاحب (ساتھی) اللہ کی عبادت میں بہت ہی مشغول (صاوی) دوست

مددگار' دیکھو فاللہ ھو الولی۔ یہاں ولی بمعنی معبود ہے اور انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا یہاں ولی بمعنی مددگار ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں دیکھو یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بدباطن کفار جو آپ کو اپنے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں ان سے فرمادو کہ اے بے وقوفو میں سید الانبیاء ہو کر ماسوی اللہ کو معبود بنالوں تو تم مجھے دیکھو اپنا منہ دیکھو اور یہ اپنی ہمت دیکھو۔ فاطر السموت والارض۔ فاطر کسرہ سے ہے لفظ اللہ کی صفت ہے۔ چونکہ بمعنی ماضی ہے۔ لہٰذا اس کی اضافت سماوات کی طرف اضافت لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے لہٰذا یہ معرفہ ہے اور اللہ کی صفت بن سکتا ہے۔ خیال رکھو باریک بات ہے فاطر بنا ہے فطر سے بمعنی چیرنا اس لئے پھٹن' شگاف کو فطور کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ھل تری من فطور۔ اور فرماتا ہے اذا السماء انفطرت۔ مگر اصطلاح میں پیدا کرنے بلکہ ایجاد کرنے کو فطرت کہا جاتا ہے کہ مخلوق گویا عدم کا پردہ پھاڑ کر موجود کی جاتی ہے۔ لطیفہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجھے فاطر کے معنی کا پتہ نہ تھا ایک بار میرے پاس دو بدوی ایک کنویں کا جھگڑا لائے ان میں سے ایک بولا انا فطرتھا۔ حضور اس کنویں کی ابتداء میں نے کی ہے تب مجھے پتہ لگا کہ فاطر کے معنی ہیں ابتداء فرمانے والا (تفسیر کبیر' خازن' بیضاوی وغیرہ) چونکہ آسمان و زمین کو رب تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے۔ اس سے پہلے ان کی کوئی مثال قائم نہ تھی اس لئے فرمایا گیا۔ فاطر السموات والارض یہ فرمان عالی صرف اللہ تعالیٰ کی معبودیت کی پہلی دلیل ہے کہ لائق عبادت وہ ہے۔ جو آسمان اور زمین کا موجد ہے وھو یطعم ولا یطعم۔ یہ عبارت یا تو پہلی دلیل کا تتمہ ہے۔ اس صورت میں واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ فاطر کا حال یعنی اس نے زمین و آسمان پیدا کرکے یوں ہی نہ چھوڑ دیئے بلکہ ان میں کھانے والی مخلوق بنائی پھر انہیں برابر روزی رزق دے رہا ہے۔ لہٰذا وہ خالق بھی ہے اور رازق بھی یا یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کی دوسری صفت کا ذکر ہے اور توحید کی دوسری دلیل' اس صورت میں واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ نیا ہے یطعم بنا ہے اطعام سے بمعنی طعام یعنی کھانا دینا مگر مراد ہے مطلقاً روزی دینا کھانا ہو یا پانی یا لباس یا دھوپ وہوا وغیرہ چونکہ کھانے کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے اور کھانے کی وجہ سے بندہ بہت ہی حاجت مند ہے اس لئے طعام ارشاد ہوا اس عبارت کی تین قرائتیں ہیں یطعم ولا یطعم۔ یعنی پہلا تو باب افعال کا مضارع معروف دوسرا مجہول یعنی وہ کھلاتا ہے کھلایا جاتا نہیں یہ ہماری قرات ہے۔ دوسری یطعم' ولا یطعم۔ پہلا باب افعال کا مضارع معروف دوسرا مجرد کا مضارع معروف یعنی وہ اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے خود کھاتا نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں ھو کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ تیسری یطعم ولا یطعم پہلا مضارع مجہول دوسرا معروف اس صورت میں ھو کا مرجع اللہ نہیں بلکہ غیر اللہ ہے یعنی غیر اللہ کا حال یہ ہے کہ وہ کھلائے جاتے ہیں کسی کو کھلاتے نہیں روزی دیتے نہیں (تفسیر کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) قل انی امرت ان اکون اول من اسلم۔ اس قل میں بھی خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس قل میں روئے سخن یا تو انہیں کفار سے ہے جن کی تردید میں یہ آیت آئی یا سارے کفار سے یا سارے انسانوں سے یا ساری جن وانس سے یا ساری مخلوق سے جیسا کہ مضمون عبارت سے ظاہر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں امر سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں دنیا میں تشریف لانے پر دیا گیا اور اول سے مراد اضافی اول ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ میں اپنی امت میں سے سب سے پہلا مسلم مومن اللہ کا مطیع ہوں اور لوگ مجھے دیکھ کر مسلم مومن مطیع بنیں عام مفسرین نے یہ ہی معنی کئے ہیں اس صورت میں امر سے مراد حکم قرآنی نہیں بلکہ وہ حکم الٰہی مراد ہے۔ جو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بچپن ہی میں القاء کیا گیا کیونکہ قرآن کریم کی کسی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان لانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو نزول قرآن سے پہلے ہی مومن عارف باللہ میں ظہور نبوت سے پہلے شجرو حجر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتے تھے۔ قرآن کریم کی پہلی آیت غار حرا میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ سے عبادت و ریاضت کر رہے تھے نازل ہوئی۔ لہذا یہ حکم وہ ہے جس کا القاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کیا گیا۔ فقیر کے نزدیک امر سے مراد وہ امر ہے جو ساری مخلوق کی پیدائش سے پہلے نور محمدی کو دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول مخلوقات ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری اس نور نے ہزارہا سال رب کی عبادت کی اس عرصہ میں ایک ہی عابد تھا۔ نور محمدی ایک ہی معبود۔ یا امر سے وہ امر ہے جو میثاق کے دن روح محمدی کو دیا گیا کہ رب نے فرمایا۔ الست بربکم سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے بلیٰ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اور روحوں نے بلیٰ کہا ان دونوں صورتوں میں اولیت سے مراد اولیت حقیقیہ ہے۔ غرضیکہ یہاں امرت میں چار احتمال ہیں (1) مجھے قرآن میں حکم دیا گیا (2) مجھے دنیا میں آتے ہی حکم دیا گیا بطور الہام (3) مجھے عالم ارواح میں حکم دیا گیا میثاق کے دن (4) مجھے تمام مخلوق سے پہلے حکم دیا گیا۔ اور اولیت میں بھی تین احتمال ہیں (1) اس زمانہ میں اپنی امت سے پہلے (2) میثاق کے دن تمام ارواح انسانی سے پہلے (3) حقیقتہ "ساری مخلوق سے پہلے جب صرف میں ہی عابد تھا کروڑوں سال صرف میں نے بہ حکم الٰہی عبادت کی یہ آخری تفسیر قوی ہے۔ یعنی مجھے رب تعالیٰ نے بلاواسطہ اس وقت حکم دیا تھا کہ میں ساری مخلوق میں پہلا مومن پہلا مسلم پہلا مطیع بنوں تمام مخلوق فرشتے انبیاء و اولیاء مجھے دیکھ کر مجھ سے سیکھ کر مومن و مسلم بنے یہ تفسیر بہت لذیذ ہے۔ ولا تکونن من المشرکین یہ دوسرا حکم ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سب کو دیا گیا یہ عبارت یا تو ان اکون پر معطوف ہے اور امرت کا مفعول تو یہ رب تعالیٰ کا مقولہ ہے یا اغیر اللہ پر معطوف ہے اور قل کا مقولہ اس صورت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے یعنی آپ اپنے مخاطب سے یہ بھی کہہ دو کہ اغیر اللہ اتخذ الخ یہ بھی فرمادو کہ اے مخاطب تو مشرکوں میں سے نہ ہو (روح المعانی) یہ توجیہ قوی ہے اس لئے کہ لا تکونن نہی ہے امر نہیں اس کو امر کا مفعول بنانا یہ تکلف ہی ہو گا۔ مشرکین سے مراد مطلقاً کفار ہیں۔ خواہ مشرک ہوں یا موحد یا دہریئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ شرک و کفر نہ کرو بلکہ فرمایا کہ مشرکین و کفار میں سے ہو ؤ بھی نہیں اس جماعت اس قبیلہ سے ہی الگ رہو۔ قل انی اخاف ان عصیت ربی۔ اس فرمان عالی میں ان کفار کو دوسرا جواب دینے کی تعلیم ہے پہلے جواب میں دلائل کے ذریعہ کفار کو تبلیغ کی گئی تھی اس جواب میں خوف کے ذریعہ تبلیغ ہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں بعض لالچ سے مگر اکثر ڈر کر مانتے ہیں۔ اس میں فرمایا گیا کہ تم تو مجھے کفر و شرک کی طرف بلا رہے ہو میرا یہ حال ہے کہ میرا دل خوف سے بھرا ہوا ہے۔ خیال رہے کہ خوف خدا کئی قسم اور کئی طرح کا ہے اس کی ذات سے ہیبت اس کے جلال سے دل کا بھرا ہونا یہ خوف حضرات انبیاء اولیاء صالحین وغیرہم سب کو ہوتا ہے بلکہ جس قدر قرب زیادہ اسی قدر یہ خوف زیادہ۔ خوف عذاب اس خوف سے حضرات انبیاء اور خاص اولیاء خصوصاً "عشرہ مبشرہ صحابہ کرام محفوظ ہیں لا خوف علیھم میں اسی خوف کی نفی ہے۔ یہ خوف دراصل اپنی حرکتوں اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے ان بزرگوں کے پاس جب گناہ نہیں تو انہیں خوف عذاب کیسا۔ تیسرا خوف خدا کی وعدہ خلافی اس کے ظلم کا خوف یہ خوف کفر ہے یہاں خوف عذاب کا ذکر ہے اور بتانا یہ ہے کہ جب میرا یہ حال ہے تو تم کس شمار میں ہو کوئی شخص اپنے کو اطاعت سے بے نیاز نہ

جانے اس کے عذاب سے خوف کرے۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں **ان عصیت ربی** شرط ہے جس میں ہر نافرمانی مراد ہے اعتقادی ہو یا عملی اور **انی اخاف** اس کی جزا پھر **خاف** فعل ہے اور **عذاب یوم عظیم** اس کا مفعول **یوم عظیم** سے مراد قیامت کا دن ہے۔ چونکہ وہ دن بہت دراز ہے اس دن کی ہیبت بہت سخت ہے لہذا اسے **یوم عظیم** فرمایا گیا۔ یعنی اگر میں رب تعالیٰ کی کسی قسم کی نافرمانی کروں تو مجھے قیامت کے دن کے عذاب کا خطرہ ہے یہ شرط و جزاء ایسی ہے جیسے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین**۔ اگر خدا کے بیٹا ہوتا تو پہلے میں اس کی عبادت کروں یا جیسے اگر پانچ کا عدد شفہ ہو تو اس کی تقسیم برابر ہوگی (تفسیر کبیر) یعنی ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر گناہ سے معصوم ہیں آپ سے گناہ سرزد ہونا ناممکن ہے لہذا خوف سزا بھی ناممکن ہے اللہ کا خوف اور ہے سزا کا خوف کچھ اور (روح المعانی کبیر وغیرہ) اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خوف سزا سے محفوظ ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے **لا خوف علیهم ولا هم یحزنون** اور جس دل میں خوف خدا پورا پورا ہو وہاں کسی بہکانے والے کا اثر نہیں پہنچ سکتا۔ **من یصرف عنه یومئذ فقد رحمه**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت جملہ نیا ہے اور حق تعالیٰ کا مقولہ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی قل کے تحت ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہو

اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہو **من** سے مراد انسان اور جن ہیں کہ فرشتوں وغیرہ کے لئے عذاب ہے ہی نہیں پھر ان سے عذاب پھیرنے کے کیا معنی فرشتے دوزخ میں بھی ہوں گے اور جنت میں بھی مگر عذاب و ثواب پانے کے لئے نہیں بلکہ عذاب و ثواب دینے کے لئے فرشتوں کی سرشت ہی ایسی ہے کہ انہیں نہ دوزخ میں تکلیف محسوس ہو نہ جنت میں دوست۔ جیسے خوشبو اور پھول صاف دماغ والے کو راحت دیتا ہے بدبو تکلیف مگر جس کی ناک بند ہو اسے نہ خوشبو کا احساس نہ بدبو کا۔ ثواب و جزا کا احساس انسانوں کو ہی ہے۔ انسان میں بھی خصوصاً وہ انسان مراد ہیں جو عذاب کے قابل ہیں **یصرف** بنا ہے صرف سے بمعنی پھیرنا یہاں مراد ہے بچانا اس تک نہ آنے دینا ہماری قرات میں **یصرف** مجہول ہے اس کا نائب فاعل **هو** ہے جس کا مرجع یا عذاب ہے یا **من** اس طرح **عنه** ضمیر کا مرجع یا عذاب ہے یا من یعنی وہ شخص جس سے عذاب پھیر لیا جاوے یا جو عذاب سے پھیر لیا جاوے۔ بعض قراتوں میں **یصرف** معروف ہے تو اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے یعنی جس سے عذاب پھیر دے اسے عذاب سے بچائے (تفسیر بیضاوی) بعض قراتوں میں **من یصرف الله** ہے۔ بہرحال یہ عبارت شرط ہے اور **فقد رحمه** اس کی جزاء **یصرف** فرما کر اشارۃً یہ بتایا گیا کہ عذاب کی جگہ یعنی پل صراط سے سب کو گزرنا ہے جو وہاں پھسل گیا یا پکڑا گیا۔ وہ عذاب میں مبتلا ہو گیا جو خیریت سے نکل گیا وہ بچ گیا لہذا صرف کے معنی بالکل درست ہیں۔ یہاں رحم و مراد رحم کی تکمیل ہے رحمت الٰہی کی ابتداء سے عذاب دور ہو گا اور رحمت کی انتہاء دور رہونے پر ہو گی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں رحمت سے مراد جنت دینا ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو عذاب سے بچایا جاوے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت دے گا کہ جنت و دوزخ کے درمیان کوئی اور جگہ مستقل نہیں انسان یا جنتی ہے یا دوزخی (تفسیر خازن وغیرہ) **و ذالک الفوز المبین** یہ مستقل جملہ ہے **ذالک** سے اشارہ صرف عذاب اور رحمت کے حاصل ہونے کی طرف ہے یعنی دنیا میں امیر کبیر بن جانا کامیابی نہیں کھلی کامیابی تو یہ ہے کہ انسان قیامت میں عذاب الٰہی سے بچ جاوے اور اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ یہ کامیابی ہم سب کو عطا فرماوے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ کو بے دینی کی طرف بلا رہے ہیں۔ ان سے فرمادیں کہ اے بے وقوفو! کیا میں سید الانبیاء شفیع المذنبین ہو کر اللہ کے سواء کسی کو معبود بنا سکتا ہوں کیا تم کو مجھ سے یہ توقع ہے اللہ تعالیٰ آسمانوں زمین کا ایجاد فرمانے والا ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ بے نیاز ہے غنی ہے تمام اس کے حاجت مند ہیں اور وہ سب کو روزی دیتا ہے اسے کوئی روزی نہیں دیتا جس کی یہ شان ہو وہ ہی لائق عبادت ہے آپ ان سے یہ بھی فرمادو کہ مجھے روز اول یا روز میثاق میں یا دنیا میں آمد پر حکم دیا گیا ہے کہ میں ساری مخلوق میں سب سے پہلا مومن مسلم رب کا مطیع ہوں تمام مخلوق میری اقتداء میں مومن و مسلم ہے یا اپنی امت میں سب سے پہلا مومن مسلم میں ہوؤں سب میری تعلیم سے مومن مسلم بنیں اور فرمایا گیا ہے کہ تم کفر و شرک کرنا تو کیا معنی کفار و مشرکین کے دھڑلے میں سے بھی نہ ہوؤ فرمادو کہ اگر بفرض محال میں رب تعالیٰ کی کسی قسم کی نافرمانی کروں عقیدہ کی عمل کی قول کی تو مجھے بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب کا خطرہ ہے اس فرمان کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس فرمان میں ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے کہ جب میں سید الانبیاء ہونے کے باوجود رب تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتا اگر بفرض محال کروں تو عذاب الٰہی کا خطرہ ہے تو تم کس شمار میں ہو کوئی شخص اللہ کی معصیت پر دلیر نہ ہو ورنہ سمجھ لے کہ عذاب الٰہی سخت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا ذکر ہے کہ میر اول خوف خدا سے پر ہے پھر وہاں گناہ کی گنجائش کیسے ہو۔ شیطان کسی ہتھیار سے مار نہیں کھاتا نہ تلوار و تیر سے نہ ایٹم بم و راکٹ سے اس کے مارنے کے دو ہی ہتھیار ہیں اللہ کا خوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق جس دل میں یہ ہتھیار ہوں۔ شیطان وہاں شکست ہی کھاتا ہے۔ چور اس گھر میں جاتا ہے۔ جہاں دولت غفلت ظلمت ہو اللہ کا خوف بیداری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نور ہے، جب دل میں بیداری بھی ہو نور بھی پھر شیطان پر وہاں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے لوگو خیال رکھو کہ دنیاوی عیش و عشرت حاصل ہو جانا کامیابی نہیں جو قیامت کے دن عذاب سے بچالیا جاوے وہی رحمت الٰہی میں آوے کہ عذاب سے بچ جانا اس کی رحمت میں آجانا ہی کھلی کامیابی ہے۔ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہاں کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر وہاں کی کامیابی کو نہ بھول جاؤ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی شخص اپنے کو شیطان اور برے ساتھیوں سے محفوظ نہ سمجھے بری صحبت سے دور رہے یہ بہکانے سے باز نہیں آتے دیکھو کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھی کفر کی ترغیب کی ہمت و جرات کر لیتے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** جو کافر تم کو کفر کی رغبت دے اسے نرم جواب نہ دو ورنہ وہ دلیر ہو کر تمہارے پیچھے پڑے گا بلکہ اسے ایسا مدلل اور ٹھوس جواب دو کہ آئندہ ایسی جرات نہ کر سکے یہ فائدہ قل اغیر اللہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رلو حق سے ہٹ جانا غلط راستہ پر چلنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دوسرا خدا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اعلیٰ ہیں یہ فائدہ اغیر اللہ ہمزہ تعجب سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اچھے انجام کی خبر ہے بلکہ ہر شخص کے اچھے برے انجام کی بھی خبر ہے یہ فائدہ اتخذ کے سوال سے حاصل ہوا قرآن کریم میں ہے **لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد** میں تمہارے بتوں کی عبادت نہ کروں گا تم میرے رب کی عبادت نہ کرو گے۔ اپنی خبر بھی دے دی اور کفار کی خبر بھی دے دی جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا

انجام کی خبر نہیں وہ بے دین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو نام لے کر جنت کی خوشخبری دے دی۔ پانچواں فائدہ: ربوبیت اور عبدیت میں فرق غنا اور محتاجی کا ہے رب وہ ہے جو غنی ہے۔ بندہ وہ ہے جو اس کا حاجت مند ہے یہ فائدہ **یطعم ولا یطعم** سے حاصل ہوا۔ چاند سورج بت وغیرہ کفار کے جھوٹے معبود اگرچہ کھاتے نہیں مگر کھلاتے بھی نہیں آسمان و زمین کے خالق بھی نہیں لہٰذا وہ الٰہ معبود نہیں۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن مجید ہی کی وحی نہیں ہوئی بلکہ اس کے علاوہ اور بہت وحی ہوئیں جن میں احکام الٰہیہ ہیں یہ فائدہ **انی امرت** الخ سے حاصل ہوا کہ یہاں جس حکم کی خبر دی گئی۔ وہ قرآن مجید میں موجود نہیں کسی وحی خاص میں ہے۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق میں پہلے مومن و مسلم رب کے مطیع ہیں باقی سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مومن و مسلم بنے۔ یہ فائدہ **اول من اسلم** کی آخری دو تفسیروں سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں اول حقیقی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔** اگر رب کے اولاد ہوتی تو اس کی عبادت پہلے میں ہی کرتا کہ اللہ کا پہلا عابد تو میں ہی ہوں۔ آٹھواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ صورت 'سیرت 'افعال 'اعمال سب میں کفار سے جدا اور ممتاز رہے اسلامی شکل اسلامی اعمال کردار اختیار کرے یہ فائدہ **ولا تکونن من المشرکین** سے حاصل ہوا کہ اس میں فرمایا گیا کہ مشرکین میں سے نہ ہوؤ۔ نواں فائدہ: خوف خدا ہر بندہ کو ہے معصوم ہوں یا غیر معصوم یہ خوف رکن ایمان ہے۔ بلکہ حضرات انبیاء کو خوف خدا دوسروں سے زیادہ ہے۔ مگر خوف عذاب محفوظ اور معصوم حضرات کو اور ان کو جن سے مغفرت کا وعدہ ہو چکا ہرگز نہیں کہ یہ خوف اس وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس خوف کے معنی یہ ہوں گے کہ انہیں رب تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ نہیں یہ خوف تو کفر ہے یہ فائدہ **اخاف** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو ابھی اس آیت کی گزشتہ تفسیر۔ دسواں فائدہ: قیامت میں عذاب سے بچنا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے ہو گا۔ ہمارے اعمال اس کے لئے ذریعہ تو ہیں مگر مستقل نہیں یہ فائدہ **فقد رحمہ** الخ سے حاصل ہوا۔ اعمال کرو مگر رب سے ڈرو۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے سواء کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ پھر تم نے بہت سے بندوں کو ولی کیوں بنا لیا تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے (وہابی)۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں ولی بمعنی معبود و الٰہ ہے نہ کہ بمعنی دوست یا مددگار واقعی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں دوسرے مقام پر قرآن کریم میں ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** تمہارا ولی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسول اور متقی مومنین وہاں ولی بمعنی مددگار اور دوست ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں دیکھو۔ دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کی روزیاں دیتا ہے اور خود روزی پانے سے پاک ہے پھر یہاں صرف کھانا دینے کا ذکر کیوں ہوا کیا کپڑا وغیرہ کوئی اور دیتا ہے (آریہ)۔ جواب: یہاں یا تو طعام سے مراد مطلقاً روزی ہے کھانا ہو یا پانی یا ہوا یا روشنی وغیرہ یا کھانا ہی مراد ہے چونکہ کھانے کی ضرورت بندے کو بہت رہتی ہے نیز کھانے کی وجہ سے بندہ بہت طرح حاجتمند ہو جاتا ہے اس لئے خصوصیت سے کھانے کا ذکر فرمایا لہٰذا آیت صاف ہے۔ تیسرا اعتراض: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے مسلم و مطیع نہ تھے۔ جب قرآن کریم آیا اس میں آپ کو اسلام کا حکم دیا گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم ہوئے اگر پہلے ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم تھے تو حکم دینے کے کیا معنی حکم اس کا دیا جاتا ہے۔ جو پہلے سے [illegible] بلکہ وہ حکم مراد ہے جو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق القاء پہلے سے ہی دیا گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آن کے لئے بھی اسلام سے الگ نہیں رہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول مسلمین ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کرام اور اس کی امتیں مسلم ہی تھے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ جواب: یہاں اولیت سے مراد یا تو اضافی اولیت ہے یعنی اپنی امت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم تمام امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا اولیت حقیقی مراد ہے تو اس کا تعلق عالم ارواح سے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت میں پہلے مسلم ہوئے کہ اول عابد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نور ہے اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی الست بربکم کے جواب میں بلی کہا سارے انبیاء اور دوسرے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بلی کہا۔ پانچواں اعتراض: تم نے اغیر اللہ اتخذ الخ کی تفسیر میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعقیدگی یا گناہ سرزد ہو سکتے ہی نہیں مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخشے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ کر سکتے ہی نہیں تو بخشش کس چیز کی ہے۔ جواب: ہم نے اس جیسے اعتراضات کے تفصیلی جوابات اپنی کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ من ذنبک میں ذنب کی اضافت فاعل کی طرف نہیں بلکہ مفعول کی طرف ہے یعنی ہم نے فتح مکہ آپ کو اس لئے دی کہ کفار مکہ نے جو آپ کے گناہ کئے تھے آپ کو دکھ دیئے تھے وہ رب تعالیٰ آپ کے وسیلہ سے بخش دے اس طرح کہ فتح مکہ سے وہ کفار مسلمان ہو کر آپ سے معافی مانگیں آپ انہیں معافی دے کر دعا مغفرت کریں اور ہم بخش دیں ورنہ اسے فتح مکہ سے کیا تعلق ہو گا اور ایسا ہی ہوا کہ سارے کفار مکہ مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی لے کر بخشے گئے۔ چھٹا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ تم مشرکین میں سے نہ ہو تو کیا دوسرے کفار میں سے ہونا جائز ہے۔ صرف مشرکین کا ذکر کیوں فرمایا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں اور ان جیسی آیات میں مشرکین سے مراد کفار ہوتے ہیں۔ چونکہ عرب کے عام کفار مشرکین ہی تھے اس لئے اکثر کفار کو مشرکین فرمایا اور کفر کو شرک فرمایا گیا مثلاً ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔ اللہ شرک نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے گا بخش دے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفر بخش دیا جاوے گا کیونکہ کوئی کفر قابل بخشش نہیں۔ ساتواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جس سے عذاب پھیر آیا اس پر اللہ نے رحم فرمایا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جس پر اللہ رحم فرمائے گا اسے عذاب سے بچا لیا جاوے گا رحم کا نتیجہ عذاب سے بچ جانا ہے۔ تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ جواب: اس کے چند جوابات ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے گئے۔ جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ یہاں رحمت سے مراد جنت کا داخلہ ہے اور حق یہ ہے۔ جس انسان کو عذاب دوزخ سے بچا لیا جاوے گا اسے جنت میں ضرور داخل کیا جاوے گا یہ ناممکن ہے کہ انسان دوزخ سے بچ کر جنت میں نہ داخل ہو کہ جنت دوزخ کے سواء کوئی اور درجہ دائمی نہیں اعراف عارضی مقام ہے مومن جنات جانور وغیرہ فنا کر دیئے جاویں گے انسان کے لئے دو ہی جگہ ہیں یا دوزخ یا جنت۔

تفسیر صوفیانہ: ہم لوگوں کے گناہوں کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دل بادشاہ ہے جسم رعایا نفس امارہ دل کا وزیر ہے جو دل کو برے مشورے دیتا ہے۔ اور نفس مطمئنہ اچھا وزیر جو دل کو اچھے مشورے دیتا ہے۔ شیطان قرین نفس امارہ کا خارجی مشیر ہے اور فرشتہ نفس مطمئنہ کا خارجی مشیر دل اگر نفس امارہ کا مشورہ مانتا ہے تو برے کام جسم سے کراتا ہے اور اگر نفس مطمئنہ کا مشورہ مانتا

ہے تو اچھے کام جسم سے کراتا ہے۔ اسی لئے ہمارے کام مخلوط ہوتے ہیں حضرات انبیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس امارہ نہیں، مطمئنہ ہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرین شیطان مسلمان ہو گیا۔ ابلیس ان حضرات سے مایوس ہے **الا عبادک منھم المخلصین** اللہ تعالیٰ کی ان پر نظر کرم ہے **فانک باعیننا**۔ جب ان کی عصمت کے ایسے انتظامات ہیں تو اس سے گناہ سرزد نہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لئے ارشاد ہوا **اغیر اللہ اتخذ ولیا**۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ غلام کا کام ہے ہر وقت اپنے مالک کو راضی رکھنے کی کوشش کرنا اپنے کو اس کے ہاتھ میں ایسا دے دینا جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں کہ مالک جو کھلائے غلام وہ کھائے وہ جو پہنائے وہی پہنے جب سلائے تب سوئے جب اٹھائے تب اٹھے جہاں سلائے جگائے وہاں سوئے جاگے اور مالک کا کام ہے اپنے بندے کی تمام ضروریات پوری کرتے رہنا اسے تمام فکروں سے آزاد کر دینا اس کی حفاظت کرنا ہم بندے ہیں رب ہمارا مالک اس نے اپنا کام اپنے کرم سے کر دیا ہم کو ہر طرح کی نعمتیں بخشیں ظاہری باطنی نعمتیں ہم پر برسا دیں وہ ہمیں کھلاتا ہے کھاتا نہیں پلاتا ہے خود پیتا نہیں سلاتا ہے خود سوتا نہیں۔ عالم کی ہر آسمانی زمینی چیز ہمارے لئے بنائی **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** اب ہمارا فرض ہے کہ اسے راضی کرنے کی کوشش کریں ہماری عقل یہ معلوم کرنے میں ناکافی ہے کہ رب تعالیٰ کس چیز کس علم سے راضی ہے۔ بندوں کو ضرورت تھی۔ کسی ایسے نمونہ کی جس کی ہر ادا رضاء رب کے حصول کے ذریعہ ہو جس کی ہر جنبش و سکون رب تعالیٰ کی طرف سے ہو رب کو وہ دیکھے سب اس کی دیکھیں رب کی وہ سنے سب اسی کی سنیں اسی برزخ کبریٰ کا نام محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ہے انہیں کے متعلق ارشاد ہوا کہ مجھے رب نے اول من اسلم ہونے کا حکم دیا اس اولیت کا سہرا ان کے سر باندھا گیا وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے بہت سی باتیں اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ یہاں یہ فرمانا کہ میں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں اگر اس کی نافرمانی کروں اس اولیت کا ظہور ہے ہماری تعلیم کا یہ ایک طریقہ ہے ان اول حقیقی کی اطاعت رب کی رحمت ہے اور رب تعالیٰ کی رحمت کھلی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے جو دنیا میں گناہوں سے پھیر دیا۔ جب مالک والا باگ والا گھوڑا سفر کرتا ہے تو راستہ میں دو طرفہ ہرے بھرے کھیت پر اس کا دل للچاتا ہے۔ چاہتا ہے کہ راہ سے ہٹ کر کھیتوں میں منہ مارے مگر اس کی باگ دوسرے کے ہاتھ میں ہوتی ہے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ منزل پر پہنچ کر وہ روکنے والا مالک اسے گھاس دانہ پانی سب کچھ دیتا ہے اس کی ملائی دلائی سب کچھ کرتا ہے۔ باغی گھوڑا ہر ایک کھیت میں گھستا ہے اور سب کی مار کھاتا ہے آخر پھاٹک میں جاتا ہے۔ دنیا ایک راستہ ہے ہمارے نفس کا گھوڑا یہ راستہ طے کر رہا ہے یہاں ہر طرف گناہوں کا سبزہ ہے مگر اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہے اور یہ لگام حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے جو اسے ادھر ادھر نہیں جانے دیتے۔ جب وہ گھوڑا منزل پر پہنچے گا اور بخیریت خاتمہ نصیب ہو گا تو ہر طرح اس کی خاطر ہو گی **انتم و ازواجکم تحبرون**۔ اب پڑھو **من یصرف عنہ یومئذ فقد رحمہ**۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ

اور اگر تم کو پہنچائے اللہ کوئی برائی تو نہیں ہے کھولنے والا اس کا مگر وہ ہی اور اگر پہنچائے تم کو کوئی

اگر تجھے اللہ کوئی برائی پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی

فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ

بھلائی بس وہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے۔ اور وہ غالب ہے اوپر بندوں کے اپنے اور وہ

پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہ ہی ہے

الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾

حکمت والا خبر والا ہے

حکمت والا خبر والا

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت دلیلوں یا اس کی نعمتوں سے ثابت کی گئی اب رب کی الوہیت کو اس کی قدرت کاملہ سے ثابت کیا جارہا ہے تاکہ اس میں غور کر کے وہ لوگ ایمان قبول کرلیں جو قدرتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے آخروی عذاب کا ذکر فرما کر لوگوں کو ڈرایا گیا تھا تاکہ لوگ آئندہ کے خوف سے ایمان لے آویں۔ اب اس رب قدیر کی دنیاوی پکڑ کا ذکر ہے کہ جسے وہ پکڑے تو کوئی چھوڑا نہیں سکتا تاکہ وہ لوگ ڈر کر ایمان قبول کرلیں جو ادھار کو نہیں نقد کو مانتے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں آخروی کامیاب اور ناکام لوگوں کا ذکر ہوا کہ جو اس دن عذاب سے بچ جاوے وہ کامیاب ہے اب دنیاوی کامیاب و ناکام لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جسے اس کی رحمت پہنچ جاوے گو وہ کامیاب ہے۔

تفسیر : وان یمسسک اللہ بضر۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کے غضب و کرم قدرت کاملہ کا ذکر ہے یمسس بنا ہے مس سے بمعنی چھو جانا یا چھو دینا (چھلا دینا) پہلے معنی میں ایک مفعول چاہتا ہے جیسے لم یمسسھم سوء۔ دوسرے معنی میں دو مفعول چاہتا ہے اور دوسرے مفعول پر ب آتی ہے۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے اس کا پہلا مفعول تو ک خطاب ہے اور دوسرا مفعول بضر ہے اس کے لفظی معنی ہیں چھلائے محاورہ کے معنی ہیں پہنچائے چونکہ آخرت کی بھلائی کے مقابلے میں دنیا کی برائی نہایت حقیر ہے اس لئے دونوں کے لئے یمسسکم ارشاد ہوا مصیبت کا چھونا اور ہے مصیبت میں پھنسنا کچھ اور سمندر کے کنارے بیٹھ کر سطح آب پر ہاتھ رکھ دینا یہ ہوا سمندر کا چھونا اور سمندر میں ڈوب جانا یہ ہے پھنسنا مکھی شہد کے کنارے بیٹھ کر چوس لے یہ ہے چھولینا اور شہد میں گر جائے کہ اس کے پر پیر سر وغیرہ میں شہد بھر جائے یہ ہے پھنس جانا چھو جانے کو مس بولا جاتا ہے یا ذوق پھنس جانے کو اور اک یا اصابت کہا جاتا ہے مگر یہ کلیہ قاعدہ نہیں اکثریہ ہے یہاں مس فرما کر بتایا کہ اگر انسان کو مصیبت چھو بھی جاوے ضر سے مراد دنیاوی تکلیف دہ چیزیں ہیں۔ جیسے بیماری' قحط سالی' یہاں کے حاجات وغیرہ چونکہ دنیا میں تکلیف زیادہ ہیں راحتیں تھوڑی اس لئے ضر کا ذکر پہلے ہوا۔ بعض کے نزدیک خاص مصیبت کو ضر کہتے ہیں۔ عام مصیبت کو شر' شخصی مصیبت کو ضر کہتے ہیں ملکی یا قومی مصیبت کو شر' وقتی مصیبت کو ضر کہتے ہیں۔ دائمی مصیبت کو شر' چھوٹی مصیبت کو ضر کہتے ہیں بڑی مصیبت کو شر' ضر کا مقابل نفع ہے۔ شر کا مقابلہ خیر چونکہ دنیاوی مصیبتیں وقتی ہیں۔ اخروی مصیبتیں دائمی دنیاوی مصیبتیں چھوٹی ہیں اخروی مصیبتیں بڑی' دنیاوی مصیبتیں کچھ اپنی تدبیروں سے دفع ہو جاتی ہیں مگر اخروی مصیبتیں کسی

تدبیر سے دفع نہیں ہوتیں۔ ان وجوہ سے انہیں ضر فرمایا **فلا کاشف لہ الا ھو** یہ عبارت مذکورہ شرط کی جزاء ہے کشف کے لغوی معنی ہیں کھولنا ظاہر کر دینا جیسے کپڑے کا منہ سے اٹھا دینا غم و تکلیف کے دور کرنے کو کشف کہتے ہیں کہ غم دل پر چھا جاتا ہے اس کے دور ہونے سے دل گویا اس غلاف سے کھل جاتا ہے یہاں کشف سے مراد اللہ تعالیٰ کے مرضی کے بغیر غم و تکلیف دفع کرنا ہے اس کے ارادہ اس کی مرضی سے بارہا مخلوق کے ذریعہ تکالیف دور ہوتی رہتی ہے دواؤں سے بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔ حاکموں کے ذریعہ ظالموں کے ظلم دفع ہوتے ہیں مگر رب تعالیٰ کے ارادے اس کے چاہنے سے یعنی اگر رب تعالیٰ تمہیں کوئی دنیاوی تکلیف مس بھی کر دے (چھلا دے) تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اسے ارادہ کے بغیر وہ تکلیف دفع کر دے **و ان یمسسک بخیر فھو علی کل شی قدیر** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی خیر سے مراد دنیاوی خیر ہے۔ جیسے تندرستی' غنا ارزانی دل کی خوشی و چین وغیرہ۔ خیال رہے: کہ خیر مقدم ہے شر کانہ کہ ضر کا کیونکہ ضر کا مقابلہ نفع ہے۔ کیونکہ ضر خاص ہے اور شر عام' اور نفع خاص ہے خیر عام چونکہ رب تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے اس کریم نے تکلیف دہ چیز کے لئے خاص لفظ ارشاد فرمایا اور راحت و خوشی کے لئے عام لفظ فرمایا مصیبت کو دفع کرنا بھی خیر ہے راحت کی عطا بھی خیر مگر نفع صرف راحت کی عطا کو کہا جاتا ہے یہ بھی خیال رہے کہ ان دونوں جملوں میں جزائیں مختلف بیان ہوئیں پہلے جملہ میں ارشاد ہوا۔ **فلا کاشف لہ الا ھو**۔ دوسرے جملہ میں ارشاد ہوا **فھو علی کل شی قدیر** جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے خیر کے موقعہ پر اس کے دفع کرنیکا نہیں فرمایا (تفسیر کبیر) یعنی اگر اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں خیر پہنچائے تو اس پہنچانے پر بھی قادر ہے۔ اس کے باقی رکھنے پر بھی قادر کیونکہ خیر بھی ایک شیئی ہے اور رب تعالیٰ ہر شیئی پر قادر ہے۔ **وھو القاھر فوق عبادہ**۔ اب تک تو رب تعالیٰ کے نفع نقصان کے مالک ہونے کا ذکر ہوا اب اس کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے **قاھر** بنا ہے قہر سے قہر کے چند معنی ہیں۔ غلبہ یعنی وہ قدرت جس میں سامنے والے کے عجز و انکسار کا ظہور ہو۔ دوسرے کو ذلیل کرنا۔ رب تعالیٰ فرعون کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے **وانا فوقھم قاھرون**۔ ظلم و تعدی۔ رب فرماتا ہے **واما الیتیم فلا تقھر**۔ یعنی یتیم پر سختی و ظلم نہ کرو۔ یہاں پہلے معنی میں ہے خیال رہے کہ یہاں **فوق** سے مراد مکانی بلندی و اونچائی نہیں کہ رب تعالیٰ مکان اور مکانی بلندی و پستی سے پاک ہے بلکہ فوقیت درجہ کی عظمت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے تمام بندوں پر فوقیت والا عظمت والا ہے جو اس کے سواء ہے اس کا بندہ ہے جو اس کا بندہ ہے وہ اس کا ماتحت اور زیر فرمان ہے اس کے باوجود کہ اس کا غلبہ اور قہر بندوں پر ہے **وھو الحکیم الخبیر** وہ حکمت والا بھی ہے کہ اس کے ہر کام میں لاکھوں مصلحتیں ہیں اور خبروالا بھی کہ ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہے پہاڑ سے بھی قطرہ سے بھی خبردار ہے۔ سمندر سے بھی اس کا علم اس کی خبر سب کو محیط ہے۔

خلاصہء تفسیر: اے بندو لائق عبادت وہی رب تعالیٰ ہے جس کی شان یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں کوئی دنیاوی تکلیف پہنچائے تو وہ ہی دور کرے تو دور ہو کوئی نہیں جو اس کے ارادے کے بغیر وہ تکلیف دور کر سکے اس کے برعکس اگر وہ اپنے کسی بندے کو کوئی دنیاوی بھلائی عطا فرما دے تو وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ وہی خیر پہنچاتا ہے وہی اسے باقی رکھتا ہے وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ تمام بندے اس کے زیر فرمان اس کے حاجتمند وہ حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں وہ علیم و خبروالا بھی ہے کہ ہر ذرہ و قطرہ کی خبر رکھتا ہے۔ خیال رہے کہ انسان دو بازوؤں کے ذریعے راہ طے کر کے حق تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے ایک بازو ہے۔

صبر کا دو سرا بازو شکر کا مصیبت میں انسان صبر کرے 'راحت میں شکر کرے 'مصیبت صبر کے لئے آتی ہے نعمت شکر کے لئے ہر نعمت کا شکر علیحدہ ہے صحت کا شکر کچھ اور دولت کا م شکر کچھ اور جسے اللہ یہ دونوں نعمتیں عطا فرمائے وہ کامل ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ تکوینی احکام میں اپنے بندوں پر ایسا غالب ہے کہ اس کے سامنے تمام بندے محض مجبور و عاجز ہیں جسے جو بنا دیا وہی بن گیا کالا گورا' سفید' بشقی بنانے والا وہی ہے۔ مگر شرعیہ احکام میں وہ بندوں پر اس طرح غالب ہے کہ بندوں کو بھی اعمال کا اختیار دیا مگر بندوں کا اختیار رب تعالیٰ کے اختیار کے ماتحت ہے۔ غرضیکہ تکوینی احکام میں بندہ بالکل مجبور ہے رب تعالیٰ ہی قادر و مختار ہے شرعی احکام میں بندہ عطاء رب سے قادر بھی ہے مختار بھی اسی قدرت و اختیار پر ثواب و عذاب ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی راحت یا مصیبت کوئی نہیں دفع کر سکتا کسی میں طاقت ہے کہ اس جبار و قہار کا مقابلہ کرے۔ یہ فائدہ فلا کاشف لہ الخ سے حاصل ہوا۔

حدیث: سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خچر پر سوار تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آگے تھے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل پیچھے (ردیف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ کے احکام کی حفاظت کرو۔ اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا اللہ کے فرمانوں کی حفاظت کرو تم اسے اپنے ساتھ پاؤ گے تم فراخی میں اسے یاد رکھو وہ تنگی میں تمہیں یاد فرمائے گا۔ جو مانگو اللہ سے مانگو جب مدد مانگو اللہ سے مانگو جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ کر قلم خشک ہو چکا اگر ساری دنیا تمہیں نفع پہنچانا چاہے۔ مگر رب نہ چاہے تو تم کو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے تمام دنیا تمہیں نقصان دینا چاہے مگر رب نہ چاہے تو تمہیں وہ نقصان نہیں دے سکتے اگر تم صبر و یقین کا دامن نہ چھوڑو تو بہت اچھا ہے ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے میں بہت ہی بھلائی ہے۔ خیال رکھو کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ کشادگی تنگی کے بعد ہے (تفسیر روح البیان و معانی و خازن و کبیر وغیرہ بحوالہ ترمذی' زرین' مسند احمد ابن حنبل)۔ دو سرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی دنیاوی راحتیں اور مصیبتیں آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑی ہیں اصل خیر و شر تو آخرت کی ہے یہ فائدہ یمسسک فرمانے سے حاصل ہوا کہ مس کے معنی ہیں چھو جانا' چھلا دینا' لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دنیاوی راحت و غم میں پھنس کر آخرت سے غافل نہ ہو جائے۔ تیسرا فائدہ: اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے دیکھو یہاں ضر یعنی تکلیف کے لئے ارشاد ہوا فلا کاشف لہ اور خیر کے متعلق ارشاد ہوا فھو علی کل شئ قدیر (تفسیر کبیر)۔ چوتھا فائدہ: ملک و ملکوت کی ساری مخلوق اللہ کی مملوک اس کے زیر فرمان ہے کوئی اس کی ملکیت سے باہر نہیں یہ فائدہ وھوا لقا ھر الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ساری خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی بھیجی مصیبت کو کوئی دفع نہیں کر سکتا تو تم رب کی بھیجی ہوئی مصیبتوں میں اولیاء اللہ کے پاس کیوں جاتے ہو یہ صریحی شرک ہے (وہابی)۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دو سرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم بھی خدا کی بھیجی ہوئی بیماریوں میں حکیموں کے پاس پنساریوں کے پاس جاتے دوائیں استعمال کرتے ہو یہ بھی شرک ہوا صرف دعا ہی مانگا کرو نیز ہزارہا آفتوں مصیبتوں میں حکومت سے فریاد کرتے ہو۔ حکام کی دستگیری چاہتے ہو سیلاب تباہی مچادے تو حکومت سے فریاد گھر میں آگ لگے تو محلہ والوں سے دہائی کرتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں مقابلہ کی نفی ہے یعنی اگر رب تعالیٰ مصیبت بھیجے تو کوئی رب کا مقابلہ کر کے دفع

نہیں کر سکتا اس کے فضل و کرم اس کے ارادہ سے اس کے بندے بلکہ اس کی پیدا کی ہوئی جڑی بوٹیاں مصیبت بیماری دفع کرتی ہیں یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء کی مدد رب تعالیٰ کے اذن سے ہے (روح البیان) حضرت حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

گر رنج رسدت آید و گر راحت اے حکیم نسبت مکن بغیر کہ ایں ہا خدا کند!

بیماری آتی ہے تو اللہ کے ارادہ سے دوا نفع دیتی بیماری دفع کر دیتی ہے تو اللہ کے ارادہ سے دونوں اللہ کے ارادہ سے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے اپنے کو یہاں قاہر فرمایا قاہر ہونا تو رب کی شان کے خلاف ہے قاہر ظالم کو کہتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** پھر اسے قاہر کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قاہر کے بہت معنی ہیں قاہر بمعنی غالب۔ قاہر بمعنی ظالم، قاہر بمعنی دوسروں کو ذلیل کرنے والا۔ یہاں قاہر بمعنی غالب ہے جو سب سے غنی اور سب اس کے محتاج قرآن کریم میں ایک لفظ بہت سے معنی میں آتا ہے ہر جگہ ہر لفظ کے ایک ہی معنی نہ کرو رب فرماتا ہے **یخادعون اللہ وھو خادعھم** دیکھو بندوں کا خداع اور ہے یعنی دھوکہ دینا رب کا خداع اور ہے یعنی دھوکہ کی سزا دینا ایک ہی آیت میں خداع دو دفعہ استعمال ہوا۔ مگر دو معنی میں جو کوئی ہر جگہ ایک ہی معنی کرے وہ گمراہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب رب تعالیٰ قاہر ہے سب بندے مقہور ہیں تو پھر بندے کو تو ثواب و جزا کیسا مجبور تو معذور ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ تکوینی احکام پر رب ایسا قاہر ہے کہ بندے بالکل مجبور ہیں ان پر ثواب و عذاب نہیں۔ مگر شرعی احکام میں تو وہ قاہر ہے مگر اس نے اپنے بندوں کو بھی قدرت و اختیار دیئے ہیں۔ مگر ان کے اختیار پر رب کا اختیار غالب ہے۔ **چوتھا اعتراض:** جیسے تم بادشاہوں حاکموں کو با اختیار مانتے ہو۔ **جواب:** جیسے تم بادشاہوں، حاکموں کو با اختیار مانتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ: عالم کی ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے یہاں کا ہر کام اللہ کے ارادہ سے ہے مگر رب تعالیٰ نے بعض مخلوق کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے کہ ان پر رب کی صفات کا ظہور ہوتا ہے عالم کے سیاہ سفید ان سے وابستہ ہوتے ہیں دیکھو دن رات، صبح شام، دوپہر سردی گرمی سب رب کی مخلوق ہیں مگر یہ سب سورج سے وابستہ ہیں بلکہ سورج کے حالات ہیں یوں ہی دیتا ہے۔ خیر و شر غلبہ و عزت بعض مخلوق سے وابستہ ہے۔ شر کا مظہر شیطان ہے تو خیر کا مظہر انبیاء کرام ہیں شیطان میں یہ طاقت رکھی گئی کہ وہ انسان کو دیوانہ کر دے رب فرماتا ہے۔ **کالذی یتخبطہ الشیطان من المس** - تو اللہ نے مقبولوں کو یہ قوت عطا کی کہ وہ دیوانوں کی دیوانگی دور فرمادیں وہ حضرات باذن پروردگار بندوں پر غالب بھی ہوتے ہیں بندوں کے دکھ درد بھی دور کرتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں کے نفوس پر بھی غالب ہے ان کے قلوب پر بھی اگر اس کی تجلی قہاری ہمارے نفس امارہ پر پڑ جاوے تو نفس کی کیا طاقت ہے کہ ہم کو بہکا سکے اور اگر اس کی تجلی قہاری کسی دل پر گر جاوے تو ناممکن ہے کہ وہ دل سیدھے راہ پر آسکے خدا تعالیٰ ہمارے نفوس کو ہمیشہ مقہور و مغلوب رکھے ع اور غ دونوں کی شکل یکساں ہے صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اگر غیریت کے غ کا نقطہ مٹ جاوے تو انشاء اللہ عینیت کے چشمہ میں غوطے لگیں یہ نقطہ کسی کامل کے ہاتھ سے ہی مٹ سکتا ہے۔ سائیں بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عین اور غین کی ایک ہی صورت ایک نقطہ نے شور مچایا ہے
اس نقطہ ہی کا سارا جھگڑا یہ نقطہ پیر مٹایا ہے!

بلھے شاہ دی ذات نہ کوئی شاہ عنایت دا اس تے سایہ ہے
ایک نقطہ شاہ سمجھایا ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مصیبتیں غافل کو جگانے کے لئے آتی ہیں عاقل کے درجے بڑھانے کے لئے واصل کو یار تک پہنچانے کے لئے کافر کو اس کی حرکتوں کا مزہ چکھانے کے لئے جیسے بھٹی میں گندا لوہا جاتا ہے۔ صاف ہونے کے لئے۔ صاف لوہا جاتا ہے پرزہ بن کر قیمتی ہو جانے کے لئے سونا جاتا ہے زیور بن کر محبوب کے گلے میں جانے کے لئے مگر کوئلہ جاتا ہے وہاں ہی رہنے اور راکھ بننے کے لئے۔ مصیبتوں میں صبر وہ تیز سواری ہے۔ جس کے ذریعہ بندہ بہت جلد رب تک پہنچ جاتا ہے۔ کربلا میں چار دن صبر کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے جہاں ہم چار سو سال عبادت ریاضت کر کے نہیں پہنچ سکتے عبادت ریاضت، شب بیداری وغیرہ تمام چیزیں یار تک پہنچانے والی سواریاں ہیں مگر مصیبتیں نہایت تیز رو سواری ہیں۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ

تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری
کہو کہ کون چیز بڑی ہے گواہی میں فرماؤ اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا میری طرف

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ

یہ قرآن تاکہ ڈراؤں میں تم کو اور اس کو جسے پہنچے کیا بے شک تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ
طرف اس قرآن کی وحی ہوئی کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو

اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا

معبود ہیں دوسرے فرماؤ میں نہیں گواہی دیتا ہوں۔ اس کے سوا نہیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں
کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار

تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

بَری ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو۔ وہ لوگ کہ دی ہم نے انہیں کتاب پہچانتے ہیں وہ اسے اس طرح کہ پہچانتے
ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔ جن کو اللہ نے کتاب دی اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

ہیں بیٹوں کو اپنے وہ لوگ جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا جانوں کو اپنی وہ نہیں ایمان لائیں گے
بیٹے کو پہچانتے ہیں جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان نہیں لاتے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس کی قہاریت، علم و حکمت کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آپ کی کتاب قرآن مجید کی صفات کا ذکر ہے یعنی توحید کا ذکر پہلے ہوا رسالت کا ذکر اب ہے ایمان کے دو ہی رکن اعلیٰ ہیں توحید، رسالت۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قہاریت اس کے علم اس کی حکمت کا ذکر ہوا اب اس کی گواہی کا ذکر ہے کہ جیسے رب کی قہاریت وغیرہ کامل ہے ایسے ہی رب کی گواہی بھی نہایت ہی کامل تو وہ جس کی گواہی دیدے وہ چیز بھی کامل ہے گویا صفات ذاتیہ کے ذکر کے بعد رب تعالیٰ کے صفات اضافیہ کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کامیاب وہ ہے جو رب کے عذاب سے بچ جاوے ناکام نامراد وہ ہے جو عذاب میں گرفتار ہو جاوے اب فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں اس کامیابی ملنے کی جگہ کہاں ہے اور یہ سودا کس دوکان سے ملتا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔

شان نزول: ایک بار سرداران قریش روساء مکہ معظمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو نبوت کے لئے آپ کے سوا اور کوئی نہ ملا ان کا مقصد تھا کہ نبوت کے لئے یہود و نصاریٰ کے پوپ پادریوں سے آپ کے متعلق پوچھا ان سب نے یہی کہا کہ توریت و انجیل میں آپ کا آپ کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہم آپ کو کس کی گواہی سے نبی مانیں آپ اپنا گواہ پیش فرمادیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (از تفسیر کبیر، خازن، روح المعانی، روح البیان وغیرہ) ان بے وقوفوں نے دو باتیں کہیں اور دونوں غلط ایک یہ کہ نبوت کسی بڑے مالدار جتھے والے شان و شوکت والے بادشاہ یا سردار کو ملنی چاہئے تھی نہ کہ آپ جیسے مسکین کو حالانکہ سواء تین پیغمبروں کے سارے نبی مساکین گزرے اور ان تین بادشاہ نبیوں کے دین نہیں نہ دین سلیمانی چلا نہ دین یوسفی نیز اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بادشاہ امیر ہوتے تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ اسلام میں ذاتی خوبی کوئی نہیں یہ تو طاقت کے بل بوتے پر چلایا گیا نیز طاقت سے منوائی ہوئی بات قائم نہیں رہتی۔ جب طاقت ختم ہو تو بات بھی ختم۔ جب ظاہر سامان نہ ہو اور پھر دین پھیلے تو پتہ لگتا ہے کہ دین میں کوئی قوت ہے دوسری بات اس لئے غلط تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی تو پتھروں درختوں جانوروں نے دی تھی اور یہود و عیسائی پوپ پادری عمر بھر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دیتے رہے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر حسد سے انکاری ہو گئے دشمن بن گئے اور دشمن حاسد کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا۔

تفسیر: قل ای شئی اکبر شھادۃ ۔ یہاں قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن یا تو انہیں کفار سے ہے جن کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی یا سارے منکرین نبوت کافروں سے یہاں شئی سے مراد ہر موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ بھی داخل ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔ شی کے بہت معنی ہیں۔ مفہوم، موجود، ممکن، معلوم وغیرہ یہاں بمعنی موجود ہے شہادت یعنی گواہی سے مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی کیونکہ جن کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہی گواہی مانگی تھی یعنی اے محبوب آپ ان سائل کفار سے پوچھئے کہ بتاؤ سب سے بڑی کس کی گواہی ہے گواہ بہت ہیں مگر سب سے بڑا گواہ کون ہے قل اللہ شھید بینی و بینکم۔ اس عبارت میں ای شی کا جواب ہے سبحان اللہ کیا راز کی باتیں ہیں کہ رب تعالیٰ نے خود اپنے محبوب سے سوال

کرایا کہ ان سے یہ پوچھو اور پھر خود ہی اس کا جواب دلوایا کہ آپ اپنے سوال کا جواب خود ہی نہیں دو سال بھی قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **اللہ شهید** کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ لفظ اللہ مبتدا ہے اور شہید اس کی خبر یعنی اللہ گواہ ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ اللہ کی خبر پوشیدہ ہے اکبر شهادة" اور شہید پوشیدہ مبتدا **ھو** کی خبر لہذا یہ دو جملہ ہیں یعنی اللہ سب سے بڑا گواہ ہے کہ اس کی گواہی قطعی یقینی ہے۔ دوسروں کی گواہی ظنی نیز بندوں کی گواہی ظاہر پر ہے رب کی گواہی حقیقت پر۔ نیز بندوں کی گواہی عارضی اور وقتی ہے رب تعالیٰ کی گواہی دائمی نیز بندوں کی گواہی پر دوستی دشمنی اثر انداز ہو سکتی ہے کہ دوست کی ہربات انہیں اچھی لگتی ہے۔ دشمن کی ہربات بری رب تعالیٰ کی گواہی ان اثروں سے پاک ہے نیز رب کی گواہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب گواہی دینے لگتے ہیں غرضیکہ رب تعالیٰ کی گواہی تمام مخلوق کی گواہی سے بڑی ہے اور وہ ہی میری نبوت و رسالت کا گواہ ہے شاہد اور شہید کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ یہ دونوں کبھی تو ہم معنی ہوتے ہیں مگر کبھی ان میں فرق ہوتا ہے شاہد وہ جو ایک بار گواہی دے شہید وہ جو گواہی دیتا رہتا ہو۔ شاہد وہ جو سن کر یا دیکھ کر یا علامات سے گواہی دے شہید وہ جو عینی گواہ ہو۔ شاہد وہ جو صرف واقعہ کی گواہی دے۔ شہید وہ جو واقعہ کی گواہی بھی دے اور مدعی، مدعی علیہ کے حالات کی بھی گواہی دے کہ گواہ صفائی بھی شاہد وہ جو صرف زبانی گواہی دے۔ شہید وہ جو زبانی، جنانی، ارکانی، عملی ہر طرح کی گواہی دے اس لئے راہ خدا میں مارے جانے والوں کو شاہد نہیں بلکہ شہید کہتے ہیں کہ اس کے خون کے قطرے بھی توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ کی تمام صفات تمام حالات کی گواہی ہمیشہ سے ہر طرح دی اور دے رہا ہے اور دیتا رہے گا اس لئے یہاں شہید فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ فرشتوں سے درود پڑھوانا تمام نبیوں سے آپ کا اعلان کرانا آپ پر بے شمار معجزات کا ظاہر فرمادینا۔ انہیں اعتراض کرنے والے کفار عرب کو اسلام کی توفیق دے کر ان سے گواہی دلوا دینا تاقیامت آپ کے چرچے ہر جگہ رہنا آپ کی امت بے شمار ہونا یہ سب رب تعالیٰ کی گواہیاں ہیں چونکہ یہاں شہادت میں فیصلہ کے معنی بھی ملحوظ ہیں یعنی فیصلہ کن گواہی یا گواہی بھی دینا اور فیصلہ بھی کرنا اس لئے اس کے بعد **بینی و بینکم** ارشاد ہوا یعنی آپ ان سے خود ہی فرمادو کہ میرے تمہارے درمیان فیصلہ کن گواہ اللہ تعالیٰ ہے اس سے معلوم کرلو کہ میں کون ہوں اور تم کون ہو **واوحی الی ھذا القرآن۔** ظاہر یہ ہے کہ یہ نئی عبارت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دوسری گواہی کا ذکر ہے یعنی میرا دوسرا گواہ یہ قرآن مجید ہے جو مجھ پر وحی کیا گیا خیال رہے کہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے اور اللہ کا کلام بھی پچھلی کتابیں کلام اللہ تھیں مگر ان مجزن کا معجزہ تھیں قرآن کریم معجزہ ہونے کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے کلام الہی ہونے کے گواہ ہیں یہ گواہی دو طرفہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ شہید کا بیان ہو یعنی اللہ تعالیٰ میرا گواہ ہے اس کی گواہی یہ ہے کہ اس نے مجھ پر یہ قرآن اتارا اگر میں نبی نہ ہوتا تو اس کی کتاب مجھ پر کیسے آتی وحی کے معانی اس کی قسمیں بارہا بیان ہو چکی یہاں وحی جلی مراد ہے جو بذریعہ فرشتہ کے ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مطلق وحی مراد ہو جلی اور خفی دونوں کیونکہ الفاظ قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر بذریعہ وحی جلی ہوا اور مضامین قرآن، اسرار قرآن، رموز قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بذریعہ وحی خفی ہوا دیکھو لفظ **اقیموا الصلوٰۃ** کا نزول بذریعہ جبریل امین بعد معراج ہوا مگر صلوٰۃ کے معنی اس کے احکام اس کے اسرار کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ظہور نبوت

سے پہلے ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول سے ہی نماز پڑھتے تھے۔ پہلی وحی غار حرا میں بحالت اعتکاف آئی۔ وحی قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا مگر نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہوا مسلمانوں کی طرف بھی کفار کی طرف بھی سارے عالم کی طرف بھی۔ اسی لئے کہیں **انزل الیک** فرمایا جاتا ہے کہیں **انزل الیکم** کیونکہ تبلیغ کے لئے قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہدایت ایمان کے لئے کفار کی طرف ہدایت اعمال کے لئے مومنین کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے آسمان کا سورج ہیں قرآن مجید آپ کی شعاعیں ان شعاعوں کا ایک کنارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے دوسرا کنارہ مخلوق کی طرف وحی اور نزول کا یہ فرق خیال میں رہے **لانذرکم بہ ومن بلغ** یہ عبارت **اوحی** کے متعلق ہے اس میں نزول قرآن کی حکمت بیان فرمائی گئی۔ چونکہ قرآن کریم کے ذریعہ ڈرانا سب کو ہے مومن ہوں یا کافر پرہیز گار ہوں یا فاجر مگر بشارت خاص مومنوں کو اس لئے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا نیز ڈرانا پہلے ہے بشارت بعد میں چونکہ براہ راست قرآن کریم کسی کو نہ تو ڈرا سکتا ہے نہ بشارت دے سکتا ہے۔ نہ ہدایت بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر بھی ہیں بشیر بھی ہادی بھی قرآن کریم ذریعہ ہے ان چیزوں کا اس لئے یہاں **انذر** کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا اور قرآن کریم کو ڈر کا ذریعہ بنایا گیا چونکہ اس زمانہ کے موجودین کو نذارت و بشارت پہلے ہوئی دوسروں کو بعد میں چونکہ قرآن مجید کا نزول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذارت' ہدایت کسی خاص قوم سے محدود نہیں بلکہ سارے جہان کے لئے ہے اس لئے **من بلغ** عام فرمایا گیا۔ چونکہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدایت و نذارت بشارت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں اس لئے یہاں **کم** اور **من بلغ** فرمایا گیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر ہیں' بشیر ہیں' ہادی ہیں' باقی لوگ منذرین مبشرین' مھتدین ہیں۔ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے لئے نہیں آیا اس لئے اس نے کہیں فرمایا **ھدی للمتقین** کہیں فرمایا **ھدی للناس** یہ کہیں نہ فرمایا۔ **ھدی لک** خیال رہے کہ ضمیر **کم** اور **من بلغ** میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ **کم** سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جو اس وقت حاضر بارگاہ تھے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز' اقربا اور **من بلغ** سے مراد دوسرے مکہ والے یا عرب والے اپنے عزیزوں کو ڈرانا پہلے دوسروں کو بعد میں۔ دوسرے یہ کہ **کم** سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کبھی نہ کبھی حاضری دے لی اور **من بلغ** سے مراد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ لوگ ہیں جو دیدار سے محروم رہے۔ یعنی **کم** سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک قرآن تک پہنچے اور **من بلغ** میں وہ لوگ مراد ہیں جن تک قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان پہنچے تیسرے یہ کہ **کم** میں خطاب سارے ہم زمانہ لوگوں سے ہے اور **من بلغ** سے مراد قیامت تک کے لوگ ہیں یہ تیسری تفسیر زیادہ قوی ہے اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **واخرین منھم لما یلحقوبھم** درخت اسلام کے لئے قرآن کریم گویا پانی اور دھوپ کی طرح بیرونی فیض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جڑ کے اس کی طرح اندرونی فیض اگر یہ اندرونی فیض جو سینہ بہ سینہ مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے بند ہو جاوے تو قرآن کریم اسے فائدہ نہیں دے سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجھ پر اس لئے وحی کیا گیا کہ اس کے ذریعہ میں اے اہل مکہ تم کو اور سارے جہان کے جن وانس کو ڈراؤں جن تک یہ قرآن پہنچے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تبلیغ تو ولادت پاک سے ہی شروع ہو گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری اچھی باتیں اختیار کیں ہر برائی سے پرہیز کیا مگر قولی تبلیغ نزول قرآن مجید سے شروع ہوئی یہاں اسی

تبلیغ قولی کا ذکر ہے **انکم لتشھدون ان مع اللہ الھۃ اخری**- ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی قل کے تحت ہے اس کا مفعول ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یعنی آپ ان سے یہ بھی کہو یہ بھی پوچھو اور ہو سکتا ہے کہ یہ نیا کلام رب تعالیٰ کا مقولہ ہو یہ سوال اظہار تعجب کے لئے ہے کہ تم انسان عاقل بالغ ہو کر پھر میرا زمانہ پاکر مجھے دیکھ کر بھی ایسی حماقت یا ایسی جرات کرتے ہو یا تعجب اس پر ہے کہ تم لوگ میری نبوت کے لئے گواہیاں مانگتے ہو مگر لات و عزیٰ وغیرہ کو بغیر کسی گواہی کے خدا مان بیٹھے ہو نبوت کے لئے ایسی کج بحثی اور الوہیت کے لئے ایسی آسانی کہ بغیر گواہی پتھروں کو خدا کہہ رہے ہو حیرت ہے **لتشھدون** شہادت سے بنا بمعنی گواہی یہاں بھی گواہی سے عام گواہی مراد ہے زبانی ہو یا عملی یا اعتقادی کفار زبان سے کہہ دیتے تھے کہ معبود چند ہیں اعتقاد بھی رکھتے تھے اور دوسروں کے آگے سر بھی جھکاتے ان کی عبادت بھی کرتے تھے یہ ان کی گواہیاں تھیں **مع اللہ** میں درجہ کی ہمراہی مراد ہے یعنی الوہیت میں اللہ کے برابر اس کے ساتھ **الھۃ** جمع ہے الہ کی مگر یہ جمع بے عقلوں کے لئے آتی ہے چونکہ ان کے زیادہ معبود بے عقل بلکہ بے جان چیزیں تھیں پتھر' لکڑی' سورج' چاند تارے وغیرہ اس لئے یہ جمع لائی گئی دیکھو تفسیر روح المعانی وغیرہ **قل لا اشھد** ان کفار کو سوال کے جواب کا موقعہ بھی نہیں دیا گیا بلکہ شرک کو باطل کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ تم کہدو میں ان معبودان باطلہ کی معبودیت کی اور شرک کی گواہی نہیں دیتا میں گواہ الوہیت ہوں میری گواہی سے رب تعالیٰ کی الوہیت کا اعلیٰ ثبوت ہے- جب ان معبودوں کی گواہی نہیں دیتا تو ان کی معبودیت ثابت کیسے ہو سکتی ہے- میری زبان جھوٹی گواہی جھوٹی بات کے لئے نہیں بنی گواہی تین طرح کی ہوتی ہے عینی گواہی یعنی دیکھ کر سمعی گواہی یعنی دیکھنے والے سے سن کر علامات سے گواہی ان سب میں اعلیٰ گواہی عینی ہے مقصد یہ ہے کہ میں رب تعالیٰ کا عینی گواہ کہ میں نے کروڑوں سال اس کی اس طرح عبادت کی ہے کہ رب ایک معبود تھا میں ایک عابد اول **ما خلق اللہ نوری** پھر معراج کی رات میں نے اسے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا جانا پہچانا جب میں عینی گواہ توحید کی گواہی دے رہا ہوں تو تم شرک کی گواہی کس بنا پر دے رہے ہو میری گواہی کے ہوتے تمہاری گواہی قابل اعتبار نہیں **قل انما ھو الہ واحد**- چونکہ یہاں توحید الٰہی کا ذکر ہے اور توحید کے گواہ اعظم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں- اس لئے بار بار **قل** ارشاد ہوا اس سے پہلے بتوں کی معبودیت اور شرک کی تردید کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ میں اس کا گواہ نہیں اب اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے اس کا کوئی ساجھی و شریک نہیں **ھو** ضمیر ہے اس کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے اور **الہ واحد** دونوں مل کر **ھو** کی خبر ہے یعنی تم فرماؤ گواہی دو کہ ایک اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت اور معبود برحق ہے **واننی بریٔ مما تشرکون** یہ عبارت **انما ھو** لخ پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور یہ بھی **قل** کا مفعول **بری** بنا ہے **براۃ** سے بمعنی دوری یا بیزاری **مما تشرکون** میں ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ یعنی تمہارے شرک سے میں بیزار ہوں یا تمہارے ان معبودوں سے میں بیزار ہوں جن کو تم خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن شریف سے ہی شرک بلکہ گناہوں سے بیزار رہے یہاں اس کا ذکر ہے کہ تم نے میری زندگی دیکھ لی میں تم میں رہ کر تمہاری بدعقیدگیوں سے دور رہا تمہارے جھوٹے معبودوں سے بیزار رہا تم پر اپنی بیزاری ظاہر فرماتا رہا اب تک تو ان مشرکین مکہ سے گفتگو تھی- جن کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اب ان اہل کتاب کا حال بیان ہو رہا ہے جن کے متعلق مشرکین مکہ کہتے تھے [illegible] کا انکار کرتے ہیں [illegible] **الذین اتینا ھم الکتاب یعرفونہ** یہاں **الذ**[illegible]

ین سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں اتینا سے مراد علم کتاب عطا فرمانا ہے لہذا اس میں ان کے پوپ پادری داخل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی جانتے پہچانتے تھے عام عیسائی یہودی توریت وانجیل سے ہی ناواقف تھے الکتاب سے مراد مطلق آسمانی کتاب ہے توریت ہو یا انجیل علم اور معرفت یعنی جاننے پہچاننے کا فرق ہم پہلے پارہ میں اسی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ علم عام ہے معرفت خاص علم تو کلی اجمالی علم کو بھی کہا جاسکتا ہے مگر معرفت تفصیلی وشخصی جاننے کو ہی کہتے ہیں ہ کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی وہ اہل کتاب جن کے متعلق یہ مشرکین کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دی وہ تو ان محبوب کو صرف جانتے ہی نہیں بلکہ انہیں بالتفصیل پہچانتے ہیں مگر مانتے نہیں اب کفار عرب سے ان کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں محض جھوٹ اور ڈھٹائی ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ اہل کتاب مکہ معظمہ میں رہتے نہ تھے مگر مکہ والے اہل کتاب سے اپنے سفروں میں ملاقات کرتے رہتے تھے حضرت ابن نوفل جو پہلے یہودی تھے بعد میں عیسائی بن گئے تھے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اول ہی میں آپ کی نبوت کی گواہی دے چکے تھے ابوذر غفاری جو کتب آسمانی سے واقف تھے مکہ مکرمہ آکر آپ کی گواہی دے گئے تھے۔ بحیرہ راہب کی گواہی مکہ مکرمہ میں مشہور ہو چکی تھی اور حضور کی ہجرت کے بعد ابو سفیان شاہ روم ہرقل کی گواہی سن چکے تھے۔ عمرو ابن عاص نجاشی شاہ حبشہ سے آپ کی نبوت کی گواہی سن چکے تھے بہر حال اہل مکہ اہل کتاب کی گواہیوں ان کی معرفت سے خبردار تھے۔ لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے کما یعرفون ابناء ھم یہ عبارت متعلق ہے یعرفونہ کے اس کا مقصود ہے معرفت کا کمال بیان کرنا یعنی یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی نبوت و رسالت کو آپ کے خاتم النبیین، شفیع المذنبین ہونے کو اس کامل یقین سے جانتے پہچانتے ہیں جس سے وہ اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ خیال رہے کہ بیٹا اپنے باپ کو یقین سے جانتا پہچانتا ہے مگر صرف لوگوں سے سن کر کسی اور دلیل سے نہیں دوسرے عزیزوں کو بھی جانتا ہے وہ بھی قرینوں علامتوں سے بھی پھر باپ کو دنیا میں آنے ہوش سنبھالنے کے بعد جانتا ہے مگر باپ اپنے بیٹے کو اس کی ولادت سے پہلے ہی جانتا ہے اور دلائل سے جانتا ہے پھر اگرچہ باپ اپنی لڑکیوں کو بھی جانتا ہے مگر اس کی شہرت نہیں کرتا مگر اپنے بیٹے کی شہرت کرتا ہے کہ فلاں میرا بیٹا ہے اہل کتاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے دلائل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے پہچانتے تھے لوگوں سے کہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے دعائیں کرتے تھے اس لئے اس معرفت کو بیٹوں کی معرفت سے تشبیہ دی باپ یا دوسرے عزیزوں یا بیٹیوں کی معرفت سے تشبیہ نہ دی اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے والد ہیں۔ الذین خسروا انفسھم فھم لا یومنون۔ یہ آیت نیا جملہ ہے اس میں اہل کتاب کے کافر رہنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے کی وجہ بتائی گئی الذین سے مراد یا تو سارے وہ کافر ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا یا یہی پوپ پادری مراد ہیں جو لوگوں کو بجائے ایمان کی رغبت دینے کے الٹا اس سے روکتے تھے۔ خسارہ وہ نقصان ہے جس میں اصل پونجی بھی برباد ہو جائے۔ خسارہ مال کا بھی ہوتا ہے۔ جان کا بھی مگر خسارہ مال سے خسارہ جان بدتر ہے۔ تجارت پانچ طرح کی ہوتی ہے۔ مرابحہ (نفع کی) تولید (برابر برابر) نہ نفع نہ نقصان۔ نقصان کی جس میں کچھ مال کم ہو جائے۔ خسارہ مال کی جس میں لگایا ہوا سارا مال برباد ہو جائے۔ خسارہ جان کی کہ جس میں لگایا ہوا مال برباد ہو جاوے اور اپنا گھر بار بھی بک جاوے اور تاجر مقروض ہو کر آفت میں پڑ جاوے اردو میں اسے گھاٹے ٹوٹا دیوالیہ کہا جاتا ہے۔ خسروا انفسھم فرما کر بتایا کہ ان پوپ پادریوں کی تجارت آخری پانچویں قسم کی ہے یعنی خسارہ جان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر

حسد کرنا ہے کہ نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسماعیل میں کیوں پہنچ گئی یعنی جن لوگوں پادریوں نے ان محبوب پر حسد کر کے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈال دیا کہ اطاعت کے عوض نافرمانی الفت و محبت کے عوض نفرت و حسد کیا ان کے ایمان سے آپ مایوس ہو جاویں وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو آپ سے آپ کی نبوت پر گواہ مانگتے ہیں ان سے پوچھو تو کہ رب تعالیٰ کی گواہی سے بڑھ کر کس کی گواہی ہو سکتی ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق و مالک اس کے ہر حال سے خبردار ہے وہ جس چیز کی گواہی دے گا بالکل حق دے گا پھر تم خود ہی جواب دو کہ سب سے بڑا گواہ اللہ تعالیٰ ہے وہ میری نبوت تمہاری بے دینی کا گواہ ہے اس نے میری گواہی ہزارہا طریقہ سے دی ان میں سے بڑی گواہی یہ ہے کہ اس نے مجھ پر اپنی کتاب یعنی قرآن مجید اتارا۔ ایسی شاندار کتاب کے نزول کے لئے مجھے منتخب فرمایا اور اس لئے اتارا تا کہ میں قرآن مجید کے ذریعہ تم کو بھی اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور تاقیامت ان تمام جن و انس کو بھی جن تک قرآن پہنچے میرا ڈرانا کسی قوم کسی ملک کسی وقت سے خاص نہیں۔ اے بیوقوفو اتنی بڑی ربانی گواہی کے ہوتے پھر بھی تم یہی کہے جاؤ گے کہ رب تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں اس کی ذات و صفات کا تم گواہ تو میں ہوں۔ میں نے اسے ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں تو اس شرک کی گواہی نہیں دیتا میں آنکھوں سے دیکھ کر کہتا ہوں کہ معبود ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں میں تمہارے شرک و کفر سے ہمیشہ سے بیزار ہوں یہ تو تھا گواہی ربانی اور گواہی نبی کا ذکر ہے کہ رب میرا گواہ ہے رب کا گواہ' رہے اس زمانہ کے عیسائیوں یہودیوں کے پوپ و پادری وہ تو ان محبوب کو ان کی نبوت کو ان کی رسالت کو ان کی صفات عالیہ کو ایسے یقین سے جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں کہ آپ کی ولادت سے پہلے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے آپ کو جانتے تھے اور آپ کا لوگوں میں چرچا کرتے تھے آپ کی توسل سے دعائیں مانگتے تھے۔ انہیں حسد کی آگ نے جلا دیا ایسے حاسد لوگ جنہوں نے اپنی جان کو خسارہ میں ڈال دیا ایسے لوگ ایمان لانے والے نہیں ان کے ایمان قبول نہ کرنے سے آپ آپ ملول نہ ہوں۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور حضرت عبداللہ ابن سلام جیسے عالم یہود ایمان سے مشرف ہوئے تو ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن سلام سے پوچھا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا جانتے پہچانتے ہیں جیسا کہ بیٹوں کو اے عبداللہ تم تو عالم یہود تھے۔ بتاؤ یہ معرفت کیسی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ ہم حضور کو اپنے بیٹوں سے زیادہ یقین سے جانتے ہیں کیوں کہ اپنے بیٹے کے متعلق تو گمان ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں نے خیانت کی ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں (صاوی' کبیر' خازن' مدارک' بیضاوی' روح البیان' معانی وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا گواہ اعظم ہے یہ فائدہ اللہ شھید بینی وبینکم سے حاصل ہوا۔ اس گواہی الٰہیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا پتہ لگاؤ کہ جس کا گواہ ایسا عظیم الشان ہو وہ گواہ والا کیسا ہو گا رب تعالیٰ فرماتا ہے وکفی باللہ شھیدا محمد رسول اللہ۔ دوسرا فائدہ: حضرت عائشہ صدیقہ بڑی درجہ والی بڑی عظمت والی ہیں کہ جناب مریم اور حضرت یوسف علیہ السلام کو تہمت

لگی تو بچوں سے گواہی دلوادی گئی مگر جب اس سورۂ نور والی ہماری نورانی ماں کو تہمت لگی تو بلاواسطہ رب تعالیٰ نے گواہی دی ۔

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے گواہ اعظم ہیں کہ سب نے اس کی ذات وصفات کی گواہی سن کر دی حضور نے دیکھ کر یہ فائدہ **قل لا اشهد** اور **قل انی** الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: گواہی توحید سنت رسول اللہ ہے اور گواہی رسالت سنت الٰہیہ لہذا کلمہ شہادت میں یہ دونوں سنتیں جمع ہیں پہلے جز میں سنت رسول اللہ دوسرے جز میں سنت الٰہیہ۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کو شئی کہا جاسکتا ہے اگرچہ حق تعالیٰ کا نام شئی نہیں یہ فائدہ **قل ای شئی** الخ سے حاصل ہوا مگر یہاں شئی بمعنی موجود ہے نہ کہ بمعنی ممکن دیکھو رب تعالیٰ نے خود ہی یہاں فرمایا کہ کون شی بڑی گواہی والی ہے اور پھر خود ہی فرمایا کہ اللہ بڑی گواہی والا ہے (تفسیر کبیر)۔

مسئلہ: فرقہ جہمیہ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کو شئی نہیں کہہ سکتے کہ شئی یا مخلوق کو کہتے ہیں یا ممکن کو رب تعالیٰ فرماتا ہے **خالق کل شئی** مگر جمہور علماء اسلام فرماتے ہیں کہ اسے شئی کہہ سکتے ہیں کہ بمعنی موجود بھی آتا ہے بمعنی معلوم بھی رب تعالیٰ موجود ہی ہے اور مخلوق اسے جانتی تھی ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی)۔

مسئلہ: قرآن کریم میں لفظ شئی بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (1) ممکن موجود **خالق کل شئی**۔ دوسری جگہ فرمایا گیا **خلقتک ولم تک شیا** " (2) وہ ممکن معدوم جو عنقریب ہونے والا ہو۔ فرماتا ہے **ولا تقولن لشاء انی فاعل ذلک غدا**۔ دیکھو اس کام کو شئی فرمایا گیا جو ابھی کیا نہیں گیا۔ بلکہ کیا جانے والا ہے فی الحال معدوم (غیر موجود) (3) معلوم خواہ ممکن ہو یا ناممکن یا واجب۔ فرماتا ہے **وهو بکل شئی علیم** (4) موجود خواہ ممکن ہو یا واجب فرماتا ہے **قل ای شئی اکبر شهادة**۔ رب تعالیٰ کا نام شئی نہیں مگر اسے قرآن کریم میں شئی فرمایا گیا اس مسئلہ کی نہایت نفیس تحقیق تفسیر کبیر و روح المعانی میں یہاں اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بلکہ مخلوق کا آپ کی نبوت کی گواہیاں دینا رب تعالیٰ ہی کی گواہی ہے جو اس نے اپنے حبیب کی ذات وصفات کی دی یہ فائدہ **واوحی الی** الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت تمام جن وانس وملائکہ کے نبی ہیں اور قرآن کریم سارے جن وانس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کسی زمانہ کسی قوم سے خاص نہیں یہ فائدہ **ومن بلغ** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جس کو اسلام وقرآن کی تعلیم کی خبر ہی نہ پہنچے اس کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ یہ فائدہ بھی **من بلغ** سے حاصل ہوا لہذا فترت والے موحد لوگ جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین جنتی ہیں۔ نواں فائدہ: قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دینے یا ڈرانے کے لئے نہیں آیا بلکہ دوسروں کے لئے ہدایت وبشارت ونذارت ہے یہ فائدہ بھی **لانذرکم** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **هدی للمتقین** حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے پہلے ہی ہدایت پر تھے تقویٰ و پرہیزگاری عبادات الٰہیہ پر پہلے ہی سے کاربند تھے۔ دسواں فائدہ: قرآن کریم بذات خود بشیر ونذیر وہادی نہیں ہادی بشیر نذیر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن ذریعہ ہدایت و بشارت ہے یہ فائدہ بھی لانذرکم سے حاصل ہوا۔ پانی' صابن خود گندے کپڑے کو پاک و صاف نہیں کرتا وہ تو صفائی کا ذریعہ ہے پاک و صاف تو کسی کا ہاتھ کرتا ہے یوں ہی قرآن مجید خود حاکم نہیں حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حکم قرآن ہے فرماتا ہے **لتحکم بین الناس** یارسول اللہ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے اتارا کہ اس کے ذریعہ آپ لوگوں میں فیصلے کریں۔ گیارھواں فائدہ: مومن کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ایمان کا اعلان کر دے تمام بے دینوں سے دور رہے کفر و شرک سے بیزار رہے۔ تقیہ کر کے کفار میں گھلا ملا نہ رہے اپنے قول اپنی صورت اپنی سیرت سے اپنے ایمان کا اعلان کرے یہ فائدہ **اننی بری** الخ سے حاصل ہوا۔ حضرات اہل بیت خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی تقیہ نہیں کرتے تھے وہ کھلے علانیہ مومن بلکہ مومن گر تھے۔ بارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا پہچاننا ایمان نہیں بلکہ انہیں ماننا ایمان ہے یہ فائدہ **یعرفونه** سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل بھی جانتا تھا کہ سچے نبی ہیں اسے ایمان نصیب نہیں ہوا یہ فائدہ **فهم لا یومنون** سے حاصل ہو۔ شیطان کو حضرت آدم سے حسد ہوا اس سے وہ کافر ہو لو یکھ لو سارے نبیوں کو دیکھتا رہا ایمان نہ لایا حسد وہ آگ ہے جو دل کی قوت ہدایت کو جلا ڈالتی ہے۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ کو تو کسی نے دیکھا نہیں اس کا کلام بلا واسطہ ہم نے سنا نہیں پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کیسے دے دی گواہی کے لئے گواہ کا سامنے ہونا اس کا کلام سننا ضروری ہے تو **اللہ شهید بینی و بینکم** کیسے درست ہوا۔ جواب: یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ گواہ کا سامنے ہونا اس کا کلام سننا ضروری ہے۔ گواہی قولی بھی ہوتی ہے تحریری بھی۔ علامات و دلائل کی بھی سرٹیفکیٹ' تمغہ' پٹی' وردی حکومت کی طرف سے عہدوں کی گواہی ہے۔ افسر کا تمغہ و وردی دیکھ کر اس کے افسر ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرآن کریم کا نزول وغیرہ تمام خلق کی گواہی رب تعالیٰ کی گواہی ہے جو اس نے اپنے محبوب کی ذات و صفات کی دی اس کی مفصل بحث پہلے پارہ کی تفسیر میں گزر گئی۔ دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کو شئی کہنا جائز نہیں کیونکہ شئی خدا تعالیٰ کا نام نہیں آج تک کسی مسلمان کا نام عبد الشئی نہیں ہوا نیز قرآن مجید میں معدوم کو بھی شئی کہا گیا ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **خالق کل شی** اگر خدا تعالیٰ بھی شئی ہو تو لازم آوے گا کہ وہ اپنا بھی خالق ہو نیز بری چیز کو بھی شئی کہا جاتا ہے۔ چونکہ شئی ہر اچھی بری چیز پر صادق آتا ہے۔ لہذا رب تعالیٰ نہ شئی ہے نہ اسے شئی کہنا درست ہے۔ نوٹ: فرقہ جہمیہ رب تعالیٰ کو شئی کہنے سے منع کرتا ہے۔ باقی تمام اسلامی فرقے جائز مانتے ہیں یہ اعتراض اسی فرقہ جہمیہ کا ہے اسے تفسیر کبیر و روح المعانی نے بہت تفصیل سے بیان کیا۔ جواب: لفظ شئی کے بہت معنی ہیں بعض معنی ایسے ہیں جو رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔ شئی کے معنی ذات بھی ہیں حقیقت بھی ہیں رب تعالیٰ کو اس معنی سے اس آیت کریمہ میں شئی کہا گیا ہے اور اسی معنی سے اسے شئی کہنا جائز ہے۔ **خالق کل شئی** وغیرہ آیات میں شئی بمعنی ممکن ہے اس معنی سے رب تعالیٰ کو شئی کہنا حرام بلکہ کفر ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ کو نفس بمعنی ذات قرآن کریم میں کہا گیا ہے **ولا اعلم ما فی نفسک** نفس کے اور کئی معنی ہیں ان معنی سے اسے نفس نہیں کہہ سکتے ہیں نہ رب تعالیٰ کا نام نفس ہے اور نہ آج تک کسی بندے کا نام عبد النفس ہوا (تفسیر کبیر و روح المعانی)۔ تیسرا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر بھی ہیں بشیر بھی پھر یہاں صرف ڈرانے کا ذکر کیوں ہوا **لا نذرکم** الخ جواب: اس لئے کہ یہاں روئے سخن کفار سے ہے انہیں کے سوال کا جواب دیا جا رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے صرف نذیر ہیں (تفسیر صاوی) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈر انا انعام ہے۔

بشارت خاص ہے صرف مسلمانوں کے لئے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت عامہ کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جسے قرآن پہنچے ہیں اس کے لئے نذیر ہوں قرآن کریم تو قیامت تک لوگوں کے پاس پہنچتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تو آپ قیامت تک نذیر کیسے ہوئے اور یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر یعنی علماء اولیاء اللہ تاقیامت تبلیغ کرتے رہیں گے لوگوں کو ڈراتے رہیں گے ان حضرت کا ڈرانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ڈرانا ہے شاہی خدام بحکم سلطان جو کام کرتے ہیں وہ سلطان کا ہی کام ہوتا ہے دوسرے یہ کہ قرآن کریم کا ڈرانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ڈرانا ہے۔ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن پہنچ گیا اس نے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم یہی قول ہے۔ محمد ابن کعب قرظی کا (تفسیر روح البیان' خازن' کبیر' روح المعانی وغیرہ) تیسرے یہ کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا کر ہم سے چھپ گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان بند نہ ہوا سورج غروب ہو کر بھی چاند تارے چمکاتا ہے یہ فیض تاقیامت مسلمانوں کو ایسے پہنچتا رہے گا جیسے جڑ کا خفیہ فیض درخت کے ہر شاخ ہر پتا ہر پھل پھول کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے سے ہی ہم لوگ ایمان لاتے ہیں۔ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے قرآن تو ایمان کی آب یاری کرتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لئے باپ کی مثل ہیں حتیٰ کہ ان کی ازواج پاک مسلمانوں کی مائیں ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کو بیٹے کی پہچان سے کیوں تشبیہ دی **کما یعرفون ابناء ھم** نیز صرف بیٹوں کی پہچان سے تشبیہ کیوں دی بیٹیوں کا ذکر کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** اس کا نہایت مفصل جواب پہلے پارے کی تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت دیا گیا اور ابھی یہاں بھی تفسیر میں اور فوائد میں عرض کیا گیا کہ انسان اپنے باپ کو صرف سن سنا کر پہچانتا ہے وہ بھی ہوش سنبھالنے کے بعد مگر باپ اپنے بیٹے کو دلائل سے اور اس کی پیدائش سے پہلے سے ہی جانتا ہے وغیرہ۔ لہٰذا بیٹے کی پہچان باپ کی پہچان سے قوی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ ڈالا وہ ایمان نہ لائیں گے سارے ہی کافر خسارہ میں مگر ان میں سے بہت سے ایمان لا چکے ہیں اور لاتے رہتے ہیں پھر یہ فرمان عالی کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں خسارہ سے مراد مطلقاً کفر نہیں بلکہ حسد کا کفر مراد ہے یعنی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاسد ہو کر اسلام کا منکر ہوا اسے ایمان نصیب نہیں ہوتا جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے عام پوپ پادریوں کا حال تھا۔ دیکھو شیطان حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کی بنا پر کافر ہوا آج تک کافر ہے اور کافر ہی رہے گا۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کے حسد سے بچائے۔

تفسیر صوفیانہ: عالم کی ہر چیز شئی ہے مگر بمعنی مشی یعنی رب کی چاہی ہوئی کہ اس کریم نے چاہا تو یہ ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ شئی ہے مگر بمعنی شائی یعنی چاہنے والا کہ جسے رب تعالیٰ نے جو چاہا وہ وہی بن گیا۔ شئی مصدر ہے۔ جو فاعل مفعول دونوں معنی میں آ سکتا ہے۔ ہمارا امتی ہونا شئی ہے کہ رب نے ہمارے لئے یہ چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا شفیع المذنبین ہونا کروڑوں صفات سے موصوف ہونا شئی ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہی چاہا ہم شئی ہیں اور معنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شئی ہیں دوسرے معانی سے اب کوئی دعویٰ نبوت کرے تو اس کی نبوت شئی نہیں کیونکہ رب نے وہ چاہی نہیں۔ جب رب تعالیٰ ہر چیز کا شائی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ شائی کی گواہی ہی قوی ہے کہ ہر چیز اس کی بنائی ہوئی ہے۔ جب سامع

کے مقابلہ میں رائی (دیکھنے والے) کی گواہی اعلیٰ ہے تو شائی تو رائی سے کہیں افضل ہے لہٰذا بالکل برحق ہے کہ رب کی شاہی گواہی اعلیٰ ہے وہ شائی یعنی چاہنے والے کی گواہی ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی گواہی ازل سے دی ہے زمین و آسمان کی پیدائش بلکہ تمام مخلوق کی پیدائش سے پہلے نور محمدی رب کی ربوبیت کی گواہی کروڑوں سال دیتا رہا اور رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتا رہا حتی کہ میثاق کے دن سارے نبیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دلوائی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ بنایا اور خود کو گواہوں میں داخل فرمایا کہ ارشاد ہوا **قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین** دعویٰ کی آن بان اور مدعی کی شان گواہ کی اور گواہی کی شان سے معلوم ہوتی ہے۔ غور کرلو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کس درجہ کی ہے کہ سارے انبیاء اولیاء بلکہ عالم کا ہر ذرہ آسمان کا ہر تارہ خود رب ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن شمع کا نور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نور کا فانوس یا حفاظتی رنگین چمنی جہاں شمع کا نور پہنچتا ہے وہاں چمنی کا رنگ بھی پہنچتا ہے۔ جہاں قرآن پہنچتا ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچتے ہیں اس لئے فرمایا **ومن بلغ** یعنی میں اسے ڈرانے والا ہوں۔ جسے قرآن پہنچے ناممکن ہے کہ کسی دل میں قرآن ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں۔ اطاعت تین وجہ سے ہوتی ہے۔ خوف سے 'شوق سے 'یعنی ڈر سے' لالچ سے 'محبت و عشق سے 'شوق و ذوق سے 'عبادت کرنے والے تھوڑے ہیں۔ خوف سے اطاعت کرنے والے بہت ہیں خوف۔ پہلی سیڑھی ہے۔ جس کے بعد شوق پھر ذوق پیدا ہوتا ہے ابتداً ڈرا کر اطاعت کرائی جاتی ہے ان وجوہ سے یہاں صرف نذارت یعنی ڈرانے کا ذکر ہوا وظیفہ شیخ کے بغیر مفید نہیں کاریگر کے بغیر ہتھیار بے فائدہ 'ہاتھ کے بغیر صابن پانی بیکار معلم کے بغیر کتاب غیر مفید ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے **انذر** میں نذارت کا فاعل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا۔ قرآن کو ذریعہ ہدایت بتایا پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان عوام تک صحابہ کے ذریعہ سے پہنچتا ہے اس لئے **کم** ضمیر پہلے آئی اور **من بلغ** بعد میں۔ سارے مشرکین گواہ ہیں کہ معبود بہت ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں کہ رب ایک ہے ان سب کی گواہی رد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی مقبول ہے کہ یہ گواہی دیکھنے والے کی ہے۔ اس لئے فرمایا **قل لا اشھد** جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہو جاویں اس سے رب تعالیٰ بھی بیزار ہے۔ اس لئے یہاں فرمایا کہ میں تمہارے شرک سے بری۔ یہ نہ فرمایا کہ تم سے بری ہوں تم ابھی ایمان قبول کرلو ہم تم کو اپنے دامن کرم میں لے لیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں اور نور کو ہر آنکھ جانتی پہچانتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب بلکہ بعض مشرکین بھی پہچانتے ہیں اگرچہ اپنی ہٹ دھرمی سے قبول نہ کریں جیسے بے وضو بے غسل والا نماز کے لائق نہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جسے الفت نہ ہو بلکہ حسد ہو وہ ایمان کے لائق نہیں۔ جب ایمان کسی دل میں آنے لگتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت وہاں پہلے پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ

اور کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے آیتوں کو اللہ کی یقیناً نہیں کامیاب

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے بے شک ظالم

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا

ہوتے ظالم لوگ اور جس دن جمع کریں گے ہم ان کو سب کو پھر کہیں گے ہم ان لوگوں سے جنہوں نے

فلاح نہ پائیں گے اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے

اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ

شرک کیا کہاں ہیں شریک تمہارے تھے تم گمان کرتے پھر نہ ہوا فتنہ ان کا

وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے پھر ان کی کچھ بناوٹ نہ رہی مگر یہ کہ وہ بولے

اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی

مگر یہ کہ کہا انہوں نے قسم اللہ کی رب ہمارے کی نہیں تھے ہم شرک کرنے والے دیکھو کیسا جھوٹ بولے

ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر

اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

وہ اوپر جانوں کے اپنی اور غائب ہو گئے ان سے وہ جو تھے وہ گھڑتے

اور گم ہو گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آخری آیت میں خسارہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کا دنیاوی انجام بتایا گیا۔ ان کا ایمان نہ لانا اب ان آیات میں اسی حسد کا اخروی انجام ارشاد ہو رہا ہے۔ ان کا ظالموں میں شمار ہونا کوئی مددگار نہ ہونا وغیرہ۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ یہود و نصاریٰ کے پوپ پادری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے صفات عالیہ ایسے یقین سے جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو مگر کرتے انکار ہیں اب اس جان پہچان کے بعد انکار کرنے کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں' اپنے دین اپنے نبیوں بلکہ اپنے رب پر تہمت باندھتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر نہ کیا یا یہ کہ آپ کی ذات والا میں نبی آخر الزمان کے اوصاف وعلامات نہیں ہیں اس جھوٹ باندھنے کی سزا نہایت سخت ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین کی بدعقیدگیوں کا ذکر تھا کہ وہ شرک پر گواہی دیتے ہیں اب ان کی اس گواہی کی بے بنیادی اور کمزوریوں کا ذکر ہے کہ وہ آخرت میں یہ سب کچھ بھول جائیں گے بلکہ ان سے انکاری ہو جائیں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں یہود کی ان خیانتوں کا ذکر ہے جو وہ اپنی کتاب' اپنے دین' اپنے نبی کے فرمانوں میں کرتے تھے تا کہ معلوم ہو کہ جو قوم اپنی کتاب اپنے نبی کی تعلیم میں خیانت کرنے سے باز نہیں آتی اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے میں خیانت کرے تو اس سے کیا بعید ہے۔

تفسیر: ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ من میں تعجب دلانے کا استفہام وسوال ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ سوال انکاری ہے اظلم بنا ہے ظلم سے معنی اندھیرا اسی سے ہے ظلمت اصطلاح میں کسی چیز کو بے

موقع استعمال کرنے کو بھی ظلم کہتے ہیں اور کسی کا حق مارنے کو بھی اور کسی کو بے قصور سزا دیدینے کو بھی آیت کریمہ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ میں ظلم اسی تیسرے معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ قرآن کریم نے شرک و کفر کو ظلم فرمایا ہے کہ کافر کفر کرکے اپنے نفس اپنے اعضاء کا حق مارتا ہے کہ انہیں دوزخ میں لے جاتا ہے۔ یہاں بمعنی کفرو شرک ہے یعنی اس سے بڑا مشرک و کافر کون ہے ممن کا من صلہ کا ہے اور من سے مراد ہر کافر جن وانس ہے افتراء کی تحقیق بارہا کی جاچکی ہے کہ یہ بنا ہے فری سے بمعنی چیرا چھیلنا اصطلاح میں کسی پر جھوٹ گھڑنے کو افترا کہا جاتا ہے۔ افترا کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ کسی کی بات میں زیادتی کرکے لوگوں تک پہنچانا۔ دوسرے بالکل ان کہی بات اس کی طرح نسبت کردینا۔ تیسرے اس کے فرمان کے الٹ لوگوں تک پہنچانا۔ یہاں یہی تیسرے درجہ کا افترا مراد ہے۔ یہود اسی کے مرتکب تھے۔ کذب سے مراد یہاں خدا کا شریک ماننا۔ فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں ماننا۔ بعض نبیوں کو خدا کا بیٹا ماننا ہے یہ کہنا کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان کے اوصاف مذکور نہیں۔ یا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی آخر الزمان کے اوصاف موجود نہیں وغیرہ غرضیکہ سارے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب ہی اس میں داخل ہیں یعنی اس سے بڑا کافر کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گڑھے کہ اپنی طرف سے کچھ عقیدے ایجاد کرے اور کہہ دے کہ یہ رب تعالیٰ کے بتائے ہوئے عقیدے ہیں۔ او کذب بایاتہ۔ یہ عبارت افتری پر معطوف ہے کذب بنا ہے تکذیب سے بمعنی جھوٹا کرنا یا کسی کو جھوٹا کہنا یا جھوٹا سمجھنا۔ یہاں آخری دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی آیات سے مراد یا قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا توریت وانجیل کی آیتیں اور ہو سکتا ہے کہ آیات الہیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات اس کی صفات کی ایک دلیل و نشانی نہیں بلکہ دلائل و نشانات کا مجموعہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہر جنبش آیت الہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم از سرتا پا اللہ کی شان ہیں۔ حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اس صورت نوں میں جان آکھاں جانان کہ جان جہان آکھاں!
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آیات اللہ ہیں کہ جس پر ہاتھ رکھ دیں وہ آیت اللہ بن جاوے گویا آیت ہیں اور آیت گر ہیں لہذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں۔ یہود و نصاریٰ آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے دل سے زبان سے منکر تھے۔ در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے توریت وانجیل کی آیات کے بھی منکر ہو گئے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیہ آیات جو توریت وانجیل میں موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے ان سب کی تکذیب ہو گئی نیز توریت وانجیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی تھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نہ ہوں تو وہ آیات سچی کیونکر ہو سکتی ہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتابوں نبیوں کے معجزات کے گواہ ہیں یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نہ مانا جاوے تو وہ کتابیں اور نبی سچے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر مدعی خود ہی اپنے گواہ کو جھٹلائے تو وہ اپنا مقدمہ کیسے جیتے گا لہذا کذب بایاتہ بالکل درست ہے انہ لا یفلح الظلمون یہ نیا جملہ ہے جس میں ظلم کے انجام کا بیان ہے۔ چونکہ ظلم بہت قسم کا ہوتا ہے اس لئے ظالمون جمع ارشاد ہوا۔

فلاح کے معنی ہیں کامیابی اس کی دو صورتیں ہیں مکروہات سے بچنا۔ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر لینا لا یفلح میں دونوں قسم کی کامیابی کی نفی ہے یعنی کافر ظالم خواہ کیسا ہی ہو کسی درجہ کا ہو کامیاب نہیں ہوتا اس فرمان عالی کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ سارے ظالم مشرکین یہود نصاریٰ وغیرہ سب مل کر تمہارے دین تمہارے احکام مٹانا چاہ رہے ہیں اور چاہتے رہیں گے مگر کامیاب نہ ہوں گے۔ سورج تمہارا ہی چمکے گا نام تمہارا ہی روشن ہو گا۔ دین تمہارا ہی قائم رہے گا یہ ظالمین یا فنا ہو نگے یا تمہارے دامن میں پناہ لیں گے رب نے یہ وعدہ پورا فرما دیا۔ دوسرے یہ کہ تا قیامت کسی قسم کے ظالم خواہ جانی ظالم ہوں خواہ مالی کبھی پھلیں پھولیں گے نہیں۔ یہ خائب خاسر رہیں گے یہ خبر بھی بالکل درست ہے جس کا مشاہدہ ہو رہا ہے **ویوم نحشرهم جمیعا** یہ جملہ نیا ہے **یوم** یا تو ظرف مقدم ہے **نحشرهم** کا یا مفعول بہ ہے **اذکر** پوشیدہ کا یا **ذکرهم** کا یا **اذکروا** کا۔ لہذا اس کی چار تفسیریں ہیں۔ چونکہ انسان جرم و قصور کرتا ہے اپنی موت کو اور قیامت کو بھول کر اگر یہ چیزیں یاد رہیں تو گناہ کرنے کی ہمت نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مذکر ہیں۔ بھولی باتیں یاد دلانے والے اس لئے قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پر دونوں چیزیں یاد دلاتا ہے۔ **نحشر** بنا ہے حشر سے بمعنی جمع کرنا خواہ ایک زمانہ میں جمع کرنا ہو یا ایک زمین میں یا دونوں میں یہاں آخری جمع فرمانا مراد ہے کہ قیامت کے دن ان سب کا اجتماع ایک وقت اور ایک جگہ میں ہو گا **هم** کا مرجع یا تو مشرکین ہیں یا دوسرے کفار یا سارے ہی یا بت پرست اور ان کے جھوٹے معبود **جمیعا**" تاکید ہے **هم** کی **جمیعا**" فرما کر یہ بتایا کہ تمام کفار کو جمع کریں گے کسی کو چھوڑیں گے نہیں اگرچہ مومنین بھی اس دن اٹھائے جائیں گے مگر ان کی جگہ دوسری ہو گی اس لئے **هم** فرما کر مومنوں کو علیحدہ کر دیا یعنی اے محبوب انہیں یاد دلاؤ یا یاد کرو یا اے لوگوں وہ وقت وہ دن بھی یاد کرو۔ جب ہم سارے کفار کو ایک وقت ایک جگہ جمع کریں گے۔ قیامت کا دن جمع کرنے والا بھی ہے اس لئے اسے حشر کہتے ہیں اور یہ دن کفار و مومنین کو الگ کرنے والا بھی اس لئے اسے یوم الفصل کہتے ہیں جیسے قرآن مجید کا نام قرآن بھی ہے یعنی سب مسلمانوں کو جمع فرمانے والی کتاب اور اس کا نام فرقان بھی ہے یعنی کافر و مومن منافق و مخلص کو الگ کر دینے والا۔ **ثم نقول للذین اشرکوا**۔ چونکہ کفار کا جمع فرمانا پہلے ہو گا اور یہ کلام فرمانا صدہا سال کی خاموشی کے بعد ہو گا اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا یہ فرمان یا تو رب تعالیٰ ہی کا ہو گا ان پر عتاب فرماتے ہوئے یا فرشتوں کا ہو گا بحکم الٰہی۔ لہذا **نقول** فرمانا بہر حال درست ہے **الذین اشرکوا** سے مراد یا تو صرف بت پرست مشرکین ہیں دوسرے کفار کی موجودگی میں ان سے ہی یہ کلام ہو گا انہیں ذلیل کرنے کے لئے یا سارے کفار مراد ہیں حتی کہ اہل کتاب بھی کہ انہوں نے اپنے پوپ پادریوں کو حرام و حلال کا مالک مان کر انہیں گویا خدا کا شریک مان لیا پہلی توجیہ قوی ہے **این شرکاء کم الذین کنتم تزعمون** یہ عبارت **نقول** کا مفعول ہے **این** مکانی استفہام (پوچھ گچھ) کے لئے آتا ہے یہ سوال انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ہو گا **شرکاء کم** سے مراد وہ بت یا پوپ پادری ہیں۔ جنہیں ان کفار نے شریک الٰہی مانا تھا یعنی تمہارے مانے ہوئے خدا کے شریک **تزعمون** بنا ہے **زعم** سے بمعنی گمان و خیال خواہ صحیح ہو یا غلط مگر قرآن کریم میں زعم جھوٹے گمان اور غلط خیال کو فرمایا جاتا ہے یہی حضرت عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے۔ حدیث شریف میں سچے گمان و خیال کو بھی زعم فرمایا گیا ہے جیسے زعم جبریل یا جیسے ضمام ابن ثعلبہ کی روایت میں ہے **تزعمونهم شرکاء**۔ خیال رہے کہ قیامت میں اولاً بت پرست اور بت یوں ہی ان کے پاپ پادری اور ماتحت سب یکجا ہوں گے پھر کچھ عرصہ بعد بتوں کو بت پرستوں سے اور معبودوں کو عابدوں سے ماتحتوں کو سرداروں سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اس

علیحدگی کے بعد ان سے یہ سوال ہو گا کہ بتاؤ تمہارے وہ شرکاء جن کی مدد کی تمہیں آس تھی آج کہاں گئے پھر حساب و کتاب کے بعد دوزخ میں اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا آیت واضح ہے یا اس سوال کے وقت معبودین ان کے ساتھ ہی ہوں گے مگر بے بس لاچار مجبور ہوں گے تب یہ ارشاد ہو گا یعنی تمہارے بتوں کی مدد کہاں ہے **ثم لم تکن فتنتھم** چونکہ کفار یہ فرمان عالی سن کر سینکڑوں سال کی مدت تک حیران خاموش رہیں گے ان کے ہوش اڑ جائیں گے بہت عرصہ خاموش رہنے کے بعد یہ عرض کریں گے اس لئے یہاں **ثم** ارشاد ہوا فتنہ کے لغوی معنی ہیں سونے کو آگ میں تپانا تا کہ کھرا کھوٹا معلوم ہو جاوے۔ اصطلاح میں اس کے سات معانی ہیں۔ عذاب' آزمائش' بلاو مصیبت' کفرو شرک' گناہ' گمراہی اور معذرت و عذر خواہی (تفسیر روح المعانی بحوالہ امام راغب) یہاں یا تو بمعنی معذرت ہے تب مطلب واضح ہے یا بمعنی کفرو شرک ہے تو اس سے پہلے عاقبت پوشیدہ ہے اس کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں مگر یہ دونوں توجیہیں بہت واضح ہیں یعنی ان کی معذرت یا ان کے شرک کا انجام اس کے سواء اور کچھ نہ ہوا **الا ان قالوا** یہاں **الا** حصر کے لئے ہے اور حصر بھی اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت میں مشرکین اس کے سواء اور کوئی کلام نہیں کریں گے یہ کلام تو بہت طرح کے کریں گے۔ ہاں اس سوال کے جواب میں اس کے سواء اور کچھ نہ کہیں گے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر مشرکین کے مختلف کلام نقل فرمائے جو قیامت کے مختلف حالات میں ہوں گے کسی وقت وہ اپنے کفرو شرک کا انکار کریں گے پھر دوسرے وقت اقرار کرلیں گے لہٰذا ساری آیات درست ہیں ان میں تعارض نہیں **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** یہ عبارت **قالوا** کا مفعول بہ ہے ان کا یہ کہنا کسی غلطی یا بھول کی بنا پر نہ ہو گا بلکہ دیدہ و دانستہ ہو گا جب اللہ تعالیٰ مومنین کی بخشش کرے گا تو یہ لوگ آپس میں مشورہ کر کے مومنوں کے ساتھ رل مل جانے کی کوشش کریں گے کہ شاید ان کے ساتھ ہماری بخشش بھی ہو جاوے جب ان کو روکا جاوے گا تو یہ کہیں گے کہ ہم بھی مومن ہیں۔ مشرکین نہیں (خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) غالباً یہ گفتگو فرشتوں سے کریں گے اس لئے **واللہ ربنا** کہیں گے یہ کہ اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم دنیا میں کافر نہ تھے مومن تھے ہم کو ان کے پاس جانے دو **انظر کیف کذبوا علی انفسھم**۔ یہ نیا جملہ ہے **انظر** میں خطاب یا تو عام قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے تو نظر بمعنی غور کرنا ہے تب مقصد یہ ہے کہ اے مسلمان غور کرو کہ کفار اس جھوٹ سے لئے خود پھنسیں گے تو جب بھی ہماری بارگاہ میں آئے تو اپنے قصور و گناہ کا اقرار کرنے کے سواء کچھ نہ کرنا یہاں کوئی جھوٹ و فریب کے ذریعہ عذاب سے نہیں بچ سکتا یہاں صرف عجزو نیاز سے بچ سکتے ہیں یا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تب **انظر** بمعنی دیکھنا ہے یعنی دیکھو تو اے محبوب یہ بے وقوف کیسے جھوٹ بولے جو خود ان کے لئے مضر ہے چونکہ نبی کی نظر گذشتہ اور آئندہ چیزوں کو دیکھتی ہے اس لئے **انظر** فرمانا بالکل درست ہے آج سائنس ریڈیو ٹیلیفون کے ذریعہ ہزارہا میل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ دوربین کے ذریعے صدہا میل کی چیز دکھائی دیتی ہے' بذریعہ ہوائی جہاز ہزارہا میل گھنٹوں میں پہنچا دیتا ہے بلکہ اب سائنس کوشش کر رہی ہے کہ گذشتہ لوگوں کی آوازیں ان کی باتیں سنا دیتیں قوت نبوت سائنس کی قوت سے قوی ہے۔ **کذبوا** سے مراد ان کا یہی کہنا ہے کہ ہم مشرک نہ تھے **انفس** جمع ہے نفس کی بمعنی جان یا ذات یہ **علی** یا تو لزوم کے لئے ہے یا نقصان کے لئے کیونکہ ان کا یہ جھوٹ ان کے لئے اور بھی وبال جان ہو جاوے گا اس کا اثر خود ان کی اپنی جانوں پر پڑے گا کہ حاکم کے سامنے عدالت میں جھوٹ بولنا اسے دھوکا دینے کی کوشش کرنا بھی جرم ہے اگر یہ لوگ اپنا قصور مان لیتے تو ممکن تھا کہ عذاب ہلکا ہو جاتا اب دھوکا ہی

کی کوشش کرنے سے عذاب اور سخت ہو یعنی اے محبوب آپ نظر تو فرماؤ کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولیں گے یا یہ کیسا جرم کریں گے کہ جس کا وبال اور نقصان ان کی جانوں پر پڑے گا۔ یہاں **کیف** تعجب دلانے کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ مشرکین کا یہ کہنا ہے کہ ہم مشرک نہ تھے درپردہ اپنے مومن ہونے کا دعویٰ ہے یعنی ہم مشرک نہ تھے موحد مومن تھے۔ یہاں شرک سے مراد کفر ہے کفر و ایمان کے درمیان کوئی اور چیز نہیں ہو سکتا ہے کہ شرک اپنے ہی معنی میں ہو چونکہ یہ گفتگو مشرکین کی ہے اس لئے انہیں نے اپنے سے شرک کی نفی کی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ ہم مشرک نہ تھے ایک حصہ یوں بول پائیں گے کہ فرشتے انہیں جھڑک کر خاموش کردیں گے کہ خاموش رہو **وضل عنهم ما كانوا يفترون**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے جس میں وقت کی حالت کا ذکر ہے **ضلال** سے مراد ہے بھٹک جانا **ما كانوا** سے مراد ان کے اپنے شرکیہ عقیدے ہیں یعنی انہیں اپنے دنیاوی شرکیہ عقیدے ظاہر کرنے کی جرات نہ ہو گی وہ سب عقیدے یا بھول جائیں گے یا چھپائیں گے یہ تفسیر عام مفسرین نے کی ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ بھی یہ ہی بتا رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ **ضل** سے مراد ہو غائب ہو جانا **ما كانوا** الخ سے مراد ہوں ان کے بت اور پوپ پادری وغیرہ یعنی جن معبودوں کے متعلق انہوں نے **افترا** "الہ" ہونے کا عقیدہ اختیار کیا تھا وہ سب ان سے آج غائب ہو جائیں گے یا اس طرح کہ ان کے پاس رہیں گے ہی نہیں یا اس طرح کے وہ ان کی مدد نہ کر سکیں گے ان کی مدد ان سے غائب ہو جاوے گی۔ پہلی تفسیر قوی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ غور تو فرماویں کہ اس سے بڑھ کر یا اس کی برابر کافر و مشرکین دنیا میں کون ہو گا جو دیدہ دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے کہ رب ایک ہے وحدہ لا شرک ہے وہ چند رب مانے نیز رب تعالیٰ ولادت سے پاک ہے وہ اس کے لئے اولاد مانے بت مردود ازلی ہیں وہ انہیں اپنا شفیع مانے آپ کی صفات کا انکار کرے یا پچھلی آسمانی کتابوں میں تبدیل و ترمیم کرے یہ لوگ بڑے ہی ظالم ہیں اور ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے کہ نہ تو وہ آفات سے بچ سکتے ہیں نہ مراد پا سکتے ہیں آپ ان لوگوں کو وہ دن بھی یاد دلادو۔ جس دن ہم ایک جگہ میں تمام کفار اور ان کے باطل معبودوں کو جمع فرمائیں گے۔ پھر بہت دراز سکوت کے بعد ان کے معبودوں کو ان سے الگ کردیں گے پھر ان کفار سے پوچھیں گے کہ بتاؤ تمہارے وہ شرکاء کہاں گئے جن کو تم خدا تعالیٰ کا شریک اور ساجھی سمجھتے تھے بولو وہ تمہارے مددگار کہاں ہیں اس سوال پر اولاً تو عرصہ تک ان پر خاموشی چھائی رہے گی ہیبت الٰہی کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکیں گے پھر کہیں گے اللہ کی قسم ہمارے رب کی قسم ہم دنیا میں مشرکین و کافر نہ تھے۔ ہم تو مومن موحد تھے۔ محبوب غور تو فرماؤ کہ کیسے یہ لوگ خود اپنے پر جھوٹ باندھیں گے کہ تھے مشرک مگر کہیں گے ہم تو موحد تھے اور تھے کافر اور کہیں گے ہم مومن تھے اس وقت ان کی یہ تمام کفریہ باتیں مشرکانہ باتیں تھیں بھول جائیں گی۔ جو وہ دنیا میں گڑھا کرتے تھے۔ ان کی یہ باتیں صرف اس وقت تک ہیں جب تک ان کی حاکم کی بارگاہ میں پیشی نہیں ہوئی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو رب نے نہ فرمایا ہو اسے رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا کفر ہے اور اس ذات کریم پر بہتان یہ فائدہ **افترى على الله كذبا** الخ سے حاصل ہوا اس میں وہ علماء سوء بھی داخل ہیں جو قرآن مجید کی دیدہ دانستہ غلط تاویلیں خلاف اسلام تحریفیں کریں کہ وہ جھوٹی بات کو کہتے ہیں کہ یہ رب کا فرمان ہے اسی طرح اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو غلط حدیثیں گھڑیں یا ان کی غلط خلاف اسلام تاویلیں کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

پر جھوٹ گڑھنا دراصل رب تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ دوسرا فائدہ: قیامت میں کفار کفار کے ساتھ ہوں گے مومن مومن کے ساتھ بلکہ کفار کے ساتھ ان کے جھوٹے معبود بھی جمع کر دیئے جاویں گے۔ انشاء اللہ مومنین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونگے یہ فائدہ نحشرھم جمیعا سے حاصل ہوا قیامت میں ہمراہی اور سنگت ایمان سے ہوگی نہ کہ جسمانی قرابت سے' قرآن کریم فرماتا ہے احشروا والذین ظلموا و ازواجھم وما کانوا یعبدون جس سے پتہ لگا کہ سارے کفار ان کے سرداران کے معبودین ایک جگہ ہونگے اور فرماتا ہے کہ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔ تیسرا فائدہ: حاکم کا ملزم سے کچھ پوچھنا کبھی اس کو شرمندہ کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے یہ سوال حاکم کی بے علمی کی دلیل نہیں یہ فائدہ این شرکاء کم سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: کبھی کسی کو غلط نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اسے شرمندہ کرنے کے لئے جیسے کسی جاہل کو مولوی صاحب کہہ کر پکاریں یہ فائدہ بھی این شرکاء کم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بتوں کو شرکاء فرمایا جیسے دوزخی کفار سے کہا جاوے گا ذق انک انت العزیز الکریم دیکھو ذلیل دوزخی کافر کو عزیز کریم فرمایا اسے شرمندہ کرنے کو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر آتے ہوئے مرتدین کو فرمائیں گے اصحابی یہ میرے صحابی ہیں کیوں صرف ذلیل کرنے کو نہ کہ بے خبری سے۔ پانچواں فائدہ: کفار و مشرکین کی زبان وہاں بارگاہ الٰہی میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہ آوے گی یہ ہے ان کی انتہائی بے حیائی ورنہ انہیں اپنے دین اپنے اعمال کی خبر ہوگی یہ فائدہ ما کنا مشرکین سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے یوم یتذکر الانسان ما سعی اس لئے یہاں ارشاد ہوا کذبوا علی انفسھم۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں پیشواؤں کا کام نہ آنا کفار کے لئے ہوگا کہ ان کے بت ان کے پوپ پادری ان کے کام بالکل نہ آئیں گے یہ فائدہ ما کانوا یفترون سے حاصل ہوا انشاء اللہ مسلمانوں کی حضرات انبیاء اولیاء علماء بلکہ ان کے چھوٹے بچے بلکہ قرآن مجید رمضان مبارک شفاعت کریں گے قرآن کریم فرماتا ہے الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوا لا المتقین۔ اللہ تعالیٰ کفار کے عذاب سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے کافر سے پیار بھی ہونا بھی کفار پر عذاب الٰہی ہوگا۔ رب تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ ساتواں فائدہ: قیامت میں اللہ کا کرم ہو گا تو بندہ کو درست جواب بن پڑے گا ورنہ بندہ الٹی باتیں کرکے زیادہ پھنسے گا یہ فائدہ وما کنا مشرکین سے حاصل ہوا اگر مسلمان عرض کرتے ہیں خداوندا ہم ظالم و جاہل ہیں ہم سے سواء ظلم و جہالت کے لئے کیا ہو سکتا ہے کیکر کے درخت میں پھل کیسے آویں تو غفور ہے رحیم ہے۔ جس لائق ہم تھے ہم نے کر لیا جو تیری شان کے لائق ہے تو کر۔ شاید اس عرض و معروض پر وہ بار رحمت جوش میں آجاوے۔

پہلا اعتراض: عربی زبان میں ثم آتا ہے دیر کے لئے تو یہاں ثم نقول کیوں ارشاد ہوا قیامت کے دن اٹھتے ہی سوال و جواب شروع ہو جاویں گے۔ جواب: یہ غلط ہے حساب و کتاب سوال و جواب بہت عرصہ کے بعد شروع ہوگا۔ صدہا سال خاموشی رہے گی پھر صدہا سال تلاش شفیع میں گزریں گے پھر کبھی سوال و جواب کی نوبت آوے گی لہذا ثم نقول فرمانا بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ کے سوال کے بعد فوراً ہی مشرکین جواب دیں گے پھر ثم لم تکن فتنتھم کیوں فرمایا ثم تو دیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جواب: نہیں وہ لوگ فوراً جواب عرض نہ کریں گے بلکہ ہیبت الٰہی سے خاموش رہیں گے پھر حواس ٹھکانہ آنے پر جواب دیں گے اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ تیسرا اعتراض: جب کفار و مشرکین اور سرداران کے

جھوٹے معبود ایک ہی جگہ ہوں گے پھر فرمانا کہ این شرکاء کم تمہارے معبود کہاں ہیں کیونکر درست ہوا وہ تو وہاں ہی موجود ہیں۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت میں پہلے تو یہ عابدین و معبودین ایک جگہ ہوں گے پھر ان میں فاصلہ کر دیا جاوے گا۔ پھر دوزخ میں جمع کر دیئے جاویں گے یہ سوال اس وقت ہو گا جب فاصلہ اور دوری ہو چکی ہو گی۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سوال کے وقت معبودین ہوں گے وہاں ہی مگر بے بس ولاچار لہٰذا ان کی موجودگی ان عابدوں کے لئے محض بے کار ہو گی اس صورت میں این شرکاء کم فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی مدد کہاں گئی دیکھو وہ تمہارے ساتھ موجود ہیں۔ مگر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ چوتھا اعتراض: یہی حال ان مسلمانوں کا ہو گا جو نبیوں ولیوں کو اپنا سفارشی شفیع اور مددگار مانتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہو گا بتاؤ کہ تمہارے نبی ولی کہاں گئے (نوٹ) یہ سوال موجودہ دور کے بعض وہابی مولویوں کا ہے یہ آیت حضرات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب تیسرے پارے میں شفاعت کی بحث میں گزر چکا یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ اور اس جیسی دوسری آیات کافروں اور ان کے جھوٹے معبودوں سرداروں کے متعلق ہیں انہیں مسلمان اور حضرات انبیاء کرام پر چسپاں کرنا محض بے دینی ہے۔ حضرات انبیاء اولیاء کی شفاعت ان کی مدد دنیا و آخرت میں برحق ہے اس کے متعلق بہت سی آیات ہیں دیکھو ہمارے کتاب فہرست القرآن۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** اور فرماتا ہے **لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمن و رضی لہ قولا** اور فرماتا ہے **ولوا نھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** الخ اور فرماتا ہے **النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھا تھم** نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں کہ جان نکل کر جسم کو چھوڑ دیتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مرے بعد بھی نہیں چھوڑتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہو گی رب کے مقابلہ کی مدد اور ہے اس کے اذن سے اس کے محبوبوں کی مدد کچھ۔ پانچواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ قیامت میں مشرکین اپنے شرک و کفر کا انکار کریں گے مگر دوسری آیات میں ہے کہ وہ ان جرموں کا اقرار کریں گے آیات میں تعارض ہے۔ جواب: قیامت کے حالات مختلف ہیں بعض حال اور بعض وقت میں وہ انکاری ہونگے دوسرے وقت میں اقراری آیات قرآنیہ میں مختلف حالات کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ چھٹا اعتراض: یہ کفار یہ کیوں کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے یہ کیوں نہ کہیں گے کہ ہم مومن تھے۔ جواب: ان کے عذاب کی وجہ ان کا شرک و کفر ہے اسی کا وہ انکار کریں گے۔ خیال رہے کہ دائمی عذاب کی وجہ صرف کفر ہے مگر جنت کے حصول کی وجہ بہت ہیں جن تک نبی کی تبلیغ پہنچی ان کے لئے ایمان۔ جن کو تبلیغ نہ پہنچی ان کے لئے صرف عقیدہ توحید اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو صرف جنت پر کرنے کے لئے پیدا کئے جائیں گے وہ محض عطاء الٰہی سے بغیر کسی عمل کے جنتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ظلم ایک جرم ہے اس کی بہت سی قسمیں ہیں بعض ہلکی بعض بھاری جیسا ظلم ویسی اس کی نوعیت پھر جیسا مظلوم ویسا ظلم۔ کسی پر آبرو کا ظلم، مال کا ظلم جان کا ظلم پھر کسی اجنبی پر ظلم اپنے عزیز پر ظلم خود اپنی ذات پر ظلم یہ سب ظلم ہی ہیں مگر ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض ہلکے ہیں بعض بھاری ان تمام ظلموں میں بدتر ظلم یہ ہے کہ انسان اپنے عقیدے بگاڑ کر اپنے کو دائمی دوزخی بنالے کہ اس میں اپنے پر ظلم ہے اور ظلم بھی اخروی ایسا ظالم نہ دنیا میں کامیاب ہو نہ آخرت میں صوفیاء کرام

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے مگر اس کے آثار بے شمار ہیں یہ آثار کی کثرت اس وحدت کے خلاف نہیں جیسے تخم ایک ہے مگر اس کے آثار بہت کہ درخت کا پتہ پتہ اسی ایک تخم کے آثار ہیں یہ آثار اس کی توحید کی دلائل ہیں یہی آیات الٰہیہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام آثار بلکہ خود خالق جبار کے آئینہ ہیں۔ جیسے آئینہ میں گھر کی ہر چیز بلکہ خود گھر والا نظر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں سارا عالم بلکہ خالق عالم کا مشاہدہ ہوتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات اللہ ہیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اس نے ساری آیات کو جھٹلایا اس لئے ارشاد ہوا **او کذب بایاتہ** ۔ دیکھو آم کے درخت کا پتہ پتہ ڈالی ڈالی اپنے تخم کا پتہ بتاتے ہیں درخت کی ہر چیز تخم کے ایک وصف کو ظاہر کرتی ہے مگر اس کا پھل تخم کی قسم اس کی رنگت لذت بو سب کچھ بتا دیتی ہے کہ اس کا تخم لنگڑے آم کا ہے یا بمبئی آم کا کھٹے کا ہے یا میٹھے کا سرخ رنگ کا ہے یا سیندوری رنگ کا وغیرہ دنیا گویا درخت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی درخت کا گویا پھل اس کا خلاصہ۔ جو ہر چیز کا پتہ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے والے رب کی ہر صفت کے انکاری ہیں یہ جھٹلانے والے جن مردودوں کے پھندوں میں پھنس کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی توڑ بیٹھے ہیں قیامت میں وہ سب انہیں چھوڑ بیٹھیں گے اس توڑنے کا انجام وہ چھوڑنا ہوگا اس لئے رب تعالیٰ فرمائے گا۔ بلاؤ اپنے خیالی مددگاروں کو جن کی وجہ سے تم نے حقیقی محبوبوں سے منہ موڑا تھا۔ اس وقت یہی کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے مگر اس وقت کے یہ بہانے اور جھوٹ زیادہ عذاب کا باعث بنیں گے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے انجام کو نہ بگاڑے دوست و دشمن میں فرق کرے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

تادم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال — خامہ توحید کش بورق این و آں

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي

اور ان میں سے وہ ہیں جو بغور سنتے ہیں آپ کی طرف اور کر دیئے ہم نے ان کے دلوں پر پردے

اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیئے

آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِ

یہ کہ سمجھیں اسے اور ان کے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھیں وہ ہر نشانی نہ ایمان لائیں وہ اس پر یہاں تک

ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک

لُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ

کہ جب آتے ہیں آپ کے پاس تو جھگڑتے ہیں آپ سے کہتے ہیں وہ جو کافر ہوئے نہیں ہے یہ مگر گھڑی ہوئی کہانیاں

کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں اور وہ اس

يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا

اگلوں کی اور وہ منع کرتے ہیں اس سے اور دور رہتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے وہ مگر جانوں کو اپنی اور نہیں

سے روکتے اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور ہلاک نہیں کرتے مگر اپنی جانیں اور انہیں

يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾
شعور رکھتے
شعور نہیں

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کے اخروی انجام کا ذکر تھا آخرت میں بے یارومددگار رہ جانا رب کا غضب ہونا وغیرہ اب ان کے دنیاوی انجام کا ذکر ہے دلوں پر مہر لگ جانا کانوں پر پردے پڑ جانا وغیرہ گویا کفر کے دو انجاموں میں سے ایک انجام کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہے (تفسیر کبیر)۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کے اخروی انجام کا ذکر تھا۔ اب اس انجام کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ دنیا میں اندھے بن کر جیئے اس لئے ٹھوکریں کھا کر دوزخ میں گریں گے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کے اس جھوٹ کا ذکر تھا جو وہ قیامت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بولیں گے اب ان کے اس جھوٹ کا ذکر ہے جو وہ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بولتے ہیں کہ وہاں تو اپنے متعلق کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ نبی نہیں اور قرآن کریم کتاب اللہ نہیں۔

شان نزول: ایک بار صخر ابن حرب یعنی ابو سفیان' ابو جہل بن ہشام' ولید ابن مغیرہ' نضر ابن حارث' ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ' شیبہ اور خلف کے دو بیٹے امیہ' ابی' حارث ابن عامر کسی جگہ جمع تھے ان کے قریب میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے کہ ان کے کانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچی ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ بہت غور سے کچھ دیر سنتے رہے ان لوگوں نے نضر ابن حارث سے کہا کہ بتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھ رہے ہیں وہ بولا کچھ نہیں یوں ہی زبان ہلا رہے ہیں اور میری طرح قصے کہانیاں کہہ رہے ہیں یہ مردود بڑا قصہ گو تھا اس پر ابو سفیان بولے کہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعض باتیں سچی معلوم ہوتی ہیں۔ اس پر ابو جہل بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا کہنے سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم کو موت آجاوے ان کے متعلق یہ پہلی آیت **ومنهم** الخ نازل ہوئی۔ (2) ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے خدمت کرتے تھے۔ مشرکین مکہ اور دیگر کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے روکتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنی جان کی طرح کرتے تھے مگر خود ایمان قبول نہ کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے خطبے پڑھتے تھے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے تھے مگر اسلام میں داخل نہ ہوتے تھے ان کے متعلق دوسری آیت **وهم ينهون عنه** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح المعانی' کبیر' روح البیان' صاوی وغیرہ) تفسیر صاوی نے ابو طالب کے یہ اشعار نقل کئے۔

ولقد علمت بان دین محمد　　　من خیر ادیان البریہ دینا
لولا الملامۃ اوحذاری سبۃ　　　لوجدتنی سمحا بذالک مبینا
فاصدع بامرک ماعلیک غضاضۃ　　　حتی اوسد فی التراب دفینا

اور تفسیر خازن نے اسی جگہ ابو طالب کے [illegible] نقل فرمائے

واللہ لن یصلوالیک بجمعھم	حتی اوسد فی التراب دھینا
فاصدع بامرک ماعلیک غضاضتہ	والبشر بذاک وقرمنھا عیونا
ودعوتنی وعرفت انک ناصحی	من خیراد یان البریتہ دینا
لولا الملامتہ اوحذار مسبتہ	لوجدتنی سمحا بذلک مبینا

یعنی میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین سارے دینوں سے بہتر ہے اگر مجھے ملامت اور قوم کے طعن کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ دین ضرور قبول کر لیتا اے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنا کام خوب اچھی طرح کرو جب تک کہ میں قبر میں دفن نہ ہو جاؤں تب تک آپ کا کفار کچھ نہیں بگاڑ سکتے آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے مجھے یقین ہے کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں اور مجھے اچھی چیز کی طرف بلا رہے ہیں مگر ملامت کے خوف سے اسلام قبول نہیں کر سکتا۔

تفسیر: **منھم من یستمع الیک۔** جیسے قرآن مجید کو دیکھنا چھونا پڑھنا سمجھنا سب ہی عبادت ہے جو قرآن دیکھ کر سمجھ کر چھو کر پڑھے وہ بیک وقت چار عبادتیں کرتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا آپ کی گفتار سننا۔ مجلس پاک میں بیٹھنا سب ہی عبادت بلکہ اعلیٰ عبادات میں جن سے انسان صحابی بن جاتا ہے مگر اس شرط سے کہ دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص و الفت ہو اس آیت کریمہ میں ان کفار کی ان تینوں نعمتوں سے محرومی کا ذکر ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار سنتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔ صحبت پاک میں حاضر ہوتے ہیں مگر بغیر الفت **منھم** میں سے اس جملہ میں ان کے حضور کی گفتار سننے کا ذکر ہے۔ یہ جملہ مستقل ہے اور نیا ہے **منھم** کی ضمیر کفار قریش کی طرف ہے چونکہ یہ کام سارے قریش نے نہیں کیا تھا بلکہ ان کے بعض نے اس لئے **من** تبعیضیہ ارشاد ہوا **من** سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **یستمع** بنا ہے۔ **استماع** سے بمعنی کان لگانا اور بغور سننا چونکہ اس میں **اصغاء** کے معنی ملحوظ ہیں بمعنی توجہ کرنا اس لئے اس کے بعد الیٰ آیا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الیٰ کے بعد قراۃ یا تلاوت پوشیدہ ہے مگر حق یہ ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں جو کسی کی بات یا تلاوت بغور سننا چاہتا ہے وہ خود اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی طرف کان لگاتا ہے اس لئے **الیک** فرمانا بالکل درست (از روح المعانی) یعنی بعض کفار وہ بھی ہیں جو آپ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ کان لگاتے ہیں آپ کی تلاوت بغور سنتے ہیں چونکہ من لفظاً "واحد ہے اس لئے **یستمع** واحد ارشاد ہوا اگرچہ یہ کان لگانے والے بہت آدمی تھے **وجعلنا علی قلوبھم اکنتہ** اس عبارت میں ان کان لگانے والوں کے دل کی حالت کا بیان ہے اس میں جعل بمعنی خلق ہے **قلوبھم** میں **ھم** کا مرجع وہی کان لگانے والے کفار ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا تھا۔ **من یستمع الیک** چونکہ من معنی جمع تھا اس لئے یہاں **ھم** ضمیر جمع ارشاد ہوئی **اکنتہ** جمع ہے کنان کی جیسے غطاء کی جمع ہے اغطیہ یا خباء کی جمع اخبیہ۔ کنان کا مادہ ہے کن بمعنی آڑ پردہ اسی لئے بارش سے بچانے والے خس پوش چھپر کو کن کہتے ہیں چونکہ ان کفار کے دلوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بہت سے پردے تھے کفر کا پردہ حسد کا پردہ کینہ کا پردہ اس لئے **اکنتہ** جمع ارشاد ہوا۔ **ان یفقھوہ** یہ جعلنا کا مفعول لہ' ہے اس سے پہلے **کراھتہ** پوشیدہ ہے **یفقھو** بنا ہے فقہ سے فقہ حاضر چیز کا جاننا غائب کے علم کے لئے لہذا فقہ خاص [illegible] ہے [illegible] فرماتا ہے **لیتفقھوا فی الدین۔** اصطلاح میں شریعت کے احکام

کا علم فقہ کہلاتا ہے یہاں فقہ سے مراد دین کی سمجھ قرآن کریم کی فہم ہے یعنی ہم نے ان سننے والوں کے دلوں پر کفر۔ نبی سے حسد و بغض کے پردے پیدا کر دیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کریم نہ سمجھیں **وفی اذا انھم وقرا** یہ عبارت معطوف ہے **علی قلوبھم اکنتہ** پر چنانچہ **فی اذا نھم** تو معطوف ہے **علی قلوبھم** پر اور **وقرا** معطوف ہے **اکنتہ** پر **وقر** کے معنی ہیں بوجھ 'سکون' قرار اسی سے ہے وقار بمعنی تحمل و برداشت یہاں کان کا بوجھ مراد ہے جسے ثقل سماعت کہتے ہیں یعنی ہم نے ان کے کان میں بوجھ ڈال دیا جس سے الفاظ قرآن ان کے دماغ تک نہیں پہنچتے **وان یروا کل ایتہ لا یومنوا بھا** اس جملہ شریف میں دل کے پردوں کان کے بوجھ کے انجام کا ذکر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ روایت سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے نہ کہ دل کا دیکھنا اسی لئے اس کا ایک مفعول آیا۔ آیت میں چار احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد گزشتہ آسمانی کتابوں کی ساری وہ آیات مراد ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد قرآن کریم کی ساری آیات مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات مراد ہیں قرآنی آیات یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بعض ہجرت سے پہلے آئے بعض ہجرت کے بعد مدینہ منورہ وغیرہ میں۔ چوتھے یہ کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ کے تمام صفات و احوال ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مثل سمندر کے ہیں جس کا ظاہری پانی ہر ایک کو نظر آتا ہے مگر اندرونی کیفیات خاص خاص شناوروں کو ہی دکھائی دیتی ہیں اندرونی موتی 'عنبر ہر ایک کو نظر نہیں آتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت عام لوگوں نے دیکھی نبوت خاص خاص نے اور محبوبیت کے نظارے حضرت صدیق جیسے آنکھ والوں نے کئے **بھا** میں ب یا صلہ کی ہے یا سببیہ لہٰذا اس کے چار معنی ہیں یعنی اگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات یا قرآن کریم کی ساری آیات دیکھ لیں یا ساری کتاب آسمانی کی ساری آیات دیکھ لیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری صفات دیکھ لیں تب بھی ان آیات کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یا خود ان آیات پر ایمان نہ لائیں گے۔ **حتی اذا جاء وک یجادلونک**۔ خیال رہے کہ یہ حتی ابتدائیہ ہے جو نئے جملہ پر داخل ہوتا ہے۔ حتی انتہاء مفرد پر آتا ہے (روح المعانی) **اذا** شرطیہ ہے۔ **جاء وک** شرط ہے اور **یجادلونک جاء وک** کے فاعل سے حال **یجادلون** بنا ہے جدال سے بمعنی بہت سخت جھگڑا **یجادلون** فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان کا آپ کی بارگاہ میں آنا ایمان لانے برکت لینے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ ہٹ دھرمی سے جھگڑنے کے لئے ہوتا ہے **یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین** یہ عبارت **اذا جاء وک** کی جزا ہے چونکہ ان کی اس بکواس کی وجہ ان کا کفر و عناد ہے اس لئے **یقول** کا فاعل ضمیر نہ لائی گئی بلکہ **الذین کفروا** فرمایا **اساطیر** جمع ہے اسطورہ کی جیسے **اعاجیب** جمع ہے **اعجوبہ** کی اغالیق جمع ہے اغلوقہ کی اضاحیک جمع اضحوکہ کی اسطورہ کی اصل سطر ہے بمعنی لکھنا۔ رب فرماتا ہے **والقلم وما یسطرون**۔ فرماتا ہے **وکتاب مسطور**۔ فرماتا ہے **کان ذالک فی الکتاب مسطورا** اصطلاح میں اسطورہ وہ جھوٹ ہے جو گھڑ کر لکھ لیا جاوے **اولین** سے مراد گذشتہ انبیاء کرام یا اولیاء اللہ نہیں ہیں بلکہ اگلی قومیں ہیں جن کی جھوٹی داستانیں قصے کہانی کے طور پر عام لوگوں کی زبان زد تھیں جیسے آج قصے ناول وغیرہ ہیں یعنی یہ لوگ جب آپ کے پاس زیارت کے لئے نہیں ایمان لانے کے لئے بلکہ جھگڑنے کے لئے آتے ہیں تو کفار قرآن کریم کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ اگلوں کے جھوٹے گھڑے ہوئے قصے کہانیاں ہیں اور قرآن مجید نعوذ باللہ ایک ناول ہے **وھم ینھون عنہ وینئون عنہ** اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں اگر

یہ آیت انہیں ابو جہل وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کا ذکر کیا گیا تو دونوں جگہ عنہ کی ضمیر قرآن کریم کی ہے اور اگر ابو طالب کے متعلق ہے تو دونوں عنہ کی ضمیریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہیں **ینھون** بنا ہے نھی سے بمعنی دوسروں کو منع کرنا روکنا اور **ینئون** بنا ہے نئی سے بمعنی دور رہنا الگ رہنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **اعرض ونا بجانبہ** غرضیکہ دوسروں کو روکنا نہی ہے۔ خود رکنا دور رہنا نئی ہے یعنی یہ ابو جہل وغیرہ دوسروں کو بھی قرآن اسلام سے روکتے اور دور رکھتے ہیں اور خود ہی رکتے اور دور رہتے ہیں کہ اسلام و قرآن قبول نہیں کرتے یا یہ ابو طالب وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کو روکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا سے انہیں منع کرتے ہیں اس کے باوجود خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ رہتے ہیں اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں نہیں آتے ابن ابی حاتم نے حضرت سعید ابن ہلال سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دس یا گیارہ چچا تھے جن میں سے اکثر کا حال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار کے مقابلہ میں بڑی حمایت کرتے ہیں ان کے شر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے تھے مگر خود اسلام قبول نہ کرتے تھے (روح المعانی) حضرت حمزہ، عباس کے سوا باقی چچا ایمان نہ لائے۔ جن میں ابولہب خبیث ترین کافر تھا اور ابو طالب آپ کے بڑے ہی خدمت گزار تھے **وان یھلکون الا انفسھم وما یشعرون۔** اس عبارت شریف میں کفار کے اس عمل کے نتیجہ کا ذکر ہے واؤ ابتدائیہ ہے ان نافیہ ہے **یھلکون** بنا ہے ہلاکت سے بمعنی بربادی خواہ دنیا کی بربادی ہو یا آخرت کی یا دونوں کی انفس جمع ہے نفس کی بمعنی جان **یشعرون** بنا ہے شعور سے بمعنی حواس ظاہری یا باطنی سے جاننا علم عام ہے۔ شعور خاص یہ لوگ اپنے ان اعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن یا اسلام کو نقصان پہنچا سکتے خود اپنے ہی کو اپنی ذات کو ہی دنیا و آخرت میں ہلاک کر رہے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چند نعمتیں اپنے ساتھ ہی لے گئے باقی نعمتیں دنیا کو دے گئے اپنا دیدار، اپنی گفتار، اپنی صحبت پاک اپنے ساتھ لے گئے لوگ ان نعمتوں سے صحابی بن جاتے تھے اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ یہ محرومی ازلی ان تینوں نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ **یستمعون** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار کا ذکر ہے **وان یروا** میں دیدار شریف کا ذکر ہے اور **واذا جاءوک** میں صحبت پاک کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بعض کفار آپ کی تلاوت قرآن کے وقت آپ کی طرف کان لگاتے آپ کی تلاوت بغور سنتے ہیں مگر چونکہ ان کا یہ سننا بدنیتی سے ہوتا ہے آپ کی ذات اور قرآن کریم میں عیب نکالنے کی نیت سے اس وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر تو کفر، حسد، عناد، بدبختی کے پردے ڈال دیئے۔ لہٰذا وہ سمجھتے نہیں اور ہم نے ان کا کانوں میں ثیقت (بوجھ) کر دیا لہٰذا ان کے کانوں میں قبول کے سننے کی طاقت نہ رہی اب ان کا حال یہ ہو چکا ہے کہ اگر آپ کے سارے معجزات اور قرآنی آیات کا نزول اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے ان کا حال یہ ہے کہ جب یہ آپ کی خدمت میں آپ سے لڑنے جھگڑنے کے لئے آتے ہیں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ قرآن تو دوسرے قصے کہانیوں والی کتابوں کی طرح ہے۔ جس میں گذشتہ قوموں کے قصے کہانیاں دلچسپ طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ ناول سے بڑھ کر نہیں ان کی حالت یہ ہے کہ یہ دوسروں کو بھی اسلام و قرآن سے روکتے ہیں خود بھی رکتے ہیں یا بعض وہ ہیں جو دوسروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے روکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ان کی حفاظت کرتے ہیں مگر خود ایمان نہیں لاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہتے ہیں یہ لوگ اپنے ان اعمال سے اسلام

قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑتے ان کا چاند تو چمکے گا اور تا قیامت چمکتا رہے گا۔ خود اپنے کو دین دنیا میں ہلاک کر لیتے ہیں مگر انہیں اس کا ابھی شعور نہیں اس وقت شعور ہو گا جب شعور ہونا فائدہ نہ دیگا اگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتیں کرتے تو حضرات صحابہ کرام کی طرح یہ بھی دنیا میں چمک جاتے اور آخرت میں سرخرو ہو جاتے۔ اب دونوں جہان میں روسیاہ ہو گئے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن کریم کی سچی سمجھ اس کو نصیب ہو گی۔ جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت ہو اس جناب کی محبت کے بغیر قرآن کریم سننا پڑھنا سب بیکار ہے یہ فائدہ **وجعلنا علی قلوبھم** الخ سے حاصل ہوا جیسے ناپاک ہاتھ قرآن مجید چھو نہیں سکتے ایسے ہی ناپاک دل و دماغ مضامین قرآن نہیں چھو سکتے۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اور آپ سے رشتہ غلامی قائم کئے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کان لگا کر سننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا محض بیکار ہے بلکہ مضر ہے یہ فائدہ **من یستمع الیک** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کان لگانے والے اور غور سے سننے والوں کو منہم فرمایا یعنی وہ ہیں کفار ہی میں سے۔ ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا صحابی نہ بنا۔ حضرت صدیق صحابی بن گئے۔ جمال مصطفوی کے لئے آنکھ صدیقی چاہئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وتریٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون** یہ آپ کو دیکھتے تو ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** ظاہر بین نگاہ اور ہے حقیقت بین نگاہ کچھ اور حقیقت بین نگاہ مفید ہے۔ اس سے ایمان ملتا ہے ظاہر بین نگاہ سے ایمان نہیں ملتا یہ فائدہ **وان یروا کل ایت** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لڑنے جھگڑنے کے لئے آنا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔ ہاں ان کے پاس گناہوں کی معافی کے لئے حاضر ہونا ایمان کی ترقی کا باعث ہے یہ فائدہ **جاءوک یجادلونک** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں **جاءوک** کے بعد فرمایا **الذین کفروا**۔ دوسری جگہ **جاءوک** کے بعد مغفرت کا وعدہ ہے **ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک** الخ جو دکان پر نقد لے کر جاوے وہ سودا خریدے گا۔ جو خالی ہاتھ جاوے وہ خالی لوٹے گا جو چوری کرنے جاوے وہ گرفتار ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ دنیاوی اخروی سودوں سے بھری ہوئی رب کی دوکان ہے۔ جو اخلاص محبت کی نقدی لے کر جاوے گا سب کچھ پائے گا۔ جو ان سے خالی ہو گا محروم لوٹے گا جو ان سے لڑنے جھگڑنے کے لئے جاوے مار کھائے گا۔ جیل جاوے گا۔ پھر نقدی والا اگر بھاری رقم لائے گا تو بھاری سودے خریدے گا معمولی رقم لائے گا ہلکا سودا لے گا۔ **پانچواں فائدہ:** عناد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنا بے دینی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیک مانگنے کے لئے جھگڑنا یعنی ناز غلامانہ کے طور پر ان سے جھگڑ جھگڑ کر لینا عین ایمان ہے دیکھو یہاں جھگڑنے والوں کو کافر کہا گیا **یجادلونک یقول الذین کفروا** اور دوسرے مقام پر اوس ابن صامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو (رضی اللہ عنہا) جھگڑنے پر مومن متقی مانا گیا ارشاد ہوا **قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا** لفظ جدال ایک ہے مگر نوعیتوں میں فرق ہے۔ قیامت کے دن مومنوں کے کچے بچے رب تعالیٰ سے جھگڑ کر اپنے ماں باپ کو بخشوائیں گے اور رب تعالیٰ فرمائے گا **ایھا السقط المراغم ربہ** اے اپنے رب سے جھگڑنے والے بچے لے جا اپنے ماں باپ کو جنت میں یہ جھگڑا کچھ اور ہی قسم کا ہے انشاء اللہ ہم گنہگار قیامت میں اپنے نبی سے جھگڑ کر شفاعت کی بھیک مانگیں گے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

جبکہ دیکھیں گے بخشش میں کچھ دیر ہے ان کا دامن پکڑ کر مچل جائیں گے

ایک پنجابی شاعر نے کیسی ایمان افروز بات کہی۔

وقت اخیری جہاں آجا توں نیڑے نیڑے! دکھڑے میں کہنوں وساں جھگڑے نے تیرے میرے!

چھٹا فائدہ: خود ایمان سے رکنا بھی کفر ہے۔ دوسرے کو ایمان سے روکنا بھی کفر ہے روکنے والا ڈبل کافر ہے یہ فائدہ ینھون اور ینئون کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا اگر یہ آیت ابوجہل وغیرہ کے متعلق ہو۔ یوں ہی ایمان لانا بھی ثواب ہے اور دوسرے کو مومن بنانا بھی ثواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کی تبلیغ پر ایمان لائے۔ ساتواں فائدہ: شرعی ایمان قبول کئے بغیر نیکیاں قبول نہیں ایمان جڑ ہے اور نیکیاں پھل یہ فائدہ اسی ینھون اور ینئون کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اگر یہ آیت ابو طالب کے متعلق ہو دیکھو ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شاندار خدمات انجام دیں کہ سبحان اللہ مگر ظاہر طور پر ایمان قبول نہ کیا تو فائدہ نہ اٹھایا نہ ابو طالب صحابی بنے۔

نوٹ ضروری: ابو طالب کے ایمان میں بہت اختلاف ہے یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو ان کے ایمان کے قائل نہیں ان کے ایمان کی مفصل بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر ہوگی۔ (تفسیر روح المعانی) مگر خیال رہے کہ ان کا ذکر احترام سے کیا جاوے کہ ان کی بے ادبی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا اندیشہ ہے کہ ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی مثل ہیں چچا بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پرورش کرنے والے بھی اور آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا یعنی حضرت علی شیر خدا کی والدہ ماجدہ حضور کی والدہ کی مثل ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی آغوش میں پرورش پائی ابو طالب کا معاملہ رب کے سپرد کرو۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اپنا ہی بگاڑتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نقصان نہیں کرتے نہ کسی کے ایمان و تقوے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نفع ہے نہ کسی کے کفر و فسق سے ان سرکار کا کچھ بگڑتا ہے یہ فائدہ وان یھلکون الا انفسھم سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: [illegible] کا بڑا عذاب یہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوبوں سے دور رہ جاوے اور سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ اس کے مقبول [illegible] نصیب ہو جاوے یہ فائدہ ینئون عنہ سے حاصل ہوا جو یہ جاننا چاہے کہ میں رب تعالیٰ سے قریب ہوں یا دور [illegible] غور کرے کہ میں اللہ کے مقبولوں سے قریب ہوں یا دور یہ قرب اور دوری دل کی معتبر ہے اگر دلی قرب کے ساتھ جسمی قرب بھی نصیب ہو جاوے تو زہے نصیب۔

پہلا اعتراض: جب اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کان بہرے کر دیئے تو پھر کفر و عناد میں ان کا کیا قصور ہے انہیں عذاب کیوں ہوگا۔ جواب: اس قسم کے اعتراضات کے جواب بارہا دیئے جا چکے ہیں کہ ان افعال کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی ہے ان کا سبب بندہ ہے اسے اپنے کسب کی سزا ملے گی جیسے قاتل کسی کے گلے پر چھری پھیرے۔ جس سے وہ مر جاوے تو اس کی موت دینے والا رب تعالیٰ ہے مگر اسباب موت کے کسب کا مجرم قاتل ہے اسے اسی کسب پر دنیاوی آخرت میں سزا ملتی ہے ان کفار نے دلوں پر پردے پڑ جانے کانوں بہرے ہو جانے کے اسباب جمع کئے رب تعالیٰ نے ان اسباب کی

وجہ سے پردے ڈال دیئے۔ **دوسرا اعتراض:** کفار عرب صاحب زبان تھے قرآن کریم ان کی زبان عربی میں آیا پھر وہ اسے ضرور سمجھتے تھے رب تعالیٰ نے ان کے سمجھنے کی نفی کیوں فرمادی کہ فرمایا **ان یفقھوہ** -**جواب:** یہاں رب العالمین نے ان کے فہم قرآن کی نفی نہیں فرمائی بلکہ فقہ قرآن کی نفی کی فقط معانی سمجھ جانا فہم ہے اور حقیقت سمجھ جانا جس سے دین مل جاوے یہ فقہ ہے اللہ تعالیٰ فقہ قرآن نصیب فرماوے آمین۔ **تیسرا اعتراض:** اگر یہ آیت کریمہ **وھم ینھون عنہ** الخ ابو طالب کے متعلق ہے اور **ینھون** کے معنی ہیں کفار کو حضور سے دور رکھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی شر سے بچانا تو یہ ابو طالب کا کمال ہے اور بہت بڑی نیکی پھر رب تعالیٰ نے اسے عیوب میں کیوں گنایا۔ **جواب:** صرف **ینھون** برا نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کر کے کفار کے شر سے بچا کر خود ایمان قبول نہ کرنے پر عتاب ہے جیسے کوئی کسی بے عمل عالم سے کہے کہ تو عالم ہو کر عمل نہیں کرتا تو اس کے علم پر اعتراض نہیں بلکہ علم کے بعد عمل نہ کرنے پر اعتراض ہے۔ (روح المعانی) **چوتھا اعتراض:** اگر یہ آیت **وھم ینھون** الخ ابو جہل وغیرہ کے متعلق ہے اور **ینھون** کے معنی ہیں لوگوں کو اسلام سے روکنا نہی یعنی روکنے کا ذکر پہلے اور رفتی یعنی خود رکنے کا ذکر بعد میں کیوں ہے انسان پہلے کسی چیز سے خود رکتا ہے پھر دوسرے کو روکتا ہے یہاں ترتیب ذکری الٹی کیوں ہے۔ **جواب:** کبھی خود رکنا دوسروں کو روکنے کی تاکید و تائید کے لئے ہوتا ہے ایسی صورت میں رکنا روکنے کا تتمہ ہوتا ہے کہ انسان قولاً و عملاً دوسروں کو روکتا ہے یہاں بھی ایسا ہی تھا کہ وہ سرداران کفر دوسروں کو اسلام سے زبانی طور پر بھی روکتے تھے اور خود کا فررہ کر دکھاتے تھے کہ دیکھو ہم بھی اسلام قبول نہیں کرتے اس لئے یہ ترتیب نہایت ہی سوزوں ہے (روح البیان) یعنی ان کا اسلام سے رکنا بھی دوسروں کو روکنے کے لئے تھا۔

تفسیر صوفیانہ: کان دماغ کا بھی دروازہ ہیں اور دل کا بھی دروازہ۔ دروازہ کے ذریعہ گھر میں پہنچنا جب ہی ہوتا ہے کہ دروازہ بھی کھلا ہو اور درمیان آڑ بھی نہ ہو اگر آگے روک ہے تو دروازہ کھلنا بیکار ہے کفار کے دلوں پر کفر، عناد، حسد کے پردے تھے ان کے دماغوں پر ضد کی آڑ تھی اسی وجہ سے وہ لوگ قرآن مجید کی آواز صرف کانوں سے سن لیتے تھے مگر قرآن ان کے دماغ یا دل تک نہیں پہنچتا تھا۔ اس لئے ان کا سننا بیکار تھا بلکہ اور نقصان دہ تھا اسی وجہ سے ان کے دلوں تک قرآن کے انوار نہیں پہنچتے تھے اس کی لذت سے نا آشنا اس کی حقیقت سے بے خبر ہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

عجب نبود کہ از قرآن نصیبت نیست جز حرفے کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نابینا

یعنی اندھا سورج کی صرف گرمی پاتا ہے روشنی نہیں پاتا یوں ہی بے دین قرآن سے صرف حرف سنتا ہے اور کچھ حاصل نہیں کرتا اسی محرومی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قرآن کریم کو سحر شعر اور نہ معلوم کیا کیا کہتے تھے۔ چونکہ وہ اس کی لذت سے بے خبر تھے اس لئے خود بھی قرآن سے بھاگتے تھے۔ دوسروں کو بھی بھگاتے تھے۔ جیسے صفراوی بخار والا حلوہ کو کڑوا محسوس کر کے اسے تھوکتا ہے۔ دوسروں کو بھی کہتا ہے کہ اسے مت کھاؤ بڑا کڑوا ہے اس میں ان کا اپنا قصور تھا قرآن مجید رب تعالیٰ کی طرف سے روحانی بجلی کا تار ہے جس میں ایمانی، عرفانی بجلی کا پاور بھرا ہوا ہے اس پاور سے نور وہ ہی حاصل کر سکے گا جس کے پاس عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلب یا ٹیوب ہو انسان کے دل اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے خالی ہیں تو وہ فیوز شدہ بلب ہیں ان میں روشنی کیسے آئے ان کفار کے دل ایسے ہی بیکار بلب تھے۔ اندھیرے میں رہے رب تعالیٰ کسی کے دل کے بلب کا فیوز نہ اڑادے خدا کرے فیوز درست رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو کاٹنے کے لئے الگ اوزار ہوتے ہیں اینٹ توڑتے ہیں بسولی سے لکڑی

کاٹتے ہیں آری سے لوہا کاٹتے ہیں چھینی سے کپڑا کاٹتے ہیں قینچی سے۔ بعض چیزیں کٹتی ہیں چاقو سے اسی طرح دل پر جو حسد بغض کینہ کے پردے ہیں یہ کٹتے ہیں عشق رسول کی قینچی سے اس قینچی کی دھار لگتی ہے آستانہ اولیاء سے ان کفار کے پاس یہ قینچی نہ تھی اس لئے ان کے یہ پردے کٹے نہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ

اور اگر دیکھو تم جب ٹھیرائے جائیں گے وہ آگ پر تو کہیں گے ہائے کاش ہم لوٹا دیئے جاتے اور نہ جھٹلاتے

اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے کاش کسی طرح ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے

رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ(۲۷) بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ

ہم آیتیں اپنے رب کی اور ہوتے ہم مسلمان بلکہ ظاہر ہو جاوے گا ان کے واسطے وہ جو تھے چھپاتے

رب کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور ہوتے ہم مومنوں سے بلکہ ان پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے

وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ(۲۸)

وہ پہلے سے اور اگر لوٹا دیئے جاتے وہ تو لوٹتے وہ طرف اسکے کہ منع کئے گئے تھے جس سے اور بیشک البتہ وہ جھوٹے ہیں

اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کے دلوں پر پردے اور کانوں میں بوجھ کا ذکر ہوا جن کی وجہ سے وہ ایمان لاتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت میں یہ پردے بھی اٹھ جائیں گے اور کانوں کا بوجھ بھی جاتا رہے گا مگر اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا گویا پچھلی آیات میں پردوں کا ذکر تھا ان آیات میں یہ پردے اٹھنے کے وقت کا تذکرہ ہے مبارک ہے وہ جس کے پردے دنیا میں ہی اٹھ جاویں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ یہ کفار دنیا میں کسی آیت یا معجزہ پر ایمان نہ لائیں گے اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں دوزخ کا عذاب دیکھ کر ایمان لائیں گے جو قبول نہ ہوگا یعنی آج انہیں ہم منا رہے ہیں وہ نہیں مانتے کل قیامت میں یہ ہم کو منائیں گے ہم نہ مانیں گے۔

آج لے ان کی پناہ آج حیا کر ان سے کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار خود بھی ایمان سے دور رہنے والے اوروں کو روکنے والے ہیں اپنے کو ہلاک کر رہے ہیں اب اس ہلاکت کی تفصیل بیان ہو رہی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل بلکہ تفسیر ہے۔

تفسیر: ولو تری اذ وقفوا علی النار۔ یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے لو شرطیہ ہے بمعنی ان تمنا یا آرزو کا نہیں تری الخ اس کی شرط ہے اور جزا آگے آ رہی ہے تری بنا ہے۔ رویت سے یہاں رویت سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے لہٰذا یہ ایک ہی مفعول چاہتا ہے اس کا مفعول یا تو پوشیدہ ہے یعنی ھم یا حالھم اذ وقفوا ظرف ہے اور ہو سکتا ہے کہ خود اذ وقفوا ہی مفعول ہو وقفوا یا تو بنا ہے وقف بمعنی ٹھیرانے سے یا توقف بمعنی اطلاع دینے سے بعض مفسرین نے فرمایا کہ علی

النار ہیں علی بمعنی فی ہے جیسے علی ملک سلیمان میں علی بمعنی فی ہے (خازن) بعض نے فرمایا کہ علی اپنے ہی معنی میں ہے لہٰذا اس جملہ کی کئی تفسیریں ہیں حق یہ ہے کہ تری میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان کفار کا وہ حال دیکھیں جب انہیں دوزخ کی آگ میں کھڑا کیا جاوے گا وہاں داخل کر کے، یا جب انہیں دوزخ میں داخلہ سے پہلے پلصراط یا کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جاوے گا اور انہیں اپنے داخلہ کا یقین نہ ہو جاوے گا یا جب انہیں دوزخ کی آگ پر مطلع کر دیا جاوے گا کہ وہ اس میں جھانک کر دیکھ لیں گے اس وقت آگ کا انکار نہ کر سکیں گے یہ انکار اور رمانا اس وقت تک ہے جب تک کہ آگ دیکھی نہیں ہے فقالوا یلیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا یہ عبارت جواب ہے اذ وقفوا کا چونکہ اذ ظرفیہ میں شرط کے معنی بھی تھے اس لئے فقالوا پر ف جزائیہ آئی اگرچہ کفار کا آگ پر روکا جانا اور ان کا یہ سب کہنا تمنا کرنا بعد قیامت ہوگا مگر چونکہ یقیناً ہوگا اس لئے اسے ماضی سے ارشاد فرمایا یقینی ہونے والی چیز کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں قالوا سے زبانی قول مراد ہے یعنی وہ کفار آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے لیت پر جو یا آتا ہے وہ یا تو نداء اور پکارنے کے لئے ہوتا ہے اور اس کا منادی قوم پوشیدہ ہوتا ہے اور یا تنبیہہ کا ہوتا ہے یعنی اے قوم کاش ایسا ہوتا چاہیے۔ یا لیتنی کنت ترابا رد سے مراد ہے پھر دنیا کی طرف واپس کیا جانا اور اچھے عقائد اچھے اعمال کا موقعہ مل جانا کیونکہ عمل کی جگہ دنیا ہے آخرت نہیں ولا نکذب یا تو معطوف ہے نرد پر تب واؤ عاطفہ ہے اور یہ بھی تمنا ہی کا جز ہے مگر چونکہ اس تمنا میں وعدہ بھی شامل ہے لہٰذا انہیں جھوٹا قرار دیا گیا یا یہ علیحدہ عبارت ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے لہٰذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ایات رب سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات مراد ہیں کہ یہ سب آیات رب ہیں یعنی کاش ہم دنیا میں لوٹا دیئے جاتے اور وہاں جا کر اب آیات الہیہ نہ جھٹلائیں گے۔ دونوں احتمال درست ہیں (تفسیر کبیر) ونکون من المومنین ۔ اس پوری عبارت میں تین فعل ہیں نرد۔ لا نکذب۔ نکون تمام قاری اس پر متفق ہیں کہ نرد مرفوع ہے مگر لا نکذب اور نکون کی چند قرائیں ہیں دونوں کو پیش دونوں کو فتحہ لا نکذب کو پیش اور نکون کو فتحہ ہماری قرات میں دونوں فعلوں کو فتح ہے ان کو فتحہ ہونے میں بہت ہی گفتگو ہے ہم اس کی صرف دو وجہیں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ ولا نکذب اور نکون کے واؤ عوف کی جگہ آگئے ہیں یہ دونوں جملے تمنا کا جواب ہیں اور تمنا کے جواب میں ف کے بعد فعل کو فتحہ ہوتا ہے جیسے لو ان لی کرۃ فاکون من المحسنین۔ کیونکہ اس ف کے بعد ان پوشیدہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ یہ دونوں جملے بمعنی حال ہیں اور دونوں واؤ حالیہ ہیں جیسے لا تاکل السمک وتشرب اللبن میں تشرب کو فتحہ ہے تفسیر کبیر نے یہی دو وجہیں بیان کیں روح المعانی نے بہت وجوہ بیان فرمائیں لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ ہائے کاش ہم لوٹا دیئے جاتے تا کہ ہم آیات الہیہ نہ جھٹلاتے اور ہم مومنوں میں سے ہو جاتے یا ہم اس طرح لوٹائے جاتے کہ اپنے رب کی آیتیں نہ جھٹلاتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے لہٰذا یہ تینوں فعل تمنا میں داخل ہیں۔ جنہوں نے انہیں علیحدہ جملے مانا ہے وہ تینوں فعلوں کو پیش پڑھتے ہیں بل بدا لہم ما کانوا یخفون من قبل۔ یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے ان کفار کے کلام کی تردید کے لئے اسی واسطے اسے بل سے شروع فرمایا گیا بل ایک چیز کی نفی دوسری چیز کے ثبوت کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کفار کا ایسی کی تمنا کرنا ایمان و تقویٰ قبول کے لئے نہیں ہے بلکہ اس دیکھے ہوئے عذاب سے بچنے کے لئے ہے ایمان وہ قبول ہے جو رضاء الٰہی کے لئے وہ قبول نہیں جو صرف دوزخ سے بچنے کے لئے ہو (تفسیر کبیر و روح المعانی) یا یہ مطلب ہے کہ اب یہ

لوگ مومن نہیں ہو سکتے کیونکہ ایمان تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات صفات قیامت جنت دوزخ کو نبی کی معرفت سے مانا جاوے اپنی عقل اپنی آنکھوں کے ذریعہ ماننا ایمان نہیں یعنی ایمان بالغیب چاہئے ایمان بالشہادۃ معتبر نہیں اب یہ چیزیں ان لوگوں کو ظاہر ہو گئیں جنہیں انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اب یہ مومن کیسے بن سکتے ہیں ایمان کا مدار ہے نبوت پر اور نبوت کو ماننا اس کا نام ہے کہ نبی پر اعتماد ہو نہ کہ اپنی آنکھوں اپنی عقل پر لہٰذا ان کفار کا یہ کہنا کہ اگر ہم کو دنیا میں واپس کر دیا گیا تو ہم مومن ہو جائیں گے غلط ہے یہ توجیہ **بدا لهم** کے بالکل مناسب ہے **بدا** بنا ہے **بدو** سے بمعنی ظاہر ہونا **بدا يبدو** باب **ما** سے مراد کفر ہے قبل سے مراد اس سے پہلے قیامت میں اپنا کفر چھپانا ہے یعنی اولاً تو یہ کہتے تھے **والله ربنا ما كنا مشركين** اللہ کی قسم ہم مشرک و کافر نہ تھے پھر ان کے اعضاء کی گواہی سے ان کا کفر ظاہر ہو گیا تو یہ کہہ رہے ہیں (جلالین صاوی کبیر خازن وغیرہ) بعض نے فرمایا کہ قبل سے مراد دنیا ہے اور چھپانے سے مراد انکار کرنا ہے اور **ما** سے مراد عذاب ہے یعنی وہ عذاب ظاہر ہو گیا جن کا وہ دنیا میں جائیں گے نہ اب انہیں وہ تبلیغ کریں گے نہ یہ اس تبلیغ سے ایمان لائیں گے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن منافقین کی طرف ہے لہٰذا **ما** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمہ ہیں جنہیں وہ دنیا میں لوگوں سے چھپاتے ہیں وہاں آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ **ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه**۔ یہ نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے **لو** تمنا کا نہیں بلکہ شرط بمعنی نفی کا ہے رد اور عود دونوں میں سے لوٹنا مگر یہاں رد سے مراد ہے پہلی حالت کی طرف واپسی لہٰذا دونوں میں فرق ہے **ما** سے مراد وہی بد عقیدگیاں بد عملیاں ہیں جن میں وہ پہلے گرفتار تھے یعنی اگر بفرض محال یہ لوگ پھر دنیا میں واپس کر دیئے جائیں جاویں تو پھر انہیں عقیدوں اور بد عملیوں کی طرف لوٹ جاویں گے جن میں پہلے مبتلا تھے یہ عذاب دیکھنا دوزخ پر کھڑا ہونا ان کے لئے بالکل مفید نہ ہو گا کیونکہ یہ شیطان کی طرح عادی مجرم ہیں وہ بھی سب کچھ دیکھ کر کافر رہے (روح المعانی) نیز یہ دنیا میں جا کر یہ چیزیں جو یہاں دیکھ چکے ہیں بھول جائیں گے۔ جیسے میثاق کے دن کے عہد و پیمان بھول گئے تھے اس وقت تو حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں نے انہیں وہ دعوے یاد دلائے تھے مگر اب دنیا میں نہ تو انبیاء کرام جائیں گے نہ اولیاء اللہ نہ صالحین مومنین پھر انہیں یہ چیزیں یاد کون دلائے گا لہٰذا پھر وہی کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں **وانهم لكاذبون**۔ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے عاطفہ نہیں اس فرمان میں **لعادوا** کی دلیل ہے اور وجہ بیان فرمائی گئی اگر **لا نكذب** اور **نكون** خبر تھے تب تو ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہے اور اگر وہ بھی تمنا تھے تو چونکہ اس تمنا میں وعدہ تھا اس لئے انہیں جھوٹا کہا گیا بہر حال تمنا کو نہیں جھٹلایا کہ تمنا انشاء ہے۔ انشا جھوٹی سچی نہیں ہوتی بلکہ اس انشا میں جو خبر ہے اسے جھٹلایا گیا ہے جیسے کوئی کہے کاش کہ میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں تیری مدد کرتا تم کہو تو جھوٹا ہے تو میری مدد ہرگز نہ کرتا چونکہ اس تمنا میں مدد کا وعدہ پایا جاتا ہے اس لئے اسے جھوٹا کہا گیا (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار جو اب کہہ رہے ہیں کہ ہم دنیا میں دوبارہ جا کر مومن صالح بن جاویں گے بالکل جھوٹ بول رہے ہیں ان کے دل میں یہ ہے کہ کسی صورت میں یہاں سے بچ نکلو دنیا میں اپنے گھروں میں پہنچ جاؤ پھر کون ایمان لاتا ہے اور کون نیک عمل کرتا ہے لہٰذا یہ اس قول میں جھوٹے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی آنکھوں سے اس وقت کا ظاہری نظارہ کرتے تو عجیب نظر دیکھتے جبکہ یہ کفار اور ضدی منافقین کنارہ دوزخ پر یا دوزخ کے اندر آگ میں ٹھہرائے جائیں گے تو گھبرا کر کہیں گے کہ کاش ہم پھر دنیا میں

واپس لوٹا دیئے جائیں ہم اب وعدہ کرتے ہیں کہ اب کی بار جا کر اپنے رب کی آیات یعنی قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات نہیں جھٹلائیں گے اور ہم نرے کھرے مومن ہو جائیں گے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ جھوٹے ہیں یہ دنیا میں واپسی کی تمنا ایمان لانے کے لئے نہیں کر رہے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا دنیا میں انکار کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئیں اس لئے یہاں سے بھاگنے کے عذاب سے بچ جانے کی آرزو کر رہے ہیں یہ ایسے ضدی بے ایمان ہیں کہ اگر بفرض محال انہیں دنیا میں واپس کر بھی دیا جاوے تب بھی یہ انہیں عقائد اور بد کاریوں کی طرف لوٹ جائیں گے جن سے انہیں منع کیا گیا ہے یہ کافر و بت پرست ہی رہیں گے یہ حرام خوری میں ہی زندگی گذاریں گے یہ عادی مجرم ہیں جب چھوٹیں گے جرم ہی کریں گے یہ ان وعدوں میں جھوٹے ہیں ایسے عادی مجرموں کی سزا دائمی دوزخ ہی ہے۔

نوٹ: اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں ہم نے ان میں سے ایک تفسیر عرض کی باقی کچھ تفسیریں ابھی تفسیر میں عرض کر دیں۔ خیال رہے کہ کفار کو یوں تو ہر وقت ہی ندامت رہے گی مگر چار موقعوں پر خاص طور پر شرمندگی و ندامت ہوگی ایک تو مرتے وقت عذاب کے فرشتے دیکھ کر۔ دوسرے قبر میں امتحان میں فیل ہو کر تیسرے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے۔ تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی دیکھ کر۔ چوتھے اس موقعہ پر جو یہاں مذکور ہے مگر پہلے تین موقعوں پر ہر ایک کافر دل میں شرمندہ ہو گا کسی پر اپنی شرمندگی ظاہر نہ کرے گا۔ اس موقعہ پر اس شرمندگی کا اظہار کرے گا گویا پہلی ندامتیں شخصی نوعیت کی تھیں یہ ندامت جماعتی و قومی ہوگی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو ان ہی چار موقوں پر بڑی ہی خوشی ہوگی حتی کہ مومن کی موت عرس کہی جاتی ہے وہ ہر موقعہ پر اپنا خوشی ظاہر کرنے کی تمنا کرے گا نامہ اعمال ہاتھ میں لے کر لوگوں کو دکھاتا پھرے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کو دوزخ میں پھینکنے سے پہلے دوزخ کے کنارہ پر کچھ وقت کے لئے کھڑا کیا جاوے گا۔ یہاں ان سب کا اجتماع ہو گا اور آپس میں بھی ان کی بہت بات چیت ہوگی۔ رب تعالیٰ سے بھی بہت عرض معروض پھر اپنے اپنے دوزخی ٹھکانوں میں دھکیلے جائیں گے یہ فائدہ **اذ وقفوا علی النار** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دوزخ میں کفار کبھی کبھی جمع کیا جائیں گے اور اس اجتماع میں وہ اپنی گزشتہ سرکشیوں پر حسرت بھی کیا کریں گے اور دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو بھی کیا کریں گے پھر اپنی اپنی کال کوٹھڑیوں میں بند کر دیئے جایا کریں گے۔ یہ فائدہ **اذ وقفوا علی النار** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ علی معنی فی ہو غرضیکہ ان کا جمع ہونا اور الگ الگ ہونا مختلف وقتوں میں ہوا کرے گا۔ **تیسرا فائدہ:** عمل کی جگہ دنیا ہے آخرت جزا کی جگہ ہے نہ کہ عمل کی یہ فائدہ **یلیتنا نرد** سے حاصل ہوا کہ کفار دنیا میں لوٹ کر اعمال کرنے کی آرزو کریں گے یہ نہ کہیں گے کہ مولیٰ اب ہم ایمان لاتے ہیں اور یہاں ہی نمازیں وغیرہ ادا کیے لیتے ہیں انہیں بھی پتہ ہے کہ اس جگہ کے کسی عمل پر ثواب نہیں بلکہ دوزخ کے اعمال کی بھی جزا نہیں۔ لہٰذا وہ حدیث بھی صحیح ہے کہ بعض قبر والے قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں تلاوت قرآن کرتے ہیں اور وہ حدیث بھی درست ہے کہ بعض قبر والے قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں تلاوت قرآن کرتے ہیں اور وہ حدیث بھی درست ہے کہ مردے اپنے زندوں سے ثواب بخشنے کی آرزو کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی اس نماز و تلاوت کا ثواب کوئی نہیں ثواب دنیا کی نماز تلاوت وغیرہ پر

ہے دیکھو قبر میں سب مردے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں مگر صحابی کوئی نہیں بنتا کیونکہ صحابی نمازی غازی بننے کی جگہ دنیا ہے دنیا کی زندگی کو غنیمت جانو جو کرنا ہے کرلو۔

اس دنیا کا ایک ہی پھیرا مڑ نہیں آنا دوجی وار
جو کرنا ہے کر لے یار توبہ کرلے ایک ہی بار

چوتھا فائدہ: مرنے کے بعد اس دنیا میں آنے کی آرزو کوئی مسلمان نہیں کرے گا جسے خدا تعالیٰ بخش دے دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ بھی **نرد** سے حاصل ہوا ہاں حضرات شہداء تمنا کرتے ہیں کہ ہم پھر دنیا میں جاکر جہاد کریں مگر ان دونوں تمناؤں میں بڑا فرق ہے۔ پانچواں فائدہ: عادی مجرم کی سزا دنیا میں عمر قید ہے اور آخرت میں دائمی دوزخ یہاں دنیا کی عمر موت پر ختم ہو جاتی ہے مگر آخرت کی عمر کبھی ختم نہ ہوگی مجرم عادی وہ ہے جو جب چھوٹے تب جرم کرے یہ فائدہ **لعادوا لما نھوا** الخ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: عیش و غم' رنج و راحت بدنصیب کی آنکھیں نہیں کھول سکتے وہ بدنصیب ہی رہتا ہے یہ فائدہ بھی **لعادو** الخ سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار اگر دوزخ دیکھ کر بھی واپس کئے جاویں تب بھی وہی پرانی حرکتیں کریں گے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ مصیبت میں پھنس کر ہائے وائے کرتے ہیں مگر مصیبت جاتے ہی پھر وہی اعمال کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تین فعل ہیں **نرد' لا نکذب' نکون' نرد** کو پیش ہے اور **لا نکذب** کو اور **نکون** کو فتحہ اس کی وجہ کیا ہے معطوف کا حال معطوف علیہ کا سا ہوتا ہے یہاں اختلاف کیوں ہے۔ جواب: تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں دونوں واؤ ف کے معنی میں ہیں اور تمنا کے بعد جوف آتی ہے اس کے بعد ان ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے لہذا ان دونوں فعلوں کو فتحہ ہوا اس کے جوابات اور بھی ہیں مگر یہ جواب آسان تر ہے۔ دوسرا اعتراض: اگر یہ دونوں واؤ بمعنی ف ہیں عاطفہ نہیں تو مطلب یہ ہوا کہ کفار وہاں تین تمنائیں کریں گے۔ دنیا میں لوٹنا وہاں جاکر آیات الہیہ کو نہ جھٹلانا۔ وہاں مومنوں میں سے ہونا اور تمنا انشاء کی قسم ہے۔ جس میں سچ جھوٹ کی گنجائش نہیں کہ سچ جھوٹ تو خبر میں ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید میں انہیں جھوٹا کیوں کہا کہ **وانھم لکاذبون**۔ یہ کلام درست کیسے ہوا۔ جواب: اس اعتراض کے بھی بہت جواب ہیں آسان تر جواب جو تفسیر کبیر نے دیا وہ یہ ہے کہ اس تمنا میں وعدہ شامل ہے کہ اگر ہم اب دنیا میں پہنچ گئے تو مولیٰ تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ نہ آیات جھٹلائیں گے نہ کافروں میں سے ہوں گے۔ اس ضمن وعدے کو جھوٹا کہا گیا جس کی مثال ابھی تفسیر میں عرض کی گئی۔ تیسرا اعتراض: کفار کے دنیا میں آنے کی تمنا رد کیوں کر دی گئی۔ اگر وہ واپس کر دیئے جاتے اور یہاں آکر ایمان لے آتے تو اچھا ہی تھا۔ جواب: اب ان کے ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہی تھی ایمان کی حقیقت تو یہ ہے کہ نبی تبلیغ فرمائیں ان کی تبلیغ کے ذریعہ لوگ ایمان بالغیب قبول کریں اب یہ چیزیں ان کے لئے غیب نہ رہی تھی۔ شہادت بن چکی تھیں نیز ان کے ایمان کے لئے حضرات انبیاء کرام بھی دنیا میں بھیجے جانے چاہیں تھے تاکہ وہ تبلیغ کریں یہ ایسا مطالبہ ہے جو بالکل انقلاب کا باعث ہے کیونکہ یہ دنیا اس وقت ختم کی جاچکی ہوگی اب اگر انہیں دوبارہ وہاں بھیجا جاوے تو ان کے لئے آسمان زمین' چاند' سورج بلکہ غذائیں' دوائیں' بارشیں دوبارہ بنائی جاویں تاکہ یہ وہاں زندہ رہ سکیں تو گویا ان کی خاطر ختم شدہ دنیا پھر از سر نو آباد کی جاوے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں ان کفار کے متعلق فرمایا **ما کانوا یخفون**

کہ ان کی چھپائی ہوئی چیزیں ظاہر ہو گئیں وہ تو اپنا کفر دنیا میں ظاہر کرتے تھے کھلے کافر تھے۔ پھر آیت کیونکر درست ہوئی۔

جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے بھی بہت جواب دیئے ہیں ان میں سے آسان جواب یہ ہے کہ **یخفون** بمعنی **یکذبون** ہے یعنی جن چیزوں کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے وہ چیزیں سامنے آگئیں انکار کو چھپانے سے بغیر کیا جاتا ہے حتی کہ انکار کو کفر کہا جاتا ہے کفر کے معنی ہیں چھپانا للذا آیت واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کفار دوزخ کو دیکھ کر وہاں گرمی وغیرہ کا مشاہدہ کرکے بھی دنیا میں آکر کافر رہیں۔ **جواب:** انسان بہت جلد بھولنے والا ہے کافر انسان تو ضدی بھی ہے ضدی آدمی سب کچھ دیکھ کر بھی ضد کرتا ہے۔ دیکھو ابلیس نے دوزخ کا عذاب بالتفصیل دیکھا ہے اسے یاد بھی ہے مگر کرتا ہے بد معاشیاں تو جس میں ضد بھی ہو بھول بھی اس کا کیا پوچھنا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اگلی پچھلی چیزیں نہیں دیکھتیں۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **ولو تری** اگر آپ دیکھتے یا اگر آپ دیکھیں للذا تمہارا یہ خیال کہ نگاہ انبیاء کرام پر کوئی اگلی پچھلی کھلی چھپی چیز پوشیدہ نہیں غلط ہے (وہابی)۔ **جواب:** اس قسم کے اعتراضات کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں کہ یہاں ظہور علم یا علم ظہور مراد ہے رب تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے **ولما یعلم اللہ** ہم نے اب تک یہ نہ جانا حالانکہ وہ علیم و خبیر ہے یعنی علم ظہور سے نہ جانا وہ شئی موجود کرکے نہ جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق جلد اول کا مطالعہ فرماؤ۔ وہاں مکمل بحث کردی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مبارک بندہ وہ ہے جو ہر کام وقت پر کرے وقت ٹل جانے کے بعد کف افسوس ملنا اور الٹی سیدھی آرزوئیں کرنا اپنے کو دھوکا دینا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے　　اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔

جو کل کر نا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کرے　　جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہو ہوسے کیا ہوت ہے

اس آیت سے ہم لوگوں کو عبرت لینی چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں اللہ کی عبادت میں اپنی غرض کو شامل نہ کرو۔ محض رضاء الٰہی کے لئے کرو۔ جنت کے لئے یا دوزخ سے بچنے کے لئے عبادت کرنا بھی خود غرضی ہے۔ دیکھو شہید دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرتے ہیں کہ محبوب ہیں یہ کفار اس کی تمنا کریں گے اور زیادہ مردود ہونگے اس لئے کہ شہداء یہاں واپس آنا چاہتے ہیں اطاعت الٰہی کے لئے کفار یہ آرزو کریں گے۔ محض جنت کمانے کے لئے۔ جب تک رحمت الٰہی دستگیری نہ کرے تب تک کوئی چیز انسان کو راہ راست پر نہیں لاسکتی۔ دیکھو کفار نے وہاں دوزخ کے عذاب حضرات انبیاء کرام بلکہ اللہ تعالیٰ کے مومنوں پر انعام و اکرام سب کچھ دیکھ لئے مگر پھر فرمایا گیا کہ اگر لوگ اب بھی دنیا میں جائیں تو کریں گے وہی جو پہلے کرتے تھے کیونکہ رحمت الٰہی نے ان کی دستگیری نہ کی۔ یار کی لقاء کی تمنا نہ کرو۔ اس کے رضا کے آرزو کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آں ندامت از نتائج بود　　نہ زعقل روشنی چوں گنج بود

چونکہ شد رنج آومیت شد عدم!　　می نیرزد خاک آں توبہ ندم!

می کند او تو بیر خرد!　　بانگ ولو ردو لعاد و میزند

یعنی ان کفار کی یہ شرمندگی و ندامت توبہ کے لئے نہیں بلکہ موجودہ آفت و بلا رنج و غم دیکھ کر ہے اس رنج کی وجہ سے یہ ندامت کا

لعدم ہو گی اس ندامت کی بارگاہ الٰہی میں کوئی قیمت نہیں۔ چونکہ یہ توبہ غرض کی ہے اس لئے اس کا جواب ملا **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ** خلاصہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں اخلاص کی قیمت ہے۔ اخلاص سے خالی کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب کرے توبہ وہ آری ہے جو گناہ کی سلیں کاٹ ڈالتی ہے مگر اس آری کے دانتے دل کا اخلاص آنکھوں کا پانی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات نیک نیت والے کے لئے ایمان ہے بدنیت کے لئے کفر۔ ایک ہی کام نیک نیت کے لئے ذریعہ بخشش ہے بدنیت کے لئے ذریعہ عذاب۔ جندع ابن ضمیرہ کفر کی بات منہ سے نکالیں تو مومن ہی تو ہیں **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** اور منافقین کلمہ شہادت پڑھیں تو کافر ہیں مومن نہ بنیں **ان المنافقین لکذبون** موسیٰ علیہ السلام دیدار الٰہی کی درخواست کریں **رب ارنی** تو ان کی محبوبیت میں اور ترقی ہو جاتی ہے بنی اسرائیل یہ ہی تمنا کریں۔ **حتی نری اللہ جھرۃ** تو ان پر قہر آجاتا ہے یہ ہے نیتوں کا فرق۔ حضرات شہداء دنیا میں واپس آنے کی آرزو کریں ان کی آرزو محبوب اور کفار یہی آرزو کریں تو ان کی آرزو مردود ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در حق او مدح در حق تو ذم　　　　در حق او شہد در حق تو سم

وَقَالُوٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُ
اور کہا انہوں نے نہیں ہے وہ مگر ہماری زندگی دنیاوی اور نہیں ہیں ہم اٹھائے جانے والے اور اگر دیکھیں آپ
اور وہ بولیں گے وہ تو نہیں مگر یہ ہی ہماری دنیا زندگی ہے اور ہمیں اٹھنا نہیں اور کبھی تم دیکھو جب
قِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا
جبکہ ٹھہرائے جائیں گے وہ اپنے رب فرمائے گا کیا نہیں ہے یہ حق کہیں گے ہاں قسم ہمارے رب کی فرمائے گا پس
اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں گے فرمائے گا کیا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمیں اپنے رب
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾
چکھو تم عذاب اس وجہ سے کہ تھے تم کفر کرتے
کی قسم فرمائے گا تو اب عذاب چکھو بدلا اپنے کفر کا

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ لوگ جس چیز کا دنیا میں انکار کرتے تھے آج قیامت میں وہ ظاہر ہو گئی اب اس چیز کی تفصیل دی جارہی ہے کہ وہ دنیا میں اس اخروی زندگی کے منکر تھے آج آنکھوں دیکھ لی گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کریمہ کی تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر یہ دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے انہیں منع کیا گیا اب اسی کی شرح ہو رہی ہے کہ پھر بھی یہ ہی کہیں گے کہ اخروی زندگی کوئی چیز نہیں زندگی صرف دنیاوی ہے یعنی اس اخروی زندگی کو دیکھ کر جائیں پھر بھی انکار کریں گے۔ دنیا میں دوبارہ پہنچ کر یہی کہیں گے کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ نظر بندی تھی جادو ہم پر کیا گیا تھا جیسے یہ لوگ

آپ کے معجزات کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ معجزے نہیں جادو اور نظر بندی ہے ہم نے جو کچھ قیامت وغیرہ میں دیکھا وہ ایک خواب و خیال تھا۔ قیامت وغیرہ کے لئے گویا **لما نهوا** کی شرح یہ آیت فرما رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ وہ کفار جھوٹے ہیں اب ان کا جھوٹ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے عقیدے بھی جھوٹے ان کے کلام بھی جھوٹے غرضیکہ یہ آیات اس آیت کی تفصیل ہیں۔

تفسیر: **وقالوا ان هي الا حياتنا الدنيا**۔ یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے یا یہ معطوف ہے **لعادوا** پر اور واؤ عاطفہ ہے لہٰذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ قول سے مراد یا تو منہ سے بولنا ہے یا دل سے اعتقاد رکھنا اعتقاد کو قرآن کریم نے بہت جگہ قول فرمایا ہے اس کا فاعل وہ کفار ہیں جو قیامت کے منکر ہیں بہت کفار قیامت کے قائل ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ **ان** شرطیہ نہیں بلکہ نافیہ ہے بمعنی نہی ہے **هي** کا مرجع حیات ہے جو **حياتنا** سے معلوم ہو رہا ہے۔ عربی میں ضمیر ادھر لوٹائی جا سکتی ہے جو عنقریب معلوم ہو رہا ہے مرجع کا مذکور ہونا ضروری نہیں معلوم ہونا ضروری ہے۔ خواہ پہلے سے معلوم ہو یا ابھی معلوم ہو رہا ہے۔ بعض مفسرین نے **هي** کو ضمیر قصہ مانا مگر یہ درست نہیں کیوں کہ ضمیر قصہ یا ضمیر شان کے بعد جملہ ہونا ضروری ہے جیسے **قل هو الله احد** میں ہے (روح المعانی) یہ تحقیق خیال میں رہے دنیاوی زندگی وہ ہے جو ماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان ہو اس زندگی کے دو حصے ہیں ایک تکلیفی دوسرا غیر تکلیفی بچپن نیند' بے ہوشی غیر تکلیفی زندگی ہے' عقل بلوغ بیداری کی زندگی تکلیفی زندگی ہے جس میں انسانی شرعی احکام کا مکلف ہوتا ہے دنیاوی زندگی محسوس ہے اخروی زندگی غیب ہے۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس کا انکار کفر ہے یہاں کفار کے اس کفر کا ذکر ہے **وما نحن بمبعوثين** یہ جملہ مستقل ہے جو پہلے جملہ کی تفسیر کر رہا ہے۔ **مبعوث** بنا ہے **بعث** سے بمعنی اٹھنا اس اٹھنے سے مراد قبر ہے اور قیامت میں اٹھنا ہے یعنی مرنے کے بعد ہم حساب و کتاب کے لئے نہیں اٹھائے جائیں گے **نحن** سے مراد ساری نوع انسان ہے نہ کہ صرف کفار **ولو ترى اذ وقفوا على ربهم**۔ اس جملہ میں کفار کی مذکورہ بد عقیدگی کے انجام کا ذکر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ **ترى** میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور رویت سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے **وقفو** بنا ہے یا توقف سے بمعنی ٹھہرانا کھڑا کرنا یا وقوف سے بنا بمعنی اطلاع دینا اسی سے ہے۔ واقفیت پہلی صورت میں **على ربهم** سے **على حضور ربهم** مراد ہے۔ دوسری صورت میں کچھ پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں یعنی اگر تم وہ وقوع دیکھو جب یہ کفار اپنے رب کی حضور پیش کئے جائیں گے یعنی بخوشی پیش نہ ہوں گے بلکہ پھانسی کے ملزم کی طرح بذریعہ ملائکہ کے ہم پیش کئے جائیں گے مومنین بخوشی حاضر ہوں گے یا اپنے رب پر مطلع کئے جائیں گے انہیں رب کی قدرت کا مشاہدہ ہو گا (کبیر و روح المعانی) اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ کفار دنیا میں رب تعالیٰ کو صحیح طور پر نہ جان سکے تھے کیونکہ انہوں نے رب کو اپنی عقل سے جانا تھا اس کی ذات و صفات عقل سے وراء ہیں مومنین نے چونکہ رب تعالیٰ کو نبی کی معرفت سے جانا مانا تھا اس لئے وہ پہلے ہی سے رب تعالیٰ سے واقف تھے کفار آج واقف کئے گئے۔ رب تعالیٰ رب العالمین بھی ہے رب انبیاء کرام بھی رب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور رب المومنین بھی ہے رب کافرین بھی اپنے دشمنوں کو ان کی دشمنی و نافرمانی کے باوجود پرورش فرماتا ہے انہیں روزی دیتا ہے دنیا میں کوئی اپنے دشمن کو نہیں پالتا اس آخری معنی کے لحاظ سے یہاں **ربهم** فرمایا یعنی ان کافروں کا رب جس نے انہیں کفر و نافرمانی کے باوجود پالا۔ **قال اليس هذا بالحق** پچھلے جملہ کا **وقفوا** اور اس جملہ کا **قال** اگرچہ ماضی ہیں مگر معنی مستقبل ہیں قال

کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا بلاواسطہ ان سے یہ کلام فرمائے گا یا فرشتوں کے ذریعہ یہ سوال اظہار غضب کے لئے ہو گا۔ **ھذا** سے مراد روز قیامت 'حساب و کتاب اخروی زندگی ہے۔ جس کے یہ کفار دنیا میں منکر تھے اور ہو سکتا ہے کہ **ھذا** سے اشارہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو مقام محمود کے نظارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان سب کو دکھا کر فرمایا جاوے گا کہ بولو یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں یا نہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہر کلام ہر فعل بر حق ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق فرمایا گیا۔ قرآن کریم نے بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کہا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ بطور عتاب ان سے پوچھے گا کہ بولو یہ چیزیں جن کے تم منکر تھے ہیں یا نہیں۔ یا بتاؤ کہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بر حق ہیں یا نہیں **قالوا بلی وربنا** یہ ان کا جواب ہے۔ جس میں قسمیہ اقرار ہے کہ یہ سب کچھ حق ہے یعنی عرض کریں گے کہ ہمارے رب تیری قسم یہ سب کچھ حق ہے ہم پہلے غلطی پر تھے **قال فذوقوا العذاب** یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ جس میں ان کی سزا سنائی گئی ہے۔ **فذ وقوا** میں ف نصیحہ ہے **ذوقو** بنا ہے **ذوق** سے معنی چکھنا برداشت کرنا۔ چونکہ کفار کو ہمیشہ وہی تکلیف محسوس ہوتی رہے گی جو اولاً محسوس ہوئی یہ نہ ہو گا کہ عذاب کی تکلیف پہلے تو زیادہ محسوس ہو بعد میں عادت پڑ جانے پر آسان ہو جاوے اس لئے اسے ذوق یعنی چکھنا فرمایا چکھو یعنی برداشت کرو عذاب سے مراد دائمی عذاب ہے جو کفار سے خاص ہے یا ذلت و خواری کا عذاب یا سخت عذاب بہر حال یہ عذاب اور نوعیت کا ہے گنہگار مسلمان کو عذاب اور نوعیت کا ہو گا اسی لئے ارشاد ہوا **بما کنتم تکفرون** اس عبارت میں فرد جرم کا ذکر ہے اس میں ب سببیہ ہے اور ما مصدریہ یعنی اپنے کفر کرنے کی بنا پر یہ سزا پاؤ چونکہ کفر کرنے کی جگہ دنیا تھی آخرت میں یہ سب لوگ ہر چیز مان لیں گے اور سزا کی جگہ آخرت نیز کفار نے بہت سی قسم کے کفر کئے تھے اور کفر پر مرتے دم تک قائم رہے تھے اس لئے **کنتم تکفرون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔ اس طرح فرمانے میں بھی سخت عتاب کا اظہار ہے۔

خلاصہء تفسیر: یہ لوگ عذاب قیامت دیکھ کر جو کہہ رہے ہیں کہ ہم کو دنیا میں واپس لوٹا دیا جاوے تو ہم اب آیات الٰہیہ نہ جھٹلائیں اور ہم مومنین میں سے ہو جائیں گے یہ جھوٹے ہیں۔ اگر اب بھی یہ دنیا میں بفرض محال لوٹا دیئے جاویں تو کفر ہی کریں اور قیامت حالات قیامت دوزخ وغیرہ کو دیکھنے کے بعد بھی یہ ہی کہیں گے کہ ہماری صرف ایک ہی زندگی ہے وہ ہے زندگی دنیاوی اس کے سوا اور کوئی زندگی نہیں نہ تو برزخی زندگی جب یہ ہے تو ایمان کیوں لائیں اور نیک اعمال کیوں کریں یہ بڑے ڈھیٹ ہیں سب کچھ دیکھ کر بھی انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ جو کچھ ہم نے قیامت وہاں کا حساب کتاب وغیرہ دیکھا وہ خواب تھا

کہ تھا جس کی حقیقت کچھ نہیں تھی۔ آپ کبھی وہ نظارہ دیکھیں جب یہ لوگ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں کی ذات و صفات پر واقف و مطلع کئے جائیں گے اس وقت رب تعالیٰ عتاب و غضب فرماتے ہوئے فرمائے گا کہ بولو کیا راخروی زندگی یہاں کے ثواب و عذاب بر حق نہیں یا یہ رسول بر حق نہیں جن کی شان تم نے اپنی آنکھوں سے مقام لی۔ تو کہیں گے کہ رب کی قسم ہاں بالکل بر حق ہے۔ اب ہم مان گئے تب رب تعالیٰ فرمائیگا کہ اب ماننا لینے سے کیا زخ میں اپنے کفر و بد عملیوں کی سزا بھگتو اور اس سزا کا مزہ خوب اچھی طرح چکھو۔

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ضدی دیکھ کر بھی نہیں مانتا انکار ہی کئے جاتا ہے اپنی بات

تا یہ فائدہ **وقالوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔جب کہ یہ **لعادوا** پر معطوف ہو اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے۔
ندہ: انسان کی تین زندگیاں ہیں دنیاوی زندگی جوماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان ہے۔ برزخی زندگی جو موت سے
سرے نفخہء صور تک ہے۔ اخروی زندگی جو صور کے دوسرے نفخہ سے ابد الاباد تک ہے۔ منکرین قیامت صرف
مانتے ہیں۔یعنی دنیاوی باقی دو زندگیوں کے منکر ہیں یہ انکار کفر ہے یہ فائدہ **وقالوا ان هی** کی دوسری تفسیر سے
جب کہ یہ نیا جملہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ ہم سے اعمال کرائے اور ان کا اجرو ثواب نہ دے کریم کسی کی
نہیں مارتے۔

وری: ہندوستان کے موجودہ مشرکین اعمال کی سزاو جزا کے تو قائل ہیں مگر دنیا ہی میں اس طرح کے مجرم لوگ
بعد کتا بلاو غیرہ بن کر آتے ہیں اور یہاں دھکے کھاتے ہیں موجودہ تمام جانور پہلے انسان ہی تھے۔جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ
ں کے روپ میں آئے ہیں مگر یہ عقیدہ عقلاً نقلاً ہر طرح باطل ہے۔یہ ماننا کفر ہے
دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزا ہے فیصلہ کے لئے قیامت اور سزاو جزا کے لئے دوزخ و جنت ہی ہو سکتے ہیں دنیا نہ
جگہ ہے نہ سزاو جزا کیونکہ قیامت میں سارے انسانوں کی زندگیاں بھی ختم ہو چکی ہونگی اور ان کے سارے اعمال بھی
ں کے سب اعمال کا فیصلہ اس دن ہونا چاہئے نیز دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں خالص نیک کاروں کو جزادی جاوے
ں کا ہر آرام تکلیف سے مخلوط ہے نیز دنیا کے موجودہ جانوروں کو نہ تو یہ خبر ہے کہ ہم پہلے انسان تھے نہ یہ خبر ہے کہ
یہ آرام تھے اب یہ تکالیف ہیں تو پھر انہیں سزا کیا ہوئی لہٰذا مشرکین ہند کا تناسخ کا عقیدہ غلط ہے۔ تیسرا فائدہ: کسی چیز
ئل کی بے علمی کی دلیل نہیں کبھی سوال اظہار غضب یا مجرم سے اقرار کرانے کے لئے ہوتا ہے یہ فائدہ **الیس هذا**
صل ہوا۔چوتھا فائدہ: اچھے عقیدے اچھے اعمال اگر دنیا میں اختیار کئے جاویں تب ان کا ثواب ہے آخرت بلکہ
علامات موت دیکھ کر سب کچھ اختیار کرنا بالکل بے کار ہے کیونکہ نبی پر یقین کرکے یہ کام کرو تو مفید ہیں اپنی آنکھ سے
سب کچھ ماننا تو بے کار ہے یہ فائدہ **قال فذوقوا العذاب** سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ قیامت وغیرہ کا اس وقت اقرار
مگر جائیں گے دوزخ میں۔پانچواں فائدہ: کفار کے ناسمجھ بچے جو بچپن میں فوت ہو گئے وہ دوزخ میں نہ جائیں گے
ما کنتم تکفرون سے حاصل ہوا۔دوزخ بد عقیدگی یا بد عملی کی سزا ہے وہ نہ بد عقیدہ تھے نہ بد عمل انہیں نہ
وقت ملا نہ عمل کا۔

پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ کفار رب تعالیٰ پر پیش کئے جاویں گے مگر دوسری آیت میں ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے حجاب میں
رہیں گے دیدار الٰہی ان کو میسر نہ ہوگا **کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون**۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔
جواب: یہاں اس آیت میں رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا ذکر ہے۔یہ پیشی بے حجابانہ نہ ہوگی بلکہ حجاب میں رہ کر لہٰذا یہ
آیت اس آیت کے خلاف نہیں رب تعالیٰ کا دیدار تو جنت کی نعمت ہے دنیا میں بھی بہت دفعہ مجرم حاکم کے سامنے پیش ہوتے
ہیں مگر سامنے نہیں لائے جاتے اور اگر یہاں **وقفوا** وقوف بمعنی اطلاع سے ہو پھر تو اس سوال کی گنجائش ہی نہیں اور ہو سکتا
ہے کہ انہیں رب کا دیدار ہو مگر رحمت و کرم کے ساتھ نہیں بلکہ قہر و غضب کے ساتھ مشکوٰۃ شریف باب الحساب والقصاص کی
پہلی فصل میں جو حدیث بروایت مسلم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کفار سے بھی رب تعالیٰ ملاقات فرمائیگا۔

قال نیلقی العبد فیقول اے فلاں اس صورت میں آیت کریمہ انهم عن ربهم لمحجوبون کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ دوزخ میں رب کے دیدار سے محروم ہوں گے یا قیامت میں رحم و کرم والے دیدار سے محروم ہوں گے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کفار سے کلام فرمائیگا مگر دوسری آیت میں ہے ولا یکلمهم الخ رب تعالٰی ان سے کلام نہ کرے گا۔ ان آیات میں تعارض ہے جواب: تمہاری پیش کردہ آیت میں کلام سے مراد رحم و کرم اور محبت کا کلام ہے وہاں اس کی نفی کی گئی ہے اور یہاں اس آیت میں غضب و قہر کے کلام کی ثبوت ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں رب تعالٰی ان سے محبت و کرم کا کلام نہ کرے گا قہر و غضب کا کلام کرے گا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف کفر پر ہو گا کہ فرمایا گیا بما کنتم تکفرون تو کیا مسلمان کیسا ہی گناہ کریں ان سے کچھ نہ کہا جاوے گا انہیں ہر جرم کی اجازت ہے (آریہ)۔ جواب: یہاں عذاب سے مراد سخت تر اور دائمی ہمیشہ کا عذاب ہے وہ صرف کفر پر ہی ہو گا۔ العذاب میں الف لام عہدی ہے مسلمان گنہگاروں کو عذاب ہوا تو عارضی اور ہلکا ہو گا لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کو صرف کفر کا عذاب ہو گا تو انہیں اور گناہوں پر عذاب نہ ہو گا چاہئے تو یہ کہ انہیں کفر و گناہ دونوں پر عذاب ہو۔ جواب: اس کا جواب ابھی تیسرے اعتراض کے جواب میں گزر گیا کہ یہاں دائمی عذاب اور سخت عذاب کا ذکر ہے جو کفر پر ہو گا اس کے گناہوں کے عذاب کا ذکر دوسری آیات میں ہے لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین بہرحال آیات درست ہیں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جو بدنصیب رب کے ہاں سے محروم ہے وہ ایمانی چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں مانتا اس کی آنکھیں اس کے نوشتہ تقدیر کو نہیں بدل سکتیں ابلیس نے سارا کارخانہ غیب لاکھوں سال تک آنکھوں سے دیکھا مگر کافر ہے۔ اور کافر رہے گا اسی کا ذکر یہاں ہے کہ اگر یہ شقی ازلی قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دنیا میں واپس جائیں تب بھی وہاں جاکر یہی کہیں کہ نہ قیامت ہے نہ وہاں اٹھنا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی ربوبیت سب کو پہنچتی ہے مگر اس کی معرفت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی یہ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے آخرت میں ظاہری معرفت سب کو ہو جاوے گی مگر وہ معرفت کام نہ آوے گی معرفت الٰہی وہ مفید ہے جو دنیا میں ہو اسی لئے ارشاد ہوا اذ وقفوا علی ربهم وہ کفار اپنے رب پر واقف و مطلع کر دیئے جائیں گے اور پھر کہا جاوے گا کہ چکھو عذاب صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں کفار بھی پیش ہوں گے۔ مومنین گنہگار بھی صالحین بھی اولیاء اللہ بھی حضرات انبیاء کرام بھی مگر ان کی حیثیوں میں بہت فرق ہو گا۔ کچہری میں حاکم کے سامنے مدعی بھی پیش ہوتا ہے ملزم بھی گواہ بھی اور وکیل و بیرسٹر بھی کچہری ایک ہے حاکم ایک ہے پیشی کی جگہ کٹہرا ایک ہے مگر پیش ہونے والوں کی حیثیتیں مختلف ہیں کفار ایسے پیش کئے جائیں گے جیسے پھانسی کے ملزم کو پولیس پیش کرتی ہے۔ مومنین ایسے پیش ہوں گے جیسے یار اپنے محبوب کے سامنے پیش ہو۔ ملاقات کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے۔ یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جهنم وردا یہاں وقفوا فرما کر یہ بتایا کہ وہ بخوشی حاضر نہ ہوں گے انہیں فرشتے جبراً ہانکتے ہوئے پیش کریں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ الیس هذا بالحق میں ہذا سے اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے یعنی بتا دو یہ محبوب برحق ہیں یا نہیں اس صورت میں حق یا مقابل باطل کا ہے۔ جھوٹ باطل ہے سچ حق ہے

مقابل ہے زائل کافانی چیز زائل ہے باقی چیز حق ہے یا حق رب تعالیٰ کا نام ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل ہر ادا سچ ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں ہمارے اعمال افعال مخلوط ہیں لہٰذا ہم حق نہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و کلام بلکہ کسی ادا کو زمانہ مٹانہ سکے نہ مٹا سکے گا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق نیز جیسے دوسرے مکانات پر لوگ اپنی ملکیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ان میں مختلف کاموں کے لئے بناتے ہیں۔ مگر مسجد پر نہ کسی کا دعویٰ نہ کسی کے دنیاوی کام کے لئے کوئی کمرہ وہاں بنے ایسے ہی دوسرے بندوں پر شیطان یا نفس کا دعویٰ ہے ان کے اعضاء مختلف کاموں کے لئے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا۔ آپ کا ہر عضو اللہ کے لئے ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں حق والے ہیں اس لئے آپ کا نام ہے مصطفیٰ یعنی رب کے چنے ہوئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا

نقصان میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو حتیٰ کہ جب آئے گی انکے پاس قیامت اچانک کہیں

بیشک ہار میں رہے وہ جنہوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت اچانک آ گئی بولے ہائے

عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

گے ہائے حسرت ہماری اوپر اسکے جو کوتاہی کی ہم نے اس میں اور وہ اٹھائیں گے بوجھ اپنے اوپر پیٹھوں کے اپنی خبردار

افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے مانتے میں ہم نے تقصیر کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں ارے

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ

برا ہے وہ جو اٹھاتے ہیں اور نہیں ہے زندگی دنیاوی مگر کھیل اور کود اور البتہ آخری گھر بہتر ہے واسطے ان لوگوں کے

کتنا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود اور بے شک پچھلا گھر بھلا ان

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

جو ڈرتے ہیں تو کیا نہیں عقل رکھتے وہ لوگ

کے لیے جو ڈرتے ہیں تو کیا تمہیں سمجھ نہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے کفار کی ڈھٹائی کا ذکر کیا وہ اگر قیامت دیکھ کر بھی دنیا میں آئیں پھر بھی اس کا انکار کریں اب ان کی اس ڈھٹائی کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں کفر پر پختگی بربادی کا باعث ہے ایمان پر پختگی رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں کفار کی رب کی بارگاہ میں پیشی اور اس وقت ان کی حسرت کا ذکر تھا اب ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ حسرت و ندامت دلی عذاب ہے اور گناہوں کا بوجھ اٹھانا جسمانی عذاب ہے دلی عذاب کے بعد جسمانی عذاب کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں کفار کی اخروی زندگی کی بربادی کا ذکر تھا اب ان کی دنیاوی زندگی کی بربادی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اس زندگی کو کھیل کود بنا دیا۔

تفسیر: **قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ** چونکہ کفار اپنے کفروبد عقیدگی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے ایمان کو ناکامی جانتے تھے اور واقعہ میں معاملہ برعکس ہے۔ اس لئے اس مضمون کو قد سے شروع فرمایا کہ وہ لوگ اس مضمون کے منکر تھے۔ خسر بنا ہے **خسران** سے خسران وہ نقصان ہے جس میں اصل پونجی بھی برباد ہو جاوے کافر کفر کر کے اپنی زندگی کو بالکل ہی برباد کر لیتا ہے۔ اس لئے وہ خسارہ میں ہیں ہر انسان تاجر ہے۔ زندگی کے عوض اعمال کما رہا ہے۔ ہر دن زندگی گھٹتی ہے۔ برے یا اچھے عمل بڑھتے ہیں اس لئے خسارہ ارشاد فرماتا ہے بہت موزوں ہے اگرچہ پچھلی آیت میں کفار کا ذکر ہو چکا ہے اس لئے یہاں ضمیر ہی کافی تھی مگر چونکہ خسارہ و نقصان کی وجہ بتانا مقصود ہے اس لئے بجائے ضمیر کے اسم موصول **الذین** الخ ارشاد ہوا کہ پتہ لگے کہ ان کے خسارہ کی وجہ ان کا جھٹلانا ہے۔ **کذبوا** بنا ہے تکذیب سے تکذیب یا تو مبالغہ کے لئے ہے یا ہمیشگی بتانے کے لئے یعنی ہر طرح جھٹلایا عقیدے سے قول سے عمل سے یا مرتے وقت تک جھٹلاتے رہے **لقاء اللہ** سے مراد قیامت میں اٹھ کر اس کی بارگاہ میں پیش کرنا ہے نہ کہ عزت و احترام سے ملاقات کرنا کفار کو یہ عزت کہاں نصیب سلطان سے اس کا خاص وفادار ملازم بھی ملتا ہے مگر عزت کے ساتھ مجرم باغی بھی پیش ہوتا ہے مگر ذلت و خواری کے ساتھ بعض مفسرین نے عذاب یا قہر پوشیدہ مانا ہے بلقاء عذاب اللہ یا بلقاء قہر اللہ۔ مگر پہلی بات بہت قوی ہے یعنی پورے پورے نقصان میں رہے۔ وہ جنہوں نے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کا انکار خوب اچھی طرح کیا یا مرتے وقت تک انکار کرتے رہے اسی انکار پر مر گئے **حتی اذا جاء تھم الساعۃ بغتۃ**۔ یہاں حتی انتہاء کے لئے ہے اور انتہاء جھٹلانے کی مراد ہے نہ کہ نقصان و خسارہ کی ساعت سے مراد قیامت صغریٰ ہے یعنی ان کی موت چونکہ موت کی حقیقت ہے سانس کا بند ہو جانا روح کا جسم سے نکل جانا یہ "آنا" "فانا" ہوگا۔ بیماریاں وغیرہ اسباب موت ہیں نہ کہ موت اس لئے موت کو ساعت فرمایا گیا اس صورت میں مطلب بالکل واضح ہے کہ کفار قیامت وغیرہ کا انکار موت سے پہلے پہلے کرتے ہیں موت آتے ہی سب کچھ مان لیتے ہیں مگر یہ ماننا معتبر نہیں ہو سکتا ہے کہ حتی ان کے خسارہ کے انتہاء بیان کرنے کے لئے ہو کہ کمائی کا زمانہ زندگی ہے۔ انسان زندگی میں اچھے برے جیسے اعمال چاہے کمالے مرتے ہی کمائی ختم ہو گئی اب اس کے نتیجہ دیکھنے کا وقت آگیا تب بھی معنی ظاہر ہیں ممکن ہے کہ حتی نقصان کی انتہاء بیان کرنے کے لئے ہو اور ساعت سے مراد قیامت ہو کہ قیامت تک نقصان میں رہے کہ زندگی میں نیک اعمال نہ کئے بعد مرے کسی نے انہیں ایصال ثواب نہ کیا قیامت میں خسارہ کا انجام دیکھا لہذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا **ان علیک لعنتی الی یوم الدین** قیامت کا دن ابلیس کی ایک لعنت کی انتہاء ہے اور دوسری لعنت کی ابتداء یوں ہی کفار کا نقصان ہے مومن کے تینوں حال کفار سے جدا گانہ ہیں مومن زندگی میں ہر موقعہ سے فائدہ اٹھاتا ہے ہر موسم میں اپنی زندگی کے کھیت کے الگ الگ پھل توڑتا ہے تندرستی کے موسم میں وہ عابد ہوتا ہے بیماری کے موسم میں تائب ہوتا ہے امیری کے زمانہ میں وہ سخی ہوتا ہے شاکر ہوتا ہے غریبی کے موسم میں وہ قانع ہوتا ہے مصیبتوں میں صابر ہوتا ہے غرضکہ جیسے اعلیٰ زمین ہر موسم میں الگ پھول پھل دیتی ہے ایسے ہی مومن کی زندگی پر مختلف موسم آتے ہیں وہ ہر موسم سے فائدہ اٹھاتا ہے اور مختلف قسم کے پھل کھاتا ہے۔ امام حسین نے کربلا کے میدان میں اپنی کھیتی سے صبر و رضا کے کیسے اعلیٰ پھل لئے اور مومن بعد مرے بھی رحمت سے مرحوم نہیں رہتا اس کی اولاد قرابت دار مومن اسے نیک اعمال کا ثواب بھیجتے رہتے ہیں وہ قیامت تک نفع میں ہی رہتا ہے کافر ان [illegible] سے محروم ہے غرضکہ جیسے اچھی زمین [illegible] گرمی بہار خزاں کے موسموں میں مختلف پھل

دیتی ہے ایسے ہی مومن کا باغ امیری، غریبی وغیرہ موسموں کے مختلف پھل دیتا ہے پھر مومن کھجور کے درخت کے طرح خزاں سے محفوظ اس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے (حدیث) مومن کے کلمہ کی جڑ زمین میں شاخیں آسمان میں پھل ہمیشہ (قرآن)۔ خیال رہے کہ قیامت کے بہت نام ہیں ان میں سے ایک نام ساعت بھی ہے بمعنی گھڑی چونکہ قیامت کی ابتداء معمولی سی گھڑی میں ہو گی یا اس دن حساب و کتاب ساری خلقت کا صرف گھڑی بھر میں ہو گا **ان اللہ سریع الحساب** یا اتنا دراز دن اللہ کے مقبول بندوں کو گھڑی بھر کا محسوس ہو گا ان وجوہ سے اسے ساعت کہا جاتا ہے اگرچہ علامات قیامت صدیوں پہلے سے ظاہر ہوں گی مگر قیامت کی آمد اچانک ہو گی جبکہ خلق بالکل بے خبر اپنے کام کاج میں مشغول ہو گی اس لئے ارشاد ہوا **بغتۃ**۔ خیال رہے کہ بغتۃ مصدر ہے بغت۔ یبغت کا۔ بغتہ کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا اچانک آجانا جہاں سے اس کی آمد کا گمان نہ ہو یہاں **بغتۃ** یا تو **مجیئا** پوشیدہ مصدر کی صفت ہے تو مفعول مطلق ہے یا حال ہے (روح المعانی وغیرہ) **قالوا یحسرتنا** یہ عبارت اذا کی جزا ہے قول سے مراد زبانی قول ہے اس کا فاعل وہی خسارے والے کفار ہیں کسی اچھے کام کے نہ کرنے پر یا برے کام کے کر لینے پر جو انتہاء درجہ کی ندامت و شرمندگی ہوتی ہے اسے حسرت کہا جاتا ہے اس شرمندگی و ندامت کو پکارنا اظہار حسرت کے لئے ہوتا ہے یعنی اور تو کوئی ہمارا امددگار ہے نہیں اے شرمندگی تو ہی آجا کہ تیرے سواء ہمارا کوئی نہیں یا یہ پکارنا نہیں بلکہ ندبہ ہے جیسے ہائے مصیبت ہائے غم۔ **علی ما فرطنا فیھا**۔ **علی** کا تعلق حسرت سے ہے **ما** مصدریہ ہے **فرطنا** بنا ہے تفریط سے جس کا مادہ فرط ہے بمعنی ارادۃ" آگے بڑھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **انا فرطکم علی الحوض** ہم بچوں کی نماز جنازہ میں پڑھتے ہیں **اللھم اجعلہ لنا فرطا** افراط کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھ جانا تفریط کے معنی ہیں آگے بڑھنے میں کوتاہی کی یا جنت کے حاصل کرنے میں کوتاہی کی یا قیامت کی تیاری میں کوتاہی کی۔ بعض نے فرمایا کہ **ما** سے مراد ہیں نیک اعمال اور **ما** موصولہ ہے **فیھا** کی ضمیر اس ما کی طرف ہے یعنی ہائے شرمندگی ان نیک اعمال پر جن میں میں نے کوتاہی کی مجھے موقعہ ملا اور میں نے وہ اعمال نہ کئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یا صدمہ اس چیز کا ہو گا کہ ہم نے اپنی عمر کے ترکش کے تیر سے عقاب کا شکار نہ کیا یعنی آخرت نہ کمائی بلکہ عقاب کے سایہ پر تیر چلا کر برباد کر دیئے وہ سایہ بھی ہاتھ نہ آیا (یعنی دنیا کمانے میں عمر صرف کی) وہ بھی ہاتھ نہ آئی منٹ بھر میں چھوٹ گئی یا صدمہ اس چیز کا ہو گا۔ دوسرے اعضاء جلوت خانہ تھے دل رب کا خلوت خانہ ہم نے اس دل کو جلوت خانہ بنا کر غیروں کو بسالیا اب کیا کریں **وھم یحملون اوزارھم علی ظھورھم** یہ عبارت **قالوا** کے فاعل سے حال ہے۔ لہذا واؤ حالیہ ہے یہاں حمل اور **اوزار** اور ظہور سب اپنے ظاہری معنی پر ہیں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ حمل کے معنی اٹھانا لادلینا ہیں **اوزار** جمع ہے وزر کی بمعنی بھاری بوجھ۔ رب فرماتا ہے **لا تزر وازرۃ وزر اخری**۔ کوئی بوجھل نفس دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اسی سے ہے **اوزار** بمعنی بھاری ہتھیار رب فرماتا ہے **حتی تضع الحرب اوزارھا**۔ اسی سے ہے وزیر یعنی ملک و سلطنت کا بوجھ اٹھانے والا **اوزار** سے مراد گناہوں کا بوجھ ہے قیامت میں گناہوں کی شکل بھی ہو گی ان میں وزن اور بوجھ بھی ہو گا۔ نیک اعمال پر مومن سوار ہوں گے اور بد اعمال گنہگار پر سوار ہوں گے۔ **ظہور** جمع ہے ظہر کی بمعنی پیٹھ ہلکا بوجھ ہاتھ سے اٹھایا جاتا ہے قدرے وزنی بوجھ سر پر بڑا بھاری بوجھ پیٹھ پر لادا جاتا ہے۔ زیادہ وزن ظاہر کرنے کے لئے ظہور فرمایا یعنی کفار یہ اس وقت کہیں گے جب وہ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے بوجھ سے پریشان ہوں گے۔ کافروں کی پیٹھ اور گردن اتنی

لمبی کردی جاوے گی کہ اس پر سارے اعمال سوار ہو جائیں حتی کہ ان کے خزانے بھی ان پر لدے ہوں گے خیال رہے کہ مومن کے نیک اعمال کا وزن میزان میں بہت ہو گا۔ کفار کی نیکیوں کا وزن کچھ نہ ہو گا۔ یوں ہی مومن کے گناہ ہلکے ہوں گے۔ کافر کے گناہ بہت ہی بھاری **الا ساء ما یزرون**۔ یہ گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ لہٰذا اس عبارت کے دو معنی ہیں کفار کے وہ گناہ بہت ہی برے ہیں جو وہ اٹھائیں گے یا ان کا اٹھانا بہت ہی برا ہے **وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولھو**۔ کفار کی اخروی زندگی کی خرابی دکھانے کے بعد ان کی دنیاوی زندگی کی خرابی دکھائی جا رہی ہے دنیاوی زندگی۔ دنیا کی زندگی اور دنیا میں زندگی ان تینوں میں فرق ہے دنیاوی زندگی وہ ہے جو خواہشات نفسانی میں گزرے جیسے غافلوں کی زندگی اور دنیا کی زندگی وہ ہے جو شیطان کی اطاعت اور گناہوں میں گزرے جیسے کفار کی زندگی دنیا میں زندگی وہ ہے جو دنیا میں ہو مگر اس کے ذریعہ کام آخرت کے لئے کئے جاویں جیسے حضرات انبیاء کرام یا خاص ان کے خدام کی زندگی ہے دنیاوی یا دنیا کی زندگی نہیں۔ دنیا یا تو دنو سے بنا ہے بمعنی قریب الفنا چیز یا **دناءۃ** سے بمعنی حقیر و ذلیل چیز اس کا مذکر ادنیٰ ہے یہ اس کا مونث ہے ناجائز چیزوں سے خوشی حاصل کرنا لعب ہے۔ بے فائدہ چیز میں مشغول ہو کر فائدہ مند چیز سے محرومی لہو ہے۔ جس کا ترجمہ اردو میں کھیل کود ہے جس کا ظاہر خوش کن ہے حقیقتہ" کچھ نہیں نادان بچے دن بھر ریت کے گھروندے بناتے ہیں اس سے دل بہلاتے ہیں پھر خود ہی بگاڑ کر اپنے گھر آجاتے ہیں یہ ہے لعب اور لہو غافل اور کافر کی دنیا ایسی ہی بیکار چیز ہے۔ جس کی زندگی حیوۃ دنیا میں اس کا ہر کام دنیا ہے کھانا پینا نماز روزہ حتی کہ مرنا جینا سب ہی دنیا ہے اور دنیا کے لئے فنا ہے تو اس کی ہر چیز کو فنا ہے اللہ والے کی یہ کوئی چیز دنیا نہیں اس کی چیز دین ہے **وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون**۔ ہماری قرأت میں خرۃ کو پیش ہے بعض قراءتوں میں **لدار الاخرۃ** ہے اخرہ کو کسرہ آخری گھر وہ ہے جہاں دوسری یا تیسری زندگی گزارنی ہے دوسری زندگی برزخی ہے۔ تیسری زندگی اخروی دوسری زندگی ہزارہا سال کی تیسری زندگی ابد الاباد کی یہاں تیسری زندگی کا گھر مراد ہے۔ جہاں قیامت سے لے کر ہمیشہ تک رہنا ہے **یتقون** کا مفعول پوشیدہ ہے **المعاصی و الکفر** وغیرہ یعنی آخری گھر جہاں ان سب کو ہمیشہ کے لئے رہنا سہنا ہے وہ ان لوگوں کے لئے اچھا ہے جو بد عقیدگیوں بد عملیوں سے بچتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت میں یہ زندگی گزارتے ہیں **افلا تعقلون**۔ اس میں خطاب انہیں کفار سے ہے۔ جن کا ذکر اب تک ہوا یعنی اے کافرو تم اتنی ظاہری بات کو سمجھتے کیوں نہیں کہ فانی سے باقی اعلیٰ ہے۔ مخلوط سے خالص بہتر یہ زندگی دنیوی فانی ہے اور مصیبتوں تکلیف سے مخلوط ہے زندگی باقی ہے اور وہاں خالص راحت و عیش ہے تم اس زندگی میں پھنس کر اس زندگی کو خراب کیوں کئے لیتے ہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو تاجر قرار دیا ہے اس کی زندگی کی ساعات اس کی اصل رقم ہے اور طاعات یا کفارات اس کی کمائی ہے۔ ساعات کم ہو رہی ہیں طاعات و کفارات بڑھ رہی ہیں یہ ہے نفع کی تجارت غافل و کافر کی ساعات خرچ ہو رہی ہے اور معاصی یعنی گناہ بڑھ رہے ہیں یہ ہے خسران کی تجارت اس آیت کریمہ میں کفار کی تین قسم کے خساروں کا ذکر ہے زندگی میں خسارہ ہر وقت خسارہ یہ بلقاء اللہ تک ارشاد ہوا موت کے وقت اور اس کے بعد خسارہ یہ **حتی اذا جاءتھم** سے لے کر **علی ما فرطنا فیھا** تک بیان ہوا قیامت اور اس کے بعد خسارہ یہ **وھم یحملون** سے آخر تک بیان ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ وہ لوگ پورے نقصان میں رہے جنہوں نے قیامت میں اٹھنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کو جھٹلایا اس کا انکار کیا

کیونکہ جب وہ قیامت کی پیشی کے ہی منکر ہو گئے تو نیک اعمال کیوں کریں اور گناہوں سے بچیں کہ یہ دونوں کام تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حساب دینے کے خوف سے کئے جاتے ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ بندوں کو اتنی نعمتیں دے اور ان کا حساب نہ لے ان کا یہ جھٹلانا اسی وقت تک ہے جب کہ انہیں موت نہیں آتی یا جب تک انہوں نے قیامت نہیں دیکھی ہے جب اچانک انہیں موت یا قیامت آئے گی تو یہ سب بھول جائیں گے پھر تو کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے اس قیامت کے متعلق بڑی کوتاہی کی کہ اس کی تیاری کے بجائے اس کا انکار کرتے ہوئے اس انکار میں قیمتی عمر کی ساعتیں گزار دیں۔ ان کا حال یہ ہو گا کہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوں گے۔ ان کا بوجھ لادنا بہت ہی تکلیف دہ ہو گا کہ محشر کی سخت دھوپ تانبے کی زمین سایہ کہیں نہیں اور پیٹھ پر اتنا بھاری بوجھ خدا کی پناہ مال ہوں یا اعمال اگر ان کی ابتدا بقاء اور انتہاء اچھی ہے تو انشاء اللہ وہ عامل کے لئے سواری ہے۔ ورنہ عامل پر وہ سوار ہے۔ مال حلال راستے سے آئے یعنی جائز ذریعوں سے حاصل کیا جاوے۔ حلال طریقہ سے رہے کہ اس کی زکوٰۃ صدقہ نکلتا رہے۔ حلال جگہ یا عبادات و رضاء الٰہی کے مقامات پر خرچ ہو جاوے تو انشاء اللہ دین دنیا میں منافع ہے ورنہ نرا وبال ہے بات، عمل وغیرہ سب کا یہی حال ہے۔ کفار کے اعمال کا یہی حال لہٰذا وہ کفار پر سوار ہوں گے۔ خیال رہے کہ دنیاوی زندگی یعنی غفلت کی زندگی نفسانی زندگی محض کھیل کود ہے جس کا ظاہر بڑا اچھا حقیقت کچھ نہیں آخرت کا گھر جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہے وہ پرہیز گاروں کے لئے بہت اچھا ہے کہ وہاں کے عیش و آرام خالص ہیں کوئی تکلیف نہیں اور اسے فنا نہیں یہ لوگ اتنی بات سمجھتے کیوں نہیں اور اس دائمی عیش کو حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ امام سعدی فرماتے ہیں کہ جب مومن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کے سامنے ایک خوبصورت خوشبودار چیز حاضر ہو گی اور مومن سے کہے گی کہ تو مجھے پہچانتا ہے مومن کہے گا نہیں وہ کہے گی میں تیرے نیک عمل ہوں دنیا میں تو میں تجھ پر سوار تھا آج تو مجھ پر سوار ہو رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا** ۔ یعنی ہم پرہیز گاروں کو سوار کر کے حشر کرائیں گے کافر جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کے سامنے نہایت بدشکل سخت بدبودار چیز آوے گی اور کہے گی کیا تو مجھے پہچانتا ہے وہ کہے گا نہیں تو یہ کہے گی کہ میں تیرے برے عمل ہوں دنیا میں تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہونگا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وھم یحملون اوزارھم** (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم) تفسیر روح المعانی کبیر بیان وغیرہ)۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: دنیا میں ہر انسان تاجر ہے زندگی اس کی دکان ہے ہر گھڑی جو گزر رہی ہے اس کی اپنی اصلی پونجی ہے ہر عمل جو روزانہ بڑھ رہے ہیں یہ اس کی قیمت ہے جن کے عوض وہ زندگی کی گھڑیاں فروخت کر رہا ہے نیک اعمال کرنے والا نفع کما رہا ہے گنہگار مسلمان نقصان کی تجارت کر رہا ہے کافر خسران کا بیوپار کر رہا ہے یہ فائدہ **قد خسر** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: گنہگار مومن اگرچہ نقصان میں ہے مگر خسران میں نہیں کہ اس کی اصل پونجی برباد نہیں ہوتی اس کے عقائد درست رہتے ہیں کافر خسران میں ہے کہ اس کی اپنی اصلی پونجی ہی برباد ہے یہ فائدہ **الذین کذبوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: جو موت کی تیاری نہ کرے اس کے لئے موت کا آنا گویا اچانک ہی آنا ہے اگرچہ کتنی ہی بیماریاں آچکی ہوں یہ فائدہ **جاء تھم الساعۃ بغتۃ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ ساعت سے مراد موت ہو یہ غافل بیماری مرتے دم تک دواؤں حکیموں کی طرف بھاگتا ہے **احکم الحاکمین** کی طرف رجوع نہیں کرتا اسی طرح عاقل مومن صالح کی موت اگرچہ [illegible] مگر اچانک نہیں [illegible] پہلے ہی جانے کو تیار ہے وہ جو حدیث شریف میں ہے

کہ موت فجاءۃ یعنی اچانک موت غضب کی پکڑ ہے وہاں بھی اچانک موت سے یہی غفلت کی موت مراد ہے ورنہ حضرت موسیٰ و سلیمان علیہما السلام کی وفات بغیر بیماری اچانک ہی ہوئی تھی۔ چوتھا فائدہ: اگرچہ علامات قیامت صدہا سال پہلے سے قائم ہو جائیں گی مگر قیامت کی آمد اچانک ہوگی جبکہ دنیا والے بالکل غافل ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص منہ میں لقمہ دے رہا ہوگا دے نہ سکے گا کہ قیامت آجاوے گی یہ فائدہ جاء تهم الساعة کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ ساعۃ سے مراد قیامت ہو۔ پانچواں فائدہ: کافر پر اس کے اعمال سوار ہوں گے مگر مومن اپنے اعمال پر سوار ہوگا۔ دیکھو قربانی کے جانور پر سوار ہو کر مومن پل صراط سے گزرے گا مومن کی نیکی وزنی ہوگی کافر کے گناہ وزنی ہوں گے یہ فائدہ يحملون اوزارهم سے حاصل ہوا۔ معدہ اچھا ہو تو کھانا ہلکا ہو کر سواری بن جاتا ہے اگر معدہ خراب ہو تو کھانا بھاری ہو کر انسان پر سوار ہو جاتا ہے زندہ اور تندرست گھوڑا ہمارے ہمارے سامان کا بوجھ اٹھاتا ہے زندہ مگر بیمار گھوڑا ہمارا بوجھ نہیں اٹھا سکتا مگر مردہ گھوڑا پینکچر والی سائیکل ہم پر سوار ہوتے ہیں کہ ہم انہیں اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں روحانی مال و اعمال ہمارے بوجھ اٹھائیں گے ہم کو اپنے پر سوار کریں گے نفسانی اعمال نہ ہمیں اٹھائیں نہ ہم انہیں اٹھائیں مگر شیطانی مال و اعمال پینکچر والی سائیکل مردہ گھوڑے کی طرح ہم پر سوار ہوں گے کفار کے مال اعمال اقوام احوال سب مردہ گھوڑے کی طرح ان پر سوار ہوں گے مومن کا بے زکوٰۃ والا مال جانور اس پر سوار ہوگا۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں نیک و بد اعمال بلکہ کفر و ایمان جسمانی شکل میں ہوں گے ان میں بوجھ بھی ہوگا کفار کی پیٹھیں اور گردنیں اس قدر دراز کر دی جائیں گی کہ ان کے خزانے اور سارے اعمال ان پر سوار ہو جائیں گے یہ فائدہ بھی يحملون اوزارهم سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: مبارک ہے وہ جو دنیا میں رہے منحوس ہے وہ جس میں دنیا رہے۔ تم دنیا میں رہو تم میں دنیا نہ ہو بلکہ دل میں اللہ رسول کا نور ہو یہ فائدہ الا لعب و لهو سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: قیامت اور اس کے بعد کا زمانہ پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے بدکاروں کے لئے آفت یہ فائدہ خير للذين يتقون سے حاصل ہوا دنیا بونے کی جگہ ہے آخرت کاٹنے کی جگہ۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ جنہوں نے قیامت کا انکار کیا وہ خسارہ میں رہے تو کیا جن کفار نے قیامت کا انکار نہ کیا وہ خسارہ میں نہیں جیسے عیسائی یہودی۔ جواب: سارے کفار ہی خسارہ میں ہوں گے مگر جو قیامت کے منکر ہیں وہ زیادہ خسارہ میں ہوں گے کہ وہ دنیا میں کسی قسم کی نیکی نہیں کرتے قیامت کو ماننے والے کفار کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات، جھوٹ سے پرہیز، سچ بولنا، پورا تولنا وغیرہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے پیش ہونا ہے۔ لہٰذا ان کا عذاب قدرے ہلکا ہوگا۔
دوسرا اعتراض: دیکھا گیا ہے کہ مشرکین ہند یعنی ہندو آریہ قیامت کے انکاری ہیں مگر صدقہ خیرات بہت کرتے ہیں تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ منکرین قیامت نیکیاں نہیں کرتے۔ جواب: ہاں کرتے ہیں مگر آخرت کے ثواب کے لئے نہیں کہ وہ نہ آخرت کے قائل ہیں نہ وہاں کے ثواب کے بلکہ اپنی ناموری اور شہرت کے لئے خدمت دین کے لئے نہیں خدمت ملک خدمت قوم کے لئے لہٰذا ان کا یہ سب کچھ کرنا کچھ بھی نہ کرنا ہے کرنا وہ مقبول ہے جو رب کو راضی کرنے کے لئے کیا جاوے۔
تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ قیامت اچانک آوے گی۔ حالانکہ اس کی علامات صدہا سال پہلے سے قائم ہو چکیں گی اب بھی بہت سی علامات موجود ہیں۔ پھر اچانک اور بے خبری میں ہی ہوگی۔ جواب اگرچہ آثار و علامات بہت پہلے سے موجود ہوں سورج نکلتا ہے۔ اچانک اگرچہ اس کی علامات بہت پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ چونکہ وہ لوگ بالکل غافل ہوں

گے انہوں نے قیامت کی تیاری بالکل نہ کی ہوگی اس لئے ان کے واسطے قیامت اچانک ہی آوے گی اس لئے یہاں فرمایا **جاء تھم الساعتہ بغتتہ** ان کے پاس قیامت اچانک آوے گی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ کفار کا خسارہ قیامت تک ہو گا حتیٰ انتہاء کے لئے ہے تو کیا قیامت کے بعد ان کا خسارہ ختم ہو جاویگا۔ **جواب:** ہاں یہ خسارہ یعنی اعمال و ایمان سے محروم رہنے کا خسارہ ختم ہو جاوے گا پھر دوسرا خسارہ عذاب و قہر کا شروع ہو گا جیسے ابلیس سے فرمایا گیا **ان علیک لعنتی الی یوم الدین۔** اس کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت کے بعد ابلیس پر لعنت ختم ہو جاوے گی بلکہ دنیاوی لعنت قیامت تک ہے اور دوسری قسم کی لعنت قیامت اور اس کے بعد ہے۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن مجید میں دنیا کو کبھی بھی دار نہیں کہا گیا۔ آخرت یا برزخ ہی کو دار کہا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ قرآن مجید دنیا کو انسان کا دار یعنی گھر نہیں مانتا یہ تو مسافر کی منزل یا ریل کی سیٹ کی طرح عارضی قیام گاہ ہے۔ برزخ اس کا ایسا عارضی گھر ہے جیسے پردیس میں کرایہ کا لیا ہوا ریت کا گھر اور آخرت یعنی بعد قیامت جنت یا دوزخ اس کا اپنا اصلی گھر ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس لئے دنیاوی جسم نہایت کمزور بنایا گیا کہ اس میں ایک کانٹا بلکہ پھانسی کی برداشت نہیں ہزارہا بیماریوں کا مرکز جیسے مسافر کا چند روزہ خیمہ نہایت کمزور ہوتا ہے برزخ اور آخرت میں جو جسم ملے گا وہ مضبوط اور ان بیماریوں وغیرہ سے محفوظ ہو گا۔ **چھٹا اعتراض:** کفار قیامت میں اپنے گناہ اٹھائے ہوں گے یا گناہوں کے دفتر گناہ تو عرض ہیں جن میں کوئی بوجھ نہیں اس کے اٹھانے کے کیا معنی۔ **جواب:** وہاں سارے اعمال اور سارے اعراض جوہر ہوں گے۔ جن کی شکل بھی ہو گی ان میں بوجھ بھی، وزن بھی گناہوں کا وزن کفر سے بڑھے گا۔ نیکیوں کا وزن ایمان و اخلاص سے زیادہ ہو گا لہذا حق یہی ہے کہ وہ گناہ ہی اٹھائے ہوں گے اور مسلمانوں کی نیکیاں مسلمانوں کو اٹھائیں گی ان کی سواریاں بنیں گی۔ **ساتواں اعتراض:** بوجھ تو پیٹھ پر اٹھایا جاتا ہے پھر **علی ظھورھم** کیوں فرمایا یہ کلمہ زائد ہے۔ **جواب:** ہلکا بوجھ ہاتھ میں لٹکایا جاتا ہے کچھ وزنی ہو تو کندھے پر رکھا جاتا ہے مگر بہت بھاری بوجھ پیٹھ پر لادا جاتا ہے **علی ظھورھم** فرما کر بتایا کہ ان کا بوجھ بہت زیادہ ہو گا گنہگار مسلمان اپنے بے زکوٰۃ والے مال اپنے کندھوں پر لادے ہوں گے معلوم ہوا کہ کفار کے بوجھ سے ان کا بوجھ ہلکا ہو گا کہ وہ زکوٰۃ کے منکر نہ تھے۔ **آٹھواں اعتراض:** دنیا کی زندگی کو کھیل کود کیوں فرمایا گیا وہ تو آخرت۔ کے لئے اعمال جمع کرنے کا ذریعہ ہے اس کے تو بڑے فائدے ہیں **جواب:** جو زندگی کھیل کود میں میں گزرے وہ زندگی بھی خود کھیل کود ہے اسی کا نام دنیاوی زندگی ہے اور جو کام رب سے غافل کرے وہ کھیل کود ہے حیاۃ الدنیا اور ہے۔ **الحیوۃ الدنیا** کچھ اور **الحیوۃ الدنیا** وہ زندگی ہے جو خود دنیا بن جاوے یہاں **الحیوۃ الدنیا** صفت موصوف ہے اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔ **نواں اعتراض:** اگر اخروی گھر صرف پرہیز گاروں کے لئے اچھا ہے تو گنہگار و بدعمل مسلمان اور بے عمل مسلمان یعنی مسلمانوں کے شیر خوار بچے کہاں ہوں گے وہ تو متقی و پرہیز گار تھے نہیں کیا آخرت ان کے لئے اچھی نہیں۔ **جواب:** فاسق گنہگار مسلمان بھی ایک معنی سے متقی ہے کہ وہ کفر سے بچا رہتا ہے اور مسلمانوں کے فوت شدہ بچے اپنے متقی ماں باپ کے تابع ہو کر متقی ہیں لہذا ان کے لئے بھی آخرت انشاء اللہ اچھی جگہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آخرت میں اللہ تعالیٰ سے لقاء اس سے ملاقات صرف انہیں میسر ہو گی۔ جنہیں دنیا میں لقاء اولیاء اللہ اور لقاء اولیاء اللہ کے ذریعہ لقاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی جو اللہ کے بندوں کی ملاقات سے محروم رہے وہ اللہ کی ملاقات سے محروم رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات قرب جسمانی سے نہیں بلکہ قرب روحانی سے میسر ہوتی

ہے ابو جہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے محروم رہا اور تاقیامت مسلمان خصوصاً عشاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لقاء سے مشرف ہیں یہاں بزرگوں کی ملاقات رب تعالیٰ کی ملاقات ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کو خواھد ہمنشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء!!

چوں شدی دور از حضورِ اولیاء آں چناں داں دور گشتی از خدا!

فرمایا جا رہا ہے کہ نقصان میں وہ رہے جو اللہ تعالیٰ کی دنیاوی ملاقات یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے انکاری رہے اس محرومی کا پتہ قیامت میں چلے گا یوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا اس وقت یہ محرومین کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے کیسی کوتاہی کی کہ دنیا میں اللہ کی لقاء کا موقعہ ملا مگر ہم نے حاصل نہ کی نبیوں ولیوں سے دور رہے اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کے سارے گناہوں کا بوجھ ان کی اپنی پیٹھوں پر ہو گا کیونکہ انہوں نے دنیا میں ان مجلسوں میں حاضر ہو کر اپنے گناہ معاف نہ کرائے صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت کو ساعۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بنا ہے سعی سے بمعنی دوڑنا قیامت کفار کی طرف دوڑتی ہوئی آ رہی ہے لہذا ساعۃ ہے (روح البیان) خیال رہے کہ قیامت کفار کی طرف دوڑ رہی ہے۔ اور مومن شوق و ذوق میں قیامت کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ غافلوں کو موت ڈھونڈتی ہے اور عشاق موت کو ڈھونڈتے ہیں کہ موت یار سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارا تیرا!!

حضرت آسی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی جسکے جویاں تھے ہے اس گلی کی ملاقات کی رات

اس لئے ارشاد ہوا فاجاءتھم الساعۃ ان کفار کے پاس قیامت آوے گی بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ وہ مرتے وقت موت کو دیکھ کر بستر مرگ سے اٹھ کر موت کو آغوش میں لینے دوڑے یہ کہتے ہوئے تو کجائی تو کجا۔ حضرت غازی عبدالرشید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کو جب شردھانند مردود کے قتل کی سزا میں پھانسی دینے لگے تو وہ پھانسی کے پھندے کو چوم کر بولے اے یار سے ملانے والے تو نے اتنی دیر کیوں لگائی غرضیکہ مومن کے لئے موت تحفہ ہے کہ یار سے ملنے کا ذریعہ کافر کے لئے عذاب کہ اس کی دنیا چھوٹتی ہے کافر کو موت آتی ہے مومن موت کو پاتا ہے آنا اور ہے پانا کچھ اور ناگوار تکلیف وہ چیز آتی ہے محبوب کو انتظار کے بعد پایا جاتا ہے۔ کفار کی زندگی حیوۃ دنیا ہے کہ اس زندگی میں دنیا رہتی ہے لہذا یہ زندگی کھیل بھی ہے کود بھی۔ جس کا نتیجہ سواء افسوس کے اور کچھ نہیں مومن کی زندگی دنیا میں ہوتی ہے اس کی زندگی میں دنیا نہیں ہوتی لہذا مومن کی زندگی آخرت کی کاشت کرنے کی زندگی ہے اس لئے آخرت مومن کے لئے اچھی ہے کہ اس کے کھیت کٹنے کا دن ہے کافر کے لئے مصیبت کہ اس کی بربادی کے ظہور کا دن۔

نہ عمر خضر بماند نہ ملک اسکندر! نزاع بر سر دنیاء دوں مکن درویش!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو چیز رب سے غافل کر دے وہ دنیا ہے جو رب تک پہنچا دے وہ دین ہے اگر کسی کی ریا کی نماز اسے رب سے غافل کر دے تو وہ نماز اس کے لئے دنیا ہے اور اگر کسی کی نیند رب سے غافل نہ کرے۔ نماز تہجد کا ذریعہ بن جاوے تو وہ نیند اس کے لئے دنیا نہیں عین دین ہے شہید کی موت بھی حیات ہے۔ بل احیاء ولکن لا تشعرون اور کافر کی زندگی بھی موت

ہے فرماتا ہے اموات غیر احیاء کہ کافر جیتے جی رب سے غافل ہے۔ شہید مر کر بھی اس سے واصل ہے۔ جو حرص و ہوس کے ساتھ استعمال ہو وہ کافر یا غافل کی دنیا جو اس کی ہلاکت کا سبب ہے جیسے جو مکھی شہد میں گر جاوے وہ ہلاک ہو جاتی ہے جو کنارے سے کھاوے وہ مزے میں رہتی ہے۔ جو دنیا دین سے خالی ہو وہ کافر یا غافل کی دنیا ہے وہ اکیلے صفر کی طرح بالکل خالی ہے۔ جو دنیا دین کے ساتھ واصل ہو وہ نبیوں کی ولیوں کی دنیا ہے وہ دنیا دین کو دس گنا کر دیتی ہے جسے صفر عدد سے مل کر اسے دس گنا کر دیتا ہے غرضیکہ انبیاء کرام کی دنیا اور ہے مومنوں کی دنیا اور اولیاء اللہ کی دنیا اور ہے کافروں کی دنیا اور صوفیاء فرماتے ہیں مومن کے لئے برزخ اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اس لئے کہ دنیا میں اللہ رسول فرشتے جنت دوزخ نہاں ہیں وہاں عیاں یہاں غیب ہیں وہاں شہادت یہاں قال ہیں وہاں حال۔ دنیا جگہ ہے فراق کی وہ مقامات جگہ وصال کی مرتے ہی رب کی آواز سنی جاوے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو گا یہ جگہ تردد کی ہے وہاں اطمینان و ایقان ہے کہ یہاں خبر نہیں کہ ہمارے اعمال قبول ہیں یا نہیں وہاں قبولیت کا ظہور غرضیکہ جیسے دولہا کو بعض خوشیاں دولہا بننے سے پہلے ہوتی ہیں بعض دولہا بنتے وقت بعض خوشیاں بارات کے ساتھ راستہ میں بعض دلہن کے گھر پہنچ کر بعض خوشیاں وہاں سے رخصت ہوتے وقت بعض اپنے گھر دلہن لا کر بعض ولیمہ کی دعوت میں یونہی مومن کو بعض خوشیاں مرتے وقت بعض قبر میں بعض حشر میں اور بے شمار خوشیاں جنت میں پہنچ کر۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ

بے شک جانتے ہیں ہم کہ غمگین کرتی ہے تم کو وہ بات جو کفار کہتے ہیں پس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے تم کو اور لیکن

ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی

الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ

ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کے انکاری ہیں اور بے شک جھٹلائے گئے بہت سے پیغمبر

آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے

فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ

آپ سے پہلے پس صبر کیا انہوں نے اوپر اس کے کہ جھٹلائے گئے اور ستائے گئے وہ یہاں تک کہ آئی ان پر

صبر کیا اس جھٹلانے پر اور ایذائیں پانے پر۔ یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے

اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ ۝

مدد ہماری اور نہیں ہے کوئی بدلنے والا فرمان اللہ کے اور بیشک آئی آپ کے پاس خبر رسولوں کی

والا کوئی نہیں اور تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار کی بدعملیاں ان کا کفران کا قیامت کو جھٹلانا قیامت میں ان کے لئے بھاری بوجھ ہوگا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب کفار کی یہ حرکات آپ کے دل پر بوجھ بن جائیں آپ ان سے غم نہ کریں گویا پہلے ان کے لئے بوجھ ہونے کا ذکر تھا اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بوجھ نہ ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار کی زندگی کھیل کود ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان دیوانوں کے کھیل کود کا اثر آپ نہ لیں گویا پہلے کفار کی زندگی ان کے اعمال کی حقیقت بیان ہوئی۔ اب اس کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ان دیوانوں کے کھیل کود کا اثر آپ نہ لیں گویا پہلے کفار کی زندگی ان کے اعمال کی حقیقت بیان ہوئی۔ اب اس کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کی تردید تھی جو حشر و نشر کا اس لئے انکار کرتے تھے کہ یہ ہونا غیر ممکن ہے مرے بعد زندگی کو خلاف عقل جانتے تھے ان کی بھی تردید ہوئی جو بشر کی نبوت کو ناممکن سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نبی صرف فرشتہ ہو سکتا ہے اب ان کافر کی تردید ہو رہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرتے تھے گویا کفار کے کفر چند قسم کے تھے بعض کی تردید پچھلی آیات میں تھی بعض کی ان آیات میں۔ (تفسیر کبیر) چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے اعمال اقوال کے بوجھ کا ذکر تھا اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دریا دلی و وسعت قلبی کا ذکر ہے جو ان بوجھوں کی پرواہ نہیں کرتا جیسے سمندر بھاری لکڑی کے بوجھ کی پرواہ نہیں کرتا اسے تراویتا ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کی زندگی حیوۃ دنیا ہے اور حیوۃ دنیا کھیل کود ہے۔ جس سے پتہ لگا تھا کہ کفار کے اقوال اعمال' احوال سب کھیل کود ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ محبوب ان کے اقوال کی پرواہ نہ کریں یہ سب کچھ کھیل کود محض بکواس ہے ناسمجھ بچوں کے پیشاب پاخانہ کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

شان نزول : ان آیات کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (1) ابوجہل کا دوست اخنس ابن قیس ایک بار اسے تنہائی میں لے گیا بولا ابوجہل سچ بتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا نہیں۔ سچ بول دے میں کسی سے نہ کہوں گا ابوجہل بولا وہ بالکل سچے ہیں ان کی زبان سے جھوٹ کبھی نہیں نکلا' میں اس لئے انہیں نہیں مانتا کہ اس کے خاندان یعنی قصی ابن کلاب میں پہلے ہی بہت عظمتیں جمع ہیں' اگر نبوت بھی ان میں پہنچ جائے تو دوسرے قریشیوں کے لئے کیا بچے گا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی' تفسیر کبیر) (2) حارث ابن عامر ابن نوفل ابن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا علانیہ آپ کی تکذیب کرتا تھا مگر جب اپنے گھر پہنچتا تو گھر والوں سے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں وہ بالکل سچے ہیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی) (3) ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ابوجہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتا تھا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے آپ بالکل سچے ہیں ہم تو اسے جھٹلاتے ہیں جو آپ بیان کرتے ہیں (روح المعانی) اس کے نزول کے متعلق اور بہت روایات ہیں۔

تفسیر : قد نعلم انہ لیحزنک یہاں قد تفصیل یعنی کمی بیان کرنے کے لئے نہیں لہذا اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم کبھی کبھی جان لیتے ہیں کبھی نہیں بلکہ یا تو قد زائدہ ہے جس کے کوئی معنی نہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے ظاہر ہے یا تحقیق کے لئے ہے' معنی یقیناً بے شک۔ جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا یا تکثیر کے لئے ہے یعنی ہم خوب جانتے ہیں علم سے مراد مشاہدہ کا

جانتا ہے جسے علم ظہور کہتے ہیں' جانتے' دیکھنے' سننے کی بہت نوعتیں ہیں' بیٹے کی آمد جان کر خوش ہوتے ہیں حاجی کی آمد جان کر ہار پھول گجرے لے کر استقبال کے لئے جاتے ہیں چور کی آمد جان کر لاٹھی سے اس کا انتظام کرتے ہیں غنیم کی چڑھائی جان کر فوج اس کے مقابل بھیجتے ہیں' غرضیکہ محبوب کو جاننے کی نوعیت اور ہے دشمن کو جاننے کی نوعیت اور دوست کو جاننے کی نوعیت کچھ اور اللہ تعالیٰ ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کو جانتا ہے مگر محبوب کی ہر ادا کہ نہایت ہی کرم سے جانتا ہے اس لئے یہاں نعلم خصوصیت سے فرمایا گزشتہ واقعہ پر جو رنج ہو اسے حسرت یعنی غم کہا جاتا ہے' غم بہت قسم کے ہیں اپنی ذات کا غم' قوم کا غم' ملک کا غم' دین کا غم' قرآن کا غم' اولاد کا غم' مال کا غم' رسول کا غم' اللہ کا غم' ذات کا غم دو طرح کا ہے دنیا کا غم دین کا غم اس غموں میں بعض غم حرام ہیں بعض غم عبث ہیں بعض غم عبادت ہیں بعض غم ایمان ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم مختلف قسم کے تھے۔ امت کا غم' قرآن مجید کا غم' اللہ تعالیٰ کا غم' یہ غم عین عبادت ہیں یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دو غم مراد ہیں' اس فرمان عالی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کی حالت کا ذکر فرمایا **الذی یقولون** یہ عبارت **یحزن** کا فاعل ہے چونکہ **یحزن** لازم بھی آتا ہے متعدی بھی یعنی غمگین ہونا اور غمگین کرنا' یہاں متعدی ہے اس لئے اس کا معفول بھی آیا فاعل بھی اس قول سے مراد کفار کا یہ کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا یا قرآن مجید اگلوں کے جھوٹے سچے قصے کہانیاں ہیں یا آپ کے معجزات جادو ہیں یا آپ دیوانے ہیں' ان کی اس بکواس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غم غلط کرنے قلب پاک کو تسکین دینے کے لئے دو باتیں ارشاد فرمائیں ایک یہ کہ **فانھم لا یکذبونک** اس عبارت میں **ف** جزائیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ **لا تحزن** پوشیدہ کی علت ہے **ھم** کا مرجع وہی بکواس کرنے والے کفار ہیں' ہماری قراۃ میں **یکذبون** ذال کے شد سے باب تفعیل کا مضارع ایک قراۃ میں **یکذبون** ذال کی تخفیف سے ہے باب افعال کا مضارع دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی جھوٹا سمجھنا یا جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یعنی یہ لوگ در حقیقت آپ کو جوٹا نہیں کہتے جھوٹا نہیں جانتے نہیں مانتے آپ کو تو دل سے صادق اور امین سمجھتے ہیں' ظہور نبوت سے پہلے انہوں نے ہی آپ کو صادق الوعد اور امین کے خطابات دیئے تھے یہ آپ کی ہر بات ہر ادا اچھی سمجھتے ہیں **ولکن الظالمین بایات اللہ یجحدون لکن** آتا ہے **وھم** یا شبہ دور کرنے کے لئے چونکہ گزشتہ فرمان سے شبہ ہوتا تھا کہ جب کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے نہیں تو آپ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں اسلام قبول کیوں نہیں کرتے اس شبہ کو دفع فرمانے کے لئے یہ کلام **لکن** سے شروع فرمایا گیا' اگرچہ بجائے **ظالمین** کے **لکنھم** کہنا بھی کافی تھا مگر یہ بتانے کے لئے کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کفر ہے' بجائے ضمیر کے صاف طور پر **ظالمین** ارشاد ہوا' **ظالمین** سے مراد کافرین مشرکین ہیں کہ کفر و شرک بڑا ظلم ہے بندہ کا حق مارنا چھوٹا ظلم ہے اللہ کا حق مارنا یعنی کفر کرنا بڑا ظلم **ایات اللہ** سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بھی' قوی یہ ہے کہ آیات اللہ سے مراد قرآن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پہچانی جاتی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود آیات اللہ ہیں **یجحدون** بنا ہے **جحدیا جحود** سے دل سے مان کر زبان سے انکار کرنے کو جحود کہا جاتا ہے لہٰذا انکار عام ہیں جحود خاص یعنی لیکن کفار آیات قرآنیہ کا انکار کرتے ہیں وہ بھی صرف زبان سے ورنہ دل ان کے بھی مانتے ہیں کہ قرآن کریم حق ہے اور آپ سچے ہیں کیوں نہ مانیں کہ انہوں نے پتھروں

لکڑیوں کو کلمہ پڑھتے سنا شجرو حجر کو آپ پر سلام کرتے دیکھا یہ صرف ڈھٹائی سے صرف زبانی انکار کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب تم رنج کیوں کرتے ہو یہ ظالم نہیں جھٹلاتے تمہیں تو صادق امین کہتے ہیں یہ تو مجھے جھٹلاتے ہیں کہ میرے کلام کا انکار کرتے ہیں یہ تسلی کی ایک نوعیت تھی دوسری طرح یوں تسلی دی کہ فرمایا **ولقد کذبت رسل من قبلک** اس آیت کریمہ کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رسل سے مراد سارے انبیاء کرام ہیں از آدم تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پیغمبر دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کو سب نے مان لیا ہو سب کے انکاری بھی رہے بلکہ بعض نبی ایسے تشریف لائے کہ انہیں کسی نے نہیں مانا۔ سب نے انکار ہی کیا بعض کو صرف ایک دو نے بعض کو چند نے بعض کو بڑی جماعت نے مانا باقی نے انکار کر دیا **من قبلک** یا تو **کذبت** سے ہے یا پوشیدہ **جاءوا** کے متعلق ہو کر رسل کی صفت ہے یعنی آپ سے پہلے سارے رسولوں کا انکار کیا گیا آپ سے پہلے جتنے رسول تشریف لائے سب ہی کو جھٹلایا گیا یہ بڑی پرانی رسم ہے' چنانچہ حضرت آدم کو جو پہلے نبی ابوالبشر ہیں شیطان نے بلکہ خود آپ کے بیٹے قابیل بیٹی' اقلیمہ نے ان دونوں کی اولاد نے نہ مانا۔ حضرت سلیمان کو سب نے بادشاہ تو مان لیا مگر سب نے نبی نہ مانا بہت سے جن وانس کافر رہے یہی سب نبیوں کا حال ہے **فصبروا علی ما کذبوا۔ ف** تعقیبیہ ہے اور یہ جملہ **کذبت** پر معطوف **ما** مصدریہ ہے یعنی ان تمام حضرات نے جھٹلائے جانے پر صبر ہی کیا رنج و غم نہیں کیا نہ تبلیغ میں کمی کی آپ بھی صبر فرمائیں رنج و غم نہ کریں **واوذوا حتی اتاھم نصرنا** واؤ عاطفہ ہے اور **اوذوا** معطوف ہے **کذبوا** پر لہذا معنی یہ ہوئے کہ ان حضرات نے جھٹلانے جانے اور ستائے جانے پر صبر ہی فرمایا' حتی کا تعلق یا تو **کذبت** سے ہے یا **صبروا** سے یا **اوذوا** سے نصرت سے مراد کفار کی ہلاکت یا حضرات انبیاء کرام کا جہاد میں غلبہ ہے یعنی ان حضرات کو یہاں تک جھٹلایا گیا ان حضرات نے اس وقت تک صبر فرمایا جب تک کہ ہماری مدد ان تک پہنچی کہ انہیں جہادوں میں غلبہ عطا فرمایا کفار کو شکست دی یا کفار کو ہلاک فرما دیا اسی طرح آپ کی مدد بھی ہوگی آپ کا چاند چڑھے گا' کفار یا مغلوب ہوں گے یا مسلمان ہو جائیں گے۔ خیال رہے کہ کسی کو تکلیف پہنچانے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ جرم کرے اس کے عوض اسے تکلیف دی جائے جیسے زانی کو رجم یا چور کے ہاتھ کاٹنا اسے سزا یا تعزیر کہتے ہیں' دوسرے یہ کہ بے قصور کو تکلیف دی جائے بلاوجہ اسے ایذاء ظلم کہتے ہیں تیسرے یہ کہ وہ تو ہم پر احسان کرے اور ہم اسے ستائیں یہ اول درجہ کی ایذاء ہے' یہاں اسی قسم کی ایذاء مراد ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام خلق کے محسن اعلیٰ ہادی ماں باپ سے بڑھ کر خیر خواہ ہوتے ہیں کہ ماں باپ احسان عارضی اور لالچ سے ہیں ان کے احسانات دائمی اور بغیر لالچ کے ان کو ستانا انتہائی ظلم ہے **ولا مبدل لکلمت اللہ** یہ گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے کلمات اللہ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں حضرات انبیاء کرام کی فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خواہ توریت شریف کی آیات ہوں یا انجیل شریف کی یا قرآن مجید کی جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی** اور فرماتا ہے **انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغلبون** اور فرماتا ہے **ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین** اور ممکن ہے کہ کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے ہوں کہ رب تعالیٰ کے وعدوں میں تبدیلی ناممکن بالذات ہے تبدیل اور تغیر کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ اصل چیز کا بدلنا تبدیلی ہے اس کے وصف کا بدلنا تغیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہم نے گزشتہ نبیوں سے بھی نصرت و مدد کا وعدہ کیا تھا آپ سے بھی یہ وعدہ کیا ہے کہ آپ کی فتح و نصرت ہوگی کفار کا یہ ظاہری غلبہ محض عارضی ہے **ولقد جاءک من نباء المرسلین** یہ گزشتہ مضمون کی دلیل ہے نباء قصہ اور خبر یا تو ہم معنی ہیں یا نباء شاندار قصہ اور خبر کو

کہتے ہیں قصہ 'خبر' ہر قصہ کو نباء کی جمع ہے انباء اسی سے ہے نبی غیبی شاندار خبریں دینے والے مرسلین سے مراد مطلقاً انبیاء کرام ہیں خواہ رسول یا مرسل بھی ہوں یا نہ ہوں نبی رسول مرسل کا فرق بیان ہو چکا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ تک نبیوں کی خبریں آچکی ہیں جن سے آپ کو معلوم ہو چکا کہ رب تعالیٰ کے وعدوں کو کوئی بدل نہیں سکتا سارے انبیاء کرام نے اولاً کفار سے تکلیفیں پائیں پھر فتح ان کی ہی ہوئی۔

خلاصہ ء تفسیر : دنیا آخرت کا نمونہ ہے دنیاوی حکومتیں اپنے ان ملازمت کے دل و دماغ کو آسودہ رکھنے کے لئے بہت کوشش کرتی ہیں' جن پر بہت ذمہ داری ہو جن سے انتظام ملک وابستہ ہے دیکھو انجن کا ڈرائیور نیند نشہ بے خودی میں ڈیوٹی پر نہیں بھیجا جاتا کہ اس سے ساری ریل کے مسافروں کی جانیں وابستہ ہیں کہ اس کی ذرا سی پریشانی سے سینکڑوں جانیں تباہ ہوں گی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے سارا عالم ایمان وابستہ کیا لوگوں کے ایمان' عرفان' نمازیں' عبادات قرآن' فرمان احکام سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہیں دنیا کے سورج سے عالم اجسام کا نظام قائم ہے' دن رات موسم پھل پھول اس سے ہیں' آسمانی نبوت کے اس سورج سے سارا عالم ایمان وابستہ ہے اسی لئے رب چاہتا ہے کہ محبوب کا دل غمگین نہ ہو آپ کو پریشانی نہ ہو' جب کفار کی بکواس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی تکلیف ہوتی تو رب تعالیٰ کئی طرح آپ کی تسکین فرماتا ہے کبھی ان کا جواب دے کر جیسے **تبت یدا ابی لہب** کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے فضائل سنا کر کبھی ان کفار کے الزامات کی تردید کر کے کبھی گزشتہ نبیوں کے صبر و تحمل کے واقعات سنا کر وغیرہ مگر یہاں نرالے طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی کہ ارشاد فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم خوب جانتے ہیں کہ کفار و مشرکین کی باتوں سے آپ کو بہت رنج و غم ہوتا ہے آپ کے دل کو بہت صدمہ پہنچتا ہے مگر آپ یہ تو سوچیں کہ یہ لوگ آپ کو ہرگز نہیں جھٹلاتے یہ تو شروع سے ہی آپ کو صادق الوعد' امین کے لقب سے یاد کرتے ہیں آپ کی دیانت داری' سچائی کے ڈھنڈورے پیٹتے ہیں یہ تو درحقیقت مجھے جھٹلا رہے ہیں کیونکہ میری آیتوں کا انکار کر رہے ہیں یا آپ میرے رسول ہیں میرے حکم سے میرے بندوں کو میرا کلام پہنچاتے ہیں آپ کو جھٹلانا مجھے جھٹلانا ہے جب میں ان کے جھٹلانے کی پرواہ نہیں کرتا تو تم میری ذات و صفات کے مظہر اتم ہو آپ بھی اس کی پرواہ نہ کریں یہ بھی آپ سوچیں کہ شروع سے ہی جو نبی تشریف لائے ان کو ضرور جھٹلایا گیا' انہیں ستایا گیا انہیں جانی' مالی' بدنی ایذائیں دی گئیں مگر ان سب نے صبر ہی کیا حتیٰ کہ ان تک اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت پہنچی اور غالب وہی رہے' خیال رہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں گناہوں سے صبر یعنی نفس کو گناہوں سے روکنا نیکیوں پر صبر یعنی نفس کو نیک کاموں پر روکے رکھنا ہٹنے نہ دینا مصیبتوں میں صبر یعنی قدرتی آفتوں' انسانی تکالیف میں گھبرانے سے اپنے نفس کو روکنا ہر قسم کا صبر سنت انبیاء ہے صبر کے معنی ہیں روکنا اور روکنے کی یہ تین نوعتیں ہیں اور اے محبوب آپ کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو بدلنے والا پلٹنے والا کوئی نہیں اور آپ کو گزشتہ انبیاء کرام ان کی قوموں کی خبریں معلوم ہو چکی ہیں کہ اولاً ان کی قوموں نے شور مچائے زور دکھائے مگر آخر کار تمام کے زور ٹوٹ گئے نبیوں کا چاند چڑھا یہی انجام آپ کے دشمنوں کا ہو گا یہ جھٹلانا وغیرہ عارضی ہے آپ بھی صبر سے کام لیں کہ آپ تو تمام خلق کے دائمی نبی ہیں وہ حضرات خاص خاص قوموں کے وقتی انبیاء کرام تھے ان دونوں باتوں میں غور کرو اور دل میں رنج و غم کو جگہ نہ دیں' ہماری مدد کبھی دیر سے آتی ہے مگر آتی ضرور ہے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے خاص بندوں کو دشمنوں میں چھوڑ دیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا! کہ در دست دشمن گذارد ترا

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دل کو میلا نہیں ہونے دیتا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم سمجھا بجھا کر گزشتہ انبیاء کرام کے واقعات یاد دلا کر دور فرماتا ہے کیوں نہ فرمائے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم روح کائنات اصل کائنات جان ایمان ہیں' حضور ہی سے سارا نظام دین قائم ہے۔

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دل میلا ہو جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے یہ فائدہ قدنعمل سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: کفار کی طعن و تشنیع پر غیر اختیاری رنج و غم برا نہیں بلکہ اسی رنج و غم کی برداشت پر ثواب عظیم ہے یہ برداشت بھی سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم یہ فائدہ لیحزنک الخ سے حاصل ہوا یوں ہی مومنین صادقین کی اطاعت ہر خوشی بھی ثواب ہے کہ یہ بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دیانت راست بازی کمالات کے کفار بھی قائل تھے جو کلمہ پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں عیب ڈھونڈھے وہ ان کافر سے بھی بدتر ہے یہ فائدہ لا یکذبونک سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار در حقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کا انکار ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا اقرار و اعتراف در حقیقت رب تعالیٰ کی عظمت و عزت کا اقرار ہے یہ فائدہ ولکن الظلمین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا' اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کہے کہ جو میرے وزیر کا انکار کرے اسے جھوٹا کہے وہ اسے جھوٹا نہیں کہتا مجھے جھوٹا کہتا ہے اللہ کے کمال ماننے کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا ماننا بہت ضروری ہے۔ پانچواں فائدہ: قانون قدرت ہے کہ اچھوں کے دشمن ضرور ہوتے ہیں بلکہ رب تعالیٰ جب کسی بندے کو عروج دینا چاہتا ہے تو اس کے مخالف پیدا فرما دیتا ہے۔ ولقد کذبت رسل الخ سے حاصل ہوا۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جب تک مدمقابل سامنے نہ ہو تب تک قوت و طاقت کا پتہ نہیں چلتا نیز حضرات انبیاء کرام لوگوں کے لئے نمونہ اور مثال ہوتے ہیں لوگ ان کے صبر کو دیکھ کر صبر کرنا سیکھیں گے اگر ان پر مصیبتیں نہ آتیں اور وہ صبر کا موقعہ نہ پاتے تو دوسرے کو مصیبت کا مہاڑ سمجھتے اور صبر نہ کر سکتے' نیز رب تعالیٰ کے ہاں کچھ درجات شاکرین کے ہیں کچھ صابرین کے بلکہ صابرین کے درجے زیادہ ہیں رب چاہتا ہے کہ ان حضرات کو یہ دونوں درجے عطا ہوں للذا انہیں صبر کا موقعہ پھر اس کی توفیق دی جاتی ہے بہرحال حضرات انبیاء کرام کی تکالیف ان کے صبر میں بہت حکمتیں ہیں۔ چھٹا فائدہ: دنیا کی مصیبتوں مخالفوں کی مخالفتوں پر دل تنگ نہ ہونا چاہئے۔ جلد گھبرا جانا بہادری کے خلاف ہے صبر تمام مشکلات کا حل ہے یہ سنت انبیاء کرام سے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ فائدہ فصبروا علی ما کذبوا سے حاصل ہوا' مگر صبر کے یہ معنی نہیں کہ ان کے مقابلہ اور ان کے دفعیہ کی تدبیریں نہ کی جائیں تدبیر خلاف توکل نہیں ہم صبر کے معنی اس کی قسمیں اور صبر کی قسموں کے احکام کہ بعض صبر کفر ہے بعض حرام بعض جائز بعض فرض بعض ایمان کا رکن ہیں گناہوں سے صبر مصیبت میں صبر عبادات پر صبر ان سب کا تفصیلی ذکر دوسرے پارہ وبشرا لصابرین میں عرض کر چکے ہیں' ساتواں فائدہ: کبھی اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت دیر میں آتی ہے' اس دیر سے مایوس نہ ہو جانا چاہئے۔ اس کی رحمت کا انتظار کرنا چاہئے یہ فائدہ حتی اتاھم نصرنا سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ:

اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا محال بالذات اور بالکل ناممکن ہے جھوٹ منافی الوہیت ہے یہ فائدہ **لا مبدل لکلمات اللہ** سے حاصل ہوا اللہ سچا اس کے وعدے سچے اس کے رسول سچے۔ نواں فائدہ: قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کمال اس کی محنت و مشقت کے بعد دیتا ہے دانہ ملتا ہے مگر بونے کھیت کی حفاظت کرنے کاٹنے وغیرہ کی تکالیف کے بعد' انسان افسر یا حاکم بنتا ہے بی اے پاس کرنے کالج و سکول کی پابندیاں اٹھانے محنت کرنے کے بعد ماں گود میں چاند سا بچہ لیتی ہے مگر حمل اور جننے کی مصیبتوں کے بعد سونا زیور بنتا ہے مگر سنار کی بھٹی اس کی ہتھوڑی کی تکالیف اٹھاکر یوں ہی انسان رب کو پاتا ہے مگر عبادات ریاضات' مجاہدات کی مشقت کے بعد یہ فائدہ بھی **لا مبدل لکلمات اللہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اللہ کے اس قانون کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں پیغمبروں کے سارے حالات پر مطلع فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نبی کو کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں' یہ فائدہ **ولقد جاء ک من نباء المرسلین** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکلا نقص علیک من انباء الرسل** یہاں **کلا** فرماکر تمام نبیوں کے متعلق فیصلہ فرمادیا وہ جو قرآن مجید میں ہے **منہم من لم نقصصہم علیک** وہاں قرآن مجید میں قصہ بیان نہ فرمانے کا ذکر ہے واقعی قرآن کریم میں بعض رسولوں کی خبریں ہیں' بعض کی نہیں۔ گیارھواں فائدہ: تاریخی واقعات کا معلوم ہونا ان سے سبق لینا بہت ہی بہتر ہے اس سے بہت کچھ فائدے حاصل ہوتے ہیں قرآن کریم نے قوموں کے جغرافیائی حالات تاریخی حالات جگہ جگہ بیان فرمائے اس سے علم جغرافیہ علم تاریخ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کفار آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں' جب وہ آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں اور کافر انہیں جھٹلاتے ہیں تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلادیا کسی کی بات کو جھوٹا کہنا خود بات کرنے والے کو جھوٹا کہنا ہے کلام سچ تو متکلم سچا کلام جھوٹا تو متکلم جھوٹا مثلاً کفار کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نہیں اتاریں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود آیتیں بناکر انہیں اللہ کی آیتیں بتاتے ہیں اس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو جھٹلایا۔ جواب: علماء کرام نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ وہ کفار علانیہ آپ کو جھٹلاتے ہیں مگر اپنی خفیہ مجلسوں میں آپ کی تصدیق کرتے آپ کو سچا کہتے ہیں' دوسرے یہ کہ یہ ظاہری تمہاری تکذیب کرتے ہیں مگر درحقیقت آیات قرآنیہ کو جھٹلاتے ہیں یہ جواب تفسیر کبیر وغیرہ نے دیئے مگر ان سے اصلی اعتراض نہیں اٹھتا فقیر کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ بات کا سچا جھوٹا ہونا کچھ اور ہے اور بولنے والے کا سچا جھوٹا ہونا کچھ اور جھوٹی بات وہ ہے جو واقعہ کے خلاف ہو مگر جھوٹا آدمی وہ ہے جو جھوٹی خبر دینے کا ارادہ کرکے جھوٹی بات منہ سے نکالے اگر وہ جھوٹ کا ارادہ نہیں کرتا تو جھوٹا نہیں لہٰذا سونے والا' نشہ والا' دیوانہ بیہوش جو غفلت میں جھوٹی بات بولے تو بات جھوٹی ہے مگر وہ شخص جھوٹا نہیں بعض سیانے کہتے ہیں دیکھو وہ آسمان پھٹ گیا' دیکھو زمین ٹوٹ گئی مگر انہیں جھوٹا نہیں کہا جاسکتا کفار کہتے تھے کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں وہ تو جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے نہیں وہ سچے ہیں کسی نے ان پر جادو کردیا ہے یا دیوانگی طاری ہوگئی ہے اس وجہ سے وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں جیسا کہ دوسری آیات میں اس کا صراحۃً ذکر ہے اس قاعدے سے قرآن کریم یہاں فرماتا ہے کہ وہ تم کو جھوٹا نہیں کہتے میری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں غرضیکہ کلام کا جھوٹا ہونا کچھ اور دیکھو رب تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے کہ جب [illegible] ہیں ہم بھی جانتے ہیں کہ

آپ اللہ کے رسول ہیں مگر ہم گواہی دیتے ہیں کہ منافقین جھوٹے ہیں ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ کفار آپ کے متعلق کہتے ہیں افترى على الله كذبا ام به جنبته" یا تو یہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں یا انہیں دیوانگی ہے فقیر کے نزدیک یہ جواب بہت قوی ہے۔ دوسرا اعتراض: جب کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہی نہ تھے تو رب تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کی مثال کیوں پیش کی کہ فرمایا ولقد كذبت رسل من قبلک یہ مثال کیونکر درست ہوئی۔ جواب: وہاں بھی مطلب یہی ہے کہ گزشتہ نبیوں کی باتوں کو جھوٹا کہا گیا یا یہ مطلب ہے کہ یہ کفار تم کو سچا مانتے ہیں تم سے پچھلے نبیوں کو تو صاف جھوٹا کہتے تھے، جب وہ صبر فرماتے رہے تو آپ کو بھی صبر چاہیے۔ تیسرا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے بآیات الله يجحدون کیوں فرمایا ینکرون فرمانا زیادہ مناسب تھا۔ جواب: انکار اور جحد کا فرق ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جحود خاص ہے انکار عام۔ چوتھا اعتراض: قانون قدرت یہ کیوں مقرر ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کے انکاری اور جھٹلانے والے پیدا کئے گئے جس سے انہیں صدمے بھی پہنچے ایذائیں بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کنکروں پتھروں کو کلمہ پڑھا سکتے ہیں تو ابوجہل ابولہب کو کلمہ کیوں نہ پڑھایا۔ جواب: اس میں بہت سی حکمتیں ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معجزانہ طریقے سے کفار کو مسلمان کر لیتے تو آئندہ علماء و اولیاء کی تبلیغ کے لئے مثال قائم نہ ہوتی وہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزات تھے معجزانہ طریقہ پر لوگوں کو مسلمان کر لیا ہمارے پاس معجزہ نہیں ہم تبلیغ کیسے کریں نیز اس صورت میں ان مسلمانوں کو اسلام قبول کرنے کا ثواب نہ ملتا اختیاری ایمان پر ثواب ہوتا ہے نہ کہ مجبوری ایمان پر نیز اس صورت میں حضرات انبیاء کرام کو تبلیغ اور صبر کا ثواب نہ ملتا وغیرہ وغیرہ۔ پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ولقد جاءک من نباء ی المرسلین جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں کی ساری خبریں پہنچ گئیں دوسری جگہ فرماتا ہے وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فوادک مگر دوسری جگہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ منهم من قصصنا علیک و منهم من لم نقصص علیک جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض نبیوں کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے بعض کی نہیں دی آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: تمہاری پیش کردہ آیت منهم من لم نقصص علیک میں قرآن مجید میں صراحۃً قصے بیان فرمانے کی نفی ہے یعنی قرآن مجید میں بعض رسولوں کے قصے صراحۃً بیان نہیں فرمائے گئے یہاں کی اس آیت اور وکلا نقص کی آیت میں اور طریقوں سے سارے نبیوں کی خبر دینا مراد ہے بطور کشف و الہام، معراج کی رات [illegible] ملاقات ان سے کلام، لامکان میں پہنچ کر معراج کی شب وحی خاص فاوحی الی عبده ما اوحی۔ ان ذریعوں سے [illegible] اللہ علیہ وسلم کو سارے نبیوں کے سارے تفصیلی حالات بتائے گئے بلکہ دکھائے گئے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اس لئے [illegible] جاءک ارشاد ہوا لوحی قرآن کا ذکر نہیں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے وہ دشمنوں کو بھی جانتا ہے دوستوں کو بھی جانتا ہے مگر دشمنوں کو جانتا ہے قہر و غضب کے ساتھ دوستوں کو جانتا ہے کرم و مہر کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی حالات کو خاص کرم کے ساتھ جانتا ہے اس خصوصی کرم کے اظہار کے لئے فرمایا نعلم انه لیحزنک ساری مخلوق رب تعالیٰ کی معلوم ہے مگر معلومیت محبوبین اور معلومیت مردودین میں بڑا فرق ہے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا فی الذات کا درجہ حاصل ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار [illegible] رب تعالیٰ کا انکار ہے یہاں یہ فرمایا

وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ آیات اللہ کو جھٹلاتے ہیں ایسا ہی ہے جیسے فرمایا گیا کہ آپ نے کنکر نہ پھینکے ہم نے پھینکے **ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** اس آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عالی بتایا گیا حضرات انبیاء سورج و چاند ہیں کفار ظلمت و تاریکی جیسے نور تاریکی میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکتا یوں ہی ان حضرات سے راضی نہیں ہو سکتے اس ناراضگی پر صبر و تحمل کرنا اور زیادہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادتی قرب الٰہی کی تعلیم دی گئی صوفیاء فرماتے ہیں کہ **لیحزنک الذی یقولون** قیامت تک کے لئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کافر و مومن کے ہر قول و عمل سے خبردار ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری برائیوں گناہوں سے غم ہوتا ہے ہماری نیکیوں سے خوشی ہم کو چاہئے کہ گناہوں سے اس لئے بچے کہ ہماری ان حرکتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا ہے۔ **عزیز علیہ ما عنتم** اور نیکیاں اس لئے کریں کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوتی ہے خوش نصیب ہے وہ اولاد، شاگرد، مرید، امتی جو اپنے والدین، استاد، پیر، نبی کو خوش رکھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ صبر اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور بندہ کی بھی اس کے لفظی معنی ہیں روکنا اگر رب کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں گنہگاروں سے اپنا عذاب روکنا ان کے گناہوں پر جلد پکڑ نہ فرمانا اس لئے اس کا نام صبار بھی ہے صبور بھی دیکھ لو ہم کیسے کیسے گناہ کرتے رہتے ہیں مگر ہم کو عیش، روزی، ہر قسم کی نعمت ملتی رہتی ہے یہ ہے اس کی شان صباری پھر اگر کوئی عمر بھر جرم و گناہ کرتا رہے ایک بار سچی توبہ دل سے کرے تو معاف فرما دیتا ہے یہ ہے اس کی شان صبوری اسی صباری اور صبوری کا ظہور تھا کہ فرعونی جادوگر جو عمر بھر کفر و گناہ کرتے رہے ایک مقبول سجدہ کی برکت سے مومن صالح کلیم اللہ کے صحابی صابر اور شہید سب کچھ ہو گئے۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي

اور اگر بھاری ہوتا ہے آپ پر ان کا منہ موڑنا پس اگر طاقت رکھو تم یہ کہ ڈھونڈ لو تہ خانہ زمین

اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ

الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ

میں یا سیڑھی آسمان میں پھر لاؤ تم ان کے پاس کوئی نشانی۔ اور اگر چاہتا اللہ تو جمع کر دیتا ان

تلاش کرو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ

کو اوپر ہدایت کے پس ہرگز نہ ہو تم ناواقفوں سے قبول کرتے ہیں وہ ہی لوگ جو سنتے ہیں اور مردے

کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردہ دلوں

يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾

اٹھائے گا انہیں اللہ پھر اس کی طرف لوٹائے جائیں گے

کو اللہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے

وقف منزل لعند البعض علی یسمعون

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ہٹ دھرمی پر دو طرح تسکین دی گئی ایک اس طرح کہ یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ مجھے جھٹلاتے ہیں' دوسرے اس طرح کہ گزشتہ نبیوں کو جھٹلایا گیا یہ کوئی نئی بات نہیں اب تیسری طرح تسلی دی جارہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدبختوں کے ایمان سے مایوس کیا جارہا ہے مایوسی بھی ایک قسم کی تسلی و راحت ہوتی ہے یعنی وہ ایمان نہیں لائیں گے' آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ گزشتہ نبیوں نے قوم کے جھٹلانے پر بہت صبر کیا کہ ان حضرات کو اللہ کی مدد پہنچ گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قوم ایمان نہ لائی بلکہ مغلوب یا ہلاک کردی گئی اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے ساتھ ہوگا کہ یہ سب لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ بلکہ آپ کو ان پر غلبہ دیا جائے گا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں جو اس کا ارادہ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ ان بدبختوں کے متعلق بھی ارادہ الٰہی یہی ہوچکا ہے کہ انہیں ایمان کی توفیق نہ ملے پھر آپ ان کے ضد ہٹ دھرمی پر ملول کیوں ہوتے ہیں گویا قانونِ الٰہی بیان فرمانے کے بعد اس کے ایک نتیجہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔

شان نزول : ایک بار حارث ابن عامر نوفل ابن عبد مناف. جماعت قریش کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ آپ کوئی ایسا معجزہ ہم کو دکھائیں جو معجزہ گزشتہ انبیاء کرام دکھاتے تھے (یعنی یا تو ہمارا منہ مانگا معجزہ جیسے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادو وغیرہ یا جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی عصا موسوی وغیرہ) تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ منظور نہ فرمایا اس پر وہ شور مچایا مذاق اڑایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بہت ہی صدمہ ہوا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کے لئے یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن' تفسیر صاوی وغیرہ) بعض مومنین کی بھی تمنا تھی کہ یہ معجزہ دکھا دیا جائے' شاید یہ لوگ اس ذریعہ سے ہی ایمان لائیں اور ان کے ایمان لانے سے اسلام کی اشاعت میں مدد ملے گی۔

تفسیر : **وان کان کبر علیک اعراضھم** یہاں ان شرطیہ کان پر لایا گیا نہ کہ کبر پر یعنی وان کبر نہ فرمایا گیا کیونکہ ان ماضی کو مستقبل بنا دیتا ہے سواء کان کے کہ کان کو ان بمعنی مستقبل نہیں کرسکتا. مقصود تھا اسے ماضی رکھنا (روح المعانی) کان کا اسم یعنی ضمیر شان پوشیدہ ہے اور کبر اس کی خبر ہے معنی یہ ہوئے کہ اگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کو ان کا منہ پھیرنا شاق گزرا ہے' یہاں ان بیان شک کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے وہ تو علیم و خبیر ہے بلکہ محض تعلق کرنے کے لئے ہے کبر بنا ہے کبر سے بمعنی بڑا ہونا یا بھاری ہونا یہاں بمعنی بھاری ہونا ہے یعنی شاق گزرنا چونکہ حارث اور اس کے ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر ہی چل دیئے تھے یہ حالت بیان فرمانے کے لئے **اعراضھم** ارشاد ہوا **کفرھم یا عنادھم** نہ فرمایا گیا اعراض کے معنی ہیں منہ پھیرنا' یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانے سے منہ پھیرنا مراد ہے۔ یعنی ایمان قبول نہ کرنا **فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض** یہاں ف جزائیہ ہے اور اس کے بعد والا پورا جملہ شرطیہ پہلے ان کی جزا ہے **استطعت** بنا ہے طوع سے بمعنی قدرت و طاقت یہ طوع بمعنی خوشی نہیں نفق زمین میں تہ خانہ جس کے دو منہ ہوں ایک داخل ہونے کا دوسرا نکلنے کا اسی لئے گوہ کے سوراخ کو نافقاء کہا جاتا ہے اس کے تین دروازے ہوتے ہیں 'نافقاء' 'قاصعاء' 'راھیا'

ایک دروازہ ظاہر ہوتا ہے باقی دو چھپے ہوئے جن پر مٹی کی تہہ جمی ہوتی ہے جب شکاری اس کے ظاہری دروازہ پر جاتا ہے تو وہ دوسرے چھپے دروازہ سے نکل جاتی ہے اس سے ہے منافق جس کی زبان و دل ایک نہ ہوں اسی سے ہے نفقہ بمعنی خرچہ کہ جمع شدہ رقم متفرق جگہ خرچ کر دی جاتی ہے (تفسیر صاوی وغیرہ) نفقا " معفول ہے تبتغی کاا وسلما فی السماء یہ عبارت معطوف ہے' نفقاء پر اور تبتغی کا مفعول سلم بنا ہے سلامتہ سے بمعنی چھٹرنا سلم بمعنی اسم آلہ ہے' سلم چڑھنے کا آلہ یعنی مرقاۃ (سیڑھی' زینہ) فی السماء عالغا کے متعلق ہو کر سلم کے صفت ہے یعنی ایسی سیڑھی جو آسمان میں پہنچادے فتا تیھم بایتہ یہ عبارت تبتغی پر معطوف ہے ان کے تحت ہے اس لئے اس پر فتحہ آیا ھم کا مرجع وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں ایتہ سے مراد ان کفار کا منہ مانگا معجزہ ہے خیال رہے کہ ان استطعت کی جزا پوشیدہ ہے فات بھا یعنی اگر آپ پر ان بدبختوں کا ایمان سے منہ پھیرنا گراں ہے اگر تو آپ زمین کے اندر تہہ خانہ سے یا آسمان سے بذریعہ سیڑھی کے ان کے منہ مانگے معجزے لا سکیں تو لے آئیں ان کا مطالبہ پورا کر دیں ہم تو ان کے لئے ایسے واہیات مطالبے پورے نہیں کریں گے ان کی ہر ضد نہیں مانیں گے اگر انہیں ایمان لانا ہے تو آپ نے بے شمار معجزے دکھادیئے ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدی یہ فرمان گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے جس میں بتایا گیا کہ ان بد نصیبوں کا ایمان نہ لانا اتفاقا" نہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائیں کچھ کافر رہیں تا کہ جنت و دوزخ دونوں بھرے جائیں' صفت غفاری و قہاری دونوں ظاہری ہوں خیال رہے کہ یہاں شاء بمعنی ارادہ ہے نہ کہ بمعنی پسندیدگی اللہ تعالیٰ سب کے ایمان کو پسند تو فرماتا ہے مگر اس کا ارادہ نہیں فرماتا ھم کا مرجع یا تو وہی کفار ہیں یا سارے جن و انس ھدی سے مراد ہے اسلام و ایمان یعنی اگر اللہ تعالیٰ ارادہ نہ فرماتا تو سارے بندوں کو ایمان و اسلام پر جمع فرمادیا کہ سب مسلمان ہو جاتے کوئی کافر نہ رہتا مگر اس نے یہ چاہا نہیں لہذا سب بندے ایمان نہ لائیں گے آپ اس سے غم نہ کریں فلا تکونن من الجاھلین یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے لما کان کذالک ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عتاب کے اظہار کے لئے ہے اور اس میں خطاب عام قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ دوسرے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرص ایمان کی تعریف فرمائی ہے۔ حریص علیکم یہ آرزو کہ سب مسلمان ہو جائیں اچھی آرزو ہے اس پر عتاب کیسا اور ایک عبارت میں چند ضمیروں کا مختلف طرف لوٹنا جائز ہے جب کہ اس سے کچھ فائدہ ہو رب تعالیٰ فرماتا ہے یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک دیکھو اعرض کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف ہے اور استغفری کی زلیخا کی طرف اسی صورت میں جاھلین سے مراد ہے معترضین یعنی اے مسلمان تو اللہ پر اعتراض کرنے والوں میں سے نہ ہو یہ نہ کہہ کہ سب کو ہدایت کیوں نہ دے دی اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہو تو بھی خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور سنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے' جیسے یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء اور اگر سنانا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہو تو یہ عتاب نہیں بلکہ اظہار کرم ہے بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ کسی مہربان استاذ کا بہت شوقین محنتی لائق فائق شاگرد طاقت سے زیادہ محنت کرتا ہو استاذ عتابانہ لہجہ میں کہے کہ تجھ سے ہو سکے تو ایک دن میں ہی عالم فاضل بن جا تو نادان کیوں ہو گیا زیادہ محنت سے تیری صحت خراب ہو جائے گی ظاہر ہے کہ اس شفیق استاذ کا یہ فرمان عتاب کے لباس میں شفقت و رحمت ہے کیونکہ وہ شاگرد عتاب والا کام نہیں کر رہا ہے اب تک ارشاد ہوا کہ معجزات وغیرہ ان کفار کو مفید نہیں اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ معجزات آیات قرآنیہ اسے فائدہ دے سکتے ہیں جو آپ کی بات سنے تو یا جو

زندہ تو ہو یہ تو آپ کے کلام سے بہرے اور مردے ہیں پھر انہیں فائدہ کیسا چنانچہ ارشاد ہے انما یستجیب الذین یسمعون یہ نیا جملہ ہے جس میں اور طریقہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی ہے اور آپ کا رنج و غم دور فرمایا گیا انما حصر کے لئے ہے یستجیب بمعنی یجیب ہے۔ استجابۃ بہت دفعہ بمعنی اجابت آتا ہے بمعنی قبول کرنا یہاں سننے سے مراد قبولیت کا سننا ہے کہ کان کی پڑی آواز دل میں اتر جائے اور دل سے مان لے یعنی وہی لوگ آپ کی بات قبول کرتے ہیں جو آپ کا فرمان سنتے ہوں یہاں مختصر سی عبارت پوشیدہ ہے دون الموتی نہ کہ مردے، مطلب یہ ہے کہ یہ مردے ہیں آپ کی بات کیسے سنیں، خیال رہے کہ دل کے تین دروازے بیرونی ہیں دو اندر جانے کے اور ایک اندر سے باہر نکلنے کا کان اور آنکھیں وہ دروازے ہیں جن سے باہر کی چیزیں اندر جاتی ہیں انسان دیکھ کر سن کر دل سے اقرار یا انکار کرتا ہے اور زبان وہ دروازہ ہے جس سے دل کی بات باہر آتی ہے، پھر ایک دروازہ ہے دل میں اندرونی جس کے ذریعہ یہ چیزیں دل میں اترتی ہیں دل انہیں قبول کرتا ہے یہاں فرمایا یہ گیا کہ یہ لوگ آپ کے معجزات یا کلام سے مسلمان کیسے ہوں ان کے دل کا اندرونی دروازہ بند ہے جن کے دل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ تو ایک معجزہ دیکھ کر آپ کی ایک بات سن کر ایمان لے آتے ہیں۔ یستجیب میں دل کے اندرونی دروازہ کا ذکر ہے یسمعون میں بیرونی کا والموتی یبعثھم اللہ موتی جمع ہے میت کی اس سے مراد دلوں کے مردے یعنی کفار ہیں جو ایمان قبول نہ کریں گے جن کے نصیب میں ایمان ہے وہ اگرچہ ابھی کافر ہوں مگر میت نہیں بعث سے مراد قیامت میں سزا کے لئے قبروں سے اٹھانا ہے۔ لہذا آیت واضح ہے یعنی ان مردہ دل کافروں کو رب تعالیٰ قیامت میں سزا کے لئے ان کی قبروں سے اٹھائے گا جس سے معلوم ہوا کہ یہ مرتے وقت تک کافر ہی رہیں گے خیال رہے کہ جسم کی زندگی جان سے ہے اور دل کی زندگی ایمان سے جان کے بغیر جسم کی کوئی قیمت نہیں اور ایمان کے بغیر دل کی کوئی قدر نہیں نیز جسم میں جان ہے تو سارے اعضاء کام کرتے ہیں جان نکلتے ہی سب بیکار یوں ہی دل میں ایمان ہے تو سارے اعمال کام کے ہیں ایمان گیا تو سب گیا جسمانی زندگی کے لئے غذا اور ہوا ہے دلی زندگی کے لئے محبت خدا اور غیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ دونوں چیزیں زندہ دلوں کی صحبت سے میسر ہوتی ہیں روشن چراغ سے اپنا گل شدہ چراغ لگاؤ تا کہ وہ بھی روشن ہو جائے۔

چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ داراں زن ۔۔۔ کہ بیداری بخت از بخت بیداری شود حاصل

اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ دلوں کی قدر ہے ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

تن بے جان سے بیزار ہے حق! ۔۔۔ خدا زندہ زندوں کا خدا ہے

اس موت سے جسم مردہ ہو جاتا ہے مگر زندہ دل ابد الآباد تک زندہ رہتا ہے، اسے فنا نہیں۔ بل احیاء ولکن لا تشعرون ثم الیہ یرجعون چونکہ قبروں سے اٹھنے اور دربار الٰہی میں پیش ہونے میں دراز فاصلہ ہو گا اس لئے ثم ارشاد ہوا نیز اس دن رب تعالیٰ کے سوا کسی بادشاہ یا حاکم کی کچہری نہ ہو گی اس لئے حصر کے لئے الیہ کو یرجعون سے پہلے فرمایا گیا نیز اس دن کفار بخوشی پیش نہ ہوں گے وہ تو چھپنے کی کوشش کریں گے فرشتے جبراً انہیں پیش کریں گے اس لئے یرجعون مجہول ارشاد ہوا نیز تمام بندے وہاں سے ہی اسی دنیا میں آئے اور پھر وہاں ہی جائیں گے اس لئے یذھبون نہ کہا بلکہ یرجعون ارشاد ہوا۔ یعنی یہ مردے کفار رب کے دربار میں پیش ہوں گے تب آپ کی باتیں سنیں گے مگر اس وقت سنا کام نہ آئے گا سننے اور قبول کرنے ایمان لانے عمل کرنے کی جگہ دنیا ہے یہاں عمل ہے حساب نہیں وہاں حساب ہو گا عمل نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ ان کان کبر علیک سے فلا تکونن من الجاھلین تک کے سارے خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اگلے سارے خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوں اگر مسلمانوں سے خطاب ہے تو عتاب مقصود ہے اور اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے تو عنایت بے غایت کرم بے نہایت ہے ہم خلاصہ ء تفسیر میں آخری تیسری تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں 'ارشاد باری ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کافر کا آپ کی تبلیغ سے منہ پھیرنا آپ کی بات نہ ماننا گراں گزرا ہو تو اگر آپ سے ہو سکے کہ زمین کے تہ خانہ میں کوئی زمین دوز سرنگ تلاش کریں یا آسمان پر پہنچنے کے لئے کوئی سیڑھی تلاش کر کے آسمان پر پہنچ جائیں اور زمین میں سے یا آسمان پر سے ان کے منہ مانگے معجزات انہیں دکھائیں تو ایسا کرلیں ہم تو ان کے منہ مانگے معجزے نہیں دکھائیں گے آپ نے صدہا معجزات دکھادیئے ثبوت نبوت کے لئے وہ کافی ہیں ضدی آدمی کسی چیز سے بھی نہیں مانتا آپ یہ خیال فرمالیں کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی یا نقصان نہیں ان بدنصیبوں کا قبول نہ کرنا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت پر آنے کا ارادہ نہ فرمایا۔ اب یہ ہدایت پر کیسے آئیں اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع فرمادیتا کہ ایک بھی کافر نہ رہتا۔ مگر یہ ہماری حکمت کے خلاف ہے باغ میں نرے پھول ہی نہیں ہوتے وہاں گھاس بھی ہوتی ہے اے قرآن سننے پڑھنے والے مسلمان تو بھی یہ بات دھیان میں رکھنا نادان نہ بن یا اے محبوب آپ نادان نہ بنیں اپنے کو ان کی فکر میں پریشان نہ کریں آپ کی پریشانی ہم کو پسند نہیں یہ بھی خیال رکھیں کہ آپ کی تبلیغ وہی سن سکیں گے جو سننے کی صلاحیت رکھتے ہوں یہ تو مردے ہیں ان میں سننے کی صلاحیت کہاں ان مردوں کو اللہ تعالیٰ جب ان کی قبروں سے اٹھائے گا پھر بہت عرصہ محشر میں سرگرداں رہنے کے بعد اپنے رب کی طرف سزا کا فیصلہ سننے کے لئے لوٹائے جائیں گے 'تب سنیں گے لور دنیا میں لوٹ جانے کی تمنا کریں گے مگر اس وقت سننا کام نہ دے گا کہ سننے کا وقت نکل چکا ہو گا۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کی بہت ہی حرص ہے یہ حرص رب تعالیٰ کو بڑی پیاری ہے اسی حرص کی تعریف رب نے فرمائی کہ فرمایا حریص علیکم اس حرص عظیم کی وجہ سے لوگوں کی ضد و عناد سے بہت صدمہ ہوتا تھا۔ جسے رب تعالیٰ جگہ جگہ دفع فرماتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین میں جانے یا آسمان پر پہنچنے وہاں سے ان کے منہ مانگے معجزات لانے کی اجازت دے دی جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی کرلیتے صرف ان کی ایمان کی خواہش میں یہ فائدہ ان تبتغی نفقا الخ سے روح المعانی وغیرہ نے اخذ کیا۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی نبی خلاف ارادہ الٰہی کوئی معجزہ نہیں دکھاتے وہ حضرات جو کچھ دکھاتے ہیں اللہ کے ارادہ اس کی اجازت سے یہ فائدہ بھی فان استطعت سے حاصل ہوا۔ وہ حضرات اپنے خداداد اختیارات رب تعالیٰ کی اجازت سے استعمال کرتے ہیں 'ایک متقی آدمی ناجائز چیز کو دیکھتا یا سنتا نہیں یا ممنوع جگہ جاتا نہیں اس کی وجہ سے نہیں کہ وہ دیکھنے سننے کی طاقت نہیں رکھتا' بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ان طاقتوں کو بغیر حکم الٰہی استعمال نہیں کرتا اس پر وہ بڑا ثواب پاتا ہے۔

مسئلہ : معجزات انبیاء تین قسم کے ہیں ایک وہ جو نبی کی ذات کے ساتھ لازم ہوتے ہیں۔ کبھی ان سے جدا نہیں ہوتے جیسے

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن یا داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کا بے سایہ اور خوشبودار ہونا دوسرے وہ جو انبیاء کرام کے اختیار میں ہوتے ہیں جب چاہیں دکھائیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو آپ کے پھینکنے پر سانپ بنتا تھا ید بیضا جو بغل میں ہاتھ دینے پر چمکتا تھا یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر بار رب سے پوچھتے نہ تھے کہ کیا عصا پھینکوں یہ سانپ بنے گا یا نہیں بلکہ جب چاہتے سانپ بناتے۔ تیسرے وہ جن میں نبی کے اختیار کو دخل نہیں رب جب چاہے ظاہر فرمادے ہاں ان کی دعا سے یہ معجزے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے لہٰذا یہ ان کے معجزے ہوتے ہیں جیسے حضرت مسیح کی دعا سے دسترخوان آسمان سے آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بعض آیات آئیں۔ جیسے آیات قرآنیہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانی دسترخوان مگر یہ سب معجزے رب تعالیٰ کے ارادے سے ہوتے ہیں اس کے بغیر چاہے کوئی کچھ نہیں کر سکتا بلکہ کوئی کچھ نہیں چاہ سکتا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش بھی باعث ثواب تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش کہ ان کفار کے منہ مانگے معجزے دکھادیئے جائیں شاید یہ ایمان قبول کرلیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے تھی اہو ہدایت دینے کی تھی اچھی چیز کی تمنا بھی اچھی ہے جس پر ثواب ملتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدبختوں کے ایمان سے مایوس تو کیا مگر اس آرزو سے نہ منع فرمایا نہ انہیں تبلیغ فرمانے سے روکا۔ پانچواں فائدہ: جن کفار کے ایمان سے مایوسی ہے انہیں بھی تبلیغ کرنے کا حکم ہے اور اس تبلیغ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر و ثواب ہے مہربان طبیب لاعلاج بیمار کا بھی علاج کرتا ہے اس پر فیس اور دواؤں کی قیمت کا حقدار ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے سواء علیہم ء انذرتہم ام لم تنذرھم لا یومنون یہاں علیہم فرمایا علیک نہ فرمایا یعنی ایسے کافروں کو تبلیغ کرنا ان کے لئے برابر ہے آپ کے لئے برابر نہیں آپ کو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ چھٹا فائدہ: تمام انسان ایمان نہ لائیں گے بعض کفار ضرور رہیں گے یہ فائدہ ولو شاء اللہ سے حاصل ہوا اس میں رب تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں۔ ساتواں فائدہ: انسان کو چاہئے کہ راضی بہ رضا رہے قدرت کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ کرے نہ رب کی شکایت کرے اگر ہم اپنی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہوں تو حوالہ بہ خدا کریں سمجھیں کہ اس میں اس کی حکمت ہے۔

گر زمین را بہ آسماں دوزی نہ دہندت زیادہ از روزی

یہ فائدہ بھی فان استطاعت ان تبتغی الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی یہ تھی کہ سارے ہی لوگ ایمان لے آئیں۔ سب کو اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جھکا دیا جائے۔ رب تعالیٰ نے کس نفیس طریقہ سے اپنے محبوب کو سمجھایا۔ آٹھواں فائدہ: جو کان حق نہ سنیں وہ بہرے ہیں جو زبان حق نہ بولے وہ گونگی ہے جو زندہ حق تک نہ پہنچے وہ مردہ ہے غرضیکہ جو شے اپنا مقصد پورا نہ کرے وہ گویا ہے ہی نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں سننے والے کافروں کو بہرہ فرمایا اور زندہ مشرکین کو موتی قرار دیا کہ انہوں نے اپنے قوت سماعت اور زندگی کا مقصد پورا نہ کیا اور وفات یافتہ شہدا کو زندہ کہا۔ نواں فائدہ: سب کو جانا ہے بارگاہ الٰہی میں ہی مگر کوئی پیش ہوگا انعام پانے کے لئے اور کوئی پیش ہوگا سزا پانے کے لئے سب کا رجوع اودھر ہی ہے مگر رجوع کی نوعیت میں فرق ہے یہ فائدہ الیہ یرجعون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انسانوں کے ایمان کی حرص فرمانا تو بڑا ہی اعلیٰ عمل ہے جس کی تعریف خود

رب تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ فرمایا حریص علیکم پھر یہاں اس حرص شریف کی وجہ سے عتاب کیوں فرمایا آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں تفصیل سے عرض کر دیا گیا کہ یہاں روئے سخن اگر ان مسلمانوں کی طرف ہے جو سب کو مسلمان کرنا چاہئیں اور سب کے مسلمان نہ ہونے سے رب تعالیٰ پر اعتراض کریں کہ سب کہ ہدایت کیوں نہیں دیتا ان سے فرمایا گیا کہ جاہل نہ بنو اس میں ہماری حکمت ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اس ہی طرف اشارہ کر رہا ہے تب تو کوئی اعتراض نہیں اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے تو یہ عتاب نہیں انتہائی کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اظہار ہے۔ جس کی نفیس مثال تفسیر میں دے دی گئی عتاب ہوتا ہے فرض منصبی میں کوتاہی کرنے پر نہ کہ فرض سے زیادہ کام کرنے پر' رب تعالیٰ کے اس کریمانہ کا ظہور ان آیات سے ہو رہا ہے **طہ ما انزلنا علیک القران لتشقی** اے محبوب ہم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں **لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین** شاید آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے اس لئے کہ وہ مومن نہیں بنتے **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** دوزخیوں کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہ ہو گا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ تھی کہ کون ہدایت پائے گا' اور کون نہیں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی ہدایت کی کوشش نہ فرماتے اور یہ آیت اتارنے کی نوبت نہ آتی پھر تم کیسے کہتے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی علم غیب اور ہر ایک کے انجام کی خبر عطا ہوئی۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے انجام کی خبر ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب ان کفر پر مرنے والے کفار سے کہہ دو **ولا انتم عابدون ما اعبد** تم میرے معبود حقیقی کی کبھی عبادت کرنے والے نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رحمت اللعالمین اس رحمت کا تقاضا تھا کہ سب کا بھلا چاہیں سب کو رب کے دروازے کی طرف بلائیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر بھی ملتا۔ مہربان طبیب لاعلاج مریض سے مایوس ہو کر بھی اس کا علاج کئے جاتا ہے' سورج ہر چیز پر چمکتا ہے بادل ہر زمین پر برستا ہے خواہ زمین اچھی ہو یا بیکار نالی' گھور ا ہو یا اور' یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک پر کرم کرتے ہیں' کوئی کرم سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو! تم ایسے رحمت للعالمین ہو!

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے روزی سب کو دیتا ہے خواہ کوئی روزی کھا کر اس کی عبادت کرے یا اس کی نافرمانی' دوستو! خیال رکھو ہم جرم کرنے کی عادت نہیں چھوڑتے حضور کرم پروری بندہ نوازی شفاعت سفارش بخشوانے کی عادت نہیں چھوڑتے گناہ کرنا ہمیں آتا ہے' بخشوانا انہیں آتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

قدرت کی تحریریں جانے امی اور تقریریں جانے' بخشش کی تدبیریں جانے

وہ ہے سب کا پیارا جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہے اجیالا!

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ سارے انسان کبھی ہدایت پر جمع نہ ہوں گے گمراہ اور کافر ضرور رہیں گے مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پر ساری دنیا میں مومن ہی ہوں گے کافر کوئی نہ رہے گا تو کیا عیسیٰ علیہ السلام کی شان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ہدایت نہ دی' وہ سب کو ہدایت دے دیں گے (مرزائی)۔ جواب: اس زمانہ میں سب کہ ہدایت نہ ملے گی بلکہ کفار اور وہ جو دجال کو خدا مان چکے تھے ہلاک کر

دیئے جائیں گے، صرف مومن باقی رکھے جائیں گے جیسے نوح علیہ السلام کے زمانہ شریف میں سارے کفار غرق کردیئے گئے۔ صرف وہی مومن رہے جو کشتی میں سوار تھے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یا اسلام یا قتل ہوگا کسی کافر کو جزیہ دے کر رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ کفار کو ہلاک کردینا اور ہے ہدایت دے دینا کچھ اور یہ فرق خیال میں رہے۔

چوتھا اعتراض: آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ دنیا میں کفار ضرور رہیں اگر سارے انسان مسلمان ہوجائیں تو بہت ہی اچھا ہو کہ زمین اللہ کی اطاعت سے بھر جائے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ باغ میں پھول بھی ہوں کانٹے بھی زمین میں دودھ والے جانور بھی ہوں زہریلے سانپ بچھو بھی ہم میں بھوک پیاس بیماریاں بھی ہوں اور تندرستی وغیرہ بھی اگر سارے ہی پھول ہوتے سارے اچھی چیزیں ہی ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا جواب تحقیقی وہ ہے جو ہم پہلے سپارہ میں شیطان کے پیدا کرنے کی حکمتیں بیان کرچکے ہیں کہ مسلمانوں کی بہت سی عبادات کفار کی وجہ سے ہیں۔ جہاد، شہادت، تبلیغ کفار کی ایذا پر صبر یہ سب عبادتیں ہیں جو کفار کی وجہ سے ادا ہوسکتی ہیں نیز روشنی کی قدر اندھیرے سے تندرستی کی قدر بیماری سے ٹھنڈے پانی اچھی غذا کی قدر پیاس اور بھوک سے معلوم ہوتی ہے ایمان تقویٰ ہدایت کی قدر بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان کفار وغیرہ سے معلوم ہوتی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اختیار نہیں دیکھو حارث پہاڑوں کو سونا بنانے کا مطالبہ کرتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خواہش بھی کرتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ منظور نہیں فرماتا تو آپ کچھ نہیں کرسکتے پھر تم حضور کو کیوں مختار و مالک مانتے ہو۔ **جواب:** ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مختار مالک مانا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اعتبار سے باذن پروردگار مالک و مختار ہیں جیسے گورنر پبلک کے لحاظ سے بادشاہ کے بنانے سے بااختیار ہوتا ہے مگر بادشاہ کے مقابل اور بغیر مرضی کچھ نہیں کرسکتا ہم اپنی زندگی موت بلکہ ہر حرکت و سکون میں رب تعالیٰ کے محتاج ہیں مگر پھر اختیار والے بھی ہیں اسی اختیار پر سزا و جزا ہے۔ چونکہ یہاں ارادہ الٰہی نہ تھا کہ پہاڑ سونا بنے نہ بن سکے اللہ کے ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے پتھر کو سونا بنایا ہے۔ حضرت خواجہ فرید گنج شکر نے سورۂ اخلاص دم کرکے مرغی کے انڈے کو سونا بنادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں (حدیث) فرماتے ہیں کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں (حدیث) غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے اختیارات دیئے ہیں مگر وہ اختیارات بغیر حکم الٰہی استعمال نہیں فرماتے۔ **چھٹا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا لا تکونن من الجاہلین اس میں آپ کی بے ادبی ہے کیا ہم بھی یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہہ سکتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ **جواب:** مختلف الفاظ کے لئے مختلف زبانیں بنی ہیں ہر لفظ اسی زبان پر سجتا ہے جو اس کے لائق ہو بادشاہ کو اس کے ماں باپ بیٹا کہیں تو اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر نوکر یہ کہے تو سزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے یہ کلمہ نہایت محبت و پیار کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا** ہماری امانت کو انسان نے اٹھالیا وہ بڑا ظالم و جاہل ہے۔ کیا امانت الٰہی اٹھانے کا یہ بدلہ ملا کہ ظالم و جاہل فرمایا گیا۔ یہ الفاظ نہایت ناز و انداز کے ہیں نہ کہ عتاب یا عذاب کے یہ تمام گفتگو جب ہے جبکہ روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہو تو کوئی اعتراض نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک بخت بد بخت کی نہ پہچان ہے نہ خبر ورنہ آپ بد بختوں کو تبلیغ کیوں فرماتے اور ان کے ایمان نہ لانے پر غم کیوں کرتے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ تو وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گذرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مبلغ اعظم ہیں ہر ایک کو تبلیغ فرمانا آپ کا منصب ہے جس پر آپ کو ثواب ملتا ہے' جیسے مایوس مریض کے علاج پر طبیب کو فیس اور دوا کی قیمت ملتی ہے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر ایک کی فطرت علیحدہ بنائی ہے وہ اپنی فطرت کے مطابق ضرور عمل کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت ہے شفاعت۔ رحمت' کرم نوازی' بندہ پروری ہر ایک کی غمخواری اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سعید و شقی کی خبر ہے مگر فطری کرم کی بنا پر بے دینوں پر غم ہوتا ہے۔ ماں لاعلاج بچے کے علاج کی بھی کوشش کرتی ہے اس پر آنسو بہاتی ہے بے خبری اور چیز ہے کرم نوازی کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ : انسان چار قسم کے ہیں (۱) سعید سعادت کے لباس میں جیسے حضرات انبیاء اولیاء اور ان کے متبعین' شقی لباس شقاوت میں جیسے کفار جو کافر جئے کافر مرے' شقی بد بخت' سعادت کے لباس میں جیسے بلعم باعورا' بر صیصا' ابلیس وغیرہ کہ اولاً بہت عابد زاہد تھے مگر آخر میں خراب ہو گئے۔ سعید مگر شقاوت کے لباس میں جیسے وہ کفار جو مومن ہو کر مرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کا بادل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم رحمت کی بارش ہے بارش بوئے ہوئے تخم کو اگا سکتی ہے مگر بدل نہیں سکتی بارش کی وجہ سے ببول کا تخم آم نہیں اگا سکتا یوں ہی جس کے دل میں شقاوت کا تخم ہے وہ سعید نہیں بن سکتا اس آیت کریمہ میں یہی فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے بیجا مطالبوں اور کفر پر ضد کرنے کی وجہ سے ملول نہ ہوں یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں خواہ کیسے ہی معجزات دیکھیں۔ جب ان کے دلوں میں ایمان کا تخم ہی نہیں تو معجزات دیکھ کر ایمان کیسے لاویں ان کے بد بخت رہنے کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ خود ہی بد بخت ہیں ان مختلف قسم کے تخم بونے میں ہماری صدہا حکمتیں ہیں اگر ہم چاہتے تو سب کو مومن بنا دیتے مگر پھر دنیا میں اور جنت میں فرق کیا ہوتا۔ جہاں سارے مومن ہی رہیں وہ تو جنت ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ارادۂ الٰہی اور چیز ہے محبت الٰہی کچھ اور اللہ تعالیٰ پسند تو یہ ہی فرماتا ہے کہ سارے بندے ایمان قبول کرلیں مگر اس کا ارادہ نہیں فرماتا یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کچھ اور ہے محبت کچھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ درحقیقت ارادۂ الٰہیہ میں گم ہے یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف ارادۂ الٰہیہ کچھ ارادہ فرماویں ایسے کفار کے ایمان کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارادہ نہیں فرماتے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا انک **لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء** دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احببت فرمایا ارادت نہیں فرمایا۔ اپنے متعلق یشاء فرمایا یحب نہیں فرمایا یہ ناممکن ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ایمان کا ارادہ فرمالیں اور وہ مومن نہ ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مظہر ارادۂ الٰہیہ ہے ناممکن ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے گنہگاروں کی بخشش کا ارادہ فرمالیں اور پھر بخشش نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ ارادہ کرتے ہیں جو رب تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

توجو چاہے تو ابھی میل میرے دل کی دھلیں ۔۔۔ کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

کفار کے ایمان نہ لانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج و غم محبت کی بنا پر تھا نہ کہ ارادہ کی بنا پر مضمون نہایت باریک ہے۔ اسے

غور سے سمجھو، صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان استطعت ان تبتغی سے دھوکہ نہ کھاؤ یہاں حسی طاقت یعنی قدرت کی نفی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں آسمانوں سے اوپر پہنچے اور یہ اذن الٰہی آیات دیکھ کر آئے آیات لائے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں بلکہ طاقت شرعی یعنی اجازت کی نفی ہے روزہ دار روزے میں کھانے پینے صحبت پر شرعاً قدرت نہیں رکھتا حاجی احرام میں سلے کپڑے نہیں پہن سکتا۔ صحبت نہیں کرسکتا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کھانے پینے صحبت کی حسی طاقت نہیں طاقت تو ہے اجازت نہیں وہ شرعاً یہ کام نہیں کرسکتا۔ سوار اپنی سواری داہنے ہاتھ نہیں چلا سکتا یعنی اسے اجازت قانونی نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ

اور کہا انہوں نے کیوں اتاری گئی ان پر نشانی ان کے رب کی طرف سے فرمائیے کہ بیشک اللہ قدرت والا ہے

اور بولے ان پر نشانی کیوں نہیں اتری ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی

يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ

اوپر اس کے کہ اتارے نشانی اور لیکن بہت سے ان میں سے نہیں جانتے اور نہیں ہے کوئی چلنے والا

اتارے لیکن ان میں سے بہت نرے جاہل ہیں اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا

وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ

زمین میں اور نہ کوئی اڑنے والا جو اڑے اپنے بازوؤں سے مگر امتیں ہیں تمہاری طرح نہیں چھوڑی ہم نے

اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہو مگر تم جیسی امتیں ہم نے اس کتاب میں کچھ نہ اٹھا

شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اس کتاب میں کوئی چیز پھر اپنے رب ہی کی طرف جمع کیے جائیں گے

رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار بہرے بلکہ مردے ہیں اس لئے آپ کی تبلیغ سے فائدہ نہیں اٹھاتے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ دیکھئے آپ نے ایسے شاندار بے مثال معجزے دکھائے مگر یہ یہی کہے جارہے ہیں کہ کوئی معجزہ کیوں نہیں آتا جو آپ کی نبوت کو ثابت کرے اگر یہ اندھے بہرے مردے نہ ہوتے تو یہ کیوں کہتے گویا پہلے ایک دعویٰ کیا گیا تھا اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر رب چاہتا تو ان سب کو ہدایت دے دیتا جس سے معلوم ہوا کہ سب کو ہدایت نہ ملے گی اس میں حکمت الٰہی ہے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ رب تعالیٰ تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے مگر ہر مخلوق کو اس کی استعداد کے مطابق نعمتیں

دیتا ہے یوں ہی انسانوں کا حال ہے کہ جو جسے دیا گیا ٹھیک دیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں چند طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی تھی کہ آپ کفار کے اعتراضات پر ملول نہ ہوں اب ایک اور طرح تسکین دی جارہی ہے کہ کفار آپ پر یہ اعتراض کرتے ہیں آپ اس کا یہ جواب دے دیں بہرحال اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین ہی ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی سرکشی بے دینی کا ذکر تھا اب ان کو فہمائش فرمائیں جارہی ہے کہ تم دوسرے جانوروں سے افضل نہیں ہوا اپنے حالات اور جانوروں کے حالات میں موازنہ کرو تو تم کو پتہ لگے گا کہ تم میں ان پر کوئی برتری کی وجہ نہیں ہے بلکہ اگر تم ایمان قبول نہ کرو تو ان سے بدتر ہو گویا پہلے کفار کی سرکشی کا ذکر تھا اب اس کا علاج ارشاد ہو رہا ہے۔

تفسیر: **وقالوا لو لا نزل علیه اٰیة من ربه** یہ جملہ نیا ہے لہذا واؤ ابتدائیہ ہے **قالوا** کا فاعل سرداران قریش ہیں جو کفار قریش کے سرغنہ تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ سرداران قریش یہ گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے ساتھی کفار سے کرتے تھے تا کہ وہ کفر پر جمے رہیں اسی لئے **علیه** ارشاد ہوا۔ **علیک** نہ فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں **قالوا** فرما کر کہیں تو حضرات انبیاء اولیاء صالحین کے قول نقل فرمائے جاتے ہیں اس کا منشایہ ہوتا ہے کہ اے مسلمانوں تم ان ارشادات سے فیض لو ان کے کلاموں میں تاقیامت فیض بھرا ہے اور کہیں **قالوا** سے ان کی دعائیں نقل فرمائیں جاتی ہیں اس کا منشاء ہوتا ہے کہ تم بھی ہماری بارگاہ میں یہ دعائیں مانگا کرو کیونکہ ان میں الفاظ کی تاثیر ہے اور ان زبانوں کی بھی اور ہمارے نقل فرمانے کی بھی اور کبھی **قالوا** سے کفار کے کلام ان کی بیہودگیاں نقل فرمائیں جاتی ہیں۔ اس کا منشایہ ہوتا ہے کہ اے مسلمانو تم ایسی بات کبھی نہ کہنا اس پر ہمارا غضب آ چکا ہے اگر تم نے بھی ایسی باتیں کیں تو تمہارے لئے خطرہ ہوگا' یہاں تیسری قسم کا **قالوا** ہے کہ اس کا فاعل کفار ہیں مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہ کہنا کہ نبی کے پاس کچھ نہیں انہیں رب نے کچھ دیا ہی نہیں 'ان پر کچھ اترا ہی نہیں' چونکہ آیات قرآنیہ اور نبیوں کے معجزات رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس کی سلطنت و کبریائی کا مرکز آسمان ہے کہ وہاں سے رزق' آسمانی کتابیں' چاند تاروں کی روشنی وغیرہ اترتی ہیں۔ اسی لئے نزل کہا گیا نزول کہتے ہیں اوپر سے نیچے آنے کو (اترنا) نیچے سے اوپر جانے کو صعود (چڑھنا) کہا جاتا ہے۔ **علیه** کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے آیت سے مراد یا تو آیت قرآنیہ ہے یا مطلقاً معجزہ گویا ان اندھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور اتری ہوئی آیات قرآنیہ کو آیت مانا ہی نہیں وہ کہتے تھے کہ یہ جو کچھ دکھایا جارہا ہے جادو ہے اور جو کچھ سنایا جارہا ہے پچھلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت لادیں جسے ہم آیت مان لیں اور ہو سکتا ہے کہ آیت سے مراد گزشتہ انبیاء کرام کے معجزے ہوں جیسے حسن یوسف لحن داؤدی' ناقہ صالح علیہ السلام' عصاء موسوی اور ید بیضا آسمان سے غیبی دسترخوان آنا وغیرہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معجزے نہیں مانتے ہم تو وہ معجزے چاہتے ہیں جو گزشتہ نبیوں نے دکھائے' حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے مذکورہ معجزات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں' امام برعی فرماتے ہیں۔

وان قابلت لفظة لن ترانی ۔۔۔ بما کذب الفواد فهمت معنی

وان یک خاطب الاموات عیسی ۔۔۔ فان الجذع حتی له وانی

یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا لن ترانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر ہوا ما **کذب الفواد و ما**

طلعی ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ حضرت کلیم دیدار الٰہی نہیں کر سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدار کیا تو پلک بھی نہ جھپکا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوکھی لکڑیوں میں جان ڈال کر کلمہ پڑھوالیا یا آیت سے مراد ہے ان کے منہ مانگے معجزات جیسے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دینا سونے کے پہاڑ آپ کے ساتھ چلنا یا زمین مکہ کو اور جگہ منتقل کر دینا اور قابل کاشت زمین مکہ میں لے آنا وغیرہ' ہو سکتا ہے کہ آیت سے یہ ساری چیزیں مراد ہوں کیونکہ بعض کافر تو کہتے تھے کہ ہماری منہ مانگی ہماری منشا کے مطابق قرآن مجید کی آیات کیوں نہیں آئیں اور بعض کہتے تھے کہ گزشتہ انبیاء کرام کے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں دکھاتے بعض کہتے تھے کہ ہمارے منہ مانگے معجزے کیوں نہیں دکھاتے اس ایک فرمان عالی میں ان سب کے جوابات دے دیئے' یہ آخری احتمال زیادہ قوی ہے جیساکہ آئندہ جواب سے ظاہر ہے یعنی کفار قریش کے سردار اپنے عوام سے کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو ان پر ہمارے منہ مانگے معجزات کیوں نہیں اتارے گئے قل ان اللہ قادر علی ان ینزل ایۃ سبحان اللہ عجیب جواب ہے ان کفار نے اللہ کی قدرت کا انکار نہیں کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تھا مگر جواب میں رب کی قدرت کا ذکر ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار در حقیقت رب کی قدرت کا انکار ہے اور نبوت کا اقرار رب کی قدرت کا اقرار ہے دیکھو لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریم کی عصمت پر اعتراض کیا تھا مگر حضرت مسیح نے جواب میں اپنے فضائل بیان فرمائے اپنی والدہ کی پاک دامنی کا ذکر نہیں فرمایا مقصد یہ تھا کہ پھل کو دیکھ کر درخت کا پتہ لگاؤ مجھ جیسے بیٹے کی ماں کس شان کی مالک ہوگی خود سوچ لو۔ یہاں اس کے برعکس رب نے اپنی قدرت کا ذکر فرما کر اپنے محبوب کی عظمت ظاہر فرمائی کہ وہ میرے نمونہ اکمل ہیں میری شان میں غور کر لو اور میرے محبوب کی شان معلوم کر لو لہٰذا یہ جواب بالکل درست ہے پھر قل فرما کر جواب کو اور شاندار بنا دیا کہ ہم تو ان مردودوں سے کلام نہیں کرتے آپ ہماری طرف سے فرمادو قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قل تین مقصدوں کے لئے آتا ہے کبھی اس کا مقصد ہوتا ہے تم ہم سے کہو جیسے قل اعوذ برب الفلق یا قل اعوذ برب الناس تم ہم سے مانگو ہم تم کو عطا فرمادیں اور تمہارے طفیل دوسروں کو تمہارا لب ہلانا ہماری عطا کے دروازے کی کنجی ہے یا آپ مسلمانوں سے فرمادو تمہارا کلام مومنوں کے دلوں کا چین ہے ان صلوتک سکن لھم پہلے قل میں عرض طلب ہے۔ دوسرے قل سے کرم ہے تیسرے قل میں غضب ہے جیسے قل یعبادی الذین اسرفوا (الخ) کفار سے دو جیسے قل یا ایھا الکافرون وغیرہ یہ تو حکمت عام ہے حکمت خاصہ ان معجزات کے نہ آنے میں یہ ہے کہ وہ معجزے گزشتہ انبیاء کرام کو دیئے گئے وہ ان کی خصوصیت تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہ دکھادیں تو خصوصیت جاتی رہے گی جیسے ناطق ہونا انسان کے لئے خاص ہے اور ناہق ہونا گدھے کے لئے اب جو مطالبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ گدھے کو ناطق کر دے یا انسان کو ناہق بنا دے وہ غلطی کرتا ہے۔ خاصہ کا خاصہ رہنا قانون قدرت ہے اور حضرت خلیل اللہ نے وادی مکہ کو وادی غیر ذی زرع فرمایا۔ یعنی بغیر کھیتی باڑی کی زمین اب اگر ہم کے کہنے سے اسے چمن بنادیں تو میرے خلیل کی زبان غلط ہو جائے گی ہاں اپنے حبیب کے وطن آخری مدینہ کو چمن بنادیں گے اور مکہ مکرمہ خالص عبادت کی جگہ ہے اگر یہاں کے پہاڑ سونے کے کر دیئے گئے تو یہاں خالص دنیا ہو جائے گی اور یہ جگہ جھگڑے فسادوں کا مرکز بن کر رہ جائے گی' اگر ان کے منشاء کے مطابق قرآنی آیات آئیں تو یہ شرک کفر بدکاریوں کے جائز ہونے کی آیات مانگیں گے پھر قرآن کلام الٰہی نہ رہے گا' یہاں محبوب کی خواہش پر آیات

آئیں گی یہاں قل میں روئے سخن کفار کی طرف ہے یعنی آپ ان منکر کافروں سے فرمادو جیسا کہ شان نزول اور کلام کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے قادر اور قدیر کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے یہاں قادر فرمانا ہی زیادہ مناسب ہے آیت سے مراد یا گزشتہ نبیوں کے معجزات ہیں یا ان ضدی کفار کے منہ مانگے معجزات جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ نزول آیت کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اور اظہار معجزہ کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیونکہ نبی کا معجزہ نازل تو ہوتا ہے رب تعالیٰ کی طرف سے مگر ظاہر ہوتا ہے نبی کے ہاتھ پر تو مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ مانگے معجزات اتارنے پر قادر ہے اور میں اس کے دکھانے پر قادر ہوں نہ وہ اتارنے سے عاجز نہ میں دکھانے سے عاجز ایسے معجزات کا نزول اور ظہور غیر ممکن نہیں غیر واقع ہے اس میں رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ **ولکن اکثرھم لا یعلمون**' ن وھم کو رفع کرنے کے لئے آتا ہے۔ یہاں گزشتہ مضمون سے وھم ہوتا تھا کہ ان معجزات کا نہ اتارنا بلاوجہ ہے اس میں کوئی حکمت نہیں یہ وھم اس عبارت سے دور کیا گیا لہٰذا اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ **فی عدم انزالہ حکمۃ** ان کے مطالبے پورے نہ کرنے ان معجزات کے نہ اتارنے میں ہماری حکمت ہے لیکن بہت سے کفار وہ حکمت جانتے نہیں چونکہ بعض کفار کو حکمت معلوم تھی مگر صرف عناد یا ضد کے طور پر یہ مطالبے کرتے تھے اور بہت کفار کو معلوم نہ تھی اس لئے **اکثرھم** فرمایا گیا **لا یعلمون** کا مفعول پوشیدہ عبارت ہے یعنی لیکن بہت سے کفار اس حکمت کو جانتے نہیں۔ وہ حکمت یہ ہے کہ قانون الٰہی ہے کہ اگر نبی کفار کا منہ مانگا معجزہ مانگیں اور وہ دکھا دیا جائے پھر وہ ایمان نہ لائیں تو عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت میں عذاب الٰہی دنیا میں آئے اس لئے وہ ایسے معجزات نہیں اتارتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دکھاتے دیکھو فرعون نے عصاء موسوی ید بیضاء کا انکار کیا ہلاک نہ ہوا بہت عرصہ کے بعد غرق ہوا اور قوم صالح علیہ السلام نے غیبی اونٹنی کا انکار کیا ہلاک کر دی گئی کیونکہ عصاء اور ید بیضاء کا مطالبہ فرعون نے نہ کیا تھا مگر قوم صالح علیہ السلام نے اسی غیبی اونٹنی کا مطالبہ کیا تھا **وما من دابۃ فی الارض** اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا ذکر ہے اور اس کا مقصد ہے گزشتہ فرمان کی تائید مطلب یہ ہے کہ چرند و پرند تمہاری طرح ہماری مخلوق ہیں ہم سب کو ان کی حیثیت کے لائق روزی دیتے ہیں غیر ضروری چیز نہیں عطا فرماتے بقدر ضرورت تمہیں معجزات دکھا دیئے گئے غیر ضروری مطالبے پورے نہیں فرمائیں گے **دابۃ** بنا ہے **دبٌ** سے بمعنی آہستہ آہستہ چلنا دابہ ہر چلنے والی جاندار چیز ہے اس میں دریائی اور خشکی کے سارے جاندار شامل ہیں کیونکہ دریائی جانور تیر کر پانی کی تہ والی زمین طے کرتے ہیں' دیکھو جہاز چلتا ہے پانی میں مگر طے کرتا ہے زمینی فاصلہ اسی حساب سے کرایہ لیا جاتا ہے کہ جدہ کراچی سے اتنے میل ہے فی میل اتنا کرایہ کل اتنا کہہ دیا' اس عبارت میں دریائی جانور داخل ہیں۔ **ولا طائر یطیر بجناحیہ** یہ دوسری جاندار مخلوق کا ذکر ہے یعنی ہوا میں اڑنے والے یا ہوا میں ہی رہنے والے چھوٹے بڑے پرندے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں دابہ اور طائر دونوں اسم جنس ہیں جس میں ایک اور سارے سب ہی داخل ہیں چونکہ عربی میں طائر تیز رفتار چیز کو بھی کہا جاتا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

قوم اذا بشرابدی ناجزیہ لھم طاروا الیہ زرافات و وحدانا!

اس شعر میں **طاروا** کے معنی ہیں بھاگ کر جانا اور قرآن مجید میں ہے **وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ** اس آیت میں طائر سے مراد انسان کے اعمال یا اعمال کا بدلہ ہے اس لئے یہاں طائر کے ساتھ یطیر فرمایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ یہاں طائر سے مراد

پرندہ ہے (روح المعانی و کبیر) جناح بازو کو کہتے ہیں پروں کو بھی یہاں بمعنی پر ہے اس کی اصل جنح ہے بمعنی جھکنا مائل ہونا وان جنحوللسلم فا جنح لھا چونکہ پرندے کسی طرف پروں سے ہی جھکتے ہیں اور انسان بازوؤں سے کسی طرف جھکتا یا مڑتا ہے اس لئے پرندوں از وبازوؤں کو جناح کہتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ خیال رہے کہ سواء چمگادڑ کے سارے پرندے پروں سے ہی اڑتے ہیں اس لئے یہاں پروں سے اڑنے کا ذکر ہوا لہذا اس سے چمگادڑ خارج نہیں چونکہ ہم کو یہ ہی مخلوق نظر آتی ہے۔ فرشتے جنات نظر نہیں آتے ان کے وجود پر ایمان ہے بغیر دیکھے اس لئے ان ہی محسوس چیزوں کا ذکر ہوا چونکہ یہ محسوس پرندے دو پروں سے ہی اڑتے ہیں زیادہ کم سے نہیں اس لئے جنا حیہ ارشاد ہوا فرشتوں کے پرو سے زیادہ بھی ہیں رب فرماتا ہے جاعل الملا نکتہ رسلا اولی جنحتہ مثنی و ثلث و رباع لہذا آیت کریمہ واضح ہے۔ الا امم امثالکم یہ عبارت مذکورہ ملکی جز ہے الا کے اضافہ سے الا فرمانا حصر حالات کے لئے ہے امم جمع ہے امتہ کی امت اور امام بنا ہے ام بمعنی قصد سے اس کے معنی پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض ہو چکے یہاں بمعنی جماعت جمع کثرت ارشاد ہوا' اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کس چیز میں مشابہت یا مماثلت مراد ہے اس میں بہت قول ہیں (1) زندگی اور موت میں 'جسمانی عضاء اور غذا (2) دھوپ و ہوا کے محتاج ہونے میں (3) سمجھ و شعور رکھنے میں (4) رب تعالیٰ کی معرفت میں (5) اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہونے میں (6) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے حصہ پانے میں (7) رب تعالیٰ کی حمد تسبیح و تہلیل و عبادت کرنے میں (8) قیامت کے دن اٹھنے حساب لئے جائے سزا پانے میں (9) عقل و دانش رکھنے میں (10) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے حصہ پانے میں فرماتا ہے وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین (11) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ہونے آپ کی اطاعت کرنے میں (12) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے میں رب فرماتا ہے لیکون للعالمین نذیرا۔ آخری چار قول صوفیاء کے ہیں۔ باقی آٹھ قول علماء کے۔ خیال رہے کہ جن وانس کے سوا کسی مخلوق میں کافر مشرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن نہیں' ان دو جماعتوں کے سواء تمام مخلوق موحد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار رب کی حمد و تسبیح کرنے والی ہے' جس پر قرآن مجید اور احادیث شریفہ شاہد ہیں پرندوں' پتھروں لکڑیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ شریف سنا گیا ہے۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق ابھی تفسیر صوفیانہ میں کی جائے گی ما فرطنا فی الکتاب من شئی پچھلی عبارت میں رب تعالیٰ کی ربوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عموم بیان ہوا اب اللہ تعالیٰ کی مکمل تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل علم کا ذکر ہے ہر چیز ہماری مخلوق' مرزوق' اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور ہر چیز ہمارے علم میں ہے اور ہمارے بتانے سے ہمارے محبوب کے علم میں خیال رہے کہ فرطنا بنا ہے تفریط سے' جس کا مادہ فرط بمعنی حصہ ہے۔ اصطلاح میں زیادتی کرنے کو افراط کمی کرنے کو تفریط کہا جاتا ہے یہاں بمعنی ترک یا اغفال ہے دیکھو روح المعانی وغیرہ لہذا اس کے معنی ہوئے نہیں چھوڑی ہم نے نہیں اٹھا رکھی ہم نے اس کا صلہ فی آتا ہے الکتاب سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا قرآن مجید اکثر مفسرین کا قول ہے کہ قرآن مجید مراد ہے دیکھو تفسیر کبیر' روح المعانی' تفسیر خازن وغیرہ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ جب کسی اسم پر الف لام آتا ہے تو اس سے وہ فرد مراد ہوتی ہے جو پہلے سے معلوم ہو اس سے پہلے قرآن کریم کا ہی ذکر ہے لوح محفوظ کا ذکر یہاں کہیں نہیں لہذا واجب ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہو (تفسیر کبیر) بہر حال قوی یہی ہے کہ الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے ورنہ آیات قرآنیہ میں سخت بے ربطی ہو گی من شئی میں من استغراقیہ ہے' جس کے معنی ہیں کوئی بھی شے سے مراد صرف دینی احکام نہیں

بلکہ دینی و دنیاوی ہر چیز ہے ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ کیونکہ ابھی چرندوں پرندوں وغیرہ کا ذکر ہوا وہ یہاں بھی مراد ہیں (روح المعانی و خازن) یعنی اس کتاب قرآن مجید میں ہم نے دین و دنیا کی کوئی چیز نہیں چھوڑی سب بیان کردی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی** وہ آیت کریمہ اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے **ثم الی ربھم یحشرون** : **ثم** عطف تراخی کے لئے ہے چونکہ مرنے کے بہت عرصہ بعد اٹھنا ہو گا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا **ربھم** کا مرجع وہی مذکورہ دابہ اور طائر ہیں چونکہ ان میں بعض اہل عقل بھی ہیں اور عقل والے ہی اشرف ہیں اس لئے **یحشرون** جمع مذکر ارشاد ہوا یعنی پھر تمام مخلوق چرند پرند جن و انس قیامت میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف جمع کی جائے گی' وہاں سب کا انصاف ہو گا' حتیٰ کہ جس سینگ والی بکری نے بے سینگ (بنڈی) بکری کو دنیا میں سینگ گھونپا ہو گا۔ وہاں اس بے سینگ کو سینگ عطا ہوں گے وہ مظلومہ بکری ظالمہ بکری سے اپنا بدلہ لے گی۔ پھر جانور اس بدلہ کے بعد مٹی بنا دیئے جائیں گے دوزخ کی سزا صرف مجرم جن و انس کو ہو گی اور جنت کا ثواب صرف مومن انسانوں کو جانوروں کا یہ انجام دیکھ کر ہی کفار تمنا کریں گے۔ **و یقول الکافر یالیتنی کنت ترابا** کاش کہ ہم بھی مٹی بن جاتے دوزخ میں نہ جاتے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کی جامعیت کا ذکر فرما کر سب کے حشر کا ذکر فرمانا عجیب حکمت سے ہے کوئی کہہ سکتا تھا کہ قرآن کریم بہت مختصر سی کتاب ہے اس میں سارے علوم ساری چیزوں کا ذکر کیونکر ممکن اور **ما فرطنا فی الکتاب من شئی** کیونکر درست ہے جوابا" فرمایا کہ حشر کا نظارہ کرو جواب مل جائے گا کہ از ابتداء آفرینش تاقیامت ساری مخلوق ایک چھوٹے سے علاقہ فلسطین میں بیک وقت جمع کردی جائے گی جو اب اتنی بڑی مخلوق اتنے چھوٹے علاقہ میں جمع کر سکتا ہے وہ ساری چیزوں کا ذکر مختصر سی کتاب میں بھی فرما سکتا ہے۔ ہماری قوت حافظہ میں جو کچھ دماغ کے ایک انچ حصہ میں ہے سارا قرآن مجید ہزاروں باتیں لاکھوں احادیث' سینکڑوں اشعار جمع ہو جاتے ہیں نطفہ کی ایک بوند میں سارا جسم مضمر ہوتا ہے۔ درخت کے بیج میں سارا درخت جڑ' تنا' شاخیں' پتے' پھل پھول وغیرہ سب ہوتے ہیں' ایسا قادر مطلق قرآن مجید میں سب کچھ ذکر فرما سکتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : ضدی' عنادی کفار اپنے ماتحت کافروں سے کہتے ہیں کہ اگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں تو ان پر وہ معجزات رب تعالیٰ کی طرف سے کیوں نہیں اترتے جن کا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سونے کے پہاڑ ان کے ساتھ چلیں زمین مکہ منتقل کرکے یہاں دوسری سبزہ زار زمین رکھ دی جائے یا ان پر وہ معجزات کیوں نہ اترے جو گزشتہ نبیوں پر اترے تھے' جیسے ید بیضا عصاء آسمانی دستر خوان وغیرہ یا قرآن میں وہ آئتیں کیوں نہیں اتریں جو ہم چاہتے ہیں۔ نزول قرآن ہماری مرضی کے مطابق کیوں نہیں ہوتا۔ آپ فرما دو کہ تمہارے ان مطالبات کے پورے نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کے اتارنے پر اور میں ان کے دکھانے پر قادر نہیں وہ رب کریم قادر ہے کہ یہ سارے معجزات نازل فرما دے اور میں قادر ہوں کہ اس کے نازل کئے ہوئے معجزات تم کو دکھا دوں اس نہ اتارنے میں رب تعالیٰ کی حکمت ہے مگر ان میں کہ بہت سے معترضین یہ حکمت نہیں جانتے یہ مطالبے پورے نہ فرمانا بھی اللہ رسول کی رحمت ہے کہ مانگے معجزات پر اگر لوگ ایمان نہ لائیں تو عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیئے جاتے تم لوگ ایمان لاؤ گے نہیں تو یقیناً مارے جاؤ گے یا ان مطالبوں کے پورا نہ کرنے میں اور وہ خصوصی حکمتیں ہیں جو ابھی تفسیر میں ذکر کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت آپ کی نبوت ایسی عام ہے کہ تمام زمین کے چرندے پروں سے اڑنے والے پرندے اے کافرو یا اے انسانو تم جیسی امتیں ہیں وہ سب میری مخلوق مملوک مرزوق ہیں ان نبی کے مطیع و فرمانبردار

ہیں وہ تمہاری طرح سمجھ بوجھ 'معرفت الٰہی 'اللہ تعالیٰ کی عبادت 'تسبیح و تہلیل 'اطاعت رسول اپنے میں رکھتے ہیں بلکہ تم نے بہت سے کام جانوروں سے سیکھے ہیں قابیل نے دفن کا طریقہ کوے سے سیکھا 'ہدہد نے حضرت خلیل کی آگ بجھانے کی کوشش کی 'بہت دوائیں تم نے جانوروں سے معلوم کیں 'ان تمام کا ذکر ہم نے اس کتاب قرآن میں کر دیا ہے ان میں سے کوئی چیز بغیر ذکر چھوڑی نہیں تا کہ محبوب اپنی ان تمام امتوں سے خبردار رہیں پھر یہ ساری مخلوق رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انصاف کے لئے حاضر کی جائے گی۔

علوم قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ

حضرات صحابہ سے لے کر آج تک قریبا" تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا اور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتابوں پر قرآن کریم کہ بہت وجہ سے فوقیت دی ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں تمام دینی اور دنیاوی علوم جمع فرمادیئے ازازل تاابد ہر چیز کا اس میں ذکر فرمادیا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے ما کان اور ما یکون کا عالم بنادیا۔ اس مضمون کو سمجھنے سے پہلے ایک بات سمجھ لو کہ ایک ہے فعل اور ایک ہے صفت کلن فعل اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قدیم ہے اس کے فعل ہر وقت وہ دیکھتا ہے تو ہر وقت سنتا ہے تو ہر وقت جانتا ہے تو ہر وقت مگر مخلوق کی صفات کے فعل دائمی نہیں ہوتے دیکھو جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارے اندر دیکھنے 'سننے 'سونگھنے 'بولنے کی صفات تو رہتی ہیں ہم اس وقت اندھے بہرے نہیں ہو جاتے مگر ان صفات کے کام بند ہو جاتے ہیں کہ سونے میں نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں صفات ہیں افعال نہیں یوں ہی ہماری صفت علم کا حال ہے 'حضرات انبیاء کرام کی صفت علم عطا ہوتی ہے مگر بعض وقت فعل علم نہیں ہوتا شیخ سعدی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

بگفت احوال ما برق جہانست   دمے پیدا و دیگر دم نہانست

اسی کو صوفیاء قبض و بسط کہتے ہیں اگر کسی وقت نبی کو کسی چیز کی خبر نہ ہو تو اس کی وجہ بے علمی نہیں بلکہ وجہ وہ ہم نے عرض کی 'چنانچہ قرآنی علوم کے متعلق بہت جگہ اعلان فرمایا ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی ہم نے آپ پر یہ قرآن ساری چیزوں کا روشن بیان فرمانے کے لئے نازل فرمایا۔ یہاں فرمایا ما فرطنا فی الکتاب من شئی ہم نے اس کتاب قرآن مجید میں کوئی دینی و دنیاوی چیز چھوڑی نہیں کہیں فرمایا ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین نہیں ہے کوئی تر و خشک چیز مگر اس روشن کتاب میں ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ قرآن کو قرآن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام آسمانی کتابوں سارے اولین و آخرین کے علوم کا جامع ہے یہ بنا ہے قرن سے   معنی ملنا جمع کرنا یہ تمام علوم کا جامع ہے پھر یہ بھی فرمادیا الرحمن علم القران اپنے محبوب کو رحمان نے سارا قرآن خوب اچھی طرح سکھادیا۔ جن سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کا علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں نتیجہ نکلا کہ ہر چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے اس کے متعلق اہل اسلام کے عقیدے سنو۔ (1) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ قرآن مجید میں سارے

علوم ہیں اور اس میں ساری چیز بیان کر دی گئی ہیں۔ ہمارے علوم میں کوتاہی ہے کہ اس سے ہر شے نکال نہیں سکتے۔ (2) ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں بروایت حضرت ابو ہریرہ مرفوعاً" فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز قرآن مجید میں چھوڑی جاتی تو چیونٹی۔ مچھر رائی کا ذکر نہ ہوتا کہ یہ بہت حقیر چیزیں ہیں مگران کا بھی ذکر قرآن مجید میں ہے (3) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم جائے تو میں قرآن مجید سے اس کی جگہ معلوم کر سکتا ہوں۔ (4) امام موسیٰ فرماتے ہے کہ اولین و آخرین کے سارے علوم قرآن مجید میں ہیں مگر انہیں اللہ تعالیٰ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں (5) بعض صحابہ غالباً" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جمیع العلم فی القران لکن　　تقاصر عنہ انہام الرجال

سارے علوم قرآن مجید میں ہیں مگر لوگوں کی سمجھ کم ہے۔ حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی ایک بار اپنی سواری سے گر گئے۔ لوگوں نے اٹھانا چاہا فرمایا ٹھہر جاؤ پھر فرمایا اچھا مجھے اب اٹھالو آپ کا پاؤں سوج چکا تھا۔ لوگوں نے روکنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ قرآن مجید کی طرف رجوع کیا اس میں میرا یہ واقعہ سواری سے گرنا پاؤں سوج جانا موجود ہے' سورۂ فاتحہ میں یہ پورا واقعہ مذکور ہے (7) بعض علماء نے آل عثمان کے بادشاہوں کے نام ان کی مدت حکومت ان کے حالات سورۂ فاتحہ سے نکالے ہیں۔ (8) ایک بار امام شافعی نے مکہ معظمہ میں فرمایا کہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کی طرف قرآن کریم رہبری نہ کرتا ہو کسی نے پوچھا کہ فرمایئے حاجی کو بحالت احرام تنبوڑی (بھڑ) مارنا جائز ہے یا نہیں فرمایا قتل کر سکتا ہے' قرآن کریم فرماتا ہے کہ تمہیں جو کچھ رسول دیں لے لو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت اختیار کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں للمحرم قتل الزنبور محرم کو تنبوڑی مار دینا جائز ہے لہذا یہ قرآنی مسئلہ ہوا۔ نوٹ: یہ تمام حوالہ تفسیر روح المعانی اور تفسیر کبیر وغیرہ میں ملاحظہ کرو (9) ایک جگہ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امام مہدی کے ظہور کی تاریخ دریافت کی آپ نے فرمایا کہ ان کی تاریخ پیدائش بسم اللہ الرحمن الرحیم کے مبسوطی عدد ہیں ان کی پیدائش کے پانچ سو سال بعد قیامت آئے گی لہذا بسم اللہ سے قیامت کا پتہ چلتا ہے پھر فوراً زبان شریف روک لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح سے شام تک وعظ فرمایا جس میں از اول پیدائش تا روز قیامت ہر ذرہ ہر قطرہ تک کا ذکر فرمادیا' حرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ آپ کے کسی امتی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کی برابر ہیں فرمایا عمر ابن خطاب کی معلوم ہوا کہ آسمانوں کے ہر تارے سے خبردار ہیں زمین کے ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہیں ازواج پاک نے پوچھا کہ حضور ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون ملے گا۔ فرمایا لمبے ہاتھ والی یعنی سخی معلوم ہوا کہ ہر ایک کے وقت موت کیفیت موت آخرت کے مقام سے خبردار ہیں۔ (10) یہاں تفسیر ابن کثیر نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل فرمایا کہ جو یعنی فضا میں جو پرندہ پر مارے گا' ہم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علم بھی دے دیا' ان وجوہ سے روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں من شئی میں کسی قید لگانے کی ضرورت نہیں ہر خشک و تر چیز قرآن کریم میں ہے۔

لطیفہ : میرے مرشد برحق ولی نعمت حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قدس سرہ۔ مفلہ تعالیٰ جامع کمالات تھے۔ علوم نقلیہ و عقلیہ کے علاوہ بہت سے فنون میں پوری مہارت تھی جیسے خوشنویسی' علم طب وغیرہ چنانچہ آپ لاٹھی گھمانے لاٹھی چلانے کے بھی استاذ تھے۔ جسے اہل فن بانا اور بنوٹ کہتے ہیں ایک حضرت کی مجلس میں اسی آیت کریمہ کی تحقیق ہو رہی

تھی کسی نے پوچھا حضور کیا قرآن مجید میں اس فن (نبوٹ) کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا اس کا مکمل بیان موجود ہے چنانچہ ارشاد باری ہے فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان یعنی کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو ان کے ہر جوڑ پر چوٹ لگاؤ فرمایا جب دشمن کو جان سے مارنا ہو تو نبوٹ والا گردن کے اوپر یعنی کھوپڑی پر مارتا ہے اگر کوئی عضو بیکار کرنا ہو تو اس کے جوڑ پر چوٹ مارتا ہے اور ضرب حیدری میں ایسی چوٹ ماری جاتی ہے کہ سارے جوڑ بیکار ہو جاتے ہیں اس آیت کریمہ میں اس کا مکمل بیان ہے۔ کسی نے پوچھا حضور قرآن مجید میں علم طب بھی ہے فرمایا ہاں علم طب بہت آیات میں مذکور ہے۔ چنانچہ ایک آیت کریمہ تو بہت ہی جامع ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا کھاؤ پیو اور زیادتی نہ کرو۔ یعنی کھانے پینے میں زیادتی نہ کرو۔ اسی فیصد بیماریاں معدے سے پیدا ہوتی ہیں اور معدہ زیادہ کھانے پینے سے خراب ہوتا ہے' کسی نے پوچھا حضور قرآن مجید میں قمری مہینوں کا ذکر تو ہے کہیں شمسی مہینوں کا بھی ذکر ہے فرمایا ہاں رب فرماتا ہے ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعا اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو زیادہ بڑھائے یعنی شمسی مہینوں سے تین سو سال اور قمری سے تین سو نو سال کسی نے پوچھا حضور قرآن مجید میں علم جغرافیہ بھی ہے فرمایا ہاں رب تعالیٰ فرماتا ہے وجدھا تغرب فی عین حمئۃ سکندر ذوالقرنین نے سورج کو دلدل میں ڈوبتا ہوا پایا معلوم ہوا سمت مغربی میں اتنی برف ہے کہ وہاں سمندر برف کا دلدل بنا ہوا ہے اور سورج اس میں ڈوبتا معلوم ہوتا ہے' علم تاریخ تو قرآن کریم کا حصہ ہے یہ تو اس آستانہ علیہ کے ذروں کا علم ہے علوم کے سمندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے علوم قرآنیہ کس قدر عطا فرمائے یہ دینے والا جانے یا لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اب پڑھو ما فرطنا فی الکتاب من شئی غرضیکہ قرآن مجید علوم کا جامع ہے اگر کتاب سے مراد لوح محفوظ بھی ہو تو مقصد وہی ہے کہ ساری چیزیں لوح محفوظ میں ہیں اور لوح محفوظ قرآن مجید میں اور قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بلکہ خود لوح محفوظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے منگتے لوح محفوظ پر نظر رکھتے ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء — ازچہ محفوظ است محفوظ از خطاء

بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود لوح محفوظ ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانی یار — راز پنہاں مے شود زاں آشکار

بلکہ حضور وہ آئینہ حق نما ہیں کہ سارا عالم بلکہ خود خالق عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا' دیکھا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

گرفت من آئینہ مصقول دوست — ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ اوست

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: جو اللہ تعالیٰ کو مجبور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معذور مانے وہ بے دین ہے یہ فائدہ ان اللہ قادر علی ان ینزل سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس کی تفسیر اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے محروم ہے تو یہ وجہ نہیں کہ خزانہ خالی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ اس کے مقدر میں ہی محرومی ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر — جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت حضور کی شان اللہ کی قدرت وشان کا نمونہ ہے پروردگار ایسا قادر ہے جس نے اپنے کرم سے اپنے حبیب کو ایسی قدرتیں قوتیں بخشیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت کا یہ حال ہے تو رب کی قدرت کا کیا کہنا۔ دوسرا فائدہ: اگر کوئی مطالبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورا نہ فرمائیں تو اس میں رب تعالیٰ کی لاکھوں حکمتیں ہیں یہ فائدہ **اکثرھم لا یعلمون** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ تیسرا فائدہ: معجزات اتارنے دکھانے کا مقصد صرف نبی کی نبوت ثابت فرمانا ہوتی ہے کہ معجزات سے ان کا سچا نبی ہونا جانا جائے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنا۔ مقصود نہیں ہوتا۔ دیکھو عصا موسوی سانپ بن جاتا تھا مگر اس نے کبھی نہ تو کسی فرعونی کو کاٹا نہ کسی کو نگلا صرف جادوگروں کے بانس رسے جو سانپ بنا کر دکھائے گئے تھے نگل لئے **تلقف ما یا فکون** یہ فائدہ بھی **اکثرھم لا یعلمون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ بہت سے کفار معجزات کا مقصد نہیں جانتے۔ نبی کی نبوت ایک معجزہ سے بھی معلوم ہو جاتی ہے پھر اپنے منہ مانگے معجزے حاصل کرنا حماقت و بے علمی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ہر جن وانس تمام جانور بلکہ ہر خشک و تر شجرو حجر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت کے نبی ہیں سب کے شہنشاہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم یہ فائدہ **الا امم امثالکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: جانوروں میں سمجھ بوجھ بلکہ عقل و شعور ہے منطقی انہیں بے عقل مانتے ہیں اور انہیں حیوان غیر ناطق کہتے ہیں' قرآن کریم ان میں عقل و شعور مانتا ہے یہ فائدہ **امم امثالکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اس پر چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصوا ہجرت کے دن سواء حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے اور کسی دروازے پر نہ بیٹھی۔ حضور انور نے فرمایا کہ اس کی مہار چھوڑ دو یہ مامور ہے ظاہر ہے کہ عقل و شعور کے بغیر امرالٰہی کیسا۔ (2) یہی ناقہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر راستہ میں اڑ کر بیٹھ گئی مار پیٹ پر بھی نہ اٹھی وہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے روک لیا جس نے مکہ سے ہاتھی روک لئے تھے۔ معلوم ہوا کہ شعور رکھتی ہے (3) حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی کی عقل و دانائی تو قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اس نے دوسری چیونٹیوں کو سوراخوں میں داخل ہونے کا حکم دیا یہ کہہ کر **لا یحطمنکم سلیمان و جنودہ وھم لا یشعرون** تمہیں بے خبری میں لشکر سلیمان کچل نہ دے' اس میں یہ عقیدہ بیان کیا کہ نبی اور نبی کے صحابی عمداً چیونٹی کو بھی نہیں ستاتے تم ان کی بے خبری ہی میں کچلی جاؤ گی یہ ہے چیونٹی کی عقل اور اس کا عقیدہ۔ (4) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کا واقعہ تو قرآن مجید میں بہت تفصیل سے مذکور ہے کہ اس کے ذریعہ ملک بلقیس بلکہ سارے یمن والوں کو ایمان نصیب ہوا اس نے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارگاہ میں ایمان افروز تقریر کی ہے کہ اس پر سارے منطقی اور متکلمین کے علوم نثار ہو جائیں دیکھو سورۂ سبا شریف بلکہ اس کے ایک قول پر آج بھی سجدہ واجب ہوتا ہے۔ (5) آج شہد کی مکھیوں کا چھتہ دیکھو' مکڑی کا جالا دیکھو کہ وہ کس طرح بنتی ہے۔ بیعہ کا گھر دیکھو کہ وہ ایک گھونگہ میں کس طرح کمرے بناتا ہے یہ ہے ان جانوروں کی دانائی۔ (6) چیونٹی گرمی کے موسم میں سردی کے لئے کس طرح دانے جمع کرتی ہے اور گندم کو خراب ہو جانے سے بچانے کے لئے بیچ میں سے ایسا کاٹتی ہے کہ کسی آری سے نہ کٹ سکے۔ (7) پالتو شیر چیتا اپنے خادم پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اس کے آگے دم ہلاتا ہے' شکاری کس تدبیر سے شکار کرتا ہے اور مالک کے لئے کس خوبی سے شکار محفوظ رکھتا ہے۔ سبحان اللہ بلکہ کنکر' پتھر حمد الٰہی کرتے سنے گئے اس کی تحقیق اسی جگہ تفسیر روح المعانی میں دیکھو۔ چھٹا فائدہ: قرآن مجید میں سارے دینی

دنیاوی علوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کے علوم کا جامع بنایا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

معدن اسرار علام الغیوب برزخ بحرین امکان و وجوب

یہ فائدہ ما فرطنا فی الکتاب سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شخص اپنی مثل نہیں کہہ سکتا جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل کہتے ہیں اور انما انا بشر مثلکم سے دلیل پکڑتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو تمام جانوروں کی مثل کہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے تمام چرند و پرند کے متعلق فرمایا امم امثالکم اب اگر ناطق کی وجہ سے ہم تمام جانوروں سے ممتاز ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی وجہ سے تمام انسانوں سے ممتاز ہو گئے۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ زمین پر چلنے والا ہر جانور اور ہوا میں اڑنے والے پرندے تم جیسی امتیں ہیں تو کیا باقی جانور اور جنات و فرشتے امتیں نہیں یہ قیدیں کیوں لگائی گئیں۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ جن و فرشتے ہم کو نظر نہیں آتے اس لئے ان کا ذکر نہ ہوا مچھلی وغیرہ بھی بالواسطہ زمین پر ہی چلتی ہے کہ وہ پانی میں تیر کر زمین طے کرتی ہے جیسے پانی کے جہاز لہٰذا اس آیت میں وہ بھی داخل ہے۔ دوسرا اعتراض: یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے نہ کہ قرآن مجید اگر قرآن مجید ہی مراد ہے تو شئی سے مراد دینی مسئلے ہیں نہ کہ دنیاوی علوم لہٰذا' قرآن مجید میں سارے علوم نہیں اور رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم نہ بخشے (وہابی' دیوبندی) جواب: ان دونوں احتمالوں کو خود یہ آیت کریمہ ہی رد کر رہی ہے کہ اس مقام پر نہ تو لوح محفوظ کا ذکر ہے نہ علوم دینیہ کا تذکرہ پہلے قرآن مجید کی آیات اور چرند و پرند وغیرہ کا ذکر ہے۔ جس سے پتہ لگا کہ قرآن کریم میں سارے علوم موجود ہیں' تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ کے حوالہ ابھی تفسیر میں گزر گئے اگر بالفرض یہاں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہی ہو تب بھی وہ تمام غیبی علوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں کہ لوح محفوظ میں ساری چیزیں ہیں اور لوح محفوظ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام بعض فرشتوں اور بعض اولیاء کے علم میں ہے اس لئے اسے کتاب مبین کہا جاتا ہے یعنی ظاہر کرنے والی کتاب اگر لوح محفوظ پر کسی کی نظر نہیں تو وہ مبین کیسے ہی نیز رب تعالیٰ نے اس میں تمام چیزیں لکھیں کیوں کیا اسے بھول جانے کا خطرہ تھا نہیں بلکہ بعض بندوں کو بتانا مقصود تھا۔ تیسرا اعتراض: اگر مان لیا جائے کہ قرآن کریم میں سارے علوم ہیں تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ علوم حاصل ہونا ثابت نہیں ہوتے۔ قرآن میں سب کچھ ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ نہ بتایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا کہاں ثابت ہے دیکھو قرآن مجید کے متشابہات قرآن مجید میں ہیں مگر ان کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ (وہابی' دیوبندی) جواب: دوسری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا مکمل علم دیا گیا' رب فرماتا ہے نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی اور فرماتا ہے وعلمک مالم تکن تعلم اور فرماتا ہے۔ الرحمن علم القران وغیرہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات کا علم نہیں تو ان کا نازل فرمانا بیکار ہو گا ان چیزوں کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق پہلے حصہ کا مطالعہ کرو چوتھا اعتراض: دابہ اور طیر دونوں واحد ہیں جس کے معنی ہیں ایک چرندہ اور ایک چڑیا تو انہیں امم کیوں فرمایا ایک جانور تو امت نہیں۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا

کہ دا بہ اور طیر دونوں اسم جنس ہیں جو ایک اور تمام افراد پر بولا جاتا ہے نیز بطیر بجنا حیہ صفت عامہ ہے۔ جس نے اسے عام کر دیا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی معجزہ کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ورنہ کفار یہ کیوں کہتے **لولا نزل علیہ اٰیۃ** اگر انہوں نے مانگی تھی تو اس کے جواب میں یہ کیوں نہ کہا گیا کہ فلاں فلاں معجزہ دکھایا گیا تم غلط مطالبہ کیوں کرتے ہو (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس اعتراض کے علماء نے تین جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ آیت سے مراد ان کے منہ مانگے معجزات تھے۔ جیسے سونے کے پہاڑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے کا مکان ہونا زمین مکہ میں نہریں چشمے جاری ہونا وغیرہ یا گزشتہ نبیوں کے معجزے ید بیضا وغیرہ ہیں یا وہ معجزات جو کفار کو ایمان لانے پر مجبور کر دیں کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں کو کلمہ پڑھا دیا ایسے ہی ابو جہل وغیرہ کو کلمہ کیوں نہ پڑھایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار کرے وہ نرا اندھا ہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو آج بھی دیکھے جا رہے ہیں قرآن کریم کی ہر آیت معجزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء ان کی کرامات سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ جاوید معجزات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بہت سے معجزات ہیں جو اب تک دیکھے جا رہے ہیں (از تفسیر کبیر مع اضافہ)۔ **چھٹا اعتراض:** جب سارے جانور اوراک' معرفت' عبادت میں ہم جیسے ہیں تو پھر انسان اشرف الخلق کیسے ہوا' رب فرماتا ہے **ولقد کرمنا بنی ادم**۔ **جواب:** اس اشرفیت کی بہت وجہیں ہیں رب کی امانت کا حامل ہونا' شرعی احکام پر عامل ہونا' چنانچہ عالم' صوفی' غازی' شہید انسان ہی ہے' عشق الٰہی کا مرکز ہونا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نوع بشریت میں جلوہ گر ہونا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی بے نیازی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے جانور بھی قائل ہو گئے' مگر انکاری ہو تو کون اپنے کو عاقل و ہوشیار کہنے والا انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکاری ہو اگر انسان سیدھا رہے تو فرشتوں سے اعلیٰ ہو جائے اگر ٹیڑھا چلے تو جانور سے بد تر ہو جائے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی ظاہری صفات آنکھ' ناک' کان وغیرہ گویا چرندے ہیں جو بشریت کی زمین میں حرکت کرتے ہیں۔ اور نفس اور اس کے صفات دل اور روح اور اس کے صفات گویا پرندے ہیں جو شریعت و طریقت کے بازوؤں سے فضا میں پرواز کرتی ہیں یہ تم جیسی امتیں ہیں جنہیں تمہاری طرح قیامت میں جمع کیا جائے گا اور ان سے حساب و کتاب لیا جائے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا** حشر عام ہے جہاں سب جمع ہوں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے **واذا الوحوش حشرت** حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہر حیوان' نبات' جماد میں زندگی ہے بلکہ شعور ہے بعض مقبول بندے ان کی حیات و شعور کو محسوس کرتے ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل	ہست محسوس حواس اہل دل
فلسفی کو منکر حقانہ است	از حواس اولیاء بے گانہ است
چوں سلیماں سوئے مرغان سبا	یک صفیرے کرد بست آں جملہ را
جز مگر مرغے کہ بد بے جان و پر	یا چو ماہی گنگ بد از اصل کر

نے غلط گفتم کہ کر کر سرہند پیش وحی کبریا یا سمعش دہد

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور اور پیشانی اللہ کی وہ کتاب ہے جس سے ہر چیز ظاہر ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور بھی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کتاب بھی رب فرماتا ہے قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانی یار راز پنہاں می شود زاں آشکار

یہاں ارشاد ہوا ہے کہ اپنی اس کتاب محبوب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی سب کچھ اس میں ہے دیکھنے والا چاہئے نیز فرماتے ہیں کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند مطالبے کئے تھے ایک یہ کہ زمین مکہ بدل دی جائے' دوسرے یہ کہ آیات قرآنیہ ہماری خواہش کے مطابق آئیں۔ تیسرے یہ کہ گذشتہ نبیوں کے معجزے آپ دکھائیں۔ مردے زندہ کرنا وغیرہ ان کے مطالبے پورے نہ کئے گئے مگر یہ ساری باتیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھا دیں دیکھو مدینہ منورہ کی ہوا' پانی' زمین سب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کی اور دعا کی برکت سے بدل دی گئیں کہ وہ زمین وبا والی تھی۔ وہ خاک شفا بن گئی۔ نیز قرآن کریم کی بہت آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق آئیں' جیسے تبدیلی قبلہ کی آیات بلکہ بہت سی آیات حضرت عمر کی منشاء کے مطابق آئیں جیسے شراب کی حرمت' پردہ' مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصاء' ید بیضا' دم عیسیٰ سب ہی دکھائے مگر اور نوعیت سے لاٹھی سے لاٹھی کو بیٹری بنا دیا اپنے دانت شریف کی روشنی سے گم شدہ سوئی تلاش کروا دی کنکروں' پتھروں سے کلمہ پڑھوا دیا' حضرت صدیق اکبر کی خبر پر مالک ابن سنان شہید ہونے کے بعد زندہ کئے گئے وغیرہ وغیرہ' اس آیت کی تفسیر 22 شعبان 1387ھ' 25 نومبر 1967ء کو دن میں ختم ہوئی رات کو مجھے حضور غوث پاک کی زیارت ہوئی' غوث پاک نے میرے دل پر اپنی انگلی سے کلمہ طیبہ لکھا اور فرمایا انشاء اللہ تمہارا خاتمہ ایمان پر ہو گیا یہ خواب دولت کو دو بجکر دس منٹ پر دیکھا گیا۔

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ

اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں تاریکیوں میں وہ کہ چاہے اللہ گمراہ

اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیریوں میں اللہ جسے چاہے گمراہ

یُضْلِلْهُ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ

کرے اسے اور وہ کہ چاہے اللہ کر دے اسے اوپر راستے سیدھے کے فرما دو بتاؤ تو اگر

کرے اور جسے چاہے سیدھے راستہ پر ڈالے تم فرماؤ بھلا بتاؤ

اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ

آئے تمہارے پاس عذاب اللہ کا یا آئے تمہارے پاس قیامت تو کیا خدا کے سوا کس کو پکارو گے اگر ہو تم

اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر

صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ

سچے | بلکہ اسی کو پکارو گے تم پس کھول دے وہ کہ پکارتے ہو تم جس کی طرف

سچے ہو | بلکہ اسی کو پکارو گے تو اگر وہ چاہے جس پر اسے پکارتے ہو اسے اٹھالے

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِکُوْنَ ﴿۴۱﴾

اگر چاہے اور بھول جاتے ہو تم ان کو جنہیں شریک بناتے ہو

اور شریکوں کو بھول جاؤ گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار بہرے ہیں مردے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ اندھے اور گونگے بھی ہیں پھر ہدایت پر کیسے آئیں گے گویا ان کی بعض ولی بیماریوں کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا اور دوسری بعض بیماریوں کا ذکر ان آیات میں ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کا ایک قول نقل فرمایا گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت یا معجزہ کیوں نہیں اتار آگیا۔ اب ان کے اس قول کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اے محبوب آپ پر آیات معجزات تو بہت نازل ہوئے یہ تو بہرے گونگے ہیں کہ انہیں نہ تو کچھ سوجھے نہ کچھ سنیں۔ اس وجہ سے ایسے مطالبے کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی کج بحثیوں کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ کج بحثیاں اور یہ زور دار اعتراضات اس ہی وقت تک ہیں جب تک کہ یہ آرام میں ہیں' جب عذاب الٰہی یا قیامت دیکھیں گے تو سواء اللہ کی پناہ لینے کے اور کچھ نہ کریں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں رب تعالیٰ کی ربوبیت عام اور قرآن کریم کے جامع کتاب ہونے کا ذکر ہوا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بہرے گونگے لوگ قرآن کی جامعیت کا ہی انکار کئے جائیں گے کہ اس میں کچھ نہیں اس انکار کی وجہ ان کا اپنا بہرہ گونگا اندھا ہونا ہے نہ کہ قرآن مجید کا ناقص ہونا اندھا آدمی اگر خطرہ کی چیز نہ دیکھے تو دیکھنے والے کی سن کر مان لیتا ہے مگر جو اندھا بھی ہو بہرا بھی وہ نہ تو خود کچھ دیکھے نہ پکار کرتانے والے کی سنے اللہ تعالیٰ کے مقبول اور آنکھ والے بندے پکار رہے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے علوم عطا فرمائے ہیں' مگر اندھے بہرے کفار یہی کہے جائیں گے کہ اس میں کچھ نہیں نہ تو خود اتنا علم رکھتے ہیں کہ قرآن مجید سے سب کچھ معلوم کرلیں نہ عالموں کی بات مانتے ہیں۔

تفسیر: **والذین کذبوا باٰیٰتنا** یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ **الذین** سے مراد سارے کافر ہیں' خواہ موحد ہوں یا مشرک کیونکہ کافر عام ہے مشرک خاص **کذبوا** بنا ہے **تکذیب** سے معنی جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یا جھٹلانا یعنی جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرنا خیال رہے کہ سارے کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کو جھوٹا کہتے کہلواتے تو تھے مگر سب جھوٹا سمجھتے نہ تھے ان کے دل کہتے۔ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم** یہ بھی خیال رہے کہ اگرچہ جنات میں بھی کفار ہیں مگر جتنا نقصان انسانی کفار پہنچاتے رہے اور پہنچاتے ہیں اتنا نقصان جنات کفار نہیں پہنچاتے قتل انبیاء کفار انسانوں نے کیا وغیرہ اس لئے یہاں **الذین** سے مراد کفار انسان ہیں' **آیات** سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے معجزات کیونکہ ہر آیت قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معجزہ معرفت الٰہی کی نشانی اور دلیل ہے یا آیات سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے (تفسیر کبیر خازن) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم از سر تا قدم شریف اللہ تعالیٰ کی نشانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عضو شریف ہر وصف ہر ادا آیت الٰہیہ ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا کہ ارشاد ہوا۔ قد جاء کم برھان من ربکم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا خدا کی شان ہیں۔

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کی شان کے صدقے   میں ہر ہر آن یا رب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

اس صورت نوں میں جان آکھاں جانان کہ جان جہان آکھاں
سچ آکھاں تے ربدی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

یہ تیسری تفسیر بہت قوی بھی ہے اور لذیذ بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہر چیز کا انکار ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار سارے ایمانیات کا اقرار ہے نیز اور چیزیں اللہ تعالیٰ کی ایک ایک صفت کی نشانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بلکہ ذات کی نشانی ہیں اور خاموش نشانی نہیں بلکہ بولتی ہوئی نشانی اس لئے لوگ دوسری نشانیوں کو خدا مان بیٹھے مگر حضور کے ذریعہ کوئی نہیں بہکا' بلا شبہ آئینہ آئینہ دار کے ظاہر کو پورا پورا ظاہر کرتا ہے اور ایکسرے آئینہ دار کے اندرونی اعضاء ظاہر کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صفات اللہ تعالیٰ کی ظاہری صفات کو ظاہر کرتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی صفات عالم علم لدنی ہونا جود و سخا نورانیت اللہ تعالیٰ کی مخفی صفات کو اجاگر کرتی ہیں اس لئے آپ صرف آیت اللہ نہیں بلکہ آیات اللہ ہیں۔ صم وبکم فی الظلمات یہ عبارت والذین کذبوا کی خبر ہے صم جمع ہے اصم کی اصم بنا ہے صمم سے بمعنی بوجھ اصم وہ جس کے کان میں بوجھ ہو۔ جس سے وہ سن نہ سکے بکم جمع ہے ابکم کی بمعنی گونگا جو بول نہ سکے فی الظلمات یا تو الذین کی دوسری خبر ہے یا کسی پوشیدہ خبر کے متعلق ہو کر صم و بکم کا حال یا ان کی صفت ہے ظلمات جمع ہے ظلمۃ کی بمعنی تاریکی' نور کی مقابل کفار' جہالت' کفر' عناد' اندھی تقلید' ضد وغیرہ میں گرفتار تھے ان میں سے ہر چیز اندھیرا ہے جس میں انسان کو کچھ نظر نہیں آتا اس لئے یہاں الظلمت جمع ارشاد ہوا اگر بہرا گونگا آدمی اندھیروں میں پھنس جائے تو اس کی ہدایت کا کوئی ذریعہ نہیں کہ وہ نہ تو راستہ دیکھ سکے نہ کسی سے پوچھ سکے نہ کسی رہبر کی رہبری کو سن سکے اب ہدایت پائے تو کیسے من یشاء اللہ یضللہ اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ان کفار کے دلوں پر مہر لگ جانے کا ذکر من سے مراد جن و انس ہیں کہ ان دونوں کے سوا کسی مخلوق میں گمراہی نہیں مشیت سے مراد ارادہ ہے نہ کہ محبت کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر کا ارادہ تو کرتا ہے مگر اس سے راضی نہیں ان تکفروا والم یرضہ لکم یضلل بنا ہے اضلال سے بمعنی گمراہ کرنا یا گمراہی پیدا فرمانا یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ضلال ہے۔ ضلال کی نسبت اس کی طرف خلق کی ہے بندہ میں گمراہی پیدا فرمانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بندہ گمراہی کا کسب کرتا ہے رب تعالیٰ اس کسب سے گمراہی پیدا فرمادیتا ہے جیسے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ مقتول میں موت پیدا فرمادیتا ہے۔ ممیت یعنی موت دینے والا قاتل نہیں رب تعالیٰ ہے' مگر اسباب موت جمع کرنے والا قاتل ہے اس کسب قتل کا قاتل مجرم ہے۔ ومن یشاء یجعلہ علی صراط مستقیم یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی یجعلہ کے

وہی معنی ہیں جو یضللہ میں عرض کئے گئے کہ ہدایت کا سبب بندہ ہوتا ہے، اور خالق رب تعالیٰ ہے کسب ہدایت کا بندہ کو اجرو ثواب ملتا ہے صراط مستقیم کی تفسیر اس کے اقسام سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کئے جاچکے ہیں کہ سیدھی راہ عقائد' عبادات معاملات' شریعت' طریقت سب ہی میں ہے صراط مستقیم وہ دین وملت ہے جس میں حضرات اولیاء اللہ ہوں جو فرقہ ولایت سے خالی ہو وہ ہی ٹیڑھا راستہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین** اور فرماتا ہے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار کا یہ بہرا گونگا پن اس وقت ختم ہو جاتے ہیں جب ان پر کوئی دنیاوی آفت آجائے ان مصائب آجانے پر ان کی یہ اندھیریاں چھٹ جاتی ہیں اور ایک اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **قل ارئیتکم** قوی یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ اس مضمون کا تعلق توحید الٰہی سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گواہ ہیں لہذا قل ارشاد ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی توحید کے گواہ ہیں اور خدا تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا گواہ ہو سکتا ہے کہ قل میں خطاب ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہو' ارئیت میں ہمزہ تو استفہامیہ ہے اور رایت صیغہ واحد مخاطب ہے کم زائد ہے۔ جوت خطاب کی تاکید کے لئے ہے یہ کسی اعراب کے محل میں نہیں جیسے **ایاک** میں کاف خطاب زائدہ رایت کی ت تو ایک ہی حال میں رہتی ہے اور کم میں تبدیل ہوتی رہتی ہے **ارئیتک ارئیتکما ارئیتکم** اس کے لفظی معنی ہوئے کیا دیکھا تم نے اب اصطلاح میں اس کے معنی ہوئے بتاؤ تو خبر تو دو اقرار کرانے کے لئے استعمال ہوتا ہے (تفسیر کبیر' روح المعانی) یہاں یہی معنی ہیں۔ **ان اتاکم عذاب اللہ** یہاں **عذاب اللہ** سے مراد دنیاوی غیبی عذاب ہے جیسے گذشتہ قوموں پر آئے **او اتتکم الساعۃ** یہ عبارت پہلے جملہ **اتاکم** الخ پر معطوف ہے اور اپنے معطوف علیہ سے مل کر شرط ہے یعنی اگر تم پر عذاب الٰہی آجائے یا تم پر قیامت قائم ہو جائے قیامت سے مراد یا تو ان کی اپنی قیامت ہے یعنی موت یا وہی قیامت جس میں دنیا ختم ہو جائے گی' خیال رہے کہ غیبی عذاب عمومی طور پر آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بند ہو گئے مگر خصوصی طور پر آسکتے ہیں بلکہ قریب قیامت آئیں گے اور کفار عرب عموماً" قیامت کے قائل تھے اس لئے یہ دونوں چیزیں بیان فرمانا درست ہوا اور ہو سکتا ہے کہ عذاب سے مراد عادی عذاب ہوں قحط سالی وبائی بیماری وغیرہ۔ **اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین** یہ جملہ **ارءیتکم** کا مفعول ہے **غیر اللہ** سے مراد کفار کے وہ بت ہیں جنہیں وہ مصیبت کے موقعوں پر مدد کے لئے پکارتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ بت خدا کی بھیجی مصیبت ٹال دیتے ہیں یہ خدا کے برابر ہیں یہی تو ان کا شرک تھا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ثم الذین کفروا بربھم یعدلون** ۔ خیال رہے کہ لفظ **غیر اللہ** کبھی **ماسوی اللہ** کے معنی میں آتا ہے کبھی خدا کے مقابل کے معنی میں' کبھی خدا کے دشمن کے معنی میں اللہ کے مقبول بندے پہلے معنی سے تو غیر اللہ ہیں دوسرے دو معنی سے غیر اللہ نہیں وہ تو اللہ کے اپنے ہیں غیر نہیں جب لفظ **غیر اللہ** یا **دون** عبادت یا الوہیت کے ساتھ آئے گا تو بمعنی سواء یا علاوہ ہو گا اس وقت اس میں نبی' سلطان' حکام سب ہی داخل ہوں گے جیسے **قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون** اور اگر لفظ **غیر اللہ** یا **دون اللہ** مدد یا پکارنے یا حاکم بنانے کے ساتھ استعمال ہو گا تو اس کے معنی ہوں گے خدا کے اجنبی' خدا کے غیر یا خدا کے دشمن جیسے **قل اغیر اللہ ابتغی حکما فاطر السموات والارض**۔ یہاں چونکہ پکارنے کے ساتھ غیر اللہ ارشاد ہوا ہے۔ لہذا بمعنی دشمن خدا ہے یا خدا سے اجنبی یہ قاعدہ خیال میں رہے دیکھو قرآن مجید میں غیر اللہ کو حکم و پینچ بنانے سے منع فرمایا گیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

سعد ابن معاذ کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے عمرو ابن عاص اور ابو موسیٰ کو حکم منبج بنایا۔ کیونکہ آیت میں غیر اللہ سے مراد اللہ کے دشمن ہیں۔ تدعون بنا ہے دعاء سے معنی پکارنا بلانا یہاں آئے ہوئے عذاب آئی ہوئی قیامت کو ٹالنے کے لئے اللہ کے مقابل مدد کرنے کے لئے بلانا مراد ہے۔ خیال رہے کہ ان کنتم صدقین شرط موخر ہے اس کی جزا ہے ارا یتکم الخ صادقین کا مفعول بہ ایک پوشیدہ عبارت ہے اصنا مکم الھتہ یا عبادتہا نافعتہ (روح المعانی) یعنی اگر تم اس عقیدہ میں سچے ہو کہ بت سچے معبود ہیں یا ان بتوں کی عبادت فائدہ مند ہے تو بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب یا قیامت تم پر آجائے تو کیا اللہ کے مقابلہ میں عذاب یا قیامت دفع کرنے کے لئے بتوں کو بلاؤ گے۔ یہ نہایت نفیس الزام ہے کیونکہ کفار عرب مصیبتوں میں بتوں کی عبادت بھول جاتے تھے صرف رب تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے اس سے دعائیں کرتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل۔ اے موسیٰ اگر آپ نے اس بار عذاب دفع کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے رب تعالیٰ عذاب دفع کر دیتا تھا فرماتا ہے فلما کشفنا الخ بل ایاہ تدعون اس عبارت میں ان کے عمل کا بیان ہے جو وہ مصیبت میں کرتے تھے بل سے پہلے لا تدعون پوشیدہ ہے۔ یعنی اس وقت تم بتوں کو نہیں بلاؤ گے بلکہ ایک اللہ کو ہی پکارو گے یا بلاواسطہ یا اس کے کسی مقبول بندے کے واسطہ وسیلہ سے' چنانچہ قیامت میں سارے مومن و کفار پہلے حضرات انبیاء کرام کے پاس ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس آئیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے۔ تب حساب و کتاب شروع ہوگا۔ فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء یہ عبارت ایاہ تدعون پر معطوف ہے یکشف کا فاعل رب تعالیٰ ہے کشف کے معنی ہیں کھولنا یہاں مراد ہے دور فرمادینا ما سے مراد عذاب ہے یا قیامت کی مصیبتیں کیونکہ قیامت کسی کی دعا سے نہ رک سکتی ہے نہ ٹل سکتی ہے۔ تدعون کا مفعول و پوشیدہ ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے الیہ سے مراد ہے الی کشفہ ان شاء شرط موخر ہے اور فیکشف جزاء مقدم ہے معنی یہ ہیں کہ عذاب یا قیامت آجانے کی صورت میں تم اپنے بتوں کو مدد کے لئے نہیں پکارتے' بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہی دعا مانگتے ہو اور مانگو گے رب تعالیٰ اگر چاہے تو عذاب یا قیامت کی مصیبت دور فرمادے۔ وتنسون ما تشرکون یہ جملہ بھی تدعون پر معطوف ہے تنسون بنا ہے نسیان سے جس کے معنی ہیں بھول جانا فیکشف کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کافر کی دعا سے اس کی مصیبت فوراً دور ہو جاتی ہے تاکہ وہ جلد ہی بھاگ جائے اگر کبھی مسلمان کی دعا دیر میں قبول ہو تو اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمان کی دعا اس کی گریہ زاری رب کو پسند ہے وہ چاہتا ہے کہ اسی ذریعہ مسلمان دور پر حاضر رہے' مولانا فرماتے ہیں۔

خوشی باید نالہ شبہائے تو ذوق ہا دارم بہ یار بہائے تو

نسیان کے حقیقی معنی ہیں بھول جانا مجازی معنی ہیں چھوڑ دینا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں' کیونکہ کفار عذاب آنے پر خصوصاً قیامت میں بدحواس ہو کر اپنے تمام بتوں کو بھول جاتے ہیں قیامت میں ان سے متنفر ہو جائیں گے' ما سے مراد بت ہیں تشرکون کا مفعول ہ پوشیدہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام گفتگو مشرکین سے ہے اور ان تمام چیزوں میں بت مراد ہیں کہ مشرکین اور کفار بتوں کو بھول جاتے ہیں مومنین تو مصیبت میں اللہ کے مقبولوں کی طرف رجوع کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک قیامت میں مومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل نہ ہوں گے بلکہ سب

سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دادرسی کریں گے نیز مومنین مقبولان خدا کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

خلاصہء تفسیر : پہلی آیت کریمہ کے تین حصہ ہیں' پہلے حصہ میں اس تخم کا ذکر ہے جو کفار نے اپنے دلوں میں بو لیا **کذبوا بایٰتنا** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و تکذیب دوسرے جز میں ان تین شاخوں کا ذکر ہے' جو اس تخم سے پیدا ہوئیں دو ذاتی جن میں سے ایک کفار کے کانوں کی طرف نکلی' **صم** دوسری ان کی زبان کی طرف پھوٹی **بکم** تیسری شاخ عارضی **فی ظلمات** تلث ببول کے تخم سے جو درخت پیدا ہوتا ہے اس کے کانٹے یکساں پھل بدبودار ہوتے ہیں' چنانچہ ارشاد ہوا کہ جو لوگ ہماری آیات قرآنیہ یا ہمارے محبوب کے معجزات یا خود ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خود آیات الیہ ہیں انہیں جھوٹا جانتے ہیں وہ ہم کو ہماری صفات کو نہیں پہچان سکتے کیونکہ وہ تو ایسے بہرے گونگے ہیں جو ان قوتوں کے بیکار ہونے کے ساتھ کفر و عناد حسد کی اندھیریوں میں پھنسے ہیں انہیں راہ حق کیسے نصیب ہو کہ یہ نہ خود راستہ جانتے ہیں کہ اندھیروں میں پھنسے ہیں نہ کسی سے پوچھ سکتے ہیں کہ گونگے ہیں نہ کسی کی رہبری سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ بہرے بھی ہیں کسی کی سنتے نہیں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس بندے میں چاہئے گمراہی پیدا فرمادے جسے چاہے سیدھے راہ پر لگادے سخی سے بھیک مانگنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس کی تعریف اس کے جان مال کو دعائیں دے کر عرض مدعا کرو جو بھکاری داتا کے دروازے پر کھڑے ہو کر داتا کی برائیاں کرے اس کے بال بچوں کو کوسے وہ بھیک نہ پائے گا۔ مار کھائے گا یہ کفار رب کا انکار اس کی آیات کا انکار اس کے محبوب کی عداوت کر کے رب سے انعام نہیں پائیں گے بلکہ بہرے گونگے ظلمات وغیرہ کی سزائیں ہی پائیں گے۔ یہ مشرکین جو آپ سے منہ موڑ کر بتوں کو اپنا مددگار سمجھے بیٹھے ہیں ان سے آپ اتنا تو پوچھیں کہ اگر دنیا میں تم پر غیبی عذاب آ جائے یا اگر قیامت قائم ہو جائے تو کیا تم ان اللہ کے دشمنوں یعنی بتوں کو یہ عذاب رفع کرنے کے یا قیامت میں مدد کرنے کے لئے بلاؤ گے۔ اگر اپنے اس عقیدے میں سچے ہو کہ بت خدا کے شریک ہیں خدا کے عذاب کو دفع کر سکتے ہیں تو اس کا جواب دو اے بے وقوفو تم ایسے موقعوں پر کسی بت وغیرہ کو مدد کے لئے نہیں بلاتے بلکہ ایسی آفت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے اس سے دعا کرو گے پھر وہ اگر چاہے تو غیبی عذاب یا قیامت کی مصیبت کو تم سے دفع فرمادے تم تو ایسے موقعوں پر اپنے معبودوں کو بالکل بھول جاتے ہو جب تمہیں آخر کار رب تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور پڑے گا تو اب آرام و سکون میں بھی اسی کی عبادت کرو کسی کو اس ذات کریم کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نبی کا حاسد ان کا دشمن کبھی ہدایت نہیں پا سکتا اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا یہ فائدہ **بایٰتنا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ آیات سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں بہرا گونگا بھی فرمایا اور اندھیریوں میں گرفتار بھی جو نہ خود ہدایت پائے نہ کسی سے ہدایت حاصل کرے دیکھ لو ابلیس عنادی حسد پیغمبر کا مارا ہوا ہے تو باوجود یکہ وہ جنت دوزخ فرشتے وغیرہ سارے عالم غیب کو دیکھ چکا اور از حضرت آدم تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کو ان کے معجزات کو دیکھ چکا ان کے وعظ سن چکا مگر ہدایت پر نہیں آتا یہ ہے نبی کے عنادی پر اللہ کی مار۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں یعنی دوسری مخلوق ایک ایک آیت و نشان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نشانیاں اس طرح کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہر عضو ہر حال ہر کام

آیت اللہ ہے اور حضور اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی تمام صفات کی نشانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر رب پہچانا جاتا ہے یہ فائدہ بھی ما یا تینا کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: جو شخص قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا دانستہ انکار کرے اس کی ہدایت بہت مشکل ہے یہ فائدہ ما یا تینا کی دوسری تفسیروں سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: گمراہی اور ہدایت دونوں کا خالق رب تعالیٰ ہے اس سے ہر چیز ملتی ہے یہ فائدہ من یشاء اللہ الخ سے حاصل ہوا۔ مگر ادب یہ ہے کہ بندہ گمراہی بلکہ ہر برائی کو اپنی طرف نسبت کرے کہ مولیٰ یہ حرکت میں نے کی اور ہدایت بلکہ ہر بھلائی کو رب کی طرف سے سمجھے کہ خدایا تیری توفیق تیرے کرم سے ہم مسلمان اور نمازی وغیرہ بن گئے اگر ہم کچھ تجھ سے مانگ بھی لیتے ہیں وہ مانگ بھی تیری مہربانی سے ہی ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ما کہ بودیم و دعا ما چہ بود!　　لطف تو دل داد اے رب ودود
ذرهٔ بر روئے خاک افتادہ بود　　آفتابے آمد و روشن نمود!

مولانا فرماتے ہیں۔

ما زحرص و آز خود را سوختیم　　ایں دعا را ہم زتو آموختیم
حرمت آں کہ دعا آموختی　　اندریں ظلمت چراغ افروختی
دستگیرم درچنیں بیچارگی　　شاد گر وانم دریں غم خوارگی

پانچواں فائدہ: انسان آرام میں عموماً" رب تعالیٰ کو بھول جاتا ہے تکلیف و مصیبت میں خدا کو یاد کرتا ہے' یہ فائدہ بل ایاہ تدعون الخ سے حاصل ہوا۔ غفلتیں "گناہ" سرکشیاں آرام و راحت کا نتیجہ ہیں فرعون بھی ڈوبتے وقت بندہ بن گیا تھا آرام میں خدا بنا رہا۔ چھٹا فائدہ: جو مصیبت میں بھی خدا تعالیٰ کو یاد نہ کرے وہ مشرکین سے بھی زیادہ سخت دل ہے یہ فائدہ بھی بل ایاہ تدعون الخ سے حاصل ہوا۔ ہندوستان کے مشرک بیماریوں میں نمازیوں سے دم کراتے ہیں بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں محض قبولیت دعا محبوبیت کی علامت نہیں' شیطان نے دورازی عمر کی دعا مانگی جو کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہو جاتی ہیں۔ یہ فائدہ فیکشف ما تدعون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین بھی مصیبت میں پھنس کر غیر اللہ کو پکارنا چھوڑ دیتے ہیں اس وقت صرف خدا تعالیٰ ہی کو مدد کے لئے پکارتے ہیں افسوس کہ مسلمان مصیبتوں میں بھی یارسول اللہ' یا غوث' یا پیر کہنا نہیں چھوڑتے یہ مسلمان ان مشرکین سے بدتر ہیں۔ جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں' دو الزامی تیسرا تحقیقی۔ پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ تمہارے علماء و مشائخ بھی مصیبت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لئے پکارتے ہیں' چنانچہ تم سب کے شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں　　تم اب چاہے ڈبوؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

اور مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سواء　　نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ آپ حضرات بھی مصیبتوں میں بجائے رب تعالیٰ کے دروازے پر جانے کے حاکموں، حکیموں، امیروں کے دروازوں پر جاکر ان کی دہائی دیتے ہو اپنے پیروں کو پکارتے ہو، تمہارے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کا شعر ہے مرثیہ رشید احمد صاحب گنگوہی میں۔

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں اب یارب گیا وہ قبلہء حاجات ایمان و ایمانی

بلکہ حضرات انبیاء و اولیاء نے بھی اللہ کے بندوں سے مدد مانگی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہود کی طرف سے سخت خطرہ ہوا تو فرمایا **من انصاری الی اللہ** جواب میں حواریوں نے کہا **نحن انصار اللہ** حضرت ذوالقرنین نے فرمایا **اعینونی بقوۃ**۔ رب فرماتا ہے **وتعاونوا علی البر والتقوی** مشکوٰۃ باب الشفاعۃ میں حضرت انس کی روایت سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دوزخی لوگ دوزخ میں جاتے وقت جنتیوں کی راہ میں کھڑے ہوں گے ایک دوزخی کسی جنتی کو جاتے دیکھ کر کہے گا کہ میں نے تجھے دنیا میں پانی پلایا تھا آج میری شفاعت کر وہ شفاعت کرے گا رب اسے بخش دے گا وہ اس دوزخی کو لے کر جنت میں جائے گا یہ سب اللہ کے بندوں کی مدد ہی تو ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں غیر اللہ سے مراد اللہ کے دشمن اللہ کے غیر یعنی بت ہیں اس لئے آگے ارشاد ہوا **وتنسون ما تشرکون** اور اس میں خطاب مشرکین سے ہے نہ کہ مومنین سے وہی مصیبتوں میں بتوں کو بھول جاتے تھے۔ مصیبتوں میں اللہ کے مقبول بندوں سے دعا کرانی ان کے توسل سے دعا کرنی بلکہ ان سے فریاد کرنے کا حکم خود رب تعالیٰ نے دیا ہے جیساکہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ محبوبین اور مردودین میں فرق کرو کعبہ کی طرف سجدہ ایمان کا رکن ہے بتوں کی طرف سجدہ شرک ہے گنگا کے پانی کی تعظیم شرک آب زمزم کی تعظیم حق ہے۔ ہولی دیوالی کے دنوں کی تعظیم شرک ہے عید بقر عید کے دنوں کی تعظیم رکن ایمان غرضیکہ دنیا میں دو دھڑے ہیں۔ شیطانی دھڑا حزب الشیطان اور رحمانی دھڑا حزب اللہ ان میں فرق کرنا ضروری ہے اللہ کے دشمنوں سے مدد لینا شرک ہے۔ اللہ کے مقبولوں سے مدد لینا ایمان ہے ہم تو انشاء اللہ قیامت میں مصیبت پر پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی پکاریں گے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے بلکہ تم بھی انہیں کو پکارو گے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے

ہم بھی محشر میں سیر دیکھیں گے نجدی آج ان سے التجا نہ کرے

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں عذاب اللہ اور قیامت کے دنوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ **فیکشف ما تدعون** قیامت تو کسی کی دعا سے نہیں ٹلے گی پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں قیامت کی مصیبتیں مراد ہیں وہاں کی بعض مصیبتیں کفار کی دعا چیخ پکار سے بارادہ الٰہی ہلکی ہو جانے کی امید ہے کفار کے کچھ نیک اعمال صدقہ خیرات عدل و انصاف وغیرہ کی وجہ سے ان کے عذاب ہلکے ہوسکتے ہیں ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی خوشی منائی تو اسے سوموار کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ جس کے اشارہ سے اس نے اس خوشی میں ثویبہ لونڈی (رضی اللہ عنہا) کو آزاد کیا تھا۔ (بخاری شریف شروع کتاب الرضاع) **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما دعاء الکفرین الا فی ضلال** کفار کی دعا کا رسب برباد ہے۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: وہاں اس آیت کریمہ میں دوزخی کفار مراد

ہیں اور ان کی دعا سے مراد دوزخ میں شور و پکار ہے۔ کبھی مالک (داروغہ دوزخ) سے فریادیں کرنا کبھی رب تعالیٰ سے۔ وہ سب بیکار ہو گا' یہاں اس آیت کریمہ میں کفار کی دنیاوی دعائیں یا میدان محشر کی بعض دعائیں مراد ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

چوتھا اعتراض: جب گمراہی اللہ کے چاہنے سے انسان کو ملتی ہے تو کفار یا گنہگاروں کو عذاب کیوں ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا وہ اس نے کر لیا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی یہ ہے کہ جب ہدایت اللہ کے چاہنے سے انسان کو ملتی ہے تو نیک کاروں کو ثواب کیوں ملتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا وہ اس نیک کار نے کر لیا۔ جواب تحقیقی ابھی تفسیر میں اور تیسرے پارے کی تفسیر میں گزر گیا کہ رب تعالیٰ کے اس چاہنے سے بندہ مجبور نہیں ہو جاتا کہ بغیر اپنے چاہے کفر یا ایمان اختیار کرے بلکہ اللہ نے اس کے کفر و ایمان کو بھی چاہا اور اس کے چاہنے کو بھی چاہا بندے کو اس چاہنے پر ہی سزا و جزا ہے۔ جیسے قتل پر قاتل کو سزا ملتی ہے حالانکہ وہ قتل بھی اللہ کے چاہنے سے ہوا اور اس مقتول کو اللہ نے ہی موت دی۔ پانچواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ اگر رب چاہے تو تمہاری مصیبت دور کر دے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **ادعونی استجب لکم** تم ہم سے دعا کرو ہم قبول کریں گے۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں کفار کی دعاؤں کا ذکر ہے اور وہاں تمہاری پیش کردہ آیت میں مسلمانوں کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں بندوں کے منہ مانگی چیز دے دینے کا ذکر ہے وہاں اس آیت کریمہ میں پکار کے جواب دینے کا ذکر ہے یعنی تم مجھے پکارو یا ربی میں تم کو جواب دوں گا عبدی تیسرے یہ کہ وہاں قبول کرنے کے معنی ہیں دعا بے کار نہ جانا اس کا فائدہ ضرور ہو گا یا اس طرح کہ منہ مانگی مراد مل جائے یا اس طرح کہ دعا کی برکت سے کوئی آفت ٹل جائے یا اس طرح کہ دعا مانگنے کا ثواب آخرت میں مل جائے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے سرکاری ملازموں کو تنخواہ' بھتہ' کوٹھی' موٹر' خادم نوکر سب کچھ حکومت کی طرف سے ملتا ہے مگر کیوں' کار سرکار کے لئے اس کار سرکار کے طفیل وہ اپنا کام عیش و آرام بھی کر لیتے ہیں یعنی کار سرکار اصل مقصود ہے۔ وہ سرے کام تابع اگر وہ ڈیوٹی نہ دیں اور دوسرے اپنے کاموں میں یہ چیزیں صرف کریں تو مجرم ہیں یوں ہی رب تعالیٰ نے ہم کو اعضاء صحت' دولت ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اپنی عبادت کے لئے عبادات کے ساتھ ہم ان سے اپنے دنیاوی کام بھی لے لیں تو بالکل درست ہے مگر جو رب کی عبادات تو نہ کرے ان نعمتوں کو دنیاوی عیش و آرام میں صرف کرے وہ مجرم ہے لہٰذا آنکھیں ہوتے ہوئے اندھا ہے کان ہوتے ہوئے بہرا زبان ہوتے ہوئے گونگا ہے کہ ان نعمتوں کا مقصد پورا نہیں کرتا اس آیت کریمہ میں اسی وجہ سے آیات الہیہ کے منکرین کو بہرا گونگا اندھا فرمایا گیا کہ جن چیزوں کو دیکھنے کے لئے یہ طاقتیں ملی تھیں انہوں نے وہ چیزیں دیکھی نہیں۔ بولی نہیں جیسے عالم اجسام میں اندھیریاں بہت قسم کی ہوتی ہیں رات کی اندھیری' بادلوں کی اندھیری' گھر کے تہہ خانہ کی یا سمندر کی تہہ کی اندھیری اگر آدمی اندھا ہے تو آنکھ کی اندھیری جن میں سے بعض اندھیریوں کو آسمان کا سورج دور کر دیتا ہے یوں ہی دل کی اندھیریاں بہت قسم کی ہیں جنہیں آسمان نبوت کا چمکتا دمکتا سورج حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دور کرتے ہیں جو ان سے نور نہ لے وہ دل کی اندھیریوں میں رہے گا۔ اسی بنا پر رب تعالیٰ نے انہیں **فی الظلمات** فرمایا اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اسے دروازہ پاک مصطفوی تک پہنچا دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اسے وہ دروازہ نہیں ملتا وہ در

والے مومن وہ دروازے پالیتے ہیں مگر نزدیک والے کفار وہاں نہیں پہنچتے کفار اللہ کا انکار کر کے کافر ہوتے ہیں مومنین بتوں کا انکار اللہ تعالیٰ کا اس کے رسولوں کا اقرار کر کے بتوں کے کافر (منکر) اللہ کے مومن ہوتے ہیں **فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ** الخ مگر مومن کا یہ کفر مضبوط ہے کافر کا کفر باللہ کمزور اس لئے کافر مصیبتوں میں اپنے بتوں کو بھول جاتے ہیں مگر مومن آرام و مصیبت میں نہ رب کا دروازہ چھوڑے نہ نبی کا آستانہ۔

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی!

کفار کے کفر کی یہی کمزوری یہاں بیان ہوئی کہ ارشاد ہوا **بل ایاہ تدعون** اور فرمایا گیا **وتنسون ما تشرکون** اللہ تعالیٰ کفر ثابت یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول پر دائم قائم رکھے۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ بڑی بے نیاز ہے کبھی مسلمانوں کی دعائیں جلد قبول نہیں ہوتیں تاکہ وہ دروازہ پر حاضر رہیں اور کبھی کفار کی دعائیں بہت ہی جلد قبول ہو جاتی ہیں تاکہ وہ جلد دروازے سے بھاگ جائیں ان کی وہ قبولیت محبوبیت کے لئے نہیں بلکہ مردودیت کے لئے ہے کہ جلد جائیں مسلمانوں کی یہ عدم قبولیت محبوبیت کے لئے ہے کہ اس بہانہ سے وہ دروازہ پر حاضر رہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول ان امتوں کی طرف جو پہلے سے ہیں آپ کے پھر پکڑا ہم نے انہیں سختی
اور بے شک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ
يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ
سے اور نقصان سے تاکہ وہ عاجزی کریں پس کیوں نہیں ہوا جب آیا ان کے پاس عذاب ہمارا تو عاجزی کرتے
کسی طرح گڑگڑائیں تو کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو گڑگڑاتے ہوتے لیکن ان کے
قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾
وہ اور لیکن سخت ہو گئے دل ان کے اور آراستہ کر دیا شیطان نے ان کاموں کو جو وہ کرتے تھے
تو دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اس کی بارگاہ میں عاجزی زاری دعائیں کرتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کا یہ حال دائمی نہیں کبھی یہ لوگ مصیبت میں بھی رجوع الی اللہ نہیں کرتے اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں گویا کفار کے ایک حال کا ذکر پہلے ہوا دوسرے حال کا ذکر اب ہو رہا ہے (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق** : پچھلی آیات میں موجودہ کفار کے پلپلے پن کا ذکر تھا کہ وہ مصیبتوں میں رب کی طرف دوڑتے ہیں' اب ان آیات میں گزشتہ زمانہ کے کفار کی سختی اور کفر پر مضبوطی کا ذکر ہے کہ وہ تو مصیبتوں میں بھی رب کو یاد نہیں کرتے تھے۔ جب وہ اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے مخالفت انبیاء سے وہ ہلاک ہو گئے تو یہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے رب کے عذاب سے کیسے بچیں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ ہدایت و گمراہی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے جسے چاہئے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کرے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ موجودہ کفار مصیبتوں میں رب کی طرف رجوع کرتے ہیں گذشتہ کفار مصیبتوں میں بھی رجوع الی اللہ نہ کرتے تھے یہ بھی رب تعالیٰ کے ارادے سے ہے وہ بھی اس کے ارادے سے تھا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار تنزیلی آیات عذاب دیکھ کر ایمان نہیں لاتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کفار تو آیات عذاب یعنی دنیاوی مصیبتیں تکالیف دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے یعنی ان کی ضد کی ایک نوعیت کا ذکر فرمانے کے بعد اس ضد کی دوسری نوعیت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے (تفسیر روح المعانی)

تفسیر: **ولقد ارسلنا الی امم** چونکہ مشرکین نبوت اور انبیاء کرام کی تشریف آوری کے منکر تھے اور اہل کتاب اگرچہ حضرات انبیاء کی تشریف آوری کے تو اقراری تھے مگر اپنی ان نافرمانیوں' بدکرداریوں کے منکر تھے۔ جن کا یہاں ذکر ہے اور عام لوگ اس کے منکر تھے کہ دنیاوی تکالیف ہمارے گناہوں نافرمانیوں سے آتی ہیں بلکہ ان کا خیال تھا کہ یہ آرام و تکالیف محض اتفاقی یا بائی چانس ہوتی ہیں غرضیکہ اس مضمون کی تین جماعتیں انکاری تھیں ان وجوہ سے اس مضمون کو لام اور قد سے شروع فرمایا گیا۔ چونکہ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کے اول واؤ ابتدائیہ لایا گیا دنیا میں ہماری آمد کو خلق یا خلقت کہا جاتا ہے مگر حضرات انبیاء کرام کی آمد کو ارسال یا بعثت یا جاء سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ ہماری آمد اور ان حضرات کی آمد میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ ہم یہاں سیکھنے کچھ بننے آتے ہیں وہ حضرات سیکھے ہوئے بنے ہوئے ہم کو بنانے سکھانے آتے ہیں وہ ولادت کے وقت ہی سب کو اور سب کچھ جانتے پہچانتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں ہی اپنی ماں یوحائز کے سوا کسی دائی کا دودھ قبول نہ کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حلیمہ کا بایاں پستان نہ چوسا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنی نبوت' کتاب' نماز' زکوٰۃ' ماں کی خدمت وغیرہ تمام ذمہ داریوں کا اعلان فرمایا۔ دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں رسول رب تعالیٰ کی ذمہ داری پر' تیسرے یہ کہ ہم دنیا میں اپنا کام کرنے آتے ہیں رسول رب تعالیٰ کا کام کرنے آتے ہیں' جیسے کچہری میں حاکم بھی آتا ہے اور مقدمے والے بھی یا اسکول میں طلباء بھی حاضر ہوتے ہیں۔ حضرات مدرسین بھی تشریف لاتے ہیں یعنی رسلا **امم** جمع ہے امتہ کی امت کے لغوی معنی اور امت کے اقسام پہلے بیان ہو چکے **امم** کی تنوین تعظیم کی نہیں کثرت و زیادتی کی ہے۔ خیال رہے کہ کبھی ایک امت کی طرف ایک رسول بھیجے جاتے تھے اور کبھی ایک امت کی طرف چند رسول جیسے موسیٰ و ہارون علیہم السلام کی یہ دونوں حضرات قبطیوں اور سبطیوں کی طرف بھیجے گئے حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر اڑتے تھے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار نبی ہوتے تھے **الی امم** اس سب کو شامل ہے **من قبلک** یہ عبارت یا تو **ارسلنا** کے متعلق ہے یا کائنتہ کے متعلق ہو کر **امم** کی صفت یا حال ہے' مومنین کی چند امتیں ہونا یا انبیاء کرام کا تشریف لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے تو تھا ظہور سے لے کر قیامت تک نہ کوئی نبی پیدا ہو گا نہ مسلمانوں کی چند امتیں ہوں گی کیونکہ امت بنتی ہے نبی سے دین بدلتے ہیں نبی کے بدلنے سے اب تا قیامت سب کی دائمی نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں للذا اب امت صرف ایک ہے یعنی مسلمان دین صرف ایک ہے۔ یعنی اسلام زبان ملک وغیرہ سے دنیاوی قومیں بن سکتی ہیں امت صرف نبی سے ہے **من** یا تو زائدہ ہے کہ **من** اثبات میں زائدہ ہو کر آ سکتا ہے یا بمعنی فی ہے جیسے **اذا نودی للصلوٰۃ**

من یوم الجمعۃ میں من بمعنی فی ہے (معانی 'بیان) یا ابتدائیہ ہے جیسے نمت من اول اللیل میں یا جیسے صمت من اول الشھر قبلک سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظہور سے پہلے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت اور ہے زمانہ ظہور کچھ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظہور اور زمانہ نبوت میں کوئی نبی نہیں بھیجا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پانچ سال پہلے سے لے کر تاقیامت کسی اور نبی کی آمد ختم کردی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین کا تاج پہنایا گیا۔ اس وجہ سے من قبلک فرمایا گیا۔ فاخذ نھم بالباساء والضراء میں ف فصیحہ ہے یعنی پوشیدہ عبارت کی جزائیہ ف کذبوا رسلھم۔ اخذ سے مراد غضب و عذاب کی پکڑ ہے ھم کا مرجع امم کے نافرمان لوگ باساء بنا ہے بوس سے بمعنی سختی و شدت 'جیسے قحط 'بھوک 'ظالم بادشاہ اور ضراء بنا ہے ضرر سے بمعنی تکلیف و نقصان خواہ جانی ہو یا مالی جیسے بیماری 'جانی یا مالی نقصان خیال رہے کہ باساء اور ضراء دونوں ایسے مونث ہیں جن کا کوئی مذکر نہیں دیکھو احمر کا مونث حمراء ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بئس اور اضر کا مونث باساء اور ضراء ہے (معانی 'بیان و کبیر) یعنی ان امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا ان کی نافرمانیاں کیں تو ہم نے انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑ لیا لعلھم یتضرعون اس عبارت میں مذکورہ پکڑ کی حکمت کا بیان ہے کلام الہی میں لعل شک کے لئے نہیں آتا کہ رب تعالیٰ شک و تردد سے پاک ہے بلکہ بمعنی کے (تا کہ) ہوتا ہے تضرع کے معنی ہیں عجز کا اظہار یہاں مراد عاجزی و زاری سے توبہ کرکے دفع عذاب کی دعا کرنا یعنی یہ سختیاں تکالیف انہیں ہلاک کرنے کے لئے نہ تھیں بلکہ انہیں تادیبی کاروائی کے طور پر توبہ 'عاجزی 'زاری کی طرف بلانے کے لئے تھیں مگر وہ اس طرف نہ آئے چنانچہ ارشاد ہے فلو لا اذ جاءھم باسنا تضرعوا عربی میں لولا وہاں بولا جاتا ہے جہاں یہ بتایا جائے کہ اس کام کا باعث تو موجود تھا مانع کوئی نہ تھا مگر پھر بھی یہ کام نہ ہوا اس سے شرط یا نفی مراد نہیں ہوتی اس لئے ڈانٹ ڈپٹ یا ندامت و شرمندگی کے موقعہ پر بولا جاتا ہے اور اس کے بعد لیکن یا لکن وغیرہ آسکتا ہے (معانی) یہاں لولا کا تعلق تضرعوا سے ہے نہ کہ جاءھم سے کیونکہ ان پر تکالیف تو آئیں مگر انہوں نے عاجزی و زاری نہ کی بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں لولا ترغیب کے لئے ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ترغیب کا لولا صرف مضارع پر ہی آتا ہے ماضی پر نہیں آتا اور یہاں ماضی پر ہے (معانی) یعنی جب ان پر ہماری پکڑ آئی تو انہوں نے عاجزی زاری کیوں نہ کرلی ہم ان کو معاف فرمادیتے ہم رحیم و کریم ہیں جو گڑگڑاتا ہوا ہمارے دروازہ پر گرے ہم اسے ہٹاتے نہیں یہ ہمارا دستور نہیں۔

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی　　مگر ایں پنج روز دریابی!

خیال رہے کہ یہاں باس سے مراد غیبی عذاب نہیں جو ہلاک کرنے کے لئے آتا ہے کیونکہ اس وقت تو یہ عاجزی وغیرہ بیکار ہوتی ہے وہ عذاب نہیں ہٹتا بلکہ وہی جھڑک کر پکڑ مراد ہے جو ابھی عرض کی گئی لطف یہ ہے کہ گزشتہ کفار کی شکایت رب تعالیٰ اپنے محبوب سے کررہا ہے لولا فرماکر فرمان عالی میں عجیب لطف پیدا فرمادیا گیا یعنی وہ لوگ ہمارے دروازہ پر گڑگڑاتے ہوئے کیوں نہ گرے کیا انہیں ہماری رحمت کی ضرورت نہیں کیا ہم نے اپنا دروازہ ان کے لئے بند فرمادیا تھا ان کو تو ہماری ہر وقت ہر گھڑی ضرورت ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی ہمارا دروازہ کبھی کسی کے لئے بند نہیں 'کیا ہمارے دروازے پر جو کی پہرہ ہے جو انہیں آنے سے روکتا ہے کیا انہیں ہمارے در پر آنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے ان چاروں باتوں میں سے کچھ نہیں پھر یہ لوگ کیوں نہ گرے ہمارے دروازے پر کیوں نہیں آئے سبحان اللہ کیسا کریمانہ سوال ہے ولکن قست قلوبھم اس عبارت کا تعلق ایک

پوشیدہ عبارت سے ہے فما لانت قلوبھم لنذ الکن نے ان کفار کے نرمی دل کی نفی کی اور سختی دل کا ثبوت دیا یہی لکن کا عمل ہے پہلے کی نفی بعد کا ثبوت اور ہو سکتا ہے کہ لولا اذ جاء ھم سے جو چند باتیں معلوم ہوتی تھی ان کی لکن سے نفی کی ہو اور سختی دل کا ثبوت دیا یعنی ان کفار کا زاری نہ کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ ہم نے انہیں اپنے دروازہ پر آنے سے روک دیا یا توبہ کا دروازہ بند کر دیا یا ہم نے ان سے مال مانگا اور وہ غریب تھے یا انہیں ہمارے کرم کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس کی وجہ صرف سختی دل تھی۔ قست بنا ہے قسوۃ سے بمعنی سختی اس کا مقابل ہے لین بمعنی نرمی یا یہ مطلب ہے کہ ان عذابوں کو دیکھ کر بھی ان بد نصیبوں کے دل نرم نہ ہوئے لیکن اور زیادہ سخت ہو گئے انہوں نے اس سے الٹا اثر لیا وزین لھم الشیطان ما کانو یعملون یہ عبارت معطوف ہے قست قلوبھم پر واؤ عاطفہ ہے زین بنا ہے تزئین سے جس کا مادہ زینت ہے تزئین کے چند معنی ہیں اچھائی کے ساتھ ایجاد کرنا جیسے زینا السماء الدنیا کسی چیز میں عمدگی و خوبی دے دینا جیسے تزئین عروس دلہن کو زینت دینا' آراستہ کرنا' کسی بری چیز کو اچھا کر کے دکھا دینا یا تیسرے معنی پھر دو قسم کے ہیں ایک تو دل میں اس بری چیز کی طرف میلان پیدا کر دینا یہ برا نہیں جیسے کذالک زینا لکل امۃ عملھم دوسرے دھوکہ وسوسہ سے اسے اچھا بتانا اچھا دکھانا۔ جیسے زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاء ھم پہلی صورت محمود ہے دوسر صورت بری۔ یہاں یہ آخری صورت مراد ہے اس لئے اسے شیطان کی طرف نسبت کیا گیا شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا قرین جو انسان کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے ما سے مراد ان کفار کی بد عملیاں بلکہ بد عقیدگیاں بھی ہیں یعنی ابلیس یا قرین نے ان کفار کو ان کے برے کام اور برے عقیدے اچھے کر کے دکھا دیئے جس سے وہ لوگ ان عذابوں کو دیکھ کر اور بھی زیادہ بد عمل اور بد عقیدہ بن گئے۔

خلاصہء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے مختلف امتوں کی طرف بہت سے رسول بھیجے خواہ ایک امت کی طرف ایک رسول یا ایک امت کی طرف چند رسول ان کی امتوں نے اپنے رسولوں کی نافرمانی کی تو ہم نے ان کی ہلاکت سے پہلے انہیں قحط' بھوک' بیماریوں' ظالم بادشاہوں کی گرفت وغیرہ مصیبتوں میں گرفتار کر دیا تا کہ وہ ان مصیبتوں کی وجہ سے ہمارے دروازہ پر آئیں ہماری بارگاہ میں گڑگڑائیں اور ہمارے رسولوں کی فرمانبرداری کریں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا وہ نہ تو رسولوں کے فرمانبردار بنے نہ ان مصیبتوں سے ان کی آنکھیں کھلیں ان کے تو دل سخت ہو گئے تھے وہ سمجھے تھے کہ یہ آفات اتفاقیہ طور پر آئیں' ابلیس یا ان کے ساتھ شیطان (قرین) نے ان کی نظروں میں ان کے اعمال اچھے کر کے دکھا دیئے وہ یہ سمجھے کہ ہمارا کفر ہماری نافرمانیاں بہت اچھی چیزیں ہیں جن سے ہماری شان ظاہر ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنی برائی کو بھلائی سمجھنے لگے تو اسے ہدایت کیسے ملے۔ اے محبوب اگر کفار عرب آپ کی اطاعت نہ کریں تو آپ ملول نہ ہوں کہ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ خیال رہے کہ دل کی سختی اور چیز ہے اور دل کی پختگی یعنی ثابت قدمی کچھ اور دل کی سختی عذاب ہے دل کی پختگی اللہ کی رحمت ہے دل کی پختگی یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں رب کے دروازہ پر ہے دنیا کی نرمی گرمی اسے اس دروازہ سے ہٹا نہ سکے قرآن کریم ہم کو دعا تعلیم فرماتا ہے وثبت اقدامنا۔ دل کی نرمی عطائی۔ وہبی' کسبی' تین طرح کی ہوتی ہے۔ پیدائشی دل نرم ہو یہ عطائی ہے جو حضرات انبیاء کرام خاص اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔ کسی مقبول کی نظر سے دل نرم ہو جائے یہ وہبی ہے اعمال صالحہ سے میسر ہو یہ کسبی ہے' عیش و راحت غفلت' غافلوں' کی صحبت دل کی سختی کا سبب ہیں' تکالیف آخرت کی تیاری' مقبولوں کی صحبت خواہ زندوں کی یا قبور والوں کی یا ان کی تصنیفات کا مطالعہ دل کی نرمی کا ذریعہ ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پچھلے انبیاء کرام خاص خاص امتوں کی طرف بھیجے جاتے تھے کسی پیغمبر کی نبوت سارے انسانوں یا ساری خلقت کے لئے نہ تھی یہ فائدہ الی امم فرمانے سے حاصل ہوا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم سارے انسانوں کے رسول رب فرماتا ہے۔ **کافتہ للناس بشیرا و نذیرا** بلکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم ساری خلقت کے رسول ہیں۔ رب فرماتا ہے **لیکون للعالمین نذیرا** اور فرماتا ہے **رحمتہ للعالمین**۔ اب تاقیامت دین بھی ایک ہے یعنی اسلام امت بھی ایک ہے یعنی مسلمان کیونکہ نبی ایک ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ و سلم۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ حیات شریف میں اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں تشریف لائے جتنے رسول آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے پہلے آگئے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت تمام دینوں کی ناسخ ہے یہ فائدہ **من قبلک** سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ ظہور میں یا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے بعد کوئی نبی مانے وہ اس آیت کا منکر ہے اس کا بہت خیال رکھا جائے۔ تیسرا فائدہ: دین اور امت توحید یا جنت و دوزخ' قیامت حشر و نشر وغیرہ سے نہیں بنتے بلکہ صرف نبی اور نبوت سے بنتے ہیں تمام آسانی دینوں میں توحید اور تمام عقائد ایک تھے مگر وہ امتیں مختلف مانی گئیں اور دین علیحدہ علیحدہ شمار ہوئے کیونکہ ان کے نبی علیحدہ علیحدہ تھے۔ یہ فائدہ الی امم سے حاصل ہوا لہٰذا دین کا مدار نبوت پر ہے نہ کہ توحید یا دوسرے عقائد پر۔ چوتھا فائدہ: دنیاوی مصیبتیں تکلیفیں عاقل کے لئے اللہ کی رحمت ہیں کہ بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور صالحین کے درجے بلند کرتی ہیں یہ فائدہ **فاخذنا ھم بالباساء** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: کبھی گناہوں کی وجہ سے دنیا میں بھی پکڑ ہو جاتی ہے اس لئے ہر مصیبت پر انسان کو گناہوں سے توبہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ **لعلھم یتضرعون** سے حاصل ہوا۔ خوش نصیب ہے وہ جو راحت میں شاکر اور مصیبت میں صابر' ذاکر' تائب بنے۔ چھٹا فائدہ: چھوٹے عذاب دیکھ کر بلکہ بڑے عذاب کی علامات دیکھ کر ایمان قبول کر لینا توبہ کر لینا عذاب دفع ہو جانے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **فلولا اذ جاء ھم** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے علامات عذاب دیکھ کر توبہ کر لی۔ بچ گئی ہاں خود عذاب دیکھ کر ایمان لانا بیکار ہے۔ دیکھو فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا مگر نہ بچ سکا۔ ساتواں فائدہ: دل کی سختی کہ نبی کی تعلیم سے دل اثر نہ لے اللہ تعالیٰ کا دنیاوی عذاب ہے بلکہ سخت تر عذاب ہے یہ فائدہ **قست قلوبھم** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: شیطان کا بڑا داؤ جو وہ انسان پر مارتا ہے یہ ہے کہ وہ برے کام اس کی نگاہ میں اچھے کر دکھاتا ہے۔ جو شخص ہمارے گناہوں پر ہمیں شاباش دے وہ شکل انسانی میں شیطان ہے ہمارا خیر خواہ وہ ہے جو ہم کو ہماری برائیوں پر مطلع کر دے یہ فائدہ **وزین لھم الشیطان** سے حاصل ہوا بلکہ ہم کو چاہئے کہ خود اپنے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ میں کوئی رسول نہ تھے جتنے تھے سب سے پہلے گزر چکے تھے دیکھو **من قبلک** مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ میں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے بعد بھی چار رسول زندہ تھے اور اب بھی زندہ ہیں۔ دو نبی زمین پر حضرت خضر و الیاس اور دو نبی آسمان پر حضرت ادریس و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ (لاہوری مرزائی) جواب: اس آیت کریمہ میں حضرات انبیاء کرام کی زندگی یا وفات کا ذکر نہیں یہاں ان کی رسالت و نبوت کا ذکر ہے کوئی نبی بہ شان رسالت ان وقتوں میں موجود نہیں کہ لوگوں کو تبلیغ کریں اور لوگ ان کے امتی بنیں یہ چار حضرات زندہ ہیں مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے

امتی ہو کر سورج کی موجودگی میں چاند تارے فنا نہیں ہو جاتے ہاں ان کے نور کا ظہور نہیں ہوتا دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے مگر شان رسالت سے نہیں بلکہ شان اتباع سے اس لئے آپ نے فرمایا تھا الا اعصی لک امرا ورنہ نبی پر کسی کا حکم کیسا اور ان کی نافرمانی کرنے کے کیا معنی جب موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت کے زمانہ میں کچھ روز کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے تابع فرمان ہو سکتے ہیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گذشتہ انبیاء کرام کا جن کا دور نبوت ختم بھی ہو چکا اس تابعداری سے موجود رہنا بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کبھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ پورا نہیں ہوتا دیکھو رب تعالیٰ نے گزشتہ قوموں پر بھوک وغیرہ اس لئے بھیجیں کہ وہ رجوع الی اللہ کریں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ جو شیطان نے چاہا وہ تو ہو گیا جو رب نے چاہا وہ نہ ہوا۔ (آریہ سناتن دھرم) جواب: یہاں ارادہ الٰہی کا ذکر نہیں حکمت الٰہی کا ذکر ہے کہ ان مصیبتوں کے بھیجنے میں حکمت یہ تھی رب تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ امر' ارادہ' پسند' محبت ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایمان و تقویٰ کا اللہ نے امر کیا اللہ کو یہ چیزیں پسند ہیں۔ اللہ ان سے محبت کرتا ہے مگر کفار کے ایمان کا رب نے ارادہ نہیں کیا ورنہ سب مسلمان متقی ہو جاتے اس ارادہ نہ کرنے میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کے ذبح کا حکم دیا گیا مگر نہ رب نے اس کا ارادہ فرمایا نہ یہ رب کو پسند تھا۔ اسی لئے ذبح واقعہ نہ ہوا اللہ تعالیٰ بارش' دھوپ زمین کی سرسبزی کے لئے بھیجتا ہے مگر بعض زمین پر سبزہ نہیں اگتا تو اس سے یہ لازم نہیں کہ رب تعالیٰ کا ارادہ پورا نہیں ہوا بارش کی تاثیر سے سبزہ اگرچہ کسی جگہ کسی وجہ سے سبزہ نہ اگے یوں ہی دنیاوی تکالیف بندوں کو توبہ کی طرف لانے کا ذریعہ ہیں اگرچہ بعض بندے ایسے نہ ہوں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی آنے پر بھی توبہ عاجزی' زاری مفید ہے' اس سے عذاب ٹل جاتا ہے مگر دوسری جگہ فرمایا گیا کہ عذاب آجانے پر بھی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ارشاد باری ہے الئن و قد عصیت قبل ایات میں تعارض ہے۔ جواب: عذاب دو قسم کے آتے ہیں' عذاب تنبیہہ اور عذاب استیصال یعنی ہلاکت کا عذاب پہلی قسم کے عذاب آنے پر توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ دوسرے پر نہیں یہاں عذاب تنبیہہ کا ذکر ہے تمہاری پیش کردہ آیت میں عذاب ہلاکت کا ذکر ہے لہذا آیات میں تعارض نہیں عذاب ہلاکت کا حال بھی یہ ہے کہ اگر اس کی علامات دیکھ کر نزول عذاب سے پہلے توبہ کر لی جائے تو عذاب ٹل جاتا ہے توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بد عملیوں کو آراستہ کرنا شیطان کا کام ہے کہ تزئین کا فاعل شیطان کو قرار دیا گیا۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے فرماتا ہے زینا لکل امۃ عملھم وہاں فاعل رب تعالیٰ سے آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ تزئین کے بہت معنی ہیں خوشنما دکھانا' خوشنما بنانا پہلے دو معنی سے تزئین کا فاعل رب تعالیٰ ہے کہ اس نے بعض چیزیں خوشنما بنائی ہیں زینا السماء الدنیا بمصابیح اور بعض چیزیں حقیقتہً بری ہیں مگر بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہیں جیسے سینما' حرام کی آمدنیاں' کھیل تماشے گانے وغیرہ کہ یہ چیزیں اچھی شکل میں ہیں مگر حقیقتہً بری ہیں یہ رب کی طرف سے امتحان ہے زینا لکل امۃ الخ میں یہی معنی مراد ہیں' خوشنما دکھانا مگر ساتھ ہی حضرات انبیاء کرام آسمانی کتابوں واعظین کے ذریعہ اعلان ہو رہا ہے کہ یہ چیزیں بری ہیں ان کے قریب نہ جانا سرسبز زمین میں اعلیٰ درجہ کی سبزیاں بھی ہیں اور زہریلی سبزیاں بھی ہیں جیسے دودک وغیرہ جنہیں کھانے سے آدمی' جانور مر جاتے ہیں۔ شیطان ان چیزوں کو خوشنما اور اچھا بتاتا ہے کہ اس میں فلاں فلاں فائدہ ہے کر لے اس معنی سے اس کا فاعل شیطان

ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے جنت بہاردار ہے مگر اس کا راستہ خاردار ہے۔ دوزخ کا معاملہ اس کے برعکس ہے اگر خدا تعالیٰ دل کی آنکھ کھول دے اور اشیاء کی حقیقتیں نظر آجائیں تو معلوم ہو کہ دینی مشقتیں یقیناً اچھی ہیں نفسانی راحتیں بری ہیں' روزہ' جہاد' حج' نماز وغیرہ کڑوی دوائیں ہیں کہ جن میں شفا بھری ہے' حرام کام لڈوؤں میں زہر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : حضرات انبیاء کرام سے تین قسم کے فیضان جاری ہوتے ہیں اور ان کے آستانہ سے لوگوں کو تین طرح کی نعمتیں ملتی ہیں۔ خوف' شوق' ذوق وہ حضرات کسی کو خوف کے راستے سے رب تک پہنچاتے ہیں' کسی کو لالچ و شوق کے دروازے سے وہاں حاضر کردیتے ہیں کسی کو عشق و محبت کے ذریعہ وہاں پہنچاتے ہیں۔ بعض لوگ ترتیب وار ان سڑھیوں پر چڑھتے ہیں کہ انہیں اول رب کا خوف ہوتا ہے پھر شوق' آخر میں ذوق کی نعمت ملتی ہے۔ بعض کو اول ہی سے ذوق و محبت کی عطا مل جاتی ہے۔ خوب و شوق' ست رفتار سواریاں ہیں جن میں یہ سفر بہت دیر سے طے ہوتا ہے مگر ذوق و محبت وہ تیز رفتار سواری ہے جس کے ذریعہ مہینوں کا سفر منٹوں میں طے ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوف دلانے کے لئے دنیاوی آخروی عذاب پیدا کئے ان کا جگہ جگہ ذکر فرمایا شوق دلانے کے لئے دنیاوی اخروی نعمتیں پیدا فرمائیں مگر ذوق کے لئے اپنا اور اپنے محبوبوں کا تذکرہ بہت شاندار طریقوں سے کیا جن امتوں کا یہاں ذکر ہے وہ پہلی منزل پر ہی تھک کر رہ گئیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں خوف دلانے کے لئے یہ تکالیف بھیجیں یہ تکالیف نہ تھیں بلکہ درحقیقت رب تک پہنچنے کا ذریعہ تھیں اگر شیطان ان کی راہ نہ مار دیتا تو وہ یقیناً کامیاب ہوجاتے اس راہ میں راہ مار بہت ہیں۔ جب خدا تعالیٰ ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہم کو دو نعمتیں دیتا ہے دل کی نرمی آنکھ کے آنسو جسے یہ نعمتیں مل جائیں وہ کامیاب ہے دل کی نرمی سے انسان کو اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے رب تعالیٰ کو پہچان لیا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہیں زمانہ وجود' زمانہ ظہور' زمانہ نبوت' زمانہ وجود کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی چیز ہوسکتی ہے نہ بعد میں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول بھی ہیں آخر بھی' باطن بھی ہیں ظاہر بھی' اول مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **اول ما خلق اللہ نوری** زمانہ ظہور کے لحاظ سے بعض چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اول ہیں بعض آخر کیونکہ یہ زمانہ ولادت شریف سے شروع ہوتا ہے وفات پاک پر ختم ہوجاتا ہے۔ زمانہ نبوت کے لحاظ سے بعض مخلوق اول تو ہے مگر کوئی مخلوق حضور سے آخر نہیں ہوسکتی کہ زمانہ نبوت تاقیامت بلکہ ابدالاباد تک ہے' یہاں من قبلک میں زمانہ نبوت کے لحاظ سے قبلیت مراد ہے خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے زمانہ وجود میں تین قسم کے فیض جاری ہوئے ظہور سے پہلے نبوت آپ کے ہاتھوں تقسیم ہوئی زمانہ ظہور میں وہاں سے صحابیت ملی اور بعد وفات تاقیامت وہاں سے ولایت تقسیم ہو رہی ہیں شفاعت مل رہی ہے' سورج رات میں تارے چمکاتا دن میں ذرے رات میں نماز مغرب و عشاء و فجر پڑھواتا ہے دن میں اشراق چاشت ظہر عصر وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا یہی حال ہے لہٰذا من قبلک کے معنی میں من قبل ظہورک خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہیں۔ زمانہ وجود' زمانہ نمود' زمانہ جود یعنی کرم و سخاوت کا زمانہ ظہور نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا صحابی نہیں کہ ابھی زمانہ جود شروع نہیں ہوا۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا

پس جب بھول گئے وہ لوگ وہ کہ نصیحت کئے گئے جس سے تو کھول دیئے ہم نے اوپر ان کے دروازے ہر چیز کے حتیٰ کہ جب

پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک

بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

خوش ہو گئے وہ اس سے جو دیئے گئے تو پکڑ لیا ہم نے ان کو یکدم پس اچانک وہ ناامید تھے۔ پس کاٹ دی

کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے

ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

گئی بیٹھ اس قوم کی جنہوں نے ظلم کیا اور تمام تعریفیں ہیں اللہ کی پالنے والا تمام جہانوں کا

تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی اور سب خوبیاں سراہا رب سارے جہان کا

تعلق : ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منکرین انبیاء کرام پر دنیاوی سختیاں بھیجنے کا ذکر تھا ان آیات کریمہ میں ان پر دنیاوی نعمتیں بھیجنے کا تذکرہ ہے گویا ظاہر عذاب کے بعد باطنی عذاب کا تذکرہ ہے کہ نافرمانوں کو نعمتیں دے دینا سخت ترین عذاب ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان منکرین انبیاء و دشمنان رسل پر ہلکے عذاب بھیجنے کا ذکر ہوا جو بیدار کرنے توبہ کرانے کے لئے بھیجے گئے اب سخت عذاب کا ذکر ہے۔ جو ان کی ہلاکت کا پیش خیمہ بنا یعنی دنیاوی نعمتوں کے ذریعہ انہیں غافل کر دینا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کی سخت دلی کا ذکر تھا اب اس سختی کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ وہ ان نعمتوں سے بھی بیدار نہ ہوئے نرم دل والے کبھی گرم علاج سے درست ہو جاتے ہیں کبھی ٹھنڈے علاج سے مگر یہ کسی علاج سے صحت یاب نہ ہوئے۔ چھٹا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ شیطان نے ان کو ان کی بدعملیاں اچھی کر کے دکھا دیں اب شیطان کے دوسرے داؤں کا ذکر ہے کہ جب انہیں نعمتیں ملیں تو یہ سمجھا دیا کہ اگر تمہاری ان حرکتوں سے رب تعالیٰ راضی نہ ہوتا تو تم کو یہ نعمتیں کیوں دیتا اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال سے بہت ہی راضی ہے یہ کام اور زیادہ کرو خوب مزے میں رہو گے۔

تفسیر : فلما نسوا ما ذکروا بہ یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے انهمکوا له لهذا ف عاطفہ ہے اور یہاں ف بمعنی فوراً نہیں کہ یہ نعمتوں کا عذاب ان پر بہت عرصہ کے بعد آیا صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے لما خواہ ظرف کا حرف ہو یا ظرف کا اسم اس میں شرط کے معنی ہیں اس لئے اس کے بعد شرط و جزا آتی ہے (معانی) نسو بنا ہے نسیان سے جس کے معنی ہیں بھول جانا کبھی بمعنی چھوڑ دینا بھی آتا ہے یہاں بمعنی چھوڑ دینا ہے۔ یعنی چھوڑ کر ایسا غافل ہو جانا کہ اس کا خیال بھی نہ رہے ما سے مراد حضرات انبیاء کرام کی تعلیم اور وعدے وعید ان حضرات کی بشارتیں اور نذراتیں ہیں یعنی وہ کفار اپنی بدعملیوں بدعقیدگیوں مخالفت انبیاء کرام میں مشغول ہی رہے پھر جب وہ حضرات انبیاء کرام کی تعلیم وغیرہ کو بھولی بسری بنا

چکے اس طرح کہ جتنے لوگ ایمان لانے والے تھے وہ ایمان لاچکے بقیہ کے ایمان لانے احکام انبیاء کو یاد کرنے کی کوئی امید نہ رہی اور ہو سکتا ہے نسیان سے مراد بھلا دینا ہی ہو اور **ما ذکروا** سے مراد وہ مختلف عذاب ہوں جو ان پر وقتاً "فوقتاً" آچکے تھے یعنی انہوں نے ہماری وہ پکڑیں یاد ہی نہ رکھیں بھول جانے اور بھلا دینے میں بڑا فرق ہے بھلا دینا سخت جرم ہے **فتحنا علیھم ابواب کل شئی** یہ عبارت لما کی جزا ہے **ابواب** جمع ہے باب کی بمعنی دروازہ چونکہ انسانوں کے لئے مصیبت و راحت رزق وغیرہ کے دروازے مقرر ہیں جن کے ذریعہ انسانوں کو یہ چیزیں ملتی ہیں ہر انسان کے رزق کا اور عمل جانے کا دروازہ علیحدہ ہے کبھی کسی کے لئے نعمت کا دروازہ کھل جاتا ہے مصیبت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے کبھی اس کے برعکس لہذا یہاں دروازے کھولنا بالکل درست ہے صادق ہے باتوں میں سے ہر شخص کے لئے ایک دروازہ کھولا گیا یا ہر شخص کے لئے ہر نعمت کا الگ دروازہ کھولا گیا یعنی ایک شخص کے لئے بہت دروازے کھلے لہذا ابواب فرمانا بالکل درست ہے کل شئی سے مراد ہر قسم کی اندرونی بیرونی نعمتیں ہیں جیسے تندرستی دل کی خوشی' ارزانی' دولت' مال وغیرہ یعنی ہم نے ان لوگوں پر ہر قسم کی نعمتوں کی بہتات کردی ہر نعمت کا دروازہ کھول دیا حتی **اذا فرحوا بما اوتوا**' اس عبارت میں دروازے کھلے رہنے کی انتہاء کا ذکر ہے اور حتیٰ انتہا کے لئے ہے فرحت سے مراد ہے فخر و تکبر کی خوشی یہ سمجھ کر خوش ہونا کہ ہم ان ہی نعمتوں کے مستحق ہیں ہمارا کفر و عناد عداوت انبیاء اچھا عمل ہے یا ناجائز طریقوں سے خوشی منانا مراد ہے جو حرام ہے۔ شادی میں ولیمہ کے ذریعہ خوشی کرنا ثواب ہے۔ گانے بجانے سے خوشی منانا حرام ہے **ما اوتوا** سے مراد وہی نعمتیں ہیں کو ابھی ذکر کی گئیں یعنی ان نعمتوں کے دروازے ان پر یہاں تک کھلے رہے کہ وہ خوب غافل ہو گئے۔ ان نعمتوں پر فخر کرنے اکڑنے لگے اور سمجھنے لگے کہ ہماری یہ بد عملیاں رب کو بڑی ہی پیاری ہیں تب ہی تو وہ ہم کو ان پر ایسی نعمتیں دے رہا ہے **اخذنا ھم بغتۃ** یہ عبارت اذا کی جزا ہے اخذ سے مراد ہے مہلک عذاب میں گرفتار کر دینا انہیں پکڑ لینا اگرچہ یہ گرفتاری اور پکڑ فرشتوں نے کی تھی مگر چونکہ بحکم رب العالمین تھی نیز ملائکہ اللہ کے مقبول بندے ہیں ان کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے اس لئے **اخذنا** ارشاد ہوا بغتۃ فرما کر دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ انہیں مصیبتوں کے زمانہ میں ہلاک نہ کیا گیا بلکہ راحتوں کے زمانہ میں ہلاک فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ ہلاکت سے پہلے ان کے مذکورہ نعمتیں کم یا زائل نہ کی گئیں بلکہ آخر وقت تک ان کے پاس یہ نعمتیں رہیں اسی حالت میں وہ ہلاک کئے گئے تا کہ انہیں یکدم ان نعمتوں کے چھوٹ جانے کا بہت صدمہ بھی ہو۔ خیال رہے کہ مومن اگرچہ اچانک ہارٹ فیل ہو کر مرے تب بھی اس کی موت بغتۃ نہیں بلکہ وہ ہر وقت موت کے لئے تیار ہے جب مرتا ہے تیاری پر مرتا ہے اور کافر اگرچہ برسوں بیمار رہ کر مرے اس کی موت اچانک ہے کہ وہ غافل ہو کر ہی مرتا ہے یہاں بغتۃ فرما کر اشارۃً بتایا کہ انہیں گذشتہ عذاب بیدار نہ کر سکے وہ مرے اچانک ہی کہ مرتے وقت تک غافل رہے **فاذا ھم مبلسون** یہ عبارت ان کا انجام بیان کرنے کے لئے ہے **اذا مفاجاتیہ** ہے بمعنی اچانک **مبلسون** بنا ہے۔ ابلاس سے جس کا مادہ ہے بلس' بلس کے تین معنی ہیں سخت غم' حسرت' ناامیدی' کبھی صورت مسخ کرنے کو بھی ابلاس کہتے ہیں اسی سے ہے ابلیس یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید صورت مسخ شدہ یعنی جب ان پر ہمارا مہلک عذاب آیا تو وہ ہر رحمت اور اپنے چھٹکارے سے قطعی ناامید ہو گئے اس میں یہ بتایا کہ مومن جیتے مرتے بلکہ قبر و حشر میں بھی اللہ سے مایوس نہیں ہوتا اپنے گناہوں پر نادم اور اللہ کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے وہ ندامت میں غوطے کھاتا ہے رحمت الٰہی کی امید میں مرتا ہے کافر کی زندگی موت سب میں یاس ہی یاس ناامیدی ہی ناامیدی ہے **فقطع دابر القوم الذ**

ین ظلموا یہ عبارت اخذنا ھم پر معطوف ہے لہٰذا ف عاطفہ ہے دا بر بنا ہے دبر سے بمعنی پیٹھ یا پچھلا حصہ اب اصطلاح میں دا بر بمعنی آخر بھی آتا ہے اور بمعنی جڑ بھی چنانچہ امیہ ابن صلت کہتا ہے۔

باستوصلو لعذ اب حص د ابر ھم فما استطاعوا له صرفا" ولا انتصرا

یہاں ہر معنی درست ہیں عموماً" انسان مرے بعد کچھ ایسی چیزیں چھوڑ جاتا ہے جس سے کچھ دن اس کا نام رہتا ہے جیسے اولاد' مکان' کنواں' باغ وغیرہ اس لئے ان سب چیزوں کو بھی دا بر کہہ دیتے ہیں یعنی انسان کے پیچھے رہنے والی چیزیں جن سے ان کا نام یاد آئے' خیال رہے کہ بجائے ھم کے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی القوم الذین ظلموا تاکہ معلوم ہو کہ ان پر یہ عذاب ان کے اپنے ظلم کی وجہ سے تھا' ظلم سے مراد یا بد عقیدگیاں ہیں یا بد عملیاں اور بد عملیوں سے مراد یا عبادات یا معاملات خراب کرنا' بہترین ہے کہ سارے معنی مراد ہیں یعنی اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی کہ نہ وہ رہے نہ ان کے مکانات نہ ان کے نشانات یا ان کے تمام لوگ ہلاک کر دیئے گئے کہ ان کا بچہ بچہ ان کے جانور وغیرہ سب ہی ہلاک کر دیئے گئے اگر قرآن مجید ان کے حالات بیان نہ فرماتا تو کسی کو ان کا پتہ بھی نہ چلتا بہرحال یا دا بر سے مراد ہے ان کی بستیاں قلعے محل مکانات یا ان کے نسل و اولاد اگر نسل مراد ہے تب تو آیت عموم پر ہے کہ ہلاک شدہ کسی قوم کی نسل نہیں چلی اور اگر دا بر سے مراد بستیاں و شہر ہیں تو اس قاعدے سے فرعون اور اس کی قوم علیحدہ ہے کہ وہ مصر سے دور لے جا کر بحر قلزم میں ڈبو دیئے گئے ان کی نسل نہ بچی مگر ان کا شہر یعنی مصر اب تک محفوظ ہے کیونکہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی قبریں ہیں اللہ والے بھی عذاب الٰہی سے امان میں ہیں اور ان کی قبور بھی والحمد للہ رب العالمین چونکہ ان بے ایمانوں کی ہلاکت حضرات انبیاء کرام کی اور ان پر ایمان لانے والوں کو غیبی فتح و نصرت تھی نیز ان کی ہلاکت سے مومنین کی نجات تھی اللہ کی زمین کو ان کے وجود نا مسعود سے پاک کر دینا تھا اس لئے اس عذاب کے ذکر کے بعد حمد الٰہی کی گئی یعنی رب العالمین کی ہی ساری حمدیں ہیں' چونکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اس لئے عالمین کی پرورش کے لئے ایسے مردودوں کو ہلاک فرماتا ہے جیسے کھیت کا مالک فصل کی پرورش کے لئے کھیت میں سے گھاس تنکے وغیرہ نکال پھینکتا ہے لہٰذا رب تعالیٰ کا یہ کام لائق حمد ہے۔ حمد کے معنی حمد' مدح' ثنا اور شکر میں فرق رب کے معنی عالمین کی تحقیق سورۂ فاتحہ کے شروع میں کی جا چکی ہے وہاں ہی مطالعہ فرماؤ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ دشمن انبیاء کفار کو راہ راست پر لانے کے لئے پہلے تو ہم نے ان پر دنیاوی تکالیف بھیجیں مگر جب وہ ان نصیحتوں' ہدایتوں' بشارتوں' نذراتوں کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے گویا سب کچھ بھول ہی گئے ان کے راہ راست پر آنے کی امید ہی نہ رہی تو ہم نے ان پر دنیاوی نعمتوں کا عذاب بھیجا جو سخت خطرناک ہے۔ چنانچہ ہم نے اولاً ان پر صحت' اولاد' مال ارزانی' رزق کی وسعت' قوت و توانائی کے دروازے کھول دیئے انہیں یہ نعمتیں بہت ہی زیادہ عطا فرمائیں حتیٰ کہ جب وہ ان نعمتوں میں پھنس کر خوب پھول گئے اپنا انجام بھول گئے اور وہ سمجھے کہ ہم سے رب تعالیٰ بہت ہی خوش ہے۔ حضرات انبیاء کرام اور ان کے متبعین مومنین سے سخت ناراض ہے اس لئے ہم آرام و عیش میں ہیں مسلمان تکلیف میں ہیں اور سمجھے کہ ہمارے اعمال خدا تعالیٰ کو بہت ہی پیارے واقعی ہم انہیں نعمتوں کے مستحق ہیں تب ہم نے انہیں اچانک ایسا پکڑ لیا کہ انہیں کچھ بولنے کی مہلت بھی نہ دی یہ عذاب دیکھ کر ان کے آس ٹوٹ گئی ہم نے اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھ دی کہ ان کا

ایک بچہ کوئی جانور بھی نہ بچا ان کی بستیاں عمارتیں کھیت باغات سب ہی تباہ کردیئے الحمدللہ کہ ان کے وجود نامسعود سے دنیا پاک ہو گئی ہم رب العالمین ہیں ہماری ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی فسادی قوم سے دنیا پاک و صاف کردی جائے جن کا وجود صالحین کے لئے خطرہ ہو۔ خیال رہے کہ مومن کی موت کے تین نام ہیں ایک وفات یعنی اپنے کام پورا کرلینے کا وقت آگے برزخ کے آرام قیامت کے نام کا وقت آرہا ہے۔ تیسرے شہادت یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہی رب کی بارگاہ میں حاضری کا ذریعہ کافر کی موت کے بھی تین نام ہیں ایک تدبیر یعنی کیا کترا برباد جانے کا وقت **فدمرنا هم تدميرا** دوسرے ہلاکت یعنی اس کی فنا کا ذریعہ تیسرے اخذ یعنی رب کی پکڑ کا ذریعہ مومن مر کر اپنے اعمال نیک ساتھ لے جاتا ہے کافر مر کر سب برباد کر جاتا ہے مومن مر کر مٹتا نہیں کافر مٹ جاتا ہے مومن موت کو پکڑتا ہے اس کا انتظار کرتا ہے کافر کو موت پکڑتی ہے مومن رب کے پاس جاتا ہے کافر پکڑا جاتا ہے دونوں برابر نہیں۔ یوں ہی مومن کی زندگی کا نام ہے حیوۃ طیبہ پاکیزہ ستھری زندگی کہ یار کو منانے میں گزرتی ہے آرام چین قناعت رضا بالقضاء کے ساتھ کافر کی زندگی کا نام ہے **معیشۃ ضنکا** یعنی تنگ زندگی کی حرص و ہوس اور غفلت میں گزرتی ہے مومن فقیر ہو جب بھی اس کی زندگی حیوۃ طیبہ ہے اس کے دل کو چین ہے کافر لاکھوں کا مالک ہو تب بھی اس کی زندگی تنگ ہے اسے حرص و ہوس چین نہیں لینے دیتے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: گناہ و نافرمانی کے باوجود دنیا کی نعمتیں، راحتیں ملنا اللہ تعالیٰ کا غضب اور سخت عذاب ہے کہ اس سے انسان زیادہ غافل ہو جاتا ہے اور اپنے کفر کو ایمان اور بدکاریوں کو نیکیاں سمجھنے لگتا ہے اور کفر و گناہ پر زیادہ دلیر ہو جاتا ہے جو چیز رب تعالیٰ سے غافل کرے وہ عذاب ہے۔

حدیث : ابن ابی حاتم نے بروایت حضرت عبادہ ابن صامت سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بقاو ترقی چاہتا ہے تو انہیں درمیانی روزی اور پاکدامنی نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے اور جب کسی قوم کی بربادی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر رزق اور گناہوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر) احمد' طبرانی' بیہقی و شعب الایمان نے بروایت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم بندے کو دیکھو کہ وہ گناہوں پر اڑا ہوا ہے پھر بھی اسے نعمتیں مل رہی ہیں تو سمجھ لو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی ہے اسے سخت عذاب ہوگا۔ پھر یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائیں (روح المعانی) حضرت امام حسن نے یہ آیت سنی تو فرمایا **مکر بالقوم و رب الکعبۃ** قسم رب کعبہ کی یہ نعمتیں رب کی خفیہ تدبیریں ہیں جو بندے کے خلاف ہیں (خازن' بیضاوی' وغیرہ)۔ **دوسرا فائدہ**: نیک کار بندے پر دنیاوی تکالیف آنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں کربلا کی تکالیف حضرت حسین کے لئے اللہ کی رحمتیں تھیں' یزیدیوں کی ظاہری کامیابی اللہ کا عذاب تھا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے ۔۔۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

تیسرا فائدہ: احکام الٰہیہ، تعلیم انبیاء کرام بھلا دینا عذاب الٰہی کا باعث ہے یہ فائدہ **لما نسوا** سے اور **فتحنا علیھم** سے حاصل ہوئے۔ **چوتھا فائدہ**: غافل کے لئے اچانک موت اللہ کا عذاب ہے کہ اسے توبہ کرنے اپنی اصلاح کرلینے کی مہلت نہیں ملتی'

موت سے پہلے بیماریاں تکالیف اللہ کی رحمت ہیں کہ اس سے انسان آخرت کی تیاری کر لیتا ہے یہ فائدہ اخذ ناھم بغتۃ سے حاصل ہوا۔ عاقل متقی صالح کے لئے اچانک موت اللہ کی رحمت ہے کہ وہ بیماریوں کی تکلیف سے بچ جاتا ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی کہ آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اسی حالت میں جان پرواز کر گئی یوں ہی حضرت موسیٰ و عزیر علیہم السلام کی وفات اچانک یعنی بغیر بیماریاں آئے ہوئے واقع ہوئی یہ اچانک موتیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی تھیں فقیر کی اپنے لئے یہ دعا ہے کہ رب کریم امرتے وقت تک میرے رات کے نوافل اور پنجگانہ فرائض کی تکبیر تحریمہ نہ چھوٹے آمین یا رب العالمین۔ پانچواں فائدہ: اللہ کی رحمت سے ناامیدی طریقہ کفار ہے یہ بھی رب تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ ھم مبلسون سے حاصل ہوا مومن اپنے گناہوں کو دیکھ کر ندامت و خوف کے دریا میں ڈوب جاتا ہے پھر اللہ کی رحمت اس کی وسعت کرم بندہ نوازی کی شان دیکھ کر امید کی موجوں میں تیرنے لگتا ہے ہم ظالموں و جاہل ہیں ہم سے ظالم و جہالت ہی کے کام ہوتے ہیں وہ کریم و رحیم ہے رحم و کرم ہی فرماتا ہے ببول کا درخت خاردار ہی ہوتا ہے آم کا درخت باردار ہم ببول کے درخت ہیں ہمارے پاس سواء گناہوں کے خار کے اور کیا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ من زشت و خصام جملہ زشت ، کے شوم گل چوں من آں خار کشت

نو بہار و حسن گل و خار را زینت طاؤس را ایں مار را

چھٹا فائدہ: رب تعالیٰ کی نعمتوں پر خوش ہونا اگر فخر و تکبر کے طور پر ہو تو برا ہے طریقہ کفار ہے اور باعث عذاب نار ہے یہ فائدہ حتی اذا فرحوا سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: جس قوم پر عذاب الٰہی آتا ہے اس کی نسل نہیں چلتی ان کی جڑ ہی کاٹ دی جاتی ہے یہ فائدہ فقطع دابر القوم سے حاصل ہوا لہٰذا موجودہ بندر، کتے، سور اصلی مخلوق ہیں کسی مسخ شدہ قوم کی نسل سے نہیں جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے آٹھواں فائدہ: الحمد للہ رب العالمین کبھی کلام اور کام کے اول میں آتا ہے اور کبھی ان کے آخر میں اول ہیں کہو تاکہ برکت ہو آخر میں کہو شکر کے لئے یہ فائدہ آخر میں الحمد للہ رب العالمین فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے اول میں بھی یہ کہتے تھے اور کھانے پینے کے آخر میں بھی۔ نواں فائدہ: جس بستی پر عذاب الٰہی ہلاکت والا آتا ہے وہ بستی پھر کبھی آباد نہیں ہوتی اس کے کھنڈر لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوتے ہیں یہ فائدہ فقطع دابر القوم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اسی لئے فرعون کو مصر سے باہر نکال کر ڈبویا گیا تاکہ مصر کا آباد رکھنا منظور تھا کیونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی آرامگاہ تھا۔ دسواں فائدہ: کفار کی ہلاکت اللہ کی نعمت ہے مسلمانوں کو اس پر شکر کرنا چاہئے ابو جہل کے قتل پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا عاشورہ کے دن کے روزے کا حکم فرمایا کہ وہ فرعون کو ڈوبنے کی تاریخ ہے لہٰذا مومن کے مرنے پر انا للہ پڑھے اور کافر بے دین کے مرنے پر الحمد للہ کہے یہ فائدہ الحمد للہ سے حاصل ہوا۔ گیارھواں فائدہ: مومنوں کی بقاء اور کافروں کی ہلاکت سے دنیا کی آبادی ہے کفار کی ہلاکت اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ظہور ہے 'کھیت کی نلائی یعنی گوڑی کھیت کی پرورش کا ذریعہ ہے یہ فائدہ الحمد للہ کے بعد رب العالمین فرمانے سے حاصل ہوا رب تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے۔ بارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں اور ہم مسلمانوں میں ہیں کیونکہ ہم لوگ گذشتہ ہلاک شدہ قوموں سے زیادہ گناہ کر رہے ہیں مگر ہم پر عذاب نہیں آتے کیوں اس لئے کہ رب نے وعدہ فرمالیا ہے کہ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم

اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا جبکہ ان میں آپ ہوں عذاب نہ دینے کی دو شرطیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا اور ہم میں ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں میں جانوں میں ایمانوں میں بستے ہیں اس لئے ہم نماز میں پڑھتے ہیں **السلام علیک ایھا النبی** حضور رحمتہ للعالمین ہیں رحمت مرحومین ہی میں چاہئے ان سے جدا نہیں چاہئے۔

پہلا اعتراض : بھول چوک تو معاف ہے پھر ان کافر کو بھول پر کیوں پکڑ آگیا کہ ارشاد ہوا **فلما نسوما ذکروا بہ**۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں بھولنے سے مراد احکام الہیہ کو چھوڑ بیٹھنا ہے جیسے کہ تفسیر میں عرض کیا گیا دوسرے یہ کہ اتفاقاً" بھول جانا معاف ہے مگر بے پرواہی سے بھلا دینا معاف نہیں یہاں بھلا دینا مراد ہے۔ تیسرے یہ کہ بھول چوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے معاف ہے' پہلے یہ قانون نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **دعف عن امتی الخطاء والنسیان**۔ **دوسرا اعتراض**: کفار کو بد عملیوں پر نعمتیں دے کر بھلا دینا تو دھوکہ دہی ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کفار کو دھوکہ کیوں دیا۔ جواب: اسے دھوکہ جب کہا جا سکتا تھا۔ جب رب تعالیٰ نے انہیں اس کی خبر نہ دی ہوتی جب سب کچھ انہیں پہلے بتا دیا گیا تھا کہ دیکھو اب تم پر نعمتیں آئیں گی جو رب کا عذاب ہوں گی پھر یہ دھوکہ نہ رہا بلکہ خالص عذاب ہوا۔ **تیسرا اعتراض**: ان کفار کو رب تعالیٰ نے اس مصیبت کے زمانہ میں کیوں نہ مارا' راحتوں نعمتوں کے زمانہ میں کیوں ہلاک کیا نیز ہلاکت سے پہلے ان کی نعمتیں چھین کیوں نہ لیں۔ جواب: تا کہ ان پر عذاب سخت ہو مالداری کی حالت میں ہلاکت ڈبل تکلیف کا باعث ہے اس میں مرنے کا غم بھی ہوتا ہے اور ان نعمتوں کے چھوٹنے کا غم غافل مالدار کی موت بھی اس کے لئے اللہ کا عذاب ہوتی ہے مومن مال و اولاد میں دل ہی نہیں لگاتا پھر اسے چھوٹنے کا غم کیوں ہو اسے تو یار سے ملنے کی خوشی ہوتی ہے۔ **چوتھا اعتراض**: ان کفار کے بچوں جانوروں نے کیا قصور کیا تھا انہیں کیوں ہلاک کیا گیا بے ضرر کو تکلیف دینا تو ظلم ہے۔ (آریہ) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں' ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اب بھی بچوں کو بیماریاں اور موت کیوں آتی ہیں انہوں نے کیا قصور کیا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قانون قدرت یہ ہے کہ جب کسی قوم کو تباہ کیا جاتا ہے تو ان کے بڑے چھوٹے قصوروار اور بے قصور سب کو ہی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ جب قوم نوح غرق کی گئی تو ان کے بچے بوڑھے جانور سب ہلاک کر دیئے گئے اب بھی جب باغی غدار قوم پر بمباری کی جاتی ہے تو قصور مند اور بے قصور سب ہلاک ہوتے ہیں گندم کے ساتھ گھن وغیرہ بھی پس جاتے ہیں مگر یہ ہلاکت قصور والوں کے لئے عذاب ہوتی ہے' بے قصوروں کے لئے رحمت کہ اس سے ان کے درجے بڑھا دیئے جاتے ہیں یا کسی اور طرح اس کا عوض دے دیا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے بارہا اس کے متعلق عرض کیا ہے۔ **پانچواں اعتراض**: خوشی کی خبر پر الحمد للہ کہا جاتا ہے غم و افسوس کی خبر پر انا للہ کہا جاتا ہے' یہاں رب تعالیٰ نے کفار کی ہلاکت کی خبر دی مگر فرمایا الحمد للہ دشمن کی موت پر خوش نہ ہونا چاہئے۔

اگر بمرد عدو جا شادمانی نیست — کہ زندگانی مانیز جاودانی نیست

یہاں الحمد للہ فرمانا بے موقعہ ہے۔ جواب: اپنے ذاتی دشمن کی موت پر خوشی نہ چاہئے مگر قومی' ایمانی' روحانی دشمن کی موت پر خوشی کرنا بہت ہی اچھا ہے وہ کفار ایمانی دشمن تھے ان کی ہلاکت حضرات انبیاء کرام اور مومنوں کے لئے اللہ کی رحمت تھی' دیکھو ہمارا عرض کیا ہوا نواں فائدہ۔ **چھٹا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا کہ وہ کفار ہماری نعمتوں پر خوش ہو گئے تو ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا اچھا ہے رب نے اس کا حکم دیا ہے **قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا** پھر اس پر

عذاب کیوں آیا۔ جواب: خوشی دو قسم کی ہوتی ہے فخر کی اور شکر کی' شکر کی خوشی عبادت ہے' فخر کی خوشی عذاب کا باعث رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** ان کفار نے فخر کی خوشی کی تھی عذاب میں گرفتار ہو گئے یا یوں کہو کہ جائز طریقوں سے خوشی منانا اچھا ہے حرام طریقوں سے خوشی منانا حرام ہے' عید کی خوشی نماز عید غسل خوشبو عمدہ لباس سے منانا ثواب ہے مگر عید کی خوشی میں سینما کے چار شو کر ناد یکھنا حرام ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے ماں باپ اپنی اولاد کی اصلاح نرمی و گرمی دونوں سے کرتے ہیں وہ ارحم الراحمین ہم کو گرمی و نرمی دونوں طرح سے اپنی طرف بلاتا ہے یہاں باساء اور ضوا کا بھی ذکر ہے اور **فتحنا علیھم ابواب کلی شئی** کا بھی تذکرہ ہے وہ علاج گرم تھا یہ علاج نرم اگر دل میں بیداری ہو تو انسان کسی نہ کسی طرح رب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اگر دل مردہ ہے تو کسی علاج سے فائدہ نہیں اٹھاتا ان آیات میں کفار کا ذکر ہے مگر مسلمانوں کو بھی اس سے عبرت پکڑنی چاہئے رحمت الٰہی ہر وقت سب کو اپنی آغوش میں لینے کو تیار ہے اگر انسان مرتے مرتے بھی توبہ کرے وہ کریم بخش دیتا ہے۔

حکایت: ایک بدکار عورت نے مرتے وقت اپنے عزیزوں کو وصیت کی کہ میری قبر پر یہ رباعی لکھ دینا۔

برائے خدا اے عزیزان من نویسید برگور من ایں سخن
زن فاحشہ در تہ خاک شد ہماں بہ کہ خس کم جہاں پاک شد

یعنی ایک بدکار عورت اللہ کی زمین کو گندہ کر رہی تھی آج زیر خاک دفن ہو گئی اچھا ہوا کہ اللہ کی زمین پاک ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ بڑے آرام سے ہے وجہ پوچھی بولی کہ میرا وہی شعر قبول ہو گیا اور میرے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر نعمتوں کی قید ہے کفران نعمتوں کو فعیہ ہے کسی نے کیا خوب کہا۔

الشکر قید للنعم مستلزم دفع النقم وھو علی ثلثۃ قلب یدا علم وفم

اللہ تعالیٰ دل شاکر زبان ذاکر عطا فرمائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چند چیزوں کا بھول جانا گناہ ہے اور بعض چیزوں کا بھول جانا کفر بعض چیزوں کا بھول جانا ثواب ہے۔ اپنی حقیقت کو' اپنے گناہوں کو' ان تکلیف کو جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر آئے کسی کے احسانات کو بھول جانا گناہ ہے اللہ رسول کو ان کے احسانات کو بھول جانا کفر ہے **ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ** اللہ رسول کی یاد ان کے احسانات کا احساس ہی تو روح ایمان ہے اپنی نیکیوں کو جو برائی ہمارے ساتھ کسی نے کی ہو معاملہ صاف ہو جانے کے بعد بھول جانا ثواب ہے۔ یہاں **فلما نسوا** میں پہلے اور دوسرے قسم کا بھول جانا مراد ہے جو گناہ اور کفر ہے نیز بھول جانے اور بھلا دینے میں بڑا فرق ہے نیز یاد آ جانے یاد کرنے یاد رکھنے میں بہت اہم فرق ہے یہ آیت کریمہ طریقت کے مسائل کی سرچشمہ ہے ہمارا شعر ہے۔

تری یاد آبادی خانہ دل دلوں کی تمنا تری آرزو ہے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ
فرما دو خبر تو دو اگر لے لے اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے اوپر دلوں کے
تم فرما دو بھلا بتاؤ تو اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾
تمہارے کون معبود ہے اللہ کے سوا کہ لائے تمہارے پاس وہ غور فرماؤ کیسے پھیرتے ہیں ہم نشانیاں پھر وہ پھر
تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لا دے دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان
قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ
جاتے ہیں۔ فرماؤ خبر تو دو اگر آئے تمہارے پاس عذاب اللہ کا اچانک یا ظاہر طور نہیں
کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے اچانک یا
اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾
ہلاک کیے جاتے مگر ظالم قوم
کھلم کھلا تو کون تباہ ہوگا ظالموں کے سوا

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں گزشتہ کفار پر عذاب آنے کا ذکر ہوا اب موجودہ کفار پر عذاب الٰہی آ جانے سے ڈرایا جا رہا ہے گویا پہلے کہا گیا تھا کہ پچھلی امتوں پر مخالفت انبیاء سے یہ عذاب آئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرو گے تو تم پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ ڈرو اور ایمان لاؤ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی جباری قہاری کا ذکر ہوا اب انسان کی بے بسی کا تذکرہ ہے کہ اس کا بھیجا ہوا عذاب کوئی دفع نہیں کر سکتا رب کی قدرت اور اپنی بے بسی دیکھو اور رب کے نبی پر ایمان لاؤ۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ آیات میں ایسے عذابوں کا ذکر ہوا جو اب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد بند ہو گئے غیبی عذاب جو قوموں کو ہلاک کر دیں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔ اب ان آیات میں ان عذابوں کا ذکر ہے جو اب بھی آسکتے ہیں اور قیامت تک آسکیں گے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے رحمت والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے دھوکہ نہ کھاؤ اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ بندے بن جاؤ کہ وہاں اکڑ سے کام نہیں چلتا' وہاں عجز و نیاز سے ہی بچاؤ ہے۔

تفسیر : قل ارا ءیتم ظاہر یہ ہے کہ یہاں قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن کفار انسانوں کی طرف ہے خواہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں یا تاقیامت کبھی بھی یہ فرمانا ڈرانے دھمکانے یا ان پر اتمام حجت کے لئے ہے یہ فرمان ہے تو رب کا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ درمیان میں رکھا گیا ہے کیوں اس لئے کہ۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی — اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند!!

قل کے مختلف مقاصد ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ قل میں روئے سخن کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے یعنی اے محبوب تم ہم سے یہ کہو جیسے قل اعوذ برب الناس کیونکہ تمہاری زبان سے الفاظ ہم کو پیارے معلوم ہوتے ہیں ہم بتاتے ہیں تم ہم سے یہ کہو۔ کبھی روئے سخن مومن بندوں کی طرف ہوتا ہے۔ جیسے قل یا عبادی الذین اسرفوا تاکہ بتایا جائے کہ تم ہمارے اور ہمارے بندوں کے درمیان برزخ کبریٰ ہو ہم بندوں سے تمہاری معرفت کلام کرتے ہیں تو بندے بھی ہم سے تمہاری معرفت کلام و پیام کریں' کبھی روئے سخن کفار کی طرف ہوتا ہے تاکہ بتایا جائے کہ کفار تم سے سن کر ہماری طرف آئیں تو ان کا آنا قبول ہوگا ورنہ نہیں یہاں قل کا تیسرا استعمال ہے یعنی روئے سخن کفار سے ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہو وہاں قرآن مجید میں قل ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے گواہ ہیں اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا ذکر ہو وہاں قل نہیں ہوتا کیونکہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کے قبضہ عامہ کا ذکر ہے لہذا قل فرمایا گیا ارء یتم اور ارء یتکم کی تحقیق ابھی کچھ پہلے قل ارء یتکم کی تفسیر میں کی جاچکی ہے اس کے اصطلاحی معنی ہیں بتاؤ مگر مقصد یہ ہے سوچو غور کرو کہ ایسی باتوں میں غور کرنا بھی اچھا ہے' ایمان و عرفان کا ذریعہ ہے۔ بعض غور فکر کفر ہیں بعض جائز بعض واجب و فرض بعض ممنوع ان اخذ اللہ سمعکم و ابصارکم یہ عبارت ترکیب میں ارء یتم کا مفعول ہے مگر در حقیقت قل کا مقولہ ہے ظاہر یہ ہے کہ سمع سے مراد سننے کی طاقت ہے اور ابصار سے مراد دیکھنے کی قوت لے لینے سے مراد ہے ان قوتوں کا سلب کر دینا زائل کر دینا کہ پھر علاج کا بھی امکان نہ رہے اور ہو سکتا ہے کہ سمع سے مراد کان ہو ابصار سے مراد آنکھیں چونکہ بہرے پن سے زیادہ تکلیف اندھے پن میں ہوتی ہے کہ اندھا آدمی بالکل بیکار اور دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے اس لئے سمع واحد اور ابصار جمع ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ سمع سے مراد جنس ہو اور ابصار سے مراد فرد لہذا سمع واحد ابصار جمع لائی گئی یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کانوں سے سننے کی قوت تمہاری آنکھوں سے دیکھنے کی طاقت دور کر دے اور تمہیں بالکل بہرا اندھا بنا دے یا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان و آنکھ ہی زائل کر دے کہ چہرے کا اگلا حصہ پچھلے حصہ کی طرح صاف سپاٹ ہو جائے اللہ کی پناہ وختم علی قلوبکم یہ عبارت اخذ اللہ پر معطوف ہے ختم کے معنی ختم اور رین میں فرق ختم کے اسباب ہم شروع سورۂ بقر ختم اللہ علی قلوبہم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ ختم قرآن کریم میں تین معنی میں استعمال ہوتا ہے' مہر کر دینا جس سے دل میں ایمان نہ پہنچ سکے جیسے ختم اللہ علی قلوبہم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی واشدد علی قلوبہم فلا یومنون حتی یروا العذاب الالیم دل سے عقل نکال دینا جس سے انسان پاگل ہو جائے۔ جیسے یہاں دل پر حفاظت کی مہر لگا دینا جس سے دل کے اسرار زبان پر نہ آسکیں' جیسے ان یشاء اللہ یختم علی قلبک یہاں ختم سے مراد دلوں کا عقل و سمجھ سے خالی ہو جانا ہے بالکل پاگل پن اور دیوانگی یہ عذاب اندھے بہرے پن سے زیادہ سخت ہے دیکھو اندھے بہرے پر ایمان اور شرعی اعمال فرض ہیں مگر دیوانہ پر کچھ فرض نہیں کہ وہ بالکل ہی بے کار ہے نیز اندھا بہرا پن ظاہری بیماریاں مگر دیوانگی باطنی بیماری ان وجوہ سے اس مہر لگنے کا ذکر بعد میں ہوا اور اگر معاذ اللہ یہ تینوں عذاب جمع کر دیئے جائیں کہ بندہ بہرا' اندھا' دیوانہ سب کچھ ہی ہو جائے پھر تو اس کی زندگی وبال بن جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان تین چیزوں پر دھیان رکھے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ قوی ہے قادر ہے دوسرے یہ کہ میں مجبور معذور کمزور ہوں تیسرے یہ کہ میں اور میری تمام صفات ساری قوتیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جب چاہے مجھ سے چھین لے اگر ان تین باتوں پر

دھیان رہے تو بندہ گناہ نہ کرے بلکہ اس کا حال اس بچہ کا سا ہو جائے جو اپنی ماں کے حوالہ اپنے کو کر دیتا ہے اگر کوئی مارے تو ماں کو پکارتا ہے اگر خود ماں مارے تو اس سے لپٹتا ہے معرفت الٰہی کی یہی اصل ہے من الہ غیر اللہ اس عبارت میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ان بیماریوں عذابوں کو بندہ تو دور کر سکتا ہی نہیں طبیبوں حکیموں کی حکمتیں ختم ہو جاتی ہیں کوئی دوسرا خالق ہی ہو تو انہیں دفع کرے اور اللہ کے سوا کوئی خالق تو ہے ہی نہیں لہٰذا یہ عذاب دفع بھی نہیں ہو سکتے لہٰذا اللہ سے ڈرو یا تیکم بہ خیال رہے کہ من تو مبتدا ہے الہ خبر اور غیر اللہ الہ کی پہلی صفت ہے یاتیکم بہ دوسری صفت بہ میں مرجع المذکور ہے اس لئے یہ ضمیر واحد لائی گئی یعنی دوسرا خدا کون ہے جو یہ مذکورہ بالا چیزیں تمہیں دوبارہ دے یعنی کوئی نہیں دے سکتا بزرگوں کی دعائیں حکیموں کی دوائیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی فائدہ دیتی ہیں تو یہ اسباب ہیں شافی امراض وہی ہے' یہاں خدا تعالیٰ کے مقابلہ کا ذکر ہے کہ یہ طاقت کسی میں نہیں کہ خدا تعالیٰ کی چھینی ہوئی بصارت' سماعت ہوش و عقل اس سے مقابلہ کر کے تمہیں دے دے اس میں حضرات انبیاء اولیاء کی دعائیوں اور طبیب ڈاکٹر کی دواؤں کا انکار نہیں اسی لئے الہ کے ساتھ غیر اللہ ارشاد ہوا انظر کیف نصرف الایات ظاہر یہ ہے کہ انظر میں بھی خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور سنانا انہیں کفار کو ہے نظر سے مراد آنکھوں دیکھنا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازل تا ابد ہر شخص کے ہر حال کو آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے ہیں یعنی تاقیامت کفار کے پھر جانے کو اپنی آنکھوں دیکھو ملاحظہ فرماؤ نصرف بنا ہے تصریف سے معنی گھمانا پھرانا یہاں مختلف طریقوں سے بیان کرنا مراد ہے آیات سے مراد آیات قرآنیہ ہیں یا تو سارے قرآن کی آیتیں یا سورہ انعام کے شروع سے یہاں تک کی آیتیں ظاہر یہ کہ ان آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی قدرت کاملہ بندوں کے عجز کی آیتیں ہیں جو کفار کو ایمان ملنے کا ذریعہ ہیں ثم ھم یصدفون یہ عبارت نصرف پر معطوف ہے اور کیف کے ماتحت ہے ھم کا مرجع وہی ضدی کافر ہیں جو ان باتوں میں غور نہیں کرتے یصدفون بنا ہے صدف سے معنی منہ پھیرنا چنانچہ ابو سفیان ابن حارث کہتے ہیں۔

عجبت لحکم اللہ فینا وقد بدا   لہ صدفنا عن کل حق منزل

بعض نے فرمایا کہ صدف کے معنی ہیں ایک طرف جھک جانا اسی لئے گراؤ دیوار کو صدف کہا جاتا ہے' یعنی اے محبوب غور تو فرماؤ کہ ہم ان کے سمجھانے کے لئے آیات قرآنیہ کس طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہر طرح انہیں سمجھاتے ہیں پھر یہ بھی دیکھو کہ یہ بدنصیب کس طرح منہ پھرتے ہیں کسی حکم کو سنتے ہی نہیں ان چیزوں میں فکر کرتے ہی نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بتانے سمجھانے کے لئے کبھی دلائل کبھی عذاب کبھی اپنی رحمتوں کبھی گذشتہ قوموں کی سزاؤں کبھی گذشتہ مطیع لوگوں پر عطاؤں کا ذکر فرماتا ہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں بعض ڈر کر بعض لالچ سے یہ ہے پھیر پھیر کر آیتیں بیان فرمانا اور کفار ہیں کہ کسی چیز پر دھیان نہیں دیتے یہ ہے ان کا منہ پھیرنا اسی کی شکایت رب تعالیٰ اپنے محبوب سے فرما رہا ہے اس میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اظہار ہے کہ اغیار کی شکایت اپنے یار سے کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ انظر میں خطاب ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہو اور نظر سے مراد ہو غور کرنا یعنی اے مسلمان غور تو کر یہ کفار ہماری قرآنی آیات دیکھتے پڑھتے سنتے ہیں مگر وہ ایمان سے پھر جاتے ہیں غور تو کرو کہ یہ قرآنی آیات ان کفار کے دل میں اثر کیوں نہیں کرتیں جناب صدیق کے دل میں کیوں اتر گئیں کفار کے دل میں کیوں نہیں اترتیں یہ کیوں پھیرے جاتے ہیں قل ارءیتکم یہ کفار کو دوسری سرزنش بلکہ دوسری وارننگ ہے جس میں غیبی عذاب آنے کی دھمکی دی گئی ہے یہ مضمون مستقل ہے کہ پہلے ظاہری عذاب سے

ڈرایا گیا تھا اب غیبی عذاب سے ڈرایا جارہا ہے اس لئے اس کے لئے علیحدہ قل فرمایا گیا ارءیتکم فرماکر خود ان کفار سے ہی اقرار کرایا جارہا ہے اس لفظ کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی۔ ان اتا کم عذاب اللہ بغتۃ او جھرۃ ظاہر یہ ہے کہ یہاں عذاب سے مراد عام عذاب ہے جیسے صورتیں مسخ ہو جانا' آسمان سے پتھر برسنا زمین میں کفار کا دھنس جانا وغیرہ جو قوم کو تباہ کردیتا ہے اور پچھلی آیت میں خاص عذاب مذکور تھا جو اشخاص پر آتا ہے بغتۃ سے مراد یا تو خفیہ ہے یعنی رات کے وقت بے خبری میں عذاب آجانا اور جھرۃ سے مراد ظاہر ظہور ہے۔ یعنی دن میں آنا جب کہ لوگ جاگ رہے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ بغتۃ سے مراد اچانک عذاب ہو جس کی علامت پہلے سے کوئی ظاہر نہ ہو تو جھرۃ سے مراد وہ عذاب جس کی علامات پہلے سے ظاہر کردی جائیں لہٰذا بغتۃ اور جھرۃ کا مقابلہ بالکل درست ہے پہلے معنی کی تائید قرآن مجید کی وہ آیت کریمہ ہے افامن اھل القری ان یاتیھم باسنا بیاتا وھم نائمون اوامن اھل القری ان یاتیھم باسنا ضحی وھم یلعبون وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ ھل یھلک الا القوم الظلمون یہ عبارت گزشتہ شرط ان اتا کم کی جزا نہیں ہے اس کی جزا تو پوشیدہ ہم ہے ما ذا یکون حالکم (روح البیان) یہ عبارت قانون الٰہی بیان کرنے کے لئے ہے ھل استفہام انکاری کے لئے ہلاکت سے مراد فنا اور تباہی ہے۔ ظالمون سے مراد کافرین و مشرکین ہیں یعنی شخصی باطنی عذاب اندھا بہرا گونگا ہو جانا یا قتل و قحط تو گناہوں سے بھی آجاتے ہیں مگر ظاہری اور ہلاکت والے عذاب صرف کفر و مخالفت انبیاء سے ہی آتے ہیں اور ان عذابوں سے صرف کافر قوم ہی ہلاک ہوتی ہے رہے ان کے بچے جانور وغیرہ ان کی فنا بطور سزا نہیں ہوتی ان کفار کی شامت سے ہی ہوتی ہے لہٰذا آیت کریمہ بالکل صاف ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ کے عذاب دو قسم کے ہوتے ہیں شخصی اور قومی پھر ان دونوں عذابوں کی دو قسمیں ہیں ظاہری و باطنی' باطنی عذاب کبھی گنہگار مسلمانوں پر بھی آجاتے ہیں خواہ شخصی ہوں یا قومی جیسے گناہوں سے کسی شخص کی روزی تنگ ہو جانا یا کسی کی بددعا سے اندھا بہرا ہو جانا وغیرہ یونہی زکوٰۃ بند کردینے سے قحط سالی آجانا زنا کی کثرت سے بلاؤں کا نزول مگر ظاہری عذاب خواہ شخصی ہوں یا قومی صرف کفر و بے دینی سے آتے ہیں اس آیت کریمہ میں ظاہری عذابوں کا ذکر ہے پہلی آیت میں ظاہری شخصی عذاب کا دوسری آیت میں باطنی قومی عذاب کا چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب ان بے دینوں کو ہم خطاب نہیں فرماتے آپ بطور عتاب بطریق سوال انکاری ان سے خود پوچھیں کہ اے کمزور مگر بے باک کافرو اتنا تو بتاؤ کہ تم جو میری مخالفت کرتے رہتے ہو اگر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم پر پکڑ فرمائے کہ تمہارے اشخاص کہ بہرا گونگا' دیوانہ پاگل کردے تو یہ تم بھی جانتے ہو کہ کوئی انسان تمہیں یہ نعمتیں واپس نہیں دے سکتا نیز تمہارے عقیدے میں بھی کوئی دوسرا خدا ہے جو تمہیں یہ چھنی ہوئی نعمتیں واپس دے دے تم خود مانتے ہو کہ تمہارے ان باطل معبودوں میں یہ طاقت نہیں پھر کیوں رب تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہو اے محبوب غور تو فرماؤ کہ کس طرح پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے انہیں اپنی آیات سناتے ہیں کبھی ڈرا کر کبھی لالچ دے کر' کبھی دلائل سے سمجھا کر انہیں دعوت اسلام دیتے ہیں مگر وہ ہیں کہ بالکل منہ پھیرتے رہتے ہیں کسی طرف دھیان نہیں دیتے پھر انہیں ظاہری قومی عذاب سے ڈراتے ہوئے ان سے پوچھو کہ اگر تم پر تباہ کن غیبی عذاب عام زلزلہ یا صورتوں کی تبدیلی یا زمین کا دھنسنا رات میں جب کہ تم غافل سو رہے ہو یا دن میں جبکہ تم جاگ رہے ہو آجائے تو تمہارا کیا حال ہو خیال رکھنا کہ یہ

ملک عام عذاب صرف [illegible] آج [illegible] اللہ تو کو [illegible] قبول کرلو۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے اسی لئے ہر طرح ڈرا دھمکا کر لالچ دے کر دلائل سنا کر انہیں اپنی طرف بلاتا ہے اور ان چیزوں میں غور کرنے کی بندوں کو دعوت دیتا ہے یہ فائدہ ارءیتم اور ارءیتکم سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان تاقیامت باقی ہیں لوگوں تک پہنچ رہے ہیں لوگوں پر ان کی اطاعت لازم ہے یہ فائدہ قل کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہاں یہ نہ فرمایا کہ مکہ مدینہ یا حجاز یا عرب کے لوگوں سے یا اس زمان کے لوگوں سے آپ یہ فرمادو بلکہ ہر زمانہ کے ہر زمین کے ہر مالک کے لوگوں سے فرمادو یہی حال ہے ان تمام قل کا جس میں روئے سخن مسلمانوں یا کافروں یا عام انسانوں سے ہے کہ اس میں مخاطب سارے جہان کے لوگ ہر زمانہ کے لوگ ہیں متکلم نے پردہ فرمالیا مگر کلام تا ابد گونجتا رہے گا اور ہر دل و کان میں پہنچتا رہے گا۔ تیسرا فائدہ: اللہ کی بھیجی ہوئی مصیبت کوئی نہیں ٹال سکتا حاکم، حکیم، قوت یا علاج سے حضرات اولیاء اللہ انبیاء کرام دعا سے اس رب کریم کی مرضی سے آفات دفع کرتے ہیں یہ چیزیں صرف سبب ہیں دفع وہی کرتا ہے یہ فائدہ من الہ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: ہم اور ہماری ساری قوتیں ہر وقت اللہ کے قبضہ میں ہیں جب چاہے جس طرح چاہے ختم فرمادے لہٰذا اپنی کسی قوت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے ہمیشہ خدا سے ڈرنا چاہئے یہ فائدہ ان اخذ اللہ سمعکم الخ سے حاصل ہوا جو دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے جو سی سکتا ہے وہ ادھیڑ بھی سکتا ہے۔

ہر کہ داند دوخت او داند درید!

ہم ہمیشہ دعا کیا کریں کہ الٰہی آنکھ، کان، دل، ایمان توفیق تو نے محض اپنے کرم سے بغیر ہمارے استحقاق کے ہم کو عطا فرمائیں امید ہے کہ کریم دے کر چھینتے نہیں، انہیں حضرت قدس سرہ نے کیا خوب عرض کیا ہے۔

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا ۔۔۔ تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

چوتھا فائدہ: اب بھی رب تعالیٰ کے عذاب آسکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے غیبی عذاب عام جو قوم کو تباہ کرڈالیں وہ بند ہوئے ہیں۔ قریب قیامت مسخ اور زلزلے آئیں گے جیسا کہ احادیث شریف میں وارد ہے یہ فائدہ ان اتاکم سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: باطنی عام عذاب صرف کفار پر ہی آتا ہے گنہگار مسلمانوں پر نہیں آتا یہ فائدہ هل یهلک الا القوم الظلمون سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: یہ عذاب صرف نافرمانی کفار پر ہی آتے ہیں اگر اس عذاب سے جانور یا کفار کے چھوٹے بچے ہلاک ہو جائیں تو وہ ہلاکت ان کے لئے عذاب نہیں یہ فائدہ بھی الا القوم الظلمون سے حاصل ہوا۔ الاحصر کے لئے ہے۔

پہلا اعتراض : تم نے کہا کہ قل میں خطاب تاقیامت ہر جگہ کے لوگوں سے ہے یہ درست نہیں۔ خطاب اور کلام کے لئے دو شرطیں ہیں ایک متکلم کے زمانہ میں مخاطب کا موجود ہونا دوسرے اس کے سامنے ہونا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ متکلم وفات پا جائے اور کلام موجود رہے۔ لہٰذا قل میں خطاب صرف مکہ مکرمہ کے ان لوگوں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے۔
جواب: یہ دونوں شرطیں اس کلام کے لئے ہیں جو محدود اور فانی ہو لا محدود اور غیر فانی کلام کے لئے ان میں سی کوئی شرط نہیں دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر ایک دفعہ پکار دیا کہ اللہ کے بندوں بیت اللہ کی طرف آؤ۔ آج تک بلکہ قیامت تک اس کے جواب میں لبیک کا شور مچا رہے گا معلوم ہوا کہ وہ ندا تاقیامت باقی ہے آج ریڈیو اور فون نے بتا دیا کہ دور والے سے بھی

کلام ہوتا ہے۔ ٹیپ ریکارڈ نے بتادیا کہ متکلم کے فنا ہونے سے کلام فنا نہیں ہوتا سارا جہان ٹیپ ریکارڈ ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام محفوظ ہیں جنہیں لوگوں کے دل اللہ والوں کے کان سن رہے ہیں' ٹیلی ویژن کے ذریعہ ایک شخص بیک وقت ہر جگہ موجود ہے ہر مومن کا دل اور ہر شخص کی قبر ٹیلی ویژن کی پیٹی ہے۔ جس میں جلوہ محبوب نظر آرہا ہے۔ جب ناری قوت کا یہ حال ہے تو نور کی قوت تو اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آصف برخیا ہے کی قوت ناری جن سے زیادہ تھی کہ ایک آن میں تخت بلقیس یمن سے فلسطین لے آئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان بیٹھے ہوئے اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کو مصر کے سات تالوں میں مقفل گھر میں زلیخا سے بچالیا۔ لہٰذا اقل میں خطاب سب لوگوں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر جگہ ہر وقت اپنا کام کر رہا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اندھا بہرا' گونگا' دیوانہ ہونا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عذاب صرف کفار پر ہی آتا ہے تو مسلمانوں بلکہ بعض نیک لوگ ان بیماریوں میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہ ظاہری تکالیف کفار کے لئے عذاب ہیں ہم جیسے گنہ گار مسلمانوں کے لئے عتاب جن سے ہمارے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ نیک کاروں کے لئے رب کی طرف سے آزمائش و امتحان جس کے ذریعہ ان کے درجات بڑھ جاتے ہیں۔ دیکھو اسلامی جہاد میں کافر مارا جائے تو یہ قتل اس کے لئے عذاب ہے' مومن کے لئے یہی قتل شہادت ہے' مومن قتل ہو کر زندہ جاوید ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بعد قیامت کفار کا دوزخ میں جانا عذاب ہے گنہگاروں کا جانا گناہوں سے صاف ہونے کے لئے ہے جیسے بھٹی میں کوئلہ بھی جاتا ہے مگر جلنے کو سونا بھی جاتا ہے مگر صاف ہو کر زیور بننے کو۔ تیسرا اعتراض: جب خدا کی بھیجی مصیبت کوئی نہیں ٹال سکتا تو تم نبیوں ولیوں کے دروازہ پر کیوں جا کر فریادیں کرتے ہو تمہارا یہ عمل اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی مصیبتوں میں حاکموں حکیموں کے پاس کیوں جاتے ہو۔ تمہارا یہ عمل بھی اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں مقابلہ کا ذکر ہے کہ کوئی بھی اللہ کا مقابلہ کر کے اس کی بھیجی مصیبت نہیں ٹال سکتا ہمارا بزرگوں کے دروازوں پر جانا دعا کرانے کے لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے یہ مصیبت ٹال دے یہ آستانے رب تعالیٰ کی عطا کے دروازے ہیں رب تعالیٰ ان دروازوں سے دیتا ہے کسی کے دروازے پر جانا اس کے پاس جانا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح نے فرمایا تھا وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ دیکھو جناب مسیح مادر زاد اندھے کوڑھے کو بحکم پروردگار شفا دیتے تھے' یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میری قمیص لے جاؤ اسے والد ماجد کی آنکھوں سے لگا دو۔ بینائی واپس آجائے گی اور ایسا ہی ہوا ایوب علیہ السلام کے پاؤں کے دھوون کے چشموں سے ساری بیماریوں سے شفا ہوئی یہ سارے واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب سے دکھتی آنکھوں کو شفا ٹوٹے پاؤں کو آرام ہوا۔ چوتھا اعتراض: پہلی آیت میں کان آنکھ لے لینے والوں پر مہر فرمادینے کا ذکر فرمایا گیا پھر دوسری آیت میں عذاب آنے کا ذکر فرمایا اندھا بہرا کر دینا بھی تو عذاب ہے پھر دوسری جگہ عذاب کا ذکر علیحدہ کیوں فرمایا آیتوں میں تکرار ہے۔ جواب: یہ تکرار چند وجہ سے فرمائی گئی ایک یہ کہ پہلی آیت میں ظاہری عذاب مراد ہے دوسری آیت میں غیبی عذاب مراد ہے جیسے آسمان سے پتھر برسنا' صورتیں مسخ ہونا وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ پہلی آیت میں شخصی عذاب مراد ہیں دوسری آیت میں ملک و قومی عذاب مراد تیسرے یہ کہ پہلی آیت میں جو عذاب مذکور ہیں وہ بطور آزمائش مسلمانوں پر بھی آسکتے ہیں مسلمان بلکہ مقبول بندے بھی نابینا وغیرہ ہو سکتے مگر آخری آیت کے

عذاب کبھی مسلمانوں پر نہیں آسکتے لہٰذا آیتوں میں تکرار نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ وعدہ فرماچکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف کے بعد عذاب نہیں بھیجے گا پھر یہاں کیوں فرمایا **ان اتا کم عذاب اللہ بغتۃ** اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں خلاف ناممکن ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب پارہ الم زیر آیت **ان اللہ علی کل شئی قدیر** دیا جاچکا ہے' یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے غیبی عام عذاب آنا بند ہو گئے جسے کہتے ہیں عذاب استیصال' کسی کافر قوم کو جڑ سے اکھاڑ دینے والے عذاب' خاص لوگوں پر غیبی عذاب آسکتے ہیں بلکہ قریب قیامت آئیں گے وعدہ ربانی پہلی قسم کے عذاب کے لئے ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل برحق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** کیا اللہ تعالیٰ ان موعودہ وعدے والے عذابوں کے نازل فرمانے پر قادر رہی نہ رہا اس کی قدرت سلب ہو گئی۔ **جواب:** اس کے بہت اور تفصیلی جوابات وہاں پہلے پارہ ہی میں عرض کئے جاچکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ جو عذاب بھیجنا چاہے ان کے متعلق نہ بھیجنے کی خبر دینے پر قادر نہیں کہ یہ خبر جھوٹ ہے اور جھوٹ عیب اللہ تعالیٰ عیوب سے پاک ہے مثلاً صحابہ عشرہ مبشرہ کو اگر عذاب دینا ہوتا تو رب تعالیٰ اس کے متعلق یہ خبر دینے پر قادر نہیں کہ ہم نے انہیں بخش دیا یہ دوزخ سے دور رہیں گے یہ جنتی ہو چکے ہم ان سے راضی ہو چکے اور جن عذابوں کو کفار پر نازل فرمانا ہو ان کے متعلق یہ فرمانے پر قادر نہیں کہ ہم کفار پر عذاب نہ بھیجیں گے یہ فرق بہت غور سے سمجھو اس کے اور جوابات تفسیر جلد اول میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: کسی شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص آسمانوں اور زمین کو کمان بنالے اور تمام بلاؤں کو تیر بنا لے اور اس کمان سے وہ تیر کسی پر چلادے تو کہاں پناہ ملے اور یہ مردود شخص کہاں چھپے ان بزرگ نے فرمایا کہ تیر مارنے والے کے قدموں سے لپٹ جائے کہ تیر و تفنگ بلکہ سارے ہتھیار دو روالے پر وار کر سکتے ہیں قرب والے کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اس حالت میں اس کے قدموں کے سوا کہیں پناہ نہیں وہ بولا کہ جب مارنے والا قدم وغیرہ اعضاء سے پاک ہو تو پھر کہاں چھپا جائے اور کہاں پناہ لی جائے بزرگ نے جواب دیا کہ اس کے محبوب بندوں کا دامن ان کے قدم رب تعالیٰ ہی کا دامن کرم ہے' صرف یہاں ہی پناہ ہے اور جگہ پناہ نہیں 'اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ ۔۔۔ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود!

یہ حکایت ان آیتوں کو گویا تفسیر ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کفار سے تخاطب فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن پاک میں بھاگے پھرتے ہیں کہ بتاؤ تم نے میری پناہ تو چھوڑ دی اب اگر تم ہماری ظاہری یا باطنی پکڑ میں آجاؤ تو کہاں جاؤ تم کو چھوڑانے والے نہ تو تمہارے یہ جھوٹے معبود ہیں نہ کوئی اور لہٰذا کیوں بھاگے پھرتے ہو مر جاؤ گے ہمارے دامن کرم میں چھپو جب بچے کو کوئی اور مارتا ہے تو بچہ ماں کو پکارتا ہے' اری اماں مجھے بچا مگر جب ماں ہی مارتی ہے تو پھر کسی اور جگہ نہیں بھاگتا بلکہ ماں کی گود میں ہو گرتا ہے' حضرات انبیاء کرام کے قدم اللہ کی رحمت کی آغوش ہے' ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری پناہ کے لئے کوئی دروازہ نہیں صرف یہ دروازہ ہے ادھر آ و بچ جاؤ گے۔ ورنہ پیس دیئے جاؤ گے اس مضمون کو اگلی آیات میں واضح فرمایا جارہا ہے غرضیکہ رب کریم نے نہایت ہی کریمانہ انداز میں لوگوں کو حضور کی طرف بلایا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **من الہ غیر اللہ یاتیکم بہ** الہ کے ساتھ غیر اللہ کی قید اس لئے لگائی تا کہ معلوم ہو کہ جن نبیوں ولیوں کو لوگوں

نے الہ مان کران کی پرستش شروع کر دی جیسے حضرت عیسیٰ و مریم اور عزیر علیہم السلام اگرچہ انہیں لوگوں نے الہ تو مان لیا مگر وہ غیر اللہ نہیں بلکہ وہ اللہ کے اپنے ہیں اولئک حزب اللہ ان کی برکت اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ گئی ہوئی آنکھیں گئی ہوئی سماعت، دیوانگی دور فرمادیتا ہے وہ اور ان کے تبرکات۔ مفضلہ تعالیٰ دافع البلا ہیں شافعی الامراض ہیں جیساکہ ہم نے ابھی اعتراض و جواب میں عرض کیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار کے دل میں قرآنی آیات اس لئے نہیں اتریں کہ ان کے دلوں میں نور خدا یعنی حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پہنچے۔ دل میں پہلے نور آتا ہے پھر قرآن پہنچتا ہے۔ گھر میں سب کچھ ہو روشنی نہ ہو تو کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا قرآن نعمتوں سے بھرا ہوا گھر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نور ہیں قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین اب پڑھوا نظر کیف نصرف الایات لفظ قرآن کے لئے جسم کو شریعت کے پانی سے پاک کرو معنی قرآن کے لئے دماغ کو طریقت کے پانی سے پاک کرو۔ مضامین قرآن کے لئے دل کو حقیقت کے پانی سے پاک کرو، اسرار قرآن کے لئے روح کو معرفت کے پانی سے پاک کرو اور نجس نعتیں نفس امارہ کو عشق مصطفیٰ کی آگ میں جلا کر راکھ کرو پھر قرآن پڑھو دیکھو اس میں سب کچھ ملے گا۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَ

اور نہیں بھیجا کرتے ہم پیغمبروں کو مگر خوشخبریاں دینے والے اور ڈرانے والے پس جو ایمان قبول

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے تو جو ایمان لائے اور

اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

کرے اور اپنی درستی کرے پس نہیں ہے ڈر او پر انکے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے

سنورے ان کو نہ کچھ اندیشہ اور نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں

يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جھٹلایا ہماری آیتوں کو پہنچے گا انہیں عذاب اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

انہیں عذاب پہنچے گا ان کی بے حکمی کا

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ کے عذاب سے کہیں پناہ نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ یہاں ایک پناہ ہے یعنی حضرات انبیاء کرام کا دامن گویا پچھلی آیات میں مایوس کیا گیا تھا ان آیات میں آس بندھائی گئی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ رب کے عذاب سے بچنا ہے تو ادھر ادھر نہ بھاگو اس سے منہ نہ موڑو اب ارشاد ہے کہ عذاب سے بچنا ہے تو ایمان و تقویٰ اختیار کرو گویا حضرات انبیاء کرام جائے امن ہیں اور ایمان و تقویٰ اس پناہ میں آجانا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے بارش کی پناہ کے لئے چھتیں، دھوپ سے پناہ کے لئے سایہ دار درخت پیاس سے بچنے کے لئے کنوئیں کی پناہ بیماری سے پناہ کے لئے حکیم ظلم کی پناہ کے لئے حاکم بنائے ایسے ہی رب تعالیٰ نے

اللہ کے عذاب سے پناہ کے لئے حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ کے دامن جاء امن بنائے جوان کی پناہ میں نہ آئے وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتا لہٰذا غرضیکہ عذاب کے بعد پناہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی گزشتہ آیات میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے منہ مانگے معجزے کیوں نہیں دکھاتے اب ان آیات میں ان کا جواب دیا گیا کہ حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کا مقصد صرف معجزات دکھانا نہیں وہ تو ان کی نبوت کے ثبوت کے لئے ہوتے ہیں ان کی بعثت کا مقصد بشارت' نذارت' دعوت الی اللہ ہے جوان سے معجزات ہی مانگتا رہے گا ایمان نہ لائے گا وہ مارا جائے گا اور جوان کی تشریف کا منشاء پورا کرے گا وہ دین و دنیا کے رنج و غم سے آزاد ہو گا گویا پہلے سوال کا ذکر ہوا اب جواب کا ذکر ہے (کبیر)

تفسیر: وما نرسل المرسلین یہ جملہ نیا ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے نرسل بنا ہے ارسال سے بمعنی بھیجنا یہاں امتوں کی طرف نبی بنا کر بھیجنا مراد ہے بعض انبیاء کرام کو کسی اور جگہ سے دوسری جگہ نبی بنا کر بھیجا گیا جیسے موسیٰ علیہ السلام کہ نبی بنائے گئے مدین و مصر کے درمیان طور شریف کے وادی میں اور حکم ہوا **اذهب الی فرعون** یا جیسے حضرت ابراہیم ولوط علیہ السلام کہ نبی بنائے گئے عراق یعنی اطراف کوفہ میں اور بھیجے گئے شام و فلسطین کی طرف بعض انبیاء کرام وہ ہیں جو ایک ہی مقام میں پیدا ہوئے وہاں ہی نبی ہوئے وہاں ہی رہے۔ لہٰذا یہاں بھیجنے سے مراد صرف مکانی بھیجنا یعنی کسی جگہ سے کسی جگہ پہنچانا نہیں بلکہ انہیں نبی بنانا ان کے ذمہ تبلیغ لازم فرمانا ہے ارسال بعثت میں یہی معنی ملحوظ ہوتے ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں ارسال یعنی بھیجنے سے مراد مکانی بھیجنا ہے۔ عالم ارواح میں خدا تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو سب کچھ بتا تا سکھاتا ہے وہاں انہیں مکمل فرما کر پھر دنیا میں بھیجتا ہے بلکہ سارے انبیاء کرام عالم ارواح میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر فیض لے کر یہاں فیض دینے آتے ہیں۔ لہٰذا ان کی ولادت کو ارسال فرمانا بالکل درست ہے ان کی دنیا میں تشریف آوری ایسی ہوتی ہے جیسے سورج کا طلوع کہ سورج طلوع سے پہلے موجود تھا مگر نظروں سے او جھل تھا طلوع ہوا سامنے آگیا۔ یوں ہی ان کی وفات ایسی ہوتی ہے جیسے سورج کا غروب کہ سورج غروب سے فنا نہیں ہو جاتا ہم سے چھپ جاتا ہے ان کی ولادت و وفات ظہور اور غروب ہے ہماری ولادت اور موت ہستی اور نیستی ہے وہ حضرات نیستی سے محفوظ ہیں بلکہ ان سے وابستہ ہو جانے والے لوگ بھی فنا سے محفوظ ہو جاتے ہیں جیسے شہداء کہ انہیں قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ زندہ ہیں یہاں مرسلین سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں خواہ وہ رسول بھی ہوں یا نہیں اور خواہ وہ مرسل بھی ہوں یا نہیں۔ اس سے مراد خاص درجہ والے مرسلین نہیں لہٰذا آیات کریمہ واضح ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں رسول تین سو تیرہ اور مرسلین چار' یہاں مراد ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں جیسے حضرات صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں ان میں سے بدر والے تین سو تیرہ ان میں سے خلفاء راشدین چار پھر جیسے چار مرسلین ہیں چمکتے سورج جناب مصطفیٰ ایک ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی ان چاند خلفاء میں چمکتے چاند حضرت ابو بکر صدیق ایک۔ نرسل دوام و استمرار کے لئے ہے اس میں رب تعالیٰ نے اپنی عادت کریمہ بیان فرمائیں جو ہمیشہ سے حضرات انبیاء کرام کے متعلق رہی ہے لہٰذا اس آیت سے یہ لازم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی انبیاء تشریف لاویں ما نرسل کے معنی ہیں نہیں بھیجتے یا نہیں بھیجا کرتے۔ یہ معنی نہیں کہ نہیں بھیجتے ہیں اور نہیں بھیجیں گے لہٰذا آیت کریمہ بالکل صاف ہے۔ خیال رہے کہ نبوت رسالت مرسلیت' بشارت' نذارت' دعوت یہ صفات ان حضرات کی عمومی صفات ہیں مگر صفی اللہ' نجی اللہ' خلیل اللہ' کلیم اللہ' روح اللہ' حبیب اللہ' مصطفیٰ ہونا یہ ان حضرات کی صفات

خصوصی ہیں جو خاص طور پر ایک ایک نبی کو عطا ہوئیں یہاں صفت عمومی کا بیان ہے الا مبشرین و منذرین یہ عبارت المرسلین کا حال ہے الا حصر کے لئے ہے اور یہ حصر اضافی ہے۔ حقیقی نہیں جیسے وما محمد الا رسول میں حصر اضافی ہے بشارت کے معنی ہیں خوشخبری دینا اگر اس کے ساتھ تصدیق کا ذکر ہو یا کسی رسول کا تو اس کے معنی ہوتے ہیں آئندہ کسی نبی کی تشریف کی خوشخبری دینا' جیسے مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد اور اگر اس کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کا یا نذرات کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اللہ کے ثواب کے بشیر ہیں کسی نبی کے بشیر یا مبشر نہیں کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آدم علیہ السلام کسی نبی کے مصدق نہیں کیونکہ ان سے پہلے کوئی نبی نہیں ہاں بشیر و نذیر سارے نبی ہیں گذشتہ نبیوں کی بشارت' نذرات' دعوت سن کر تھی کہ ان حضرات نے جنت دوزخ ذات الٰہی کو دیکھا نہ تھا سنا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات دیکھ کر ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جنت دوزخ بلکہ ذات الیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نیز ان انبیاء کرام کی بشارت و نذارت مخصوص تھیں اور وقتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشارت و نذارت عالمگیر ہے اور دائمی مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وقت میں اپنی قوم سے کہا کہ میرے احکام کا تو میری توریت پر عمل کرو میری نماز پڑھو بخشے جاؤ گے ورنہ عذاب پاؤ گے مگر نہ تو خضر علیہ السلام سے وہ یہ فرما سکے نہ اب کسی سے فرما سکتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اب بھی یہ اعلان ہے اور تا قیامت رہے گا کہ میری اطاعت کرو بخشے جاؤ گے' یہاں بشارت اور نذارت بہت ہی عام ہیں' مومنوں کو جنت کی بشارت کافروں کو دوزخ کی نذارت' متقیوں کو رضاء الٰہی کی بشارت مومن فاسقوں بدکاروں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی نذارت واصلین کو لقاء یار کی بشارت غافلین کو ہجران و جدائی کی نذارت غرضیکہ جیسا شخص ویسی اس کے لئے بشارت و نذارت یعنی ہماری عادت کریمہ یہ ہے کہ ہم نبیوں کو صرف معجزات دکھانے اور لوگوں کے مطالبے پورے کرنے نہیں بھیجا کرتے بلکہ انہیں صرف بشارت اور نذارت کے لئے بھیجتے ہیں فمن امن و اصلح بھی دینے والے نبیوں کی دین کا ذکر ہو اب فیض لینے والے امتیوں کا ذکر ہے۔ ف تفصیلیہ ہے من سے مراد انسان ہیں دل کی اصلاح کا ذکر امن میں ہے اور بدن کی اصلاح کا ذکر اصلح میں ہے لہٰذا ایمان میں سارے عقائد کا ماننا داخل ہے اور اصلح میں سارے نیک کام کرنے اور سارے گناہوں سے بچنا شامل ہے یعنی ان کی امتوں میں جو انسان ان پر ان کے سارے فرمانوں پر ایمان لایا اور اس نے تقویٰ اختیار کیا اور ہو سکتا ہے کہ اصلاح سے مراد ہو کفر یا غفلت کے زمانہ کی بد عملیوں کوتاہیوں کا کفارہ ادا کرنا جیسے حضرت وحشی نے زمانہ کفر کے قتل حمزہ کا کفارہ قتل مسلیمہ کذاب سے کیا یا جناب ہندہ نے زمانہ کفر میں جنگ احد کی بد عملیوں کا کفارہ جنگ یرموک و قادسیہ میں ادا کیا جس میں سات لاکھ عیسائی تھے۔ چالیس ہزار مسلمان ان جیسی عورتوں کی ہمت سے مسلمان نے یہ معرکہ فتح کیا غرضیکہ اصلح کی تین تفسیریں ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اصلاح سے مراد ایمان پر قائم رہنا اس پر مرنا ہے (تفسیر مدارک) خیال رہے کہ انسانی دل کے دو عیب ہیں اور دو ان کے علاج عیب تو ہیں شرک و کفر' علاج ہیں توحید و ایمان شرک کے معنی ہیں کسی بندے کو اونچا کر کے رب سے ملا دینا یا رب کی شان گھٹا کر اسے بندے سے ملا دینا کفر کے معنی ہیں کسی اسلامی عقیدے کا انکار کر دینا توحید کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ماننا ایمان کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو نبی کی معرفت سے جاننا ماننا چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے اس لئے امن پہلے اور اصلح بعد میں ارشاد ہوا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یہ عبارت من امن کی خبر بمعنی جزا ہے لہٰذا ف جزائیہ اور لا نافیہ زائدہ ہے۔ خوب مبتدا علیھم اس کی خبر آئندہ کے خطرہ کو خوف کہتے ہیں اور گذشتہ پر رنج و غم کو حزن' ان دونوں کا

تعلق آخرت سے ہے یعنی قیامت میں انہیں دوزخ وغیرہ کا ڈر نہ ہوگا دنیا کی کوتاہیوں پر غم نہ ہوگا یا اس کا تعلق دینا و آخرت دونوں سے ہے تب خوف و غم سے مراد نقصان دہ خوف و غم ہے اللہ سے خوف اپنے اعمال کو کم سمجھ کر غم یہ مفید خوف و غم ہے اور دونوں عبارتوں میں فرق کہ خوف کے لئے فرمانالا خوف علیھم اور غم کے لئے فرمانا ولا ھم یحزنون نہ تو یہ فرمانا لا ھم یخافون اور نہ یہ کہ ولا حزن علیھم اس انداز بیان میں بہت ہی لطف ہے لا خوف علیھم فرما کر مطلقاً خوف کی دائمی نفی فرمادی گئی اور لا ھم یحزنون فرما کر مختلف قسم کے رنج و غم آتے رہنے کی نفی ہے۔حزن یعنی رنج و غم مختلف قسم کے آتے رہتے ہیں ان سب کی نفی کے لئے یحزنون مضارع کو ھم کی خبر بنا کر اس کے نفی کرنا بہت ہی مناسب ہے والذین کذبو ا با یتنا اس عبارت شریفہ میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد کفار جنات و انسان ہیں کذبوا باب تفصیل سے لایا گیا۔ اس کا مصدر ہے تکذیب بمعنی جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یا جھوٹا کہلوانا یہاں تینوں معنی درست ہیں نیز باب تفصیل میں مبالغہ کے معنی ہیں تکذیب تین قسم کی ہے جنانی 'لسانی' ارکانی یعنی عملی تکذیب اس عملی تکذیب میں آج ہم مسلمان بھی گرفتار ہیں' اس کے معنی یا یہ ہیں کہ خوب جھٹلائیں یا یہ کہ وہ لوگ مرتے وقت تک جھٹلاتے رہے کبھی ایمان نہ لائے اسی پر مرگئے الذین کو مطلق رکھ کر ؟؟؟ ۔عذاب دیا جائے گا جو بجلی کے پاور پر ہاتھ ڈالے گا مرے گا۔ بادشاہ ہو یا فقیر یا خدا دیوانہ با مصطفیٰ ہوشیار باش آیات سے مراد یا تو گزشتہ انبیاء کرام کے معجزات ہیں یا ان کی تعلیمات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اگر یہ ساری چیزیں ہی مراد ہوں تو بہت بہتر ہے۔ خیال رہے کہ ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے اس لئے ا یا تنا فرمانا بہت ہی مناسب ہے اور آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں یمسھم العذ اب یہ عبارت والذین کی خبر ہے یہاں مس بمعنی چھو جانا نہیں بلکہ بمعنی پہنچنا یا پکڑنا ہے مس فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان کا یہ عذاب عارضی نہ ہوگا' جس سے وہ مر کر یا بچ کر چھوٹ جائیں بلکہ دائمی ہوگا (روح المعانی) عذاب سے مراد برزخ و محشر بعد محشر دوزخ کے عذاب ہیں بما کانوا یفسقون یہ عبارت متعلق ہے یمس کے اس میں ب سببیہ ہے اور ما مصدریہ فسق سے مراد کفر ہے یعنی کسی دینی خبر کا انکار یعنی جن لوگوں نے ہماری آیات قرآنیہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات یا گزشتہ انبیاء کرام کے معجزات یا تعلیمات کا پر زور انکار کیا کہ انہیں حق نہ مانا مرتے وقت تک منکر رہے انہیں دائمی عذاب پہنچے گا ان کے اس کفر و فسق کے وجہ سے۔

خلاصہ ء تفسیر : ان کفار کا ہمیشہ معجزات کے مطالبے کئے جانا' کسی بات کو نہ ماننا ان کی جہالت ہے انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد معجزات دکھانا اور کفار کے مطالبے پورے کرتے رہنا نہیں ان کی تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو اللہ کے ثوابوں کی خوشخبریاں دینا اور اس کے عذابوں سے ڈرانا ہے کہ اگر رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کروگے تو یہ پھل پاؤ گے نافرمانی کروگے تو ایسے عذاب بھگتو گے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں بعض تو حضرات انبیاء سے نفع حاصل کرتے ہیں بعض نقصان جو ایمان و تقویٰ اختیار کرلیں وہ دنیا و آخرت میں ڈر اور رنج و غم سے آزاد ہو جاتے ہیں اور جو بد نصیب ہماری آیتوں یعنی حضرات انبیاء کرام کی تعلیمات و معجزات کا انکار کردیتے ہیں انہیں ان کے کفر و بدکاری کی وجہ سے برزخ و قیامت و بعد قیامت میں دائمی عذاب پہنچے گا۔ لہٰذا لوگوں کو پیغمبر کی اطاعت میں کوشش کرنی چاہئے۔ معجزات کے مطالبوں میں وقت برباد نہ کرنا چاہئے خیال رہے کہ سلطنت الہیہ کے بہت سے محکمے ہیں' جن میں سے بعض داخلی میں بعض خارجی مگر ایک محکمہ اصلاحات ہے جو اللہ تعالیٰ کے ملکوں کو آپس میں ملاتا ہے۔

جس سے عالم انوار عالم اجسام سے وابستہ ہو جاتا ہے بلکہ خود رب کا تعلق بندوں سے اور بندوں کا تعلق رب سے قائم ہے اس محکمہ مواصلات کا نام محکمہ نبوت ہے اس محکمہ میں پچھلے انبیاء کرام خاص حلقوں اور خاص وقتوں کے نبی تھے اس لئے بیک وقت بہت سے نبی تشریف فرما ہوتے تھے اور نبیوں کے بعد اور انبیاء کرام تشریف لاتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے دائمی نبی ہیں اس لئے نہ آپ کے زمانہ میں کوئی نبی تھا نہ بعد میں اسی محکمہ مواصلات کا تعلق عالم انوار سے بھی ہوتا ہے اور عالم اجسام سے بھی بلکہ رب تعالیٰ سے بھی ہوتا ہے اور بندوں سے بھی۔ رب سے تعلق ہے لینے کا بندوں سے تعلق ہے دینے کا اس آیت کریمہ میں اسی محکمہ کا ذکر ہے اس کے درجات اس کے فرائض کا تذکرہ ہے۔ چند الفاظ میں یہ ساری باتیں ارشاد فرمادی گئی ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ میں چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کے لئے تبلیغ لازم ہے کوئی نبی ایسا نہیں جس پر تبلیغ نہ ہو۔ ان کے لئے کتاب آسمانی یا صحیفے اور معجزات لازم نہیں یہ فائدہ **الا مبشرین** کے حصر سے حاصل ہوا۔ چنانچہ جو انبیاء کرام دوسرے نبیوں کے وزیر تھے۔ ان کے پاس معجزات ہونا ثابت نہیں۔ حضرت ہارون، حضرت لوط وغیرہم علیہم السلام کے معجزے نہ قرآن کریم سے ثابت ہیں نہ حدیث پاک سے نہ معتبر تواریخ سے دیکھو ولی کے لئے ایمان و تقویٰ ضروری ہے کرامات ضروری نہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے **الذین امنوا وکانوا یتقون**۔ **دوسرا فائدہ:** ہر پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بشارت و نذارت دونوں کرے یعنی اللہ کے ثواب و عذاب کی خبریں دے آئندہ نبی کی بشارت یا گذشتہ نبی کی تفصیلی تصدیق لازم نہیں یہ فائدہ بھی **الا مبشرین** کے حصر سے حاصل ہوا حضرت آدم علیہ السلام کسی نبی کے صدق نہیں تھے کہ آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے مبشر نہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں درمیان کے انبیاء کرام نے اجمالی تصدیق و بشارت ضرور کیں مگر تفصیلی تصدیق و بشارت بعض نے کی بعض نے نہ کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مانگی **ربنا وابعث فیھم رسولا** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت نام لے کر دی **و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**۔ **تیسرا فائدہ:** ہر متقی مسلمان ایک درجہ کا ولی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے جو عظمت حضرات اولیاء اللہ کی بیان کی وہی عظمت ہر مومن صالح کی وہاں فرمایا **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** اور یہاں فرمایا **فمن امن واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ایمان و تقویٰ کے چار درجے ہیں اس لئے ولایت کے بھی چار درجے ہیں دیکھو اس کی تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمان کے ضمیمہ میں جہاں ولایت اور شہادت پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** کافر بے دین یوں ہی فاسق و بدکار مسلمان کبھی ولی نہیں ہو سکتے اگرچہ ہوا میں اڑیں جال بڑے کرشمے دکھائے کا مردے زندہ کرے گا بارشیں برسائے گا مگر ولی نہیں ہو گا یہ فائدہ بھی **فمن امن** سے حاصل ہوا آج عوام دیوانہ مجنون کو مجذوب ہر بھنگی چرسی بے نماز بے روزے کو ولی سمجھتے ہیں سخت غلطی کرتے ہیں ولایت یعنی قرب الٰہی تو چیز اور ہے یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے ملتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** متقی مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ خوف و غم سے آزاد فرماتا ہے وہ خوف و غم جو نقصان دہ ہو یہ فائدہ **ولا خوف علیھم** سے حاصل ہوا یہ آزادی انہیں۔ بفضلہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہوتی ہے مرتے وقت بھی قبر میں بھی حشر میں بھی اسی لئے **لا خوف** بھی جملہ اسمیہ ارشاد ہوا اور **ولا ھم یحزنون** بھی۔ **چھٹا فائدہ:** آخرت کا دائمی عذاب صرف کفار کو ہو گا مومن کتنا ہی گنہگار ہو

اگر خاتمہ ایمان پر نصیب ہو تو اسے ہیشگی کا عذاب نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **والذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: کفار کے فوت شدہ ناسمجھ بچے آخرت کے عذاب سے محفوظ رہیں گے ان کے لئے دوزخ کا عذاب نہیں یہ فائدہ **بما کانوا یفسقون** سے حاصل ہوا کہ یہاں عذاب کی وجہ کفار کا کفر آیات الہیہ کا انکار کو قرار دیا اور ان بچوں سے یہ جرم سرزد نہیں ہوا۔ خیال رہے کہ بغیر نیکیوں کے جنت عطا فرمادینا کرم ہے مگر بغیر جرم دوزخ میں ڈال دینا صورتاً" ظلم ہے اللہ تعالیٰ ظلم اور صورتاً" ظلم دونوں سے پاک ہے اس کے متعلق احادیث مختلف ہیں اس کی بحث ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا حضرات انبیاء کرام تاقیامت آتے رہیں گے کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **وما نرسل المرسلین** ہم رسول نہیں بھیجتے **ما نرسل** دوام و استمرار کے لئے ہے اگر صرف گذشتہ زمانہ ہی میں نبی آئے ہوتے آئندہ آنے والے نہ ہوتے تو فرمایا جاتا **وما ارسلنا المرسلین** (مرزائی)۔ جواب: یہاں حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کا دوام نہیں بتایا جا رہا بلکہ ان حضرات کے متعلق عادت الٰہی کے دوام کا ذکر ہے یعنی ہم ہمیشہ انبیاء کرام کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجتے رہے ہیں اگر ارسال کی ہیشگی مراد ہو تو یہ آیت کریمہ بہت سی آیات کے خلاف ہوگی اور بہت سی احادیث کے مخالف رب تعالیٰ فرماتا ہے **الیوم اکملت لکم دینکم** اور فرماتا ہے **ولکن رسول اللہ وخاتم النبین** اور فرماتا ہے **مصدقا لما معکم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **انا خاتم النبین لا نبی بعدی**۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام صرف بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے آتے ہیں انہیں اور کسی چیز کا اختیار نہیں ہوتا لہٰذا ان سے شفاعت کی امید رکھنا ان سے حاجتیں مانگنا شرک ہے وہ اس کام کے لئے آئے ہی نہیں **الا مبشرین** حصر کے لئے ہے حضرات انبیاء کرام کی شان ایسی ہے۔ جیسے ڈاکیہ یا تار بانٹنے والا کہ وہ خوشی کی خبریں بھی پہنچاتا ہے اور موت و غم کو تار بھی اوس خوشخبری و غم خبری میں اس کا کوئی دخل نہیں یہ تو تار بھیجنے والا جانے دیکھو **ما** نافیہ اور **الا** حصر کے لئے ہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں۔ (وہابی) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں' ایک الزامی دوسرا تحقیقی'

جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اللہ تعالیٰ کے پاس بھی سوا الوہیت اور وحدانیت کے کچھ نہیں دیکھو رب تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے **انما الھکم الہ واحد** یہاں بھی **انما** حصر کے لئے ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صرف دو صفتیں ہیں یعنی معبود اور واحد ہونا یعنی ایک اس کے سوا اس کی کوئی صفت نہیں نعوذ باللہ' جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں اور ان جیسی تمام آیات میں حصر حقیقی نہیں اضافی ہے۔ جس چیز کا کفار مطالبہ کرتے تھے اس کے مقابلہ میں حصر ہے یعنی وہ حضرات معجزات دکھانے اور کفار کے منہ مانگے معجزات ظاہر کرنے نہیں آتے ان کی بعثت کا مقصد صرف بشارت و نذارت ہے' معجزہ تو نبوت ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے' دوسری آیات میں حضرات انبیاء کرام کے اختیارات صراحتہ" مذکور ہیں رب تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے۔ **سخرنا لہ الریح تجری بامرہ** ہم نے ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان کر دی جو آپ کے حکم سے چلتی تھی شفاعت وغیرہ کی بہت آیات میں ہم یہ بحث تیسرے پارہ میں **من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ مومن متقی کو نہ خوف ہو نہ غم حالانکہ حضرات انبیاء اولیاء کو بھی خوف و غم رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا **اننا نخاف ان یفرط علینا او ان**

یعنی خدایا ہم کو فرعون سے ڈر لگتا ہے کہ وہ ہم پر ظلم کرے گا نیز آپ وادی ءمقدسہ میں اپنی لاٹھی کو سانپ بنتے دیکھ کر ڈر گئے یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف ہے نیز قیامت میں سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے انبیاء کرام خوف الٰہی کے سبب مخلوق کی شفاعت کی ہمت نہ کریں گے جیسا کہ احادیث میں ہے لہٰذا یہ آیت ان احادیث کے بھی خلاف ہے۔ جواب: انشاء اللہ اس اعتراض کا مکمل جواب ہم گیارہویں پارہ کی تفسیر میں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم کے بیان میں دیں گے نیز ہم نے اس کے بہت جوابات اپنی کتاب شان حبیب الرحمان میں دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ خوف و ہم بہت سی قسم کے ہوتے ہیں۔ خوف اطاعت 'خوف نفرت' خوف ہیبت وغیرہ ان میں سے بعض خوف انسان کے لئے مضر ہیں 'بعض خوف مفید یہاں نقصان دہ خوف کی نفی ہے 'اللہ کا خوف تو رکن ایمان ہے وہ تو حضرات انبیاء اولیاء کو کامل طور پر حاصل ہوتا ہے قیامت میں حضرات انبیاء کرام کو خوف ہیبت ہوگا' یہاں خوب مضر کی نفی ہے ان آیات یا احادیث میں غیر مضر خوف کا ثبوت ہے لہٰذا یہ آیت ان کے خلاف نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا انہیں عذاب پہنچے گا تو کیا ایک آیت کے منکر کو عذاب نہ ہو گا آیات جمع کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے جیسے ایک نبی کا انکار سارے نبیوں کا انکار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضرات انبیاء کرام گویا رحمت کے بادل ہدایت کے سورج ہوتے ہیں بادل سے بعض زمین صرف گھاس کا سبزہ لیتی ہیں بعض دانہ کا بعض پھل پھول حاصل کرتی ہیں سمندر کی سیپ اس بادل سے موتی لے لیتی ہیں کوئی معمولی چھوٹے موتی کوئی در یتیم بعض منحوس زمینیں کچھ بھی حاصل نہیں کرتیں جیسے زمین شورہ (کلر) سورج سے بعض چیزیں صرف روشنی حاصل کرتی ہیں بعض پھل پھول کی بہار بعض جگہ اس شعاعوں سے لعل و یاقوت بن جاتے ہیں مگر چمگادڑ کو اس سے تکلیف ہی ہوتی ہے اسی طرح ان حضرات سے بعض لوگ صرف ایمان کی دولت حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض ایمان و عرفان کی بعض ولایت و قطبیت غوثیت کی دولت کما لیتے ہیں مگر بد نصیب اور زیادہ کفر و ضلال کماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی
نہیں اس کے جلوہ میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے

یہاں پہلی آیت میں ان خوش نصیبوں کا ذکر ہے جو ان حضرات کی اطاعت کر کے خوف و غم سے آزاد و جنت میں آباد ہو گئے اور دوسری آیت میں ان بدبختوں کا ذکر ہے جو ان حضرات کی مخالفت کر کے اور زیادہ برباد ہو گئے مگر خیال رہے کہ یہ آبادی و بربادی خاتمہ پر موقوف ہے۔ روح البیان نے یہاں عجیب عجیب باتیں بیان فرمائیں فرمایا اے انسان جب تک کہ پل صراط سے بخیریت نہ گزر جائے تب تک مطمئن نہ ہو انسان ہمیشہ توبہ کرتا رہے زندگی کے دن غنیمت جان جو ہو سکے کر لے۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بسے شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی
کارواں رفت و تو در خواب و بیاباں درپیش کے روی رہ نہ کہ پرسی چہ کنی چوں باشی

یہ دونوں آیتیں رغبت و خوف کی اعلیٰ درجہ کی ہیں 'صوفیاء کی اصطلاح میں ایمان کا نام ہے فنا کہ انسان فنا فی الرسول ہو کر باقی باللہ ہو جائے اصلاح کی حقیقت ہے اعمال میں لذت قبول پیدا کرنا اور لذت ہمیشہ نسبت سے پیدا ہوتی ہے بے نسبت ولا عمل

بے نمک والا کھانا ہے دیکھو چاند ایک ہے مگر جب اسے رمضان سے نسبت ہو جائے تو اسی چاند کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور جب اسے بقرعید سے نسبت ہو تو اس میں لطف ہی اور ہوتا ہے یوں ہی قرآن نماز روزہ وغیرہ ایک ہی چیز ہیں مگر ان کی جیسی نسبت ویسی ان میں لذت و لطف حضور غوث پاک کی زبان سے ادا کیا ہوا قرآن و نماز و حج وغیرہ میں بہار ہی کچھ اور ہے لنذ المن کے معنی یہ ہیں

خود کو ایسا مٹا کہ تو نہ رہے تجھ میں اپنی خودی کہ بو نہ رہے

اور اصلح کے معنی ہیں اپنے اعمال میں نسبت پیدا کرے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبوت ایک نورانی بجلی کا کرنٹ یا پاور ہے جسے یہ تاری پاور روشنی' سردی' گرمی' مشین چلانا وغیرہ ہر قسم کے کام دیتا ہے کہ بلب سے لگا دو روشنی ملے گی' ہیٹر سے وابستہ کر دو گرمی دے گا' فرج سے لگا دو سردی دے گا مگر جو اس پر ہاتھ ڈال دے وہ ہلاک ہو جاتا ہے خواہ امیر بادشاہ ہاتھ ڈالے یا فقیر گدا ایسے ہی نبوت کا نوری پاور ایسا مبارک ہے کہ کافر اس سے وابستہ ہوا اسے ایمان ملتا ہے مومن وابستہ ہو تقویٰ پاتا ہے متقی وابستہ ہو جائے عرفان پاتا ہے۔ عارف وابستہ ہو وہ وصل یار پاتا ہے۔ ایمان عرفان ایقان بلکہ خود رحمان اسی کے ذریعہ ملتا ہے فرماتا ہے **لوجدوا اللہ توابا رحیما** اور فرماتا ہے **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب** مگر جو نبوت پر ہاتھ ڈالے نبی کی عزت و عظمت کو ہاتھ لگائے وہ ایمان تقویٰ سے سب کچھ کھو بیٹھتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے فرعون' نمرود' قارون کا حال ہمارے سامنے ہے رب فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** اس آیت میں غور کرو ایمان لانے والے دونوں جہان میں خوف و غم سے آزاد ہو گئے۔ جھٹلانے والے عذاب میں گرفتار ہوئے دریا کا مقابلہ نہ کرو تباہ ہو جاؤ گے اس سے نہریں آبپاشی کا کام لو ہزارہا فائدے اٹھاؤ گے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ
فرما دو نہیں کہتا ہوں میں واسطے تمہارے کہ پاس میرے خزانے ہیں اللہ کے اور نہ یہ کہ جانتا ہوں میں
تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم
اِنِّیْ مَلَكٌۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُؕ
غیب کو اور نہیں کہتا ہوں میں واسطے تمہارے کہ بیشک میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا ہوں میں مگر اسکی جو
سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اس کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے
اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠ (۵۰) ع
وحی کی جاتی ہے طرف میرے فرماؤ کیا برابر ہیں اندھے اور دیکھنے والے تو بس کیوں غور نہیں کرتے تم
اندھے اور انکھیارے تو کیا تم غور نہیں کرتے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: یہ آیت کریمہ پچھلی آیات گویا تتمہ ہے کہ پچھلی آیات میں نبی کا منصب بیان فرمایا گیا اور نبوت کے مقصد کا ذکر ہوا بشارتیں دینا ڈرانا اور بندوں کو اللہ کی طرف بلانا اب اس قانون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیا جارہا ہے کہ ہم نبوت کے مدعی ہیں لہٰذا ہمارا منصب صرف معجزات دکھانا غیب کی خبریں دینا لوگوں کو مالا مال کر دینا نہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نبی کی ذات سے لوگوں کا اخروی نفع و نقصان وابستہ ہے کہ ان کی اتباع سے خوف و غم سے آزادی ہے ان کی مخالفت سے دوزخ کی آگ کا استحقاق اب فرمایا جارہا ہے کہ ان حضرات سے محض دنیاوی نفع وابستہ نہیں کہ انہیں ماننے والے امیر ہو جائیں۔ منکرین فقیر بن جائیں گویا ان کی ایک شان کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسری شان کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں کفار کے ایک اعتراض کا ذکر تھا کہ **لولا نزل علیه ایات من ربه** ہمارے منہ مانگے معجزات ان پر کیوں نہیں اترتے اس اعتراض کا ایک جواب وہاں ہی دے دیا گیا۔ دوسرا جواب اب دیا جارہا ہے۔ بہرحال یہ آیت کریمہ گذشتہ آیات سے بے تعلق نہیں (تفسیر کبیر)۔

شان نزول : کفار عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مطالبے کیا کرتے تھے ایک یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم کو مالا مال کر دیں کہ ہمارے علاقہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیجئے۔ دوسرے یہ کہ ہمیں غیبی خبریں دیجئے۔ چیزوں کے بھاؤ بتائیے کہ آئندہ کون سی چیزیں سستی ہوں گی کونسی مہنگی تاکہ ہم پہلے سے ہی تجارتی کاروبار کا انتظام کرلیں۔ تیسرے یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ کھاتے پیتے نکاح کیوں کرتے ہیں نبی کو دنیا سے کیا تعلق وہ تو تارک الدنیا ہونے چاہیں ان واہیات مطالبوں کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان اعتراضات کا نہایت نفیس جواب ارشاد ہوا۔ (تفسیر کبیر، خزائن و خازن وغیرہ)

تفسیر : **قل لا اقول لكم** جن آیات قرآنیہ میں قل ہوتا ہے اس کے چند مقصد ہوتے ہیں، کبھی یہ کہ آپ یہ بات مخلوق سے کہیں اور آپ سے سن کر مخلوق بھی یہ کہے تاکہ مخلوق کا بھلا ہو جائے۔ جیسے **قل هوا الله احد** کہ آپ لوگوں سے ہماری صفات کا بیان کریں لوگ آپ کی معرفت ہم کو جانیں تو مومن ہوں گے اگر آپ کو چھوڑ کر ہم کو جانیں مانیں موحد بن جائیں گے مومن نہ بنیں گے۔ کبھی یہ کہ کلام ہمارا ہو زبان تمہاری ہو تاکہ کلام اور زبان دونوں کے اجتماع سے یہ فیض جاری ہو جیسے **قل اعوذ برب الفلق** کہ ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جادو دفع کرنے کی دعا بتائی گئی ساتھ ہی قل ارشاد ہوا کہ تمہاری زبان سے یہ دعا ادا ہو تو یہ تاثیر ہوگی یا جسے تم اجازت دو بغیر تمہارے وسیلہ کے اس دعا میں یہ تاثیر نہ ہوگی کارتوس جب ہی اثر کرتا ہے جب اچھی طرح رائفل سے استعمال ہو، تیسرے یہ کہ یہ بات صرف تم فرماؤ کسی اور کو یہ کہنے کی اجازت نہ گی یہ کلام صرف تمہاری زبان کے لئے بنا ہے اور صرف تمہاری زبان اس کلام کے لئے جیسے **قل انما انا بشر مثلكم** بشر اور مثل کہنا صرف تمہارے لئے تواضعاً درست ہے نہ ہم تم کو بشر کہہ کر پکاریں گے نہ کسی کو اس کی اجازت دیں گے **لا تجعلوا دعاء الرسول** الخ یہاں لفظ قل اسی تیسرے مقصد کے لئے ارشاد ہوا کہ تم واضع انکسار کے لئے یہ فرماؤ کسی اور کو یہ حق نہیں کہ آپ کے متعلق کہتا پھرے کہ ان کے پاس کچھ نہیں وہ کچھ نہیں جانتے چنانچہ تفسیر خازن، خزائن کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی تواضع و انکسار کے لئے ہے یہاں لا داخل ہوا ہے **اقوال** پر جس سے قول کی نفی ہوئی نہ کہ مقولہ یعنی کہی ہوئی بات کی یعنی میں ان چیزوں کا دعویٰ نہیں کرتا کہتا نہیں ان چیزوں کے ہونے نہ ہونے کا یہاں ذکر نہیں لکم میں خطاب کفار سے ہے جو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبے کیا کرتے تھے مسلمانوں سے خطاب نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے تو فرمایا ہے **اوتیت مفاتیح خزائن الارض** مجھے زمینی خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **انا اعطینٰک الکوثر** لہٰذا یہ آیت اس حدیث اور قرآنی آیت کے خلاف نہیں یعنی اے محبوب ان کفار سے فرمادو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ **عندی خزائن اللہ**۔ یہ عبارت **اقول** کا مقولہ ہے عند قرب مکانی کے لئے ہے **عندی** کے معنی ہوئے میرے ہاتھ میں میرے پاس خیال رہے کہ خزانہ کا مالک ہونا اور ہے اور خزانہ اپنے پاس اپنے قبضہ میں ہونا کچھ اور بادشاہ اپنے خزانہ کا مالک ہے مگر خزانہ اس کی چابیاں اپنے گھر اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا اور خزانچی کے پاس خزانہ ہوتا ہے وہ خزانہ میں رہتا ہے چابیاں اپنے پاس رکھتا ہے مگر اس کا مالک نہیں ہوتا غرضیکہ خزانہ مالک کی زبان و قلم میں ہوتا ہے۔ خزانچی کے قبضہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ تملیک الٰہی خزائن الٰہیہ کے مالک ہیں' اگرچہ اپنے پاس نہ رکھیں' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں　　　دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اس ملکیت کا ظہور حضرات صحابہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ قیامت تک دیکھا جائے گا حضرت ابو طلحہ کو اولاد کی دعا دے دی تو ان کا گھر اولاد سے بھر گیا ان کی وفات کے وقت ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سو سے زیادہ تھی۔ جمیل کو ایک بکری عطا فرمادی تو وہ دولت کی چابی ثابت ہوئی۔ بحالت ہجرت سراقہ کو شاہ فارس کے کنگن عطا فرمادیئے جو عہد فاروقی میں انہیں دیئے گئے۔ اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے محکمہ قائم ہیں ہر محکمہ میں نوکر چاکر کام کر رہے ہیں سب کو تنخواہیں مل رہی ہیں' علماء' اولیاء' صوفیاء' اس آستانہ عالیہ سے پل رہے ہیں اور تاقیامت پلتے رہیں گے یہ محکمے قائم رہیں گے' اعلیٰ حضرت کا یہ شعر اس جملہ کی تفسیر ہے' خزائن جمع ہے خزانتہ یا خزینہ کی خزانہ ظرف مکان ہے۔ خزن کا معنی حفاظت خزانہ وہ جگہ جہاں چیز کی حفاظت کی جائے (روح البیان' معانی' کبیر وغیرہ) خزینہ بمعنی مخزونہ ہے یعنی محفوظ کی ہوئی چیز یہاں دونوں معنی نہیں بن سکتے اللہ کی مخزون چیزیں وہ ہیں جو اس کی قدرت میں داخل ہیں۔ جن کے پیدا کرنے پر وہ قادر ہے' خواہ اس نے پیدا کی ہوں یا نہ کی ہوں (روح البیان وغیرہ) یہ کفار کے پہلے مطالبہ کا جواب ہے کہ وہ کہتے تھے اگر آپ سچے نبی ہیں تو عرب کے پہاڑ سونے کے بنادیجئے کہ ہم غنی ہو جائیں **ولا اعلم الغیب** یہ عبارت معطوف ہے **عندی خزائن اللہ** پر لہٰذا یہ بھی **لا اقول** کا معمول ہے یا لا کے بعد **اقول** پوشیدہ ہے (تفسیر ابن کبیر و معانی خازن' بیان' مدارک' بیضاوی وغیرہ) لہٰذا یہاں بھی علم غیب کے دعوے کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی لہٰذا یہ آیت کریمہ نہ تو آیت **وعلمک مالم تکن تعلم** کے خلاف ہے نہ اس کے **فلا یظہر علی غیبہ احد الا من ارتضی من الرسول** وغیرہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی کے خلاف **اتمت علم الاولین والاخرین** نہ اس کے خلاف کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دن بھر وعظ فرمایا اور اول خلق سے قیامت تک کے واقعات کی من وعن خبر دے دی (بخاری شریف و مسلم وغیرہ) حتی کہ تاقیامت جو پرندہ پر مارے گا جو قطرہ یا ذرہ حرکت کرے گا اس کی خبر بھی دے دی (کتب احادیث) یا علم سے مراد ہے علم ذاتی بطور خود جاننا بغیر عطاء الٰہی یا علم سے مراد ہے دلائل اور علامتوں و قرینوں سے جان لینا علم بالوحی علم بہ تعلیم الٰہی کی نفی نہیں جب بھی یہ جملہ واضح ہے غیب کے معنی غیب کی قسمیں غیب اور غائب میں فرق اور علم غیب علم بالغیب میں فرق یہ سب کچھ سورۂ بقر کے اول میں **یومنون بالغیب** کی تفسیر میں عرض کیا جا چکا ہے' بعض غیب وہ ہیں جن کے جاننے ماننے پر ایمان موقوف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' فرشتے' قیامت' جنت دوزخ وغیرہ

کہ یہ سب چیزیں غیب ہیں مگر انہیں جان کر مان کر ہم مومن بنتے ہیں۔ بعض غیب وہ ہیں جو حضرات اولیاء کو بھی عطا ہوتے ہیں، بعض غیب وہ جو حضرات انبیاء کرام کو عطا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے کوئی چھپایا نہ گیا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔ اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

ڈاکٹر اقبال نے کہا۔ اے فروغت صبح آثار و دھور چشم تو بینندہ مافی الصدور

ولا اقول لکم انی ملک یہ عبارت پہلے **لااقوال** پر معطوف ہے چونکہ فرشتہ ہونا وہ چیز ہے جس کا دعویٰ بھی نہیں اور واقعہ بھی نہیں یعنی نہ تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں نہ واقع میں آپ فرشتہ ہیں اس لئے یہاں **لااقوال** علیحدہ ارشاد ہوا۔

نکتہ: اس آیت کریمہ میں مقولہ (باتیں) تین ہیں مگر اقول دو ہیں پہلے **لا اقول** کے ساتھ خزانہ الٰہی پاس ہونے اور علم غیب کا ذکر ہے۔ دوسرے **لا اقول** کے ساتھ فرشتہ ہونے کا ذکر کیونکہ پہلی دو چیزیں وہ ہیں جہاں دعویٰ نہیں مگر واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم بہ تملیک الٰہی خزانہ الٰہیہ کے مالک بھی ہیں اور بہ تعلیم الٰہی علوم غیبیہ کے عالم بھی ہیں مگر ان دونوں کے مدعی نہیں وہ بھی کفار کے روبرو اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم نہ فرشتہ ہیں نہ فرشتہ ہونے کے مدعی اس لئے اس کے واسطے علیحدہ **لا اقول** ارشاد ہوا۔ **ملک** کے معنی اور اس کی قسمیں اس کے درجات اعمال سب کچھ پہلے پارہ میں **واذ قال ربک للملئکۃ** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ یہاں جنس فرشتہ ہونے کی نفی ہے رہے فرشتوں کے صفات معصومیت، نورانیت، قرب الٰہی وغیرہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو ایسے عطا ہوئے کہ تمام فرشتوں سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم افضل و اعلیٰ ہیں لہٰذا یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ **ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم**۔ رب تعالیٰ نے مصری عورتوں کا یہ قول بغیر تردید نقل فرمایا۔ جس میں کہا گیا کہ یوسف علیہ السلام بشر نہیں۔ فرشتہ ہیں یعنی بشری نقصانات سے پاک ہیں فرشتہ کی صفات سے موصوف ہیں وہاں صفات کا ثبوت ہے۔ یہاں جنس فرشتہ ہونے کی نفی ہے۔ دونوں آیتیں برحق ہیں ان حضرات پر کبھی بشریت کا ظہور ہوتا ہے کبھی ملکیت کی جلوہ گری۔ عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار برس سے اس جگہ ہیں۔ جہاں کھانا پینا ہوا وغیرہ کچھ نہیں مگر زندہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ و سلم معراج میں وہاں تشریف لے گئے جہاں کھانا پینا ہوا تو کیا مکان مکین زمان و زمین بھی نہ تھا یہ ہے ان بزرگوں کی ملکیت، اصحاب کہف ہزاروں سال سے بغیر کھائے پیئے زندہ ہیں یہ ہے ان مقبولوں کی ملکیت بہرحال وہ حضرات صورتاً "بشر ہیں۔ سیرتاً" ملک سے افضل یہاں صورت کا ذکر ہے اور **قد جاء کم من اللہ نور** ہیں۔ سیرت پاک حقیقت محمدیہ کا جلوہ دکھایا گیا ہے **ان اتبع الا ما یوحی الی**۔ اس عبارت نے پچھلے مضمون کو بالکل ظاہر کر دیا یعنی میں ان چیزوں کا مدعی نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پاس یہ چیزیں ہیں بھی نہیں یہ عطاء الٰہی خزانہ الٰہیہ علوم غیبیہ سب کچھ ہیں مگر میں تم کو وہ ہی دوں گا اور تمہیں وہی بتاؤں گا۔ جس کے بتانے یا دینے کی مجھے بذریعہ وحی اجازت دی جاوے گی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک مجلس میں حضرات صحابہ کو قیامت تک کے سارے حالات بتادیئے رب فرماتا ہے۔ **ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون** اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے لوگوں کو غنی فرما دیا۔ رب فرماتا ہے **اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ** انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اور فرماتا ہے **ووجدک عائلا فاغنی**

ہم نے تم کو اے محبوب بڑا عیال والا پایا کہ تمہارے در سے پلنے والے اربوں سنکھوں ہیں تو تم کو غنی کر دیا ایسا غنی کر دیا کہ تم ایسے لاکھوں جہانوں کو پال لو عائل عیلہ بمعنی فقیری سے نہیں بلکہ عول بمعنی پرورش سے ہے دیکھو بخاری شریف کتاب التفسیر سورۃ والضحیٰ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

ہاتھ جس سمت اٹھے غنی کر دیا ان کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا اس نگاہ عنایت پر لاکھوں سلام

اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ کبھی شیطان کی اتباع کرتے ہو کبھی نفس لمارہ کی کبھی حکم الٰہی کی مگر مخلوق الٰہی میں ایک میں ہوں کو سر سے قدم تک اتباع وحی کا پیکر ہوں میں صرف وحی الٰہی کی اتباع ہی کرتا ہوں میرا بولنا خاموش رہنا کھانا پینا سونا جاگنا غرضیکہ ہر ادا وحی الٰہی ہے **وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی** ادھر رب کی وحی ہوتی ہے ادھر میری جنبش و حرکت یا سکون ہوتا ہے جیسے آئینہ کا عکس آئینہ دار کی شکل و صورت لباس حرکت و سکون کی حکایت ہوتی ہے رب پردہ غیب میں ہے مجھے اس نے اپنا مظہر بنایا ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی چار قسم کی ہے بذریعہ فرشتہ الفاظ کی وحی تبلیغ کے لئے یہ ہے۔ قرآن جس کے نزول کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سال کی عمر شریف سے ہوئی اور وفات سے کچھ پہلے تک رہی۔ 23 سال دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابیں۔ تیسرے معراج میں بغیر واسطہ فرشتہ' چوتھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے خیالات وارادے بلکہ ہر حرکت و سکون حتیٰ کہ حضرات صحابہ کی خوابیں جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرمادیں وحی کی ایک قسم ہے جیسے نماز کی اذان غرضیکہ ہمارے خیالات یا الہام ہوتے ہیں یا وہم وسوسہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات ارادات سب وحی الٰہی ہیں۔ اس لئے نزول قرآن سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ہر حکم پر عامل تھے۔ **اللهم صل وسلم و بارک علی حبیبک محمد مالک الکون والمکان صاحب الجود والعطاء فی کل حین وان وعلی اله واصحابه الکرام۔ قل هل یستوی الاعمی والبصیر** اس عبارت میں گزشتہ سارے مضمون کا خلاصہ بیان فرمایا گیا۔ **هل** میں استفہام انکاری ہے **اعمی** سے مراد دل کے اندھے یعنی کافر ہیں جن کی نظر نبی کے صرف ظاہر پر ہے جو کہتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں وہ بالکل بے خبر ہیں اس لئے ایسے واہیات مطالبے کرتے ہیں۔ اور **بصیر** سے مراد دل کی بصارت رکھنے والے مومنین ہیں جو جانتے مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم اور نظر میں سب کچھ ہے اور کہتے ہیں۔

خدا مطلع ساخت برجملہ غیب! علی کل شئی خبیر آمدی!!

ابن مالک کو زد بشارت زدا! اے مرے غیب داں ترے صدقے

یعنی فرمادو محبوب کہ کیا دل کے اندھے کافر اور دل کے انکھیارے مومن برابر ہیں ہرگز نہیں **افلا تتفکرون** یہاں سوال ترغیب کے لئے ہے فکر کے معنی ہیں سوچنا غور کرنا یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات میں غور کرنا مراد ہے کیونکہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صفات کا ذکر ہے نیز اس آیت کا نزول بھی کفار کے ان مطالبوں کے جواب میں ہے جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات سے تھا تم میری ذات و صفات میں غور کیوں نہیں کرتے تاکہ تمہیں ایمان نصیب ہو جائے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ میں کفار عرب کے تین مطالبوں کا نہایت نفیس جواب دیا گیا ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو عرب کے پہاڑ سونے کے بنادیں یہاں کی بنجر زمین کو قابل کاشت بنادیں یہاں پانی کی نہریں دریا جاری فرمادیں۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپ ہم کو منڈیوں کے آئندہ بھاؤ بتادیا کریں کہ فلاں چیز سستی ہونے والی ہے۔ فلاں چیز مہنگی تا کہ ہم اس کے مطابق تجارت کر کے خوب نفع کمایا کریں۔ تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو کھاتے پیتے شادی بیاہ کیوں کرتے ہیں۔ بچے کیوں پرورش کرتے ہیں یہ کام نبوت کی شان کے خلاف ہیں نبی کو دنیاداری سے کیا تعلق نبی تارک الدنیا چاہئے اس آیت کریمہ میں ان تین مطالبوں کے نہایت نفیس جواب دیئے گئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب ان کے جواب میں بطور تواضع آپ یہ فرمادیں یہ باتیں اپنے متعلق صرف آپ کی زبان سے سجتی ہیں کہ ہم نے نہ تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہمارے پاس اللہ کے خزانے ہیں آؤ لے جاؤ اور نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم غیب جانتے ہیں نہ ہمارا کام منڈیوں کے آئندہ بھاؤ بتاتے رہنا اور لوگوں کو امیر بناتے رہنا ہے نہ ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم فرشتہ کی جنس سے ہیں کہ نہ ہم کو کھانے پینے کی حاجت ہے نہ ہم شادی بیاہ کریں نہ بچوں کی پرورش ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سچے نبی ہیں نبی کا کام اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے اور اللہ کے احکام کی تبلیغ فرمانا ہم سے اس کے متعلق مطالبے کرو ہم اللہ کی وحی کے تابع ہیں جسے جو دیتے ہیں تو رب کے حکم ہے اور جسے جو بتاتے ہیں وہ رب تعالیٰ کے اذن سے فرمادو کہ تم دل کے اندھے ہو کہ نبی کا مرتبہ نہیں جانتے اس کا مقام نہیں پہچانتے مومن بصیرت والے دل کے انکھیارے ہیں اندھے انکھیارے برابر نہیں لہٰذا کافر مومن برابر نہیں تم ہماری ذات و صفات میں غور کیوں نہیں کرتے تا کہ تم ہماری شان ہمارا مقام جانو پہچانو یہ غور و فکر تمہیں ہدایت دے گا۔ خیال رہے کہ آیات قرآنیہ مضمون کے لحاظ سے تین قسم کی ہیں۔ بعض آیات بالکل صاف ہیں اور واضح مطلب والی جیسے **قل هو الله احد** انہیں کہتے ہیں محکمات، بعض آیات گہرے مطلب والی جنہیں علماء ہی سمجھا سکتے ہیں یا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمائیں جیسے **اقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة** اگر صلوٰۃ و زکوٰۃ کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سمجھاتے تو کوئی نہ سمجھ سکتا انہیں کہتے ہیں آیات مشکلات بعض مغلق مطلب والی آیتیں جن کا مضمون ناقابل فہم ہے انہیں کہتے ہیں آیات متشابہات یہ اللہ رسول کے درمیان راز و نیاز ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **منه ايت محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات** آیتیں پھر دو قسم کی ہیں۔ مقطعات جن کے معنی ہی سمجھ میں نہ آویں جیسے **الم** وغیرہ دوسری آیات صفات جن کے معنی تو سمجھ آویں مطلب سمجھ سے وراء ہو جیسے **فثم وجه الله** یا جیسے **يد الله فوق ايديهم** یہ آیت کریمہ آیات مشکلات سے ہے جسے علماء غور کر کے سمجھائیں گے اس آیت کی تین تفسیریں ہیں ایک تفسیر جاہلانہ دوسری تفسیر عالمانہ، تیسری تفسیر عاشقانہ، تفسیر عالمانہ تو ہم نے عرض کر دی۔ تفسیر جاہلانہ اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔ تفسیر عاشقانہ انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جاوے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو اپنے متعلق بتانا یا اپنا جمال لوگوں کو دکھانا اپنا فیض عطا فرمانا مختلف ہے جیسا دیکھنے والا، سمجھنے والا ویسا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق اسے بتایا سمجھایا اور دکھایا کسی سے فرمایا **انما انا بشر مثلكم** کسی سے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں کسی سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برہان ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ ہیں مگر مخاطب کی فہم کے مطابق بتاتے ہیں دکھاتے ہیں **ان اتبع الا ما يوحى الى** اپنے بتانے دکھانے میں [illegible] کی پیروی [illegible]

صدیق سے محبوب چھپائے نہیں جاتے   بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے!

غرضیکہ حسن ایک ہے جلوے مختلف ہیں سورج کا جلوہ طلوع کے وقت اور ہے دوپہری میں اور۔ صاف آسمان ہو تو جلوہ اور ہے بادل میں اور حسن یوسفی ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کی نظر میں اور تھا دوسروں کی نظر میں کچھ اور لائق عالم بچے کو الف ب پڑھاتا ہے محنتی طالب علم کو دقیق مسائل بتاتا ہے اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے مگر سیکھنے والے کی عقل و سمجھ کے مطابق تعلیم دیتا ہے اس آیت کریمہ میں اجنبیوں سے خطاب ہے۔ جو ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس نہ تھے اسی لئے فرمایا گیا کہ اندھے اور آنکھ والے برابر نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تواضع اور انکسار کے الفاظ بولنا ہمارے واسطے جائز نہیں یہ الفاظ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما سکتے ہیں انہی کی زبان ان الفاظ کے لئے بھی ہے یہ فائدہ قل فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا **وهو خادعهم** اور فرمایا **و مكر الله** ہم اللہ تعالیٰ کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے جو اسے مکار یا خادع کہے وہ کافر ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا۔ **انی كنت من الظالمين** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **فعلتها اذا وانا من الضالين** حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **ربنا ظلمنا انفسنا** ۔ لیکن اگر ہم ان حضرات کو ظالم یا ضال کہیں کافر ہو جاویں۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا عالی ظرف بنایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سب کچھ اور تمام خوبیوں کے مالک مگر ضبط کا یہ عالم ہے کہ ان چیزوں پر فخر نہیں کرتے ان کا دعویٰ نہیں مولانا فرماتے ہیں۔

بر دہانش قفل و در دل راز ہا!   بند لبہا دل پر از آواز ہا!

قیمتی خزانہ پر مضبوط قفل ہوتا ہے یہ فائدہ **لا اقول** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: اسرار ہمیشہ اغیار پر ظاہر نہیں کئے جاتے جن سے پیار ہو انہیں کو بتائے جاتے ہیں یہ فائدہ **لكم** سے حاصل ہوا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے یہ فرمایا جو یہاں مذکور ہے مسلمانوں سے اپنے رازدانوں سے فرمایا کہ ہم کو زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئیں اور فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو سونے کے پہاڑ ہمارے ساتھ چلیں دیکھو کفار کے مطالبہ پر زمین سے پانی کے چشمے نہ بہائے مگر مسلمانوں کی عرض پر انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے چاند توڑ کر جوڑ دیا ڈوبا ہوا سورج واپس بلا لیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۔عطائے الٰہی اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں جو جسے چاہیں باذن پروردگار عطا فرمادیں یہ فائدہ **لا اقول لكم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ خزانہ الٰہیہ کی ملکیت کی نفی نہیں فرمائی ملکیت کے دعویٰ کی نفی کی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انا اعطينك الكوثر** سیدنا عبداللہ ابن عباس نے کوثر کے معنی فرمائے خیر کثیر کسی نے پوچھا کہ لوگ کوثر کے معنی کرتے ہیں حوض کوثر فرمایا وہ بھی خیر کثیر میں داخل ہے۔ (بخاری شریف کتاب التفسیر) اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ایک جگہ کوثر کے معنی کئے عالم کثرت یعنی ہر ما سوی اللہ فرماتے ہیں۔

انا اعطينك الكوثر   ساری کثرت پاتے یہ ہیں

اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے جنت مانگی جو عطا فرمائی گئی دین و دنیا کی نعمتیں مانگیں اور منہ مانگی مرادیں پائیں اس کی تفصیل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیوب پر مطلع کئے گئے یہ فائدہ **لا اعلم الغیب** سے حاصل ہوا کہ یہاں بھی علم غیب کے دعویٰ کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی بلکہ نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا یا خبر رکھنے والا کونسی خبریں غیب کی خبریں اگر شہادت کی خبر مراد ہو تو سارے اخبار اور بی بی سی کا محکمہ بھی نبی ہو جاوے گا نعوذ باللہ نبوت کے لئے علم غیب لازم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا حضرات صحابہ کو غیبی چیزوں پر مطلع کیا دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر احسان ہے کہ حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جنس انسانی میں پیدا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں یا جنات کی جنس سے نہیں یہ فائدہ **لا اقول لکم انی ملک** سے حاصل ہوا۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے — بے نور تھا خرد کا ستارا تیرے بغیر

اقبال تیری دید بھی اب عید ہو گئی — میں نے سنا ہے یار لباس بشر میں ہے

ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن مجید کی ہی وحی نہیں ہوئی بلکہ اور بہت چیزوں کی وحی ہوئی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل ہر حرکت ہر سکون وحی الٰہی سے ہے یہ فائدہ **ان اتبع الا ما یوحی الی** سے حاصل ہوا۔ یہاں یہ نہ فرمایا **ان اتبع الا القران** حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات بھی وحی الٰہی میں قرآن کریم فرماتا ہے **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**۔ آٹھواں فائدہ: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جانے نہ مانے وہ اندھا ہے۔ اگرچہ سر کی آنکھیں رکھتا ہو جو انہیں جانے مانے پہچانے وہ انکھیارا ہے اگرچہ بظاہر نابینا ہو دیکھو یہاں آنکھ والے کافروں کو اندھا فرمایا گیا اور حضرات صحابہ کو بصیر یعنی آنکھ والا اگرچہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم صحابی نابینا تھے۔ مگر دل کے بینا تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کیا ہی خوب فرمایا۔

وہ ہے آنکھ ان کا جو منہ تکے وہ ہے لب جو محو ہوں نعت کے

وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ان پہ نثار ہے

نواں فائدہ: مومن کافر یوں ہی متقی فاسق یوں ہی جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے یہ فائدہ **ھل یستوی** الخ سے حاصل ہوا تو نبی اور امتی کیسے برابر ہو سکتے ہیں دینے والا سورج وبادل اور لینے والی زمین برابر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینے والے داتا ہم سب بھیک لینے والے سائل ہیں پھر برابری کیسی۔ دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں غور و فکر کرنا مومن کا کام ہے اور عبادت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غور نہ کرنا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ **افلا تتفکرون** سے حاصل ہوا اور دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ** دعا ہے کہ جو سانسیں باقی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے فضائل سوچتے ان کی شان بیان کرنے میں گزار دے ساری عبادات مرتے ہی ختم ہو جائیں گی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا انشاء اللہ قبر میں بھی ہوں گی اور حشر میں بھی بلکہ حشر کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے اظہار سے ہو گا اور حشر کا سارا دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی میں صرف ہو گا ورنہ خلقت کا حساب و کتاب و فیصلہ تو چند گھنٹوں میں ہو جاوے گا۔ **ان اللہ سریع الحساب**۔ گیارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان

اور احکام اسی وقت لائق اطاعت اور قابل اتباع ہوتے ہیں جب وہ وحی بن کر نبی پر نازل ہو جاویں خواہ وحی جلی ہو یا وحی خفی یہ فائدہ **ان اتبع الا ما یوحی الی** سے حاصل ہوا بغیر وحی اور بغیر واسطہ نبی کسی محکم پر عمل نہیں ہو سکتا دیکھو بارہا جماعت صحابہ کے سامنے حضرت جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر خود حضرات صحابہ سے نہیں کہہ دیا کہ میں جبریل ہوں یہ حکم لایا ہوں تم لوگ عمل کرو بلکہ سائل بن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جواب صحابہ کرام کو سنوایا نبی اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات احکام اترنے سے برسوں پہلے ان پر عمل کیا اور کرایا یہ وحی خفی تھی آپ بچپن شریف سے امین' عادل' متقی' عارف تھے۔ چھ سات سال پہلے نماز کا حکم آیا بعد میں حکم وضو کی آیت سورۂ مائدہ میں آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے نماز پڑھتے پڑھواتے رہے۔ **بارھواں فائدہ:** قرآن کریم اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف باتیں ارشاد ہوئی ہیں کہیں بشر کہیں نور کہیں برہان کہیں یہ کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں کہیں یہ کہ مجھے زمینی خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ یہ مختلف باتیں مختلف سننے والوں کے لحاظ سے ہیں۔ مبتدیوں سے گفتگو اور ہے۔ منتہیوں سے گفتگو اور جیسا عقل و آنکھ والا ویسا اس سے خطاب حقیقت محمدیہ بجز پروردگار کسی نے کماحقہ' نہ جانی یہ فائدہ **هل يستوى الا عمى والبصير** سے حاصل ہوا کسی نے کیا خوب کہا۔

رخ تو بے پردہ تھا لیکن حسن بے پردہ نہ تھا ۔۔۔ جز خدا بندوں نے حسن مصطفیٰ دیکھا نہ تھا
حسن یوسف سے کہیں بڑھ کر تھا حسن مصطفیٰ ۔۔۔ بات یہ تھی اس کا کوئی دیکھنے والا نہ تھا

جمال یوسفی مصر میں پہچانا گیا جمال محمدی قبر و حشر میں پہچانا جائے گا کہ کفار بھی کف افسوس ملیں گے **یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا۔**

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے مالک و مختار نہیں جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک مانے وہ اس آیت کریمہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں دیئے گئے ایک یہ کہ یہاں ان دونوں کے دعویٰ کی نفی ہے نہ کہ ان دونوں چیزوں کی فرمایا گیا **لا اقول** ورنہ **اقول** بے کار ہو گا۔ دوسرے یہ کہ یہاں کفار سے کہنے کی نفی ہے نہ کہ مسلمانوں سے کہنے کی اسی لئے **لکم** ارشاد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے زمینی خزانوں کی چابیاں دی گئیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو کوثر دے دیا۔ فرمایا کہ انہیں اللہ و رسول نے غنی کر دیا فرمایا کہ رب نے آپ کو غنی کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ یہاں خزانے پاس ہونے کی نفی ہے نہ کہ ملکیت کی اسی لئے **عندی** فرمایا **لا املک یا تی** نہ فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہاں خزائن اللہ کی نفی ہے نہ کہ خزائن دنیا کی خزائن اللہ سے تکوینی چیزوں پر قدرت مراد ہے۔ (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ)۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے اب اس آیت کے ہوتے ہوئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا دعویٰ کرے وہ نرا مشرک ہے دوسری جگہ رب تعالیٰ نے فرمایا **قل لا یعلم من فی السموت والا رض الغیب الا اللہ** آسمان و زمین میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک الزامی باقی تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ آیت تمہارے بھی خلاف

ہے کہ تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض غیب کا علم مانتے ہو مگر یہاں مطلقاً علم غیب کی نفی ہے علم غیب پر تو ایمان موقوف ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یومنون بالغیب** دوسرے یہ کہ یہاں علم غیب کے دعوے کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی جیسا کہ ابھی تفسیر میں بہت تفاسیر کے حوالہ سے عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ یہاں ذاتی طور پر غیب جاننے کی نفی ہے اللہ کے بتانے سے جاننے کی نفی نہیں۔ چوتھے یہ کہ دلائل 'اندازہ' تخمینہ سے غیب جاننے کی نفی ہے بذریعہ وحی جاننے کی نفی نہیں۔ اسی لئے آگے ارشاد ہے **ان اتبع الا ما یوحی الی۔** اگر یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو یہ آیت کریمہ بہت سی آیات و احادیث کے مخالف ہو گی۔ رب فرماتا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی خشک و تر چیز لوح محفوظ میں ہے ملک الموت اور دوسرے مدبر امر فرشتوں کو علوم غیبیہ دیئے گئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وعلمناہ من لدنا علما۔** یہ دونوں اعتراض در حقیقت اس آیت کی تفسیر جاہلانہ ہے جو دوسری آیات قرآنیہ کے سراسر خلاف ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **وانبئکم بما تاکلون و ما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کیا کھاتے کیا بچاتے ہو۔ حضرت خضر نے فرمایا تھا **ان یرھقھما طغیانا و کفرا** یہ لڑکا کافر تھا اگر جیتا رہتا تو اپنے ماں باپ کو بھی کافر کر دیتا ہے یہ نبی کا علم غیب۔ جناب مسیح نے فرمایا **ابری الاکمہ والابرص و احی الموتی باذن اللہ** یہ میں نے کی ملکیت و اختیارات غرضیکہ یہ تفسیر نری جاہلانہ ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں مقولہ تین ہیں مگر **لا اقول** دو ہیں اس کی کیا وجہ ہے یا تو **لا اقول** تین ہوتے یا ایک۔ **جواب:** اس کی حکمت ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ پہلے **لا اقول** کے ساتھ وہ دو چیزیں ذکر کی گئیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دعویٰ نہیں کیا خزانہ الٰہی کی اور علم غیب کی عطاء اور دوسرے **لا اقول** کے ساتھ وہ چیز بیان ہوئی۔ جس کا دعویٰ بھی نہیں اور اس کی عطا بھی نہیں یعنی جنس فرشتہ سے ہونا۔ **چوتھا اعتراض:** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خزانہ الٰہیہ کے مالک بنائے گئے ہیں تو خود ان کی اپنی بیویوں کے اولاد کیوں نہ ہوئی۔ سوا حضرت خدیجہ کے ساری بیویاں اولاد کے لئے ترستی رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے ایک لڑکا پیدا نہ ہوا۔ لڑکیوں کو کنویں پر بھیجتے تھے بکریوں کو پانی پلانے کے لئے وہ لڑکے کو ترستے رہے نہ ملا۔ **جواب:** ترستے رہنا تم نے کہاں سے نکالا ان بزرگوں نے اولاد کی خواہش ہی نہیں کی ہو اولاد نہ ہوئی اگر کرتے ضرور اولاد ہوتی۔ حضرت ذکریا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی دعائیں کیں تو انہیں اللہ نے ایسی حالت میں بیٹے بخشے جبکہ وہ خود بھی بوڑھے تھے ان کی بیویاں بھی بوڑھی تھیں بلکہ بانجھ تھی اگر بادشاہ روزے میں کچھ کھائے پئے نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دانہ پانی کا مالک نہیں بلکہ رضاء الٰہی کے لئے کھاتا پیتا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ وغیرہ میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن کریم کی اتباع چاہئے حدیث کوئی چیز نہیں دیکھو فرمایا گیا **ان اتبع الا ما یوحی الی** -(چکڑالوی)- **جواب:** قرآن کی طرح حدیث بھی وحی الٰہی ہے فرق اتنا ہے کہ قرآن وحی متلو ہے۔ جس کی تلاوت نماز میں ہوتی ہے۔ حدیث کی تلاوت نماز میں نہیں ہوتی۔ سوا حدیث پر عمل نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ بلکہ سارے ارکان اسلام میں ہوتا ہے اس لئے یہاں القرآن نہ فرمایا گیا بلکہ دراز عبارت **ما یوحی الی** ارشاد ہوئی نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے یوں ہی ان کا قول۔ ان کا الہام سب وحی ہے ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھنے پر چھری پھیر دی اگرچہ رب نے بچا لیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** بلکہ بعض اولیاء اللہ کی خواب رب کی طرف سے ہوتی ہے نماز پنجگانہ کی اذان حضرات صحابہ کی

خواب سے اسلام میں جاری ہوئی پھر قرآن کریم نے اسی اذان کی تائید فرمائی **اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ** اور فرمایا **و اذا نادیتم الی الصلوۃ**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ عطاء الہیٰ مخلوق کے حاکم اعلیٰ علی الاطلاق ہیں **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک** حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم علی الاطلاق ہیں **ویعلمہم الکتاب و الحکمۃ**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو ظاہری باطنی پاکیزگی عطا فرمانے والے ہیں۔ **تطہرکم و تزکیہم بہا** لہٰذا یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری کی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فنافی اللہ ہونے کی ہے۔ بہت دفعہ آیات قرآنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکی تھے تو قرآنی آیات مکی ہوئیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہوئے تو آیات قرآنیہ مدنی ہوئیں غرضیکہ بہت باتوں میں قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے **ما یوحی** اور قرآن میں فرق ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی قیاس یا اجتہاد نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا عام مسلمانوں کو بھی صرف قرآن و حدیث پر عمل چاہئے اجتہاد و قیاس نہ کرنا چاہئے۔ دیکھو ارشاد ہوا **ان اتبع الا ما یوحی الی** (اہل حدیث)۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد و قیاس بھی وحی الہیٰ ہے۔ اور مجتہدین اماموں کا قیاس مستقل حکم نہیں بلکہ حکم تو قرآن و حدیث کاہی ہے قیاس کے ذریعہ دوسری جگہ اسے جاری کیا جاتا ہے مثلاً " حکم قرآن ہے کہ سود نہ کھاؤ اور حکم حدیث ہے کہ ان چیزوں میں سود نہ لو' سونا' چاندی' نمک' گندم' جو' کھجور وغیرہ مجتہد امام نے فرمایا کے جوار' باجرہ' مکئی میں بھی سود حرام ہے تو امام نے قرآن و حدیث کی بتائی ہوئی حرمت جوار' باجرہ' چاول وغیرہ میں جاری کی علت مشترکہ کی وجہ سے لہٰذا یہ بھی وحی الہیٰ کی اتباع ہی ہے اس کی مفصل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہر چیز کے دیکھنے کے لئے علیحدہ آلات پیدا فرمائے ہیں۔ باریک چیزیں خوردبین سے دیکھی جاتی ہیں دور کی چیزیں دوربین سے فضائی چیزیں سیربین سے۔ آسمانی چیزیں رصد کے ذریعہ ان سب چیزوں کو آنکھ ہی دیکھتی ہے مگر ان آلات کی مدد سے اسی طرح عقل کی آنکھ مختلف عینکوں سے مختلف چیزیں معلوم کر سکتی ہیں۔ بعض چیزوں کو صرف دلائل کے چشمہ سے بعض کو علامات سے بعض کو اسباب سے مگر نبی کی شان کو عشق کی عینک کے ذریعہ دیکھا جا سکتا ہے بغیر اس چشمے کے نبوت کی جھلک ہرگز معلوم نہیں ہوتی کفار صرف ہرے چشمے' یعنی دلائل سے نبی کی پہچان کرنا چاہتے تھے محروم رہے۔ دیکھو نبوت کے لئے ہزار شرطیں لگاتے تھے کہ نبی وہ جو غیب کی خبریں ہم کو بتائے۔ ہمارے منہ مانگے مطالبے پورے کرے سونے کے پہاڑ بنائے۔ فرشتوں کی سی زندگی گذارے کہ نہ کھائے نہ پئے نہ نکاح کرے مگر الوہیت کے لئے کوئی شرط نہ لگاتے تھے حتی کہ چاند سورج تاروں بلکہ لکڑی پتھروں کو خدا مان لیتے تھے بولو ان چیزوں میں انہوں نے کونسا کمال دیکھا تھا یہ ہے خالص عقل کی کرشمہ سازی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے شاندار محبوب کو نبی نہیں مانتے مگر پتھروں کو خدا مان لیتے ہیں چونکہ ان کے یہ مطالبے محض عقلی تھے ٹھکرا دیئے گئے حضرات صحابہ کرام نے عشق میں ڈوب کر جو بھی مطالبہ کیا اس سے بڑھ کر معجزہ دکھا دیا۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے پتھروں سے کلمہ پڑھوا دیا چاند چیر دیا' سورج واپس لوٹا لیا وغیرہ وغیرہ کیونکہ ان مطالبوں کی بنا محض عقل پر نہ تھی عشق پر تھی مالک کو اپنا کر لو سارا گھر تمہارا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کا بعض وقت

مطلوبہ معجزہ دکھانے سے معذرت فرمانا مخلوق پر رحم و کرم کی بنا پر ہے نہ کہ اپنی مجبوری پر جیسے کوئی کمزور بیمار بچہ کسی بڑے نامی پہلوان کو کشتی کی دعوت دے اکھاڑے میں کھڑے ہو کر خم ٹھونک کر کہے کہ اگر تجھ میں طاقت ہے تو آ جا میرے مقابلہ میں پہلوان نرمی سے کہے کہ جا بیٹا جا میں نے تجھ سے کب کہا ہے کہ میں پہلوان ہوں جا آرام کر۔ ظاہر ہے کہ یہ کہنا پہلوان کی کمزوری کی دلیل نہیں بلکہ اس کے رحم و کرم کی دلیل ہے وہ بچہ پہلوان کے ایک طمانچہ کا بھی نہیں جن قوموں نے نبی کا زور آزمایا ان کا کیا انجام ہوا دیکھ لو فرعون' ہامان' قوم عاد' ثمود کے انجام حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ اگر کفار کا چیلنج قبول کر کے یہ معجزات دکھا دیتے وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے اور سارے ہلاک ہو جاتے۔ لہذا لا اقول لکم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ظہور ہے نہ کہ آپ کی مجبوری و معذوری کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صورتاً "بشر ہیں سیرۃ" فرشتہ ظاہر خاکی باطن نوری انما انا بشر مثلکم میں ظاہر کا ذکر ہے اور من اللہ نور و کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا ذکر ہے یونہی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بشریت کا غلبہ ہوتا تھا کبھی نورانیت کا اگر عادۃ "کھانا نہ کھائیں تو بشریت کا ظہور ہوتا تھا کہ بھوک کے آثار نمودار ہوتے تھے اور اگر عبادۃ" نہ کھائیں روزہ وصال رکھیں تو کوئی تکلیف نہ ہوتی وہ بشریت تھی یہ نورانیت' یہاں' زہر' آگ' تکلیف پہنچاتی تھی یہ تھی بشریت معراج میں آگ' زمہریر سے گزرے کوئی اثر نہ لیا یہ ہے نورانیت۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ایمان کا مدار نفی اور اثبات پر ہے لا الہ نفی اور الا اللہ اثبات ایسے ہی عرفان کا مدار نفی و اثبات پر ہے عارف پر کبھی نفی یعنی فنا کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی اثبات یعنی بقا کی جلوہ گری' فنا کے وقت کہتے ہیں ہم کچھ نہیں' بقا کا جب ظہور ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہم کو اللہ نے سب کچھ دیا یہ مقام بہت گہرا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات میں کفار پر عتاب ہے جیسے ایک نالائق شاگرد یا منحوس نالائق شاگرد جو ہمیشہ پیر یا استاذ کی برائیاں لوگوں سے کرتا پھرے اس سے شیخ یا استاذ کہے کہ میں نے تجھ سے کب کہا ہے کہ میں بڑا عالم یا بڑا کامل ہوں یہ کلام عتاب ہے اس مردود پر ایسے ہی یہ ہے مگر لائق مرید و شاگرد جو ہر جگہ اپنے آقا کے کمالات کے گیت گاتا پھرے اسے ایسے علمی نکات بتاتا ہے کہ سبحان اللہ ان جیسی آیات میں روئے سخن کفار سے ہے اور نعت کی آیات میں روئے سخن مومنین یا صحابہ کرام سے ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اور ڈراؤ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اس سے کہ جمع کئے جائیں طرف رب اپنے کے اس حال میں

اور اس قرآن سے انہیں ڈراؤ جنہیں خوف ہو کہ اپنے رب کی طرف یوں اٹھائے جائیں کہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی ہو

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱

کہ نہ ہو واسطے ان کے اس کے سوا کوئی مددگار اور نہ سفارش کرنے والا تاکہ وہ ڈریں

نہ کوئی سفارشی اس امید پر کہ وہ پرہیزگار ہوں۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے تین مطالبات رد کیئے تھے اب حکم ہو رہا ہے کہ محبوب آپ اپنا وہ کام کیئے جاویں جس کے لئے آپ بھیجے گئے ہیں یعنی تبلیغ گویا خلاف منصب مطالبات کی تردید کے بعد منصب نبوت کے فرائض پورا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان لوگوں کو جواب دیئے گئے جن کے دل میں خوف خدا نہیں رب سے بے خوف ہو کر نبی سے ناجائز مطالبات کرتے ہیں۔ اب ان لوگوں کو تبلیغ فرمانے کا حکم ہے جن کے دلوں میں خوف خدا ہے گویا بے خوف لوگوں کے ذکر کے بعد خوف خشیت والوں کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ ہم صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتے ہیں اب اس وحی کا ذکر ہے کہ آپ پر وحی یہ ہوئی کہ لوگوں کو ڈرائیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ دنیا میں بعض دل کے اندھے ہیں بعض دل کے انکھیارے یہ دونوں برابر نہیں۔ اب دل کے انکھیاروں کا ذکر ہو رہا ہے کہ آپ انہیں تبلیغ فرما دیں آپ کی تبلیغ انہیں مفید ہوگی۔ **پانچواں تعلق:** کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ ہم حضرات انبیاء کو بشارت اور نذارت کے لئے بھیجتے ہیں اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ چونکہ آپ نبی ہیں لہٰذا آپ مخلوق کو ڈرائیں گویا نبوت کے متعلق قانون ربانی کا ذکر پہلے ہوا تھا اب اس کے اجراء کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **و انذر به** یہ نیا جملہ ہے جس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیونکہ اصل بشیر و نذیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو مامور من اللہ ہیں باقی تا قیامت علماء اولیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشیر و نذیر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے نائب اعظم ہیں اور یہ علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب علماء کی تبلیغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تبلیغ ہے لہٰذا یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور دوامی حکم ہے۔ یعنی ہمیشہ ڈرایئے **به** میں **ہ** کا مرجع یا تو قرآن مجید ہے یا وحی الٰہی لہٰذا ب سببیہ ہے **به** فرماکر بتایا گیا کہ قرآن مجید بشیر و نذیر نہیں وہ تو بشارت و نذارت ہے۔ بشیر و نذیر آپ ہیں قرآن ہدایت ہے۔ ہادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن علم ہے۔ معلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن حکم ہیں حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن فیصلہ ہے اور فیصلہ کن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' قرآن ظاہری باطنی پاکی کا ذریعہ ہے پاکی بخشنے والے مزکی مطہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے پانی صابن پاکی و صفائی کا ذریعہ ہے پاک کرنے والا کسی کا ہاتھ ہے ان سب کی آیات موجود ہیں **لتحکم بین الناس۔ انک لتهدی الی صراط مستقیم۔ تطهرهم و تزکیهم** اور **ویعلمهم الکتاب والحکمته** اور اگر رب تعالیٰ مرجع ہے تو ب بمعنی من ہے یعنی قرآن یا وحی کے ذریعہ ڈرایئے یا اللہ سے ڈرایئے۔ اللہ سے صحیح ڈر اور صحیح امید جس سے ایمان مل جاوے وہ ہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو۔ ورنہ شیطان بھی خدا سے ڈرتا ہے وہ کہتا ہے **انی اخاف اللہ** مگر مومن نہیں پکا کافر ہے کہ اسے یہ ڈر نبی کی معرفت حاصل نہیں ہوا۔ پانی کھاد درخت کی شاخوں کو جب ہی ہرا بھرا رکھ سکتے ہیں۔ جب جڑ کے ذریعہ ان تک پہنچیں کٹی ہوئی شاخ کو کھاد' پانی ہوا' دھوپ سرسبز نہیں رکھ سکتیں۔ خدا کرے ہمارے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے خوف و امید کا درخت بویا جاوے تاکہ معرفت کے پھل لگیں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ڈرایئے یعنی ہم چاہتے ہیں کہ بندے ہم سے ڈریں لیکن اگر ہم براہ راست ان کو ڈرائیں تو وہ فنا ہو جائیں۔ روٹی توے کی معرفت آگ کی

گرمی حاصل کرتی ہے بندے تمہاری معرفت میرا خوف حاصل کریں اس کی تین تفسیریں ہوئیں چونکہ بشارت خاص بندوں کو ہوتی ہے مگر ڈرانا سب کو مومن و کافر و منافق سب ہی کو ڈرایا جاتا ہے۔ نیز ڈرانا پہلے ہے بشارت بعد میں اسی لئے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہ مرجع عذاب ہے تب بھی ب معنی من ہے الذین یخافون یہ عبارت انذر کا مفعول ہے الذین سے مراد یا تو سارے انسان ہیں مومن ہوں یا کافر یا صرف کفار یا صرف مومنین فقیر کے نزدیک تیسرا احتمال قوی ہے لہٰذا خوف سے مراد اندیشہ و فکر ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہر مومن کو خاتمہ خراب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی خوف پر ایمان کی بنیاد قائم ہے وہ ہی اندیشہ یہاں مراد ہے یہ خوف ہر گنہگار پرہیزگار بلکہ ابرار و اخیار کو مرتے تک رہتا ہے جب کہ حضرت یوسف و موسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام دعا فرماتے ہیں۔ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین تو اور کسی کا کیا ذکر ہے خوف کے معنی خشیت ہیں۔ فرق' خوف کی قسمیں اور قسموں کے احکام کہ کون خوف ایمان ہے کونسا خوف کفر' کونسا خوف تقویٰ کی اصل ہم بارہا بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ حضرات انبیاء کرام کو کس قسم کا خوف ہوتا ہے حضرات اولیاء کس خوف سے آزاد ہیں انشاء اللہ یہ ہم اس آیت کی تفسیر میں عرض کریں گے لا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ ان یحشروا الی ربهم یہ عبارت یخافون کا مفعول ہے حشر کے معنی ہیں جمع ہونا یا جمع کرنا یہاں دوسرے معنی میں ہے چونکہ یہ اجتماع میدان محشر میں جا کر ہوگا۔ لہٰذا اس میں جانے کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے بعد میں الی لایا گیا۔ چونکہ محشر میں کسی حاکم کی حکومت نہ ہوگی صرف رب تعالیٰ سے بندوں کا سروکار ہوگا وہاں کوئی دنیاوی کام نہ ہوگا اس لئے وہاں جانے کو رب کی طرف جانا فرمایا گیا چونکہ اس حساب و کتاب کی وجہ حق تعالیٰ کی ربوبیت ہے کہ اس کی روزی کھائی ہے تو اسے حساب دینا ہے اس لئے الی اللہ نہ فرمایا الی ربهم فرمایا لیس لهم من دونه ولی ولا شفیع یہ عبارت یحشروا کی ضمیر ہم سے حال ہے۔ لهم لیس کی خبر مقدم ہے اور ولی اس کا اسم مؤخر من دونه ثابت کے متعلق ہو کر ولی کی صفت ہے یہی چیز ان مومنوں کے خوف کا سبب ہے دون' غیر' سوی' الا حاشا ان سب کے معنی ہیں سواء مگر پھر ان کا آپس میں نہایت نفیس فرق ہے۔ کلمہ طیبہ ہے لا الہ الا اللہ یہاں اگر بجائے الا اللہ کے دون اللہ پڑھا جاوے تو غلط ہے اور یہاں من دونه ہے۔ اگر یہاں وغیرہ وغیرہ پڑھا جاوے تو غلط ہے انشاء اللہ یہ فرق تفصیل کے ساتھ ہم سورۂ کہف کے آخر میں عرض کریں گے اور ہم نے اپنی کتاب علم القرآن میں بھی بہت کچھ عرض کر دیا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ دون کے لغوی معنی ہیں مقابل کٹا ہوا۔ علیحدہ بے تعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے ووجد من دونهم امراتین تذودان۔ خواہ واقعہ میں الگ اور مقابل ہو خواہ کسی کے عقیدے میں لہٰذا دون اکثر اس غیر یا علاوہ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابل یا غیر ہو۔ کبھی مطلقاً سواء علاوہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں اگر الذین سے مراد کفار ہیں تو من دونه سے مراد اللہ کے مقبول بندے ہیں جن کی شفاعت برحق ہے اور دون بمعنی سوا ہے۔ یہ بات خیال میں رکھو۔ ولی بمعنی دوست یا مددگار ہوتا ہے شفیع بمعنی سفارش کرنے والا شفاعت کرکے بخشوانے والا ولی عام ہے شفیع خاص ہم شفاعت کے معنی شفاعت کی قسمیں شفاعت کرنے والے اور مستحقین شفاعت کس کو کس قسم کی شفاعت پہنچے گی۔ یہ مکمل بحث تیسرے پارہ آیت الکرسی من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه کی تفسیر میں کر چکے ہیں وہ مسلمان جو ہمیشہ اس سے ڈرتے ہیں کہ مبادا ہمارا خاتمہ کفر پر ہو جاوے اور ہم بارگاہ الٰہی میں اس طرح قیامت کے دن پیش ہوں کہ ہمارا کوئی دوست اور سفارشی نہ ہو اسی بیکسی کا دھڑکا انہیں لگا ہوا ہے انہیں آپ ڈرائیے وہ ہی اس سے فائدہ حاصل کریں

گے لعلھم یتقون یہ عبارت انذر بہ کی علت ہے اگر الذین یخافون سے مراد مومنین ہیں تو تقویٰ سے مراد ہے گناہ سے بچنا نیک کام کرنا یا تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہنا یعنی آپ ان مسلمانوں کو اس لئے تبلیغ کریں کہ وہ متقی بن جاویں یا متقی رہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مبلغ اور داعی الی اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و دعوت چار طرح سے ہے ڈرا دھمکا کر امید لالچ دے کر دلائل کے ذریعہ اور محبت و عشق کے ذریعہ ڈرانے والی تبلیغ عام ہے اور پہلی سیڑھی باقی چیزیں بعد میں ہیں۔ یہاں اس عام اور پہلی تبلیغ کا ذکر ہے اس لئے فرمایا گیا انذر بشارت یا دلائل عشق کا ذکر نہیں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا بہت قسم کا ہے۔ جن میں سے ایک ڈرانا کفار کے لئے ہے دوسرا مومن کے تیسرا متقین کے لئے۔ چوتھا غافلین کے لئے پانچواں واصلین کے لئے یہاں کون سا ڈرانا مراد ہے۔ اس کے متعلق ہم نے تفسیر میں اشارۃً عرض کیا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں۔ جن میں سے ایک تفسیر بہت قوی ہے ہم اسی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بدنصیب کفار تو اسی طرح بحث و حجت میں ہی لگے رہیں گے۔ آپ سے فیض حاصل نہ کریں گے آپ اس قرآن مجید کے ذریعہ ان مسلمانوں کو اللہ کے عذاب اس کی ناراضگی سے ڈراتے رہیں۔ جنہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں ہم سے دولت ایمان چھن نہ جائے اور ہمارا خاتمہ خراب نہ ہو جائے اگر خدا نہ کرے ایسا ہو گیا تو پھر ہم قیامت کے دن رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی بیکسی، بے بسی کی حالت میں اکیلے پیش ہوں گے کہ نہ تو کوئی ہمارا اس دن دوست ہو گا۔ جس سے ہماری ڈھارس بندھے اور نہ کوئی ہمارا اسفارشی ہو گا۔ جو بارگاہ الٰہی میں ہماری شفاعت کر کے ہمارے گناہ بخشوا دے ہم کو سزا سے بچائے ایسے بے قرار دھڑکے والے مسلمان آپ کے ڈرانے سے فائدہ اٹھائیں گے آپ انہیں ہمیشہ عذاب الٰہی سے ڈراتے رہیں تاکہ وہ متقی بنیں یا متقی رہیں ایمان کے ذریعہ اللہ کے مقبولوں سے رشتہ غلامی قائم ہوتا ہے۔ تقویٰ کے ذریعہ ان حضرات سے تعلق غلامی قائم رہتا ہے رشتہ اور تعلق کا فرق ہم ابھی تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے انشاء اللہ۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا میں محبت کی چار وجہیں ہیں نسب، حسن، اخلاق، احسان مگر آخرت میں محبت کا ذریعہ صرف ایک ہے نسبت جو رشتہ ایمانی سے میسر ہوتی ہے باقی تمام محبتیں قیامت میں عداوتوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** اور یہی محبت ایمانی وہاں کی ہمراہی اور سنگت کا ذریعہ ہو گی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **انت مع من احببت** تم جس سے محبت کرو گے اس کے ساتھ رہو گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے بشیر بھی ہیں نذیر بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذارات عام ہے بشارت خاص چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشارت صرف مسلمانوں کو دیتے ہیں مگر ڈراتے سب کو ہیں خواہ کافر ہوں یا مسلمان، متقی ہو یا گنہگار۔ یہ فائدہ انذر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قرآن مجید بشارت، نذرات، علم، ہدایت، طہارت، فیصلہ ہے مگر بشیر، نذیر، ہادی، معلم، مزکی، مظہر نہیں ہادی اور معلم صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ فائدہ انذر بہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا بغیر معلم کتاب فائدہ نہیں دیتی بغیر طبیب کے سارے دواخانہ کی دوائیں بیکار ہیں۔ یوں ہی بغیر حضور کے واسطہ کے قرآن مجید کا فیض نہیں ملتا۔ **تیسرا فائدہ:** وہی خوف و

امید ایمان کار کن ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو ورنہ بیکار ہے یہ فائدہ **انذر بہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا آپ اللہ سے ڈرایئے۔ **چوتھا فائدہ:** کوئی شخص بلاواسطہ رب سے کوئی فیض نہیں لے سکتا جو کچھ ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ملے گا یہ فائدہ **انذر بہ** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ آپ اللہ کی طرف سے ڈرایئے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت و نذارت تاقیامت جاری ہے۔ حیات ظاہری کے زمانہ میں بلاواسطہ تھی پردہ فرمانے کے بعد علماء' اولیاء اللہ کے ذریعہ سے ہے یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ فرض انجام دیتے ہیں یہ فائدہ **الذین یخافون** کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جس کے دل میں خوف خدا کا جذبہ ہو اس کو ہی ڈرانا مفید ہوتا ہے۔ غافل یا مردہ دل کو ڈرانا اسے مفید نہیں ہوتا اگرچہ ڈرانے والے کو ثواب مل جاتا ہے یہ فائدہ **یخافون** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** قیامت میں اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب ہو گا کہ انسان وہاں بے کس ہو اس کا کوئی دوست اور شفاعت کرنے والا کوئی نہ ہو یہ عذاب کفار کو ہو گا۔ یہ فائدہ **لیس لھم من دونہ ولی** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** انشاء اللہ قیامت میں مسلمان اکیلا نہ ہو گا اس کے دوست بھی ہوں گے اور شفاعت کرنے والے بھی شفاعت کبریٰ کا سہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ہو گا۔ اس کے بعد بہت شفیع ہوں گے یہ فائدہ بھی **لیس لھم الخ** سے حاصل ہوا۔ مومن و کافر بارگاہ الٰہی میں مختلف طرح حاضر ہونگے مومن اپنے دوستوں کے ساتھ وفد کی شکل میں رب تعالیٰ سے ایسے ملیں گے جیسے پیارا پیارے سے یا باوفا غلام مہربان آقا سے ملتے ہیں کافر اکیلا رب کے سامنے ایسے پیش ہو گا۔ جیسے پھانسی کا ملزم ناراض حاکم کے روبرو قرآن کریم فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردا اللھم ارزقنا شفاعۃ حبیبک صلی اللہ علیہ وسلم** جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ مل گیا وہ چھٹکارا پا گیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو   کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

اچھوں کے ساتھ سے بروں کے عیب ڈھک جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اچھوں سے اچھے ہیں ان کے ساتھ ہی انشاء اللہ ہم بے ڈھنگوں کی پردہ پوشی ہو جاوے گی۔ **نواں فائدہ:** بڑے سے بڑے متقی پرہیزگار کو بھی خوف چاہئے کوئی شخص اپنے علم' زہد' تقویٰ پر نازنہ کرے کہ ذرا سی گرم ہوا سے ہرے بھرے کھیت جل جاتے ہیں۔

احمد یارا احمق ہو یوں علم و ڈھیرا پڑھ کے   پڑھے لکھے پر مان نہ کرنا پھٹ جاندا اودہ کڑھ کے

یہ فائدہ **لعلھم یتقون** سے حاصل ہوا۔ جس قدر ایمان قوی اسی قدر خوف زیادہ اللہ تعالیٰ اپنا خوف اپنے نبی کا عشق نصیب کرے۔ خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

پہلا اعتراض: تمہاری بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کو ڈراتے ہیں کفار کو نہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت و نذارت سے فائدہ صرف مسلمان اٹھاتے ہیں' مفید ڈرانا مسلمانوں ہی کے لئے ہے یہاں اسی ڈرانے کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **انذر** کے بعد فرمایا گیا۔ **یخافون** جو پہلے ہی سے ڈر رہا ہے اسے ڈرانے سے کیا فائدہ۔ **جواب:** بہت فائدہ ہے اس ڈرنے کی برکت سے وہ ڈر پر قائم رہے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا الذین امنوا امنوا** اے ایمان والوں ایمان لاؤ

یعنی ایمان پر قائم رہو ہمیں ایمان ' خوف خدا ملا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے اور اس کا بقا بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے ہے گلشن ایمان کی بہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ہے۔

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار   کہ گر خار وگر گل ہمہ پروردہ تست

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں بعض لوگ بعض کے ولی ہوں گے۔ بعض شفیع۔ مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** وہاں کوئی کسی کا نہ ولی ہے نہ مددگار آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت میں کفار کا ذکر ہے واقعی کافروں کا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ شفیع اور یہاں مومنوں کا ذکر ہے مومنوں کے لئے سب ہوں گے رب فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ**۔ اور فرماتا ہے **واجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا** کفار کے لئے فرماتا ہے۔ **و من یضلل فلن تجد لھم ولیا مرشدا** - اور فرماتا ہے **و من یلعن فلن تجد لہ نصیرا** اور فرماتا ہے **وما للظلمین من انصار**۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں پہلے ذکر ہوا **انذر** کا پھر خوف کا آخر میں تقویٰ کا کہ فرمایا گیا **لعلھم یتقون** جو پہلے ہی متقی ہوں وہ پھر متقی کیسے بنیں گے تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے جواب گزشتہ مضمون سے معلوم ہو گیا کہ اگر **الذین یخافون** سے مراد کفار ہیں تو یہاں تقوے سے مراد ہے ایمان قبول کر لینا اور اگر مراد گنہگار مسلمان ہیں تو یہاں تقوے سے مراد ہے پرہیزگار بن جانا اور اگر وہاں متقی مسلمان مراد ہیں تو یہاں تقویٰ سے مراد ہے تقویٰ پر قائم رہنا یا تقویٰ کے ادنیٰ درجے سے ترقی کر کے اعلیٰ درجہ میں پہنچ جانا۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمت کا عالمگیر بادل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم عالمگیر بارش حضرات علماء اولیاء اس بارش سے بنے ہوئے دریا ہیں یا بڑے تالاب۔ ہم سب لوگ وہ زمین ہیں جو ہر وقت بادل کی محتاج کفار بنجر زمین ہیں مومن زرخیز زمین۔ زمین خواہ کیسی ہی اعلیٰ ہو اس میں تخم کتنا ہی اچھا بویا گیا ہو مگر وہ کسی وقت بھی بادل سے بے نیاز نہیں ہو سکتی بلاواسطہ یا بالواسطہ ہمیشہ بارش کی محتاج رہتی ہے یہاں ارشاد ہوا کہ اے محبوب وہ مسلمان جن کے دلوں میں خوف الٰہی کا تخم تم نے بو دیا تم ان سے بے توجہ نہ ہو جاؤ ان پر ہمیشہ تذکرات کا مینہ برسائے جاؤ یہ لوگ تمہاری حیات شریف میں بلاواسطہ تم سے اور تمہارے پردہ فرمانے کے بعد تمہارے بنائے ہوئے دریاؤں تالابوں سے پانی لئے جاویں تا کہ ان کھیتوں میں تقویٰ کے پھل پھول لگیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں ولی سے مراد حضرت اولیاء اللہ ہیں اور شفیع سے مراد انبیاء کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ رہتے ہوئے مرتے ہیں انہیں قیامت میں ولایت و شفاعت سب کچھ میسر ہوگی جو ان سے ناآشنا ہو گئے۔ وہ سب سے محروم رہے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو   قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی رشتے جان سے قائم ہیں جان گئی جہان گیا سب رشتے ٹوٹے اور رشتوں سے فائدہ تعلقات سے حاصل رشتہ داروں سے ملتے جلتے رہنا ایک دوسرے کو ہدیے دینا ان کا ذکر چرچا رکھنا اجنبیت پیدا نہیں ہونے دینا یوں ہی نبی ولی ' پیر ' مرشد ' استاذ مقبولوں سے رشتہ روحانی ہے جو ایمان کے ذریعہ قائم رہتا ہے ایمان گیا یہ سارے رشتے گئے پھر ان حضرات سے تعلق قائم رکھنا ضروری ہے ان کا چرچا کرنا انہیں ثواب کے ہدیے بھیجتے رہنا درود شریف کی کثرت ' سنتوں کی اتباع اس تعلق کے

قائم رہنے کے ذریعہ ہے۔ جس کو ایمان و تقویٰ ہر جا نصیب ہو جاوے وہ دنیا میں مرتے وقت قبر میں، محشر میں اور بارگاہ الٰہی میں پیشی کے وقت اکیلا نہیں ہوتا ہر جگہ اپنے شفیع اپنے نبی اپنے ولیوں مددگاروں کے ساتھ رہتا ہے رب کی بارگاہ میں اکیلا پیش ہونا رب کا عذاب ہے کہ وہ جبار و قہار کی مار کھا جاوے گا۔ اپنے مددگاروں شفیعوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش ہونا رب کی رحمت ہے۔ اس کی برکت سے جلال جمال میں۔ قہر مہر میں، غضب رحم میں، انتقام عفو میں تبدیل ہو جاتا ہے تمام رحمتوں کی جڑ اچھوں کا ساتھ ہے **یوم تدعو کل اناس بامامھم** دنیا میں اکیلے نہ رہو۔ بے کسی کی موت نہ مرو بے یار و مددگار قیامت میں نہ اٹھو ورنہ مارے جاؤ گے کسی دامن سے وابستہ ہو کر رب کے سامنے جاؤ حضرت ابو سفیان فتح مکہ کے دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دامن میں چھپ کر بارگاہ رسالت میں پیش ہوئے تو جان بھی بچی امان بھی پائی ایمان بھی ملا عرفان و قرب رحمان سب کچھ نصیب ہوا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
اور نہ نکالو ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں رب کو اپنے صبح میں اور شام میں ارادہ کرتے ہیں اس
اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اور اس کی رضا چاہتے
وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ
کی رضا کا نہیں ہے او پر تمہارے ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہیں تمہارے حساب سے اوپر ان کے کوئی
ہیں تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم
شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
چیز کہ تم نکال دو انہیں پس ہو جاؤ تم نا انصافی والوں میں سے
دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چاند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں خوف خدا رکھنے والے مسلمانوں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ ایمان و تقویٰ پر قائم رہیں اب انہیں اپنی مجلس پاک میں رکھنے کا انہیں اپنے پاس سے نہ ہٹانے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ یہ بھی تقویٰ پر قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے گویا قولی تبلیغ کے حکم کے بعد عملی تبلیغ کا حکم ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایمان و تقویٰ پر قائم رکھنے کا ایک طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا یعنی انہیں ڈراتے رہنا وعظ فرماتے رہنا اب دوسرا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ یعنی اپنے پاس اپنی صحبت میں رکھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو فرمایا گیا تھا کہ ہماری بارگاہ میں اکیلے حاضر نہ ہوں اپنے مددگاروں شفاعت والوں کے ساتھ آئیں اب اس اکیلے نہ رہنے کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے

سے نکالے نہ جائیں یہ سودا اسی دوکان سے ملتا ہے اور نکالے نہ جانے کا ذریعہ ہے۔ صبح و شام اللہ کا ذکر اور تقویٰ۔

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑے رہو قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا!

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کو ڈراتے رہئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو عملی بشارت دیتے رہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان حضرات کے لئے عملی بشارتوں کا مجموعہ تھی کہ انہیں رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی صحبت کے لئے چن لیا۔ پانچواں تعلق: پچھلی گزشتہ آیت میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ان ازلی محروم کفار سے فرما دیجئے کہ ہم نے خدائی خزانوں کے مالک ہونے کا غیب جاننے کا دعویٰ نہیں کیا ہم سے اس کے متعلق مطالبات نہ کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے نیازمندوں کو اپنے پاس بٹھا کر اپنی صحبت میں رکھ کر غیبی خزانے بھی بخش دو انہیں غیبی خبریں بھی سناؤ یعنی محرومین کو محروم رکھنے کا حکم دینے کے بعد مرحومین کو سب کچھ دے دینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا محرومین کی محرومیت کے بعد خوش نصیبوں پر رحمت کا ذکر ہے۔ چھٹا تعلق: تبلیغ کے چار طریقے ہوتے ہیں' ڈرانا' امید دلانا' دلائل' عشق و محبت پیدا کر دینا ڈرانے والی تبلیغ کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ عشق و محبت والی یا دلائل والی تبلیغ کا ذکر اب ہے کہ محبوب انہیں اپنے سے جدا نہ کرو تا کہ انہیں عشق و محبت کی نعمت ملے یہ بھی ایک قسم کی تبلیغ ہے گویا ابتدائی تبلیغ کے بعد انتہائی درجہ کی تبلیغ کا ذکر ہے۔

شان نزول: احمد۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے ابن جریر او بیہقی نے حضرت خباب سے روایت کی۔ رضی اللہ عنہم کہ ایک بار اقرع ابن حابس تمیمی امور عینیہ ابن حصن فزاری وغیرہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال' صہیب' عمار و خباب وغیرہم فقراء صحابہ کے پاس بیٹھا ہوا ان سے باتیں کرتا پایا (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان کی مفلسی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے اکثر کے جسموں پر صرف ایک کمبل تھا ان لوگوں نے ان حضرات صحابہ کو نظر حقارت سے دیکھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو ان فقراء کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے۔ لوگ ہم کو ان کے ساتھ بیٹھا دیکھیں گے تو ہمیں کیا کہیں گے آپ ان کو اپنے پاس سے نکال دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھا کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست رد کر دی۔ تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس پر وہ کفار بولے کہ اچھا آپ ان کو نکالیں نہیں بلکہ ایک خاص وقت ہمارے لئے مخصوص فرما دیں۔ جس میں صرف ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کا وعظ سنا کریں کوئی فقیر غریب اس وقت یہاں نہ ہوا کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار سے عرض کیا کہ حضور اس میں حرج نہیں ابھی ان میں غرور نخوت ہے ممکن ہے کہ حضور کی صحبت سے یہ ایمان قبول کر لیں اور بعد میں ان کے دل سے یہ غرور نکل جاوے تبلیغ دین کے لئے یہ منظور فرمانے میں حرج نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا یہ کفار بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اس وعدے کی تحریر دے دی جاوے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کاغذ و قلم دوات لے کر لکھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اس آیت کے نزول سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کاغذ وغیرہ پھنکوا دیئے اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے اس اصرار سے توبہ کی پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہی رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک باہر رہتے ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل

قریب بیٹھتے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم فقراء سے فرمایا کرتے کہ میری زندگی و موت تمہارے ساتھ ہے اس کے نزول کے متعلق اور بہت سی روایات ہیں (تفسیر خازن' روح المعانی' تفسیر کبیر' روح البیان' خزائن عرفان' تفسیر مدارک وغیرہ) بعض مفسرین نے ان فقراء صحابہ میں حضرت سلمان فارسی کو بھی شمار کیا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ سورۂ انعام مکیہ ہے اور حضرت سلمان فارسی بعد ہجرت مدینہ منورہ میں ایمان لائے واللہ ورسولہ اعلم اس کی تحقیق اس جگہ تفسیر خازن میں دیکھو ان کفار نے فقراء مسلمین کے اخلاص و ایمان پر بھی طعن کیا کہ بولے یہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے ہیں دل سے ایمان نہیں لائے بلکہ فقر وفاقہ کی وجہ سے کلمہ پڑھ کر آپ کے گرد جمع ہو گئے ہیں تا کہ اس بہانہ انہیں کچھ کھانے پینے کو مل جایا کرے (کبیر' معانی' بیان وغیرہ)۔

تفسیر: **ولا تطرد الذین یدعون ربھم** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **لا تطرد** میں خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے **تطرد** بنا ہے **طرد** سے بمعنی بالجبر نکالنا اخراج' مطلقاً نکالنے کو کہا جاتا ہے۔ خواہ جبراً ہو یا بخوشی جیسے کوئی شخص آپ کے پاس سے جانا چاہے تو آپ اس کے لئے دروازہ کھول دیں اور کہیں کہ نکل جایئے یہ خوشی کا نکالنا ہے صد کے معنی ہوتے ہیں روکنا آنے نہ دینا غرضیکہ ' طرد' اخراج' صد میں فرق ہے۔ **لا تطرد** فرمانے میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا ذکر ہے وہاں آپ کی شان بے نیازی کا ذکر ہے۔ بندہ نوازی اور بے نیازی دونوں کی جھلک اس ایک لفظ میں ہے یعنی جو آپ کے پاس آنا چاہئے اسے دور نہ رکھو جو آپ کے پاس سے جانا نہ چاہے اسے دور نہ کرو مگر جو آنا نہ چاہئے یا آیا ہوا خود بھاگنا چاہئے تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ وہ آپ کا حاجت مند نہیں ہے آپ اس کے حاجتمند نہیں ان حکمتوں سے **لا تخرج** یا **لا تصد** نہیں فرمایا **لا تطرد** فرمایا۔ خیال رہے کہ ان کفار نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان فقراء کو پہلے تو نکال دینے ہی کا مطالبہ کیا تھا جو رد کر دیا گیا تھا۔ پھر بعض خاص مجلسوں سے روک دینے کا مطالبہ کیا اس لئے یہاں **لا تطرد** فرمایا گیا اور ہو سکتا ہے کہ یہاں طرد بمعنی روکنا ہو اعلیٰ حضرات قدس سرہٗ کا ترجمہ نہایت نفیس ہے دور کرنا جس میں نکالنا روکنا دونوں داخل ہیں نکالنے کا مطالبہ کفار نے کیا تھا۔ بعض خاص مجلسوں سے روکنے کا ارادہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ خیال رہے کہ دور کرنا یا دور رکھنا دو طرح کا ہے۔ جسمانی دوری' جنانی یا روحانی دوری۔ اگر یہاں جسمانی دوری مراد ہے تو **الذین** سے وہ ہی صحابہ مراد ہوں گے جن کے متعلق یہ آیت آئی اور اگر جنانی یا روحانی دوری مراد ہے تو **الذین** سے تاقیامت ذاکرین مومنین مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی مسلمان کو اپنے سے دور نہیں کرتے ہر مومن کے دل و دماغ جان ایمان میں رہتے ہیں۔ لہٰذا **لا تطرد** بالکل درست ہے۔ **الذین** سے مراد وہی فقراء مومنین ہیں جن کی علیحدگی کا کفار نے مطالبہ کیا تھا **یدعون** بنا ہے دعوت سے بمعنی پکارنا بلانا اصطلاح قرآن میں اکثر بمعنی عبادت آتا ہے یہاں دونوں احتمال ہیں بمعنی پکارنا ہو یا بمعنی عبادت کرنا چونکہ بندہ دعا میں اکثر اللہ تعالیٰ کو ربنا کہہ کر پکارتا ہے اللہ تعالیٰ کو بھی یہ پسند ہے کہ بندہ اسے ربنا کہہ کر پکارے یعنی اے ہمارے پالنے والے اس لئے یہاں **ربھم** ارشاد ہوا اللہ یا رحمن نہ فرمایا۔ چونکہ رب تعالیٰ کو فقراء مسلمین بڑے پیارے ہیں اس لئے اپنی ربوبیت کی نسبت انہیں کی طرف فرمائی رب العلمین' یا رب الناس نہ فرمایا اس میں ان فقراء کی بہت ہی عزت افزائی ہے **بالغداوۃ والعشی** اس کا تعلق **یدعون** سے ہے۔ **غداوۃ** اصل میں **غداو** تھا۔ اسی سے ہے **غدۃ** اور **غداوۃ** بمعنی صبح سویرا۔ رب فرماتا ہے۔ **بالغدو والاصال** پو پھٹنے سے آفتاب نکلنے تک کو

غدو کہا جاتا ہے اور طلوع آفتاب سے دوپہر تک کو بکرہ کہا جاتا ہے۔ **عشی** بنا ہے **عشوی** سے واو کو ی کر کے ی میں ادغام کر دیا گیا اس کی جمع عشایہ عشایات آتی ہے۔ دوپہر سے شام تک کو عشا کہا جاتا ہے اس لئے دوپہر تک کے کھانے کو غدا کہا جاتا ہے دوپہر کے بعد کے کھانے کو عشا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے فرمایا **اتنا غداونا** ۔ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ آخری رات کے کھانے کو سحور۔ اسی سے ہے سحری۔ (از روح المعانی وغیرہ) یہاں صبح شام سے مراد یا تو ہمیشگی ہے یعنی ہمیشہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں یا اس سے دعائیں مانگتے اسے پکارا کرتے ہیں یہ اس سے مراد فجر و مغرب کی نمازیں ہیں یا صبح شام کے وظیفے اور ذکر اللہ غرضیکہ اس جملہ کے کل چھ معنی یا چھ تفسیریں ہیں۔ صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں ہر وقت اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ صبح شام اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں ہر وقت اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں۔ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں ہر وقت اپنے رب کو پکارتے ہیں جیسے بیکس ہر جگہ سے آس توڑ کر رب کو پکارے یہاں تک تو ان فقراء مسلمین کے قالب کا حال بیان ہوا ان کے قلب کی حالت یوں بیان ہوئی **یریدون وجهه** یہ عبارت **یدعون** کے فاعل سے حال ہے جس میں ان کے دلی اخلاص کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کے اخلاص و خشوع و خضوع کی گواہی دی یہاں ارادہ بمعنی نیت ہے اس کا فاعل وہ ہی فقراء ہیں **وجهه** بمعنی ذات ہے یا بمعنی رضا یا بمعنی توجہ کرم ہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ جس کا ذکر **ربهم** میں ہوا یعنی وہ حضرات اس پکار یا اس عبادت میں نہ تو دنیاوی نفع کی نیت کرتے ہیں نہ دوزخ سے چھٹکارے کی نہ جنت حاصل کرنے کی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی رضا یا توجہ کرم کے طالب ہیں طالب مولی ہو کر عبادات کرتے ہیں اس فرمان عالی میں ان حضرات کی ایسی منقبت ارشاد ہوئی جو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ دیکھو **یدعون ربهم** میں شریعت کا ذکر ہوا اور **یریدون الخ** میں طریقت' حقیقت' معرفت کا وہ حضرات' شریعت طریقت' حقیقت' معرفت کے جامع بلکہ ان کے سرچشمہ ہیں۔

ما علیک من حسابهم من شئی اس ارشاد عالی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **حسابهم** میں **هم** کا مرجع وہ مطالبہ کرنے والے کفار ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کا مرجع وہ ہی فقراء مسلمین ہوں پہلی صورت میں مقصد یہ ہے کہ آپ ان کفار کے ایمان کی امید میں ان مومنوں کو اپنی مجلس پاک سے دور نہ کریں اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ان کا حساب آپ سے نہ ہو گا۔ کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے لہذا ان کے ایمان کے لئے ایسی کوشش نہ فرماویں ہزار بار ان کی غرض ہو تو ایمان لا کر ان ہی فقراء کے ساتھ انہیں میں بیٹھیں ورنہ دوزخ میں جائیں اسی طرح آپ کا حساب ان سے نہ ہو گا کہ دوسری کافر امتوں کی طرح یہ آپ کی تبلیغ کا انکار کر دیں اور ان کے انکار پر آپ سے باز پرس ہو جاوے ہم نے اعلان کر دیا ہے کہ **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** دوسری صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ یہ کفار جو ان فقراء کی نیت ان کے اخلاص پر اعتراض کرتے ہیں۔ آپ ان کی بکواس پر دھیان نہ دیں ان حضرات کی نیتوں و اخلاص کے متعلق آپ سے حساب نہ لیا جاوے گا۔ آپ ان کی نیت پر شبہ نہ کریں اس میں بظاہر خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مقصود ہے تمام مسلمانوں کو سنانا۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں ما مشبہ بلیس ہے من تنکیریہ ہے۔ جس سے شئی کا عموم اور بڑھ گیا اور **من حسابهم** حال مقدم ہے **من شئی** کا یہ سب مل کر ما کا اسم ہے علیک خبر **وما من حسابک علیهم من شئی** یہ عبارت گزشتہ ما علیک الخ پر معطوف ہے۔ تقابل کے لئے یہ ارشاد ہوا اس عبارت کی ترکیب بھی وہ ہی ہے۔ جو ابھی عرض کی گئی یعنی آپ کا حساب ان سے نہ لیا جاوے گا۔ یہ فرمان عالی تقابل اور فہمائش کے لئے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حساب دوسروں سے کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہ لیا

جاوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے خاص غلام بے حساب جنت میں جاویں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے **یدخلون الجنته ویرزقون فیھا بغیر حساب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضور کے خاص غلام قیامت کے حساب وزن اعمال وغیرہ سب سے مستثنیٰ ہیں **فتطرد ھم** یہ عبارت گزشتہ نفی **ما علیک من حسابھم** الخ کا جواب ہے اس لئے ف کے بعد ان پوشیدہ ہے اور تطرد منصوب ہے **ھم** کا مرجع وہ فقراء مومنین ہیں یعنی ان فقراء کی نیت وارادہ وغیرہ کا حساب آپ کے ذمہ نہیں تاکہ آپ انہیں اپنے پاس حاضری سے روکیں کہ چونکہ تمہاری نیت درست نہیں لہٰذا تم ہمارے پاس نہ آؤ۔ **فتکون من الظالمین** - یہ عبارت گزشتہ نہی کا جواب ہے اس لئے یہاں بھی ف کے بعد ان پوشیدہ ہے اور تکون کو نصب ہے وہ نہی **لا تطرد الذین یدعون** الخ ہے یعنی آپ ان فقراء کی اپنی مجلس پاک سے نہ روکیں کہ یہ ظلم یا ناانصافی ہوگی۔ ظلم کے تین معنی ہیں کسی کی ملکیت میں اس کی رضا کے بغیر تصرف کرنا یعنی کسی کا حق مارنا کسی کو بغیر جرم سزا دے دینا۔ کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا' حدیث شریف میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو دوزخ میں بھیج دے تو وہ ظالم نہیں وہاں ظلم سے پہلے معنی مراد ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتے وہاں ظلم کے دوسرے معنی مراد ہیں بغیر جرم سزا۔ یہاں ظالمین کے تیسرے معنی مراد ہیں کسی چیز کا بے محل استعمال۔ وہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر رہنے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عزت و عظمت پانے کے مستحق ہیں اگر ان کو مجلس پاک سے نکال دیا گیا یا روک دیا گیا تو جس اکرام کے وہ مستحق تھے وہ ان پر استعمال نہ ہوا لہٰذا یہ ظلم یعنی ان کے ساتھ بے انصافی ہوئی یہ بے انصافی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے بعید ہے یہ ہی معنی تفسیر خازن اور تفسیر روح المعانی وغیرہ نے کئے اور فرمایا کہ اس فرمان عالی میں اخلاق کریمانہ کی طرف توجہ دلانا ہے اور یہ بتانا ہے کہ یہ روک دینا بہتر نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ کا مقصد حضرات صحابہ کرام کی انتہائی عظمت و احترام کا اظہار ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کی پرزور حمایت فرمانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کی برائی فرمانا مقصود نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ وہ فقراء مہاجرین کی عبدیت و عبودیت کا یہ حال ہے کہ ہر وقت ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادات کرتے ہیں یا صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں یا صبح شام اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں یا ہر وقت دعائیں کرتے ہیں یا صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں ان کے جسم کا حال تو یہ ہے اور ان کے دلی اخلاص حسن نیت کا یہ حال ہے کہ وہ دکھلاوے یا نام و نمود کے لئے کسی غرض کے لئے نہیں صرف رضاء الٰہی کی تلاش اس کی توجہ کرم حاصل کرنے کے ہے۔ ایسے مخلص عابدین کو اے محبوب آپ کسی مجلس میں اپنے پاس حاضر ہونے سے نہ روکیں یہ لوگ تو آپ کی مجلس کی زینت تاقیامت دنیا کے لئے ہدایت کے تارے ہیں انہیں کو اسلام کی خدمت کے لئے منتخب کیا گیا کفار کی اس بکواس پر آپ دھیان نہ دیں کہ یہ لوگ مخلص نہیں ریاکار ہیں دنیاوی لالچ میں آپ کے پاس آتے ہیں ان کا یہ حساب آپ کے ذمہ نہیں تاکہ آپ اس احتمال سے انہیں آنے سے روک دیں یا ان کفار کا حساب قیامت کے دن آپ سے نہ ہوگا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے اور آپ کا حساب ان کفار سے نہ ہوگا کہ وہ آپ کی تبلیغ کا انکار کردیں اور آپ اپنی صفائی میں گواہیاں پیش فرمائیں آپ تو ہماری صفت بے نیازی کے مظہر ہیں تمام مخلوق کو آپ کی حاجت ہے آپ کو سواء ہمارے کسی کی حاجت نہیں۔ جب کیفیت یہ ہے تو اگر آپ نے ان لوگوں کو اپنی مجلس سے روکا یا نکالا تو یہ عمل بے محل ہوگا کہ جو آپ کے ہاں حاضری کے آپ کے ہاں اعزاز و اکرام کے مستحق تھے

انہیں ان کا یہ حق نہ ملے گا یہ ناانصافی ہے آپ کے اخلاق کریمانہ سے یہ ناانصافی بہت ہی بعید ہے۔

نوٹ : اس آیت کے نزول کے بعد جب تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف رکھتے تھے ان حضرات کو اپنے سے اس قدر قریب بٹھالیتے کہ ان کے زانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو شریف سے مس کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے ساتھ ہماری زندگی و موت ہے (خازن' بیان' معانی' کبیر وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: تاقیامت مومنین و صالحین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ سے در کارے نہ جائیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب چاہے وہ رب تعالیٰ کی یاد دن رات کیا کرے یہ فائدہ **لا تطرد الذین یدعون** الخ سے حاصل ہوا کہ اگرچہ شان نزول خاص ہے مگر آیت کریمہ کے الفاظ عام ہیں جو بھی شام سویرے یعنی ہمیشہ رب کو یاد کرے انہیں نہ نکالو۔ **دوسرا فائدہ**: لفظ مرید اس آیت سے لیا گیا **یریدون وجہہ**۔ جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے کسی شیخ کی بیعت کرے وہ مرید ہے یعنی اللہ کی رضا کا ارادہ کرنے والا۔ **تیسرا فائدہ**: حضرات صحابہ کرام اللہ کے بڑے پیارے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کام سے روک دیا جو بالکل حق تھا بلکہ تبلیغ کا ایک طریقہ تھا یعنی خاص مجلس میں سرداران کفار کو خاص تبلیغ فرمانا اور حکم دے دیا کہ یہ کفار ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ ان مقبولین کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیں۔ **چوتھا فائدہ**: ہروقت خصوصاً" صبح شام اللہ کا ذکر کرنا یوں ہی نماز فجر و عصر کی پابندی کرنا اللہ کو بہت پسند ہے یہ فائدہ **یدعون ربہم بالغداوۃ والعشی** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: حضرات صحابہ کرام نام و نمود ریاکاری سے پاک و صاف ہیں ان کا ہر کام رضاء الہٰی کے لئے نہایت ہی اخلاص سے ہے یہ فائدہ **یریدون وجہہ** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلی اخلاص کی گواہی دی جو انہیں ریاکار کہے وہ اس آیت کریمہ کا انکاری ہے۔ **چھٹا فائدہ**: مسلمان کو چاہئے کہ نیک اعمال صرف رضاالہٰی کے لئے کرے اپنے نفع اپنی غرض کو اس میں دخل نہ دے عشاق کہتے ہیں کہ دوزخ سے بچنے جنت حاصل کرنے کی بھی نیت نہ کرے مالک راضی ہو جاوے تو سب کچھ اپنا ہے یہ فائدہ بھی **یریدون وجہہ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: اگر بدباطن لوگ صالحین مقبولین پر زبان طعنہ دراز کریں تو اس کا بالکل اعتبار نہ کرنا چاہئے اس میں ان معترضین کا نقصان ہے مقبولین کے تو اور درجے بڑھتے ہیں۔ یہ فائدہ **ما علیک من حسابہم من شئی** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان کفار نے غرباء صحابہ پر زبان طعن درازی کی تو ان صحابہ کی تعریف و توصیف قرآن کریم میں نازل ہوئی جس سے معترضین کے منہ کالے ہو گئے اور ان فقراء کے درجات عزت و عظمت کو اور چار چاند لگ گئے کہ حشر تک ان کے یہ فضائل دنیا میں بیان ہوں گے۔ **آٹھواں فائدہ**: جیسے رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دوسری صفات کا مظہر بنایا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بے نیازی کا مظہر بھی بنایا ہے آپ اور آپ کا دین دنیا والوں سے بے نیاز ہیں یہ فائدہ **ما علیک من حسابہم من شئی** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: جس کے ذمہ کسی کی ہدایت نہ ہو اس سے اس کا حساب نہ ہو گا یوں ہی جو کوئی ہدایت میں کوتاہی نہ کرے مگر دوسرا آدمی قبول نہ کرے اس کا بھی اس کے متعلق حساب نہ ہو گا۔ **مسئلہ**: قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ حساب ہو گا نہ وزن اعمال بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خدام بغیر حساب جنت میں جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری

امت میں ستر ہزار (بے شمار لوگ) ایسے ہیں جن کا حساب و کتاب نہیں وہ بے حساب جنتی ہیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور دعا فرمادیں کہ میں بھی ان میں سے ہوؤں فرمایا تم ان میں سے ہو۔ **مسئلہ:** قرآن کریم میں لفظ ظلم بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شرک' کفر' گناہ کبیرہ' گناہ صغیرہ' بھول چوک' خطا' خلاف اخلاق۔ ان معانی کی آیات موجود ہیں۔ یہاں ظلم بمعنی خلاف اخلاق یا بے مروتی ہے اس کے علاوہ اور معنی مراد لئے جاویں تو آیت کریمہ پر سخت اعتراضات وارد ہوں گے اس کا بہت خیال رہے۔

پہلا اعتراض: یہ آیت کریمہ مکیہ ہے جب روزہ زکوۃ حج جہاد وغیرہ کوئی عبادت نہ آئی تھی اگر معراج سے پہلے کی ہے تو نماز بھی نہ آئی تھی اور اگر معراج کے بعد کی ہے تب بھی نمازیں صرف پانچ تھیں تو یہ معنی کیونکر درست ہوئے کہ ہروقت عبادت کرتے ہیں۔ **جواب:** اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہنا عبادت تھی جو ساری عبادت سے افضل ہے۔ جس سے انسان صحابی بن جاتا ہے وہ یہاں مراد ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر اس سے نماز پنجگانہ مراد ہے تو صرف صبح شام کا ذکر کیوں ہوا کیا وہ اور وقت نمازیں نہ پڑھتے تھے۔ **جواب:** اس لئے کہ نماز فجر و عصر رب تعالیٰ کو بڑی ہی پیاری ہیں کہ اس وقت دن و رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اور یہ ہی دو نمازیں جنت میں دیدار الہٰی کا وسیلہ بنیں گی انہیں کی زیادہ تاکید قرآن مجید میں ہے **ان قران الفجر کان مشهودا** اور **حافظوا علی الصلوت والصلوة والوسطی** اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم **رحمته للعالمین** ہیں تو آپ نے کفار کی دوسری درخواست کیوں منظور فرمائی کہ ان کے لئے خاص مجلس مقرر فرمانے کا ارادہ فرمالیا رب تعالیٰ جو جبار و قہار بھی ہے اس نے آپ کو روکا۔ **جواب:** تاکہ ان صحابہ کرام کی شان میں یہ آیات نازل ہوں جن سے ان کی شان قیامت تک ظاہر ہوتی رہے ان کے اوصاف حمیدہ خود رب تعالیٰ بیان فرمائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور مریم کے گواہ بچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور صحابہ کا گواہ رب تعالیٰ اگر آپ پہلے ہی سے ان کی درخواست بالکل رد کردیتے تو یہ آیتیں کیسے آتیں۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالیٰ اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں چہرہ وغیرہ سے پاک ہے پھر اس کے لئے **وجهه** یعنی چہرہ کیونکر ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کا مکمل جواب ہم دوسرے پارے میں **فاینما تولوا فثم وجه الله** کی تفسیر میں دے چکے ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** کیا حضرات صحابہ صرف صبح شام ہی اللہ کا ذکر کرتے تھے باقی وقت غافل رہتے تھے اللہ کا ذکر تو ہروقت چاہئے پھر یہاں صبح شام کا ذکر کیوں ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو صبح شام سے مراد ہروقت ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں دن رات فکر کرتا ہوں یعنی ہروقت یا صبح شام کا ذکر رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا ورنہ وہ حضرات ہروقت ہی اللہ کے ذاکر تھے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم نہیں دیکھو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء صحابہ کو مجلس پاک سے نکال دینے یا روک دینے کا حکم دے دیا اور اسے رب تعالیٰ نے ظلم فرمایا ظلم یقیناً گناہ ہے۔ (حشویہ)۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو نہ تو مجلس پاک سے نکالا اور نہ روکا" روکنے کا ارادہ فرمایا کسی کو اپنی مجلس سے روکنا نہ جرم ہے نہ گناہ ہم اپنے گھر میں اپنی خاص مشورہ کی مجلس میں بعض لوگوں کو شرکت کی اجازت نہیں دیتے یہ گناہ نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ ارادہ تبلیغ کی نیت سے کیا تھا کہ یہ حضرات تو ایمان لا ہی چکے ہیں اگر یہ کفار بھی ہمارے پاس حاضر رہیں تو شاید ایمان قبول کرلیں ایمان لانے کے بعد ان کے دلوں سے یہ غرور

تکبر نکل جاوے گا کتنا پاکیزہ خیال ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس تبلیغ کے لئے تو دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنا فرض بجالا رہے ہیں۔ یہاں ظلم سے مراد نہ تو کفر ہے نہ کسی کو ستانا' نہ گناہ نہ خطا بلکہ اس سے مراد خلاف مروت خلاف اخلاق ہے وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہوا بلکہ اس کا ارادہ فرمایا۔ اگر ہم آج خصوصی مجلسیں قائم کریں جن سے بعض لوگوں کو روک دیں تو گناہ نہیں۔

لطیفہ: ایک گستاخ نے ہم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر معونہ والے کفار کے لئے بد دعا کی تو رب نے فرمایا **لیس لک من الا مر شئی** اس بد دعا کا آپ کو بالکل حق نہیں دیکھو یہ بد دعا گناہ تھی جو حضور انور سے صادر ہوئی ہم نے جواب دیا کہ اگر کفار کو بد دعا کرنا گناہ ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون بلکہ سارے قبطیوں کو بد دعا دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے سارے جہان کے کفار کو بد دعا سے غرق کرا دیا دیکھو۔ **رب لا تذر علی الا رض من الکا فرین د یا را** کیا وہ حضرات گنہگار ہوئے تمہارے پیش کردہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار پر بد دعا کرنا آپ کے شان کریمی کے لائق نہیں آپ رحمتہ اللعالمین ہیں وہ جلال والے پیغمبر تھا جو بد دعائیں فرما گئے اس پر خاموش ہو گیا۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ یا ستانا نہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے سورج ساری زمین پر چمکتا ہے روشنی دینے کے لئے مگر باغوں پر چمکتا ہے پھل پکانے کو کھیت پر چمکتا ہے دانہ پکانے کو چمن پر چمکتا ہے پھول کھلانے کو اچھی زمین پر چمکتا ہے سبزہ گھاس اگانے کو بدخشاں کے پہاڑوں پر چمکتا ہے لعل بنانے کو ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت کے سورج ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہاں پر چمکے اللہ کی طرف بلانے کو مسلمانوں کے دلوں پر چمکے ایمان دینے کو عارفین پر چمکے عرفان بخشنے کو علماء' اولیاء' شہداء' صالحین پر چمکے انہیں مختلف رحمتیں دینے کو حضرات صحابہ کرام پر چمکے انہیں صحابی بنانے کو یعنی بعد انبیاء سب سے افضل و اشرف بنانے کو حضرات صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے یہ فیض ملا کہ ان کے قلب و قالب بلکہ رونگٹے رونگٹے میں عشق و محبت رچ گئی وہ لوگ اللہ رسول کے ہو چکے اور اللہ رسول ان کے ہو گئے کفار نے ان واصلین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آڑ بننا چاہا رب تعالیٰ نے اس آڑ کو پھاڑتے ہوئے فرمایا کہ محبوب انہیں کسی وقت بھی اپنی بارگاہ میں آنے سے نہ روکو ان کی زبانیں میرے ذکر میں تر ہیں ان کے سینے نور کے گنجینے اخلاص و محبت سے معمور ہیں یہ میری رضا چاہتے ہیں میں ان کی رضا چاہتا ہوں انہیں مجھ سے آپ سے الگ ہونا گراں ہے تو مجھے ان سے الگ ہونا پسند نہیں ایسے لوگوں کا حساب نہیں حساب اطاعت کا ہوتا ہے عشق کا نہیں ہوتا آپ ان کی محبت وارفتگی کا حساب نہ لیں جیسے یہ آپ کے مراتب و درجات کا حساب نہیں کرتے ایسے لوگوں کو اپنے سے جدا کر دینا انصاف سے بعید ہے انہیں ہر دم اپنے قدموں سے لگے رہنے دو۔ سبحان اللہ لطف تو دیکھو کہ رب تعالیٰ ان فانی فی اللہ لوگوں کی سفارش اپنے محبوب سے فرما رہا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے مطالبے تین بار ہوئے ایک بار تو یہ جو مکہ معظمہ میں کفار کی طرف سے ہوا اور دوسرا مطالبہ مدینہ منورہ میں حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو علیحدہ کرنے کا جس کے متعلق **عبس و تولی** آیت کریمہ اتری۔ تیسرا مطالبہ حضرت بلال کو اذان سے علیحدہ کرنے کا یہ تیسرا مطالبہ وقتی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کر لیا تھا کسی اور نے اذان کہی نہایت خوش الحانی سے لوگ بڑے خوش ہوئے مگر بعد نماز وحی آئی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت ہاتف بردر خیر الورا   چہ سبب بے بانگ شد بیت خدا

لوگوں نے عرض کیا کہ آج اذان بہت شاندار ہوئی تو۔

گفت ہاتف بازاز بانگ بلال   خوش شدے برعرش رب ذوالجلال

ایک لفظ ہوتا ہے مگر مختلف زبانوں میں اثر مختلف ہوتے ہیں **نشهد انک لرسول الله** منافقوں نے کہا تو جھوٹے ہوئے یہ ہی کلمہ مخلص نے کہا مومن بنا یہ کلمہ حضرت صدیق نے کہا صدیق اکبر بنے۔ سید عبدالقادر جیلانی نے پڑھا غوث اعظم بنے لور مومن اگر کفر بھی کہے تو مومن ہی رہتا ہے **الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان** سانپ دودھ پے تو زہر بنے شہد کی مکھی پے تو شہد بنے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر صحابی کی گرد قدم کو نہیں پاسکتا کیونکہ حضرات صحابہ کی عبادات لور ان کے اخلاص ان کی دیانت ان کی مقبولیت کی قرآن نے گواہی دی اور کسی کو یہ شرف کیسے حاصل ہو گا نیز وہ حضرات احکام قرآن کے نزول کا باعث ہیں کہ ان کے پیش آمدہ واقعات پر بہت سے احکام قرآنیہ آئے وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت قرآن مجید کے جمع کرنے اسلام کے پھیلانے کے لئے منتخب کئے گئے ان کی قبولیت کی آیات قرآن میں نازل ہوئیں وہ حضرات دین کا مرکز ہیں سارے لولیاء دائرہ ہیں ان کی نیت ان کے اخلاص پر اعتراض کرنے والے کفار مکہ کے زمرہ میں داخل ہوئے ہیں کہ یہ طریقہ کفار مکہ ہی کا تھا۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ
اور اسی طرح آزمائش بنایا ہم نے ان کے بعض کو واسطے بعض کے تاکہ کہیں یہ لوگ کہ کیا یہ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے
اور یوں ہی ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لئے فتنہ بنایا کہ مالدار کافر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا
بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ۝
اور پیچ انکے درمیان سے ہمارے کیا نہیں ہے اللہ بہت جاننے والا شکر گزاروں کو
یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ سے معلوم ہوا تھا کہ فقراء مومنین کی وجہ سے رؤساء کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے کتراتے تھے۔ اب اس کترانے کی اصل وجہ بیان فرمائی جارہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امیر کافروں کی سخت آزمائش لور اس آزمائش میں ان بد نصیبوں کا فیل ہو جانا گویا ان کفار کی بیان کی ہوئی غلط وجہ کے بعد اس دوری کی اصل وجہ بیان فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ کفار ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم کو فقراء مومنین کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے اس لئے ہم اسلام قبول نہیں کرتے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس دوری کی وجہ ان کی شرم نہیں وہ تو گھروں 'بازاروں' میلوں 'سفروں میں فقراء کے ساتھ رہتے ہیں اس کی اصل وجہ ان بد نصیبوں کا حسد ہے کہ فقراء ہم سے پہلے مومن ہو کر ہم سے علم و عمل میں کیوں بڑھ گئے

گویا غلط بہانوں کے ذکر کے بعد اصل صحیح وجہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار قریش کی اس نفرت کا ذکر تھا جو انہیں فقراء مومنین سے تھی اب اس نفرت کے انجام کا ذکر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے دربار سے دور ہوئے اور خود رب تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگے کہ اس نے فقراء کو ہدایت کیوں دے دی گویا اولیاء اللہ کی عداوت کا ذکر پہلے ہوا۔ انجام کا ذکر اب ہے۔ ولی سے عداوت نبی سے دور کرتی ہے اور نبی سے دوری خدا سے باغی بناتی ہے۔

چوں شدی دور از حضور اولیاء آں چناں داں دور گشتی از خدا
ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند در حضور اولیاء

زینے سے نفرت کر کے چھت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

شان نزول: سرداران قریش جیسے عینیہ ابن حصن فزاری' عتبہ' شیبہ ابن ربیعہ' امیہ ابن خلف جمحی ولید ابن مغیرہ مخزومی ابو جہل ابن ہشام' سہیل ابن عمرو وغیرہم کے بعض غلام اور بعض آزاد کردہ غلام مسلمان ہو کر صحابی اور عالم دین بن گئے چنانچہ حضرت بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ جو امیہ ابن خلف کے غلام تھے ان کے مراتب سے تو دنیا واقف ہے اس پر یہ سرداران کفر جل کر خاک سیاہ ہو گئے کہ ان غلاموں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ سے کیوں لگالیا چنانچہ عتبہ' شیبہ' مطعم ابن عدی وغیرہم ابو طالب کے پاس آئے اور بولے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کیسے لائیں انہوں نے ہمارے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کو ایسی عزت دیدی کہ اپنے برابر بٹھالیا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری طرف سے عرض کر دیں کہ ان لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ان کے دین کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا ہو گی ممکن ہے کہ ہم مسلمان ہو جائیں ان میں سے بعض بولے کہ اگر اسلام حق ہوتا تو اس کی توفیق پہلے ہم کو ملتی کہ ہم پر خدا بہت خوش ہے اس نے ہم کو زمین حرم میں سکونت کعبہ کی خدمت' حجاج کی خدمت آب زمزم کا انتظام دولت' سرداری اولاد غرضیکہ دینی و دنیاوی نعمتیں بخشی ہیں۔ ان غلاموں کے مسلمان ہو جانے سے ہم کو اسلام کی حقانیت میں شک ہے کہ اگر اسلام اللہ کی نعمت ہوتی تو مذکورہ بالا نعمتوں کی طرح یہ بھی ہم کو ہی ملتی۔ پہلے ہم ہی کو اسلام کی توفیق نصیب ہوتی اس کے مستحق ہم ہی ہوتے۔ ابو طالب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر' تفسیر ابن عباس تنویر المقیاس) ابن کثیر نے ان غلاموں کے نام یہ گنائے۔ بلال' عمار' سالم' صبیح' مقداد ابن عمرو' مسعود ابن قاری' واقد' عمرو ابن عمرو' ذوالشمالین وغیرہم۔

تفسیر: **وکذلک فتنا۔** قوی یہ ہے کہ کذلک میں کاف تشبیہ کا ہے ذالک اسم اشارہ اپنے ہی معنی میں ہے یہ لفظ اس مضمون کو گزشتہ مضمون سے تشبیہ دینے کے لئے ہے۔ فتنا بنا ہے فتنۃ سے فتنہ کے معنی ہیں سونے کو آگ میں تپانا جس سے کھرا کھوٹا جدا ہو جاوے اصطلاح میں آزمائش کو فتنہ کہا جاتا ہے کہ آزمائش کی آگ سے بھی مخلص اور منافق دیندار اور بے دین چھٹ جاتے ہیں یعنی جیسے آپ کی ذات و صفات حضرات صحابہ کے حالات و درجات ان کفار کے لئے آزمائش بن گئے کہ وہ آپ کے متعلق سوچنے لگے کہ آپ نبی ہیں تو نکاح کیوں کرتے ہیں کھاتے پیتے کیوں ہیں اگر اسلام سچا ہے تو یہ لوگ ایمان کیوں لائے ایسے ہی حضرات صحابہ کی غریبی مسکینی ان بدنصیبوں کے لئے آزمائش بلکہ آڑ بن گئی ہم نے اس کے ذریعہ

سرداران قریش کو آزمایا ہے **بعضھم ببعض** یہاں پہلے بعض سے سرداران کفر مراد ہیں دوسرے بعض سے فقراء مومنین مراد یعنی ہم نے بعض لوگوں (کفار قریش) کو بعض لوگوں (فقراء مومنین) کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیا کہ وہ امیران فقراء کی وجہ سے اسلام کی حقانیت میں ہی شک کرنے لگے یا ان فقراء کی وجہ سے اسلام سے متنفر ہو گئے۔ بعض مفسرین نے یہاں دو طرفہ آزمائش سمجھی یعنی کفار مسلمانوں کی فقیری سے دھوکہ کھا گئے کہ اگر اسلام حق ہے تو یہ مسلمان فقیر کیوں ہیں اور مسلمان کفار کی امیری سے دھوکہ کھا گئے کہ اگر کفر باطل ہے تو کافر امیر کیوں ہیں مگر یہ تفسیر کچھ ضعیف ہے کیونکہ کسی فقیر صحابی کے دل میں اس کا خدشہ بھی نہ گزرا نہ انہیں کفار کی امیری سے اسلام کی حقانیت کفر کے باطل ہونے میں کچھ تردد ہوا وہ حضرات تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو دولت کونین سمجھتے تھے ان کا تو یہ حال تھا۔

پروانہ کو شمع ہے تو بلبل کو پھول بس صدیق کے لئے خدا کا رسول بس

نیز خود اس آیت کا اگلا حصہ اس تفسیر کے خلاف ہے کہ آگے صرف کفار کا قول بیان فرمایا جارہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **لیقولوا اھو لاء من اللہ علیھم**۔ یہ اسی آزمائش کا بیان ہے **لیقولوا** لام علت کا نہیں کہ اللہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کام علت و فرض سے پاک ہیں بلکہ لام حکمت کے بیان کا ہے علت و حکمت میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ علت میں فاعل کو فائدہ ہوتا ہے حکمت میں دوسروں کا نفع قول سے مراد یا تو زبان سے کہنا ہے خواہ مسلمانوں سے کہنا ہو یا آپس میں اپنی ہم قوم کفار سے یا دل کا قول یعنی سوچنا غور کرنا ہے اس کا فاعل وہی سرداران کفر ہیں **اھولاء** میں ہمزہ انکاری سوال کا ہے **ھولاء** سے اشارہ ان ہی فقراء مومنین کی طرف ہے یہ اشارہ حقارت کا ہے **من** سے مراد اسلام و ایمان کی توفیق دینا ہے اور رب تعالیٰ کا مقبول بندہ بن جانا **علیھم** کا تعلق **من** سے ہے اور **ھم** کا مرجع وہی فقراء مومنین یعنی اس میں حکمت یہ ہے کہ بدنصیب لوگ ان فقراء کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے مسلمانوں سے کہیں یا آپس میں کہیں یا دل میں سوچ بچار کریں کہ یہی فقراء جنہیں تن کا کپڑا پیٹ کا ٹکڑا میسر نہیں وہ ہیں جنہیں اللہ نے یہ احسان خصوصی فرمایا کہ اسلام کی توفیق دے دی اور اپنا مقبول بندہ بنالیا اور پھر رہے فقیر کے فقیر **من بیننا** یہاں تفسیر روح المعانی وغیرہ نے فرمایا کہ **بین** بمعنی **دون** ہے اور **دون** کے معنی ہیں بغیر یا نہ کرنا سے مراد امیر کفار ہیں یعنی ان پر یہ احسان کیا نہ کہ ہم پر یا بغیر ہمارے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ نہایت اعلیٰ ہے کہ ہماری جماعت کے درمیان یہی فقراء اس احسان کے لائق رہ گئے ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام حق ہے ہی نہیں اور یہ فقراء اللہ کے پیارے بندے ہیں ہی نہیں اگر اسلام حق ہوتا تو اس کے قبول کرنے کی توفیق ہم کو ملتی نہ کہ انہیں کیونکہ ہم ہی خدا کے پیارے بندے ہیں دیکھ لو سرداری، دولت، عزت، اولاد ہم ہی کو ملی ہے انہیں نہیں ملی اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لو کان خیرا ما سبقونا الیہ**۔ یہ بدنصیب ان فقراء کی غریبی کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل قرار دیتے تھے کہ چونکہ اسے عموماً" فقراء نے قبول کیا ہے لہٰذا یہ حق نہیں ہے یہ ہے اللہ کی آزمائش اللہ کی پناہ **الیس اللہ باعلم بالشاکرین**۔ یہ فرمان رب تعالیٰ کا اپنا ارشاد عالی ہے جس میں ان کفار کی پرزور تردید ہے **الیس** میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے **باعلم** کی ب زائدہ ہے جو لیس کی خبر میں آجاتی ہے جیسے **وکفی باللہ شھیدا** میں **باللہ** کی ب زائدہ ہے جو کفی کے فاعل پر آگئی اور **بالشاکرین** کی ب اعلم کے متعلق ہے۔ چونکہ یہاں علم سے مراد علم محیط ہے لہٰذا اس کے بعد ب ارشاد ہوئی۔ جیسے کہا جاتا ہے **علم بہ** یا **علم بکذا** اور نہ علم خود ہی متعدی ہے [illegible] نہیں علمہ [illegible] فرق خیال رکھنا چاہئے (از روح المعانی) **شاکرین** سے

مراد یہی مومنین ہیں جنہیں اسلام و قرب الٰہی کی توفیق دی گئی یعنی کیا یہ بات صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار نعمتوں کا حق جاننے والے بندوں کو خوب جانتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مال و دولت تو شاکر و کافر سب کو دے دی جاتی ہے۔ مگر ایمان' عرفان' مقبولیت کی دولت صرف شاکرین کو دی جاتی ہے تم لوگ بندگان شاکر نہیں اس لئے اس نعمت سے محروم رہے۔ یہ غربا' فقراء اگرچہ ہیں مسکین و غریب مگر ہیں ہمارے شکر گزار اس لئے انہیں یہ نعمت عطا ہوئی۔ ان کی غریبی اپنی امیری سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے آپ کا لباس بشری میں ہونا آپ کا کھانا پینا نکاح و اولاد اختیار فرمانا سب میں رسنا بسنا ان کفار کے لئے اللہ کی طرف سے آزمائش بن گیا کہ انہوں نے آپ کے ان حالات طیبہ کو دیکھ کر آپ کی نبوت کا ہی انکار کر دیا اسی طرح آپ کے اصحاب کرام کا عموماً" مسکین و غریب ہونا ان کے لئے آزمائش بن گیا اس فقیری کو دیکھ کر انہوں نے اپنا بیڑہ غرق کر لیا۔ بعض لوگ بعض کے لئے یعنی یہ فقراء ان امیروں کے لئے امتحان ربانی بن گئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ یہ امیر دھوکہ کھا کر ان فقراء سے یا آپس میں کہنے لگے کہ اگر اسلام سچا دین ہے تو کیا ہمارے ہوتے ہوئے ان فقراء کو ہی اس کے قبول کرنے کی توفیق ملی خدا تعالیٰ کے منعم بندے تو ہم ہیں اس نے ہم کو دنیاوی نعمتوں سے نوازا ہے امیر ہیں تو ہم' عزت والے ہیں تو ہم' جتھہ والے ہیں تو ہم اگر اسلام بھی اللہ کی نعمت ہوتی تو اسلام والے ہوتے تو ہم ان فقراء کے مومن ہونے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نعمت نہیں ہے یہ باطل دین ہے۔ اے محبوب کیا ان بے وقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ شاکر بندوں اور کافر بندوں کو خوب جانتا ہے دنیاوی نعمتیں ہر شاکر و کافر کو مل جاتی ہیں مگر اخروی نعمتیں صرف شاکرین کو ملتی ہیں مسلمان کی فقیری سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ یہ گدڑیوں میں لعل ہیں کبھی خشک زمین کی تہ میں سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اولیاء اللہ کو نظر حقارت سے دیکھنے والا نبی کے دروازے تک نہیں پہنچ سکتا اور جو نبی کے دروازے سے دور ہو وہ رب کے دروازے سے در کارا جاتا ہے۔ ولایت نبوت کا اور نبوت بارگاہ الٰہی کا زینہ ہے یہ فائدہ **فتنا بعضهم ببعض** سے حاصل ہوا ایسے ہی اس کے برعکس ہے کہ ولی کا مقبول نبی کا مقبول اور نبی کا مقبول خدا کا مقبول ہے۔ **دوسرا فائدہ:** سردار خواہ دینی ہو یا دنیاوی اگر اس کے ساتھ انکساری ہے تو وہ سرداری رحمت باری ہے اور اگر اس کے ساتھ غرور تکبر اللہ والوں کی تحقیر ہو تو وہ ذلت و خواری ہے انکساری وہ چورن ہے جس سے سرداری جیسی ثقیل غذا بھی ہضم ہو جاتی ہے اور اس سے قرب سرکاری نصیب ہوتا ہے۔ کفار مکہ نے اپنی جس قدر دینی دنیاوی سرداری کا ذکر کیا وہ سب درست تھی واقعی وہ ابراہیمی تھے مکی تھے کعبہ کے نگران و خدام تھے دولت مند تھے۔ جتھہ والے تھے مگر چونکہ اس سرداری کے ساتھ ان میں انکساری نہ تھی تو دیکھ لو بدر وغیرہ میں کس ذلت و خواری سے مارے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عجز و انکسار کس سے چھپا ہے۔ دیکھ لو آج ان کے نام کے ڈنکے کیسے بج رہے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

اپنے کپڑے خود دھو لینا خاک کے بستر پر سو لینا　　سیدھی سادی نیک طبیعت صلی اللہ علیہ وسلم!

تیسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام پر نکتہ چینی کرنے والا کبھی خیر کی توفیق نہیں پا سکتا سرداران کفر کے حالات سے عبرت پکڑو کسی صحابی بلکہ کسی متقی مومن کو نظر حقارت سے نہ دیکھو۔

خاکساران جہاں رابہ حقارت منگر!　　توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

چوتھا فائدہ: اپنے کمالات اور بزرگوں میں کوتاہیاں سوچنا طریقہ کفار ہے اور کفر کا ذریعہ ہے یہ فائدہ لیقولوا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا اپنے گناہ سوچنا مقبولوں کے کمالات سوچنا عبادت ہے بلکہ عبادات کی جڑ ہے۔ پانچواں فائدہ: ایک ہی چیز کسی کے لئے ہدایت کا باعث ہوتی ہے کسی کے لئے گمراہی کا ذریعہ دیکھو فقراء مومنین کی فقیری کو دیکھ کر کفار مکہ اور زیادہ کفر میں سخت ہو گئے مگر بادشاہ روم ہرقل نے ان حضرات کی غریبی کو اسلام کی صداقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل بنایا کہ اس نے ابو سفیان سے پوچھا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع امراء کرتے ہیں یا عموماً" فقراء ابو سفیان نے کہا کہ عموماً" فقراء وہ بولا کہ ہمیشہ حضرات انبیاء کی اتباع غرباء مساکین ہی نے کی ہے وہ سچے نبی ہیں ایک چیز ہے مگر دیکھنے والوں کی نگاہیں مختلف ہیں۔ چھٹا فائدہ: دنیاوی مال و دولت پر ایمان و تقویٰ کو قیاس نہ کرنا چاہئے کہ جسے دولت ملی اسے ہی ہدایت ملتی ہے اکثر اس کے خلاف بھی ہوتا ہے ہدایت و ایمان سے ملتے ہیں جس میں شکر کا مادہ ہو یہ فائدہ الیس اللہ الخ سے حاصل ہوا۔ اس دھوکہ میں بہت لوگ مارے گئے عقل یہاں ہی ٹھوکر کھاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اللہ کا خاص فضل ہے وہاں گھمنڈ غرور کی جگہ ہی نہیں۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا	یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے
وہ بھٹک کے راہ میں رہ گئی یہ مچل کے در سے لپٹ گئی	وہ کسی امیر کی شان تھی یہ کسی غریب کی بات ہے

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اپنے قدموں میں جگہ دے کر عرش بریں سے اونچا کر دیا آپ کے مولیٰ امیہ ابن خلف جیسے امیر کو درکار دیا وہ اسفل السافلین میں پہنچ گیا یہ آستانہ بے نیاز رب کے بے نیاز محبوب کا ہے یہاں کسی کا ناز نہیں چلتا یہاں تو نیاز مندی کام آتی ہے۔ ساتواں فائدہ: جو شخص کسی کی وجہ سے دین اور دینی نعمت سے محروم رہے وہ کفار مکہ کی طرح بے عقل ہے آج بعض لوگ مسجد کی حاضری جماعت کی نماز سے اس لئے محروم رہتے ہیں کہ وہاں فلاں شخص امام ہے ہم اس مسجد میں نہ جائیں گے نہ نماز جماعت سے پڑھیں گے۔ اس وجہ سے وہ اکیلے اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ جب تم اور وہ ایک کنوئیں سے پانی پیتے ہو ایک محلہ میں رہتے ہو ایک دوکان سے سودا لیتے ہو تو ایک مسجد میں نماز کیوں نہیں پڑھتے حضرات صحابہ کرام نے حجاج ابن یوسف اور مروان ابن حکم جیسے ظالموں کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ ظالم بادشاہوں کے ساتھ جہاد کئے ہیں۔ حتیٰ کہ 52ھ میں جب قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ہوا تو اس کا جرنیل یزید ابن معاویہ تھا اور حضرت ابو ایوب انصاری عبداللہ ابن عمر' عبداللہ ابن عباس جیسے صحابی اس میں مجاہدانہ شان سے شریک تھے کسی کی وجہ سے جماعت نماز اور جماعت جہاد نہ چھوڑو۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فقراء مومنین کفار کے لئے فتنہ بنے انہیں ان کے ایمان سے ان کی فقیری نے روکا تو ان کی فقیری بری چیز ہوئی کہ ایمان سے روکنے والی چیز اچھی کیسے ہو سکتی ہے۔ جواب: یہ حضرات تو سارے انسانوں کے لئے ہادی ہیں۔ آسمان ہدایت کے تارے ہیں وہ تو ہدایت ہی دیتے ہیں جو ان سے ہدایت نہ لے یہ اس کی اپنی عقل کا قصور ہے اس کا اپنا قصور ہے سورج نور ہی دیتا ہے۔ اگر چمگادڑ کی آنکھ اس سے اندھی ہو جاوے تو اس میں سورج کا قصور نہیں بلکہ اس کی آنکھ کا قصور ہے ہم نے ابھی فوائد میں عرض کیا کہ ہرقل شاہ روم نے ان حضرات کی فقیری کو اسلام کی حقانیت کی دلیل بتایا۔

دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری طور پر خزانے کیوں نہ دے دیئے اور حضرات صحابہ کو امیر

کبیر کیوں نہ بنادیا کہ یہ امیری ان لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی۔ جواب: اس صورت میں اسلام کی حقانیت ظاہر نہ ہوتی لوگ مال و زر کے لئے اسلام قبول کرتے حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا بھر کے بادشاہ تھے مگر دولت سے اپنا دین نہ پھیلایا بلکہ ان کا دین چلاہی نہیں جب مسلمانوں کے پاس یہ ظاہری سامان نہ تھا پھر اسلام پھیلایا تو پتہ لگا کہ اسلام میں خود اپنی کشش ہے جس سے لوگ ادھر کھنچے جاتے ہیں مقناطیس خود لوہے کو کھینچتا ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال غرض و غایت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ دیکھو فرمایا گیا **لیقولوا اھٰؤلاء** الخ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کی فقیری کی غرض یہ تھی حالانکہ عقائد والے کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے افعال غرض و غایت سے پاک ہے۔ جواب: اس کا جواب ہم نے اسی تفسیر میں بارہا دیا ہے اور ابھی اسی آیت کی تفسیر میں بھی اشارۃً عرض کر دیا کہ رب کے کام حکمت سے خالی نہیں غرض سے پاک ہیں۔ غرض وہ جو فاعل کی اپنی ضرورت ہو حکمت وہ ہے جس میں کوئی فائدہ ہو اس فقیری سے کھرے کھوٹے کی چھانٹ ہوئی اس چھانٹ میں رب تعالیٰ کا فائدہ نہیں۔ خود بندوں کا اپنا ہی فائدہ ہے لہٰذا یہ حکمت ہے غرض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں فاضل و مفضول کا فرق رکھا ہے یکسانیت نہ رکھی ساری مخلوق میں یہ قانون جاری ہے فاضل مفضول کے لئے اور مفضول فاضل کے لئے امتحان ہیں فاضل مفضول کو دیکھ کر شکر کریں اور مفضول فاضل کو دیکھ کر صبر کریں وہ شاکر نہیں یہ لوگ صابر اگر فاضل شکر نہ کرے تو اس کا کمال زوال کے کنارے پر ہے اور اگر مفضول صبر کرے تو عنقریب فاضل بننے والا ہے۔ صابر مفضول شاکر فاضل کا درجہ پالیتا ہے۔ حضرت سلیمان کے شکر نے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر نے ان حضرات کو عبودیت میں برابر کر دیا کہ ان دونوں حضرات کے متعلق ارشاد ہوا نعم العبد اس کے برعکس اگر فاضل اپنے فضل پر غرور کرے مفضول کو حقیر جانے تو مفضول اس کے لئے فتنہ ہے اور اگر مفضول فاضل پر حسد کرے تو فاضل اس کے لئے آزمائش ہے۔ فقراء مومنین حسد سے پاک تھے صابر راضی برضا تھے وہ قریب میں تخت و تاج کے مالک بنا دیئے گئے امراء کفار متکبر تھے خاک میں ملادیئے گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مرید تین قسم کے ہیں مرید دنیا ان کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی زیادتی دین کی کمی سے راضی ہوتے ہیں فقراء مساکین سے متنفر دوسرے مرید آخرت ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ دنیا کی کمی دین میں کمال سے راضی ہوتے ہیں۔ فقراء مساکین سے محبت کرتے ہیں۔ تیسرے مرید ذات ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ خلق بلکہ اپنے سے آزاد ہو کر کونین پر راج کرتے ہیں لوگ اللہ سے مانگتے ہیں یہ اللہ کو مانگتے ہیں کسی صوفی نے کیا خوب کہا۔

وکل لہ سئول و دین و مذھب   واسلکو بمولی و دینی رضا کمو

یعنی ہر شخص کا کوئی سوال کوئی دین کوئی مذہب ہوتا ہے میرا دین تیرا وصال ہے میرا مذہب تیری رضا ہے امیر خسرو فرماتے ہیں۔

ہر قوم راست دینے راہے و قبلہ گاہے   من قبلہ راست کردم سمت کج کلا ہے!

اس آیت نے فقراء مومنین کے ڈنکے بجادیئے فقراء سے محبت جنت کی چابی سے ان سے نفرت دوزخ کی کنجی۔

حب درویشاں کلید جنت است   دشمن ایشاں سزائے لعنت است

(از روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ اس بارگاہ میں جس نے ناز کیا مار آگیا جو نیاز لایا کامیاب ہوا۔

شکلاں والی ناز دکھاویں پکڑ نکالی جاویں   او گنہاری عجز کماویں قرب حضوری پاویں

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى

اور جب کبھی آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں آیتوں پر ہماری تو فرماؤ سلام ہو اوپر تمہارے

اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ

لکھ دیا رب نے تمہارے اوپر ذات اپنی کے رحمت کو بیشک جو عمل کرے تم میں سے برا بوجہ نادانی کے پھر

نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے پھر اس

اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

توبہ کرے پیچھے اس کے اور درست کرے پس بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور اس ہی طرح تفصیل سے بیان

کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

کرتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ ظاہر ہو راستہ جرم والوں کا

بیان فرماتے ہیں اور اس لئے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جاوے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا تھا کہ ان فقراء مومنین کو اپنی مجلس پاک سے نہ ہٹاؤ یا نہ روکو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بلکہ جب یہ فقراء آپ کے پاس حاضر ہوا کریں تو ان کا عملاً اور قولاً ہر طرح احترام فرماؤ گویا پہلے رنج دہ چیز سے منع فرمایا گیا اور اب خوش کن چیز کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فقراء مومنین کی بارگاہ نبوت میں عزت و عظمت کا ذکر تھا۔ اب بارگاہ الٰہی میں ان کی حرمت و عظمت کا ذکر ہے کہ ان کی بارگاہ نبوت میں یہ عزت ہے کہ ان کے خلاف کفار کا مطالبہ پورا نہ کیا اور بارگاہ الٰہی میں ان کی یہ عزت ہے کہ ان کی خطائیں معاف ہیں رب کی رحمتیں ان کے لئے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان فقراء مومنین کے شکر و صبر کا ذکر ہوا۔ اب ان کے صبر و شکر کی دنیاوی اخروی جزاؤں کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں ان فقراء مومنین کے نیک اعمال کا ذکر ہے۔ **یدعون ربھم** الخ اب ان کے اچھے عقیدوں کا تذکرہ ہے۔ **یومنون بایاتنا۔**

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں (1) یہ آیات بھی انہیں حضرات کے متعلق نازل ہوئیں جن کے متعلق پچھلی آیات نازل ہوئی تھیں اور یہ انہی آیتوں کا تتمہ ہیں (2) یہ آیتیں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، بلال، سالم ابن ابی عبیدہ، مسعب ابن عمیر، حمزہ، جعفر، عثمان ابن مظعون، عمار ابن یاسر، ارقم ابن ارقم، ابو سلمہ ابن الاسد رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق نازل ہوئیں (3) جب مشرکین مکہ نے فقراء مہاجرین کو کسی خاص مجلس وعظ سے الگ رکھنے کی

درخواست کی تھی۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخواست کی قبولیت کی رائے دی تھی تا کہ اس ذریعہ وہ مشرکین ایمان قبول کرلیں۔ جب گزشتہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ معذرت کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تب ان کے متعلق یہ آیتیں اتریں (4) یہ آیتیں تاقیامت تمام مومنین کے متعلق نازل ہوئیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جسمانی یا قلبی طور پر حاضر ہوں۔ جسمانی حاضری مدینہ میں نصیب ہوتی ہے۔ جنانی حاضری ہر مومن کے سینہ میں۔ (تفسیر خازن)۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

(5) یہ آیت کریمہ اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئیں جو مساکین تھے اور انہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کے لئے وقف کردیا تھا (تفسیر کبیر) (6) کچھ لوگ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر بولے یا رسول اللہ ہم نے بڑے گناہ کئے ہیں۔ اب اس کا بدلہ کیا کریں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی قریب تھا کہ وہ مایوس ہو کر لوٹ جاویں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)۔

تفسیر : **واذا جاءک** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس میں واؤ ابتدائیہ ہے۔ **اذا** ظرفیہ بمعنی شرط ہے اور یہ ظرف و شرط دوامی ہے نہ کہ محض وقتی لہٰذا اس کے معنی ہوں گے۔ جب کبھی جیسے کہا جاتا ہے **اذا طلعت الشمس وجد النهار** جب کبھی سورج نکلے دن نکل آتا ہے دیکھو **اذا جاء نصر الله** میں بھی **اذا** ہے مگر وقتی ہے جو ایک وقت اور ایک واقعہ کا ذکر کررہا ہے اور **اذا جاءک المنافقون** میں بھی **اذا** ہے مگر دوامی ہے جو ایک دائمی قانون بتا رہا ہے جب اور جب کبھی میں فرق ہے یہاں **اذا** بمعنی جب کبھی ہے۔ **جاء** کے معنی ہیں آئیں یا آیا کریں۔ آپ کے پاس آنے کی چند صورتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری۔ ہم جہاں بھی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہاں سے متوجہ ہو جاویں اس آخری حاضری کے لئے جسمانی سفر سواری کی ضروت نہیں فقیر کے نزدیک یہی آخری معنی قوی ہیں کہ شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر عبارت عام ہے مگر خیال رہے کہ یہاں آنے سے مراد نیازمندی کے ساتھ حاضر ہونا ہے منافقوں کافروں کی طرح سرکشی کے ساتھ حاضری مراد نہیں۔ غرضیکہ لفظ **جاء** یا لفظ آنا ایک ہے مگر اس کی نوعیتیں بہت ہیں۔ امیر کے گھر چور بھی آتا ہے جو پکڑا جاتا ہے سانپ بھی آتا ہے جو مارا جاتا ہے۔ بھکاری بھی آتا ہے جو بھیک پاتا ہے ملنے کے لئے طالب دیدار مخلص دوست بھی آتا ہے جو قرب پاتا ہے غرضیکہ آنا لفظ ایک ہے اس کی نوعیتیں مختلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے پر منافقین آئے **اذا جاءک المنافقون** یہ چور تھے پکڑے گئے ہم بھکاری بھی آئے جنہیں بھیک ملی حضرت صدیق فاروق بھی آئے جنہیں قرب نصیب ہوا نیز جانا تین طرح کا ہوتا ہے چڑھ کر' چل کر' اتر کر گر کر ڈول کنوئیں کے پانی کے پاس جاتا ہے گر کر یا اتر کر بھر بھرنے والے کے پاس آتا ہے چڑھ کر اگر بلانے والا اونچا ہے تو وہاں چڑھ کر جانا ہو گا اسی لئے قرآن مجید میں کہیں ارشاد ہوتا ہے **تعالوا** چڑھ آؤ پھر چل کر جانے کی بہت سی نوعیتیں ہیں اڑ کر جانا دوڑ کر جانا آہستہ جانا' یہاں نیازمندی کی حاضری مراد ہے اس لئے آگے ارشاد ہے۔ **الذين يومنون باياتنا** یہ **جاءک** کا فاعل ہے **الذين** سے مراد یا تو وہی حضرات صحابہ ہیں جن کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا یا تاقیامت مدینہ منورہ حاضری دینے والے مسلمان یا تاقیامت ہر جگہ کے مسلمان چونکہ اخلاص کے ساتھ حضوری کا وہ نتیجہ ہے جو یہاں مذکور ہے نیز ہر مومن کے

لئے یہ بشارت ہے اس لئے یہاں ضمیر سے کام نہ لیا گیا جاء واک نہ کہہ دیا گیا بلکہ الذین ارشاد ہوا۔ یومنون کے معنی ہیں ایمان رکھتے ہیں ایمان لانا عارضی چیز ہے مگر ایمان رکھنا دوامی چیز خیال رہے کہ ماسوای اللہ ہر چیز اللہ کی ذات و صفات کی آیت ہے لہذا آیات الہیہ لاتعداد ہی ہیں ان پر اجمالی ایمان ممکن ہے ان کی تفصیل کی تو کسی کو خبر ہی نہیں (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ بھکاری تین طرح کے ہوتے ہیں بعض وہ جو سخی سے اپنی حاجات صاف صاف عرض کر دیتے ہیں بعض وہ جو اس کے جان و مال اولاد کی خیر ہی مانگتے دعائیں ہی دیتے ہیں بس مگر بعض بھکاری ایسے بھی ہوتے ہیں جو سخی کے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں۔ منہ سے کچھ بھی نہیں بولتے وہ سمجھتے ہیں کہ میری صورت ہی سوال ہے۔ صورت بہ بیں حالت مپرس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ عالیہ پر ان تینوں قسم کے بھکاریوں کی بھیڑ تاقیامت لگی رہتی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دین و دنیا شفاعت جنت قرب الہی سبھی کچھ ملتا ہے اس لئے اس کے متعلق تین قسم کی آیات قرآن مجید میں آئیں۔ جاء واک فاستغفروا اللہ پہلی قسم کے بھکاریوں کے لئے ہے اور صلوا علیہ وسلموا تسلیما دوسرے قسم یعنی دعا گو بھکاریوں کے لئے اور یہ آیت صرف آکھڑے ہونے والے بھکاریوں کے لئے ہے اس لئے یہاں صرف آجانے کا ذکر ہے کچھ عرض معروض کرنے کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری آیات الہیہ کا مجموعہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ساری آیات پر ایمان ہے لہذا یہاں آیات الہیہ سے مراد یا مخلوقات ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات یا قرآن مجید کی آیتیں قوی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہو کہ ایمان کا دارومدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں بہت لوگ بحالت جنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر وہاں ہی شہید ہو گئے انہیں قرآن کریم کی خبر بھی نہ ہوئی وہ بھی آیات الہیہ پر ایمان لے آئے۔ فقل سلام علیکم یہ عبارت جزا ہے واذا جاء ک الخ کی یہاں سلام سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا سلام ان حاضرین کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ سلام پہنچانے والے ہیں تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر خود حضور انور کا اپنا سلام مراد ہے تو تحقیق یہ ہے کہ سلام بہت قسم کا ہوتا ہے۔ (1) سلام استیذان (اجازت لینے کا سلام) (2) سلام تحیت (ملاقات کا سلام) (3) سلام وداع (رخصت ہونے کا سلام) (4) سلام اخلاص جیسے نمازی التحیات میں عرض کرتا ہے السلام علیک ایھا النبی (5) سلام بیزاری جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر سے کہا قال سلام علیک ساستغفرلک ربی۔ (6) سلام بشارت جیسے جنتی مسلمانوں کے جنت میں داخل ہوتے وقت فرشتے عرض کریں گے سلام علیکم فادخلوھا خالدین (7) سلام اکرام اطاعت جیسے ہمارا درود شریف میں الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ عرض کرنا یہ اقسام تو اپنے سلام کی ہیں کسی دوسرے کا سلام پہنچانا ان سب قسموں کے علاوہ ہے پہلے تین سلاموں میں آنے والے سلام کرے مگر آخری تین سلاموں میں بیٹھا ہو آنے والے کو سلام کر سکتا ہے۔ قوی یہ ہے کہ یہاں سلام بشارت مراد ہے لہذا ان غلاموں کی حاضری کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام فرمانا بالکل درست ہے اور اگر سلام تحیۃ مراد ہے تو یا تو سلام سے مراد ہے سلام کا جواب یا یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے لہذا آیت واضح ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سلام کے چار معنی ہیں سلامتی کی دعا' اسماء الہیہ میں سے رب تعالیٰ کا ایک نام' جنت کا ایک درخت ہے سلام۔ مضبوط پتھر یہاں یا معنی دعاء سلامتی ہے۔ یا اللہ کا نام ہے اگر اللہ کا نام ہے تو اس سے پہلے رحمت پوشیدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کا سلام ہو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان حاضرین بارگاہ تک پہنچایا گیا ہے اس صورت میں قل فرمانا ان حاضرین

بارگاہ کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ یعنی اے محبوب سلام میرا ہو زبان تمہاری ہو اس میں ان کی عزت افزائی ہے تمغہ یا سرٹیفکیٹ بادشاہ دے مگر وزیر اعظم یا حاکم اعلیٰ جلسہ کر کے اس کے سینہ پر تمغہ لگائے تو اس میں اس نوکر کی عزت افزائی ہے **کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت قل کا دوسرا مقولہ ہے۔ چونکہ آفات سے سلامتی رحمتوں کی عطا مستقل نعمتیں مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اس لئے درمیان میں واؤ عاطفہ نہ آیا بلکہ اسے مستقل دوسرا مقولہ بنایا گیا۔ **کتب** کا مصدر ہے **کتاب** بمعنی لکھنا یا بمعنی لازم فرمالینا یہاں دونوں معنی درست ہیں لوح محفوظ میں رب تعالیٰ نے لکھ دیا یا اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا چونکہ اس رحمت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے ہے اسی لئے **کتب اللہ** نہ فرمایا بلکہ **کتب ربکم** ارشاد ہوا نفس کے چند معنی ہیں۔ حقیقت' دل' جسم' خون' ذات عین یہاں نفس بمعنی ذات ہے کیونکہ رب تعالیٰ جسم و خون وغیرہ سے پاک ہے رحمت سے مراد وہ خصوصی رحمت ہے جو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے والے مومنین مخلصین کے لئے خاص کر دی گئی ہے اس رحمت کی وسعت ہمارے وہم و گمان. اندازے سے وراء ہے یہ رحمت رزق' ایمان' عرفان وغیرہ کے علاوہ کوئی اور رحمت ہے جو ان حاضرین کے لئے مخصوص ہے **الرحمۃ** کے بعد **لکم** پوشیدہ ہے یعنی تمہارے رب نے تمہارے لئے خاص رحمت اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالی۔ رحمت سے مراد دنیاوی رحمتیں نہیں خواہ خاص ہوں یا عام کیونکہ وہ فانی ہیں نیز وہ رحمتیں بھی ہیں مگر کبھی زحمتیں اور عذاب بھی بن جاتی ہیں اور ہر کافر و مومن سب کو مل جاتی ہیں نہ روحانی عام نعمتیں مراد ہیں جیسے ایمان' تقویٰ وغیرہ کیونکہ یہ نعمتیں تو ان حاضرین کو پہلے ہی مل چکی ہیں کہ فرمایا گیا **الذین یومنون بایاتنا** بلکہ اس رحمت سے مراد روحانی خاص رحمت ظاہر یہ ہے کہ وہ خاص رحمت اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب خاص نگاہ کرم ہے جس نظر سے وہ اپنے حبیب کو دیکھتا ہے تم کو بھی دیکھ لے گا۔ جہاں پھول پہنچتا ہے وہاں گلدستہ کی گھاس بھی پہنچ جاتی ہے۔ جو پھولوں کے ساتھ بندھی ہے یا کتب کے معنی ہیں لوح محفوظ میں لکھ لیا اور رحمت سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں یعنی رب نے تم کو اس رحمۃ عالمین کی بارگاہ میں حاضری کے لئے منتخب کر لیا یہ رحمت تم کو دی۔ خیال رہے کہ رحم جڑ ہے کرم اس کی شاخیں جب ہمارے دل میں کسی پر رحم اور ترس آتا ہے تو اس پر مہربانی کرتے ہیں مالی مہربانی یا جانی اللہ کی ساری نعمتیں دینی ہوں یا دنیاوی اس کا کرم ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس کا رحم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے یہ سب کرم ہوتے ہیں۔ **انہ من عمل منکم سوء بجہالۃ**۔ یہ عبارت تو **الرحمۃ** کا بدل ہے یا **کتب** کا مفعول یہ ہے اور **الرحمۃ** مفعول لہ تھا (روح المعانی) **سوء** سے مراد کفر و شرک و بد عقیدگی کے علاوہ اور گناہ ہیں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے کھلے ہوں یا چھپے نئے ہوں یا پرانے ہمیں یاد ہوں یا بھولے ہوئے ایک ہوں یا لاکھوں کروڑوں اس سے کفر و شرک اس لئے خارج ہیں کہ یہ خطاب مومنین حاضرین **مخلصین** سے ہے۔ جہالت سے مراد غلطی یا خطاء نہیں کہ غلطی خطا میں تو یہ لازم نہیں نہ بے علمی مراد ہے بلکہ مراد یا نادانی ہے یا بے وقوفی یا جاہلوں کا سا کام حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ خود دنیا جہالت ہے (ابن ابی حاتم' تفسیر ابن کثیر' روح المعانی کبیر وغیرہ) لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ **ثم تاب من بعدہ واصلح** یہ عبارت معطوف ہے عمل پر چونکہ توبہ کا وقت ساری عمر ہے اس لئے ثم ارشاد ہوا کہ اگر کوئی نادان گناہ کے بعد فوراً توبہ نہ کرے تو وہ بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو توبہ کے معنی اس کے اقسام اس کے ارکان اس کی شرائط اور شرائط قبول بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسا گناہ ویسی توبہ نیز توبہ کی حقیقت ہے اپنی بری حرکت پر نادم

ہونا اس کی معافی چاہنا آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عہد کر لینا۔ زبان کے الفاظ آنکھ کے آنسو کفارہ گناہ وغیرہ بھی ساتھ ہوں تو سبحان اللہ۔ **اصلح** میں بڑی وسعت ہے گزشتہ گناہ کی تلافی کر دینا۔ آئندہ اپنے اعمال درست رکھنا‘ اخلاص وغیرہ سب ہی اس میں شامل ہیں۔ **فانہ غفور رحیم** یہ عبارت کسی پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے **امرہ یا شانہ** اور یہ جملہ یعنی مبتداء خبر **من عمل منکم** میں من کی خبر اس لئے یہاں **انہ** فتحہ سے ہے (معانی۔ بیان وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ **انہ من عمل منکم** تو بدل ہے **الرحمۃ** کا اور یہ **فانہ غفور رحیم** بدل ہے **انہ من عمل** کا لہٰذا دونوں جگہ **ان** فتحہ سے ہے ہماری یہ ہی قراۃ ہے دونوں جگہ **ان** فتحہ سے بعض قراتوں میں دونوں جگہ **ان** کسرہ سے ہے۔ اور بعض قراتوں میں **انہ من عمل** میں ان فتحہ سے ہے اور **فانہ غفور** میں **ان** کسرہ سے ہے (تفسیر کبیر) یعنی جو گناہ کے بعد توبہ کرے تو اس شخص کا حال یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی اسے بخش بھی دیگا اس پر مہربانی بھی کرے گا۔ بخشنے سے مراد ہے گناہ معاف کر دینا سزا نہ دینا مہربانی سے مراد ہے اس کو جنت کی نعمتیں عطا فرما دینا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی گنہگار بندے کو بغیر توبہ بھی بخش دیتا ہے وہ کریم ہے مگر وہاں بخشش لازم و ضروری نہیں مگر درست توبہ کرنے پر ضرور بخش دیتا ہے اس نے یہ اپنے ذمہ کرم پر لازم فرما لیا ہے لہٰذا یہاں **ف** ارشاد فرمانا بالکل درست ہے گناہ کی بخشش اور ہے اور بخشش کا لازم و ضروری ہونا کچھ اور اسی لئے یہاں **کتب** بکم ارشاد ہوا **و کذا لک نفصل الایات** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے۔ **ذالک** میں اشارہ گزشتہ مضامین کی طرف ہے توحید۔ رسالت۔ شرک و کفر کی تردید وغیرہ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں یعنی جیسے ہم نے توحید نبوت کے دلائل شرک و کفر کی تردید وغیرہ تفصیل وار بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح ہم قرآن مجید کی تمام آیات تمام مضامین تفصیل وار صاف صاف کھول کر بیان فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں بعض احکام و فرمان وہ ہیں جن پر قیامت تک عمل ہو گا جیسے نماز‘ روزہ وغیرہ کی آیات اور بعض احکام و فرمان وہ ہیں جو صرف زمانہ نبوی میں عمل میں آگئے پھر ان پر عمل ناممکن ہو گیا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دعوت کھانے آپ کے ساتھ راستہ چلنے کے احکام کی آیات مگر یہ دونوں قسم کی آیات قرآن میں رکھی گئیں ہیں تا کہ اس سے **مخلصین مجرمین** کے راستے واضح ہو جاویں ارشاد ہوا **و کذا لک نفصل الخ ولتستبین سبیل المجرمین** قوی یہ ہے کہ یہ جملہ ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے۔ اور واؤ عاطفہ ہے اصل عبارت یوں ہے **لیظھر الحق ولتستبین الخ** تستبین واحد مخاطب ہے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے **سبیل** اس کا مفعول **مجرمین** سے مراد کفار و مشرکین ہیں۔ یعنی ہم آیات قرآنیہ تفصیل وار اس لئے بیان فرماتے ہیں تا کہ حق و باطل ظاہر ہو جاوے اور تا کہ کفار و مشرکین کا راستہ بالکل ظاہر ہو جاوے لوگ کفار کے طریقہ سے بچیں حق راستہ اختیار کریں توبہ کرنا ہمارے محبوب کے آستانہ پر حاضر ہو جانا حق راستہ ہے اسے اختیار کریں توبہ نہ کرنا ہمارے محبوب سے اکڑ جانا طریقہ کفار ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار تو آپ سے عرض کرتے ہیں کہ فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے نکال دو یا روک دو مگر ہم فرماتے ہیں کہ انہیں ہرگز نہ روکو وہ تمہارے ہیں تم ان کے انہیں ہروقت اپنے ساتھ رکھو ہر وقت آنے کی اجازت دو اور ان کی عزت افزائی اس طرح کرو کہ جب بھی وہ آپ کی خدمت میں حاضری دیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ انہیں ہمارا اسلام پہنچاؤ۔ خیال رہے کہ جیسے گھڑی کی مشین تو ایک ہوتی ہے مگر اس سے چار سوئیاں چار طرح کی حرکت کرتی

ہیں سیکنڈ کی سوئی ایک منٹ میں بارہ پر پہنچ جاتی ہے منٹ کی سوئی ایک گھنٹہ میں گھنٹہ کی سوئی بارہ گھنٹہ میں اور تاریخ کی سوئی ایک مہینہ میں اسی طرح ایمان کی مشین ایک ہے جو سب کو اپنے مرکز یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر پہنچاتی ہے مگر کوئی وہاں بہت جلد پہنچ جاتا ہے کوئی کچھ دیر سے کوئی دیر سے حضرت صدیق اکبر' علی مرتضیٰ' خدیجۃ الکبریٰ بہت جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پہنچ گئے۔ حضرت عمر کچھ دیر سے ابو سفیان بہت دیر سے اب بھی کوئی تو بچپن ہی میں حاضر بارگاہ ہو جاتا ہے کوئی جوانی میں کوئی بڑھاپے میں، بہرحال کسی وقت آئیں آپ کے دروازہ پر آجائیں تو ان کے لئے یہ سلام بھی ہے اور یہ پیام بھی اے محبوب آپ انہیں سلام بھی پہنچاؤ اور یہ بھی فرمادو کہ رب تعالیٰ تم کو سلام فرماتا ہے اور اس نے اپنے ذمہ کرم پر تمہارے لئے رحمت لازم فرمائی اور قانون بتادیا کہ تم میں سے جو شخص نادانی بے سمجھی سے کسی قسم کے کتنے ہی گناہ کرے پھر مرنے سے پہلے پہلے کبھی بھی سچے دل سے توبہ کرے اپنا حال سنبھال لے تو اس مجرم کا حال یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کے سارے گناہ بخش بھی دے گا اور اسے جنت کا داخلہ نصیب فرمائے گا' خیال رہے کہ پنسل کی تحریر ربڑ سے مٹ جاتی ہے کچی روشنائی کی تحریر پانی سے اور پکی روشنائی کی تحریر اور چھاپے کے حروف کاغذ پٹ جانے سے مٹ جاتے ہیں مگر لوہے پیتل کے تختہ پر لوہے کے قلم کی تحریر کبھی نہیں مٹتی ہمارے گناہ جو فرشتے ہمارے نامہ ءاعمال میں لکھتے ہیں وہ اس پنسل کی کچی تحریر ہے جس کے دوسرے کنارہ پر ربڑ ہے کہ بندہ توبہ کرے تو اس توبہ کی ربڑ سے تحریر مٹتی رہے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جو تحریر لوح محفوظ میں ان کے لئے کردی ہے وہ لوہے کی تحریر ہے جو مٹ نہ سکے یہ بندے تو مقربین کی تختہ فہرست کی پختہ تحریر میں آچکے ہیں کفار ان فقراء کو ذلیل سمجھتے ہیں مگر ہمارے ہاں ان کی یہ عزت ہے اور جیسے ہم اپنی توحید تمہاری نبوت اسلام کی حقانیت کفر کی تردید تفصیل وار بیان فرماتے ہیں ایسے ہی ہم تمہارے غلاموں کی عزت و عظمت ان کے مقبول بارگاہ ہونے کی آیات بھی ہم تفصیل وار بیان فرماتے ہیں تاکہ اس سے حق ظاہر ہو جائے اور برول کا راستہ بھی کھل کر سامنے آجائے لوگ تمہارے صحابہ کے نقش قدم پر چلیں اور کفار کے طریقوں سے بچیں۔ حضرات صحابہ تمہاری بارگاہ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور تم ہماری بارگاہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے بغیر اللہ کی کوئی رحمت نہیں ملتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رحمتوں کا دروازہ ہیں گھر کا دروازہ مالک کی دین اور فقیروں کے لینے کی جگہ ہوتی ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی دین ہم فقیروں کے لئے کا مقام ہیں یہ فائدہ **اذا جاء ک** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے یہ تقسیم تاقیامت جاری ہے اور تاقیامت مسلمان یہ بھیکیں لیتے رہیں گے ان کا دروازہ ہر سائل کے لئے ہر وقت کھلا ہے یہ فائدہ **الذین یومنون** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: مومن خواہ کسی درجہ کا ہو گنہگار ہو یا نیک کار فقیر ہو یا سلطان غوث ہو یا قطب ایک آن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہر وقت ہر شاہ و گدا ان کا محتاج ہے انکا منہ تکنے والا ہے۔ ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے والا ہے۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھادو جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

ان کا ایک دروازہ ہے اور تمام دنیا اس دروازے کی بھکاری ادھر رب کی طرف سے حکم ہے واما السائل فلا تنھر کسی بھکاری کو جھڑکو مت اس کی جھولی بھر کر لوٹاؤ۔

جھولیاں کھول کے یونہی نہیں دوڑے آئے ہم کو معلوم ہے دولت تری عادت تیری

جیسے کوئی شخص ہوا دھوپ پانی غذا سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ایسے ہی کوئی شخص ان کے دست کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ مذکورہ بالا چیزوں سے ہم بعد مرے بے نیاز ہو جاتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں بعد مرے قیامت و جنت میں بھی ان کے حاجت مند رہیں گے۔ چوتھا فائدہ: قرآن مجید مان لینے اس پر عمل کر لینے کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت سب کو ہے یہ فائدہ بھی الذین یومنون سے حاصل ہوا کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا اذا جاء ک جب یہ تمہارے پاس آویں۔ پانچواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لئے مدینہ منورہ پہنچنا شرط نہیں اگر وہ نصیب ہو جائے تو زہے نصیب اگر نصیب نہ ہو تو بھی ان کی بارگاہ میں حاضری ہونی چاہئے یہ فائدہ فا جاء ک کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہاں فی المدینۃ کی قید نہیں لگائی گئی۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رہ کر ہم سب کے پاس آ گئے لقد جاء کم رسول ایسے ہی ہم اپنے جھونپڑوں میں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو سکتے ہیں سورج چوتھے آسمان پر رہ کر ہم سب کے پاس پہنچ جاتا ہے ہم آڑ سے نکل کر دھوپ میں آ جائیں اگر ہم خود آڑ میں رہیں تو قصور ہمارا ہے۔ ہماری غفلتیں بری حرکتیں ہماری شیخی اور برائیاں یہ آڑ ہیں رب اس آڑ کو پھاڑے تو حضور کا آستانہ دور نہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی پہلی دوبار میں دربار یوسفی میں جا کر بھی وہاں نہ پہنچے اسی لئے انہیں شاہ مصر کہتے رہے اور بنیامین کو قیدی سمجھتے رہے یہ نہ سمجھ سکے کہ پیارا پیارے سے مل گیا ہے۔ مگر جب عرض کیا کہ ہم اور ہمارے گھر والے بھوکے ہیں اور ہم کھوٹی پونجی لائے ہیں یہ ہی لے لو ہم پر صدقہ و مہربانی کرو یہ کہنا تھا کہ آڑ ہٹ گئی اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے کہ آپ نے فرمادیا انا یوسف و ھذا اخی اور فرمادیا لا تثریب علیکم الیوم اور دربار محمدی میں حاضر ہونا ہے تو غفلت نخوت کی آڑ پھاڑ دو اپنے کو خالی کر کے حاضر ہو اور اس آیت کریمہ کی بشارتیں پاؤ۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی آپ کے آستانہ پاک کی حاضری سے اللہ کی رحمتیں اس کی برکتیں گناہوں کی معافیاں سب کچھ نصیب ہو جاتی ہیں دیکھو یہاں حاضری دینے پر تین چیزوں کا وعدہ ہے سلامتی۔ رحمت مغفرت مگر یہ تینوں وعدے ہیں اس شرط پر کہ و اذا جاء تمہارے حضور حاضر ہو جائیں اللہ یہ حاضری نصیب کرے اس دروازے پر مومن صرف پہنچ جائے تب بھی بھیک مل جاتی ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہے اس لئے یہاں صرف حاضری کا ذکر ہے کچھ عرض کرنے کا ذکر نہیں مگر شرط یہ ہے کہ چالاکی چوری بد معاشی کے لئے نہ پہنچے منافقوں کی طرح بلکہ اخلاص و نیاز مندی کے لئے حاضر ہو۔ ساتواں فائدہ: بشارت کے سلام میں یا کسی کا سلام پہنچانے میں یہ ضروری نہیں کہ آنے والا ہی سلام کرے بلکہ بیٹھا ہوا بھی آنے والے کو کر سکتا ہے اجازت اور ملاقات کے سلام میں یہ ہے کہ آنے والا کرے یہ فائدہ فقل سلام علیکم سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا محبوب آپ ان آنے والوں کو سلام فرماؤ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ سلام ملاقات کا نہیں بشارت کا ہے یا رب کا سلام پہنچانے کا ہے آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ سلام اور یہ بشارتیں اپنے حاضرین بارگاہ کو تا قیامت جاری ہیں برابر جاری ہیں بعض ... اولیاء اللہ ... سے ... ہم جیسے گنہگار لوگ بغیر سنے ہی اس پر ایمان

رکھیں۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم اور واجب نہیں لیکن اگر وہ کریم خود اپنے کرم سے اپنے ذمہ لازم فرمالے تو اس کی بندہ نوازی کرم پروری ہے یہ فائدہ **کتب ربکم علی نفسہ** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: ساری نیکیوں سے اعلیٰ اور افضل نیکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی نیکی کا اجر یہ بیان نہ فرمایا کہ **کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** رب نے تمہارے لئے اپنی ذات پر رحمت لازم فرمادی یا لکھدی مگر یہاں حاضری دینے والوں کو یہ بھی بشارت دی اور مغفرت گناہ کی بشارت بھی دی ایسی شاندار بشارتیں صرف اس نیکی کے لئے ارشاد ہوئیں۔

گیارھواں فائدہ: ہر گناہ کرنے والا جہالت و نادانی سے گناہ کرتا ہے اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم و عاقل ہو یہ فائدہ **سوا بجھالتہ** سے حاصل ہوا یہ جہالت علیم کے مقابل نہیں بلکہ دانائی کے مقابل ہے جو جہالت سے نہیں ڈھٹائی سے اچھا سمجھ کر گناہ کرے وہ کافر ہے کہ اب وہ شریعت کا منکر ہے مثلاً ایک شخص نماز کو فرض مانتے ہوئے پڑھتا نہیں وہ جہالت سے نماز چھوڑ رہا ہے یہ جرم قابل معافی ہے ایک شخص نماز فرض ہی نہیں مانتا یا اسے برا سمجھتے ہوئے نہیں پڑھتا۔ وہ جہالت سے نہیں بلکہ ڈھیٹ پن سے نہیں پڑھتا یہ کفر ہے یہ جرم ناقابل بخشش ہے جب تک مسلمان نہ بنے گا۔ **بارھواں فائدہ:** ہر گناہ قابل بخشش ہے چھوٹا ہو یا بڑا ایک ہو یا لاکھوں چھپا ہو یا علانیہ یہ فائدہ **سوء** کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہاں حقوق العباد مارلینا قابل بخشش نہیں جب تک کہ حق دار معاف نہ کرے یہ فائدہ بھی **سوء** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **سوء** فرمایا حقانہ فرمایا مرقات باب الظلم میں ہے کہ حقوق العباد کی نہ شفاعت ہوگی نہ رب تعالیٰ کی طرف سے معافی یہ تو صاحب حق کے معاف کرنے سے ہی معاف ہو سکتے ہیں'

تیرھواں فائدہ: اگرچہ گناہ سے توبہ بہت جلد کرلینی چاہئے لیکن اگر کچھ دیر سے بھی کی گئی تب بھی درست ہے یہ فائدہ **ثم تاب** اور **من بعدہ** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **ثم** تاخیر کے لئے آتا ہے۔ **چودھواں فائدہ:** توبہ کے لئے گذشتہ گناہوں پر ندامت کے ساتھ آئندہ اپنی اصلاح کرنی بھی ضروری ہے بلکہ اگر ہو سکے تو گناہ کا کفارہ بھی ادا کردے یہ فائدہ **اصلح** فرمانے سے معلوم ہوا ایک جگہ قرآن مجید میں ہے **الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات** وہاں بھی توبہ کے بعد آئندہ نیک اعمال کرنے کا ذکر ہے گویا توبہ کے دو رکن ہیں ایک رکن کا بیان **تاب** میں ہے دوسرے رکن کا بیان **واصلح** میں۔ **پندرھواں فائدہ:** مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمانیات کے ساتھ کفریات نیکیوں کے ساتھ گناہوں کا بھی علم رکھے ایمانیات اور نیکیاں تو کرنے کے لئے سیکھے اور کفریات و گناہ بچنے کے لئے یہ فائدہ **ولتستبین سبیل المجرمین** سے حاصل ہوا اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں صالحین کے اعمال کا بھی ذکر فرمایا اور کفار کے اعمال کا بھی بلکہ کفار کے کفریات بھی قرآن مجید میں بیان فرمائے دیکھو ارشاد فرمایا **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** یا فرمایا **وقالت الیھود عزیز ابن اللہ**۔ **سولھواں فائدہ:** اللہ رسول کی بارگاہ ناز و کھانے کی نہیں نیاز مندی کی ہے سرداران کفار نے اکڑ کر یہ کر شرطیں لگائیں کہ اگر مساکین کو آپ نکال دیں تو ہم آپ کے پاس آئیں مگر آپ نے انہیں نکالا نہیں لہٰذا ہم آئے نہیں وہ تو مردود کردیئے غلامان بارگاہ بے عذر بغیر شرط بندہ بارگاہ بن گئے انہوں نے منہ سے نہیں کہا کہ ہم کو آپ نہ نکالیں وہ ایسے محبوب ہوئے کہ سبحان اللہ یہ فائدہ **لتستبین سبیل المجرمین** سے حاصل ہوا تا قیامت یہ دونوں مثالیں قائم فرمادی گئیں ان واقعات سے معلوم کرلو کہ ایمان کا اصل وقار نبی ہے جس دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار ہے اس دل میں قرآن 'ایمان 'اسلام رحمان کا وقار ہے اور جس دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار نہیں اس میں کسی کا وقار

نہیں اس لئے مذکورہ واقعات کفار مومنین کے بیان فرمائے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مومن کو سلام یا مذکورہ بشارتیں اسی پر موقوف ہیں کہ وہاں مسلمان حاضر ہو دیکھو اذا جاء شرط ہے اور فقل سلام علیکم جزاء شرط کے بغیر جزا نہیں ہوتی تو یہ شرف صرف امیر مسلمانوں کو حاصل ہو گا جو مدینہ منورہ میں حاضری دیں وہ بھی عمر میں صرف ایک دو بار۔ **جواب**: یہاں آنے سے مراد صرف مدینہ منورہ میں حاضر ہو جانا نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قلبی بھی شامل ہے مسلمان جہاں بھی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا دکھ درد کہے گناہوں پر شرمندگی کرے اور عرض کرے۔

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہ ہے آدم کو ہے گناہ آوردہ ام

انشاء اللہ اسے یہ سلام و بشارتیں ملیں گی ہم نے عرض کیا ہے۔

جسم ہندی ہے مرا روح ہے میری مدنی یاخدا دور کسی طرح ہو بعد بدنی

خیال رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بہت لمبے ہیں ان کا دامن بڑا وسیع ہے سورج کی کرنیں بہ یک وقت آدھی زمین پر پڑتی ہے وہ بھی صرف دن میں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیات ساری زمین پر بلکہ مسلمانوں کی قبروں میں ہر وقت پڑتی ہیں' دیکھو نماز درست ہونے کے لئے کعبہ کی طرف رخ ہونا ضروری ہے۔ مگر اس کے لئے مکہ معظمہ' پہنچنا ضروری نہیں جہاں بھی ہو منہ ادھر کر لو نماز درست ہے۔ یوں ہی جہاں بھی ہو دل کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر لو سب کچھ مل جائے گا۔ **دوسرا اعتراض**: جب آنے میں اتنی وسعت ہے تو اس آیت میں آنے کی قید کیوں لگائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کو سلام اور یہ بشارتیں دے رہے ہیں۔ **جواب**: اس لئے تا کہ کوئی مسلمان اپنے علم و عمل پر غرور کر کے اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ سمجھ لے تم خواہ کچھ بھی ہو مگر یہ نعمتیں ان کے دروازہ پر حاضری سے ملیں گی۔ بھیک ملنے کا یہ دروازہ ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہم تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

تجھے حمد ہے خدایا!

جیسے دنیا کا کوئی غوث و قطب عالم فاضل ہوا' دھوپ' غذا' پانی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا یوں ہی کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ **تیسرا اعتراض**: سنت یہ ہے کہ آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے مگر یہاں ارشاد ہے کہ جب مومنین آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں سلام فرماؤ یہ آیت اس حدیث پاک کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس کے تین جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے ایک یہ کہ اس سلام سے مراد رب تعالیٰ کا سلام ہے' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو پہنچاتے ہیں' دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام مراد ہے مگر یہ سلام تحیۃ و ملاقات کا نہیں بلکہ سلام بشارت ہے۔ حدیث شریف میں سلام ملاقات کے لئے یہ قید ہے کہ آنے والا کرے' تیسرے یہ کہ یہ شرعی سلام نہیں بلکہ سلامتی کی جڑ ہے کہ اے مومنو جب تم میرے دروازہ پر آگئے تو تم نے ہر طرح کی سلامتی پائی تمہارا دین اعمال' تقویٰ' پرہیزگاری انشاء اللہ بخیرت منزل مقصود پر پہنچیں گے۔ تم شیطان' نفس امارہ اور تمام گمراہ کن چیزوں سے محفوظ رہو گے۔

دل پر کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا!

لہٰذا آیت وحدیث میں تعارض نہیں سلام کی قسمیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو جہالت و بے علمی سے گناہ کرے وہ بخشا جائے گا تو جو کوئی دانستہ گناہ کرے وہ نہ بخشا جائے گا مگر دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے۔ **ویغفر ما دون ذالک لمن شاء** کفر و شرک کے سوا سارے گناہ قابل بخشش ہیں یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا ہے کہ جہالت سے مراد علم یا عمد کے مقابلہ کی جہالت نہیں بلکہ بمعنی نادانی و حماقت ہے مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے کو گنہگار سمجھتے ہوئے گناہ کرے تو بخشا جاوے گا جو گناہ کو اچھا جان کر کرے وہ نہ بخشا جاوے گا کہ وہ تو ایمان سے نکل چکا' غرضیکہ گنہگاری خطاکاری کا جرم کچھ اور ہے غداری و بغاوت کا جرم کچھ اور پہلا گناہ قابل معافی ہے مگر غداری و بغاوت کا گناہ قابل معافی نہیں خیال رہے: کہ بڑے سے بڑا عقلمند گناہ کرے تو بے وقوف ہے سیدھا سادھا مسلمان نیکی کرے وہ عقلمند ہے دنیا کی عقل مشین اور آلات بناتی ہے۔ آخرت کی عقل ایمان و عرفان و تقویٰ بناتی ہے یہاں آخرت کی بے عقلی نادانی بیوقوفی مراد ہے لہٰذا **بجھالتہ** فرمانا بالکل درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں بخشش اور رحمت کے لئے توبہ اور اصلاح کی شرط لگائی گئی تو کیا جو گنہگار توبہ اور اصلاح نہ کرے وہ ہرگز نہ بخشا جاوے گا اگر ایسا ہی ہے تو یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے **ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء** نیز بہت سے گنہگار بغیر توبہ مرجاتے ہیں بہت سوں کو توبہ کا موقعہ نہیں ملتا کیا وہ سب ناقابل بخشش ہیں۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں یہ دونوں قیدیں بخشش و رحمت کے لئے نہیں بلکہ بخشش و رحمت لازم و ضروری ہونے کے لئے ہیں دیکھو یہاں فرمایا **کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** یعنی توبہ کرنے اصلاح کرنے والے کی ضرور بالضرور بخشش ہوگی' دوسروں کی بخشش کا حتمی وعدہ نہیں چاہے سزا دے چاہے بخش دے اس لئے تمہاری پیش کردہ آیت میں ہے **لمن یشاء** لہٰذا آیتیں دونوں برحق ہیں تعارض نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اگر یہاں رحمت کے معنی کئے جائیں تقریب خاص نظر خاص جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے وہ حاضرین بارگاہ کو بھی عطا ہوں گے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حاضرین بارگاہ میں فرق کیا دونوں برابر ہو گئے کہ سب کو یکساں قرب و نظر عطا ہوئے۔ **جواب:** اگر گلدستہ میں گھاس پھول کے ساتھ بندھ جانے کی وجہ سے بادشاہ کے ہاتھ میں پہنچ جائے تو گھاس پھول کی شان برابر نہیں ہو جاتی اگر باراتیوں کو دولہا کے ساتھ بٹھا کر یکساں کھانا کھلا دیا جائے تو باراتی اور دولہا برابر نہیں ہو جاتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا یا پھول ہیں حاضرین طفیلی ہیں۔ باراتی ہیں یا گلدستے کی گھاس کی طرح۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں حاضرین بارگاہ کے لئے آیتوں پر ایمان لانے کا ذکر کیوں ہوا۔ صرف **جاؤک** فرمادینا کافی تھا **الذین یومنون بایاتنا** اتنی دراز عبارت کی کیا ضرورت تھی۔ **جواب:** اگر **جاؤک** فرمایا جاتا تو شبہ ہوتا کہ یہ فرمان عالی صرف فقراء صحابہ کے لئے ہی ہے **الذین یومنون** فرما کر یہ بتادیا کہ یہ بشارت عظمیٰ تاقیامت سارے مسلمانوں کے لئے ہے اور حاضری سے مراد صرف مدینہ منورہ میں حاضر ہونا نہیں بلکہ جہاں بھی ہوں وہاں سے ہی حاضر ہو جائیں نیز یہ بتایا گیا کہ کوئی کسی درجہ کا مومن ہو ولی ہو غوث ہو قطب ہو یہ سلام اور بشارتیں جب پائے گا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوگا کوئی اپنے کو ان سے مستغنی نہ سمجھے۔ **آٹھواں اعتراض:** ہماری قراۃ میں **انہ من عمل** اور یوں ہی **فانہ غفور رحیم** دونوں جگہ ان کو فتحہ ہے مگر نحوی قاعدہ سے دونوں جگہ کسرہ ہونا چاہئے کیونکہ شروع کلام میں ان کسرہ سے ہوتا۔ **جواب:** اس کا

جواب تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ یہ دونوں عبارتیں نیا کلام نہیں بلکہ پہلا ان یعنی انہ من عمل الرحمۃ کا بیان ہے یعنی یہ رحمت اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمائی کہ انہ من عمل اور دوسرا ان یعنی فانہ غفور رحیم پہلے انہ من عمل کا بیان ہے اس کی مثال ان دو آیتوں میں ہے ایعد کم انکم اذا متم و کنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون اور فرماتا ہے کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ اور فرماتا ہے الم یعلموا انہ من یحادد اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم ان ساری آیتوں میں ان اس وجہ سے مفتوح ہے۔ (کبیر)

تفسیر صوفیانہ : جیسے کعبہ معظمہ کے بعض فیوض مکہ معظمہ پہنچ کر ملتے ہیں دور سے نہیں مل سکتے چنانچہ طواف حج عمرہ سنگ اسود کو بوسے وہاں پہنچ کر ہی مل سکتے ہیں اور بعض فیوض ہر جگہ رہ کر مل جاتے ہیں' چنانچہ نماز پڑھتے وقت قربانی کرتے وقت دعا مانگتے وقت بلکہ جان نکلتے وقت کعبہ کی طرف منہ کر لینا کافی ہوتا ہے مسلمان جہاں بھی ہو وہاں سے ہی کعبہ کو منہ کر کے یہ عبادات کرے رب فرماتا ہے وانما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ غرضیکہ کعبہ معظمہ مسلمانوں کو حاجی بناتا ہے اپنے پاس لا کر مگر نمازی بناتا ہے ہر جگہ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ ایمان' قبلہ ارواح' قبلہ قلوب' قبلہ عرفان ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے بعض فیوض وہاں جسمانی حاضری دینے والوں کو ملتے ہیں بعض فیوض ہر جگہ مل جاتے ہیں' چنانچہ صحابیت' بدریت' وغیرہ صرف ان خوش نصیبوں کو میسر ہوئی جو اس زمانہ میں مجلس پاک کی ظاہری حاضری سے مشرف ہوئے اور ایمان' رب تعالیٰ کا سلام یہاں کی مذکورہ بشارتیں' عرفان' ولایت' تاقیامت ہر جگہ پہنچتی رہیں گی' ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دوسرے فیوض کا ہی ذکر ہے کہ فرمایا گیا اے محبوب جو املین اپنے کو آپ کی ذات میں فنا ہو کر لا شے کر چکے انہیں نہ تو فراق چکھاؤ نہ انہیں فراق سے ڈراؤ بلکہ انہیں اپنے پاس بلاؤ۔ اور انہیں ہمارا سلام پہنچاؤ انہیں ہماری بشارتیں سناؤ کہ تم نے اپنے کو ہمارے محبوب میں فنا کر دیا اور اپنا دل ان پر فدا کر دیا تو جو رحمتیں محبوب پر برس رہی ہیں تم پر بھی ان کا چھینٹا پڑ جاوے گا ان کے صدقہ تم ہم سے قریب حضوری پا لو گے کہ اچھوں کے ساتھی وہاں ہی پہنچتے ہیں جہاں اچھے پہنچے ہیں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بلکہ ان کے نعلین پاک بھی عرش پر پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جلوہ گری فرمادی تو وہ یثرب تھا اسے طیبہ کر دیا وہاں کی مٹی خاک و یا تھا اسے خاک شفا کر دیا جہاں آج مسجد نبوی ہے وہاں مشرکین و یہود کی قبریں بھی تھیں اور شہر کی گھوری (روڑھی) بھی یعنی اس کے اندر آگ تھی قبور کفار میں اور پر گندگی اس قدم پاک سے وہ جگہ مسجد نبوی دنیا بھر کی سجدہ گاہ بن گئی۔ اس میں ریاض الجنۃ بن گئی تو کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے قدم سے انسان وابستہ ہوں اور محروم رہیں لہذا جو تمہارے پاس آ جائیں ان سے فرما دو کہ تم کو ہر ناپسند چیز سے سلامتی نصیب ہے اور ہر پسندیدہ چیز کی عطا میسر ہے۔ شریعت میں آنے والا سلام کرتا ہے مگر عشق و محبت کی مجلس میں آنے والے کو رب تعالیٰ اس کے فرشتے سلام کرتے ہیں دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں جب قرب خاص میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے سلام فرمایا السلام علیک ایھا النبی جنتی جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرمائے گا۔ سلام قولا من رب رحیم اور فرشتے عرض کریں نے سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین ایسے حاضرین کے لئے بجز ظلمانی مرکز جسمانی' آفات روحانی سے سلامتی ہے باقیات' صالحات اور عالم انوار کی عطا ہے ایسے لوگوں سے اگر خطائیں سرزد ہو بھی جائیں تو انہیں رحمت و مغفرت کی عطائیں ملتی ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دو تحریریں ہیں ایک

ازلی ہے دوسری وقتی، وقتی تحریر ازلی تحریر کو نہ بدل سکتی ہے نہ مٹا سکتی ہے کتب رحکم میں اس ازلی تحریر کا بیان ہے کہ اے میرے محبوب کے عاشقو اگر تم سے گناہ سرزد ہوئے اور کاتب اعمال فرشتے نے تمہارے گناہ لکھ لئے تو گھبراؤ نہیں یہ تحریر وقتی ہے میں تمہارے لئے تحریر ازلی میں رحمت لکھ چکا ہوں اس آیت کا مضمون بیماران گناہ کے لئے شفا ہے اسی میں دوا اور پرہیز دونوں کا مکمل بیان ہے

درد مندان گنہ را روز و شب شیرنی بہتر زاستغفار نیست
آرزو منداں وصال یار را چارہ غیر از نالہاؤ زار نیست

غرضیکہ محبوب کا دروازہ ہر جگہ کھلا ہوا ہے "آؤ رب کی رحمتیں پاؤ مغفرت لے جاؤ وہاں قرب و بعد کوئی چیز نہیں ہے

نہ کہیں سے دور ہیں منزلیں نہ کہیں قریب کی بات ہے
جسے چاہیں اس کو نواز لیں یہ در حبیب کی بات ہے

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ لَا أَتَّبِعُ

فرمادو بیشک میں منع کیا گیا ہوں اس سے کہ پوجوں میں ان کو کہ پوجتے تم ہو اللہ کے مقابل فرمادو کہ نہیں پیروی

تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تم فرماؤ میں تمہاری خواہش پر

أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

کرتا میں خواہشوں کی تمہاری بیشک بہک جاؤں گا میں تب تو اور نہ ہوں گا میں ہدایت دیئے ہوؤں سے

نہیں چلتا یوں ہو تو میں بہک جاؤں اور راہ پر نہ ہوؤں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کریمانہ رحیمانہ کلام بتایا گیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نیازمندوں کو خطاب فرمادیں اب وہ غضب و قہر کا کلام بتایا جارہا ہے۔ جس سے مردودوں کو خطاب فرمادیں گویا محبوبوں کی محبوبیت ظاہر فرما کر مردودوں کی مردودیت ظاہر فرمائی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں مشرکین عرب کا وہ مطالبہ ٹھکرا دیا گیا کہ آپ فقراء مومنین کو اپنے آستانہ سے الگ کردیں ہماری خاطر اب خود ان مشرکین کو ٹھکرایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ ہم نے مجرمین اور مخلصین کی راہ ظاہر فرمادی۔ اب اس ظہور کا ایک ذریعہ بتایا جارہا ہے کہ جس راہ سے ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نفرت ہے۔ وہ مجرمین کا راہ ہے اور جس راہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہے وہ متقین کا راہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ نشان ہدایت ہیں جن سے کفر و ایمان کے فرق ظاہر ہوتے ہیں گویا ایک چیز کا اجمالی ذکر فرمانے کے بعد اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ان فقراء صحابہ کو اپنے ساتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ جو ھوی کے پیروکار ہیں اور اپنے رب کے عابد اب ان اغنیاء کفار سے علیحدگی کا حکم ہے۔ جو اپنی

ھوی کے پیروکار ہیں اور بتوں کے پجاری گویا بارگاہ عالیہ کے لائق حضرات کے ذکر کے بعد ان نااہلوں کا ذکر ہے جو اس آستانہ کے لائق نہیں۔

تفسیر: قل انی نھیت چونکہ اس آیت میں توحید کا ذکر ہے اس لئے قل سے شروع فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے گواہ توحید کی دلیل توحید کے نشان اعظم ہیں اور اکثر جگہ نبوت کا مضمون بغیر قل کے ارشاد ہوا ہے کہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا گواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رب فرماتا ہے انا ارسلنک شاھدا اور اپنے متعلق فرماتا ہے وکفی باللہ شھیدا محمد رسول اللہ نیز قل فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ یہ توحید کا مضمون ایمان جب بنے گا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ماتحت ہو گا کہ دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے ماسویٰ اللہ کی عبادت سے باز آ جائے نھیت بنا ہے نہی سے بمعنی منع کرنا روک دینا نھیت ہے ماضی مطلق یعنی میں رب تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی منع کر دیا گیا ہوں روک دیا گیا ہوں اپنے بچپن شریف میں فطری طور پر پختہ عمر ہونے پر دلائل عقل کے ذریعہ اور نزول قرآن ظہور نبوت کے بعد آیات قرآنیہ کے ذریعے مجھے رب نے تمام بدعقیدگیوں ساری بدعملیوں سے روک دیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستوں میں رہ کر کبھی بت پرستی نہ کی کبھی بتوں کے نام پر ذبح کئے جانور کا گوشت نہ کھایا عرب جیسے ملک میں رہ کر کبھی جھوٹ، شراب وغیرہ کسی بری بات کے قریب نہیں گئے یہ معنی ہیں نھیت کے شیر کا ایک دن کا بچہ گھاس نہیں کھاتا بکری کا ایک دن کا بچہ گوشت نہیں کھاتا یہ ہے فطری ہدایت کہ رب العالمین نے ان دونوں کو کھانے نہ کھانے کی چیزوں کی ہدایت دیکر بھیجا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنے نہ کرنے کے کاموں کی ہدایت دے کر بھیجا۔ ان اعبدا الذین یہ عبارت نھیت کا دوسرا مفعول ہے اعبد بنا ہے عبادۃ سے عبادت کے معنی ہیں اپنی عبدیت کا اظہار یعنی اپنے کو کسی کا بندہ مان کر اس کے سامنے عجز و نیاز۔ اطاعت کے معنی ہیں اپنے سے بڑے کی فرمانبرداری اتباع کے معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا اس کی نقل کرنا لہذا عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے۔ اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور اپنے بزرگوں کی بھی اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہو گی۔ عبادت اطاعت 'اتباع کا فرق ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر ایاک نعبد کے تحت بیان کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ عبادت تین قسم کی ہوتی ہے بدنی 'مالی اور دونوں کا مجموعہ' اعبد میں یہ تینوں شامل ہیں الذین اگرچہ عقل والوں کے لئے آتا ہے مگر یہاں مشرکین کے بت چاند سورج' درخت پتھر انسان جن وغیرہ سارے معبودین داخل ہیں کیونکہ وہ اپنے ان سب معبودوں میں عقل مانتے تھے انہیں عاقل و ہوشیار سمجھتے تھے (روح المعانی) تدعون من دون اللہ۔ تدعون بنا ہے دعاء سے دعا کے دو معنی ہیں کسی کو پکارنا کسی کو اپنے پاس بلانا کہا جاتا ہے دعوت ضیفی للضیافۃ میں نے اپنے مہمان کو دعوت کے لئے اپنے گھر بلایا اصطلاح میں دعاء بمعنی عبادت و پرستش آیا ہے قرآن و حدیث میں دعا چار معنی میں آیا ہے پکارنا جیسے الادعاء ونداء بلانا جیسے وادعو شھدا کم من دون اللہ دعا مانگنا جیسے ربنا و تقبل دعاء عبادت کرنا جیسے لا تدعوا من دون اللہ حدیث شریف میں ہے الدعا مخ العبادۃ دعا عبادت کا مغز ہے وہاں دعا سے مراد دعا مانگنا ہے یہاں بمعنی عبادت ہے اس لئے پہلے ارشاد ہوا ان اعبد پھر ارشاد ہوا۔ تدعون ایسے موقعہ پر قرآن کریم میں دعاء بمعنی پوجنا پرستش کرنا ہی ہوتا ہے۔ وہی معنی یہاں مراد ہیں کیونکہ مشرک اگر بت کو کبھی نہ پکارے مگر اس کو سجدہ کرے یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے اس کی بھینٹ کی نیت سے یا اس پر پانی چڑھائے۔ جب بھی

مشرک ہے **لا تدعون من دون اللہ** کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کے سواء کسی کو پکارو نہیں اور جو چاہو کرلو اس پر پانی چڑھاو اسے سجدہ کرلو۔ نہیں بلکہ معنی یہی ہیں کہ ماسویٰ اللہ کو پوجو مت **دون** کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں اور **الا' سوی غیر' حاشا' دون** کے فرق بھی بتا چکے ہیں یہاں دون یا بمعنی سواء ہے یا بمعنی مقابل۔ **قل لا اتبع اھواء کم۔** چونکہ پہلے رب تعالیٰ کی ممانعت کا ذکر تھا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی جہت سے اپنے حال کا ذکر ہے اس لئے یہاں قل دوبارہ ارشاد ہوا **اھواء** جمع ہے **ھوی** کی بمعنی کرنا خالی ہونا رب تعالیٰ فرماتا ہے **وافئدتھم ھواء** نفسانی خواہش کو ھوا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو دوزخ میں گراتی ہے اور فائدہ سے خالی ہوتی ہے اس لئے اسے ھوا کہتے ہیں۔ یعنی آپ فرمادو کہ مجھے بتوں کی عبادت سے رب تعالیٰ نے بچپن شریف سے ہی منع فرمادیا ہے اور میں بذات خود تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کرتا ہوں میں فطرتاً تمہاری خواہشات سے بیزار ہوں۔ (از روح المعانی) اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تم محض اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہو تمہارے پاس وحی الٰہی اور نور نبوت نہیں اور دین کے لئے اسی کی ضرورت ہے ھویٰ سے ہدیٰ نہیں ملتی اور بغیر ہدیٰ خدا نہیں ملتا دین کا مقصد خدا رسی ہے۔ **قد ضللت اذا** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کفار خواہشات کی پیروی کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ **ضلال** کے معانی اور اس کی قسمیں اور ان اقسام کے نتیجے ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر **ولا الضالین** کے ماتحت بیان کر چکے ہیں یہاں **ضللت** بمعنی ماضی نہیں بلکہ بمعنی مستقبل ہے۔ چونکہ کفار کی خواہشات کی پیروی کی صورت میں گمراہی یقینی ہے اس لئے یہاں مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا یہاں ضلال سے مراد عقیدے کی انتہائی گمراہی کفر و شرک ہے یعنی اگر میں تمہاری خواہشات کی پیروی کروں تو تمہاری طرح گمراہ یعنی مشرک و کافر ہو جاؤں گا۔ **وما انا من المھتدین** یہ جملہ **قد ضللت** پر معطوف ہے اور اس سے گمراہی کا انتہائی درجہ بیان فرمانا مقصود ہے یعنی اس صورت میں ایسا گمراہ ہو جاؤں گا کہ ہدایت کے کسی شعبہ میں نہ رہوں گا بعض گمراہیاں حد کفر تک نہیں پہنچتی۔ ان میں کچھ نہ کچھ ہدایت کا شائبہ رہتا ہے مگر جو گمراہی شرک و کفر تک پہنچ جاوے اس میں ہدایت کا کوئی شائبہ نہیں رہتا اس عبارت میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اے بد نصیبو تم گمراہی کے آخری درجہ میں ہو جس میں ہدایت کا نور مطلقاً نہیں خیال رہے کہ اس عبارت میں ناممکن کو ناممکن پر معلق فرمایا گیا ہے یہ بھی ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی پیروی کریں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آن کے لئے ہدایت سے علیحدہ ہو جاویں جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔** اگر خدا تعالیٰ کے بیٹا ہو تو پہلے میں اس کی عبادت کروں ایسے ہی یہ بھی ناممکن کو ناممکن پر معلق فرماتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مایوس کر دیا جاوے وہ اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ آگے چل کر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مذہباً مل جاویں گے ہمارا دین اختیار فرمالیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ علانیہ طور پر مشرکین عرب سے فرمادیں کہ مجھے رب تعالیٰ نے عالم غیب سے اس چیز سے منع فرما کر بھیجا ہے کہ میں کبھی کسی حال میں تمہارے کسی جھوٹے معبود کی کسی قسم کی بدنی یا مالی یا کوئی اور عبادت کروں اس لئے میں نے بچپن شریف میں بھی تم میں رہ کر کبھی بت پرستی نہ کی میں تم لوگوں میں ماحول سے بدلنے نہیں آیا بلکہ ماحول کو بدلنے آیا ہوں یہ بھی فرمادو کہ تم نہ تو وحی کے متبع ہو نہ کسی آسمانی کتاب کے نہ الہام نبی کے نہ تم تک نور نبوت پہنچا تم صرف اپنی نفسانی خواہش کے پیروکار ہو اور ظاہر ہے کہ نفس کی پیروی خدا تک نہیں پہنچا سکتی' ترکستان جانے والا راستہ عربستان

نہیں پہنچا سکتا اس صورت میں اگر بفرض محال میں بھی تمہاری خواہش نفسانی کی پیروی کروں تو تمہاری طرح میں بھی ہدایت سے بہت دور ہو جاؤں گا۔ نرا گمراہ کیونکہ ۔

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی　　　کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

خیال رہے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے عابد ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اپنے پیشواؤں کی اطاعت کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے رہے اور صرف رب ہی کے مطیع ہیں آپ نے کسی اور کی اطاعت نہیں کی اور اتباع کسی کی بھی نہ کی کیونکہ اطاعت اپنے سے بڑے کی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر مخلوق میں کوئی نہیں حتی کہ حضرت عباس حمزہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں وہ بھی حضور کی اطاعت کرتے رہے اگر والدین کریمین زندہ رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے۔ کیونکہ وہ سب امتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے نبی اس لئے **اطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولی الامرمنکم** میں خطاب ہم لوگوں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں اور عبادت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خطاب ہے **واعبد ربک حتی یاتیک الیقین** یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی عبادت تو بالکل بند فرمادی اسے عرب سے نکال ہی دیا مگر کفار مکہ جو خدا کی عبادت کرتے تھے اسے بند نہ کیا بلکہ اس کی اصلاح فرما کر اسے باقی رکھا کعبہ کا طواف بند نہ کیا طواف میں ننگا ہونا بند کیا حج بند نہ کیا بلکہ سرداروں کو عرفات تک جانے کا حکم دیا کعبہ نہیں گرایا بلکہ کعبہ سے بت نکال دیئے اس لئے **لا اعبد** کے بعد **الذین تدعون من دون اللہ** ارشاد ہوا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے دین و ایمان کا اعلان کرے دین چھپانے کی چیز نہیں اس میں تقیہ بازی منافقت ہے یہ فائدہ قل سے حاصل ہوا بلکہ مسلمان کا دین اس کی صورت' سیرت' لباس' وضع قطع ہر چیز سے ظاہر ہو اگر دین میں تقیہ کرنا درست ہوتا تو اسلام کیسے پھیلتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے خوف سے تقیہ کر کے اپنے کو چھپائے رکھتے خدا کا نور چھپنے کو نہیں آیا تھا۔ بلکہ چمکنے اور چمکانے کو تشریف لایا تھا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے مگر ایسے آئے کہ طیب و طاہر صاف ستھرے ہر برائی سے دور ہر صفت سے موصوف ہو کر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی بد عقیدگی بلکہ بد عملی کسی وقت بھی اختیار نہ کی۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

خلقت مبراء من کل عیب　　　کانک قد خلقت کما تشاءُ

اے محبوب تم ہر عیب و برائی سے پاک و صاف پیدا کئے گئے ہو گویا رب تعالیٰ نے تم کو تمہاری مرضی کے مطابق پیدا فرمایا۔

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت　　　وہ آئے لیکن آئے رحمتہ للعالمین ہو کر

یہ فائدہ نہیت کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہاں نہی سے مراد پیدائشی جبلی ممانعت ہے۔ اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن شریف کی زندگی مبارک ہے۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آن کے لئے نہ بہکے نہ کفار کی رائے پر چلے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان کی کسی نفسانی خواہش کی پیروی کی یہ فائدہ **قد ضللت اذا** الخ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما ضل صاحبکم وما غوی** ۔ چوتھا فائدہ: ہدایت یافتہ بندوں کی جماعت میں رہنا اللہ کی بڑی نعمت ہے

خدا تعالیٰ ہم کو نیک بھی بنائے اور نیکوں کے زمرہ میں رکھے یہ فائدہ **وما انا من المھتدین** سے حاصل ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین۔** حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء مرسلین کی جماعت سے ہیں یہ فائدہ **وما انا من المھتدین** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی جماعت میں رکھے اگر ایمان پر خاتمہ نصیب ہو جاوے تو ہم بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قدم شریف پکڑ کر یہ عرض کر سکیں۔

جس گلستان کے ہو گل ترنم — خار اس بوستاں کے ہم بھی ہیں

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ جب قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع فرمایا تب یہ چیز چھوڑی دیکھو فرمایا گیا **انی نھیت** منع اس عمل سے کیا جاتا ہے جو انسان پہلے سے کرتا ہو۔ دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **ووجد ضالا فھدی۔** وہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے (بعض بے دین)۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ رب تعالیٰ نے نزول قرآن سے پہلے حضور کو فطری طور ربت پرستی سے منع فرمایا اور نزول قرآن پر شرعی طور پر منع فرمایا نھیت عام ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی آئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بت خانہ میں یا خراب جگہ پر نہ تھے بلکہ غار حرا میں نماز، سجدہ سجود عبادت الٰہی فرما رہے تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نازیبا کام عمر شریف کے کسی حصہ میں ہوا ہوتا تو مشرکین عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور طعنہ دیتے کہ کل تک آپ یہ کام کرتے تھے آج ہمیں اس سے منع کر رہے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں پہلے اپنے متعلق پوچھا **کیف انا فیکم** تم نے میرے شب و روز دیکھے زندگی کا ہر شعبہ دیکھا بتاؤ ہم کو کیسا پایا تمام کفار نے بہ یک زبان یہی کہا کہ جیسا تمہیں پایا ایسا کسی کو نہ پایا کفار تو کیا پاتے ان جیسا تو جبریل نے بھی نہ پایا۔

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہ امم — تم نے تو دیکھے ہیں بہت بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامین کہنے لگے اے مہ جبین تیری قسم — آفاق ہا گردیدہ ام مہرتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت ابو بکر صدیق پیدائشی مومن ہیں آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی کبھی شراب نہیں پی۔ حضور غوث پاک نے بچپن میں کبھی رمضان کے دن میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں ضل بمعنی گمراہ نہیں بلکہ بمعنی نشان ہدایت ہے اسی لئے **فھدی** فرمایا گیا **فھداک** نہ فرمایا۔ یعنی رب تعالیٰ نے تم کو نشان ہدایت پایا جو عالم ہر جگہ سے نظر آئے تو تمہارے ذریعہ سب کو ہدایت دی ورنہ اس آیت کے خلاف ہو گی **ما ضل صاحبکم وما غوی** اگر اللہ نے زندگی و توفیق دی تو انشاء اللہ **ووجدک ضالا** کی تفسیر میں اس کی تفسیر عرض کر کے اپنے نبی کی فضائل عرض کروں گا اور اپنے دل کے ارمان نکالوں گا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہے دیکھو کفار سے فرمایا گیا **تدعون من دون اللہ** جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو لہذا یا رسول اللہ یا غوث یا علی کہنا شرک ہے صرف خدا کو پکارنا چاہئے (وہابی)۔

جواب: اس اعتراض کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں یہاں بطور اختصار صرف اتنا سمجھ لو کہ اس اعتراض کے دو جواب ہیں

ایک الزامی دوسرا تحقیقی الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر کسی بندے کو پکارنا شرک ہے تو ہر نمازی مشرک ہوا کہ وہ کہتا ہے السلام علیک ایھا النبی۔ بلکہ رب تعالیٰ نے نبیوں ولیوں 'مومنوں بلکہ کفار کو پکارا ہے نعوذ باللہ۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں پکارنے سے مراد پوجنا ہوتا ہے اور اگر پکارنا مراد ہو تو کسی کو الہ کہہ کر پکارنا مراد ہوتا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے ومن یدع مع اللہ الھا اخر۔

تفسیر صوفیانہ: بعض لوگ گناہ کے پاس جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے پاس گناہ آتے ہیں حضرت انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم وہ حضرات ہیں کہ نہ وہ گناہ کے قریب جاویں نہ گناہ ان کے قریب آویں اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر انوار کو اس شمع سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو چمنی سے محفوظ کردیا گیا ہو کہ نہ وہ شمع ہوا تک پہنچے نہ ہوا اس تک چنانچہ فرمایا گیا مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ یہاں ارشاد ہوا کہ اے محبوب اپنے درجہ اپنے مقام کو لوگوں کو خبر دے دو کہ فرمادو مجھے پہلے سے ہی بت پرستی اور ہواء پرستی سے محفوظ فرمادیا گیا ہے نہ میں ان برائیوں تک پہنچوں نہ یہ برائیاں مجھ تک پہنچ سکیں اس دعوے کی دلیل میری زندگی اور میرا ماحول ہے اگر ان دونوں چیزوں میں سے کوئی بات ممکن ہوتی تو میں عرب کے گندے ماحول میں رہ کر تمہاری طرح گمراہ ہوتا۔ ایسی ہدایت تامہ پر نہ ہوتا جس پر تم مجھے دیکھ رہے ہو میں اور میری زندگی میرے اعمال و افعال خود میرے دعوے کی دلیل ہیں۔ جیسے سورج خود اپنی دلیل ہے اس کو اس سے ثابت کیا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر بویدت حجت دیگر متاب

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات کی آپ ہی دلیل ہیں انی نھیت الخ اور لا اتبع الخ دونوں دعوے ہیں اور قد ضللت الخ ان دونوں دعووں کی مضبوط دلیلیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق بلکہ خالق کی برہان ہیں رب فرماتا ہے۔ قد جاء کم برھان من ربکم ہمارے لئے رہائی اموتی کی اور نوعیت ہے۔ حضرات اولیاء کے لئے دوسری نوعیت اور حضرات انبیاء کرام کے لئے تیسری نوعیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی چوتھی نوعیت ہے اس اموتی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ قرآن کریم کا نزول ہمارے حق میں اس لئے ہے کہ ہم عبادات و ریاضات کی مشقتیں جھیلیں رب تک پہنچیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقتوں سے بچایا جاوے فرماتا ہے ما انزلنا علیک القران لتشقی۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا

فرمادو کہ بیشک میں کھلی دلیل پر ہوں طرف سے اپنے رب کے اور جھٹلایا تم نے اسے نہیں ہے پاس میرے

تم فرمادو میں تو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو میرے پاس نہیں جس کی تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝
وہ جو جلدی مانگتے ہو تم جسے نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ بیان فرماتا ہے وہ ٹھیک اور وہ اچھا ہے فیصلہ کرنیوالوں سے
جلدی مچا رہے ہو حکم نہیں ہے مگر اللہ کا وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا
قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ
فرمادو اگر تحقیق پاس میرے ہوتی وہ چیز جلدی کرتے ہو تم جس کی تو یقیناً فیصلہ کردیا جاتا یہ کام درمیان میرے
تم فرماؤ اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں تم میں کام ختم ہوچکا
بِالظّٰلِمِيْنَ ۝
اور درمیان تمہارے اور اللہ بہت جاننے والا ہے ظالموں کو
ہوتا اور اللہ خوب جانتا ہے ستمگاروں کو۔

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا تھا کہ نہ تو میں کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تمہاری خواہشات کی پیروی اب اس کی نہایت قوی دلیل دی جارہی ہے کہ میں نور و روشنی پر ہوں تم تاریکی و ظلمت میں نورانی مخلوق ظلمانی مخلوق کی پیروی کیسے کر سکتی ہے۔ نور و ظلمت جمع نہیں ہوسکتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت محفوظیت کی ایک وجہ بیان کی گئی تھی **انی نھیت** اب اس معصومیت کی دوسری وجہ بیان کی جارہی ہے۔ **انی علی بینۃ** گویا ایک دعوے کی دو دلیلیں دی گئیں ایک دلیل پچھلی آیت کریمہ میں دوسری دلیل اب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی حفاظت کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی حفاظت کا ذکر ہے **انی نھیت** میں ذاتی نورانیت کا اعلان ہوا اور **انی علی بینۃ** میں دوسری نورانیت کا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم **نور علی نور** ہیں خود قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **نور علی نور** فرمایا گیا ایک نہایت تیز بلب خود بھی روشن ہو پھر اس پر دوسرا بہت تیز بلب بھی روشنی ڈال رہا ہو تو ظاہر ہے کہ پھر اس بلب کی روشنی کا کیا حال ہوگا **انی نھیت** نے ایک نور کا ذکر کیا **انی علی بینۃ** نے دوسرے نور کا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کا ذکر تھا جس سے آپ گناہ تک نہ پہنچ سکیں **قل انی نھیت الخ** اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظیت کا ذکر ہے۔ جس سے گناہ آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ گویا بتایا گیا تھا کہ اے کافرو میں تم تک تمہارے ٹھکانوں تک تمہاری حرکتوں تک نہیں جاسکتا کہ معصوم ہوں اب ارشاد ہے کہ تمہاری باتیں میرے دل تک نہیں پہونچتیں کہ محفوظ ہوں اس شمع کو رب تعالیٰ نے مضبوط چمنی سے گھیرا ہوا ہے کوئی اسے بجھا نہیں سکتی پرندے کے پر کاٹ دیئے معصوم ہوگیا کہ وہ بلی تک نہیں پہنچتا اسے محفوظ پنجرے میں رکھ دیا محفوظ ہوگیا کہ بلی اس تک نہیں پہنچ سکتی۔

شان نزول: جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کو دعوت اسلام دی اور اسلام قبول نہ کرنے پر عذاب الٰہی سے ڈرایا تو ان کے بعض سرداروں نے بطور تمسخر کہا کہ وہ عذاب جلد لایئے ہم کو اس کا انتظار ہے حتی کہ وہ کہا کرتے تھے **فامطر علینا حجارۃ من السماء اوئتنا بعذاب الیم** اور کہا کرتے تھے **ائتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین** اگر آپ سچے ہیں تو اپنے وعدہ کئے ہوئے عذاب لے آیئے ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی بیان وغیرہ)۔ (2) بعض کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے کہ مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیجئے زمین مکہ کو قابل کاشت بنا کر یہاں نہریں ندیاں جاری فرما دیجئے پھر کہتے کہ جلدی یہ معجزات دکھایئے اگر آپ نے فوراً نہ دکھائے تو آپ سچے رسول نہیں ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں (خازن)۔

تفسیر: **قل انی علی بینة من ربی** چونکہ اس مضمون کا تعلق بھی توحید الٰہی سے ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خدائی قدرتوں ربانی طاقتوں اور خدائی کاموں کا مطالبہ کرتے تھے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تھا نہ کہ دعویٰ خدائی اس لئے قل سے شروع فرمایا۔ نیز اس آیت میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر ہے کہ محفوظ و مامون ہوں۔ مگر درپردہ رب تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے کہ رب کا قانون یہ ہے کہ انسان میں ہدایت و گمراہی دونوں کی طاقت پیدا کرے **وهدینا و النجدین** مگر اس کی قدرت یہ ہے کہ اس نے مجھے گمراہ ہونے گناہ کرنے کی طاقت نہیں دی دوسرے لوگ قانونی بندے ہیں میں قدرت الٰہی کا کرشمہ ہوں بچہ کا ماں باپ سے پیدا کرنا قانون ہے اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے اور جناب آدم و حوا کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمانا قدرت ہے۔ لہٰذا یہ حمد الٰہی ہے اس لئے بھی اسے قل سے شروع فرمایا یہاں قل میں روئے سخن کفار سے ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے واہیات مطالبے کرتے تھے۔ **انی علی بینة** جملہ اسمیہ فرما کر یہ بتایا کہ میرا اس روشنی پر ہونا عارضی ہے کہ میں دنیا میں آکر روشنی لوں بلکہ دائمی ہے میں پہلے ہی سے روشنی پر ہوں اسی لئے کافروں میں پیدا ہو اگر صاحب ایمان ہوں بروں میں پیدا ہو اگر اچھا ہوں بت پرستوں میں پیدا ہو اگر خدا پرست ہوا۔ **بینتیا** تو بنا ہے بیان معنی ظہور سے یا بنا ہے **بون** معنی دوری سے پہلی صورت میں **بینة** سے مراد روشن ظاہر واضح دلائل دوسری صورت میں اس سے مراد ہے حق و باطل میں فاصلہ کرنے والی دلیل اسی سے ہے **بینونة** اور طلاق بائنہ جو زوجین میں دوری واقع کر دے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے (روح المعانی) **من ربی** متعلق ہے کائنة کے اور صفت ہے **بینة** کی یعنی اس روشن دلیل پر ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھے عطا ہوئی اس روشن دلیل سے مراد یا تو قرآن مجید ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت آخری احتمال زیادہ قوی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن اور ظہور معجزات سے پہلے سے ہی اس نور پر تھے اس لئے آپ سے کبھی کوئی گناہ صادر نہ ہوا صادر ہونا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی گناہ کا ارادہ و ہم بھی نہ کیا اس کی تحقیق ہماری کتاب عصمت انبیاء میں دیکھو یہاں علی لزوم کے لئے ہے جیسے **اولئک علی هدی من ربهم** یا جیسے کہا جاتا ہے **علیه دین** کیونکہ یہ نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی اور آگ کے لئے گرمی۔ نیز علی فرما کر بتایا گیا کہ عارضی اور کچا رنگ آگ یا پانی سے جل جاتا ہے یا دھل جاتا ہے مگر پکا رنگ سرد و گرم قدم کسی تدبیر سے نہیں چھوٹتا جسے میں رنگ دوں وہ بھی پختہ ہو جاوے میں تم کو رنگوں گا تم سے نہ رنگوں گا۔ اس جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کریم بیان ہوا **و کذبتم به** اس عبارت میں کفار کی حالت کا

بیان ہے بہ کا مرجع بینتہ ہے یہ عبارت یا تو یا جملہ ہے یا بینتہ کا حال ہے اور قد پوشیدہ ہے (روح المعانی) مطلب یہ ہے کہ میرا حال تو یہ ہے کہ میں اپنے رب کی روشن واضح دلیل پر ہوں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس کے بالکل انکاری ہو تم میں مجھ میں بہت دوری ہے۔ **ما عندی ما تستعجلون بہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کے مطالبوں کا جواب ہے پہلا ما نافیہ ہے دوسرا ما موصولہ اس موصولہ ما سے یا تو ان کا منہ مانگا عذاب مراد ہے یا ان کے مطلوبہ معجزات جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا خیال رہے کہ یہاں ان عذابوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہونے مستقل قبضہ میں ہونیکی نفی ہے کہ رب نے عذاب آنے کا جو وقت مقرر فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے آگے پیچھے کردیں رب تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بھی عذاب نہیں آسکتا حضرات انبیاء سیف زبان ہوتے ہیں جو ان کی زبان سے نکل جاتا ہے رب تعالیٰ وہی کرتا ہے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے دعا کی **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** خدایا روئے زمین پر کوئی کافر نہ چھوڑ ایسا ہی ہوا کہ سارے کافر غرق کردیئے گئے۔ ان کی قوم نے بھی ان سے عذاب ہی مانگا تھا **فاتنا بما تعدنا** آپ نے دو لفظوں میں بددعا کی سارے ہی ڈوب گئے دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کو چند بددعائیں دیں جن میں سے ایک یہ تھی **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** یہ لوگ عذاب دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں ایسا ہی ہوا کہ وہ ڈوبتے وقت بولا **امنت بہ بنو اسرائیل**۔ اور غرق کردیا گیا انہیں حضرت کلیم اللہ نے سامری سے فرمایا **ان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس** تو وبا بن جاوے گا کہ جو تجھے چھوئے گا وہ بھی بیمار ہو جاوے گا کہ جو تجھے چھوئے گا وہ بھی بیمار ہو جاوے گا اور تو بھی اس لئے تو کہتا پھرے گا کہ مجھے نہ چھوؤ ایسا ہی ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے ایک قیدی سے فرمایا تجھے سولی ہوگی وہ بولا میں نے خواب جھوٹی گھڑی تھی فرمایا **قضی الامر الذی فیہ تستفتیان** تم سچے ہو یا جھوٹے جو میں نے کہہ دیا اس کا فیصلہ ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک الٹے ہاتھ سے کھانا شروع کیا فرمایا سیدھے ہاتھ سے کھا وہ بولا میرا سیدھا ہاتھ منہ تک نہیں آتا فرمایا اب تک تو آتا تھا اب نہ آئیگا ایسا ہی ہوا ایک بے دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دل لگی میں لنگڑا کر منہ بنائے ہاتھ ناک پر رکھے چل رہا تھا منہ پھیر کر فرمایا **کن کذالک** تو ایسا ہی ہو جا وہ بالکل ویسا ہی ہوگیا۔ بعض مشرکین نے حضور پر بحالت سجدہ اونٹ کی اوجھری رکھ دی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے اٹھنے کے بعد چند قریشی سرداروں کے لئے بددعا کی وہ تمام کے تمام بدر میں مارے گئے ایسے واقعات سینکڑوں ہیں۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی دشمن کے لئے بھی بددعا نہ کی دینی دشمن کے لئے کی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبی عذاب کے لئے جو پوری قوم پر نازل ہو جائے کبھی بددعا نہ فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض اللہ کے بندے وہ ہیں کہ اگر رب تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری کردے فرماتے ہیں کہ میں نے ابو طالب کو دوزخ کے سخت ترین طبقہ میں پایا تو انہیں ہلکے طبقہ میں کردیا وغیرہ وغیرہ لہٰذا اس آیت کا وہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا۔ یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ میرے پاس تمہارے منہ مانگے عذاب نہیں میرے پاس تو رحمت ہی رحمت ہے۔ مجھ سے رحمت مانگو' میرے دامن میں آؤ دیکھو تم پر رب کی رحمت کے دروازے کھلتے ہیں یا نہیں رب تعالیٰ نے فرمایا **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم** الخ جو کوئی آم کے درخت میں ببول کے کانٹے ڈھونڈھے وہ احمق ہے اور جو کانٹے نہ ملنے پر کہے کہ آم کے پاس کچھ نہیں وہ نرا پاگل ہے اس کے پاس کانٹے نہیں پھل ہیں سارے قرآن میں ایسی ایک آیت نہیں نہ کسی حدیث میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے رحمت مانگی ہو اور

اسے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ میرے پاس نہیں۔ جنت مانگی عطا فرما دی آنکھیں مانگیں بخش دیں۔ **ان الحکم الا اللہ**۔ یہ جملہ نیا ہے اس میں **ما عندی** الخ کی دلیل بیان فرمائی گئی ان نافیہ ہے کیونکہ اس کے آگے **الا** آ رہا ہے ان نافیہ کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد **الا** ہوتا ہے **الحکم** مبتداء ہے اور **للہ** خبر **لا** سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا حکم سے مراد یا تو عذاب میں دیر ہونے کا حکم و فیصلہ ہے یا سارے تکوینی احکام یا سارے تشریعی احکام خیال رہے کہ یہاں حکم سے مراد حقیقی حکم ہے یہ صرف رب تعالیٰ ہی کا ہے حقیقی حاکم وہی ہے دنیاوی بادشاہ حکام۔ یوں ہی حضرات اولیاء انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں مگر رب تعالیٰ کے بنانے سے مجازی حاکم لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے اور دوسری آیات و احادیث کے خلاف نہیں قرآن کریم نے بندوں کو حاکم و حکم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے **و تدلوا بها الی الحکام** اور ارشاد ہے **فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا **لتحکم بین الناس بالحق** مسلمانوں کو خطاب ہے **ان تحکموا بالعدل** وہ آیات اس آیت کے خلاف نہیں۔ خیال رہے کہ امر تو تشریعی حکم میں کہا جاتا ہے مگر حکم تکوینی و تشریعی حکم کو بھی کہا جاتا ہے اور فیصلہ کو بھی یہاں یہ سارے معانی درست ہیں لہٰذا اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ **یقص الحق** ہماری قراۃ میں یقص ہے قاف اور صاد سے امام کسائی وغیرہم کی قراۃ میں **یقضی الحق** ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آگے آ رہا ہے۔ **وهو خیر الفاصلین** اور فیصلہ قضاء کا ہوتا ہے نہ کہ قصہ کا۔ لہٰذا یقضی کی قراۃ قوی ہے مگر قرآن کریم میں قضاء کے علاوہ اور چیزوں کے لئے بھی فیصلہ ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **انه لقول فصل** اور فرماتا ہے **کتاب احکمت ایاته ثم فصلت** اور فرماتا ہے **فصلت ایاته** (روح المعانی) بہر حال ہماری قراۃ یقص ہے جو بنا ہے قص سے بمعنی بیان کرنا یا تابع ہونا رب فرماتا ہے **فارتدا علی اثارهما قصصا** یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی رب تعالیٰ بیان فرماتا ہے حق یا اللہ کا حکم حق و حکمت کے تابع اس کے ساتھ ہوتا ہے (روح المعانی، روح البیان، کبیر وغیرہ) لہٰذا تم پر عذاب نہ آ گیا عذاب میں دیر لگنا بڑی حکمت سے ہے۔ **وهو خیر الفاصلین** یہ بھی جملہ علیحدہ ہے **فاصلین** بنا ہے **فصل** سے بمعنی جدا کرنا یہاں مراد ہے فیصلہ فرمانا صحیح فیصلہ بھی حق باطل کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے اس لئے اسے فیصلہ کہا جاتا ہے یعنی فیصلہ کرنے والے بہت ہیں بادشاہ حکام وغیرہم رب تعالیٰ ان سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے کہ ان لوگوں کے فیصلے غلط بھی ہو سکتے ہیں مگر رب تعالیٰ کا فیصلہ ہمیشہ برحق ہی ہوتا ہے۔ **فاصلین** جمع فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ حکم اور فیصلے بندوں کے بھی ہوتے ہیں مگر وہ مجازی ہیں رب کا فیصلہ حقیقی اور برحق ہے اس فرمان عالی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف شانوں کے رسول بھیجے گئے کبھی جلالی کبھی جمالی آخر میں رحمۃ للعالمین مبعوث ہوئے جن کی نبوت دائمی اور عالمگیر ہے۔ جس کی بڑی حکمتیں ہیں ایک سال میں چار موسم ہوتے ہیں۔ گرمی سردی، خزاں، بہار ایک موسم نہیں ہوتا ورنہ دنیا فنا ہو جاوے اسی طرح جس جگہ جس وقت جیسے رسول کا بھیجنا مناسب تھا ویسے رسول بھیجے گئے فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام ہی کی نبوت موزوں تھی۔ **قل لو ان عندی ما تستعجلون به** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں پہلے مضمون کا ثبوت ہے ما سے مراد ان کفار کا مطلوبہ عذاب ہے **تستعجلون** میں ان کی جلد بازی کا ذکر ہے۔ **عندی** کی تحقیق ابھی **ما عندی ما تستعجلون** کی تفسیر میں بھی ہو چکی اللہ کا عذاب اس کے محبوب بندوں کے پاس ان کے قبضہ میں نہیں ہوتا ان کی دعا سے وابستہ ضرور ہوتا ہے یعنی اے کافرو جو عذاب تم جلد مانگ رہے ہو اگر میرے پاس میرے قبضہ میں ہوتا اور میں رب کے فیصلہ کے خلاف وہ عذاب لا سکتا

ہو تا تو یا جیسے پچھلے نبیوں کے واقعات ہوئے کہ وہ حضرات جلالی رسول تھے اگر میں بھی ایسا ہی رسول جلال والا ہو تا تو **لقضی الامر بینی و بینکم** یہاں قضا بمعنی فیصلہ نہیں بلکہ بمعنی ختم ہو جاتا ہے امر سے مراد عذاب الٰہی اور کفار کی ہلاکت ہے جس کے متعلق کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے تھے اس لئے یہاں **بینی وبینکم** ارشاد ہوا یعنی تب تو میرے اور تمہارے درمیان یہ کام اب تک ختم ہو چکا ہو تا کہ تم اللہ کے دشمن ہو تمہارے مطالبہ پر میں تم پر عذاب بھیج دیتا اور تم ہلاک ہو جاتے اللہ کی زمین تمہارے وجود سے پاک ہو چکی ہوتی۔ خیال رہے کہ جلوے مختلف اور حالات گوناگوں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے دشمنوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آتا ہے تو رب تعالیٰ یہ فرمان نازل فرماتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر غضب الٰہی کا دریا جوش میں آتا ہے اور عذاب آنے ہی کو ہوتا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما کر غضب کی آگ ٹھنڈی فرماتے ہیں۔ چنانچہ **مسلم بخاری** میں بروایت عائشہ صدیقہ مرفوعاً روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کو تبلیغ فرمائی تو وہاں کے سردار ابن عبد یالیل ابن عبد کلال نے بہت گستاخی کی تو جبریل امین مع ملک الجبال اسماعیل کے حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ نے اس فرشتے کو بھیجا ہے آپ حکم دیں اخشوین پہاڑ ملا دیئے جاویں جس سے یہ لوگ دانوں کی طرح پس کر رہ جاویں تو فرمایا کہ نہیں یہ لوگ زندہ رکھے جاویں اگر یہ ایمان نہ بھی لائے تو ان کی اولاد ایمان لے آوے گی۔ (تفسیر ابن کثیر' بخاری' مسلم وغیرہ)۔

الہ العالمین کر رحم طائف کے مکینوں پر الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

نہ یہاں مجبوری بے بسی ہے نہ وہاں یہ محبت و کرم نوازیوں اور ناز کی باتیں ہیں کہ اگر رب کا غضب گرم ہو تو رحمت عالم نرم اگر اللہ کے محبوب **اشداء علی الکفار** کا مظہر بنیں تو رحمت الٰہی نرم ہو۔ شعر۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

واللہ اعلم بالظلمین۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تم پر عذاب نہ آیا یا دیر میں آنا اس لئے نہیں کہ رب تعالیٰ تم سے بے خبر ہے یا وہ مجبور ہے یا ہم سچے نہیں رب ہماری مانتا نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ علیم و خبیر ہے تم میں سے بعض لوگ آگے چل کر ایمان قبول کریں گے اسلام کی خدمتیں کریں گے جیسے حضرت خالد اور عکرمہ ابن ابی جہل' عمرو ابن عاص وغیرہ بعض خود تو کافر مریں گے مگر ان کی اولاد مومن صالح صحابی بنے گی۔ جیسے ولید ابن عتبہ' ابو جہل اور عاص ابن وائل وغیرہ۔ بہر حال تاخیر عذاب میں بہت حکمتیں ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار سے فرما دو جو آپ سے عذاب الٰہی اور اپنی موت اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں یا آس لگائے بیٹھے ہیں کہ کبھی آپ ان کی طرف مائل ہو جائیں گے کہ اے بیوقوفو میں تمہاری پیروی کبھی نہیں کر سکتا کیونکہ میں اپنے رب کی طرف سے نور نبوت ہدایت' قرآن کی روشنی میں ہوں تم ان سب چیزوں کے انکاری ہو تم ظلمت میں ہو نور بلکہ **نور علی نور** پھر تم میں مجھ میں موافقت کیسی' جس کی آنکھوں میں روشنی ہو اسے کوئی کنویں یا آگ کی طرف بلائے اور کہے کہ چلو آؤ راستہ صاف ہے وہ اپنی نور نظر کی وجہ سے اس کے دھوکے میں نہیں آسکتا تو جسے رب تعالیٰ نے دل کی روشنی اور بصیرت عطا کی ہو' وہ کفر شرک یا گناہ کے راستہ کو کیسے اختیار کر سکتا ہے میں نور پر ہوں بلکہ نور ہوں بلکہ نور بخش دینے والا ہوں پھر تمہارے کہنے میں کیسے آسکتا ہوں۔ ہاں جو عذاب تم مجھ سے مانگ رہے ہو وہ میری قدرت میرے قبضہ میں نہیں کہ

میں رب تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف تم پر عذاب لے آؤں۔ حقیقی حکم رب تعالیٰ ہی کا ہے وہ ہمیشہ حق فرماتا ہے اس کے فیصلے حکمت سے ہوتے ہیں وہ تمام لوگوں سے بہتر ہی فیصلہ فرمانے والا ہے کہ دنیاوالوں کے فیصلے صحیح بھی ہوتے ہیں غلط بھی اس کے فیصلے بر حق ہی ہوتے ہیں یہ بھی فرمادو۔ وہ عذاب جس میں تم جلدی کر رہے ہو میرے قبضے و اختیار میں ہوتا تو اب تک میرا تمہارا فیصلہ ہو چکا ہوتا تمہارا کام ختم ہو چکا ہوتا اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ تم ظالم مشرک و کافر ہو۔ پھر عذاب نہ آنا یا عذاب کی دیر لگنا صد ہا رحمتوں سے ہے۔ خیال رہے کہ نہ تو اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بھی ان کفار پر عذاب نہیں آسکتا آپ کی یہ دعا قبول ہی نہیں نہ یہ مقصد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محض مجبور و معذور ہیں آپ کچھ کر سکتے ہی نہیں اگر یہ مقصد ہو تو یہ آیت کریمہ ان کفار کی تائید ہو جاوے گی کہ وہی تو کہتے تھے کہ آپ نبی نہیں کیونکہ آپ محض مجبور و معذور ہیں اگر آپ میں کچھ ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آیئے آیت میں بھی وہی کہہ دیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی طاقت نہیں جو کفار نے کہا تھا وہ آیت نے مان لیا۔ بلکہ آیت کا مقصد وہی ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اے کافرو تم مجھ سے عذاب مانگتے ہو۔ میرے پاس عذاب نہیں میرے پاس اللہ کی رحمت ہے **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** اگر میرے پاس گزشتہ جلالی پیغمبروں کی طرح عذاب ہوتا تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا عذاب تو اللہ جبار و قہار کے قبضہ میں ہے ہم سے تو رحمت ہی ملے گی شعر۔

جناب رحمۃ اللعالمین نے ہنس کے فرمایا کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بنکر نہیں آیا

رب نے فرمایا **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دافع عذاب ہیں نہ کہ باعث عذاب یہ بھی یاد رکھو کہ حکم تین قسم کے ہوتے ہیں۔ حکم تکوینی، حکم تشریعی، حکم انتظامی یا ملکی حکم تکوینی سنائے نہیں جاتے۔ ان میں بندوں کو اختیار نہیں ہوتا ان پر سزا جزا نہیں ہوتی وہ تو دکھائے جاتے ہیں بندے ان پر بے اختیار چلتے ہیں جیسے موت، زندگی، تندرستی بیماری سعادت اور بد نصیبی اولاد ملنا یا نہ ملنا، فقر و غنی، حکم تشریعی سنائے جاتے ہیں بندوں کو اس میں اختیار دیا جاتا ہے ان پر سزا و جزا ہوتی ہے۔ جیسے روزہ نماز حج زکوٰۃ وغیرہ کے احکام یہ دونوں حکم رب کی طرف سے ہوتے ہیں بادشاہ دنیاوی حکام کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا حضرات انبیاء و اولیاء جو اس میں تصرف کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے مگر حکم ملکی انہیں بادشاہ حکام بناتے اور جاری کرتے ہیں جیسے موجودہ فوج پولیس ٹریفک یا ڈاک خانہ وغیرہ کے احکام یہاں تکوینی حکم مراد ہے یعنی میرا رحمۃ للعالمین ہونا نرم دل نرم طبیعت ہونا گزشتہ نبیوں کی طرح جلالی نہ ہونا اللہ کے حکم سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وقتی نہیں دائمی ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی جلالی ہوتی نبوت موسوی یا نبوت نوحی کی طرح تو آج ہم سب پر عذاب آجاتا اللہ کا حکم تکوینی یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جمالی ہو رحمت والی ہو تا کہ تاقیامت عام غیبی عذاب نہ آویں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے ہی نور ہدایت پر ہیں ایک ساعت کے لئے تاریکی یا ضلالت میں نہ رہے یہ فائدہ **انی علی بینۃ** سے حاصل ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تو نور علی نور ہوئے کیونکہ یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ قرآن کے ذریعے میں نور اور بینہ پر ہوا پہلے نہ تھا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاواسطہ رب تعالیٰ نے نور ہدایت عطا فرمائی کسی بندہ نے نہ دی یہ فائدہ **من ربی**

فرمانے سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ہدایت نور ایمان و عرفان دیا کسی سے لیا نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دلیل نور ہدایت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی کہ آپ کبھی ان سے الگ نہیں ہو سکتے نہ وہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو سکتیں ہیں یہ فائدہ **علی بینتہ** میں علی فرمانے سے حاصل ہوا علی لزوم کے لئے ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کفار کی طرف مائل نہ ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب کو رب کی بارگاہ میں جھکانے کے لئے تشریف لائے کسی کے آگے جھکنے کے لئے نہ آئے یہ فائدہ **انی علی بینتہ** کے بعد و **کذبتم بہ** فرمانے سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ میں اور تم گویا ضدین ہیں اور دو ضدوں کا جمع ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت والے پیغمبر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی نعمتیں رحمتیں ہیں عذاب نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب مانگنا ایسا ہی ہے جیسے آم کے درخت میں ببول کے کانٹے تلاش کرنا یہ فائدہ **ما عندی ما تستعجلون** اور **لوان عندی ما تستعجلون** سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تو عذاب آنا بند ہوئے ہیں۔ دیکھو کفار مکہ نے کعبہ معظمہ میں کھڑے ہو کر دعا کی کہ الٰہی اگر قرآن سچا ہے اور ہم نے انکار کیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ جواب میں پتھر نہ آئے بلکہ یہ آیت کریمہ آئی **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دیگا کہ آپ ان میں ہیں۔ سبحان اللہ۔ **چھٹا فائدہ:** حقیقی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہی حاکم حقیقی ہے اس کے بعض بندے بادشاہ، حکام، حضرات اولیاء و انبیاء کرام علیھم الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت سے مجازی حاکم ہیں یہ فائدہ **ان الحکم الا للہ** سے حاصل ہوا جیسے حقیقی حی سمیع بصیر علیم قدیر صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کی عطا سے بندے بھی عارضی سمیع بصیر وغیرہ ہیں اگر اللہ کے بندے مجازی حاکم نہ ہوتے تو **وھو خیر الفاصلین** میں جمع فرمایا جاتا۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے سارے فیصلے تکوینی تشریعی احکام میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں اس میں اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **یقص الحق** سے حاصل ہوا دیکھو اس کی تفسیر۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اگر ظالم کو ڈھیل دے یا اسے اور بھی زیادہ نعمتیں دیدے تو اس کی وجہ اس رب کریم کی بے علمی یا مجبوری نہیں بلکہ اس میں کوئی خاص حکمت ہے یہ فائدہ **واللہ اعلم بالظلمین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندہ مجبور ہیں انہیں کوئی اختیار نہیں۔ دیکھو کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب مانگا تو فرمایا گیا **ما عندی ما تستعجلون** پھر تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کیوں مانتے ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار پر عذاب نہیں لا سکتے تو مسلمان پر رحمت بھی نہیں لا سکتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا قبول ہے نہ دعا (وہابی) موجودہ وہابی یہ آیت پڑھ کر شان اقدس میں بہت گستاخیاں کرتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ پھر تو رب تعالیٰ کے پاس بھی عذاب ختم ہو چکا اب وہ بھی عذاب بھیجنے پر قادر نہ رہا۔ کیونکہ کفار مکہ نے ایک بار رب سے بھی عذاب بھیجنے کا مطالبہ کیا تھا کہ کہا تھا **اللھم ان کان ھذا ھوا الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء** اور یہ دعا بھی بیت اللہ میں مانگی مگر عذاب نہ آیا بلکہ فرمایا گیا **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اللہ ان کو عذاب نہ دے گا کہ آپ ان میں ہیں بولو کیا رب تعالیٰ کو بھی مجبور مانو گے نیز قرآن مجید میں ہے **ویستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی** یعنی لوگ آپ سے عذاب جلدی سے مانگ رہے ہیں اگر عذاب کا وقت

مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو عذاب آجاتا تو کیا کہو گے کہ ابھی اللہ تعالیٰ عذاب بھیجنے پر قادر نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے عذاب آسمانی بند ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالم ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری کی دلیل یہ آیت تو نعت رسول کی آیت ہے **ما عندی** کے معنی ابھی ہم نے عرض کر دیئے کہ میرے پاس عذاب نہیں میرے پاس تو رحمت ہے تم ایک مثال دکھاؤ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کے لئے کوئی رحمت مانگی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو ایسے واقعات صدہا ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو جو دعا دیدی وہ قبول ہو گئی بلکہ جو دے دیا اسے وہ مل گیا۔ حضرت طلحہ کو برکت مال و اولاد کی دعا دے دی تو ان کا گھر دولت اور اولاد سے بھر گیا فرمایا عثمان نے کوثر مجھ سے خرید لیا۔ عثمان جنتی ہیں۔ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں وغیرہ وہ حضرات ایسے ہی ہوئے ہم نے عرض کیا ہے شعر۔

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں
دی خلد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دین تو کعبہ سے پوچھو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بتوں سے پاک ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے اسلام کا قبلہ بنا۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار کو بددعائیں دیں تو وہ قبول نہ ہوئیں بلکہ فرمایا گیا **لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم** آپ کو بددعا کا کوئی حق نہیں اللہ تعالیٰ خواہ انہیں عذاب دے یا توبہ کی توفیق (وہابی)۔ **جواب:** اس کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار پر بددعا کرنے کا حق نہیں۔ تو حضرت نوح شعیب و صالح، موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو کفار پر بددعا کرنے کا حق کیوں تھا کہ انہوں نے کفار پر بددعائیں کیں اور وہ قومیں ہلاک ہو گئیں آج ہم کو بھی بددعا کرنے کا حق ہے اگر ہم کفار پر دعا کریں بلکہ قنوت نازلہ پڑھیں تو گنہگار نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب یہ بددعائیں تمہاری شان کے لائق نہیں تم رحمت والے رسول ہو وہ حضرات جلال والے پیغمبر تھے ان کی دعائے غضب سے قومیں ہلاک کر دی گئیں تم بنانے والے بسانے والے رحمت والے رسول ہو وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ظہور ہے رب کا مقصد یہ تھا کہ وہ مجرمین بجائے ہلاک ہونے کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گریں مسلمان ہو کر دین کی خدمات انجام دیں کافروں کو ہلاک کرنے سے انہیں مسلمان کرنا بہتر ہے چنانچہ وہی لوگ مومن عادل متقی پرہیزگار بنے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ پر عذاب آجانے کی تمنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی مگر رب نے پوری نہیں کی جس پر آپ کو بہت حسرت و افسوس تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے دیکھو فرمایا گیا **لو ان عندی ما تستعجلون بہ لقضی الامر** کتنا حسرت آمیز کلام ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ہیں دو تو الزامی اور ایک جواب تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس طرح کا مضمون قرآن مجید میں رب تعالیٰ کے لئے بھی آیا ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا** اگر مومنین مکہ مکرمہ سے نکل جاتے تو ہم کفار مکہ کو عذاب دیتے تو وہاں بھی کہو گے کہ رب تعالیٰ عذاب پر قادر نہ رہا اس پر افسوس کر رہا ہے **نعوذ باللہ**۔ دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ اس صورت میں یہ آیت کفار مکہ کی تائید میں ہو گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار یہی کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی طاقت نہیں اگر ہوتی تو ہم پر عذاب لے آتے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **قل لو ان عندی** الخ کا منشا یہ ہے کہ اے کفار

مکہ تم جو عذاب الٰہی سے بچے ہوئے ہو اس قدر نافرمانیوں کے باوجود اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حرم میں عذاب نہیں آسکتا۔ دیکھو اصحاب فیل پر حرم میں ہی عذاب آگیا تھا۔ ان پر کعبہ معظمہ کے بالکل قریب پتھر برسے تھے۔ نیز عذاب سے بچنے کی یہ وجہ بھی نہیں کہ رب تعالیٰ تمہاری بت پرستی و بدکاریوں سے راضی ہے کیونکہ انہیں حرکتوں سے گذشتہ قوموں پر عذاب آئے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نبی رحمت ہوں میرے پاس عذاب نہیں رحمت ہے غرضیکہ یہ آیت مجبوری معذوری کے لئے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت رحمت بیان کرنے کے لئے ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے خدا کے سواء کوئی حاکم نہیں نہ نبی نہ ولی نہ کوئی اور لہٰذا سوا قرآن کے کسی کو نہ ماننا چاہئے۔ (چکڑالوی۔ وہابی)۔

نوٹ ضروری: یہ وہ اعتراض ہے جو خلافت حیدر کے دور میں خوارج نے حضرت علی پر کیا کیونکہ حضرت حیدر کرار نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کرنے کے لئے ابو موسیٰ اشعری کو حکم مان لیا تھا خوارج بولے کہ علی اور معاویہ دونوں مشرک ہو گئے کہ انہوں نے ماسوی اللہ کو حاکم مان لیا۔ اس کا جواب وہی ہے۔ جو حضرت ابن عباس نے ان خوارج کو دیا جس سے پانچ ہزار خارجی توبہ کر گئے باقی پانچ ہزار جو اڑے رہے حیدری ذوالفقار سے فی النار ہوئے آپ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر زوجین میں نااتفاقی ہو جاوے تو **فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها** ایک پنچ خاوند کی طرف سے بھجواؤ ایک حکم بیوی کی طرف سے بس یہ آیت سن کر پانچ ہزار تائب ہو گئے۔ ہم بھی ابھی تفسیر میں اس کا جواب عرض کر چکے۔ مزہ جب ہے کہ کوئی ماں کا لال وہابی یا چکڑالوی یہ آیت پڑھ کر آج حکومت کا قانون ٹھکرا دے۔ دیکھو وہ لطف آویگا کہ اپنی سات پشت کو وصیت کر جاویگا کہ کوئی قانون کا انکار نہ کرنا تم تو تھانیدار تک کا حکم مانتے رہتے ہو وہاں یہ آیت کیوں نہیں پیش کرتے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ اگر میرے پاس عذاب ہوتا تو تمہاری ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جاتا تم ہلاک ہو چکے ہوتے مگر طائف میں اللہ تعالیٰ نے عذاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں دیدیا کہ فرشتہ عذاب آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ مگر کفار ہلاک نہ ہوئے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** یہ اعتراض تفسیر ابن کثیر اور تفسیر صاوی وغیرہ نے قائم کیا اور اس کی مختلف جوابات دیئے ہیں بہترین جواب یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عذاب آنیکی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ عذاب آپ کے قبضہ میں ہو دوسرے یہ کہ آپ کے قلب پاک میں بدلہ لینے کفار کو سزا دینے کا جوش بھی ہو جو کہ تقاضاء بشریت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں عذاب تو تھا مگر قلب پاک میں ہی بجائے جوش انتقام کے رافت و رحمت تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب دفع ہونے کی ہی دعا فرمائی (صاوی) دیکھو دربار یوسفی میں مجرم بھائی حاضر ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے قبضہ میں قید بند' موت سولی وغیرہ سب کچھ تھی مگر دل میں بدلہ لینے کا جوش نہ تھا۔ معافی' کرم' عنایت خسروانہ سے دل لبریز تھا۔ تو فرمایا **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم** سبحان اللہ اس سے وہ یہ ثابت ہوا جو ابھی ہم نے عرض کیا کہ میرے پاس عذاب نہیں رحمت ہی رحمت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کہ **ما عندی ما تستعجلون بہ** صرف مختصر لفظ کیوں نہیں فرمادیا کہ **ما عندی العذاب**۔ **جواب:** عذاب الٰہی بہت سی قسم کے ہیں شخصی عذاب' قومی عذاب' عادی عذاب' غیبی عذاب' دنیاوی عذاب' اخروی عذاب' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ عذاب بند ہو گیا جو ملکی یا قومی ہو غیبی ہو دنیاوی

ہو' شخصی عذاب بیماری وغیرہ یوں ہی ملکی عذاب قحط سالی وبائیں یوں ہی اخروی عذاب ختم نہیں ہوئے وہ تو آتے رہے اور اب تک آرہے ہیں آئندہ بھی آتے رہیں گے اگر لفظ عذاب فرمادیا جاتا تو ان سب عذابوں کی نفی ہو جاتی کفار مکہ عالمگیری غیبی دنیاوی عذاب مانگتے تھے جیسے پتھر برسانا یا صورتیں بگڑنا یا زمین کا تختہ الٹ دیا جانا وغیرہ یہاں اس کی نفی کے لئے ایک کلمہ **تستعجلون به** فرمادیا گیا۔ **ساتواں اعتراض:** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عذاب نہیں تو آپ نے کفار سے جہاد کیوں کئے انہیں قتل وقید کرنا بھی تو عذاب ہے۔ **جواب:** وہ صورتاً "عذاب میں حقیقتاً رحمت ہیں بچے کو سختی سے تعلیم دینا اس کی حرکتوں پر سزا دینا اس کی اصلاح ہے۔ گلے عضو کو کاٹ ڈالنا باقی اعضاء کی اصلاح ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی ہدایت کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے اور ابو طالب ایمان نہ لائے رب تعالیٰ نے فرمایا **انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشا** آپ جس سے محبت کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے اللہ جسے چاہے ہدایت دے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہدایت ہے نہ گمراہی نہ عذاب ہے نہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہے کچھ نہیں ہوتا آپ کے پاس نہ عذاب ہے نہ ثواب (وہابی) یہ وہ اعتراض ہے جسے بہت سے اسلامی راجپال بڑی بد تمیزی سے بیان کرتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہی ایک اجمالی تحقیقی اور عالمانہ دوسرا تفصیلی تدقیقی اور عاشقانہ' اجمالی جواب تو یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ جس سے آپ محبت کریں اسے آپ ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ جو آپ سے محبت کرے تو اسے آپ ضرور ہدایت دے سکتے ہیں اگر ابو طالب آپ سے صحیح محبت کرتے تو آپ کی بات بھی مانتے ضرور ہدایت حاصل کر لیتے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کی نفی نہیں بلکہ ابو طالب کے ہدایت لینے کی نفی ہے جیسے کہا جاوے کہ سورج چمگادڑ کی آنکھ کو نہیں چمکا سکتا۔ بارش بنجر کھاری زمین کو سبزہ زار نہیں بنا سکتی تو سورج اور بارش کے دین کی نفی نہیں بلکہ ان دونوں یعنی چمگادڑ اور زمین شورہ کے فیض لینے کی نفی ہے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ محبت یعنی پسند کرنا اور امر (حکم) اور مشیت (ارادہ کرنا) ان تینوں میں بڑا فرق ہے لوگوں کو ہدایت نہ تو اللہ کی محبت سے ملے نہ اس کے حکم و امر سے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ملے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی کے ایمان تقویٰ کو پسند کرتے ہیں سب کو ایمان و تقویٰ کا حکم دیتے ہیں۔ مگر بہت لوگ حکم نہیں مانتے کافر و فاسق رہتے ہیں ہدایت و ایمان اللہ تعالیٰ کے مشیت و ارادے سے ملتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اللہ کے ارادے کے ضمن میں ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ارادہ الٰہی کے خلاف ارادہ نہیں کرتے اسی لئے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت کا ذکر ہوا اللہ کے لئے مشیت کا ذکر دونوں جگہ نہ محبت کا ذکر ہے نہ مشیت کا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے ایمان کو تم بلکہ خود ہی بھی پسند کریں اسے ایمان و ہدایت نہیں ملتے ہدایت تو اسے ملتی ہے جس کو ہدایت کا ہم اور ہمارے ضمن میں تم ارادہ کرو۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ کعبہ قبلہ بن جاوے بن گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہوا کہ کعبہ بتوں سے پاک ہو جاوے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ حضرت ربیعہ کو جنت مل جاوے عشرہ مبشرہ صحابہ جنتی ہو جاویں ایسا ہی ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہے۔ محبت' ارادہ اور مشیت کا فرق ضرور خیال رکھیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

توجو چاہے تو ابھی میل میرے دل کی دھلیں کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو چاہیں کسی چیز کا ارادہ کریں اور وہ کام رب نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو ایمان کا حکم دیا ان کا ایمان پسند کیا وہ ایمان نہ لائے اگر ان کے ایمان کا ارادہ فرما لیتے تو لاکھوں ابو طالب جنتی ہو جاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اردہ رب تعالیٰ کے ارادے کا مظہر ہوتا ہے۔

تیری ادا ادائے رب' تیری قضاء قضائے رب وحی خدا تیرا کلام تجھ پہ درود اور سلام

دیکھ لو ابو طالب ایمان نہ لائے اور تھے کفار کے سرداران کی جگہ دوزخ کا سخت ترین طبقہ تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کر لیا تو انہیں دوزخ سے نکال کر آگ کے جھیرے میں رکھ دیا یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ۔ **نواں اعتراض:** تم نے **وھو خیر الفاصلین** سے ثابت کیا کہ حکم والے' فیصلہ والے بہت ہیں کہ **فاصلین** جمع ہے تو رب تعالیٰ فرماتا ہے **وھو خیر الرازقین** اور فرماتا ہے **تبارک اللہ احسن الخالقین** ان آیتوں میں بھی **رازقین۔ خالقین** جمع ہے تو چاہئے کہ خالق' رازق بہت ہوں۔ **جواب:** ان آیات میں رازقین سے مراد خالق رازق نہیں بلکہ رزق رسائی کے ذریعے اس کے اسباب مراد ہیں یوں ہی خالقین سے مراد معدوم کو موجود کرنے والے نہیں بلکہ شکل گھڑنے والے مراد ہیں رب فرماتا ہے **وتخلقون افکا** اور واقعی یہ لوگ بہت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے کہ ایک جمال کو چند نگاہیں دیکھتی ہیں محبین کی اور مخالفین کی محبین کو جمال میں کمال نظر آتا ہے۔ مخالفین کو عیوب دکھائی دیتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش درنظر

ہم نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا ہے۔ شعر۔

نہیں جلوہ میں ان کے یکراہی کوئی آقا کہے کوئی بھائی مومن سمجھا بندہ پرور اندھوں نے محض بندہ پایا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کرم و عنایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف آوری سے عذاب الٰہی آنا بند ہو گئے مومن نے کہا۔ حضور رحمتہ للعالمین نعمت رب العالمین ہیں۔ منت اکرم الاکرمین ہیں مگر حاسدوں بیدینوں نے اس امان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کا بہانہ بنایا کہ اگر وہ سچے نبی ہوتے یا اگر ان میں کوئی کمال ہوتا تو ان کے مخالفین پر دنیا میں عذاب کیوں نہ آجاتے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی کمال نہیں وہ ہماری طرح کمالات سے یکدم خالی ہیں اس آیت میں انہیں اندھوں سے خطاب ہے فرمایا کہ اے کافرو میرا تمہارا اجتماع ناممکن ہے میں نور والا تم بے نور ے' تم نور کو جھٹلانے والے تم اپنی موت اپنے منہ مانگ رہے ہو تمہارے امان میں رہنے کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے کہ میرے پاس جلالی رسولوں کی طرح عذاب نہیں رحمت ہی رحمت ہے مومنوں کے لئے رحمت خاصہ کفار کے لئے رحمت عامہ یعنی دنیاوی امن و امان اگر میری طبیعت میں جوش انتقام ہوتا تو میرا تمہارا فیصلہ ہو چکا ہوتا گزشتہ کفار کے ہلاکت کے بعد ان کے قصے رہ گئے تمہارے قصے بھی نہ رہتے کہ قرآن کے بعد اور کوئی کتاب آنے والی نہیں مگر اس ڈھیل سے دھوکہ نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ **ان الحکم الا للہ** کی تین تفسیریں ہیں ایک جاہلانہ کہ خدا کے سوا حکم کسی کا نہیں نبی محض مجبور ہوتے ہیں دوسری تفسیر عالمانہ کہ یہاں حکم تکوینی مرلو ہے بمعنی میرا نبی رحمت ہونا میرے پاس رحمت ہی رحمت ہونا۔ عذاب

نہ ہونا اللہ کے حکم سے ہے تیسری تفسیر صوفیانہ یا عاشقانہ وہ یہ ہے کہ جس قدر احکام میری زبان سے جاری ہوتے ہیں۔ ان میں لب و زبان میری ہوتی ہے مگر کلام اور حکم اللہ تعالیٰ کا جو حکم میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے پاس عذاب نہیں یہ بول میں رہا ہوں کلام رب کا ہے۔ اولیاء اللہ حضرات انبیاء کی صفات کے مظہر ہیں اور انبیاء صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں رب کی صفات تو مختلف ہیں اس لئے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کی شانیں مختلف ہیں کوئی جلالی ہے کوئی جمالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہیہ ہیں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ
اور اسکے نزدیک ہیں غیب کے خزانے نہیں جانتا انہیں مگر وہ ہی اور جانتا ہے وہ جو خشکی اور دریا میں ہے
اور اس کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے
وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا
اور نہیں گرتا کوئی پتا مگر جانتا ہے وہ اسے اور نہیں ہے کوئی دانہ تاریکیوں میں زمین کی اور نہیں ہے
اور جو پتا گرتا ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی
رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾
کوئی گیلی اور نہ سوکھی مگر وہ ظاہر کرنیوالی کتاب میں ہے
تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے اب اس علم کی دلیل دی جا رہی ہے کہ اس کے پاس تو غیب کے خزانے ہیں اس پر یہ ظالم لوگ کیسے چھپ سکتے ہیں گویا پہلے دعوے کا ذکر تھا اب دلیل کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی علم کا ذکر تھا اب اس کے عطاء علم کا تذکرہ ہے کہ رب کے پاس علوم غیبیہ کی چابیاں ہیں جسے چاہے ان چابیوں سے کھول کر عطا فرما دے گویا ذاتی علم غیب کا ذکر فرمانے کے بعد عطاء علم غیب کا ذکر ہے۔ حمد الٰہی کے بعد نعت مصطفوی کا بیان ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے اب ارشاد ہے کہ وہ فیصلے فرما چکا جو اس کے علم میں ہیں ان کا اجرا اپنے وقت پر ہو گا۔ گویا فیصلے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کے اجرا کے علم کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا ذکر تھا کہ ما عندی ما تستعجلون بہ۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم انور کے علم تام کا ذکر ہے۔ کیونکہ مرحمت عامہ کے لئے ضروری ہے کہ رحیم کو مرحوم کا بھی علم ہو اس کی حاجتوں کا بھی پتہ ہو لہٰذا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کا تتمہ ہے خیال رہے کہ رحم کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ رحیم کو مرحوم اور اس کی حاجات کا

علم ہو رحیم کے پاس حاجت روائی کا سامان موجود ہو رحیم کا دل نرم ہو کہ مرحوم کی بیکسی پر ترس کھائے اس کا دست کرم مرحوم تک پہنچ سکے کہ وہ مرحوم کو دے سکے اور اسے آفت سے چھڑا سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں رؤف رحیم ہیں اللہ نے یہ چاروں صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشیں۔

تفسیر: **وعندہ مفاتح الغیب**۔ یہ عبارت مستقل جملہ ہے جس میں **عندہ** تو خبر مقدم ہے اور **مفاتح الغیب** مبتداء موخر اور خبر کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی غیب کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اس کے علم میں اس کے قبضہ میں ہیں۔ **مفاتح** جمع **مفتاح** کی نہیں ہے اس کی جمع **مفاتیح** آتی ہے جیسا کہ علم صرف جاننے والوں پر ظاہر ہے بلکہ یہ جمع ہے **مفتح** کی اور **مفتح** اگر میم کے فتحہ سے ہو تو یہ ظرف ہوتا ہے بمعنی خزانہ اور اگر میم کے کسرہ سے ہو تو آلہ ہوتا ہے بمعنی کھولنے کا آلہ یعنی کنجی چابی یہاں دونوں احتمال ہیں یعنی غیب کے خزانے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اس کے علم میں ہیں وہی جسے چاہے اس خزانوں سے عطاء فرمادے۔ جتنا چاہے عطا فرمادے۔ جیسے نوٹ چھپتا ہے بنتا ہے' ٹکسال میں جمع رہتا ہے۔ خزانوں میں استعمال ہوتا ہے گھروں میں دوکانوں میں اسی طرح کنویں دریا سمندر پانی کے خزانے ہیں جہاں پانی رہتا ہے پانی یہاں بنتا نہیں دانے پھل وغیرہ کھیت و باغ میں بنتے نہیں بلکہ یہاں رہتے ہیں ان تمام کی ٹکسال آسمانوں میں ہے **وفی السماء رزقکم وما توعدون** ۔فرماتا ہے **وانزلنا الحدید** حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ سدرہ کے قریب ایک جگہ سے چار نہریں جاری تھیں جن میں سے دو تو نیل و فرات ہیں اور دو کوثر تسنیم انہیں ٹکسالوں کو خزائن غیب یا مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اس کی تفسیر وہ ہے **وان من شیء الا عندنا خزائنہ** یا یہ معنی ہیں کہ غیب کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور علم میں ہیں جسے چاہے کھول کردے۔ پہلے معنی کی تفسیر وہ آیت ہے **وان من شیء الا عندنا خزائنہ** اور یہ آیت **ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ** یعنی قارون کے خزانے جماعتوں پر بھاری تھے اس میں گفتگو ہے کہ **مفاتح الغیب** ہیں کیا یہ چیزیں آیت حدیث شریف میں ہیں کہ **مفاتح الغیب** پانچ ہیں جنہیں صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

جن کا ذکر اس میں ہے **ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث** الخ قیامت کب ہوگی' بارش کب آوے گی' کون کب کیا کام کرے گا' کون کہاں مرے گا' ماں کے پیٹ میں بچی ہے یا بچہ (بخاری بروایت حضرت ابن عمر) چونکہ یہ پانچ چیزیں بہت سے علوم غیبیہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں اس لئے انہیں غیب کی کنجیاں فرمایا گیا۔ مفردات راغب میں ہے کہ غیب کی کنجیاں وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ اس غیب تک پہنچا جاتا ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول**۔ (سورۂ جن) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **مفاتح الغیب** آسمانوں زمین کے خزانے ہیں تقدیریں روزیاں وغیرہ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ مفاتح الغیب ممکنات کی پیدا کرنے پر قدرت کاملہ ہے۔ یعنی قدرت علی الخلق (تفسیر خازن' کبیر' وغیرہ) سیدنا عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز دی گئی۔ سوا مفاتح الغیب کے (خازن) اس سے مراد آخری معنی ہیں یعنی خلق پر قدرت امام ضحاک اور مقاتل فرماتے ہیں کہ مفاتح الغیب زمین کے خزانے نزول عذاب کا وقت ہے عطا فرماتے ہیں کہ وہ ثواب و عذاب عمروں کا ختم ہونا سعادت شقاوت لوگوں کے انجام ہیں (دیکھو تفسیر خازن) **لا یعلمھا الا ھو** یہ عبارت مفاتح الغیب کی صفت یا حال ہے۔ **ھا** کا مرجع وہ مفاتح ہیں یعنی غیب کے خزانے یا

غیب یا غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں انہیں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بندہ نہیں جانتا کوئی کسی ذریعہ یعنی حساب۔ اندازہ عقلی علوم کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا اس کا ذریعہ صرف وحی الٰہی یا الہام و کشف الٰہی ہے۔ خیال رہے کہ اگر مفاتح بمعنی چابیاں ہوں تو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ اپنے علوم غیبیہ اپنے بعض بندوں کو دیتا ہے کہ چابی اور قفل میں وہی چیز رکھی جاتی ہے جسے کھولا اور بند کیا جاتا ہو کھولنا بند کرنا کسی کو دینے ہی کے لئے ہو گا نہ کہ ہوا لگانے کے لئے **ویعلم ما فی البر والبحر** یہ جملہ نیا ہے اس میں رب تعالیٰ کی دوسری شان کا ذکر ہے۔ یہاں **یعلم** دوام واستمرار کے لئے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ہمیشہ سے جانتا ہے **بر** کے معنی ہیں خشکی یعنی زمین و فضا **بحر** کے معنی ہیں دریا خواہ سمندر ہوں یا دوسرے بہنے والے دریا مجاہد فرماتے ہیں کہ **بر** سے مراد جنگل اور ویرانے ہیں **بحر** سے مراد گاؤں و شہرو آبادیاں ہیں۔ جمہور مفسرین نے پہلے معنی بیان کئے۔ (تفسیر خازن) خیال رہے کہ **مفاتح الغیب** میں وہ چیزیں مراد تھیں جو ہماری عقلوں خیالات سے وراء اور یہاں محسوس مشاہدہ کی چیزیں مراد ہیں یہ دونوں عبارتیں بہت ہی جامع ہیں جن میں بے انتہا چیزیں داخل ہیں۔ خشکی بھی دو طرح کی ہے آباد اور جنگل ویران جنہیں عربی میں کہتے ہیں عمران اور حزب دریا بھی دو طرح کے۔ بحر رواں یعنی بہنے والے دریا اور بحر ساکن یعنی سمندر جو بہتا نہیں۔ **بر** یعنی خشکی میں انقلاب ہے کہ جنگل آبادی بن جاتے ہیں آباد وہ بستیاں جنگل اور۔ بحر رواں میں اضطراب ہے وہ ٹھہرتا نہیں اس میں روانی طغیانی رہتی ہے۔ مگر سمندر میں نہ انقلاب ہے نہ اضطراب قابل فیض بندے **بر** یعنی خشکی ہیں جن میں سے کفار جنگل ہیں مومنین آباد زمین حضرات اولیاء۔ بحر رواں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمندر بے کراں اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی جانتا ہے ان کی تاثیرات تاثرات کو بھی وہ بڑا علیم و خبیر ہے **وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا** یہ رب تعالیٰ کی تیسری شان کا بیان ہے۔ جس میں فرمایا گیا کہ ہم ہر پتے ہر ذرہ کی حرکتوں ان کے حالات سے خبردار ہیں ہمیشہ سے دنیا میں بے شمار درخت و پودے بیل بوٹے ہیں پھر ہر درخت میں بے شمار پتے پھر ہر پتے کے بے شمار حالات رب تعالیٰ کی وسعت علم کا یہ حال ہے کہ وہ پتے پتے کے ہر حال تک سے خبردار ہے تو اب کون چیز ہے جو اس کے علم سے باہر ہو جب اسے پتے گرنے اڑنے کی خبر ہے تو پتوں کے شاخوں میں لگے رہنے کی بھی خبر ہے۔ **ولا حبۃ فی ظلمات الارض** یہ عبارت اگر نیا جملہ ہے تو **حبۃ** سے پہلے **من** استغراقیہ پوشیدہ ہے۔ یعنی **لا من حبۃ** یہ مبتداء ہے اور **الا فی کتاب مبین** اس کی خبر اور اگر **ورقۃ** پر معطوف ہے تو اس **من** کی وجہ سے اس پر جر آگیا۔ اس صورت میں یہ **ما تسقط** کا فاعل ہے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے **حبۃ** سے مراد دانہ ہے اور **ظلمات ارض** سے مراد اس کا زمین میں بویا ہوا ہونا ہے کہ اس وقت وہ دانہ کسی انسان و جانور کو نظر نہیں آتا۔ خیال رہے کہ بویا ہوا دانہ اگنے سے پہلے **حبہ** ہے اور اگ جانے پر بذر کہلاتا ہے۔ چونکہ دانہ اگ جانے کے بعد کسی نہ کسی طرح انسانوں کو معلوم ہو جاتا ہے اس کی سبزی پتہ دیدیتی ہے مگر اگنے سے پہلے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اس لئے یہاں **حبۃ** فرمایا گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ساتویں زمین کے نیچے پتھر کی چٹان ہے اس چٹان کے پیٹ میں ایک دانہ ہے یہاں وہ دانہ مراد ہے اسی لئے **ظلمات الارض** جمع ارشاد ہوا۔ (تفسیر خازن) **ولا رطب ولا یابس**۔ یہ عبارت معطوف ہے **حبۃ** پر جیسے وہاں دو احتمال تھے ویسے ہی یہاں دو احتمال ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ **رطب** یعنی تری پانی ہے اور **یابس** یعنی خشکی زمین ہے عطا فرماتے ہیں۔ جو دانہ اگ جاوے وہ رطب ہے اور جو نہ اگے یہ **یابس** ہے بعض نے فرمایا کہ ہر زندہ رطب ہے ہر مردہ **یابس**۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد عالم کی ہر چیز ہے چھوٹی بڑی کھلی چھپی۔ موجود اور جو فنا ہو چکی یا

آئندہ موجود ہو گی۔ یہی آخری قول زیادہ قوی ہے (از تفسیر خازن) دل والوں کے نزدیک عشق تری ہے۔ عقل محض خشکی ہے۔ جو دل محبت رسول سے خالی ہے وہ خشک ہے محبت والا دل تر ہے۔ تری کے بغیر کوئی چیز کچھ نہیں بنتی آٹا بغیر پانی کے روٹی پراٹھا حلوہ شیرمال نہیں بن سکتا بلکہ دانہ پیدا ہو تو تری کی مدد سے روٹی بنے تو پانی کی تری سے کھایا جاوے تو پانی کی تری کی رو سے اسی طرح جس دل میں عشق کی تری نہیں تو اس کی عبادات ریاضیات خشک آٹے کی طرح ہیں تری والے صحابہ سورہ فاتحہ دم کر دیں تو سانپ کاٹے کو شفا ہو جاتی ہے تو بھڑی کا زہر نہیں اترتا فرمایا گیا۔ ہر عشق والا تر اور خشکی والا خشک کتاب مبین میں تحریر ہے۔ **الا فی کتاب مبین** ۔یہاں کتاب مبین سے مراد یا تو علم الٰہی ہے چونکہ وہ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے اس لئے اسے کتاب فرمایا اور چونکہ وہ اللہ کے بعض مقبولوں پر ظاہر ہے اس لئے اسے مبین فرمایا۔ **کتاب مبین** سے خود لوح محفوظ ہی مراد ہے چونکہ اس میں علم الٰہی لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے وہ کتاب ہے اور چونکہ وہ اللہ کے مقبول بندوں فرشتوں انبیاء کرام خاص اولیاء اللہ کے سامنے ہے ان کی نظر اس پر ہے۔ اس لئے مبین فرمایا گیا اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ** قرآن مجید میں ہر تر و خشک چیز کا علم ہے یہ علوم الٰہیہ کا جامع ہے۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شعر۔

جمیع العلم فی القران لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

خلاصہ ء تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں غیب کی کنجیاں یعنی علوم کلیہ جو جزئیات علوم کا ذریعہ ہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں جنہیں رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا دنیاوی علوم انسان عقل قیاس اٹکل اندازہ سے بھی حاصل کر لیتا ہے مگر یہ غیب کی کنجیاں اللہ کے بغیر بتائے کسی ذریعہ کسی کو حاصل نہیں ہوتیں چنانچہ کوئی اپنی عقل یا عقلی علوم کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا کہ قیامت کب ہو گی۔ کسی کا انجام کیا ہو گا۔ اچھا یا برا عورت کے لڑکا ہو گا یا لڑکی وغیرہ اس علیم و خبیر کے وسعت علم کی یہ کیفیت ہے کہ جو کچھ خشکی و تری یعنی بحر و بر میں ہے بڑی سے بڑی چھوٹی سے چھوٹی چیز اللہ اسے جانتا ہے پہاڑ سے ذرہ تک ہاتھی سے چیونٹی تک کی خبر رکھتا ہے۔ درخت کا جو پتہ گرتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ پھر اس نے اپنے علوم پر اپنے خاص بندوں کو مطلع فرمانے کا یہ انتظام فرمایا کہ زمین کی اندھیریوں میں جو باریک دانہ دفن ہو اور کوئی خشک و تر چیز ہو وہ تمام لوح محفوظ یا قرآن مجید میں موجود ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز وہاں تحریر ایسی کوئی چیز نہیں جو اس میں موجود نہ ہو پھر وہ لوح محفوظ ہمارے محبوب بندوں پر ظاہر ہے۔ اس لئے اسے کتاب مبین کہا جاتا ہے خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں چار چیزیں مذکور ہیں۔ (1) اللہ تعالیٰ عالم کلیات ہے **عندہ مفاتح الغیب**۔ (2) اللہ تعالیٰ عالم جزئیات ہے **ویعلم ما فی البر** الخ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علوم پر اپنے خاص بندوں کو مطلع کرنے کے لئے سب کچھ لوح میں لکھ دیا۔ (3) وہ لوح محفوظ بالکل چھپائی نہ گئی۔ بلکہ اپنے مقبولوں پر ظاہر فرما دی گئی **الا فی کتاب مبین**۔ چونکہ ہم خشکی کی چیزوں سے زیادہ خبردار ہیں سمندری چیزوں سے کم اس لئے بر یعنی خشکی کا ذکر پہلے فرمایا۔ **بحر** سمندر کا ذکر بعد میں کلیات کا علم جزئیات کے علم پر مقدم ہے اس لئے **مفاتح الغیب** کا ذکر پہلے فرمایا۔ دوسرے علوم کا ذکر بعد میں۔ سوچنا یہ ہے کہ اس آیت کا اور ان جیسی آیات کا منشا کیا ہے بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ ایک بڑا عالم محدث مفسر کبھی تو اپنے کامل علم کا اظہار کرے اور کبھی اپنی کسی کامل کتاب کی تعریف کرے کہ میں نے اپنے علوم اس کتاب میں

جمع کر دیئے اور کبھی اپنے ایک خاص پیارے شاگرد کے ذہن عقل حافظہ دانائی سمجھ کی تعریف کرے اور کبھی کہے کہ میں نے اسے یہ اپنی جامع کتاب سکھادی ہے اور سب کچھ سکھادیا ہے تو ان تمام باتوں کو سننے والا اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ شاگرد بہت ہی اعلیٰ قابلیت والا ہے یہاں تو رب نے اپنے علم اور اپنی کتاب کی جامعیت کا ذکر فرمایا دوسری جگہ فرماتا ہے **نزلنا علیک الکتاب تبیانا کل شیء** کہیں فرمایا **وعلمک مالم تکن تعلم**۔ کہیں فرماتا ہے **الرحمن علم القرآن** کہیں فرماتا ہے **ما زاغ البصر وما طغی** جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و دانائی ہمت کی تعریف کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و دانائی ہمت کی تعریف کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم سکھانے کی تعریف کی ان تمام سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا عالم بنایا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تمام کلیات و جزئیات کو بالتفصیل جانتا ہے جیسے اس کی ذات قدیم ہے ویسے اس کے صفات علم و قدرت وغیرہ قدیم ازلی ہیں۔ جو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں یا اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ابدی ہے۔ جب بندہ کچھ کر لیتا ہے تو رب تعالیٰ کو خبر ہوتی ہے وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے۔ یہ فائدہ **عندہ مفاتح الغیب** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** علم غیب سوائے رب تعالیٰ کے بتائے کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا اس کا علم ذاتی ہے۔ بندوں کا علم عطائی یہ فائدہ **لا یعلمها الا هو** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** خلق پر قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں جو کسی کو خالق مانے وہ اسلام سے خارج ہے یہ فائدہ **مفاتح الغیب** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ وجوب خالق' ازلی ہونا' معبود ہونا' خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی مخلوق میں یہ صفات نہیں نہ ذاتی نہ عطائی' علم' قدرت' حیوۃ' سمع' بصر اللہ کی وہ صفتیں ہیں جن کی تجلی اس کے بندوں پر ڈالی گئی ہے انہیں علیم' قادر' سمیع و بصیر وغیرہ بنایا گیا حق تعالیٰ ذاتی ازلی ابدی علیم و قدیر سمیع بصیر ہے اس کے بندے عطائی اور حادث طور پر۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض علوم غیبیہ اپنے خاص بندوں کو عطا فرمائے یہ فائدہ **مفاتح الغیب** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں علوم غیبیہ کو خزانوں سے تشبیہ دی گئی اور ان کے لئے کنجی ثابت کی گئی اور ظاہر ہے خزانوں میں قفل میں وہی چیز رکھی جاتی ہے جو کسی کو دینا ہو اگر کسی کو دینا نہ ہو کبھی نکالنا نہ ہو وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے مفاتح سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خزانے کھولے جاتے ہیں اور کسی کو ان میں سے کچھ دیا جاتا ہے رب تعالیٰ نے کسی کے لئے یہ خزانے کھولے ہیں یا نہیں اس کا جواب قرآن مجید میں ہی ہے فرماتا ہے **انا فتحنا لک فتحا مبینا** اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم نے آپ کے لئے علوم غیبیہ کے خزانے کھول دیئے ظاہر ظہور انشاء اللہ اس کی تفسیریں سورۂ فتح شریف کی تفسیر میں عرض کی جائیں گی۔ اگر رب تعالیٰ نے توفیق دی۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم غیبیہ لوح محفوظ میں لکھے ہیں پھر اس لوح محفوظ پر اپنے خاص بندوں کو مطلع بھی فرمایا ہے یہ فائدہ **الا فی کتاب مبین** سے حاصل ہوا کیونکہ یہ تحریر اس لئے نہیں کہ رب تعالیٰ کے بھول جانے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا لکھ لئے بلکہ اس لئے ہے تا کہ اپنے خاص بندوں کو ان پر مطلع کیا جاوے۔ اگر لوح محفوظ بالکل چھپائی جاتی تو مبین نہ ہوتی۔ لہٰذا جن بندوں کی نظر لوح محفوظ پر ہے ان کو عالم کے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کی خبر ہے کہ یہ سارے علوم لوح محفوظ ان کے علم میں' لہٰذا یہ سارے غیوب ان کے علم میں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء ۔ ازچہ محفوظ اند محفوظ ازخطا

حضرت امام بوصیری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔ شعر۔

فان من جودک الدنیا و ضرتہا ۔ ومن علومک علم اللوح والقلم

غرضیکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا بھی ذکر ہے اور وسعت عطا کا بھی۔ چھٹا فائدہ: قرآن مجید میں سارے علوم ہیں ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کا علم اس میں موجود ہے یہ فائدہ الا فی کتاب مبین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہو اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء۔ پھر یہ بھی قرآن مجید ہی فرمارہا ہے کہ رب تعالیٰ نے سارا قرآن اپنے حبیب کو سکھایا فرماتا ہے الرحمن علم القران۔

پہلا اعتراض: جب پہلے ہی فرمایا گیا کہ عندہ مفاتح الغیب رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں تو پھر بعد میں اگلا مضمون کیوں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ خشکی و تری کی تمام چیزیں جانتا ہے یہ سب تو اس عبارت میں بیان ہو گیا۔ جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ عندہ مفاتح الغیب میں اجمال ہے۔ اور یعلم ما فی البر الخ میں تفصیل گویا یہ عبارت مفاتح الغیب کا بیان ہے دوسرے یہ کہ مفاتح الغیب سے کلی علوم مراد ہیں اور ما فی البر الخ سے جزئیات کا علم مراد ہے بعض لوگ جزئیات کے علم کا انکار کرتے تھے۔ جیسے فلاسفہ ان کی تردید کے لئے یہ ارشاد ہوا۔ دوسرا اعتراض: مذکورہ پانچ علوم کو غیب کی چابیاں کیوں فرمایا یعنی قیامت' بارش' رحم کے بچہ' لوگوں کے انجام' کل کی بات کو کہ ارشاد فرمایا۔ عندہ مفاتح الغیب۔ جواب: اس لئے کہ وہ پانچ علوم کلی ہیں اور کلی علم جزئیات کے علم کا ذریعہ ہوتے ہیں جسے کل کا علم ہو گیا۔ اسے تمام جزئیات کا علم ہو گیا۔ جب ہم کو معلوم ہو گیا کہ ہر انسان ناطق ہے۔ یا ہر صحابی جنتی ہے تو پتہ لگ گیا کہ زید عمرو بکر وغیرہ سب ہی ناطق ہیں کہ یہ انسان ہیں اور حضرات خلفاء راشدین جناب امیر معاویہ وغیرہ سب جنتی ہیں کہ یہ صحابی ہیں کلی علم جزئیات کے علم کی گویا چابی ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ فرمایا گیا لا یعلمہا الا ہو جو کسی نبی ولی کو علم غیب مانے وہ خدا کی صفت میں انہیں شریک مانتا ہے لہٰذا مشرک ہے (وہابی) جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں دو الزامی تیسرا تحقیقی۔ پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ بھی مشرک ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض علم غیب آپ بھی مانتے ہیں کلی علم اور جزئی علم میں اختلاف ہے تو جو آپ جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ علم غیب بھی خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور علم شہادۃ بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے عالم الغیب والشہادۃ تو چاہیئے کہ کسی کو نہ حاضر چیزوں کا علم ہو نہ غائب کا جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض ہوا کہ ذاتی' ازلی' ابدی محیط علم خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ عطائی' حادث غیر محیط بعض بندوں کو عطا ہوا۔ جیسے زندگی' سننا' دیکھنا' قوت و قدرت وغیرہ کہ یہ رب تعالیٰ کی صفات ہیں ذاتی بندوں کی بھی صفات ہیں عطائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا علم خود یوں بیان فرمایا وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کے متعلق فرمایا کہ یہ کافر ازلی ہے اگر جیتا رہتا تو اپنے ماں باپ کو کافر کر لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے صحابہ کے متعلق قیامت کے واقعات کی خبر دی کہ حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھ ہو گا۔ فلاں فلاں جنتی ہیں۔ فلاں جنتیوں کا سردار ہے۔ خیال رہے کہ علم اور ملکیت دو طرح کی ہیں کامل اور ناقص کامل وہ ہے کہ دوسرے کو دے بھی سکے ناقص وہ جو دوسرے کو

نہ دے سکے۔ جو عالم دوسرے کو عالم نہیں بنا سکتا وہ ناقص عالم ہے اور جو دوسرے کو بھی عالم بنا سکے وہ کامل عالم ہے اگر رب تعالیٰ کسی کو علم دے نہیں سکتا تو وہ خود بھی ناقص عالم ہے یوں ہی اگر وہ مالک تو ہے مگر کسی کو مالک کر نہیں سکتا تو خود بھی ناقص مالک ہوا۔ پاکستان میں مہاجرین جب تک محض الاٹی رہے تو وہ کسی کو اپنا مکان دوکان بیع یا ہبہ نہیں کر سکتے تھے کہ ناقص مالک تھے مگر جب انہیں پکا کاغذ مل گیا تو ہبہ و فروخت کا انہیں اختیار ہو گیا کہ اب مکمل مالک ہوئے اللہ تعالیٰ عالم بھی ہے تو کامل مالک بھی ہے تو کامل یہ نکتہ ضرور یاد رہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر تم علم غیب میں ذاتی اور عطائی کا فرق کر کے بندوں کو عطائی علم غیب مانتے ہو تو تم کو چاہئے کہ خلق۔ ازلی ہونا' معبود ہونا ان میں بھی ذاتی عطائی کا فرق کر کے بعض بندوں کو عطائی 'خالق' ازلی' معبود مان لو کہ وہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور علم غیب بھی رب کی صفت۔ **نوٹ:** یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب:** بعض صفات قابل عطا ہوتی ہیں بعض ناقابل عطا دیکھو ہم علم' حکمت' بہادری دوسروں کو دے سکتے ہیں۔ مگر انسانیت' باپ ہونا بیٹا ہونا کسی کو نہیں دے سکتے یوں ہی خدا تعالیٰ کی ذاتی صفات خالق' ازلی ہونا وغیرہ ایسی صفات ہیں جو عطا کے قابل نہیں علم وغیرہ قابل عطاء ہیں۔ حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب نے کیا خوب فرمایا۔

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے لائق خدا بن کے آتا وہ بندہ خدا کا!

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر خشک و تر پتے پتے ذرہ ذرہ کا علم لوح محفوظ میں ہے اگر کسی بندے کو لوح محفوظ کا علم ہو تو اس بندے کا علم رب تعالیٰ کے علم کے برابر ہو جاوے یہ تمہارے بھی خلاف ہے۔ **جواب:** لوح محفوظ میں اس دنیا کی اول پیدائش سے قیامت تک کی چیزوں کی تحریر ہے یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم سمندر کا قطرہ ہیں۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ پتے پتے دانہ دانہ کا علم کتاب مبین میں ہے اور ظاہر ہے کہ پتے اور دانے اس عالم اجسام کی چیزیں ہیں رہے عالم انوار' عالم ارواح' عالم امر وغیرہ ان کا ذکر لوح محفوظ میں نہیں۔ مگر وہ سب رب تعالیٰ کے علم میں ہیں لہذا برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **چھٹا اعتراض:** تم نے کہا کہ پورا مالک وہ ہے جو دوسرے کو مالک کر سکے رب تعالیٰ چونکہ کامل مالک ہے لہذا وہ اپنی مخلوق کا مالک اپنے خاص بندوں کو کر سکتا ہے تو اگر رب تعالیٰ کسی بندے کو اپنی مخلوق کا مالک کر دے تو وہ خود مالک نہ رہے کا ہم کسی کو اپنا مکان دے دیں تو ہم مالک نہیں رہتے تو کیا رب تعالیٰ اب مالک نہیں۔ **جواب:** اگر آقا اپنے غلام کو اپنی کسی چیز کا مالک کر دے تو وہ چیز آقا کی ملکیت سے نکل نہیں جاتی بلکہ آقا اصلی مالک رہتا ہے اور غلام عارضی مالک یوں ہی اگر رب تعالیٰ اپنے کسی خاص پیارے بندے کو مالک کر دے تو وہ چیز رب کی ملکیت سے نکل نہیں جاتی رب فرماتا ہے **انا اعطینٰک الکوثر** ہم نے آپ کو اے محبوب کوثر دیدیا تو کیا رب تعالیٰ کوثر کا مالک نہیں رہا ضرور رہا۔ حضرت سلیمان کو تمام دنیا کا مالک بنا دیا بلکہ ہوا پر ان کا راج قائم کر دیا۔ **سخرنا له الريح تجرى بامره** آج دنیاوی بادشاہ ملک کے مالک ہوتے ہیں تو کیا رب تعالیٰ ان چیزوں کا مالک نہیں **مالک الملک تؤتی الملک من تشاء** سارے بندے اور بندوں کی ساری مملوک چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کی مخلوق کی بعض چیزیں شہادت ہیں جو اس چیز کے لائق ہیں۔ بعض چیزیں غیب جس کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اس غیب کی چابیاں رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جن سے ان غیوب کے دروازے کھلتے ہیں ان چابیوں کو رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسے نقاش و مصور کی کھینچی ہوئی تصویریں ان تصویروں کی ہیئت شہادۃ ہے ان تصویروں کے بنانے کا علم یہ

غیب ہے اور تصویریں بنانے کا قلم اس غیب کی چابی ہے جس سے نقاش یہ تصویریں بناتا ہے وہ صرف نقاش کے قبضہ میں ہے سارا عالم تصویریں ہیں رب تعالیٰ کی تکوین ان کا غیب اور ان کا پیدا فرمانا یہ چابی ہے اس قلم تکوین کا نام ملکوت ہے فرماتا ہے **بیدہ ملکوت کل شیء**۔ چونکہ مخلوق مختلف رنگ ڈھنگ کی ہے اس لئے اس کی چابیاں مختلف ہیں عالم شہادت ہو یعنی خشکی ہے عالم غیب **بحر** یعنی سمندر ہے ان دونوں عالموں میں جو پتا حرکت کرتا ہے وہ رب کے عالم میں ہے۔ یا یوں کہو کہ اسلام ایک درخت ہے اس کی جڑ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شاخیں' اولیاء اللہ ہیں اور اس کے پتے عوام مسلمین ہیں۔ جو پتہ اس درخت سے وابستہ رہے گا۔ یعنی مرتے دم تک مسلمان رہے گا اسے بھی رب جانتا ہے اور جو پتہ اس درخت سے گر جاتا ہے یا گر جائے گا وہاں سے نکالا جائے گا۔ رب اسے بھی جانتا ہے کامل وہی جو اسی درخت سے وابستہ ہے۔ شعر۔

ملت سے اپنے رشتہ کو تو استوار رکھ　　وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

نفسانی زمین کی اندھیریوں میں روح کا دانہ رب نے ڈالا وہ اس دانہ کو اور اس کے ہر حال کو جانتا ہے کیونکہ یہ دانہ ڈالنے والا تو ہی ہے۔ ہر تر و خشک یعنی ہر موجود تر ہے ہر ممکن معدوم جو آئندہ ہونے والا ہے وہ خشک ہے روحانی چیزیں تر ہیں بے روح جمادات خشک مومن تر ہے کافر خشک عالم تر ہے جاہل خشک عارف تر ہے' زاہد خشک' اہل محبت تر ہیں' اہل اطاعت خشک' شہود والے تر ہیں' وجود والے خشک' باقی باللہ تر ہیں باقی بنفسہ خشک یہ سب ام الکتاب لوح محفوظ میں موجود محفوظ ہیں۔ (روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں رب نے فرمایا **مفاتح الغیب** دوسری جگہ ہے **لہ مقالید السموت والارض** مفاتح اور مقالید دونوں کے معنی ہیں چابیاں لیکن اگر مفاتح کا پہلا اور آخری حرف میم' ح لو اور مقالید کا پہلا پچھلا اور آخری حرف م' د لو بنتا ہے محمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے غیب کی آسمان و زمین کی کنجیاں بنایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ان سب کو پیدا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو اپنی رحمت کی کنجی بنایا۔ حتیٰ کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت بلکہ قیامت کا کاروبار کھلنے کی کنجی ہوگا اس کی لذیذ و نفیس شرح ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن اور جاء الحق حصہ اول میں دیکھو' غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داتا تو ہیں ایک مگر آپ کو مفاتح جمع فرمایا گیا یعنی چابیاں کہ آپ کا نور عالم خلق کی چابی ہے کہ آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو الخلق۔

تم سے کھلا باب جود تم سے جہان کا وجود　　تم سے بنا جو بنا تم پہ کروڑوں درود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ایمان' قرآن' نماز' روزہ' حج' جہاد' وغیرہ کی یوں ہی ولایت' قطبیت' غوثیت کی چابی ہے کہ کافر یہ کوئی نعمت نہیں پاسکتا آپ کا کلمہ پڑھتے ہی اس پر ان سب کے دروازے کھل جاتے ہیں قبر میں آپ کی پہچان دروازہ جنت کھلنے کی چابی محشر میں آپ کا سجدہ دروازہ شفاعت کی چابی ہے آپکا دروازہ جنت پر پہنچ کر دروازہ کھڑکانا جنت کھلنے کی چابی ہے جیسے ایک سورج دن کی رات کی موسموں کی عمروں کی دانے و پھل پکنے کی چابی ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی تمام مخلوق پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جود و عطاء سخا سارے عالم پر ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے پاس ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ذات محبوبیت رب کے پاس یا کہو کہ دست طلب رب کی طرف ہے۔ دست عطا مخلوق کی طرف اس لئے عندہ ارشاد ہوا۔ شعر۔

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجاست　　ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم سب کی طرف ہے شرف رب کے پاس ہے نیز عند، کہہ کر بتایا کہ تمام دنیا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی کیونکہ وہ تو رب کے پاس ہیں خیال رہے کہ چابی دروازہ کھول بھی دیتی ہے اور بند بھی کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کے لئے دروازہ رحمت بند کر دیا تو کھل نہ سکا صدیق اکبر کے لئے دروازہ کھول دیا تو بند نہ ہو سکا کعبہ کے لئے مدینہ کی زمین کے لئے دروازہ کھول دیا۔ تو کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا۔ مدینہ یثرب تھا طیبہ بن گیا۔ اونیٰ زمین مسجد نبوی بن گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق جانتی پہچانتی ہے۔ مگر جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتہ" ہیں ویسا **لا یعلمها الا هو** سورج سب پر ظاہر ہے۔ مگر جیسا وہ ہے ایسا آج تک کسی نے نہیں دیکھا سورج کے سامنے چمگاڈر کی آنکھ بے کار ہے اور حقیقت محمدیہ کے سامنے عقل کی نظر بے کار ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تمام چیزیں لوح محفوظ میں لکھیں کہ لوح محفوظ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کنٹرول ہے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و دہان سے علوم لیتے ہیں۔ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی **کتاب مبین** یعنی لوح محفوظ ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

راز پنہاں میں شود زاں آشکار   لوح محفوظ است پیشانی یار

ہم نے قرآن رب کے فرمان نیک و بد اعمال کی تفصیل شریعت و طریقت حقیقت و معرفت سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے پہچانے ہماری لوح محفوظ **کتاب مبین** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ **صلی اللہ علیہ وسلم۔**

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ

اور وہ اللہ وہ ہے جو وفات دیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کرتے ہو تم دن میں پھر تم کو بیدار کرتا ہے اس دن میں

اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ پھر تمہیں اٹھاتا ہے

لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

تاکہ پوری کی جاوے مدت مقرر شدہ پھر اس کی طرف لوٹنا ہے تمہارا پھر خبر دیگا وہ تم کو اس کی جو تم تھے کرتے

کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اس کی طرف پھرنا ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا ذکر تھا اب اس کی وسعت قدرت کا ذکر ہے پورا مالک وہی ہے جس کو علم بھی ہو اور قدرت بھی کہ اپنے مملوک سے ہر طرح خبردار ہو ہر طرح اس پر قادر ہو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے وسیع اور دائمی علم کا ذکر تھا اب انسان کے علم کا نقصان بیان ہو رہا ہے کہ رب تعالیٰ ہر وقت علیم و خبیر ہے مگر انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو سو جانے پر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں رہتی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ ذرہ ذرہ پتے پتے قطرہ قطرہ کی ہر وقت خبر رکھتا ہے اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ ایسا علیم و خبیر تمہاری اس وقت بھی خبر رکھتا ہے جب تمہیں خود اپنی خبر نہیں ہوتی یعنی سونے کی حالت میں اور تمہاری اس وقت بھی خبر رکھتا ہے۔ جب تم اپنے ہوش و حواس میں ہوتے ہیں۔ یعنی تمہارے

جاگنے کی حالت میں سوتے ہیں تمہارے اعمال کا حساب نہیں جاگنے کے اعمال کا حساب ہے گویا رب تعالیٰ کے کلی علم کے بعد اس کے جزی علم کا ذکر ہے۔

تفسیر: **وھو الذی یتوفکم باللیل۔** اس عبارت میں **ھو** مبتداء ہے اور **الذی** اس کی خبر **ھو** اور **الذی** دونوں سے مراد رب تعالیٰ ہے **ھو** میں اس کی ذات اور **الذی** میں اس کی شان کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ اللہ ایسی شان والا ہے۔ **یتوفی** باب تفعل ہے مگر متعدی ہے لازم نہیں یعنی یہاں توفی کے معنی وفات پانا نہیں بلکہ وفات دینا ہے اس لئے اس کے بعد کم مفعول بہ آیا توفی بنا ہے وفات سے یا **وفی** سے بمعنی پورا کرنا' پورا دینا' پورا لینا' رب فرماتا ہے **وابراھیم الذی وفی۔** پورا قرض وصول کر لینے کو توفی کہتے ہیں وعدہ پورا کرنے کو وفاء عہد کہا جاتا ہے موت کو وفات کہتے ہیں کہ اس سے زندگی کے دن پورے ہو جاتے ہیں یہاں وفات سے مراد نیند ہے۔ خیال رہے کہ نیند کو موت کہنے کی چند وجہ بیان کی گئی ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ موت کی حقیقت ہے روح کا بدن سے نکل جانا اور نیند میں بھی روح بدن سے نکل جاتی ہے اس کی شعاع بدن میں رہتی ہے روح نکل کر عالم کی چیزیں حالت دیکھتی ہے اس کو خواب کہا جاتا ہے اور موت میں روح بھی جسم سے نکل جاتی ہے اس کی شعاع بھی چونکہ نیند میں روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ اس لئے اسے وفات فرمایا گیا (تفسیر روح البیان) اس کی مثل حضرت ابن عباس سے مرفوعاً" منقول ہے (تفسیر ابن کثیر) بعض علماء نے فرمایا کہ انسان کے جتنے اعضاء ہیں کان' ناک' آنکھیں' زبان وغیرہ ان سب کی الگ الگ روحیں ہیں جو سوتے وقت سب کی سب قبض کر لی جاتی ہیں۔ جاگنے پر لوٹا دی جاتی ہیں دل کی روح مرتے وقت نکالی جاتی ہے اس لئے نیند کی حالت میں دل کی حرکت باقی رہتی ہے مگر حواس اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں چونکہ نیند میں قبض روح ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے وفات کہتے ہیں (تفسیر مدارک) بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک وہ جس سے زندگی قائم ہے دوسری وہ جس سے ہوش و حواس قائم ہیں۔ پہلی روح کو روح حیوانی کہتے ہیں دوسری روح کو روح سلطانی پہلی روح موت کے وقت نکلتی ہے۔ دوسری روح سوتے میں نکل جاتی ہے۔ (تفسیر صاوی) بعض نے فرمایا کہ روح تو ایک ہی ہے مگر موت کے وقت نکال لی جاتی ہے اور سوتے وقت باطن میں بند کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے شعور و احساس جاتا رہتا ہے چونکہ نیند کی حالت موت سے مشابہ ہے اس لئے یہاں نیند کو وفات فرما دیا (تفسیر کبیر) بعض نے فرمایا کہ لفظ وفات مشترک ہے وفات صغریٰ نیند ہے اور وفات کبریٰ موت یہاں وفات صغریٰ یعنی نیند کے معنی مراد ہیں ظاہر یہ ہے کہ کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر کہ نیند سب ہی کو آتی ہے۔ مگر سیدنا عبداللہ ابن عباس و قتادہ سے روایت ہے کہ یہاں خطاب کفار سے ہے کہ کافر نیند میں یکدم غافل ہو جاتا ہے مومن سوتے میں بھی عبادت کرتا ہے اس کا سونا بھی عبادت ہے کہ وہ جاگ کر عبادت کرنے کے لئے سوتا ہے اس یہاں **یمیتکم** نہ فرمایا **یتوفاکم** فرما کر مومن و کافر کی نیند میں فرق کر دیا۔ چونکہ عموماً" انسان رات کو سوتے ہیں اس لئے **باللیل** ارشاد ہوا اگرچہ کبھی دوپہری میں بھی سویا جاتا ہے **ویعلم ما جرحتم بالنھار۔** قوی یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے **یتوفاکم** پر اور واؤ عاطفہ ہے **یعلم** کو مضارع اس لئے فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ ہر وقت علیم و خبیر ہے وہ کسی وقت بھی بے علم و بے خبر نہیں ہوتا اس کا علم دائمی ہے مگر ہمارے اعمال دائمی نہیں سو گئے جاگ اٹھے تو پھر شروع کر دیئے اعمال روزانہ کھلتے بند ہوتے رہتے ہیں اس لئے اسے ماضی فرمایا بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت **یتوفاکم** کے فاعل سے حال ہے اور **نھار** سے مراد گذشتہ دن ہے اور لیل میں بھی خطاب [illegible] یعنی [illegible] ایسا کریم ہے کہ تمہارے

کفر و گناہ کو جو تم دن میں کر چکے جانتا ہے پھر بھی تم کو رات میں چین کی نیند سلاتا ہے (معانی) جرحتم بنا ہے جرح سے جرح کے تین معنی ہیں۔ زخم' زخمی کرنا' ظاہری اعضاء کے کام چلنا پھرنا بولنا دیکھنا وغیرہ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں اس لئے ظاہری اعضاء کو جوارح کہتے ہیں۔ شکاری جانوروں کو جوارح کہا جاتا ہے بمعنی زخمی کرنیوالے رب فرماتا ہے **علمتم من الجوارح**۔ گناہ کرنے کو اجتراح کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ام حسب الذین اجترحوا السیات**۔ چونکہ جاگنے کی حالت کے اعمال پر سزا و جزاء ہے اس لئے یہاں **یعلم** فرمایا ورنہ رب تعالیٰ ہمارے سونے جاگنے کی ہر حالت سے خبردار ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں بھی خطاب کفار سے ہے انہیں شکاری جانور قرار دیا گیا جسے سوا ایذا و رسانی اور اپنا پیٹ پالنے کے اور کوئی فکر نہیں اس لئے جرحتم فرمایا کسبتم نہ فرمایا۔ (معانی) **ثم یبعثکم فیہ** یہاں ثم فرمایا کہ باوجود یہ کہ تم سوتے ہیں گویا مرجاتے ہو مگر وہ قوی قادر تمہیں پھر بھی جگا دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ثم زمانی دیر کے لئے ہو کہ انسان رات بھر سوتا رہتا ہے۔ سویرا ہونے پر جاگتا ہے۔ **بعث** سے امر جگانا ہے **فیہ** کی ضمیر نہار کی طرف ہے یعنی پھر رب تعالیٰ تم کو دن میں جگا دیتا ہے بے شعوری کے بعد شعور غفلت کے بعد بیداری بخش دیتا ہے۔ **لیقضی اجل مسمی**۔ یہ عبارت متعلق ہے **یبعث** کے لام بمعنی کے' ہے اس میں بندوں کو جگا دینے کی حکمت بتائی گئی۔ **یقض** بنا ہے **قضاء** سے بمعنی پورا کرنا۔ **اجل** بمعنی مدت **مسمی** بمعنی طے شدہ مقرر شدہ اس مقرر شدہ مدت سے مراد ہماری زندگی کا زمانہ ہے یعنی تمہارا سلانا جگانا اس لئے ہے تاکہ تمہاری زندگی کی طے شدہ مدت پوری کر دی جاوے ورنہ ہم اس پر قادر تھے کہ تم کو جگاتے ہی نہیں سوتے ہی تم کو موت دے دیتے یا تم کو اصحاب کہف کی طرح سویا ہوا ہی رکھتے یا حضرت عزیز علیہ السلام کی طرح ایک دراز مدت تک مردہ رکھ کر پھر زندہ کرتے چونکہ یہ دونوں کام تمہارے متعلق حکمت کے خلاف تھے اسی لئے تم کو روزانہ سلاتے جگاتے رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات اختیاری ہوتی ہے انہیں وفات کے وقت اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہیں تو آئیں چاہیں دنیا ہی میں رہیں۔ جو وہ چاہیں ویسا ہی کیا جاتا ہے وہ جو چاہتے ہیں ان کے لئے وہی **اجل مسمی** ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ فرمان اپنے عموم پر ہے **ثم الیہ مرجعکم** یہ عبارت معطوف ہے **یبعثکم** پر چونکہ مرنا اور مرنے کے بعد قیامت میں اٹھنا کچھ عرصہ کے بعد ہی ہوگا اس لئے ثم ارشاد ہوا **الیہ** کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ کا ہوا ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے مرجع مصدر میمی ہے بمعنی لوٹنا کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر مخلص ہوں یا منافق متقی ہوں یا فاسق کفار کی وہاں حاضری غضب و قہر کے ساتھ ہوگی مومنین صالحین کی حاضری رحمت و کرم کے ساتھ چونکہ تمام لوگ رب تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آئے ہیں اس لئے دنیا سے جانے کو لوٹنا فرمایا جاتا ہے یعنی یہ تمہارا سونا جاگنا ہمیشہ نہ رہے گا آخر تم ایک دن ایسی نیند سوؤ گے کہ پھر نہ جاگو گے وہاں ہی جاؤ گے جہاں سے دنیا میں آئے تھے یعنی مرو گے پھر قیامت میں اٹھو گے۔ یہاں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ دیس سے منتقل ہو جانا **ھا** **ب** یا **مجی** کہلاتا ہے اور دیس میں آنا **ایاب** یا **رجوع** کہلاتا ہے دنیا ہمارے جسم کا دیس ہے مگر روح کا پردیس ہے اور اصل چیز ہے روح جو باقی ہے روح کا دیس وہی ہے جہاں سے یہ آئی ہے لہٰذا مرنے کو یا قیامت میں اٹھنے کو **ایاب** **رجوع** یا **مرجع** کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے **ان الینا ایابھم**۔ وہاں جانے کی تین نوعیتیں ہیں جو مزدور اپنا کام پورا کر کے جائے وہ تو اپنی مزدوری لینے کے لئے جاتا ہے۔ جو دنیا میں رہ کر یار کا ہو وہ یار سے ملنے وصل کے لئے جاتا ہے جو حرام خوری کر کے جیا وہ سزا پانے جاتا ہے لہٰذا یہاں **مرجعکم** میں [illegible] احتمل [illegible] رجوع الی اللہ دو قسم کا ہے اختیاری غیر اختیاری ان میں سے

غیراختیاری رجوع موت یا حشر ہو گا اختیاری رجوع موت یا حشر پر ہو گا اختیاری رجوع روزانہ پانچ بار مسلمان کو میسر ہوتا ہے۔ خدا یہ رجوع الی اللہ نصیب کرے تو وہ غیراختیاری رجوع آسان ہو گا۔ **ثم ینبئکم بما کنتم تعملون** ۔ یہ عبارت معطوف ہے **الیہ مرجعکم** پر اگر **مرجعکم** سے مراد تھی انسان کی موت تب تو ثم فرمانا بالکل ظاہر ہے کہ موت کے بہت عرصہ بعد یہ حساب ہو گا۔ یہاں قبر کا حساب مراد نہیں کیونکہ قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے اعمال کا حساب قطعاً نہیں اور یہاں اعمال کے حساب کا ذکر ہے تو قیامت ہی کا حساب مراد ہے کہ اعمال کا حساب قیامت ہی میں ہے اور اگر **مرجعکم** میں قیامت کا اٹھنا مراد ہے تو چونکہ قیامت کا حساب و کتاب سزا و جزا ہمارے اٹھنے کے بہت عرصہ بعد ہو گا۔ اس لئے ثم فرمایا گیا۔ خبر دینے سے مراد ہے عملی خبر دینا یعنی سزا و جزا دینا عمل سے مراد ہے دنیاوی عمل جو بالغ ہونے یا ہوش سنبھالنے کے بعد کئے کیونکہ نابالغی نادانی کے اعمال کے سزا نہیں یعنی پھر عرصہ کے بعد رب تعالیٰ تم کو ان اعمال کی سزا و جزا دے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے چونکہ رب تعالیٰ کے فیصلے خبر دینے کے بعد ہوں گے پہلے بتایا جاوے گا کہ تو نے یہ جرم یا یہ نیکیاں کیں تھیں لہٰذا تجھے یہ سزا یا یہ جزا دی جاتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم ہر جگہ خبر دینا فرماتا ہے یا خبر دینے سے مراد نیک و بد اعمال پر خبردار کرنا ان پر سزا و جزاء دینا۔ خیال رہے کہ **ینبئکم** میں خطاب یا تو مومنین سے ہے یا کفار سے یہاں خطاب حضرات انبیاء کرام یا خاص اولیاء اللہ سے نہیں کیونکہ ان حضرات کا نہ حساب ہے نہ وزن اعمال مومنین کا حساب یا تو بخشش کے لئے ہے یا عتاب کے لئے یا عارضی سزا کے لئے وہ بھی اس طرح کہ ان کی نیکیوں کا حساب علانیہ ہو گا گناہوں کا حساب خفیہ اور کفار کا حساب عتاب اور دائمی سزا کے لئے اس طرح کہ ان کے کفر و گناہوں کا حساب علانیہ ہو گا ان کی نیکیاں دنیاوی نعمتوں راحتوں کی عوض کٹ جائیں گی۔ لہٰذا **ثم ینبئکم** بالکل حق ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : قرآن کریم نے یہاں ہمارے حالات بیان فرماتے وقت بھی فرمایا **ھو الذی** اور دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرماتے ہوئے بھی **ھو الذی** ارشاد فرمایا **ھو الذی ارسل رسولہ**۔ مگر ان دونوں مقامات میں **ھو الذی** کے معنی میں فرق ہے۔ یہاں **ھو الذی** کے معنی ہیں وہ اللہ قدرت والا ہے۔ وہ کمال والا ہے وہ شان والا ہے۔ جو تم کو رات میں وفات دے دیتا ہے مگر وہاں معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ وہ شانوں والا ہے وہ کمالات والا ہے وہ قدرتوں والا ہے۔ جس نے اپنے ان رسول کو ان شانوں سے بھیجا۔ کیونکہ ساری مخلوق رب تعالیٰ کی بعض شانوں کی مظہر ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی تمام صفات تمام شانوں تمام کمالات بلکہ خود اس کی ذات کے مظہر اتم ہیں رب کی جو صفت جاننا دیکھنا ہو تو اس کے محبوب کو دیکھو اس قاعدہ سے یہاں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تم رب تعالیٰ کی وسعت علم تو معلوم کر چکے اب اس قوی و قادر کی وسعت قدرت جانو پہچانو کہ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ تم سب ہر وقت اس کے قبضہ میں ہو وہ تم کو رات کے وقت سلا دیتا ہے۔ یعنی چھوٹی موت دے دیتا ہے کہ تم آنکھ لگتے ہی بے علم' بے خبر' بے ہوش و خرد بن جاتے ہو تم کو اپنی بھی خبر نہیں رہتی پھر وہی قدرت والا تمہیں جگا دیتا ہے کہ تم جاگتے ہی سب کچھ بن جاتے ہو۔ پھر بھی تم اس کی نگرانی میں رہتے ہو۔ جو کچھ چھوٹے بڑے اچھے برے کھلے چھپے کام کرتے ہو وہ ہر ایک کام جانتا ہے تمہیں دن میں اٹھاتا ہے کام کرنے کے لئے تمہارا یہ سو کر جاگنا ہمیشہ نہ ہو گا اس وقت تک ہی ہے۔ جب تک تمہاری زندگی کے دن پورے نہیں ہوئے یہ معیاد پوری ہو جانے پر تم ایسے سوؤ گے کہ پھر نہ جاگو گے موت آنے پر رب تعالیٰ ہی کی طرف لوٹو گے۔ تمہارے سارے ساتھی خویش و اقربا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ پھر تم کو

رب تعالیٰ تمہارے نیک و بد سارے اعمال کی خبر دے گا خبردیکر بنا کر تم سے ہر چیز کا اقرار کرا کر تم کو سزا یا جزا دے گا۔ لہٰذا وہ بے کسی کا وقت بھی یاد کرو اور نیک اعمال میں جلدی کرو۔ قرآن کریم نے تم کو وارننگ دیدی ہے۔ ہوشیار ہونا تمہارا کام ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: رب تعالیٰ کی پہچان کے لئے بندہ اپنے حالات اور واردات کو دیکھے جو اپنے کو پہچان لے گا وہ رب کو بھی پہچان لے گا۔ ہماری گنہگاری رب کی غفاری ہماری کمزوری اس کی قدرت کی پہچان کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **هو الذی** سے حاصل ہوا۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه**۔ دوسرا فائدہ: اگرچہ نیند سب انسانوں کو آتی ہے مگر مومن کافر' پھر نبی' ولی' مقبول و مردود کی نیندوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے نبی کی نیند ایک قسم کی معراج ہے مومن کی نیند قرب الٰہی کا ذریعہ ولی کی نیند وصل یار کا ذریعہ کافر کی نیند غفلت و حجاب کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **يتوفاكم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **ينفكم** یا **يميتكم** نہ فرمایا۔ وفات کے تین معنی میں ہے بعض مومنوں پر چسپاں بعض کفار پر بعض اولیاء' انبیاء پر۔ تیسرا فائدہ: نیند چھوٹی موت ہے دنیا میں ہمارا سونا جاگنا آئندہ مرنے اور مرے بعد اٹھنے کی دلیل ہے۔ جسے مرنے یا مرنے کے بعد اٹھنے میں شک ہو وہ اپنے سونے جاگنے میں غور کرے یہ فائدہ **يتوفاكم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے نیند کو وفات فرمایا۔ چوتھا فائدہ: قرآن مجید میں نیند کو بھی وفات فرمایا گیا ہے حدیث شریف نے تو نیند کو **اخوالموت** فرمایا کہ ارشاد ہوا **النوم اخوالموت**۔ لہٰذا آیت کریمہ **يا عيسى انى متوفيك ورافعك الى** سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مر چکنا ثابت نہیں ہو سکتا جیسا کہ مرزائی کہتے ہیں وہاں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تم کو سلا کر اپنی طرف اٹھانے والا ہوں یہ فائدہ بھی **يتوفاكم** الخ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: قدرت نے رات سونے کے لئے بنائی ہے دن کام کاج کے لئے رات میں کچھ جاگنا دن میں کچھ سونا عارضی ہے یہ فائدہ **باليل** اور **ما لنهار** فرمانے سے حاصل ہوا جو لوگ رات کو بلا وجہ جاگتے ہیں دن کو سوئے رہتے ہیں وہ قانون فطرت کے خلاف کرتے ہیں اول رات میں نماز عشاء پڑھ کر سو جانا آخر رات میں تہجد کے لئے جاگ جانا پھر دوپہری میں کھانا کھا کر سو لینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس سے وہ لوگ سبق لیں جو رات کھیل تماشوں سینما میں گزارتے ہیں دن بستر پر۔ چھٹا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ دن کام کاج میں گزارے خالی نہ پھرے بیکاری کی زندگی اچھی نہیں ہوتی یہ فائدہ اشارۃً **ما جرحتم** سے حاصل ہوا مگر اچھے کاموں میں گزارے برے کاموں میں نہیں۔ ساتواں فائدہ: انسان ہر وقت یہ خیال رکھے کہ رب تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے میرے ہر کام سے خبردار ہے اگر یہ خیال پک جاوے تو انشاء اللہ گناہ کرنے کی ہمت نہ پڑے گی یہ فائدہ **ويعلم ما جرحتم** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: بیہوشی' بدحواسی' سونے کی حالت میں جو اعمال صادر ہوں ان پر سزا و جزا نہیں ان ہی اعمال کا حساب ہے جو بیداری اور ہوش میں کئے جاویں یہ فائدہ **ويعلم ما جرحتم بالنهار** سے حاصل ہوا کہ یہاں علم سے مراد سزا و جزا کے لئے جاننا ہے۔ نواں فائدہ: دل کے وسوسوں برے خیالات پر پکڑ نہیں ظاہری اعمال پر پکڑ ہے یہ فائدہ **جرحتم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ جرح کہتے ہیں اعضاء ظاہری کے کاموں کو۔ اس لئے یہاں **عملتم** نہ فرمایا۔ دسواں فائدہ: دنیا عمل کی جگہ ہے یہاں حساب نہیں آخرت حساب کی جگہ ہے وہاں عمل نہیں یہ فائدہ **ثم ينبئكم** الخ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے دنیا میں ہم کو اچھے برے اعمال بتا دیئے۔ **و هد ينا** و النجد ین مگر ان کا حساب ان پر سزا و جزا آخرت ہی میں ہو گی۔ قبر میں ایمان کا حساب ہے حشر میں اعمال کا۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ ہم کو سوتے جاگتے ہر وقت ہر حالت میں جانتا ہے۔ پھر اس آیت کریمہ میں علم کا ذکر ہمارے دن کے اعمال کے ساتھ کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا ویعلم ما جرحتم بالنھار۔ جواب: اس کا جواب ابھی فائدوں میں معلوم ہو گیا کہ یہاں علم سے مراد سزا و جزا کے لئے جاننا ہے۔ چونکہ سونے کی حالت میں جو اعمال سرزد ہو جاویں ان پر نہ سزا ہے نہ پکڑ حتی کہ خواب میں احتلام ہو جاوے اس پر کوئی پکڑ نہیں اس لئے یعلم کا ذکر جاگنے کے اعمال کے ساتھ کیا گیا۔ دوسرا اعتراض: حدیث پاک میں ہے کہ مومن کو سونے پر بھی ثواب ملتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ عالم کی نیند بھی عبادت ہے یہ آیت اس فرمان کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ سونے پر ثواب دینا کرم خسروانہ عنایت شاہانہ ہے نہ کہ قانونی ثواب دوسرے یہ کہ مومن تہجد یا نماز فجر کے لئے جاگنے کا ارادہ کر کے جلد سو جاوے تو اس ارادہ کا ثواب ملتا ہے اور ارادہ جاگتے میں ہوتا ہے۔ لہذا اس پر ثواب ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے جرحتم کیوں فرمایا عملتم کیوں نہ فرمایا جرح اور عمل میں کیا فرق ہے۔ جواب: عمل عام ہے اور جرح خاص عمل ہر کام کو کہتے ہیں خواہ دل و دماغ کا ہو یا ظاہری اعضاء کا مگر جرح صرف ہاتھ پاؤں آنکھ کان زبان کے عمل کو ہی کہتے ہیں چونکہ سزا جزا صرف ظاہری اعمال کے لئے یہاں جرحتم ارشاد ہوا اس کی تحقیق سورۂ بقر کے آخر میں وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ الخ کی تفسیر میں گزر گئی۔ چوتھا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ ارادہ عمل پر سزا و جزا ہے حالانکہ ارادہ دل کا کام ہے وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: پوری حدیث یہ ہے کہ جب دو شخص لڑیں ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل مقتول دونوں دوزخی ہیں قاتل قتل کر دینے کی وجہ سے مقتول اس لئے کہ وہ بھی قتل ہی کے ارادہ سے آیا اتفاقاً اس کا وار خالی گیا۔ لہذا حدیث شریف بالکل صاف ہے کہ وہاں ارادہ کے ساتھ کسب بھی ہے چور گھر سے چوری کے ارادہ سے نکلا مگر موقعہ نہ بنا اس ارادہ کا گنہگار ہو گیا۔ خیال رہے کہ کفر و شرک اگرچہ دلی عقیدہ ہے مگر یہ بدترین گناہ ہے یہاں ذکر اعمال کا ہے ارادہ کفر رضا با لکفر بھی کفر ہے۔ یہاں عملی گناہوں کا ذکر ہے۔ پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا یتوفٰکم اس کی بجائے ینیمکم یا یمیتکم کیوں نہ فرمایا موت' نیند اور وفات میں کیا فرق ہے۔ جواب: بمقابلہ نیند یا موت کے وفات میں بڑی گنجائش ہے وفات بنا ہے وفی سے بمعنی پورا۔ اس پورے میں تین احتمال ہیں پورا دینا' پورا کرنا' اللہ تعالیٰ مومنوں کو سوتے میں اعمال کا پورا پورا ثواب دیتا ہے۔ لہذا اس کی نیند وفات ہے اولیاء انبیاء کو نیند میں پورا لیتا ہے کہ ان کو بالکل اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ لہذا ان کی نیند اس معنی سے وفات ہے۔ عام کفار و غیرہم کی زندگی اس سونے جاگنے سے پوری کر دیتا ہے کہ وہ اپنی مقررہ نیندیں مقررہ بیداریں پوری کر کے مریں لہذا اس معنی سے ان کی نیند وفات ہے موت یا نیند فرمانے میں یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے زندگی طے شدہ ہے مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی موت اختیاری ہوتی ہے وہ احادیث یہاں کے اجل مسمی کے خلاف ہے۔ جواب: ان حضرات کے لئے جو وہ چاہیں وہی اجل مسمی ہے رب جانتا ہے کہ وہ کتنی زندگی چاہیں گے ہمارے لئے مقرر اور قسم کا ہے ان کے لئے دوسری قسم کا۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے مومن' کافر' عاقل' غافل' محبوب' مردود بندوں کی زندگیوں اور موت میں فرق ہے کہ مومن کی زندگی حیات طیبہ ہے کافر کی زندگی معیشتہ ضنکہ مومن کی موت وفات یا انتقال یا وصل ہے کافر کی موت لقدیا ۔ بطش یعنی رب کی پکڑ ہے ایسے ہی مومن و کافر یار و اغیار کی نیندوں میں بھی فرق ہے۔ مومن کی نیند ہے وفات یعنی پورا

دیتا کہ رب تعالیٰ مومن کو کام و آرام دونوں حالتوں میں انعام برابر دیتا ہے کہ مومن سوتا ہے تو اگلی عبادت کی تیاری کے لئے اور عبادت کی تیاری عبادت ہے اس کی نیند وفات ہے یعنی پورا انعام دینا مقبولین کی نیند وفات یعنی پورا لیتا ہے کہ وہ حضرات دن میں خلق کے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہیں۔ نیند میں رب انھیں پورا لے لیتا ہے کہ وہ اس حال میں صرف اللہ کے ہوتے ہیں انھیں بیداری میں بواسطہ جبریل کلام الٰہی پہونچتے ہیں مگر نیند میں بلاواسطہ ان سے رب کلام کرتا ہے اس لئے ان کی خواب وحی ہوتی ہے۔ عام مخلوق کے لئے نیند وفات ہے یعنی پورا کر دینا۔ جسم کے لیل و نہار یہ ہی دن و رات ہیں۔ مگر دل کے لیل و نہار قبض و بسط ہے۔ جب دل پر غفلت طاری ہو جاوے تو وہ دل کی رات ہے اگرچہ ظاہری دن ہو اور جب دل اللہ کی طرف راغب ہو جاوے تو وہ دل کا دن ہے۔ اگرچہ ظاہری رات ہو بعض خوش نصیب بندے رات کے وقت بھی دن میں رہتے ہیں کہ رات کو غافل نہیں ہوتے بعض غافل دن کے وقت بھی رات میں ہی ہوتے ہیں یہ قبض و بسط لوگوں پر آتا ہی رہتا ہے **واللہ یقبض ویبسط** تاکہ بندہ ہر وقت رب تعالیٰ کا حاجتمند رہے فرمایا جارہا ہے کہ رب تعالیٰ تمہارے دلوں کی دنیا میں تم کو قبض کی رات میں غفلت کی موت دے دیتا ہے اور بسط کے دن میں تم جو کچھ ترقی اور طے منازل کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے ان دن و رات کی آمد و رفت یہ سلسلہ ایک وقت مقررہ تک ہے۔ جب وصل یار سے تم مشرف ہو جاؤ گے اس وقت یہ سلسلہ ختم ہوگا۔ آخر تم کو جانا اسی کے پاس ہے خوشی خوشی وہاں جاؤ اپنے آپ جاؤ ہمیشہ خوش رہو گے۔ شعر

یا جی کے سواری پر جائیں یا مر کے پکھیرو بن جائیں
جانا ہے انھیں کے قدموں میں چاہے اس جائیں چاہے بس جائیں

جسمانی حاضری کے لئے سواری وغیرہ کی ہزار قیدیں ہیں مگر دل کی حاضری کے لئے صرف اخلاص کی سواری کافی ہے۔ جب وہ دیتا ہے تو اخلاص بھی نصیب کر دیتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر انسان شکاری ہے۔ دنیا کے اعمال شکار ہیں ہماری عمر گویا کمان ہے۔ ہمارے ظاہری اعضاء تیر ہیں۔ بعض شکاری حلال شکار کرتے ہیں ہرن وغیرہ بعض شکاری حرام شکار کرتے ہیں جیسے جنگلی سور ریچھ وغیرہ بعض شکاری اپنے تیر ضائع کر کے آتے ہیں کچھ شکار نہیں کرتے تیر نشانہ پر نہیں لگتے دیندار مومن حلال شکار کرتا ہے یعنی نیک اعمال کا کافر اسی تیر و کمان سے کفر و گناہ کا حرام شکار کرتا ہے۔ دنیادار اپنی زندگی دنیا کمانے میں صرف کر کے عمر ضائع ہی کرتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے۔ **ویعلم ما جرحتم بالنھار**۔ ہمارے تین دشمن بہت قوی ہیں۔ شیطان دنیا نفس امارہ شریعت کی اتباع اور مخالفت نفس کے تیر سے مرتا ہے۔ دنیا کو دین کے ساتھ ترتو۔ لوہا اکیلا ڈوب جاتا ہے لکڑی کے ساتھ تر جاتا ہے۔ دنیا دین کے ساتھ ترقی ہے۔ شیطان کتا ہے۔ اگر تمہارے قابو میں نہ آئے تو اس کے مالک سے عرض کرو کہ مولیٰ اسے باندھ دے ہم پر حملہ نہ کرے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ

اور وہ غالب ہے اوپر بندوں اپنے کے اور بھیجتا ہے او پر تمہارے محافظین کو یہاں تک کہ جب آئی

اور وہ ہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کی

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى

ہے ایک کو تم میں سے موت تو موت دیتے ہیں اس کو قاصد ہمارے اور وہ نہیں کوتاہی کرتے پھر لوٹائے جاتے ہیں

موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے

اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ۝٦٢

وہ طرف اللہ کے مولیٰ اپنے کے سچا خبردار ہو کر واسطے اس کے ہے حکم اور وہ حساب لینے والوں میں بہت جلد حساب لینے والا ہے

سچے مولا اللہ کی طرف سنتا ہے اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے محیط علم کا ذکر تھا کہ اس کا علم ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کو گھیرے ہوئے ہے اب اس کی محیط قدرت کا ذکر ہے کہ اے انسانوں تم ہر وقت اس کی قدرت اس کے قبضہ میں ہو تمہاری زندگی و موت اتفاقی نہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی عطاء علم کا ذکر ہوا کہ اس نے اپنے علوم بذریعہ لوح محفوظ اپنے بعض بندوں کو بخشے اب اس کی عطاء قبضہ عطاء قدرت کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے بعض فرشتوں کو وہ قبضہ وہ قدرت بخشی کہ وہ انسانوں کو زندہ بھی رکھتے ہیں اور بحکم الٰہی موت بھی دیتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ تم سب کو رب کی طرف لوٹنا اس کے سامنے پیش ہونا ہے اب ارشاد ہے کہ یہ رجوع اور پیشی بلاواسطہ بغیر توسل نہ ہوگی جیسے تم دنیا میں ماں باپ کے وسیلہ سے گئے ہو ایسے ہی وہاں سے ہماری بارگاہ میں فرشتوں کے توسل سے لوٹو گے یوں ہی تمہارے اعمال کا حساب و کتاب فرشتوں کے واسطہ سے ہوگا گویا رب کی طرف رجوع اعمال کے حساب کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اب طریقہ رجوع اور طریقہ حساب کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ ہی رات میں تم کو سلاتا ہے وہ تمہارے دن کے اعمال کو جانتا ہے اب ارشاد ہے کہ یہ سلانا جگانا اعمال کی تحریر وغیرہ فرشتوں کے واسطے سے ہے اس کا قانون یہ ہے کہ اس کے ہر کام اس کے خاص خدام کے ذریعہ سے ہو قدرت اور ہے قانون کچھ اور۔

تفسیر: **وهو القاهر فوق عباده** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **هو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم میں ذات الٰہی کو کبھی اس کے نام پاک سے بیان کیا جاتا ہے۔ کبھی **هو** سے کبھی **انت** سے چونکہ ذات باری ہمارے گمان، قیاس و وہم سے وراء ہے اس لئے اسے **هو** سے تعبیر کر دیا جاتا ہے چونکہ اس کی رحمت کرم۔ بندہ نوازی سب بندوں سے بہت قریب ہے اس لئے **انت** سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں پہلی صورت کے اعتبار سے **هو** فرمایا گیا۔ **قاهر** بنا ہے **قهر** سے قہر کے معنی ظلم نہیں کہ رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے بلکہ اس کے معنی ہیں غلبہ، قبضہ، تصرف۔ جس کی بنا پر ساری مخلوق اس کے سامنے بے بس یا قابو ہو کسی میں اس کے مقابلہ کی جرات نہ ہو سب اس کے حضور عاجز ہوں یہ رب تعالیٰ کی صفت کمال ہے غلبہ مطلقاً برتری کو کہتے ہیں اصلی ہو یا عارضی، وقتی ہو یا دائمی۔ ایک طرح سے ہو یا ہر طرح سے اسی لئے غالب کبھی بندے کو بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر قہر وہ غلبہ ہے جو دائمی ہو اور ہر طرح سے ہو اس لئے لفظ قاہر ہر ایک کے لئے نہیں بولا جاتا۔ **فوق** کے معنی ہیں اوپر یا بلند مگر یہاں مکانی

یا جگہ کی بلندی مراد نہیں کہ رب تعالیٰ جگہ و مکان سے پاک ہے وہ نہ اوپر ہے نہ نیچے نہ دائیں نہ بائیں اس کا علم و قدرت ہر جگہ ہے بلکہ قہر و قدرت و غلبہ کی بلندی مراد ہے جیسے ید اللہ فوق اید یھم یا جیسے فوق کل ذی علم علیم۔ عباد سے مراد سارے بندے، ہیں۔ انسان یا جن یا فرشتے یا دیگر مخلوق کوئی اس قہار کے غلبہ و قدرت و قبضہ سے باہر نہیں اس کی قہاریت کے جلوے مختلف ہیں۔ وہ نیستی کو ہستی سے اور ہماری ہستی کو نیستی سے فنا کرتا ہے۔ پھر ہماری نیستی کو اخروی ہستی سے ختم فرمائے گا۔ پھر اس نے ہم کو ضدوں میں گھیرا ہوا ہے ہم پر کبھی تندرستی کبھی بیماری کبھی روشنی کبھی تاریکی کبھی جہالت کبھی علم کبھی امیری کبھی غریبی، کبھی ذلت کبھی عزت کو مسلط فرماتا ہے۔ ہم سب اس کے قبضہ میں ہیں جو چاہے کرتا ہے یہ ہے اس کی قہاریت کی جلوہ گری۔ نیز اس نے ہماری نورانی روح کو ظلماتی جسم میں قید کر دیا ہے۔ پھر جسم میں چار دشمن عناصر کو جمع فرما دیا ہے آگ پانی مٹی ہوا۔ یہ سب مل کر جسم کو آباد کئے ہوئے ہیں یہ سب اس کی قہاریت کا ظہور ہے۔ جنات فرشتوں میں اور طریقہ سے قہاریت کو ظاہر فرمایا ہے (کبیر) ویرسل علیکم حفظۃ یہ بھی اس کی قہاریت کا ظہور ہے کہ ہم پر فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دی نہ تو وہ کچھ معذرت کرتے ہیں نہ چھٹی لیتے ہیں نہ ہم کچھ کہہ سکتے ہیں کہ خدایا یہ پہرا ہم پر سے ہٹا دے ہم اپنی جگہ معذور ہیں فرشتے اپنی جگہ مامور کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ چونکہ حافظین فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے یہاں یرسل مضارع فرمایا یعنی بھیجتا رہتا ہے یا بھیجا کرتا ہے۔ چونکہ کاتبین اعمال فرشتے صرف انسانوں پر ہی مقرر ہیں دوسری مخلوق پر نہیں یا محافظ فرشتے بھی صرف انسانوں پر مقرر ہیں دوسری مخلوق پر نہیں اس لئے یہاں عبادہ یا علیھم نہ فرمایا۔ بلکہ صرف انسانوں سے خطاب فرمایا علیکم حفظۃ جمع ہے حافظۃ کی۔ حافظ بنا ہے حفظ سے بمعنی نگہبانی یا نگرانی، حفاظت یا محافظت میں تین چیزیں ہوتی ہیں حفاظت کرنے والا حافظ یا محافظ، جس کی حفاظت کی جاوے یعنی محفوظ، جس سے حفاظت کی جاوے بلاو آفات چور وغیرہ یعنی محفوظ عنہ یہاں حفاظت سے مراد یا تو حفاظت جان ہے یا حفاظت اعمال۔ ان سے مراد یا کاتبین اعمال فرشتے ہیں جن کی تعداد دو ہے ایک نیکیاں لکھنے والا جو ہمارے دائیں طرف رہتا ہے۔ دوسرا ہمارے گناہ لکھنے والا جو ہمارے بائیں طرف رہتا ہے۔ چونکہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہیں نیز ان دو کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں اس لئے حفظۃ جمع فرمایا۔ خیال رہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتے ہم پر بالغ ہونے کے وقت سے موت تک رہتے ہیں دیوانگی بیہوشی، سونے کی حالت میں علیحدہ رہتے ہیں کہ ان اوقات میں اعمال پر سزا جزا نہیں نیکی فوراً لکھی جاتی ہے مگر بدی کرنے پر داہنا فرشتہ بائیں سے کہتا ہے کہ ابھی نہ لکھ شاید یہ توبہ کرلے اگر بندہ توبہ نہیں کرتا تب لکھی جاتی ہے۔ پھر بھی فرشتہ اسے مٹانے کے لئے تیار رہتا ہے کہ اب توبہ کرلے تو مٹا دوں۔ اس میں گفتگو ہے کہ آیا بندے کے نیک و بد اعمال ہی لکھے جاتے ہیں یا سارے اعمال مباح، مستحب مکروہ وغیرہ سب قرآن کریم کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لفظ ہر حرکت ہر عمل لکھا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید یہ بھی خیال رہے کہ صرف ظاہری اعمال اور زبانی گفتگو کی تحریر ہوتی ہے نیت دل کے ارادے۔ خیالات عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوف خدا ان کی تحریر نہیں ہوتی یہ چیزیں فرشتوں کی تحریر سے خارج ہیں ان کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بلکہ ان فرشتوں کو دل کے ان صفات و حالات پر مطلع بھی نہیں کیا جاتا رب فرماتا ہے وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون یہاں فعل کا ذکر ہوا یہاں قول کا معلوم ہوا کہ قول و فعل کے علاوہ چیزیں تحریر سے بلکہ ان فرشتوں کے علم سے باہر ہیں (کبیر)۔

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

یا حافظین فرشتوں سے مراد ہماری نگہبانی کرنے والے فرشتے ہیں جن کی تعداد اکسٹھ یا تریسٹھ ہے ایک فرشتہ اندرون کی حفاظت کرتا ہے باقی بیرون کی ان کی بھی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے یوسل مضارع ارشاد فرمانا بالکل درست و مناسب ہے یہ حفاظت کرنے والے فرشتے کسی وقت انسان سے جدا نہیں ہوتے۔ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اس وقت سے ایک فرشتہ اس کی نگرانی کرتا ہے وہ بچہ بناتا بھی اور اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ نطفہ گویا مٹی ہے۔ رحم گویا چاک ہے وہ فرشتہ گویا بنانے والا مستری ہے جو پہلے بناتا ہے پھر ولادت تک اسے ٹوٹ پھوٹ سے بچاتا ہے۔ بچہ صحیح سلامت پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی دوسرے فرشتے اسے اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور یہ حفاظت مرتے وقت تک رہتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ حفظۃ سے مراد محافظین ایمان ہوں۔ تب علیکم میں خطاب مومنین سے ہوگا اور حفاظت کرنے والے حفظۃ حضرات اولیاء انبیاء ہیں اس لئے حفاظت کے لئے لفظ حفظۃ ارشاد ہوا وسل یعنی ملائکمنہ فرمایا گیا اور موت دینے والوں کے لفظ وسل ارشاد ہوا کیونکہ جان نکالنے والے صرف فرشتے ہیں اور حفاظت کرنے والے فرشتے بھی ہیں اولیاء انبیاء بھی **حتے اذا جاء احد کم الموت۔** اس عبارت میں حتی انتہاء کے لئے ہے اس کا تعلق یوسل سے ہے احد کم میں خطاب بھی انسانوں ہی سے ہے موت سے مراد وقت موت ہے یا علامات موت یعنی نگرانی یا نگہبانی کرنیوالے فرشتوں کا تم پر بھیجا جانا اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاوے موت آنے پر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ چونکہ موت آنے پر حافظین کی حفاظت کاتبین کی کتاب ختم ہو جانا۔ رحمت یا جنت کے فرشتوں کا جان نکالنے روح کو لینے کے لئے حاضر ہونا انسانوں سے ہی خاص ہے۔ جنات جانوروں کا یہ حال نہیں اس لئے یہاں **احد کم** ارشاد ہوا **توفتہ وسلنا** یہ عبارت **اذا جاء** کی جزا ہے **توفت** بنا ہے **توفی** سے جس کا مادہ **وفی** ہے اسی سے ہے وفات وفی اور وفات کے معنی اس کی قسمیں ابھی کچھ پہلے عرض کی گئیں۔ یہاں بمعنی موت ہے **توفی** کے معنی موت دینا **وسل** جمع ہے رسول کی بمعنی فیضان رساں فرمان رساں یہاں وسل سے مراد موت دینے والے فرشتوں کی جماعت ہے ظاہر یہ ہے محافظین فرشتے اور ہیں موت دینے والے فرشتے اور ہیں جنہیں کروبین کہا جاتا ہے یعنی کرب و تکلیف پہنچانے والے حفاظت کرنے والے فرشتے اور ہیں جنہیں روحانین کہا جاتا ہے کہ وہ روح کو راحت دیتے ہیں (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) چونکہ موت دینے والے جان نکالنے والے فرشتے چودہ ہیں سات رحمت کے جو مومن کی جان نکالتے ہیں سات عذاب کے جو کافر کی جان نکالتے ہیں ان کے سردار حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں (تفسیر روح البیان) یہ کل پندرہ فرشتے ہیں اس لئے انہیں وسل جمع فرمایا گیا غرضیکہ **حفظۃ** فرشتے اور ہیں جن کا کام انسان کی موت پر ختم ہو جاتا ہے اور وسل موت اور ہیں۔ یہ سات فرشتے قدم سے حلقوم تک جان نکالتے ہیں جب حلقوم میں دم آجاتا ہے تو حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام نکال لیتے ہیں۔ پھر یہ نکالی ہوئی جان ان رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے حوالہ کر دیتے ہیں جو اس روح کو لینے کے لئے آئے ہوتے ہیں جو میت کی حد نظر تک موجود ہوتے ہیں۔ نوٹ: تمام روئے زمین حضرت ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جیسے ہمارے سامنے طشت وہ جہاں سے چاہیں روح نکال لیں انہیں تمام عالم کی بہ یک وقت روح نکالنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن روح البیان وغیرہ حضرت ملک الموت ہر گھر میں روزانہ دو بار جاتے ہیں (خازن) ہماری اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ جان نکالنے والے فرشتے اور ہیں نکلی ہوئی جان کو لے

جانے والے فرشتے اور قبر میں سوال و جواب کرنے والے فرشتے اور۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں کی جان براہ راست خدا تعالیٰ نکالتا ہے بلاواسطہ فرشتہ ان کے متعلق ارشاد ہوا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ بعض کی جان نکالنے والے صرف حضرات عزرائیل ہیں بغیر مددگار فرشتوں کے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم عام طور پر ملک الموت اپنے ماتحت فرشتوں کی مدد سے جان نکالتے ہیں ان کے متعلق یہ آیت کریمہ ہے توفتہ رسلنا (تفسیر روح المعانی) چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا کی جان براہ راست رب تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے نکالی کوئی فرشتہ ان کے پاس اس لئے نہ بھیجا گیا (روح البیان یہی مقام)۔

تنبیہہ : جان نکالنے والے فرشتوں کا یہ فرق کے بعض کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں۔ بعض کے پاس عذاب کے بالغ مکلف انسانوں کے لئے ہے۔ جانوروں کے جان نکالنے کی نوعیت اور ہے۔ جنات کی جان نکالنے کی نوعیت اور حتی کہ جب فرشتوں کی موت آوے گی تو وہ صرف صور کی آواز سے وفات پائیں گے ان کے لئے فرشتے مقرر نہیں یہی حال ملک الموت کی موت کا ہے ان شاء اللہ اس کی تحقیق کل نفس ذائقۃ الموت اور کل من علیھا فان میں کی جاوے گی وھم لا یفرطون۔ اس عبارت میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ ھم ضمیر لوٹے حفظۃ کی طرف تب یہ ایک اعتراض کا جواب ہوگی گویا کوئی کہتا تھا کہ جب ہر شخص پر ساٹھ فرشتے حفاظت کے لئے مقرر ہیں تو پھر انسان کو آفت بلائیں کیوں پہنچ جاتی ہیں یا تو محافظ فرشتے سو جاتے ہیں یا غافل ہو کر کوتاہی کرتے ہیں۔ جواب دیا گیا کہ وہ کوتاہی نہیں کرتے بلکہ بلاؤں وغیرہ کا پہنچنا ہمارے حکم ہمارے ارادہ سے ہوتا ہے۔ جب بلا آفت پہنچنے کا ہمارا حکم ہوتا ہے تو فرشتے اسے نہیں روکتے دوسرے یہ کہ ھم کا مرجع رسلنا ہوں یعنی جان نکالنے والے فرشتے موت کے وقت موت کی جگہ میں کوتاہی نہیں کرتے جس کی جس جگہ جس وقت جان نکالنی ہے اس جگہ اس وقت جان نکالتے ہیں۔ نیز یہ بھی نہیں کرتے کہ ابھی مرنے والے کی کوئی سانس یا اس کے حصہ کا کوئی پانی کا قطرہ یا روزی کا دانہ باقی ہو اور وہ موت دیدیں اس سے فرشتوں کا علم ان کا حاضر ناظر ہونا سارے عالم پر ان کی قدرت سب ہی معلوم ہو گئے۔ تیسرے یہ کہ ھم ضمیر دونوں فرشتوں کی طرف لوٹے حافظین کی طرف بھی اور موت دینے والوں کی طرف بھی تب تفریط کے یہ دونوں معنی ہوں گے۔ یفرطون بنا ہے تفریط سے معنی کوتاہی یا کمی کرنا دیر لگانا یعنی یہ جان نکالنے والے یا حافظین فرشتے جان نکالنے وغیرہ میں قطعاً کوتاہی نہیں کرتے نہ دیر لگاتے ہیں۔ ہر کام نہایت پابندی سے حکم الٰہی کے ماتحت کرتے ہیں ایک سیکنڈ آگے پیچھے کوئی کام نہیں ہوتا اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ثم ردوا الی اللہ مولھم الحق۔ یہ عبارت گزشتہ پورے جملہ پر معطوف ہے۔ چونکہ سب لوگوں کا بارگاہ الٰہی میں حساب کے لئے پیش ہونا زندگی دنیاوی اور موت کے بہت عرصہ کے بعد ہو گا اس لئے یہاں ثم فرمایا گیا چونکہ محشر کی طرف لوگ خود نہ جائیں گے بلکہ فرشتے لے جائیں گے اس لئے ردو فرمایا گیا چونکہ یہ واقعہ یقیناً ہونے والا ہے اس لئے ماضی ارشاد ہوا۔ سارے انسان آخر کار رب کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے مگر بعض کو عذاب کے فرشتے پیش کریں گے۔ بعض کو رحمت کے فرشتے نیز بعض کو اللہ کے مقبول بندے پیش کریں گے بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرمائیں گے۔ غرضیکہ ردو لفظ تو ہے ایک مگر اس لوٹنے پیش ہونے کی نوعیتیں مختلف ہیں مولیٰ کے تین معنی ہیں۔ مالک، ولی وارث، دوست و محبوب۔ اللہ تعالیٰ مالک تو سارے بندوں کا ہے مومن ہوں یا کافر ولی وارث متولی امور مومنوں کا ہے اور محبوب ہے

اپنے ولیوں نبیوں کا کفار قیامت میں مالک کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ مومن اپنے والی اپنے حامی و مددگار کے سامنے محبوب بندے ہماری بارگاہ میں غرضیکہ رب تعالیٰ کی تین شانیں' تین قسم کے بندوں کے لئے ظاہر ہوں گی یہ ایک لفظ بھی ان سب کو شامل ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہاں حق السماء الیہ میں سے ہے **واللہ اعلم** اگر خدا تعالیٰ کا نام ہے تو حق بمعنی واجب' قدیم یا موجود حقیقی یا ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ حق اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو حق کے تین معنی ہیں دائمی جس کا مقابل ہے زائل' سچا جس کا مقابل ہے باطل' قوی مضبوط' جس کا مقابل ہے۔ ضعیف تو تین معنی ہوئے مولیٰ کے اور تین معنی ہوئے حق کے لہذا **مولہم الحق** کی نو تفسیریں ہوئیں وہ رب دائمی والی دائمی دوست دائمی مالک ہے دوسرے کی یہ صفتیں فانی زائل ہیں یا وہ سچا دوست سچا والی سچا مالک دوسروں کی دوستیاں جھوٹی ہیں کہ وہ غرض پر مبنی ہیں اللہ کی دوستی بے غرض ہے وہ قوی والی دوست ہے **الا لہ الحکم** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں لہ خبر ہے اور **الحکم** مبتدا مؤخر لہذا یہ حصر کے لئے ہے۔ حکم سے مراد ہے فیصلہ خواہ دنیا بنانے سے پہلے والا فیصلہ ہو یا دنیا میں فیصلہ یا قیامت کا فیصلہ سارے حقیقی فیصلے صرف رب تعالیٰ کے ہیں۔ دنیا میں حکام کے فیصلے عارضی اور مجازی ہیں حقیقی فیصلے اس احکم الحاکمین کے ہیں امر' حکم اور قضاء کتاب یہ سب قریب المعنی ہیں ان کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں حکم اور حکم کے فرق بھی بیان ہو چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فرمان کے دو معنی ہیں دنیا میں حقیقی حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے یہاں کے حکام مجازی عارضی ہیں۔ آخرت میں حکم صرف رب تعالیٰ کا ہے وہاں کوئی عارضی حاکم بھی نہ ہو گا اسی لئے اسے **مالک یوم الدین** کہا جاتا ہے۔ **وهو اسرع الحاسبین** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر ہے **اسرع** بنا ہے سرعتہ سے بمعنی بہت جلد چونکہ دنیا میں حساب و کتاب کرنے والے اللہ کے بہت بندے بھی ہیں اس لئے **حاسبین** جمع ارشاد ہوا یعنی رب تعالیٰ سارے حساب لینے والوں سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یہاں حساب سے مراد قیامت میں سارے بندوں کے سارے حساب ہیں۔ تفسیر جلالین میں فرمایا کہ ساری مخلوق کی ایک ایک سانس ہر ایک حرکت و سکون ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے ان کے آدھے کی بقدر ہو جاوے گا۔ یعنی چار گھنٹہ میں مگر تفسیر بیضاوی مدارک' روح المعانی وغیرہ نے فرمایا کہ جتنی دیر میں بکری دوھی ہو جاتی ہے اتنی دیر میں سارا حساب ہو جاوے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **سریع الحساب** - خیال رہے کہ قیامت زمین فلسطین میں قائم ہو گی مگر اس دن وہ زمین یہ نہ ہو گی بلکہ سفید چاندی کی سی ہو گی **یوم تبدل الارض غیر الارض**۔ اور روشنی تجلی الٰہی کی ہو گی نہ کہ چاند و سورج کی **واشرقت الارض بنور ربها** - سارے بندوں کا حساب نہ ہو گا۔ بعضے بندے بغیر حساب ہی بخشے جائیں گے۔ جن کا حساب ہو گا انہیں کے اعمال کا وزن بھی ہو گا جن کا حساب نہیں ان کے اعمال کا وزن بھی نہیں۔ حساب اعمال کا وزن بھی نہیں۔ حساب اعمال کے اندازے کے لئے ہو گا وزن اعمال کی مقدار بتانے کے لئے پہلے حساب ہو گا۔ پھر وزن (روح البیان) مثلاً حساب سے یہ ظاہر ہو گا کہ نیکیاں کتنی اور گناہ کتنے میزان سے یہ ظاہر ہو گا کہ ہر عمل کا وزن کتنا اللہ تعالیٰ اس دن ہماری لاج رکھے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔ شعر

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب — بخش بے پوچھے بلجائے کا لجانا کیا ہے

حساب دو قسم کا ہو گا۔ حساب یسیر یعنی اعمال دکھا کر بخش دینا' دوسرا حساب مناقشہ کہ اعمال دکھا کر یہ پوچھنا کہ تو نے یہ گناہ کیوں کئے تھے۔ جس سے یہ سوال ہو گیا وہ ہلاک ہو جاوے گا جس سے حساب یسیر ہوا وہ نجات پا جائے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فسوف**

یحاسب حسابا یسیرا۔

خلاصہء تفسیر: اس آیت کریمہ میں چند چیزیں بیان ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا غلبہ وقبضہ' نگہبان یا نگران فرشتوں کی ہم لوگوں پر ڈیوٹی۔ فرشتوں کا ہماری جان نکالنا روح قبض کرنا گویا ہم پر روحانی اور کروبی فرشتے مسلط ہیں۔ فرشتوں کا معصوم ہونا۔ ہماری بارگاہ الٰہی میں حاضری۔ رب تعالیٰ کا احکم الحاکمین ہونا۔ بہت جلد حساب ہونا چنانچہ ارشاد ہوا اے لوگو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے سارے بندوں پر خواہ انسان ہوں یا جن یا فرشتے یا درخت یا پتھر وغیرہ پورا قابض و غالب ہے ہر مخلوق ہر وقت اس کے قبضہ و قدرت میں ہے ہر بندہ ہر وقت اس کے زیر فرمان اس کی قہاریت کی قوی دلیل ہے خود ہم ہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ہم دشمنوں میں ہیں اور دشمن ہم میں ہیں۔ آگ پانی ہوا مٹی سب ہی ہمارے خارجی دشمن ہیں ہوا سے پانی سے قومیں ہلاک ہوئیں آگ ہم کو جلا ڈالتی ہے مٹی کا ڈھیلا ہم کو زخمی کر دیتا ہے۔ پھر ہزاروں جانور کیڑے مکوڑے ہمارے دشمن ہیں یوں ہی چار دشمن عناصر ہم میں جمع کر کے ان کا نام مزاج رکھا اتنے دشمنوں کے باوجود ہمارا زندہ رہنا تندرست رہنا اس کی قہاریت کی کھلی دلیل ہے ان سب خارجی داخلی دشمنوں سے حفاظت براہ راست رب تعالیٰ کر سکتا ہے مگر اے انسانوں قانون یہ ہے کہ ہمارے کام ہمارے خدام کریں۔ چنانچہ تم سب انسانوں پر ہماری طرف سے تمہاری زندگی تمہاری حفاظت تمہارے اعمال کی نگرانی کرنے فرشتے تم پر برابر بھیجے جاتے رہتے ہیں جن کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی رہتی ہے ان کی یہ نگہبانی اور نگرانی تمہاری موت آنے تک رہتی ہے جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو تم فرشتوں کی دوسری کروبی جماعت کے سپرد کئے جاتے ہو۔ چنانچہ حضرت عزرائیل اور ان کے معاون فرشتے ساتھ اسے موت دیتے ہیں یہ دونوں قسم کے فرشتے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے انہیں جو حکم ہوتا ہے وہ اس ہی پر عمل کرتے ہیں۔ پھر تم سب اپنی زندگی و موت کی منزلوں سے گذر کر اپنے سچے مالک حقیقی والی وارث اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے کہ تم کو صور پھونک کر زندہ کیا جاوے گا ملائکہ تم کو ہماری بارگاہ میں پیش کریں گے اس دن اسی کا حکم ہو گا اس کے سوا کوئی حاکم نہ ہو گا یا حقیقی حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے محشر کا لتنا بڑا حساب بہت جلد لے لیگا کیونکہ وہ تمام حساب لینے والوں سے جلد حساب لینے والا ہے۔ خیال رہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ مگر حساب منٹوں یا گھنٹوں میں ہو گا تو باقی دن میں کیا ہو گا اس کا جواب حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی قدس سرہ نے ایک شعر میں دے دیا ہے شعر۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا — کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

تلاش شفیع پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی قریباً" ایک ہزار سال۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت بہت عرصہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقام محمود پر جلوہ گری اور تمام انبیاء کو لیا' مومنین' کفار کی نعت خوانی بلکہ آخر میں خود رب تعالیٰ کا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ارشاد فرمانا اس میں یہ دن صرف ہو گا رب تعالیٰ فرماتا ہے عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ انشاء اللہ یہ سب بہاریں دیکھنے میں آئیں گی اس دن کفار بھی انگلیاں چبائیں گے کہ ہم نے محبوب کی اطاعت کیوں نہ کی یوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا۔ نکتے: اس آیت میں چند نکات ہیں ایک یہ کہ یہاں کافر و مومن سب کی موت کو وفات کہا توفتہ رسلنا کیونکہ وفات کے معنی ہیں پورا کرنا کافر کی موت اس کی مہلت اور ڈھیل کی گھڑیاں پوری کر دیتی ہے مومن کی موت اس کے انتظار کی گھڑیاں پوری کر دیتی ہے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ ہم مومن کی قبر میں آئیں گے فرشتے قبر میں کہتے ہیں۔ تم ان سامنے والے محبوب کے متعلق کیا کہتے تھے گویا مومن کو نعت خوانی کا موقع دیتے ہیں کہ اب موقعہ ہے تو نعت پڑھ ادھر اشارے کر کے اور ہم کو سنا انشاء اللہ مومن تو عمر بھر کے ارمان نکالتا ہے خوب نعت پڑھتا ہے۔ پھر اسے انتظار کیوں نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جان نکالنے اور جان لے جانے کے لئے ایک فرشتہ کافی تھا اتنے بہت سے فرشتے اس لئے آتے ہیں کہ مومن کی بارات کا جلوس نکالیں اور کافر کی پکڑ کا جلوس نکلے۔ تیسرے یہ کہ ان فرشتوں کو ہر ایک کے انجام کی خبر ہے اس لئے مرنے والا جیسا ہوتا ہے اسی قسم کے فرشتے ملک الموت اپنے ساتھ لاتے ہیں ایمان پر مرنے والے کے لئے رحمت کے فرشتے اور کفر پر مرنے والے کے لئے عذاب کے فرشتے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے مگر قانون یہ ہے کہ اس کے کام اس کے خدام بندے کریں یہ فائدہ **القاهر فوق عباده** کے بعد **ویرسل علیکم حفظة** اور **توفته رسلنا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ بندوں کو موت فرشتوں سے دلوائی گئی نیز ان کی حفاظت حافظین بندوں کے ذریعہ کرائی گئی حالانکہ وہ خود حافظ ہے **فاللہ خیر حافظا** نیز اس کا نام حفیظ ہے اس کے باوجود بندوں کے جان اعمال' ایمان وغیرہ کی حفاظت ذریعوں سے کرائی جیسے دنیا کے ظاہری انتظامات بادشاہوں' حکام کے سپرد ہیں۔ اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کے سپرد دنیا کے انتظامات ہیں ان میں کوئی غوث ہے کوئی قطب ہے کوئی ابدال' ان کو رب کی طرف سے خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان حضرات سے اللہ کی رحمتیں مانگی جاتی ہیں۔ حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں حضور کی ہمراہی مانگی یہ عمل شرک یا کفر نہیں اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ فرماؤ۔ دوسرا فائدہ: یہ کہنا کہ اللہ رسول کی حفاظت میں رہے غوث پاک کی امان میں رہے پانچ پیروں کے سایہ میں رہے یہ سب کچھ جائز ہے یہ فائدہ **ویرسل علیکم حفظة** سے حاصل ہوا اللہ کے مقبول بندے ہمارے حافظ و ناصر بنائے گئے ہیں اللہ نے انہیں ہمارا حافظ بنایا ہے۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔ شعر۔

احل امته فی حرز ملته … کالليث یحل بالاشبال فی الاجم

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنی ملت کے قلعہ میں ایسا محفوظ رکھا ہے جیسے شیر اپنے بچوں کو کچھار میں محفوظ رکھتا ہے۔ تیسرا فائدہ: فرشتے دو قسم کے ہیں ایک وہ جس کا کام صرف عبادت الٰہی کرنا ہے۔ جنہیں مقربین کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے ذمہ دنیا کے انتظامات ہیں جنہیں مدبرات امر کہتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **المدبرات امرا** یہ مدبرات امر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اللہ کی رحمتیں لاتے ہیں۔ جنہیں روحانیں کہا جاتا ہے دوسرے وہ جو اللہ کا عذاب تکالیف دنیا پر لاتے ہیں انہیں کروبین کہا جاتا ہے یہ فائدہ **حفظة** اور **رسلنا** فرمانے سے حاصل ہوا اس کی تحقیق پہلے پارہ میں **فسجد الملائکة** کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔ چوتھا فائدہ: ان مدبرات امر فرشتوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے وسیع علم دیا جاتا ہے۔ چنانچہ موت دینے والے فرشتوں کو ہر شخص کی موت کا وقت معلوم ہے اور حفاظت کرنے والے فرشتوں کو بھی انسان کی موت اور اپنی ڈیوٹی ختم ہونے کا وقت معلوم ہے اور ہمارے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو ہمارے ہر عمل ہر حالت بلکہ ہر ارادے کی خبر ہے ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **ویعلمون ما تفعلون** یہ فائدہ **وھم لا یفرطون** سے حاصل ہوا اگر وہ فرشتے ہماری موت کے وقت سے بے خبر ہوتے تو ہم کو آگے پیچھے موت دیدیتے۔ پانچواں فائدہ: جان نکالنے والے فرشتے عالم کے

ہر ذرہ میں حاضر ناظر ہیں ہر جگہ ان کا ہاتھ پہنچتا ہے یہ فائدہ **توفتہ رسلنا** سے حاصل ہوا کہ اگر یک وقت ہزار ہا جگہ لوگ مریں تو ان سب کو حضرت ملک الموت اور ان کے مددگار فرشتے موت دیتے ہیں۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ ساری دنیا حضرت ملک الموت کے دو گھٹنوں کے درمیان ہے اسی طرح حساب قبر لینے والے فرشتوں کی ہر وقت ہر جگہ پہنچ ہے۔ جب شیطان کو اتنا علم اتنی قوت دی گئی کہ وہ ہر وقت ہر جگہ کی خبر رکھتا ہے ہر شخص کو دیکھتا اس کے خیالات سے خبردار ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **انه یرا کم هو وقبیله من حیث لا ترونهم**۔ تو فرشتے تو نورانی ہیں اور جب ان ناری اور نوری مخلوق کے علم موقوف کلیہ عالم ہے تو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا کیا پوچھنا جو تمام مخلوق سے بڑے عالم بڑے کمالات کے جامع ہیں۔ چھٹا فائدہ: فرشتے معصوم ہیں وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے یہ فائدہ **وهم لا یفرطون** سے حاصل ہوا ان کے متعلق رب فرماتا ہے **لا یعصون الله ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون**۔ جب فرشتوں کی معصومیت کلیہ حال ہے تو حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معصومیت کا کیا پوچھنا جو سید المعصومین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ساتواں فائدہ: قیامت کا دن صرف حساب کے لئے نہیں اس دن اور کام بھی ہوں گے یہ فائدہ **اسرع الحاسبین** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **وهو سریع الحساب** تمام بندوں کا حساب بہت تھوڑے وقت میں ہو جاوئے گا۔ چار گھنٹہ یا اس سے بھی کم وقت میں اور دن ہے پچاس ہزار سال کا باقی وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار ہو گا۔ جیسا کہ ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کیا۔

پہلا اعتراض: جب اللہ تعالیٰ قاہر ہے غالب ہے ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے موت دینے کے لئے فرشتے کیوں مقرر فرمائے کیا وہ خود جان نہیں نکال سکتا یہاں پہلے تو فرمایا **هو القاهر** اور پھر فوراً ہی فرمایا **یرسل علیکم حفظة**۔ جواب: اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بھی ایمان چاہئے اور اس کے قانون پر بھی قانون قدرت یہ ہے کہ تمام کام وسیلوں سے ہوں رب تعالیٰ قادر ہے کہ آسمان سے گندم برساوے مگر برساتا نہیں بلکہ زمین کسان، تخم پانی وغیرہ کا واسطہ درمیان میں رکھا گیا ہے۔ **هو القاهر** میں اس کی قدرت کا ذکر ہے اور **یرسل** میں اس کے قانون کا تذکرہ ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حفاظت کے لئے لفظ **حفظة** ارشاد ہوا اور موت دینے کے لئے لفظ **رسل** فرمایا گیا اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ جواب: اس لئے کہ موت صرف فرشتے دیتے ہیں کوئی انسان نہیں دیتا۔ مگر جان، اعمال بلکہ مال ایمان کی حفاظت فرشتے بھی کرتے ہیں اور رب کے مقبول انسان بھی **حفظة** ان سب کو شامل ہے۔ تیسرا اعتراض: کسی بندے کو حافظ ماننا شرک ہے حافظ صرف اللہ تعالیٰ ہے فرماتا ہے **فالله خیر حافظا** اور فرماتا ہے **حافظ حکمہم**۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر گھر میں قفل لگانا چوکیدار رکھنا رات کو پولیس کا پہرا دینا سب ہی شرک ہے۔ اللہ حافظ ہے تحقیقی جواب یہ ہے کہ حقیقی حافظ حفیظ رب تعالیٰ ہی ہے باقی اس کے بندے اس کے حکم سے مجازی حافظ بنائے گئے ہیں یہ ساری حفاظتیں اس کی ہیں۔ چوتھا اعتراض: قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے **یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم**۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی فرشتہ موت دیتا ہے تیسری جگہ ارشاد ہے **توفتہ رسلنا** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے فرشتے موت دیتے ہیں ان آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کا ایک جواب تو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ بعض مقبول بندوں کو براہ راست رب تعالیٰ ہی موت دیتا ہے۔ بغیر فرشتے کے ذریعہ جیسے حضرت فاطمہ زہرا بعض مقبول بندوں کو صرف ایک

فرشتہ ملک الموت ہی وفات دیتا ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبض روح شریف کے لئے صرف ملک الموت حاضر ہوئے باقی فرشتے استقبال کے۔ لئے حاضر ہوئے۔ عوام کو بہت سے فرشتے وفات دیتے ہیں جیسے ہم لوگ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ موت کا فیصلہ موت کا حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کا ذکر پہلی آیت میں ہے **اللہ یتوفی الانفس** اور جان نکالنے والی جماعت کے سردار ایک فرشتہ حضرت ملک الموت ہے اس کے لئے دوسری آیت **یتوفاکم ملک الموت** ہے اور اس ایک فرشتے کے خدام مددگار بہت سے فرشتے ہیں۔ جن کا ذکر اس آیت میں ہے **توفتہ رسلنا** حاکم نے ملزم پکڑنے کا حکم دیا۔ تھانیدار سپاہیوں کو لیکر آیا۔ پکڑ کرلے گیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ حاکم نے پکڑا تھانیدار نے پکڑا سپاہیوں نے پکڑا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی قہاریت کے ساتھ تو فرمایا گیا **عبادہ** اور **محافظین** کے ساتھ ارشاد ہوا **ویرسل علیکم** اس فرق کی وجہ کیا ہے یا تو دونوں جگہ **کم** ضمیر فرمائی جاتی یا دونوں جگہ **عبادہ** ارشاد ہوتا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کی قہاریت اس کی ساری مخلوق پر ہے انس ہوں یا جن یا فرشتے یا دوسرے حیوان و جمادات مگر محافظین یعنی نگرانی و نگہبانی کرنے والے فرشتوں کا تقرر صرف انسانوں پر ہے جنات یا فرشتوں دوسری مخلوق پر نہیں۔ کیونکہ نگہبانی کرنے والے فرشتے انسانوں کو جنات وغیرہ ہی سے تو محفوظ رکھتے ہیں۔ نیز نگرانی کرنے والے فرشتے صرف انسانوں کے اچھے برے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں کہ جنت دوزخ صرف انسانوں کے لئے ہے کفار اور بدکار جنات کے لئے دوزخ تو ہے مگر ان کے نیک کاروں کے لئے جنت نہیں جیسا کہ سورۂ احقاف اور سورۂ جن میں مذکور ہے لہٰذا صرف انسانوں ہی کے اعمال کی ہر قسم کی تحریک ہوتی ہے۔ فرق میں یہ حکمت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اعمال لکھنے والے فرشتے دو کیوں ہیں حفاظت کرنے والے قریباً" ساٹھ کیوں ہیں صرف ایک فرشتہ ہی یہ کام کرسکتا ہے۔ **جواب:** اعمال لکھنے والے فرشتے کاتب بھی ہیں اور ان اعمال پر گواہ بھی گواہی کم از کم دو کی چاہئے قیامت میں یہ دونوں اس کی گواہی بھی دیں گے اور محافظین فرشتوں کی کثرت انسان کے احترام کے لئے ہے کہ ایک آدمی کے ساتھ فرشتوں کی جماعت رہے۔ دیکھو جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں سے مدد بھیجی حالانکہ کفار کو ہلاک کرنے مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ کیوں ان حضرات کی عظمت و توقیر کے لئے۔ **ساتواں اعتراض:** جب حضرت ملک الموت کی قوت و علم کا یہ حال ہے کہ ساری روئے زمین پر ان کی نظر ان کا ہاتھ ہے تو جان نکالنے کے لئے بہت سے فرشتے کیوں مقرر ہوئے کہ فرمایا گیا **توفتہ رسلنا**۔ **جواب:** حضرت ملک الموت کی عظمت ظاہر فرمانے کے لئے۔ نیز تا کہ مومن کی روح جلوس کی شکل میں عزت کے ساتھ جائے اور کافر کی روح ان فرشتوں کے گھیرے میں بدمعاش مجرم کی صورت میں۔ **آٹھواں اعتراض:** تمام جہان کی روح نکالنے کے لئے ایک فرشتہ نہیں بلکہ فرشتوں کی بہت بڑی جماعت ہے جن کے حلقے بٹے ہوئے ہیں دیکھو یہاں فرمایا **توفتہ رسلنا**۔

نوٹ: زمانہ موجود کے وہابی کہتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا رب تعالیٰ کی ہی صفت ہے کسی بندے کو ایسا ماننا شرک ہے جب ان سے ملک الموت کے متعلق کہا گیا کہ دیکھو وہ اکیلے تمام کی روح نکالتے ہیں وہ ہر جگہ ناظر بھی ہیں۔ حاضر بھی تب انہوں نے اس آیت کی یوں تحریف کی اس سے پہلے کسی کو یہ نہ سوجھا تھا۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم** وہاں ملک واحد ہے۔ جمع نہیں تم پر یہ

مصیبت آگئی دوسرے یہ کہ اچھا اگر ایک حلقے میں بیک وقت چند موتیں چند جگہ ہوں تو یہ حلقے والے فرشتے بیک وقت چند جگہ پہنچ کر جان نکال لیتے ہیں مثلاً ان فرشتوں کی وہ جماعت جو راولپنڈی کے حلقے کے لئے تعینات ہے اگر راولپنڈی کے حلقے میں ٹھیک بارہ بجے دن کوئی مرے گجرات میں کوئی جہلم میں کوئی گوجر خان میں کوئی اور جگہ تو یہ فرشتے ایک ہی وقت ان جگہوں میں کیسے پہنچتے ہیں اور کیسے ان سب کی جان نکالتے ہیں۔ پھر ماں کے پیٹ میں بچہ بنانے والا فرشتہ' قبر میں حساب لینے والے بلکہ مردود ابلیس صرف ایک ہی ہے مگر دنیا بھر کا کنٹرول کرتا ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بندوں کو سزا کیوں دے گا۔ جواب: بندے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں واقعی محض مجبور ہیں کہ اس کے خلاف اس کے مقابل کوئی دم نہیں مار سکتا مگر اس قادر نے ہم کو اپنے کاموں کو اختیار دیا ہے ہم اپنے ارادے سے اچھے برے کام کرتے ہیں اسی لئے سزا جزا کے مستحق ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ جب ہم کو سلا کر ہمارے سارے اختیارات سلب کر لیتا ہے تو اس وقت ہمارے کاموں پر سزا بھی نہیں دیتا اس وقت شاہ و گدا سب کو برابر کر دیتا ہے مگر جب جگا دیتا ہے تو ہم کو پھر اختیار دے دیتا ہے جاگتے ہیں کوئی بادشاہ ہو جاتا ہے کوئی وزیر کوئی امیر کوئی فقیر تب ان اختیاری افعال پر سزا جزا ہوتی ہے۔ دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قاہر اللہ ہے باقی سارے بندے محض مقہور و مجبور ہیں پھر تم نبیوں ولیوں کو مختار کیوں مانتے ہو انہیں مختار ماننا اس آیت کے خلاف ہے **فوق عبادہ**: میں لفظ عباد سب کو شامل ہے۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جیسے **فوق عبادہ** میں نبی ولی سب بندے داخل ہیں ایسے ہی اس میں بادشاہ وزیر حکام امیر حکیم سب داخل ہیں تو تمہارا بیماریوں آفتوں میں ان سے مدد لینا بھی اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی ساتویں اعتراض کے جواب میں عرض کیا گیا کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے مقابل بندوں کی مجبوری مقہوری کی نفی ہے وہ کریم خود اپنے بندوں کو اختیار دے تو اس کی مہربانی ہے جیسے اس نے بادشاہوں حکام کو ہم پر بااختیار کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا تک پر اختیار دیا کہ ان کے حکم سے چلتی تھی فرماتا ہے۔ **سخرنا لہ الریح تجری بامرہ** الخ ویسے ہی اس نے نبیوں ولیوں کو بندگان بااختیار بنایا حقیقی مختار وہی ہے جو دوسروں کو بھی مختار بنا سکے۔ ان بزرگوں کو مختاری رب تعالیٰ کی مختاری کی دلیل ہے۔ گیارھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ **لہ الحکم** صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے تم حضرات انبیاء و اولیاء کو حاکم کیسے مانتے ہو یہ شرک ہے۔ جواب: جیسے تم بادشاہوں حاکموں کو حاکم مانتے ہو اس کا تحقیقی جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ حقیقی حکم دائمی حکم ذاتی حکم تکوینی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے باقی مجازی عارضی حکم بندوں کو عطا فرمائے گئے۔ بارھواں اعتراض: یہاں اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جان نکالنے والے فرشتے ہیں حکم الٰہی میں کوتاہی نہیں کرتے وقت پر ہر ایک کی جان نکال لیتے ہیں۔ **وھم لا یفرطون** مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ بزرگوں کی دعا نیک اعمال سے عمریں بڑھ جاتی ہیں یہ عقیدہ اس آیت کے بھی خلاف ہے اور اس آیت کے بھی **اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون** رب کا وعدہ کم نہ زیادہ (یہ اعتراض منکرین حدیث کا ہے)۔ جواب: عمروں کی کمی بیشی نہ تو فرشتوں کی کوتاہی سے ہوتی ہے نہ ہمارے اپنے ذاتی اختیار سے بلکہ اللہ تعالیٰ نیک دعاؤں نیک اعمال کی بنا پر خود اپنے کرم سے زیادتی فرما دیتا ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے **یمحو اللہ ما یشاء ویثبت** اس کی تحقیق اسی تفسیر کے تیسرے پارہ میں مسئلہ تقدیر میں کی جا چکی **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کی تفسیر میں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں ایک دعویٰ ہے باقی چار اس کی دلیلیں ہیں دعویٰ ہے **ھو القاھر فوق عبادہ** اللہ اپنے بندوں پر غالب و قابض ہے اس کا پہلا ثبوت محافظین فرشتوں کا تم پر مقرر ہو نا رہنا ہے۔ دوسرا ثبوت موت کے فرشتوں کا تم پر مسلط ہونا۔ تیسرا ثبوت تمہارا رب کی بارگاہ میں پیش ہونا گویا نہ اپنے اختیار سے تم دنیا میں آئے ہو نہ اپنے اختیار سے جاؤ گے۔ جب اس نے بھیج دیا آ گئے جب بلا لیا چلے گئے شعر۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے ۔۔۔ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اس کا حاکم حقیقی ہونا۔ اس کا حکم ساری مخلوق پر جاری ہونا کہ اس کے خلاف کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ بہت جلد تمہارا حساب لے لینا۔ غرض کہ تم اپنی کمزوری کو دیکھو رب تعالیٰ کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**۔ پھر اس کے نورانی بندوں فرشتوں کا زور و طاقت ان کا علم دیکھو رب تعالیٰ کی قدرت علم معلوم کر لو کہ جس نے اپنے بعض بندوں کو ایسی قوت بخشی ہے وہ خود کیسی قوت والا ہے غرضیکہ ہماری کمزوری رب کی معرفت کا ذریعہ ہے اس کے مقبولوں کی شہ زوری اس کی معرفت کے لئے ایک تنبیہ ہیں جیسے قیامت میں ہماری بیکسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی تک رسائی یہ دونوں رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیلیں ہیں ہم کو چاہئے کہ اپنی اس کمزوری پر نظر رکھیں اور دنیا میں پھنس کر آخرت سے غافل نہ ہو جائیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر۔

تو غافل در اندیشہ سود و مال ۔۔۔ کہ سرمایہ عمر شد پائمال

جو اپنے کو قادر مطلق جانے وہ بھی خدا تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا اور جو فرشتوں نبیوں ولیوں کو اپنی طرح مجبور محض مانے وہ بھی حق تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا اونٹ پہاڑ کو دیکھ کر اپنی پستی قبول کرتا ہے ہم ان مقبولوں کو دیکھ کر اپنی نیستی قبول کر لیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ہم جسمانی دشمنوں میں گھرے ہیں تو رب نے ہماری حفاظت کے لئے فرشتے مقرر فرمائے ایسے ہی ہم ایمانی دشمنوں میں گھرے ہیں۔ شیطان' برے ساتھی دنیاوی پھسلاوے ہمارے بیرونی دشمن ہیں نفس امارہ برے خیالات ہمارے اندرونی دشمن ہیں ان سے حفاظت کے لئے رب تعالیٰ نے انبیا کرام' اولیاء اللہ' علماء ربانی مقرر فرمائے اولیاء علماء کا یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا اس لئے ارشاد ہوا **ویرسل علیکم حفظۃ** یہ حضرات ہمارے ایمان کے حافظ و محاسب ہیں۔ پھر جیسے یہ دشمنان ایمان ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمارے حالات سے خبردار رہتے ہیں ہم کو ہر وقت دیکھتے ہیں **انہ یرا کم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم** اسی طرح ضروری ہے کہ وہ محافظ ایمان اولیاء اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہر وقت ہمارے ساتھ ہوں ہم سے خبردار رہیں کمزور دوا قوی مرض کو دفع نہیں کر سکتی **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** جیسے رب نے ہمارے فانی جسم کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر کئے ہیں ایسے ہی اس نے ہمارے باقی ایمان کے لئے بھی ضرور محافظین مقرر فرمائے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ گھر کی حفاظت عامہ بھی ہوتی ہے۔ اور خاصہ بھی دروازے پر قفل سارے گھر کی حفاظت عامہ ہے خاص کوٹھڑی میں قفل حفاظت خاصہ ہے۔ بکس میں قفل' زیور روپیہ کے سیف میں قفل حفاظت خاصہ ہے سپاہیوں کی گشت شہر کی حفاظت عامہ ہے مگر خزانہ پر مخصوص پہرہ حفاظت خاصہ۔ یوں ہی مومنوں کے ایمان کی حفاظت یہ ہے حفاظت عامہ اور عارفوں کے عرفان اولیاء کی ولایت کی حفاظت یہ ہے حفاظت خاصہ جو نبی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

فرمادو کون نجات دیتا ہے تم کو اندھیریوں سے خشکی اور دریا کی دعا کرتے ہو تم اس سے عاجزی کرتے ہوئے

تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ

لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا

اور چھپا کر البتہ اگر وہ نجات دیدے ہم کو اس سے تو البتہ ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں میں سے فرمادو اللہ نجات دیتا

کہ اگر ہمیں اس سے بچا دے تو ہم ضرور احسان مانیں گے تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے

وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝

ہے تم کو ان سے اور ہر تکلیف سے پھر تم شرک کرتے ہو۔

اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں کا ذکر تھا جن کا کفار انکار کر سکتے تھے فرشتوں کا مقرر ہونا' قیامت میں رب تعالیٰ کے حضور پیشی اکثر کفار ان چیزوں کو نہیں مانتے اب اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں کا ذکر ہے۔ جنہیں کفار بھی مانتے ہیں۔ دہریوں کے سوا تمام کفار ان چیزوں کے قائل ان پر عامل ہیں۔ دہریئے تو خدا تعالیٰ کی ہستی کے ہی انکاری ہیں گویا غیبی قدرتوں کے بعد عینی قدرتوں کا ذکر ہے۔ جو دن رات دیکھی جاتی ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی غیبی رحمتوں کا ذکر ہے جو دیکھی جاتی ہیں یعنی پھنسے ہوئے مصیبت زدہ کو آفات سے نجات دینا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں عمومی دائمی نعمتوں کا ذکر تھا اب اس کریم کی مخصوصی نعمتوں کا ذکر ہے یعنی جنگل یا سمندر میں پھنسے ہوؤں کو نجات دینا۔ چوتھا تعلق: اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں غیبی پیدا کی ہیں بعض چیزیں حضور یا شہودی شہودی چیزیں غیبی چیزوں کی دلیلیں ہوتی ہیں۔ جو غیبی چیز یعنی غائب ہے شاخیں شہودی ہیں جن سے جڑ کا پتہ لگ جاتا غیبی چیزیں ہیں۔ چہرہ نبض شہودی یہ چہرہ نبض قارورہ وغیرہ ان غیبی چیزوں کی دلیلیں ہیں۔ فرشتوں کا حفاظت کے لئے مقرر ہونا غیبی حفاظت تھی اور لوگوں کا بہت دفعہ آفات سے بچ جانا شہودی حفاظت تھی یہ شہودی حفاظت اس غیبی حفاظت کی دلیل ہے پچھلی آیت میں غیبی حفاظتوں کا ذکر تھا اب اس کی دلیل یعنی شہودی حفاظت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: قل من ینجیکم من ظلمات البر والبحر۔ ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ چونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں رحمتوں' نعمتوں' برکتوں کا مشرکین سے منوانا ہے اس لئے اس قل سے شروع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قل میں خطاب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے مگر روئے سخن میں پانچ احتمال ہوتے ہیں اس کے معنی یا تو ہوتے ہیں ہم سے کہو جیسے قل اللهم مالک الملک اپنے صحابہ سے کہو۔ یا سارے مسلمانوں سے کہو یا سارے انسانوں سے کہو یا سارے کافروں سے کہو اس کا پتہ اگلے مضمون سے لگتا ہے یہاں [illegible] معلوم ہو رہا ہے اس میں ہر جگہ اور ہر وقت

کفار داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال تاقیامت سارے کفار و مشرکین سے ہے جیسے اسلام و اعمال کے خطاب تاقیامت سارے مسلمانوں سے ہیں یہ خطاب انکاری سوال کے لئے ہے کفار و مشرکین ایسی آفتوں مصیبتوں میں خاص اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے اس سے دعائیں مانگتے تھے اپنے بتوں کو بھول جاتے تھے۔ اس لئے ان سے سوال بالکل درست ہے۔ ہماری قرات میں **ینجیکم** جیم کے شد سے ہے بعض قراتوں میں **ینجیکم** ہے نون کے جزم جیم کے کسرہ سے ہماری قرات کے معنی یہ ہوئے کہ کون تم کو ہمیشہ نجات دیا کرتا ہے باب تفعیل آہستگی اور ہمیشگی کے لئے ہے۔ **ینجی** بنا ہے نجات سے۔ جس کا مادہ ہے **نجو** بمعنی علیحدگی۔ اس لئے تنہائی علیحدگی میں سرگوشی کرنے کو مناجات کہتے ہیں غرضیکہ نجو سے بنے ہیں نجات' تناجی' مناجات' استنجاوغیرہ ظلمات بر و بحر سے یا تو زمین اور دریا کی تکالیف مراد ہیں عربی بلکہ اردو میں بھی سخت تکلیف کو اندھیری یا دن میں تارے نظر آجانا کہا جاتا ہے عربی کا شاعر کہتا ہے شعر۔

ان تنوله فقد تمنعه و تریه النجم یجری بالظهر

بنی اسعل تعلمون بلاءنا اذا کان یوم ذوکواکب الشهب

مطلب یہ ہے کہ تم زمین اور دریا کی مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہو اللہ کے سوا کون ہے جو تم کو ان مصیبتوں سے بچاتا ہے اور یا ظلمات سے مراد اندھیریاں ہی ہیں مسافر جنگل میں کبھی رات کی یا بادل وغیرہ کی اندھیریوں میں پھنس جاتا ہے کبھی دریا کا مسافر پانی کی موج' رات' بادل وغیرہ کی اندھیریوں میں بری طرح پھنس جاتا ہے کہ راستہ نہیں نظر آتا رب تعالیٰ ہی بچاتا ہے۔ **تدعونه تضرعا وخفیته**۔ یہ عبارت **ینجیکم** معنی ڈر و خوف یعنی تم ایسی آفتوں میں پھنس کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو یا اسی سے ہی دعا کرتے ہو کبھی زبان سے کبھی دل سے کبھی علانیہ کبھی پوشیدہ یا عاجزی کرتے ہوئے ڈرتے ہوئے (کبیر معانی وغیرہ) اس آفت میں تم نہ تو اپنے بتوں کو پکارتے ہو نہ کسی اور مددگار معاون کو اس وقت ان سب کو بھول جاتے ہو۔ **لئن انجنا من هذه**۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ فعل **تقولون** کا مفعول بہ ہے پورا جملہ **تدعون** کے فاعل سے حال ہے ہماری قرات میں ہے **انجانا** بعض قراتوں میں ہے **انجیتنا** مخاطب کے صیغہ سے **هذه** سے اشارہ ہے ظلمات کی طرف **لنکونن من الشاکرین**۔ یہ عبارت لئن لام کی جزا ہے **شاکرین** سے مراد یا موحدین ہے یا مومنین یا صالحین و شکر گزاری یعنی اس موقعہ پر تم کہتے ہو کہ اگر اس دفعہ رب تعالیٰ نے ہم کو ان آفات سے نجات دے دی تو ہم شرک چھوڑ کر موحد بن جاویں گے یا ہم وطن پہنچ کر ایمان و اسلام قبول کرلیں گے یا آئندہ اس شکریہ میں گناہ کرنا چھوڑ دیں گے ہمیشہ نیک کام کیا کریں گے۔ **قل الله ینجیکم منها ومن کل کرب**۔ چونکہ مذکورہ سوال امتحان کے لئے نہ تھا بلکہ انہیں جواب بتانے سکھانے تبلیغ کرنے کے لئے تھا۔ اس لئے قل فرما کر ارشاد ہوا کہ آپ ہی نے کفار سے یہ سوال کیا ہے آپ ہی انہیں یہ جواب بتادیں تاکہ انہیں اس عقیدے کی تبلیغ ہو۔ اس عبارت میں **من ینجیکم** کا جواب دیا گیا ہے۔ یہاں بھی قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے یعنی کفار سے آپ ہی یہ سوال کریں لوٹا تو وہ خود ہی یہ جواب دیں گے اگر بالفرض وہ خاموش ہو جاویں تو آپ ہی انہیں یہ جواب سنا دو قل فرمانے کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نجات دینے والا تو رب تعالیٰ ہی ہے ہر مصیبت سے وہی نجات دیتا ہے مگر اس نے دامن محبوب کو دنیا کے لئے نجات گاہ بنایا ہے۔ جسے نجات چاہئے۔ وہ اس دامن عاطفت میں آجاوے **منها** کا مرجع ظلمات ہے کرب سے مراد ہمیشہ کی تکلیف ہیں۔ بیماریاں' عداوتیں' قحط سالیاں وغیرہ کرب وہ تکلیف ہے جو انسان کو بے چین کردے۔ جس

سے رات کی نیند دن کا آرام جاتا رہے۔ دل کی بے چینی تو پوری مصیبت ہے یعنی ان تاریکیوں اندھیریوں اور ان کے علاوہ اور ساری مصیبتوں بے چینیوں سے اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے۔ یا منہا سے مراد تو وہ مذکورہ بلا آفتیں ہیں جن کے دفع کرنے میں انسان بالکل مجبور لاچار رہے جیسے سمندر میں کشتی کو ناموافق ہوا کا سامنا ضرورت پر بارش کا نہ آنا بے وقت بارش ہونا وغیرہ اور من کل کرب میں یہ تکالیف مراد ہیں۔ جو انسانی اسباب کے ذریعہ دفع کی جاتی ہیں جیسے بیماری دوا سے۔ بھوک غذا سے پیاس پانی سے کسی کا ظلم حاکم کی مدد سے ان دونوں قسم کی آفتوں کا ٹالنے والا صرف رب تعالیٰ ہی ہے تو اے بندو تم کو چاہئے کہ ہمیشہ اس کے دروازہ پر جھکے رہو۔ اپنے کئے ہوئے وہ وعدے پورے کرو جو تم اندھیریوں میں پھنس کر کر لیتے ہو مگر تمہارا حال یہ ہے کہ ثم انتم تشرکون یہاں ثم زمانی تاخیر کے لئے نہیں بلکہ درجہ و رتبہ کی دوری بیان کرنے کے لئے یعنی تمہاری ضد اور ڈھٹائی کا یہ حال ہے کہ جب رب تعالیٰ تم کو ان آفات سے نجات دیتا ہے۔ خواہ تمہاری دعاء قبول فرما کر یا اپنی کسی حکمت کی وجہ سے تو تم اپنے وعدے پورے نہیں کرتے۔ پھر پہلے کی طرح شرک و کفر میں مشغول ہو جاتے ہو تم بدکار بھی ہو کافر و مشرک بھی اور وعدہ خلاف بھی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار و مشرکین سے اتنا تو پوچھئے کہ تم کو زمین اور دریا کی تکالیف مثلاً مخ' زمین میں دھنسے زلزلہ' سمندر کی موجوں تھپیڑوں سے یا بحالت سفر جنگل و دریا کی تکالیف سے کون نجات دیتا ہے اس وقت تمہارا یہ حال ہوتا ہے کہ تم زبان سے دل سے علانیہ چیخ چیخ کر اور خفیہ طور پر رب تعالیٰ ہی سے دعائیں مانگتے ہو کسی بت یا دوسرے مددگاروں کو یاد نہیں کرتے تم اس وقت کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس آفت سے اب کی بار نجات دے دی تو ہم کفر و شرک اور گناہوں سے توبہ کر کے پکے موحد مومن نیک و صالح بن جائیں گے ہماری توبہ ہے خدایا اس بار ہم کو نجات دے ہماری پکی توبہ ہم زندگی بھر شکریہ ادا کریں گے پوچھو تو تم یہ کہتے ہو یا نہیں۔ تو تمہارے اس پوچھنے کا مقصد صرف ان کا امتحان نہیں امتحان تو قبر یا حشر میں ہو گا بلکہ اس سوال کا مقصد انہیں رب کی طرف بلانا ہے اس لئے بطور تبلیغ آپ انہیں یہ فرما دو کہ تم کو اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ان ناگہانی آفتوں سے بھی اور ساری دنیا میں پیش آنے والی آفتوں سے نجات دیتا ہے مگر تمہارا یہ حال ہے کہ تم آرام پاتے ہی پھر وہی کفر و گناہ کرنے لگتے ہو اپنے سارے وعدے بھول جاتے ہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا آرام و راحت میں بھول جانا کفار کا طریقہ ہے۔ مومن کو چاہئے کہ ہر حال میں اپنے مولیٰ کو یاد کرے کہ اس کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ سے بندہ جو بھی وعدہ کرے اسے پورا کرے وعدہ خلافی بندوں سے بھی شرافت کے خلاف ہے چہ جائیکہ اللہ رسول سے وعدہ خلافی کرنا یہ حرکت طریقہ کفار ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کفر' شرک بد عقیدگی بہرحال بری چیز ہے مگر ایمان کا وعدہ کرنے کے بعد کفر کرنا سخت جرم ہے کہ وہ کفر بھی ہے اور بد عہدی وعدہ خلافی بھی۔ **چوتھا فائدہ:** کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں دیکھو کفار مصیبتوں میں پھنس کر نجات کی دعا کرتے تھے رب تعالیٰ انہیں نجات دے دیتا تھا شیطان نے اپنی درازی عمر کی دعا کی جو کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہوئی۔ **پانچواں فائدہ:** غم' تکلیف' مصیبت بڑے بڑوں کو سیدھا کر دیتی ہے۔ دیکھو ضدی کفار آفتوں میں پھنس کر اپنا شرک کفر و گناہ سب بھول جاتے تھے انہیں گڑگڑاتے عاجزی کرتے ہی بنتی تھی دنیاوی تکلیف رب

تعالیٰ کا وارنٹ ہیں' جو مجرموں پر جاری ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ بندہ ہر وقت ہی حاضر رہے تا کہ اس کی گرفتاری کی نوبت نہ آئے۔ چھٹا فائدہ: جو شخص آرام میں تکلیف کو بھول جاوے اور تکلیف کے وقت رب سے کئے ہوئے وعدے فراموش کر دے وہ بڑا ہی بدنصیب ہے۔ جس رب کو تکلیف مٹانا آتا ہے اسے پھر دوبارہ بھیجنا بھی آتا ہے اگر انسان راحت میں رب کو یاد رکھے تو تکلیف کیوں آئے ایک ہندی شاعر کہتا ہے شعر۔

دکھ میں رب کو ہر بھجے سکھ میں بھجے نہ کوئے ۔۔۔ جو کوئی سکھ میں رب بھجے تو دکھ کاہے کو ہوئے

یعنی تکلیف میں خدا کو سب ہی یاد کرتے ہیں آرام میں بھول جاتے ہیں اگر آرام میں اسے یاد رکھیں تو تکلیف کیوں آئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ما یفعل اللہ بعذا بکم ان شکرتم اگر شکر کرو تو ہم تمہیں عذاب دے کر کیا کریں گے۔ ساتواں فائدہ: وہ تکلیف جو رب کے دروازے پر پہنچادے۔ وہ اس آرام سے اچھی ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے غافل کردے جو گناہ رونے دھونے توبہ کرنے کا ذریعہ بن جاوے وہ اس نیکی سے افضل ہے۔ جو دل میں غرور پیدا کردے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا یعنی گندم کھالینا ابلیس کی لاکھوں سال کی عبادات سے افضل ہے کہ جناب آدم علیہ اسلام اس خطا کی بنا پر سالہا سال روئے توبہ زاری فرماتے رہے حتیٰ کہ خلیفتہ اللہ اور حضرات انبیاء کرام کے جد امجد بن گئے شیطان اپنی عبادات علم کی وجہ سے اکڑ گیا اب تک لعنتی و پھٹکار امارا پھر رہا ہے۔ آٹھواں فائدہ: دعا میں بہتر یہ ہے کہ عاجزی زاری سے مانگی جاوے اور خفیہ مانگی جاوے یہ فائدہ تضرعا وخفیہ سے حاصل ہوا۔ دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے ادعو ربکم تضرعا وخفیہ علانیہ دعا و عبادات میں ریا کا اندیشہ ہے۔ نواں فائدہ: اگر کافر زمانہ کفر میں ایمان لانے یا کسی اور نیکی کرنے کی منت مانے تو اسے پوری کرے کہ ایمان قبول کرلے اور بعد ایمان وہ مانی ہوئی منت ادا کرے دیکھو کفار مصیبت میں پھنس جانے پر شاکر بننے کی منت مانتے تھے جسے پورا نہ کرتے تھے اس پر عتاب فرمایا گیا ایک کافر نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ میں نے زمانہ کفر میں عمرہ کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔ اب میں مسلمان ہو چکا ہوں فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ دسواں فائدہ: دنیا میں اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی نجات دے دیتا ہے کہ دنیا رحمانیت کے ظہور کی جگہ ہے مگر آخرت میں نجات صرف مومنوں کو ملے گی کہ وہاں رحیمیت کی جلوہ گری ہوگی ہاں بعض کفار کو ان کی نیکیوں کی وجہ سے عذاب ہلکا کردیا جاوے گا۔ جیسے حاتم طائی یا نوشیرواں یا ابو طالب۔ حتیٰ کہ ابولہب کو بھی دو شنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ دیکھو بخاری شریف غرضیکہ اخروی نجات ایمان پر موقوف ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار بھی صرف رب تعالیٰ کو ہی دفع البلاء سمجھتے تھے کہ زمینی' دریائی آفتوں میں پھنس کر اسے ہی پکارتے تھے۔ مگر آج کل کے بعض مسلمان کہلانے والے نبیوں ولیوں کو اپنا حاجت روا' دافع البلاء سمجھتے ہیں درود تاج میں پڑھتے ہیں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم یہ مسلمان ان مشرکوں سے بدتر ہیں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس شرک میں آپ بھی گرفتار ہیں۔ آپ بھی بعض جڑی بوٹیوں بعض شربتوں کو دافع زکام دافع بخار حب قبض کشا۔ حتیٰ کہ ایک شربت کو شربت فریاد رس کہتے ہیں اور آفتوں میں حاکموں' حکیموں کے پاس دوڑے جاتے ہیں۔ مسجد آکر اللہ اللہ نہیں کرتے شعر۔

تیری اٹکے تو وکیلوں سے کرے استمداد ۔۔۔ یا ہم سے بگڑتی ہے طبیعت تیری

جواب تحقیقی یہ ہے کہ واقعی بعض چیزیں اور اللہ کے بعض بندے بہ حکم پروردگار فریاد رس بھی ہیں دافع البلاء بھی بلکہ بزرگوں کے تبرکات بھی دافع البلاء ہوتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نابینا پن کی دافع تھی۔ (قرآن کریم) حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا پانی شفاء امراض تھا۔ (قرآن کریم) حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کا دم مردوں کو زندگی بخشتا تھا۔ (قرآن کریم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف' ناخن مبارک بیماریوں کی شفاء تھا۔ (حدیث شریف) کفار کا طریقہ یہ تھا کہ عیش میں بتوں کو پوجتے تھے۔ مصیبت میں رب تعالیٰ سے فریادیں کرتے تھے اس پر یہاں عتاب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** مصیبت میں مشرکین عرب بھی بتوں کو چھوڑ دیتے تھے صرف اللہ کو پکارتے تھے مگر یہ نام نہاد مسلمان مصیبت و آفات میں بھی نبیوں ولیوں کو نہیں چھوڑتے یہ جب بھی یہ کہتے ہیں یا رسول اللہ' یا غوث المدد وغیرہ۔ (وہابی) **جواب:** بتوں کو چھوڑنا ایمان ہے نبیوں ولیوں کو چھوڑنا کفر ہے اس چھوڑنے کا مزہ ابلیس سے پوچھو کفار مصیبتوں میں پتھروں کو چھوڑ دیتے تھے مگر تم لوگ مصیبتوں میں کعبہ کو قرآن کو نہیں چھوڑتے اسی طرف سجدے کرتے ہو۔ بتوں اور نبیوں میں فرق ہے نبیوں ولیوں کو پکارنے ان سے حاجات مانگنے سے رب تعالیٰ راضی ہے کہ یہ حضرات محبوب ہیں بت مردود رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك** الخ گنگا کے پانی کی تعظیم کفر ہے زمزم کے پانی کی تعظیم رکن ایمان ہیں دونوں پانی مگر گنگا کا پانی اللہ کے دشمنوں کی طرف نسبت رکھتا ہے زمزم کا پانی اللہ کے نبی کی طرف اس قسم کے بہت سے اعتراضات کے جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے کفار کے دو کاموں پر عتاب فرمایا ایک تو مصیبت میں رب تعالیٰ سے دعائیں کرنا اسے پکارنا دوسرا آفتوں سے چھوٹ کر پھر کفر کرنا پہلا کام تو اچھا تھا اس پر عتاب کیوں فرمایا۔ **جواب:** یہاں عتاب ان کی بے وفائی وعدہ خلافی پر ہے نہ کہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنے پر۔ وہ لوگ رب کے پجاری نہ تھے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے کہ اللہ کو یاد بھی کرتے تھے تو صرف نفس سے مصیبت دفع کرنے کے لئے مومن اگر مصیبت میں رب تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اس لئے کہ یہ بھی اللہ کا حکم ہے ان دونوں پکاروں میں بڑا فرق ہے بندہ کو چاہئے کہ رنج خوشی راحت و تکلیف ہر حال میں رب سے دعائیں مانگا کرے کہ اس میں اظہار بندگی ہے۔ کریم کے دروازے کی رونق بھکاریوں کی بھیڑ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عالم ظاہر میں دل کی بات ظاہر کرنے کے بہت طریقے ہیں الفاظ سے کہنا اشارہ سے بتانا۔ لکھ کر دینا تار وائرلیس کے ذریعہ ظاہر کرنا اسی طرح اللہ والے بھی اپنے دل کی بات زبان سے کہتے ہیں کبھی نظر سے کبھی توجہ سے کبھی فیضان سے قرآن مجید میں جہاں قل کہہ کر حکم ہوتا ہے کہ تم لوگوں سے فرمادو وہاں یہ چاروں صورتیں داخل ہوتی ہیں زبانی کلامی میں وقت جگہ اور فاصلہ کی قیدیں ہوتی ہیں۔ مگر فیضانی فرمان میں یہ کوئی قید نہیں مشرق میں استاذ ہو مغرب میں شاگرد ہزار سال پہلے استاذ گزرا ہو ہزار سال بعد شاگرد آیا فیضان یا نظر والا قول اس سے ہو سکتا ہے ابراہیم علیہ السلام نے زبانی قول تو ایک بار فرمایا کہ اے اللہ کے بندوں اللہ کے گھر کی طرف آؤ مگر جنانی اور فیضانی قول تاقیامت سنا جاتا رہے گا اس لئے حاجی لبیک کہتے ہوئے جاتے ہیں یعنی حاضر جناب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول تاقیامت سنے جاتے رہیں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ جیسے بلغمی مزاج کا آدمی جو کچھ کھائے پئے وہ بلغم بنتا ہے سوداوی مزاج کا آدمی جو کھائے پئے وہ سودا بنتا ہے تندرست آدمی جو کھائے پئے وہ خون بنتا ہے غذا یکساں ہے مگر کھانے والوں کے مزاجوں میں فرق ہے یونہی ایمان والا جو کرے وہ ایمان ہے کافر جو کرے وہ کفر ہے

مومن کے گناہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا ذریعہ ہیں کافر کی نیکیاں بھی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کا باعث ہیں مولانا فرماتے ہیں شعر

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　کفر گیرد مالتی ملت شود

منافقوں کا کلمہ پڑھنا بھی بے ایمانی تھی۔ حضرت جندہ ابن ضمیرہ کا اپنے منہ سے کفر بول دینا بھی کفر نہ تھا ان کے متعلق رب نے فرمایا الا من اکرہ قلبہ مطمئن بالایمان ۔ دیکھو ان کفار کا مصیبتوں میں پھنس کر رب تعالیٰ کو پکارنا اس سے مناجاتیں کرنا بھی عتاب کا باعث ہو (کفار کا رجوع الی اللہ ایک عارضی چیز ہے۔ جو آرام یا راحت کے پانی سے دھل جاتی ہے۔ مومن کا گناہ و بدعملی عارضی ہے۔ جو عنقریب توبہ' آنسو' پشیمانی کے پانیوں سے دھل جاتی ہے۔ دیکھو مشرکین عرب مصیبت میں پھنس کر توبہ استغفار شکر گزاری کے وعدے سے کچھ کر لیتے تھے یہ سب کچھ عارضی ہوتا تھا۔ پھر جب آرام و راحت پاتے وہی شرک و کفر و بدعملیاں ان کا وطیرہ ہو جاتا تھا۔ اللہ توفیق دے تو گھڑی گھڑی توبہ گھڑی گھڑی توڑنا کیا ایک بار ہی توبہ کرے اس پر قائم رہے۔ سائیں بلھے شاہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شعر

نت نت کیسی استغفار　　توبہ کر لے ایک ہی بار
اس دنیا کا ایک ہی پھیرا　　مڑ نہیں آنا دوجی وار
جو کرنا ہے کر لے یار　　توبہ کر لے ایک ہی بار

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ

فرما دو وہ رب قدرت والا ہے اوپر اس کے کہ بھیجے اوپر تمہارے عذاب اوپر سے تمہارے یا نیچے سے پاؤں

تم فرماؤ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے

تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ

کے تمہارے یا گتھا دے تم کو فرقوں میں اور چکھائے تمہارے بعض کو سختی بعض کی

تلے سے یا تمہیں بھڑا دے مختلف گروہ کر کے اور ایک کو دوسرے کی سختی چکھا دے دیکھو ہم کیونکر

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ

غور کرو ہم کیسے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں تاکہ وہ سمجھیں اور جھٹلایا اس کو قوم نے تمہاری حالانکہ

طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں انکو سمجھ ہو اور اسے جھٹلایا تمہاری قوم نے اور یہی

الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۫ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

وہ حق ہے فرما دو نہیں ہوں میں اوپر تمہارے ذمہ دار واسطے ہر چیز کے وقت مقرر ہے اور عنقریب جانو گے تم

حق ہے تم فرماؤ میں تم پر کچھ کڑوڑا نہیں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا ذکر تھا یعنی پھنسے ہوؤں کو بلا سے نجات دینا اب اس کے خاص عذاب کا ذکر ہے۔ یعنی بدکاروں پر عذاب بھیجنے کا چونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے نجات کا ذکر پہلے ہوا عذاب کا ذکر بعد میں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی بدعہدی کا ذکر تھا کہ وہ اندھیریوں میں پھنس کر ہم سے مختلف قسم کے عہد کرتے ہیں۔ پھر نجات پانے پر ان کئے ہوئے عہدوں سے پھر جاتے ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ان کی بدعہدی انہیں مفید نہیں وہ اللہ تعالیٰ انہیں ان گھروں میں بھی پکڑ سکتا ہے اس کی پکڑ سے بچنا ہے تو اس کی اطاعت کرو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے حسی میں گھر جانے کا ذکر تھا کبھی زمینی اندھیروں کبھی سمندر کی اندھیروں میں اب ان کے معنوی گھرے ہوئے ہونے کا ذکر ہے کہ وہ ہروقت ہر طرح اللہ کی پکڑ اس کی قدرتوں کے گھیرے میں ہیں گویا خاص گھیرے کے بعد عام گھیرے کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا کہ رب تعالیٰ پھنسے کافروں کو نجات دے دیتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار کی یہ نجات صرف ظاہری و حسی ہے وہ اپنے کفر و عناد کی وجہ سے اب نجات پاکر بھی اس کی پکڑ میں ہیں بلکہ یہ پکڑ اس پکڑ سے سخت تر ہے کافر آرام میں ہو تو بھی پکڑ میں ہیں۔ مومن دنیاوی تکلیف میں بھی ہو تو بھی رحمت میں ہے۔

تفسیر: قل ھو القادر۔ میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ چونکہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات علیہ کا ذکر ہے اس لئے اسے قل سے شروع فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذات الٰہی صفات الٰہی کے گواہ ہیں مدعی اپنی بات اپنے وکیل سے کہلواتا ہے اور اپنا دعویٰ گواہ سے ثابت کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے عہدے سونپے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے وکیل بھی ہیں اللہ کے رسول بھی ہیں اللہ کے گواہ بھی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں مخلوق کے وکیل بھی ہیں مخلوق کے گواہ بھی وکیل اور رسول کا فرق ظاہر ہے نیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ماننا ایمان جب ہی ہے جب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے ہو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانے اللہ کی ذات و صفات کو ماننا ایمان نہیں یہاں بھی روئے سخن انہیں بدعہد کافروں سے ہے جن کا ذکر ابھی پچھلی آیت میں ہوا ھو کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے قادر کے معنی کامل دائمی قدرت والا ایسی قدرت خدا تعالیٰ کے سوا کسی میں نہیں بندوں کو جو قدرت رب کی طرف سے ملتی ہے وہ عارضی و ناقص ہے قادر قدیر' عالم علیم' سامع سمیع' ضارب ضریب کے فرق آپ کو یاد ہی ہوں گے۔ سامع وہ جو کسی کی بات سن رہا ہو سمیع وہ جس میں سننے کی صفت موجود ہو خواہ اس وقت وہ کسی کی سن رہا ہو یا نہیں۔ لہٰذا انسان سوتے میں سامع نہیں سمیع ہے۔ قادر وہ جو کسی کو اپنی قدرت میں لئے ہو قدیر وہ جس میں یہ صفت ہو اور ہو سکتا ہے کہ قادر بمعنی قدیر ہو۔ علی ان یبعث علیکم۔ اس کا تعلق القادر سے ہے بعث اور ارسال میں فرق بارہا بیان کیا جاچکا ہے کہ ارسال خاص ہے بعث عام ہے کبھی دونوں بالکل ہم معنی بھی ہوتے ہیں علیکم میں خطاب کفار سے ہے چونکہ عذاب و عتاب کفار پر ہوتا ہے۔ عتاب مومن پر بھی اس لئے علیکم کو پہلے بیان فرمایا تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو۔ عذاب' عتاب۔ عتاب کا فرق بارہا بیان ہوچکا بعث فرماکر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ ہمارے پاس ہر قسم کے عذاب ہروقت تیار ہیں صرف بھیجنے کی دیر ہے ہم کو ہروقت عذاب بنانے نہیں پڑتے بلکہ وہ ہوا پانی دھوپ جانور جو تمہارے خدمت گار ہیں وہ سب ہمارے لشکر ہیں۔ جس ذریعہ سے چاہیں تم کو ہلاک کردیں ایک مچھر

سے نمرود کو مار دیا دوسرے یہ کہ کبھی مجرم عذاب کے پاس جاتا ہے جیسے فرعون اور اس کی قوم اور کبھی عذاب مجرم کے گھر میں پہنچ جاتا ہے جیسے قوم عاد ثمود یا قوم لوط وغیرہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تمہارے گھروں بازاروں ہی میں تم پر عذاب بھیج دیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا۔ **اذ بعث فیھم رسولا** کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ایسی رحمت ہیں جو سورج یا بارش کی طرح ہمارے گھروں ہمارے دلوں میں پہنچیں۔ **عذابا من فوقکم اومن تحت ارجلکم۔ عذابا** مفعول بہ ہے **یبعث** کا اور **من فوقکم یبعث** کے متعلق ہے اس عبارت کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ عذاب سے مراد غیبی عذاب ہے (اوپری عذاب) قوم صالح علیہ السلام کی طرح غیبی چیخ آنا قوم لوط علیہ السلام کی طرح غیبی پتھر برسنا' قوم نوح علیہ السلام کی طرح سخت بارش آنا۔ قوم عاد کی طرح سخت آندھیاں آنا وغیرہ نیچے سے عذاب آنا جیسے قوم شعیب علیہ السلام کی طرح زلزلے آنا قارون کی طرح زمین میں دھنسنا وغیرہ یہی معنی ظاہر ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ اوپر سے عذاب ظاہر بادشاہ ظالم حکام کا ظلم ہے نیچے سے عذاب نالائق نوکروں بدمعاش غلاموں کی تکلیف ہے ضحاک فرماتے ہیں کہ اوپر کا عذاب بڑوں کی طرف سے تکلیف ہیں نیچے کا عذاب اپنے چھوٹوں کی طرف سے تکلیف ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر کبیر' خازن' معانی وغیرہ) دوسری تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں مگر پہلی تفسیر پر اعتراض ہے۔ جو مع جواب سوال و جواب میں عرض کیا جاوے گا۔ **اویلبسکم شیعا۔** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے **یبعث** پر وہاں غیبی اور سخت عذابوں کا ذکر تھا یہاں ظاہر ہلکے عذاب کا ذکر ہے **یلبس** بنا ہے لبس سے خیال رہے کہ لبس لام کے فتحہ سے بمعنی رلا ملا دینا غلط ملط کر دینا ہے یہ باب سمع یسمع سے ہے اسی سے ہے **التباس** بمعنی دھوکہ لگ جانا مشابہ ہو جانا اور لبس لام کے پیش سے بمعنی پہننا ہے باب ضرب یضرب سے اسی سے ہے لباس بمعنی کپڑا یہاں پہلے معنی مراد ہیں شیع جمع ہے شیعتہ کی یہ بنا ہے تشیع سے بمعنی اتباع شیعہ وہ جماعت جو کسی کی فرماں بردار و تبیع ہو اس کی جمع اشیاع بھی ہے اور شیع بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ثم لننزعن من کل شیعتہ ایھم اشد علی الرحمن عتیا** یعنی رب تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں مختلف گروہوں میں بانٹ دے اور ایک دوسرے سے بھڑوا دے لڑا دے۔ **و یذیق بعضکم باس بعض** یہ عبارت یلبس پر معطوف ہے اور عطف تفسیری ہے۔ **یذیق** بنا ہے ذوق سے بمعنی چکھنا یہاں زبان سے چکھنا مراد نہیں بلکہ تکلیف پہنچنا مراد ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ذق انک انت العزیز الکریم۔ باس** کے معنی ہیں سختی' آنچ' جنگ یہاں بھی خطاب کفار سے ہے۔ یعنی تم کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے اور تمہیں آپس میں لڑا دے۔ جس سے تمہارے جان' مال' عزت و آبرو وغیر محفوظ ہو جاویں۔ **انظر کیف نصرف الایات** یہاں بھی انظر میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نظر سے مراد دل کا دیکھنا یعنی غور کرنا ہے۔ **نصرف** بنا ہے تصریف سے بمعنی پھرنا گردش دینا آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ غور تو کرو کہ ہم کس شان کریمی و رحیمی سے ان کفار کو آیات قرآنیہ پھیر پھیر کر آپ کی معرفت سناتے ہیں کبھی اپنے قہر و غضب کا ذکر کرتے ہیں کبھی اپنے رحم و کرم کا کبھی دلائل کا کبھی اپنی قدرت کاملہ کا۔ **لعلھم یفقھون۔** اس جملہ میں **نصرف** کی حکمت کا ذکر ہے یعنی یہ سب کچھ ان کی اصلاح کے لئے آیا ہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں بعض ڈر سے بعض امید سے قرآن مجید سب کی فہمائش کے لئے آیا ہے اس لئے سب کا لحاظ فرمایا گیا ہے کہ جس قسم کا آدمی ہو اسی طرح مان لے لعل بندوں کے لئے بمعنی شاید ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کے لئے بمعنی تاکہ خیال رہے کہ فقہ ہر سمجھ کو نہیں کہتے بلکہ دینی سمجھ کو

کہتے ہیں اسی لئے عالم مجتہد کو فقیہ کہا جاتا ہے جسے دلائل سے مسائل نکالنے کی سمجھ ہو اب تک رب تعالیٰ کی کرم نوازیوں کا ذکر
ہوا کہ وہ عذاب رحمت دلائل کی آیت کے ذریعہ بندوں کو اپنی طرف بلاتا ہے اب بندوں کی بے وفائیوں کا ذکر ہے کہ وہ ان کے
باوجود اللہ کی کتاب اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں- چنانچہ ارشاد ہوا- **و کذب بہ قومک** یہ جملہ نیا ہے کذب بنا ہے تکذ
یب سے بمعنی جھوٹا سمجھنا- جھوٹا کہنا جھوٹا کرنے کی کوشش کرنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں کفار عرب قرآنی خبروں حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور یہ کہ قرآن کی مثال کوئی نہیں بنا سکتا ان باتوں کو جھٹلانے کی بہت کوشش کرتے تھے بہ کا مرجع یا تو
قرآن مجید ہے یا آیات کا پھرانا اور اس کی حکمت یا وہ عذاب- جس کا ذکر ابھی ہوا قوم سے مراد یا تو نسبی قوم ہے یعنی قریش یا ملکی وطنی
قوم یعنی عرب دینی قوم مراد نہیں کیونکہ اس سے مراد کفار و منکرین ہیں لہٰذا وہ مومنین خصوصاً" نبی کی قوم نہیں ہو سکتے (روح
المعانی) **قومک** فرمانے میں ان کفار پر سخت ناراضی و عتاب کا اظہار ہے یعنی جو نبی کی قوم ہو کر ایمان اختیار نہ کرے وہ سخت سزا کا
مستحق ہے- دوسری جگہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کہا گیا ہے **وانہ لذکر لک و لقومک** نبی کی قوم نبی کی
اولاد ہونا مومن کے لئے اللہ کی بڑی رحمت ہے اور کافر کے لئے اللہ کا بڑا عذاب ہے- یوں ہی علم' دولت' عزت اگر ایمان و
تقویٰ کے ساتھ ہے تو اللہ کی رحمت ہے اگر کفر و طغیان کے ساتھ ہے تو اللہ کا عذاب **وھو الحق** جتنے احتمال بہ کی ضمیر میں تھے
وہی احتمال یہاں ھو میں ہیں یعنی وہ قرآن یا وہ آیات کا پھیر پھیر کر بیان فرمانا عذاب الٰہی اگر اس سے قرآن مجید مراد ہے تو حق کے
معنی ہیں سچا غیر زائل کلام اگر اس سے تصریف آیات مراد ہے تو حق کے معنی ہیں حکمت والا اور اگر عذاب مراد ہے تو حق کے
معنی ہیں یقیناً آنے والا نہ ٹلنے والا یہ عبارت یا تو بہ کی ضمیر سے حال ہے اور واؤ حالیہ یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اس میں ان پر
دوسرا عتاب ہے کہ یہ لوگ آپ کی قوم ہو کر ایسی حق بات کا انکار کرتے ہیں جس کی حقانیت عقل و نقل سے ثابت ہے بالکل
ظاہر و باہر ہے- **قل لست علیکم بوکیل** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی اور مخلوق کی نیاز
مندی کا ذکر ہے یہاں **وکیل** بمعنی محافظ یا ذمہ دار ہے اس لئے اس کے ساتھ **علیکم** ارشاد ہوا **علیکم** کو مقدم فرمانے سے
اشارۃ" کہا گیا کہ میں تم کفار کا ہی محافظ نہیں ہوں رہے مومنین وہ تو تاقیامت میری نگرانی و حفاظت میں ہیں رب فرماتا ہے
شاھدا علیکم اور فرماتا ہے **بالمومنین رؤف رحیم** اور فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم** یعنی میں تمہارا ذمہ دار نہیں
ہوں تم ہدایت پر آؤ یا نہ آؤ تمہاری باز پرس مجھ سے نہ ہو گی خیال رہے کہ اللہ کی بعض نعمتوں کے دروازے بہت ہیں جیسے
پانی کہ وہ بادل' دریا' کنوئیں وغیرہا سے مل جاتا ہے بعض نعمتوں کا دروازہ صرف ایک ہے جیسے دھوپ کہ اس کا ذریعہ صرف سورج
ہے- پہلی قسم کی نعمتوں کا اگر دروازہ بند ہو جاوے تو پروا نہیں ہوتی ایک نل خراب ہو جائے تو اور جگہ سے لے لو مگر دوسری
قسم کی نعمت کا دروازہ بند ہو جاوے تو ہلاکت ہے اللہ کی رحمت' ایمان' ہدایت شفاعت ان تمام نعمتوں کا دروازہ صرف ایک ہے
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما دیں کہ **لست علیکم بوکیل** تو پھر یہ نعمتیں کہیں سے نہیں
مل سکتیں ایمان وغیرہ کے سارے دروازے بند ہو چکے ہیں آج کسی نبی کا کلمہ پڑھو کسی کی کتاب پڑھو ایمان تقویٰ نہیں ملے گا یہ
مقصد اس حدیث کا ہے کہ زکوٰۃ دو ورنہ میں تمہاری شفاعت نہ کروں گا **لکل نبا مستقر** یہ نیا جملہ ہے جس میں کفار کے اس
اعتراض کا جواب ہے کہ اگر عذاب حق ہے تو آتا کیوں نہیں نبا سے مراد یا تو عذاب کی خبر ہے یا قرآن کریم کی مطلق خبریں خواہ
عذاب کی ہوں یا ثواب کی یا اسلامی فتوحات اور کفار کی شکست کی مستقر یا اسم ظرف ہے بمعنی وقت وقوع یا مصدر ہے بمعنی

واقع ہوتا کیونکہ ثلاثی مجرد کے علاوہ دوسرے بابوں کا اسم ظرف اور مصدر دونوں اسم مفعول کے وزن پر آتے ہیں جیسے مدخل اور مخرج (تفسیر کبیر) **وسوف تعلمون** اس عبارت میں **تعلمون** میں خطاب کفار سے ہے۔ علم سے مراد مشاہدہ و نظارہ کا علم ہے۔ چونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے سوف ارشاد ہوا یعنی ہر کام کا ہمارے ہاں وقت مقرر ہے عنقریب قرآن مجید کے موعودہ عذاب تم اپنی آنکھوں دیکھ لوگے مان لوگے مگر اس وقت کا ماننا جاننا کام نہ آوے گا ابھی ہم مناتے ہیں تم نہیں مانتے' پھر تم مناؤ گے ہم نہ مانیں گے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ اس وقت سے پہلے ایمان قبول کرلو۔

خلاصہ ء تفسیر: یہ کفار دنیاوی مصیبتوں میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے ایمان پرہیز گاری وغیرہ ہر چیز کے وعدے کرلیتے ہیں مگر نجات پاتے ہی پھر وہی کفرو شرک کرتے ہیں۔ جس پر وہ پہلے تھے کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے گھر پہنچ کر ہمارے قابو ہماری قدرت سے باہر ہو جاتے ہیں آپ ان سے فرمادو کہ اس دھوکے میں نہ رہیں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے کہ تم پر آسمانی عذاب نازل فرمادے یا زمینی عذاب مسلط فرمادے جیسے گذشتہ قوموں پر آئے یا تم کو متفرق جماعتوں میں بکھیر دے تم میں عداوتیں بعض ڈال دے کہ تم آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہو جاؤ ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غور تو فرماؤ کہ ہم کس طرح آیات قرآنیہ انہیں پھر پھر کر سناتے ہیں کبھی دلائل کبھی عذاب کبھی اپنی رحمتوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ سمجھ جائیں یہ لوگ آپ کی نسبی ملکی قوم ہیں انہیں چاہئے تھا کہ پہلے یہ ایمان لاتے پھر دوسروں کو ایمان کی تبلیغ کرتے مگر پہلے انہوں نے ہی قرآن کریم کو جھٹلایا حالانکہ یہ قرآن مجید برحق ہے ثابت رہنے والا ہے اس کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہو سکتی فرمادو اے محبوب کہ تم لوگ کافر رہ کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں تمہارے ایمان و اعمال کا ذمہ دار نہیں میرے ذمہ تمہیں ہدایت دے دینا نہیں میرے ذمہ احکام الٰہیہ پہنچا دینا تھا۔ جو میں پہنچا چکا۔ **خیال رکھو** کہ عذاب الٰہی آنے میں دیر کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کریم کی خبریں غلط ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہر چیز کا اللہ کے ہاں ایک وقت ہے وہ چیز اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ تمہارے عذاب کا بھی وقت ہے جب عذاب آوے گا۔ تب تم خود دیکھ لوگے جان لوگے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جب **عذا با من فوقکم** نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدایا تیری پناہ جب جبریل امین نے عرض کیا **او من تحت ارجلکم** فرمایا خدایا تیری پناہ جب ارشاد باری ہوا **او یلبسکم** الخ فرمایا یہ آسان ہے (عام تفاسیر) خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پہلے دو عذاب کفار و مشرکین کے لئے ہیں آخری عذاب یعنی آپس کی نااتفاقی جنگ و جدال مسلمانوں کے لئے ہیں دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے تین دعائیں فرمائیں۔ (1) میری امت کو دوسری قوم فنا نہ کرسکے۔ (2) میری امت قحط سالی وغیرہ سے ہلاک نہ کی جاوے (3) میری امت میں جنگ و جدال آپس میں نہ ہوں پہلی دو دعائیں قبول ہو گئیں تیسری کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہ تو ہو گا (روح المعانی) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے سے پچیس سال کے بعد میں مسلمانوں کا آپس میں اختلاف جنگ و جدال شروع ہو گیا یعنی خلافت حیدری میں وہ اب تک برابر چلا آرہا ہے (خازن) سیدنا ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ آسمانی اور زمینی عذاب بھی قیامت کے قریب نازل ہوں گے۔ صورتوں کی تبدیلی زمین میں دھنسنا ہو گا (خازن)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ سفر و حضر گھر اور باہر ہر جگہ میں

اپنے کو رب تعالیٰ کے قبضہ میں سمجھے سارے بندے اس کی قدرت میں ایسے گھرے ہوئے ہیں جیسے پانی میں مچھلی کوئی شخص کسی وقت کسی طرح اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو سکتا اگر یہ خیال پک جاوے تو انشاء اللہ گناہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا یہ فائدہ قل هو القادر الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے غیبی عام عذاب آنا بند ہو گئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم۔ مگر عادی عذاب اور غیبی خاص عذاب اب بھی آسکتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قریب قیامت بعض قوموں کی صورتوں کی تبدیلی بعض کا زمین میں دھنسا ہو گا۔ قحط سالی، وبائی امراض، زلزلے پانی کے طوفان اب بھی کہیں کہیں آتے رہتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں ہر تیس سال میں طوفان نوحی کا ظہور کہیں کہیں ہوتا رہتا ہے گا مگر ہلکا (روح البیان) یہ فائدہ بھی ھو القادر الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: کسی قوم میں فرقہ بازیاں آپس کی جنگ و جدال خدا تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ او یلبسکم شیعا سے حاصل ہوا۔ افسوس کہ مسلمان آج اس عذاب میں بری طرح گرفتار ہیں۔ ہم نے فلسطین میں دیکھا کہ وہاں ہر چار طرف دور دور تک اسلامی سلطنتیں ہیں بیچ میں یہود کی ریاست ہے اگر یہ اسلامی سلطنتیں متفق ہو جاویں تو یہود کو فنا کر سکتی ہیں مگر ان کی آپس کی دھول جوتی کی وجہ سے یہود شیر ہو رہے ہیں یہ ہے ہماری بد عملیوں کا انجام۔ چوتھا فائدہ: قرآن کریم کی آیات میں غور کرنا بہترین عبادت ہے قرآن شریف کو دیکھنا عبادت اسے پڑھنا عبادت اسے سمجھنا عبادت اس میں غور کرنا عبادت ہے یہ فائدہ انظر کیف نصرف الخ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: قرآن کریم کی بعض سمجھ تو وہ ہے جس سے کافر مومن بن جاتے ہیں۔ بعض سمجھ وہ ہیں جس سے گنہگار پرہیزگار بن جاتے ہیں۔ بعض سمجھ وہ ہے جس سے جاہل عارف بن جاتے جیسی سمجھ اور جیسا سمجھدار ویسا اس کا فائدہ یہ فائدہ لعلھم یفقھون کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: جب اللہ تعالیٰ کا کرم نہ ہو تو پیغمبر زادگی پیغمبر کی ہم قوم ہونا کچھ مفید نہیں ہوتا یہ چیز بیشک بہت مفید ہیں مگر جبکہ رب تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو یہ فائدہ و کذب بہ قومک سے حاصل ہوا۔ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نبی زادے ہیں' اور کنعان' و قابیل بھی پیغمبر کے بیٹے تھے مگر جناب اسماعیل علیہ السلام پر اللہ کا فضل تھا اور ان دونوں پر اللہ کا قہر تھا۔ ہر نعمت کا یہی حال ہے مال' علم وغیرہ کہ اللہ کا فضل شامل حال ہو تو وہ رحمت ہے ورنہ زحمت بلکہ اگر نبی زادہ نبی کا ہم قوم کافر ہو بے دین ہو تو اس کے لئے یہ چیزیں زیادہ سخت عذاب کا باعث ہیں مکہ مکرمہ میں رہنا مومن کے لئے بڑا مفید ہے کہ ایک نیکی کا ثواب وہاں ایک لاکھ ہے تو کافر کے لئے بڑا مضر کہ وہاں ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ کا ہے انسان اشرف الخلق ہے ولقد کرمنا بنی ادم اگر نیکیاں کرے مومن ہو تو جنت اس کے لئے ہے لیکن اگر کفر و بدکاری کرے تو دوزخ کی سزا بھی اس کے لئے ہے اور پھر وہ بدترین خلق ہے اولئک ھم شر البریہ جتنی شرافت زیادہ اتنی ہی ذمہ داری بہت۔

لطیفہ: ایک مراثی کسی سید صاحب سے بطور خوشامد کہہ رہا تھا کہ شاہ جی تمہاری کیا بات ہے تم لولاک کے مالک ہو تم سمندر ہو تمہیں کوئی گناہ مضر نہیں سمندر نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا سید کفر کرے گناہ کرے وہ گنہگار نہیں ہوتا سید صاحب نے جواب دیا کہ کیوں ہمارا بیڑا غرق کرنا چاہتا ہے سید گناہ کرے تو ڈبل مجرم ہے اسلام کا مجرم پھر نسب رسول کا مجرم ہے ہاں سید کو سمندر کی طرح فراخدل ہونا چاہئے کہ اس پر کوئی زیادتی کرے وہ سمندر کی طرح جلد دل نہ ہو۔ معافی دے دے۔ خیال رہے کہ بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اولاد رسول ہونا محض بے کار ہے بعض کہتے ہیں کہ اولاد رسول ہونا ایسی نعمت ہے کہ سید کو نیک اعمال

کی بھی ضرورت نہیں اعمال امت کے لئے ہیں اولاد کے لئے نہیں دونوں جھوٹے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونا بڑی عزت و فخر کی بات ہے مگر بشرط ایمان و کفر و عناد کے ہوتے غیر مفید بلکہ زیادہ عذاب کا باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا سے فرمایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن دوسرے لوگ ایمان لاویں اور تم نرا نسب۔ ساتواں فائدہ: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ذمہ دار نہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فیض نہ لے تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقصان نہیں سورج خلق سے بے نیاز ہے آسمان نبوت کا سورج ہم سب سے بے نیاز یہ فائدہ **لست علیکم بو کیل** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: اگر گناہ کی سزا میں دیر لگے تو اس سے انسان دھوکہ نہ کھائے کبھی یہ دیر بھی کسی بڑے عذاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے ہر چیز کا ایک وقت ہے یہ فائدہ **لکل نباء مستقر** سے حاصل ہوا۔ شعر۔

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے ۔۔۔ دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

یہی حال دعاؤں کی قبولیت کا ہے کہ اگر اس میں دیر ہو تو دل تنگ نہ ہونا چاہئے۔ ہمیشہ رب کی رحمت کا انتظار کرنا چاہئے اس کی رحمت کا انتظار بھی عبادت ہے شعر۔

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں ۔۔۔ میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور بعد میں بھی عذاب الٰہی آسکتے ہیں **یبعث علیکم عذابا** " الخ میں مگر دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے کہ **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا کہ آپ ان میں جلوہ گر ہیں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک جواب جاہلانہ دوسرا عالمانہ تیسرا عاشقانہ۔ جواب جاہلانہ وہ ہے جو وہابی دیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے اپنا وعدہ توڑ سکتا ہے وہاں اس آیت میں عذاب نہ بھیجنے کا ذکر ہے۔ یہاں عذاب بھیجنے پر قدرت کا ذکر ہے۔ یعنی ہم قادر ہیں کہ اپنا وعدہ توڑ دیں اور تم پر عذاب بھیج دیں مگر یہ جواب باطل محض بلکہ ان کے مذہب کے بھی خلاف ہوئے۔ کیونکہ یہاں عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے اور ڈرانا جب ہی درست ہو سکتا ہے کہ جب وہ عذاب آسکے اس کا آنا بالکل ممکن ہے کسی طرح غیر ممکن نہ ہو آیا کہ آیا اور اللہ تعالیٰ کی وعدہ خلافی ان کے ہاں بھی غیر ممکن ہے اگرچہ محال بالغیر ہی سہی۔ محال بالغیر سے ڈرانا محض غلط ہے۔ لہٰذا یہاں وہ عذاب مراد نہیں۔ جس کے متعلق وہاں دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم**۔

جواب عالمانہ: یہ ہے کہ وہاں اس آیت میں غیبی۔ عام عذاب مراد ہے۔ جیسے ساری قوم پر آسمان سے پتھر برسنا صورتیں تبدیل ہو جانا زمین میں ساری قوم کا دھنس جانا غیبی چیخ' غیبی آگ سے ساری قوم کو ہلاک کر دینا وہ عذاب اب قطعاً نہیں آسکتے اور یہاں اس آیت کریمہ میں ظاہری عذاب یا غیبی شخصی عذاب مراد ہے۔ جیسے قحط سالی' وبائی بیماری وغیرہ یا کسی خاص جماعت کی صورتیں تبدیل ہو جانا یہ عذاب آتے رہتے ہیں اور آئندہ بھی آئیں گے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر۔

ابر نہ آید از پئے منع زکوٰۃ ۔۔۔ واز زنا افتد بلا اندر جہات

جواب عاشقانہ: یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ سے غافل ہو جائے اسے دروازے سے نکال دیا جاوے۔ نکالا جانا اوپری عذاب ہے۔ دل کی غفلت نیچے والا عذاب بعض کافر اس عذاب سے محفوظ رہتے ہیں آخر

کار مسلمان ہو کر توبہ کر کے مرتے ہیں بعض کلمہ گو اسی عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ کافرو بدکار ہو کر مرتے ہیں۔ دیکھو جب شیطان عذاب میں گرفتار ہوا تو ارشاد ہوا فاخرج منها فانک رجیم و ان علیکم لعنتی الی یوم الدین اسے اندھا بہرا گونگا یا فقیر نہ کہا گیا بلکہ دروازے سے پھٹکار کر نکال دیا گیا۔ لہذا اس آیت کریمہ ما کان اللہ لیعذبھم الخ اور اس آیت کریمہ میں کوئی تعارض نہیں۔ ان جوابوں میں خوب غور کر لو یہاں بہت عقلمند پھسل گئے ہیں ایک جواب اور بھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اوپری عذاب سے ظالم حکام ظالم بادشاہوں کا ظلم مراد ہے اور نیچے والے عذاب سے اپنے نوکروں اپنی اولاد کا نالائق ہونا مراد اگر اپنے بیوی بچے نالائق نافرمان ہوں تو گھر دوزخ بن جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں کے مذکورہ تینوں عذاب کفار کے لئے ہیں مگر دیکھا جا رہا ہے کہ تیسرا عذاب یعنی فرقوں میں قوم کا بٹ جانا پھر ان میں جنگ و جدال ہونا مسلمانوں بلکہ حضرات صحابہ کرام پر بھی آیا آج جتنے فرقے مسلمانوں میں ہیں اور جیسا حول جو تا ان کا آپس میں ہے دوسری قوموں میں نہیں تو کیا حضرات صحابہ پر یہ عذاب آیا۔ جواب: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں آسان اور مختصر جواب یہ ہے کہ کفار کے آپس کی نااتفاقی عذاب ہے مومنوں کے لئے صورتاً "عذاب حقیقتاً" طاعون بنی اسرائیل کے لئے عذاب تھی لیکن مسلمانوں کے لئے شہادت کی موت ہے۔ بلکہ دنیاوی تمام تکالیف' پریشانیوں' مصیبتوں کا یہی حال ہے کہ ان کے ذریعہ مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ تیسرا اعتراض: یہاں کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کیوں فرمایا گیا۔ کافر مومن کا ہم قوم نہیں ہو سکتا۔ جب کفرو اسلام کے فرق سے باپ بیٹے کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے تو قومیت کا رشتہ کیسے قائم رہا پھر کیوں ارشاد ہوا و کذب به قومک۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ قومیت بہت قسم کی ہے ملکی قومیت' نسبی قومیت' پیشہ کی قومیت' زبان کی قومیت' دین کی قومیت کافرو مسلمان دینی لحاظ سے ہم قوم نہیں۔ مگر نسبی ملکی قومیت ان میں ہوتی ہے۔ چنانچہ کافر بیٹے کا مسلمان باپ سے نسب ثابت ہو سکتا ہے یہاں میراث نہیں مل سکتی۔ انه لیس من اهلک کا منشا اور ہے یہاں قومک فرمانے کا منشا کچھ اور۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے وکیل نہیں پھر انہیں شفیع رسول کیوں کہا جاتا ہے۔ رسول وکیل شفیع میں کیا فرق ہے۔ جواب یہاں روئے سخن کفار سے ہے اور فرمان عالی کا منشا یہ ہے کہ تمہاری ہدایت میرے ذمہ نہیں تمہارے کافر رہنے کا سوال مجھ سے نہ ہو گا رب تعالیٰ فرماتا ہے ولا تسئل عن اصحاب الجحیم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے صرف رسول ہیں کہ انہیں فرمان الٰہی پہنچا دیں مگر مومنوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی وکیل بھی ہیں شفیع بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم مومنوں کے رسول و نبی' شفیع وکیل' فریاد رس' مشکل کشا' دافع البلاء سب کچھ ہیں اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا بغور مطالعہ کرو۔ ان سب صفات کی آیات موجود ہیں۔ رب فرماتا ہے ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ اور فرماتا ہے۔ خذ من اموالھم صدقۃ تطھر ھم و تزکیھم بھا وصل علیھم الخ اور فرماتا ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم اور فرماتا ہے عزیز علیہ ما عنتم اور فرماتا ہے۔ رسولا شاھدا علیکم اور فرماتا ہے وبالمومنین رء وف رحیم۔ خیال رہے کہ رسالت کے متعلق ارشاد ہوا یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اور رافت رحمت کرم کے متعلق فرمایا بالمومنین رءوف رحیم یہ فرق ہے رسالت اور کرم ہو۔

رافت ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت سب کے لئے ہیں مگر رؤف و رحیم صرف مسلمانوں کے لئے احادیث تو بے شمار ہیں یہاں موقعہ نہیں ورنہ ان پیش کردہ آیات کی وہ تفسیر کی جاتی جس سے مومنوں کے ایمان تازہ ہو جاتے انشاء اللہ ان آیات کے ماتحت ان کی تفسیر عرض کی جاوے گی۔ رب تعالیٰ مجھے موقعہ دے کہ ان آیات میں اپنے نبی کی شان بیان کروں اپنے ارمان نکالوں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے بجلی کا پاور ایک ہے لیکن بلب کے ذریعے روشنی دیتا ہے۔ برقی پنکھے کے ذریعہ ہوا۔ ہیٹر کے ذریعہ سخت گرمی اور فرج کے ذریعہ سخت ٹھنڈک۔ غرضیکہ جیسا ذریعہ ویسا اس کا ظہور اگر بغیر وسیلہ پاور ہاتھ میں آجائے تو ہلاک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی ایک صفت ہے اگر ہم اس قدرت سے بواسطہ نبی تعلق رکھیں تو رحمت کرم عنایت بخشش بندہ نوازی سے اس کا ظہور ہوتا ہے اللہ قادر ہے کہ مسلمانوں کو بخش دے انہیں جنت دیدے انہیں اپنا دیدار عطا فرمادے مگر کیسے بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیکن اگر یہ واسطہ درمیان میں نہ ہو تو ان قدرت کا ظہور عذاب قہر' جباریت سے ہوتا ہے۔ خدا قادر ہے کہ کافروں کو جہنم میں ٹھونس دے ان پر دنیا میں غضب و قہر نازل فرمادے انہیں زمین میں دھنسا دے وغیرہ وغیرہ یہاں بغیر وسیلہ ء نبوت۔ قدرت الٰہی کا ذکر ہے دوسری جگہ وہی قادر مطلق ارشاد فرماتا ہے **قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** فرمادو اے محبوب کہ اے میرے بادو وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اللہ سارے گناہ بخش دے گا دیکھو وہی قدرت جو کافروں کے لئے قہر و غضب کی شکل میں تھی وہ مسلمانوں کے لئے رحمت و مغفرت کی شکل میں ظاہر ہے کیوں اس لئے کہ مسلمانوں تک یہ قدرت بواسطہ رحمۃ للعالمین پہنچ رہی ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قادر ہے۔ ولیوں پر بھی قادر ہے۔ گنہگاروں پر بھی قادر ہے نیک کاروں پر بھی قادر۔ کافروں پر قادر بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان تک بلائے اپنا دیدار دکھائے اپنا محبوب بنائے سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے وہ قادر ہے کہ اپنے ولیوں کو اپنا قرب بخشے وہ قادر ہے کہ ہم گنہگاروں کو بخش دے وہ قادر ہے کہ کفار کو دوزخ میں ڈال دے رب تعالیٰ کی حمد اس طرح نہ کرو جس میں اس کے بندوں کی بے ادبی ہو بلکہ اس طرح کرو کہ اس کے مقبولوں کی عظمت کا اظہار ہو جو یوں کہے کہ رب قادر ہے کہ ولیوں کو دوزخ میں ڈال دے وہ قادر ہے کہ ابو جہل کو جنت میں بھیج دے وہ رب کی حمد نہیں کر رہا ہے بلکہ کفر بک رہا ہے جس توحید میں اللہ کے بندوں کی توہین ہو وہ توحید شیطانی ہے دوزخ کا راستہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ شعر۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہم تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں میں تعدد ہے جیسے تارے یا اولاد ہو یاں بھائی دوست یا جسم کے اعضاء اور بعض نعمتوں میں تعدد نہیں۔ وہ صرف ایک ہی ہو سکتی ہیں جیسے ماں باپ یا جسم میں دل یا آسمان کا چاند ایسے ہی عالم روحانیات میں ولی' عالم صحابی' تابعی بہت ہو سکتے ہیں۔ مگر مصطفیٰ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرا نہیں ہو سکتا اللہ اپنی الوہیت میں وحدہ لاشریک لہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عبدیت میں وحدہ لاشریک لہ ہیں۔ نہ دوسرا خدا ہو سکتا نہ دوسرا مصطفیٰ جب یہ معاملہ ہے تو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر جائیں تو اس کا ٹھکانہ کہیں نہیں یہی مقصد ہے اس فرمان کا کہ **لست علیکم بوکیل**۔ اسی لئے قیامت میں بارگاہ رب العالمین میں حساب و کتاب کے لئے پیش ہونے سے پہلے ساری خلقت

تلاش کرتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوگی بہر حال یہ آیت کریمہ طریقت کے بہت سے مسائل بتا رہی ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا

اور جب دیکھو تم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں گھسے ہوئے ہیں تو منہ پھیر لو ان سے یہاں تک کہ مشغول ہو

اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں

فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى

جاویں کسی بات میں اس کے علاوہ اور اگر کبھی بھلادے تم کو شیطان پس نہ بیٹھو تم بعد یاد آنے کے

نہ پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ

ساتھ ظالم کون کے اور نہیں ہے اوپر ان لوگوں کے جو پرہیزگاری کرتے ہیں ان کے حساب میں

بیٹھو اور پرہیزگاروں پر ان کے حساب میں کچھ نہیں ہاں

وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

سے کوئی چیز اور لیکن نصیحت شاید وہ پرہیزگار بن جائیں،

نصیحت دینا شاید وہ باز آجاویں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کا ایک مخصوص عیب بیان ہوا تھا۔ یعنی قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا اب مسلمانوں کو ان جھٹلانے والوں کے ساتھ نشست و برخاست کرنے سے منع فرمایا جارہا ہے۔ یعنی کفر کرنے والوں کی برائی کے ذکر کے بعد ان کے ساتھ بیٹھنے والوں کی برائی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کو عذاب الہی سے ڈرایا گیا تھا کہ ان پر اوپر نیچے سے عذاب آسکتا ہے اب ان کے ساتھ میل جول رکھنے والوں کو ڈرایا جارہا ہے کہ تم ان کے ہم پیالہ ہم نوالہ رہے اور ان پر عذاب آیا تو تم بھی عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں بروں کا ذکر ہوا اب بروں کی صحبت سے اچھوں کو روکا جارہا ہے کہ کفر و بے دینی اڑ کر لگنے والی بیماری ہے۔ اس سے ایسے ہی بچو جیسے طاعون کی بیماری والوں سے بچتے ہو۔

شان نزول : (1) کفار مکہ جب مسلمانوں کو دیکھتے تو انہیں جلانے ستانے کے لئے قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضرت جبریل بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بکواس بکنے لگتے اور ہجرت سے پہلے مسلمانوں میں انہیں روکنے کی طاقت نہ تھی۔ تب پہلی آیت کریمہ **واذا رایت** الخ نازل ہوئی۔ (خازن وغیرہ) (2) جب پہلی آیت **واذا رایت الذین** الخ نازل ہوئی تو

مسلمانوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم کو کفار کے پاس بیٹھنا حرام ہے تو ہم کوئی دینی و دنیاوی کام نہیں کرسکتے۔ کیونکہ کفار تو ہر جگہ حتی کہ مسجد حرام شریف میں بھی موجود رہتے ہیں تو ہم حرم شریف میں نماز کعبتہ اللہ شریف کا طواف کیسے کریں تب دوسری آیت **وما علی الذین یتقون** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر و معانی' مدارک وغیرہ)۔

تفسیر : **واذا رایت** یہاں **اذا** عموم ظرف کے لئے ہے بمعنی جب کبھی **رایت** **رویت** سے بنا ہے بمعنی دیکھنا اور دیکھنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے دل سے بھی پہلی صورت میں یہ ایک مفعول چاہتا ہے۔ دوسری صورت میں دو مفعول یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے۔ کیونکہ یہاں ایک مفعول آیا ہے آنکھ سے دیکھنا حقیقی بھی ہوتا ہے جیسے بینا آدمی کسی کو دیکھے اور حکمی بھی ہوتا ہے جیسے نابینا آدمی کسی کو دیکھے یعنی محسوس کرنا کہ اسے آنکھ سے تو نظر نہ آئے مگر محسوس ہو جائے یہاں مطلقاً دیکھنا مراد ہے خواہ بینا آدمی اپنی آنکھوں سے ایسے بے دینوں کو دیکھے یا نابینا آدمی ایسے لوگوں کو محسوس کرے دونوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا حکم ہے حقیقی اور حکمی دیکھنے کا فرق حضرات صحابہ میں اس طرح ہے کہ جناب صدیق و فاروق وغیرہم صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتہ "دیکھا اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکماً" دیکھا اور دونوں صحابی ہیں۔ نہایت قوی بات یہ ہے کہ **رایت** میں خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ مسلمان سے ہے کیونکہ اگلا مضمون یہی بتارہا ہے یعنی اے مسلمان' اے قرآن پڑھنے والے جب کبھی تو دیکھے یا پائے۔ **الذین یخوضون فی ایاتنا** یہ عبارت **رایت** کا مفعول بہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ **الذین** سے مراد مشرکین ہیں کہ آیت کا نزول انہیں کے متعلق ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ اہل کتاب کفار ہیں مگر حق یہ ہے کہ سارے فرقے ہی مراد ہیں خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب یا کلمہ گو بے دین بظاہر مسلمان در حقیقت دشمنان دین **یخوضون** بنا ہے خوض سے بمعنی پانی میں گھسنا اصطلاح میں کسی بات یا کسی کام میں مشغول ہو جانے کو خوض کیا جانے لگا اب بطور دل لگی مذاق کسی بات میں مشغول ہونے کو خوض کہتے ہیں۔ کیونکہ پانی میں گھسنا ہلاکت کا ذریعہ ہے ایسے ہی اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا بربادی و ہلاکت کا ذریعہ ہے۔ (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ جیسے سمندر میں جانا چند طرح کا ہوتا ہے۔ مچھلی لینے کو موتی لینے کو' عنبر لینے کو سمندر عبور کرنے کو اور جان دینے کو کہ ڈوب کر جان دے دی جاوے پہلے تین داخلے مفید ہیں آخری چوتھا داخلہ مضر یوں ہی قرآن کریم میں سوچ بچار چار قسم کے ہیں۔ تفکر' تدبر' غور اور خوض ظاہری خوبیاں سوچنا تفکر ہے۔ قرآن کی اندرونی خوبیاں سوچنا اس کے اسرار نکالنا تدبر ہے اس کے احکام میں سوچ بچار غور ہے اور قرآن مجید میں عیب نکالنے اسے بگاڑنے کے لئے سوچ بچار خوض کرنا کفر ہے کفار کا کام ہے یہاں آخری قسم کا سوچ بچار یعنی خوض کا ذکر ہے۔ آیات سے مراد آیات قرآنیہ احادیث نبویہ۔ اسلامی احکام شرعی قوانین سب ہی ہیں کہ یہ سب آیات اللہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود آیات الیہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل ہر ادا آیت الہی ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھنا تکنا' نظارہ کرنا زیارت کرنا' تاکنا' گھورنا انسان وہ چہرہ دیکھنے سے صحابی مومن بنتا ہے وہ چہرہ تکنے سے مغفور بلکہ محفوظ بنتا ہے۔ مگر گھورنے سے سخت کافر بن جاتا ہے۔ محبت سے دیکھنا دیدار ہے بخشش کی امید گناہوں کی معافی کے لئے اس طرح دیکھنا جیسے فقیر بھکاری تکی کا منہ یا مجرم سیہ کار مہربان کریم حاکم کا منہ

ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہیں یہ تکنا کہلاتا ہے اور عداوت بغض سے دیکھنا جیسے دشمن، دشمن کو تاکتا ہے کہ کہاں چوٹ ماروں یہ ہے
گھورنا اس سے کفر میں اور سختی پیدا ہوتی ہے اس تاکنے گھورنے کا یہاں ذکر ہے۔ غرضیکہ تاکنے اور تکنے میں بڑا فرق ہے چونکہ
ایاتہ میں اتنی وسعت ہے اس لئے یہاں **فی القرآن** نہ فرمایا بلکہ **فی ایاتنا** ارشاد ہوا دینا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ایک صفت
کی نشانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات اور ساری صفات کی آیات ہیں۔ **فاعرض عنھم** یہ عبارت جزا ہے **اذا
ارایت** کی اس میں بھی خطاب ہر مسلمان سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تعلق نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے
معلوم ہو رہا ہے **اعرض** بنا ہے **اعراض** سے جس کا مادہ **عرض** بمعنی چوڑائی ہے چونکہ کسی طرف سے منہ پھیرتے ہیں منہ کی
چوڑائی اس طرف ہو جاتی ہے۔ کان 'کنپٹی' رخسارہ اس لئے منہ پھیرنے کو اعراض کہا جاتا ہے یہاں منہ پھیرنے سے اس مجلس
سے اٹھ جانا ان لوگوں سے دور ہو جانا ان کی باتیں نہ سننا مراد ہے۔ اگر روکنے کی طاقت نہ ہو تو یہ کرے اگر طاقت ہو تو ان کو ہاتھ
سے زبان سے روک دے یہ روکنا بھی اعراض کی ہی ایک قسم ہے اس معنی سے یہ آیت منسوخ نہیں۔ تفسیر صاوی نے اسے
آیات جہاد سے منسوخ مانا ہے ان کے نزدیک اعراض کے معنی ہیں نہ انہیں منع کرنا نہ ان کی بات سننا صرف وہاں سے ہٹ جانا
ہے کہ اس معنی سے یہ آیت منسوخ ہی ہو گی۔ **حتے یخوضوا فی حدیث غیرہ** یہ اعراض کی انتہاء کا ذکر ہے۔ حتی انتہاء
کے لئے ہے **یخوضوا** کا فاعل وہی دل لگی مذاق کرنے والے کفار ہیں حدیث سے مراد عام بات چیت ہے **غیرہ** حدیث کی
صفت ہے ہ کا مرجع وہی **ایاتنا** ہے چونکہ آیات بھی حدیث ہیں بمعنی بات چیت اس لئے ہ واحد مذکر ارشاد ہوا اور اگر
ایاتنا سے قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں تو **غیرہ** فرمانا بالکل واضح ہے (روح المعانی و بیان کبیر وغیرہ) **واما
ینسینک الشیطان** یہ مسئلہ کی دوسری صورت کا بیان ہے **اما** دراصل **ان ما** تھا ان شرطیہ ما زائدہ عموم کے لئے یعنی
اگر کبھی **ینسین** ہماری قراۃ میں پہلے نون کے سکون سین کے کسرہ سے ہے باب افعال سے دوسری قراۃ میں **ینسین** پہلے نون کے
فتحہ سین کے شد سے ہے باب تفعیل سے دونوں کے معنی ایک ہیں اگر بھلاوے کاف میں خطاب مسلمان سے ہے نہ کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کا قرین شیطان۔ بفضلہ تعالیٰ مسلمان ہو چکا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ
اچھی بات بھلائے نہ اس سے روکے رہا ابلیس اس کا داؤ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر چلتا نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی
بھول رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو بھول چوک خطاء کے مسائل معلوم ہو جاویں شیطان کی طرف سے
نہیں ہوتی تفسیر روح المعانی نے یہ سارے خطابات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانے ہیں انہوں نے یہاں بڑے غوطے
کھائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ فرضی صورت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھول کر ان کفار کی ایسی ذلیل مجلسوں میں شریک نہ
ہوئے آخر میں اسی کو ترجیح دی کہ یہ خطابات مسلمان سے ہے۔ پھر بھول کی بہت قسمیں کیں اور تحقیق کی کہ کون سی قسم کی
بھول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو سکتی ہے کون سی نہیں یہ مفصل گفتگو وہاں ہی دیکھو فقیر کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی بھول رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے نفسانی بھول شیطانی بھول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں رب تعالیٰ
فرماتا ہے **سنقرئک فلا تنسی الا ما شاء اللہ** اس کی تحقیق انشاء اللہ اسی آیت کی تفسیر میں ہو گی۔ دیکھو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا نماز فجر کے وقت سوتا رہنا نماز قضا یا تنگ ہو جانا غفلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رب تعالیٰ سے ہمکلامی میں مشغولیت کی بنا
پر تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں غفلت نہیں ہوتی اس لئے نیند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں جاتا۔

(حدیث)مولانا فرماتے ہیں شعر۔

کوچہ ہر شبیہے خدا مارا نمود دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ یہ عبارت **واما ینسینک** کی جزاء ہے یہاں بھی **لا تقعد** میں خطاب مسلمان سے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق یہ ہے کہ قعود' جلوس دونوں ہم معنی ہیں بمعنی بیٹھنا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کھڑے سے بیٹھنا قعود ہے لیٹے سے اٹھ کر بیٹھنا جلوس اسی لئے قبر میں مردے کو بٹھا لینے کے لئے حدیث شریف میں **یجلسانہ** فرمایا گیا **واللہ اعلم** یہاں **لا تقعد** کے معنی ہیں نہ بیٹھو اور نہ بیٹھے رہو۔ **ذکری** مصدر ہے بمعنی ذکر جس کے معنی ہیں یاد آجا اس کے سوا کوئی مصدر بروزن فعلی نہیں آیا (روح البیان) ذکر کے آٹھ معانی ہم دوسرے پارے میں عرض کر چکے ہیں یاد' تذکرہ' نصیحت' عزت' چرچا' بڑائی وغیرہ یہاں بمعنی یاد آجانا ہے چونکہ آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانا کفرو شرک وظلم ہے اور مذاق اڑانے والے لوگ ظالم ہیں اس لئے یہاں معہم نہ فرمایا بلکہ **مع القوم الظالمین** ارشاد ہوا مع ظرف ہے **لا تقعد** کا چونکہ بھول خطا شریعت میں معاف ہے اس لئے یہاں **بعد الذکری** کی قید لگائی **وما علے الذین یتقون** یہ جملہ نیا ہے جس میں حضرات صحابہ کی اس معذرت کا جواب دیا گیا ہے جو شان نزول میں عرض کی گئی واو ابتدائیہ ہے اور **ما** بمعنی **لیس یتقون** میں تقویٰ سے مراد کفرو شرک سے بچنا ہے۔ لہٰذا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تقویٰ سے ان کفار کی محبت' تائید' حمایت دل کے میلان سے بچنا مراد ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقوے کے دو معنی ہیں ڈرنا اور بچنا اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو بمعنی ڈرنا ہوتا ہے جیسے **اتقوا اللہ** اور اگر اس کے بعد آگ کا ذکر ہو تو بمعنی بچنا ہوتا ہے جیسے **واتقوا النار** چونکہ یہاں کوئی ذکر نہیں تو یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی بچتے ہیں وہ بدعقیدگی سے یا بچتے ہیں محبت کفار سے یا بچتے ہیں ان کے بکواس میں رغبت کرنے سے یا بچتے ہیں دل کی حاضری سے کہ مجبوراً ان کے جسم تو کفار کے ساتھ ہو جاتے ہیں مگر ان کے دل ان کے پاس نہیں ہوتے دل تو دلدار کے پاس ہوتے ہیں۔ غرضیکہ **یتقون** میں بہت سے احتمالات ہیں اور اگر تقویٰ بمعنی ڈرنا ہے تو یا تو اپنے ایمان کے جاتے رہنے سے ڈرنا مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے ڈرنا مراد یعنی وہ ان لوگوں میں جائیں ضرورۃً ان کے پاس بیٹھیں مگر اپنے ایمان سلب ہو جانے کا دھڑکا ان کے دل میں لگا ہو یا خوف خدا ان کے دل میں ہو تو وہ صحبت نہ انہیں نقصان دے گی نہ ان پر پکڑ ہو گی بجلی کے پاور کو ہاتھ لگ جاوے تو ہلاک کر دیتا ہے لیکن اگر ہاتھوں پر ربڑ کا تھیلہ چڑھا ہو تو پاور نقصان نہیں دیتا کفار کی صحبت ایمان ضائع کرنے والا پاور ہے لیکن اگر دل پر تقوے اور خوف خدا کا تھیلا چڑھا ہو تو پھر مضر نہیں ہوتی غرضیکہ **یتقون** کے پانچ معنی ہیں۔ **من حسابھم من شیئ۔** اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ **من شی** اسم ہے **ما** کا اور رفعی حالت میں ہے اور **من حسابھم** حال مقدم ہے **من شیئ** کا **من شی** کا **من** زائدہ ہے۔ استغراق کے لئے اور **من حسابھم** میں **من تبعیضیہ** ہے اس صورت میں آیت کے معنی بالکل ظاہر ہیں یعنی متقی مسلمانوں پر کفار کے دل لگی مذاق کے حساب میں سے کچھ نہیں اگر وہ کسی ضرورت سے وہاں جائیں یا بیٹھیں جہاں یہ دل لگی مذاق ہو رہا ہے تو یہ مجبور مسلمان گنہگار نہیں **ولکن ذکری لعلھم یتقون** یہ عبارت پچھلی عبارت سے ایک وہم دور کر رہی ہے اس لئے یہاں لکن ارشاد ہوا جو وہم دور کرنے کو آتا ہے **ذکری** بنا ہے ذکر سے بمعنی نصیحت ہے یا بمعنی برائی کرنا **ذکری** سے پہلے یا تو **علیھم** پوشیدہ ہے تو **ذکری** تو مبتدا ہونے کی وجہ سے پیش ہے یا **واذ کروا** پوشیدہ ہے تو **ذکری** مفعول

مطلق ہونے کی وجہ سے نصب کی حالت میں ہے یہاں ذکری سے مراد منہ سے نصیحت کرنا یا ان کے اس برے کام کی برائی کردینا ہے یا اپنے چہرہ اپنی حرکات سے ناپسندیدگی ظاہر کردینا ہے یا بقدر طاقت انہیں اسلام کی تبلیغ کرنا اور ہو سکتا ہے کہ ذکری بمعنی یاد دلانا ہو یعنی انہیں یاد دلاؤ کہ تم کون ہو اور رب تعالیٰ کون ہے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون اگر یہ تین باتیں یاد رہیں تو بندہ گناہ نہ کر سکے یہ یاد دلانا یا زبان سے ہو یا اپنے عمل سے یا اپنی نظر سے جیسے جنید بغدادی نے شرابیوں کو یہ یاد دلا کر انہیں نمازی بنادیا یا یزید۔ بسطامی نے یہ یاد دلا کر ایک زانیہ عورت کو اللہ ولی بنادیا ذکری پہلے ہے تقویٰ بعد میں تخم کی کاشت پہلے ہوتی ہے پیداوار بعد میں جب تخم کی کاشت ہو تو بارش مفید ہوتی ہے یہاں لعل یا تو شک کے لئے ہے یا امید کے لئے اور یہ شک و امید ان مسلمان ناصحین کے لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ شک یا امید سے پاک ہے لعلھم میں ھم کا مرجع وہی دل لگی مذاق کرنے والے کفار ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا یتقون بنا ہے تقویٰ سے بمعنی ڈر رہنا بچنا یا پرہیز گار بننا یعنی اگر مسلمان ان بد نصیب کفار کے پاس بیٹھنے پر مجبور ہو جائیں تو مجرم نہیں مگر ان پر لازم ہے کہ قولی یا دلی یا عملی نصیحت انہیں ضرور کریں ان کی حرکت کی برائی ان پر ظاہر کر دیں اس امید سے کہ شاید یہ لوگ مسلمان ہو جاویں یا شاید اس حرکت سے بچ جاویں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمان جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو آیات قرآنیہ یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور کی ذات گرامی (جامع آیات) کا مذاق اڑانے دل لگی کرنے میں مشغول ہیں تو تو ان کے پاس نہ تو بیٹھ نہ ان کی اس حرکت میں کسی طرح شرکت کر نہ ان کی اس گفتگو کو رغبت سے سن بلکہ یا انہیں اس حرکت سے روک دے یا وہاں سے چلا جا جب تک کہ وہ یہ ذکر چھوڑ کر دوسری بات شروع نہ کر دیں تب تک ان سے دور رہ اگر کبھی تجھے شیطان ہمارا یہ حکم بھلا دے اور تو بھول کر وہاں بیٹھ جائے تو ہماری یہ ممانعت یاد آجانے پر فوراً وہاں سے ہٹ جا ایک آن کے لئے اب وہاں نہ بیٹھ کہ وہ قوم ظالم ہے ان کے ساتھ نشست برخاست کرنے والا بھی ظالم ہے ہاں جو مسلمان کسی وجہ سے وہاں بیٹھنے وہاں جانے پر مجبور ہوں تو ان کفار کا حساب ان مجبوروں سے نہ لیا جاوے گا اور یہ مجبور مسلمان گنہگار نہ ہوں گے مگر خیال رکھنا کہ مجبوری کا بہانہ بنا دل سے ان کی طرف رغبت نہ کرنا بلکہ ایسی مجبوری میں بھی بقدر طاقت انہیں نصیحت کر ان کے اس عمل کی برائی ظاہر کر اس امید پر کہ شاید یہ لوگ ان حرکتوں سے باز آجاویں خدا توفیق دے تو مسلمان ہو جاویں اس صورت میں تجھے اجر و ثواب ملے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار کی صحبت کی چند صورتیں ہیں اور ان کے الگ الگ احکام رغبت کے ساتھ یہ کفر ہے لاپرواہی کی وجہ سے صحبت یہ حرام ہے۔ نفرت کے ساتھ صحبت نہ جائز ہے بشرطیکہ ضرورۃً ہو۔ انہیں تبلیغ کرنے کے لئے صحبت یہ ثواب ہے۔ یہاں دونوں آیتوں میں ان تمام قسموں کا ذکر ہے۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بے دینوں کی مجلسوں ان کے جلسوں جلوسوں میں مسلمان کو جانا ان میں شریک ہونا ان کی تقریریں سننا سب حرام ہے۔ ان کی تائید کرنا کفر ہے یہ فائدہ فاعرض سے حاصل ہوا اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو ماتم، مرثیوں، تعزیوں علم وغیرہ روافض کے جلوسوں جلسوں بے دھڑک شرکت کرتے ہیں ان کی رونق بڑھاتے ہیں وہاں تماشہ دیکھنے کے لئے جانا بھی حرام ہے ہم نے دیکھا کہ ہندوؤں کے رام لیلوں دسہرہ تک میں مسلمان جانے سے نہیں رکتے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر کسی جگہ مسلمان بیٹھا ہو اور وہاں بے دین آکر کو اس شروع کر دیں تو ان کو طاقت سے روک دے یہ فائدہ فاعرض عنھم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ان کو بھگا دے خود نہ بھاگے ایسے بدباطنوں کے

لئے میدان چھوڑ دینا خود وہاں سے بھاگ جانا سخت غلطی ہے اس لئے یہاں فاعرض فرمایا یہ نہ فرمایا کہ وہاں سے بھاگ جاؤ انہیں وہاں سے ہٹادینا بھی اعراض کی ایک قسم ہے۔ **تیسرا فائدہ:** ایسی جگہ سے اگر کفار کو ہٹانا انہیں روکنا ممکن نہ ہو تو مسلمان خود وہاں سے ہٹ جاوے یہ فائدہ **اعرض** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** دنیاوی بات چیت دنیاوی کاروبار کے لئے کفار کے پاس مسلمان کا بیٹھنا ان سے باتیں کرنا بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ **حتی یخوضوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بدمذہبوں بے دینوں کی کتابیں پڑھنا ان کا مطالعہ کرنا حرام ہے کہ اس میں اپنے پھسل جانے کا خطرہ ہے یہ فائدہ بھی **فاعرض عنھم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر کبھی مسلمان بھولے چوکے غلطی سے کفار اور بدمذہبوں کے جلسوں' جلوسوں' تقریروں میں چلا جاوے تو خیال آجانے پر فوراً وہاں سے ہٹ جاوے ورنہ اب گنہگار ہوگا یہ فائدہ **لا تقعد بعد الذکری** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اگر مسلمان کو کفار کے جلسوں جلوسوں میں ضرورۃً جانا پڑ جاوے دل سے ناراض ہو تو گنہگار نہیں جیسے کوئی مسلمان سپاہی انتظام کے لئے بجلی والا لاؤڈ سپیکر والا مسلمان وہاں اپنی ڈیوٹی دینے وہاں جائے تو گنہگار نہیں یہ فائدہ **وما علی الذین یتقون** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کفار کے جلسوں میں تردید یا تبلیغ کے لئے جانا جائز بلکہ ثواب ہے رغبت کے لئے جانا ضرورۃً جانا۔ تردید کے لئے جانا تبلیغ کے لئے جانا ان سب میں بڑا فرق ہے ان کے احکام جداگانہ ہیں یہ فائدہ **ولکن ذکری** الخ سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون و فرعونیوں کے دربار میں بھیجا کہ فرمایا **اذھب الی فرعون انہ طغی** یہ بھیجنا فرعونیوں کو تبلیغ دین فرمانے کے لئے تھا۔ لہٰذا وہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں۔

پہلا اعتراض: اگر بدمذہبوں بے دینوں کافروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے تو موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے گھر میں کیوں رہے تھے وہ حضرات تو برسوں کفار کے گھروں میں رہے۔ **جواب:** ان ہستیوں کا ان لوگوں کا وہاں رہنا بسنا اس حکم کے آنے سے پہلے تھا نیز اب بھی کفار کے پاس رہنا سہنا ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا دنیاوی ضرورت کے لئے جائز ہے یہاں تو یہ ارشاد ہے کہ جب وہ دین کا مذاق اڑا رہے ہوں کفر بک رہے ہوں تب ان کے پاس نہ بیٹھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو رب تعالیٰ نے اپنی شان دکھادی کہ جس بچہ کی روک کے لئے فرعون نے بنی اسرائیل کے اسی ہزار بچے ذبح کردیئے اس فرزند کو اسی کی گود میں پرورش کرادیا پھر موسیٰ علیہ السلام نے کبھی فرعون کی تائید نہ کی بچپن شریف میں اس کی ڈاڑھی پکڑ کر اس کے طمانچہ ماردیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار جہاں کفر بک رہے ہوں وہاں سے مسلمان بھاگ جاویں اس میں تو انہیں اور بھی کفر کا موقعہ دینا ہے کفار کو بھگانا کمال ہے بھاگ جانا کمال نہیں یہ تعلیم درست نہیں (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ مسلمان کو اعراض کا حکم دیا گیا نہ کہ وہاں سے بھاگ جانے کا اعراض یعنی ان سے متنفر ہو جانے کی صورتیں تین ہیں۔ کفار کو وہاں سے ہٹادینا۔ انہیں اس بکواس سے روک دینا یا طاقت سے یا تبلیغ سے اگر یہ دونوں باتیں نہ ہو سکیں تو خود وہاں سے ہٹ جانا بعض صورتوں میں ہٹ جانا بھی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی اس ہجرت میں ہزارہا راز تھے جو بعد میں کھلے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ظالم قوم کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے پھر انہیں تبلیغ و ہدایت کیسے کی جاوے گی۔ قریب رہ کر تبلیغ اعلیٰ ہے دور کی تبلیغ سے۔ **جواب:** یہاں محبت والفت سے کفار کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا منع فرمایا گیا ہے خصوصاً جب کہ وہ

اسلام کے خلاف بکواس بک رہے ہوں تبلیغ کے لئے ان کے پاس آنا جانا ان سے الفت کرنا تا کہ نرمی و اخلاق سے وہ مائل بہ اسلام ہو جاویں یہ تو عبادت ہے۔ جیسا کہ آیت کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں سارے خطابات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کو بھول چوک ہو سکتی ہے شیطان انہیں بہکا سکتا ہے۔ بھلا سکتا ہے۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کو قتل کرا دیا آپ نے خود فرمایا **هذا من عمل الشیطان**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا بھول چوک ہوئی۔ **جواب:** ہم نے ان جیسے سوالات کے جوابات اپنی کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیئے ہیں وہاں مطالعہ کرو یہاں بطور اختصار اتنا سمجھ لو کہ شیطان کسی نبی سے گناہ نہیں کرا سکا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بعض نبیوں کو اس نے دھوکہ دیا جس سے انہیں خطا یا نسیان ہوا گناہ نہیں گناہ اور خطا میں بڑا فرق ہے۔ آدم علیہ السلام کے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میرا گندم کھالینا گناہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا **من عمل الشیطان** اس کے معنی ہیں کہ قبطی کا اس اسرائیلی پر ظلم کرنا شیطانی کام ہے نہ کہ اس قبطی کو مار دینا قتل موذی قتل کافر تو عبادت ہے پھر اس میں بھی گفتگو ہے کہ ان حضرات کو شیطان نے یہ دھوکے ان کے نبی بننے سے پہلے دیئے یہ سب گفتگو دیگر انبیاء کرام میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان مطلقاً دھوکہ نہ دے سکا آپ نے کبھی گناہ کا ارادہ بھی اس کا خیال بھی نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھول یا نماز کے وقت سو نارہ جانا رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جس پر صدہا شرعی مسائل مبنی تھے۔ یہاں خود آیت کریمہ اعلان فرما رہی ہے کہ اس جگہ عام مومن سے خطاب ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ یہاں ہی ارشاد ہے۔ **وما على الذين يتقون من حسابهم من شئ**۔ معلوم ہوا کہ سارے خطاب متقی مومنوں سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض لوگ قرآن کریم میں خائضین ہیں۔ یعنی غوطے کھا کر جان گنوانے والے اور بعض اس قرآنی سمندر میں خائضین ہیں یعنی قرآن میں سے موتی عنبر نکالنے والے سمندر کا خائض جان گنواتا ہے اور سمندر کا غواص موتی لاتا ہے۔ جو کسی کشتی میں کسی کی نگرانی میں سمندر میں قدم رکھے وہ موتی وغیرہ لاتا ہے جو خود چھلانگ لگا دے وہ جا گرتا ہے۔ یوں قرآن کے سمندر میں سنت مصطفوی کی کشتی میں سوار ہو جس کے کپتان آئمہ مجتہدین ہیں غواص بنے غواص نہ بنے یہاں ہم کو خائضین کے پاس بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ غواص کی صحبت کا حکم ہے جیسے انسان اپنی جان کی حفاظت کے لئے زہریلے جانوروں سے الگ رہتا ہے مال کی حفاظت کے لئے چور ڈاکوؤں ٹھگوں سے دور رہتا ہے اپنی صحت و تندرستی کی حفاظت کے لئے نقصان دہ غذاؤں سردی گرمی سے بچتا ہے یوں ہی مومن کو چاہیے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے بے ایمانوں کی الفت بے دینوں کی صحبت سے دور رہے ورنہ اپنی دولت ایمان کھو بیٹھے گا۔ طبیعت انسانی صحبت کا اثر لیتی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا شعر۔

نفس از ہم نفس گیرد خوئے   بر حذر باش از لقاء خبیث
باد چوں بر فضاء بد گذرد   بوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

جیسے ہوا گندگی پر گذر کر گندی ہو جاتی ہے انسان گندوں کی صحبت میں گندہ ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر۔

یار بد بدتر بود از مار بد   تاتوانی دور شو از یار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند   یار بد بر دین و بر ایماں زند

برا سانپ جان لیتا ہے برا یار ایمان برباد کر دیتا ہے۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں بروں کی صحبت سے سخت ممانعت فرمائی گئی۔ ہاں وہ متقی پرہیزگار جو تبلیغ دین کے لئے ان کفار کے پاس بیٹھیں وہ انشاء اللہ انہیں اپنے رنگ میں رنگ دیں گے ان کے رنگ میں خود نہ رنگے جائیں گے کیونکہ وہ تو آفتاب نبوت کی دھوپ ہیں یا سمندر رسالت کی موج دھوپ گندی زمین کو خشک کر کے پاک کر دیتی ہے مگر خود ناپاک نہیں ہوتی سمندر کی لہر صدہا گندگیوں کو بہا کر سمندر تک پہنچا دیتی ہے نہ لہر و موج ناپاک ہو نہ سمندر بلکہ وہ گندی چیز پاک ہو جاتی ہے۔ حضرات اولیاء علماء گندوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کر انہیں ستھرا کر دیتے ہیں نہ ان کی ولایت ان گندوں کا اثر لے نہ علماء کا علم نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' صوفیاء فرماتے ہیں کہ پانی ہر چیز کو پاک کرتا ہے۔ لیکن اگر پانی خود ناپاک ہو جاوے تو اس کو پاک کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ کثیر پانی میں فنا ہو جاوے دوسرے یہ کہ بہتے پانی کے ساتھ رواں ہو جاوے' فنا اور رواں ہونا اسے پاک کرتا ہے اس لئے ساتھ ہی ارشاد ہوا **وما علی الذین من حسابھم من شی**۔ مگر خیال رہے کہ ہر شخص لہر یا موج نہیں لہٰذا ہر شخص اس کی جرات نہ کرے کنواں گندگی سے ناپاک ہو جاتا ہے آب رواں اور بڑا تالاب سمندر گندگی کو پاک کر دیتا ہے یہ آیت کریمہ شریعت و طریقت کی جامع ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ زمین پر سورج دن نکالتا ہے زمین دنیا کے دن رات سورج کے طلوع و غروب سے ہیں اوروں کی دنیا کا دن نبوت کے سورج کی تجلی سے ہے اس سورج نے صحابہ کرام اہل بیت اولیاء اللہ صالحین' مومنین کے دلوں پر طلوع کیا دن نکال دیا۔ خود سورج میں کبھی رات نہیں آسکتی وہ تو خود رات دور کرنے والا ہے اس کی رات کون دور کرے یونہی عصیان' شیطان' نسیان' نافرمانی رحمان وغیرہ ہم سے سرزد ہو سکتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں رات آسکتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہو سکتے کہ وہاں رات کا امکان ہی نہیں۔ آپ نے انہیں سراج منیر بنایا۔ لہٰذا **واما ینسینک الشیطان** ہم جیسے گنہگاروں کے لئے ہے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ

اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے بنا لیا اپنا دین کھیل کود اور دھوکے میں ڈال دیا ان کو زندگی دنیاوی نے اور

اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور قرآن

بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ

نصیحت کرو اس سے یہ کہ پکڑا جاوے نفس اس سے جو اس نے کمایا نہیں ہے واسطے اس کے اللہ کے مقابل دوست

سے نصیحت دو کہ کہیں کوئی جان اپنے کئے پر پکڑی نہ جائے اللہ کے سوا کوئی نہ اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ

نہ شفاعت کرنے والا اور اگر فدیہ دیدے ہر قسم کا فدیہ نہ لیا جاوے اس سے یہ لوگ وہ ہیں جو پکڑے گئے اس وجہ سے

اور اگر اپنے عوض سارے فدیے دے تو اس سے نہ لئے جائیں یہ ہیں وہ جو اپنے کئے پر پکڑے گئے۔

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ؏

جو کمایا انہوں نے واسطے ان کے پینا ہے تیز گرم پانی سے اور سزا ہے دردناک اس وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے

انہیں پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا تھا اب انہیں مسلمانوں کو کفار سے دوسرے تعلق رکھنے سے منع فرمایا جارہا ہے گویا خاص حکم کے بعد عام حکم دیا جارہا ہے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی دوستی نہ رکھو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ کفار اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ تو اپنے دین کو کھیل کود دل لگی مذاق بناتے ہیں اگر اسلام کا مذاق بنائیں تو ان سے کیا تعجب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مسلمانوں کفار کے یار نہ بنو اب ارشاد ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی بھی یار نہ ہوگا نہ مسلمان نہ ان کے ہم قوم کفار۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ مسلمان ضرورۃً کفار کے ساتھ مل جل سکتے ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ ملنا جلنا صرف ظاہری ہو دل سے ان کے ساتھ الفت نہ ہو گویا جسمانی ملنے کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ روحانی علیحدگی کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

تفسیر: **وذر الذين اتخذوا دينهم لعبا ولهوا۔** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے ذر میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے **فوفال** سے ایسا فعل ہے جس کا مصدر کوئی نہیں اور صرف مضارع اور امر ہی استعمال ہوتا ہے ماضی نہی، اسم فاعل وغیرہ نہیں آتے لہٰذا افاعل غیر متصرفہ ہے یہاں چھوڑنے سے ان کی پرواہ نہ کرنا ان کے مسلمان نہ ہونے پر رنج و غم نہ کرنا مراد ہے لہٰذا آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو ان پر جہاد نہ کرو تو منسوخ ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے آیت منسوخ نہیں **الذين** سے مراد وہی مشرکین و کفار ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں گذرا **اتخذو** دو مفعول چاہتا ہے چنانچہ اس کا پہلا مفعول **دينهم** ہے دوسرا مفعول **لعبا ولهوا** ہے اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں (1) دین سے مراد اسلام ہے۔ جس کا اختیار کرنا ان پر لازم تھا اور لعب و لہو بمعنی اسم مفعول ہے یعنی جو دین انہیں اختیار کرنا چاہئے تھا اس کا مذاق اڑاتے ہیں (2) دینهم سے مراد ہے ان کے گھر یلو گھڑے ہوئے مسئلے جیسے بحیرہ سائبہ جانوروں کو حرام جاننا لہو و لعب سے مراد ہے اپنے جاہل باپ دادوں کی اندھی تقلید یعنی انہوں نے باپ دادوں کی اندھا دھند پیروی کو اپنا دین بنالیا۔ (4) دین سے مراد ہے عید لعب و لہو سے مراد ہے کھیل تماشے یعنی ان لوگوں نے اپنی عید کا زمانہ کھیل کود اختیار کئے۔ صرف اسلام ہی وہ دین ہے۔ جس کی عید بھی نماز، قربانی، فطرہ خیرات سے منائی جاتی ہے یعنی مومن کی خوشی بھی عبادت سے ادا ہوتی ہے۔ ہندو ہولی، دیوالی میں جوا، رنگ پھینکنا عیسائی بڑے دن کی خوشی رات بھر گنتے ناچتے جوئے سے مناتے ہیں یہ ہی حال تھا کفار عرب کا۔ (5) دین سے مراد ہے مذہب و ملت لعب و لہو سے مراد ہے دنیا کی مال و دولت عزت و آبرو یعنی ان لوگوں نے دنیا کو اپنا دین بنالیا جس ذریعہ سے انہیں دنیا مل جاوے وہی ان کا دین ہے۔ (تفسیر کبیر، خازن، معانی) خیال رہے کہ نفع بخش چیزوں سے رک جانا لعب ہے بیکار چیز میں وقت صرف کرنا لہو یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں کھیل کود (روح البیان) **وغرتهم الحيوة الدنيا۔** یہ کفار کا دوسرا عیب ہے یہ عبارت **اتخذوا** پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ غرت بنا

سے غرور سے بمعنی دھوکا فریب بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے غر سے بمعنی منہ پھیر جانا۔ کافر سات طرح دھوکہ کھاتا ہے ایک یہ کہ کافر دنیا کو اپنا مقصود سمجھتا ہے مومن اسے صرف راستہ کی منزل جانتا ہے۔ مقصود تو آگے ہے دوسرا یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ میں دنیا کے لئے پیدا ہوا مومن سمجھتا ہے کہ دنیا میرے لئے بنائی گئی ہے اور میں اللہ کے لئے پیدا کیا گیا **ان صلوتی ونسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔** تیسرے یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ دنیا کی ہر حرام و حلال چیز لینے اور برتنے کے لئے ہے لہٰذا وہ حرام و حلال میں فرق نہیں کرتا جو سامنے آجائے کھالیتا ہے۔ برت لیتا ہے۔ مومن سمجھتا ہے کہ حلال چیزیں میرے برتنے کے لئے ہیں حرام چیزیں چھوڑنے اور پرہیز کرنے کے لئے بلکہ جو چیز رب سے غافل کردے وہ چھوڑنے کے لئے ہے چوتھے یہ کہ کافر بھوسہ دانہ میں فرق نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے یہ سب میری غذا ہے مومن یقین رکھتا ہے کہ دانہ میرے لئے ہے بھوسہ دوسروں کے لئے لہٰذا وہ اپنی حلال کمائی سے زکوٰۃ صدقات نکالتا رہتا ہے یعنی کافر یہاں بوتا یہاں ہی کاٹتا ہے کہ نام و نمود کے لئے خرچ کرتا ہے مومن بوتا ہے دنیا میں کاٹتا ہے آخرت میں کام یہاں کرتا ہے اجر بعد موت پاتا ہے۔ چھٹے یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ دنیا میری ہے یہ مجھ سے جدا نہ ہوگی مومن سمجھتا ہے کہ دنیا میری نہیں اسی لئے کافر دنیا سے روتا ہوا جاتا ہے مومن ہنستا ہوا جاتا ہے کوئی مسافر ریل سے اترتے ہوئے روتا نہیں کہ اس نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا ریل میری نہیں ساتویں یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ دنیا آرام کی جگہ ہے جو ہو سکے عیش کرلو مومن سمجھتا ہے کہ دنیا کام کی جگہ ہے برزخ آرام کی جگہ ہے آخرت انعام کا مقام 'حیوۃ دنیا کے معنی ہیں دنیا کی زندگی ہم نے بارہا عرض کیا ہے کہ دنیا کی زندگی دنیا کے لئے زندگی 'دنیا میں زندگی ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرات انبیاء 'اولیاء صالح مومنین کی زندگی دنیا میں زندگی ہوتی ہے دنیا کی زندگی نہیں ہوتی۔ دنیا زندگی میں آجاوے تو ہلاکت ہے اور زندگی دنیا میں رہے تو نجات ہے کشتی میں دریا آجائے تو ڈوب جائے گی اور اگر کشتی دریا میں رہے تو ترے گی شعر۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است آب اندر زیر کشتی پشتی است

یعنی ان کی دنیاوی زندگی نے دھوکہ دیا کہ وہ سمجھے کہ بس دنیا ہی میں جینا ہے اس کے بعد دوسری زندگی کوئی نہیں جو عیش کرنا ہے یہاں ہی کرلو۔ یا دنیاوی کاروبار میں ایسے مشغول ہیں کہ انہیں آخرت کا کبھی خیال بھی نہیں آتا جو مکھی شہد میں غوطہ لگائے وہ ہلاک ہو جاتی ہے اور جو مکھی کنارے سے شہد پی لے وہ آرام سے رہتی ہے۔ غرضیکہ زندگی چند قسم کی ہے نفسانی زندگی جو غفلت میں گذرے شیطانی زندگی جو گناہوں میں گذرے ایمانی زندگی جو نیکیوں میں گذرے۔ رحمانی زندگی جو فنافی الرحمٰن ہو اس کے لئے کبھی فنا نہیں پہلی دو زندگیاں کفار کی ہیں انہیں کو **الحیوۃ الدنیا** یعنی حقیر زندگی کہا گیا۔ تیسری زندگی عام مومنین کی چوتھی زندگی صالحین کی **وذکربہ** یہ عبارت معطوف ہے ذر پر اس میں بھی خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے **ذکر** بنا ہے تذکیر سے بمعنی نصیحت کرنا 'یاد دلانا 'ڈرانا یہاں ہر معنی درست ہیں بہ سے مراد قرآن مجید ہے یا اسلام دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **ذکر بالقرآن من یخاف وعید** وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے اس کا مفعول وہ ہی کفار ہیں یعنی اس قرآن سے ان کفار کو ڈراتے رہو وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں تم اپنا کام کئے جاؤ یا اس قرآن کے ذریعہ انہیں وہ عہد و پیمان یاد دلاؤ جو وہ ہم سے کر گئے ہیں۔ ہماری اطاعت 'فرمانبرداری کا یا اس قرآن کے ذریعہ انہیں ان کا انجام اور ان کا مبدا یاد دلاؤ کہ پہلے وہ قطرہ ناپاک تھے آئندہ ذرہ خاک بن جائیں گے یا انہیں اس قرآن کے ذریعہ عزت دو **وانہ اذکر لک و القومک** ۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نصیحت عزت پاکی حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرنے والے عزت

دینے والے پاک کرنے والے اور حاکم ہیں اس لئے ذکر میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور قرآن کریم کے لئے ارشاد ہوا یعنی آپ نصیحت کرو بذریعہ قرآن مجید۔ ان تبسل نفس بما کسبت۔ یہ عبارت ذکر کا مفعول لہ ہے ان کے بعد لا پوشیدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا دوسرا مفعول ہو۔ تبسل بنا ہے بسل سے بمعنی روکنا محروم کر دینا پکڑ لینا اس لئے پہلوان کو باسل کہتے ہیں۔ نفس سے مراد کافر آدمی ہے ما کسبت سے مراد ہے ان کا کفر و شرک کرنا یعنی ان کفار کو قرآن کے ذریعہ اس سے ڈراؤ کہ قیامت کے دن انسان اپنے کفر و شرک وغیرہ کی وجہ سے پکڑ لیا جائے دوزخ میں قید کر دیا جاوے آخرت کی نعمتوں سے محروم کر دیا جاوے۔ لیس لها من دون الله ولی ولا شفیع۔ یہ کافر کی دوسری سزا کا بیان ہے یہ عبارت یا تو تبسل سے حال ہے یا اس پر معطوف لها سے مراد وہی کافر نفس ہے جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے۔ دون کے بہت معنی ہیں۔ سوا، مقابل، علیحدہ، دور، منقطع جب لفظ دون الوہیت یا عبادت کے ساتھ آوے تو بمعنی سوا ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے سوا نہ کوئی الہ ہے نہ کوئی معبود مگر جب مدد یا ولایت یا شفاعت کے ساتھ آوے تو بمعنی مقابل ہوتا ہے کیونکہ مومنوں کے مددگار اللہ تعالیٰ بھی ہے اور اس کے مقرر کردہ بندے بھی اور کافروں کا مددگار اللہ تعالیٰ بھی نہیں اور کوئی بندہ بھی نہیں وہاں سوا کے معنی بن سکتے ہی نہیں، یہاں ولی اور شفیع کے ساتھ دون آیا ہے۔ لہٰذا بمعنی مقابل ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ کافروں کا حمایتی اللہ تعالیٰ تو ہے اس کے سوا کوئی نہیں نعوذ باللہ بلکہ اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ لے گا تو کسی بت وغیرہ میں یہ طاقت نہیں کہ اسے اللہ کا مقابلہ کر کے چھوڑا دے ولایت مدد شفاعت کا فرق بارہا بیان ہو چکا چونکہ مومنوں کے ولی اور شفیع قیامت میں اللہ کے حکم اس کی رضا سے ہوں گے۔ لہٰذا وہ من دون الله نہ ہوں گے خود رب تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہوں گے کافروں کے لئے ولی شفیع مقرر نہیں کئے گئے اب اگر ان کی کوئی حمایت یا شفاعت کرے تو رب تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہی کرے گا لہٰذا وہ من دون الله اور یہ ناممکن ہے لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے ولی اللہ اور ولی من دون الله کا فرق ہماری کتاب علم القرآن اور حاشیہ القرآن میں دیکھو۔ وان تعدل کل عدل لا یوخذ منها۔ یہ کافر کی تیسری سزا کا بیان ہے یہاں ایک ناممکن چیز کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ قیامت میں کفار کے پاس فدیہ ہو گا ہی نہیں وہ پیش کیا کریں اگر فدیہ ہو بھی اور وہ پیش بھی کریں تو قبول نہ ہو تعدل بنا ہے عدل سے بمعنی برابری انصاف کو اس لئے عدل کہتے ہیں کہ اس سے فریقین میں صحیح برابری کی جاتی ہے۔ اونٹ کی پیٹھ کا دو طرفہ بوجھ عدل کہلاتا ہے کہ وہ برابر ہوتا ہے یہاں عدل سے مراد فدیہ ہے یعنی خون بہا فدیہ چند قسم کا ہوتا ہے جانی فدیہ مالی فدیہ وغیرہ کل عدل سے مراد یا تو ہر قسم کا فدیہ ہے جانی ہو یا مالی یا مراد ہے کامل پورا پورا فدیہ جیسے کہا جاتا ہے هو رجل کل رجل یعنی وہ کامل مرد ہے۔ (روح المعانی) اور لا یوخذ منها جزاء ہے یوخذ کا نائب فاعل منها ہے نہ کہ عدل کیونکہ یہاں عدل مصدر ہے مصدر لینے دینے کے قابل نہیں اور آیت کریمہ لا یوخذ منها عدل میں عدل بمعنی مفعول ہے۔ (روح المعانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں عدل سے مراد اپنے شرک و کفر اور گناہوں کے کفارات ہیں۔ یعنی اگر کافر اس دن مومن بنا رب کی اطاعت کر کے اپنے تمام گناہوں کا کفارہ کرنا چاہے تو اس کی یہ بات منظور نہ کی جاوے گی (معانی) اولئک الذین ابسلوا بما کسبوا۔ یہ ان مذکورہ تین سزاؤں کی علت ہے۔ یہاں بھی ابسلوا کے وہ تمام معانی ہو سکتے ہیں جو ابھی ان تبسل نفس کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ ما سے مراد یا تو تمام کفر و شرک اور گناہ ہیں یا صرف جسمانی گناہ یعنی ان کفار کی ان تین سزاؤں کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ چکے اس کی رحمت سے دور ہو چکے عمل کا

وقت کھو چکے اب فدیہ کیسا اور ولایت و شفاعت کیسی **لهم شراب من حميم**۔ اس عبارت میں یا تو ان کی چوتھی سزا کا ذکر ہے جو قیامت کے بعد دوزخ میں ملے گی وہ تین سزائیں قیامت میں تھیں۔ یا اس پکڑ کا بیان ہے۔ جو ابھی مذکور ہوئی ماء ہر پانی کو کہتے ہیں۔ مگر شراب پینے کی ہر چیز کو یہاں مراد پینے کا پانی ہے۔ **حمیم** بنا ہے **حمم** سے بمعنی کھولنا سخت گرم ہونا **حمیم** سخت گرم پانی اسی سے ہے حمام وہ غسل خانہ جہاں گرم پانی کا خاص اہتمام ہو **حمیم** گہرا دوست جو دوست کی وجہ سے سخت غصہ ہو جاوے۔ دوست کے مخالف پر گرم ہو جاوے **حمی** بخار کہ اس میں بھی گرمی ہوتی ہے اس پانی کی گرمی کا یہ حال ہو گا کہ پیٹ میں پہنچ کر آنتیں کاٹ ڈالے گا۔ مگر سخت پیاس کی وجہ سے پئیں گے۔ خیال رہے کہ کفار کو دوزخ میں گرم پانی بھی پلایا جاوے گا اور دوزخیوں کا خون و پیپ بھی جسے غساق کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ غساق والی آیت کے خلاف نہیں۔ **لهم عذاب الیم**۔ اس عبارت میں خاص عذاب کے بعد عام عذاب کا ذکر ہوا **الیم** بنا ہے **الم** سے بمعنی تکلیف و رنج اس میں بھوک، پیاس، آگ، زہریلے جانور لوگوں کی طعن و تشنیع، دوزخیوں کی آپس کی لڑائی جھگڑے رسوائی وغیرہ صدہا عذاب داخل ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے دونوں جگہ **لهم** کو مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سزائیں صرف کفار کے لئے خاص ہیں اس لئے ارشاد ہوا **بما كانوا يكفرون**۔ اس عبارت کا تعلق گذشتہ پانچوں سزاؤں سے ہے کفر سے مراد ساری بد عقیدگیاں ہیں جو اسلام کے خلاف ہوں اس میں شرک بھی داخل ہے یعنی یہ پانچویں سزائیں ان کے کفر کی وجہ سے ہیں ان کی بد عقیدگیوں کا نتیجہ ہیں لہٰذا کفار کو چاہئے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ اب بھی سنبھل جائیں ورنہ پھر پچھتائے کچھ نہ بنے گا شعر

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے　　اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ میں چند چیزیں ارشاد ہوئیں مسلمانوں کو کفار سے علیحدہ رہنے کا حکم۔ کفار کے دو عیب مسلمانوں کو حکم کہ کفار کو تبلیغ کرو۔ کفار کے پانچ اخروی عذاب۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار نے کھیل تماشوں کو اپنا دین بنا لیا کہ انہوں نے واہیات مشغلوں کو رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا اور دنیاوی زندگی نے انہیں فریب دے دیا کہ یہاں کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر اپنی آخرت سے غافل ہو گئے آپ انہیں چھوڑیئے ان کے کفر و شرک بد عملیوں پر غم نہ کیجئے ہاں اس قرآن کے ذریعے انہیں ڈرایئے ضرور اس سے ڈرایئے کہ کل قیامت کا فر نفس اپنی بد عقیدگیوں بد عملیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گا اللہ کے مقابل نہ اس کا کوئی دوست ہو گا نہ سفارشی جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے اس دن اگر کوئی کافر ہر قسم کا فدیہ خون بہا کفارہ پیش کر کے اپنے کو عذاب سے بچانا چاہے تو نہ اس کا فدیہ قبول ہو نہ اسے عذاب سے رہائی ملے کیونکہ وہ تو اس وقت اللہ کی پکڑ میں آچکا ہو گا پکڑ کے بعد فدیہ، کفارہ کیسا۔ ان کی حالت یہ ہو گی کہ انہیں پینے کے لئے کھولتا پانی ملے گا اور انہیں ہر طرح کا دردناک عذاب ہو گا ان کی یہ تمام سزائیں ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہوں گی بہتر یہ ہے کہ ابھی موقعہ ہے ہمارے دروازے پر آ جائیں اپنے حالات سنبھال لیں پھر پچھتانا بیکار ہو گا۔ خیال رہے کہ دوزخی کفار پر بھوک و پیاس کا عذاب مسلط کیا جاوے گا تھوہر کا پھل کھانے کو دیا جاوے گا جس کے کانٹوں سے ان کا پیٹ چھل جاوے گا پھر یہ تھوہر نگلتے وقت گلے میں پھنسے گا۔ پھر یہ لوگ یہ پھنسا لقمہ اتارنے اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے تڑپ کر پانی مانگیں گے۔ تب انہیں یہ کھولتا ہوا پانی دیا جاوے گا۔ جس کا یہاں ذکر ہے۔ خیال رہے کہ کافروں کی بھی گرفتاری ہو گی اور گنہگار مسلمانوں کی بھی مگر ان گرفتاریوں میں فرق ہو گا۔ گنہگار مسلمان کی گرفتاری کچھ مدت کے لئے ہو گی کفار کی گرفتاری ہمیشہ کے لئے جیسے جوئے چور کی گرفتاری چند ماہ یا چند سال کی قید کے

لئے ہوتی ہے مگر ڈاکوؤں کی گرفتاری ہمیشہ کے لئے اور قاتل کی گرفتاری پھانسی کے لئے ایسا ہی وہاں ہے یہ بھی یاد رکھو کے مسلمانوں کا گناہوں کے فدیہ چند چیزیں ہوں گی۔ ان کی نیکیاں رب فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیات**۔ دنیاوی آفتیں مصیبتیں' بیماریاں وغیرہ 'کفار' جو مومنوں کا فدیہ بنیں گے کہ مومن کی دوزخ والی جگہ بھی لیں گے جیسے مومن کفار کی جنت والی جگہ لیں گے ان میں سے کوئی چیز کفار کا فدیہ نہ بنے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بے دینوں کے کفر و عناد سے کبھی مسلمان کو رنج و ملال نہیں کرنا چاہئے حتی الامکان انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاوے یہ فائدہ **و ذر الذین اتخذوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ چھوڑنے سے مراد ان پر افسوس و غم کا چھوڑ دینا ہے۔ دوسرا فائدہ: بے دینوں سے دنیاوی تعلقات رشتہ داریاں' بیاہ شادی وغیرہ توڑ لینے ضروری ہیں یہ فائدہ **و ذر الذین اتخذوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ چھوڑ دینے سے مراد ہو ان سے تعلقات توڑ لینا۔ مسئلہ: بدعمل فاسق مسلمانوں سے بلاوجہ تعلقات نہ توڑے جاویں انہیں نصیحت ضرور کی جاوے ہاں اگر ترک تعلق سے ان کی اصلاح ہوتی ہو تو عارضی ترک تعلق کر لیا جاوے جیسے نافرمان اولاد بدمزاج بیوی سے کچھ روز کے لئے بول چال چھوڑ دی جاوے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واھجروھن فی المضاجع** تیسرا فائدہ: اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے مسلمانوں کو کھیل تماشوں سے دور رکھا۔ مسلمانوں کو رنج و خوشی میں اللہ کی عبادت کا حکم دیا اسلامی تیوہاروں میں عبادات ہوتی ہیں۔ جیسے عید و بقر عید دوسرے دینوں میں کھیل تماشے عبادت ہیں یہ فائدہ **دینھم لعبا ولھوا** سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے **وما کان صلوتھم عند البیت الا مکاء و تصدیہ**۔ کفار کی نمازیں بیت اللہ شریف کے پاس تالیاں اور سیٹیاں ہیں۔ افسوس کہ آج بعض مسلمانوں نے کھیل کو د ناچ گانے کو دین سمجھ لیا۔ قوالی' طبلہ' سارنگی کو خدارسی کا ذریعہ بنا لیا نماز و روزہ سے یکسر غافل ہو گئے (تفسیر صاوی) بعض بے دین فقیروں کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے مریدوں کو نماز و روزے سے روکتے ہیں بھنگ چرس حقہ نوشی میں مبتلا کر دیتے ہیں یہ لوگ مجسم شیطان ہیں۔ خیال رکھو کہ خدارسی کا صرف ایک ذریعہ ہے وہ ہے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ**۔ چوتھا فائدہ: دنیا میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو جانا کفار کا طریقہ ہے مسلمان کو چاہئے کہ دین و دنیا دونوں کمائے بلکہ دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنائے یہ فائدہ **غرتھم الحیوۃ الدنیا** سے حاصل ہوا مسلمان کو اس مرغابی کی طرح ہونا چاہئے جو تالاب میں اتر کر تیرندہ اور ہوا میں اڑ کر پرندہ بن جاتی ہے مسلمان دوکان پر پہنچ کر دنیادار ہو مسجد میں آ کر پکا دیندار بشریت و ملکیت دونوں کا جامع ہو۔ پانچواں فائدہ: کفار کو تبلیغ کرتے رہو اگرچہ بعض کے ایمان سے مایوسی ہو یہ فائدہ **و ذکر بہ** الخ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: وکیل اور شفیع نہ ہونا کفار کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے ولی بھی مقرر فرما دیئے ہیں اور شفیع بھی یہ فائدہ **لیس لھا من دون اللہ** الخ سے حاصل ہوا کہ **لھا** کا مرجع وہ ہی نفس کافرہ ہے جس کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا**۔ ساتواں فائدہ: کفار کے جو بچے نا سمجھ شیرخوارگی میں فوت ہو جاویں وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے یہ فائدہ **بما کسبت** سے حاصل ہوا کہ پکڑ کو کسب پر موقوف رکھا گیا۔ آٹھواں فائدہ: قیامت میں فدیہ قبول نہ ہونا کفار کے لئے ہے انشاء اللہ مومنین کے لئے کفار فدیہ بنیں گے بلکہ مومن کے نیک اعمال قربانی وغیرہ اس کے گناہوں کا فدیہ ہوگی یہ فائدہ **لا یوخذ منھا** کے **ھا** ضمیر سے حاصل ہوا

مومنوں کے لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیات** ۔نواں فائدہ: دوزخ میں کھولتا پانی یا خون و پیپ پینا صرف کفار کے لئے ہوگا اللہ تعالیٰ گنہگار مومن کو اس تکلیف سے دور رکھے گا۔ یہ فائدہ **لھم شراب** میں **لھم** کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس سے حصر معلوم ہو رہا ہے۔ دسواں فائدہ: دردناک عذاب یعنی ہمیشہ کا عذاب ذلت و خواری کا عذاب دل و دماغ پر آگ پہنچ جانے کا عذاب صرف کفار کو ہوگا۔ مومن اگرچہ کتنا ہی گنہگار ہو اس کا عذاب انشاء اللہ ہلکا ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ مومن کے سجدہ کے سات عضووں کو آگ نہ جلا سکے گی یہ فائدہ **لھم عذاب الیم** میں **لھم** کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ گیارھواں فائدہ: کافروں کو یہ سارے عذاب جب ہوں گے۔ جبکہ وہ کفر پر ہی مر جاویں اگر مرنے سے پہلے مسلمان ہو گئے انہیں خاتمہ ایمان پر نصیب ہو گیا تو ان کے لئے یہ مذکورہ عذاب نہیں یہ فائدہ اشارۃً **کانوا یکفرون** ماضی استمراری فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار سے بے تعلق ہو جانا چاہئے انہیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دینا چاہئے کہ فرمایا گیا **وذر الذین اتخذوا** الخ یہ آیت تبلیغ کی آیات کے خلاف ہے۔ قرآنی آیات میں تعارض کیسا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ انہیں تبلیغ نہ کی جاوے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ہدایت قبول نہ کرنے پر غم و افسوس نہ کیا جاوے۔ اس آیت میں آگے چل کر ہے **وذکر بہ** انہیں ڈراؤ نصیحت کرو۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار نے کھیل کود تماشوں کو اپنا دین بنا لیا حالانکہ بعض کفار بڑے ہی مہذب ہیں کہ وہ کھیل کود کے قریب بھی نہیں جاتے یہ آیت واقعہ کے خلاف ہے۔ جواب: ابھی تفسیر میں اسی عبارت کے تین معنی اور تین تفسیریں عرض کی گئیں اگر یہ ہی معنی کئے جاویں کہ انہوں نے کھیل تماشوں کو اپنا دین بنا لیا تب بھی بالکل درست ہیں کافر خواہ کتنے ہی مہذب تعلیم یافتہ ہوں مگر دینی معاملے میں جانوروں سے بدتر کام کرتے ہیں بڑے مہذب ہندو ہولی میں ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ شیطان بھی دم دبا جاوے بڑے بڑے مہذب سکھ اپنے بڑے دنوں میں ڈھولکی کے آگے ناچتے دیکھے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کا حال ان سب سے بدتر ہے یہ خوبی صرف اسلام میں ہے کہ اس کا رنج و غم بھی اللہ کی یاد سے ہوتا ہے اور خوشی و شادی بھی اسی کے عبادت سے منائی جاتی ہے۔ جس کا ظہور حج عید الفطر بقر عید وغیرہ میں ہوتا ہے۔ تیسرا اعتراض: مسلمان بھی عاشورہ شب برات وغیرہ میں پاگل ہو جاتے ہیں۔ ان موقعوں پر ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ کفار بھی شرما جائیں وہ بھی اس آیت میں داخل ہونے چاہئیں۔ جواب: عاشورہ شب برات کی یہ بیہودہ رسمیں اسلامی عبادات نہیں بلکہ مسلمانوں نے کفار کی صحبت میں رہ کر یہ حرکتیں سیکھیں نیز ان حرکتوں کو مسلمان دین نہیں سمجھتے ایک شغل سمجھتے ہیں جیسے اور ناجائز حرکتیں اگر انہیں دین سمجھنے لگیں تو پھر وہ مسلمان نہیں ذکر تو مسلمانوں کا ہے شب برات میں اسلامی رسمیں دن کو روزہ رات کو نوافل قبور کی زیارت صدقہ و خیرات میں نہ کہ آتش بازی وغیرہ عاشورہ کی اسلامی رسمیں دن میں روزہ رات کو نوافل شربت کھانے کی خیرات وغیرہ ہیں نہ کہ یہ پیاکوٹی کودنا ناچنا زیدیوں کی نقل کرنا ہمیشہ علماء اس سے منع فرماتے ہیں دینی حکم اور چیز ہے بیوقوفوں کا عمل کچھ اور۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کوئی کسی کا ولی مددگار سفارشی نہیں مسلمان جو نبیوں ولیوں کو شفیع ولی مانتے ہیں وہ اس آیت کے انکاری ہیں۔ جواب: جی ہاں کفار کا کوئی ولی شفیع نہیں یہاں کفار ہی کا ذکر ہے انہیں کے متعلق یہ ارشاد ہے مسلمانوں کے متعلق دوسری آیات ہیں مسئلہ شفاعت کے لئے تیسرے پارہ میں آیت الکرسی کی

تفسیر کا مطالعہ کرو ہم نے وہاں اس کی مکمل بحث کی ہے۔ خیال رکھو کہ مدد اور شفاعت وغیرہ کے ساتھ اگر **من دون اللہ** آئے تو اس کے معنی سوا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مسلمان کے مددگار اللہ تعالیٰ بھی ہے اور اس کے مقرر کردہ بندے بھی کفار کے مددگار نہ اللہ تعالیٰ ہے نہ کوئی اور پھر سوا کے معنی کیسے درست ہوں۔ **پانچواں اعتراض:** اچھا اگر قیامت میں مومنوں کے ولی بھی ہوں اور شفیع بھی تو چاہئے کہ بڑے سے بڑے گنہگار مومن کو مطلقاً سزا و عذاب نہ ہو کیونکہ اس کے حمایتی اور شفاعت کرنے والے وہاں موجود ہیں رب ان کی سفارش مانتا ہے پھر تو مسلمان گناہوں پر بڑے دلیر ہو جائیں گے۔ **جواب:** جن گنہگاروں کو رب سزا دینا چاہئے گا ان کی اطلاع اولیاء شفعا کو اولاً نہ ہوگی اور یہ لوگ سزا دیئے جائیں گے۔ جب ان کی سزا کی مدت پوری ہوگی تب ولی شفیع کو ان کا خیال آوے گا۔ وہ شفاعت کریں گے۔ رب فرمائے گا دوزخ میں جا کر ہر اس شخص کو نکال لاؤ جس کے دل میں دینار برابر پھر آدھے دینار برابر حتی کہ آخر میں ارشاد ہوگا رائی کے دانہ برابر ایمان ہو اسے نکال لاؤ جیسا کہ حدیث شفاعت میں ہے جیسے دنیا میں ہر مرض کی دوا ہے لیکن اگر ابھی شفاء کا وقت نہیں آتا تو وہ دوا خیال ہی میں نہیں آتی۔ جب شفا کا وقت آتا ہے۔ تب اس دوا کی طرف حکیم کا دھیان جاتا ہے تو جیسے دوا یہاں برحق ہے ویسے ہی شفاعت وہاں برحق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو کھولتا پانی پلایا جایا کرے گا۔ پھر وہ زندہ کیسے رہیں گے کھولتا پانی پیٹ میں پہنچ کر ہلاک کر دیتا ہے پھر کفار کے لئے دوزخ میں ہمیشگی کیونکر ہوگی۔ **جواب:** موت خدا تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے نہ کہ ان اسباب سے وہاں موت کے تمام اسباب جمع ہوں گے مگر موت نہ آئے گی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویاتیہ الموت من کل مکان** دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ زہر اور سانپ کاٹے سے موت نہیں آتی کیوں اس لئے کہ ابھی موت کا حکم نہیں آیا وہاں بھی موت کا حکم نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں نفسانی' شیطانی' رحمانی جن کی زندگی نفس پرستی غفلت عیش و عشرت میں گذرے وہ نفسانی ہیں جن کی زندگی گناہوں' اللہ رسول کی مخالف دین کے مقابلہ میں گذرے وہ لوگ شیطانی ہیں جن کی زندگی یار کو منانے میں گذرے اس طرح کہ ان کے دلوں پر قبضہ اللہ رسول کا ہو جو کام اللہ رسول چاہیں وہ ہی یہ کریں جسم ان کا ہو اس پر حکومت اللہ رسول کی ہو وہ لوگ رحمانی ہیں پھر ان تین قسموں کا اجتماع ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دن رات کا جمع ہونا غیر ممکن جیسے بعض بندے ملنے محبت کرنے کے لئے ہیں بعض بندے نفرت و عداوت کے لئے ہیں بھینس بھی اللہ کا بندہ و مخلوق ہے سانپ بھی مگر بھینس الفت کرنے پالنے کے لئے ہے سانپ بچنے کے لئے اور مارنے کے لئے کیونکہ بھینس کے پاس دودھ ہے سانپ کے منہ میں زہر ہے ایسے ہی مومنین بندے ملنے کے لئے ہیں کہ ان کے پاس ایمان عرفان کا دودھ ہے کفار بچنے نفرت کرنے کے لئے ہیں کہ ان میں کفر کا زہر ہے کفار ایمان برباد کریں گے ابرار عرفان بخشیں گے لہٰذا اگر رحمانی لوگ اپنے اس حال پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ نفسانی شیطانی لوگوں سے یکدم بیزار ہیں اس آیت کریمہ میں ان ہی رحمانی لوگوں سے فرمایا گیا کہ ان دونوں جماعتوں سے الگ رہو انہیں چھوڑ دو **اتخذوا دینھم** میں شیطانی لوگ مراد ہیں اور **غرتھم** الخ میں نفسانی جماعت مراد ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو روکنے والی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہے۔ یہاں ارشاد ہے کہ اے محبوب آپ ان کفار سے الگ تو ہو جاؤ پھر دیکھو ان پر عذاب آتا ہے یا نہیں تمہارا لحاظ ہے کہ یہ کفر شرک سب کچھ کریں اور پھر عذاب نہ آوے دوسری جگہ فرماتا ہے **وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ** اور جگہ فرماتا ہے **لو تزیلوا لعذ**

بنا الذین کفروا اگر مسلمان ان کفار میں سے نکل جائیں تو ہم کفار کو عذاب دے دیں اس معنی سے آیت میں لطف آگیا اے محبوب ان دونوں مردود جماعتوں کا یہ حال ہے کہ دنیا میں اگرچہ ان کے دوست بہت ہوں گے مگر آخرت میں ان کا کوئی دوست نہ ہوگا۔ ان کی دوستیاں عداوت میں تبدیل ہو جائیں گی اس وقت یہ مردودین تمنا کریں گے کہ کوئی فدیہ دے کر ہم چھوٹ جاتے مگر یہ تمنا بے سود ہوگی۔ ان کے لئے اندرونی عذاب بھی سخت ہوگا شراب حمیم اور بیرونی عذاب بھی بہت دردناک صوفیاء فرماتے ہیں کہ زندگی تین قسم کی ہے دنیاوی زندگی' دنیا کی زندگی اور دنیا میں زندگی' نفسانی لوگوں کی زندگی دنیاوی ہے ان کا کھانا پینا چلنا پھرنا سب دنیا ہے شیطانی لوگوں کی زندگی اور دنیا میں زندگی' نفسانی لوگوں کی زندگی دنیاوی ہے ان کا کھانا پینا چلنا پھرنا سب دنیا ہے شیطانی لوگوں کی زندگی دنیا کی زندگی ہے کہ دنیا کے لئے ہے ان کی ہر چیز زہر ہے۔ جیسے سانپ بچھو جو کھائیں اس سے زہر بنتا ہے ایسے یہ لوگ جو کھائیں پئیں اس سے کفرو بے ایمانی اللہ رسول کی مخالفت و عداوت بنتی ہے۔ مگر رحمانی لوگ دنیا میں رہتے ہیں دنیا ان میں نہیں رہتی ان میں دین اللہ کا خوف نبی کی شرم جلوہ گر ہوتی ہے وہ جو کھائیں پئیں اس سے نور الٰہی بنتا ہے جیسے شہد کی مکھی جو کھائے اس سے شہد بنتا ہے مولانا فرماتے ہیں شعر۔

این خورد گردد پلیدی زیں جدا — آن خورد گردد ہمہ نور خدا

کشتی دریا میں رہتی ہے مگر کشتی میں دریا نہیں رہتا بلکہ اس میں مالک مالک کے دوست احباب بیٹھتے ہیں رحمانی لوگوں کے دلوں میں دنیا نہیں رہتی اللہ رسول کا نور رہتا ہے اگر رب سے ملنا ہو تو ان کے دلوں کو ٹٹولو وہاں ہی رب ملے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در دل مومن بگنجم اے عجب — گرامرا جوئی دریں دلہا طلب

اس آیت کریمہ نے ان تین جماعتوں کی نفیس چھانٹ فرمادی۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا

تم کہو کیا ہم عبادت کریں ان کی جو نہ تو ہمیں فائدہ دیں نہ نقصان اور لوٹا دیئے جائیں ہم اوپر

تم فرماؤ کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو ہمارا بھلا نہ کرے نہ برا اور الٹے پاؤں پلٹا دیئے جائیں بعد اس کے

بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ لَهٗۤ

ایڑیوں اپنی کے بعد اس کے کہ ہدایت دی ہم کو اللہ نے اس کی مثل جسے بہکا دیا شیطانوں نے زمین میں سرگرداں

کہ اللہ نے ہمیں راہ دکھائی اس کی طرح جسے شیطان نے زمین میں راہ بھلا دی حیران ہے اس کے

اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى

اس کے ساتھی ہیں جو بلاتے ہیں اس کو طرف ہدایت کے کہ آ ہمارے پاس تم کہو کہ بیشک رہبری اللہ کی وہ ہی ہدایت

رفیق اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ادھر آ تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے۔ اور ہمیں حکم ہے کہ

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ وَھُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ

ہے اور حکم دیئے گئے ہم اطاعت کریں جہانوں کے رب کی اور یہ کہ قائم رکھو تم نماز کو اور اس سے ڈرو اور وہ ہے کہ اسکی طرف جمع کئے جاؤ گے تم

اسکے لئے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہانوں کا اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے جسکی طرف تمہیں اٹھنا ہے۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار سے الگ ہو جاؤ ان سے تعلق چھوڑ دو رشتے توڑ دو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ چپ چاپ ہی ان سے الگ نہ ہو بلکہ یہ کہہ کر یہ جتا کرتا کر الگ ہو تا کہ تمہاری علیحدگی بھی ان کے لئے تبلیغ اسلام ہو گویا پہلے کفار سے علیحدگی کا حکم تھا اب علیحدگی کی نوعیت و کیفیت کا بیان ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار سے علیحدگی کا حکم تھا اب اس کی وجہ کا ذکر ہے کہ یہ کہہ کر ان سے علیحدہ ہو کہ ہماری تمہاری علیحدگی کسی دنیا کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ تم بت پرست ہو ہم خدا پرست تمہارا ہمارا ساتھ کیسا اگر دنیاوی وجہ سے علیحدگی ہوتی تو وہ ختم ہو سکتی تھی کہ دنیا کو فنا ہے اس کی ہر چیز کو فنا ہماری تمہاری دوری اللہ کی وجہ سے ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی اب تم سے ہمارا ملنا صرف اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ تم بھی ہماری طرح خدا پرست بن جاؤ گویا علیحدگی دوری کی علت اس آیت میں مذکور ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حکم دیا گیا تھا کہ کفار سے علیحدہ تو رہو مگر انہیں تبلیغ کئے جاؤ تبلیغ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک قولی دوسری عملی قولی تبلیغ زبان سے ہوتی ہے۔ عملی تبلیغ اپنا طور طریقہ دکھا کر تا کر اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے کہ انہیں عملی تبلیغ کرو کہ انہیں اپنی خدا پرستی دکھا دو بتا دو۔ دوسرے کے اعمال کی خرابیاں بیان کرنا بھی تبلیغ اپنے اچھے اعمال کی خوبیاں ظاہر کرنا بھی تبلیغ ہے گویا تبلیغ کے حکم کے بعد طریقہ تبلیغ کا حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولی تبلیغ چالیس سال کی عمر شریف سے شروع فرمائی مگر عملی تبلیغ بچپن شریف سے ہی شروع فرما دی تھی آپ کا کھانا پینا چلنا پھرنا سب تبلیغ ہی تو تھی۔

شان نزول: ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن نے اپنے والد حضرت صدیق کو بت پرستی و شرک کی دعوت دی جس وقت کہ عبدالرحمن مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب صدیق اکبر یا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب بتایا (تفسیر صاوی' معانی' مدارک' بیضاوی وغیرہ) (2) ایک بار کفار مکہ کے سردار عینیہ اور اس کے ساتھیوں نے فقراء مسلمین کو اسلام چھوڑ دینے بت پرستی اختیار کر لینے کی رغبت دی اور اس پر بہت لالچ دی ان کفار کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی' ابن جریر' ابن ابی حاتم' تفسیر ابن کثیر' تفسیر تنویر المقیاس وغیرہ)۔

تفسیر: قل۔ قل میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن حضرت ابو بکر صدیق سے ہے۔ یعنی اے محبوب آپ جناب ابو بکر سے فرما دو کہ وہ عبدالرحمن کو یہ جواب دے دیں اس میں جناب صدیق کی انتہائی عزت افزائی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی معرفت جناب صدیق کو یہ پیغام بھیجا۔ یا فقراء مساکین سے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے محبوب آپ ابو بکر صدیق سے یا ان فقراء مساکین سے یا عام مسلمانوں سے فرما دیں کہ وہ ان کفار کو یہ جواب دے دیں۔ یا روئے سخن مشرکین سے ہی ہے۔ یعنی [illegible] یا قل میں خطاب حضرت ابو بکر صدیق سے

ہے یعنی اے ابو بکر تم عبدالرحمٰن سے یہ کہہ دو انہیں یہ جواب دے دو تب حضرت صدیق کی بڑی عزت افزائی ہے کہ ان سے شخصی طور پر براہ راست رب نے قرآن مجید میں خطاب اور کلام فرمایا دوسروں سے رب کا خطاب دوسری دنیا یعنی برزخ یا قیامت میں ہوگا جناب صدیق وہ خوش نصیب مومن ہیں جن سے خطاب رب نے اس دنیا میں کیا وہ بھی قرآن مجید میں ظاہر یہی ہے کہ یہ خطاب جناب ابو بکر صدیق سے ہے کیونکہ ان کے فرزند عبدالرحمٰن نے انہیں کو دعوت کفر دی تھی۔ **اند عوا** یہاں ہمزہ انکاری سوال کا ہے۔ یا یہ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے یعنی حیرت ہے کہ تم نے اے عبدالرحمٰن مجھے دعوت کفر دینے کی کیسے ہمت کی کیا ہم بت پرستی کر سکتے ہیں جس کے دل میں ایمان کا درخت رب نے بویا ہو اسے نگاہ مصطفوی نے سینچا پرورش کیا ہو کیا وہ درخت تمہارے او کھیڑنے تمہارے کاٹنے سے کٹ سکتا ہے ہرگز نہیں جناب صدیق نے اپنی والدہ کے شکم میں رہ کر بھی انہیں بت کو سجدہ نہ کرنے دیا تو وہ خود کیسے بت کو سجدہ کرتے **دعو** بنا ہے **دعاء** سے۔ جیسے قرآن مجید میں لفظ صلوۃ چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نماز **اقیموا الصلوۃ** ۔ دعا **وصل علیھم** درود شریف **صلوا علیہ و سلموا**۔ نماز جنازہ۔ **لا تصل علی احد منھم** ایسے ہی لفظ دعا چار معنی ہیں استعمال ہوا ہے۔ پکارنا **ثم ادعھن یا تینک** بلانا **ادعواھم لاباء ھم** دعا مانگنا **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال**۔ پوجنا **لا تدعوا مع اللہ احدا** یہاں آخری معنی میں ہے۔ کیونکہ مشرکین یا عبدالرحمٰن نے ان مومنین کو بتوں کو پوجنے کی دعوت دی تھی نہ کہ صرف پکار لینے کی نیز جانوروں پتھروں کو محض پکارنا تو شرک نہیں انہیں پوجنا شرک ہے رب تعالیٰ نے پہاڑوں کو پکارا **یا جبال اوبی معہ** زمین و آسمان کو پکارا **یا ارض ابلعی ماء ک ویا سماء اقلعی**۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کو پکاریں **ثم ادعھن یا تینک سعیا**۔ لہٰذا یہاں دعاء بمعنی پوجنا ہے یہی شرک ہے۔ **من دون اللہ** یہ عبارت بیان مقدم ہے **ما لا ینفعنا** کا ابھی کچھ پہلے ہم عرض کر چکے کہ **دون** کے بہت معنی ہیں۔ سوا' الگ' دور' مقابل' کٹ جانا وغیرہ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یعنی سوا کیونکہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت شرک ہے اور **ولی من دون اللہ** میں دون بمعنی مقابل ہے کیونکہ اللہ کے مقرر کردہ ولی بہت ہیں مگر اللہ کے مقابل ولی کوئی نہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا اے ابو بکر صدیق یا اے فقراء مسلمین یا اے مسلمانو ان کفار سے کہہ دو کہ کیا ہم اللہ کے سوا کسی اور کو پوجیں' نعوذ باللہ۔
ما لا ینفعنا ولا یضرنا یہ عبارت **ندعو** کا مفعول ہے ما سے مراد وہ بے عقل و بے جان چیزیں ہیں۔ جنہیں مشرکین عرب پوجتے تھے اس میں حضرات انبیاء و اولیاء داخل نہیں کیونکہ وہ حضرات صاحب عقل ہیں اور ما آتا ہے بے عقل چیزوں کے لئے نیز اس موقعہ پر مسلمانوں کو دعوت دینے والے مشرکین مکہ تھے وہ پتھروں درختوں چاند سورج وغیرہ کو ہی پوجتے تھے انہیں کی پرستش کی مسلمانوں کو دعوت دیتے تھے۔ خیال رہے کہ عیسائی حضرت مسیح کو اور یہودی حضرت عزیر کو نہیں پوجتے بلکہ ان کے نام کے بتوں یا صلیب کو پوجتے ہیں لہٰذا وہ حضرات یعنی حضرت مسیح و عزیر علیہم السلام معبودان باطلہ نہیں بلکہ ان کے نام کے بت معبودان باطلہ ہیں جیسے کوئی خدا کے نام کا پتھر گھڑ کر اسے سجدے کرے تو وہ پتھر معبود باطل ہے لہٰذا وہ آیت بالکل حق ہے کہ **انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم** تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب دوزخ کے ایندھن ہیں۔ **لا ینفع** اور **لا یضر** میں الوہیت کے نفع اور الوہیت کے نقصان کی نفی ہے کہ ان کا پوجنا آخرت میں نجات کا ذریعہ ہو نہ پوجنا اخروی پکڑ کا ذریعہ ورنہ پتھر' درخت' جانور نفع نقصان تو دیتے ہیں مشرکین گائے کو پوجتے ہیں گائے بڑا مفید جانور ہے

سانپ کو پوجتے ہیں سانپ بڑا ضرر رساں جانور ہے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **ونرد علی اعقابنا** یہ عبارت معطوف ہے **ندعو** پر اور اسی انکاری سوال کے ماتحت ہے نرد بنا ہے رد سے بمعنی پہلی حالت یا پہلی جگہ کی طرف واپس کر دینا چونکہ انسان بذات خود بے علم ہے کسی کی مہربانی رب کے کرم سے اسے علم ملتا ہے اس لئے علم کے بعد بے علم بن جانا ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا اس کی اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا ہے اس لئے یہاں نرد فرمایا گیا (تفسیر کبیر) رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ اخرج کم من بطون امہا تکم لا تعلمون شیئا رجع القہقری۔ رجع علی عقبہ رجع علی خلفہ** یہ سب کلمات اسی کے لئے بولے جاتے ہیں۔ چونکہ انسان کو بہکا کر کافر بنانے والا شیطان ہے اس لئے نرد مجہول ارشاد ہوا۔ اس عبارت کی بناء پر بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق کے لئے نہیں ہے کہ وہ حضرات پیدائشی ہادی' مہدی ہیں وہاں رد کے معنی درست نہیں بلکہ عام مومنین کے لحاظ سے ہے (از روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ نرد چونکہ جمع ہے اس میں سارے مسلمانوں کا ذکر ہے اس لحاظ سے نرد فرمایا گیا۔ یہ بات خوب خیال میں رکھی جائے **اعقاب** جمع عقب کی ہے بمعنی ایڑی چونکہ انسان آگے چلے تو دیکھ بھال کر احتیاط سے چلتا ہے الٹے پاؤں چلے تو بغیر دیکھے بھالے غلط چلتا ہے اس لئے کفر کو ایڑی کے بل لوٹایا جانا فرمانا بہت ہی موزوں ہے **بعد اذ ھدانا اللہ** اس فرمان عالی کے چند نشاء ہیں ایک یہ کہ ہم کو اللہ نے ہدایت کی نعمت بخشی جس سے تم محروم ہو اب اگر ہم کافر بن جاویں تو ہم اس نعمت کے ناشکرے ہوں گے تو بمقابلہ تمہارے ہم زیادہ سزا کے مستحق ہوں گے کہ اصلی کافر سے مرتد کی سزا سخت تر ہے دوسرے یہ کہ ہم نے ہدایت کی لذت چکھ لی یہ ایسی لذیذ چیز ہے کہ جو اسے چکھ لے وہ چھوڑ نہیں سکتا اس کی لذت حضرت بلال' صہیب رومی اور امام حسین سے پوچھو جیسے کھانوں میں مختلف لذتیں ہیں جنہیں زبان محسوس کرتی ہے ایسے ہی ہدایت و نیک اعمال میں عجب لذتیں ہیں جنہیں دل محسوس کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ہم کو اللہ نے ہدایت دی ہے جسے وہ ہدایت دے اسے تم نہیں چھین سکتے۔ جو درخت بادشاہ اپنے ہاتھ سے لگائے اسے کوئی کلہاڑی کاٹ نہیں سکتی۔ چوتھے یہ کہ ہمارا اسلام صاف سیدھا راستہ ہے۔ ہمارے پاس عقل کی آنکھ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی روشنی بھی جسے یہ تین چیزیں مل جاویں وہ ضرور منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ تم ہم کو گمراہ نہیں کر سکتے یہ عبارت ظرف ہے۔ **نرد** کا ہدایت سے مراد ہے اسلام و ایمان کی ہدایت چونکہ ایمان و ہدایت محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ملتے ہیں۔ کفر و گمراہی ہماری حماقت شیطان کے بہکانے سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے یہاں **اھتدینا** نہ فرمایا بلکہ **ھدانا اللہ** ارشاد ہوا یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ہم پر یہ کرم کیا کہ اس نے ہمیں ایمان' اسلام کی ہدایت کی اور ہم پر غضب کریں کہ ہم پھر کفر کی طرف اندھے ہو کر لوٹ جائیں **کالذی استھوتہ الشیطٰن فی الارض۔** یہ عبارت یا تو نرد کے متعلق ہے یا نرد کے نائب فاعل سے حال مسبین کے متعلق **الذی** سے مراد کافر انسان ہے یہاں اس کافر کے تین عیب بیان ہوئے پہلا عیب تو یہی ہے یعنی شیطان کے بہکانے پر بہک جانا **استھوت** بنا **ھوی** سے بمعنی نیچے گرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **تھوی بہ الریح فی مکان سحیق** چونکہ ایمان میں ترقی ہے اور کفر میں تنزل اس لئے کفر کو گرنا فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یشرک باللہ فکا نما خرمن السماء** چونکہ انسان کے پیچھے بہت سے شیطان پڑے ہیں ابلیس' قرین اور خاص شیاطین اس لئے یہاں شیطن جمع فرمایا کہ کوئی شیطان اسے اور جگہ گراتا ہے۔ دوسرا شیطان دوسری جگہ جیسے لہلہاتے کھیت کے بہت دشمن ہیں جو بے دیکھے چھوٹے نیچے کے اندرونی دشمن طوطا چڑیا وغیرہ اوپر کے دشمن

خشک سالی اور بے موسمی بارشیں اولے بیرونی دشمن ایسے ہی ایمان کی کھیتی کے بہت دشمن ہیں ابلیس اس کی ذریت ہمارے برے دوست عزیز دنیاوی الجھنیں جو ہم کو راہ خدا سے روکتی ہیں اس لئے شیٰطین جمع ارشاد ہوا فی الارض متعلق ہے استھوتہ کا یہ کافر کا دوسرا عیب ہے حیران یہ لفظ بنا ہے حار یحار حیرۃ" سے حیرۃ کے معنی ہیں پریشانی تردد کسی چیز پر دل نہ جمنا اسی سے ہے حیرانی۔ یہ غیر منصرف ہے اس کا مونث ہے حیریٰ۔ چونکہ اوپر سے نیچے گرنے والا حیرت میں ہوتا ہے اسے سمجھ نہیں آتی کہ کیا کرے اس لئے اسے حیران فرمانا نہایت ہی درست ہے کفار کا یہی حال ہے کہ انہیں اپنے مذہب پر پختگی نہیں ہوتی حیرانی ہی رہتی ہے۔ مشرکین کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ خالق دو ہیں یا تین سو ساٹھ جب انہیں خالق کے متعلق ہی تردد ہے تو دوسری چیزوں کے متعلق کیا پوچھنا۔ دیکھو مشرکین عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شاعر کہتے یعنی نہایت ہی عقلمند اور کبھی ساحر جادوگر کہتے دوسروں کو حیران کر دینے والا اور کبھی مسحور یا مجنون و دیوانہ کہتے جو نہایت ہی بے عقل ہوتا یہ ہے کفار کی حیرانی لہ اصحاب یدعونہ الی الھدی ائتنا یہ کفار کا تیسرا عیب ہے لہ کا مرجع وہی کافر ہے۔ اصحاب سے مراد ہیں اس کے مومن ساتھی ماں باپ قرابت دار دوست آشنا جیسے عبدالرحمٰن کے لئے ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق یدعون سے مراد ہے دعوت اسلام ہدایت سے مراد ہے ایمان و اسلام اور آنے سے مراد ہے کفر سے ہٹ کر ایمان و اسلام میں داخل ہو جانا یعنی اس اسلام ہدایت سے مراد ہے ایمان و اسلام اور آنے سے مراد ہے کفر سے ہٹ کر ایمان و اسلام میں داخل ہو جانا یعنی اس کافر کے مومن ساتھی مومن عزیز و اقارب اسے بار بار دعوت اسلام دے رہے ہیں کہ بے وقوف اس گمراہی کے غار سے نکل کر ہمارے پاس آجا ہم تیرے دنیاوی اخروی ساتھی ہوں گے جیسے کھیت کے دشمنوں سے بچاؤ کی بہت دوائیں مختلف ڈاکٹر ہیں ایسے ہی ان شیاطین سے محفوظ رکھنے والے اللہ کے بہت بندے ہیں اس لئے اصحاب جمع ارشاد ہوا۔ پھر جیسے اللہ کی دنیاوی نعمتوں کے لئے مختلف ڈپو میں جنہیں حاصل کرنے کے لئے ہم کو وہاں جانا پڑتا ہے۔ پیاس میں کنویں پر بھوک میں روٹی کی دوکان پر مرض میں شفاخانہ پر یوں ہی ایمان ہدایت رحمت مغفرت کے مختلف ڈپو ہیں اولیاء اللہ انبیاء کرام کے آستانے ان نعمتوں کے ملنے کے ٹھکانے ہیں اس لئے یہاں ائتنا ارشاد ہوا۔ یعنی ہمارے پاس آؤ ایت اللہ نہیں فرمایا کہ خدا کے پاس جاؤ قل ان ھدی اللہ ھو الھدی۔ اس قل میں وہی احتمالات ہیں جو پہلے قل اندعو میں تھے کہ اس میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا حضرت ابوبکر صدیق سے یا ہر مسلمان سے ھدی اللہ سے مراد اسلام و ایمان ہے جو اول ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام کو عطا ہوا الھدی سے مراد حقیقی ہدایت ہے۔ یعنی ہدایت وہ نہیں جو کفار کو شیطان نے دی وہ تو عین گمراہی ہے ہدایت صرف وہی ایمان و اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بخشی تم بھی ادھر آجاؤ ہدایت تین قسم کی ہے ہدایت فطری جو قدرتی طور پر انسان بلکہ جانوروں تک کو حاصل ہوتی ہے گئے گھاس نہیں کھاتے بکری گوشت کو منہ نہیں لگاتی کہ ہادی مطلق نے فطری طور پر انہیں اپنی اپنی غذاؤں کی ہدایت دے دی ہے۔ دوسری ہدایت عقل جس سے انسان دنیاوی ساز و سامان بناتا ہے راکٹ ہوائی جہاز وغیرہ اسی ہدایت عقلی کے ذریعہ بنائے تیسری ہدایت شرعی جو حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ عطا ہوتی ہے کفار ہدایت شرعی اپنے باپ دادوں یا اپنی عقل کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اس لئے کافر ہوتے ہیں دنیاوی کاموں میں ویسی ہی ہدایت یعنی عقلی ہدایت چاہئے مگر اخروی چیزوں کے لئے ولائتی ہدایت یعنی ہدایت ربانی درکار ہے پچھلی دو ہدایتوں پر ثواب و عذاب نہیں ان کا فائدہ صرف دنیا میں ہے مگر اس شرعی ہدایت پر سزا و جزا ہے۔ فطری ہدایت بغیر وسیلہ عطا ہوتی ہے۔ عقلی

ہدایت دنیاوی وسیلوں سے مگر شرعی ہدایت کا دودھ اللہ نے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس میں رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ان کے خاص خدام کے سینوں میں جیسے ظاہری دودھ ماں کے سینہ میں ہے بچہ صرف ماں کو گود میں چین پاتا ہے باپ لاکھ نعمتیں دکھائے مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ دودھ ماں کے سینہ ہی میں ہے یوں ہی مومن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چین ملتا ہے کہ ہدایت کا دودھ اس سینہ میں ہے اس ہدایت کی دو قسمیں ہیں ہدایت قلبی اور ہدایت عملی ان دونوں ہدایتوں کو دو عبارتوں میں بیان فرمایا پہلی ہدایت کے متعلق ارشاد ہوا **وامرنا لنسلم لرب العلمین۔** یعنی ہدایت روحانی قلبی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ہم کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اسلام کے معنی ہیں سر سجود نہاد ن رب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانبرداری کے لئے سر جھکا دینا۔ گردن رکھ دینا رب العالمین فرما کر یہ بتایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس لئے اسلام اور سجود بندگی اس کی چاہئے وہی اس کا مستحق ہے تمہارے بت وغیرہ خود اپنے پالنے والے بھی نہیں تو ان کے سامنے سجدہ کیسا دوسری ہدایت ہدایت جسمانی کے متعلق ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ شریعت میں اسلام نام ہے فرمانبرداری کا مومن کھاتا پیتا سوتا جاگتا ہے۔ مگر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ اس کا مقصود ہے کافر کھاتا پیتا ہے اپنے لئے مومن و کافر کے مقصود میں فرق ہے باراتیوں کا مقصود ہے کھانا مگر دولہا کا مقصود ہے دلہن طریقت میں اسلام نام ہے اپنے کو رب کے سپرد کر دینے کا اس کے حوالہ کر دینے کا جیسے شیر خوار بچہ اپنے کو ماں کے حوالہ کر دیتا ہے یا پالتو جانور اپنے کو مالک کے سپرد کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کی ساری فکریں ماں کو گائے بھینس کی ساری فکریں مالک کو **امرنا لنسلم** میں ان دونوں کی طرف اشارہ ہے اس طریقت کے اسلام کی تفسیر حضرت ابراہیم کا فرزند کو ذبح کرنا ہے اور حضرت اسمٰعیل کا باپ کے ہاتھوں ذبح ہونا ہے وہاں ارشاد ہے **فلما اسلما وتلہ للجبین** یہ ہے حقیقت اسلام اللہ نصیب کرے **وان اقیموا الصلوۃ** یہ عبارت معطوف ہے لنسلم پر اور اس کا تعلق **امرنا** سے ہے یعنی ہم کو اسلام کا بھی حکم دیا گیا اور نماز قائم کرنے کا بھی چونکہ مالی عبادات سے بدنی عبادات افضل ہیں اور بدنی عبادات میں نماز افضل اس لئے اسلام کے بعد نماز کا ذکر ہوا نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے میں فرق ہم پہلے پارہ **ویقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں نماز پڑھنا کمال نہیں قائم کرنا کمال ہے اس لئے قرآن مجید میں ہر جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا رب تعالیٰ نماز قائم کرنے کی توفیق دے۔ **واتقوہ** اس فرمان عالی میں سارے گناہوں سے بچنے اور بقدر طاقت ساری نیکیاں کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ نماز تقوے کی اصل اور تقوے کا ذریعہ ہے اس لئے پہلے نماز کا ذکر ہوا پھر تقوے کا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** یعنی رب تعالیٰ نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو اس کی نافرمانی سے بچو **وھو الذی الیہ تحشرون۔** اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ تمہارا اسلام قبول کرنا نماز قائم کرنا تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا اپنے نام و نمود ریاکاری کے لئے نہ ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو کیونکہ تم کو اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ وہی ان کاموں کی جزا دے گا تو چاہئے کہ اسی کے لئے سب کچھ ہو یعنی ہم سے ہمارے رب نے فرمایا ہے کہ تم یہ دھیان رکھو کہ تمہیں رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اس لئے اپنی زندگی میں اسے راضی کر لو تاکہ آئندہ وہ تم کو خوش کرے۔

خلاصہء تفسیر: اس آیت کے پہلے جملہ **قل اندعوا** الخ کی تین تفسیریں ہیں تفسیر جلالانہ' عالمانہ' عاشقانہ' تفسیر جلالانہ تو یہ ہے جو آج عام لوگ کرتے پھرتے ہیں کہ کیا ہم پکار سکتے ہیں اللہ کے سوا ان تینوں ولیوں کو جو نہ ہم کو نفع دیں نہ نقصان یہ تفسیر

نہیں تحریف ہے جس سے بہت سے اعتراض وارد ہیں۔ تفسیر عالمانہ یہ ہے اے ابو بکر صدیق یا اے مسلمان ان بہکانے والے کفار کو یہ جواب دو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبر اور دیگر مسلمانوں کو سکھاؤ اور ان سے فرمادو کہ وہ بہکانے والے کفار کو یہ کہہ دیں کہ اے بد نصیبو کیا ہم بھی تمہاری طرح یہ حماقت کریں کہ پتھروں لکڑیوں چاند تاروں سورج کو پوجیں جن کے پوجنے سے کوئی فائدہ نہیں نہ پوجنے سے کوئی نقصان بلکہ پوجنے میں نقصان ہے نہ پوجنے میں فائدہ یعنی یہاں دعا بمعنی پکارنا یا بلانا یا دعا مانگنا نہیں بلکہ بمعنی پوجنا ہے اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں۔ تفسیر صوفیانہ ہے کہ جس چیز کی اطاعت کی جاوے اللہ کے مقابل وہی اس کا نفسانی معبود ہے حتیٰ کہ اگر دوکانداری کے لئے نماز چھوڑ دی گئی تو دوکان اس کی معبود ہے آگے ارشاد ہے کہ کیا تم ہم کو یہ مشورے دیتے ہو کہ ہم پر تو اللہ نے یہ کرم فرمایا کہ ہم کو ایمان و اسلام و تقوے کی ہدایت دے دی اور ہم یہ غضب کریں کہ الٹے پاؤں پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں اور ہمارا حال اس شخص کا سا ہو جاوے جیسے شیاطین جن اور شیاطین انس نے زمین میں راہ بھلادی اب وہ حیرات و پریشانی ہے کہ کدھر جاوے اسے کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کرے اس کے ساتھی اسے آوازیں دے رہے ہیں کہ اے اللہ کے بندے ادھر آ ہدایت و رہبری ہمارے پاس ہے۔ مگر وہ ایسا حیران ہے کہ ان کی پکار پر دھیان نہیں دیتا ساتھ ہی ان بہکانے والوں سے بھی کہہ دو کہ سچی ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے جسے وہ نصیب کرے۔ الحمد للہ کہ اس نے ہم کو اپنے محبوب کے ذریعہ ہدایت دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تین حکم دیئے ایک یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار رہیں دوسری یہ کہ ہم نماز قائم رکھیں کہ ہمیشہ پڑھیں صحیح پڑھیں اور صحیح وقت پر پڑھیں تیسرے یہ کہ ہم اپنے رب سے ڈریں گناہوں سے دور رہیں نیک اعمال اختیار کریں کیونکہ ہم سب کو آخر اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ یہ دنیا عارضی چیز ہے ان ہدایتوں کے ہوتے ہوئے ہم تم بد نصیبوں گمراہوں کی بات کیسے مان سکتے ہیں۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شیاطین اور کفار مسلمانوں کو بہکانے سے باز نہیں رہتے مسلمان کو چاہئے کہ ہر دم احتیاط سے رہے جب شیطان حضرت آدم کو دھوکہ دینے سے باز نہ رہا اور کفار عرب حضرات صحابہ کرام کو بہکانے کی کوشش میں لگے رہے تو ہم کس شمار میں ہیں کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے یہ فائدہ اس آیت کریمہ کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ شیطان اور شیطانی لوگ مکھیوں یا غبار کی طرح ہیں۔ جیسے کھیاں غبار برابر فقیر شاہ گدا کے پاس ہر وقت پہنچتے رہتے ہیں وہ کسی کی رعایت نہیں کرتے ایسے ہی شیاطین ہر وقت ہر جگہ پہنچتے رہتے ہیں انہیں ہاتھ ہلا ہلا کر دفع کرتے رہو۔ **دوسرا فائدہ:** بہکانے والے کفار کو ایسا مایوس کن جواب دینا چاہئے کہ وہ دوبارہ ہم کو بہکانے کی ہمت نہ کریں نرم و ڈھیلی بات ان سے ہرگز نہ کی جاوے یہ فائدہ قل اندعو الخ فرمانے سے حاصل ہوا جس میں کفار کے کفر کی برائیاں اور اسلام کی خوبیاں سب کچھ ہی بیان کی گئیں۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے ہی مقبول بندے ہیں کہ کفار نے انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو رب تعالیٰ نے انہیں جواب سکھائے یہ فائدہ قل کی دو تفسیروں سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید میں دعا بمعنی پوجنا بھی آتا ہے یعنی جز سے کل مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ

اور لا یضرنا سے حاصل ہوا اطاعت کا نفع نافرمانی کا نقصان حضرت انبیاء اولیاء بلکہ حکام کے پاس بھی ہے حاکم نافرمان غداروں کو گولی مار سکتا ہے فرمانبرداروں کو دولت' حکومت دے سکتا ہے۔ چھٹا فائدہ: مرتد ہونا سخت جرم ہے اور جاہل کے گناہ سے واقف کار عالم کا گناہ بدتر ہے اس لئے اصل کافر سے جزیہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ مگر مرتد کے لئے صرف قتل یا دوبارہ اسلام قبول کرنا ہے یہ فائدہ بعد اذ ھدانا اللہ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: ہم کو بہکانے والے گمراہ رشتہ دار ہمارے رلعار شیطان ہیں ہمارے ساتھی نہیں نیک و صالح مسلمان اگرچہ ہمارے اجنبی ہوں مگر ہمارے روحانی ایمانی ساتھی ہیں ایسے ایک اجنبی مسلمان پر ہزاروں گمراہ رشتہ دار قربان ہو جائیں دیکھو یہاں بہکانے والوں کو شیاطین فرمایا اور ہدایت کی طرف بلانے والوں کو لہ اصحاب فرمایا شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا شعر۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

آٹھواں فائدہ: ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ انسان گمراہوں سے کٹ کر الگ ہو جاوے نیکوں کی صحبت اختیار کرے یہ فائدہ ائتنا سے حاصل ہوا کہ اچھے ساتھی اسے بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آجا ہدایت یہاں ملے گی ہر سودے کی دوکان الگ ہے۔ نواں فائدہ: دل کا قرار و سکون اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری سے ہی میسر ہوتا ہے اگر انسان رب سے دور ہو جاوے تو لکھ پتی یا بادشاہ ہو کر بھی بے قرار ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ حیران سے حاصل ہوا دیکھا گیا ہے کہ کفار کو اپنے دین پر بھی اطمینان نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ دسواں فائدہ: ایمان و اسلام پہلے ہے نماز روزہ وغیرہ نیک اعمال بعد میں پہلے مسلمان بنو پھر نمازی' حاجی' غازی' قاضی وغیرہ بنو یہ فائدہ وامرنا لنسلم الخ سے حاصل ہوا کہ پہلے اسلام کا ذکر ہوا پھر نماز وغیرہ کا۔ گیارھواں فائدہ: نماز پڑھنا کمال نہیں بلکہ نماز قائم کرنا کمال یہ فائدہ وان اقیموا الصلوۃ سے حاصل ہوا نماز قائم کرنے کے معنی ہم پہلے پارہ کے شروع میں عرض کر چکے ہیں شریعت میں نماز قائم کرنا یہ ہے ہمیشہ نماز پڑھے یعنی ہوش سنبھالنے سے نماز شروع ہو اور جب ختم ہو کہ موت ہوش بگاڑ دے اور صحیح وقت پڑھے صحیح طریقہ سے پڑھے جماعت سے ادا کیا کرے۔ طریقت میں نماز قائم کرنا یہ ہے کہ مضبوط نماز پڑھے جس کی بنیاد دل پر ہو صرف قالب کی نماز نہ پڑھے بلکہ قلب و قالب دونوں کی نماز پڑھے جسے حدیث پاک میں احسان کہا گیا ہے۔ بنیادوں سے دیوار مضبوط ہوتی ہے۔ جڑ والا درخت پھل دیتا ہے اور سیدھے رخ والی نماز پڑھے بلکہ محض اللہ رسول کی رضا کے لئے پڑھے۔ بارھواں فائدہ: ہدایت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ مگر ملتی ہے اچھے بندوں کے پاس سے کوئی شخص براہ راست رب تعالیٰ سے ہدایت نہیں لے سکتا یہ فائدہ الی الھدی ائتنا الخ سے حاصل ہوا دیکھو یہاں ائتنا فرما کر ہدایت کی دوکان کا پتہ دیا گیا اور ھدی اللہ ھو الھدی فرما کر خالق ہدایت کا نشان دیا گیا۔ جب اللہ کا پانی کنویں سے اور اللہ کا رزق دوکانوں سے ہی ملتا ہے تو ہدایت راستہ میں پڑی ہوئی کیسے مل سکتی ہے۔ وہ بھی کسی ڈپو سے ہی ملے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے پہلے ہم کو نہ قرآن مل سکا نہ اسلام و ایمان حالانکہ قرآن مجید اور اس کے احکام سب کچھ لوح محفوظ میں تھے۔ تیرھواں فائدہ: نیک اعمال اخلاص سے کرنے چاہئیں ریا کو بالکل دخل نہ ہو یہ فائدہ وھو الذی الیہ تحشرون سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ چودھواں فائدہ: صحابہ کرام خصوصاً" جناب ابو بکر صدیق کا ایمان قطعی ہے یقینی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ وہ کسی کے بہکانے سے بہک نہیں سکتے یہ فائدہ اندعوا میں ہمزہ استفہام سے حاصل ہوا۔ خود درخت کو جو چاہے توڑے مگر کسی کے اوگائے ہوئے

درخت کو توڑنا مشکل ہے سرکاری باغ کے کسی درخت کو ہاتھ لگانا جیل جانے کا ذریعہ ہے ان حضرات کے دلوں میں رب نے ایمان کا باغ لگایا ہے اسے کون کاٹے چھانٹے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہے تم یارسول اللہ یا غوث کہہ کر نبی ولی کو پکارتے ہو شرک ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا **اندعو من دون اللہ** الخ (دیوبندی) **جواب:** اس اعتراض کا نہایت تفصیل سے جواب ہم تفسیر کے پہلے پارہ میں **وادعو شھداء کم من دون اللہ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس میں اور ان جیسی آیات میں دعا بمعنی عبادت ہے قرآن کریم میں دعا بمعنی عبادت فرمایا گیا ہے **وکانوا بعبادتھم کافرین۔** اگر خدا کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہو تو ہر نمازی مشرک ہو گا کہ **السلام علیک ایھا النبی** کہہ کر نماز ختم کرتا ہے اس کا تفصیلی جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور علم القرآن وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بندہ نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پھر تم نبیوں ولیوں کو نفع و نقصان پہنچانے والا مانتے ہو یہ عقیدہ شرک ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا **مالا ینفعنا ولا یضرنا** (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی مخلوق نفع و نقصان پہنچا سکتی ہے زہر ہلاک کر دیتا ہے سانپ فنا کر ڈالتا ہے۔ تریاق زہر کو دفع کر دیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بینائی بخشی۔ (قرآن مجید) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف سو برس کے کافر کو مسلمان کر دیتا ہے۔ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کا بیڑا پار کر دے گا۔ (حدیث) کیا یہ چیزیں ماننا شرک ہے اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں عبادت کا نفع اور عبادت نہ کرنے کا نقصان مراد ہے یعنی ان بتوں کو پوجا سے نجات نہیں ہوتی ان کی پرستش نہ کرنے سے پکڑ نہیں ہوتی لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **استھوتہ الشیاطین** معلوم ہوا کہ شیاطین انسان کو بہکا دیتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ کی مخلوق نافع بھی ہے ضار بھی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہادی ہے اس کے سواء کوئی ہادی نہیں دیکھو فرمایا گیا۔ **ھدانا اللہ** اور فرمایا گیا **ان ھدی اللہ ھو الھدی۔** تم لوگ نبیوں ولیوں کو ہادی مانتے ہو مشرک ہو۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ کے حکم اس کے اذن سے قرآن کریم بھی ہادی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رب فرماتا ہے **ان ھذا القران یھدی للتی ھی احسن** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے۔ **انک لتھدی الی صراط مستقیم** یہاں بھی ارشاد ہوا **لہ اصحاب یدعونہ الی الھدی۔** حقیقی ہادی اللہ تعالیٰ ہے مجازی ہادی اس کے حکم سے ہادی کے بنائے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں نماز اور تقوے کا حکم دیا گیا نماز کو پہلے بیان کیا گیا تقویٰ کو بعد میں اس کی کیا وجہ ہے تقویٰ میں نماز بھی آجاتی ہے۔ پھر اس کا ذکر علیحدہ اور پہلے کیوں ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ تقویٰ کے سارے ارکان میں نماز اعلیٰ و اشرف رکن ہے اس لئے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا نیز نماز تقویٰ کا ذریعہ ہے کہ نماز کی برکت سے باقی نیکیوں کی توفیق مل جاتی ہے اس لئے نماز کا ذکر پہلے ہوا اس کی تحقیق پہلے پارہ میں **و یقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں ایک حضرت ابو بکر صدیق کی ایمانی پختگی کہ ان کا ایمان کسی خوف و

طاقت سے زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے دل میں یہ ایمان کا درخت اللہ نے لگایا ہے۔ جیسے مضبوط اور گہری جڑوں والا درخت دریا کے سیلاب سے بہتا نہیں بلکہ زمین کو کٹاؤ سے مٹی کو بہنے سے روک دیتا ہے اور کھوکھلا جڑوں والا درخت بہہ جاتا ہے اسی طرح کمزور ایمان والے لوگ دنیا کی راحت یا تکلیف دولت یا غریبی کسی کے بہکانے یا صحبت سے اس رو میں بہہ جاتے ہیں مگر حضرت صدیق اور خاص صحابہ کرام وہ مضبوط درخت ہیں جو نہ خود ایمان سے ہٹیں نہ خود کسی سیلاب میں بہیں نہ اس کو بہنے دیں جس پر نظر فرمادیں دوسری بات یہ کہ اس آیت کریمہ میں گمراہ آدمی کی مثال اس مسافر سے دی گئی ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر میں جائے۔ جنگل میں پہنچ کر شیطان اسے بہکا دیں یہ بے وقوف مسافر اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر شیطان کے ساتھ ہو جاوے اور شیطان اسے غلط راستہ پر لگادیں اس کے ساتھی اسے پکارتے ہوں کہ ارے نادان ادھر آ ہدایت ہمارے ساتھ ہے۔ مگر یہ بے وقوف ان پرانے ساتھیوں کی نہ مانے جو وطن سے اس کے ساتھ آئے تھے شیاطین کی مانے اور گمراہ ہو جاوے گمراہ انسان پر یہ مثال نہایت اعلیٰ درجہ سے چسپاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے مقبول بندے عالم ارواح سے ہمارے ساتھ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمارا رشتہ روحانی رکھا ہے۔ انسان دین فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر دنیا میں آکر اس کے گمراہ ماں باپ کافر عزیز و اقارب اسے کفر و شرک کی راہ پر سمجھ گیا اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اللہ رسول اس کے نیک بندوں کی نہیں سنتا ان گمراہوں کی سنتا ہے حالانکہ اس کے سچے دوست سچے ساتھی یہ ہی مقبول لوگ ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **نحن اولیاء کم فی الحیوة الدنیا و فی الاخرة** اور فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ و الذین امنوا۔** وہ لوگ نفسانی ساتھی ہیں جن کے منہ میں کفر کا زہر ہے وہ روحانی سانپ ہیں یہ حضرات روحانی ساتھی ہیں جن کے منہ میں ایمان کا شہد ہے یہ شہد چھوڑ کر زہر پیتا ہے اور اپنے کو ہلاک کر دیتا ہے یہ حضرات ایمان بدایت۔ خدا رسی کا ذریعہ عظمیٰ اور وسیلہ علیا ہیں ابھی اسے سمجھ نہیں آئی اسے سمجھ جب آوے گی۔ جب سمجھنا کام نہ آوے گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی بڑی نعمت اچھوں کا ساتھ ہے۔ جو اس نعمت سے محروم ہے وہ اللہ کے فضل و کرم محروم ہے یہ ہمراہی زمانہ اور جگہ سے آزاد ہے ابو جہل وغیرہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ رہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں تھے۔ حضور غوث الثقلین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اگرچہ وہ جگہ اور وقت میں دور رہے۔ **ولد اصحاب** نے طریقت کے بہت سے مسائل حل کر دیئے پھر یہ خیال نہ کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رہتے ہیں ہم دوسرے ملک میں پھر ہمراہی اور ساتھ کیسا سورج چوتھے آسمان پر رہتا ہے ہم زمین پر مگر ہم جہاں بھی جائیں سورج ہمارے ساتھ رہتا ہے اس کی کرنیں دھوپ اور دوسرے فیضان کبھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتے یہ سب کچھ سورج ہم کو دیتا رہتا ہے۔ بلکہ نظر بھی آتا رہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہر جگہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں اس لئے ہر جگہ سے التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے لئے ہادی مطلق ہیں کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار سے ہدایت ملی کسی کو دیدار سے کسی کو گفتار سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے کسی کو صرف نام پاک سے جیسے ہم دور افتادگاں کہ صرف نام سے ہدایت پاگئے دینے والا ایک ہے مگر اس کی عطا کے دروازے مختلف صوفیاء فرماتے ہیں کہ شریعت کا اسلام ہے **لا مقصود الا ھو۔** طریقت کا اسلام ہے **لا موجود الا ھو** اپنے کو فنا کر کے بقا کا پیالہ پی لینا کیوں کیسے جیسے ویسے سب کو ترک کر کے صرف کیا کا بندہ بن جانا اسلام ہے کہ یہ پوچھو کہ رب نے کیا

کہا یہ نہ پوچھو کہ کیوں کہا۔ جناب ابراہیم و اسماعیل نے ذبح کا اشارہ پاکر یہ نہ کہا کہ رب نے یہ کیوں اشارہ کیا بلکہ جناب اسماعیل نے زبان حال سے یہ کہا کہ ابا جان تم ذبح کر کے امتحان دو میں ذبح ہو کر امتحان دوں گا رو نا تم نہیں تڑپوں گا میں نہیں آنسو تم نہ بہانا چھری کے نیچے اعضاء میں نہ ہلاؤں گا یہ ہے صوفیاء کا اسلام بندہ کہتا ہے کہ مولیٰ میں تیرا ہوں تو پھر رب بھی کہتا ہے کہ اے بندے میں تیرا ہوں اب پڑھو وامرنا لنسلم لرب العلمین صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز ہمیشہ پڑھنا شریعت میں نماز قائم کرنا ہے اور نماز میں ہمیشہ رہنا کہ کھاتے پیتے سوتے جاگتے نماز کا خیال رکھے طریقت میں نماز قائم کرنا ہے یونہی جن کاموں سے رب ناراض ہو ان سے بچنا شریعت کا تقویٰ ہے اور جو چیز رب سے غافل کرے اس سے بچنا طریقت کا تقویٰ ہے اگر علم و عبادت رب سے غافل کر دے تو وہ تقویٰ نہیں اگر گناہ سے توبہ رب تک پہنچا دے تو وہ تقویٰ ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ غیر خدا سے بچنا حتی کہ اپنی ہستی کو فنافی اللہ کرنا معرفت و حقیقت کا تقویٰ ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ
اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ اور جس دن فرمائے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گی
اور وہ ہی ہے جس نے آسمانوں و زمین ٹھیک بنائے اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جاوہ
قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ
فرمان اس کا حق ہے اور اسی کا ملک ہے جس روز پھونکا جاوے گا صور میں جاننے والا ہے چھپی کھلی چیزوں کو
فوراً ہو جاوے گی اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جاوے گا ہر چھپے اور
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾
اور وہ حکمت والا خبر والا ہے
ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار

الثلثة

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں بتوں کی مجبوری و مقہوری بیان فرمائی گئی تا کہ معلوم ہو کہ بت عبادت کے قابل نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے کہ وہ خالق و مالک ہے۔ حی و قیوم تا کہ پتہ لگے کہ وہی عبادت و بندگی کے لائق ہے گویا لا الہ کا ذکر پہلے اور الا اللہ کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ اس نفی و اثبات پر ایمان کا دارومدار ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں شرک و بت پرستی کے باطل ہونے پر دلائل قائم کئے گئے تھے تا کہ دلائل سے ماننے والے انصاف والے لوگ اس سے نفرت کریں۔ اب اللہ تعالیٰ کی جباریت و قہاریت کا ذکر ہے تا کہ لوگ ہیبت و خوف سے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کریں کوئی دلیل سے مانتا ہے کوئی خوف و ڈر سے۔ دلیل والوں کا انتظام پہلے کیا گیا اور ڈر والوں کا انتظام اب ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ تم سب کو اس کی بارگاہ

میں حاضر ہونا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ صرف تم ہی نہیں بلکہ ساری خلقت کی انتہاء اس پر ہے وہی مبداء فیاض ہے اس کی طرف سب کا رجوع ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار وبت پرست حیران ہیں انہیں اطمینان نہیں جس سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ مومنین کو سکون قلبی بھی نصیب ہے اور اطمینان بھی۔ اب اس سکون واطمینان کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے خالق ومالک ہے۔ جس کا سہارا قوی ہو وہ چیز خود بھی قوی ہوتی ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں سب کو تقویٰ کا حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو کسی سے ڈرنے کی دو شرطیں ہوتی ہیں۔ ایک اس کی قوت و قدرت کا اعتراف دوسرے اپنی بے بسی، کمزوری، کمتری کا احساس اس آیت کریمہ میں اللہ کی قدرت وعلم کا ذکر ہے تا کہ ہم لوگ اس کی عظمت مان کر اس سے ڈریں۔ ہماری کمزوری، کمتری کا احساس اس آیت کریمہ میں اللہ کی قدرت وعلم کا ذکر ہے تا کہ ہم لوگ اس کی عظمت مان کر اس سے ڈریں۔ ہماری کمزوری کمتری بے بسی کے لئے آیات قرآنیہ بھی آئی ہیں۔ **خلق الانسان ضعیفا** "۔ ہم پر حادثات، مصیبتیں بھی آتی ہیں اور ہم کو گذشتہ قوموں کی تباہی بھی سنائی گئی ہے۔

تفسیر: **وھو الذی خلق السموت والارض**۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کبھی انسانوں کی اپنی ذات سے کرائی کہ لوگو اپنے کو دیکھو ہم کو جان لو **و فی انفسکم افلا تبصرون** کبھی احوال عالم کے ذریعہ سے یہاں کے انقلابات سے **و تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض** الخ کبھی کسی بڑی مخلوق کے ذریعہ سے یعنی آسمان، زمین، لوح، عرش وغیرہ کے ذریعہ۔ کبھی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے **ھو الذی ارسل رسولہ** الخ یہاں نمبر تین والی معرفت ہے یعنی آسمان وزمین کے ذریعہ رب کی پہچان چونکہ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کے اول میں ابتداء کا واؤ لایا گیا۔ ھو سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی ذات الذی سے مراد ہے رب تعالیٰ کی شان۔ اس کی صفت خلق میں ذکر اس کریم کے افعال کا ہے۔ خلق کے کئی معنی ہیں۔ پیدا کرنا یعنی نیست کو ہست کر دینا، بنانا، گھڑنا یہاں پہلے معنی میں ہے چونکہ سات آسمان الگ الگ حقیقت رکھتے ہیں اور سات زمینوں کی حقیقت ایک ہی مٹی ہے اس لئے **سموات** کو جمع اور **ارض** کو واحد فرمایا جاتا ہے زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے مگر اس کا پھیلاؤ آسمانوں کے بعد اس لئے آسمانوں کا ذکر پہلے ہوتا ہے زمین کا بعد میں۔ اس کی تفصیل پہلے پارہ میں عرض کی جا چکی ہے چونکہ آسمان وزمین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جن کی حقیقت بندوں کو نہیں معلوم، کسی کو یہ خبر نہیں کہ مٹی کس چیز سے بنی ہے یا آسمان وغیرہ کس چیز سے بنے۔ نیز ان کی پیدائش کا کسی کو پتہ نہیں ان پر مخلوق کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اس لئے ان کی عظمت دکھا کر رب نے اپنی عظمت بتائی۔ خلق کے معنی ہیں نیست کو ہست کر دینا جو کچھ نہ ہو اسے سب کر دینا۔ **بالحق** اس کلمہ کی تین ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق خلق سے ہے دوسرے یہ کہ یہ صفت ہے **سموات والارض** کی۔ تیسرے یہ کہ حال ہے خلق کے فاعل **ھو** سے مگر آسان ترکیب یہی ہے کہ خلق کے متعلق ہے۔ حق کے چند معنی ہیں۔ ناقابل فنا (واجب) باطل وہ جو قابل فنا ہو، حق حکمت ومصلحت والا، باطل محض عبث اور حکمتوں سے خالی، حق سچ، باطل جھوٹ، حق بمعنی انصاف باطل بمعنی ظلم، حق بمعنی درست وٹھیک باطل بمعنی غلط۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی رب تعالیٰ نے آسمان وزمین کو ہزارہا حکمتوں سے بھرا ہوا بنایا عبث وبیکار نہ بنایا اور ہو سکتا ہے کہ حق بمعنی درست اور ٹھیک ہو اس کا مقابل باطل بمعنی غلط اور نادرست ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے جس نے آسمان وزمین حکمتوں سے بھرے پیدا فرمائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **سموات** سے مراد آسمان اور آسمانی چیزیں ہیں (علویات) اور زمین سے مراد زمین اور زمینی

چیزیں ہیں (سفلیات) اس عبارت میں آسمانی اور زمینی چیزوں کی پہلی پیدائش کا ذکر تھا جو بہت آہستگی سے ہے۔ دوسری پیدائش یعنی قیامت کے دن والی کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ جو اچانک ہوگی کہ ارشاد ہے **و یوم یقول کن فیکون**۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں یوم بمعنی وقت ہے نہ کہ بمعنی دن کیونکہ قیامت میں نہ دن ہوگا نہ رات کہ وہاں سورج' چاند تارے وغیرہ طلوع غروب نہ کریں گے۔ تجلی نور الٰہی کی ہوگی۔ قول سے مراد کہنا نہیں بلکہ چاہنا ہے یونہی کن سے مراد کاف نون اور امر کا صیغہ نہیں بلکہ ارادہ کا تعلق مراد ہے۔ **یکون** میں تمام فناشدہ چیزوں کا اچانک پیدا ہو جانا ہے یہ واقعہ دوسری یا تیسری بار صور پھونکنے پر ہوگا جو چیزیں پہلے نفخہ پر نہیں ہوئیں جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں ان کا یہاں ذکر نہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ترجمہ میں فرمایا فناہوئی ہر چیز۔ تفسیر جلالین نے فرمایا کہ یوم سے پہلے اذکر پوشیدہ ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو یا یاد دلاؤ یا یاد رکھو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر فنا چیز سے فرمائے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی آسمان و زمین اسی طرح آسمانی و زمینی چیزیں یکدم پیدا ہوں گی پہلے کی طرح ان کی پیدائش میں آہستگی نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں رب تعالیٰ کا قانون جاری ہے یعنی ہر چیز کا آہستگی سے پیدا فرمانا اس کا ذکر ہوا۔ **خلق السموات والارض** میں اور قیامت میں رب کی قدرت کا ظہور ہوگا۔ یعنی ہر چیز کا اچانک بن جانا اس کے لئے ارشاد ہوا۔ **یوم یقول کن فیکون قولہ الحق**۔ اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں **قولہ** مبتداء ہے **الحق** خبر قول سے مراد قیامت کے دن کے فیصلے ہیں حق سے مراد ہے حقیقت پر مبنی ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے فرمان سچے ہیں یہاں حق سے مراد ہے برحق' سچے' درست۔ اس دوسری تفسیر کی بہت تفصیل ہے اللہ تعالیٰ کے تکوینی فرمان جو بذریعہ فرشتوں کے مخلوق پر جاری ہوتے ہیں وہ اٹل ہیں' انہیں کوئی ٹال نہیں سکتا' زندگی' موت' بیماری' تندرستی' فقیری' امیری وغیرہ ٹل نہیں سکتے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سارے تشریعی قول فرمان بالکل درست ہیں۔ **لا یاتیہ الباطل** اس تشریعی احکام کی بہت صورتیں ہیں۔ آسمانی کتابوں کے ذریعہ جو لوگوں تک پہنچے وہ سب حق ہیں یا نبی کی زبان سے جو لوگوں نے رب سے سنے وہ سب حق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے قول و عمل برحق ہیں' ان میں باطل ہونے کا احتمال نہیں۔ اس کی تفسیر ابو داؤد کی وہ حدیث ہے **اکتب فانہ لا یخرج منہ الا الحق** آم کے پیڑ میں ببول کے کانٹے نہیں ہوتے **و لہ الملک یوم ینفخ فی الصور** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے لہ سے پہلے استقر یا ثبت پوشیدہ ہے **الملک** یا تو اس ثبت کا فاعل ہے یا موخر مبتداء لہ کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا ملک سے مراد ہے باطن اور ظاہری مملکت **یوم** اس ثبت کا ظرف ہے اگرچہ دنیا میں سارے زمین آسمان وغیرہ اللہ تعالیٰ ہی کا ملک ہے ان میں اس کی سلطنت ہے مگر ظاہری طور پر دنیا والے سلاطین بھی کہتے ہیں کہ یہ ملک ہمارا ہے' یہ ملک اس کا ہے' قیامت میں کوئی یہ کہنے والا بھی ہو نہ ہوگا۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہوگی دنیاوی ساری بادشاہتیں فنا ہو چکی ہوں گی لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **یوم** سے مراد وقت ہے نہ کہ ہمارا مشہور دن کیونکہ قیامت میں نہ دن ہوگا نہ رات۔ **ینفخ** سے بنا ہے **نفخ** سے بمعنی پھونکنا پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں ہے **صور** بمعنی زبان میں بگل (نرسنگا) کو کہتے ہیں جو سینگ کا ہوتا ہے۔ حضرت اسرافیل اور ان کا صور (بگل) پیدا ہو چکا ہے وہ اسے منہ میں لئے حکم کے منتظر کھڑے ہیں نگاہ عرش اعظم کی طرف ہے کہ کب حکم ملے اور میں پھونکوں جیسا کہ احادیث میں ہے۔ خیال رہے کہ قیامت میں صور تین بار پھونکا جائے گا۔ پہلی بار میں تمام مخلوق گھبرا جائے گی' انہیں اپنی موت کا یقین ہو جائے گا۔ دوسری بار میں زندہ ہوگی یعنی پہلی بار کا

نفخہ بہت دراز ہوگا (عام تفسیر)۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یوم ترجف الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ۔ قلوب یومئذ واجفۃ**۔ یہاں نفخ صور سے دوسری نفخہ مراد ہے جس پر سب مخلوق زندہ ہوجاوے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون**۔ ان دونوں نفخوں میں چالیس سال کا فاصلہ ہوگا۔ جب سب کچھ فنا ہوچکا ہوگا تو تب رب تعالیٰ فرمائے گا۔ **لمن الملک الیوم** آج کس کا ملک ہے' کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا۔ پھر خود ہی فرمائے گا **للہ الواحد القھار**۔ یہ بھی خیال رہے کہ صور کے پہلے نفخہ پر ساری زندہ مخلوق اور زمین آسمان وغیرہ فنا ہوجائیں گے' جو لوگ پہلے مر چکے تھے وہ بیہوش ہوجائیں گے۔ سوا عرش اور عرش کے اٹھانے والے فرشتوں اور حضرت جبرئیل و میکائیل کے علیہم الصلوۃ والسلام یہ رب تعالیٰ کے موت فرمانے سے فنا ہوں گے اولاً جبرائیل' پھر میکائیل' پھر عرش اور حاملین عرش۔ پھر اسرافیل اور خود ان کا صور پھر اللہ کے حکم سے اولاً اسرافیل و صور پیدا ہوں گے۔ پھر حضرت جبرئیل اور حاملین عرش فرشتے پھر صور پھونکنے پر ساری مخلوق۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ** یہ حضرات الا ماشاء اللہ میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر وغیرہ) انشاء اللہ اس کی تحقیق انہی آیات میں ہوگی یعنی جس دن دوسری بار صور پھونکا جائے گا اس دن ملک صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ انسان کے چار مقامات ہیں۔ عالم ارواح' دنیا' برزخ و محشر' جنت و دوزخ۔ ان چاروں زندگیوں میں زندگی نمبر2 یعنی دنیاوی زندگی اعمال کمانے کی ہے۔ بقیہ تین زندگیوں میں اعمال نہیں۔ لہٰذا اس زندگی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کا ظاہری ملک بھی بخشا اور ملک بھی بخشی تا کہ یہ اس کے ذریعہ اعمال بنیں' صور پھونکنے پر کسی کا ملک نہ ہوگا۔ صرف اللہ کا ہوگا کیونکہ وہ جگہ اعمال کی نہیں اپنا فیصلہ سننے کی جگہ ہے جنت میں ہر جنتی کو بڑا وسیع ملک دیا جائے گا مگر وہ کام کے لئے نہیں بلکہ آرام و انعام کے لئے۔ اس لئے وہاں دائمی عطا ہوگی اور کوئی تکلیف نہ ہو گی یہ بھی خیال رہے کہ دنیا میں حضرات انبیاء کرام کو ملکوت کا تصرف بھی عطا فرمایا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات کام کرنے بھی آتے ہیں اور لوگوں کو ایمان دے کر ان سے کام کرانے بھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے۔ **و اتینا ھم ملکا" عظیما** پھر فرماتا ہے۔ **و سخرنا لہ الریح** ہوا کا مسخر ہونا یہ ملکوت میں تصرف ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا یعنی گئی ہوئی روح کو دوبارہ جسم میں داخل کرنا' ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج واپس لوٹانا' چاند چیرنا' کنکروں' پتھروں سے کلمہ پڑھوانا۔ یہ سب کچھ ملکوت میں تصرف ہی تو ہے۔ **عالم الغیب والشھادۃ** یہ عبارت علیحدہ جملہ ہے اور پوشیدہ ھو کی خبر ہے۔ غیب اور شہادت سے ساری چھپی اور کھلی چیزیں مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمام چھپی کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے' ہمیشہ سے جانتا ہے' ہمیشہ تک جانتا ہے **وھو الحکیم الخبیر** یہ بھی نیا جملہ ہے' حکیم سے مراد ہے حکمت والا کہ اس کے ہر کام میں حکمت ہے کوئی کام عبث نہیں۔ خبیر سے مراد ہے اپنے بندوں کے ہر کام پر مطلع عالم الغیب میں علم قدیم جسے علم فعلی کہتے ہیں وہ مراد ہے اور یہاں **الخبیر** میں علم حادث جسے علم انفعالی یا علم ظہور کہتے ہیں وہ مراد ہے لہٰذا آیت میں تکرار نہیں یا یوں کہو کہ خبیر کے معنی ہیں خبر والا یعنی سب کہ خبر ہر وقت رکھنے والا یعنی مخبر چنانچہ متعلقہ فرشتوں کو اس نے خبری دی ہوئی ہیں۔ ولیوں' نبیوں کو خصوصا" حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کی خبر دی ہے وہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ سے خبردار ہیں۔ یہ تعلیم الٰہی ہے لہٰذا **عالم الغیب والشھادۃ** حمد الٰہی ہے اور **وھو الحکیم الخبیر** نعت مصطفوی ہے۔

خلاصہء تفسیر : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ذکر ہے۔ خالق ہونا' قادر رہنا' مالک ہونا' عالم ہونا' حکیم و

حاکم ہونا خبیر ہونا چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ شان والا ہے جس نے سارے آسمانوں' ساری زمین کو اور آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا۔ مگر آہستگی سے کہ پہلے زمین پیدا کی' پھر آسمان' پھر زمین کو پھیلایا' پھر ان کی مخلوق کو پیدا فرمایا۔ کیونکہ یہاں رب تعالیٰ کے قانون کی جلوہ گری ہے' یہ دنیا قانونی مقام ہے۔ یہاں کے لئے آہستگی ہی مناسب ہے حتیٰ کہ بچہ آہستگی سے ترقی کرکے جواں ہوتا ہے کھیت میں نہایت آہستگی سے دانہ و پھل لگتے ہیں کیونکہ یہ جگہ پیدا ہونے' فنا ہونے کی ہے وہ دن بھی یاد کرو جب قیامت میں صرف کن کہہ کر ساری فناشدہ مخلوق کو یکدم پیدا فرمادے گا اس دن اس کے سارے فیصلے ہوں گے اور درست ہوں گے یا اس کے فیصلے اٹل ہوں گے' ناقابل اپیل۔ یا دنیا میں اس کے تکوینی احکام جو فرشتوں کے ذریعہ تم پر جاری کئے جاتے ہیں اور تم کو بتائے نہیں جاتے وہ بالکل درست بھی ہیں اور اٹل بھی۔ یا رب کے دنیا میں تشریعی احکام جو نبیوں کے ذریعہ تم کو بتائے جاتے ہیں بالکل درست و اٹل ہیں' یا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے فرمان جو ہمارے قول ہیں وہ بالکل درست ہیں غرضیکہ قولہ الحق کی پانچ تفسیریں ہیں۔ دو کا تعلق قیامت سے ہے۔ تین تفسیروں کا تعلق دنیا سے ہے جس دن فناشدہ مخلوق کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونکا جائے گا اس دن اللہ واحد قہار ہی کا ملک ہوگا وہی ہے کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا' وہی حکمت والا بھی ہے۔ تمہارے ہر کھلے چھپے تمہاری ہر حالت پر مطلع بھی کہ اس کے علم سے کوئی ذرہ' کوئی قطرہ باہر نہیں۔ خیال رہے کہ رب نے جہاں اپنی معرفت دوسری مخلوق کے ذریعہ کرائی ہے۔ وہاں فرمایا **خلق السموت والارض**۔ مگر جہاں اپنی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کرائی ہے وہاں خلق نہیں فرمایا بلکہ ارسل یا بعث فرمایا **ھو الذی ارسل رسولہ** یا **بعث فی الامین رسولا** اس فرق کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ دیگر مخلوق دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھی یہاں آکر سب کچھ بنی لہٰذا وہ دنیا کی مخلوق ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے سے پہلے سب کچھ تھے۔ **کنت نبیا" وادم بین الماء والطین**۔ آپ کا یہاں آنا گویا دفتر سے دوسرے دفتر میں آنا ہے اس لئے آپ یہاں کے سانچہ میں نہیں ڈھلے بلکہ دنیا کو اپنے سانچہ میں ڈھالا۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی مخلوق ماننا ایمان نہیں صرف توحید ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننا ایمان ہے وہاں چونکہ ایمان کی تعلیم ہے لہٰذا ارسل اور بعث ارشاد ہوا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کسی اور کو ایک ذرہ ایک قطرہ کا خالق مانے وہ مشرک ہے۔ یہ فائدہ **خلق السموات والارض** الخ سے حاصل ہوا۔ خالق' معبود' قدیم (ازلی) واجب الوجود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ کا کوئی کام اس کی کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں۔ ہم پر جو واردات گزرتی ہیں ان سب میں اس کی حکمت ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ **بالحق** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: دنیا میں چیزوں اور لوگوں کی پیدائش آہستگی سے ہوئی۔ کبھی زمین' کبھی آسمان' کبھی کوئی چیز پیدا ہوئی' کبھی کوئی اور چیز۔ ہم پہلے بچے تھے' پھر جوان اور بوڑھے ہوئے۔ کچھ لوگ پہلے چلے گئے' کچھ آئندہ آئیں گے' لیکن قیامت میں صرف کن سے تمام مخلوق پیدا ہو جائے گی یہ فائدہ **کن فیکون** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: مالک۔ قادر بعض بندے بھی ہیں مگر رب تعالیٰ کے مالک بنانے سے عارضی طور پر۔ خلق اور ملک میں بڑا فرق ہے۔ قیامت کے دن کوئی شخص کسی چیز کا عارضی مالک بھی نہ ہوگا۔ یہ فائدہ **لہ الملک یوم ینفخ فی الصور** سے حاصل ہوا جیسے عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ مگر اطاعت اللہ

تعالیٰ کی بھی ہوتی ہے اس کے رسول کی بھی اس کے قائم کردہ بادشاہوں اور علماء کی بھی۔ **اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم**۔ یونہی ازلی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اللہ کے حکم سے جنت دوزخ اور وہاں کے باشندے' وہاں کے ثواب و عذاب ابدی ہیں ازلی اور ابدی میں بڑا فرق ہے۔ پانچواں فائدہ: صور پھونکا جانا اس سے پہلی بار سب کا مرجانا دوسرے پھونکنے پر سب کا جی جانا بالکل حق ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں یہ فائدہ **ینفخ فی الصور** سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف نے بتایا کہ صور پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں آج بجلی کی گرج' بم کے دھماکے ایٹم بم سے شہر کے شہر فنا ہو جاتے ہیں وہ تو صور کا نفخہ ہے۔ لاہوری قادیانیوں نے صور پھونکنے کا بھی انکار کیا ہے اور اس آیت کی نہایت بیہودہ تاویل کی ہے کہ صور کوئی چیز نہیں بلکہ صور جمع ہے صورت کی بمعنی جسم۔ اس میں روح پھونک دینا نفخ صور ہے۔ دیکھو ان کی تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی لاہوری مرزائی یہ ہی مقام مگران عقل مندوں سے کوئی پوچھے کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ پہلی بار صور پھونکے جانے پر سب فنا ہو جائیں گے وہاں نفخ روح کے معنی کیسے درست ہوئے نیز قیامت کے دن تک لوگوں کے جسم تو گل سڑ کر مٹی ہو چکے ہوں گے پھر روح کس میں پھونکی جائے گی وہ گلے سڑے جسم کس چیز سے بنیں گے۔ بہرحال یہ تفسیر نہیں بلکہ قرآن کریم کی تحریف ہے۔ آج سانپ کی پھونک سے آدمی مرجاتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں فرشتہ کی پھونک سے بچہ زندہ ہو جاتا ہے۔ بزرگوں کی پھونک سے بیمار اچھے ہو جاتے ہیں۔ پھونک میں بڑی تاثیریں ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا زندہ ہونا کن فرمانے سے ہو گا اور اسی قرآن مجید میں ہے کہ صور پھونکنے سے ہو گا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ زندگی کن سے ملے یا صور پھونکنے سے۔ جواب: ہر زبان میں کچھ خاص محاورے ہوتے ہیں۔ ان محاوروں سے کلام سمجھا جاتا ہے جیسے ہماری اردو میں کہا جاتا ہے کہ یہ کام چٹکی بجاتے کردوں گا تو وہاں چٹکی بجانا مراد نہیں ہوتا بلکہ آسانی اور پھرتی سے کرنا مراد ہوتا ہے۔ یونہی عربی محاورہ میں کن سے آسانی سے اور جلدی کر دینا مراد ہے۔ چنانچہ یہاں کن فرمانے سے لفظ کاف نون بولنا مراد نہیں بلکہ کسی چیز کا چاہنا اس کا ارادہ فرمانا مراد ہے۔ ہر چیز کی موت و زندگی اللہ کے ارادے سے ہے۔ صور پھونکنا اس کا ظاہر سبب ہو گا۔ لہٰذا رب کا ارادہ ہر چیز کی علت ہے اور صور وغیرہ ظاہری سبب دیکھو۔ دنیا میں ہماری پیدائش اللہ کے ارادہ سے ہے مگر ماں باپ اس کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ موت اللہ کے ارادہ سے ہے مگر زہر یا بیماری اس کا سبب ہے۔ دوسرا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ جب رب نے اپنی معرفت آسمان و زمین وغیرہ کے ذریعہ سے کرائی تو خلق ارشاد فرمایا اور جب اپنی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے کرائی تو ارسل فرمایا یا بعث وہاں خلق کیوں نہیں ارشاد ہوا۔ چنانچہ کہیں ارشاد فرمایا **ھو الذی ارسل رسولہ**۔ کہیں فرمایا **ھو الذی بعث فی الامین رسولا** اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے؟ جواب: اللہ تعالیٰ کی معرفت دو طرح کی ہے ایک وہ معرفت جس سے توحید نصیب ہو دوسری وہ معرفت جس سے ایمان میسر ہو۔ دیگر مخلوقات کے ذریعہ جو معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے وہ توحید ہے ایمان نہیں اسی طرح حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف عبدیت' مخلوقیت بشریت وغیرہ کے ذریعہ رب کو ماننا توحید ہے ایمان نہیں کہ شیطان نے بھی کہا تھا **لم اکن لا سجد لبشر** اور کہا تھا **خلقتہ من طین**۔ پتہ لگا کہ وہ بھی حضرت آدم کی بشریت' مخلوقیت مانتا ہے مگر مومن نہیں اور رب کو حضور کی رسالت کے ذریعہ پہچاننا ایمان ہے اس لئے کلمہ میں پڑھا جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ یہ نہیں کہا جاتا محمد مخلوق اللہ یا محمد بشر وغیرہ یہاں رب نے توحید سکھائی ہے وہاں ایمان سکھایا۔ تیسرا اعتراض: دنیا میں ہم

لوگ آہستگی سے کیوں آئے 'کوئی کبھی 'کوئی کبھی اور وہاں یکدم کیوں زندہ ہو جائیں گے اس میں حکمت کیا ہے۔ **جواب:** اس فرق میں صدہا حکمتیں ہیں دنیا کی زندگی محدود وفانی ہے۔ مگر دنیا کو قیامت تک باقی رکھنا ہے اگر سب آدمی یکدم پیدا کر دیئے جاتے اور سو برس کے بعد فنا کر دیئے جاتے تو دنیا قیامت تک باقی کیسے رہتی اس زندگی کے لئے فنا نہیں سب یکدم پیدا ہو کر ابد الاباد تک زندہ رہیں گے لہذا وہاں یکدم پیدا فرمادینا حکمت کے خلاف نہیں نیز یہ زمین محدود ہے یہاں انسانوں 'جانوروں کو بھی رکھنا ہے۔ اور اسی زمین سے ان کی غذائیں بھی پیدا کرنا ہیں اگر سب لوگ یکدم پیدا کر دیئے جاتے تو زمین میں انسانوں کی ہی گنجائش نہ ہوتی کھیتی باڑی کہاں ہوتی۔ وہ زمین نہایت ہی وسیع ہے اور وہاں میدان قیامت میں کھیتی باڑی بھی نہیں کرنا ہے۔ لہذا وہاں یکدم پیدا فرمادینا خلاف حکمت نہیں نیز دنیا عمل کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعے مختلف اعمال لوگوں سے کرانے تھے پہلے نبوت کے آسمان پر تارے کھلانے تھے پھر آخر میں نبوت کا سورج چمکانا تھا۔ اگر سب لوگ یکدم پیدا کر دیئے جاتے تو تارے اور سورج کے چمکنے کی کیا صورت ہوتی۔ وہاں عمل ہے ہی نہیں 'وہاں تو سزا و جزا کا حکم سنانا ہے۔ اس کے لئے یکدم سب کا زندہ ہو جانا خلاف حکمت نہیں اور بھی صدہا حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے **قولہ الحق** کی پانچ تفسیریں کیں جن میں سے ایک تفسیر یہ کی کہ قیامت میں اللہ کے فیصلے اٹل اور ناقابل اپیل ہیں۔ مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں رب کے احکام کی اپیل ہو گی۔ بعض لوگوں کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ہو جائے گا مگر بعد میں شفاعت سے معافی ہو جائے گی وہ احادیث اس فرمان الٰہی کے خلاف ہیں۔ **جواب:** وہ شفاعتیں اپیل نہ ہوں گی بلکہ رحم کی درخواستیں جو خود بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گی۔ پہلا فیصلہ عدل الٰہی کا ہو گا۔ دوسرا فیصلہ شفاعت کی برکت سے اس کریم کے فضل کا ہو گا جو وہ خود ہی صادر فرمائے گا گویا نوعیت فیصلہ میں فرق ہو گا عدل اور فضل کا۔ اپیل تو یہ ہے کہ اوپر والا حاکم نیچے والے حاکم کا فیصلہ رد کر دے (نعوذ باللہ) یہ وہاں ناممکن ہے جیسے ہم بیمار ہوئے اور دوا کی برکت سے شفایاب ہو گئے تو دوا نے رب کا حکم بدل نہیں دیا بلکہ رب نے ہی دوا کے ذریعہ فضل کر دیا شفاعت روحانی دوا ہے لہذا اس آیت میں اور احادیث میں تعارض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** صور کی پہلی پھونک سے اگر ہر چیز فنا ہو گی تو جو پہلے فنا ہو چکے ہیں وہ کیسے فنا ہوں گے نیز کیا اس سے خود صور اور صور پھونکنے والے فرشتے کی بھی فنا ہو گی یہ تو ناممکن ہے۔ **جواب:** جو لوگ اس وقت زندہ ہوں گے وہ اس سے مر جائیں گے۔ جو چیزیں اس وقت موجود ہوں گی وہ فنا ہو جائیں گی۔ پہلے مرے ہوئے لوگ اس وقت بیہوش ہو جائیں۔ رب فرماتا ہے **و نفخ فی الصور و فصعق من فی السموات و من فی الارض۔** صعق بیہوشی کو کہتے ہیں۔ نیز خود صور اور حضرت اسرافیل۔ حاملین عرش فرشتے صور سے نہ فنا ہوں گے بلکہ ان سے رب فرمائے گا فنا ہو جاؤ تو فنا ہوں گے اس لئے اس آیت کے آخر میں ہے۔ الا ما شاء اللہ 'یہ چیزیں الا ما شاء اللہ میں داخل ہیں مگر چونکہ حکم ربی ہے **کل من علیها فان** اور منشاء الٰہی ہے **کل نفس ذائقة الموت** لہذا ان سب کا بھی فنا ہونا ضروری ہے۔ **چھٹا فائدہ:** دوسرے نفخہ سے سب زندہ ہوں گے تو خود صور اور حضرت اسرافیل جو فنا ہو چکے ہیں وہ کس چیز سے زندہ ہوں گے۔ **نوٹ:** اس قسم کے واہیات اعتراضات دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب میں کئے ہیں اور کہا ہے کہ ان کا جواب مسلمان سات جنم تک نہیں دے سکتے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جو چیزیں صور سے فنا یا بیہوش ہوں گی وہی چیزیں صور سے اٹھیں گی اور جو چیزیں حکم الٰہی سے فنا ہوں گی وہ حکم الٰہی سے ہی اٹھیں گی۔ یہاں جو فرمایا **و یوم کن فیکون** اس میں اسی جانب اشارہ ہے کہ بعض چیزوں کا

زندہ ہونا کن سے ہے۔ باقی کا صور سے پنڈت جی کا یہ اعتراض تنکوں کی طرح اڑ گیا۔ پنڈت جی اپنے اواگون (تناسخ) کی خیر منائیں کہ وہ کسی طرح درست نہیں ہو تا دیکھو اسی تفسیر کا پہلا پارہ اسلامی قوانین نہایت ہی پختہ ہیں۔ ساتواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن اللہ تعالیٰ کا ملک ہو گا تو آج ملک کس کا ہے' آج بھی وہ مالک الملک ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ آج بظاہر لوگوں کا ملک ہے۔ اگرچہ مجازی ہی سہی کہا جاتا ہے پاکستان ہمارا ملک ہے ہندوستان ہندوؤں کا' یہ ہمارا گھر ہے یہ تمہارا' یہ ہماری چیز ہے وہ تمہاری' مگر اس دن ہمارا ختم ہو چکا ہو گا۔ اللہ کے سواء کسی کا کچھ نہ ہو گا للذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس دن کوئی کسی چیز کا مالک نہ ہو گا مگر جنتی لوگ اپنے رقبہ کے مالک دائمی ہوں گے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ جواب: یہاں قیامت کا ذکر ہے جنت کا مالک ہونا وہاں کے داخلہ کے بعد ہو گا جو قیامت کے بہت عرصہ بعد ہو گا للذا آیت کریمہ بالکل درست ہے قیامت کے اول وقت تو کسی کے جسم پر کپڑا بھی نہ ہو گا یہ بھی بعد میں ملے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کما بدانا اول خلق نعیدہ جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا ویسے ہی پھر اٹھائیں گے۔ نواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ صور کے پہلے پھونکنے پر دنیا فنا ہو گی اور دوسری پھونک پر جسموں میں روح پھونکی جائے گی تو فنا شدہ بلکہ ریزہ ریزہ شدہ جسم کس طرح بنیں گے ان کے لئے کون سا نفخہ ہو گا (آریہ)۔ جواب: جیسے صور کا پہلا نفخہ بہت دیر تک رہے گا اولاً اس کی آواز سے گھبراہٹ ہو گی' پھر جانداروں کی موت' پھر پہاڑ' بلکہ زمین و آسمان تہ و بالا ہو جائیں گے۔ پھر سب کچھ فنا ہو جائے گا حتی کہ بعض لوگوں نے اس ایک نفخہ کو دو مانا ہے' ایک بیہوش کر دینے والا دوسرا فنا کرنے والا مگر وہ ہے ایک ہی۔ اسی طرح دوسرا نفخہ بہت دیر تک رہے گا۔ اولاً اس کی آواز سے زمین و آسمان کی پیدائش ہے۔ پھر جانداروں کے جسموں کے ریزوں کی چھانٹ کہ کسی دوزخی کا ریزہ جنتی کے جسم میں نہ آنے پائے گا اور جنتی کا دوزخی کے جسم میں بلکہ کسی جسم کا ریزہ دوسرے جسم میں شامل نہ ہو گا۔ پھر ان ذروں کے جمع ہو چکنے پر جسم کے اپنی حالات میں تبدیلی' پھر جان پھونکنا سب کچھ ایک ہی نفخہ سے ہو گا۔ رب تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں۔ آج ڈاک خانہ والے ڈاک جمع کر کے ان کی چھانٹ اس قدر جلد کرتے ہیں کہ حیرت ہو جاتی ہے۔ ہر خط اپنے ٹھکانہ پر پہنچتا ہے۔ جب جانے والی' آنے والی ڈاک کی چھانٹ بندے اتنی جلدی کر لیتے ہیں تو وہاں تو رب تعالیٰ کی قدرت سے چھانٹ ہے اس کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چڑیوں اور حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کو دوبارہ زندہ کرنے پر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نبیوں کو یہ چھانٹ کر کے اجسام بنا کر زندہ کر کے دکھا دیا اس پر اعتراض در حقیقت رب تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے۔ آج کھیت میں بوئے ہوئے مختلف بیج پیٹ میں گئی ہوئی غذا کی چھانٹ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ ہے اس علیم و قدیر و خبیر کی چھانٹ۔ دسواں اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ نے لوگوں کو ملک بھی بخشا اور ملک بھی بخشی مگر برزخ اور محشر میں کسی کی ملک کوئی چیز نہ ہو گی۔ جواب: وجہ یہ ہے کہ عالم ارواح' برزخ' قیامت میں انسانوں کو نہ تو کھانے پینے کی حاجت ہے نہ یہ مقام اعمال کرنے کے ہیں للذا انہیں یہاں کچھ ملک اور ملک نہیں دیئے گئے مگر دنیا کی زندگی میں کھانا پینا بھی ہے اعمال کمانا بھی کھیتی میں کاشت کرنا بھی اس لئے رب نے یہاں ملک بھی بخشے اور ملک بھی مگر عارضی اور محدود تاکہ ان کے ذریعہ لوگ اعمال کر سکیں۔ جیسے جب آقا اپنے غلام سے کاشتکاری کرائے تو اسے ہل بیل' پانی سینچنے کے آلے اور زمین ضرور دے گا۔ ورنہ وہ کاشت نہیں کر سکتا چونکہ اعمال صرف ظاہری ملک کے ذریعہ کئے جا سکتے ہیں۔ باطنی ملک کی ضرورت نہیں اس

لئے یہاں ہم کو ملک دیا گیا ملکوت نہیں عطا ہوا۔

تفسیر صوفیانہ : رب کی ذات و صفات کا ماننا ایمان کا پہلا رکن ہے۔ مگر وہ ایسا نادیدہ ہے کہ کوئی دیدہ (آنکھ) اسے دیکھ نہیں سکتی **لا تدرکہ الابصار** اب اس کے ماننے کی یہی سبیل ہے کہ اس کی عظمت والی مخلوق کو ان کی عظمتوں کو جانا جائے پھر یہ مانا جائے کہ ان عظیم الشان چیزوں کا خالق اللہ ہے۔ جس کی مخلوق ایسی عظیم الشان ہے تو بتاؤ کہ خالق کیسی شان والا ہو گا۔ عالم اجسام میں آسمان و زمین بڑی شان والی مخلوق ہیں ان کے ذریعہ خدا کی پہچان کرائی گئی۔ جیسے سجدہ کرنا تھا خدا کو مگر سجدے میں مسجود کا سامنے ہونا ضروری ہے کہ سجدہ کے معنی ہیں کسی کے آگے سر زمین پر رکھنا۔ رب تعالیٰ ہمارے سامنے آنے سے پاک ہے تو اس نے کعبہ معظمہ کو جو اس کی شاندار مخلوق ہے۔ ہمارے آگے کر دیا کہ اس کی طرف سجدہ کر لینا ہم کو سجدہ ہو جائے گا۔ یونہی ایمان کے لئے رب کا ماننا ضروری تھا مگر وہ ہماری نگاہ و نظر سے وراء ہے تو اس نے اپنے مقبول بندے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر فرمایا کہ ان کی اطاعت کر لو۔ ہماری اطاعت ہو جائے گی **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** کعبہ قبلہء سر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہء دل کعبہ قبلہء اسلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہء ایمان اس قاعدے سے یہاں یوں سمجھو کہ اللہ کے بعض بندے فیض دینے والے ہیں۔ جیسے حضرات انبیاء و اولیاء اور بعض بندے فیض لینے والے جیسے ہم لوگ۔ فیض رساں بندے گویا آسمان ہیں اور فیض لینے والے بندے گویا زمین ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے اس نے جسے جو کچھ بنایا اپنے علم سے بنایا کن سے بنایا جسے فرما دیا **کن ولیا** وہ ولی ہو گیا جسے فرمایا **کن نبیا** وہ نبی ہو گیا جسے فرمایا **کن مومنا** وہ مومن ہو گیا۔ جیسے صور پھونکنے پر سارے مردے زندہ ہو جائیں گے اسی طرح حضرات انبیاء اولیاء کے دم یا نظر گویا صور اسرافیل ہیں۔ جس سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں بلکہ حضرت ابراہیم کی آواز سے تو مردہ جانور زندہ ہوئے۔ حضرت عزیر کی پکار پر مردہ گدھے کی سفید ہڈیاں زندہ ہو گئیں اسی طرح ان کی آواز ان کے فیضان سے عرصہ کے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں۔ فرعونی جادوگر فیضان موسوی سے دم کی دم میں مومن صحابی، صابر، شہید بن گئے۔ پھر جس دل کو حضرات اولیاء کا دم زندہ کر دے اس پر شیطان یا نفس امارہ کی حکومت نہیں رہتی وہ اللہ واحد قہار کا ملک بن جاتا ہے اس دل میں اللہ کی حکومت جناب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہوتا ہے یہ ہیں معنی **و لہ الملک یوم ینفخ فی الصور** کے اللہ کرے ہمارے مردہ دلوں پر کسی ولی کا دم پہنچ جائے۔ جس دل کو ولی کی نگاہ زندہ کر دے وہ کبھی مردہ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ساز و اسرافیل روزے نامہ را	جاں دہد بوسیدۂ صد سالہ را
اولیاء را در دروں ہم نغمہا است	طالباں رازاں حیات بے بہا است
نشنود آں نغمہا را گوش حس	کز ستمہا گوش حس باشد نجس
ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء	مردہ را زیشان حیاتست و نما
نغمہائے اندرون اولیاء	اولا گوید کہ اے اجزاء لا
ہیں زلائے نفی سرہا برزنید	این خیال و وہم یکسو افگنید
اے ہم بوسیدہ در کون و فساد	جاں باقیاں نروئیدو نزاد

سبحان اللہ ان اشعار نے پردے اٹھا دیئے۔ یعنی اولیاء زمانہ وقت کے اسرافیل ہیں۔ جو صدیوں کے مردوں کو جان بخشتے ہیں۔ اولیاء کے یہ نغمے برابر عالم میں جاری ہیں مگر ان کے سامنے والے کوئی کوئی کان سنتے ہیں۔ جو سن لیتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات پہلے تو لاالہ کی تلوار سے وہم و خیال وسوسوں کے سر قلم کر دیتے ہیں پھر الا اللہ سے قلب و قالب کو دائمی زندگی بخش دیتے ہیں وہ زندگی جسے کبھی فنا نہیں اللہ اس قال کو حال کر دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شریعت بھی خدا رسی کا ذریعہ ہے اور طریقت بھی مگر شریعت میں قانونی طور پر راستہ طے ہوتا ہے یعنی نہایت آہستگی سے کیونکہ اس میں اپنے قدم سے چل کر جانا ہوتا ہے مگر طریقت میں یہ راستہ آن کی آن میں طے ہو جاتا ہے کہ اس میں رب کی طرف سے بلانا ہوتا ہے۔ اس میں قدرت خداوندی کا ظہور ہوتا ہے وہاں کن فیکون کی جلوہ گری ہوتی ہے یہ آیت شریعت و طریقت دونوں کی جامع ہے یوم یقول الخ میں طریقت کی جانب اشارہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قولہ الحق میں اللہ کے قول سے مراد وہ قول کلام ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ شریف سے نکلتا ہے وہ بالکل یعنی درست بھی ہے اور حق یعنی اٹل بھی ہے جسے کوئی شے مٹا نہیں سکتی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ

اور جب فرمایا ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) آزر سے کیا بناتے ہو تم بتوں کو معبود بیشک دیکھتا ہوں تم کو اور تمہاری

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو۔ بیشک میں تمہیں اور تمہاری

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

قوم کو ظاہر گمراہی میں اور یوں ہی دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو سلطنت آسمانوں اور زمینوں کی

قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝

اور تاکہ ہو جاویں وہ یقین والوں میں سے

زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جاوے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بت پرستی کی برائی عقلی دلائل سے بیان ہوئی اب یہی دونوں چیزیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوات والتسلیمات کے ارشادات آپ کی تعلیمات سے بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب یہود و نصاریٰ سب ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتے تھے اور اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے۔ بلکہ اپنے ابراہیمی ہونے پر فخر کرتے تھے۔ گویا توحید کے عقلی دلائل بیان فرمانے کے بعد اس کے نقلی دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ دوسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ بت پرست مشرکین جنگل میں گم شدہ حیران آدمی کی طرح ہیں جس سے معلوم ہوا تھا کہ مومن کو اطمینان میسر ہے اب اس دعویٰ کی دلیل بتائی جا رہی ہے کہ مشرکین کے ہاتھ میں نہ تو کلام نہیں اس لئے وہ حیران ہیں مومنین کے ہاتھوں میں حضرات انبیاء خصوصاً جناب

ابراہیم علیہ السلام کا دامن ہے لہٰذا انہیں اطمینان میسر ہے۔ گویا پچھلی آیات میں کفار کی حیرانی پریشانی کا دعویٰ تھا اب اس کی وجہ 'اس کی دلیل کا بیان ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت 'اس کی صفات کے ذریعہ کرائی گئی تھی کہ وہ خالق ہے 'وہ مالک ہے 'وہ عالم ہے 'وہ حکیم ہے 'وہ خبیر ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت 'اپنے نبی جناب ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ کرائی۔ گویا توحید کا ذکر پہلے تھا۔ ایمان کا ذکر اب ہے اللہ تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ پہچاننا ایمان ہے اور ایمان ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** ابھی اس آیت سے متصل فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے خبیر بھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کی تعلیم اس کی عطا سے اس کے بعض بندے حکیم بھی ہیں اور خبیر بھی۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے گندے ماحول میں پیدا ہوئے کہ ہر طرف سے کفر میں گھرے ہوئے تھے۔ مگر آپ کے دامن پر کفرو شرک کا دھبہ تک نہ لگ سکا۔ اول سے ہی آپ نے بت پرستی کی تردید ہی فرمائی کیونکہ ہم نے انہیں حکیم بھی بنایا تھا خبیر بھی۔ گویا حمد الٰہی کے بعد نعت خلیلی کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ نعت رسول حمد الٰہی کا تکملہ ہوتی ہے۔ جیسے نمک کے بغیر چاول گوشت گھی وغیرہ سب بیکار ہے ایسے ہی نعت نبی کے بغیر سارے ذکر بیکار ہیں۔

تفسیر : واذ قال ابراھیم۔ یہ عبارت یا تو معطوف ہے **اندعوا من دون اللہ** پر اور قل کا مفعول بہ ہے۔ تو یہ واؤ عاطفہ ہے یعنی اے محبوب آپ مشرکین سے وہ بات بھی کہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بھی کہو یا یہ نیا جملہ ہے اور یہاں **اذکروا** یا **اذکر** پوشیدہ ہے اس صورت میں واؤ ابتدائیہ ہے یعنی اے محبوب یہ بات ان مشرکین کو یاد دلاؤ۔ جب جناب خلیل نے یہ کہا تھا یا اے مشرکو وہ واقعہ یاد کرو۔ خیال رہے کہ مومنوں کو حکم ہے کہ ماضی میں انبیاء 'اولیاء 'مومنین کے کام ان کے افعال یاد رکھیں تا کہ انہیں عبادات کا شوق ہو۔ یونہی ماضی کے کفار 'ان کے کام 'ان کے عذاب یاد رکھیں تا کہ دلوں میں رب کا خوف پیدا ہو۔ زمانہ حال کی نعمتیں جو بارش کی طرح برس رہی ہیں یاد رکھیں تا کہ شکر کا شوق ہو۔ آئندہ موت 'قبر 'حشر کو یاد رکھیں غرضیکہ تینوں زمانوں کی باتیں یاد رکھیں یہاں گزشتہ زمانہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے واقعات یاد رکھنے کا حکم ہو رہا ہے۔ یاد رکھنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ یاد قولی 'یاد عملی۔ یاد قولی زبان سے چرچا کرنا۔ یاد عملی ان کے سے اعمال کر کے ان کی یاد تازہ رکھنا۔ ارکان حج حضرت ابراہیم و دیگر نبیوں کی عملی یاد ہے اور یاد فعلی کوئی ایسی نشانی قائم کرنا ہے جس سے ان کی یاد تازہ رہے۔ جیسے چاہ زمزم یا مقام ابراہیم کا قائم رکھنا۔ یاد فعلی ہے میلاد شریف 'عرس بزرگان۔ یہ سب یاد منانے کا ذریعہ ہیں۔ قول سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ تبلیغی فرمان ہے جو آپ نے اپنے عزیزوں سے اور ان کی معرفت ساری قوم سے کیا۔ ابراہیم کے لفظی معنی اور آپ کے تاریخی حالات آپ کی ازواج و اولاد وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کرو **ولابیہ ازر** اس عبارت کا تعلق قال سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطاب تو آزر سے کیا مگر سنایا ساری قوم کو۔ آزر تمام مشرکوں کا سردار تھا اس کے درست ہو جانے سے دوسروں کے درست ہو جانے کی امید تھی اس لئے بھی نیز پہلے اپنے گھر سے تبلیغ شروع کی جائے پھر دوسروں کے درست ہو جانے کی امید تھی اس لئے بھی۔ نیز پہلے اپنے گھر سے تبلیغ شروع کی جائے پھر دوسروں کو اس وجہ سے آپ نے آزر سے خطاب کیا۔ خیال رہے کہ عربی میں اب اور والد دونوں کے معنی ہیں۔ باپ 'مگر اب عام ہے کہ سگے باپ کو بھی اب کہتے ہیں اور سوتیلے باپ 'دادا 'چچا 'بلکہ سارے اصول خاندان کو بلکہ استاد کو 'بلکہ شیخ کو 'بلکہ مربی کو بھی اب کہہ دیتے ہیں۔ دیکھو **لا تنکحوا ما نکح اباء کم** یہاں اباء سے مراد سارے اصول

ہیں۔ باپ دادا، پردادا کہ ان سب کی منکوحہ بیویاں ہم پر حرام ہیں اٰباٰئکَ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق یہاں اٰباء میں چچا بھی داخل ہیں۔ حضرت اسماعیل جناب یعقوب کے چچا تھے۔ ما وجدنا علیه اٰباء نا میں اٰباء سے مراد استاد بھی ہیں۔ سرکار نے فرمایا ردو الی ابی میرے باپ عباس کو میرے پاس لاؤ۔ یہاں اب سے مراد چچا ہے۔ بہرحال اب بہت عام ہے۔ مگر والد اکثر سگے باپ کو کہتے ہیں۔ و بالوالدین احسانا۔ یونہی لفظ ام عام ہے سگی ماں، سوتیلی ماں دودھ کی ماں۔ دادی، نانی، چچی، ساس سب کو ام کہہ دیتے ہیں۔ دیکھو امھاتکم التی ارضعنکم میں دائی دودھ پلانے والی کو ام فرمایا۔ حرمت علیکم امھاتکم میں سگی ماں، سوتیلی ماں، دادی، نانی کو ام فرمایا۔ مگر والدہ عموماً" سگی ماں کو کہتے ہیں۔ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین یا جیسے و برا و بالوالدین جب یہ سمجھ لیا تو سمجھو کہ قرآن کریم نے ہر جگہ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اب فرمایا ہے کہیں والد نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ آپ کا سگا باپ نہ تھا، کون تھا، اس میں گفتگو ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفی میں۔ مفردات امام راغب نے تفسیر کبیر نے، تفسیر روح المعانی وغیرہ نے فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ آزر بت پرست تھا۔ آپ کے والد کا نام تارح ہے جو مومن موحد تھے۔ تفسیر ابن کثیر نے بھی یہی کہا۔ بعض نے فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی اور خاندانی بزرگ تھا۔ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارح ہے۔ ماں کا نام روح المعانی نے فرمایا کہ متلی ہے۔ تفسیر ابن کثیر نے کہا کہ شانی ہے۔ مقام پیدائش کوتی ہے۔ (کوفہ کے پاس ایک بستی)۔

اس کے دلائل : علماء محققین نے اس دعویٰ پر چند دلیلیں بیان فرمائیں۔ (1) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کی جو قبول ہوئی رد نہ ہوئی۔ رب تعالیٰ نے ان کی دعا یوں نقل فرمائی۔ ربنا اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب۔ خیال رہے کہ یہاں والدی ہے ابی یا ام نہیں ہے اور اس کی تردید کا ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ دعا قبول ہوئی، ان کی بخشش ہو گئی۔ آزر کے متعلق ارشاد ہے و اغفرلی لابی انه کان من الضالین۔ یہاں یہ دعا آزر چچا کے لئے ہے۔ یہاں اب ارشاد ہوا اس دعا کی تردید دوسری جگہ قرآن کریم میں یوں ہے۔ وما کان استغفار ابراھیم لابیه الا عن موعدة وعدھا ایاہ فلما تبین له انه عدو للہ تبرا منه۔ یعنی حضرت ابراہیم کا اپنے چچا آزر کے لئے دعاء مغفرت کرنا اس لئے تھا کہ آزر نے آپ سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جب وہ کفر پر مر گیا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ دیکھو یہاں لفظ اب ہے بمعنی چچا۔ (2) آزر کی موت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے ہوئی۔ چنانچہ ابن منذر نے بسند صحیح حضرت سلیمان ابن صرد سے روایت کی کہ جب نمرود کی آگ حضرت خلیل پر گلزار ہوئی تو آزر بولا یہ میری برکت سے گلزار ہوئی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ ایک شعلہ اس پر پڑا اور وہ وہاں ہی راکھ کا ڈھیر ہو گیا (روح المعانی)۔ اور حضرت ابراہیم کے والدین کے لئے دعاء مغفرت بعد ہجرت فلسطین پہنچ کر بلکہ اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ہوئی۔ دیکھو سورہ ابراہیم چھٹا رکوع وہاں ارشاد ہے کہ جب آپ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو بیت اللہ کے پاس چھوڑ کر چلے تب چند دعائیں مانگیں۔ جن میں ایک یہ تھی۔ ربنا اغفرلی ولوالدی۔ معلوم ہوا کہ یہ دعا آزر کی موت سے بہت بعد ہے۔ لہٰذا یہ دعا آزر کے لئے نہیں بلکہ تارح کے لئے ہے۔ (3) قرآن کریم فرماتا ہے۔ لقد جاء کم رسول من انفسکم۔ بعض قراۃ میں انفس ف کے فتحہ سے ہے۔ یعنی یہ رسول نفیس ترین جماعت سے پیدا ہوئے۔ معلوم ہوا کہ از آدم تا حضرت عبداللہ سارے لوگ نفیس تھے کوئی خسیس نہ تھا اگر آزر جناب ابراہیم علیہ السلام کا اب ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو گا اور کافر خسیس

ہے' خبیث ہے' نجس ہے۔ وہ اس سید الطاہرین امام المجوبین کے طیب و طاہر نسب میں کیسے آسکتا ہے۔ (4) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **لم ازل انقل من اصلاب الا طاهرین الی ارحام الطاهرات**۔ میں ہمیشہ پاک پیٹھوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہو تا رہا ہوں معلوم ہوا کہ از آدم تا حضرت عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے دادے 'دادیاں' نانے' نانیاں پاک ہیں اور مشرک نجس ہو تا ہے۔ **انما المشرکون نجس** پھر آزر کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں کیسے جگہ مل سکتی ہے (روح المعانی)۔ (5) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و تقلبک فی السجدین** اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عابدین' ساجدین میں منتقل ہو تا ہوا دیکھ رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے دادے' دادیاں مومنین ساجدین ہیں۔ انہی سے کسی نے بت کو سجدہ نہ کیا۔ (6) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سخت گفتگو ہی بتا رہی ہے کہ آزر آپ کا باپ نہیں کیونکہ ماں باپ اگرچہ کافر ہوں مگر ان سے گفتگو نرم اور تبلیغ نرمی سے کرنی چاہئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تقل هما اف ولا تنهرهما و قل لهما قولا کریما** (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف کفر' شرک اور زنا سے پاک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کل اکیاون حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں آتے ہیں جن میں سے تیس میں اختلاف ہے باقی اکیس میں اتفاق۔ ان میں چھ حضرات نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسب نامہ جو تفسیر روح البیان میں ہے وہ یوں ہے۔

نسب الرسول : حضرات آدم علیہ السلام۔ (2) شیث۔ (3) انوش۔ (4) قینان۔ (5) مہلائیل۔ (6) یرد۔ (7) ادریس علیہ السلام۔ (8) متوشلخ۔ (9) لمک۔ (10) نوح علیہ السلام۔ (11) سام۔ (12) ارفخشد۔ (13) شالخ۔ (14) عابر۔ (15) فالخ۔ (16) ارغو۔ (17) شاروخ۔ (18) ناحور۔ (19) تارح والد حضرت ابراہیم۔ (20) ابراہیم علیہ السلام۔ (21) اسماعیل علیہ السلام۔ (22) قیدار۔ (23) حمل۔ (24) بنت۔ (25) سلامان۔ (26) نجب۔ (27) یعوب۔ (28) ہمیسع۔ (29) یسع۔ (30) ادو۔ ان حضرات میں قدرے اختلاف ہے۔ متفق علیہ نام یہاں سے شروع ہوتے ہیں۔ (1) عدنان۔ (2) معد۔ (3) نزار۔ (4) مضر۔ (5) یاس۔ (6) مدرکہ۔ (7) خزیمہ۔ (8) کنانہ۔ (9) نضر۔ (10) مالک۔ (11) فہر۔ (12) غالب۔ (13) لوی۔ (14) کعب۔ (15) مرہ۔ (16) کلاب۔ (17) قصی۔ (18) عبد المناف۔ (19) ہاشم۔ (20) عبد المطلب۔ (21) عبد اللہ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کل اکیاون نام ہیں جن میں سے کوئی مشرک' کافر' زانی نہیں۔ سب مومن موحد متقی ہیں۔ ان میں کل چھ نبی ہیں۔ حضرت آدم' شیث' ادریس' نوح' ابراہیم' اسماعیل علیہم السلام (روح البیان یہی مقام) باقی سارے نورانی لوگ ہیں۔ آزر یا تو عجمی نام ہے تو عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے یا عربی وصف ہے تو وزن فعل اور وصف کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ تب آزر بنا ہے۔ ازر یا وزر سے بمعنی عیب۔ گناہ' ٹیڑھا پن چونکہ آزر بت پرست بھی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دشمن بھی اس لئے اسے آزر کہتے ہیں۔ یعنی یہی' ٹیڑھا دیکھو تفسیر صاوی اور کبیر۔ روح المعانی وغیرہ قدرت نے ابراہیم اور آزر کے نام ہی ایسے رکھوائے جن سے ان کے کاموں کا پتہ لگ گیا۔ آزر ٹیڑھا رہا اور جناب ابراہیم اب رحیم یعنی سب کے مہربان باپ ہوئے' سارے نبیوں کے والد تو ان کی امتوں کے بھی والد۔ مہربان ایسے کہ کفار کو بھی بددعا نہ دی بلکہ فرمایا **و من عصانی فانک غفور الرحیم**۔ نام کا اثر نام والے میں ہو تا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے دیکھ لو دنیا ان کی حمد کر رہی ہے والد پاک

کا نام آمنہ ہے تو وہ ایمان 'امان' امانت کا مرکز ہیں۔ اتتخذ اصناما الھتہ۔ یہ عبارت قال کا مقولہ ہے اس میں یہ سوال انکار یا تعجب یا حقارت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ اتتخذ میں الف سوال و استفہام کا ہے اور سوال تعجب کا ہے یعنی تعجب ہے کہ تو نے میری شکل دیکھی' میرا کلام سنا' میرے اطوار اعمال دیکھے' پھر بھی تو بت تراش رہا۔ نبی کا نام کام سب ہادی ہوتے ہیں یہ حضرات ہدایت کا مرکز ہوتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ تعجب ہے کہ تو میرا عزیز ترین رشتہ دار ہو کر بت تراش۔ نبی کے عزیز و اقارب کو چاہئے کہ پہلے وہی ایمان لائیں' لوگوں کو ایمان دیں' آج بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نبی کی اولاد ہیں' ہم کو ایمان و اعمال کی ضرورت نہیں۔ غلط ہے انہیں زیادہ ضرورت ہے اتخاذ کے معنی ہیں بنانا' گھڑنا۔ اس کا پہلا مفعول اصنام ہے دوسرا مفعول الھتہ۔ اصنام جمع ہے صنم کی' صنم اور وثن کسی جاندار کے مجسمہ کو کہتے ہیں' فوٹو کو صنم یا وثن نہیں کہتے یعنی اے آزر کیا تو میرے پاس رہتے ہوئے میری تعلیم دیکھتے ہوئے بھی بتوں کو اپنا معبود سمجھتا ہے۔ افسوس بھی ہے اور تعجب بھی یعنی تو بناتا ہے اور یہ بت بنتے ہیں۔ تعجب ہے کہ تو بنانے والا تو بندہ ہو گیا اور یہ بننے والے بت معبود یا رب بن جائیں تجھے اتنی سمجھ نہیں۔ سبحان اللہ کیسی پیاری دلیل ہے۔ پھر بچپن شریف میں۔ انی اراک و قومک فی ضلال مبین۔ اریٰ بنا ہے رویت سے بمعنی دیکھنا خواہ آنکھ کا دیکھنا ہو یا دل کا دیکھنا یعنی سمجھنا یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں سمجھتا ہوں تو بڈھا ہو کر ہدایت و گمراہی میں فرق نہیں کرتا میں کمسن ہو کر یہ فرق کر رہا ہوں۔ حضرات انبیاء ہمارے قلب و روح کا ایکسرے کر کے ہم کو ہماری حقیقت دکھا دیتے ہیں۔ قوم سے مراد ہے دینی قوم' نسبی یا ملکی یا پیشہ کی قوم مراد نہیں۔ ضلال سے مراد ہے کفر و شرک مبین سے مراد ظاہر ظہور یعنی میں تجھے اور تیرے ہم مذہب سارے بت پرستوں کو ایسی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں جو بالکل ظاہر ظہور گمراہی ہے اس میں کوئی تردد نہیں۔ و کذالک نری ابراھیم۔ یہ نیا جملہ ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کما اریناہ ذالک۔ نری میں رویت سے مراد ہے آنکھ سے دکھانا یعنی جیسے ہم نے حضرت ابراہیم کو ان بد عقیدگیوں کا کفر و شرک ہونا بتا دیا ایسے ہی ہم نے انہیں یہ آنکھوں سے دکھا دیا۔ ملکوت السموات والارض یہ نری کا دوسرا مفعول ہے۔ ملکوت مصدر ہے جیسے رغبوت اور رہبوت اس میں ت زائدہ ہے مبالغہ کے لئے اس کے معنی ہیں پوری ملکیت' پورا قبضہ ظاہری چیزوں کی ملکیت ملک ہے۔ باطنی چیزوں کی ملکیت ملکوت (صاوی) جسم پر حکومت ملک ہے' روح پر حکومت ملکوت ظاہری' زمین پر حکومت ملک ہے' زمین و آسمان کے اندرون پر حکومت ملکوت ہے چنانچہ آپ کو ایک چٹان پر کھڑا کیا گیا اور فرمایا گیا اوپر کو دیکھو تو عرش و کرسی' لوح و قلم۔ وہاں کی ساری مخلوق نظر آ گئی۔ حکم ہوا نیچے کو دیکھو تو تحت الثریٰ تک کا ذرہ ذرہ دیکھ لیا اس میں یہی بات فرمائی گئی ہے۔ و لیکون من الموقنین۔ یہاں بھی ایک بات پوشیدہ ہے لیدل بھا علی و حدانیتنا موقنین میں یقین سے مراد عین الیقین ہے۔ یعنی آنکھوں دیکھا یقین ہم نے یہ ملکوت اس لئے انہیں دکھائے تا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے ان چیزوں کو ہماری وحدانیت پر دلیل بنائیں۔ اور خود انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے اور ہماری الوہیت کے عینی گواہ بن جائیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ و اذ قال میں ابراہیم علیہ السلام کی عالی ہمت و جرأت مطلقہ کا بھی ذکر ہوا کہ آپ نے ان برائیوں کی برملا تردید کی جو قوم میں سرایت کر گئی تھی اور شاہی قانون بن چکی تھی۔ ایسی برائیوں کی تردید کرنا بڑی ہمت اور جرأت کا کام ہے اور انتہائی دانشمندی کا بھی ذکر ہے کہ آپ نے پہلے اپنے قرابت دار اور قوم کے سردار آزر کو تبلیغ کی' آپ کی یہ

دلیری اور دانشمندی تاقیامت مبلغین کے لئے مثال ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ اہل عرب اپنے کو ابراہیمی کہتے ہیں اور اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کار بتاتے ہیں مگر کرتے ہیں بت پرستی۔ آپ نے توحید کے دلائل تو سنا دیئے ذرا انہیں ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی یاد دلادیں جبکہ انہوں نے اپنے بت پرست چچا آزر سے بغیر رو رعایت فرمایا تھا کہ اے آزر کیا تو میرے پاس رہتے ہوئے میرا کلام سنتے ہوئے بھی بت پرستی کرتا ہے' بتوں کو اپنا معبود مانتا ہے تو تجھے بھی اور تیری ساری کافرو بت پرست قوم کو بھی کھلی گمراہی کفرو شرک میں مبتلا سمجھ رہا ہوں۔ اے محبوب جیسے ہم نے جناب خلیل کو ایسی بصیرت بخشی کہ کفرو شرک کے ماحول میں رہتے ہوئے انہوں نے ایسی فصیح و بلیغ تبلیغ فرمائی۔ ایسے ہی ہم نے ان کو ایسی بصارت بخشی کہ انہیں آسمانوں' زمینوں کی تمام خفیہ چیزیں وہاں کی اعلیٰ درجہ کی نشانیاں آنکھوں سے دکھادیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر قوم کو اعلیٰ درجہ کی تبلیغ کر سکیں اور خود بھی یقین سے ترقی کر کے حق الیقین کا درجہ حاصل کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے عرش و فرش لوح و قلم وغیرہ ساری مخلوق کا ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خیال رہے کہ بعض لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین جناب آمنہ و عبداللہ کو بھی مشرک کہتے ہیں۔ ان کی مکمل تردید ہم پہلے پارہ میں **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کی تفسیر میں کرچکے ہیں۔ غضب تو دیکھو کہ آمنہ کا نام ہی ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ الف سے اللہ' میم سے محمد' ن سے نورہ سے ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اللہ و محمد ان میں عیاں ہیں اور نور و ہدایت ان میں نہاں ہیں یا آمنہ بنا ہے۔ امن سے' یا ایمان سے' یا امانت سے اور بعض لوگ ان دونوں بزرگوں کو تو مومن مانتے ہیں مگر باقی آباؤ اجداد کو مومن نہیں مانتے ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ جس میں آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہا گیا ہم نے اس کا ذکر ابھی تفسیر میں کردیا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گذشتہ بزرگوں کے تاریخی واقعات ان کے ارشادات ان کی تعلیمات یاد رکھنا' یاد کرانا بہت ہی مفید ہے۔ یہ فائدہ **و اذ قال ابراھیم** الخ سے حاصل ہوا۔ مسلمانوں کی تاریخ بہت ہی شاندار ہے اسے یاد رکھیں اس کا چرچا کریں۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اپنی زندگی کے کسی لمحہ میں کفرو شرک نہیں کرسکتے وہ بد عقیدگیوں بلکہ بد عملیوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجودیکہ نہایت گندے ماحول میں تھے مگر ہر برائی سے محفوظ و معصوم رہے۔ یہ فائدہ **اتتخذ اصنام** الخ سے حاصل ہوا۔ وہ حضرات دنیا کو بدل دیتے ہیں دنیا سے خود نہیں بدلتے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب جیسے بگڑے ہوئے ملک کو سنبھال دیا' خود وہاں کا اثر نہ لیا۔ **تیسرا فائدہ:** دینی تبلیغ میں کسی اپنے پرائے چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں۔ صاف بات کہہ دینی چاہئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کو صاف صاف کہہ دیا کہ تو اور تیری قوم گمراہ ہے۔ یہی ہے اسلامی اخلاق دین میں پلپلاپن خطرناک ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دین کا چھپانا تقیہ کرنا سنت انبیاء کے خلاف ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود جیسے جابر بادشاہ کے ملک میں رہتے ہوئے اپنے چچا کے پاس بستے ہوئے اپنا ایمان آزر کا کفر صاف صاف بیان فرمادیا۔ حضرت امام حسین نے یزید جیسے جابر حاکم کی پرواہ کئے بغیر حق کا اعلان فرمادیا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر اور بے دینوں کو نبی کی رشتہ داری کام نہ آئے گی دیکھو آزر حضرت خلیل اللہ کا چچا تھا مگر دوزخی ہوا۔ کیونکہ کافر تھا' کفار مکہ کو یہی سنایا جارہا ہے کہ تم مشرک ہو اور اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے پر فخر کرتے ہو۔ تمہارا یہ فخر غلط ہے۔ کنعان اور قابیل اولاد نبی تھے مگر ہلاک ہوئے کہ بے دین تھے۔ **چھٹا فائدہ:**

نبی اور غیرنبی کی عقل میں چند طرح فرق ہے۔ایک یہ کہ غیرنبی کی عقل ناقص ہوتی ہے۔ صرف دنیا میں کام آتی ہے۔ نبی کی عقل کامل ہوتی ہے جو دین میں بھی کام آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اوروں کو عقل ملتی ہے ہوش سنبھالنے پر اور چھوڑ جاتی ہے موت سے بہت پہلے کہ انسان بڑھاپے میں بے عقل ہو جاتا ہے مگر نبی کو ولادت سے لے کر وفات تک عقل عطا ہوتی ہے وہ کبھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ دیکھو حضرت ابراہیم کا یہ عاقلانہ کلام بچپن شریف میں اور دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا عاقلانہ کلام ماں کی گود میں۔ انی عبداللہ الخ۔ تیسرے یہ کہ ہماری عقل بغیر تعلیم کے بیکار ہے۔ جیسے ہماری آنکھ بغیر خارجی روشنی کے بیکار ہے۔ مگر نبی کی عقل کو کسی انسانی تعلیم کی ضرورت نہیں وہ رب کے سکھائے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم غیب بخشا کہ آسمانوں' زمینوں کے ملکوت آنکھوں دکھا دیئے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز دکھائی بھی گئی اور آسمانوں' زمینوں' جنت' دوزخ' عرش و کرسی وغیرہ کی سیر بھی کرائی گئی۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ پہنچی وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود پہنچے یعنی آسمانوں میں بلکہ وہاں سے وراء جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے وہاں نہ وہاں تھا نہ کہاں۔ آٹھواں فائدہ: نبی اور امت کے ایمان میں فرق ہے نبی کا ایمان عین الیقین کے درجے کا ہوتا ہے۔ امت کا ایمان علم الیقین کے درجے کا سن کر یقین علم الیقین ہے دیکھ کر یقین عین الیقین اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان حق الیقین کے درجے کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم غیب میں خود پہنچے۔ نواں فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصارت بھی بے مثال تھی اور بصیرت بھی بے مثال آپ نے بصیرت سے کفر و ایمان' ہدایت و گمراہی دیکھ لی اور بصارت سے آسمانوں و زمین ملاحظہ فرمائے یہ فائدہ و لیکون من الموقنین سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے۔ اور وہ مشرک و بت پرست تھا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب پاک شرک و کفر سے محفوظ نہیں کیونکہ اس صورت میں آزر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل شریف میں داخل ہے اور وہ ہے مشرک بت پرست۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں مستدلل طریقہ سے عرض کر دیا گیا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے نہ کہ باپ عربی میں اب سب کو کہہ سکتے ہیں باپ' چچا' دادا' مربی وغیرہ۔ یہاں چچا کو اب کہا گیا ہے آپ کے والد تارخ ہیں جو مومن موحد تھے۔ چنانچہ حضرت خلیل نے دعا بخشش ان کے لئے یوں کی ہے۔ ربنا اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب - والدین سے مراد ماں باپ ہیں۔ اس کی تحقیق ابھی کر دی گئی۔ تفسیر ملاحظہ کرو۔ دوسرا اعتراض: یہاں ملکوت السموات والارض کیوں ارشاد ہوا ملک السموات کیوں نہ فرمایا۔ جواب: ملک اور ملکوت میں چند طرح فرق ہے ان فرقوں کی وجہ سے ملک تو بندوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ملکوت صرف رب تعالیٰ کا۔ (1) ذاتی ملکیت ملکوت ہے عارضی ملکیت کو ملک بھی کہہ سکتے ہیں یعنی ملک عام ہے ملکوت خاص۔ (2) صرف مالک ہونا ملک ہے اور مالک اور رب ہونا ملکوت یعنی ملکوت کے لئے مالکیت' ربوبیت دونوں ہونا ضروری ہے (روح المعانی)۔ (3) ملک عظیم ملکوت ہے اور مطلقاً ملک بڑا ہو یا چھوٹا ملک ہے۔ (4) زمین کا ظاہر ملک ہے اور زمین کا باطن آسمان کا ظاہر و باطن ملکوت۔ (5) ظاہر پر حکومت ملک ہے اور باطن پر حکومت و سلطنت ملکوت بادشاہ اپنے ملک کے انسانوں پر راج کرتا ہے ملک والا ہے۔ مگر وہاں کی ہوا پانی دھوپ وغیرہ پر راج نہیں کر سکتا یہ اس کے قبضہ میں نہیں یہ ملکوت ہے نیز بادشاہ انسانوں کے ظاہر پر راج کرتا ہے یعنی ان کے بدن اور مال پر مگر ان کی روح و نفس و دل پر راج نہیں کر سکتا یہ ہے ملکوت۔ ان وجوہ

سے ملکوت صرف رب تعالیٰ کا ہے ملک اس کی عطا سے عارضی طور پر بندوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اباؤ اجداد کو مومن ماننا شیعوں کا مذہب ہے۔ اہلسنت کا نہیں چنانچہ انہوں نے اس جگہ ان کے ایمان کی بہت پر زور تردید کی ہے۔ **جواب:** اس جگہ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ امام رازی نے یہاں سخت غلطی کی ہے ان کی تلاش میں کمی ہے کہ وہ یہ مسئلہ شیعہ عقائد کا بتا گئے۔ محققین اہلسنت کا یہی مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اباؤ اجداد مومن و موحد تھے۔ امام رازی کی غلطی مان لینا آسان ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کو مشرک ماننا بہت سخت ہے۔ امام رازی نے غلطی کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد نے کفر نہیں کیا۔ **چوتھا اعتراض:** جناب خلیل نے آسمانوں' زمینوں کے مشاہدہ کی دعائیں کی اور انہیں یہ سب کچھ کیوں دکھایا گیا۔ **جواب:** سارے نبی ایمانیات کے گواہ ہیں رب تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ دوسرے پیغمبروں کی یہ گواہیاں سنی ہوئی ہوں اور جناب خلیل کی یہ گواہی دیکھ کر ہو تاکہ آپ کی گواہی کامل تر ہو۔ اپنے محبوب کو شاہد بنا کر بھیجا تو جو کچھ خلیل کو دکھایا تھا وہاں اپنے حبیب کو پہنچایا تاکہ آپ کی گواہی واردات پر پہنچ کر مشاہدہ کی ہوئی ہو۔ اسی لئے آپ پر دور نبوت ختم فرما دیا گیا کہ عینی گواہ پر سمعی گواہیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی شہودی ہے۔ سمعی' عینی' شہودی گواہیوں میں فرق ہے۔ جہاں حضرت خلیل کی نظر پہنچی تھی وہاں محبوب کے قدم پہنچ گئے۔ **پانچواں اعتراض:** حضرات انبیاء کرام یا اولیاء اللہ سے جو دعائیں منقول ہوں انہیں دعاء ماثورہ کہتے ہیں وہ دعائیں بہت ہی پر تاثیر ہوتی ہیں ان دعاؤں کا مانگنا بہتر ہے تو کیا ہم بھی یہ دعائیں مانگا کریں کہ خدایا ہم کو مردے زندہ کر کے دکھایا یا ہم کو اپنا دیدار دے یا ہم کو اپنے ملکوت دکھا کہ یہ دعائیں حضرات انبیاء کی ہیں۔ **جواب:** جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام سنت رسول ہیں اور دوسرے نبیوں کے کام سنت انبیاء ہیں مگر کب جبکہ وہ کام ہمارے عمل کے لائق ہوں ان حضرات کی خصوصیات سے نہ ہوں ایسے ہی ان بزرگوں کی دعائیں ہمارے لئے دعاء ماثورہ جب بنیں گی جبکہ وہ دعائیں ہمارے لئے ہماری حیثیت کے لئے لائق ہوں لہٰذا ہم نہ تو اپنے فرزند کو ذبح کر سکتے ہیں۔ نہ انہیں بے آب و دانہ جنگل میں ڈال سکتے ہیں نہ اپنے کو آگ میں ڈال سکتے ہیں کہ یہ چیز حضرت ابراہیم کے اعمال تو ہیں مگر ان کی سنتیں نہیں اسی طرح ہم نہ رب کے دیدار کی دعا کر سکتے ہیں نہ مردہ زندہ کر کے دیکھنے کی نہ آسمان سے۔ غیبی دستر خوان اتارنے کی نہ ملکوت الہیہ دیکھنے کی یہ دعائیں۔ حضرات انبیاء کرام کی تو ہیں مگر انہیں دعاء ماثورہ نہیں کہہ سکتے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا۔ **و لیکون من الموقنین** تاکہ حضرت ابراہیم یقین والوں میں سے ہو جائیں تو کیا پہلے وہ یقین والوں میں سے نہ تھے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یقین سے مراد عین الیقین ہے جو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم الیقین تو پہلے سے ہی حاصل تھا مگر عین الیقین کا درجہ عطا فرمانے کے لئے ان چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا اس کی تفسیر وہ آیت ہے کہ حضرت خلیل نے عرض کیا کہ مولیٰ مجھے دکھا دے کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا۔ فرمایا **او لم تومن** کیا تم اس پر ایمان نہیں لائے۔ عرض کیا **بلی و لکن لیطمئن قلبی** ایمان تو لا چکا ہوں دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ کون سا اطمینان عین الیقین والا بہر حال یہاں یقین کا درجہ اعلیٰ مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات بہت سخت لئے جان' مال' اولاد سب ہی سے امتحان لیا۔ جناب خلیل ہر امتحان میں اول نمبر رہے تو ان پر عطاء و جود و نوالش بہت ہی فرمائے۔ انہیں بصیرت بھی اعلیٰ بخشی بصارت بھی

کامل آپ نے بصیرت سے ایمان کی حقانیت کفر کا بطلان محسوس فرمالیا۔ فرمایا **انی اراک و قومک فی ضلال مبین** یہ ہے آپ کی بصیرت اور بصارت کا یہ کمال عنایت کیا کہ آپ نے آنکھوں سے ملکوت الٰہی دیکھ لیا حالانکہ ملکوت ان آنکھوں سے نظر آنے والی چیز نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ظاہر کو جسمانی 'دنیا' صورت 'شہادت اور ملک کہتے ہیں۔ باطن کو روحانی آخرت بمعنی غیب اور ملکوت کہا جاتا ہے ظاہر گویا صورت ہے۔ باطنی گویا اصل 'ملکوت سے ملک قائم ہے اور اللہ کی قدرت سے ملکوت قائم 'ملکوت وہ چیزیں ہیں جو فقط کن سے پیدا ہوئیں ملک وہ جو کسی چیز سے بنیں جسم ملک ہے کہ وہ خاک یا نطفہ وغیرہ سے بنا روح ملکوت ہے کہ وہ صرف امر کن سے بنی اس لئے ملک کو خلق فرمایا گیا ہے کہ ارشاد ہے **او لم ینظروا فی ملکوت السموات والارض وما خلق اللہ من شیء** دیکھو یہاں ملکوت اور خلق کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا۔ دوسری جگہ ہے **الا لہ الخلق والامر** دیکھو خلق ملک ہے 'امر ملکوت' ملک عقول سے اور ملکوت قلوب سے محسوس ہوتا ہے کہ عقل کا ادراک ناقص ہے دل کا ادراک کامل ولی علم کا نام کشف ہے۔ کشف مجاہدہ والوں کو میسر ہوتا ہے۔ ملک بیان سے بتایا جاتا ہے۔ ملکوت عیاں سے دکھایا جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم عیاں کا ذکر فرمایا (روح البیان)۔ مولانا فرماتے ہیں شعر۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنی بنائی ہوئی چیز کی ہم تعظیم تو کر سکتے ہیں مگر اس کی عبادت نہیں کر سکتے۔ عبادت اس کی کریں جو ہمیں بنائے۔ مسجد 'قرآن مجید' بلکہ کعبہ معظمہ کی عمارت انسان ہی بناتے ہیں کہ مسجد کی اینٹ 'گارا' لوہا 'سیمنٹ' چوکھٹ 'کواڑ وغیرہ۔ یونہی قرآن مجید کا کاغذ 'روشنائی' چھپائی 'لکھائی وغیرہ ہماری اپنی صنعت ہے۔ مگر چونکہ ان کی نسبت رب تعالیٰ یا اس کے محبوب بندوں سے ہے لہذا ان کی تعظیم ہے۔ مگر عبادت خدا کے سوا کسی کی نہیں **اتخذوا صنما الھۃ** صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے عقائد و اعمال میں لذت 'رنگت بو سب کچھ ہے ایمان لذیذ خوشبودار نورانی ہے کفر و بد عملیاں بد مزہ بدبودار ظلمانی ہیں مگر ان کی یہ صفات ہمارے ان حواس سے محسوس نہیں ہوتے ہاں اگر ان حواس پر نبوت کا فیض ہو تو یہ سب چیزیں ہم کو محسوس ہونے لگیں 'دوربین' خوردبین 'ہماری آنکھوں کو دور کی اور باریک چیزیں دکھا دیتی ہے تو خدا بین نظر مخلوق کو ہر چیز دکھا دیتی ہے ہمارے ادراک حواس اور عقل ناقص ہیں نبی کے ادراکات عقل حواس کامل ہیں کہ انہیں نبوت کا نور حاصل ہے۔ خیال رہے کہ ہم لوگوں کو رب تعالیٰ شرعی احکام قانون کے مطابق دیتا ہے۔ نماز 'روزہ وغیرہ تو ہماری دعاؤں کے لئے بھی قید ہے کہ قانون کے مطابق دعا مانگو' خلاف قانون چیز کی دعا نہ کرو مگر انبیاء کرام خصوصاً حضرت خلیل کو رب نے قانون سے وراء دعائیں مانگ لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ پوری فرماتا ہے جناب خلیل نے ایک بار دعا کی کہ مجھے دکھا تو مردے کیسے زندہ کرے گا وہ دکھا دیا گیا۔ ایک بار دعا کی کہ مولیٰ مجھے اپنا سارا ملک و ملکوت دکھا وہ دکھا دیا گیا۔ جس کا یہاں ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے اپنا دیدار دے اس سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ غرضیکہ قانون سے وراء احکام پر عمل کرتے ہیں تو قانون سے وراء دعائیں منظور کرا لیتے ہیں۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ

پس جب تاریک ہو گئی اوپر ان کے رات تو دیکھا تارا فرمایا کہ یہ ہے رب میرا پھر جب غائب ہو گیا تو فرمایا میں پسند نہیں کرتا

پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے خوش

الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ

غائب ہونے والوں کو پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا دمکتا تو فرمایا کیا یہ ہے رب میرا پھر جب غائب ہو گیا تو فرمایا البتہ

نہیں آتے ڈوبنے والے پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر

يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً

اگر نہ ہدایت دے گا مجھ کو میرا رب تو ہو جاؤں گا میں قوم بہکی ہوئی سے پھر جب دیکھا سورج کو چمکتا دمکتا

مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج چمکتا دیکھا

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

تو فرمایا کیا یہ ہے رب میرا یہ تو بڑا ہے پھر جب چھپ گیا وہ تو فرمایا اے قوم میری بیشک میں بری ہوں اس چیز سے جس کو تم شریک بناتے ہو

بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تبلیغ کا ذکر تھا جو آپ نے اپنے چچا آزر کو کی اب آپ کی اس تبلیغ کا ذکر ہے جو آپ نے اپنی ساری مشرک قوم کو فرمائی گویا خاص تبلیغ کے بعد عام تبلیغ کا ذکر ہے چونکہ اپنے گھر والوں کی اصلاح پہلے ہونی چاہئے۔ دوسروں کی بعد میں اس لئے حضرت خلیل نے پہلے اپنے چچا کو تبلیغ فرمائی پھر دوسروں کو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے حکم ہوا تھا کہ **انذر عشیرتک الاقربین** اپنے قرابت دار کنبہ والوں کو ڈراؤ پھر حکم ہوا **بلغ ما انزل الیک**۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان دلائل کا ذکر تھا جو جناب خلیل نے بتوں کی الوہیت کے انکار پر قائم فرمائے یعنی ان کا انسانوں کے ہاتھوں گھڑا جانا انسانوں کے ہاتھوں کا محتاج ہونا کہ بغیر انسان کے ہاتھ لگے نہ وہ مل جل سکیں، نہ اپنے سے مکھی مچھر کتے وغیرہ کو دفع کر سکیں۔ اب حضرت خلیل کی ان دلیلوں کا ذکر ہے جو آپ نے چاند تاروں سورج کی الوہیت کے انکار پر قائم فرمائیں یعنی نکلنا، ڈوبنا، اولنا بدلنا گویا قریبی معبودوں کے انکار کے بعد دور والے آسمانی معبودوں کا انکار فرمایا۔ چونکہ آزر اور اس کی قوم نمرود کے نام پر بنائے ہوئے بتوں کو بھی پوجتی تھی اور چاند تاروں، سورج کو بھی اس لئے آپ نے دونوں ہی کی تردید کی۔ **تیسرا تعلق:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود، مردود کی الوہیت کی تردید دو طریقے سے کی، ایک اس کا حاجت مند محتاج ہونا کہ بغیر کھائے پئے بغیر ہوا دھوپ کے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اس کے حالات کا اول بدل ہوتا رہنا، بیماری، تندرستی، سونا جاگنا، بچپن، جوانی، بڑھاپا وغیرہ ان میں سے ایک قسم کی تردید پچھلی آیات میں مذکور ہوئی۔ بتوں کی محتاجی دکھا کر کیونکہ محتاج ہونے میں۔ نمرود اور اس کے نام کے بت دونوں یکساں ہیں اور دوسری قسم کی تردید کا اب ذکر ہو رہا ہے کہ اولنے بدلنے میں نمرود اور آسمانی مخلوق یکساں ہیں جب چاند

سورج خدا نہیں تو نمرود خدا کیسے ہو گیا۔

تفسیر : **فلما جن علیه اللیل رای کوکبا** ۔ یہ عبارت یا تو **و اذ قال ابراھیم** پر معطوف ہے یا **و کذالک نری** پر فلما کی ف سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ آزر کو مذکورہ تبلیغ فرمانے کے بعد ہوا یا آسمان و زمین کے ملکوت دیکھنے کے بھی بعد بہر حال یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تبلیغی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جن سے بنا ہے جن بمعنی چھپنا بھی ہے اور چھپانا بھی اسی سے ہے۔ جنون (دیوانگی)' جنین (پیٹ کا بچہ)' جنات (ناری مخلوق)' جنت (آنکھوں سے چھپا ہوا باغ)' جنہ (ڈھال)' مجنہ (ڈھال)' مجن (دفن کیا ہوا مردہ) وغیرہ یہاں یا بمعنی چھپنا ہے یعنی جب رات چھا گئی' اندھیری ہو گئی یا بمعنی چھپانا یعنی رات نے اپنی تاریکی سے ہر چیز کو چھپا لیا چونکہ آپ پندرہ یا سترہ برس تک ایک غار یا تہ خانہ میں رہے تھے کسی وقت باہر نہ آئے تھے جیسا کہ ہم انشاء اللہ خلاصہء تفسیر میں عرض کریں گے اس لئے اب تک آپ کو نہ تو قوم سے ملنے کا موقعہ ملا تھا نہ رات میں چاند تاروں وغیرہ کا نظارہ کرنے کا۔ اس لئے علیہ ارشاد ہوا۔ چونکہ آج پہلی بار آپ کو سر شام سورج ڈوبے باہر نکالا گیا تھا۔ اس لئے پہلے رات ہی آپ نے دیکھی چونکہ رات اندھیری تھی اور چاند کچھ بیٹھ کر نکلنا تھا اس لئے آپ نے پہلے تارا دیکھا بعد میں چاند۔ لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے تارے سے مراد یا زہرہ تارا ہے یا مشتری کہ یہ دونوں زیادہ چمکیلے ہوتے ہیں ممکن ہے کہ سارے تارے مراد ہوں کوکب جنس ہے مگر پہلے دو احتمال زیادہ قوی ہیں۔ یعنی جب آپ شام کے وقت غار سے باہر نکالے گئے اور پھر رات کی تاریکی چھائی تو آپ نے ایک روشن تارہ دیکھا۔ خیال رہے کہ **قال ھذا ربی**۔ **قال** میں قوم سے خطاب ہے جو اس وقت آپ کے پاس موجود تھی اور تاروں چاند وغیرہ کو پوجتی تھی اور **ھذا ربی**۔ **ھذا** میں اشارہ اس تارے کی طرف ہے اور رب سے مراد حقیقی رب یعنی رب العالمین اللہ تعالیٰ ہے آپ نے یہ کلام سوال کے لہجے میں ارشاد فرمایا نہ کہ خبر کے لہجہ میں بعض نے فرمایا کہ تعجب کے لہجہ میں فرمایا۔ اپنی قوم کی حماقت پر تعجب فرماتے ہوئے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے یہاں **ربی** فرمایا و ربکم نہ فرمایا یہ بھی تبلیغ کا اعلیٰ طریقہ ہے کہ اپنا ذکر کر کے دوسروں کو سمجھانا فقیر کی اس ساری تفسیر کی دلیل یہ ہے کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **مما تشرکون** اس ایک کلمہ نے یہ سب کچھ بتا دیا۔ یعنی اے قوم ہوا لو کیا یہ ہے میرا رب سبحان اللہ کیسا پیارا خطاب ہے۔ قوم یہ سن کر خاموش رہی۔ **فلما افل قال لا احب الافلین**۔ یہ عبارت معطوف ہے **قال ھذا ربی** پر۔ ف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمان عالی کے کچھ بعد ہی وہ تارا زہرہ یا مشتری ڈوب گیا۔ بعض تارے شام کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے بعد ہی ڈوب جاتے ہیں۔ بعض صبح کے قریب چھپتے ہیں **افل** بنا ہے افول سے جس کے معنی ہیں نورانی چیز کا غائب ہو جانا اس لئے آگ بجھ جانے کو افول النار کہا جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

مصابیح لیست باللواتی یقودھا نجوم ولا بالافلات الزوائل

لا احب میں الوہیت کی محبت کی نفی ہے۔ یعنی جو محبت بندے کو رب سے' عابد کو معبود سے چاہئے وہ محبت' مجھے اس سے نہیں ورنہ چاند تارے اللہ کی نعمتیں ہیں اور نعمت ایسے سے محبت ہوتی ہی ہے۔ افلین فرمانے میں لا احب کی وجہ کا ذکر ہے بعض مفسرین نے یہاں احب بمعنی اعبد کہا۔ بعض نے الافلین سے پہلے عبادۃ پوشیدہ مانی **لا احب عبادۃ الافلین** (معانی) یعنی طلوع غروب ہونے والوں سے میں الوہیت کی محبت نہیں کرتا یا ان کی عبادت پسند نہیں کرتا۔ خیال رہے کہ یہاں محبت نہ کرنے سے مراد نفرت کرنا ہے۔ یعنی میں ایسوں کی عبادت سے نفرت کرتا ہوں نفرت بھی ایمان نفرت کیونکہ ان میں عبدیت کی

علامات موجود ہیں۔ قوم یہ دلیل سن کر بھی خاموش رہی کچھ دیر بعد چاند نکل آیا۔ **فلما راء القمر بازغا** یہ عبارت **قال لا احب** الخ پر معطوف ہے ف سے معلوم ہوتا ہے کہ تارے کے ڈوبنے کے فوراً بعد چاند نکل آیا غالباً" پندرہویں' سولہویں شب تھی۔ چاند قریباً" پورا تھا اور چمکدار قمر مطلقاً چاند کو کہتے ہیں۔ ہلال پہلی تاریخ کے چاند کو بدر چودھویں کے چاند کو محمق آخری تاریخوں کے چاند کو بازغا" بنا ہے۔ بزغ سے بمعنی چیرنا طلوع کو بزغ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے اندھیری چر جاتی ہے' روشنی پھیل جاتی ہے 'اہل عرب کہتے ہیں۔ بزغ الناس بچے کا دانت چمک گیا' بزغ الدم۔ بزغ البمطار الداہہ ان سب میں بزغ بمعنی شق ہے۔ (معانی) یعنی تھوڑی ہی دیر بعد آپ نے چاند کو طلوع ہوتے چمکتے دیکھا تو **قال ھذا ربی**۔ اس عبارت کے وہی معنی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے کہ آپ نے یہ کلام سوال کے لہجے سے پوچھا جس سے انکار یا تعجب ظاہر فرمایا **ربی** فرمانے ربک نہ فرمانے میں وہی حکمت ہے جو ابھی اوپر عرض کی گئی **فلما افل قال لئن لم یھد نی ربی لا کونن من القوم الضالین**۔ یعنی چاند بھی رب نہیں ہو سکتا کہ عبدیت کی جو دلیل تارے میں موجود تھی ڈوب جانا وہ اس میں بھی موجود ہے۔ خیال رہے کہ اس فرمان میں کچھ شدت ہے کہ پہلے فرمایا میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا یہاں فرمایا کہ میں ڈوبنے والی چیز کے پجاریوں کو گمراہ سمجھتا ہوں کیونکہ قوم نے پہلی دلیل سے نصیحت حاصل نہ کی ایمان نہ لائی **لئن یھد نی** الخ کے چند معنی ہو سکتے ہیں۔ (1) اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں بھی اس گمراہ قوم میں سے ایک ہو جاتا اس صورت میں گذشتہ حالت کا ذکر ہے۔ (2) اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت پر قائم نہ رکھے تو میں بھی گمراہوں میں سے ہو جاؤں اس صورت میں آئندہ کا ذکر ہے یہ مطلب نہیں کہ اگر رب مجھے آئندہ ہدایت نہ دے تو میں گمراہوں میں ہو جاؤں کیونکہ آپ اول ہی سے ہدایت پر ہیں ایک آن کے لئے ہدایت سے ہٹے نہیں۔ اس میں اشارۃ" فرمایا کہ اے قوم تم گمراہ ہو۔ **فلما را الشمس بازغتہ** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ سورج طلوع ہونے کے بعد کا ہے۔ چونکہ چاند ڈوبتے ہی سورج نکل آیا تھا۔ اس لئے ف فرمانا نہایت ہی درست ہے۔ شمس مونث لفظی بھی ہے' مونث سماعی بھی اس لئے یہاں **بازغتہ**" مونث کا صیغہ ارشاد ہوا۔ قمر مذکر ہے۔ اس لئے وہاں **بازغا** مذکر صیغہ ارشاد فرمایا۔ یعنی چاند چھپتے ہی سورج چمکتا دمکتا طلوع کرتا ملاحظہ فرمایا تو **قال ھذا ربی ھذا اکبر**۔ **ھذا ربی** کی تو وہی تحقیق ہے۔ جو اوپر کی گئی کہ یہ فرمان بطور سوال انکاری ہے اور **ھذا اکبر** فرمانے میں ان کفار کے ایک دھوکے کی طرف اشارہ ہے کہ تم اسے رب کہتے ہو اس لئے کہ یہ تاروں اور چاند سے بڑا ہے جسامت میں بھی اور نورانیت میں بھی' جسامت میں تو اس لئے کہ چاند زمین کے برابر ہے اور سورج زمین سے ایک سو چھیاسٹھ گنا بڑا ہے نورانیت میں اس لئے کہ چاند تارے سب سورج سے ہی چمکتے ہیں۔ سورج ہی کی شعاعیں انہیں روشن کرتی ہیں۔ نیز چاند تاروں سے رات منور تو ہو جاتی ہے مگر دن نہیں نکلتا۔ سورج ہی وہ ہے جو رات کو ختم کر کے دن نکال دیتا ہے۔ نیز سورج کے طلوع ہوتے ہی چاند تارے سب بے نور ہو جاتے ہیں۔ نیز سورج سے ہی دنیا کا نظام قائم ہے کہ دن رات 'مہینے' سال 'صدیاں اس سے بنتی ہیں۔ دانے اس سے پکتے ہیں' عمریں اس سے ختم ہوتی ہیں' موسم اس سے بدلتے ہیں' مخلوق کا سونا جاگنا اسی سورج سے وابستہ ہے' بلکہ بہت سی عبادات خصوصاً" اسلامی نمازیں سورج کی رفتار سے وابستہ ہیں کہ دو نمازیں ظہر و عصر سورج کے ظہور سے پڑھی جاتی ہیں اور تین نمازیں مغرب' عشاء' فجر' سورج کے چھپنے سے اسلام نے سورج کی اکبریت قائم رکھی بلکہ اور زیادہ کر دی بہر حال آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان منافع' ان فائدوں' اس کی جسامت کو دیکھ کر کہتے ہو کہ یہ میرا رب ہے۔ خیال رہے کہ سورج کے لئے

بازغة مونث کا صیغہ ارشاد ہوا اور ھذا اکبر اسم اشارہ فرمایا گیا۔ کیونکہ لفظ رب کا احترام اسی میں ہے کہ اس کے لئے ھذہ مونث نہ فرمایا جائے۔ خیال رہے کہ اکبر اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے ہم دن رات کہتے ہیں کہ اللہ اکبر۔ اور یہاں جناب خلیل اللہ نے سورج کو اکبر فرمایا ہم لوگ بڑی عمر والے بڑے عہدے والے انسان کو بھی اکبر کہہ دیتے ہیں۔ لفظ اکبر ایک ہے مگر جب یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے تو معنی ہوتے ہیں کبریائی والا اور جب مخلوق کے لئے بولا جائے تو معنی ہوتے ہیں بڑائی والا جو سب سے بڑا ہو کہ نہ اس کے برابر کوئی ہو نہ اس سے بڑا۔ وہ کبریائی والا یعنی اللہ ہے۔ جو بعض سے بڑا ہو بعض بندوں سے یا رب سے چھوٹا ہو وہ بڑائی والا ہے نیز جس کی بڑائی ذاتی ہو وہ کبریائی والا ہے۔ جس کی بڑائی عطائی ہو دوسرے کے قبضہ میں وہ بڑائی والا ہے اللہ کا بندہ ہے خالق و مخلوق میں بے نیازی اور نیازمندی کا فرق ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

مراد را رسد کبریاء و منی کہ ملکش قدیم است ذاتش غنی

ایک ہندو شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

فلما افلت قال یقوم انی بریء مما تشرکون۔ یہ عبارت معطوف ہے قال ھذا ربی پر یہاں ف یا تو مطلقاً عطف کے لئے ہے فوراً ہونے کا اس میں لحاظ نہیں یا ف بمعنی ثم ہے کیونکہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے میں دن بھر کا فاصلہ ہوتا ہے تو ف فوراً کے لئے کیونکر ہو سکتی ہے یا قوم میں ساری ستارہ پرست قوم سے خطاب ہے چونکہ یہ کفار آپ کے ہم وطن بھی تھے ہم نسب بھی اس لئے انہیں یا قوم کہہ کر خطاب فرمایا۔ یہاں قوم سے مذہبی قوم مراد نہیں کہ آپ مومن موحد ہیں اور وہ لوگ مشرک ستارہ پرست پھر ہم مذہب کیسے ہو سکتے ہیں۔ **انی بریء** کے معنی یہ ہیں کہ میں پہلے سے ہی تمہارے شرک سے بیزار ہوں اور دور ہوں یہ مطلب نہیں کہ اب تک تو میں بھی تمہاری طرح چاند تاروں سورج کو رب سمجھتا تھا اب اس عقیدے سے توبہ کرتا ہوں یہ لفظ توبہ کے لئے نہیں بلکہ گذشتہ دلیل کا نتیجہ ہے اور اپنے دائمی عقیدے کا اظہار ما تشرکون میں ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ یعنی ان چیزوں کی الوہیت سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہو یا تمہارے اس شرکیہ عقیدے سے بیزار ہوں تشرکون فرما کر یہ بتایا کہ تم لوگ شرک کر رہے ہو میں نے کبھی شرک نہ کیا نہ کر رہا ہوں اگر نعوذ باللہ آپ نے بھی ان چیزوں کو رب مان لیا ہوتا تو آپ یا تو اشرکت فرماتے یا اشرک یہ کچھ نہ فرمایا بلکہ تشرکون فرمایا اسی کلام کی رب تعالیٰ نے تعریف فرمائی کہ **تلک حجتنا اتینها ابراهیم علی قومه**۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کی یہ ساری گفتگو رب تعالیٰ کی بتائی ہوئی حجت و دلیل تھی۔ جو آپ نے اپنی قوم کے خلاف قائم فرمائی نیز آگے آپ خود فرما رہے ہیں **وما انا من المشرکین**۔

ابراہیم علیہ السلام کی ولادت اور پرورش : نمرود ابن کنعان ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس کا پایہء تخت شہر بابل تھا جو بغداد شریف اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔ اب اسے بابلین کہتے ہیں اب ویران ہو چکا ہے۔ یہ پہلا وہ بادشاہ ہے جس نے تاج پہنا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی۔ اس کے دربار میں بہت کاہن و نجومی رہتے تھے۔ ایک رات نمرود نے خواب دیکھی کہ آسمان پر ایک تارہ چمکا جس سے سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ یہ اس خواب سے گھبرا گیا کاہنوں سے تعبیر پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تیرے شہر میں اس سال ایک لڑکا پیدا ہو گا جو تیری ہلاکت اور تیرے ملک کی بربادی کا باعث ہو گا۔ نمرود نے یہ سنتے ہی کہا کہ اس

بچہ کو رہنے ہی نہ دوں گا۔ چنانچہ نے اس حکم دیا کہ میرے علاقہ میں جس قدر عورتیں حاملہ ہیں ان پر سخت نگرانی کی جائے اگر لڑکی پیدا ہو تو خیر۔ لڑکا ہو تو فوراً قتل کر دیا جائے اور آج سے ایک سال تک ہمارے علاقہ میں کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس نہ جائے۔ غرضیکہ مردوں کو ان کی بیویوں سے الگ کر دیا جائے اس معاملہ کو اپنی پولیس کے سپرد کیا کہ خوب اچھی طرح نگرانی کریں یا تو اس حکم کے وقت آپ کی والدہ متلی یا اوفی بنت نمر حاملہ تھیں اور نمرود کی مقرر کردہ دائیوں نے جب آپ کی تفتیش کی تو انہیں حمل شریف کا پتہ نہ چلا کیونکہ آپ بہت کم عمر تھیں اور آخر وقت تک قدرت الٰہی سے آپ کا حمل ظاہر نہ ہو سکا یا اتفاقاً" کسی تدبیر سے تارح ان کے پاس پہنچے اور وہ حاملہ ہو گئیں۔ جب وقت ولادت قریب آیا تو آپ پہاڑوں کے درمیان ایک غار میں تشریف لے گئیں وہاں حضرت خلیل کی پیدائش ہوئی۔ آپ اس غار کے منہ پر پتھر رکھ کر فرزند کو خدا کے حوالہ کر کے چلی آئیں۔ دوسرے دن جا کر دیکھا تو آپ اپنی انگلیاں چوس رہے ہیں جن سے دودھ' شہد نکل رہا ہے۔ بہت خوش ہوئیں' پھر روزانہ اسی طرح جاتیں اور اپنے بچہ کو دیکھ بھال آتیں۔ آپ ایک ماہ میں اتنا بڑھتے تھے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں۔ آپ پندرہ مہینے کے ہوئے تو پندرہ سالہ معلوم ہوتے تھے۔ آپ نے اس عمر شریف میں اپنی والدہ سے پوچھا کہ میرا رب (مربی) کون ہے؟ والدہ نے کہا "میں" پوچھا میری طرح تم بھی کھانے پینے کی حاجت مند ہو؟ انسانی ضروریات رکھتی ہو؟ تمہارا رب کون ہے؟ فرمایا! تمہارے والد۔ آپ نے پوچھا کہ ابا جان بھی حاجت مند ہیں' انہیں بھی مربی چاہئے' ان کا رب کون ہے؟ کہا نمرود (تارح نمرود کے ہاں سے تنخواہ پاتے تھے)۔ پوچھا نمرود بھی تو ہم لوگوں کی طرح ہزارہا حاجتیں رکھنے والا انسان ہی ہے اس کا رب کون ہے؟ تو والدہ نے کہا چپ رہو۔ پھر تارح سے کہا کہ جس فرزند کا خوف نمرود کو ہے وہ تمہارا یہ فرزند ہے۔ اس نے آج مجھ سے ایسا حکیمانہ سوال کیا ہے کہ میں تو کیا ہماری ساری قوم جواب نہیں دے سکتی۔ تارح بہت ہی خوش ہوئے' آپ کئی سال اس غار میں چھپے ہوئے پرورش پاتے رہے۔ سات سال کی عمر شریف میں شام کے وقت غار سے باہر آئے تب اپنی قوم کو جمع کر کے ان سے وہ گفتگو فرمائی جو ان آیات شریفہ میں مذکور ہے۔ (تفسیر صاوی و روح البیان و خزائن وغیرہ)۔

خلاصہ ء تفسیر : جب جناب ابراہیم غار سے باہر تشریف لائے تو شام کا وقت تھا۔ اپنی قوم کو دیکھا کہ وہ زمینی بتوں اور آسمانی چاند سورج تاروں کی پوجا کرتی ہے۔ آپ نے چاند تاروں' سورج کی ربوبیت کی تردید میں نہایت ہی حکیمانہ کلام اس قوم سے فرمایا کہ جب رات اندھیری ہو گئی اور زہرہ یا مشتری تارہ چمکنے لگا آپ نے اس قوم سے پوچھا کہ کیا یہ میرا رب ہے۔ قوم نے یا تو کہا ہاں۔ یا رہی چپ تھوڑی دیر میں جب یہ تارہ ڈوب گیا تو پوچھا کہ وہ رب کہاں گیا جو حرکت کرے جس پر انقلاب آویں وہ ادلے بدلے جو اپنے پجاریوں کو چھوڑ کر غائب ہو جائے' میں اس کی عبادت سے سخت متنفر ہوں وہ رب کیسے ہو سکتا ہے۔ قوم اب بالکل خاموش رہی۔ رات تھی پندرھویں یا سولھویں چاند کی۔ تھوڑی ہی دیر میں قریباً" پورا چاند نکل آیا۔ آپ نے اس قوم سے پھر پوچھا کہ کیا میرا رب یہ ہے؟ اب قوم خاموش رہی کہ اس کے پاس آپ کی حکیمانہ گفتگو کا کوئی جواب نہ تھا۔ جب چاند بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ پر اللہ کا فضل نہ ہوا ہوتا اور اس نے مجھے ہدایت ایمان نہ کر دی ہوتی تو میں بھی گمراہ قوم میں سے ہو جاتا اور تمہاری طرح میں بھی اس کی روشنی سے دھوکہ کھا کر اسے خدا مان لیتا کہ میرا ماحول ہی ایسا گندہ ہے۔ مگر میرے رب نے میری دستگیری فرمائی اس لئے میں اس دلدل میں نہ پھنسا۔ پھر جب صبح کو آب و تاب کے ساتھ چمکتا دمکتا سورج نکلا تو پھر اسی قوم سے آپ نے خطاب فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ نورانی بھی ہے اور چاند تاروں سے بڑا بھی' مگر جب شام کو سورج بھی

قلابازی کھاتا ہوا ڈوب گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اے قوم والو گواہ رہنا کہ میں تمہارے شرک کفر سے اور تمہارے ان معبودوں سے بری و بیزار ہوں تھا اور رہوں گا‘ میں دنیا میں دھوکہ کھانے نہیں آیا۔ بلکہ دھوکہ سے لوگوں کو نکالنے آیا ہوں۔ اے قوم والو ان چیزوں کی جگمگاہٹ سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ بلکہ یہ دیکھو کہ یہ کسی اور کے قبضہ وقدرت میں ہیں ان پر مختلف حالات وارد ہو رہے ہیں۔ یہ ان سب کی عبدیت کی دلیل ہیں رب وہ ہے جس کے قبضہ میں یہ سب ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جو خدا تعالیٰ چاہے وہ ہو کے رہتا ہے۔ اس کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا نہ کوئی بدل سکتا ہے۔ دیکھو نمرود نے حضرت خلیل کی تشریف آوری کو بہت روکنا چاہا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری روکنے کے لئے بہت زور لگایا مگر ناکام رہے۔ جناب خلیل اللہ بھی دنیا میں آگئے‘ اپنا کام کر گئے اور موسیٰ علیہ السلام بھی۔ یہ فائدہ آپ کے واقعہ ولادت سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی کہ نمرود اور فرعون نے جن کی تشریف آوری روکنے کے لئے بہت سے بچے ذبح کرا دیے وہ دونوں حضرات انہی مردودوں کے گھر پلے‘ بڑھے‘ نمرود کے مصاحب خاص کے گھر میں حضرت خلیل کی پرورش کی اور فرعون کے گھر بلکہ اس کی گود میں جناب کلیم اللہ کی پرورش فرمائی۔ یہ ہے اس قدرت والے کی قدرت۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو علم لدنی بخشا کہ آپ نے بچپن شریف میں فصیح و بلیغ‘ منطقی‘ فلسفی گفتگو فرمائی کہ تمام اہل علم کی منطق اس پر قربان ہو۔ دیکھو آپ نے چاند سورج‘ تاروں کی عبدیت‘ ان کا مخلوق ہونا‘ ان کے اولنے بدلنے‘ ڈوبنے‘ نکلنے سے ثابت کی۔ اسی کو منطقی لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں **العالم متغیر۔ و کل متغیر حادث۔ فالعالم حادث۔** پھر کہتے ہیں کہ **العالم حادث۔ و کل حادث محتاج الی محدث۔ فالعالم محتاج الی محدث۔** یعنی دنیا اور دنیا کی چیزیں ادلنے بدلنے والی ہیں۔ اور ہر بدلنے والی چیز نوپید ہے کہ پہلے نہ تھی بعد میں ہوئی لہٰذا دنیا نوپید ہے اور ہر نوپید کسی کی مخلوق ہے۔ لہٰذا دنیا کسی کی مخلوق ہے اسے خالق کی ضرورت ہے۔ سبحان اللہ وہ آپ کا لڑکپن اور یہ دانائی و علم۔ چوتھا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کسی کے شاگرد نہیں ہوتے۔ خصوصاً علوم الٰہیہ میں وہ کسی کے بغیر سکھائے پڑھائے عالم ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ اس پوری دلیل سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام کسی ساعت‘ کسی وقت گمراہ نہیں ہوتے وہ ہدایت یافتہ پیدا ہوتے ہیں اور ہدایت یافتہ ہی رہتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کے ہادی ہوتے ہیں کہ جو ان کے دامن سے وابستہ ہو جائے وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **لئن لم یهدنی ربی** الخ اور **انی بریء مما تشرکون** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی بولے جاتے ہیں اور مخلوق کے لئے بھی مگر مختلف معنی سے دیکھو اکبر اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے۔ یہاں سورج کے لئے بولا گیا۔ مگر معنی مختلف ہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا علی رب تعالیٰ کا نام بھی ہے اور حضرت علی شیر خدا کا بھی نام۔ ساتواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام بڑے دلیر و جری ہوتے ہیں ان کے دل پر کسی کی ہیبت نہیں آتی۔ سارا جہاں ایک طرف ہو یہ اکیلے ایک طرف مگر ان کے دل میں کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ دیکھو حضرت خلیل نمرود جیسے جابر بادشاہ کے ملک میں ہیں سارا ماحول کفار کا ہے خود اپنے عزیز و اقارب اسی شرک کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ مگر کیسی دلیرانہ گفتگو فرما رہے ہیں نہ کسی سے جھجک ہے‘ نہ کسی کا ڈر ہے۔ نبی کی ہمت و دلیری۔ مرزا قادیانی کو شاہ افغانستان نے اپنے ملک [illegible] تاکہ یہاں آکر تبلیغ کرو مگر جان کے خوف سے وہاں نہ جا سکے بلکہ وہ تو ڈر کے مارے حج نہ کر سکے کہ مجھے کوئی مار دے گا۔ نبوت میں بڑی دلیری ہے۔

آٹھواں فائدہ: نبی بلکہ نبی کے غلام کبھی تقیہ نہیں کرتے اپنا دین سب پر خوب واضح کر دیتے ہیں۔ خواہ کیسی ہی حالت ہو دیکھو جناب خلیل نے ایسے نازک موقعہ پر سب کے سامنے کہہ دیا کہ انی برئی مما تشرکون میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں جو شخص حضرات اہل بیت اطہار خصوصاً "شیر خدا علی مرتضیٰ کو تقیہ باز کہے وہ ان کے مرتبہ عالیہ سے واقف نہیں۔
نواں فائدہ: کوئی نبی کسی کافر کے ملک میں اس کا رعایا بن کر نہ رہا' اس کی ماتحتی قبول نہ کی' یا اس کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے' یا وہاں سے ہجرت کر گئے' یا ان کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ دیکھو اگر جناب خلیل کو نمرود کی رعایا بن کر رہنا سہنا ہوتا تو اس دلیری سے اس کے خلاف گفتگو نہ فرماتے۔ مرزائے قادیانی عیسائیوں کی سلطنت میں پیدا ہوئے انہیں کی سلطنت میں رہے' انہیں کی سلطنت میں مرے' انہیں کے ملک میں دفن ہوئے بلکہ مسٹر ڈوئی کلکٹر گورداسپور کی ایک ڈانٹ پر مولوی محمد حسین کے خلاف آپ پر وحی آنا بند ہو گئی۔ یہ فرق ہے سچے جھوٹے نبی میں۔ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی ایسا نہیں جو کفار کے ماتحت بن کر رہا ہو۔ ہاں بعض انبیاء کرام کو کفار بادشاہوں کی طرف سے بہت ستایا گیا۔ دیکھو جناب خلیل اللہ کو نمرود نے آگ میں ڈالا' حضرت مسیح کو یہود نے سولی دینے کی کوشش کی مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ دسواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام پر ظاہری وحی تو ظہور نبوت کے بعد آتی ہے مگر باطنی وحی یعنی دلی الہام بچپن سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ دیکھو جناب خلیل اللہ نے بچپن شریف میں یہ گفتگو فرمائی ہے حالانکہ ابھی آپ کی نبوت کا ظہور نہیں ہوا۔ ابھی کسی کو اپنی نبوت ماننے کی دعوت نہیں دی' اس گفتگو شریف کے لئے رب العلمین نے فرمایا و تلک حجتنا اتینها ابراهیم علی قومه۔ گیارہواں فائدہ: ہر شخص' ہر قوم سے اس کی عقل کے مطابق گفتگو کرنا طریقہ انبیاء ہے اس طریقہ سے ہدایت جلد ملتی ہے۔ دیکھو حضرت خلیل اللہ نے چاند سورج کے طلوع ہونے سے ان کی مخلوقیت ثابت نہ کی بلکہ ان کے ڈوبنے سے کہ طلوع میں ترقی ہے اور ڈوبنے میں تنزل جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ ہے تنزل سے عبدیت اور بندگی کا ثبوت بہت اچھی طرح ہو جاتا ہے۔ کم عقل بھی سمجھ جاتا ہے۔

پہلا اعتراض : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند تاروں' سورج کو فرمایا هذا ربی یہ میرا رب ہے' یہی شرک ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ پہلے مشرک تھے بعد میں مومن بنے۔ (نوٹ) موجودہ زمانہ میں اچھے خاصے پڑھے لکھوں نے یہ ٹھوکر کھائی ہے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ هذا ربی جملہ خبریہ ہے جس میں آپ نے اپنے عقیدے کی خبر دی ہے کہ میرے عقیدے میں یہ میرا رب ہے۔ یہاں سوال کے معنی نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ اس میں هل وغیرہ حرف استفہام نہیں ہے۔ نیز ربی فرمایا ربکم نہ فرمایا۔ نیز آگے ارشاد ہوا لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین جس سے صاف معلوم ہوا کہ ابھی آپ کو توحید کی ہدایت نہیں ملی تھی۔ ان وجوہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ بھی مشرک تھے بعد میں توبہ کر کے موحد بن گئے۔ (بعض بے دین)۔ جواب: هذا ربی جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ انکاری سوال ہے۔ ایک ہی عبارت میں لہجے اور طریقہ ادا بدلنے سے سوال' تعجب' امر' استہزاء کے معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ فرمان عالی یا سوال انکاری کے لئے ہے یا اظہار حیرت کے لئے' اس کی چند وجہیں ہیں۔ (1) اگر آپ نے چاند تاروں کو رب مانا ہوتا تو بعد میں آپ توبہ کرتے' کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے مگر ایسا نہ کیا بلکہ فرمایا انی برئی مما تشرکون تمہارے شرک سے میں بیزار ہوں یعنی تم مشرک ہو میں نہ مشرک تھا نہ ہوں نہ ہوں گا۔ (2) اگر یہ فرمان شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے حجتنا نہ فرماتا کہ یہ ہماری سمجھائی' بتائی ہوئی دلیل ہے۔ جو ہم

نے ابراہیم کو سکھائی۔ (3) خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی گفتگو کو ہدایت قرار دیا کہ فرمایا **و قد ھدان** جس سے پتہ لگا کہ یہ کلام عین ہدایت ہے نیز آپ کا **ھذا ربی** فرمانا بحکم نہ فرمانا تبلیغ کا شاندار طریقہ ہے ایک نمازی پرہیز گار عالم بے نمازیوں' فاسقوں سے کہے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے ہم فسق کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نرمی سے تبلیغ کا ہے اپنے بے نمازی ہونے فاسق ہونے کا اعلان نہیں ہے۔ ایسے ہی یہاں ہے اور **لئن لم یھدنی** کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ اگر مجھے رب نے ہدایت یافتہ پیدا نہ کیا ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں سے ہوتا۔ چونکہ اس نے مجھے فطری ہدایت بخشی ہے اس لئے میں گندے ماحول میں رہتے ہوئے بھی ستھرا پاک ہوں یا اگر آئندہ مجھے رب ہدایت پر نہ رکھے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں۔ یا یہاں بھی ذکر اپنا فرمایا اور مراد لی قوم یعنی اگر تم کو رب ہدایت نہ دے تو تم گمراہ رہو' ہدایت اس کے کرم سے ملتی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود فرمایا **لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین**۔ اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے تو میں گمراہوں سے ہو جاؤں۔ معلوم ہوا کہ اس وقت آپ ہدایت پر نہیں' آئندہ ہدایت پائیں گے ورنہ اگر مگر کے کیا معنی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے کہ **لم یھدنی** یا بمعنی ماضی ہے تو معنی یہ ہیں کہ اگر رب تعالیٰ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہ ہو جاتا۔ لیکن اس نے مجھے ہدایت دیدی ہے لہٰذا گمراہ نہیں ہوں یا بمعنی مستقبل ہے یعنی اگر رب تعالیٰ مجھے ہدایت پر قائم نہ رکھے تو میں گمراہ ہو جاؤں۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ نبی کبھی گمراہ نہیں ہوتے مگر رب تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے **و وجدک ضالا فھدی** ہم نے آپ کو گمراہ پایا تو ہدایت دیدی۔ تمہارا یہ کلام اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہاں ضال کے معنی گمراہ نہیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما ضل صاحبکم وما غوی** تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے ضال کے معانی ہیں وارفتہء محبت۔ نشان ہدایت گمراہوں میں پھنسا ہوا خود گمراہ۔ وہاں ضال سے مراد ہیں گمراہ کے علاوہ دوسرے معانی' گمراہ مراد نہیں ورنہ اس آیت سے تعارض ہو گا کہ **ما ضل صاحبکم وما غوی**۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کا علم لدنی ہوتا ہے وہ کسی کے شاگرد نہیں ہوتے مگر قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس شاگردی کرنے بھیجا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا **ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا**۔ پھر تمہارا یہ قول کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وہاں ہرگز نہیں بھیجا ورنہ حضرت خضر علیہ السلام آپ سے پہلے معذرت نہ کرتے اور بعد میں بغیر کچھ سکھائے واپس نہ کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام خود اپنے شوق سے وہاں تشریف لے گئے۔ نیز آپ علم عقائد' علم شریعت سیکھنے نہ گئے تھے کہ یہ علوم تو انہیں توریت کے ذریعہ سکھا دیئے گئے پھر آپ نے ان سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ چند حیرت کی باتیں دیکھ کر واپس آگئے وہ باتیں بھی آپ نے صرف دیکھ لیں' سیکھی نہیں ورنہ آپ بھی واپس آکر کشتی توڑا کرتے' بچوں کو جان سے مارا کرتے' گرتی دیواریں بنایا کرتے' لہٰذا حق یہ ہے کہ آپ حضرت خضر کے شاگرد ہرگز نہ تھے کیونکہ علم تو عمل کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا بالکل صحیح ہے کہ نبی کسی کے شاگرد نہیں ہوتے براہ راست سب کچھ رب تعالیٰ سے سیکھتے ہیں۔ شعر۔

لکھے نہ پڑھے جناب والا   شاگرد رشید حق تعالیٰ

بتاؤ حضرت خلیل نے یہ دلائل کس سے سیکھے۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کے دل میں کسی بندے کا خوف نہیں ہوتا۔ مگر قرآن کریم فرما رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا کہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض

کیا قالا ربنا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی۔ تمہارا یہ قول قرآن کریم کے خلاف ہے۔ جواب: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں۔ خوف کی کتنی قسمیں ہیں اور کون ساخوف انہیں نہیں ہوتا۔ یہ مکمل بحث ہے آسان جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا یہ خوف ظہور نبوت سے پہلے تھا۔ نبوت کے بعد آپ اکیلے فرعون کے پاس گئے اور بے دھڑک اسے تبلیغ کی بلکہ آپ کے فیضان سے فرعونی جادوگر ایمان لانے کے بعد فرعون سے بے خوف ہو گئے۔ صاف کہہ دیا فاقض ما انت قاض جو تجھے فیصلہ کرنا ہے کر جو تجھ سے ہو سکے کر لے ہم ایمان سے نہیں پھر سکتے۔ چھٹا فائدہ: حضرت ابراہیم نے سورج کو رب بھی کہا اور اکبر بھی اکبر تو خدا تعالیٰ کی صفت ہے آپ کا یہ قول شرک ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اکبر بمعنی بڑائی والا ہے نہ کہ بمعنی کبریائی والا۔ بڑائی اور کبریائی میں فرق ابھی تفسیر میں بیان ہوا۔ ریل کے ڈبے اور انجن دونوں ایک لائن پر ایک ہی طرف ایک ہی وقت ایک ہی رفتار سے دوڑتے ہیں۔ مگر ڈبہ ہے انجن انجن ہے۔ سورج اور سورج کی طرف رخ کیا ہوا شیشہ دونوں جھلک رہے ہیں' چمک رہے ہیں' مگر سورج سورج ہے اور شیشہ شیشہ ہے۔ کفار یہ فرق نہیں کرتے تھے۔ ساتواں اعتراض: حضرت خلیل اللہ نے چاند تاروں' سورج کے ڈوبنے کو ان کی عبدیت کی دلیل کیوں بنایا' طلوع ہونے کو دلیل کیوں نہ بنایا' طلوع ہونا بھی تو عبدیت کی دلیل ہو سکتی ہے۔ جواب: اس لئے کہ وہ قوم محض جاہل تھی۔ چاند تارے' سورج طلوع کے وقت ترقی میں ہوتے ہیں اور ڈوبتے وقت تنزل میں۔ یہی ان لوگوں کا عقیدہ تھا۔ جناب خلیل اللہ نے ان چیزوں کا تنزل دکھا کر ان کی الوہیت کی نفی فرمائی کہ جو گھٹے' جو بجھے' جو بے نور ہو جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ہمارا معدہ مکھی وغیرہ قبول نہیں کرتا اگر کوئی مکھی نگل جائے تو فوراً قے ہو جاتی ہے۔ یونہی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا نفس برے عقیدے' برے خیالات قبول نہیں کرتے' صاف آئینہ ہر چیز کی صورت دکھا دیتا ہے' صاف دل ہر چیز کی حقیقت بتا دیتا ہے' دھندلا آئینہ صورت نہیں دکھاتا' میلا دل حقیقت نہیں بتاتا۔ اس قوم کے دل دھندلے بلکہ سیاہ تھے وہ چاند تاروں کی حقیقت معلوم نہ کر سکے' وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ چیزیں ہماری خدمت کے لئے ہیں' ہماری خدام ہیں' وہ خدام کو خدا سمجھ بیٹھے۔ جناب خلیل اللہ کے صاف دل نے فوراً بتا دیا بلکہ لوگوں کو سمجھا دیا کہ خدا خدا ہے' بندہ بندہ۔ دنیا کی ہر چیز کے کمال سے پتہ لگاؤ قدرت ذوالجلال کا ان چیزوں کو خدا نہ سمجھ لو اسی لئے حضرت خلیل اللہ نے سورج کو اکبر کہا اور سورج کی اسی بڑائی کو رب تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا کہ جس نے ایسے چمکتے چاند تارے' ایسا بڑا سورج کو اکبر کہا اور سورج کی اس بڑائی کو رب تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا کہ جس نے ایسے چمکتے چاند تارے' ایسا بڑا سورج پیدا کیا وہ خود کیسا ہے۔ پتنگ اونچی اڑ رہی ہو تو اپنے اڑانے والے کا پتہ دیتی ہے جس کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

آفتاب از امر حق طباخ ما است	ابلہی باشد کہ گوئیم او خدا است
آفتابت گر بگیرو چوں کنی!	آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی
نے بدرگاہ خدا آری صداع	کہ سیاہی را ببر وردہ شعاع
گر کشندت نیم شب خورشید کو	تابنالی یا اماں خواہی ازو
حادثات اغلب بہ شب واقع شود	والہی زماں معبود تو غائب شود

سوئے حق گر راستانہ خم شوی وارہی از اختراں محرم شوی

سورج بحکم خدا اعلیٰ باورچی ہے کہ دانے اور پھل پکاتا ہے اگر ہم اس کو خدا سمجھ لیں تو بڑے بیوقوف ہیں۔ جب سورج کو گرہن لگ جاتا ہے تو تم رب کو پکارتے ہو کہ مولیٰ اسے صاف کردے اگر سورج خدا ہے تو غور کرو کہ رات میں تمہاری حفاظت کون کرتا ہے۔ اکثر عذاب رات میں آتے ہیں جب سورج غائب ہوتا ہے اگر تم اللہ کے دروازے پر جھکے رہو تو چاند تاروں کے پھندے سے آزاد ہو کر محرم راز بن جاؤ۔ جناب خلیل اللہ نے یہی فرمایا کہ لوگو ان نورانی چیزوں کو معرفت الٰہی کا ذریعہ بناؤ انہیں جال بنا کر ان میں نہ پھنس جاؤ' ان چیزوں کو نہ دیکھو بلکہ ان چیزوں سے دیکھو۔ صوفیاء فرماتے ہیں مشرکین ہر طاقتور بڑی چیز کو دیکھ کر اسے خدا کہہ دیتے ہیں۔ وہ اصل اور ظل یعنی سایہ دار اور سایہ میں فرق نہیں کرتے۔ آج بعض توحید کے مدعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بڑائی' ہر تعظیم کو شرک کہہ دیتے ہیں یہ بھی اسی چکر میں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے' بیماروں کو شفا بخشتے تھے مگر تھے بندے۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص سے نابینا آنکھ بینا ہوتی تھی۔ مگر آپ بھی تھے بندے۔ فرق وہ اصل اور ظل کا ہے اسی چکر میں نمرود اور نمرودی لوگ پھنسے تھے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَآ
بیشک میں نے متوجہ کر دیا چہرہ اپنا واسطے اس کے جس نے پیدا فرمائے آسمان و زمین ہر برائی سے دور
میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور
أَنَا۠ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾
ہوں اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے ۔
میں مشرکوں میں نہیں ۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: چاند تاروں کی معبودیت کی پر زور تردید تھی۔ اب سچے معبود اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار اور اعلان ہے۔ گویا لا الٰہ کا ذکر پچھلی آیات میں تھا الا اللہ کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایمان نام ہے نفی اور اثبات کا نفی کے ذکر کے بعد اثبات کا ذکر ہے۔ (لطیفہ) ایک شخص نے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس چرواہے کو بات تو اچھی بتائی تھی جو کہہ رہا تھا کہ خدایا مجھے اپنا گھر دکھادے میں تجھے دودھ پلایا کروں گا۔ تیرے پھٹے کپڑے سیا کروں گا اگر تو بیمار ہو جائے تو تیری دوا کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ شعر۔

گر نہ بندی زیں سخن تو حلق را آتشے آید بسوزد خلق را

مگر رب نے آپ پر عتاب فرمایا کہ تم نے ہمارے بندے کو جدا کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا بندۂ مارا زما کر دی جدا

تعجب ہے کہ آپ اپنا فرض منصبی یعنی تبلیغ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ عتاب فرمادے ہم نے کہا کہ عتاب اس بات پر تھا کہ اسے یہ نہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کیا ہے نفی بتائی ثبوت نہ بتایا' تبلیغ کا دوسرا حصہ چھوڑ ہی بیٹھے۔ آج بعض لوگ ہمیشہ حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نفی ہی بیان کرتے ہیں۔ کبھی یہ نہیں کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے کیسے اور ان کی شان ہے کیا وہ بھی گمراہی کرتے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں زمنی' آسمانی چیزوں کی تبدیلی سے ان کی بندگی ثابت کی گئی تھی۔ اب اس آیت میں خود زمین و آسمان کے خالق یعنی رب تعالیٰ کی الوہیت' اس رب کی خالقیت و مالکیت سے اس کی معبودیت کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ چونکہ وہ آسمان و زمین کا خالق و مالک ہے لہٰذا وہی سچا رب' سچا معبود ہے گویا بندگی کے دلائل کے بعد الوہیت کے دلائل کا بیان ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مشرکین کے مشرک ہونے کا اعلان فرمایا گیا تھا۔ اب خلیل نے اپنے موحد مومن اللہ کا عابد ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ یعنی پہلے کہا گیا کہ تم کون ہو۔ اب بتایا گیا کہ میں کون ہوں تاکہ لوگ آئندہ مومن بننا اپنے ایمان کا اعلان کرنا سیکھ لیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ زمنی بت جو مٹی' پتھر' لکڑی سے تم نے بنائے' آسمانی چاند سورج' تارے' جو کسی کے حکم پر دوڑے پھر رہے ہیں عبادت کے لائق نہیں۔ اب بتایا جارہا ہے کہ عبادت کے لائق وہ ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے یعنی بت زمین کا جز ہیں' زمین سے بنے ہیں۔ چاند تارے' آسمان کا حصہ آسمان میں رہنے والی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود زمین و آسمان کا خالق ہے تو ان کا بھی خالق ہے۔ لہٰذا وہی عبادت کے لائق ہے۔

تفسیر: **انی وجهت وجهی**۔ یہ کلام بھی اس وقت لڑکپن شریف میں جناب خلیل اللہ نے اس قوم سے فرمایا جن سے اب تک گفتگو کی اس جگہ چند چیزیں خیال میں رہیں۔ ایک یہ کہ آپ معرفت کرا رہے ہیں رب کی مگر صفات بیان فرما رہے ہیں اپنے یا اس لئے کہ نبی کی پہچان پہلے ہے۔ خدا کی پہچان بعد میں کیونکہ نبی کی معرفت ذریعہ ہے۔ خدا کی معرفت مقصود وضو پہلے ہے نماز بعد میں اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں اپنے متعلق کفار سے پوچھا کہ تم نے مجھے کیسا پایا اس لئے کہ نبی کی پہچان خدا کی پہچان ہے۔ پھل سے درخت کو پہچانو جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے جناب مریم سے تہمت رفع کرنے کے لئے اپنے فضائل بیان کئے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں پانچ صفات کا ذکر ہے۔ پہلے جناب خلیل کی ایک صفت پیچھے آپ کی دو صفتیں' بیچ میں ہیں رب تعالیٰ کی دو صفتیں تاکہ معلوم ہو کہ توحید وہی قبول ہے جو نبوت کے دامن سے لپٹی ہوئی ہو' نبوت عقیدۂ توحید کا پتہ ہے' پتہ کے بغیر خط منزل پر نہیں پہنچتا اس لئے کہ ہماری دعائیں اور سارے اعمال عقیدۂ توحید قابل قبول نہیں۔ نبوت کے ذکر سے قبول ہونے کی امید ہے اس لئے اول آخر درود شریف پڑھتے ہیں بیچ میں دعا مانگتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس آیت کو ان سے شروع فرمایا جو شک و وہم دفع کرنے یا یقین کے اظہار کے لئے آتا ہے یا یہ بتانے کے لئے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یقین سے کہہ رہا ہوں تم جو چاند' سورج کو خدا کہہ رہے ہو۔ تمہیں اس پر خود یقین نہیں یا اس لئے کہ تم لوگ میری بات پر یقین کرو کیونکہ میں یقینی الہام سے کہہ رہا ہوں' تم لوگوں سے سنی سنائی کہتے ہو۔ چوتھے یہ کہ **وجهت** ماضی فرمایا **اتوجه** مستقبل یا حال نہ فرمایا کہ پتہ چلے کہ میں دنیا میں آکر متوجہ الی اللہ نہیں ہوا ہوں بلکہ پہلے سے ہی ادھر متوجہ ہوں۔ دوسرے لوگ یہاں آکر کسی کی تعلیم سے متوجہ الی اللہ ہوتے ہیں میں متوجہ الی اللہ ہو کر دنیا میں آیا ہوں۔ **وجهت** بنا ہے توجیہ سے جس کا مادہ وجہ ہے۔ بمعنی چہرہ توجیہ کے معنی ہیں چہرہ پھیر دینا' متوجہ ہو جانا۔ دل' چہرہ' توجہ' عبادت' ذات یہاں یا بمعنی ذات ہے یا بمعنی عبادت اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی چہرہ ہو کسی کی اطاعت کرنے' اس کا حکم مانتے وقت انسان اس کی طرف منہ کر لیتا ہے۔ یہ محاورہ یہاں استعمال فرمایا گیا ہو۔ تفسیر کبیر نے یہی آخری معنی کئے باقی دیگر مفسرین نے دوسرے معانی کئے یعنی میں نے اپنی عبادت' اس کی طرف پھیری یا اپنا دل' اپنا چہرہ یا اپنی ذات اس کے لئے اس کی طرف پھیرا' اس میں عقائد' عبادات' معاملات سب کی

طرف اشارہ ہے۔ للذی فطر السموات والارض یہ عبارت متعلق ہے وجہت کے لام بمعنی الیٰ ہے چونکہ الیٰ جہت و سمت چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔ لہٰذا الیٰ نہ فرمایا (تفسیر کبیر) الذی سے مراد ہے ذات باری تعالیٰ فطر کے لفظی معنی ہیں چیرنا کہا جاتا ہے۔ تفطر الشجر بالورق۔ درخت پتوں کی وجہ سے چر گیا (کبیر) اصطلاح میں ایجاد کرنے کو فطر کہا جاتا ہے یعنی بغیر نمونہ دیکھے' پیدا کرنا سماء اور ارض کے معنی آسمانوں کو جمع زمین کو واحد لانے کی وجہ ہم پہلے پارہ میں بیان کر چکے ہیں یعنی میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف کر لیا یا اپنی عبادت اس ذات کے لئے خالص کر دی جس نے آسمانوں اور زمین اور آسمانی اور زمینی چیزوں کو پیدا فرمایا۔ حنیفا یہ لفظ وجہت کے فاعل ت سے حال ہے۔ اس کا مادہ حنف ہے بمعنی ہر برائی سے پھر کر اچھائی کی طرف ہو جانا اور ایسا ہو جانا کہ پھر برائی کی طرف نہ لوٹنا جنف جیم سے بمعنی گناہ کی طرف جھکنا حنف ح سے بمعنی ہٹنا' حنیف کے معنی ہیں ہٹا ہوا یعنی دور اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ہر برائی سے دور دوسرے یہ کہ سارے بروں سے دور اور پھر بھی ایسا نہ کہ پہلے کبھی ان سے قریب تھا نہ آئندہ قریب ہوں گا۔ بچپن' جوانی' بڑھاپہ غرضیکہ زندگی کے ہر دور میں برائیوں اور بروں سے دور رہا ہوں گا۔ پھر ماحول گندہ اور میں ستھرا۔ جیسے جانور کے پیٹ میں دودھ جو خون' گوبر' پیشاب کے ماحول میں رہتا ہے مگر صاف پاک رہتا ہے۔ وما انا من المشرکین۔ یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا حنیفا" پر معطوف ہو کر وجہت کے فاعل سے حال ہے۔ خیال رہے کہ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ میں شرک سے توبہ کرتا ہوں نہ یہ فرمایا کہ میں اب مشرک نہ رہا بلکہ جملہ اسمیہ سے شرک کی نفی کی جس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تو پہلے ہی سے مشرکوں میں نہیں۔ ایک آن کے لئے میں نے شرک و کفر نہیں کیا بلکہ میں نے مشرکین کی کبھی تائید و حمایت بھی نہیں کی میں مشرکین کی جماعت سے نہیں میں تو مومنین بلکہ نبیین مرسلین کی جماعت سے ہوں یا میں مشرکوں سے نہیں پیدا ہوا ہوں۔ میرے ماں باپ بلکہ ساری نسل موحد مومن ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ میں جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہوں اچھا پھول اچھے درخت پر لگتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت حکیمانہ' عارفانہ گفتگو فرمانے کے بعد اپنی قوم کے سامنے اپنی پوزیشن ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم تم نے اپنا شرک و کفر اور اپنے معبودوں کی حقیقت تو معلوم کر لی۔ اب میرا مقام معلوم کرو۔ میں نے تو پہلے ہی سے اول آفرینش سے ہی اپنی ذات اپنے دل کو یا اپنی عبادت کو اس ذات کریم کے لئے متوجہ کر رکھا ہے۔ جس نے بغیر نمونہ کے آسمان و زمین بنایا انہیں مختلف مخلوق سے بسایا۔ پہلے ہی سے ہر قسم کی بد عقیدگی سے بیکسو رہا ہوں میں کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھا' نہ ہوں' نہ ہوں گا۔ خیال رہے کہ حضرت خلیل اللہ نے اس تمام گفتگو میں اپنا کر فرمایا کہ پہلے فرمایا کہ کیا چاند سورج میرے رب ہیں۔ اب فرمایا کہ میں نے اپنے کو رب کی طرف متوجہ کیا مگر مقصود ہے قوم کو ہدایت دینا ان کو بتانا کہ تم بھی میری طرح ہو جاؤ' شرک و کفر سے بیزار ایک رب کے پجاری تبلیغ کا یہ طریقہ نہایت ہی دلنشین اور موثر ہوتا ہے ایک عالم فاسقوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم کو نمازی بننا چاہئے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے یا کہتا ہے کہ میں تو رب کے فضل سے نماز پڑھتا ہوں' گناہوں سے دور رہتا ہوں' نام لیتا ہے اپنا مگر سمجھاتا ہے اس قوم کو کہ تم کو ایسا ہونا چاہئے وہ عالم تو پہلے ہی سے نمازی اور متقی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو لقب ہیں خلیل' حنیف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خصوصی دو لقب ہیں۔ مصطفیٰ' مجتبیٰ حضرت خلیل درخت ہیں۔ جس میں ہزارہا نبوت کے پھول کھلے ہیں۔ ہزاروں نبی آپ کی اولاد ہیں ان تمام پھولوں میں سے ایک پھول رب نے اپنے لئے منتخب فرمالیا۔ اس پھول کا نام رکھا

مصطفیٰ یعنی چنا ہوا۔ منتخب شدہ پھول درخت کی یہ تمام تعریفیں اس پھول کی تعریفوں کی تمہید ہیں کہ جب درخت تمام عیبوں سے دور ہو تو اس کے پھول بھی اعلیٰ ہوں گے۔ شعر۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود!
آقا کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان' اپنے دین کا اعلان کرے۔ اپنا دین و ایمان چھپانے کی چیز نہیں دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا دین و ایمان اپنی قوم کے سامنے علانیہ بیان کیا تقیہ نہیں کیا۔ دوسرا فائدہ: مومن کی ذات' مومن کی صفات' مومن کے سارے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کے لئے چاہئیں۔ یہ فائدہ انی وجهت وجهی سے حاصل ہوا اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے ان صلوتی و نسكی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔ تیسرا فائدہ: مومن کامل وہی ہے جو سارے جھوٹے دینوں برے عقیدوں سے دور رہے اس میں کسی بے دینی کی ملاوٹ نہ ہو یہ فائدہ حنیفا سے حاصل ہوا۔ خالص سونا' خالص عطر اچھا ہے اگرچہ تھوڑا ہو ملاوٹی سونا' ملاوٹی عطر برا ہے اگرچہ زیادہ ہو۔ ہمارے اسلام کو دین حنیفی کہا جاتا ہے اس کے یہی معنی ہیں۔ چوتھا فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی ایک آن کے لئے کفر و شرک نہیں کیا۔ آپ پیدائشی عارف باللہ اور حنیف تھے۔ یہ فائدہ وما انا من المشرکین سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کو اپنے پیاروں خصوصا" جناب خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بڑے ہی پیارے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے خلیل کا وہ کلام قرآن میں نقل فرمایا جو آپ نے اپنی کافر قوم سے کیا۔ اس کلام کو قرآن مجید میں محفوظ کیا بلکہ ہر مسلمان کو حکم دیا کہ نماز شروع کرتے وقت یہ الفاظ انی وجهت الخ پڑھا کرتے پھر نماز شروع کیا کرتے۔ چنانچہ آج تک ہر نمازی نماز شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ کہتا ہے اور مسلمانوں کے بچے بچے کو یاد ہوتے ہیں۔ چھٹا فائدہ: اللہ کے شکر اور دوسروں کو تبلیغ کرنے کے لئے اپنے فضائل بیان کرنا جائز بلکہ سنت انبیاء ہے یہ فائدہ حنیفا وغیرہ سے حاصل ہوا کہ آپ نے اپنے یہ صفات فخر کے طور پر فرمائے بلکہ رب کا شکر ادا کرنے اور لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لئے فرمائے تھے کہ تم بھی ایسے ہو۔ خیال رہے کہ ما انا من المشرکین کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں مشرک نہیں ہوں دوسرے یہ کہ میں مشرک قوم سے نہیں ہوں' مومن مشرک کا ہم قوم نہیں ہوتا اگرچہ ہم نسب' ہم وطن ہے۔ مذہبی قومیت مسلمان کی مسلمان سے ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ میں مشرکوں سے نہیں پیدا ہوا' مومنوں سے پیدا ہوں' میرے والدین بلکہ سارے باپ دادے مومن' موحد تھے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اب تک مومن نہ تھے آج مومن بن رہے ہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں انی وجهت وجهی میں نے اب اپنے کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔ یعنی اب سے پہلے کسی اور کی طرف متوجہ تھا۔ جواب: تم نے یہ ترجمہ غلط کیا کہ میں نے اب متوجہ کر دیا وجهت ماضی مطلق ہے۔ جس میں پچھلا واقعہ بیان فرمایا جاتا ہے معنی یہ ہیں کہ میں تو پہلے سے ہی اپنے کو رب کی طرف متوجہ کر چکا ہوں اب تو اس کا اظہار ہو رہا ہے۔ آج ہر نمازی نماز شروع کرنے سے پہلے یہ پڑھتا ہے تو کیا وہ پہلے کافر ہوتا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس عبارت میں وجهی کیوں فرمایا گیا۔ وجہ کے معنی ہیں چہرہ کیا آپ کا چہرہ تو رب کی طرف تھا دل دماغ کسی اور کی طرف۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی

تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں وجہ بمعنی ذات ہے نہ فقط چہرہ وجہ کے بہت معنی ہیں۔ رب فرماتا ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ اور اگر بمعنی چہرہ ہو تب بھی درست ہے کہ ظاہری جسم میں چہرہ ہی اشرف عضو ہے۔ جب وہی رب کی طرف ہو گیا تو سب کچھ ادھر ہو گیا' ہم نماز کی نیت میں کہتے ہیں' منہ میرا کعبہ شریف کی طرف تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ منہ تو کعبہ کی طرف ہے اور دل کسی اور طرف۔ تیسرا اعتراض: جناب خلیل نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرکوں میں سے نہیں تو کیا آپ دوسرے کافروں میں سے تھے۔ مشرکین کیوں فرمایا۔ جواب: قرآن کریم میں اکثر مشرک بمعنی کافر آتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے اس لئے آپ نے حنیفا فرمایا یعنی ہر بے دین سے دور چونکہ آپ کی قوم مشرک ہی تھی اس لئے یہاں مشرکین ارشاد فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ : حضرات انبیاء کرام دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی مومن' عارف ہوتے ہیں۔ وہاں سے ہی سب کچھ سیکھ کر آتے ہیں۔ اسی کا یہاں اظہار ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی اپنے کو اپنے رب کی طرف متوجہ کر چکا ہوں' سب کچھ سیکھ سکھا کر دنیا میں تشریف لایا ہوں۔ میرا رب وہ اللہ ہے جس نے فیض دینے والے آسمانوں یعنی انبیاء کرام کو بھی پیدا فرمایا اور فیض لینے والی زمین یعنی عام لوگوں کو بھی پیدا کیا۔ یہ فیض دینے والے ان فیض لینے والے بندے ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیلیں ہیں ہم اس رب کو خدا مانتے ہیں جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرما کر انہیں ساری خلقت کا مرجع بنایا۔ شعر۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے مشرب میں وجہ سے مراد ہے دل کا رخ اور اسے رب کی طرف متوجہ کرنے کا مطلب ہے کہ اس دل میں رب کے سوا اور کوئی نہیں۔ دل خلوت خانہ یار ہے اس میں کسی دنیا کی چیز یہاں کے رنج و غم یہاں کی شادی و خوشی کی جگہ ہی نہیں اس کی تفسیر فرمائی حنیفا سے کیونکہ حنیف کے معنی ہیں کہ مومن کے دل میں یار کے سوا کوئی اور نہ ہو جس گھر میں اغیار ہوں وہاں پردہ کر کے آنا ہوتا ہے۔ جہاں یار اور یار کا سامان یار کے اپنے خدام وغیرہ ہوں وہاں یار بے پردہ آتا ہے۔ شعر

بے محابانہ درآ اندریں کاشانہ ما کہ بجز ورد تو کس نیست دریں خانہ ما

اے محبوب میرے دل میں بے پردہ آجاؤ کہ اس دل میں تمہارے ورد کے سوا اور کچھ نہیں مشرک وہی ہے جو اپنے دل کو مشترکہ منزل بنا دے کہ وہاں دنیا بھی بسائے اور دین کو بسانے کی بھی کوشش کرے' دل میں دوئی کی جگہ نہیں۔ صوفیاء کے نزدیک ہر چیز کا قبلہ جداگانہ ہے مگر دل کا قبلہ رضاء ذوالجلال ہے۔

وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا

اور حجت بازی کی ان سے قوم نے انکی فرمایا کیا جھگڑتے ہو تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ ہدایت دی اس نے مجھے اور

اور انکی قوم ان سے جھگڑنے لگی کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو وہ تو مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں

تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا
نہیں ڈرتا ہیں اس سے جسکو تم شریک بناتے ہو مگر یہ کہ چاہے میرا رب کوئی چیز گھیرے ہوئے ہے رب میرا ہر چیز کو
جنہیں تم شریک بناتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب کا علم ہر چیز کو
تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾
علم سے کیا پس نہیں نصیحت پکڑتے تم ۔
محیط ہے ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ان دلائل توحید کا ذکر ہوا جو آپ نے اپنی قوم کے سامنے پیش فرمائے۔ اب ان دلائل پر قوم کے ساتھ مناظرہ کا ذکر ہے۔ مناظرہ میں ترتیب یہی ہوتی ہے کہ پہلے دعویٰ، پھر دلیل، پھر دلیل پر جرح و قدح ہے، پھر ان کے جوابات وہی ترتیب یہاں ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوت دلیل کا ذکر تھا اب آپ کی قوت دل کا ذکر ہے کہ آپ اکیلے تھے مگر آپ کے دل میں مخالفین کی جماعت ان کی دولت، ان کی حکومت سے بالکل خوف و ہراس نہ آیا۔ دلیل کی قوت جب ہی کام آتی ہے، جب دل کی قوت ساتھ ہو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت خلیل اللہ کی قوت دلائل کا ذکر تھا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ دلائل انہیں ملے کہاں سے، ان کے رب کی طرف سے و قد ھدان اور ظاہر ہے کہ رب کا عطیہ بہت ہی پختہ و مضبوط ہوتا ہے اسی لئے اس آیت میں رب تعالیٰ کی صفات کا بھی ذکر ہے۔ و سع ربی الخ۔

تفسیر : و حاجہ قومہ۔ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ حاج بنا ہے محاجتہ سے، جس کا مادہ ہے حجتہ معنی دلیل یا معنی مناظرہ۔ یہ کلمہ اکثر ضد کی حجت بازی کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے یعنی کج بحثی حجہ بازی کی ہ کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں قومہ سے مراد وہی قوم کفار ہے، جن کے مقابل آپ نے مذکورہ دلائل پیش فرمائے یعنی ان کی قوم نے ان سے حجت بازی، جھگڑا، کج بحثی کی ان لوگوں نے چار باتیں کیں ایک یہ کہ آپ کمسن، کم عقل ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ غریب ہیں، آپ کے مقابل لوگ امیر۔ تیسرے یہ کہ آپ اکیلے ہیں آپ کے مقابل جماعت ان وجوہ سے آپ کی بات قابل قبول نہیں۔ آپ کے مقابلین کی بات لائق قبول ہے۔ چوتھے یہ کہ ہمارے پاس فوج پولیس قانون حکومت سب کچھ ہے اگر آپ نے اپنی تبلیغ بند نہ کی تو ہم آپ کو ایذا دیں گے۔ نیز وہ بولے کہ ان بتوں کو ہمارے باپ دادے پوجتے آئے ہیں کیا تم ان سے زیادہ عقل مند ہو۔ اس لئے جو انکار کرتے ہو اتنے بڑے جہان کو اکیلا خدا چلا نہیں سکتا۔ ان بتوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور یہ بت مل ملا کر دنیا کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ سب ہی عبادت کے لائق ہیں اور اے ابراہیم اگر تم نے ہمارے بتوں کی پوجا نہ کی، انہیں برا کہا تو یہ بت تم کو نقصان پہنچادیں گے، تم کو بیمار یا دیوانہ کردیں گے، اپنے پر رحم کرو، ان کی پرستش شروع کردو (از خازن و معانی و کبیر وغیرہ)۔ قال اتحاجونی فی اللہ و قد ھدانِ۔ یہ آپ کا جواب ہے۔ اس میں الف سوال کا ہے اور سوال تعجب کا۔ ہماری قرأۃ میں تحاجونی نون کے شد سے ہے اصل میں تحاجوننی تھا۔ دونوں نون کا

ادغام کر دیا گیا ہے۔ بعض قراتوں میں تحاجونی بغیر شد کے ہے یعنی ایک نون گرا کر فی اللہ سے مراد ہے فی ذات اللہ یا فی صفات اللہ وقد میں واؤ حالیہ ہے یہ عبارت تحاجونی کے ی سے حال ہے۔ ھدا کا فاعل اللہ تعالٰی ہے اس ھدان میں تین باتیں فرمائیں ایک یہ کہ مجھے ایمان و عرفان کی ہدایت فطری طور پر ملی ہے میں دنیا میں آنے سے پہلے ہدایت یافتہ تھا۔ دوسرے یہ کہ مجھے ہدایت بلاواسطہ رب نے دی ہے کسی اور کے ذریعہ نہیں ملی لہٰذا یہ ہدایت مجھ سے سلب نہیں ہو سکتی خوف امید اسے چھین نہیں سکتی' چاند' سورج کی روشنی کوئی نہیں دور کر سکتا کہ انہیں رب نے روشن کیا ہے۔ چراغ بندہ روشن کرتا ہے' بندہ بجھا بھی دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ رب تعالٰی نے مجھے ہر قسم کی ہدایت دی ہے' ایمان کی بھی عرفان کی بھی' نیک اعمال کی بھی۔ رب کی طرف سے مطلقاً ہدایت یافتہ ہوں تمہارے لئے میری ہر ادا ہادی ہے۔ نیز رب نے مجھے ہدایت دی ہے یعنی ایصال مطلوب تمہیں میرے ذریعہ سے ہدایت ملے گی بمعنی اراۃ طریق یعنی راہ دکھانا غرضیکہ ایک لفظ قد ھدان میں آپ نے ان کی تمام باتوں کا جواب دے دیا کہ زیادتی عمر' زیادتی مال' زیادتی جیتھہ' عقل باتوں میں دیکھی جاتی ہے۔ میں وحی الٰہی سے کہہ رہا ہوں وحی سب پر حاوی ہے اس میں عمر' مال' وغیرہ نہیں دیکھا جاتا۔ یعنی اے قوم والو تعجب ہے کہ تم مجھ سے کج بحثی کرتے ہو یعنی تم مجھ سے فیض لیتے نہیں مجھے ایذا دیتے ہو تم مجھ سے دودھ نہیں پیتے میرا خون پیتے ہو ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ قریبی اور قرابت دار نبیوں سے فیض نہیں لیتے انہیں ستاتے ہیں۔ دوسرے دور کے لوگ ان سے سب کچھ لے لیتے ہیں ان کی بکواس کا جواب یہ دیا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اپنی طرف سے نہ کہا بلکہ مجھے میرے رب نے ایمان' عرفان' ان دلائل کی ہدایت دی تو کہا ہے۔ خیال رہے کہ ھدا ماضی مطلق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مجھے میرے رب نے اول ہی سے ہدایت دی ہے میں ہدایت لے کر دنیا میں آیا ہوں' میری عمر دیکھو اور میرے کلام میں غور کرو یہ کلام ہی اس ہدایت کا پتہ دے رہا ہے۔ ولا اخاف ما تشرکون بہ یہ عبارت یا تو نئی ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا ھدان پر معطوف ہے تو واؤ عاطفہ ہے اس عبارت میں آپ نے اپنے دل کی قوت اطمینان اور بے خوفی کا ذکر فرمایا ما سے مراد ان کے سارے جھوٹے معبود ہیں خواہ چاند تارے' سورج ہوں خواہ نفسی بت خواہ ساری دنیا کا بادشاہ نمرود ہو جس کے ملک میں آپ رہتے تھے۔ یعنی میں تمہارے کسی بت سے ذرا برابر خوف نہیں کرتا۔ تمہارا نمرود کی پولیس' فوج' اس کی دولت' و حکومت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تشرکون بنا ہے اشراک سے بمعنی خدا کا شریک بنانا یا شریک ماننا بہ کا مرجع اللہ تعالٰی ہے اصل عبارت یوں تھی۔ الا ان یشاء ربی شیئا۔ یہ عبارت لا اخاف سے منقطع مستثنیٰ ہے یشاء الخ مبتداء بمعنی شرط ہے اس کی خبر بمعنی جزاء ہے کان شیء سے مراد تکلیف و نقصان ہے۔ یعنی اگر میرا رب ہی مجھے بیمار کرنا یا اور کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو وہ ہو جائے گا اس میں تمہارے بتوں کا کوئی تعلق نہیں۔ وسع ربی کل شیء علما یہ عبارت گویا یشاء ربی کی دلیل ہے۔ وسع بنا ہے وسع سے بمعنی گھیرنا یا گنجائش رکھنا۔ کل شیء سے مراد ہر چیز ہے ممکن ہو یا واجب یا ناممکن موجود ہو یا غیر موجود۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کا علم ان چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ علما" تمیز ہے ربی کی یعنی میرے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اس کے علم سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی' میری بیماری تندرستی' میرا آرام و تکلیف اس کے علم میں ہے۔ اس کے مطابق یہ چیزیں مجھ کو پہنچتی ہیں نہ کہ تمہارے بتوں کی ناراضی سے۔ اس فرمان عالی کے دو منشاء ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ رب تعالٰی کی طرف سے مجھے جو تکلیف یا مصیبت یا راحت پہنچے گی وہ اس کے علم و حکمت کے ماتحت پہنچے گی میری بلندی درجات کا باعث ہو گی' وہ علیم و خبیر اپنے بندوں کو کبھی راحت کے ذریعہ اپنے تک بلاتا ہے' کبھی مصیبت کے راستے سے'

یہ سب اس کے راستہ ہیں۔ مستری لوہے کو گرم کر کے کوٹ کر قیمتی بناتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تم نمرود کے پجاری میں اللہ واحد قہار کا عابد تمہارا رب ایسا بے خبر ہے کہ اسے تمہاری میری اس گفتگو کی بھی خبر نہیں۔ اس نے چاہا تھا کہ میں دنیا میں نہ آؤں مگر دیکھ لو اسے خبر بھی نہ ہوئی اور میں آ گیا۔ تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ میرا رب ایسا علیم و خبیر ہے کہ اسے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کی خبر ہے' اس خبیر کی خبر دینے سے مجھے ہر چیز کی خبر ہے لہذا عبادت کے لائق وہی ہے نہ کہ نمرود وغیرہ۔ **افلا تتذکرون** اس عبارت میں اس قوم کی جہالت کا ذکر ہے کہ اتنی ظاہریات بھی نہیں سمجھتے **افلا** کا سوال بھی یا تو تعجب کے لئے ہے یا اظہار افسوس کے لئے تذکر بنا ہے ذکر سے بمعنی نصیحت یعنی تم میرے اس کلام شریف سے نصیحت کیوں نہیں پکڑتے تمہارے دماغ دنیاوی کاموں میں تو خوب چلتے ہیں دین کی باتوں میں کیوں نہیں چلتے۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آزر بت ساز بھی تھا اور بت فروش بھی۔ بت بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ جناب خلیل اللہ نے ایک بار اس کے بت کو ہاتھ میں لے کر بازار میں اعلان کیا کہ کون خریدتا ہے وہ چیز جو صرف نقصان ہی دیتی ہے۔ نفع بالکل نہیں دیتی اگر کسی کو اپنی دنیا و دین دونوں برباد کرنے ہوں تو یہ خرید لو۔ اس اعلان پر کسی نے نہ خریدا۔ آپ ان بتوں کو لے کر ایک نہر پر تشریف لے گئے' ان کے منہ پانی میں ڈبو کر بولے کہ بتو پانی پی لو یہ سب کام قوم کے سامنے کئے۔ اس پر آزر اور آپ کی قوم جل گئے کہنے لگے کہ ابراہیم اگر تم ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو یہ بت تم کو بہت نقصان پہنچائیں گے۔ تم ان کی طاقت سے بے خبر ہو یہ بت ہمارے باپ داداوں کے معبود ہیں اور ان کی مدد سے دنیا قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا اس آیت کریمہ میں اس حجت بازی کا ذکر ہے (خازن' معانی وغیرہ) جب آپ سے آپ کی قوم نے مذکورہ حجت بازی کی تو آپ نے جواب دیا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ تم مجھ سے اس اللہ تعالیٰ کے متعلق کج بحثی کر رہے ہو جو مجھے اول سے ہی ہدایت دے چکا ہے میں تمہاری ان باتوں میں آنے کا نہیں۔ کان کھول کر سن لو کہ میں تمہارے بتوں' تمہارے نمرود' تمہاری قوت و طاقت سے بالکل نہیں ڈرتا تم سب مل کر جو چاہو میرا بگاڑ لو اگر اللہ تعالیٰ ہی مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو پہنچ سکتا ہے ورنہ نہیں میرے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ اے میری قوم تم میری ایسی اعلیٰ گفتگو سے نصیحت کیوں نہیں پکڑتے۔ خیال رہے کہ دنیاوی تکالیف' بیماریاں وغیرہ کفار کے لئے اللہ کا عذاب ہیں کہ رب انہیں تنبیہ فرماتا ہے وہ راستہ پر نہیں آتے۔ کل قیامت میں وہ کوئی بہانہ نہیں بنا سکیں گے کہ ہم کو تیری قدرت اور پکڑ کی خبر نہ تھی یہ تکالیف انہیں رب کی پکڑ' اس کی قدرت پر مطلع کرتی ہیں۔ مومنوں کے لئے رحمت ہیں کہ مومن ان تکالیف میں گناہوں سے توبہ کر کے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کے لئے ذریعہ تبلیغ کہ ان کی تکالیف سارے عالم کے لئے ذریعہ صبر ہوتی ہیں یونہی راحتیں نعمتیں کافر کے لئے عذاب ہیں کہ وہ اور بھی مغرور و غافل ہو جاتا ہے۔ مومن کے لئے ذریعہ شکر ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کے لئے تبلیغ یہاں جناب خلیل کا یہی مقصد ہے کہ مجھ پر جو تکالیف آئیں گی میرے رب کی طرف سے آئیں گی اور وہ علیم ہے کسی کو تکالیف عذاب بنا کر دیتا ہے کسی کو رحمت بنا کر۔ سبحان اللہ کیسا پیارا کلام ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مناظرہ میں باطل پرست فریق اللہ کے نزدیک جھگڑالو اور فسادی ہوتا ہے حق پرست شخص مصلح ہے یہ فائدہ حاجہ قومہ سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل اللہ کی قوم کو حاج کا فاعل قرار دیا۔ خیال رہے کہ خلیل اللہ سے یہ جھگڑا آپ کی قوم نے کیا تھا دوسرا جھگڑا نمرود بادشاہ نے۔ چنانچہ

ارشاد باری ہے الم ترا الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ وہاں بھی حق تعالیٰ نے نمرود کو جھگڑالو فرمایا۔ دوسرا فائدہ: جو قوم اپنے جاہل و کافر باپ دادوں کی جھوٹی رسموں میں جکڑی ہوئی ہو اسے نبی سے بھی ہدایت ملنا مشکل ہے۔ یہ فائدہ بھی حاجہ قومہ سے حاصل ہوا۔ پیغمبر کے مقابل دوسروں کی تقلید تحقیق کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ نبی کے فرمان پر اپنی عقل، رسم و رواج سب چھوڑ دینے چاہئیں۔ تیسرا فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام ہدایت یافتہ پیدا ہوئے۔ آپ کی یہ مذکورہ ساری گفتگو قوم کو الزام دینے کے لئے تھی نہ اس لئے کہ آپ کو کچھ تردد تھا۔ یہ فائدہ لقد ھدانی سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو براہ راست ہدایت دیتا ہے اور دوسروں کو نبی کی معرفت سے یہ فائدہ بھی و قد ھدانی سے حاصل ہوا کہ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے ہدایت دی ہے، سورج کو رب تعالیٰ نے براہ راست روشنی دی اور زمین کو سورج کے ذریعہ سے منور فرمایا۔ پانچواں فائدہ: ہماری ہدایت اور نبی کی ہدایت میں چند طرح فرق ہے ہم کو ہدایت کسبی ہوتی ہے، ان کو ہدایت فطری، ہم کو ہدایت ملتی ہے بمعنی راہ دکھانا ان کو ہدایت ملتی ہے بمعنی منزل پر پہنچا دینا لہٰذا ہماری گمراہی ممکن ان کی گمراہی ناممکن ہے۔ ہم یہاں راستہ پر چلتے ہیں وہ ہم کو راہ پر چلاتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی و قد ھدانی سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بڑی دلیری، جرات، ہمت عطا فرماتا ہے ان کے دل میں کسی کا خوف نہیں آتا۔ یہ فائدہ ولا اخاف ما تشرکون الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت خلیل اس وقت دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ قوم دشمن، بادشاہ دشمن، بادشاہ کی پولیس، فوج دشمن مگر اللہ اکبر کس ہمت و جرات سے فرمایا کہ مجھے تمہارے جھوٹے معبودوں سے کوئی خوف نہیں جو ہو سکتا ہے کر لو۔ ساتواں فائدہ: دنیاوی مصیبتیں اور تکلیفیں اللہ کے مقبول بندوں کی ناراضی کی علامت نہیں یہ فائدہ الا ان یشاء ربی الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: بتوں کی مجبوری معذوری نفع نقصان کا مالک نہ ہونا ان کی بندگی کی دلیل ہے اس دلیل میں غور کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ افلا تذکرون سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: کبھی مخلوق سے بھی نفع نقصان پہنچ جاتا ہے مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس سے وہ مخلوق رب نہیں بن جاتی۔ سانپ کاٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے، تریاق سے زہر اتر جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فائدہ بھی الا ان یشاء ربی سے حاصل ہوا۔ فاعل حقیقی رب ہے، مخلوق سبب ہے۔ دسواں فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے خطرناک موقعہ پر بھی تقیہ نہیں کیا بلکہ اپنے ایمان کا اعلان فرمایا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ قوم نے توحید پر یہ اعتراض بھی کیا کہ اکیلا رب اتنے بڑے جہان کا انتظام نہیں کر سکتا۔ حضرت خلیل اللہ نے اس کا جواب کیوں نہیں دیا صرف عتاب ہی فرما دیا معترضین کا اعتراض تو باقی ہی رہا۔ جواب: واہیات اعتراض کا جواب نہ دینا معترض کو در کار دینا سنت الٰہیہ ہے دیکھو ابلیس نے حکم سجدہ سے سرتابی کرتے ہوئے بڑے بڑے دلائل قائم کئے خلقتنی من نار وغیرہ مگر رب تعالیٰ کی طرف سے بجائے جواب کے عتاب ہی آیا کیونکہ اس کی دلیل ظاہر ظہور غلط تھی۔ جب وہ قوم یہ تو مانتی تھی کہ سارے جہان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اسے مدبر امر ماننے سے انکار کیوں کرتی تھی۔ پیدا کرنا مشکل ہے، انتظام کرنا اتنا مشکل نہیں۔ دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کو ہدایت ملتی ہے بمعنی منزل پر پہنچا دینا، راہ چلنا ہمارا کام ہے، راہ چلانا ان کا کام مگر قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم جس سے معلوم ہوا کہ حضور سرکار بھی راستہ میں چلتے ہیں ہم میں ان میں کوئی فرق نہیں۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب: تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے ان

ربی علی صراط مستقیم میرا رب سیدھے راہ پر ہے کیا رب تعالیٰ بھی راستہ چل رہا ہے۔ تحقیقی جواب: یہ ہے کہ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ آپ سیدھی راہ پر چلتے ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ سیدھی راہ پر ملتے ہیں۔ جیسے کہا جائے کہ لائلپور (موجودہ فیصل آباد) سیدھی سڑک پر ہے یعنی سیدھی سڑک چلنے پر مل جاتا ہے۔ خیال رہے کہ دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی سیدھی راہ پر ملتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیدھی راہ پر ملتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملتا ہے اس کے ملنے کا ٹھکانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ہے۔ تیسرا اعتراض: ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ میرے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے اس کی قدرت بھی تو ہر چیز کو گھیرے ہے قدرت کا ذکر کیوں نہ کیا۔ جواب: اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت زیادہ ہے' قدرت کی وسعت سے کیونکہ اس کا علم ممکنات نا ممکنات واجب' سب ہی کو گھیرے ہے' مگر قدرت صرف ممکنات کو گھیرے ہے نا ممکن چیزیں یونہی واجب قدرت کے گھیرے سے باہر ہیں مقصد یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔ مجھ پر راحتوں' مصیبتوں کا آنا اس کے علم' اس کی حکمتوں سے ہے۔ چوتھا اعتراض: حضرت خلیل نے فرمایا **لا اخاف ما تشرکون** مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **اننا نخاف ان یفرط علینا** خدایا ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا۔ وہ بھی تو نبی تھے وہاں فرعون سے ڈر کیوں ہوا۔ یہاں نمرود سے کیوں نہ ہوا۔ جواب: خوف تین قسم کا ہوتا ہے' خوف ایذا جیسے سانپ سے ڈر خوف ہیبت جیسے حاکم کی کچہری سے ہیبت۔ خوف اطاعت نبیوں کو خوف ایذا ہو سکتا ہے کسی سے خوف ہیبت یا خوف اطاعت نہیں ہو سکتا۔ مگر جناب خلیل بڑی شان کے مالک ہیں۔ آپ کو نمرود سے خوف ایذا بھی نہ ہوا یہ آپ کی خصوصی شان ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بندے دو قسم کے ہیں محبوبین اور محجوبین محجوب بندوں کے پاس الفاظ کی فراوانی قال کی بھرمار حجت بازی' مناظروں کی کثرت ہے۔ محبوبین ان تمام جھگڑوں سے وراء ہیں دیکھو اس کافر قوم کو جو کج بحثی سوجھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں دور تھے۔ اس لئے رب نے فرمایا **و حاجہ قومہ** یہ تمام حجت بازیاں اسی حجاب کا نتیجہ تھیں۔ جناب خلیل اللہ کا ایک ہی جواب تھا کہ **قد ھدان** مجھے رب نے ہدایت دے دی ہے۔ جسے وہ ہدایت دیدے اسے یہ حیلے بہانے نہیں سوجھتے اللہ تعالیٰ نے ہدایت عامہ تو سب ہی کو دی مگر ہدایت خاصہ یعنی پردے اٹھا دینا خاص بندوں ہی کو عطا فرمائی جسے یہ ہدایت مل جاتی ہے وہ عقلی ڈھکوسلوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد   شمس آمد شمع خود بیچارہ شد

عقل شمع و چراغ ہے' عشق الٰہی سورج جس دل پر عشق الٰہی کی جلوہ گری ہے وہاں عقل کا داؤ نہیں چلتا اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے وہ جانتا ہے کہ کون کس نعمت کے لائق ہے عقل و عشق اس نے اپنے علم کے مطابق تقسیم فرمائے۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا

اور کیسے ڈروں میں ان چیزوں سے کہ شریک بنایا تم نے حالانکہ نہیں ڈرتے ہو تم کہ تحقیق تم نے شریک ٹھہرایا
اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کا شریک اسے ٹھہرایا

لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ

ساتھ اللہ کے اسے کہ نہیں اتاری اس کی تم پر کوئی دلیل تو کون دو فریقوں میں سے زیادہ حق دار ہے امن کا اگر ہو

جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں امان کا زیادہ سزاوار کون ہے

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ

تم جانتے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ساتھ ظلم کے یہ ہی لوگ ہیں

اگر تم جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں

لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

کے واسطے ان کے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں

کے لیے امان ہے اور وہ ہی راہ پر ہیں۔

تعلق : ان آیتوں کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایمان کامل کا اعلان فرمایا۔ اب آپ نے اس ایمان کے دینی و دنیاوی فائدوں کا ذکر کیا یعنی دونوں جہاں میں امن و امان تا کہ ان کو ایمان کی طرف رغبت ہو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی واقعی بے خوفی کا ذکر فرمایا تھا ولا اخاف ما تشرکون۔ اب ان مشرکین کے عقیدے کے اعتبار سے اپنی بے خوفی کا ذکر فرمایا کہ تمہارے عقیدے میں بھی یہی چاہئے کہ مجھے بے خوفی ہو تم کو خوف ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ ہوں تم غدار۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بے خوفی کا ذکر فرمایا تھا اب ان مشرکین کے واقعی خوف کا ذکر ہے کہ واقعہ میں خطرناک کام تم کر رہے ہو تم کو خوف کرنا چاہئے۔ گویا ایمان کے فائدوں کے ذکر کے بعد کفر و شرک کے نقصانات کا ذکر ہے۔

تفسیر : وکیف اخاف ما اشرکتم۔ قوی بات یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے۔ کیف عربی زبان میں کیفیت پوچھنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے کیف حالک یہاں سوال انکاری ہے جس سے خوف کی ساری کیفیتوں کی نفی مقصود ہے یعنی میرے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں میں نمرود وغیرہ سے کیوں ڈروں ڈرے وہ جو لاوارث ہو ماسوا مولا اس کے سارے جھوٹے معبود ہیں خواہ آسمانی چاند سورج ہوں یا زمینی بت یا نمرود چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے منکر یعنی دہریئے نہ تھے بلکہ اسے دنیا کا خالق مان کر بتوں کو اس کا شریک مانتے تھے اس لئے اشرکتم فرمانا بالکل درست ہوا۔ نمرود بھی اپنے کو خدا تعالیٰ کی مثل اس کی برابر سمجھتا تھا خدا کی ذات کا منکر نہ تھا یعنی میں تمہارے مانے ہوئے فرضی شریکوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جیسے اپنی دولت بنک میں رکھ دی جائے یا بیمہ کرادی جائے تو اس کے ضائع ہونے کا خوف نہیں رہتا وہاں چور نہیں پڑتا۔ حضرات انبیاء کرام کی عزت عظمت ان کا دین و ایمان گویا بیمہ شدہ دولت ہے۔ ہر خطرے سے محفوظ بلکہ جو ان کے قدموں سے وابستہ ہو جائے وہ بھی ہر خطرہ سے باہر ہو جاتا ہے وہ تو خطرہ دور کرنے والے ہیں انہیں خطرہ اور ڈر کس کا ہو اس لئے فرمایا لا اخاف ما اشرکتم ۔ ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ یہ عبارت اخاف کے فاعل انا کا حال ہے لہٰذا واؤ حالیہ ہے۔ لا تخافون میں قوم اور نمرود

سب ہی سے خطاب ہے **لا تخافون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اللہ اور انکم مفعول لہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ **انکم اشرکتم** ہی
مفعول بہ ہو چونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے تھے۔ اس لئے **اشرکتم باللہ** فرمانا بالکل درست ہوا۔ **ما لم ینزل بہ
علیکم سلطانا** یہ عبارت اشرکتم کا مفعول بہ ہے ما سے مراد ہر غیر خدا ہے۔ سلطان سے مراد قوی دلیل ہے خواہ وحی الٰہی ہو
یا قول رسول سلطان کے لغوی معنی ہیں غلبہ چونکہ قوی دلیل بھی مدعی کے غلبہ کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے اسے سلطان کہا جاتا
ہے۔ یعنی تم نے اللہ کا شریک ان چیزوں کو مان لیا جن کے شریک ہونے پر نہ کوئی آسمانی کتاب گواہ ہے نہ کسی رسول کا قول نہ کسی
رسول کی وحی۔ دینی چیزوں کے لئے نقلی دلائل کی ضرورت ہے تمہارے پاس موجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے واحد قہار لا شریک
لہ ہونے پر آسمانی کتابیں' نبیوں کے فرمان' آسمانی وحی' سب ہی گواہ ہیں۔ اتنا فرما کر انہیں ڈرانے کے لئے ان سے نہایت نفیس
سوال فرمایا۔ خیال رہے کہ جو چیز محسوس نہ ہو اسے دلیل سے معلوم کرتے ہیں۔ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے' دلیل عقلی' دلیل
نقلی۔ دلیل عقلی اجمالی علم دیتی ہے۔ دلیل نقلی تفصیلی علم بخشتی ہے' ریل کی حرکت انجن کے ثبوت کی اجمالی عقلی دلیل ہے۔ جس
سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اسے انجن چلا رہا ہے مگر انجن کے کل پرزے وہ بتائے گا جو اس میں رہتا ہوا سے جانتا ہو'
آسمان و زمین کی چیزیں رب تعالیٰ کی ہستی کی اجمالی عقلی دلیلیں ہیں کہ ان کا کوئی خالق ہے مگر خالق کے صفات اس کے احکام نبی
بتائیں گے جو اس کی ذات و صفات کے عارف ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ نمرود وغیرہ کی خدائی پر نہ تو عقلی دلیل ہے کہ وہ خود کھاتا پیتا
سوتا جاگتا ہے پھر وہ رب کیسا اور نہ کسی نبی نے' نہ کسی کتاب نے اس کی الوہیت کا اعلان کیا پھر وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرات
انبیاء اللہ تعالیٰ کی جیتی جاگتی' بولتی ہوئی تفصیلی دلیلیں ہیں۔ **فای الفریقین احق بالامن**۔ خیال رہے کہ فریق پورے
گروہ کو کہا جاتا ہے۔ صرف ایک شخص کو فریق یعنی گروہ نہیں کہتے۔ چونکہ اس وقت آپ بھی مومن تھے' آپ کے والد
حضرت تارح' آپ کی والدہ حضرت متلی' آپ کے بھتیجے حضرت لوط اور ہاران کی بیٹی حضرت سارہ وغیرہم بھی۔ لہذا اس وقت
مومنوں کا بھی فریق موجود تھا۔ مشرکین سے تو وہ سارا علاقہ بھرا ہوا تھا لہذا الفریقین فرمانا بالکل درست ہے۔ احق اسم تفضیل ہے
حقیق کا بمعنی لائق' سزاوار' مستحق' امن سے مراد آخرت کے دائمی عذاب سے محفوظ رہنا ہے۔ لہذا آیت پر کوئی اعتراض
نہیں یعنی تم خود ہی سوچ لو کہ اس وقت عراق میں دو گروہ موجود ہیں۔ ایک مومنوں کا دوسرا مشرکوں کا۔ مومن بندے وفادار ہیں
اور مشرکین غدار بتاؤ ان دونوں گروہوں میں عذاب دائمی سے امن میں رہنے کا مستحق کون ہے تمہارا نمرود بھی وفادار نوکروں کو
امان تنخواہ سب کچھ دیتا ہے۔ غداروں کو سزا دیتا ہے' دنیا آخرت کا نمونہ ہے تم اپنے اور ہمارے متعلق خود فیصلہ کر لو **ان کنتم
تعلمون** اس شرط کا تعلق **فای الفریقین** الخ سے ہے۔ اس کی جزاء پوشیدہ ہے علم سے مراد عقل' سمجھ بوجھ اور تجربہ کا علم ہے
یعنی اگر تم جانتے ہو تو فیصلہ کر لو یا مجھے جواب دو تم نے دنیا کے بادشاہوں کا کیا طریقہ دیکھا ہے اس تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
میرے سوال کا جواب دو اور اپنے میرے متعلق فیصلہ کر لو۔ **الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم** قوم نے آپ
کے سوال کا جواب نہ دیا تو آپ نے خود ہی ان کو یہ جواب دیا یعنی خود ہی سوال قائم فرمایا اور خود ہی جواب دیا۔ حق یہ ہے کہ یہ کلام
شریف بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی ہے اس عبارت میں ایمان سے مراد ہے لغوی ایمان یعنی اللہ کی ذات کو ماننا ہر یہ نہ ہونا
ظلم سے مراد شرک ہے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **ان الشرک لظلم عظیم**۔ خیال رہے کہ یہاں ظلم کی تنوین بیان
عظمت کے لئے ہے اور ظلم سے مراد ظلم عظیم یعنی بڑا ہی ظلم ہے جس کی معافی نہ ہو سکے وہ کفر و شرک ہی ہے۔ گناہ' خطا کو ظلم

کہا گیا ہے مگر وہ چھوٹے اور قابل معافی ظلم ہیں' ظلم کے معنی اس کے اقسام ان اقسام کے دینی و دنیاوی احکام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک مانیں پھر اس عقیدے میں کفر و شرک کی آمیزش بھی نہ کریں تو ان کی جزاء یہ ہے کہ **اولئک لھم الامن و ھم مھتدون** یہ عبارت خبر ہے **الذین امنوا** الخ کی اس عبارت میں مخلص مومنوں کی دو جزائیں بیان ہوئیں۔ ان جزاؤں میں چار احتمال ہیں ایک یہ کہ ہدایت اور امن دونوں سے دنیاوی امن و ہدایت مراد ہے۔ یا دونوں سے اخروی امن و ہدایت مراد ہے یا امن سے مراد ہے دنیاوی امن اور ہدایت سے مراد ہے اخروی ہدایت یا اس کے برعکس کہ امن سے مراد ہے۔ اخروی امن ہدایت سے مراد دنیاوی ہدایت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں سے مراد ہوں۔ دونوں جہان کی امن و ہدایت یہ پانچواں احتمال قوی ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں لہٰذا اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں امن سے مراد قبر میں حشر میں پل صراط پر امن ہے کہ یہ لوگ قبر کے امتحان میں کامیاب ہوں گے۔ قیامت کے حساب میں کامیاب ہوں گے' پل صراط سے بخیریت گزر جائیں گے دنیا میں وہ اچھے عقائد' اچھے اعمال' اچھے احوال کی ہدایت پائیں گے' چونکہ آخرت کی امن اعلیٰ اور اصل مقصود ہے۔ دنیا کی ہدایت اس امن کا ذریعہ ہے اس لئے اخروی امن کا ذکر پہلے کیا دنیاوی ہدایت کا ذکر بعد میں یا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا میں شیطان نفس امارہ برے ساتھیوں بہت سی مصیبتوں سے بھی امن میں رہیں گے اور ہدایت پر بھی رہیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصیرت افروز گفتگو سن کر پہلے تو قوم نے الٹے سیدھے جواب دیئے کہ یہ ہمارے باپ دادا کا دین ہے ہم تمہارے کہنے سے اسے کیسے چھوڑ دیں وغیرہ۔ اس کا جواب آپ نے دیا جو ابھی پچھلی آیت میں گزرا۔ پھر آپ کو اپنے بتوں' نمرود کی قوت و سلطنت' اپنی جماعت سے ڈرانے دھمکانے لگے کہ ہمارے بت تم کو دیوانہ کر دیں گے' ہم تم کو پتھراؤ کریں گے۔ نمرود آپ کو قتل کرا دے گا وغیرہ۔ ان دھمکیوں کا آپ نے وہ جواب دیا جو یہاں مذکور ہے کہ اے قوم میں تمہارے شرک و بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں ان سے کیوں ڈروں میں تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت و امن میں ہوں ڈرنا تو تمہیں چاہئے کہ تم نے ان چیزوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے جن کی شرکت پر اللہ نے کوئی کتاب' کوئی آیت نہ اتاری کسی نبی' کسی رسول نے ان کی الوہیت کی دعوت نہ دی تم خود ہی سوچ لو کہ اس وقت عراق میں دو ٹولے ہیں۔ ایک مومنوں کا جیسے میں اور میری جماعت دوسرے مشرکوں کا جیسے تم اور تمہاری جماعت غور کرو کہ دین اور دنیا میں امن و امان عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کا حقدار کون سا گروہ ہے اگر تم میں کچھ علم و عقل و شعور ہو تو سوچ لو کہ بندے وفادار امن کے حقدار ہیں یا بے وفا غدار لوگ۔ اس سوال کا جواب ان لوگوں سے نہ بن پڑا تو آپ نے خود فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کو مانیں' اس کی الوہیت کا اقرار کریں اور اس اقرار کے ساتھ شرکیہ کفریہ عقیدے کو مخلوط نہ کریں۔ یقینی بات ہے کہ وہی لوگ آخرت میں امن و امان میں ہوں گے اور دنیا میں ہدایت پر یا دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے امن اور اچھائیوں کی ہدایت ان ہی کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ آخری آیت کے دو جز ہیں۔ پہلے جز میں دو کاموں کا ذکر ہے ایمان لانا' اور ایمان کو ظلم سے مخلوط نہ کرنا' اور ان کاموں کے دو انعاموں کا امن میں رہنا' ہدایت پر ہونا۔ پہلے جز کی چار تفسیریں ہیں۔ ایک تو معتزلہ خوارج کی' دوسری موجودہ زمانہ کے توحیدیہ فرقہ یعنی وہابیوں کی۔ تیسری علماء ربانی کی۔ چوتھی صوفیاء حقانی کی معتزلہ و خوارج کہتے ہیں کہ جو سارے ایمانیات کو مانے اور ایمان کو گناہ سے مخلوط نہ کرے وہ امن و ہدایت پائے گا ان کے ہاں فاسق کافر ہے یا ایمان سے خارج ہے۔ یہ تفسیر باطل ہے کہ اس میں مغفرت' بخشش' شفاعت' سب کی نفی ہے۔ قرآنی آیات و احادیث کے خلاف ہے موجودہ توحیدیے کہتے ہیں کہ جو ساری ایمانی چیزوں کو مانے اور

اپنے ایمان کو ظلم یعنی شرک سے مخلوط نہ کرے کہ غیر خدا سے حاجتیں نہ مانگے ' کسی کو نہ پکارے ' یا رسول اللہ ' یا غوث وغیرہ نہ کہے۔ اس کے لئے امن وہدایت ہے ' یہ تفسیر بھی باطل ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث کے خلاف ہے۔ علماء ربانی وہ فرماتے ہیں جو ابھی تفسیر اور خلاصہ میں عرض کیا گیا۔ صوفیاء کرام نے جو اس کی تفسیر کی وہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اللہ کے معاملہ میں لوگوں کے جتھے ' ان کی دولت و قوت سے خوف نہ کرے۔ یہ عارضی بادل ہیں جو انشاء اللہ عنقریب چھٹ جائیں گے یہ فائدہ **و کیف اخاف** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو گا۔ اس کے دل میں مخلوق کے بہت قسم کے خوف و ہراس ہوں گے تمام خوف و ڈر کا علاج صرف ایک ہے وہ یہ کہ اللہ سے ڈرو رب سے ڈرو سب سے ڈر کا علاج ہے۔ یہ فائدہ **ولا تخافون انکم** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو اکیلے حضرت خلیل کو ان میں سے کسی سے خوف نہ ہوا اور ان لوگوں کو بہت سوں سے بہت خوف تھے۔ فرعونی جادوگر کفر کے زمانہ میں فرعون ہامان وغیرھم سے بہت ڈرتے تھے مگر ایمان لاتے ہی سب سے بے خوف ہو گئے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی دلیل آسمانی کتابوں کی آیات حضرات انبیاء کرام اور ان کے اقوال ہیں۔ اس معاملہ میں عقلی ڈھکوسلے بالکل بیکار ہیں۔ یہ فائدہ **ما لم ینزل بہ علیکم سلطانا** سے حاصل ہوا کہ یہاں سلطان سے مراد حضرات انبیاء کرام کی تعلیم ' ان کے ارشادات آسمانی کتابوں کی آیات ہیں۔ باقی رہیں عالم اور عالم کی چیزیں وہ رب تعالیٰ کی خاموش اور اجمالی دلیلیں ہیں۔ یہ حضرات بولتی ہوئی تفصیلی دلیلیں ہیں جن سے رب کی ذات و صفات و احکام بالتفصیل معلوم ہوتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں امن و امان دیتا ہے اس پر مصیبتیں آتی ہیں مگر عارضی اور ان آفتوں میں بھی اس کے دل میں امان و چین ہوتے ہیں۔ دل میں بے قراری نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ **اولئک لھم الامن** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ یدافع عن الذین امنوا** اللہ تعالیٰ مومنوں سے مصیبتیں دفع فرماتا رہے گا۔ فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

محال است چوں دوست دارد ترا ۔۔۔ کہ در دست دشمن گذارد ترا

پانچواں فائدہ: نیک اعمال کی ہدایت صرف مومنوں ہی کو ملتی ہے مشرک و کافر کا دماغ اوندھا ہی چلتا ہے۔ انسان کی عقل ' ایمان کی روشنی میں صحیح راہ پر چل سکتی ہے۔ بغیر ایمان کی روشنی کے عقل غار یا نار میں پھینکتی ہے یہ فائدہ **وھم مھتدون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بعد موت منکر نکیر کے سوالات کے سچے جوابات بارگاہ الٰہی میں عجز و انکسار ' جنت میں اپنے گھر تک پہنچ جانے ' ہدایت صرف مومن کو میسر ہوں گے۔ یہ فائدہ **وھم مھتدون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: سب سے بڑی نعمت امن اور ہدایت ہے کہ یہ ہزارہا نعمتوں کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **ھم الامن** سے حاصل ہوا اس کی ضرورت زندگی نزع قبر حشر ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ کی امن و ہدایت مختلف ہے۔

پہلا اعتراض : ایمان و کفر دونوں ضد ہیں یہ دونوں کبھی جمع ہو سکتے ہی نہیں جیسے اندھیرا اور روشنی ' سردی گرمی علم و جہالت پھر یہاں یہ کیوں فرمایا کہ جو ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو کفر سے نہ ملائیں یہ دونوں چیزیں مل سکتی ہی نہیں۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے یعنی خدا کو خالق و مالک ماننا کفار اللہ تعالیٰ کو خالق

مالک معبود مانتے تھے یہ تھا ان کا لغوی ایمان۔ پھر کہتے تھے کہ ہمارے بت خدا تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی حاجت ہے' ان کی یہ بکواس شرک تھی۔ یہاں اس کا بیان ہے شرعی ایمان واقعی کفر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ وہ یہاں مراد نہیں۔ دوسرا اعتراض: کلمہ' قرآن' پڑھنا ایمان ہے۔ پھر نبیوں' ولیوں کو ماننا انہیں حاجت روا' مشکل کشا' غیب دان' حاضرو ناظر جاننا شرک ہے آج جو مسلمان یہ عقیدے رکھتے ہیں وہی اس آیت میں مراد ہیں۔ (وہابی)۔ جواب: اس کے تین جواب ہیں۔ دو الزامی اور ایک تحقیقی۔ پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی کافر قوم سے کر رہے ہیں وہ کفار تو نبیوں' ولیوں کو مانتے ہی نہ تھے نہ ان کے علم غیب وغیرہ کے قائل تھے۔ ان سے یہ گفتگو محض بیکار ہوتی لہٰذا یہاں ظلم سے مراد بت پرستی ہی ہے۔ دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آج کوئی بھی مخلص مومن نہ رہے گا سب ہی اس آیت کی زد میں آجائیں گے کیونکہ آپ لوگ بھی کلمہ' قرآن' حدیث پڑھ کر حکام' سلطان' حکیم وغیرہم کو حاجت روا مشکل کشا جانتے مانتے ہیں۔ اپنے ہر دینی کام کے لئے چندہ لینے لوگوں کے دروازوں پر جاتے ہیں آپ بھی اس زد میں آگئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ہر چیز میں اس کے مناسب آمیزش اس کو اچھا بنا دیتی ہے نامناسب آمیزش اسے خراب کر دیتی ہے دودھ میں شکر ملاؤ اعلیٰ ہو جائے گا زہر ملاؤ قاتل بن جائے گا کہ شکر و شہد دودھ کے مناسب ہے زہر دودھ کے نامناسب عقیدہ توحید کے ساتھ نبوت' ولایت کی آمیزش اسے ایمان بنا دے گی کفر و بت پرستی کی آمیزش اسے شرک کر دے گی کلمہ طیبہ میں لا الٰہ الا اللہ کے کر محمد رسول اللہ کی آمیزش ہوئی تو یہ کلمہ ایمان بنا فرضوں کے ساتھ سنتوں کی آمیزش ہوئی تو عبادت بنی مگر بے دین شیطان انہیں آمیزشوں میں فرق نہ کر سکا۔ اس لئے یہاں یلبسوا کے ساتھ بظلم ارشاد ہوا بنبوۃ نہ فرمایا گیا۔ تیسرا اعتراض: آخر بتوں اور نبیوں' ولیوں میں فرق کیا ہے کہ بتوں کو ماننا شرک ظلم ہے نبیوں' ولیوں کو ماننا ایمان کا رکن۔ بت بھی غیر اللہ ہیں اور اللہ کے بندے ہیں نبی ولی بھی غیر اللہ اور اللہ کے بندے ہیں۔ جواب: ان دونوں میں دو طرح فرق ہے ایک تو ماننے میں دوسرے خود ان کی ذات میں ہیں۔ ماننے میں فرق یہ ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کو اللہ کا ساجھی' شریک' اس کا ہمسر مانتے ہیں کہ بتوں کی مدد سے اللہ کی دنیا قائم ہے۔ مومن' نبیوں' ولیوں کو اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان اس کا محبوب مانتے ہیں۔ ہمسری و برابری کا وہم بھی نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ نبی ولی اللہ کے محبوب ہیں۔ بت اللہ کے دشمن بادشاہ کو سلطان ماننے کے لئے اس کے حکام وزراء کو ماننا ضروری ہو جاتا ہے مگر اس کے دشمن باغیوں کو ماننا بغاوت قرار پاتا ہے۔ آب زمزم کی تعظیم ایمان ہے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ رکن ایمان ہے مگر گنہگار کی تعظیم بت کی طرف سجدہ شرک ہے۔ حالانکہ یہ دونوں پانی اللہ کے پیدا کئے ہوئے کیونکہ بت بھی پتھر کا ہے۔ کعبہ معظمہ بھی پتھروں کی ہی عمارت ہے اس فرق کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ چوتھا اعتراض: یہاں ظلم سے مراد گناہ ہے اور آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جو مومن گناہ نہ کرے وہ امن میں ہے لہٰذا فاسق گنہگار' مسلمان کے لئے نہ امان ہے نہ بخشش (معتزلہ و خوارج)۔ (نوٹ) خارجیوں کے عقیدے میں گنہگار مومن کافر ہے اور معتزلہ کے نزدیک نہ مومن ہے نہ کافر ان کے ہاں گناہ کی نہ شفاعت ہے نہ بخشش یہ اعتراض انہیں دونوں کا ہے۔ (از تفسیر کبیر)۔ جواب: یہ محض غلط ہے اور قرآن مجید کے بھی خلاف ہے حدیث پاک کے بھی۔ گنہگار مومن نہ ہوتا ہے اور نہ ایمان سے جاتا ہے وہ مومن ہی رہتا ہے۔ ہر گناہ قابل بخشش بھی ہے اسے دائمی عذاب سے امان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ حکیم

گنہگار مومنوں کو عبادی بھی فرمایا گیا اور انہیں بخشش کی امید بھی دلائی گئی اور فرماتا ہے **و ان طائفتان من المومنین اقتتلوا** دیکھو یہاں آپس میں جدال و قتال کرنے والوں کو مومنین فرمایا گیا اور مسلم و بخاری میں بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ جب یہ آیت **و لم یلبسوا ایمانھم بظلم** نازل ہوئی۔ حضرات صحابہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کون ہے کہ جس نے کوئی ظلم یعنی گناہ نہ کیا ہو پھر تو ہم میں سے کوئی بھی امن میں نہیں ہو گا فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت کریمہ تلاوت کی **ان الشرک لظلم عظیم** (خازن' کبیر' معانی' ابن کثیر وغیرہ) ایمان کو شرک سے ملانے کے معنی ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن مجید میں یہاں تو مومنین سے امن کا وعدہ فرمایا۔ دوسری جگہ اطمینان کا **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ۔ تیسری جگہ بے خوفی' بے غمی کا **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ان میں فرق کیا ہے کیا یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں۔ **جواب:** حضرات صوفیاء نے فرمایا ہے کہ امان اور اطمینان جڑ ہیں اور بے خوفی' بے غمی شاخیں یا پھول پھل امان اور اطمینان میں فرق یہ ہے کہ اطمینان میں دل پر مصیبت آتی ہے مگر دل اس کا اثر نہیں لیتا امان یہ ہے کہ دل کا ماحول ہی ایسا کر دیا جائے کہ وہاں رنج و غم راحت و خوشی کی گرمی سردی نہ پہنچ سکے۔ دل کا ایریا ہی بدل جائے جیسے گرمی دفع کرنے کے لئے بجلی کا پنکھا اور گرمی سردی دونوں دور رکھنے کے لئے ایر کنڈیشنر کہ پنکھے والے کمرے میں گرمی تو آتی ہے مگر اس میں گرمی کا احساس نہیں ہوتا' کبھی گرمی غالب آ کر پنکھے کی ہوا کو گرم کر دیتی ہے۔ امان میں مومن کے دل کا ایریا ایئر کنڈیشنر بن جاتا ہے امان اعلیٰ ہے اطمینان سے نیز اطمینان اپنی کوشش سے ہوتا ہے۔ امان سکینہ فرشتے کے نزول سے رب فرماتا ہے۔ **انزل السکینۃ علیھم**۔ **چھٹا اعتراض:** اگر **لھم الامن** میں امن سے مراد دنیاوی امان ہے تو یہ کیونکر درست ہوا۔ مومنوں پر دنیاوی مصیبتیں بمقابلہ کفار کے زیادہ آتی ہیں پھر انہیں امان کیسے ہوئی۔ **جواب:** دنیاوی تکلیفیں کفار کے لئے مصیبتیں ہیں' مومن کے لئے یار تک پہنچنے کا زینہ ہیں' بھٹی کوئلے کے لئے مصیبت و آفت ہے کہ وہ وہاں ہی جل کر راکھ بنے گا۔ سونے کے لئے صفائی اور ترقی کا ذریعہ ہے کہ وہ بھٹی کے واسطہ سے ہی زیور بن کر محبوب کا وصل پاتا ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں امن کے ساتھ ہدایت کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا گیا **و ھم مھتدون**۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ امان اور ہدایت میں چند احتمال ہیں۔ امن سے مراد آخرت میں دائمی عذاب سے امان ہدایت سے مراد ہے قبر کے سوالات کے جوابات قیامت میں بارگاہ الٰہی میں صحیح معذرت پیش کرنے کی توفیق جنت میں اپنے گھر تک پہنچ جانے کی ہدایت کہ بغیر کسی سے پوچھے وہاں پہنچے اخروی امان اخروی ہدایت میں چولی دامن کا ساتھ ہے یا امن سے مراد ہے اخروی امان ہدایت سے مراد ہے دنیا میں اعمال صالحہ کی ہدایت تب امان ہدایت کا نتیجہ ہے اور بھی احتمالات ہیں۔ دیکھو تفسیر۔

تفسیر صوفیانہ: سارے انسان صورت میں یکساں ہیں مگر سیرت میں جداگانہ بعض لوگ حزب اللہ ہیں بعض حزب الشیطان' بعض نوری ہیں۔ بعض ناری ہر دھڑے کو اپنے ہی دھڑے سے تعلق ہے انہیں سے محبت ہے انہیں سے خوف و ڈر حضرت ابراہیم علیہ السلام حزب اللہ یعنی اللہ کے گروہ کے بندے تھے اور باقی قوم شیطان کے دھڑے والی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے بھی فرمایا کہ جب تم میرے رب سے نہیں ڈرتے دھڑے سے شرک و کفر کرتے ہو اور مجھے اپنے بتوں' اپنے نمرود سے ڈراتے ہو تو میں تمہارے بتوں اور نمرود وغیرہم سے کیوں ڈروں' تمہیں اپنوں سے امید و خوف ہے مجھے اپنے

رب سے امید و خوف ہے۔ فرق یہ ہے کہ تمہارے بتوں کی معبودیت کی کوئی دلیل نہیں۔ میرے رب کی معبودیت کی بہت دلیلیں ہیں بلکہ میں خود اس کی دلیل ہوں سورج کی دلیل اس کی نورانیت' اس کی شعاعیں' اس کی دھوپ ہے اللہ کی دلیل اس کے نبی' اس کے ولی' اس کے مومن بندے ہیں۔ دنیا میں جدھر چاہو اپنا رخ کرلو مگر آخرت میں سب کو اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق ہو گا' پکڑ ہو گی تو اس کی امان ہو گی تو اس کی طرف سے جو ربانی دھڑے کا ہو گا وہ امان و ہدایت سب کچھ پائے گا جو شیطانی دھڑے کا ہو گا اس کے لئے نہ امان ہے نہ ہدایت۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے مشرب میں ایمان کی حقیقت ہے انا کو فنا کرو یعنی فنی اللہ ہو کر باقی باللہ بن جانا ایمان میں اپنی انا کو ملانا یہ ہے ایمان میں ظلم کی آمیزش کہ یہ سمجھے کہ خدا بھی ہے' ہم بھی ہیں' یہ ایمان ہے مخلوط ظلم کے ساتھ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کے ساتھ اس کی مناسب چیز ملائی جائے تو اسے کامل کر دیتی ہے غیر مناسب چیز کی آمیزش اسے خراب کرتی ہے۔ شوربے میں شکر نہ ملاؤ' دودھ اور شربت میں نمک مرچ نہ ملاؤ ورنہ خرابی ہو گی۔ یونہی ایمان کے ساتھ بد عملیوں اپنے نفس کی آمیزش نہ کرو نیک اعمال کی آمیزش کرو پھر نیک اعمال کے ساتھ ریاکاری نام نمود کی آمیزش نہ کرو بلکہ اخلاص کی آمیزش کرو بلکہ نیکیوں کے ساتھ جنت حاصل کرنے' دوزخ سے بچنے کی بھی نیت نہ کرو کہ یہ خود غرضی ہے محض رب کی رضا کی نیت کرو وہاں تجارت کے لئے نہ آؤ بھیک کے لئے آؤ ہاں ایمان کے ساتھ عشق رسول اطاعت رسول کی آمیزش کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بہت وسیع ہے امنوا سے اشارہ ہے۔ ایمان کی طرف ظلم سے اشارہ ہے' بد عملیوں کی طرف یا ایمان سے اشارہ ہے نیک اعمال کی طرف اور ظلم سے اشارہ ہے ریاکاری نام نمود یا رضائے یار کے علاوہ اور نیت کی طرف جو ایمان کے ساتھ بد عملیوں کی طرف یا ایمان سے اشارہ ہے نیک اعمال کی طرف اور ظلم سے اشارہ ہے۔ ریاکاری نام نمود یا رضائے یار کے علاوہ اور نیت کی طرف جو ایمان کے ساتھ بد عملیوں اعمال کے ساتھ ریا وغیرہ کی آمیزش نہ کریں ان کے لئے امن بھی ہے' ہدایت بھی۔ اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔ صوفیاء کے ہاں امن اور ہدایت میں بڑی ہی گنجائش ہے۔ نیز جیسے بعض دوائیں مقوی دل دماغ ہوتی ہیں۔ بعض دوائیں مقوی باہ' بعض دوائیں مقوی معدہ۔ یونہی خوف خدا' عشق پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقوی دل ہے' مقوی دماغ ہے' مقوی عقل ہے' مقوی ایمان ہے' جسے یہ دو چیزیں نصیب ہو جائیں اسے کسی کا خوف نہیں رہتا۔ دیکھو حضرت ابراہیم اکیلے تھے۔ مگر ان کے دل میں نہ نمرود کا خوف آیا نہ قوم کے جتھہ کا نہ ان کی دولت کا نہ کسی دنیاوی طاقت کا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ
اور یہ ہی ہمارے دلائل جو دیئے ہم نے ابراہیم کو اوپر قوم انکی کے او نچے کرتے ہیں ہم درجے اس کے جسے
اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝
ہم چاہیں بیشک رب آپ کا حکمت والا علم والا ہے۔
بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مناظرہ کا ذکر ہوا جو آپ نے اکیلے اپنی ساری قوم سے کیا اور ساری قوم آپ کے جواب سے عاجز رہی۔ اب ان دلائل کے مرکز' ان کے ماخذ کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینہ اور زبان شریف پر یہ دلائل کہاں سے آرہے تھے۔ انہوں نے کس مدرسہ سے یہ سیکھے تھے؟ ارشاد ہوا کہ زبان جناب خلیل کی تھی کلام رب جلیل کا تھا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں حضرت خلیل کے مناظرہ کا ڈھانچہ بیان ہوا تھا۔ یعنی نہایت قابلانہ 'فاضلانہ گفتگو اب اس مناظرہ کی روح کا ذکر ہے۔ یعنی اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا گویا ڈھانچہ کے بعد اصل روح کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت خلیل اللہ کی قابلیت کا ذکر تھا اب ان سرکار کی اور ان کی گفتگو کی قبولیت کا تذکرہ ہے۔ قابلیت بغیر قبولیت محض بیکار ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خاص عبادت یعنی قوم کو تبلیغ کا ذکر تھا اب اس کے اجر و ثواب کا تذکرہ ہے۔ **نرفع درجات الخ۔ پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے حضرت خلیل کو برے گندے ماحول میں پیدا فرمایا گویا گدڑیوں میں سے لعل نکلا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہمارے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں **ان ربک حکیم**۔ اکثر انبیاء کرام گندے ماحول میں بھیجے گئے۔ سورج اندھیریوں میں چمک کر دن نکالتا ہے۔ **چھٹا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت خلیل کا یہ کلام **ھذا ربی** نقل فرمایا گیا۔ شاید کوئی کہتا کہ آپ نے شرک کیا کہ چاند سورج کو اپنا رب فرمایا۔ اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا کہ یہ کلام شرکیہ نہ تھا بلکہ قوم کے مقابل ہماری سکھائی ہوئی دلیل تھی۔ جس سے قوم کو خاموش کرنا سمجھانا مقصود تھا۔

تفسیر : **و تلک حجتنا** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واو ابتدائیہ ہے تلک سے اشارہ تمام گزشتہ کلام کی طرف ہے۔ **فلما جن علیه اللیل** سے لے کر **و ھم مھتدون** تک چونکہ یہ فرمان بہت سی دلیلوں پر شامل ہے۔ ان میں سے ہر دلیل بہت ہی عظیم الشان ہے جو عقل انسان کو حیران کردے اور قیامت تک ہر مومن کو کام آئے۔ لہٰذا بجائے ھذا یا ذالک کے تلک ارشاد ہوا یعنی یہ ساری گفتگو جیسے **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** وہاں بھی تلک ارشاد ہوا کہ جماعت انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ حجت کہتے ہیں مضبوط اور قوی دلیل کو اگر دلیل واقعی قوی ہو اور اس سے صحیح بات ثابت کی جائے تو وہ حجت ربانی ہے اس کو برہان کہا جاتا ہے اور اگر واقعہ میں تو قوی دلیل نہ ہو اسے انسان قوی سمجھے اور اس سے جھوٹا دعویٰ ثابت کرے تو وہ حجت نفسانی ہے بمعنی کج بحثی رب تعالیٰ فرماتا ہے **و حاجه قومه** اور فرماتا ہے **الم تر الی الذی حاج ابراھیم**۔ ان دونوں آیتوں میں حجت سے مراد جھگڑنا کج بحثی کرنا ہے یہاں **حجتنا** فرما کر یہ بتایا کہ جناب خلیل کے یہ دلائل برہان تھے خلاصہ یہ ہے کہ حجت و دلیل تین قسم کی ہے۔ حجت شیطانی جس سے حرام کو حلال کفر کو ایمان بری چیزوں کو اچھا ثابت کیا جائے۔ دوسری حجت نفسانی جس سے بیکار چیز کو مفید ثابت کیا جائے۔ تیسری حجت رحمانی جس کا یہاں ذکر ہے۔ جس سے اللہ کی ذات و صفات' اس کے احکام وغیرہ۔ حضرات انبیاء کرام کے فضائل و مراتب ثابت کئے جائیں۔ خیال رہے کہ حجت اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب پر بولی جاتی ہے۔ یہاں حجت سے مراد یہ ساری مذکورہ دلیلیں ہیں۔ **اتینا ھا ابراھیم علی قومه** یہ عبارت یا تو **حجتنا** کا حال ہے یا تلک کی دوسری خبر یا حجتنا کا بدل ہے۔ غرضیکہ **حجتنا** کی صفت نہیں کیونکہ معرفہ کی صفت جملہ نہیں آتی۔ (معانی وغیرہ)۔ یہاں دینے سے مراد دل میں ڈالنا ہے جسے الہام یا القاء کہا جاتا ہے وحی نبوت مراد نہیں کیونکہ ابھی یہ وحی

شروع نہیں ہوئی۔ حضرات انبیاء کرام کے چند حالات ہوتے ہیں' بچپن شریف' جوانی عطاء نبوت سے پہلے عطاء نبوت کے وقت' عطاء نبوت کے بعد۔ وحی تبلیغی عطاء نبوت کے وقت سے شروع ہوتی ہے مگر الہام القاء اول ہی سے شروع ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کسی اور دائی کا دودھ نہ پینا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن شریف میں کلام فرمانا اسی الہام و القاء کا نتیجہ تھے۔ یہاں **اوحینا** یا **القینا** یا **الهمنا** نہیں فرمایا گیا بلکہ اتینا ارشاد ہوا۔ اس کی حکمتیں انشاء اللہ سوال و جواب میں عرض ہوں گی اور تفسیر صوفیانہ میں۔ حجت کے بعد علی ضرر کے لئے ہوتا ہے' لام نفع کے لئے۔ **القران حجته لک او علیک** قرآن مجید یا تمہاری دلیل ہے یا تم پر یعنی تمہارے خلاف دلیل **علی قومه** فرما کر بتایا گیا کہ یہ دلائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے خلاف ان کے مقابل تھے۔ حضرت ابراہیم کے حق میں ان کا دعویٰ ثابت کرنے والے لیکن تھے ہماری طرف سے لہٰذا ان دلائل کو رب تعالیٰ سے بھی نسبت تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی اور قوم سے بھی اللہ کے دیئے ہوئے دلائل حضرت ابراہیم کی تائید میں' قوم کی تردید ہیں۔ **نرفع درجات من نشاء** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے ہو سکتا ہے کہ اتینا کے فاعل سے حال ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے من نشاء مفعول بہ ہے نرفع کا اور درجات یا نرفع کا ظرف ہے یا اصل میں **الی درجات** تھا الی دور کر دیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ تمیز ہو مگر پہلا احتمال قوی ہے اسی کی طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اشارہ کر رہا ہے۔ درجات جمع ہے درجت کی درجہ کے معنی اس کی اقسام تیسرے پارہ کے اول میں **و رفع بعضهم درجات** کی تفسیر میں عرض کئے گئے یہاں درجہ سے علم' عقل' فضیلت کے مرتبے مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہم جسے چاہتے ہیں درجوں اونچا کر دیتے ہیں کہ ان کی بلندی لوگوں کے خیال و وہم و گمان سے وراء ہوتی ہے۔ انہیں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ انہیں یہ بلندی کسی دنیاوی ذریعہ سے نہ ملی بلکہ ہماری عطا سے ملی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نعمتیں تین طرح کی ہیں۔ کسبی جو اپنی کمائی سے حاصل ہو۔ عطائی جو کسی بندے کی دین سے ملے۔ وہبی جو محض ربانی عطیہ ہو۔ کسبی عطائی نعمتیں انہیں زوال ہے مگر وہبی نعمتیں لازوالی ہیں۔ بجلی چراغ وغیرہ پر ہزارہا آفتیں آتی ہیں۔ آج فیوز اڑ گیا' کل بلب گل ہو گیا۔ مگر سورج چاند کی روشنی پر کوئی آفت نہیں کہ وہ کسبی ہیں یہ وہبی اس طرح بلندی' عزت' مرتبہ اگر کسبیا کسی بندے کے ذریعہ ملے وہ قابل زوال ہے مگر جو رب کی عطا سے ملے وہ ناقابل زوال ہے۔ نرفع فرما کر یہی بتایا کہ جس کو ہم اونچا کر دیں اسے نیچا کرنے والا کوئی نہیں۔ دیکھ لو جناب خلیل کو پردہ فرمائے ہزار ہا سال ہوئے مگر ان کا چاند اسی طرح چڑھا ہوا ہے چمک رہا ہے۔ **من نشاء** فرما کر اشارۃً بتایا کہ جب ہم کسی کو اونچا کرنا چاہیں تو اسباب یا قابلیت نہیں دیکھتے ہم ہی مسبب الاسباب ہیں' ہم ہی اس میں قابلیت پیدا فرما دیتے ہیں۔ **ان ربک علیم حکیم** یہ عبارت نرفع الخ کی علت' اس کی وجہ ہے یعنی ہم علم والے بھی ہیں' حکمت والے بھی' جسے جو دیتے ہیں جان کر حکمت سے دیتے ہیں' جو جس کا اہل ہوتا ہے۔ وہی اسے دیا جاتا ہے نمرود کو عقل و علم ایمان سے بھی دور رکھا۔ حضرت خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کو بچپن شریف میں یہ سب کچھ عطا فرما دیا یہ جان کر کیا القاقا' نہ کیا وہ جناب ان صفات کے اہل تھے۔ اس آیت کریمہ کو رب نے اپنے علم و حکمت کے ذکر پر ختم فرمایا اس میں بہت حکمتیں ہیں۔ (1) یہ کہ جناب ابراہیم کو ہم نے یہ علم و حکمت دی جسے ہم علیم و حکیم علم و حکمت عطا فرمادیں' سمجھ لو کہ ان کی علم و حکمت کس پائے کی ہوگی وہ تو تمہارے خیال و وہم سے وراء ہوگی۔ (2) یہ کہ اے لوگو تم جناب ابراہیم کا یہ کامل علم و عرفان دیکھو اور پتہ لگاؤ کہ رب کیسا علیم و حکیم ہے۔ حضرات انبیاء کرام کے علم و حکمت رب تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا جسے ہم نے اس پورے رکوع میں بیان فرمایا **فلما جن** الخ سے لے کر **وھم مھتدون** تک یہ سب ہمارے بتائے ہوئے ہمارے سکھائے ہوئے توحید کے دلائل تھے جو ہم نے حضرت ابراہیم کے دل میں بطور الہام ڈالے۔ ایسے قوی دلائل جس کا جواب دنیا بھر کے لوگوں سے نہ بن پڑے۔ یہ دلائل اس لئے دیئے تا کہ وہ جناب اپنی کافر قوم کے مقابل ان کے خلاف قائم فرمائیں۔ ہماری شان یہ ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اسے درجوں اونچا کردیں کہ دنیا میں اسے علم، حکمت، نبوت، ولایت، صفائی قلب عطا کریں اور آخرت میں اپنا قرب خاص، جنت کا اونچا مقام نیک اعمال کی قبولیت بخشیں۔ ہم علم والے بھی ہیں، حکمت والے بھی، جسے جو دیتے ہیں جان کر دیتے ہیں۔ اس عطا میں ہماری ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت ابراہیم نے چند طریقوں سے شرک کی تردید کی اور توحید و ایمان کا ثبوت دیا۔ (1) چاند سورج، تارے اولتے بدلتے ہیں ان پر تبدیلیاں وارد ہوتی ہیں جو تبدیلی قبول کرے نکلے ڈوبے وہ خدا نہیں ہو سکتا اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو اور کیسا ہی نافع ہو (**لا احب الا فلین**) -(2) جو خدا تعالیٰ کو بھی رب مانے اور بتوں کو بھی وہ مومن موحد نہیں مشرک و کافر ہے وہاں دوئی کی گنجائش نہیں (**حنیفا**" **وما انا من المشرکین**) -(3) اللہ تعالیٰ کے مقابل کوئی ڈرنے کے لائق نہیں۔ جو خدا تعالیٰ سے بھی ڈرے اور بتوں سے بھی وہ مومن نہیں مشرک ہے۔ الوہیت کا خوف صرف خدا کا چاہیے۔ (4) اللہ تعالیٰ کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز دور نہیں، اس کے سوا کسی کا علم اتنا وسیع نہیں جو خدا کا سا علم کسی بندے کو مانے وہ مشرک ہے۔ (**وسع ربی کل شیء علما**) -(5) معبود وہ ہے جس کی معبودیت آسمانی کتابوں، پیغمبر کے فرمان سے ثابت ہو، حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کی دلیلیں ہیں اس کا پتہ ہیں جو رب کو محض بغیر واسطہ پیغمبر الٰہ مانے وہ مومن نہیں اگرچہ موحد ہو جائے۔ (**ما لم ینزل بہ علیکم سلطانا**") -اے مشرکو تم نے خدا کو محض اپنی عقل سے پہچانا لہٰذا دھوکہ کھا گئے مشرک ہو گئے۔ (6) دین و دنیا میں صرف مومن ہی امان کے مستحق ہیں۔ ایمان ذریعہ امان ہے جو بتوں وغیرہ سے امان چاہے رب کے مقابل انہیں امان دینے والا جانے وہ مشرک ہے۔ (**فای الفریقین احق بالامن**) - (7) ایمان کے ساتھ وہ چیزیں ملاؤ جو ایمان کے لائق ہیں۔ یعنی عبادت اخلاص اتباع رسول عشق نبی وغیرہ ایمان ہیں، ان چیزوں کی آمیزش اور ملاوٹ نہ کرو جو ایمان کے خلاف ہیں ورنہ سزا کے مستحق ہو گے۔ (**ولم یلبسوا ایمانھم بظلم**) الخ ان دلائل کو رب تعالیٰ نے فرمایا **وتلک حجتنا** کے یہ عمر شریف اور ایسا بلیغ و فصیح و مدلل کلام یہ گفتگو دیکھو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرتبہ پہچانو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چاند تاروں سورج کو **ھذا ربی** فرمانا شرک و کفر نہ تھا بلکہ کفر توڑ، قوی دلیل و برہان تھا یہ فائدہ **تلک حجتنا** سے حاصل ہوا جو انہیں ایک آن کے لئے مشرک مانے یا ان کے اس کلام کو شرک کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ **دوسرا فائدہ**: حضرات انبیاء کا علم لدنی ہوتا ہے وہ کسی کے شاگرد نہیں ہوتے وہ ماحول کا اثر نہیں لیتے بلکہ ماحول کو بدل دیتے ہیں۔ یہ فائدہ **اتینھا ابراھیم** الخ سے حاصل ہوا۔ اس کی بحث ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی۔ رب تعالیٰ نے زرہ سازی حضرت داؤد کو ملک رانی حضرت سلیمان و یوسف کو تمام چیزوں کے نام کا علم حضرت آدم کو علیہم الصلوۃ والسلام براہ راست بخشا بغیر کسی کی شاگردی کے۔ **تیسرا فائدہ**: حضرات انبیاء کرام کے دل میں ماسوی اللہ کا خوف نہیں آتا **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ مرزا قادیانی لوگوں کے خوف سے حج کو

نہ گیا یہ بھی ابھی پچھلی آیت میں گزر چکا۔ چوتھا فائدہ: عزت و عظمت درجوں کی بلندی نہ قابلیت پر موقوف ہے نہ اپنے علم و عمل پر یہ محض فضل ربانی ہے۔ جس پر ہو جائے یہ فائدہ **نرفع درجات من نشاء** سے حاصل ہوا۔ دیکھو لاکھوں برس کے عابد و زاہد فرشتوں کو ان آدم علیہ السلام کے آگے جھکا دیا جنہوں نے ابھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ شعر۔

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

پانچواں فائدہ: نبی ساری مخلوق سے اعلیٰ و افضل ہوتے ہیں۔ کوئی ان کی مثل نہیں ہو سکتا یہ فائدہ بھی **نرفع درجات من نشاء** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے جسے جو دیا اتفاقاً یونہی نہ دیدیا بلکہ اپنے علم و حکمت سے دیا لہٰذا اس کی عطا پر اعتراض نہ کرو یہ فائدہ حکیم علیم سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: ساری دنیا مل کر بھی نبی کی شان گھٹا نہیں سکتی کیونکہ انہیں عزت و عظمت اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے رب کی دی ہوئی عزت کوئی نہیں چھین سکتا۔ سورج کوئی پھونکوں سے نہیں بجھا سکتا کیونکہ اس کا نور قدرتی ہے یہ فائدہ بھی **نرفع درجات من نشاء** سے حاصل ہوا بلکہ جن مقبول بندوں 'اولیاء' 'علماء' مومنین کو نبی سے نسبت ہو جائے ان کی عزت بھی دائمی ہوتی ہے۔ کیونکہ انہیں نبی سے وابستگی ہوتی ہے۔ گھڑے مٹکے کا پانی ختم ہو سکتا ہے مگر نلکے کا پانی ختم نہیں ہوتا کیونکہ اسے پانی کے مرکز سے وابستگی ہے۔ آٹھواں فائدہ: کفار سے مناظرہ ان کو تبلیغ کرنا بہت اہم عبادت ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کو ساری عبادتیں تو بہت عرصہ بعد عطا ہوئیں مگر تبلیغ و مناظرہ کی عبادت بچپن شریف سے عطا ہوئی کہ فرمایا **و تلک حجتنا اتینٰھا ابراھیم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز روزے وغیرہ کا حکم بہت عرصہ بعد دیا گیا۔ تبلیغ کا حکم شروع نبوت سے ہی دیا گیا کہ فرمایا **و انذر عشیرتک الاقربین**۔ نواں فائدہ: اللہ اپنی رحمتیں عام بندوں کو براہ راست عطا نہیں فرماتا بلکہ خاص بندوں 'خاص مخلوق کے ذریعہ عطا کرتا ہے دنیاوی نعمتوں کا بھی یہی حال ہے اور اخروی نعمتوں کا بھی منشاء الٰہی یہ ہے کہ ہم ان خاص بندوں کو دیں پھر وہ بندے عام بندوں کو بخشیں۔ یہ فائدہ **اتینٰھا ابراھیم علی قومہ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہ دلائل قویہ اپنی ذات و صفات کی معرفت حضرت خلیل اللہ کو عطا فرمائے اور جناب خلیل کی معرفت بندوں کو عطا فرمائے۔ دسواں فائدہ: زہد و عبادت سے علم دین افضل ہے اور زاہد عابد سے عالم کا درجہ زیادہ ہے کہ عبادت و زہد میں انسان اپنی اصلاح کرتا ہے اور علم دین کے ذریعہ مخلوق کی اصلاح یہ فائدہ بھی **نرفع درجات** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حجت کی عطا کے ساتھ بلندی درجات کا ذکر کیا۔

پہلا اعتراض: حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت نبی نہ تھے پھر انہیں رب تعالیٰ نے یہ حجت کیسے عطا فرما دی۔ وحی کی ابتدا تو نبوت کے بعد سے ہوتی ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ یہ عطا حجت الہام اور القاء کے طریقہ سے تھی نہ کہ وحی کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام کو القاء 'الہام' سچی خواب نبوت سے پہلے بھی عطاء فرماتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے چاند سورج کے سجدہ کی خواب بچپن شریف میں ہی دیکھی تھی۔ نبوت عرصہ کے بعد ملی۔ یوں سمجھو کہ وحی آپ پر چالیس سال کی عمر شریف میں آئی۔ نیز وحی میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا واسطہ تھا یہ دلائل آپ کو بچپن شریف میں بغیر واسطہ جبرئیل عطا ہوئے۔ ان وجوہ سے یہاں اوحینا نہیں فرمایا بلکہ اتینا فرمایا۔ دوسرا اعتراض: پھر یہاں القینا یا الھمنا کیوں ارشاد نہیں ہوا۔ اتینا کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: مدرسوں میں تعلیم ماسٹر دیتے ہیں مگر بی اے وغیرہ کا امتحان ماسٹروں کے علاوہ اور لوگ لیتے ہیں اور سند یونیورسٹی کا محکمہ دیتا ہے۔ گویا مدرس اور ممتحن اور سند دینے والے علیحدہ لوگ ہیں کہ سارے مدرسین ممتحن لوگ

یونیورسٹی کے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں کا نصاب پڑھاتے ہیں۔ عالم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ میں سارے نبیوں نے فیض حاصل کیا۔ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا فرماتے ہیں **کنت نبیا و ادم بین الماء والطین**۔ نبی وہ جو تعلیم دے۔ جناب آدم کی پیدائش سے پہلے روح محمدی ارواح انبیاء کو تعلیم دے رہی تھی سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چمکایا' سراج منیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ حضرت خلیل نے یہ دلائل روح محمدی سے عالم ارواح میں سیکھے۔ رب نے سند دی۔ **اتمناها** **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **درجات من نشاء** ہے یعنی درجات پر تنوین ہے مگر نحوی قاعدے سے درجات پر تنوین نہ چاہئے کہ یہ مضاف ہے **من نشاء** کی طرف آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم جس کے چاہیں درجے بڑھائیں۔ پھر یہاں تنوین کیوں آئی؟ **جواب:** معترض نے آیت کریمہ کے معنی ہی غلط کئے **نرفع** کا مفعول درجات نہیں ہے بلکہ **من نشاء** ہے **درجات** تو ظرف ہے معنی یہ ہیں کہ ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں کسی کے درجے بلند کرنا' کسی کو درجوں میں بلند کرنا' ان میں بڑا فرق ہے۔ کسی کو درجوں بلند کرنا بڑا ہی کرم ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **علی قومه** کیوں فرمایا گیا **علی ابیه** یا **علی والدیه** کیوں ارشاد نہ ہوا تاکہ معلوم ہو کہ آپ نے اپنے ماں باپ سے مناظرہ فرمایا۔ **جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ آپ کے والدین مومن موحد تھے آپ کا یہ مناظرہ ان سے نہ تھا بلکہ قوم سے تھا یا اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت مناظرے ہوئے ہیں۔ یہ مناظرہ اپنی قوم سے تھا اور دوسرا مناظرہ خاص نمرود سے جس کا ذکر تیسرے پارے میں **الم تر الی الذی حاج ابراهیم** الخ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ مناظرہ قوم سے تھا نہ تو ماں باپ سے تھا نہ بادشاہ سے۔

تفسیر صوفیانہ : معرفت الٰہی کی ابتدائی منزل دلیل ہے۔ انتہائی منزل دل یعنی انسان ابتدا میں تو اللہ تعالیٰ کو دلیل سے جانتا مانتا پہچانتا ہے مگر آخر میں دل سے مانتا ہے' دل سے ماننا قوی ہے کہ دلیل ٹوٹ سکتی ہے۔ دلیل پر جرح قدح ہو سکتی ہے۔ دل ان سب سے بالا ہے۔ یہ ترتیب ہم لوگوں کے لئے ہے۔ حضرات انبیاء کرام کی ابتدا وہاں ہے جہاں دوسروں کی انتہاء ہے۔ یعنی وہ پہلے سے ہی رب تعالیٰ کو دل سے پہچانتے جانتے مانتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ دلائل سکھاتا بتلاتا ہے۔ مگر ان کے اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے کہ وہ ان دلائل کے ذریعہ دوسروں کو دعوت توحید دیں اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے یہ دلیلیں حضرت ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابل سکھائیں تاکہ آپ اس ذریعہ سے قوم کو تبلیغ کریں۔ خود ان کا اپنا یہ حال تھا کہ **نرفع درجات من نشاء** جسے ہم چاہتے ہیں بہت اونچا کرتے ہیں۔ ان کا فہم و علم دلائل سے بالا ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوسروں کے لئے دلائل توحید دو قسم کے ہیں' کچے اور پختہ مصنوعات الٰہیہ چاند سورج وغیرہ کچے دلائل ہیں مگر خود نبی کی ذات والا صفات پختہ دلیل توحید ہے جنہوں نے رب تعالیٰ کو دنیا کی چیزوں سے مانا وہ اکثر ٹھوکر کھا گئے مگر جنہوں نے اس ذات کو بذریعہ نبوت مانا وہ پار لگ گئے۔ عوام کہتے ہیں کہ خدا وہ ہے جس نے چاند تارے سورج اور سارے عالم کی چیزیں بنائیں مگر خواص کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ کو نبی بنایا' یا رسول بنایا' شفیع بنایا یہ لوگ کبھی ٹھوکر نہیں کھاتے۔ مولانا حسن رضا خاں صاحب نے کیا خوب کہا۔

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر — کونین کی خاطر انہیں سرکار بنایا
بے یار و مددگار جسے کوئی نہ پوچھے — ایسوں کا تمہیں یار و مددگار بنایا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بجلی بذریعہ تار و پاور ہاؤس سے بھی حاصل کی جاتی ہے مگر اس میں بہت پابندی ہوتی ہے اور بذریعہ سیل بیٹری بھی بجلی ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس میں کنکشن وغیرہ کی پابندی نہیں ہوتی۔ سیل والا ریڈیو بغل میں بائے پھو برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی پشت میں اس وقت نور محمدی تھا کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں یہ نور بجلی کی سیل بیٹری کا کام دے رہا تھا۔ وہاں سے یہ فیض آ رہا تھا کہ آپ کی زبان پر یہ قوی دلائل جاری ہوئے۔ آپ کو یہ جرات و حوصلہ میسر ہوا اس لئے یہاں القینٰھا الھمنا کی بجائے اتینا ارشاد ہوا۔ نار نمرود کا گلزار ہونا' جناب اسماعیل پر چھری کا کارگر نہ ہونا' اسی سیل بیٹری کی برکات تھیں۔ یہ نورانی بجلی ہمیشہ کام کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ شعر۔

زبان حال سے کہتے تھے آدم ۔۔۔ جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں!

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ

اور بخشے ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب ہر ایک کو ہدایت دی ہم نے اور نوح کو ہدایت دی ہم نے پہلے سے اور انکی

اور ہم نے انہیں اسحٰق و یعقوب عطا کئے۔ ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ

اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح

اس کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی

نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۞ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞

بدلہ دیتے ہیں ہم اچھوں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ تمام لوگ نیک کاروں سے ہیں

بدلہ دیتے ہیں نیک کاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور سب کو بزرگی دی ہم نے جہانوں پر

ہیں اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس وقت میں سب پر فضیلت دی

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی ساری قوم کو چھوڑ دیا' ان سے مقابلہ کیا اور ان سے کٹ کر اکیلے رہ گئے حتیٰ کہ آپ کو اپنے وطن سے ہجرت بھی کرنا پڑی تو رب تعالیٰ نے ان کو بہترین کنبہ اور بہت سی نیک اولاد عطا فرمائی۔ پچھلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکیلے رہ جانے کا ذکر تھا اب آپ کے بڑے کنبہ والے ہونے کا ذکر ہے گویا قربانی کا ذکر پہلے تھا اس کی جزاء کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قربانی کا انعام اس کی جنس سے دیتا ہے اور اپنی شان کے لائق دیتا ہے کسان جس دانہ جس تخم کی قربانی کرکے اسے زمین میں دفن کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اسی طرح کا انعام دیتا ہے گندم سے گندم' جو سے جو' آم سے آم' کھجور سے کھجور دیتا ہے۔ پھر ایک دانہ کے ہزارہا دانہ' ایک گٹھلی سے ہزارہا من پھل دیتا ہے۔ آپ نے کافر کنبہ کی قربانی دی تو رب نے آپ کو مومن بلکہ نبیوں

والاکنبہ عطا فرمایا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا کہ ہم نے جناب ابراہیم کو اعلیٰ صفات عطا فرمائیں۔ امن ہدایت' بے خوفی' بے مثال دلائل وغیرہ۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے انہیں اعلیٰ درجہ کی اولاد و ذریت بخشی گویا عطاء صفات کے بعد عطاء اولاد کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ ہم نے جناب ابراہیم کو درجوں بلند کیا (**نرفع درجات من نشاء**) اب اس بلندی کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ہم نے ان کو نبیوں کا والد بنایا۔ نبوت ان کی اولاد ان کے خاندان سے خاص فرمادی۔ گویا پچھلی آیت میں اجمال اب اس اجمال کی تفصیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کا ذکر تھا کہ میں نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دیا تمام بروں اور برائیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ اب اس کی جزاء کا ذکر ہے کہ وہ بروں اور برائیوں سے الگ ہوئے تو ہم نے ان کو اچھی اولاد اور اچھے صفات بخشے گویا پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم کے کٹنے ٹوٹ جانے کا ذکر ہوا اب ان کے جڑنے اور مل جانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: و وھبنا لہ اسحق و یعقوب۔ یہ عبارت نیا جملہ ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت **و تلک حجتنا اتینا ھا** پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ ہو **وھبنا** بنا ہے **ھبتہ** سے بمعنی بغیر استحقاق اور بغیر امید یا خلاف امید دینا۔ عطا تین طرح کی ہوتی ہے استحقاق کی عطا جیسے مزدور کو مزدوری دینا امید کی عطا جیسے بھکاری سائل کو کچھ دینا کہ وہ کریم کے کرم سے امید رکھ کر سوال کرتا ہے بغیر استحقاق اور بغیر امید عطاء جیسے غیر سائل کو بلا کر کچھ دینا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی عمر کے لحاظ سے بھی اب اولاد کی امید نہ تھی۔ آپ نے اس بچے کی دعا بھی نہ کی تھی کہ رب کی یہ عطا ہوئی لہٰذا اسے ہبہ فرمایا گیا۔ چنانچہ اسحاق علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے تھے' اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔ ایک سو بیس سال کی عمر شریف تھی اور آپ کی بیوی صاحبہ بوڑھی ہونے کے علاوہ بانجھ بھی تھیں' دو طرفہ اولاد سے مایوسی تھی۔ اس کے باوجود آپ پیدا ہوئے اس لئے **و ھبنا** ارشاد ہوا نیز **و ھبنا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ یہ اولاد ہمارا عطیہ تھی۔ لہٰذا نہایت طیبہ وطاہرہ تھی۔ غرضیکہ بجائے **ولد** کے **و ھبنا** فرمانا بہت موزوں ہے یہ حضرات تحفہ ربانی ہیں۔ رب جلیل تحفہ دینے والے جناب خلیل تحفہ لینے والے تو سمجھ لو کہ خود تحفہ کیسا شاندار ہو گا۔ تحفہ کی شان ہے کی عظمت واہب اور موہوب لہ یعنی دینے والے لینے والے کی شان سے معلوم کر لو لہٰذا **و ھبنا** بھی ان حضرات کی نعت ہے اور **لہ** بھی۔ اسحاق عبرانی زبان کا نام ہے۔ جس کے معنی ہیں عربی میں ضحاک یعنی ہنس مکھ' شاداں' خوش و خرم۔ بعض انبیاء کرام پر خوف الٰہی کا قبضہ تھا ان کی آنکھیں نم رہتی تھیں۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور بعض پر امید کا غلبہ تھا ان کا چہرہ ہشاش رہتا تھا۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت اسحاق علیہ السلام دوسری قسم میں سے تھے۔ آپ کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی (تفسیر روح المعانی) یعقوب بنا ہے عقب سے بمعنی پیچھے آنے والا یا بہت سی اولاد پیچھے چھوڑنے والا۔ چونکہ آپ اپنے بھائی عیص کے ساتھ پیدا ہوئے پہلے عیص پیچھے آپ نیز آپ کی ذریت بے شمار ہوئی۔ لہٰذا آپ کا لقب یعقوب ہوا آپ کا نام اسرائیل ہے۔ لقب یعقوب چونکہ بہت بڑھاپے کی اولاد نہایت کمزور ہوتی ہے اس کی نسل عموماً نہیں چلتی اس لئے **و ھبنا** کے ماتحت یعقوب کا ذکر فرمایا کہ حضرت اسحاق باوجودیکہ بڑھاپے کی اولاد تھے مگر ہم نے انہیں بہت قوی کیا صاحب اولاد بنایا نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف میں اتنی برکت دی کہ آپ نے اپنے پوتے یعقوب کو بھی دیکھ لیا لہٰذا **و ھبنا** کے ماتحت یعقوب کا نام شریف نہایت موزوں ہے۔ خیال رہے کہ حضرت یعقوب کی عمر شریف ایک سو سنتالیس سال ہوئی (معانی) **کلا" ھدینا** یہاں **کلا** مفعول بہ مقدم ہے۔ **ھدینا** کا ھدایت سے مراد نبوت کی ہدایت

ہے۔ ایک مقصود کے بہت راستے ہوتے ہیں خدا رسی کے بھی بہت راستے ہیں ایمان 'عرفان 'ایقان 'نبوت 'رسالت عام مومنوں کو ایمان کی ہدایت عطا ہوئی۔ اولیاء اللہ کو عرفان کی کسی کو ایقان کی مگر حضرات انبیاء کرام کو نبوت کی ہدایت دی۔ لفظ ہدایت ایک ہے مگر اس کے مصداق مختلف یہاں یہی آخری ہدایت مراد ہے پھر اس ہدایت کو رب نے اپنی طرف نسبت فرماکر یہ بتایا کہ ان کی یہ ہدایت کسبی یا کسی کی وہب سے نہیں بلکہ محض ہماری طرف سے لدنی طور پر ہے جو کسی طرح ان سے الگ نہیں ہو سکتی جیسے سورج کا نور اور ھدینا ماضی فرماکر یہ بتایا کہ ان کو دنیا میں آکر ہدایت نہیں ملی بلکہ وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے۔ دوسرے لوگ دنیا میں ہدایت لینے آئے مگر وہ حضرات ہدایت لے کر آئے' دوسروں کو دینے آئے۔ حق یہ ہے کہ **کلا**" سے مراد حضرت اسحاق و یعقوب ہیں اس میں ابراہیم علیہ السلام داخل نہیں کیونکہ آپ کی ہدایت نبوت کا ذکر تو پہلے ہو چکا یعنی ہم نے ان دونوں کو نبی بنایا اور انہیں ہدایت یافتہ دوسروں کا ہادی بنایا **و نوحا**" **ھدینا من قبل** یہ عبارت معطوف ہے۔ **کلا ھدینا** پر اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بھی انبیاء ہوئی اور آپ کے باپ دادے نوح علیہ السلام وغیرہم بھی انبیاء تھے۔ **نوحا**" مفعول بہ ہے **ھدینا** کا نوح علیہ السلام کا نام عبد الغفار ابن لمک 'ابن متوشلخ ابن ادریس علیہ السلام ہے۔ نوح علیہ السلام کی ولادت آدم علیہ السلام کے سے گیارہ سو برس بعد ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تبلیغ کی (صاوی)۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے۔ آپ کے اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان قریبا" ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم آدم علیہ السلام سے اکیس سو برس بعد پیدا ہوئے (صاوی)۔ اس لئے یہاں **من قبل** ارشاد ہوا۔ **و من ذریتہ داءود و سلیمان** یہ عبارت معطوف ہے **کلا ھدینا** پر اسی لئے داؤد وغیرہ کو نصب (زبر) ہے **ذریتہ** کے معنی اس کی پوری تحقیق پہلے پارے میں کی جاچکی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ ذریت بنا ہے ذر سے بمعنی پھیلی ہوئی چھوٹی چیونٹیاں اصطلاح میں نسل کو ذریت کہتے ہیں کہ یہ زمین میں پھیلی ہوتی ہے۔ اپنی صلبی اولاد کے بعد کو ذریت بولا جاتا ہے۔ اس میں گفتگو ہے کہ **ذریتہ** کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے۔ نوح علیہ السلام کی طرف 'ابراہیم کی طرف 'فقیر کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ بہت دور سے آپ کا ہی ذکر چلا آرہا ہے۔ خیال رہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہیں۔ آپ کی نسل نہیں تغلیبا" آپ کو اولاد ابراہیمی میں شمار کرلیا گیا جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کے ولولوں میں شمار کیا گیا (ابن کثیر)۔ یہ سارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے پڑپوتے ہیں سوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ **ذریتہ** پوتے نواسے سب کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ ان کی اولاد سے ہی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔ داؤد ابن ایشا ابن عوید ابن سلمون ابن نحشون ابن عمی ابن بارب ابن رام ابن حضرموت ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام (معانی) آپ کی عمر سو برس ہوئی۔ چالیس سال بادشاہت کی۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے 'آپ بہت خوبصورت' بڑے ہی خوش آواز تھے۔ (معانی) حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے بیٹے تھے **و ایوب و یوسف** یہ عبارت معطوف ہے داؤد پر۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے ایوب ابن روم ابن عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام۔ آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں آپ کی عمر ترانوے سال ہے۔ آپ کے نسب نامہ کے متعلق اور بہت قول ہیں (معانی و خازن) یوسف علیہ السلام کی عمر شریف ایک بیس سال ہوئی۔ ان ناموں کی ترتیب انشاء اللہ خلاصہ ء تفسیر میں عرض کی جائے گی۔ **و**

موسی و ھارون۔ یہ عبارت معطوف ہے یوسف پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ۔ موسیٰ ابن عمران ابن یصہر ابن ما میس ابن لاوی ابن یعقوب علیہ السلام ہے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔ چونکہ آپ کی کشتی دریا سے نکالی گئی تھی اس لئے آپ کا نام موسیٰ رکھا گیا۔ مو کے معنی ہیں پانی سیٰ کے معنی ہیں۔ ساگوان کی لکڑی۔ حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے اخیافی یا حقیقی بھائی ہیں۔ آپ سے ایک سال بڑے ہیں۔ (معانی و خازن وغیرہ) **و کذالک نجزی المحسنین**۔ یہ جملہ مستقل ہے **ذالک** میں اشارہ ان حضرات کی ہدایت کی طرف ہے یا ان حضرات کے جناب ابراہیم علیہ السلام کے اولاد ہونے کی طرف یعنی ہم نیک کاروں کو ایسے ہی دنیاوی ثواب اجر عطا فرماتے ہیں کہ ان کی اولاد کو بھی نیک کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے بڑی قربانیاں دیں تو انہیں ابو الانبیاء یعنی نبیوں کا جد امجد بنا دیا۔ **محسن** کے چار معنی ہیں تین عالمانہ اور ایک عاشقانہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان ہے اور سلوک کرنے والا محسن۔ حضرات انبیاء کرام مخلوق پر ان کے ماں باپ سے زیادہ محسن ہیں کہ ماں باپ سے بدن ملتا ہے ان سے ایمان نیک کام کرنا برائیوں سے دور رہنا احسان ہے اور ایسا کرنے والا محسن۔ حضرات انبیاء کرام اس میں اول درجہ پر ہوتے ہیں۔ عبادات میں اخلاص حضور قلبی احسان ہے اور ایسا کرنے والا محسن رب کو ایسے پوجو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (حدیث) عشاق کہتے ہیں احسان یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کے ساتھ غفلت نخوت دل میں نہ جانے دینا احسان ہے اور ایسا آدمی محسن ہے جیسے مچھلی پانی میں سے ہوا چھان کر سانس لیتی ہے پانی اور مٹی کو اندر نہیں جانے دیتی۔ زندہ رہتی ہے خشکی کے جانوروں کے پاس یہ چھلنی نہیں پانی بھی ان کے پیٹ میں چلا جاتا ہے وہ مرجاتے ہیں یہی حال دنیا کی نعمتوں کا ہے۔ **و زکریا و یحیی و عیسی و الیاس** یہ عبارت معطوف ہے۔ موسیٰ و ہارون پر اور نصب کی حالت میں ہے کہ **ھدینا** کا مفعول بہ ہے۔ حضرت زکریا والد ہیں یحییٰ علیہ السلام کے آپ کا نام شریف زکریا ابن ازن ابن برکیا ہے۔ آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں آپ اور آپ کے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السلام دونوں شہید کئے گئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک دن پہلے اور زکریا علیہ السلام ایک دن بعد آپ نے ہی حضرت مریم کی پرورش کی۔ یحییٰ آپ کے فرزند ہیں جب آپ کی ولادت کی خبر حضرت زکریا علیہ السلام کو دی گئی اس وقت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے فرزند ہیں۔ حق یہ ہے کہ الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ آپ الیاس ابن سنان ابن فنحاص ابن عزار ابن ہارون ابن عمران ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الیاس حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قرآن کریم نے آپ کو حضرت ابراہیم و نوح علیہ السلام کی ذریت میں شمار فرمایا ہے۔ اور ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کے باپ داداؤں میں ہیں (خازن' معانی وغیرہ) **کل من الصالحین**۔ یہ عبارت ان چار نبیوں کے متعلق ہے جن کے نام ابھی ارشاد ہوئے۔ زکریا' یحییٰ' عیسیٰ' الیاس اور ہو سکتا ہے کہ تمام مذکورین انبیاء کے متعلق ہو یعنی یہ تمام حضرات اول درجے کے نیک و صالح کامل صلاحیتوں والے تھے۔ **صالح** یا تو بنا ہے صلاح سے بمعنی نیکی و تقویٰ صالحین بمعنی متقی اور نیک لوگ اس تقویٰ و صلاح کے دو رکن ہیں گناہوں سے بچنا' نیک اعمال کرنا' بچنے کے تین درجے ہیں۔ تقویٰ عام یعنی حرام چیزوں سے بچنا' تقویٰ خاص یعنی مشتبہات سے بچنا' تقویٰ خاص اولیاء اللہ و علماء کو میسر ہوتا ہے۔ تقویٰ خاص الخاص یعنی جو رب سے آڑ بن جائے اسے پھاڑ دینا اگرچہ وہ شے حلال ہی ہو۔ یہاں صالحین کے تیسرے درجے کے متقی صالح مراد ہیں یا صالح بنا ہے صلاحیت سے صالح وہ جو رب کے آستانہ عالیہ اور قرب خاص کی صلاحیت و قابلیت رکھے یہاں

یہ معنی بھی بن سکتے ہیں۔ **و اسماعیل والیسع و یونس و لوطا** "۔ یہ عبارت معطوف ہے زکریا الخ پر یعنی ہم نے ان بزرگوں کو بھی ہدایت دی۔ حضرت اسماعیل جناب ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند ارجمند ہیں آپ ہی کی اولاد میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ ہی سے ملک عرب آباد ہوا۔ اسماعیل کے معنی آپ کے حالات زندگی پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ حضرت یسع علیہ السلام کے حالات زندگی اور جاء پیدائش آپ کا زمانہ معلوم نہ ہو سکا صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ آپ یسع ابن اخطوب ابن عجوز ہیں حق یہ ہے کہ یسع عجمی نام ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یوشع سے یسع بنا۔ بعض نے فرمایا کہ یسع فعل مضارع سے بنا مگر قوی بات پہلی ہی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی ان نبیوں میں سے ہیں جن کا نسب اور زمانہ اور پورے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ یونس علیہ السلام ابن متی ہیں۔ متی آپ کے والد کا نام ہے یا والدہ کا مچھلی کے پیٹ میں آپ ہی رہے۔ بعض نے فرمایا کہ آپ شعیب علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں موصل کے علاقے نینوا بستی کے نبی تھے اولاد یعقوب سے ہیں (روح البیان)۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہیں آپ لوط ابن ہاران ابن آزر ہیں۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ آپ حضرت ابراہیم و سارہ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے آپ مقام سدوم کے نبی بنائے گئے۔ آپ کی قوم سے لواطت جیسی بے حیائی کی ابتدا ہوئی۔ اگرچہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کی نسل سے نہیں مگر آپ کو اس سلسلہ میں بیان کر دیا گیا کہ بھتیجا گویا بیٹا ہوتا ہے اور چچا گویا والد یا "تغلیبا" آپ کا نام اسی سلسلہ میں ذکر کیا گیا۔ **و کلا فضلنا علی العلمین**۔ یہ جملہ معترضہ ہے **کلا**" سے مراد یا تو آخری چار نبی ہیں یا یہ تمام مذکورین پیغمبر عالمین سے مراد اس زمانہ کے دنیا والے ہیں خواہ انسان ہوں یا جن و فرشتے اور دیگر مخلوق لہذا اس فرمان عالی سے لازم نہیں کہ یہ حضرات حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اقدس ان تمام لوگوں کے بہت بعد ہے یعنی ہم نے ان تمام حضرات کو اس زمانہ کے تمام جہانوں سے افضل و اکمل فرمایا (روح المعانی 'خازن)۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے حضرت مریم کے متعلق فرمایا **و فضلک علی نساء العالمین** اور نبی اسرائیل کے متعلق فرمایا **و انی فضلتکم علی العالمین** یہاں ان حضرات انبیاء کرام کے متعلق فرمایا **و کلا فضلنا علی العالمین** ان تینوں بزرگوں میں بڑا فرق ہے۔ جناب مریم کی بزرگی اس زمانہ کی عورتوں پر تھی مگر وائمی بنی اسرائیل کی بزرگی اس زمانہ کے لوگوں پر تھی مگر عارضی 'اب وہی بنی اسرائیل بد ترین مخلوق ہیں مگر حضرات انبیاء کرام کی بزرگی سارے جہان پر دائمی تھی اور ہے جہان سے مراد انبیاء کرام کے علاوہ ہے مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اللہ کی ساری مخلوق پر حتی کہ عرش اعظم کعبہ معظمہ بلکہ قرآن مجید کتاب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : ان آیات کریمہ میں اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر ہے جن میں ترتیب نہ تو زمانی ہے نہ رتبہ کی بلکہ ترتیب کی وجہ کچھ اور ہی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ ان کی ذریت 'ان کی اولاد میں بہت سے پیغمبر بھیجے۔ چنانچہ انہیں بڑھاپے میں حضرت اسحاق جیسا نورانی فرزند بخشا بلکہ پوتا یعقوب بھی انہیں دکھایا ان تمام حضرات کو ہم نے نبوت تقویٰ وغیرہ کی ہدایات بخشیں بلکہ حضرت ابراہیم کے آباؤ اجداد میں حضرت نوح کو تو نبوت پہلے ہی دے چکے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم دو طرفہ خاندانی اشرف ہیں۔ باپ 'دادے نبی اولاد نبی آپ کی اولاد میں۔ داؤد و سلیمان ایوب 'یوسف 'موسیٰ 'ہارون جیسے نامور پیغمبر پیدا کئے ہم نیک کاروں کو ایسی ہی جزاء دیتے ہیں نیز ان کی اولاد میں زکریا '

یحییٰ' عیسیٰ' الیاس' جیسے رسول پیدا فرمائے جو تمام کے تمام کامل درجہ کے نیک اعلیٰ صلاحیتوں والے تھے۔ نیز حضرت ابراہیم کی اولاد میں اسماعیل' یسع' یونس اور لوط جیسے چمکتے چاند تارے پیدا فرمائے۔ ان میں سے سب کو اس زمانہ میں تمام جہانوں سے افضل کیا کہ وہ حضرات انس و جن فرشتوں سب سے افضل تھے۔ خیال رہے کہ اس سلسلہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہوا حالانکہ آپ بھی حضرت خلیل اللہ کی اولاد ہیں اور ان سب حضرات سے بڑے درجے والے' اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان آیات میں حضرت خلیل کی گذشتہ اولاد کا ذکر ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی موجودہ اولاد تھے۔ دوسرے یہ کہ ان آیات میں ان نبیوں کا ذکر ہے جن کا زمانہ آیا اور گزر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کی ایسی اولاد ہیں جن کا زمانہ آیا تو مگر گزر نہیں گیا ابد الاباد تک رہے گا۔ آپ کا ذکر علیحدہ دوسرے مقامات پر کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ ان آیات میں ان انبیاء کرام کے ذکر ہے جو آسمان نبوت پر تاروں کی طرح چمکے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس آسمان کے سورج ہیں۔ جیسے تاروں والے آسمانوں میں سورج نہیں اس کا آسمان علیحدہ ہے ایسے ہی دوسرے نبیوں کی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان علیحدہ ہے۔

نکتہ عجیبہ : اللہ تعالیٰ نے یہاں ان انبیاء کرام کو چار سلسلوں میں بیان فرمایا۔ پہلے سلسلے میں حضرت ابراہیم' نوح' اسحاق' یعقوب علیہم السلام کو اس لئے کہ یہ حضرات اصول انبیاء ہیں کہ سارے نبیوں کے نسب ان سے چلتے ہیں۔ دوسرے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا جنہیں نبوت کے ساتھ اور شاندار نعمتوں سے نوازا گیا۔ چنانچہ حضرت داؤد سلیمان کو نبوت کے ساتھ سلطنت دی۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو انقلاب کی نعمت بخشی کہ ان کے ہاتھوں فرعون و قارون ہلاک کئے گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو کامل درجہ کا صبر اور یوسف علیہ السلام کو اولاً صبر پھر سلطنت عطا ہوئی۔ اس لئے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہم محسنین کو ایسے ہی اجر دیتے ہیں۔ تیسرے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ زہد قناعت ترک' دنیا کی نعمت بخشی۔ اس سلسلہ میں حضرت زکریا' یحییٰ' عیسیٰ' الیاس علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر فرمایا۔ اسی لئے ان کو صالحین فرمایا۔ **کل من الصالحین**۔ چوتھے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا جن کا دنیا میں نہ کوئی تبع رہا نہ ان کی شریعت باقی رہی۔ اس سلسلہ میں حضرت اسماعیل' یسع' یونس اور لوط علیہم السلام کا ذکر فرمایا (تفسیر خازن)۔ یہاں تفسیر کبیر نے اس ترتیب کی اور بھی حکمتیں بیان فرمائیں غرضیکہ یہ ترتیب زمانی نہیں بلکہ اور وجہ سے ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام صفات الٰہی اور اس کی شانوں کے مظہر ہیں اس لئے ان کے رنگ مختلف صفت جلالہ کے مظہر جلالی ہوتے ہیں جیسے موسیٰ و نوح علیہم السلام صفات جمالی کے مظہر جمالی ہوتے ہیں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام صفت باسط کے مظہر امیر بادشاہ ہوئے۔ جیسے حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام صفت قابض کے مظہر تارک الدنیا ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام حضرات اولیاء اللہ تاقیامت ان انبیاء کرام کے مظہر ان کے قدم پر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی شانیں مختلف ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی ہیں۔ آپ میں تمام صفات موجود ہیں۔ جلالی' جمالی' سلطنت ترک دنیا وغیرہ۔ حضور غوث اعظم قدس سرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر آپ کے نقش قدم پر ہیں یہی مطلب ہے اس شعر کا۔

و کل ولی لہ قدم و انی ۔۔۔ علی قدم النبی بدر الکمال
مصطفیٰ آئینہ روئے خدا است ۔۔۔ منعکس در وے ہمہ خوئے خدا است

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نیک اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ جس پر رب تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا ہے اسے اچھی اولاد عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ **و وھبنا لہ اسحاق** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی نعمتوں میں اس کا ذکر فرمایا کہ انہیں اسحاق و یعقوب وغیرہم جیسی اولاد بخشی علیہم الصلوۃ والسلام۔ **دوسرا فائدہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء ہیں کہ آپ کے بعد سارے نبی آپ ہی کی اولاد میں ہوئے۔ یہ فائدہ **و من ذریتہ داؤد و سلیمان** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے کہ **و جعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب** الخ۔ مرزا قادیانی نبی ہوتا تو ضرور اولاد ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام پیدائشی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں کہ وہ پیدائش سے پہلے ہی رب تعالیٰ کی ذات و صفات نیز اپنی صفات سے خبردار ہوتے ہیں یہ فائدہ **کلا ھدینا** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اس کا رسول ہوں۔ برکت والا ہوں الخ (سورۂ مریم) ہمارے حضور پر نور نے پیدا ہوتے ہیں سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی۔ یہ ہے ہدایت ربانی۔ **چوتھا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام سارے عالم سے افضل ہوتے ہیں' ان کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **و کلا فضلنا علی العلمین** سے حاصل ہوا۔ جو کوئی کسی غیر نبی کو نبی کی مثل یا ان سے افضل مانے وہ اس آیت کا منکر ہے بلکہ نبی کی مومن اولاد دوسروں سے افضل ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا **و انی فضلتکم علی العالمین** جب انبیاء کرام کی مومن متقی اولاد سب سے افضل ہو تو خود نبی کی فضیلت کا کیا پوچھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک کے متعلق فرمایا **یا نساء النبی لستن کاحد من النساء** الخ۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ بھی **فضلنا علی العلمین** سے حاصل ہوا کہ فرشتے بھی عالمین میں داخل ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق الٰہی میں سب سے افضل ہیں حتیٰ کہ کعبہ معظمہ اور عرش معلیٰ بلکہ قرآن مجید سے بھی **و رفع بعضھم درجات**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں تو قرآن بھی عربی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی تھے تو قرآنی آیات مکیہ بنیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہو گئے تو آیات قرآنیہ بھی مدنی ہو گئیں۔ جتنا قرآن پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رکوع کیا تو اس حصہ کا نام رکوع ہو گیا۔ جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک کر سانس لے لی وہ جگہ آیت بن گئی۔ جس جگہ بغیر سانس توڑے ٹھہرے وہ جگہ سکتہ کہلائی۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا آئینہ دار ہے۔ **اللھم صل وسلم و بارک علیہ۔** **چھٹا فائدہ:** اپنی بیٹی کی اولاد اپنی ذریت میں داخل ہے۔ یہ فائدہ و عیسیٰ فرمانے سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جناب خلیل اللہ کی ذریت میں داخل فرمایا حالانکہ آپ اپنی ماں مریم کی طرف سے اولاد ابراہیم ہیں۔

لطیفہ: حجاج ابن یوسف نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرات حسنین کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور آل رسول کیوں مانتے ہیں؟ نسل تو بیٹے سے ہوتی ہے نہ کہ بیٹی سے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹی کی اولاد بھی اپنی نسل ہوتی ہے۔ اور یہی آیت کریمہ تلاوت کر کے فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم کی ذریت ہیں۔ حالانکہ جناب مریم سے آپ کو نسبت حاصل ہے اسی طرح ہارون رشید نے حضرت امام جعفر صادق سے یہی سوال کیا تو آپ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا اور مباہلہ کی آیت سے بھی کہ وہاں ارشاد ہے۔ **ابناء نا و ابناء کم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین کو مباہلہ کے لئے لے گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے فرزند ہیں۔ (معانی وغیرہ) **نکتہ:** قرآن

مجید میں پچیس نبیوں کے نام آئے ہیں۔ اٹھارہ تو یہاں اور سات حضرات کا نام دوسری آیات میں آدم' ادریس' صالح' ہود' شعیب' ذوالکفل علیہم الصلوۃ والسلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان حضرات پر تفصیلاً ایمان لانا فرض ہے باقی پر اجمالاً۔ چار ایسے حضرات کا ذکر ہے جن کی نبوت میں اختلاف ہے۔ لقمان' ذوالقرنین' عزیر' خضر' جو ان حضرات کے وجود کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ جو ان کی نبوت کا منکر ہے وہ کافر نہیں (دیکھو تفسیر صلوی شریف)۔ ساتواں فائدہ: سارے نبی ولی قرآن کریم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چمکے جنہیں جتنا چمکایا قرآن یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چمکایا دیکھو۔ سمع علیہ السلام کا صرف نام آیا۔ آپ کے حالات نہ قرآن میں آئے نہ حدیث میں تو دنیا ان کے صرف نام سے ہی واقف ہے۔ ان کے کسی حال سے خبردار نہیں۔ اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر قرآن و حدیث میں نہ ہوتا تو ان کے نام کام حالات دنیا سے غائب ہو جاتے۔ شعر۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے ۔۔۔ مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے!
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے ۔۔۔ پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراج منیر ہیں کہ چمکتے بھی ہیں چمکاتے بھی ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں حضرت لوط علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد فرمایا گیا۔ حالانکہ آپ حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں۔ آپ تو جناب خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں کیونکہ آپ ہاران ابن آزر کے بیٹے ہیں تو ہاران جناب ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں' پھر من ذریتہ فرمانا کیونکر درست ہوا۔ جواب: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ و من ذریتہ میں ہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام انبیاء کرام کو نوح علیہ السلام کی ذریت فرمایا ہے۔ لوط علیہ السلام بھی ان کی اولاد ہیں مگر جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہ جواب ضعیف ہے یہاں ہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہی ہے اور ان انبیاء کرام کو جناب ابراہیم کی ذریت فرمایا گیا ہے۔ چونکہ بھتیجا بھی مثل اولاد کے ہوتا ہے نیز لوط علیہ السلام کو نبوت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ملی۔ اس لئے روحانی طور پر بھی آپ حضرت خلیل کی نسل سے ہوئے یا یہ کہو کہ اس آیت کریمہ میں سولہ نبیوں کو حضرت خلیل کی ذریت کہا گیا جن میں سے پندرہ تو آپ کی ذریت ہیں۔ صرف لوط علیہ السلام اس سے علیحدہ ہیں تو تغلیباً ان کو ذریت میں داخل فرمایا گیا۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں چھ نبیوں کے متعلق فرمایا گیا۔ **کذالک نجزی المحسنین** اور چار نبیوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔ **کل من الصالحین**۔ اور چار نبیوں کے متعلق ارشاد ہوا۔ **و کلا فضلنا علی العلمین**۔ اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ ان تمام حضرات کی ایک ہی مدح و ثنا کیوں بیان نہ ہوئی۔ جواب: اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضرت داؤد و سلیمان وغیرہم چھ حضرات وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ اور خاص نعمت بھی بخشی۔ چنانچہ حضرت داؤد و سلیمان کو سلطنت حضرت یوسف کی اولاً مصیبتوں پر صبر پھر بادشاہت۔ حضرت موسیٰ و ہارون کو انقلابی شان بہت سے معجزات' حضرت ایوب کو اولاً صبر پھر بے شمار دولت بخشی۔ اس لئے ان حضرات کے لئے **نجزی المحسنین** فرمایا گیا۔ یہاں جزاء سے یہی خصوصی فضل و کرم مراد ہیں۔ باقی چار پیغمبروں یعنی حضرت زکریا و یحیٰ وغیرہم کو صرف نبوت سے نوازا گیا۔ سلطنت وغیرہ نہیں دی گئی اس لئے وہاں جزاء کا ذکر نہیں ہوا۔ **کل من الصالحین** فرمایا۔ رہا یہ فرمان **و کلا فضلنا علی العلمین** یہ ان تمام

اٹھارہ نبیوں کے متعلق ہے جن کا یہاں ذکر ہے کہ سارے نبی سارے جہانوں سے افضل ہیں۔ جس میں بتایا گیا کہ نبی ساری مخلوق سے افضل ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں **و کلا** ”واؤ“ کے ساتھ ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں نبوت کے متعلق ارشاد ہوا کہ **ذالک ھدی اللہ** یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے تو ساری ہدایتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ خواہ ہدایت فطری ہو یا ہدایت عقلی یا ہدایت شرعی۔ ایمان کی ہدایت ہو یا اعمال کی یا عرفان کی یا نبوت کی پھر خصوصیت سے نبوت کی ہدایت کو ہدی اللہ کیوں فرمایا۔ **جواب:** چندوجہ سے ایک یہ کہ ہدایت سے بندے دنیاوی کام بھی کرتے ہیں سارے کاروبار اسی ہدایت سے چلتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء کرام نبوت کی ہدایت سے صرف اللہ کا کام ہی کرتے ہیں جیسے مسجد کو بیت اللہ کہتے ہیں کہ وہاں صرف اللہ کے کام ہی ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دیگر ہدایات بندوں کے ذریعہ ملتی ہیں مگر ہدایت نبوت براہ راست رب کا عطیہ ہوتی ہے۔ کسی بندے کو یا اپنے کسب کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ جیسے ہوا یا سورج کی روشنی۔ تیسرے یہ کہ دیگر ہدایتیں فنا ہو سکتی ہیں۔ مومن کافر ہو سکتے ہیں مگر نبوت کی ہدایت چھن نہیں سکتی۔ ان وجوہ سے اسے ہدی اللہ فرمایا۔ **چوتھا اعتراض:** اگر **کلا فضلنا** لخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ساری خلق سے افضل ہوتے ہیں حتیٰ کہ فرشتوں‘ حوروں‘ غلمانوں سے بھی تو قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے متعلق یہی ارشاد ہوا۔ **فضلتکم علی العالمین**۔ تو چاہئے کہ ہر اسرائیلی خواہ مومن ہو یا کافر فرشتوں سے بھی افضل ہو حالانکہ یہ غلط ہے۔ **جواب:** وہاں بنی اسرائیل کے لئے **کلا** نہیں فرمایا گیا۔ یہاں حضرات انبیاء کرام کے لئے **کلا** ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر فرد نبی ساری مخلوق سے افضل ہیں‘ رہے بنی اسرائیل وہ **من حیث القوم** واقعی تمام مخلوق سے ایک زمانہ میں افضل رہے۔ کیونکہ ان میں حضرات انبیاء کرام کثرت سے رہے جو ساری مخلوق سے افضل تھے۔ ان حضرات کی افضلیت سے **من حیث القوم** بنی اسرائیل افضل ہوئے وہاں یہ مطلب نہیں کہ بنی اسرائیل کا ہر فرد ساری مخلوق سے افضل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بعض فرد ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ یعنی انبیاء کرام لہٰذا **من حیث القوم** وہ افضل جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **و جعلکم ملوکا** ”اے اسرائیلیو ہم نے تم کو سلاطین بنایا تو یہ مطلب نہیں کہ ہر اسرائیلی سلطان تھا بلکہ ان میں نبی بادشاہ و سلطان تھے۔ لہٰذا قوم اسرائیل میں سلطنت تھی ایسے ہی قوم اسرائیل میں افضلیت تھی یہ جواب اچھی طرح سمجھ لو یہ فرق بہت باریک ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہ اٹھارہ نبی تمام جہانوں سے افضل ہیں تو کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں اور کیا خود اپنے سے بھی افضل ہیں۔ عالمین میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور خود وہ حضرات بھی۔ **جواب:** آیت کریمہ کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ عالمین سے مراد غیر نبی ہیں یعنی حضرات انبیاء غیر نبی عالمین سے افضل ہیں۔ ان میں بعض بعض سے افضل ہیں۔ یہ مسئلہ دوسرا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں سے افضل یہ مسئلہ علیحدہ ہے۔ رب فرماتا ہے **و رفع بعضھم درجات** لہٰذا یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف نہیں جو کسی نبی سے غیر نبی کو افضل مانے وہ گمراہ ہے۔ ان آیات کا منکر ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا **و کذالک نجزی المحسنین**۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور نبی کے کمالات نیک اعمال کا نتیجہ ہیں حالانکہ نبوت کسبی چیز نہیں محض عطائے الٰہی ہے ورنہ جو نیک اعمال کرے وہ نبی ہو جائے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ آسان جواب یہ ہے کہ یہاں [illegible] کی طرف اشارہ [illegible] نیک اعمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ

السلام کو ہم نے نہایت ہی پاکیزہ اولاد بخشی ہم نیک کاروں کو ایسی ہی جزاء دیتے ہیں کہ انہیں نیک اولاد بخشتے ہیں۔ ساتواں اعتراض: اگر اللہ تعالیٰ نیک کاروں کو نیک اولاد بخشتا ہے تو نوح و آدم علیہم السلام کو کنعان اور قابیل جیسے خبیث بیٹے کیوں بخشے۔ جواب: اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں صرف نیک اولاد ہی بخش جاتی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ انہیں نیک اولاد بھی بخشی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و نوح علیہما السلام کو اچھی نیک اولاد بھی بخشی۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے ماسویٰ جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ مصرع۔

جو تیرے سوا ہے وہ بندہ ترا ہے

مگر بعض مخلوق مفیض و مفید ہے یعنی فیض دینے والی فائدہ پہنچانے والی اور بعض دوسری مستفیض اور مستفید ہے۔ یعنی فیض و فائدہ لینے والی بادل اور سورج بھی اللہ کی مخلوق ہے اور زمین 'باغات' کھیتیاں بھی اللہ کی مخلوق مگر سورج و بادل فیض رساں مخلوق ہیں اور زمین و باغ فیض یاب۔ یہ دو قسم کی مخلوق برابر نہیں ہو سکتی نہ فیض رساں فیض دینے والے اور دوسرے لوگ بھی اللہ کے بندے ہی ہیں۔ مگر فیض لینے والے یہ دونوں بندے یکساں نہیں۔ شعر۔

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار　　　که اگر خار وگر گل ہمہ پروردۂ تست

باغ کا پتہ پتہ شگوفے اور پھول پھل سارے کے سارے ابر بہار کے شکر گزار ہیں کہ یہ سب اس کے پروردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہیں فیض رساں بندوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد کیا **و کلا فضلنا علی العلمین** ہم نے ان سب کو تمام جہانوں پر بزرگی دی کیوں نہ ہو کہ وہ فیض رساں ہیں پھر جیسے بعض بارشیں وقتی طور پر فیض دیتی ہیں۔ بعض بارشیں دائمی فیض بخشتی ہیں فصل کی آخری بارش جس سے فصل تیار ہو جائے وہ دائمی فیض رساں ہے اس کے بعد اور بارش نقصان دہ ہے اب کسی بارش کی ضرورت نہیں یونہی سارے نبی وقتی بارش تھے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور دائمی بارش ہیں۔ جس کے بعد اور کسی نبی کی ضرورت نہیں اس بارش پر دین کی کھیتی مکمل ہو کر پک گئی **الیوم اکملت لکم دینکم** لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں۔ **ولکن رسول اللہ و خاتم النبین**۔ پھر جیسے بارش بعض جگہ پھول پیدا کرتی ہے بعض جگہ اس سے کانٹے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض جگہ پھل بناتی ہے۔ بعض جگہ سچے موتی یونہی نبوت کی بارش سے کہیں ایمان و عرفان کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ کہیں صدیقیت فاروقیت کے سچے موتی کہیں ولایت و غوثیت کی بہار کہیں نرے کانٹے و خار۔ شعر۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　　در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ہی صالح ہیں یعنی قرب الٰہی کی صلاحیت رکھنے والے حاضرین بارگاہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق تو وہی حضرات ہیں جو ان کے قدم سے وابستہ ہو جائے وہ بھی انشاء اللہ وہاں پہنچے گا اور وہاں سے نکالا نہ جائے گا۔ پھولوں کے ساتھ دھاگہ بھی بادشاہ کے گلے میں ہار بن کر پڑ جاتا ہے۔ پھولوں کے ساتھ گھاس بھی گلدستہ بن کر بادشاہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے اس لئے رب تعالیٰ نے جب معراج میں لامکان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر فرمایا **السلام علیک ایھا النبی** تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں **السلام علینا** جمع کی ضمیر کے ساتھ فرمایا۔ یعنی اے میرے مولیٰ میں اکیلا نہیں میرے ساتھ میرے حاشیہ بردار میرے دامن سے وابستہ گنہگاران امت بھی ہیں۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى

اور انکے باپ دادوں میں اور ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے اور چن لیا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ہم

اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

نے انکو طرف راستے سیدھے کے یہ ہدایت ہے اللہ کی ہدایت دیتا رہا ہے ساتھ اس کے اس کو جسے چاہتا

یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دے

عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

رہا ہے اپنے بندوں میں سے اور اگر شرک کرتے وہ لوگ تو چھن جاتے ان سے جو عمل کرتے تھے وہ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حضرات ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں جو نبی ہوئے ان کی تفصیل کا نام بنام ذکر تھا۔ اب ان کے علاوہ دوسرے نبیوں کا اجمالی ذکر ہے تا کہ معلوم ہو کہ اولاد ابراہیمی میں صرف یہی نبی نہیں بلکہ اور بھی بہت نبی ہیں۔ جن پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں اٹھارہ نبیوں کے نام ان کے فضائل بیان ہوئے۔ اب ارشاد ہے کہ وہ حضرات صرف بذات خود ہی کامل نہ تھے بلکہ ان کے بعض باپ دادے 'اولاد' بھائی برادر بھی کامل تھے۔ گویا پچھلی آیت میں ان کے ذاتی کمال کا ذکر تھا اب ان کے نسلی اور نسبی کمال کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں تفصیل ایمان کے لئے بعض انبیاء کرام کی تفصیل ارشاد ہوئی۔ اب اجمالی ایمان کے لئے دوسرے نبیوں کا اجمالی ذکر ہوا گویا اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک قسم کے ایمان کے بعد دوسری قسم کے ایمان کی تعلیم دی تا کہ معلوم ہو کہ ایمان تفصیلی بھی ضروری ہے اجمالی بھی ضروری۔ خیال رہے کہ ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں حضرات انبیاء کرام کی ہدایت کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اس ہدایت کی تفصیل کہ انہیں صرف ہدایت عامہ نہیں دی جو ہر مومن' یا ہر ولی' یا ہر عارف کو مل جاتی ہے۔ بلکہ انہیں ہدایت خاصہ عطا فرمائی جو صرف رسولوں 'نبیوں کو ہی عطا ہوتی ہے۔ نیز پہلی آیت میں حضرات انبیاء کرام کے فضائل کا بیان ہے۔ دوسری میں ان کے متعلق مشرکین و کفار کے اعتراضات کی تردید ہے کہ **ولو اشرکوا** لہٰذا یہ دونوں آیتیں بھی آپس میں تعلق رکھتی ہیں 'مشرکین ان حضرات کو مشرک کہتے تھے اور اپنے شرک کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ رب نے ان کی تردید فرمائی۔

تفسیر : **و من اباءهم و ذرياتهم و اخوانهم** اس عبارت کی بہت ترکیبیں اور بہت تفسیریں ہیں۔ آسان ترکیب و تفسیر یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے **و کلا فضلنا علی العلمین** پر یا معطوف ہے **کلا" ھدینا** پر اور من۔ بعضیت کا یہاں ایک فعل اور اس کا مفعول پوشیدہ ہے اصل عبارت یوں ہے۔ **و فضلنا** یا **و ھدینا کثیرا من اباء ھم**۔ یعنی ہم نے ان انبیاء کرام کے بہت سے باپ دادا ان کی بہت سی اولاد ان کے بہت سے بھائی برادروں کو بھی تمام جہانوں پر بزرگی دی یا انہیں

نبوت کی ہدایت دی۔ خیال رہے کہ یہاں ؔمنیت کا من فرمانا دو حکمتوں سے ہے ایک یہ کہ ان مذکورہ نبیوں میں بعض وہ ہیں جن کے باپ دادے ہیں ہی نہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام بعض وہ ہیں جن کے اولاد نہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام کہ ان بزرگوں نے نہ شادی کی نہ ان کی اولاد ہوئی۔ بعض وہ ہیں جن کے باپ دادے تو ہیں مگر نبی نہیں 'اولاد تو ہے مگر مومن نہیں۔ بھائی برادر تو ہیں مگر نبی یا مومن نہیں ان وجوہ سے من ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ اپنی امانت خبیث پیٹ میں نہیں رکھتا اور حق یہ ہے کہ کسی نبی کے والد بھی کافر نہیں ہاں بعض نبیوں کی اولاد یا بھائی برادر کافر ہوئے۔ جیسے حضرت آدم کا بیٹا قابیل 'نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر ہوئے یونہی بعض نبیوں کی بیویاں کافرہ ہوئیں جیسے حضرت نوح و لوط علیہ السلام کی بیویاں کافرہ تھیں مگر کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الخبیثات للخبیثین۔** نبیوں کے بھائی برادر کافر بھی ہوئے ہیں 'مومن بھی 'متقی بھی ہوئے ہیں 'فاسق و فاجر بھی۔ حق یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سارے بھائی مومن تھے اور آخر کار سارے متقی پرہیزگار ہوئے۔ مگر نبی نہ تھے اس کی کچھ تفصیل ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں ملاحظہ فرماؤ۔ **و اجتبینا ھم و ھدینا ھم الی صراط مستقیم**۔ یہ عبارت معطوف ہے اس **فضلنا یا ھدینا** پر جو **من اباء ھم** میں پوشیدہ ہے اجتبینا بنا ہے جبی سے جبی اور صفو دونوں کے معنی ہیں چن لینا 'چھانٹ لینا اسی سے ہے **مجتبی** اور **مصطفی** یہ دونوں لفظ نبوت کے لئے خاص ہیں۔ مصطفیٰ اور مجتبیٰ صرف نبی کو ہی کہا جاتا ہے غیر نبی کو نہیں اس **اجتبینا** سے معلوم ہوا کہ یہاں نبوت کا چناؤ مراد ہے۔ خیال رہے کہ جیسے بادشاہ کا مسافر خانہ بادشاہ کے نوکروں چاکروں کے مکانات اس کے کرایہ کے مکانات اگرچہ بادشاہ کی ملک ہیں مگر شاہی محل صرف بادشاہ کا ہے جسے کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے محل میں بعض چیزیں مہمانوں کے لئے جیسے بستر 'چارپائیاں 'صوفے سیٹ۔ بعض چیزیں اس کے صرف بال بچوں کے لئے ہیں مگر اس کی جیبی یا دستی گھڑی وغیرہ خاص بادشاہ کے استعمال کے لئے اسی طرح سارے انسان اللہ کے بندے ہیں۔ مگر بعض بندے شیطان کے استعمال کے لئے جیسے مشرکین و کفار 'بعض بندے دنیاوی کاروبار کے لئے جیسے غافل 'دنیا دار۔ مگر بعض بندے خالص رب تعالیٰ کے لئے کہ وہ جو کرتے ہیں۔ اللہ کے لئے کرتے ہیں وہاں شیطان 'نفس امارہ 'دنیاوی غفلتوں کو دخل نہیں ہوتا۔ جیسے حضرات انبیاء کرام یہ ہیں رب کے مجتبیٰ بندے درخت کے گلے سڑے پھل پھینکنے کے لئے پختہ پھل فروخت کے لئے مگر چھٹے ہوئے اعلیٰ پھل مالک کے اپنے لئے یہ پھل چناؤ میں آگئے۔ شعر۔

جب باغ جہاں کے مالک نے کی دیکھا بھالی پھولوں کی　　اک پھول ان میں سے چھانٹ لیا تھی جتنی ڈالی پھولوں کی
اس گل کا محمد نام ہوا تازہ جس سے اسلام ہوا　　اس گل نے کھل کر گلشن میں اک شان نکالی پھولوں کی

لہٰذا **اھدینا ھم** میں ہدایت سے مراد نبوت کی ہدایت ہے اور **صراط مستقیم** سے مراد تبلیغ نبوت وغیرہ ہے۔ لہٰذا واضح ہے۔ یعنی ان مذکورہ نبیوں میں سے بعض نبیوں کے باپ دادوں 'ان کی اولاد 'ان کے بھائی برادروں کو بھی نبوت دی جو سارے اولاد ابراہیم تھے۔ لہٰذا جناب خلیل کی اولاد میں بہت نبی ہوئے **ذالک ھدی اللہ** یہ جملہ نیا ہے جس میں **ذالک** مبتدا ہے **ھدی اللہ** سے مراد نبوت و رسالت کی ہدایت ہے **ذالک** سے اشارہ نضیلت۔ اجتباء کی طرف ہے یعنی یہ عالم پر بزرگی نبوت کے چناؤ اللہ کی خاص ہدایت ہے۔ **یھدی بہ من یشاء من عبادہ**۔ یہ جملہ **ھدی اللہ** کی صفت ہے **بہ** کا مرجع ہدایت ہے یعنی ہدایت نبوت **عباد** سے صرف مرد انسان مراد ہیں۔ عورتیں 'جنات 'فرشتے اس سے خارج ہیں کیونکہ نبوت صرف مرد انسانوں ہی کو عطا

ہوئی رب تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم٭ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے یہ بھی خیال رہے کہ یہاں یھدی دوام استمراری کے لئے نہیں کیونکہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی اب کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ یعنی نبوت اللہ تعالیٰ کی وہ خاص ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دیتا رہا ہے۔ خیال رہے کہ ہدایت تین قسم کی ہے ایک ہدایت فطری جیسے بچہ کو رونے کی ہدایت کہ اپنا ہر درد دکھ رو کر بتائے۔ مچھلی کے بچوں کو تیرنے کی' چڑیوں کے بچوں کو کھانے کی ہدایت۔ دوسری ہدایت عقلی جو انسان کو ہوش سنبھالنے پر ملتی ہے۔ جس سے وہ دنیا کی ہر تدبیر کرتا ہے۔ ایجادات اور سائنسی آلات اس ہدایت عقلی سے بنے۔ تیسری ہدایت شرعی اس ہدایت کی بہت قسمیں ہیں۔ ہدایت ایمان' ہدایت اعمال' ہدایت عرفان' ہدایت نبوت و رسالت۔ یہاں یہی آخری ہدایت مراد ہے اس کو ہدایت اللہ کہا گیا ہے یہ صرف حضرات انبیاء کرام کو ملتی ہے۔ جیسے ہدایت ایمان کو صبغۃ اللہ فرمایا گیا ہے۔ ولو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملون۔ یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں مشرکین مکہ کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ حضرات ابراہیم و اسماعیل وغیرہم انبیاء مشرک تھے۔ چنانچہ وہ لوگ اپنے شرکیہ عقیدوں کے متعلق کہتے تھے کہ یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یا عیسائی یہودی کہتے ہیں کہ صلیب پرستی' نبی پرستی' حضرت عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کی تعلیم ہے۔ نعوذ باللہ اشرکوا کا فاعل وہی انبیاء کرام ہیں جن کا تفصیلی و اجمالی ذکر ابھی ہوا۔ شرک کے معنی اس کی حقیقت بارہا بیان ہو چکی کہ کسی بندے کو اللہ کی برابر سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کی شان گھٹا کر کسی بندے کے برابر کر دینا شرک ہے۔ حبط بنا ہے حبوط سے بمعنی باطل ہو جانا' ضبط ہو جانا' چھن جانا' برباد و اکارت ہو جانا۔ عمل سے مراد سارے نیک اعمال ہیں خواہ بدنی ہوں یا مالی یا بدنی مالی کا مجموعہ یعنی اے مشرکو کافرو ان انبیاء میں سے کسی نے کبھی کسی قسم کا شرک نہیں کیا اگر انہوں نے شرک کیا ہوتا تو نبوت تو بہت بڑی چیز ہے۔ ان کی کوئی نیکی باقی نہ رہتی سب کی سب ضبط ہو جاتی۔ مگر ان کے اعمال تو باقی ہیں۔ ضبط اعمال خشک شاخ کی طرح ہیں۔ جس میں پھل پھول سبزہ کچھ نہیں ہوتا ایسے ہی نامقبول اور ضبط شدہ اعمال میں نہ لذت ہو نہ کیف نہ ان کا آئندہ بقا ہو مگر حضرت ابراہیم کا کعبہ زمزم' صفا مروہ' منیٰ' عرفات سب قائم ہیں ان کی سنتیں باقی ہیں۔ گزشتہ انبیاء کرام کے چرچے ان کی مانگی ہوئی دعائیں قائم ہیں معلوم ہوا کہ ان کے اعمال ضبط یا غیر مقبول نہیں۔ بلکہ مقبول ہیں لہٰذا وہ پکے مومن اللہ کے مقبول بندے تھے۔

خلاصہء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جن پیغمبروں کے حالات ان کے فضائل و کمالات ہم نے آپ کو سنائے ہم نے ان نبیوں کے باپ دادوں' ان کی اولاد' ان کے بھائی برادروں میں سے بعض کو بھی بزرگی بخشی۔ گو یا وہ حضرات خود بھی افضل و اکمل تھے ان کے بعض باپ' دادے' اولاد برادر ان بھی افضل اکمل۔ ہم نے ان کو نبوت کے لئے چن لیا اور انہیں تبلیغ رسالت کے سیدھے راہ کی طرف ہدایت دی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص ہدایت ہے۔ یہ ہدایت اسی بندے کو ملتی ہے جسے رب دینا چاہے کفار مکہ ان انبیاء کرام کو مشرک مانتے ہیں کہ شرکیہ عقائد و اعمال کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں وہ حضرات بد عقیدگیوں' بد عملیوں سے بالکل محفوظ تھے۔ سچے پکے مخلص موحد مومن تھے اگر وہ شرک کرتے تو ان کی ساری نیکیاں ضبط ہو جاتیں۔ نبوت تو بہت اعلیٰ چیز ہے وہ تو انہیں مل سکتی ہی نہ تھی لہٰذا ان کے دامن پر شرک کا دھبہ لگانا محض غلط ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے کہیں تو انسان کو تاجر و کاندار فرمایا ہے کہیں اسے مسافر فرمایا مسافر کو سفر میں توشہ' راستہ' رہبر سب ہی کی ضرورت ہے دنیا راستوں اور سواریوں کا جنکشن ہے جہاں سے بہت راستے دوزخ کی طرف جاتے

ہیں اور ایک راستہ جنت کی طرف۔ اس راستہ کی رہبری کے لئے حضرات انبیاء کرام کی ضرورت ہے۔ اس راستہ کی کئی صورتیں ہیں۔ ظاہری راستہ شریعت ہے باطنی راستہ طریقت مکہ معظمہ کے بہت راستے ہیں۔ خشکی کا' سمندری اور ہوائی۔ ان میں سے بعض جلد طے ہوتے ہیں بعض دیر میں ان دونوں راستوں کے رہبر ہیں یہاں صراط مستقیم سے یہ تمام راستے مراد ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کسی کے باپ دادوں یا اولاد یا قرابت داروں کا نبی یا ولی یا عالم دین یا متقی ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ ان کی نسبت سے اسے بھی بزرگی مل جاتی ہے نبی کی مومن اولاد مومن ماں باپ قرابت دار دوسرے مومنوں سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ **و من اباءھم و ذریاتھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اگر خدا تعالیٰ کسی پر یہ کرم کرے کہ اسے بھی نبوت بخشے اس کے ماں باپ اولاد کو بھی تو یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے شخصی بزرگی سے خاندانی بزرگی اعلیٰ ہے یہ فائدہ بھی **و من اباءھم** الخ سے حاصل ہوا۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم۔ یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم۔ معلوم ہوا حضرت یوسف علیہ السلام کی چار پشت میں نبوت ہونا ان کی عظمت کا سبب ہے لہٰذا اجماعت صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ خود بھی عظیم الشان صحابی ہیں۔ آپ کے ماں باپ بھی صحابی' آپ کی ساری اولاد صحابی' آپ کے پوتی پوتے' نواسی نواسے بھی صحابی۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** نبوت صرف انسانوں کو ہی عطا ہوئی' کوئی جن' فرشتہ' نبی نہیں یہ فائدہ بھی **و من اباءھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نبوت مردوں کو ہی عطا ہوئی' کوئی عورت نبی نہیں ہوئی یہ فائدہ بھی **من اباءھم** الخ سے حاصل ہوا کہ رب العالمین نے باپ دادوں اور بھائیوں کا تو ذکر فرمایا۔ ماں' نانی' بہنوں کا ذکر نہ فرمایا (تفسیر کبیر)۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی نبی بد عقیدہ یا بد عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **واجتبینا ھم** اور **و ھدینا ھم** سے حاصل ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کو نبوت کے لئے چن لیتا ہے اور براہ راست انہیں ہدایت دیتا ہے تو ان کا ہدایت پر نہ ہونا غیر ممکن ہے۔ **چھٹا فائدہ:** نبی کو ابلیس یا کوئی اور گمراہ نہیں کر سکتا۔ ہدایت ان کے لئے لازم ہے کہ کبھی ان سے جدا نہیں ہو سکتی یہ فائدہ بھی **ھدینا** اور **اجتبینا** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کوئی نہیں چھین سکتا۔ سورج کو نور اللہ نے دیا تو اسے بے نور کوئی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ان حضرات پر نہ شیطان کا داؤ چلے نہ کسی طاغوت کا۔ رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** نبوت عطائی چیز ہے کسبی نہیں۔ کوئی شخص اپنی عبادت و ریاضت سے نبی نہیں بن سکتا یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ جس پر ہو جائے یہ فائدہ **یھدی بہ من یشاء** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کسی نبی نے ایک آن کے لئے شرک و کفر نہیں کیا جو کوئی حضرت آدم یا حضرت ابراہیم یا کسی اور نبی کو ایک آن کے لئے کافر یا مشرک کہے وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے۔ دیکھو رب نے فرمایا **ولو اشرکوا لحبط۔ اشرکو** ماضی مطلق ہے جو ایک آن کے شرک و کفر کو بھی شامل ہے یہ مسئلہ ہماری کتاب عصمت انبیاء میں دیکھو۔ **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ پر جو اعتراضات کفار کی طرف سے ہوتے ہیں انہیں نبی دور کرتے ہیں اور نبی کی ذات پر جو اعتراض ہوتے ہیں انہیں رب تعالیٰ دفع فرماتا ہے۔ حمد الٰہی سنت رسول ہے اور نعت رسول سنت الٰہیہ ہے۔ یہ فائدہ **ولو اشرکوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** حضرات صحابہ کرام اللہ کے مقبول بندے تھے ان سے کبھی کفر سرزد نہیں ہوا۔ ورنہ ان کے اعمال کا بقا نہ ہوتا ضبط ہو جاتے۔ حضرت صدیق

اکبر کی مسجد نبوی حضرت عثمان غنی کا اس مسجد میں اضافہ، حضرت عمر کی تراویح اور فتوحات اسلامیہ حضرت صدیق و عثمان کا جمع کردہ قرآن باقی نہ رہتے۔ سب ضبط ہو چکے ہوتے مگر یہ تو دائم قائم ہیں لہٰذا وہ حضرات مومن بلکہ مومن گیر ہیں۔ یہ فائدہ **لو اشرکوا لحبط عنہم ما کانوا یعملون** سے حاصل ہوا۔ عمل مقبول عامل کے دل میں اثر کرتا ہے کہ اس سے دل کی نرمی، آنکھ کی تری، سوزو گداز پیدا ہوتے ہیں اور آئندہ لوگوں میں ان سے کام تام فیضان باقی رہتے ہیں۔ ضبط شدہ عمل میں یہ باتیں شیطان کی عبادات ضبط شدہ ہیں۔ دیکھ لو ان کا نام تک نہیں۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ نبی کے ماں باپ مشرک نہیں ہوتے۔ حالانکہ حضرت لوط علیہ السلام کا والد آزر مشرک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ مشرک تھے یہ قاعدہ غلط ہوا۔ **جواب:** ہم نے یہ قاعدہ نبی کے صرف والد کے لئے عرض کیا ہے کہ نبی کی ماں ان کے باپ مشرک نہیں۔ لوط علیہ السلام کے والد ہاران موحد مومن تھے۔ آزر مشرک ہو تو ہو یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ آپ کی نسل شریف میں کوئی عورت و مرد مشرک و کافر نہ ہوئے سب مومن موحد تھے۔ جو حضرت عبداللہ یا حضرت آمنہ کو مشرک یا کافر کہے وہ بہت سی آیتوں، بے شمار احادیث کا انکاری ہے اور اللہ نے اس کی عقل ماری ہے۔ ہم یہ مسئلہ نہایت تحقیق سے پہلے پارہ **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبوت اللہ کی خاص ہدایت ہے۔ جسے چاہے دے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا کیا اللہ تعالیٰ کے پاس ہدایت ختم ہو گئی یا اب وہ بخیل ہو گیا۔ (مرزائی)۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے سے اب کسی اور نبوت کی دنیا کو ضرورت نہ رہی سورج چمک جانے پر چاند تاروں چراغوں کی ضرورت نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت کے نہ ڈوبنے والے سورج ہیں۔ اب کسی چراغ کی کیا ضرورت ہے ہم اس کی کچھ تحقیق تیسرے پارہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں اور ان شاء اللہ **و خاتم النبین** کی تفسیر میں عرض کریں گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھی سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے کہ فرمایا **و ھدینا ھم الی صراط مستقیم** تو ہم میں ان میں فرق ہی کیا ہے وہ بھی راستہ میں ہیں ہم بھی راستہ میں ہیں خدا تک کوئی نہیں پہنچا ہم کو بھی رب نے ہدایت کی ان کو بھی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو براہ راست رب نے ہدایت دی اور ہم کو بواسطہ انبیاء کرام۔ دوسرے یہ کہ ہم کو دنیا میں آنے کے بعد ہدایت دی، ان کو ہدایت دے کر بھیجا۔ تیسرے یہ کہ ہماری ہدایت کسبی ہے، ان کی ہدایت عطائی اور وہبی ہم گمراہ ہو سکتے ہیں وہ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہماری اور ان کی ہدایتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ **جواب عاشقانہ:** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو تو سیدھے راستہ کی ہدایت کی آنے کے لئے اس راہ پر چلنے کے لئے ان کو ہدایت دی لانے کے لئے مخلوق کو چلانے کے لئے ریلوے کا سگنل انجن کو ہدایت اور اجازت دیتا ہے لانے کی ورنہ انجن تو وہاں آتا جاتا ہی رہتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے نبیوں کو چن لیتا ہے تو پھر ان کی نبوت منسوخ کیوں ہو جاتی ہے۔ کیا رب تعالیٰ کا چناؤ بھی ختم ہو سکتا ہے۔ **جواب:** نسخ نبوت سے ان کے قرب الٰہی، ان کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آتا ہاں ان کا تعلق مخلوق سے ختم ہو جاتا ہے کہ اب ان کی اطاعت، ان کا کلمہ پڑھنا لوگوں پر نہیں رہتا۔ وہ جس چناؤ میں آچکے وہ ہمیشہ باقی ہے ہاں یہ خصوصیت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ نہ ان کی مقبولیت میں

فرق آیا نہ اطاعت میں کیونکہ آپ کی نبوت غیر منسوخ ہے۔ قیامت کے دن سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھیں گے معراج کی رات سب نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز محمدی پڑھی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک سے نیک اعمال ضبط ہوتے ہیں تو کیا کفر سے ضبط نہیں ہوتے اگر کوئی مسلمان دہریہ یا عیسائی وغیرہ بن جائے اس کے اعمال برقرار رہتے ہیں۔ **جواب:** ان جیسی آیات میں شرک سے مراد مطلقاً کفر ہوتا ہے۔ یہاں بھی کفر ہی مراد ہے۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا** وہاں بھی مشرکین سے مراد کفار ہیں خواہ کسی قسم کے کافر ہوں یہ قاعدہ خوب یاد رکھو چونکہ مشرکین عرب حضرات انبیاء پر شرک کی ہی تہمت لگاتے تھے اس لئے اسی کی تردید فرمائی گئی اور لفظ شرک ارشاد ہوا۔ **چھٹا اعتراض:** قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شرک کیا کہ اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما اتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء** ہم نے جب آدم و حوا کو اچھا بیٹا بخشا تو انہوں نے شرک کر لیا پھر تمہارا یہ قاعدہ کیونکر درست ہوا کہ نبی بدعقیدہ نہیں ہوتے اور اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہوا۔ **جواب:** وہاں اس آیت کریمہ میں حضرت آدم و حوا مراد نہیں بلکہ قریش کا کوئی مورث اعلیٰ مراد ہے اس نے شرک کیا تھا اس کی نفیس تحقیق ہم نے اپنے رسالہ عصمت انبیاء میں کر دی ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں حضرات انبیاء کرام کے لئے ارشاد ہوا کہ اگر وہ شرک کرتے تو ان کے اعمال ضبط ہو جاتے جس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کا شرک کرنا اور ان کے اعمال ضبط ہو جانا بالکل ممکن ہے ورنہ اس اگر مگر کے کیا معنی۔ **جواب:** یہ قاعدہ ہی سرے سے غلط ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے جس کا مقصد ہوتا ہے۔ سببیت کا بیان کرنا یعنی شرط سبب ہے جزاء کی اس کا ذکر نہیں ہوتا کہ یہ دونوں واقع یا ممکن ہیں بالکل ناممکن چیز کو ناممکن پر معلق کر دیا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے **ان کان للرحمن ولد فان اول العابدین** اگر خدا تعالیٰ کے بیٹا ہوتا تو اس کی عبادت پہلے میں کرتا۔ اور فرماتا ہے **لو کان فیھما الھتہ الا اللہ لفسدتا**۔ اگر آسمان و زمین میں چند معبود ہوتے تو یہ دونوں بگڑ جاتے حالانکہ نہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہونا ممکن ہے نہ چند معبود ہونا ممکن ہے ایسے ہی یہ جملہ شرطیہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اے مشرکو تمہارے سارے اعمال ضبط ہو چکے کیونکہ تم نے شرک کیا شرک ایسا وبال ہے جو اعمال ضبط کر دیتا ہے تمہاری تو حقیقت ہی کیا ہے اگر حضرات انبیاء کرام بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضبط ہو جاتے یا یہ مقصد ہے کہ تم کہتے ہو کہ گزشتہ نبی مشرک تھے یا مشرک گروہ ہی ہم کو شرک کی تعلیم دے گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہے اگر انہوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کے اعمال ضبط ہو گئے ہوتے' نبوت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہو رہا ہے۔ یونہی اتفاقاً" نہیں ہوتا۔ حضرات انبیاء کرام کی نبوت' ان کے درجات و فضائل' ان میں سے بعض کا خاندانی نبی ہونا' بعض کی اولاد کا نبی ہونا' بعض کی اولاد کا کافر ہونا سب پہلے ہی سے طے شدہ ہے۔ یونہی ان حضرات کا چناؤ اور نبوت کے لئے انتخاب' ان کی خاص ہدایت عالم ارواح میں ہی ہو چکا۔ دنیا میں تو اس کا ظہور ہوا۔ یہاں **و اجتبینا و ھدینا** میں اس انتخاب و ہدایت کا ذکر ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء دنیا میں آکر نبی بنے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ حضرات سب کچھ بن کر یہاں آئے اس کا ظہور اپنے وقت پر ہوا یہ اشارہ اس فرمان میں بھی ہے۔ **ولو اشرکوا** الخ کہ اگر عالم ارواح میں وہ مشرکین کے زمرہ میں ہوتے تو یہاں ان کی نبوت ظاہر نہ ہوتی بلکہ ان کا حال یہ ہوتا کہ اعمال کرتے جاتے وہ ضبط ہوتے جاتے مگر ہوا یہ کہ وہ خود مقبول ہیں۔ ان کے اعمال مقبول بلکہ

جو ان کے قدم سے وابستہ ہو جائے وہ مقبول ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چناؤ اور خاص ہدایت ان سب میں اصل حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی انبیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ان نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر یہاں دوسری اولاد ابراہیم کے ساتھ نہ فرمایا کیونکہ وہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے ان کا وجود' ان کی ہدایت' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وجود و ہدایت کے تابع کر کے بیان نہ کی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

آنچہ اول شد بدید از جیب غیب	بود نور جان او بے پیچ و ریب
بعد ازاں آں نور مطلق رو علم	گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
یک علم از نور پاش علم اوست	یک علم ذریت آدم از و است

(از روح البیان)

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

تو اصل وجود آمدی از نخست	دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندے کے چناؤ کی چند علامتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس بندے کا ہر کام رب کے لئے ہوتا ہے۔ **ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین**۔ دوسرے یہ کہ اس بندے کی ہر ادا' ہر چیز رب کو پسند ہوتی ہے۔ **لا اقسم بھذا البلد**۔ تیسرے یہ کہ یہ چنا ہوا بندہ جسے منتخب کرے وہ بھی رب کے چناؤ میں آجاتا ہے۔ حضرت بلال ان کی اذان بھی رب کے چناؤ میں آگئے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب میں آگئے تھے۔ مسجد خدا کی ہے تو وہاں کی چٹائیاں ڈول رسی بلکہ وہاں کی اینٹ گارا سب وقف للہ ہو گئے۔ مسجد کی ہر چیز خدا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز' ہر غلام نوکر خدا کے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ میثاق کے دن تین چناؤ ہوئے تھے مومنین کا' اولیاء کاملین کا' نبیین و مرسلین کا۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسانوں کی روحیں چیونٹیوں کی شکل میں آدم علیہ السلام پر پیش کی گئیں ان پر نور کر چھینٹا مار گیا۔ بعض پر پڑا' بعض محروم رہے جن پر پڑا ان میں سے بعض پر کم پڑا بعض پر زیادہ۔ اس چھانٹ کا ظہور دنیا میں آکر ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کی نبوت اگرچہ منسوخ ہو جائے مگر قرب الٰہی' مقبولیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ خدائی انتخاب اور رب کے چناؤ میں آچکے ہیں کہ ارشاد ہوا **و اجتبینا ھم**۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دو چیزیں نیکیاں ضبط کرا دیتی ہیں کفر اور مقبول بندوں کی بے ادبی۔ رب فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون** شیطان کی ایک بے ادبی نے اس کی ساری نیکیاں برباد کر دیں اور چند چیزیں گناہ معاف کرا دیتی ہیں۔ اسلام قبول کرنا' توبہ کرنا' مقبولوں کی صحبت' حج' جلوہ مسجدوں میں حاضری دینا وغیرہ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ

یہ وہ ہیں کہ دی ہم نے ان کو کتاب	اور	حکم	اور	پیغمبری	پس اگر کفر کریں	ان کا یہ لوگ
یہ ہیں جن کو ہم نے کتاب	اور حکم	اور	نبوت عطا کی	تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں		

فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

پس بے شک مقرر کی ہم نے اس پر وہ قوم جو نہیں ہیں اسکے انکاری یہ وہ لوگ ہیں کہ ہدایت دی انہیں اللہ

تو ہم نے اس کے لئے ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تم انہیں

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

نے پس ہدایت انکی اختیار کرو فرما دو کہ میں نہیں مانگتا تم سے اوپر اس کے کوئی مزدوری نہیں ہے وہ مگر نصیحت

کی راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ تو نہیں مگر نصیحت

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

جہانوں کے لئے

سارے جہان کو

تعلق : ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مذکورین اٹھارہ نبیوں کو حفاظت' ہدایت' فضیلت' خاص چناؤ کی عطا کا ذکر تھا جن کا تعلق ان کی ذاتوں سے تھا۔ اب انہیں حضرات کو آسمانی کتاب' حکمت وغیرہ کی عطا کا ذکر ہے جن کا تعلق مخلوق سے ہے گویا لازم نعمتوں کی عطا کے بعد متعدی نعمتوں کی عطا کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان انبیاء کرام کے کمالات کا ذکر تھا اب ان کے کمالات کے منکرین پر عتاب کا اظہار ہے۔ **فان یکفر بها هولاء** الخ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مذکورین نبیوں کے کمالات کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کمالات ہونے کا تذکرہ ہے۔ **فبهدهم اقتده** کہ جو صفات دیگر نبیوں کو علیحدہ علیحدہ دی گئیں وہ تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دی گئیں۔ شعر۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں حضرات انبیاء کرام کے دامن سے کفار کے اتہام و بہتان کے داغ دور کیے گئے تھے کہ وہ ہمارے ہدایت یافتہ' چنے ہوئے منتخب تھے۔ اب دوسری طرح ان کے دامن سے یہ دھبہ دور فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حضرات وہ ہیں جن کو ہم نے کتاب' حکم' نبوت سب کچھ دی۔ اعلیٰ چیز اعلیٰ برتن میں رکھی جاتی ہے۔ ہر برتن میں سونا موتی' یا دودھ نہیں رکھے جاتے تو جن کو رب نے نبوت کے لئے منتخب فرمایا سمجھ لو کہ وہ کیسے ہوں گے۔ مال ہر ایک کو مل جاتا ہے مگر قرب الٰہی اور کتاب خاص مقبول بندوں کو ملتے ہیں۔ نچھاور (بکھیر) ہر ایک کو مل جاتی ہے۔ مگر جوڑے دلہن خاص کو ہی ملتے ہیں۔

تفسیر : **اولئک الذین اتینهم الکتب والحکم والنبوة** - پچھلی آیات میں اٹھارہ نبیوں کا ذکر نام بنام تفصیل سے ہوا۔ باقی تمام نبیوں کا ذکر اجمالاً بغیر نام لئے **و من اباءهم و ذریتهم** الخ اولئک میں اشارہ یا تو ان اٹھارہ حضرات کی طرف ہے یا تمام انبیاء کرام کی طرف۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کتاب سے مراد آسمانی کتاب ہے خواہ صحیفہ ہو یا مکمل کتاب خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ قرآن کریم میں کتاب صحیفہ اور خط ان سب کو کتاب کہا گیا ہے **القی الی کتاب کریم انه من**

سلیمان۔ دیکھو حضرت سلیمان نے بلقیس کو خط بھیجا تھا جسے کتاب کہا گیا۔ سارے نبی کسی آسمانی کتاب یا صحیفہ کے ضرور عامل تھے۔ خواہ ان کی اپنی کتاب ہوتی یا دوسرے نبی کی مثلاً توریت اتری موسیٰ علیہ السلام پر مگر داؤد علیہ السلام تک سارے نبی اس پر عامل رہے۔ رب تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے۔ **یحکم بھا النبیون الذین اسلموا** یا کتاب دینے سے مراد ہے آسمانی کتاب و صحیفہ کا علم اس کی درست سمجھ عطا فرمانا۔ لہذا آیت واضح ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم نے ہر نبی کو نئی کتاب عطا فرمائی۔ دیکھو بنی اسرائیل کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **الذین اتینا ھم الکتاب یعرفونہ** وہاں بھی یہ مطلب نہیں کہ ہر اسرائیلی کو الگ آسمانی کتاب دی گئی۔ **اتینا** فرما کر بتایا گیا کہ ہم نے کتاب نبیوں کو دی پھر نبیوں نے کتاب لوگوں کو دی۔ ہم نے کسی امتی کو بغیر واسطہ نبی کتاب نہ دی **الکتاب** فرما کر بتایا گیا کہ کتاب کے الفاظ اس کے مضامین اس کے معانی' اس کے اسرار' اس کے انوار' سب کچھ ہم نے انہیں عطا فرمائے۔ انہوں نے کسی اور سے نہیں سیکھے اب جس کو جو ملا نبیوں کے ذریعہ ملا۔ الفاظ انوار' اسرار' احکام سب نبیوں سے مل سکتا ہے **والحکم** میں **حکم** سے مراد یا تو حکومت باطنی ہے یا حکمت یعنی علم اسرار یا لوگوں کے درمیان سچے فیصلے اور **النبوۃ** سے مراد ہے رسالت چونکہ کتاب اور حکمت نبوت کی دلیلیں ہوتی ہیں جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے اس لئے کتاب و حکمت کا ذکر پہلے ہوا اور نبوت کا بعد میں ورنہ نبوت واقعہ میں پہلے ہوتی ہے۔ جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے اس لئے کتاب و حکم بعد میں یعنی یہ تمام انبیاء کرام وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے اپنے فضل و کرم سے تین خصوصی نعمتیں بخشیں۔ کتاب آسمانی کا علم اور حکمت اور نبوت کوئی نبی ان تین چیزوں سے خالی نہ ہوئے۔ **فان یکفر بھا ھوء لاء** یکفر کفر بمعنی انکار ہے **بھا** کا مرجع وہی کتاب و حکم و نبوت ہے **ھو لاء** سے اشارہ مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ یا سارے کفار کی طرف ہے۔ اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے **لا تحزن یا لا یضرھم** یعنی اگر مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ یا تمام کفار ان حضرات انبیاء کے ان کمالات کا انکار کریں تو اے محبوب آپ غم نہ کریں یا ان کا انکار کچھ مضر نہیں کیونکہ **فقد وکلنا بھا قوما" لیسوا بھا بکفرین**۔ اس عبارت میں **ف تعلیلیہ** ہے اور یہ عبارت اسی پوشیدہ کی وجہ ہے **وکلنا** بنا ہے توکیل سے جس کا مادہ وکل ہے۔ بمعنی سپرد کردینا' ذمہ دار بنادینا' اسی سے ہے وکیل' **وکلنا بھا** الخ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ان نبیوں کی شان ظاہر کرنے ان کے نام کے ڈنکے بجانے کے لئے ہم نے قوم مسلم یعنی تمہاری امت مقرر کردی ہے جو سب نبیوں پر ایمان لائے گی اور ان کے نام کے خطبے پڑھے گی۔ دوسرے یہ کہ اس دین اسلام کی بقاء' اس کی خدمت کرنے کے لئے' آپ کی امت میں ہم نے ایک قوم مقرر کردی ہے جو اسے قائم رکھے گی۔ وہ قوم اس زمانہ میں انصار تھی پھر تاقیامت مسلمانوں میں علماء' اولیاء' حفاظ' قاری لوگ ہیں جو دین کے محافظ مقرر کئے گئے ہیں لہذا **بھا** کا مرجع وہ کتاب و حکمت اور نبوت ہے قوم سے مراد یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں یا اہل بیت یا تاقیامت سارے مسلمان۔ یہ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی ہم نے آپ کی امت کو ان نبیوں کی نبوت و حکمت' ان کی عزت و عظمت' ان کے ذکر و چرچ کا ذمہ دار کردیا ہے' ان کے ذمہ یہ خدمت کردی ہے کہ وہ تمام نبیوں کی عزت و عظمت وغیرہ کے چرچے کیا کریں۔ آپ کی امت کے ذریعہ ان تمام حضرات کی عزت و عظمت کے ڈنکے بجتے رہیں گے کوئی منکر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ **اولئک الذین ھدی اللہ**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں انہیں حضرات انبیاء کرام کی ایک اور خصوصی صفت کا ذکر ہے۔ **اولئک** سے انہیں تمام نبیوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر تفصیلا" و اجمالاً ابھی ہوا **ھدی** میں ہدایت سے مراد ہے خصوصی کمالات' خصوصی بزرگیاں جو الگ الگ ان حضرات کو عطا ہوئیں کسی کو اول درجے کا شکر' کسی کو اول درجے کا صبر'

کسی کو اول درجے کا حسن' کسی کو ید بیضا وغیرہ۔ یہاں ہدایت سے کتاب و حکمت کی ہدایت مراد نہیں کہ ان کا ذکر تو ابھی ہو چکا یہاں ہدایت کے ساتھ اپنا نام لیا ھدے اللہ تا کہ معلوم ہو کہ ان بزرگوں کو یہ بزرگیاں کسی مخلوق کے واسطے سے نہیں ملیں۔ بلاواسطہ رب تعالیٰ نے عطا فرمائیں اور رب کا عطیہ کوئی چھین نہیں سکتا۔ **فبھد ھم اقتدہ** یہ مستقل جملہ ہے جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع کمالات ہونا' آپ کا تمام نبیوں سے افضل و اعلیٰ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یہاں **ھدی** سے مراد ان نبیوں کے شرعی احکام نہیں کہ وہ تو منسوخ ہو چکے نیز وہ احکام ایسے مختلف تھے کہ ان سب پر عمل ناممکن ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے دین میں بہن سے نکاح درست تھا۔ دوسرے دینوں میں حرام دین عیسوی میں شراب حلال تھی اور دینوں میں حرام ان سب پر یکدم کیسے عمل ہو سکتا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کی شریعت کے متبع نہیں' آپ تو ان کے ناسخ ہیں نہ اس سے مراد ان نبیوں کے عقیدے ہیں کہ وہ تمام حضرات عقائد میں بالکل یکساں تھے۔ توحید' نبوت' فرشتے' قیامت' جنت' دوزخ سب کو تمام نبی مانتے تھے تو اسے **ھداھم** فرمانا کیونکر درست ہو گیا یہاں **ھدی** سے ان حضرات انبیاء کے خصوصی فضائل' خصوصی کمالات مراد ہیں۔ صبر' شکر' حکومت' علم' معجزات' وغیرہ انشاء اللہ اس کی کچھ تفصیل ابھی خلاصہ ء تفسیر میں عرض کیا جائے گی۔ **اقتدہ** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس میں ہ ضمیر نہیں بلکہ وقف کی ہ ہے دراصل **اقتد** ہے۔ خیال رہے کہ **اقتداء** کے معنی بھی ہیں پیروی اور اتباع کے معنی بھی ہیں پیروی مگر اطاعت والی پیروی کو اتباع کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اقتداء** کے معنی ہیں پہلے انسان کے چلے ہوئے نمونہ پر چلنا' کسی کے صفات سے' کسی کے سے اخلاق اپنے میں حاصل کرنا کہ یہ دوسرا شخص پہلے شخص کا نمونہ بن جائے وہی یہاں مراد ہے اس لئے رب تعالیٰ نے **اقتدبھم** نہ فرمایا کہ ان نبیوں کی اقتدا کرو بلکہ فرمایا **فبھد ھم اقتدہ** ان کی ہدایتوں' ان کے اخلاق و کمالات کی اقتدا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو ان نبیوں کی کتابوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا کہ وہ کتابیں منسوخ بلکہ فنا کر دی گئیں۔ نہ ان کے احکام پر عمل کا حکم دیا گیا۔ وہ احکام اب ہدایت نہ رہے بلکہ ان کے صفات و کمالات کے جامع ہونے کا حکم دیا یہ حضور کی اعلیٰ درجہ کی نعت ہے۔ **قل لا اسئلکم علیہ اجرا** یہ جملہ اسی اجمال کی تفصیل ہے کہ جیسے گزشتہ انبیاء کرام نے کبھی تبلیغ پر اجرت نہ لی' کسی سے کوئی معاوضہ اس پر طلب نہ فرمایا۔ آپ بھی یہ اعلان فرما دیں **علیہ** کا مرجع یا قرآن کریم ہے' یا دین' یا تبلیغ **اجر** سے مراد مطلقاً معاوضہ ہے۔ خواہ مالی معاوضہ ہو یا کسی اور قسم کا یعنی ان تمام لوگوں سے فرما دو کہ میں اس تبلیغ وغیرہ پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' میں نبوت کو گزر اوقات کا ذریعہ نہیں بناتا۔ **ان ھو الا ذکری للعلمین** یہ فرمان گویا پچھلے مضمون کی وجہ اس کی علت ہے۔ یعنی قرآن مجید میری کتاب ہے جو مجھ پر نازل ہوئی اس کا مقصود ہے نصیحت فرمانا۔ جو نصیحت غرض سے خالی ہو وہ بہت مفید ہوتی ہے۔ قرآن مجید ہے نصیحت میں ہوں ناصح بے غرض لہٰذا میری نصیحت بہت مفید ہو گی۔ شعر۔

نصیحت کہ خالی بود از غرض   چو داروئے تلخ است دفع مرض

یہاں **ان** نافیہ ہے **ھو** کا مرجع قرآن مجید ہے **ذکری** سے مراد ہے نصیحت و خیر خواہی یا بھولی باتوں کا یاد دلانا یا تمام گزشتہ نبیوں' ولیوں کا چرچا عام فرماتا کہ قرآن مجید کسی خاص جگہ' خاص وقت' خاص قوم کے لئے نہیں آیا بلکہ عالمین کے لئے آیا جس کا اللہ رب ہے اس پر قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے۔ قرآن کریم حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں فرماتا ہے **فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔** قرآن کریم سکہ رائج الوقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان

ہیں' قانون وہاں تک جاری ہوتا ہے جہاں تک حاکم کی حکومت ہو' سکہ وہاں تک چلتا ہے جہاں تک بادشاہ کی سلطنت ہو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے حاکم اور سلطان ہیں اس لئے عالمین میں قرآنی قانون جاری ہے اور وہاں تک قرآنی سکہ چلتا ہے یہ جز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے مگر بواسطہ قرآن مجید۔ خیال رہے کہ ذکری کے چند معنی ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم نصیحت ہے' قرآن چرچا اور تذکرہ ہے کس کا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا کہ قرآن نہ بتاتا تو دنیا خدا کو نہ پہچانتی' تذکرہ ہے نبیوں کا گذشتہ ولیوں کا یہ تذکرہ ہے۔ عزت کے ساتھ قرآن تذکرہ ہے' ابلیس' قارون' فرعون' ہامان کا ذلت و رسوائی کے ساتھ یا قرآن گزشتہ باتوں کا عہد و پیمان کا جو رب نے بندوں سے لئے ہیں یاد دلانے والا ہے یا قرآن آئندہ واقعات قیامت وغیرہ کا یاد دلانے والا ہے یا قرآن غفلت دور کر کے رب کی یاد دلانے والا ہے۔ خیال رہے کہ یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں۔ قرآن مجید میں ذکر کے ساتھ اور بہت کمالات ہیں یہ شفاء بھی ہے۔ **و ننزل من القران ما هو شفا و رحمته للمومنين** قرآن ہدایت بھی ہے اس میں لاکھوں کمالات ہیں۔ یعنی قرآن مجید تمام جہانوں کے لئے نصیحت یا تذکرہ بھی ہے۔

خلاصہء تفسیر : یہ انبیاء کرام جن کا تفصیلی و اجمالی ذکر کیا گیا جیسے اللہ نے انہیں مذکورہ بالا صفتیں بخشیں' ہدایت' بزرگی' صلاحیت وغیرہ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو آسمانی کتاب بخشی' خواہ صحیفہ ہو یا مستقل کتاب' خواہ خود انہیں بلاواسطہ عطا فرمائی ہو یا بالواسطہ۔ نیز ان تمام حضرات کو حکمت یعنی کتاب کا علم' دین کی سمجھ' مصلحتوں سے بھری ہوئی تقریر و تبلیغ بھی بخشی' نبوت بھی عطا کی اس کے باوجود اگر کفار قریش یا کفار اہل کتاب یا عام کفار ان نبیوں کلیاں کے کمالات کا انکار کریں تو آپ پرواہ نہ کریں ہم نے ان بزرگوں کی عزت و عظمت کمالات کی حفاظت کے لئے ایک قوم یعنی تاقیامت آپ کی امت کو مقرر فرما دیا۔ یہ کام ان کے سپرد کر دیا ہے وہ کبھی ان بزرگوں کا انکار نہ کریں گے۔ ان کے ذریعہ ان حضرات کے کمالات ان کے چرچے ہمیشہ قائم رہیں گے یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب تعالیٰ نے ان کمالات کی خاص ہدایت بخشی۔ آپ ان سب کی راہ اختیار کرو ان کے چرچے ہمیشہ قائم رہیں گے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب تعالیٰ نے ان کمالات کی خاص ہدایت بخشی۔ آپ ان سب کی راہ اختیار کرو ان کے کمالات کے جامع بن جاؤ۔ چنانچہ آپ اعلان فرما دو کہ میں اس قرآن' اس کی تبلیغ پر تم لوگوں سے کوئی اجرت یا معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **هداهم** سے نہ تو گذشتہ انبیاء کرام کی کتابیں مراد ہیں نہ ان کے شرعی احکام' نہ ان کے خصوصی معجزات مراد بلکہ ان کے خصوصی صفات و کمالات مراد ہیں۔ فرمایا گیا کہ اے محبوب آپ ان تمام بزرگوں کے تمام کمالات کے جامع بن جائیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام اول درجہ کے صابر کہ آپ نے ساڑھے نو سو برس قوم کی اذیتیں برداشت کیں۔ ابراہیم علیہ السلام اول درجہ کے سخی اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے والے حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السلام اول درجہ کی مصیبتوں پر صابر۔ حضرت داؤد و سلیمان اول درجہ کے شاکر یوسف علیہ السلام صبر و شکر کے جامع ایوب علیہ السلام بلاؤں' بیماریوں پر اعلیٰ درجہ کے صابر' موسیٰ علیہ السلام شریعت والے بڑے معجزات والے زکریا یحییٰ' عیسیٰ علیہم السلام اول درجہ کے زاہد تارک الدنیا۔ اسماعیل علیہ السلام اول درجہ کے صادق سچے وعدے والے۔ یونس علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں اعلیٰ درجہ کے عاجزی و زاری کرنے والے ہیں۔ ان سب کا ذکر فرمانے کے بعد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **فبهدهم اقتده** آپ ان تمام حضرات کے تمام صفات کے جامع ہوئے کہ جو کمالات ان میں ایک ایک دو دو تھے وہ سب آپ میں جمع ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی پاک اس آیت کی جیتی جاگتی بولتی تفسیر ہے۔ (کبیر' خازن'

معانی وغیرہ) خیال رہے کہ ذکری للعلمین میں دو باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت تمام جہان پر ہے عالمین بغیر قید ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تک جہان قائم ہے تب تک قرآن کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت قائم ہے لہٰذا تاقیامت بلکہ بعد قیامت سب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہو گا۔ قرآن کے احکام یایوں کہو کہ جب سے عالمین بنے تب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہوا۔ قرآنی احکام جاری ہوئے۔ حتیٰ کہ سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض لوگوں کو دیتے رہے اور دوسری کتابوں میں قرآن مجید کے احکام تھے۔ فرماتا ہے **وانہ لفی زبر الاولین** فرماتے ہیں۔ **کنت نبیا و ادم بین الماء والطین**۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی پیغمبر آسمانی کتاب یا صحیفہ کے بغیر نہ آئے ہاں کسی رسول کو خود انہیں ہی صحیفہ یا کتاب ملے کسی نے پرانی کتاب یا صحیفے پر لوگوں سے عمل کرایا چنانچہ آدم علیہ السلام کے صحیفوں پر آپ کے بعد والے بہت رسولوں نے عمل کئے توریت شریف پر داؤد علیہ السلام تک سارے نبیوں نے عمل کیا یہ فائدہ **اتینا ھم الکتاب** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو علم و حکمت بخشی۔ کسی نبی نے علم یا حکمت کسی بندے سے حاصل نہ کیا' کوئی نبی کسی کا شاگرد نہ ہوا یہ فائدہ **والحکم** سے حاصل ہوا کہ وہ حضرات نہ تو کتاب میں کسی کے شاگرد ہوئے نہ علم و حکمت میں۔ **تیسرا فائدہ:** سارے نبی مستقل نبی ہیں۔ کوئی کسی نبی کے تابع ہو کر ظلی' بروزی نبی نہیں یہ فائدہ **والنبوۃ** کو الگ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کتاب کے الفاظ' کتاب کے معانی' کتاب کے مضامین' کتاب کے اسرار اور احکام کتاب سب نبیوں کو رب تعالیٰ سے بغیر واسطہ عطا ہوتے ہیں اور دوسروں کو نبیوں کے واسطے سے لہٰذا کسی کا علم نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ بھی **اتینا ھم الکتاب** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سارے نبیوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ تمام کے کمالات دنیا پر ظاہر ہوئے۔ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو عیب لگائے۔ سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل بیان کئے دیکھو لو ان کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ یہ فائدہ **فقد وکلنا بھا قوما** "الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء صالحین اللہ کی رحمت ہیں ان پر اللہ کا بڑا ہی کرم ہے کہ ان حضرات کو' ان نبیوں کا وکیل بنایا گیا۔ یہ فائدہ بھی **فقد وکلنا** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء' اولیاء' وغیرھم۔ بفضلہ تعالیٰ سرکاری نوکر ہیں۔ ان کے ذمہ دینی و دنیاوی بڑی خدمتیں مقرر کی گئی ہیں یہ لوگ دنیا میں حضرات انبیاء کرام کے نعت خواں' نعت گو اور ان کے درجات ان کی شانوں کے محافظ ہیں اور قیامت میں انشاء اللہ ان حضرات کے گواہ کہ ان کی گواہی سے حضرت انبیاء کرام کی ڈگری ان کی قوموں کی شکست ہو گی **لتکونوا شھداء علی الناس** الخ لہٰذا ان کی تنخواہ ان کی عزت و آبرو کا رب تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ذمہ دار ہیں۔ نیز ان کے ذمہ دین اسلام کی حفاظت بھی کی گئی ہے۔ اب تک اور تاقیامت اسلام انہی بزرگوں سے قائم ہے۔ **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قیامت تک قائم رہے گا کیونکہ اس دین سے تمام نبیوں' رسولوں کی عزت و عظمت برقرار ہے یہ فائدہ بھی **وقد وکلنا بھا قوما** "الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جامع صفات بنایا کہ تمام نبیوں کے صفات و کمالات آپ میں جمع ہیں۔ یہ فائدہ **فبھداھم اقتدہ** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین اشرف النبیین ہیں چنانچہ حضرت آدم کو سجود

ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوا۔ سجود آدم سے درود مصطفیٰ افضل ہے کہ سجود ایک وقت ہوا اور درود ہمیشہ سجدہ صرف فرشتوں نے کیا۔ درود رب تعالیٰ اس کے فرشتے بلکہ ساری مخلوق بھیجتی ہے۔ حضرت آدم ابوالبشر ہیں، حضور پر نور ابوالارواح بلکہ اصل عالم ہیں **انا نور من نور اللہ و جمیع الخلق من نوری** اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں کہ رب کی ہربات مانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں کہ رب ان کی ہربات مانتا ہے۔ نمرود کی آگ ان پر گلزار ہوئی اور معراج میں آسمان کے نیچے کرہ نار کی آگ آپ پر ٹھنڈی ہوئی، کعبہ بنایا، انہوں نے بسایا آباد کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام حجاب میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بے حجاب، کلام موسوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادیا۔ دیکھو سورہ طہ کلام محمدی کسی کو نہ بتایا **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** عصا موسوی کے ذریعے پتھر سے پانی کے چشمے ابلے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابلے۔ حضرت سلیمان کی حکومت ہوا پر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت بادلوں پر کہ اشارے سے آئیں برسیں اشارہ سے جائیں۔ چاند پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کہ اشارہ پر پھٹ گیا، سورج پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج کہ اشارے پر واپس ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کرکے ان سے اپنا کلمہ پڑھوایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں، پتھروں، جانوروں۔ سے کلمہ پڑھوایا۔ تخت سلیمانی سے براق محمدی کہیں بڑھ کر ہے کہ تخت ہوا میں اڑتا تھا۔ براق ہوا کیا آسمانوں سے بھی اوپر اڑا۔ حسن یوسفی سے حسن محمدی کہیں افضل ہے اگر اس پر غلاف نہ ہوتا تو اسے کوئی نہ دیکھ سکتا اس لئے معراج رات میں انسانوں سے چھپا کر کرائی گئی۔ کیونکہ اس رات حسن مصطفوی ظاہر ہوا تھا کوئی انسانی طاقت دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اسباط یعقوب علیہ السلام سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبطین افضل ہیں کہ تاقیامت ان کی اولاد میں اولیاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ تمام حسینوں کے حسن کے لئے کوئی بازار تھا حسن محمدی وہ ہے جو ہر بازار میں ہر طرح چمکا۔ **نواں فائدہ:** دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی سے لینے نہیں آئے سب کو دینے آئے یہ فائدہ **لا اسئلکم** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ بڑوں کو بڑے ہی اجرت دے سکتے ہیں وزیر اعظم کو تنخواہ بادشاہ ہی دے سکتا ہے۔ کوئی چپڑاسی یا مزدور نہیں دے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ ہی اجر دے گا۔ **ان اجری الا علی اللہ۔** **دسواں فائدہ:** کسی نبی نے نبوت کو گزر اوقات کا ذریعہ نہ بنایا، اپنے گزارے کے لئے قوم سے چندہ نہ لیا، خود اپنے کسب سے کھایا۔ یہ فائدہ بھی **لا اسئلکم علیہ اجرا** سے حاصل ہوا۔ مرزائے قادیانی نے نبوت کے بہانہ نوابوں جیسی زندگی گزاری اور قبریں بیچ کر اپنی اور اپنی اولاد کی پرورش کا انتظام کیا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ قرآن مجید ساری مخلوق کے لئے ہدایت ہے، انسان ہو، یا فرشتے، یا جن، یا درخت و پتھر، آسمان، زمین وغیرہ۔ جس کا اللہ رب ہے، اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اس کے لئے قرآن نصیحت ہے یہ فائدہ **ذکری للعلمین** سے حاصل ہوا۔ جس قدر بادشاہ کی سلطنت وسیع اسی قدر اس کے سکہ کا چلن وسیع۔ **بارہواں فائدہ:** قرآن مجید ناقابل فسخ کتاب ہے یہ کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی یہ فائدہ بھی **ذکری للعالمین** سے حاصل ہوا بلکہ جنت میں بھی قرآن کریم کی تلاوت ہو گی کسی اور کتاب کی نہ ہو گی قیامت و جنت میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ہو گا کسی اور نبی کا نہ ہو گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کو مستقل آسمانی کتاب ملی لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ کتابیں کل چار اتریں جیسے نبوت و حکمت ہر نبی کو مستقل طور پر ملی، یونہی کتاب مستقل ملی۔ کوئی نبی کسی نبی کی کتاب میں تابع نہیں تھا۔ دیکھو رب فرماتا

ہے اتینا ھم الکتاب الخ۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں کتاب سے مراد آسمانی نوشتہ ہے۔ خواہ کتاب ہو یا صحیفہ اور خواہ بلاواسطہ ملے یا بالواسطہ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے توریت کے متعلق یحکم بھا النبیون۔ جس سے معلوم ہوا کہ توریت پر بہت سے نبیوں نے فیصلے فرمائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وزیر تھے۔ وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان نبیوں کو کتاب الٰہی کا علم دیا جیسے رب فرماتا ہے الذین اتینا ھم الکتب یتلونہ حق تلاوتہ یا جیسے الذین اتینا ھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام گزشتہ نبیوں کے مقتدی ہیں اور وہ سب حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشوا کو فرمایا کہ فبھداھم اقتدہ آپ ان کے دین اور ان کی کتب یا ان کی پیروی کریں اور ظاہر ہے کہ مقتدی سے پیشوا کا درجہ زیادہ ہوتا ہے پھر تم کیسے کہتے ہو کہ حضور سید المرسلین ہیں۔ جواب: یہی آیت اس کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل المرسلین اشرف النبیین ہیں کیونکہ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ آپ ان نبیوں کی اقتدا کریں بلکہ فرمایا گیا کہ ان کی ہدایت کی اقتدا کریں اور ان کی ہدایت سے مراد نہ تو ان کی شریعتیں ہیں نہ ان کی کتابیں کہ یہ دونوں چیزیں ختم ہو چکیں۔ دنیا میں نہ توریت و انجیل رہی نہ ان کی شریعتیں۔ نیز اس سے مراد ان نبیوں کے معجزات بھی نہیں بلکہ ان کی ہدایت سے مراد ہے ان کے کمالات' ان کی خصوصی صفات کیونکہ ابھی پچھلی آیتوں میں انہیں کا ذکر ہوا ہے کہ وہ محسنین' صالحین تھے تمام عالمین سے افضل تھے۔ رب تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے تھے۔ انہیں سیدھی راہ کی ہدایت دی گئی تھی انہیں کتاب حکمت' نبوت عطا ہوئی تھی۔ اے محبوب آپ ان کی تمام صفات کے جامع بنئے۔ یہاں اقتدا کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی معنی یعنی آپ ان سب کے کمالات کا نمونہ بنئے' بہت جگہ لغوی معنی مراد لینا کفر ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ید اللہ فوق ایدیھم یا فاینما تولوا فثم وجہ اللہ یا یخادعون اللہ وھو خادعھم وغیرہ ان آیات میں ہاتھ' چہرہ' خداع کے لغوی معنی مراد لینا کفر ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف نصیحت ہے تم لوگ قرآن کو شفا بھی مانتے ہو اس سے دم جھاڑ پھونک بھی کرتے ہو' اس کی آیات کے تعویذ گلے میں ڈالتے ہو' تمہارے یہ عمل اس آیت کے خلاف ہیں۔ ان ھو الا ذکری۔ ان اور الا سے حصر کا فائدہ ہوا۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر اضافی ہے یعنی اس آیت کا منشا یہ نہیں کہ قرآن کریم میں نصیحت کے سوا اور کوئی وصف نہیں نہ وہ ہدایت ہے نہ نور ہے نہ شفا ہے صرف نصیحت ہے بلکہ آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن کریم لغو بیکار چیز نہیں وہ تو نصیحت ہی ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے انہ لقول فصل وما ھو بالھزل قرآن مجید کھیل کود نہیں وہ تو فیصلہ کن کلام ہی ہے ورنہ خود قرآن کریم میں ہے و ننزل من القران ما ھو شفاء و رحمتہ للمومنین اور اسی میں ہے وہ انزلنا الیکم نورا مبینا اور اسی میں ہے ھدی للمتقین اسی میں ہے یس والقران الحکیم وغیرہ ان آیات سے پتہ لگا کہ قرآن کریم شفا ہے' نور ہے' ہدایت ہے' حکمت وغیرہ وغیرہ بلکہ یہ قرآن بھی ہے یعنی تمام بچھڑوں کو ملانے والا۔ فرقان بھی ہے یعنی کھرے کھوٹے میں فرق کرنے والا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا۔ انما انا بشر مثلکم میں تم جیسا بشر ہی ہوں وہاں بھی حصر حقیقی نہیں یہ معنی نہیں کہ مجھ میں بشریت کے سوا کوئی وصف نہیں نہ میں نبی ہوں' نہ رسول ہوں' نہ شفیع ہوں' نہ رحمت ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ میں خدا ہوں' نہ خدا کا جز

ہوں' نہ خدا کا بیٹا وغیرہ بلکہ تمہاری طرح خالص بشر ہوں جس میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید عالمین کے لئے نصیحت ہے عالمین میں تو بے جان' بے عقل چیزیں بھی ہیں ان کے لئے نصیحت کیسے ہے قرآن مجید کنکروں پتھروں کو نصیحت کیسے کرتا ہے۔ **جواب:** قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہر چیز میں شعور ہے' ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ **و ان امن شی ء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم**۔ جب ہر چیز ذاکر شاغل تسبیح خواں ہے یقیناً ہر چیز نے یہ ذکر تسبیح قرآن کریم سے حاصل کی ہے۔ بعض بزرگوں کی تلاوت سے جانور روئے در و دیوار کو وجد آ گئے یہ چیزیں ہمارے لئے غیب ہیں مگر ہیں برحق۔ نیز جیسا بندہ ویسا اس پر حکم ناپاک عورت نا سمجھ نابالغ پر نماز فرض نہیں۔ غریب پر زکوٰۃ نہیں نادار پر حج نہیں اسی طرح از عرش تا فرش پر مخلوق پر قرآنی احکام ان کی شان کے لائق جاری۔ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بغیر اجازت نہیں آتے **لا تد خلوا بیوت النبی** پر عمل ہے۔ چاند اشارہ سے پھٹ گیا سورج حکم سے لوٹا' بادل اشارہ سے آیا برسا اشارہ سے واپس گیا یہ سب **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** پر عمل ہے آج بھی جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کا ادب کرتے ہیں۔ کتے اس طرف پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے یہ سب **و تعزروہ و توقروہ** پر عمل ہے فرشتے صحابہ کی مدد کے لئے غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ ہے **توقروہ** پر عمل۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

شعر

ہر گیاہے کہ از میں روید ۔۔۔ وحدہٗ لا شریک لہ گوید

کل قیامت میں موذن کے ایمان کی گواہی ہر وہ ذرہ دے گا جو اس کی اذان سنا کرتا تھا۔ لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کیوں کرایا گیا کہ ہم اس تبلیغ پر تم سے اجرت نہیں مانگتے کیا تبلیغ پر اجرت بری ہے اگر بری ہے تو خلفاء راشدین نے خلافت پر تنخواہیں کیوں لیں اور تا قیامت علماء تبلیغ تدریس اور وعظ پر تنخواہیں کیوں لیتے ہیں۔ **جواب:** تبلیغ پر اجرت لینا برا نہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے وراء ہے چند وجوں سے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی ہیں اور رب تعالیٰ اپنی ربوبیت پر ہم سے اجرت نہیں مانگتا۔ تمام نعمتیں بغیر معاوضہ دیتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی نبوت پر اجرت نہیں مانگتے۔ تمام رحمتیں بغیر معاوضہ عطا فرماتے ہیں وہ رب العالمین ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین ہیں۔ دوسرے یہ کہ مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرت نہیں دے سکتے ہیں ہم بھکاری انہیں اجرت کیا دے سکتے ہیں ان کا نام ہمارے سارے کاموں سے بھاری ہے کہ ان کا ایک نام ہمارے کروڑوں گناہوں پر غالب آئے گا تو ان کے کاموں کا کیا پوچھنا۔ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دینے آئے لینے نہ آئے۔ دینے والا لینے والے سے اجرت کیا مانگے۔ سورج' بادل' زمین سے اپنا حق فیض نہیں مانگتے کہ وہ دینے کے لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت سے اجرت نہیں طلب فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینے کے لئے ہیں۔ ہمارے پاس ہاتھ ہیں دست سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہاتھ ہے دست عطا ہمارے ہاتھ پھیلنے کے لئے ہیں حضور کے ہاتھ بھرنے کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان ظاہری باطنی نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اس نے حضرات انبیاء کرام کو بخشیں کہ وہ حضرات محسنین بھی ہیں۔ صالحین بھی ہیں' عالمین سے افضل بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے بھی ہیں۔ سیدھی راہ کے ہدایت یافتہ یعنی واصل بھی کہ جو ان کے نقش قدم پر چلے وہ بھی واصل ہو گیا انہیں رب نے کتاب' حکمت' نبوت' سب

کچھ عطا فرمائی ان کی عزت و عظمت مسلمانوں کے ذریعہ تاقیامت قائم رکھی۔ غرضیکہ ان پر رحمتوں کی بارش ہے پھر ارشاد ہوا کہ **اولئک الذین هدی الله** یہ وہ حضرات ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے اپنی صفات کے ذریعہ اپنی ذات کی ہدایت دی وہ اللہ کی راہ کے سوا کسی اور راستہ پر نہ چلے ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی منزل پر ٹھہر گئے اے محبوب تم ان کی تمام منزلیں طے فرماتے ہوئے خاص مجھ تک پہنچو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے آسمان دنیا میں آدم کو دوسرے آسمان میں یحیٰی و عیسیٰ کو تیسرے آسمان میں یوسف کو چوتھے آسمان میں ادریس کو پانچویں میں ہارون کو چھٹے میں موسیٰ کو دیکھا ساتویں میں۔ حضرت ابراہیم سے ملاقات کی علیہم الصلوٰۃ والسلام شب معراج میں حضور ان سب سے ملاقات کرتے ان سب کی منزلیں طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پہنچے جہاں فرشتوں کی منزلیں ختم ہو جاتی ہیں پھر وہاں سے فرانا بمراتو وہاں پہنچے جہاں کسی کلو رجہ تو کیا کسی ورجہ والے کا خیال و گمان بھی نہ پہنچے جہاں کہ یہاں وہاں کی بھی رسائی نہیں بلکہ اپنی ذات سے گزر کر فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ **فکان قاب قوسین او ادنی** معراج کی رات اس آیت کریمہ کا ظہور ہوا۔ **فبهداهم اقتده** مصرع۔

بما میکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

غرضیکہ سارے نبی منزلیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقصود (از روح البیان مع زیادتی) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے تو کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرت دے سکے ان کا اجر خود ذات ذوالجلال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے ہیں اور رب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو جائے رب اس کا ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے **وكان فضل الله عليك عظيما** ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر۔

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

نیز رب فرماتا ہے **وان لك لاجرا غير ممنون** اے پیارے تمہارے لئے وہ اجر ہے جو کبھی بند نہ ہو ختم نہ ہو۔ ہر مومن کا ہر عمل اس کا ثواب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو کروڑوں گنا ہو کر پہنچتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت نور ہے **الله نور السموات والارض** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس نور کی چمنی کا رنگ ہے جہاں تک لیمپ کی روشنی پہنچتی ہے وہاں تک چمنی کا رنگ پہنچتا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ رب العالمین ہے اور حضور رحمت العالمین ہیں قرآن ذکریٰ للعالمین ہے یعنی قرآن ذکریٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مذکر ہیں قرآن حکم ہے، حضور حاکم، قرآن مجید سکہ ہے۔ حضور سلطان عالمین۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ
اور نہ قدر کی انہوں نے اللہ کی اس کی قدر کا حق جبکہ کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کوئی چیز
اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیئے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہ اتارا
قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ
فرما دو کہ کس نے اتاری تھی وہ کتاب کہ لائے تھے جسے موسیٰ روشنی اور رہبری واسطے لوگوں کے
تم فرماؤ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لئے ہدایت جس کے تم نے

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا

بناتے رہو تم اسے کاغذ کے پرزے کہ ظاہر کرتے ہو تم اسے اور چھپاتے ہو بہت کو اور سکھائے گئے تم وہ جو نہ

الگ الگ کاغذ بنا دیئے ظاہر کرتے ہو اور بہت سا چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ سکھایا جاتا ہے جو تم کو معلوم

اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝

جانا تم نے اور نہ تمہارے باپ دادوں نے فرماؤ اللہ نے پھر چھوڑ دو انہیں کہ اپنی مشغولیت میں کھیلتے رہیں

نہ تھا نہ تمہارے باپ دادا کو اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل فرمائے گئے تھے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل قائم کئے جارہے ہیں گویا ایمان کے دو رکن ہیں توحید رسالت ایک رکن کا ذکر پچھلی آیات میں تھا۔ دوسرے رکن کا ذکر اب ہے۔ دوسرا تعلق: ابھی کچھ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کمالات ہونے کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق کفار کے شبہات کا جواب دیا جارہا ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید کے بعد مخالفین کی تردید کی جارہی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے و کفی باللہ شھیدا اس لئے آپ کی نبوت پر شبہات و اعتراضات کے جواب رب دیتا ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ ہیں۔ یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا اس لئے توحید کے شبہات و اعتراضات کے جواب اکثر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوائے جاتے ہیں۔ شہید و شاہد کے بہت سے فرق ہم کئی جگہ بیان کر چکے ہیں۔ شاہد جو وقت خاص میں گواہی دے 'شہید جو ہمیشہ گواہی دے' شاہد جو اپنے قول سے گواہی دے' شہید جو قول و فعل و عمل سے گواہی دے وغیرہ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید حضرات انبیاء کرام کے فضائل کا ذکر تھا۔ اب آسمانی کتابوں خصوصاً" قرآن مجید کی حقانیت کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ کتاب آسمانی وہ نعمت ہے جو بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کی معرفت دی جاتی ہے۔ ساری آسمانی کتب میں رب کو قرآن بڑا پیارا ہے کیونکہ یہ پیارے محبوب پر اتارا گیا ہے اس لئے رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن کی قسم سے بیان فرمائی۔ والقران الحکیم انک لمن المرسلین کیوں نہ ہو رب نے شہر مکہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی قبروں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم غازیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی قسمیں قرآن مجید میں ارشاد فرمائی ہیں کہ گھوڑا غازی کا غازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے یونہی قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں میں اجمالی ذکر تھا کہ ہم نے نبیوں کو آسمانی کتابیں عطا کیں۔ اب انہیں کتابوں کے متعلق معترضین کے اعتراضات کے جواب دیئے جارہے ہیں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق بہت روایت ہیں اور ہر روایات پر بہت اعتراض ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے تحقیقی قول جس پر کوئی اعتراض نہ پڑے عرض کرتے ہیں۔ ہجرت سے پہلے کفار قریش نے یہود عرب کو جن میں مالک ابن صیف بھی تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لئے بلایا مالک ابن صیف یہود کا بڑا عالم تھا کفار قریش کا

مقصد تھا کہ لوگوں کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا علماء یہود کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے بسی لوگوں پر ظاہر ہو اور لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں۔ جب مالک مناظرہ کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اے مالک ابن صیف کیا تو توریت جانتا ہے وہ بولا اس وقت عرب میں مجھ سے بڑا عالم توریت کوئی نہیں فرمایا تجھے قسم ہے اس رب کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری کیا توریت میں یہ آیت ہے کہ **ان اللہ یبغض الحبر السمین** اللہ تعالیٰ موٹے پادری کو ناپسندیدہ فرماتا ہے۔ وہ بولا کہ ہاں۔ فرمایا تو بہت پلا ہوا موٹا ہوا ہے (مالک ابن صیف بہت موٹا تازہ تھا) تو مجھ سے مناظرہ بعد میں کرنا پہلے بحکم توریت اپنا ایمان ثابت کر اس فرمان عالی پر مالک گھبرا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منہ کر کے بولا **ما انزل اللہ علی بشر من شیء** " اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہ اتارا (نہ وحی' نہ کتاب) اس کی اس بکواس پر خود یہود اسے لعنت ملامت کرنے لگے اور بولے کہ تو نے تو توریت شریف کے نزول کا ہی انکار کر دیا۔ وہ بولا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ دلا دیا جس سے میں بے آپے ہو کر یہ کہہ بیٹھا۔ یہود بولے کہ پھر تو ہماری سرداری کے قابل نہیں کہ تو غصہ میں ہمارے مذہب ہی کا خاتمہ کو ڈالتا ہے' اسے ریاست سے معزول کر کے اس کی جگہ کعب ابن اشرف کو اپنا پوپ پادری' امیر مقرر کر لیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مالک ابن صیف کی پرزور تردید فرمائی گئی (از تفسیر خازن' خزائن' کبیر' مدارک وغیرہ)۔ ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ یہ مناظرہ یہود سے ہوا تھا اور ہجرت سے پہلے کفار قریش کی کوشش سے ہوا تھا۔ لہذا آیت کریمہ پر یہ اعتراض نہیں کہ سورہ انعام مکیہ ہے اور یہود سے مناظرے بعد ہجرت ہوئے ہیں یا یہ کہ مکی آیتوں میں اہل کتاب سے خطاب نہیں ہوتا یہ قاعدہ غلط ہے کہ مکی سورتوں میں اہل کتاب سے خطاب نہیں ہوا کرتا۔ دیکھو سورہ اسرائیل مکیہ ہے مگر اس میں یہود سے بہت خطاب ہیں۔ سورہ مریم مکیہ ہے مگر اس میں عیسائیوں سے بہت خطابات ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں بہت دشواری محسوس کی ہے مگر اس توجیہ پر کچھ دشواری نہیں کفار مکہ نے بہت دفعہ قرآن کریم کے مقابلہ کے لئے یہود پادریوں کو مکہ معظمہ بلایا اور ان سب سے منہ کی کھائی ہے۔

تفسیر: وما قدروا اللہ حق قدرہ یہ نیا جملہ ہے جس میں واؤ ابتدائیہ ہے **قدروا** بنا ہے **قدر** سے قدر کے بہت معنی ہیں تنگی' انداز' مقدار' قدردانی' تعظیم و توقیر کسی کی ذات و صفات جاننا پہچاننا یہاں آخری معنی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تعظیم و توقیر یا قدردانی مراد ہو **قدروا** کا فاعل وہی یہود ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **حق قدرہ** مفعول مطلق ہے **قدروا** کا اس کی نحوی ترکیب نحوی کتابوں سے معلوم ہے کہ اصل میں **قدروا" حقا** تھا۔ **حق قدر** کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جیسی اللہ کی شان واقعہ میں ہے ویسی جاننا اس معنی سے کسی مخلوق نے اسے نہ جانا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے **ما عرفنا ک حق معرفتک** ہماری معرفت محدود ہے اس کی ذات و صفات غیر محدود۔ دیکھو ہم سمندر کو دیکھ لیتے ہیں مگر اس کی تہ کو نہیں معلوم کر سکتے' سورج کو دیکھتے ہیں مگر اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ہوا کو محسوس کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت' بلکہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جب اس کی مخلوق کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ بلکہ اس کے رسول کی حقیقت ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے جب جنت میں رب کا دیدار ہو گا۔ تب بھی اسے دیکھا جائے گا اس کا احاطہ نہیں ہو سکے گا' اس لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تدرکہ الابصار** آنکھیں رب کو پا نہیں سکتیں۔ دیکھنا اور ہے اسے پالینا کچھ اور۔ دوسرے یہ کہ **حق قدر** سے مراد ہے جیسی اس کی معرفت ایمان

کے لئے ضروری ہے اور جس طرح اسے جاننا ضروری ہے اس طرح نہ جاننا یہی معنی یہاں مراد ہیں۔ اسی لئے ان پر اظہار عتاب فرمایا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت ایمان کے لئے ضروری ہے وہ ہے جو نبی کے ذریعہ سے ہو کہ اللہ وہ ہے جس نے حضرات انبیاء کو بھیجا' جس نے ان پر کتابیں اتاریں۔ خدا تعالیٰ ہی کی ذات کیا ہر چیز کی معرفت نبی کے ذریعہ سے ہوتی ہے ہم کو خود اپنی ذات و صفات اپنے اعمال و افعال نبی کے ذریعہ معلوم ہوئے کہ ہمارے کون سے حال افعال احوال رضائے الٰہی کا ذریعہ ہیں اور کون سے غضب الٰہی کا باعث' کون چیز حلال ہے کون حرام غرضیکہ خالق و مخلوق عابد و معبود کی معرفت نبی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

خود فرماتا ہے **هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق۔ اذ قالوا ما انزل الله علی بشر من شیء**

ظاہر یہ ہے کہ یہاں **اذ** تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ **ما قدروا الله** کی دلیل ہے **قالوا** کا فاعل وہی یہود ہیں مالک ابن صیف اور اس کے ہم نوا جنہوں نے غصہ میں یہ بکواس بکی تھی بشر سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں اور من شیء میں من استغراقیہ ہے اور یہ جار مجرور انزل کا فاعل ہے۔ شیء سے مراد کتاب صحیفے یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و شان نہ جانی کیونکہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے نہ کسی بشر کو نبی بنایا نہ کسی پر کوئی کتاب یا وحی اتاری۔ نبی اور کتاب کا انکار رب تعالیٰ کی شان و قدرت کا انکار ہے۔ **قل من انزل الکتاب الذی جاء به موسی**۔ اس عبارت میں ان یہود کی نفیس تردید ہے قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یہ قل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب اسے دے چکے تھے۔ قرآن مجید کے بہت سے احکام و فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے ہیں دیکھو وضو کی آیات نماز کی آیات سے پانچ چھ سال بعد نازل ہوئیں۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے ہی سے وضو کرا کے نمازیں پڑھاوی تھیں۔ کتاب سے مراد توریت شریف ہے کہ وہی موسیٰ علیہ السلام پر اتری اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد توریت اور موسوی صحیفے سب ہی ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے اگرچہ یہاں توریت فرمادینا بھی کافی تھی مگر اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت' ان پر کتاب اترنے کا ذکر صراحتہ" نہ ہوتا ان تینوں باتوں کو صاف صاف بیان فرمانے کے لئے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے توریت شریف لائے تھے اس لئے **جاء به موسی** ارشاد ہوا۔ قوم کے سامنے توریت آپ پر نہ اتری تھی یہ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کے سامنے آیات قرآنیہ آئیں اور صحابہ کرام کے واقعات اکثر آیات کا شان نزول بنے کہ ان کے واقعات یا ان کے سوالات پر آیات اتریں۔ خیال رہے کہ طالب جاتا ہے مطلوب کے پاس' عاشق جاتا ہے معشوق کے پاس' مرید جاتا ہے مراد کے پاس' حبیب جاتا ہے محبوب کے پاس' حاجت مند جاتا ہے حاجت روا کے پاس۔ موسیٰ علیہ السلام طالب تھے توریت مطلوب تھی اس لئے آپ توریت لینے طور پر گئے مگر ہمارے حضور مطلوب تھے' قرآن طالب اس لئے قرآن مجید آپ کے پاس آیا گھر میں آیا' سفر میں آیا' بستر میں آیا' میدان جہاد میں آیا' کھاتے پیتے آیا' چلتے پھرتے آیا' بات چیت کرتے آیا۔ **نورا و هدی للناس**۔ یہاں نور اور ہدایت الکتاب کا حال ہیں نور کے معنی ہیں خود ظاہر دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی چونکہ توریت شریف کا کتاب اللہ ہونا ظاہر تھا اور اس سے شریعت کے احکام' موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ظاہر ہوتی تھی لہذا وہ نور تھی۔ ہدایت سے مراد ہے حق و باطل میں فرق کر کے راہ خدا کی طرف رہبری کرنے والی۔ یوں سمجھو کہ نور وہ جو دکھائے ہدایت' وہ جو بتائے ہدایت توریت شریف عقائد کے لئے نور تھی' شرعی احکام کے لئے ہدایت تھی یا طریقت کے لئے نور تھی' شریعت کے لئے ہدایت یا بعض لوگوں کے لئے نور

تھی۔ جنہوں نے توریت سے موسیٰ علیہ السلام کو مانا اور بعض کے لئے ہدایت تھی۔ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ توریت کو مانا۔ الناس میں الف لام عہدی ہے جس سے مراد ہیں زمانہ موسوی کے نبی اسرائیل 'جن کی رہبری کے لئے توریت آئی تھی۔ توریت اس وقت بھی تمام لوگوں کے لئے ہدایت نہ تھی اور منسوخ ہونے کے بعد تو کسی کے لئے ہدایت نہ رہی یہ صفت تو قرآن مجید کی ہے کہ وہ ذکری للعلمین ہے اپنے نزول کے وقت سے لے کر تاقیامت بلکہ بعد قیامت تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے کیونکہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یاد رکھو کہ توریت شریف صرف نور اور ہدایت تھی مگر قرآن کریم نور بھی ہے 'ہدایت بھی ہے 'ہدایت بھی 'شفاء بھی ہے 'مخلوق کو مکمل کرنے والا بھی اور قرآن مجید میں درد دل بھی ہے 'سوز و گداز بھی کہ بغیر سمجھے ہوئے بھی لوگ اسے سن کر تڑپ جاتے ہیں 'رونے لگتے ہیں۔ **تری اعینهم تفیض من الدمع** اور **تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم** قرآن میں نورانیت ہدایت وغیرہ تو پہلے ہی موجود تھی۔ جب وہ لوح محفوظ میں تھا مگر اس میں سوز و گداز 'درد وغیرہ جب آئے جبکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جاری ہوا جیسے بیٹری میں پاور جب آتا ہے جب اسے کوئی مشین چارج کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوز و گداز کا مرکز ہیں 'درد دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے ملتا ہے اس لئے آپ کے فراق میں لکڑیاں روئیں 'کنکروں نے کلمے پڑھے 'ہرنی 'اونٹ نے فریادیں کیں۔ اب جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر م کرم کرتے ہیں اس پر رقت 'خوف و خشیت الٰہی طاری ہو جاتی ہے۔ **تجعلونه قراطیس** اس عبارت میں یہود کے اس معاملہ کا ذکر ہے جو انہوں نے توریت شریف کے ساتھ کیا۔ **قراطیس** جمع ہے **قرطاس** کی بمعنی کاغذ **قراطیس** بمعنی کاغذات یعنی تم لوگوں نے توریت شریف کے ٹکڑے اڑا دیئے 'اسے کاغذات بنا ڈالا 'اس کے پرزے بکھیر دیئے کہ کچھ توریت باقی رکھی 'کچھ چھپالی 'کچھ بدل ڈالی 'کچھ حصے کے ظاہری معنی کرتے ہو ' کچھ حصہ کی جھوٹی تاویلیں کر کے اس کی تحریف معنوی کرتے ہو۔ **تبدونها و تخفون کثیرا** یہ عبارت **قراطیس** کی صفت ہے **تبدون** بنا ہے **ابداء** سے بمعنی ظاہر کرنا **تخفون** بنا ہے **اخفاء** سے بمعنی چھپا لینا یعنی توریت کے جو احکام تمہاری مرضی کے موافق ہیں انہیں تو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تمہاری منشاء کے خلاف ہیں انہیں تم اس طرح چھپاتے ہو کہ کسی کو ان کی خبر نہ ہو جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی آیتیں یا زانی کو سنگسار کرنے کی آیات۔ خیال رہے کہ توریت شریف صرف پادریوں کے قبضہ میں تھی قرآن مجید کی طرح عام لوگوں کے پاس نہ تھی اس لئے ان پادریوں کے یہ داؤ چل جاتے تھے۔ قرآن مجید کا تو بچہ بچہ حافظ ہے ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ یاد ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں بدلنے یا چھپانے کی کوئی صورت ہی نہیں ' احادیث صحیحہ نے قرآن کے مقصد مطلب واضح کر دیئے 'اس لئے آیات قرآنیہ میں تحریف معنوی یعنی غلط تاویلوں کی گنجائش نہیں۔ الفاظ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ معانی قرآن کی حفاظت اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ جس کتاب کے حافظ و محافظ ایسے ہوں اسے کون بدل سکے۔ صوم 'صلوۃ 'زکوۃ وغیرہ کی تفسیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کر دی کہ ان میں کسی تحریف کی گنجائش نہ رہی **و علمتم ما لم تعلموا انتم ولا اباء کم** یہ عبارت **تجعلونه** پر معطوف ہے 'حق یہ ہے کہ اس میں بھی خطاب انہیں یہود سے ہے اور اس میں اس نعمت کا ذکر ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ علوم عطا ہوئے جو نہ تمہیں ملے تھے 'نہ تمہارے گذشتہ باپ داداؤں کو 'بعض علوم قرآن کریم کے ذریعہ اور بعض علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بہر حال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان علوم کا سرچشمہ ہیں 'بعض مفسرین نے فرمایا کہ

اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے' بعض نے کہا کہ مشرکین سے ہے' بعض نے کہا کہ سارے انسانوں سے ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے کہ انہیں یہود سے خطاب ہے جن سے اب تک خطاب ہو رہا تھا۔ علم سے عقلی علوم' سائنس' ریاضی' حساب' جغرافیہ وغیرہ مراد نہیں کہ یہ علوم اس وقت نہ موجود تھے' نہ ان کی تعلیم کے لئے نبی بھیجے گئے بلکہ علم سے مراد علوم نقلیہ ہیں' عقائد' شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت وغیرہ سکھانے والا کون ہے اس میں چار احتمال ہیں اللہ تعالیٰ ہے یا جبرئیل یا قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ پہلے دو احتمال درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ یا حضرت جبرئیل نے براہ راست بلاواسطہ رسول کسی کو کچھ نہ سکھایا نہ بتایا نیز رب تعالیٰ یا حضرت جبرئیل اگر براہ راست مخلوق سے کہہ دیں کہ میں تمہارا رب یا جبرئیل ہوں' میرا یہ حکم مانو کسی پر ماننا لازم نہ ہو ہر حکم ربانی اس وقت لوگوں کے لئے لازم عمل ہوتا ہے۔ جب نبی کی زبان سے ادا ہو جائے۔ دیکھو توریت کی جو تختیاں حضرت موسیٰ کے گرانے سے اٹھالی گئیں ان کے احکام کسی کے لئے واجب العمل نہ ہوئے۔ وہ پینتالیس وقت کی نمازیں جو معراج میں فرض ہو کر معاف ہو گئیں وہ کسی نے نہ پڑھیں کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک نہ پہنچائیں لہذا یا تو سکھانے والا قرآن ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مگر قرآن معلم یا استاد نہیں' کتاب ذریعہ علم ہے استاد نہیں لہذا حق یہی ہے کہ علم دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی عملی تعلیم شروع فرمادی' آپ کا ہر کام' ہر حال تعلیم ہے تاقیامت قرآن مجید کا نزول تو چالیس سال کے بعد شروع ہوا مگر تعلیم نبی اول دن سے شروع ہو گی۔ نیز اگر احکام قرآن سکھاتا ہے تو قرآن کون سکھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر بات وہی ہوئی فرماتا ہے **و یعلمہم الکتاب والحکمۃ**۔ خیال رہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم دینے کا ذکر ہے اور یہود کے علم لینے کا ذکر نہیں اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم نہ لیں' نرے جاہل رہیں تو اس میں ان کا اپنا قصور ہے۔ جیسے کہا جائے کہ سورج سے عالم روشن کر دیا گیا' اگر چمگادڑ کی آنکھ اندھی ہو جائے یا تہ خانوں میں روشنی نہ پہنچے تو اس سے سورج کے نور دینے میں کمی نہیں ہوتی۔ **قل اللہ** یہ عبارت **من انزل الکتب** کا جواب ہے لفظ اللہ انزل پوشیدہ کا فاعل ہے قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے روئے سخن انہیں یہود سے ہے۔ جن سے ابھی سوال ہوا تھا یعنی آپ یہود سے یہ سوال فرما کر ان سے خود ہی فرمادو کہ ایسی نورانی اور ہادی کتاب توریت اللہ تعالیٰ نے ہی تو اتاری تھی۔ لہذا اگر اب وہی رب قرآن مجید اپنے محبوب پر اتار دے تو تم کو دکھ کیوں ہو۔ **ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون** یہ عبارت معطوف ہے **قل اللہ** پر ہم فرض کر چکے ہیں کہ لفظ ذر امر ہے مگر ایسا امر ہے کہ نہ اس کا کوئی مصدر ہے نہ پوری گردان اسم فاعل' مفعول وغیرہ ذر میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہم کا مرجع وہی یہود یہاں چھوڑنے سے مراد تبلیغ بند کر دینا نہیں بلکہ ان کے سوالات کے جوابات نہ دینا' ان کی طرف دھیان نہ کرنا' ان کے کفر پر افسوس نہ کرنا مراد ہے لہذا آیت منسوخ نہیں محکم ہے (معانی' کبیر وغیرہ) خوض کے لفظی معنی ہیں پانی میں گھس جانا' اصطلاح میں مشغولیت اور کسی کام میں گھس جانے کو خوض کہتے ہیں یہاں لغویات باطل اعتراض و جواب میں مشغول رہنا مراد ہے۔ **یلعبون** بنا ہے لعب سے معنی کھیل کود بیکار مشغلہ لہو اور لعب میں فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے یعنی ان یہود کو ایسے بلیغ و مسکت جواب دے کر آپ انہیں چھوڑ دیں کہ وہ اپنی بیہودگیوں میں مشغول رہے۔ آپ اس پر رنج و غم نہ کریں کہ آپ کا کام پہنچانا ہے نہ کہ منوانا' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان علیک الا البلاغ** خیال رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو اپنی نظر میں رکھنا اللہ کی بڑی نعمت ہے اور کسی کو چھوڑ دینا اللہ کا عذاب ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

چھوڑ دیا اسے خدا نے چھوڑ دیا اب وہ شیطان کا شکار ہے۔ دنیا ایک جنگل ہے جس میں شیطان اس کی ذریت نفس امارہ شکاری جانور ہیں ہم لوگ گویا بکریاں ہیں شریعت ایک مضبوط قلعہ ہے جس کی نگرانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اور اس کی حفاظت علماء اولیاء کر رہے ہیں جو اس قلعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں رہا شکار ہونے سے بچ گیا. جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے گرا مارا گیا ان بدنصیب کفار کے لئے ارشاد ہوا **ذرھم** انہیں چھوڑ دو مگر مسلمانوں کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا **لا تعد عینا ک عنھم** آپ کی نگاہیں ان مومنین سے نہ ہٹیں اور ارشاد ہے **فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** اور ارشاد ہے **واخفض جناحک للمومنین**- اے محبوب اپنے رحمت کے پردوں میں مسلمانوں کو لے لو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسلمان سے آنکھیں نہیں پھیرتے تب ہی مسلمان رہتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کہ اس کے بغیر انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں جیسے گھڑی وقت نہ دے تو پھینک دی جاتی ہے گائے بھینس دودھ کے قابل نہ رہے تو ذبح کر دی جاتی ہے ایسے ہی انسان رب کی عبادت نہ کرے تو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور عبادت موقوف ہے رب تعالیٰ کی شان جاننے پر کسی کی اطاعت' اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی شان صرف عقلی ہے نظر نہیں آتی جب تک کہ عقل کی آنکھ پر نبوت کا چشمہ نہ لگا ہو جنہوں نے اس چشمہ کے بغیر رب کی شان دیکھنی چاہی وہ ٹھوکریں کھاتے رہے۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ "اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود نے اللہ تعالیٰ کی شان جانی نہیں' اس کی قدر جیسی چاہئے تھی پہچانی نہیں" کیونکہ انہوں نے آسمانی کتاب اور نبوت کا یکدم انکار کر دیا' کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بندے پر کوئی وحی' کوئی کتاب نہیں اتاری' نبوت کا انکار در پردہ رب تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کا انکار ہے آپ ان بے وقوفوں سے پوچھئے کہ بتاؤ تو وہ کتاب اور وحی جو موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے لائے تھے جس میں اس زمانہ کے بنی اسرائیل کے لئے روشنی بھی تھی اور ہدایت بھی۔ جس کے تم نے پرزے اڑا دیئے' ورق ورق کر ڈالے کہ اس کا کچھ حصہ بدل دیا بہت سا حصہ چھپا لیا اور اب بھی چھپا رہے ہو۔ بتاؤ وہ کتاب کس نے اتاری تھی۔ جب تم خود مانتے ہو کہ وہ کتاب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھی تو تم خود اپنے عقیدے سے اس قول میں جھوٹے ہو گئے کہ اللہ نے انسان پر کچھ نہ اتارا پھر اس اللہ نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں وہ علوم بھیجے جو نہ تم کو ملے' نہ تمہارے باپ داداؤں کو اتنا کچھ فرمانے کے بعد آپ انہیں خود ہی جواب دو اور فرماؤ کہ ہم سے سنو وہ شانہ ارتوریت اللہ تعالیٰ نے اتاری تھی اتنا کچھ فرما کر آپ ان کی بکواس کی طرف توجہ نہ کرو انہیں چھوڑ دو کہ اپنی بیہودگیوں میں کھیلتے رہیں جسے تم چھوڑ دو گے اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے اپنی رحمت سے دور کر دیں گے۔ خیال رہے کہ انبیاء کرام کی تشریف آوری اور آسمانی کتب کے نزول کا انکار در پردہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت' الوہیت' رحمت کا انکار ہے کیونکہ اب یعنی باپ وہ ہے جو کچھ عرصہ اپنے بیٹے کی عارضی جسمانی پرورش کرے وہ بھی اسی لالچ سے کہ پھر بیٹا بڑھاپے میں میری خدمت کرے گا مگر رب وہ ہے جو اپنے بندوں کی جسمانی روحانی ہمیشہ پرورش فرما دے اور بغیر لالچ بغیر غرض کے پرورش فرما دے اس کریم و رحیم نے بندوں کی جسمانی پرورش کے لئے چاند' تارے' سورج' غذا' پانی' دوائیں پیدا فرمائیں حالانکہ بندوں کے جسم قریب الفنا ہیں تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ رحیم و کریم بندوں کی روحانی پرورش کا کوئی انتظام ہی نہ کرے انہیں یونہی بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ حالانکہ روح باقی ہے غیر فانی ہے تو جو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء نہیں بھیجے کتابیں نہیں اتاریں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے ہماری روحانی پرورش بالکل نہیں کی للذا وہ رب نہیں بلکہ وہ اللہ نہیں کہ اس

نے ہم کو اپنی عبارت کا نہ حکم دیا' نہ طریقہ بتایا بلکہ وہ رحیم و کریم نہیں کہ اس نے ہم کو اس دنیا میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ لہذا یہ آیت بالکل حق و درست ہے۔ نزول توریت اور نزول قرآن میں چھ طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ توریت لینے موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے۔ قرآن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آیا۔ دوسرے یہ کہ توریت یکدم آئی جس سے بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ قرآن مجید آہستہ آہستہ آیا جس سے نہایت آسانی سے اس پر عمل ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ توریت لکھی ہوئی آئی' قرآن پڑھا ہوا پڑھنے میں طرز ادا سے بہت معنی پیدا ہو جاتے ہیں جو لکھنے میں نہیں ہوتے۔ چوتھے یہ کہ آیات توریت کا شان نزول کوئی نہ تھا آیات قرآنیہ کے شان نزول اکثر صحابہ کرام ہیں تا کہ تمام دنیا پر صحابہ کا احسان رہے جن کی برکت سے مسلمانوں کو آیات اور احکام ملے۔ پانچویں یہ کہ توریت کا جامع کوئی نہ تھا مگر جامع قران حضرت عثمان ہیں۔ جن کے ہاتھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ۔ گویا کلام اللہ کو ید اللہ نے جمع کیا۔ چھٹے یہ کہ توریت کی حفاظت رب نے اپنے ذمہ نہ لی مگر قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بندے پر فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات جانے پہچانے' اسے مانے کہ یہی بندے کی زندگی کا مقصد ہے۔ یہ فائدہ **وما قدروا اللہ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** بندہ پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کو درست طرح مانے جیسا کہ اسے ماننا چاہئے کہ یہی ایمان کا مدار ہے۔ یہ فائدہ **حق قدرہ** سے حاصل ہوا۔ مشرکین و کفار خدا کو مجبور' معذور' صاحب اولاد مانتے ہیں یہ ہوا غلط ماننا' یہ ماننا کفر ہے اس کی صحیح معرفت نبوت کے ذریعہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** نبی اور نبی کے کمالات کا انکار اللہ تعالیٰ کی صفات بلکہ اس کی ذات کا انکار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت' اس کی الوہیت' اس کی قدرت کا ظہور نبی سے ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **اذ قالوا ما انزل اللہ الخ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو مالک ابن صیف نے نبی اور کتاب کا انکار کیا تو اس کے متعلق فرمایا گیا کہ اس نے اللہ کی شان نہ جانی۔ بعض بزرگ پڑھتے ہیں۔ شعر

میرا ولیوں والا اللہ ہو　　میرا نبیوں والا اللہ ہو
میرا قطبوں والا اللہ ہو　　میرا غوثاں والا اللہ ہو

بالکل درست پڑھتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے علوم لدنی بخشے۔ دیکھو مناظرہ بھی ایک مستقل علم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نفیس طریقہ سے مالک ابن صیف سے مناظرہ فرمایا کہ وہ اتنا بڑا عالم حیران رہ گیا۔ **پانچواں فائدہ:** رشوت خوار موٹے تازے' پوپ پادری اللہ کی بارگاہ میں مردود ہیں زیادہ عیش اور عیش پسندی بری چیز ہے۔ یہ فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توریت کی یہ آیت پیش فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم ربانی سے گذشتہ آسمانی کتب کے ماہر ہیں اگرچہ اس کا اظہار نہیں فرماتے دیکھو توریت کی یہ آیت کہ اللہ موٹے پادری کو ناپسند کرتا ہے' ایسی چھپی ہوئی آیت تھی جو یہود کے پادری کسی کو نہ بتاتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھی یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے ہر اچھے برے عمل سے خبردار ہیں۔ جس پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔ فرمایا عمر کی نیکیاں آسمان کے تاروں کی برابر ہیں۔ فرمایا کہ یہ قبر والا چغل خور تھا اور یہ قبر والا اونٹ کے پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا لہذا ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم۔ **ساتواں فائدہ:** قرآن کریم میں عقلی علوم بھی ہیں

دیکھو مالک ابن صیف کا یہ کہنا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہ اتارا یہ سالبہ کلیہ ہے۔ قرآن کریم کا اس کی تردید میں فرمانا کہ موسیٰ علیہ السلام پر توریت کس نے اتاری یہ ہے موجبہ اور منطقی قاعدے سے موجبہ جزئیہ سالبہ کلیہ کی نقیض ہوتی ہے جس کے ثبوت سے سالبہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے یہ منطق کے بہت سے قاعدوں کا مجموعہ ہے جو قرآن کریم کی ایک آیت نے بیان فرمادیا۔ آٹھواں فائدہ: توریت شریف صرف انسانوں بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے نور اور ہدایت تھی دوسری مخلوق بلکہ بنی اسرائیل کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے نہ ہدایت تھی نہ نور یہ فائدہ **ھدی للناس** کی تفسیر سے حاصل ہوا اور اب وہ کسی کے لئے نور نہ رہی اب جو کوئی توریت کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اللہ تعالیٰ کو مانے وہ مومن نہیں۔ سورج کے ہوتے چاند تارے۔ چراغ روشنی نہیں دیتے۔ قرآن مجید ساری مخلوق کے لئے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے کہ اس کے متعلق ارشاد ہوا **ذکر للعلمین**۔ نواں فائدہ: پچھلی کتابیں لوگوں نے چھپا بھی لیں اور بدل بھی ڈالیں مگر قرآن مجید کسی کے چھپائے چھپ نہ سکا' کسی کے بدلے بدل نہ سکا۔ یہ فائدہ **تخفون کثیرا** سے حاصل ہوا۔ الفاظ قرآن حافظوں اور قاریوں کے ذریعہ معانی اور احکام قرآن علماء کے ذریعہ اسرار قرآن اولیاء اللہ کے ذریعہ اس طرح محفوظ کردیئے گئے کہ کوئی شخص اس کا ایک نقطہ نہ چھپا سکے نہ بدل سکے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو وہ علوم عطا کئے جو اور نبی عطا نہ کر سکے۔ شعر

امی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم

یہ فائدہ **و علمتم ما لم تعلموا** الخ سے حاصل ہوا۔ جو شخص خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو بے علم مانے وہ اس آیت کریمہ کا انکاری ہے۔ گیارہواں فائدہ: کافروں کو جبراً مسلمان نہ بنایا جائے انہیں مذہبی آزادی ہے یہ فائدہ **ثم ذرھم** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **لا اکراہ فی الدین** جہاد کفر کا زور توڑنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ کافروں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے توریت شریف کی چند صفات بیان فرمائی ہیں۔ نور' ہدایت' رحمت' **تبیان لکل شیئی** اور قرآن کے بتیس نام قرآن میں آئے۔ قرآن فرقان' نور' ہدایت' ذکر مثانی' کریم وغیرہ اور ہر نام کے بہت سے معانی ہیں جیسے قرآن کے معنی ہیں سب کو جمع کرنے والا حتی کہ مردوں کو زندوں سے جمع کرنے والا ہو کہ سوا قرآن کے زندوں کا کوئی پارسل' منی آرڈر نہیں پہنچتا۔ قرآن پڑھا جانے والا' قرآن ہی زندگی و موت میں ساتھ رہنے والا' غرضیکہ قرآن کی بے شمار صفات ہیں۔ پھر قرآن جیسا رب کے پاس سے آیا ویسا ہی امت تک پہنچا اور ویسا ہی امت کے پاس رہا گویا توریت جیسی آئی تھی ویسی امت کے پاس پہنچی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جب توریت لے کر واپس ہوئے تو قوم کو بچھڑا پرستی کرتے دیکھ کر غصہ میں اپنے بھائی حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچا اور تختیاں توریت کی زمین پر پٹخ دیں جس سے بہت سی تختیاں ٹوٹ گئیں اور بہت سا حصہ اٹھالیا گیا' توریت **تبیان لکل شیء** نہ رہی۔ رب فرماتا ہے **لما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح و فی نسختھا ھدی و رحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون** پھر جیسی امت کو پہنچی ویسی باقی نہ رہی۔ لوگوں نے اس میں ترمیم' تنسیخ کرکے بگاڑ دی۔ یہ فرق ہے قرآن کے تبیان ہونے میں اور توریت کے تبیان ہونے میں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یہود کا عیب یہ بیان ہوا کہ انہوں نے اللہ کی قدر و منزلت' اس کی شان نہ جانی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ما عرفناک حق معرفتک** اے مولا ہم نے تجھے پہچاننے کا جو حق تھا نہ پہچانا اگر یہ برا ہے تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کا کیا مطلب ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حق معرفت یا حق قدر کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جتنی اس کی شان وقدر ہے اتنا جان لینا یہ ناممکن ہے کہ اس کی شان ہمارے خیال و گمان سے وراء ہے۔

اے برتر از خیال و گمان و قیاس و وہم　　و از ہرچہ گفتہ اند و شنیدم و خواندہ ایم

رب تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کما حقہ نہیں جان سکتا۔ شعر۔

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجا است　　ایں قدر ہست کہ بانگے جرسے می آید

لا یمکن الثنا کما کان حقہ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہاں جتنی اتنی کتنی کی گنجائش نہیں ہے۔ سمندر کا پانی دیکھا جاتا ہے ہوا محسوس کی جاتی ہے سورج نظر آتا ہے مگر ان کی پیمائش کوئی نہیں کر سکتا۔ حق معرفت انہیں کوئی نہیں جانتا یہ تو اس کی مخلوق کا حال ہے تو خالق کی شان کا کیا پوچھنا۔ دوسرے یہ کہ بندوں پر جس طرح اس کا جاننا پہچاننا لازم ہے اسی طرح جاننا پہچاننا یہ معرفت ہر بندے پر ضروری ہے۔ حدیث شریف میں پہلے معنی مراد ہیں اور یہاں دوسرے معنی مراد ہیں لہٰذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں جس نے رب تعالیٰ کے لئے شریک یا اولاد مانی اس نے اس کی معرفت کا حق ادا نہ کیا جس نے اسے شریک و اولاد وغیرہ سے پاک مانا نبیوں والا ولیوں والا مانا اس نے اسے ویسے ہی مانا جیسے ماننا چاہئے تھا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **جاء بہ موسی** کیوں فرمایا **انزل علی موسی** کیوں نہ فرمایا؟ **جواب:** اس فرمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار ہے کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر جا کر توریت ایک بار لائے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مسلسل آتا رہا یعنی موسیٰ علیہ السلام طالب کتاب ہیں کہ اسے لینے طور پر جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب قرآن ہیں کہ خود قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ منورہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر شریف پر آتا ہے۔

کلام لینے کو جاتے تھے طور پر موسیٰ　　تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

تیسرا اعتراض: یہاں توریت شریف کی دو صفتیں بیان ہوئیں۔ نور اور ہدایت۔ مگر دوسری آیت میں توریت کی صفت **تبیانا لکل شیئ** بھی بیان ہوئی۔ یعنی ہر چیز کا پورا پورا بیان اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ توریت شریف تبیان تھی یا نہیں۔ **جواب:** جب توریت تھی تو **تبیانا لکل شیئ** بھی تھی مگر جب موسیٰ علیہ السلام سے گر گئی تو نور اور ہدایت تو رہ گئی مگر تبیانا نہ رہی اس کا تبیان ہونا اٹھا لیا گیا۔ چنانچہ اس آیت میں قرآن کریم فرماتا ہے **لما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح و فی نسختہا ہدی و رحمۃ** جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ نے تختیاں اٹھا لیں۔ اس وقت اس میں ہدایت اور رحمت تھی یعنی تبیان نہ رہا تھا مگر قرآن مجید تبیان ہو کر آیا اور تبیان رہا۔ فرماتا ہے **و نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیئ** لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** جب توریت شریف نور بھی ہے اور ہدایت بھی تو قرآن مجید کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ (یہودی) **جواب.** جب موسیٰ علیہ السلام وہ کتاب لائے تھے تب نور بھی تھی اور ہدایت بھی۔ مگر جب منسوخ ہو گئی تو نہ نور رہی نہ ہدایت۔ یہاں نورا و ہدی حال ہے اور جملہ اس کا عامل۔ حال عامل کے لئے قید ہوتا ہے اگر میں کہوں [illegible] کہ وہ اب بھی سوار ہے بلکہ آتے

وقت سوار تھا اس وقت کے متعلق ارشاد ہے **و من یبتغ غیر الا سلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الا خرۃ من الخاسرین** رات میں چاند تارے نور بھی ہوتے ہیں اور ہدایت بھی۔ سورج نکل آنے پر کچھ بھی نہیں رہتے ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر۔

یہ انبیاء و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ توریت موسیٰ علیہ السلام طور سے لائے اور قرآن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا مگر احادیث سے ثابت ہے کہ سورۂ بقر کا آخری رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب لامکان میں عطا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو قرآن مجید کی بعض آیات لائے پھر تمہارا یہ قول کیسے درست ہوا؟ **جواب:** موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں گئے نہیں بلکہ بلائے گئے۔ جانے بلانے میں بڑا فرق ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دینے کے لئے بلایا نہیں گیا' بلایا گیا ملاقات خصوصی کے لئے یہ آیات بطور تحفہ شاہانہ عطا ہوئیں' دینے کے لئے بلانا اور ملاقات کے لئے بلانا پھر چلتے وقت تحفہ دینا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ توریت بھی نور اور ہدایت دوسری آیت میں ہے کہ توریت **تبیان لکل شیء** تھی' رحمت بھی تھی' پھر قرآن اور توریت میں کیا فرق رہا؟ **جواب:** چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ توریت وقتی طور پر نور ہدایت وغیرہ تھی۔ قرآن دائمی دوسرے یہ کہ توریت قابل زوال نور و ہدایت تھی اس لئے منسوخ ہو گئی۔ قرآن ناقابل زوال غیر منسوخ جیسے چاند یا چراغ اور سورج تیسرے یہ کہ توریت جیسی آئی تھی ویسی قوم کو ملی نہیں اس کا بہت سا حصہ اٹھا لیا گیا تبیان آئی تھی ملی نہیں پھر جیسی ملی ویسی رہی نہیں قرآن مجید جیسا آیا تھا ویسا ہی دنیا کو ملا اور جیسا ملا تھا ویسا ہی رہا لہٰذا بڑا فرق ہے۔ **ساتواں اعتراض:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ثم ذرھم** الخ منسوخ ہے کیا یہ درست ہے۔ **جواب:** انہوں نے **ذرھم** کے معنی یہ کئے کہ انہیں چھوڑ دو ان پر جہاد نہ کرو وہ اسے جہاد کی آیت سے منسوخ مانتے ہیں مگر قوی یہ ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ان کے دین پر رہنے دو انہیں جبراً مسلمان نہ بناؤ لو یہ حکم محکم ہے۔ منسوخ نہیں یا یہ مطلب کہ ان کی ڈھٹائی پر رنج و غم نہ کرو دلائل سنانا آپ کا کام ہے' منوانا آپ کا کام نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **علیک البلاغ و علینا الحساب** لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہ آیت کریمہ مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی نہ کہ علماء یہود کے متعلق لہٰذا **ما قدروا** اور **قالوا** کا فاعل وہی مشرکین ہیں چونکہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت کا نزول جانتے مانتے تھے کہ کہا کرتے تھے **لوانا انزل علینا الکتاب لکنا اھدی منھم** کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم بمقابلہ یہود زیادہ ہدایت والے ہوتے اس لئے انہیں توریت کے نزول سے الزام دیا گیا۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا درست نہیں کہ یہود کے متعلق اس آیت کا نزول ہے۔ مکہ معظمہ میں یہود کہاں سے آئے اور یہ آیت مکی ہے۔ (از تفسیر معانی' خازن' کبیر وغیرہ)۔ (نوٹ) اس آیت کریمہ کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت مدنیہ ہے اگرچہ سورہ انعام مکیہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے جواب میں آئی۔ انہوں نے ہی کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہ اتارا۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت مکیہ ہے اور یہود کی تردید میں آئی ہے۔ ہم نے یہ تیسرا احتمال ہی اختیار کیا ہے۔ یہ اعتراض دوسرے حضرات کا ہے۔ **جواب:** حق یہ ہے کہ آیت کریمہ ہے تو مکیہ مگر اتری ہے یہود کی تردید میں کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرانے علماء یہود کو لایا کرتے تھے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مناظرہ ہوتا

تھا یہ واقعہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ سورۂ انعام پوری کی پوری مکیہ ہے' اس کی کوئی آیت مدنیہ نہیں اور اگر یہ آیت مشرکین مکہ کی تردید میں ہوتی تو تجعلونہ قراطیس الخ درست نہ ہوتا۔ کیونکہ توریت کے ٹکڑے پرزے کر دینا اس کے بعض حصہ کو چھپا لینا' بعض کو ظاہر کرنا' مشرکین مکہ کا کام نہ تھا یہ کام صرف علماء یہود کا تھا۔ لہٰذا یہ الزام کفار مکہ پر درست نہیں ہو سکتا۔ نیز علمتم ما لم تعلموا فرمانا مناسب نہ ہوتا کیونکہ مشرکین مکہ یا ان کے باپ دادوں کو توریت کے ذریعہ علم نہیں دیا گیا تھا تاکہ یہ فرمایا جائے کہ تمہیں قرآن کے ذریعہ وہ علوم دیئے گئے۔ جو بذریعہ توریت تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو نہ دیئے گئے تھے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کو مخلوق نہیں جان سکتی مگر کسی آلہ کے ذریعہ سے آلات معرفت دو طرح کے ہیں۔ آلہ مخلوق اور آلہ قدیم جو اسے مخلوق آلہ یعنی محض عقل یا زمین و آسمان کو ذریعہ جانے گا وہ عارف نہیں اور جو اسے آلہ قدیم یعنی اس کی کلام وغیرہ کے ذریعہ جانے گا وہ عارف ہے۔ یہاں انہیں کی تردید میں فرمایا گیا ما قدروا اللہ حق قدرہ کہ انہوں نے آلہ قدیم چھوڑ کر آلہ مخلوق سے رب کو جاننا چاہا۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں۔ عرفت ربی بربی میں نے رب کو رب سے پہچانا لہٰذا اگر خدا کی معرفت چاہیے تو نبوت اور کلام الٰہی کے ذریعہ سے حاصل کرو۔ یہود نے کتاب الٰہی کو تو ضائع کر دیا۔ دوسرے ذریعوں سے اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگے بے دین ہوئے۔ شعر۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

موٹاپا تین قسم کا ہے ایک وہ جو حرام خوری کے ذریعہ حاصل کیا جائے حرام خوری سے انسان بہت جلد موٹا ہو جاتا ہے مگر اس موٹاپے سے جسم میں طاقت' چہرہ پر نورانیت عبادات میں لذت روزی میں برکت نہیں ہوتی۔ ایسے گوشت کو دوزخ کی آگ بہت جلد پکڑے گی۔ جیسے پٹرول میں بھیگی ہوئی لکڑی کو آگ' دوسرے موٹاپا عیش و عشرت کا یہ بھی اچھا نہیں انسان پر تکالیف آتی رہتی چاہیے تاکہ نفس قابو سے باہر نہ ہو جائے تیسرا وہ موٹاپا جو دنیا کی بے نیازی' بے فکری کی وجہ سے خود بخود حاصل ہو جائے وہ برا نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موٹاپا برا ہے سوائے امام محمد کے موٹاپے کے پوچھا گیا کیا مطلب فرمایا امام محمد نے دنیا کی فکریں چھوڑ دیں اپنے کام اللہ کے سپرد فرما دیئے اس بے فکری سے موٹے ہو گئے یہ موٹاپا اللہ کی نعمت ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لوگ چند قسم کے ہیں۔ بعض وہ جو کتاب کے ذریعہ نبی کو مانتے ہیں جیسے حضرت عمر فاروق اور وہ حضرات جو قرآن سن کر ایمان لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے' قرآن نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا۔ بعض وہ جو نبی کے ذریعہ کتاب کو مانتے ہیں کہ نبی کو نبی کے ذریعہ جانا پھر نبی کے ذریعہ کتاب کو مانا جیسے حضرت ابوبکر صدیق کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا جیسے سورج کو سورج سے جانا مانا جاتا ہے۔ پھر قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہچانا کہ یہ برحق ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ جنت سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جانے مانے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مانے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مانگے کسی صوفی نے کیا خوب کہا۔ شعر۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دونوں جہاں کی خیر مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

کمال ایمان یہی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک آیت کریمہ قل اللہ ثم ذرھم بڑی معرفت کی آیت ہے اس کا مطلب ہے اللہ بس باقی ہوس۔ جو چیز اللہ سے غافل کرے وہ لہو و لعب ہے اس سے منہ موڑو تو رب کے وصال کے لائق ہوؤ گے۔

چوں تفرقہ دل ست حاصل زہمہ دل رابہ یکے سپار و بگسل زہمہ

از تفسیر روح البیان مع زیادہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و کتاب ایک ساتھ عطا ہوئیں کہ غار حرا میں پہلی آیت اقرا باسم ربک آئی اسی وقت سے نبوت کی عطا کا ظہور ہوا مگر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت پہلے سے ملی اور فرعون کے ڈوبنے کے بہت عرصہ بعد توریت عطا ہوئی جو لوگ عطائے توریت سے پہلے فوت ہو گئے وہ بھی کامل مومن تھے نیز فرعون کو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ماننے کی دعوت دی توریت کے ماننے کی نہ دی کیونکہ اس وقت توریت آئی ہی نہ تھی۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

اور یہ کتاب ہے جو اتاری ہم نے برکت والی سچا کرنے والی اسے جو اس کے سامنے ہیں اور تاکہ ڈراؤ آپ بستیوں

اور یہ برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرمائی ان کتابوں کی جو آگے تھیں اور اس لئے کہ تم ڈر

وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى

کی اصلی بستی کو اور ان کو جو اس پاس ہیں اس کے اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں آخرت پر وہ ایمان

سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور جو آخرت پر

صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

لاتے ہیں اس پر اور وہ اپنی نمازوں پر حفاظت کرتے ہیں

ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان یہود کی تردید کی گئی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نہ اتاری' نزول توریت سے ان کی تردید پہلے کردی گئی تھی۔ اب انہیں یہود کی تردید نزول قرآن کے ذریعہ کی جارہی ہے گویا ان کی تردید دو طرح سے کی پہلے نزول توریت سے اور اب نزول قرآن کریم سے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو آسمانی کتب کے نزول کا انکاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بلکہ اس کی الوہیت کا انکاری ہے۔ اب ارشاد ہے کہ جو نزول قرآن کا انکاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا منکر ہے کہ رب تعالیٰ نے رات کے لئے چراغ و تارے پیدا کئے اور عام روشنی کے لئے سورج بنایا۔ یونہی رب تعالیٰ نے خاص قوموں کے لئے دوسری کتابیں اتاریں اور ساری خلقت کے لئے قرآن کریم اتارا گویا چراغوں کا ذکر پہلے ہوا سورج کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں توریت کا ذکر تھا کہ یہود نے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اب اس کا ذکر ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا گویا قابل زوال نسخ کتاب کے بعد ناقابل زوال نسخ کتاب کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم کو وہ علوم بخشے گئے جو اس سے پہلے کسی کو نہ دیئے گئے۔ اب قرآن کریم کا ذکر ہے جس کے ذریعہ وہ علوم دیئے گئے گویا

عطائے علم کا ذکر تھا اب نزول قرآن کا ذکر ہے جس کے ذریعہ توریت بلکہ ساری آسمانی کتب کا چرچا دنیا میں ہے اور رہے گا۔ قرآن اور صاحب قرآن ہی کے ذریعہ تمام کتابوں' نبیوں کا چرچا ہے جیسے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دوسری کتب کے ذکر کا نمک ہے تو گویا غذا روحانی کا ذکر پہلے ہوا اور اس غذا کے نمک یعنی ذکر قرآن اب ہو رہا ہے۔

تفسیر: **وهذا كتاب۔ هذا** سے اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے یہاں **هذا** اشارہ قریب کے لئے ہے۔ چونکہ درجہ مرتبہ کے لحاظ سے قرآن کریم ہم سے بہت دور ہے اس لئے سورہ بقر کے شروع میں ارشاد ہوا **ذالک الکتاب** اور رحمت و برکت کے لحاظ سے قرآن کریم سب سے قریب ہے اس لئے یہاں **هذا** ارشاد ہوا غرضیکہ علماء کرام کے نزدیک قرآن کریم کی صفات تین قسم کی ہیں۔ کچھ صفات گزشتہ جیسے لوح محفوظ میں ہونا فرشتوں کی حفاظت میں ہونا وغیرہ کچھ صفات موجودہ اور کچھ صفات جو آئندہ ہوں گی جیسے قبر میں ہر مسلمان کے ساتھ رہنا قیامت میں شفاعت کرنا وغیرہ کو **ذالک** فرمایا گیا ہے گزشتہ صفت کے لحاظ سے جب قرآن عرشی تھا انسان فرشی وہ عرشی والی کتاب پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرشی نعمت کو فرشتوں کے پاس پہنچادیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرشی بھی ہیں تب ایسے **هذا** کہا گیا۔ صوفیاء کے نزدیک قرآن مجید اسی وقت دور بھی ہے۔ قریب بھی یعنی **ذالک** بھی ہے اور **هذا** بھی۔ یہی کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے کہ وہ شرف و عظمت کے لحاظ سے ہم سے بہت دور رحمت و کرم کے لحاظ سے ہم سے بہت قریب۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عرض کیا۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دور تو ایسے ہیں کہ حضرت جبرئیل و میکائیل کا وہم و گمان آپ کے مقام تک نہیں پہنچتا اور قریب ایسے کہ ہر گنہگار سیاہ کار کے دل میں رہتے ہیں اس لئے ہر مسلمان التحیات میں سلام عرض کرتا ہے قبر میں ہر شخص کو دکھا کر سوال ہوتا ہے **فی حق هذا الرجل** وہاں بھی **هذا** ہے۔ قرآن کریم کے بتیس نام ہیں جن میں سے ایک نام ہے کتاب اس کے معانی ہم **ذالک الکتاب** میں عرض کر چکے ہیں۔ کتاب کی تنوین عظمت کی ہے یعنی عظیم الشان کتاب جو پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئی دنیا میں آکر مومنوں کے سینوں میں اور کاغذ میں اس قدر لکھی گئی کہ اتنی اور کوئی کتاب نہ لکھی گئی جو بغیر سمجھے بھی پڑھی جاتی ہے جو بغیر سمجھے بھی لذت دیتی ہے جو بار بار پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی غرضیکہ بے مثال کتاب ہے اس کہ لذیذ تفسیر پہلے پارے کے شروع میں دیکھو۔ خیال رہے کہ پارہ الم میں ارشاد ہوا **ذالک الکتاب** الف لام کے ساتھ اور یہاں فرمایا **هذا کتاب** بغیر الف لام کے وہاں معنی یہ تھے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا چرچا از حضرات آدم تا عیسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں نے ان کی امتوں نے کیا۔ قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں ہستیوں کا چرچا ہمیشہ رہے گا اور یہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب بڑی شان والی بڑی نفع والی ہے کہ ایسی شان کی کتاب میں نے نہیں اتاری۔ حافظ اسی کتاب کے ہیں' بہت تفسیریں اسی کتاب کی ہیں۔ **انزلنا** یہ عبارت یا تو کتاب کی صفت ہے یا **هذا** کی دوسری خبر چونکہ نزول قرآن کئی بار ہوا کبھی یکدم اور کبھی آہستہ اس لئے اس کے متعلق **انزلناہ** بھی فرمایا جاتا ہے اور **نزلناہ** بھی اس کی تحقیق بھی پہلے پارہ میں ہو چکی ہے۔ یایوں کہو کہ الفاظ قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان [illegible] اس کے لئے نزلنا فرمایا گیا۔ اور مضامین کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یکبارگی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے قرآن پر عامل تھے کہ جو چیزیں آگے

چل کر قرآن میں حرام ہونے والی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی استعمال نہ کیں جو چیزیں آگے چل کر قرآنی احکام بننے والی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس پر عمل فرمایا اس کے لحاظ سے انزلنا فرمایا انزلنا فرما کر یہ بتایا کہ نہ تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے نہ حضرت جبرئیل نے بلکہ ہماری اتاری ہوئی کتاب ہے انزلناہ کے بعد علیٰ محمد پوشیدہ ہے یا علیکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے منتہی ہیں اور تبلیغ قرآن کے مبدا اس لئے کہیں الیک آتا ہے کہیں علیک مخلوق کے لئے قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک آیا پھر وہاں سے مخلوق کے پاس پہنچا۔ **مبارک** یہ لفظ یا تو کتاب کی دوسری صفت ہے یا ھذا کی تیسری خبر مبارک بنا ہے برک سے بمعنی بیٹھ جانا اسی لئے اونٹ کے اصطبل کو مبارک الابل کہتے اصطلاح میں بھلائی کا لازم ہو جانا برکت ہے کہ بھلائی یوں آئے کہ پھر نہ جائے۔ بڑھنا' زیادہ ہونا' ثابت ہونا بھی برکت کہلاتا ہے یعنی یہ قرآن ایسی کتاب ہے۔ جس میں دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں۔ بلکہ اس سے وابستہ ہیں۔ تجربہ ہے کہ قرآن کریم کی خدمت کرنے والا دنیا میں عزت' دولت' آخرت کی سعادت پاتا ہے۔ روح المعانی میں فرمایا کہ دنیا کی بھلائی تو میں نے تفسیر کی برکت سے پائی آخرت کی سعادت کی امید ہے۔ امام محمد ابن عمر یعنی فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے عقلی' نقلی علوم کی خدمت کی مگر جیسی برکت تفسیر قرآن لکھنے سے نصیب ہوئی ویسی کبھی میسر نہ ہوئی۔ فقیر احمد یار خان کا بھی تجربہ ہے میں نے بھی جب سے تفسیر لکھنا شروع کی ہے دنیا کی برکتیں بے شمار دیکھ رہا ہوں آخرت کی سعادت بھی اللہ نصیب فرمائے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ دنیا کی بقا سبزوں کی پیداوار آسمانی بارشوں کا نزول قرآن کریم کی برکت سے ہے جب قرآن اٹھا لیا جاوے گا تو دنیا سے خیر بھی اٹھ جاوے گی اور قریب ہی قیامت آجاوے گی۔ جس چیز پر قرآن کریم پڑھ دیا جاوے وہ برکت والی ہو جاتی ہے اسی لئے مسلمان کھاتے پیتے' سوتے جاگتے' جینے مرنے پر قرآنی آیات پڑھتے ہیں ختم فاتحہ وغیرہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تاکہ وہ سب برکت والی ہو جائیں مسلمانوں کے یہ اعمال ختم ختمات وغیرہ کا ماخذ یہ فرمان عالی ہے۔ **مصدق الذی بین یدیہ**۔ یہ عبارت کتاب کی تیسری صفت ہے **مصدق** کے تین معنی ہو سکتے ہیں سچا کرنے والی' سچا کہنے والی' سچا کہلوانے والی۔ **الذی** سے مراد یا تو ریت شریف ہے کہ ابھی پچھلی آیت میں اس کا ذکر ہوا اور گفتگو بھی یہود سے ہی ہو رہی ہے یا ساری آسمانی کتابیں ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد ساری آسمانی کتابیں ہیں' سارے انبیاء کرام' سارے معجزات بلکہ ان حضرات کی ساری تعلیمات مراد ہیں بلکہ پچھلے دینوں کے اولیاء اللہ ان کی کرامات سب کی تصدیق قرآن کریم نے کی چنانچہ حضرت مریم' اصحاب کہف' آصف برخیا وغیرہ۔ اولیاء اللہ ان کی کرامات کا قرآن کریم نے چرچا کیا۔ چونکہ یہ سب چیزیں قرآن مجید سے پہلے گزر چکیں ہیں اس لئے **بین یدی** یعنی سامنے والی فرمایا گیا اور چونکہ قرآن مجید کے بعد نہ کوئی نبی آنے والا ہے' نہ کوئی آسمانی کتاب' نہ کسی نبی کی تعلیمات۔ اس لئے قرآن مجید کو صرف **مصدق** فرمایا ساتھ ہی مبشر نہ فرمایا کہ تصدیق گذشتہ کی ہوتی ہے اور بشارت آئندہ کی یعنی قرآن مجید کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والی کتابوں' نبیوں' ان کے معجزات' ان کی تعلیمات کو سچا کرتی ہے' سچا کہتی ہے اور دنیا سے سچا کہلواتی ہے۔ **ولتنذر ام القریٰ**۔ یہ عبارت مبارک مصدق کے مقصد پر معطوف ہے گویا ارشاد ہوا کہ قرآن مجید برکت کے لئے' تصدیق کے لئے اتارا اور اس لئے اتارا تاکہ آپ ڈرائیں' اس قسم کا عطف بالکل درست ہے۔ (جلالین' صاوی وغیرہ) تنذر مخاطب کا صیغہ ہے اس میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ یہ آیت مکیہ ہے وہاں روئے سخن کفار سے ہی تھا اور کفار کو صرف ڈرانا ہوتا ہے بشارت نہیں ہوتی نیز نذارت پہلے ہوتی

ہے اور بشارت بعد میں نیز بشارت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے مگر ڈرانا کافر انسانوں' جنات وغیرہ سب کے لئے ان وجوہ سے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حکم ہوا **و انذر عشیرتک الاقربین** اپنے عزیزوں' رشتہ داروں کو ڈرایئے پھر یہاں یہ حکم ہوا کہ مکہ والوں وغیرہم کو ڈرایئے۔ پھر حکم ہوا کہ تمام عالمین کو ڈرایئے جس کا میں رب ہوں آپ اس کے نبی بشیر و نذیر ہیں چنانچہ فرمایا گیا **لیکون للعالمین نذیرا** تاقیامت مبلغین اور مصلحین کو چاہئے کہ اسی ترتیب سے تبلیغ و اصلاح کریں پہلے اپنی اصلاح پھر اپنے عزیزوں' قریبوں کی پھر اپنے شہر والوں کی پھر دوسروں کی۔ خیال رہے کہ دل میں خوف و ڈر پیدا ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر یہ نعمت نہ تو قرآن سے ملتی ہے نہ کسی اور ذریعہ سے یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے ملتی ہے اس لئے لتنذر مخاطب کا صیغہ ارشاد ہوا۔ ام کے معنی ہیں اصل ماں کو ام اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہوتی ہے۔ سورہ فاتحہ کو **ام الکتاب** کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی اصل ہے۔ **قری** جمع ہے **قریتہ** کی جس کی اصل **قری** ہے بمعنی اجتماع اس لئے عام مہمانوں کے کھانوں کو **قری** کہا جاتا ہے کہ اس پر لوگ جمع ہوتے ہیں اصطلاح میں ہر چھوٹی بڑی بستی کو کہا جاتا ہے کہ بستی میں لوگ جمع ہوتے ہیں **ام القری** مکہ معظمہ کا نام ہے کیونکہ یہاں سے زمین پھیلی' سب سے پہلے یہی بستی آباد ہوئی۔ تاقیامت لوگ ہر سال حج و عمرہ کے لئے وہاں ایسے جمع ہوتے ہیں اور اس کی طرف ایسے رجوع کرتے ہیں جیسے بچے ماں کی طرف۔ ان وجوہ سے اسے **ام القری** کہا جاتا ہے نیز ہر جگہ سے مسلمان اسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں' اس کی تعظیم ماں کی سی کرتے ہیں۔ چونکہ مکہ والوں کے ایمان لے آنے سے دوسروں کے ایمان کی قوی امید تھی نیز یہاں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہے۔ یہاں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و اقارب رہتے تھے اس لئے خصوصیت سے ام القریٰ یعنی مکہ معظمہ کا ذکر فرمایا۔ ام القریٰ سے پہلے اہل پوشیدہ ہے۔ خیال رہے کہ ایمان و عبادات کی تین کیفیتیں ہیں۔ خوف سے عبادت شوق سے عبادت ذوق سے عبادت دوزخ و عذاب کے خوف سے عبادت یہ انسان کی تیسری منزل ہے۔ یہاں پہلی منزل کا ذکر ہے کہ اے محبوب لوگوں کو ڈرا کر دھمکا کر عذاب سے خوف دلا کر ایمان و عبادات کی نعمتوں سے مالا مال کیجئے' شوق و ذوق کا ذکر دوسری آیات میں ہے۔ **و من حولہا** یہ عبارت معطوف ہے ام القریٰ پر من سے مراد سارے انسان ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے مراد سارے جن و انس ہوں **حول** کے معنی ہیں ارد گرد ھا کا مرجع ہے ام القریٰ یعنی ان کو بھی آپ ڈرائیں جو مکہ معظمہ کے ارد گرد رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ ارد گرد سے مراد مشرق و مغرب یعنی تمام دنیا کے باشندے ہیں کیونکہ مکہ معظمہ پرانی دنیا کے بیچ میں واقع ہے اور نئی دنیا مکہ کے نیچے آباد ہے اس لئے دنیا ہی مراد ہے صرف عرب والے مراد نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لیکون للعلمین نذیرا**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے نذیر نبی ہیں اور تاقیامت نبی ہیں کہ قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تبلیغ کرتے رہیں گے یہ بالواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تبلیغ ہے۔ **والذین یومنون بالاخرۃ یومنون بہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے الذین الخ مبتدا ہے اور **یومنون بہ** اور خبر ہے **الذین** کی صلوت سے مراد یا پنجگانہ نماز ہے یا نماز جمعہ و عیدین وغیرہ کی ساری نمازیں مگر قوی یہ ہے کہ پنجگانہ نمازیں مراد ہیں کیونکہ یہ سورت مکیہ ہے اور نماز جمعہ و عیدین بعد ہجرت مدینہ منورہ [illegible] کبھی فرض نہ ہوا تھا اس لئے ان عبادات کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز جو شخص نماز کی حفاظت کرے وہ باقی عبادات پر خود بخود قائم ہو جاتا ہے۔ بری باتیں چھوڑ دیتا ہے۔ ان

الصلوة تنھی عن الفحشاء والمنکر ان وجوہ سے صرف نماز کی حفاظت کا ذکر فرمایا **صلو تھم** فرما کر یہ بتایا کہ جو نمازیں ان پر لازم ہیں ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز کی حفاظت' نماز قائم کرنا اس کے معنی ہم شروع سورۃ بقرہ **و یقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ ہمیشہ نماز پڑھنا' صحیح نماز پڑھنا' صحیح وقت پر پڑھنا' دل لگا کر پڑھنا' نماز کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ نماز کی حفاظت کی توفیق بخشے یعنی آخرت پر ایمان لانے والوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں جیسے جسمانی بیماریاں بعض کھلی ہوتی ہیں جو لوگوں کو محسوس ہو جاتی ہیں جیسے زخم' پھوڑا وغیرہ۔ بعض چھپی ہوئیں جو محسوس نہیں ہوتیں۔ قدرت نے چھپی بیماریوں کے لئے علامات مقرر فرما دی ہیں جن سے وہ معلوم ہوتی ہیں' چہرہ کی نوعیت' نبض' پیشاب کا رنگ' ان کا پتہ دیتا ہے یونہی روحانی بیماریوں بعض کھلی ہیں جیسے کفر' بت پرستی' بعض چھپی ہوی جیسے منافقت وغیرہ۔ قرآن کریم نے یہاں اس چھپے کفر کی دو علامات بیان فرمائیں ایک تو قرآن مجید پر صحیح ایمان نہ لانا دوسرے نماز کی حفاظت نہ کرنا فرمایا۔ مومن کی علامت یہ ہے کہ قرآن مجید پر ایمان رکھے۔ نماز کی حفاظت کرے۔ خیال رہے کہ حفاظت نماز بڑی مشکل چیز ہے جیسے آپ ڈربے سے مرغی کی حفاظت کرتے ہیں کہ نہ تو مرغی نکل کر بلی کے پاس پہنچ سکے اور نہ بلی ڈربہ میں پہنچ کر نقصان پہنچا سکے ایسے ہی نماز کی حفاظت کرو کہ نہ تو نماز میں ریا' نام' نمود' تکبر شامل ہو کر نماز کو برباد کر سکیں اور نہ کوئی ایسی حرکت کرو جس سے پڑھی ہوئی نمازیں برباد ہو جائیں۔ نہ نماز میں کوئی برائی آئے اور نہ نماز ہمارے پاس سے جائے۔ اخلاص عجز و نیاز چیزیں نماز کی محافظ ہیں۔ نماز قائم کرنا' حفاظت کرنا' نماز میں دائم رہنا۔ ان تینوں میں فرق ہے۔ برکت والا ہے۔ جس مہینہ میں یہ آیا وہ مہینہ برکت والا ہے' جس رات میں یہ آیا وہ رات برکت والی ہے' جس ذات پر آیا وہ ذات مبارک جو اس کی خدمت کرے وہ مبارک ہے یہ قرآن اپنے سے پہلی والی کتب پچھلے نبیوں' ان کے معجزات' ان کی تعلیمات کو سچا کرتی' سچا کہتی' سچا کہلواتی ہے یہ اس لئے اتری تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس کے باشندوں یعنی تمام دنیا والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں یہ کتاب سارے جہان کے لئے ہے آپ نبی سارے جہان کے ہیں گذشتہ کتابوں کے فیوض بند ہو گئے مگر اس کے فیوض ہمیشہ جاری ہیں جو لوگ صحیح معنوں میں قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ ضرور قرآن پاک پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ قرآن پاک کا منکر آخرت کا مومن ہو سکتا ہی نہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن مجید کا نزول کئی بار ہوا۔ ایک بار تو آہستہ آہستہ تیئس سال میں اور باقی بار یکدم چنانچہ شب قدر میں سارا قرآن لوح محفوظ سے پہلے آسمان کی طرف ایک دم اترا ہر ماہ رمضان میں سارا قرآن مجید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر یکدم اترتا تھا کہ حضرت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سارے کا دور فرماتے تھے یہ فائدہ انزلنا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قرآن مجید بڑی مبارک کتاب ہے دین و دنیا کی برکتیں اس سے وابستہ ہیں جس رات میں' جس مہینہ میں قرآن کریم اترا وہ رات' وہ مہینہ مبارک۔ **انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ** ماہ رمضان کو رمضان مبارک کہا جاتا ہے کہ یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے یہ فائدہ مبارک سے حاصل ہوا۔ جس ملک میں قرآن آیا وہ ملک مبارک ہے' جس ذات پر قرآن اترا وہ ذات کریم مبارک' جن سینوں میں قرآن رہے وہ سینے مبارک' جو لوگ اس قرآن کی خدمت کریں وہ لوگ مبارک' جس کھانے پر قرآن پڑھ دیا جائے وہ کھانا مبارک' جو زندگی قرآن کے سایہ میں گزرے وہ زندگی مبارک' جو موت قرآن پڑھتے پڑھتے آئے وہ موت مبارک غرضیکہ برکت قرآن سے وابستہ ہے۔

اے فتنہائے محشر نہ اٹھا سکیں گے ہرگز — ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آگئی ہے

تیسرا فائدہ: ایصال ثواب کے لئے کھانے پر ختم قرآن کرنا برکت کا باعث' اس سے کھانا حرام نہیں ہو جاتا بلکہ برکت والا ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا۔ جب بعضے بندے مبارک ہوتے ہیں کہ جہاں ان کا قدم پڑ جائے وہاں برکت ہو جائے تو قرآن مجید اللہ کا کلام ہے یہ مبارک کیوں نہ ہو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ **و جعلنی مبارکا اینما کنت۔** چوتھا فائدہ: برکت' رحمت اللہ کی ایسی نعمت ہے جو نسبت کے ذریعہ دور تک پہنچ جاتی ہے جیسے بجلی کا کرنٹ اگر ایک شخص میں آجائے تو جو اس سے چھو جائے اس میں کرنٹ پہنچ جاتی ہے اسی طرح اگر یہاں سے مکہ معظمہ تک لوگ لائن باندھ لیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ لگ جائیں سب میں کرنٹ پہنچے گا جب تار کے کرنٹ کا یہ عالم ہے تو نور کی کرنٹ کا کیا حال ہو گا۔ یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا کہ قرآن برکت والا تو جس چیز کو اس سے نسبت ہو جائے وہ برکت والی ہے حتیٰ کہ جس کھانے پر پڑھ دیا جائے وہ برکت والا ہے اس لئے اسے تبرک کہتے ہیں بعض لوگ بزرگوں کا پس خوردہ کھانا پینا تبرک سمجھ کر کھاتے پیتے ہیں ان سب کی اصل یہ آیت ہے کہ قرآن مبارک ہے۔ جس منہ میں قرآن رہا وہ منہ مبارک ہو گیا پھر جو چیز اس منہ سے لگی وہ تبرک بن گئی۔ پانچواں فائدہ: کسی مبارک چیز سے ایک بار تعلق ہو جانا تاقیامت اسے مبارک کر دیتا ہے۔ دیکھو قرآن مجید ایک دفعہ رمضان' شب قدر میں آچکا مگر تاقیامت یہ مہینہ' یہ رات برکت والی ہے۔ اللہ فرماتا ہے **انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ** ایسے ہی شب میلاد' شب معراج وغیرہ تاقیامت مبارک ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے نزول مائدہ کی تاریخ کو تاقیامت عید بنا دیا۔ **تکون لنا عیدا لاولنا و اخرنا۔** چھٹا فائدہ: قیامت کو ماننا ایمان و اعمال کی اصل ہے کیونکہ قیامت حساب اور سزا جزاء کا دن ہے۔ طلبا امتحان کے ڈر سے محنت سے پڑھتے ہیں' چور' بدمعاش سزا کے خوف سے چوری سے بچتا ہے۔ یونہی بندہ قیامت کے حساب اور سزا کے ڈر سے' اچھے عقیدے' اچھے اعمال اختیار کرتا ہے مگر قیامت ماننے کی دو علامتیں یہاں بیان ہوئیں۔ ایک تو صحیح طور پر قرآن مجید پر ایمان لانا دوسرے نماز کی حفاظت قرآن مجید وہ تھرمامیٹر ہے جو ہمارے قلب کے حالات بتا دیتا ہے قرآن وہ آئینہ ہے جو ہم کو ہمارے دل کے خدوخال' داغ دھبے دکھا دیتا ہے اگر اپنے قلب کا حال دیکھنا ہے تو قرآن کے آئینہ میں دیکھو۔ ساتواں فائدہ: قرآن مجید کے بعد نہ کوئی آسمانی کتاب آسکتی ہے' نہ کوئی نبی آسکتا ہے۔ یہ آخری کتاب ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی۔ یہ فائدہ **مصدق الذی بین یدیہ** سے حاصل ہوا۔ ہمیشہ تصدیق بعد میں ہوتی ہے۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کوئی نبی نہ تھا نہ کوئی آسمانی کتاب اتری یہ فائدہ بھی **مصدق الذی** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام کا ڈرانا عام ہے۔ بشارت خاص ڈرانا پہلے ہے بشارت بعد میں۔ یہ فائدہ لتنذر الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: مکہ معظمہ تمام بستیوں کی اصل ہے اور سب بستیوں سے اعلیٰ و اشرف۔ یہ فائدہ **ام القری** سے حاصل ہوا مگر امام مالک قدس سرہ کے نزدیک مدینہ منورہ کی بستی مکہ معظمہ کی بستی سے اعلیٰ ہے۔ ان کے دلائل اپنے مقام پر مذکور ہیں مگر فیصلہ وہ ہے۔ جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد — ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے!

ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است — اے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

یہ گفتگو بستیوں میں ہے۔ قبر انور کی وہ جگہ جو جسم شریف سے متصل ہے۔ عرش فرش لوح و قلم ساری جگہ سے افضل ہے۔ گیارہوں فائدہ: تبلیغ کی ترتیب یوں چاہئے کہ پہلے اپنے قریبیوں کو کی جائے پھر دور والوں کو یہ فائدہ **ام القرے** سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نبی ہیں اور قرآن ان سب کی کتاب۔ یہ فائدہ بھی **و من حولها** سے حاصل ہوا کہ اس میں سارا عالم داخل ہے۔ تیرہواں فائدہ: **مکہ معظمہ** آباد دنیا کے بیچ میں ہے باقی دنیا اس کے اردگرد یہ فائدہ بھی **و من حولها** سے حاصل ہوا۔ چودھواں فائدہ: آخرت پر وہی ایمان رکھتا ہے جو قرآن کریم کو مانتا ہے۔ قرآن کا انکاری آخرت کا اقراری' کبھی نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **والذین یومنون بالاخرة** الخ سے حاصل ہوا۔ پندرہواں فائدہ: ساری عبادات میں نماز افضل ہے اس کا پابند انشاء اللہ ایمان پر مرے گا یہ فائدہ **علی صلوتهم یحافظون** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مومن کے لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ سولھواں فائدہ: لوگوں کے لئے نذیر و بشیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ قرآن کریم نذارت و بشارت ہے۔ یہ فائدہ لتنذر صیغہ مخاطب سے حاصل ہوا۔ قرآن حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں' قرآن علم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم' قرآن معرفت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عارف ہیں' قرآن ذریعہ ایمان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان بخشنے والے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو قرآن مجید سے ایمان نہیں ملتا۔ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اسی لئے کلمہ طیبہ میں اللہ کی توحید کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کا ذکر نہیں۔

پہلا اعتراض : قرآن کریم تو تئیس سال میں تھوڑا تھوڑا اترا پھر یہاں انزلناہ کے معنی ہیں یکدم اتار دیا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جو نزول احکام جاری کرنے کے لئے ہوا وہ آہستگی سے ہوا اس کے علاوہ دوسرے نزول یکدم ہوئے یہاں ان دوسرے نزولوں کے لحاظ سے انذلناہ فرمایا گیا ہے یا تجرید کے طور پر اس کے معنی ہیں صرف اتارنا' یکدم ہو یا آہستگی سے۔ **دوسرا اعتراض**: قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ رہے اور قرآن آخری کتاب نہ رہی تو **مصدق الذی** الخ کیونکہ درست ہوا۔ جواب: آخری نبی وہ ہے جن کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو عیسیٰ علیہ السلام پہلے کے نبی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے آئیں گے۔ آخری بیٹا وہ جس کے بعد کوئی بیٹا پیدا نہ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے والے بیٹے سب مر چکے ہوں۔ لہذا **مصدق الذی** الخ بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے نہیں ہیں سارے جہان کے نبی نہیں کہ فرمایا گیا **لتنذر ام القری و من حولها** مکہ کا آس پاس کا علاقہ تو صرف عرب ہی ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ساری آباد دنیا خانہ کعبہ و مکہ معظمہ کے اردگرد ہے لہذا **حولها** سے مراد ساری آباد دنیا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعالمین نذیرا**۔ **چوتھا اعتراض**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشیر بھی ہیں' نذیر بھی' پھر یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نذیر کیوں فرمایا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس وقت مکہ مکرمہ کے کفار ہی کو تبلیغ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے صرف نذیر ہیں مسلمانوں کے لئے نذیر بھی ہیں' بشیر بھی' اس کے اور بھی چند جواب ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ **پانچواں اعتراض**: قرآن کریم نے گذشتہ نبیوں' ولیوں' وغیرہم کی تصدیق کیوں کی اس کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس میں چند حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کی تصدیق سے ان حضرات کے چرچے دنیا میں ہوئے۔ دوسرے یہ کہ ان سب پر قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان تاقیامت ہو گیا یہودی عیسائی وغیرہ اس احسان کو مانیں اور مسلمان ہو جائیں۔ تیسرے یہ کہ اس سے پتہ لگے کہ دین کے برحق ہونے کی علامت ولایت ہے۔ جس دین میں اولیاء اللہ وہ حق ہے۔ جس میں اولیاء نہیں وہ باطل ہے۔ یہودیوں عیسائیوں کے دین جب تک منسوخ نہیں ہوئے تھے ان میں اولیاء تھے جب وہ دین منسوخ ہو گئے ان میں ولایت ختم ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے قرآن مجید کی چند چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اعضاء شریفہ پر نازل ہوئیں۔ الفاظ قرآن کان شریف پر مضامین' قرآن دماغ مبارک پر احکام' قرآن قلب پاک پر اسرار' قرآن روح انور پر' اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں چیزوں کی تبلیغ مخلوق کے چار اعضاء پر فرمائی۔ انسان عالم کا مجموعہ ہے انسانی دل گویا ام القرے ہے باقی اعضاء اس ام القرے کا ماحول ہیں۔ ناک' کان' زبان' ہاتھ' پاؤں وغیرہ دل کے تابع ہیں اگر دل درست ہے سب ٹھیک ہیں۔ دل بگڑا سب خراب ہوئے۔ ارشاد باری ہے کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن مجید برکت والا' تصدیق کرنے والا اتارا تاکہ آپ لوگوں کے ام القرے یعنی دلوں کو ڈرائیں' دلوں میں خوف الٰہی پیدا کریں' دل کے ذریعہ اس کی آس پاس کی آبادیوں' ناک' کان' ہاتھ' پاؤں' دماغ' وغیرہ کو ڈرائیں۔ اگر انسان کا دل ڈر جائے؛ وہ قرآن پر بھی ایمان قبول کرے گا اور نماز پر پابند بھی ہو جائے گا۔ نماز میں سر سے لے کر پاؤں تک کہ تمام اعضاء کام کرتے ہیں مگر ہیں سب دل کے پابند۔ اگر دل میں عجز و انکسار ہو تو نماز اعلیٰ درجہ مقبول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تبلیغ بذریعہ اولیاء ہے اور ماحول یعنی دوسرے اعضاء کو تبلیغ بذریعہ علماء کرام تاقیامت ہوتی رہے گی لہٰذا اس آیت کریمہ پر عمل دائمی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب کہ رب تعالیٰ کو ماننا بذریعہ توریت و انجیل یا بذریعہ موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ایمان تھا۔ معرفت الٰہی تھا جنت ملنے کا ذریعہ تھا مگر اب خدا رسی کا صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اب جو توریت و انجیل یا موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے ذریعہ رب کو مانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ نہ مومن ہے' نہ عارف' نہ اس ماننے سے جنت ملے۔ جیسے دریا پر نیا سرکاری پل بن جانے سے پرانے پل سے گزرنا ممنوع ہو جاتا ہے کیونکہ حکومت نے وہ راستہ بند کر دیا۔ ملک کا بند شدہ سکہ نہ بازار میں چلے' نہ اس سے سودا ملے' نہ اسے خزانہ قبول کرے کہ اگرچہ وہ سکہ سرکاری ہی ہے مگر خود حکومت نے اسے بند کر دیا ہے۔ ایسے ہی گزشتہ نبیوں کی شریعتیں ان کے کلمے بند شدہ راستہ یا بند شدہ سکہ ہیں جن سے بازار قیامت میں کوئی سودا نہیں ملے گا اس لئے ارشاد ہوا کہ جو قرآن پر ایمان لائے وہ قیامت کا ماننے والا ہے۔ یہودی' عیسائی اگرچہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کو قیامت کو مانتے ہیں مگر جھوٹے ہیں وہ ان میں سے کسی کو نہیں مانتے کیونکہ وہ انہیں قرآن کے ذریعہ نہیں مانتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ

اور کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اوپر اللہ کے جھوٹ یا کہے کہ وحی کی گئی طرف میرے حالانکہ نہ وحی کی

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی آتی ہے اور اسے کچھ وحی

شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ

گئی طرف اس کے کوئی چیز اور وہ جو کہے کہ اتارتا ہوں میں مثل اس کے جو اتارا اللہ نے اور اگر دیکھے تم اس وقت

نہ ہوئی اور وہ جو کہے میں اتارتا ہوں ایسا جیسا اللہ نے اتارا اور کبھی تم دیکھو جس وقت

غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ

کہ جب ظالم لوگ سختیوں میں موت کی ہوں گے اور فرشتے پھیلائے ہوں گے ہاتھ اپنے نکالو جانوں کو اپنی

ظالم موت کی سختیوں میں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ

آج بدلہ دیئے جاؤ گے تم ذلت کا عذاب اس لئے کہ تم کہتے تھے اللہ پر ناحق بات اور تھے تم اس کی

خواری کا عذاب دیا جاوے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی

عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں سچے نبیوں' ان کی سچی کتابوں' سچی تعلیم کے درجات اور فضائل کا ذکر ہوا اب جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کی جھوٹی گھڑی ہوئی وحیوں کی برائیوں کا ذکر ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ سچے نبیوں کی صحیح قدر و منزلت' ان بے دینوں کے ذکر سے حاصل ہوگی۔ جیسے لائق طبیب اپنے مریض کو کھانے والی دوائیں' غذائیں بھی بتاتا ہے اور نہ کھانے والے بچنے والے پرہیز بھی سمجھاتا ہے' ان دو چیزوں سے علاج مکمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید طب روحانی کی جامع کتاب ہے وہ بھی اچھی چیزوں اور اچھے بندوں کے ذکر کے ساتھ بری چیزوں' برے بندوں کا ذکر بھی فرماتا ہے گویا دوا کا ذکر پہلے ہوا پرہیز کا ذکر اب ہے۔ دنیا میں ہر جگہ کھرے کھوٹے' سچے جھوٹے' اصلی نقلی' رلے ملے رہتے ہیں۔ گھی اصلی نقلی' سونا اصلی نقلی' آٹا اصلی نقلی یونہی عالم روحانیت میں ہے کہ عالم سچے جھوٹے پیر' مشائخ سچے جھوٹے' بلکہ نبی سچے' بلکہ خدا سچا اور بعض بندے جھوٹے خدا اور جھوٹے نبی بن گئے اسی کا ثواب ہے کہ بندہ سچوں سے تعلق رکھے جھوٹوں سے بچے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید مکہ معظمہ اور تمام دنیا والوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس سے وہ لوگ فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گڑھیں' جھوٹے صاحب وحی بنیں گویا پچھلی آیت میں قرآن مجید کے فیض کا ذکر تھا اب اس فیض سے محروم رہنے والے بد نصیبوں کا تذکرہ ہے جیسے عالم اجسام میں بڑی سے بڑی فائدہ مند چیز سے ہر کوئی نفع نہیں اٹھاتا۔ بعض مرحوم ہوتے ہیں' بعض محروم سورج سے چمگادڑ' بارش سے شورہ زمین فائدہ نہیں اٹھاتی یوں ہی ولی نبی قرآن وغیرہ سے سارے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب کچھ لیا' ابو جہل محروم رہا۔ پچھلی آیات میں مرحومین کے فیض لینے کا ذکر تھا اب محرومین

کے محروم رہنے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں مومنین کی علامت بیان ہوئیں کہ مومن وہ ہیں جو قرآن کریم پر ایمان رکھیں' نماز کے پابند ہوں' اب ان کے مقابل کفار و منکرین کا ذکر ہے کہ ظالم منکر وہ ہیں جو جھوٹے نبی بنیں' جھوٹی وحی گڑھیں یا جو ان کی اطاعت کریں۔ خیال رہے کہ قرآن کعبہ' مکہ' عبادات سے فیض پانے کی ایک شرط ہے الفت رسول کا دل میں ہونا اور ان سب سے محروم رہنے کی ایک وجہ ہے عداوت رسول۔ اس لئے کلمہ طیبہ میں ایمانیات کی آیات اطاعت کی آیات میں رسول فرمایا گیا۔ نبی یا شفیع نہیں فرمایا گیا۔ **امنوا باللہ و رسولہ۔ اطیعوا اللہ و رسولہ** کلمہ میں محمد رسول اللہ ہے نبی اللہ نہیں کیونکہ جیسے ماں کا نام محبت کا سرچشمہ ہے کیونکہ وہ سینے سے دودھ بچہ کو پلاتی ہے ایسے ہی رسول کے نام سے عشق و محبت جوش مارتا ہے کہ رسول اپنے سینے سے فیضان دیتے ہیں نبی کے معنی ہیں خبر رساں رسول کے معنی ہیں فیض رساں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کا پہلا جز **او قال اوحی الی الخ** مسیلمہ بن ثمامہ کذاب یمنی حنفی اور اسود عنسی یمنی کے متعلق نازل ہوا جن دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں دعویٰ نبوت کیا اسود عنسی کا نام عبہلہ ابن کعب ہے لقب ذوالحمار یمن کا رہنے والا تھا مقام صنعا میں رہائش پذیر تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرت زمانہ میں دعویٰ نبوت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو دن پہلے خبر دی کہ اسے فیروز دیلمی نے قتل کر دیا اور فرمایا کہ فیروز کامیاب ہوا۔ مسیلمہ کذاب یمنی قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک امیر آدمی تھا وہ کہتا تھا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے نبی ہیں اور میں بنی حنیفہ کا نبی ہوں یہ بہت سی جھوٹی آیتیں گڑھ گڑھ کر لوگوں کو سناتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کلام رب کی طرف سے مجھ پر اترا ہے۔ یہ مردود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غزوہ یمامہ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس صدیقی غزوہ کی خبر قرآن مجید میں یوں دی گئی ہے **ستدعون الی قوم اولی باس شدید الخ** اس غزوہ یمامہ میں قبیلہ بنی حنیفہ کی ایک عورت خولہ بنت جعفر حنیفہ گرفتار ہو کر آئیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی گئیں ان کے بطن سے محمد ابن حنیفہ پیدا ہوئے۔ ان کی اولاد علوی کہلاتی ہے۔ جنگ یمامہ خلافت صدیقی کا عظیم الشان کارنامہ ہے اور دوسرا حصہ **و من قال سانزل مثل ما انزل اللہ** کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حصہ نضر ابن حارث کے متعلق نازل ہوا جو کہتا تھا کہ قرآن مجید جیسا کلام میں بھی بنا سکتا ہوں اور بہت سی جھوٹی عبارتیں بنا کر لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ حصہ عبداللہ ابن سعد ابی سرح کے متعلق نازل ہوا جو پہلے مسلمان ہوا۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اٹھارویں پارہ کی آیت کریمہ **و لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین الخ** نازل ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ آیت لکھوائی۔ اس کے مضمون سے یہ شخص بہت ہی متعجب ہوا اور اس کے منہ سے نکلا۔ **فتبارک اللہ احسن الخالقین۔** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کا آخری حصہ یہی ہے اسے لکھ لے' اس پر وہ مرتد ہو گیا۔ مکہ معظمہ بھاگ گیا اور کفار مکہ سے کہنے لگا کہ اگر محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہیں تو میں بھی سچا نبی ہوں کہ مجھ پر بھی اس آیت کا آخری جز نازل ہوا ہے۔ پھر یہ شخص فتح مکہ سے کچھ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ مقام الظہران میں تشریف فرما تھے اور توبہ کر کے مسلمان ہو گیا۔ تفسیر خازن' خزائن' کبیر' معانی' بیان وغیرہ) مرقات شرح مشکوۃ میں فرمایا کہ یہ شخص کا فر [illegible] مسلمان ہو گیا **واللہ و رسولہ**

اعلم بحقیقتہ الحال۔ خیال رہے کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیتیں مدنیہ ہیں کیونکہ یہ واقعات بعد ہجرت پیش آئے جن کا ان آیتوں میں ذکر ہے۔ ہجرت سے پہلے نہ مسیلمہ کا واقعہ پیش آیا نہ اسود عنسی کا اور نہ عبداللہ ابن سرح کا مگر محققین مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے اس میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی غیبی خبر دی گئی۔ قول قوی ہے کہ انعام پوری مکیہ ہے (تفسیر خازن)۔

تفسیر: **و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا**۔ اس عبارت میں من استفہامیہ ہے اور استفہام انکاری ہے یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ استفہام پوچھنے کے لئے ہی ہو یہ پوچھنا شکایت کے لئے ہو کہ رب تعالیٰ نے کفار کی شکایت اپنے محبوب سے کی' رب کا کفار سے سوال فرمانا اظہار غضب کے لئے ہے ہم گنہگاروں سے سوال فرمانا پوچھنا ہم کو اپنی طرف بلانے کے لئے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنا **وما تلک بیمینک** ان کا دل لگانے اور خاص معجزہ عطا فرمانے کے لئے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں یہ پوچھنا کفار کی شکایت کے لئے ہے شکایت خاص محبوب سے ہی کی جاتی ہے۔ **عبس و تولی ان جاءہ الاعمی** میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت محبوبانہ کی گئی اسی لئے وہاں صیغہ غائب ارشاد ہوا۔ **اظلم** ظلم کا اسم تفضیل ہے یہاں ظلم بمعنی کفر ہے یا اپنے معنی ہی میں ہے (ستانا حق مارنا) **افتری** بنا ہے فری سے بمعنی کسی پر بہتان باندھنا وہ بھی دیدہ دانستہ کذب سے ہر وہ جھوٹا عقیدہ مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دیا جائے لہٰذا اس کا شریک ماننا اس کے لئے اولاد یا بیوی ماننا یا یہ کہنا کہ اس نے کسی بشر پر کوئی کتاب نہ اتاری وغیرہ یہ سب اس میں داخل ہیں' اسی طرح جھوٹا دعویٰ نبوت کرنا اور کہنا کہ مجھے اللہ نے نبی بنایا۔ جھوٹے مسئلے قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا' قرآن کریم کی جھوٹی تاویلیں' تحریفیں کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ غرضیکہ اس آیت لفظ میں بہت ہی وسعت ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑنا' جھوٹی احادیث بنانا یا صحیح احادیث کی غلط تاویلیں کرنا بھی در پردہ اللہ تعالیٰ پر ہی جھوٹ گڑھنا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول رب تعالیٰ ہی کا فرمان ہے لہٰذا وہ بھی اس میں داخل ہے۔ غرضیکہ جھوٹی آیتیں بتانا یہود و نصاریٰ کی طرف یا آیات قرآنیہ کی غلط تفسیر کرنا جو منشاء الٰہی کے خلاف ہو۔ جھوٹی احادیث گڑھنا' احادیث کی غلط شرح کرنا' جھوٹے مسئلے گھڑ کر بیان کرنا یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے کہ سننے والے سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے رب کا فرمان ہے' شریعت کا حکم ہے' اللہ تعالیٰ ان چاروں جھوٹوں سے بچائے۔ **او قال اوحی الی** یہ عبارت معطوف ہے **افتری** پر اس میں عام کے بعد خاص کا ذکر ہے یہاں وحی سے مراد نبوت کی وحی ہے۔ جو صرف نبی پر ہوتی ہے ان کے سوا کسی پر نہیں ہوتی وحی بمعنی الہام یا بمعنی دل میں ڈال دینا عام ہے۔ رب فرماتا ہے **او حینا الی ام موسی** اور فرماتا ہے **و اوحی ربک الی النحل** وہ یہاں مراد نہیں **و لم یوح الیہ شیء** یہ عبارت قال کے فاعل کا حال ہے۔ شیء سے مراد ہے کوئی سی وحی خواہ کتابی شکل میں ہو یا صحیفہ کی شکل میں یا اور کوئی تبلیغی وحی یعنی اس کی طرف وحی تو کچھ بھی نہ کی گئی ہو مگر وہ لوگوں سے کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے یہ بڑا کافر بڑا ستمگار ہے بلکہ جھوٹے الہام گھڑنا' جھوٹے خواب بنا کر لوگوں کو سنانا اولیائی کا جھوٹا دعویٰ کرنا سب ہی جرم ہے۔ اپنے کو ولی کہتے پھرنا' دعویٰ نبوت جھوٹا کرنا یہ سب قابل عذاب جرم ہیں۔ یونہی نبوت کی ہمسری کا دعویٰ کرنا کہ جو نبی کر سکتے ہیں میں بھی کر سکتا ہوں بے دینی ہے جس کا ذکر آگے ہے۔ **و من قال سانزل مثل ما انزل اللہ** یہ عبارت یا تو قال اوحی الخ پر معطوف ہے یا افتری علی اللہ پر سانزل سے مراد ہے آیات

ایہ کی آیتیں بنانے پر قادر ہوتا(روح المعانی) **ما انزل اللہ** رب تعالیٰ کا فرمان ہے نہ کہ اس مردود کا وہ تو قرآن کریم کو خدا کا کلام مانتا ہی نہ تھا یعنی بڑا ظالم وہ بھی ہے جو قرآنی آیات کے متعلق کہے کہ ایسا کلام میں بھی بنا سکتا ہوں۔ سانزل بھی انزال سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ **نضر** ابن حارث عربی عبارتیں بنا کر لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ دیکھ لو کہ یہ قرآن جیسی آیت ہے اس نے سورۂ **والعادیات ضبحا**" کے مقابل میں کہا تھا **والطاخات طحنا فالعاجنات عجنا" فالخابرات خبزا**" (مدارک)۔ **والسماء ذات البروج** کے مقابل کہتا تھا۔ **والنساء ذات الفروج** وغیرہ نیز عبداللہ ابن سرح نے کہا تھا کہ یہ حصہ میرا بنایا ہوا ہے۔ **فتبارک اللہ احسن الخالقین**۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے **ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں ان جیسے کافروں' ظالموں کا دنیاوی انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی ان کی نزع کی شدت تری میں خطاب یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے اگر خطاب مومن سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ دنیا اور موت کے وقت کے عذاب عوام کو دکھائے نہیں گئے بلکہ سنائے اور بتائے گئے تاکہ ان چیزوں پر ایمان بالغیب رہے یہ چیزیں شہادت نہ بن جائیں اور اگر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو دیکھنے سے مراد ہے توجہ کا دیکھنا' دل سوزی کا دیکھنا وہ دیکھنا جس پر دل دکھے تکلیف ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر موجود' معدوم' دور قریب اندھیرے اجیالہ پس پردہ اور بیرون پردہ ہر چیز کو دیکھتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کے قبر کے اندر کے عذاب دیکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن کی موت خواہ وہ کہیں ہو توجہ سے کرم نوازی سے دیکھتے ہیں بلکہ بعض مومنوں کی موت کے وقت ان کے پاس تشریف فرما ہوتے ہیں' کافر کی موت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے مگر نہ اس پر توجہ ہے' نہ کرم' نہ دل سوزی تری میں رویت سے مراد ہے آنکھ سے دیکھنا اذ ظرفیہ ہے اور یہ پورا جملہ **تری** کا مفعول بہ ہے' ظالموں سے مراد یا تو سارے کافر ہیں یا وہی کافر جن کا ذکر ابھی ہوا یعنی جھوٹے مدعی نبوت **غمرات** جمع ہے **غمرۃ** کی بمعنی گہرائی یا گہرے پانی میں غوطہ لگانا اصطلاح میں جہالت کو بھی غمرہ کہتے ہیں۔ **فذرھم فی غمرتہم**۔ اور جیسے **الذین ھم فی غمرۃ ساھون**۔ اور موت کی سخت تکلیف کو بھی چونکہ کافر کو موت کے وقت بہت قسم کی تکالیف ہوتی ہیں اس سے لئے **غمرات** جمع ارشاد ہوا۔ جان کنی کی تکلیف' دنیا چھوٹنے کی تکلیف' عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے کی تکلیف' ان فرشتوں سے اپنی آئندہ تکالیف کی خبر کی تکلیف غرضیکہ اس پر تکالیف کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مومن کے لئے وہ وقت بہت سی خوشیوں کا ہوتا ہے۔ دنیا کے غم و تکالیف سے چھوٹنے کی خوشی' دیدار مصطفوی کی خوشی یعنی وصال یار کی عید۔ اپنے گذشتہ مومنوں' عزیزوں' قرابت داروں سے دائمی ملاقات کی خوشی۔ رحمت کے فرشتوں کی دید کی خوشی' ان کی زبانی رحمت' ربانی ملنے کی بشارت' اس کی خوشی اسی لئے مومن کی موت کو وصال اور اس کی موت کے دن کو یوم عرس کہتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا **اذ الظالمون** الخ جبکہ ظالم یعنی کفار موت کی تکالیف میں گرفتار ہوں گے۔ کہتا ہے۔۔

و تسعد نی فی غمرۃ بعد غمرۃ　　سبوح لھا منھا علیھا شواھد

خیال رہے کہ نزع کی شدت اور چیز ہے اور موت کی غمرات و سکرات کچھ اور چیز نزع کی شدت سب کو ہے مگر موت کی غمرات کفار کو ہے۔ **والملا** [illegible] **الظالمون** کا حال ملائکہ سے مراد وہ عذاب کے ڈراونی شکل والے فرشتے ہیں جو کافر کی جان نکالتے ہیں۔ جناب ملک الموت کی مدد کرتے ہیں' فرشتوں کے ہاتھ ہیں

مگر نورانی ہاتھ اور ایسے ہاتھ جو ان کی شان کے لائق ہیں یا یوں کہو کہ فرشتے مردے کے پاس' شکل انسانی میں آتے ہیں' مومن کے پاس خوبصورت انسان کی شکل میں کافر مردے کے پاس نہایت ہیبت ناک انسان کی شکل میں لہذا اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب کچھ ہوتے ہیں جیسے حضرت جبرئیل شکل انسانی میں حضرت مریم کے پاس پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے رہتے تھے تو ان کے تمام انسانی اعضاء ہوتے تھے حتی کہ ان کے بال سخت سیاہ کپڑے' بہت سفید ہوتے تھے۔ ہاتھ پھیلانے سے مراد ان کی روح قبض کرنے انہیں پکڑنے کے لئے ان کی طرف ہاتھ پھیلانا ہے یا انہیں آتشی ہتھوڑوں سے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔ ہاتھ پھیلانے کی بہت صورتیں ہوتی ہیں۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھانا' پھیلانا کچھ دینے کے لئے یا کچھ لینے کے لئے ہاتھ بڑھانا کسی کو سختی سے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھانا پھیلانا ان سب کی نوعیتیں صورتیں الگ ہوتی ہیں یہاں آخری صورت مراد ہے یعنی انہیں پکڑنے کے لئے ہاتھ پھیلانا جیسے شیر بکرے کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اسے شکار کرنے کے لئے۔ مرتے وقت تین قسم کے فرشتے آتے ہیں۔ حضرت ملک الموت جان نکالنے کے لئے۔ سات فرشتے ان کا تعاون کرنے کے لئے باقی تاحد نظر فرشتے بشارت یا ڈرانے کے لئے۔ ہاتھ پھیلانا ان تعاون کرنے والے فرشتوں کا کام ہے یہ فرشتے سات ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ (صاوی)۔ **اخرجوا انفسکم** یہاں **اخرجوا** سے پہلے **یقولون** پوشیدہ ہے **اخرجوا** میں خطاب انہیں مرنے والے کافروں سے ہے۔ جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ فرشتے نبیوں' ولیوں سے ان کے وفات کے وقت ایسا کلام کرتے ہیں جیسا دعوت دینے میں کلام کیا جاتا ہے۔ عام مومنین سے کلام کرتے ہیں **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک** الخ کفار سے وہ کلام کرتے ہیں جو یہاں منقول ہے غرضیکہ دعوت نامہ و سمن اور وارنٹ ہیں ان کی طرز گفتگو میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ **انفس** جمع ہے **نفس** کی بمعنی روح یا بمعنی ذات اس عبارت کے بہت معنی ہو سکتے ہیں۔ (1) اپنی ذات کو اس عذاب سے نکالو اس مصیبت سے بچاؤ جو تم پر اب ہو رہی ہے بلالو اپنے یار و مددگار کو۔ (2) اپنے کو اپنے گھر بار عزیزوں دوستوں بلکہ دنیا سے نکالو اور چلو دوسرے جہان کی طرف جہاں تم جانا نہیں چاہتے تھے۔ (3) اپنی جانوں کو اپنے جسموں سے نکال کر ہمارے حوالہ کرو (معانی) پہلی دو تفسیروں میں **انفس** بمعنی ذات ہے اور تیسری تفسیر میں **نفس** بمعنی جان' فرشتوں کا یہ کہنا ان پر غضب و غصہ ظاہر کرنے کے لئے ہو گا ورنہ ان کی کفار کو اب یہاں سے نہ چلنے یا جان جان آفرین کے سپرد کرنے نہ کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو گا۔ **خیال رہے** کہ اخراج یعنی نکالنے اور رجوع یعنی لوٹنے میں بڑا فرق ہے انسان جہاں جانا نہ چاہے اسے جبرا" وہاں لے جانا اخراج اور جہاں سے آیا تھا وہاں بخوشی واپس جانے کو رجوع کہا جاتا ہے۔ ملزم کو گھر سے جیل میں لے جایا جانا اخراج ہے اور جیل سے چھوٹ کر گھر واپس آنا رجوع ہے دنیا کافر کا گھر ہے' مومن کا قید خانہ۔ **الدنیا سجن المومن و جنت الکافر** لہذا کافر کی موت اخراج ہے' مومن کی موت رجوع' مومن نور یعنی عالم ارواح سے رب کے پاس سے آیا ہے مر کر بخوشی وہاں ہی جاتا ہے۔ یعنی نور خانہ سے آیا' نور خانہ میں جاتا ہے' کافر آیا تھا نور خانہ سے مگر جاتا ہے نار خانہ یعنی دوزخ میں۔ مرتے وقت کفار سے کہا جائے گا۔ **اخرجوا انفسکم** اور مومنوں سے کہا جائے گا۔ **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ**۔ مومن مر کر رب کی طرف ایسے جاتا ہے جیسے یار یار سے ملاقات کرنے یا دولہا اپنی بارات لے کر محبوب کے ہاں جاتا ہے۔ ہنستا ہوا' مسکراتا ہوا' خوش ہوتا ہوا اور کافر ایسے جاتا ہے جیسے پھانسی کا ملزم پھانسی گھر میں یا ذبح کے وقت جانور مذبح میں جاتا ہے۔ جبرا" ڈرتا' گھبراتا' کافر کی روح اس کے جسم میں چھپتی پھرتی ہے جسے سختی سے پکڑ کر نکالا جاتا ہے۔ مومن کی روح یہ

نغمہ دل نواز سن کر خود لبیک کہتی ہوئی نکل آتی ہے۔ کیونکہ۔

جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی

الیوم تجزون عذاب الھون۔ یہ عبارت اخرجوا الخ کی علت ہے الیوم کے معنی ہیں۔ اب بعض نے فرمایا کہ الیوم سے مراد ہے آج موت کا دن عذاب' عقاب اور عتاب میں فرق اور عذاب کے اقسام بارہا بیان ہو چکے۔ **ھون** کے معنی ہیں **ھوان** یعنی ذلت' خواری' رسوائی۔ خیال رہے کہ بعض گنہگار مومنوں کو بھی عارضی عذاب ہو گا مگر وہ عذاب طہارت صفائی کے لئے ہو گا۔ کافر کو عذاب رسوائی کے لئے اس لئے مومن کو عذاب کے بعد معافی اور رہائی ملے گی کفار کو نہ ملے گی۔ جیسے بھٹی میں کوئلہ بھی جاتا ہے اور میلا سونا یا لوہا بھی' مگر کوئلہ جلنے کے لئے جاتا ہے' سونا صاف ہونے کے لئے نیز مومن کو عذاب خفیہ دیا جائے گا تاکہ اس کی رسوائی نہ ہو' کافر کو علانیہ (از تفسیر صاوی شریف) اس لئے یہاں **عذاب الھون** ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ معافی دے عذاب نہ دے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے! صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب

بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق۔ یہ عبارت **تجزون** کی علت ہے اس عبارت میں تمام کفار کے ہر قسم کا کفر مراد ہے۔ چند خالق و معبود ماننا یہ کہنا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی وحی نہ اتاری یا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے کہنا کہ میں نبی ہوں مجھ پر وحی آتی ہے غرضیکہ ہر کفر کا ذکر اس کلمہ میں فرما دیا۔ **تقولون** میں قول سے مراد یا تو زبانی قول ہے یا دلی قول یعنی عقیدہ یعنی عذاب تمہارے اعمال کا نہیں بلکہ تمہارے برے عقیدوں کا ہے' بد عملیوں کا' عذاب اس کے علاوہ ہے اور نیک اعمال برباد ہو چکے ہیں یا ان کا معاوضہ تم دنیا میں پا چکے ہو۔ **و کنتم عن ایاتہ تستکبرون** یہ ان کے عذاب کی دوسری وجہ کلیان ہے۔ یہ عبارت **کنتم تقولون** پر معطوف ہے۔ آیات الیہ سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیتیں ہیں گویا گذشتہ آسمانی کتابوں کی آیتیں یا حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کہ ان کا ہر قول و فعل' ہر حرکت و سکون اللہ کی آیت اس کی قدرت کی نشانی ہے یعنی تم لوگ ان مذکورہ آیتوں کو ماننے' ان میں غور کرنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے اپنے کو نبی سے بہتر جانتے تھے' ان کی غلامی سے عار کرتے تھے' اس تکبر کا نتیجہ ذلت و خواری ہے چکھو ذلت کا عذاب۔

خلاصہء تفسیر : ہر قسم کا کفر ظلم ہے مگر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے' مخلوق پر جھوٹ باندھنا' نبی پر جھوٹ باندھنا۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ سب ہی ظلم ہیں مگر یہ آخری ظلم بدترین ہے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غور تو فرماؤ کہ اس سے بڑا مشرک و کافر کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے کہ کہے اللہ نے نبی نہیں بھیجے ان پر کتب نہیں اتاریں' یا جو کہے کہ میں بھی نبی ہوں' مجھ پر بھی نبوت کی وحی آتی ہے حالانکہ وہ نبی نہ ہو' جھوٹا نبی بنتا ہو یوں ہی بڑا ظالم وہ ہے۔ جو کہے کہ میں بھی قرآن جیسی آیات بنا سکتا ہوں۔ یہ تینوں مجرم مخلوق الہٰی میں بڑے ہی ظالم ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ حرکتیں اس وقت تک ہیں جب تک یہ موت کے عذاب میں گرفتار نہیں ہوئے زندگی میں عیش کر رہے ہیں وہ نظارہ قابل دید ہے جبکہ جان نکالنے والے فرشتے انہیں گھیرے ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ موت کی کشمکش موت کی بے شمار سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنی جان ہمارے حوالے کرو اور اس کی روح جسم کے رگ و ریشہ میں چھپتی پھرتی ہے۔ فرشتے اس روح کو پکڑنے کے لئے ہاتھ پھیلائے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج تم کو ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا یہ سخت عذاب

تمہاری ان دو بد عقیدگیوں کی وجہ سے ہو گا ایک تو تمہارا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا' اس کی طرف غلط باتوں کی نسبت کرنا' دوسرے تم اللہ کی آیتوں یعنی حضرات انبیاء' ان کے معجزات' ان کی کتابوں کے ماننے سے تکبر کرتے تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے ہم کو دو قوتیں دی ہیں۔ ایک زور' دو سرا زاری۔ دونوں قوتیں کار آمد ہیں۔ کفار کے مقابل زور دکھاؤ وہاں زاری نہ کرو ورنہ شکست کھاجاؤ گے۔ نبی' ولی' شیخ' دینی استاد کے دروازوں پر زور نہ دکھاؤ۔ زاری کرو ورنہ بے ایمان ہو جاؤ گے۔ وہاں تدبیر' تقریر کی جگہ نہیں وہاں عجز و انکسار میں تاثیر ہے۔ حضرت علی محراب میں آتے تو زاری کرتے تھے۔ میدان جنگ میں جاتے تو زور دکھاتے تھے۔

هو البكاء في المحراب ليلا هو الضحاك في يوم الضراب

بچہ اپنی ماں سے زاری کرکے دودھ مانگتا ہے دیکھو نضر ابن حارث وغیرہم۔ کفار نے نبی کے دروازے پر زور تدبیر دکھایا تو آج تک ان پر پھٹکار پڑ رہی ہے۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابل زور علم دکھایا تو آج تک لعنت پڑ رہی ہے۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ **دو سرا فائدہ:** تمام گناہوں سے بڑا گناہ جھوٹ ہے کہ جھوٹ کبھی کفرو شرک بھی ہو جاتا ہے اور تمام جھوٹوں سے بڑا بھاری اور بد ترین جھوٹا وہ ہے جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ اسی لئے قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ظاہر فرمادیتا ہے۔ دیکھو غلام احمد قادیانی نے جو بھی دعویٰ کیا اس میں جھوٹا پڑا۔ محمدی بیگم کے نکاح کا دعویٰ کیا مگر وہ اس کے نکاح میں نہ آئی۔ مولوی ثناء اللہ امر تسری اس کی زندگی میں نہ مرے بلکہ وہ خود مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر ہلاک ہوا۔ یہ فائدہ **او قال اوحی الی** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کافر کو موت کی سختی بہت زیادہ ہوتی ہے کہ اسے نزع کی شدت کے ساتھ دنیا چھوٹنے عذاب کے فرشتے دیکھنے آئندہ عذاب کی خبر کی وحشت کا عذاب بھی ہوتا ہے۔ مومن انشاء اللہ ان تکالیف سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ فائدہ **فی غمرات الموت** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کافر کو عذاب مرتے وقت ہی شروع ہو جاتا ہے کہ اس کی موت بھی عذاب ہے' اسے قبر میں بھی عذاب اور حشر میں دائمی عذاب۔ مومن اس سے محفوظ ہے' اسے قبر میں عذاب بھی عارضی ہوتا ہے۔ جو زندوں کے صدقات و خیرات' اچھوں کی دعا کی برکت سے ختم ہو جاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخیں گاڑھیں اور فرمایا کہ اس سبزہ کی تسبیح کی برکت سے ان کا عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ کافر کی قبر پر اگر پورا درخت بھی لگا دو اور وہاں بیٹھ کر سارا قرآن بھی پڑھ دو مگر اس کا عذاب قبر نہ ختم ہو' نہ ہلکا کہ وہ عذاب دائمی مستقل ہے۔ یہ فائدہ **الیوم تجزون** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر کے مرتے وقت موت کے فرشتے اس سے سخت کلام کرتے ہیں اور اس کی پکڑ کے لئے غضب کا ہاتھ بھی بڑھاتے ہیں جس سے اس میت کی تکلیف اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ **والملائکۃ باسطوا ایدیھم** الخ سے حاصل ہوا۔ مومن میت سے فرشتے دوستانہ بلکہ محبوبانہ کلام بھی کرتے ہیں' اسے جنت اور رضاء الٰہی کی بشارتیں بھی دیتے ہیں جس سے اس کی تکلیف اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مومن کیسا ہی گنہگار ہو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و خوار نہ کرے گا اگر اسے عذاب بھی دیا گیا تو خفیہ دیا جائے گا ذلت و خواری کفار کے لئے ہے۔ یہ فائدہ **عذاب الھون** سے حاصل ہوا۔ مومن پر یہ کرم محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی لاج کے طور پر ہو گا۔ **ساتواں فائدہ:** تکبر بڑی بری بیماری ہے یہ صد ہا گناہوں کی جڑ ہے۔ یہ فائدہ **تستکبرون** سے حاصل ہوا۔ ابو جہل' ابو لہب بلکہ شیطان اسی تکبر کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ تکبر کا انجام ذلت و خواری ہے۔

پہلا اعتراض: عبداللہ ابن سرح نے اور نضر ابن حارث نے آیات اتارنے کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ آیات بنانے کا دعویٰ کیا تھا تو ان کے متعلق سأنزل مثل ما انزل اللہ فرمانا کیونکر درست ہوا؟ اور یہ آیت ان پر کیونکر چسپاں ہوئی؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں اتارنے سے مراد گھڑ لینا ہے وہ کہتے تھے کہ آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پر یہ آیات اتریں یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں اگر اس کا نام اترنا ہے تو میں بھی اتار سکتا ہوں ان کا یہ کلام بطور تمسخر تھا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ غمرات موت صرف کافر کو ہوتے ہیں مگر حدیث پاک میں ہے کہ سکرات موت مومن کو بھی ہوتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نزع کی بہت شدت ہوئی آپ اس حالت میں فرماتے تھے ان للموت سکرات۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب: غمرات اور سکرات میں فرق ہے۔ سکرات موت تو مومن کو بھی ہو جاتے ہیں مگر غمرات موت صرف کفار کو ہوتے ہیں سکرات موت جان نکلنے کی شدت کو کہا جاتا ہے بدن کی رگ رگ سے روح کا نکلنا آسان نہیں غمرات موت وہ تکلیف میں جو عذاب اور عذاب کے فرشتے۔ دنیا کا چھوٹنا وغیرہ ان کی وجہ سے ہوں لہٰذا احادیث و آیت میں تعارض نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کی شدت اس لئے محسوس ہوئی تاکہ تاقیامت آپ کی امت کے لئے آسانی ہو کہ ہر مردہ مرتے وقت تکلیف پا کر خیال کرے کہ یہ تکلیف بھی سنت رسول ہے اس خیال سے اس کے لئے یہ تکلیف راحت بن جائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غلاموں کو سکرات موت نہیں ہوتی نہایت آسانی سے جان نکلتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شہید کی جان کنی ایسی ہوتی ہے جیسے چیونٹی کا کاٹنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی تکالیف فقروفاقہ امت کے نمونہ بننے کے لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی حضور کے صدقہ سے بڑے آرام سے زندگی گزارتے ہیں۔

بوریا ممنون خواب راحتش — تاج کسریٰ زیر پائے امتش

ہم کمینے غلام ان کے نام پر عیش کر رہے ہیں مگر شہنشاہ کھجوروں کے ستو جو کی روٹی پر گزارہ کر رہے ہیں۔

وہ آقا جو کہ خود کھائے کھجوریں اور غلاموں کو — کھلائے نعمتیں دنیا کی کب ایسا کہیں دیکھا

تیسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ کافر سے موت کے فرشتے کہتے ہیں اخرجوا انفسکم اپنی جانیں نکالو۔ یہ کہنا بیکار ہے کافر اپنی جان نکالنے پر قادر نہیں۔ جان نکالنا تو فرشتوں کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے۔ قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ فرشتوں کا یہ کلام اظہار غضب کے لئے ہوگا۔ جیسے حاکم کا سپاہی مجرم چور کا گریبان پکڑ کر کہے نکال جو کچھ تو نے چرایا ہے حالانکہ اس سے مال برآمد کر لینا سپاہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ فرشتوں کے اس کلام کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو اس مصیبت سے نکال لو اگر نکال سکتے ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنی جانیں نکالو بہرحال یہاں غضب کا اظہار ہے اس آیت میں واقعہ کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا یہ کیونکر درست ہوا۔ عذاب تو قیامت میں ہوگا۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کافر کی موت بھی عذاب ہے اسے قبر میں بھی عذاب اسے حشر میں بھی عذاب یہاں پہلے عذاب کا ذکر ہے یعنی موت کا عذاب جیسے مجرم کو پولیس کا پکڑنا بھی عذاب ہے۔ حوالات میں رکھنا بھی عذاب اور فیصلہ کے بعد جیل میں [illegible] نہیں بلکہ اس سے مراد ہے مطلقاً

وقت یعنی تو دنیا میں عیش میں رہا اب عذاب دیا جائے گا۔ لہٰذا وقت موت' زمانہ قبر اور قیامت دوزخ کا زمانہ سب ہی الیوم میں داخل ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کافر کو یہ عذاب اس کے کفر و تکبر کی وجہ سے ہوں گے کہ فرمایا گیا **بما کنتم تقولون** الخ مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے عذاب' اس کی بد عملیوں کی وجہ سے ہوں گے۔ فرماتا ہے **انما تجزون ما کنتم تعملون** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آیات کا انکار کرنا اور غرور و تکبر کرنا بھی عمل ہی ہے لہٰذا اس پر عمل ہی کی سزا ہے۔ دوسرے یہ کہ کافروں کو کفر کی بھی سزا ملے گی اور ان کی بد عملیوں کی بھی یہاں کفر کی سزا کا ذکر ہے وہاں بد عملیوں کی سزا کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ کفار کو جھوٹ بولنے' شراب پینے' جوا کھیلنے' نماز نہ پڑھنے' روزہ نہ رکھنے' زکوٰۃ نہ دینے کی بھی سزا ہو گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوزخی کفار اپنی سزا کی وجہ یوں بیان کریں گے **لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسا کین** جیسے مومن کو ایمان کا ثواب بھی ملے گا اور نیک اعمال کا بھی۔ خیال رہے کہ اسلامی عبادات شرعاً" کافر پر فرض نہیں اس لئے کافر جب مسلمان ہو جائے تو وہ زمانہ کفر کی نمازیں' روزے قضا نہیں کرتا مگر سزاء" اس پر یہ چیزیں فرض ہیں کہ قیامت میں اسے کفر کے ساتھ ان بد عملیوں کی بھی سزا ملے گی۔

تفسیر صوفیانہ : مومن دنیا میں رہتا ہے مگر دنیا اس میں نہیں رہتی اس میں خالص دین رہتا ہے۔ جیسے کشتی دریا میں رہتی ہے مگر دریا کشتی میں نہیں رہتا بلکہ کشتی میں سواریاں' ان کا سامان مال متاع رہتا ہے۔ چونکہ کافر میں دنیا رہتی ہے لہٰذا اس کے دل و زبان پر جھوٹ' افتراء' شرک و طغیان سب ہی کچھ رہتا ہے۔ اسی کا یہاں ذکر ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جس کے دل و زبان میں اس قسم کے کفر و طغیان' جھوٹ و فریب ہوں' کافر جب مرتا ہے تو اس کے جسم میں سے روح نکلتی ہے اور دل میں سے دنیا نکالی جاتی ہے۔ اسے روح کے نکلنے کے ساتھ دنیا نکلنے کا بھی صدمہ ہوتا ہے اس کے لئے موت بڑی مصیبت بن جاتی ہے۔ مومن جب مرنے لگتا ہے تو روح تو اس کے جسم سے نکلتی ہے مگر اس کے دل میں سے دنیا نہیں نکلتی کہ دنیا وہاں تھی ہی نہیں بلکہ وہ دنیا سے اور یہاں کی آفتوں سے نکلتا ہے اس لئے اسے جان نکلنے کا صدمہ ہوتا ہے مگر اسکے ساتھ ہی دنیا کے جنجال سے چھوٹنے اور اپنے محبوبوں سے ملنے کی خوشی پر خوشی ہوتی ہے۔ اس لئے کافر سے موت کے فرشتے یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنی جان ہمارے حوالہ کرو اور اسے پکڑتے' دبوچتے بھی ہیں' مومن کی جان تو اتراتی ہوئی خوشی مناتی ہوئی خود ہی نکل کر فرشتوں کے پاس پہنچ جاتی ہے' جان کنی کے صدمہ کا انتظام یہ فرمایا جاتا ہے کہ مومن کے لئے مرتے وقت مدینہ منورہ تک حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور وہ جمال محمدی کا نظارہ کرتا ہے اس نظارہ میں اسے شدت جان کنی محسوس نہیں ہوتی اس وقت اس کے ہر رونگٹے سے کلمہ طیبہ درود شریف جاری ہوتا ہے۔ آس پاس کے مسلمان سامنے والے فرشتے اور خود یہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ دولہا کی طرح روانہ ہوتا ہے۔ ہم نے عرض کیا ہے۔ ؎

شدت جانکنی ہو جب نزع کی جب ہو کشمکش — ورد زبان ہو یا خدا صلی علیٰ محمد

اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنائے ایسی ہی موت نصیب کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کی زندگی اور اس کا عیش و آرام کھانا پینا وغیرہ بھی اللہ کا عذاب ہے اور اس کی بیماری موت قبر و حشر بھی اللہ کا عذاب مومن کے لئے یہ تمام چیزیں اللہ کی رحمت ہیں۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ کافر یہ سب کچھ اپنے نفس کے لئے کرتا ہے مومن یہ سب کچھ رب کے لئے کرتا ہے۔ جو چیز رب کے لئے ہو

وہ رحمت ہے۔ جو نفس کے لئے ہو وہ عذاب ہے دوسرے یہ کہ کافر کے یہ تمام کام انجام غفلت ہوتے ہیں کہ وہ ان نعمتوں میں مشغول ہو کر غافل ہو جاتا ہے مومن کی تمام نعمتوں کا انجام و میلت یعنی خدا رسی ہوتا ہے۔ مہمان کو اچھے کھانے کھلانا اس کی عزت افزائی اور محبت ہے۔ پھانسی کے ملزم کو بھی اچھے کھانے دیئے جاتے ہیں مگر وہ اس کے لئے سزا کی ابتدا ہے۔ مگر مرنے سے اس کی ذلت کے عذاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لئے فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ آج تجھے ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِ

اور البتہ تحقیق آئے تم ہمارے پاس اکیلے اسی طرح کہ پیدا کیا ہم نے تم کو اول بار اور چھوڑ دیا تم نے وہ جو عطا کیا ہم نے

اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال متاع

كُمْ ۖ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد

تم کو پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور نہیں دیکھتے ہم تمہاری شفاعت کرنے والوں کو وہ کہ گمان کیا تم نے کہ بیشک

ہم نے تمہیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کو تم اپنے میں ساجھی بتاتے

تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾

وہ تم میں شریک ہیں البتہ تحقیق ٹوٹ گئے تمہارے آپس کے رشتے اور غیب ہو گئے تم سے وہ کہ تم گمان کرتے تھے

تھے بیشک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی اور تم سے گئے جو دعویٰ کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی اس بے کسی' بے بسی کا ذکر ہوا جو انہیں موت کے وقت ہو گی۔ اب ان کی قیامت کے دن کی بے کسی' بے بسی کا ذکر ہے گویا قیامت صغریٰ کی آفات کے بعد قیامت کبریٰ کی مصیبتوں کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے دنیا سے جانے یعنی ان کی جان کنی کا ذکر ہوا۔ اب ان کے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کا ذکر ہے گویا ان کے دنیا سے نکلنے کا ذکر فرمانے کے بعد اس جہاں میں داخلہ کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کفار پر موت کے فرشتے بہت سختی کریں گے' ان کے ساتھ برتاو دشمنی کا کریں گے۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے دنیاوی دوست بھی ان کا ساتھ چھوڑ جائیں گے بلکہ ان کے دشمن ہو جائیں گے۔

شان نزول : کفار مکہ اپنے مال و دولت اور فقراء مسلمین کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر فخریہ کہا کرتے تھے کہ جیسے ہم دنیا میں ان مسلمانوں سے اچھے ہیں [illegible] اعلیٰ و افضل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے ان لوگوں سے ناراض ہے اسی لئے اس نے ہم کو امیر انہیں فقیر بنایا ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

(روح البیان) ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ نضر ابن حارث کہتا تھا میرے لات و عزیٰ اور دوسرے بت قیامت میں میری شفاعت کریں گے۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں کفار کی بے کسی' بے بسی کا نقشہ کھینچا گیا۔ (روح المعانی)۔

تفسیر : **و لقد جئتمونا فرادی**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے جو قیامت میں بطور عتاب کفار سے ہو گا اگرچہ یہ واقعہ آئندہ ہو گا مگر چونکہ اس کا ہونا یقینی ہے۔ اس لئے **جئتمونا** ماضی ارشاد ہوا' آنے سے مراد ہے۔ دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا جیسے پکڑا ہوا ملزم گھر بار چھوڑ کر کچہری حوالات وغیرہ میں حاضر ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ پہلے تم ہم سے دور یا غائب تھے اب آئے ہو حاضر ہوئے ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ ہر وقت ہر بندے کے ساتھ ہے **وھو معکم اینما کنتم** وہ آنا تو جانے کے مقابل ہوتا ہے یہ آنا بمعنی پانا ہے۔ خیال رہے کہ قیامت میں سب ہی بارگاہ الٰہی میں پہنچیں گے مگر اللہ کے مقبول بندے تو احترام عزت سے بلائے جائیں گے۔ ہم جیسے گنہگار بخوشی جائیں گے۔ کفار اور دشمنان دین پکڑ کر لائے جائیں گے بلانا' جانا' لانا ان میں بڑا فرق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری وہاں عجیب ہی نوعیت سے ہو گی۔ قیامت کا قریباً" سارا دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی' مدح گوئی میں صرف ہو گا۔ رب فرماتا ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔ فرادی** یا تو جمع ہے فردان کی جیسے سکران کی جمع سکاریٰ اور کسلان کی جمع کسالیٰ یا جمع ہے فرید کی جیسے اسیر کی جمع اساریٰ بعض نے فرمایا کہ یہ جمع ہے فرد کی خلاف قیاس۔ بہر حال یہ بنا ہے فرد سے بمعنی اکیلا ہونا سب سے الگ ہونا اسی لئے طاق عدد کو فرد کہا جاتا ہے کہ اس میں جوڑے نہیں ہوتے یہاں اکیلے سے مراد ہے اپنے دوست احباب' بال' بچوں' نوکروں' خادموں سے اکیلے کہ وہ سب تم کو تنہا چھوڑ گئے۔ اب وہ تمہارے دشمن اور تمہارے خلاف گواہ بن گئے یا مراد ہے اپنے نیک اعمال صدقہ خیرات وغیرہ سے اکیلے کہ وہ تمام برباد ہو گئے اور تم اکیلے رہ گئے یا مراد ہے ان کا کفرو شرک اور بد عملیاں یعنی تم کو ان اعمال نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ نقصان پہنچایا۔ یا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پنڈت پوپ پادری تمہارے بت ان سب نے تم کو اکیلا چھوڑ دیا۔ کوئی تمہارے کام نہ آیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ کلام موت کے فرشتوں یا عذاب کے فرشتوں کا ہے اور یہ جملہ معطوف ہے۔ **اخرجوا انفسکم** پر اس صورت میں آنے سے مراد ہے فرشتوں کے سامنے پیش ہو جانا اکیلا رہ جانا یعنی فرشتے موت دیتے وقت ان سے کہیں گے کہ بولو اب تمہارے سارے عزیز و اقارب تمہیں چھوڑ چکے۔ اب تمہارا واسطہ ہم سے ہی ہے مگر پہلی تفسیر قوی ہے کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ **کما خلقنا کم اول مرۃ** وہ کلام رب تعالیٰ کا ہی ہے کہ خالق وہی ہے (از روح المعانی) اس جملہ کی اور بھی تفسیریں ہیں **کما خلقنا کم اول مرۃ** ۔ یہ عبارت **فرادی** کا بدل ہے کاف بمعنی مثل ہے خلق سے مراد ان کفار کی ولادت ہے اس لئے **اول مرا** ارشاد ہوا یعنی جیسے تم اپنی ولادت و پیدائش کے وقت اکیلے گئے تھے کہ اس وقت تمہارا کوئی دوست یار نہ تھا ایسے ہی اب یہاں آئے یا جیسے تم دنیا میں گئے تھے ننگے بدن' ننگے سر' بے ختنہ' بڑے بڑے بال ایسے ہی تم ہمارے ہاں ننگے' بے ختنہ آئے ہماری بارگاہ میں پیش ہوئے۔ خیال رہے کہ قیامت کے دن سارے انسان اپنی قبروں سے کفن میں ملبوس اٹھیں گے' پھر ننگے بدن' ننگے پاؤں' بے ختنہ' میدان حشر یعنی شام کی زمین تک جائیں گے مگر اس دن ہیبت الٰہی کا یہ حال ہو گا کہ کوئی کسی کی طرف نہ دیکھ سکے گا سب کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوں گی۔ گویا ہیبت الٰہی لوگوں کا پردہ ہو گی مگر مومنوں کی یہ عریانی (ننگا پن) عارضی ہو گا۔ محشر میں پہنچنے پر ان کے جسموں پر

قدرتی طور پر لباس آجائیں گے۔ کفار دوزخ میں بعض تو ننگے ہوں گے، بعض کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ یونہی مسلمانوں کا بے یارومددگار ہونا محض عارضی ہوگا کہ اول وقت ماں بیٹی سے، باپ بیٹے سے، بھائی بھائی سے بھاگے گا۔ **یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ** الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر شفاعت کبریٰ کا دروازہ کھلتے ہی سارے مسلمان ایک دوسرے کے مددگار و یار بن جائیں گے ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے مگر کفار وہاں ہمیشہ ہی بے یارومددگار رہیں گے۔ لہٰذا یہ فرمان کفار کے لئے نہایت موزوں ہوگا۔ **و ترکتم ما خولنا کم وراء ظھورکم** یہ جملہ معطوف ہے **جئتمونا** پر یہ یا تو اس میں **فرادی** کا بیان ہے یا کفار کا۔ دوسرا احال ہے یہاں چھوڑنے سے مراد ہے دنیاوی مال و متاع اولاد و اقارب کا اس وقت ان کے ساتھ نہ ہونا، ان کے کام نہ آنا، اگرچہ ان کی اولاد، ان کا مال گنجے سانپ کی شکل میں محشر میں موجود تو ہوں گے مگر ان کے دشمن ہو کر لہٰذا **ترکتم** فرمانا نہایت ہی موزوں ہے مسلمانوں کے بچے مال وغیرہ وہاں ان کے کام آئیں گے لہٰذا وہ چھوٹیں گے نہیں۔ دشمنوں میں گھرا ہوا آدمی کہتا ہے کہ میں اکیلا ہوں یعنی میرا حمایتی کوئی نہیں ایسے ہی وہاں ہوگا۔ کفار کی اولاد وغیرہ شکایت کرنے کے لئے جائے گی اور مومنوں کی اولاد وغیرہ شفاعت کرنے کے لئے شکایت و شفاعت کا فرق ہوگا۔ **ما** سے مراد ہے دنیاوی سامان، اولاد، غلام، نوکر چاکر وغیرہ۔ **خولنا** بنا ہے **تخویل** سے۔ جس کا مادہ ہے **خول** بمعنی بغیر معاوضہ عطیہ اسی لئے نوکر چاکر خدام و غلام کو **خول** کہتے ہیں جس کا واحد ہے **خائل** پیٹھ پیچھے چھوڑنے کا مطلب ہوتا ہے چھوڑ کر بہت دور ہو جانا کیونکہ سفر میں پیٹھ پیچھے چھوڑی ہوئی چیز بہت دور ہو جاتی ہے۔ وہی محاورہ یہاں استعمال ہوا یعنی دنیا کی تمام نعمتیں جو ہم نے تم کو بلامعاوضہ عطا کی تھیں تم اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے کہ آج ان میں سے کوئی چیز تمہارے لئے مفید نہیں ہوئی۔ کافر کا جمع کیا ہوا اور خرچ کیا ہوا مال ایسا ہوتا ہے جیسے چوراہے میں رکھی ہوئی چیز یعنی بالکل برباد اور مومن کا کمایا ہوا، خرچ کیا ہوا چھوڑا ہوا مال ایسا ہوتا ہے جیسے بنک میں جمع کیا ہوا مال کہ وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ کیونکہ کافر یہ سب کچھ نفس کے لئے کرتا ہے۔ مومن اللہ کے لئے لہٰذا کافر سب چھوڑ کر جاتا ہے، مومن سب کچھ لے کر جاتا ہے۔ **وما نری معکم شفعاء کم** یہ جملہ معطوف ہے **و ترکتم** الخ پر اس میں ان کی ایک اور بے کسی کا ذکر ہے **معکم** میں ہمراہی سے مراد مدد و تعاون کی ہمراہی ہے کیونکہ کفار و مشرکین کے بت انہیں سزا دینے کے لئے ان پر مسلط تو ہوں گے جیسا کہ ہم **وقودھا الناس والحجارہ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **شفعاء** جمع ہے **شفیع** کی جس کا مادہ **شفع** ہے بمعنی جوڑا سفارشی، حمایتی کو شفیع کہا جاتا ہے اور سفارش کو شفاعت کیونکہ سفارشی اسے اکیلا نہیں چھوڑتا اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ یہاں **شفعاء** سے مراد کفار کے خیال وہمی، فرضی، سفارشی ہیں جنہیں وہ دنیا میں اپنا شفیع سمجھتے تھے۔ یعنی ان کے بت، پوپ، پادری، پنڈت وغیرہ **الذین زعمتم انھم فیکم شرکاء** یہ عبارت **شفعاء کم** کی صفت ہے **زعم** سے مراد ہے ان کفار کی دنیا میں عقیدت قرآن مجید میں **زعم** اچھے عقیدے کو بھی فرمایا گیا ہے اور برے عقیدے غلط خیال کو بھی یہاں غلط عقیدے کے معنی میں ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

نقول ھلکنا ان ھلکت و انما   علی اللہ ارزاق العبادکم زعم!

اس شعر میں **زعم** بمعنی صحیح خیال ہے۔ **فیکم** سے مراد ہے **فی عبادتکم یا فی ربوبیتکم**۔ **شرکاء** جمع ہے **شریک** کی جیسے **رحماء** جمع **رحیم** کی یعنی آج تمہارے ساتھ، تمہارے وہ سفارشی نظر نہیں آتے جن کے متعلق دنیا میں تمہارا عقیدہ یہ تھا کہ وہ تمہاری عبادات، تمہاری ربوبیت [illegible] اللہ کے [illegible] شفاعت میں چار شرطیں ہیں ان کے ماتحت

شفاعت برحق ہے ان کے علاوہ شفاعت ماننا کفر و بے دینی ہے۔ (1) شفیع حاکم کا نہ ماتحت ہو نہ اس کے برابر ہو نہ اس سے بڑا۔ (2) شفیع حاکم کا اجنبی یا دشمن نہ ہو بلکہ حاکم کے ہاں اس کی عزت ہو یا محبت۔ (3) وہ جرم جس کی معافی کی شفاعت ہو وہ قابل بخشش ہو۔ (4) شفاعت قانون کے ماتحت نہ ہو کہ وہ تو وکالت ہے بلکہ قانون کے علاوہ عفو و کرم کی درخواست کے طور پر ہو وکالت اور شفاعت کو رب کی برابر جان کر ان کی دھونس کی شفاعت کے قائل تھے یہ کفر تھا نیز وہ اللہ کے دشمنوں کی شفاعت کے قائل تھے۔ نیز وہ لوگ اپنے شرک و کفر کی معافی کے لئے شفاعت کے قائل تھے۔ ان وجوہ سے ان کے عقیدۂ شفاعت کی تردید کی جاتی ہے اور اسلامی شفاعت کی تصدیق۔ خیال رہے کہ مجرم کو حاکم کی سزا سے بطور عدل بچانا وکالت ہے اور اسے بطور فضل بچانا شفاعت ہے۔ شفاعت یہ ہے کہ خدایا واقعی یہ مجرم قانونی طور پر سزا کا مستحق ہے مگر تو غفور رحیم ہے اس پر رحم کر' معافی دیدے **لقد تقطع بینکم** یہ عبارت **و ما نری** کی دلیل ہے اور وجہ ہے ہماری قراءت میں **بین** کا فتحہ ہے یا اس لئے کہ تقطع کا فاعل الوصل یا الامر ہے۔ **بین** اس کا ظرف ہے یا اس لئے کہ خود **بین** ہی تقطع کا فاعل ہے۔ چونکہ **بین** پر فتحہ لازم ہے اس لئے مفتوح ہوا۔ بعض قراءتوں میں **بینکم** پیش سے ہے اس میں **بین** یقیناً فاعل ہی ہے یعنی تمہارے ساتھ' تمہارے ہمراہ اس لئے نظر نہیں آتے کہ تمہارے ان کے درمیان جو رشتے تھے وہ آج ٹوٹ گئے کیونکہ نفسانی رشتے نفس کے فنا ہوتے ہی فنا ہو جاتے ہیں۔ روحانی ایمانی رشتے باقی ہیں۔ انہیں فنا نہیں **و ضل عنکم ما کنتم تزعمون** یہ عبارت معطوف ہے۔ **لقد تقطع** پر یہاں **ضلال** سے مراد چلا جانا' غائب ہو جانا' باطل ہو جانا ہے **ما** سے مراد کفار کے بت ہیں یا ان کے برے عقیدے غلط خیالات یہاں بھی زعم بمعنی غلط خیال ہے یعنی آج تمہارے جھوٹے سفارشی تم سے غائب ہو گئے جن کی تم کو آس تھی یا آج تمہارے جھوٹے عقیدے باطل ہو گئے جنہیں تم نے دنیا میں اختیار کیا ہوا تھا۔ آج صحیح و غلط کا تم کو پتہ لگ گیا یا تمہارے دنیاوی نیک اعمال برباد ہو گئے غرضیکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ (1) تمہارے پوپ پادری' پنڈت تم سے غائب ہو گئے کہ تمہارے کام نہ آئے کیونکہ وہ خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ (2) جن نبیوں' ولیوں کی شفاعت کی تم نے آس لگائی تھی جیسے یہود نے حضرت موسیٰ و عزیر کی شفاعت کی یا عیسائیوں نے جناب مریم و حضرت عیسیٰ کی شفاعت کی ان کی شفاعت تم سے غائب ہو گئی کہ تم ان کی شفاعت کے لائق نہیں۔ علاج کے لئے ضروری ہے کہ طبیب لائق ہو اور مریض قابل علاج ہو۔ (3) تمہارے نیک اعمال صدقے وغیرہ برباد ہو گئے یا اس لئے کہ تمہارے دل کا رخ نبی کی طرف نہ تھا جیسے نماز کے جواز کے لئے منہ کعبہ کو چاہئے ورنہ سب بیکار ایسے ہی قبول اعمال کے لئے دل کا رخ کعبہ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ ارواح ہیں یا اس لئے کہ تمام اعمال گویا مضمون ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پتہ ہیں پتہ کے بغیر مضمون مکتوب الیہ تک نہیں پہنچتا بے دیکھے خدا کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف جھکو اور بغیر سنے رب کی اطاعت کرنا ہو تو جناب مصطفیٰ کی اطاعت کرو **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** لاپتہ والے کو خط بھیجنا ہو تو کسی پتہ والے کی معرفت سے بھیجو خدا لاپتہ ہے مکان سے پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت درکار۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ میں کفار کی چھ قسم کی بے کسی بے بسی بیان فرمائی گئیں جو انہیں قیامت میں ہوں گی۔ ان کا بارگاہ الٰہی میں اکیلا حاضر ہونا' دنیا میں جیسے گئے تھے ویسے ہی پیش ہونا' اپنے مال و متاع دنیا میں چھوڑ جانا' خالی ہاتھ پیش ہونا' ان کے ساتھ کسی شفاعت کرنے والے کا نہ ہونا یعنی ان کا بے یار و مددگار ہو کر پیش ہونا' ان کے دنیاوی رشتے ناطے ٹوٹ جانا' ان کے

اعمال کا برباد ہو جانا چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو کفار کی موت کا حال اس وقت کی ان کی بے کسی فرشتوں کی ان پر سرزنش تم سن چکے اب ان کی محشر کی بے کسی بارگاہ الٰہی میں پیشی کا حال بھی سن لو اللہ تعالیٰ ان سے بطور عتاب و قہر فرمائے گا کہ تم جیسے دنیا میں گئے تھے ویسے ہی ہمارے پاس آئے کہ نہ تمہارے ساتھ تمہارا کوئی ساتھی ہے' نہ دوست و احباب نہ قرابت دار' نہ بیوی بچے' نہ کوئی اور بالکل تنہا آئے ہو نیز ہم نے جو کچھ مال و دولت عزت و آبرو تم کو بخشی تھی وہ بھی تم وہاں دنیا میں ہی چھوڑ آئے اور وہاں تم جن بتوں' پنڈتوں' پادریوں' پوپوں کو اپنا قیامت کا شفیع و سفارشی سمجھتے تھے اور تم نے ان کے متعلق یہ خیال کر رکھا تھا کہ وہ تمہاری عبادات وغیرہ میں حصہ دار ہیں وہ آج تمہارے ساتھ تمہاری امداد کے لئے نظر نہیں آتے بتاؤ وہ کہاں گئے۔ بات یہ ہے کہ آج تمہارے سارے آپس کے رشتے ٹوٹ گئے' اب آج نہ تمہارا کوئی بیٹا ہے نہ بھائی' نہ دوست' نہ یار' نہ مددگار اور جن شیاطین نے تم سے وعدے کئے تھے کہ ہم تم کو بخشوائیں گے اور تم بھی ان کی شفاعت پر پھول گئے تھے وہ تمہارے سارے مہنت و سردار تم سے غائب ہو گئے' تم کو اکیلا چھوڑ گئے اس فرمان عالی سے کفار کی ہمت اور ٹوٹ جائے گی کہ آس کے بعد یاس بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں شر کاء کم فرما کر یہ بتایا کہ وہ شفاعت والے لوگ تمہارے بنائے ہوئے تھے' ہمارے مقرر کئے ہوئے نہ تھے' ہمارے مقرر کئے ہوئے شفیع حضرات انبیاء' اولیاء' مومنوں کے چھوٹے بچے' قرآن رمضان وغیرہ ہیں نہ کہ تمہارے فرضی خیالی جھوٹے معبود اور رب اور انهم فیکم شر کلء فرما کر یہ بتایا گیا کہ تم نے ان شفیعوں کو صرف شفیع نہ مانا بلکہ ہمارا شریک مانا کہ تم نے کسی دن ہماری عبادات کی کسی دن ان کی کوئی عبادت ہماری کی کوئی ان فرضی سفارشیوں کی تم نے کہا کہ ہم مخلوق تو اللہ کی ہیں مگر مرزوق فلاں کے خدا ہم کو پیدا کر کے ہم سے بے تعلق ہو گیا۔ اب زندگی' موت' بیماری' تندرستی فلاں فلاں بت کے قبضہ میں ہیں۔ ہم مشرک بندے ہیں یہ عقیدے کفریہ تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اس آیت کریمہ میں جو بے کسی و بے بسی ارشاد ہوئی وہ صرف کفار کو ہو گی' مسلمان۔ فضلہ تعالیٰ وہاں نہ بے کس ہو گا' نہ بے بس' نہ اکیلا۔ یہ فائدہ لقد جئتمونا الخ سے حاصل ہوا کہ یہ خطاب کفار کو ہے۔ مومنوں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا اور دوسری جگہ فرماتا ہے والحقنا بہم ذریتہم۔ یعنی ہم مسلمانوں کی اولاد کو ان کے ساتھ رکھیں گے اور فرماتا ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمن و فدا اس دن ہم پرہیزگاروں کو وفد بنا کر محشر میں لائیں گے۔ غرضیکہ مومن وہاں اکیلا نہ ہو گا۔ دوسرا فائدہ: کافر کی نیکیاں برباد اور ان کے گناہ لازم ہوں گے۔ مومن کا یہ حال نہیں' مومن کی نیکیاں انشاء اللہ قبول اور گناہ کے متعلق امید ہے کہ معاف ہو جائیں اگر ان پر سزا ملی تو عارضی ہو گی مومن کے صدقات و خیرات' نماز و روزہ وغیرہ سارا سامان مومن کے ساتھ ہی ہو گا۔ یہ فائدہ و ترکتم ما خولنا کم الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: مومن کے شفاعتی' سفارشی قیامت میں مومن کے ساتھ ہوں گے حتیٰ کہ قرآن مجید۔ ان کے چھوٹے بچے' ماہ رمضان' خانہ کعبہ وغیرہ تمام کی شفاعتیں مومن کو پہنچیں گی یہ فائدہ وما نری معکم شفعاء کم الخ سے حاصل ہوا کہ شفیع کا ساتھ نہ ہونا کفار کے لئے اللہ کا عذاب ہو گا کفار کے بت وغیرہ ان کے دشمن بن جائیں گے۔ مسلمانوں کے نبی ولی ان کے مددگار ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین اس دن ... دشمن بن جائیں گے سوا پرہیزگاروں کے کہ ان کی دوستیاں قائم رہیں گی۔ چوتھا فائدہ: کوئی مسلمان اپنی عبادات اپنے عقائد میں کسی کو خدا کا شریک نہیں مانتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات' اپنی صفات میں وحدہ لا شریک ہے جو جسے ملا اس کے کرم سے ملا خواہ بلا واسطہ خواہ بالواسطہ کفار کا عقیدہ تھا کہ ہمارا خالق تو رب ہے مگر رب کے مددگار یہ بت ہیں کہ اگر ان بتوں کی مدد شامل نہ ہو تو خدا تعالیٰ دنیا کا انتظام قائم نہیں رکھ سکتا' اس لئے وہ بعض عبادتیں اللہ کے لئے کرتے تھے اور بعض عبادتیں اپنے ان معبودوں کے لئے کسی مومن کا یہ عقیدہ نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ یہ فائدہ زعمتم انہم فیکم شرکاء سے حاصل ہوا پانچواں فائدہ: مومنوں کی ڈوریں ان کے رشتہ انشاء اللہ قیامت بلکہ جنت میں قائم رہیں گے' ان کی رشتہ داریاں' محبتیں کام آئیں گی۔ یہ فائدہ لقد تقطع بینکم سے حاصل ہوا کہ رشتہ داریوں کا ٹوٹ جانا کفار کے لئے بطور عذاب ہو گا۔

پہلا اعتراض : تم نے کہا کہ قیامت میں مومن اکیلا اور بے یار و مددگار نہ ہو گا۔ یہ دونوں چیزیں کفار کے لئے عذاب ہوں گی مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ الخ اس دن انسان اپنے بھائی' ماں' باپ وغیرہ سب سے بھاگے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

بھائی کو بھائی چھوڑ دے' بیٹی کو مائی چھوڑ دے   شوہر لگائی چھوڑ دے ایسی پڑے کھل بل بہم

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مومن و کافر سب ہی بے کس و بے بس ہوں گے۔ پھر تم نے کفار کی قید کہاں سے لگائی۔

جواب: قیامت کے حالات مختلف ہیں اول وقت نہایت افراتفری کا ہے اس وقت واقعی سب کا یہی حال ہو گا۔ مومن ہو یا کافر ہاں خاص مقبول بندے اس وقت بھی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے' رب فرماتا ہے لا یحزنہم الفزع الاکبر و تتلقاہم الملائکۃ۔ مگر اس وقت یہ سوال و جواب نہ ہوں گے پھر شفاعت کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر کھل جانے پر سوال و جواب حساب و کتاب شروع ہوں گے جیسے دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے یہاں کا نقشہ بدل گیا انقلاب آ گیا عذاب الٰہی آنا بند ہو گئے ایسے ہی قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقبول سجدہ یعنی سجدہ شفاعت قیامت کا نقشہ بدل دے گا کہ اس سجدہ سے پہلے عدل کا ظہور ہو گا کہ حضرات انبیاء بھی رب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضری سے معذرت کریں گے مگر یہ سجدہ ہوتے ہی فضل کا ظہور ہو جائے گا کہ چھوٹے بچے اور ماہ رمضان وغیرہ بھی شفاعت کے لئے حاضر بارگاہ ہونے کی ہمت کریں گے۔ ایک سجدہ قیامت میں انقلاب بپا کر دے گا۔ اس وقت مومن کے شفیع و مددگار اس کے ساتھ ہوں گے۔ کافر اب بھی اکیلا ہو گا۔ یہاں ذکر اس سوال و جواب کے وقت کا ہے۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ ان مختلف آیات میں مختلف اوقات کا ذکر ہے وہاں عشاق کا حال یہ ہو گا۔

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن خوف سے ہر کلیجہ دہل جائے گا
لوڑھ کر کلا کمبل وہ آ جائیں گے حشر کا سارا نقشہ بدل جائے گا!

اے فتنہائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز   ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آ گئی ہے

اور انشاء اللہ ہم گنہگاروں کا حال یہ ہو گا۔

بے یار و مددگار جسے کوئی نہ پوچھے   ایسوں کا تمہیں یار و مددگار بنایا
کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر   کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

غرضیکہ کفار کو محشر میں آخر وقت بھی بے بسی ہوگی یہاں اس کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **لقد جئتمونا** تم ہمارے پاس آئے' اس کے پاس آیا جاتا ہے جس سے دور یا غائب رہے۔ رب تعالیٰ سے نہ کوئی دور ہے نہ غائب **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** نہ کوئی غائب **وھو معکم اینما کنتم** پھر **جئتمونا** فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہاں وہ آنا مراد نہیں جو جانے یا غائب ہونے کا مقابل ہوتا ہے بلکہ یہاں آنے سے مراد ہے حاضر ہونا' پانا دنیا میں ہر شخص رب کے حضور ہے مگر رب کو پاتا نہیں' اس سے کلام نہیں کر سکتا' وہاں حاضری بارگاہ ایسی ہوگی کہ سوال و جواب بھی ہوں گے اور اس بارگاہ عالی کو پایا بھی جائے گا۔ ریل کی لائن پر کبھی جنگل میں بیٹھ جاؤ تو آنا تو ہو گا کہ ریل وہاں آئے گی مگر پانا نہ ہو گا۔ ریل ملے گی نہیں لیکن اسٹیشن پر آجاؤ تو آنا بھی ہو گا پانا بھی یہاں وہ آنا یعنی حاضر ہونا مراد ہے۔ دنیا میں رب تو ہمارے پاس ہے مگر ہم اس سے دور ہیں اللہ یہ دوری دور کرے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں کفار سے کلام فرمائے گا مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم** اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت میں محبت کے کلام اور رحمت کی نظر کی نفی ہے۔ اور یہاں غضب کے کلام اور قہر کی نظر کا ثبوت ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کا کلام نہ کرے گا' غضب کا کلام کرے گا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں پیر' فقیر' نبی' ولی کوئی بھی کام نہ آئیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہو گا فرماتا ہے **وما نری معکم شفعاء کم** لہٰذا پیروں' نبیوں' ولیوں کی شفاعت کی آس لگانا بالکل غلط ہے۔ ہر شخص وہاں بارگاہ الٰہی میں اکیلا پیش ہو گا' اپنی کرنی اپنی بھرنی۔ (نوٹ) یہ آیت کریمہ وہ ہے جسے منکرین شفاعت وہابی بڑے اہتمام سے پیش کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ آیت کریمہ کفار اور کفار کے کہ متعلق ہے۔ جیسا کہ اوپر کی آیات سے معلوم ہو رہا ہے۔ ان کی یہ بے کسی بے بسی تنہائی عذاب الٰہی ہو گا۔ ابھی آپ پڑھ چکے کہ فرمایا گیا **الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق** لہٰذا مسلمان نہ اکیلا ہو گا نہ بے یار و مددگار۔ مسلمان کے متعلق یہ آیات ہیں۔ **اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین و حسن اولئک رفیقا**۔ یہ مومن لوگ اللہ کے انعام والے بندوں کے ساتھ ہوں گے۔ صدیقوں' شہیدوں کے ساتھ یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔ پتہ لگا کہ قیامت میں مسلمان ان مقبولوں کے ساتھ ہوں گے اور فرماتا ہے۔ **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا** ہم قیامت میں پرہیزگاروں کو رب کی بارگاہ میں وفد بنا کر جمع کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اکیلا آدمی وفد نہیں ہوتا اس کے متعلق اور آیات ابھی تفسیر میں پیش کی گئیں۔ مومنوں کے صدقات خیرات وغیرہ ان کے ساتھ ہوں گے۔ مسلمان اپنا مال اپنے ساتھ لے لیتا ہے دنیا میں چھوڑ کر نہیں جاتا۔ مال چھوڑ جانا بھی اللہ کا عذاب ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار اکیلے بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے' ان کے اعمال بھی ان کے ساتھ ہوں گے مگر دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنے بتوں' شیاطین' وغیرہم کے ساتھ ہوں گے ان کے مال گنجے سانپ کی شکل میں ان پر سوار ہوں گے۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** ان لوگوں کا کفار کے ہمراہ ہونا محبت یا مدد کے لئے نہ ہو گا۔ بلکہ دشمنی عداوت اور لعن طعن اور عذاب دینے کے لئے ہو گا اس لحاظ سے یہ لوگ ان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اکیلے ہوں گے ان کے مال' ان کے لئے وبال ہو چکے ہوں گے۔ مسلمان اپنے مال پر سوار ہوں گے اور کفار پر ان کے مال سوار ہوں گے لہٰذا یہ آیت کریمہ ان آیات کے

خلاف نہیں جو شخص دشمنوں میں گھرا ہو وہ اکیلا ہی ہوتا ہے اگرچہ چو طرفہ اس کے آدمی ہی ہوں مومن اپنے دوست احباب کے ساتھ ان کے تعاون کے ساتھ ہو گا لہٰذا اکیلا نہ ہو گا۔ **چھٹا اعتراض:** تم نے کہا کہ اللہ کے مقبول بندوں کو قیامت کے اول وقت بھی گھبراہٹ نہ ہو گی۔ **لا یحزنھم الفزع الاکبر** تو حضرات انبیاء شفاعت کی ہمت کیوں نہ کریں گے اور کیوں کہیں گے کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ **جواب:** ان حضرات کا اس وقت شفاعت نہ فرمانا قیامت کی گھبراہٹ کی وجہ سے نہیں رب تعالیٰ کی ہیبت کی وجہ سے ہو گا کہ وہ وقت عدل الٰہی کے ظہور کا ہو گا اور ان کا یہ فرمانا کہ **لست ھنا کم** اس میں اپنے منصب کا ذکر ہو گا کہ شفاعت کبریٰ کرنا ہمارا منصب نہیں یہ سہرا تو کسی اور ہی کے ماتھے ہے۔

تفسیر صوفیانہ : کافر کے چار دشمن ہیں۔ مال' اہل' اولاد' دوست۔ یہ سب چیزیں اسے مرتے ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ اور مومن کے چار دوست ہیں۔ کلمہء شہادت' نماز' روزہ' ذکر اللہ۔ یہ چیزیں مومن کے ساتھ قبر و حشر میں رہتی ہیں' شفاعت کریں گی لہٰذا کافر وہاں فرید' وحید ہو گا۔ مومن وہاں دوستوں کے ساتھ ہو گا۔ بعض مسلمانوں کو قبر میں قرآن مجید پڑھتے سنا گیا۔ لہٰذا انسان اس کی کوشش کرے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔؎

غم و شادمانی نماند و لیک جزاء عمل ماند و نام نیک
مکن تکیہ بر ملک وجاہ و حشم کہ پیش از تو بودہ است بعد از تو ہم

صوفیائے فرماتے ہیں کہ رب کی بارگاہ میں حاضری اولاً "تجرید سے ہوتی ہے پھر تفرید سے پھر توحید سے تجرید کے معنی ہیں دنیا اور دنیا کے متعلقات سے علیحدہ ہو جانا۔ تفرید کے معنی ہیں دنیا اور آخرت دونوں سے بے تعلق ہو کر محض خالق کا ہو جانا توحید کے معنی ہیں بندہ کا خود اپنے سے علیحدہ ہو کر فنافی الذات ہو جانا اس مقام پر پہنچ کر بندہ ہوتا ہے مگر نہیں ہوتا۔ دیوار کا سایہ ہے مگر خود کچھ نہیں' دیوار سے قائم ہے لیکن اگر سورج دیوار کے اوپر آجائے اور اس کے ہر طرف نور ڈال دے تو پھر سایہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر بندہ جوش میں یوں پکارتا ہے۔؎

تجھ میں تو ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے
کفر و اسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

کفار نے دنیا کو آڑ بنا کر استعمال کیا تو فرید نہ ہوئے **فرادی** ہوئے۔ مومن نے اسے یار سے ملنے کا ذریعہ بنایا تو فرید۔ (در یتیم) وحید مجرد ہوا۔ اس مقام پر پہنچ کر مومن کی زبان پر رب بولتا ہے۔ (از روح البیان)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں رب کے پاس آجاؤ یہ آنا کام آئے گا۔ **ففروا الی اللہ** یہاں رب کے پاس آنے کی چند صورتیں ہیں۔ (1) اللہ کے بندوں کے پاس آنا جہاں رب تعالیٰ رہتا ہے۔ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** مولانا فرماتے ہیں۔؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا اور نشیند در حضور اولیاء

(2) اس جگہ آنا جہاں اللہ تعالیٰ (یعنی اس کا کرم) آتا رہتا ہے۔ جیسے کعبہ معظمہ مسجد میں' ذکر کے حلقے' وہاں آنا جہاں یار سے خلوت ہو اس کی یاد کی آزادی ہو۔ **و قال انی ذاھب الی ربی سیھدین** ۔ جس کو دنیا میں بارگاہ الٰہی میں آنا نصیب ہو جائے اسے قیامت میں آنا آسان ہو گا۔ رب کے پاس آنا دو قسم کا ہے رحم و کرم میں آنا۔ غضب و قہر میں آنا مومن کفار رب کے پاس اس کے غضب و قہر میں آئیں گے۔ مومن اس کے رحم و کرم میں آئیں گے۔ **لقد جئتمونا فرادی**۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

یقیناً اللہ چیرنے والا ہے دانہ اور گٹھلی کو نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور نکالنے والا ہے بے جان

بیشک اللہ دانہ اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردے سے نکالے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا

کو زندہ سے یہ اللہ ہے بس کہاں پھرے جاتے ہو چیرنے والا ہے صبح کا اور بنایا رات کو سکون

یہ ہے اللہ تم کہاں اوندھے جاتے ہو تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا اور اس نے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾

وقرار اور سورج کو اور چاند کو حساب یہ ہے اندازہ غالب جاننے والے کا

رات کو چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب یہ اندازہ وہ ہے زبردست جاننے والے کا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے جھوٹے معبودوں کی بے بسی، بے کسی، بے وفائی کا ذکر تھا۔ اب اس سچے معبود حقیقی کی قدرتوں کا ذکر ہے۔ جس کی عبادت باعث نجات ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں توحید و رسالت کا مکمل ذکر ہوا اب اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی ذات و صفات کی پہچان کرائی جارہی ہے کہ یہی اصل مقصود ہے (تفسیر کبیر)۔ تیسرا تعلق: اللہ کی ذات اس کی صفات سے پہچانی جاتی ہے اور اس کی صفات اس کے افعال سے پچھلی آیتوں میں ذات و صفات کا ذکر ہوا اب اس رب کریم کے افعال اور بے مثال کاموں کا تذکرہ ہے گویا پہلے کہا گیا تھا کہ رب کو مانو۔ اب ارشاد ہے کہ اس کے ان کاموں سے مانو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر تھا اب اس کی دلیلیں بیان ہو رہی ہیں کہ جو ایسے بے مثال کام کرنے پر قادر ہو وہ یقیناً بے پرواہ بے نیاز ہے۔ جو رب کو حاجت مند مان کر اس کا کوئی ولی اور حاجت روا مانے وہ مشرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے و لم یکن لہ ولی من الذل پانچواں تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی بے بسی، بتوں کی بے وفائی کے ضمن میں اشارۃً نبوت کا ذکر ہوا تھا کہ کفار کے اعمال کی مردودیت محض کی بے بسی کی وجہ یہ ہوگی کہ نبوت کا دامن انہوں نے نہیں پکڑا اب اس کے متعلق نفیس قانون بیان ہو رہا ہے کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جس کو جو دیں کسی ذریعہ، کسی وسیلہ سے دیں کام ہم کرتے ہیں مگر اس کا ظہور کسی بندے کے ذریعہ ہوتا ہے دانہ سے کھیت، گٹھلی سے باغ ہم لگاتے ہیں مگر کسان اور باغبان کے ذریعہ اور لوگ ہماری اس عطا میں ان وسیلوں کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح ایمان، عرفان، تقویٰ، اعمال سب نبی بلکہ ولی کے وسیلہ سے ہیں گویا دنیاوی کھیت و باغ کسان و باغبان کے ذریعہ لگتے ہیں مومن کے قلب میں باغ ایمان کھیت عرفان نبی، ولی کی معرفت لگتے ہیں۔

تفسیر: ان اللہ فالق الحب والنوی یہ نیا جملہ ہے چونکہ اس مضمون سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اور بعض لوگ اس کے منکر ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ [illegible] کو دخل نہیں۔ اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ فالق بنا ہے فلق سے فلق کے دو معنی ہیں۔ پیدا کرنا، چیرنا پھاڑنا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ

فالق بمعنی خالق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دانے بھی پیدا فرمائے جس سے کھیت میں تمہاری غذائیں پیدا ہوتی ہیں جیسے گندم‘ جو‘ مٹر‘ دالیں وغیرہ اور گٹھلیاں بھی پیدا فرمائیں جن سے باغوں میں تمہارے لئے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے آم‘ کھجور‘ وغیرہ چونکہ دانے غلہ کی اور گٹھلیاں پھلوں کی اصل ہیں اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا ورنہ رب تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ فرماتا ہے **خالق کل شیء** - چونکہ دانہ گٹھلی سے افضل ہے کہ دانہ کھیت میں اور گٹھلی باغ میں بوئے جاتے ہیں نیز دانہ سے گندم وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے انسان بلکہ حیوان کی بقاء ہے اور گٹھلی کے باغ کی ایسی نگرانی نہیں ہوتی ان وجوہ سے دانہ گٹھلی سے افضل لہٰذا حب کا ذکر پہلے ہوا گٹھلی کا ذکر بعد میں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **فلق** بمعنی چیرنا ہے اس صورت میں اس جملہ کے چند معنی ہوں گے۔ (1) اللہ تعالیٰ بالی چیر کر اس میں دانے بھرتا ہے اور پھل چیر کر اس میں گٹھلی بھرتا ہے سوچو تو سہی کہ کھجور کے اندر گٹھلی یونہی آم وغیرہ میں گٹھلی کس نے بھردی یہ اس کی قدرت ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ دانوں اور گٹھلی کے دو حصے فرمانے والا ہے دیکھ لو کہ گندم جو وغیرہ کے بیچ میں ایک لکیری ہے جس سے ان کے دو حصے محسوس ہوتے ہیں۔ یونہی کھجور بیچ میں سے چیری ہوتی ہے۔ کس آری سے ان کو چیرا؟ کیسے چیرا؟ اس میں عقل حیران ہے۔ (3) جب دانہ اور گٹھلی تر زمین میں بودی جاتی ہے تو کچھ دن بعد رب کے حکم سے دو طرفہ چرتی ہے اوپر کی طرف چراؤ سے پورے درخت بنتے ہیں جو زمین کو پھاڑ کر اوپر نکلتے ہیں‘ پھر اس میں تنہ‘ گڈھے‘ شاخیں‘ پتے‘ پھول‘ پھل وغیرہ نکلتے ہیں جن کے رنگ و مزے‘ تاثیریں مختلف ہیں اور نیچے والے چراؤ سے درخت کی جڑیں‘ جڑ کی رگیں‘ زمین کے نیچے کی طرف چلتی اور دور دور تک پھیل جاتی ہیں۔ اب ان دونوں حصوں میں وہ شاندار تعلق ہوتا ہے کہ سبحان اللہ جڑ زمین سے کھاد‘ پانی چوس کر شاخوں کو فیض دیتی ہے اور شاخیں ہوا‘ دھوپ‘ چاندنی وغیرہ حاصل کر کے جڑ کو پہنچاتی ہیں۔ ان چیزوں میں غور کرو ان کے بنانے والے کے نام کی تسبیح پڑھو اسے سجدے کرو‘ پھر پتوں کی رگیں ایک پھل کے مختلف مزے دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔ خیال رہے کہ حب یعنی دانہ وہ ہے جس میں گٹھلی نہ ہو۔ جیسے گندم‘ چاول‘ جو وغیرہ۔ نوی جمع نواۃ کی ہے۔ نواۃ وہ جو مقصود بالذات نہ ہو جیسے آم‘ کھجور وغیرہ کی گٹھلیاں (تفسیر خازن)۔ **یخرج الحی من المیت**۔ یہ عبارت **فالق الحب والنوی** کا بیان ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ حی صفت مشبہ ہے **حیوۃ** کا اور میت صفت مشبہ ہے۔ موت کا حی کے معنی ہیں زندگی والا اور میت کے معنی ہیں بے جان۔ اس عبارت کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ (1) اللہ تعالیٰ بے جان‘ خشک دانہ اور گٹھلی سے تر جاندار درخت و پودے نکالتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ جاندار جانور کو بے جان نطفے سے پیدا فرماتا ہے۔ یونہی جاندار چوزوں کو بے جان انڈوں سے نکالتا ہے۔ (3) جاندار مومن کو بے جان کافر سے پیدا فرماتا ہے کہ ماں باپ کافر بیٹا مومن‘ ایمان زندگی ہے کفر موت۔ (4) جاندار مطیع و عابد کے بے جان عاصی و غافل سے پیدا فرماتا ہے کہ ماں باپ غافل‘ گنہگار‘ بیٹا عاقل و پرہیزگار۔ لہٰذا یہ فرمان عالی **فالق الحب والنوی** کی گویا تفسیر ہے۔ دانہ‘ گٹھلی بے جان چیزیں ہیں۔ پودے‘ درخت ایک طرح کے جاندار ہیں **و مخرج المیت من الحی**۔ یہ عبارت معطوف ہے **فالق الحب والنوی** پر نہ کہ **یخرج الحی** پر لہٰذا آیت واضح ہے اس پر کوئی نحوی اعتراض نہیں جتنے احتمالات ابھی حی و میت میں عرض کئے گئے۔ وہ سارے احتمالات یہاں بھی ہیں کہ رب تعالیٰ جاندار بوٹے و درخت سے بے جان دانہ‘ گٹھلی پیدا فرماتا ہے۔ جاندار جانور سے بے جان نطفہ پیدا فرماتا ہے۔ بے جان‘ و مردہ کافر سے جاندار مومن پیدا فرماتا ہے۔ بے جان عاصی و غافل سے جاندار عابد و متقی پیدا فرماتا ہے۔ بہر حال اس عبارت میں بھی

بہت گنجائش ہے چونکہ زندہ مردہ سے افضل ہے نیز زندہ ہروقت پرورش کا محتاج ہے اس پر ہر آن رحمت ربانی کا نزول ہے اور توجہ کرم ہے اس لئے اس کے لئے یخرج مضارع ارشاد ہوا جس میں تجدد ہے اور میت کے متعلق مخرج فرمایا جس میں ہیشگی تو ہے مگر تجدد نہیں۔ یخرج اور مخرج کے فرق کی یہ وجہ ہے (تفسیر کبیر)۔ فرماتا ہے۔ یحی الارض بعد موتھا۔ اور فرماتا ہے یرزقکم من السماء اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ فرماتا رہتا ہے اور تم کو آسمان سے روزی دیتا رہتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو پیدا فرما کر یونہی نہیں چھوڑ دیتا بلکہ تمہاری بقاء کے لئے غذائیں' دوائیں' پھل' فروٹ پیدا فرماتا رہتا ہے۔ بعض کو ماں باپ سے' جانوروں کو صرف ماں سے' مچھلی کے بچوں کو براہ راست رب ہی پرورش کرتا ہے۔ ماں باپ کی پرورش عارضی ہوتی ہے۔ جب وہ تمہاری ایسی خبر رکھتا ہے تو تم بھی اسے یاد رکھو۔

رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا ہم تو بھولے ہیں تجھے پر تو نہ ہم کو بھول جا

فالکم اللہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات مخلوق کے خیال و وہم سے بالا ہے۔ اس لئے ذالک بعید کا اشارہ ارشاد ہوا۔ چونکہ یہاں رب تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ذکر ہوا۔ اس لئے ذالکم جمع ارشاد ہوا۔ عربی میں تعظیم کے لئے واحد کو جمع فرمایا جاتا ہے جیسے ان انزلنا فی لیلۃ القدر یعنی وہ مدبر صانع ان چیزوں کا خالق اللہ ہے لائق عبادت ہے۔ فانی تؤفکون اس میں خطاب کفار و مشرکین سے ہے یہاں انی بمعنی کیف ہے نہ کہ بمعنی من این اور یہ سوال تعجب دلانے کے لئے ہے۔ تؤفکون بنا ہے افک سے بمعنی اصل حالت سے پھرنا یا پھیر دینا۔ قرآن کریم میں ہے لتافکنا عن الھتنا کے جھوٹ کو افک کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے ان الذین جاء و بالافک عاوی جھوٹے کو افاک کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے افاک اثیم کیونکہ جھوٹا اپنے اصلی حال بھی پھر جاتا ہے سچ انسان کی اصلی صفت ہے۔ یعنی اسی قدرتوں کو دیکھتے ہوئے تم حق سے باطل کی طرف ایمان سے کفر کی طرف کیسے پھرے جاتے ہو یا کیسے پھیر دیئے جاتے ہو کہ شیطان تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال کر تمہیں برائیوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اب تک تو دانہ اور گٹھلی کے زمین کو چیرنے کا ذکر تھا جسے انسان کھیت یا باغ میں جاکر دیکھتا ہے اور جس میں انسانی کسب کو دخل ہے کسان اور باغبان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کھیت و باغ میری محنت سے تیار ہوا بلکہ اس پر دعویٰ ملکیت کر سکتا ہے اب صبح کے نور کے رات کے اندھیرے کو چیرنے کا ذکر ہے جسے انسان اپنے بستر پر سے دیکھ سکتا ہے اب صبح کے نور کے رات کے اندھیرے کو چیرنے کا ذکر ہے۔ جسے انسان اپنے بستر پر سے دیکھ سکتا ہے اور جس میں کسی کو دخل نہیں۔ کسی کا دعویٰ ملکیت نہیں۔ غرضیکہ اس سے بڑی عجیب کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ فالق الاصباح یہ عبارت یا تو پوشیدہ ہے ھو کی خبر ہے تب یہ نیا جملہ ہے یا ان کی دوسری خبر ہے۔ پہلی خبر فالق الحب والنوی تھی۔ دوسری خبر فالق الاصباح تو یہ اوپر سے مل کر ایک ہی جملہ ہے فالق کی تحقیق ابھی ہو چکی اگر یہ فالق بمعنی خالق ہے تو معنی ظاہر ہیں یعنی رب تعالیٰ نورانی صبح کا پیدا فرمانے والا ہے۔ اصباح اور صبح کے ایک ہی معنی ہیں امرء القیس کہتا ہے۔

الا ایھا اللیل الطویل الا انجلی بصبح وما الاصباح عنک بامثل

دیکھو اس شعر میں صبح اور رصباح ایک معنی میں ہیں۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔

افنی رباحاً و [illegible] رباحا تناسخ الامساء والاصباح

یہاں امساء سے بمعنی مسا ہے اور اصباح بمعنی صبح۔ اور اگر فالق کے معنی ہے چیرنے والا تو یا تو صبح سے مراد ہے صبح کاذب

جو رات کے اخیری حصہ میں شرقا" غربا" چمک کر غائب ہو جاتی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ صبح صادق کی ہلکی نورانیت کو سورج کی روشنی سے چیرتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صبح کے ذریعہ رات کے اندھیرے کو چیرتا ہے کہ صبح کے وقت مشرق کی طرف روشنی دھاگے کی طرح نمودار ہوتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دھاگے نے رات کی اندھیری چیر دی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہی معنی اختیار کئے بہرحال صبح صادق سے اندھیرا چرتا ہے وہ خود اندھیرے سے نہیں چرتی ہماری ان تفسیروں سے یہ معمہ حل ہو گیا۔ اس میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ تم لوگ رات چراغ، گیس، بجلی کے ذریعہ روشن تو کر سکتے ہو مگر سویرا نہیں نکال سکتے۔ سویرا نکالنا ہمارا ہی کام ہے۔ خیال رہے کہ اس سورج کے ذریعہ عالم اجسام کا سویرا ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عالم ارواح میں سویرا ہوا۔ سارے نبی چاند تارے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نور لے کر دنیا میں روشنی کرتے تھے مگر ان سے سویرا نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں کہ جنہوں نے سویرا نکال کر اندھیرا دور کر دیا پھر جیسے سورج نکلنے سے پہلے سویرا ہو جاتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے انوار کے آثار نمودار ہو گئے۔ **و جعل اللیل سکنا** " بعض قراءتوں میں ہے۔ **و جاعل اللیل سکنا** " اور یہ عبارت معطوف ہے **فالق الاصباح** پر ہماری قراءت میں **جعل اللیل** ہے چونکہ **فالق الاصباح** میں فالق بمعنی **فلق** ہے۔ لہذا جعل کا اس پر عطف درست ہے سکن مصدر ہے بمعنی سکون اگر **جعل** بمعنی **خلق** ہے تو سکنا مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون و چین کے لئے پیدا فرمایا اور اگر **جعل** بمعنی **صیر** ہے تو سکن اس کا دوسرا مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو مخلوق کے لئے راحت و سکون بنایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دوسرے معنی اختیار فرمائے یعنی سکون و چین کا وقت بنایا (معانی) اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لتسکنوا فیہ** اس فرمان عالی کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ رب نے رات تمہارے جسم کے سکون و آرام کے لئے بنائی کہ تم سو کر بیداری کے سب غم و رنج بھول کر مشقت کی تکالیف سے آرام پا کر تازہ دم ہو جاؤ۔ دوسرے یہ کہ رات تمہارے دل کے چین و سکون کے لئے بنائی کہ تم نماز تہجد نہایت چین و سکون سے ادا کرو کہ تم اس وقت سکون و امن سے مجھ سے باتیں کرو کہ تہجد کے وقت وہ سکون نصیب ہوتا ہے جو دوسرے وقت میسر نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ لیل یعنی قبض کو تمہارے لئے سکون کا ذریعہ بنایا اگر ہر وقت تم پر بسط رہے اور تم بالکل متوجہ الی اللہ رہو تو دنیا آباد نہ رہے۔ **والشمس والقمر حسبنا** ۔ اس عبارت میں **الشمس والقمر** معطوف ہیں **اللیل** پر اور حسبانا معطوف ہے سکنا پر اگر **جعل** بمعنی **خلق** تھا تو حسبانا مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج و چاند کو دنیا کے حساب کے لئے پیدا کیا اور اگر بمعنی **صیر** ہے تو حسبانا مصدر ہے بمعنی اسم الہ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج و چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا کہ چاند سے قمری مہینے بنتے ہیں اور سورج سے شمسی مہینے' چاند سے زکوٰۃ' حج' روزے' وابستہ ہیں سورج سے اسلامی نمازیں وابستہ۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خود سورج و چاند کی رفتار' ان کا طلوع و غروب حساب سے رکھے کہ ان میں سے کوئی رب تعالیٰ کے مقرر کردہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قادر مطلق ہے وہ جس کے قبضہ و قدرت میں ساری چیزیں ہیں نیز سورج و چاند کی روشنی کی تقسیم حساب سے رکھی جیسا ملک پھر جیسا زمانہ ویسے ان کی گرمی و روشنی کی تقسیم غرضیکہ یہ ایک جملہ شریعت و طریقت کا جامع ہے۔ **ذالک تقدیر العزیز العلیم** یہ نیا جملہ ہے ذالک سے اشارہ ان تمام مذکورہ چیزوں کی طرف ہے تقدیر بنا ہے **قدر** سے بمعنی اندازہ **عزیز** بمعنی غالب **علیم** بمعنی علم والا یعنی یہ جو کچھ بیان ہوا اس ذات کریم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو غالب بھی ہے' حکمت والا بھی ہے لہذا اس اندازہ میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ خیال رہے کہ سورج

کے پاس شعاعیں ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نگاہیں ہیں۔ سورج کی شعاعیں زمین پر دن نکالتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دلوں پر دن نکالتی ہیں۔ مگر سورج کی شعاعیں رات ہیں اور تہہ خانوں میں زمین پر نہیں پہنچتیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دن رات ہر جگہ ' ہر حال میں پہنچتی ہیں۔ **الشمس والقمر حسبانا** میں اس طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو آسان بھی ہے اور ظاہر بھی اے لوگو یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت والا ہے کہ وہ کھیت کی زمین میں دانہ چیر کر اس سے پودے نکالتا ہے اور باغوں میں بوئی ہوئی گٹھلی چیر کر درخت پیدا فرماتا ہے۔ دانہ سے تمہاری بقاء ہے پھلوں سے تم کو لذتیں ملتی ہیں اس کی اس قدرت میں غور کرو اور ایمان لاؤ۔ خیال کرو کہ اس پودے کہ جڑ اس کا تنہ پتے پھول پھل سب ہی پیدا ہوتے ہیں یہ تمام ایک دانے میں اجمالاً" موجود ہیں۔ وہی قدرت والا بے جان نطفے اور انڈے سے جاندار انسان و جانور نکالتا ہے ایک قطرہ میں پنہاں تھے وہی ایسی قدرت والا ہے۔ جاندار انسان اور جانور سے بے جان نطفہ و انڈا نکالتا ہے یہ قدرتوں والا رب ہی تو لائق عبادت ہے وہی تو اللہ ہے بیوقوف منکرو تم کہاں بہکے جا رہے ہو ایسے رب کو چھوڑ کر مجبور بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو تم نے زمین میں تو اس کی یہ قدرتیں دیکھیں ذرا آسمان کی طرف توجہ کرو وہی رب رات کی تاریکی چاک کر کے اس میں سویرے کا دھاگہ نکالتا ہے اس نے رات بنائی جس میں تم سکون و چین کر کے دن کی تھکن دور کرتے ہو اس رب نے سورج و چاند بنائے جس سے تمہارے حساب درست ہوتے ہیں بعض حساب سورج سے وابستہ بعض چاند و سورج دونوں کے لئے اندازے مقرر فرمائے۔ یہ اندازہ اس رب کا ہے جو غالب بھی ہے 'علم والا بھی' للذا اس کے اندازوں میں صدہا حکمتیں ہیں۔ خیال رہے کہ اس دنیا میں ایک اندھیرا ہے اور ایک سویرا مگر دل کی دنیا میں بہت سے اندھیرے ہیں اور ہر اندھیرے کا الگ سویرا ہے۔ کفر ایک اندھیرا جس کا سویرا ایمان ہے۔ فسق اندھیرا تقویٰ سویرا۔ غفلت اندھیرا ہے بیداری سویرا۔ جہالت اندھیرا ہے علم سویرا۔ تکبر و نخوت اندھیرا ہے عجز و انکسار سویرا یہ سارے سویرے ایک سورج کے دم قدم سے وابستہ ہیں اس سورج کا نام ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی طرح دماغ و عقل پر مختلف اندھیرے آتے ہیں جن کے سویرے بھی مختلف ہیں۔ کعبہ معظمہ میں بتوں کا اندھیرا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں توحید کا سویرا کر دیا۔ مدینہ منورہ میں خصوصاً" مسجد نبوی کی زمین میں بہت سے اندھیرے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سویرے کر دیئے وہاں یہود کی قبریں اور گھوڑا اصطبل وہاں ہی روضہ ء اطہر ریاض الجنتہ منیر ہو گئے۔ مومن کی قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو وہ قبر نہ رہے گی بلکہ روضہ جنت یعنی جنت کا باغ بن جائے گی۔ وہاں بھی سویرا اسی سورج سے ہو گا۔ **فالق الاصباح** میں ان سب کی طرف اشارہ ہے۔ نیز جب دل پر رنج و غم و تکلیف کا اندھیرا چھا جائے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کا سویرا نکالتے ہیں کہ ہر چیز اپنے کمال پر پہنچ کر مائل بہ زوال ہو جاتی ہے۔ نیز آگے قبر میں اندھیرا آنے والا ہے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے سویرا ہو گا۔ قبر کا اندھیرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرا اس کا سویرا۔ پھر پل صراط پر اندھیرا ہو گا وہاں پیشانی کا داغ سجدہ سویرا کر دے گا۔ غرضیکہ **فالق الاصباح** [illegible]

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دنیا کی چیزوں میں غور کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ معرفت الٰہی اطاعت الٰہی کا ذریعہ ہے' عالم کا ہر ذرہ معرفت الٰہی کا دفتر ہے۔ شعر۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

یہ فائدہ **فالق الحب** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: دانہ کھیت کے لئے گٹھلی باغ کے لئے محض سبب ہے علت نہیں۔ ان کی علت ارادہ الٰہی ہے وہ چاہے تو ان سے کھیت و باغ پیدا ہوں' چاہے تو کچھ نہ ہو۔ یہ فائدہ بھی **فالق الحب** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت دفعہ دانہ و گٹھلی سے کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے۔ تیسرا فائدہ: کوئی نیک شخص یہ یقین کرے کہ میری اولاد بھی نیک ہی ہوگی اس کی دعا بھی کرے عالم کی اولاد جاہل' پرہیزگار کی اولاد نانہجار' مومن کی اولاد کافر' صالح کی اولاد طالح بھی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **یخرج المیت من الحی** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر ہوا۔ رب بڑی قدرتوں والا ہے۔ چوتھا فائدہ: نطفہ اور انڈا بچہ کی علت نہیں محض سبب ہے۔ رب چاہے تو اس سے بچہ بنے' نہ چاہے تو نہ بنے' اس لئے دیکھا گیا کہ بارہا صحبت ہوتی ہے مگر بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ **یخرج الحی من المیت** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ کوئی شخص کسی حال میں رب تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پانچواں فائدہ: اللہ کی ذات و صفات کا منکر جانوروں سے بدتر ہے کہ جانور اپنے مالک کو جانتا مانتا ہے اور یہ انسان ہو کر اپنے مالک کا انکاری ہے۔ یہ فائدہ **فانی تؤفکون** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: زمین اور زمان دونوں چیزیں اللہ کی قدرتوں کے نشان ہیں۔ ان دونوں سے انسان کو سبق لینا چاہئے بلکہ زمان کی نشانیاں' زمین کی نشانیوں سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ دیکھو رب نے دانہ و گٹھلی کے بعد سویرے کے اندھیرے کو چیرنے کا ذکر فرمایا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج کے لئے بنایا ہے اور رات آرام کے لئے لہٰذا اچاہئے یہ کہ انسان دوپہری میں آرام کرے مگر عارضی طور پر اور رات میں کچھ کام کرے تو عارضی طور پر رات کو جلد سو جائے اور صبح کو جلد اٹھے۔ یہ فائدہ **جعل اللیل سکنا** سے حاصل ہوا۔ جو لوگ بلاوجہ رات کو جاگیں اور دن کو سویا کریں وہ قدرتی نظام کے خلاف کرتے ہیں۔ اس میں کامیاب نہ ہوں گے۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و جعلنا اللیل لباسا" و جعلنا النہار معاشا"** قدرتی نظام میں بڑی حکمتیں ہیں۔ آٹھواں فائدہ: چاند کے مہینے محرم' صفر وغیرہ بھی حق ہیں اور سورج کے مہینے جنوری' فروری وغیرہ بھی حق دونوں اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں کسی انسان کے مقرر کئے ہوئے نہیں اور دونوں ہی کار آمد ہیں۔ چاند سے بہت سی اسلامی عبادتیں قائم ہیں۔ جیسے حج' رمضان' عیدین' عورتوں کی عدت' زکوٰۃ کا سال وغیرہ سورج سے موسموں وغیرہ کا حساب لگتا ہے غرضیکہ ان دونوں میں عجیب کرشمے ہیں یہ فائدہ **والشمس والقمر حسبانا"** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ان دونوں مہینوں کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ یوں ہے۔ **ولبثوا فی کھفہم ثلث مائتہ سنین و ازدادو تسعا**۔ نواں فائدہ: علم ریاضی' علم اوقات' اعلیٰ علوم میں سے ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ظاہر ہوتی ہے اور اس سے نماز روزے کے اوقات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ فائدہ **ذالک تقدیر العزیز العلیم** سے حاصل ہوا۔ اسلامی جنتریاں' پنجگانہ نمازوں' سحر و افطاری کے اوقات انہیں علوم سے بنائے جاتے ہیں۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے علوم غیبیہ بخشے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا میں اللہ کی نعمتوں کے قاسم ہیں۔ اللہ المعطی وانا قاسم اور تقسیم جب ہی درست ہو سکتی ہے۔ جبکہ قاسم حصوں کو بھی جانتا ہو اور حصے والوں کو بھی پہچانتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع ہیں۔ شفاعت علم کے بغیر ناممکن ہے ضروری ہے کہ شفیع ہر شخص کو جانے کہ کون شفاعت کے لائق ہے اور کون نہیں اور کون کس شفاعت کے لائق ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ایمان واعمال کی خبر نہ ہو تو ہم کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کر سکتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں کہ تو مومن ہے یا کافر تو ہم اپنا ایمان کس طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ فائدہ **والشمس والقمر** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ شمس سے مراد ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حسبانا" سے مراد ہو حساب سے دینے والے۔

پہلا اعتراض : **یخرج الحی** الخ جملہ فعلیہ ہے اور **مخرج المیت** جملہ اسمیہ یا مرکب غیر مفید ہے۔ جملہ ہے ہی نہیں پھر اس کا عطف **یخرج الحی** پر نحوی قاعدے سے کیونکر درست ہوا۔ معطوف علیہ اور معطوف یکساں چاہئیں۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ **مخرج المیت** معطوف ہے۔ **فالق الحب** پر نہ کہ **یخرج الحی** پر لہذا اس میں کوئی اشکال نہیں۔ **یخرج الحی** حال ہے۔ **فالق الحب** سے۔ **دوسرا اعتراض**: زندہ کو مردے سے نکالنے کے لئے **یخرج** مضارع ارشاد ہوا اور مردے کو زندہ سے نکالنے کے لئے **مخرج المیت** اسم فاعل فرمایا گیا اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ زندہ مردے سے افضل ہے نیز زندہ اپنے زندہ رہنے میں ہر وقت اللہ کے کرم کا حاجت مند ہے' ہر وقت اللہ کی رحمت اس کی پرورش فرماتی ہے۔ ان وجوہ سے یہاں **یخرج** فرمایا جس میں دوام بھی ہے' تجدد بھی۔ **تیسرا اعتراض**: صبح صادق سے رات کا اندھیرا چرتا ہے' رات کے اندھیرے سے صبح صادق نہیں چرتی تو **فالق الاصباح** فرمانا کیونکر درست ہوا؟ (ضروری نوٹ) مفسرین نے اس اعتراض کو مشکل ترین سمجھا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت سے جواب ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ اس آیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صبح کو رات کے اندھیرے سے چیرتا ہے بلکہ اس کے معنی ہیں صبح کے تڑکے کو سورج کی روشنی سے چیرتا ہے یا صبح کاذب کو صبح صادق سے چیرتا ہے اور اگر **فالق** بمعنی **خالق** ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ صبح کا خالق ہے۔ **چوتھا اعتراض**: اسلامی تاریخیں اور اسلامی حساب تو چاند سے بنتے ہیں پھر سورج و چاند دونوں کو حسبان کیوں فرمایا؟ **جواب**: اس کے جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے کہ اسلام میں روزے' عیدین' حج' زکوٰۃ وغیرہ کے حساب تو چاند سے لگتے ہیں مگر نماز کے اوقات کے حساب سورج سے نیز دینی حساب اکثر چاند سے لگتے ہیں مگر دنیاوی حسابات' موسم' کھیتی باڑی' باغوں کے پھل وغیرہ کے حساب سورج سے لہذا یہ دونوں ہی حساب کا ذریعہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا دل گویا زمین ہے اور کلمہ طیبہ گویا دانہ ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوف خدا گویا گٹھلی ہے کلمہ طیبہ سے ایمان کا کھیت پیدا ہوتا ہے۔ جس کی جڑیں قلب میں طریقت بن کر پھیلتی ہیں اور اس کی شاخیں اعضاء ظاہری کی طرف شریعت بن کر پھیلتی ہیں۔ مرد کامل کی نگاہ گویا مرید کے دل میں اس تخم کی کاشت کرتی ہے اس کلمہ طیبہ سے ایمان کا درخت پیدا ہوتا ہے۔ جس میں عرفان الٰہی کے پھل لگتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ کے ذریعہ تمہارے دلوں میں ایمان کے باغ اگاتا ہے اس میں معرفت الٰہی کے پھل پھول لگاتا ہے یہ اس کی قدرت کاملہ ہے۔ بعض کے دلوں میں صرف ایمان کا

کھیت لگتا ہے اور بعض لوگوں کے دلوں میں ایمان کا کھیت بھی ہوتا ہے اور عشق کا باغ بھی۔ پھر بعض لوگ اپنے اس کھیت و باغ سے خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض لوگوں کے ان کھیتوں' باغوں سے دوسرے لوگ بھی فائدے اٹھاتے ہیں جیسا کھیت و باغ ویسے ہی اس کے فائدے پھر وہ اپنی شان یوں دکھاتا ہے کہ عارف باللہ مومن سے کافر و زندیق اولاد پیدا فرماتا ہے۔ جیسے نوح علیہ السلام سے کنعان 'کافر' اور کافر و زندیق سے عارف پیدا فرماتا ہے۔ پتھروں میں لعل اور سیپ میں موتی پیدا کرتا ہے۔ نیز کبھی زندہ دل والے کو بے دین مردہ دل بنا دیتا ہے اور کبھی بے دین و کافر کو زندہ دل' صاحب عرفان کر دیتا ہے۔ حضرات صدیق و فاروق آسمان سے نہیں آئے تھے۔ انہیں پتھروں میں سے لعل و جواہر بنے تھے یہ ہے اس کی شان ایسی شان والا اللہ ہی لائق عبادت ہے۔ وہی رب وہ ہے جو دل کی دنیا میں اندھیروں میں نور کی کرن چمکاتا ہے یا اس میں آس غفلت میں بیداری 'ناشکری میں شکر گزاری کا سویرا نکالتا ہے۔ وہی ہمارے اندھیرے دلوں پر نبوت کے سورج کے تجلی ولایت کے چاند کی روشنی ڈالتا ہے مگر حسب سے جو دل جس تجلی کے لائق ہے اسے وہی تجلی عطا فرماتا ہے۔ وہی رب ہے جو کبھی ہمارے دلوں پر سکون کبھی عشق کی بے چینی طاری فرماتا ہے اگر ہمارا یکساں حال رہے تو ہم فنا ہو جائیں۔

اگر درویش برحالے بماندے دو دست از جملہ عالم برفشاندے

یہ غالب حکمت والے رب کے مقرر فرمائے ہوئے اندازے ہیں ان اندازوں میں صدہا حکمتیں ہیں۔ تمہاری عقلیں ان تک پہنچیں یا نہ پہنچیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سارے کھیت باغ تخم درخت پھل' پھول سب تیرے اندر ہیں تو دیکھتا کیوں نہیں **و فی انفسکم افلا تبصرون** مگر یہ چیزیں اگرچہ ہم میں ہیں مگر خود نہیں دیکھ سکتے' کوئی دکھانے والا دکھائے تو نظر آتی ہیں۔ ہم اپنی صورت آئینہ میں شکل دیکھتے ہیں' شکل ہماری ہوتی ہے دکھاتا آئینہ ہے۔ یونہی ہماری صحت اور بیماری طبیب بتاتا ہے' ہماری اندرونی اعضاء کی کیفیت ایکسرے دکھاتا ہے یہ چیزیں ہوتی ہے ہم میں مگر بتانے دکھانے والا کوئی اور ہوتا ہے یونہی ہمارے قلب اور روح کی کیفیات کو قرآنی آئینہ دکھاتا ہے نبی اور ولی بتاتے ہیں ہم خود اپنے حالات نہیں جانتے جس نے اپنے کو جان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔ **و من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**۔ خیال رہے کہ سورج میں نور' شعاعیں' گرمی وغیرہ بے شمار ہے مگر ان چیزوں کی تقسیم ہر زمان اور ہر زمیں میں مختلف ہے ایک سورج کی گرمی جولائی میں اور ہے دسمبر میں کچھ اور یونہی ایک وقت میں سورج کی گرمی' پنجاب میں اور ہے' بنگال میں کچھ اور' کوہ مری میں اور طرح کی ہے' ایوبیہ اور خانس پور میں اور طرح کی غرضیکہ ان چیزوں کی تقسیم حساب سے ہے۔ اسی طرح نبوت کے سورج حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کے خدام اولیاء اللہ کی عطائیں مختلف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو کچھ اور ہی عطا فرمایا' جناب فاروق کو کچھ اور ہی دیا۔ یونہی صحابہ پر کرم اور قسم کا ہے اولیاء اللہ پر اور قسم کہ ہم جیسے گنہگاروں پر اور ہی طرح کا ہے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت بے شمار ہے مگر عطائیں مختلف یہ ہے **والشمس والقمر بحسبان**۔

جھولی ہی میری تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا

اور وہ اللہ وہ ہے کہ بنایا تمہارے واسطے تاروں کو تاکہ ہدایت پاؤ ان سے خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں بیشک تفصیل وار

اور وہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں ہم

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ

بیان کردیں ہم نے آیتیں اس قوم کے لئے جو جانتے ہیں اور وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک ذات سے پس کہیں

نے نشانیاں مفصل بیان کردیں علم والوں کے لئے اور وہ ہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر

مُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

قرار ہے اور کہیں امانت بیشک تفصیل وار بیان کردیں ہم نے آیتیں ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں

کہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت دار رہنا بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کردیں سمجھ والوں کے لئے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں کا ذکر ہوا جن کا تعلق زمین و آسمان سے ہے اب اس رب کی ان قدرتوں کا ذکر ہے جن کا تعلق آسمان کے تاروں سے ہے گویا آسمانی نشانیوں کے بعد آسمانی چیزوں کی نشانیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں سورج و چاند کے نفعوں کا ذکر تھا۔ اب تاروں کے منافع کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ گویا بڑے تاروں کے بعد چھوٹے تاروں کے منافع ارشاد ہو رہے ہیں کہ سورج و چاند کے بعد اندھیرے میں ہدایت دینے والے تاروں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی خارجی نعمتوں کا ذکر ہوا اب اگلی آیت میں رب تعالیٰ کی داخلی نعمتوں کا ذکر ہے یعنی ہمارا ایک ذات سے پیدا ہونا اور پھر دنیا میں عارضی یا دائمی قیام تاکہ ہم اپنے میں غور کرکے رب تعالیٰ کو پہچان لیں۔

تفسیر: و ھو الذی یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ رحمت عامہ اور اس کی حکمت پر تیسری قسم کی دلیل دی گئی ھو سے بھی مراد اللہ تعالیٰ ہی ہے اور الذی سے بھی مراد وہی ہے مگر ھو سے ذات اللہ اور الذی سے صفات اللہ کی طرف اشارہ ہے لہذا ھو کا مبتدا ہونا اور الذی کا خبر ہونا درست ہوا یعنی وہ اللہ وہ شان والا وہ قدرت والا ہے۔ خیال رہے کہ یہ فرمان کہ میں وہ ہوں یا وہ وہ ہے عتاب کے لئے بھی ہوتا ہے اور کرم نوازی کے لئے بھی مجرم سے حاکم کہتا ہے کہ میں وہ ہوں کہ تجھے دس سال سزا دے سکتا ہوں یہ لفظ وہ عتاب کے لئے ہے۔ ماں باپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ میں وہ ہوں کہ جس نے تجھے پالا پرورش کیا یہاں وہ لفظ کرم نوازی کے لئے ہے۔ یہاں ھو الذی ارشاد انتہائی کرم نوازی کے لئے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ مومنوں سے رحمت کے لئے ہو اور کفار سے غضب کے اظہار کے لئے۔ خیال رہے کہ ھو الذی کبھی تو رب تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے کبھی اس کی رحمت بتانے کو کبھی اس چیز کی عظمت ظاہر کرنے کو جس کا وہاں تذکرہ ہے یہاں ھو الذی رب کی رحمت و قدرت کے اظہار کے لئے ہے اور ھو الذی ارسل رسولہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے بھی ہے۔ جعل لکم النجوم یہ عبارت الذی کا صلہ ہے یہاں جعل بمعنی خلق ہے اس لئے اس کا ایک

مفعول آیا لکم میں لام نفع کا ہے اور کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے۔ چونکہ سفر میں رہبری صرف انسانوں کے لئے ہوتی ہے۔ جنات' فرشتے' جانور وغیرہ یہ نفع حاصل نہیں کرتے اس لئے لکم میں صرف انسانوں سے خطاب ہوا النجوم جمع ہے نجم کی۔ لغت میں نجم وہ ہے جو فلکی اور روشن ہو' اس لئے چاند سورج بھی نجم ہیں مگر یہاں اس میں چاند سورج داخل نہیں کیونکہ رات کی اندھیریوں میں صرف تاروں سے رہبری ہوتی ہے۔ ستارے دو قسم کے ہیں۔ ثوابت اچھے ہوئے سیارہ رات (حرکت کرنے والے) سیارہ تارے کل سات ہیں۔ ثوابت تارے بے شمار ہیں۔ مسافر بعض تاروں کو اپنے سامنے رکھتا ہے' بعض کو پیچھے' بعض کو داہنے' بعض کو بائیں' پھران کے حساب سے سفر کرتا ہے اس لئے یہاں النجوم جمع ارشاد ہوا۔ ہدایت میں سارے تاروں کو دخل ہے لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر یہ عبارت جعل کے متعلق ہے اس میں ستاروں کی پیدائش کی ایک حکمت کا تذکرہ ہے دوسری دو حکمتوں کا ذکر دوسری آیت میں ہے۔ و زینا السماء الدنیا بمصابیح و حفظا " اور جگہ ہے و جعلنا ھا رجوما " للشیاطین۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو ان ستاروں میں ان تین کے سوا اور صفات مانے وہ خطاکار ہے یہ آسمان کی زینت ہیں۔ شیاطین کے لئے رجم (سنگساری) ہیں اور ان سے جنگل و دریا کی اندھیریوں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے لہٰذا ان تاروں سے نہ تو اچھی بری فال لینی چاہئے نہ ان سے غیبی خبریں اور آئندہ کے حالات معلوم کرنے درست ہیں کہ فلاں تارہ فلاں برج میں گیا لہٰذا بارش ہوگی یا ارزانی و گرانی ہوگی یا فلاں تارے کی وجہ سے قوموں پر گردشیں آتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ممنوع ہیں چونکہ اور دریا بہت سے ہیں اور بہت سی قسم کے ہیں اور ہر جنگل' ہر دریا کی اندھیریاں مختلف ہیں اس لئے ظلمات جمع فرمایا گیا نیز کبھی کبھی ایک ہی جنگل' ایک ہی دریا میں بہت قسم کی اندھیریاں جمع ہو جاتی ہیں' اس لئے بھی ظلمات جمع فرمانا مناسب ہوا۔ یہاں لتھتدوا میں خطاب صرف انسانوں سے ہے ہدایت سے مراد ہے سمت کی ہدایت یا وقت کی ہدایت ظلمات کے بعد اللیل پوشیدہ ہے اصل عبارت یوں تھی۔ فی ظلمات اللیل فی البر والبحر۔ یعنی اللہ نے یہ تارے اس لئے پیدا فرمائے کہ تم جنگلوں اور سمندروں میں جب سفر کر رہے ہو اور رات کی اندھیریاں آجائیں تو ان تاروں سے وقت معلوم کرو کہ رات کتنی گزری' کتنی باقی ہے۔ نماز عشاء کا وقت آیا یا نہیں' گزر گیا یا نہیں اور انہیں سے تم سمت معلوم کر کے بہ آسانی سفر کرو۔ خیال رہے کہ گھڑیاں اور قطب نما ستاروں ہی کے حساب سے بنائے گئے ہیں لہٰذا آج کل ان سے ہدایت حاصل کرنا در اصل ستاروں سے ہی ہدایت لینا ہے لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے۔ بہرحال ستاروں کی پیدائش میں صدہا حکمتیں ہیں اور ہزارہا نفع قد فصلنا الایات لقوم یعلمون یہ عبارت پہلے جملہ کی تفصیل ہے آیات سے مراد آیات قرآنیہ ہیں' علم سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بنے جو اس سے غافل کر دے وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے۔

سعدی بشوے لوح دل از ذکر غیر حق علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

یعنی ہم نے یہ آیات علم والی قوم کے لئے تفصیل وار بیان فرمادی ہیں۔ چونکہ علم والے ہی ان سے نفع حاصل کرتے ہیں لہٰذا انہیں کا ذکر فرمایا۔ اب تک رب تعالیٰ نے اپنی قدرتوں' رحمتوں کے چھوٹے آئینوں کا ذکر فرمایا یعنی کھیت' باغ' سورج' چاند' تارے وغیرہ کا کہ یہ سب چیزیں صفات الٰہیہ میں سے ایک ایک دو دو صفات کے آئینہ ہیں۔ اب انسان کو خود اس کے آئینہ میں اپنا جمال دکھایا جا رہا ہے۔ انسان رب کی ذات و صفات کا بہت بڑا اور شفاف آئینہ ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ و ھو الذی انشا کم من

نفس واحدۃ یہ جملہ نیا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ' رحمت عامہ کی چوتھی دلیل بیان فرمائی گئی۔ اس دلیل کا تعلق خود انسان کہ اپنی ذات سے ہے پچھلے دلائل کا تعلق زمینی اور آسمانی چیزوں سے تھاھو اور الذی کی وہی تحقیق ہے جو ابھی کی گئی کہ ھو سے ذات رب العالمین مراد ہے اور الذی سے اس کی شان یا اس کی قدرت یا اس کی رحمت مراد یعنی اللہ وہ قدرت والا ہے جس نے اے انسانو تم سب کو ایک ذات سے بنایا مگر تم ایک نہ ہوئے' تمہاری زبان' غذا طریق' زندگی' قلبی حالات جدا گانہ ہیں' درخت ایک مگر پھل مختلف یا وہ اللہ' وہ رحمت والا ہے جس نے تم سب کو ایک ذات سے بنایا تاکہ تم سارے انسان ایک دوسرے کے حق ادا کرو سمجھو کہ ہم ایک باپ ایک ماں کی اولاد ہیں۔ انشا بنا ہے انشان سے جس کا مادہ نشو ہے۔ معنی پیدائش کہا جاتا نشوونما یعنی پیدا ہونا' بڑھنا۔ انشاء کے معنی ہیں پیدا کرنا' منشی پیدا کرنے والا۔ امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

الحمد للہ منشی لخلق من عدم ثم الصلوۃ علی المختار کلہم

کم میں خطاب صرف انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر اس خطاب میں جنات اور فرشتے داخل نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے نفس کے بہت معانی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہاں جان یا بمعنی ذات ہے نفس واحد سے حضرات ابوالبشر آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ تمام انسان انہیں کی اولاد ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت حواء کی پیدائش بھی آدم علیہ السلام سے ہے کہ ان کی ایک پسلی سے آپ پیدا کی گئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جناب مریم بمعرفت آدم کی اولاد لہٰذا ان کی پیدائش بھی حضرت آدم سے ہے اس لئے یہ آیت بالکل واضح ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرت حواء کی ولادت آدم علیہ السلام سے نہیں نہ آپ ان کی بیٹی ہیں بلکہ ان کی پیدائش آدم علیہ السلام سے ہے پیدائش اور ولادت میں بڑا فرق ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام تمام مردوں کے والد ہیں' تمام عورتوں کے والد نہیں۔ کیونکہ حضرت حواء کے والد نہیں بلکہ ان کے خاوند ہیں۔ تمام انسانوں کا ایک ذات سے پیدا فرمانا اللہ کی قدرت کی بھی دلیل ہے کہ ایک ذات سے اتنی بڑی مخلوق پیدا کر دی۔ نیز ایک درخت میں ایک ہی قسم کے پھل لگتے ہیں۔ آم کے درخت ہیں کیلا نہیں لگتا۔ ہر شاخ' ہر گدے میں آم ہی ہوتے ہیں مگر انسان میں رب نے یہ کمال دکھایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک ہیں مگر ان کی اولاد مومن بھی ہے' کافر بھی' مشرک بھی' منافق بھی مومنوں میں' اولیاء بھی ہیں' انبیاء بھی۔ حضور محمد مصطفیٰ بھی (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ گویا ایک درخت میں ایسے مختلف پھل لگا دینا کہ اسی میں فرعون ہے' اسی میں موسیٰ علیہ السلام' اسی میں ابوجہل ہے' اسی میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کمال قدرت ہے اور اس کی رحمت کی بھی دلیل ہے کہ سارے انسان اس رشتہ سے بھائی بھائی ہیں۔ ان میں بھائیوں والی الفت و محبت ہونی چاہئے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بنی آدم اعضاء یک دیگر اند کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار!
تو کز محبت دیگراں بے غمی نہ شاید کہ نامت نہند آدمی!

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں جسم کی پیدائش کا ذکر ہے تمام انسانوں کے جسم ... آدم ... سے ہیں۔ روح انسانی کی اصل آدم علیہ السلام نہیں' آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح جیسا کہ تفسیر صوفیانہ میں انشاء اللہ عرض کیا

جائے گا۔ فمستقر و مستودع اس عبارت کی دو قراء تیں ہیں۔ مستقر قاف کے کسرہ سے اور مستودع دال کے کسرہ سے اسم فاعل کا صیغہ دوسری قراءۃ مستقر قاف کے فتحہ سے مستودع دال کے فتحہ سے ہماری قراءت یہی ہے مستقر بنا ہے قرار سے بمعنی ٹھہرنا اور مستودع بنا ہے ودیعتہ سے بمعنی سپرد کرنا' امانت رکھنا اس عبارت کے بہت معنی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں مصدر میمی ہیں' مبتداء ہیں اور ان کی خبر لکم پوشیدہ ہے یعنی تمہارے لئے ٹھہرنا ہے اور امانت رہنا اور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں اسم مفعول بمعنی ظرف ہوں یعنی ایک مقام تمہارا جاء قرار ہے اور دوسرا مقام تمہارا جاء امانت' باپ کی پشت انسان کی جاء قرار و ٹھکانہ ہے۔ نطفہ وہاں ہی بنتا ہے رہتا ہے اور ماں کا رحم جاء امانت ہے کہ باپ کا نطفہ رحم میں بطور امانت رہتا ہے یا اس کے برعکس کہ ماں کا رحم جاء قرار ہے کہ وہاں بچہ بہت عرصہ رہتا ہے اور باپ کی پیٹھ جاء امانت کو وہاں نطفہ تھوڑی دیر رہتا ہے یا زندگی میں روئے زمین انسان کا جاء قرار ہے اور بعد موت قبر انسان کے لئے جاء امانت ہے یا دنیا جاء امانت ہے کہ یہاں کچھ روز رہنا ہے وہ بھی اس طرح کہ کہیں پرورش پاتا ہے' کہیں مرتا ہے' کہیں دفن ہوتا ہے اور آخرت جاء قرار کہ وہاں ہمیشہ ٹھہرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وما المال و الاهلون الا ودیعتہ ولا بد یوما" ان تود ا الود ائع

بعض نے فرمایا کہ قبر میں انسان امانت کے طور پر رہے گا اور جنت یا دوزخ میں ہمیشہ قرار پکڑے گا۔ ان تفاسیر کی دلیل وہ آیات ہیں وَ نقد فی الارحام ما نشاء۔ اور فرماتا ہے۔ و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین وغیرہ غرضیکہ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ دوسری قراءۃ مستقر اور مستودع قاف اور دال کے کسرہ سے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ بعض جگہ بطور قرار ہو گئے اور بعض جگہ بطور امانت مطلب ایک ہی ہے۔ قد فصلنا الایات لقوم یفقھون اس جملہ کی تفسیر ابھی ابھی عرض کی گئی یہاں اتنا سمجھ لو کہ ستاروں کے متعلق فرمایا گیا القوم یعلمون اور یہاں ارشاد ہوا القوم یفقھون۔ کیونکہ علم عام ہے بمعنی جاننا' اور فقہ خاص ہے بمعنی سمجھنا' استنباط کرنا' کسی چیز کی باریکی معلوم کرنا چونکہ ستارے وغیرہ ظاہری دلیلیں ہیں جن سے ہر شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت معلوم کر سکتا ہے اس لئے وہاں یعلمون ارشاد ہوا۔ مگر اپنے یہ حالات اور ان سے استدلال بہت دقیق و باریک ہے کہ بہت غور و تامل سے حاصل ہوتا ہے اس لئے یہاں یفقھون ارشاد ہوا اس لئے حضرات صوفیاء فرماتے ہیں۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ و فی انفسکم افلا تبصرون۔ دلائل قدرت تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں تم دیکھتے کیوں نہیں' نکتہ' فقہ 'قاف کے کسرہ سے بمعنی مطلقاً سمجھ بوجھ اور فقہ قاف کے پیش سے عالم اور فقیہہ اعظم ہو جانا (روح المعانی) خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کا جاننا اور ہے اس کا سمجھنا کچھ اور ہے۔ انجن کو دیکھ کر اسے جان لیا جاتا ہے مگر اسے سمجھا نہیں جاتا۔ سمجھتا اسے وہی ہے جو اس کا مستری' ڈرائیور ہو' سمندر کو دیکھ کر جان لیا جاتا ہے مگر اس کی تہہ تک کو سمجھنا صرف جہاز کے کپتان یا غواصی کا کام ہی ہے۔ دوسروں کو جاننا آسان ہے' اپنے کو جاننا بہت مشکل۔ آج سائنس دان سورج و چاند تک پہنچنے کی کوشش میں ہیں مگر اپنے تک نہیں پہنچ سکے ورنہ کافر نہ رہتے آنکھ دوسروں کو دیکھ لیتی ہے' اپنے کو بغیر آئینہ کے نہیں دیکھ سکتی ایسے ہی انسان اپنے کو بغیر نور نبوت نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا یفقھون فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری ہے۔ یہ معرفت دو طرح کی ہے۔ ایک کا نام توحید ہے۔

دوسری معرفت کا نام ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو باغوں' کھیتوں' چاند' سورج' تاروں کے ذریعہ سے جاننا پہچاننا توحید ہے اور اسے حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جاننا ماننا ایمان ہے۔ یہ آیات توحید کی ہیں۔ ایمان والی وہ آیت ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق مخلوق کے ذریعہ خالق کو بہت سے کفار بلکہ ابلیس کو بھی جانتے مانتے ہیں مگر نبی کے ذریعہ اسے صرف مومنین ہی جانتے' مانتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے ہمارے بندو تم نے ہماری مذکورہ قدرتیں' رحمتیں تو معلوم کرلیں اب سمجھو کہ ہم ایسے رحیم و قادر ہیں کہ ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے آسمانوں میں تارے روشن کئے جن کے ذریعہ تم رات کی اندھیری میں جنگل و دریا میں راستہ بھی معلوم کرلیتے ہو اور وقت بھی کہ مشرق و مغرب ادھر ہے' جنوب و شمال اس طرف ہم کو کس سمت چلنا چاہئے اور یہ کہ اب رات اتنی گزر گئی' اتنی باقی ہے گویا تارے تمہارے لئے زمین و زمان سب کچھ معلوم کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ ہم نے اپنی قدرت و رحمت کی آیات تفصیل وار بتادیں تاکہ علم والے لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں اور سمجھو ہم وہ قدرت و رحمت والے ہیں کہ ہم نے تم سارے انسانوں کو ایک ذات آدم علیہ السلام سے بنایا' تم کو اس رشتہ سے آپس میں بھائی بھائی بنایا۔ پھر تمہارے لئے دو مقام رکھے۔ ایک میں تم ٹھہرتے ہو' دوسرے میں بطور امانت رہتے ہو۔ چنانچہ تم باپ کی پیٹھ میں ٹھہرتے ہو' ماں کے رحم میں بطور امانت رہتے ہو۔ زمین پر ٹھہرتے ہو' قبر میں بطور امانت رہتے ہو یا قبر میں بطور امانت ہو گے اور جنت یا دوزخ میں بطور قرار دائمی رہو گے یا تم دنیا میں بطور امانت عارضی طور پر رہو گے۔ آخرت میں بطور قرار دائمی رہو گے۔ دنیا دار الفرار ہے یعنی بھاگ جانے کی جگہ آخرت دار القرار یعنی ٹھکانہ دائمی ان باتوں میں غور کرو اور ہماری قدرت کے قائل ہو کر ایمان قبول کرلو ہم نے یہ آیتیں صاف صاف کھول کر بیان فرما دیں مگر اس قوم کے لئے جس میں سمجھ کا مادہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ دنیا میں مستقل مکان مضبوط و قوی ہوتے ہیں۔ ایک جگہ ہی رہتے ہیں مگر عارضی خیمہ کمزور ہوتے ہیں۔ جگہ جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں' خیموں کی ساخت ہی بتاتی ہے کہ یہ عارضی گھر ہیں۔ ایسے ہی ہمارے جسموں کی کمزوریاں کہ ایک پھانس کی تاب نہ لاسکیں۔ سردی' گرمی' بھوک' پیاس برداشت نہ کرسکیں ہمارا ایک جگہ قرار نہ ہونا ہی بتارہا ہے کہ یہ جسم عارضی خیموں کی طرح چند روزہ ہیں۔ دائمی جسم وہ ہو گا جو آخرت میں ملے گا۔ جنت یا دوزخ میں جس پر بیماری' کمزوری تبدیلی وغیرہ کا کوئی اثر نہ ہو گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: چاند' سورج' تارے وغیرہ ساری کائنات انسانوں کے لئے بنائی گئی۔ جنات اور دوسری مخلوق انسان کے طفیل ان سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ یہ فائدہ جعل لکم کے لام اور کم ضمیر سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ان تمام کا خالق' مالک قابض اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر ان سے نفع اٹھانے والے ہم انسان' اللہ تعالیٰ نفع لینے سے پاک ہے جب رب نے یہ سب کچھ ہمارے لئے کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ ہم سب کچھ رب تعالیٰ کے لئے کریں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری!
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار! شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

دوسرا فائدہ: علم ہیئت یعنی ستاروں سے نماز' روزے کے اوقات افطار و سحری۔ یونہی ان سے سمت قبلہ وغیرہ معلوم کرنا حق ہے۔ بلکہ ضروری ہے علم [illegible] بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ فائدہ

لتهدوا بها الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرے مقام پر رب فرماتا ہے۔ **علامات و بالنجم هم يهتدون** ۔ تیسرا فائدہ:
اس کے سواء ستاروں سے اور باتیں معلوم کرنا ممنوع ہے۔ جیسے سعادت و نحوست بارش کے اوقات اسی علم نجوم کی حدیث
شریف میں ممانعت آئی۔ چنانچہ ابوداؤد' ابن ابی شیبہ' ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس مرفوعاً" روایت کی کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے علم نجوم سیکھا اس نے گویا جادو کا ایک حصہ سیکھا (روح المعانی)۔ یہ فائدہ بھی لتهدوا
بها سے حاصل ہوا کہ یہ چیزیں معلوم کرنا ہدایت نہیں ضلالت و گمراہی ہیں۔ مسئلہ: ستاروں کو موثر ماننا حرام بلکہ کبھی کفر ہے
کہ یہ ستارہ پرستی کا ذریعہ ہے نیز ان سے غیبی خبریں معلوم کرنا اور ان پر یقین کرنا حرام ہے۔ مگر ان کو کسی چیز کی علامت ماننا' جیسے
بادل بارش کی علامت ہے مگر ان پر یقین نہ کرنا جائز ہے۔ علم ہیئت بالکل یقینی ہے' علم نجوم وہمی یا مشکوک' علم ہیئت والے جس
تاریخ میں' جس وقت کا سورج کا طلوع غروب نماز کے اوقات بتاتے ہیں بالکل درست ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن حفص
فرماتے ہیں کہ اہل عرب کہانت' قیافہ' عیافہ' نجوم' حساب میں بڑے ماہر تھے۔ اسلام نے کہانت باطل کر دی۔ باقی چیزیں باقی
رکھیں (روح المعانی)۔ یہ فرق خیال رہے۔ چوتھا فائدہ: علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے مگر وہی علم جو معرفت الہی کا ذریعہ ہو۔
یہ فائدہ لقوم يعلمون سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید نے علماء کے بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ فرمایا **انما يخشى الله
من عباده العلماء** اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اور فرمایا **و قل رب زدنى علما** ۔ اے محبوب کہو کہ الہی میرا
علم اور زیادہ فرما۔ پانچواں فائدہ: حضرت حواء' حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں مگر پیدا انہیں سے ہوئی ہیں۔ ان کی اصل
بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں یہ فائدہ **انشاكم من نفس واحدة** سے حاصل ہوا۔ انسانوں کی اصل حضرت آدم علیہ
السلام ہیں مگر جسمانیت کی اصل ہیں نہ کہ روحانیت کی۔ چھٹا فائدہ: عورت سے مراد افضل ہے کہ وہ عورت کی اصل ہے
بلکہ انسان کی اصل اصول ہے' اسی لئے قرآن مجید میں اکثر احکام میں مردوں سے افضل ہے کہ وہ عورتیں ان کے تابع ہو کر ان
احکام میں داخل ہیں جیسے **اقيموا الصلوة و اتوا الزكوة** ۔ یہ فائدہ بھی **انشاكم من نفس واحدة** سے حاصل ہوا۔
ساتواں فائدہ: جنت کی حوریں اور غلمان انسان نہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں یہ فائدہ بھی **انشاكم
من نفس واحدة** سے حاصل ہوا یونہی وہ مخلوق جو جنت پر کرنے کے لئے پیدا کی جائے گی وہ آدمی یعنی اولاد آدم نہ ہو گی۔ جنتی
انسانوں کا نکاح حوروں سے یہ اس جہان کے احکام ہیں دنیا میں انسان کا نکاح صرف انسان سے ہی ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت آدم
علیہ السلام جب جنت میں رہے تو انہیں صرف وہاں کی نعمتیں کھانے' پینے کی اجازت تھی۔ **فكلا منها حيث شئتما** وہاں کی
حوریں استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی لئے حضرت حواء پیدا فرمائی گئیں۔ خیال رہے کہ حوریں اگرچہ انسان نہیں مگر
شکل انسانی میں ہیں۔ جیسے بہت دفعہ حضرت جبرائیل شکل انسانی میں آتے تھے کہ ان کی حقیقت نور تھی' لباس و شکل انسانی'
یونہی حوریں نوری مخلوق ہیں' بشری شکل میں اس لئے ان پر انسانی احکام جاری ہوں گے نکاح وغیرہ۔ آٹھواں فائدہ: انسان
خواہ مومن ہو یا کافر سب آدمی ہیں۔ یعنی جناب آدم کی اولاد لہٰذا اچاہئے یہ کہ ایک دوسرے کا غم و خوار غم گسار ہو۔ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے مسلمان پر کافر پڑوسی کے حق معین فرمائے' مکہ معظمہ میں ایک بار قحط پڑ گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
نے مدینہ منورہ سے اتنا غلہ بھیجا کہ مکہ کا قحط دور ہو گیا۔ حضرت عمر سے فرمایا کہ تم یہ ریشمی جوڑا اپنے مشرک بھائی کو مکہ معظمہ
بھیج دو۔ حضرت بایزید بسطامی نے اپنے پڑوسی یہودی کے گھر روزانہ چراغ جلا کر بھیجا جبکہ اس کا بچہ اندھیرے سے روتا تھا۔

اسلام نے تو جانوروں کے حقوق مقرر فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ والے سے فرمایا کہ اس سے کام کم لے' چارہ زیادہ دے۔ فرمایا وہ عورت دوزخ میں گئی جس نے بلی کو بھوکا مار دیا۔ یہ فائدہ بھی **من نفس واحدة** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہمارا دنیا میں رہنا عارضی ہے جیسے سرائے میں مسافر کا قیام' ہمارا اصل مقام آخرت ہے۔ یہ فائدہ **مستقر اور مستودع** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دنیا کو اپنے لئے جاء قرار سمجھ لینا بڑی ہی غلطی ہے۔ **دسواں فائدہ:** فقہ یعنی دینی سمجھ کہ انسان دنیا کے ذریعہ آخرت بلکہ رب تعالیٰ کو پہچان لے یہ اللہ کی بڑی ہی نعمت ہے جسے یہ نعمت ملی اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل و کرم ہوا۔ یہ فائدہ **لقوم یفقھون** سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** اگرچہ قرآن آیا ہے سارے جہان کے لئے مگر اس سے فائدہ صرف علماء' فقہاء اٹھاتے ہیں اور ان کے ذریعہ دوسرے لوگ۔ جو عام آدمی علماء' فقہاء کا دامن چھوڑ دے وہ قرآن مجید سے ہرگز ہرگز فائدہ نہیں اٹھا سکتے جیسے بارش سے موتی صرف سیپ لیتی ہے۔ سورج سے لعل صرف بدخشاں کے پہاڑ لیتے ہیں' ان کے ذریعہ لوگوں کو موتی اور لعل ملتے ہیں۔ احکام شرعیہ قرآنی موتی اور لعل ہیں۔ جو علماء کے سینے سے ہم کو ملتے ہیں۔ یہ فائدہ **لقوم یفقھون** اور **لقوم یفقھون** سے اشارۃً حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خشکی اور دریا کے ہی سفروں میں ستاروں سے ہدایت ملتی ہے۔ حالانکہ ہم اپنے گھروں میں رہ کر بھی ان سے ہدایت لیتے ہیں۔ پھر یہاں **ظلمات البر والبحر** کی قید کیوں لگائی گئی؟ **جواب:** اس لئے کہ ان تاروں سے ہدایت کی زیادہ ضرورت ان دونوں سفروں میں ہی پڑتی ہے۔ گھر میں انسان اپنے راستوں سے بھی واقف ہوتا ہے اور وقت کا بھی اندازہ لگا لیتا ہے۔ ستاروں کے زیادہ محتاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اب تو تاروں کی قطعاً ضرورت نہ رہی کیونکہ سمت معلوم کرنے کے لئے قطب نما اور وقت پہچاننے کے لئے گھڑیاں بن گئیں پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** قطب نما اور گھڑیاں بھی تاروں ہی کے حساب سے بنائی گئی ہیں۔ قطب نما قطب ستارہ کی سمت بتاتا ہے اور گھڑیاں سورج کی رفتار کا پتہ دیتی ہیں۔ چنانچہ تمام گھڑیاں' ریڈیو سے درست کی جاتی ہیں اور ریڈیو آفتاب سے وقت لیتا ہے۔ سورج کی گھڑی وہ قدرتی گھڑی ہے جس میں کبھی فرق نہیں ہوتا۔ **تیسرا اعتراض:** سمت صرف قطب تارے سے معلوم ہوتی ہے اور وقت ضرور سورج سے تو یہاں **النجوم** جمع کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** یہ غلط ہے دن میں سمت سورج سے معلوم ہوتی ہے مشرق و مغرب سورج ہی بتاتا ہے۔ رات میں قطب تارہ صرف ایک سمت یعنی شمال بتاتا ہے باقی سمتیں دوسرے تاروں کی رفتار بتاتی ہے۔ یونہی قطب تارہ وقت بالکل نہیں بتاتا یہ دوسرے تارے ہی بتاتے ہیں لہذا **النجوم** فرمانا بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **ظلمات** جمع کیوں ارشاد ہوا' تاریکی تو ایک ہی ہے جنگل میں اور سمندر میں۔ **جواب:** دنیا میں جنگل اور دریا مختلف ہیں اور ہر جنگل و دریا کی اندھیری علیحدہ ہے نیز ایک ہی رات میں شام کو اندھیری اور قسم کی ہوتی ہے آدھی رات کو اندھیری اور نوعیت کی ہوتی ہے۔ قریب صبح اور قسم کی پھر آسمان صاف ہو تو اندھیری اور قسم کی ہوتی ہے۔ بادلوں میں اور طرح کی غرضیکہ اندھیروں کے افراد بھی بہت ہیں' اقسام بھی بہت۔ اس لئے **ظلمات** جمع فرمانا بالکل درست ہے۔ اگر تاروں سے مراد صحابہ کرام ہوں تو انسان پر جوانی' دولت' غریبی' سلطنت' حکومت' عیش' تکلیف کی مختلف اندھیریاں آتی رہتی ہیں۔ ان سب اندھیروں میں صحابہ کرام کی زندگی رہبری کرتی ہے جوانی و طاقت میں علی شیر خدا دولت کی اندھیری میں حضرت عثمان غنی فقیری کی اندھیری میں حضرت ابوذر غفاری' ... سلطنت کی اندھیری میں حضرت عمر

کی زندگیاں انسان کے لئے رہبر ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید سے صرف علماء' فقہاء نفع اٹھاتے ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے هدی "للمتقین اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ هدی للناس۔ یعنی قرآن مجید سارے متقیوں بلکہ سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** قرآن مجید و حدیث سے بلاواسطہ فیض علماء لیتے ہیں اور علماء کے واسطے سے عوام یا یوں کہو کہ قرآن مجید کی ہدایت عامہ سارے انسانوں کے لئے ہے اور ہدایت خاصہ صرف علماء کے لئے جیسے سورج کی روشنی سارے جہان کے لئے مگر دانے کھیت کے لئے' اور پھل پھول چمن کے لئے' لعل بدخشاں کے پہاڑ کے لئے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید فرما رہا ہے کہ وہ کلمہ کن یا حضرت جبرائیل کے دم سے پیدا ہوئے تو وہ حضرت آدم کی اولاد کیسے ہوئے اور یہ آیت کریمہ کیسے درست ہوئی کہ تم سب کو ایک جان سے بنایا۔ **جواب:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتداء آفرینش کلمہ کن سے ہے مگر انتہاء آفرینش حضرت مریم کے شکم سے۔ اور جناب مریم اولاد آدم سے ہیں لہٰذا آپ بھی جناب آدم کی اولاد سے ہیں جیسے ہماری ابتداء آفرینش مٹی سے ہے اور انتہا ماں باپ سے۔ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جناب مریم کے نطفہ سے نہیں مگر آپ کی شکمی پرورش' جناب مریم کے خون سے ضروری ہے پھر ان کے دودھ سے۔ **ساتواں اعتراض:** حضرت حواء اگر آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں تو وہ ان کی بیٹی ہوئیں اور بیٹی سے نکاح حرام ہے پھر وہ آپ کی بیوی کیسے بنیں اور اگر وہ آدم علیہ السلام سے پیدا نہیں ہوئیں تو یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **انشاء کم من نفس واحدة** حضرت حوا جناب آدم علیہ السلام سے پیدا نہ ہوئیں۔ **جواب:** ولادت اور چیز ہے پیدائش (انشاء) کچھ اور چیز ولادت یہ ہے کہ مرد کے نطفہ سے اس کا مثل بنے یا ماں کے پیٹ سے اس کا ہم مثل خارج ہو۔ حضرت حواء جناب آدم علیہ السلام کے جسم سے بنائی گئیں مگر آپ کے نطفہ سے پیدا نہ ہوئیں لہٰذا حضرت آدم' حضرت حوا کی اصل ہیں والد نہیں۔ اسی لئے یہاں انشاء کم فرمایا ولد کم نہ فرمایا۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** تمام لوگ حضرت آدم و حضرت حواء سے پیدا ہوئے تو یہ فرمانا کیونکر درست ہوا کہ **انشاء کم من نفس واحدة** سب کے والد حضرت آدم علیہ السلام اور والدہ حضرت حوا۔ **جواب:** یہاں انشاء کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے۔ جن میں جناب حواء بھی داخل ہیں اس معنی سے سب ایک ہی ذات آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے۔ نیز سب لوگ حضرت آدم و حواء سے پیدا ہوئے اور حضرت حواء' آدم علیہ السلام سے لہٰذا اصل اصول سب کے آدم علیہ السلام ہی ہوئے اور **من نفس واحدة** فرمانا بالکل درست ہوا۔ **نواں اعتراض:** اگر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ سارے انسانوں حتیٰ کہ کافروں کا بھی غم خوار ہو تو کفار کو جہاد وغیرہ سے فنا کیوں کیا جاتا ہے' یہ تو غم خواری نہیں۔ **جواب:** جہاد بھی کفار کی غم خواری ہے جہاد کفار کو ہلاک کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کفر کا زور توڑنے مسلمانوں کو آزادی سے اپنے اسلام پر قائم رہنے کے لئے ہوتا جب کفار ہمارے ذمی بن جائیں تو ان کے وہی حقوق ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے حتیٰ کہ ذمی کافر کے مسلم قاتل کو قتل مسلم چور کا قطع ہو گا یہ جہاد ایسا ہے جیسے گلے عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان دنیا میں مسافر ہے۔ خدا رسی کے لئے اسے شریعت کے جنگل طریقت کے دریا طے کرنا ہیں۔ ان راستوں میں نفسانی' شیطانی' طغیانی اندھیریاں ہیں' بہت ہی خطرہ ہے کہ انسان ان اندھیریوں میں پھنس کر راہ بھول جائے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو تاروں کی طرح چمکا دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ تارے

ہیں تم جس کی پیروی کرو گے' ہدایت پالو گے جو انسان حضرات صحابہ کے نقش قدم پر چلا۔ ہدایت پر رہا جو ان سے الگ ہوا بہک گیا۔ فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا کیونکہ حضرات صحابہ اسلام کی صف اول میں ہیں جنہوں نے امام الانبیاء کو دیکھا بھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سنے بھی۔ ہم لوگوں کو یہ نعمتیں میسر نہیں ہوئیں' ہماری درستی ان کی نقش قدم پر چلنے میں ہے۔ جیسے آخری صف کے نمازیوں کی نمازیں صف اول والے نمازیوں کی تکبیروں پر درست ہوتی ہیں یا جیسے ریل کے دوسرے ڈبے اگرچہ چلتے انجن کی طاقت سے ہیں مگر پہلا ڈبہ بلاواسطہ انجن سے وابستہ ہوتا ہے' دوسرے ڈبے پہلے ڈبہ کے ذریعہ سے۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ وہ اللہ ایسی رحمتوں والا ہے۔ جس نے آسمان نبوت پر صحابہ کرام کے تارے کھلائے تاکہ تم شریعت و طریقت کے راہ میں ہدایت پاؤ اگر تم اب بھی نہ سمجھو تو تمہاری مرضی۔ ہم نے کھول کر آیتیں بیان فرمادیں۔ اس رب نے سارے انسانوں بلکہ سارے جہان کو ایک ذات محمدیہ سے پیدا فرمایا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اول ما خلق الله روحی پھر تمام روحیں اس روح پاک سے ایسے پیدا فرمائیں جیسے سورج سے سارے تارے کھلتے ہیں یا سارے آئینہ منور ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب الارواح ہیں' جسموں کے والد' آدم علیہ السلام ہیں مگر روحوں کے والد حتیٰ کہ حضرت آدم کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ظاہر میں میرے نخل حقیقت میں میری اصل — اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے!

سارے مسلمان اس جہان میں بطور امانت چند روزہ مقیم ہیں عارضی طور پر مگر سب کا اصل ٹھکانہ پاک مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جیتے جی ہم لوگ مختلف مقامات میں آباد ہیں' مختلف بولیاں بولتے ہیں مگر مرتے ہی انشاء اللہ طائر روح انہیں کے قدموں میں پہنچے گا' انہیں کی بولی بولے گا۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے — قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

جب تک طائر روح جسمانی قفس کی قید میں ہے۔ تب تک وہ مدینہ منورہ پہنچنے میں پاسپورٹ' ویزا' سواریوں کا محتاج ہے۔ جس دن یہ پنچھی اس پنجرے سے نکلا تو دیکھنا انشاء اللہ ایک قدم میں مدینہ پہنچے گا۔

یا جیتے جی چلیں پاؤں سے یا مر کے پکھیرو بن جائیں
جانا ہے انہیں کے قدموں میں چاہے آس جائیں چاہے بس جائیں

یہ مقصد ہے اس آیت کریمہ کا فمستقر و مستودع جسمانی وطن بہت ہیں مگر سب مسلمانوں کا روحانی وطن ایک ہی ہے اور وہ ہے مدینہ پاک کی گلیاں۔ حضرت محدث اعظم سید محمد صاحب کچھوچھوی قدس سرہ جب حج کو روانہ ہوئے تو میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ' سخت بیمار تھے' مرض الموت میں تھے۔ اٹھارہ ذی الحجہ کو محدث صاحب بعد نماز فجر روضہء اطہر پر سلام پڑھ رہے ہیں دیکھا کہ سامنے صدر الافاضل کھڑے سلام عرض کر رہے ہیں۔ محدث صاحب فرماتے تھے کہ مجھے خیال ہی نہ رہا کہ میں تو صدر الافاضل کو جاں بلب چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ بعد اسلام کے پوچھوں گا کہ آپ کب اور کون سے جہاز سے آئے اور یہاں کہاں ٹھہرے ہیں۔ پلک جھپکا تو صدر الافاضل لو جھل ہو چکے تھے۔ ڈیرہ پر جاکر تار ملا کہ حضرت صدر الافاضل کا انتقال ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ روح نے جسم عنصری سے نکلتے ہی ایک قدم بڑھایا اور مدینہ منورہ پہنچی۔ یہ ہے [illegible] اللہ [illegible] کے قدموں میں قرار عطا فرمائے۔ آمین۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

اور وہ وہ ہے کہ اتارا اس نے آسمان سے پانی پس نکالا ہم نے اس سے اگاوا ہر چیز کا پس نکالا ہم نے اس سے

اور وہ ہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًاۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ

سبزہ نکالتے ہیں ہم اس سے دانے اوپر تلے سوار اور درخت کھجور کے گچھے سے خوشے قریب اور

نکالی سبزی جس میں سے دانے نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے

جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍؕ اُنْظُرُوْۤا

باغات انگور کے اور زیتون کے اور انار کے ہم شکل اور غیر ہم شکل دیکھو تم طرف اس

پاس پاس گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ اس کا پھل دیکھو

اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝۹۹

کے پھل کے جب کہ پھل دے اور اسکے پکنے کی طرف۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لیئے جو ایمان رکھتی ہے

جب پھلے اور اس کا پکنا بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ستاروں کے فوائد کا ذکر تھا جو ہمیشہ چمکتے ہیں۔ اب بارش کے فوائد کا ذکر ہے جو کبھی کبھی ہوتی ہے گویا دائمی نعمت کے بعد وقتی نعمت کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں انسان کی ایجاد کا ذکر تھا۔ اب اس کی بقاء کے ذریعہ کا بیان ہے۔ یعنی بارش اور کھیتی باڑی۔ چونکہ بقاء ایجاد کے بعد ہے۔ اس لئے یہ آیت کریمہ اس کے بعد آئی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی یہ شان بیان ہوئی کہ اس نے ایک ذات سے رنگ برنگے انسان بنائے کافر' مومن' فاسق' متقی' کالے گورے۔ اب اس کی یہ شان بیان ہو رہی ہے کہ وہ ایک بارش سے رنگ برنگے پھل پھول' گھاس' بھوسہ وغیرہ پیدا فرماتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ کا منشا تھا کہ ہم نے انسان کو پیدا فرمایا ہم خالق ہیں' انسان مخلوق۔ اس آیت کریمہ کا منشا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کرکے بے یارومددگار نہ چھوڑ دیا بلکہ اس کی خبر گیری فرماتے رہے تاکہ معلوم ہو کہ رب تعالیٰ نے ہم کو ایمان دیا' پھر ایمان دے کر ہم کو بے سہارا نہ چھوڑ دیا بلکہ علم و عرفان کی بارشوں سے ایمان کے بقا کا سامان فرمایا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں یا آسمانی چیزوں کا ذکر تھا یا زمینی چیزوں کا۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر ہے جو آسمانی بھی ہے' زمینی بھی۔ یعنی بارش کہ یہ آسمان سے آتی ہے زمین پر بلکہ زمین میں پہنچتی ہے نیز یہ زمین کا پانی ہے جو آسمان کی طرف سے آتا ہے گویا یہ چیز مشترک ہے جیسے عالم غیب اور ہے' عالم شہادت کچھ اور مگر نبوت ان دونوں میں مشترک ہے گویا یہ محکمہ مواصلات ہے جو داخلی خارجی محکموں کو ملاتا ہے۔

تفسیر: وهو الذی انزل من السماء ماء" یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نئی قدرت' نئی رحمت کا ذکر ہے هو اور الذی کا فرق ابھی پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ ھو ذات کو بتا رہا ہے اور الذی رب کی شان کو یعنی وہ اللہ' وہ شان والا' وہ

قدرت والا' وہ رحمت والا۔ چونکہ کنویں' تالاب' دریا کے پانی کے متعلق انسان کہہ سکتا ہے کہ میں نے یہ کیا ہے دریا سے نہر نکالی' میں نے کنوئیں پر ٹیوب ویل لگایا مگر بارش کا پانی وہ ہے جہاں کسی کی میں کو دخل نہیں محض قدرتی ہے۔ اس لئے ھوالذی فرمانا نہایت موزوں ہے یعنی وہ اللہ' وہ قدرت والا ہے نیز بارش کا پانی وہ ہے جو ہمارے گھروں میں ہم تک پہنچ جاتا ہے یعنی کنواں' دریا بلا کر پانی دیتے ہیں مگر بادل آ کر پانی دیتا ہے جس سے وہ درخت بھی سیراب ہوتے ہیں جو نہ کہیں جا سکیں' نہ کچھ کما سکیں لہٰذا ھو الذی فرمانا درست ہوا کہ وہ اللہ' وہ رحمت ہے یا رب تعالیٰ نے تم کو زندہ کر کے رکھا' زندہ رہنے کے لئے سامان مہیا فرمائے۔ یونہی چھوڑ نہیں دیا' ہم ایسے رحمت والے ہیں۔ انزل میں ایک بار بارش برسانے کا ذکر ہے ایک بار کی بارش سے تمام بارشوں کو قیاس کر لو یا انزل سے بروقت بارش مراد ہے جو کھیتوں' باغوں کو نفع دے بے وقت کی بارش ان سب کو فنا کر دیتی ہے یا انزل سے بقدر ضرورت بارش مراد ہے۔ ضرورت سے زیادہ بارش کھیتوں' باغوں بلکہ بستیوں کو فنا اور تباہ کر دیتی ہے اس سے سیلاب آ جاتے ہیں۔ بہرحال بجائے ینزل کے انزل فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ ماء سے مراد یا بادل ہے یا آسمان چونکہ ماء سے مراد بارش کا پانی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اگرچہ کنوؤں میں پانی بھی بارشوں کی وجہ سے ہوتا ہے بارش نہ ہو تو کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں مگر یہاں وہ پانی مراد نہیں چونکہ بارش بادل سے آتی ہے اور بادل آسمان کے اسباب سے بنتے ہیں کہ سورج کی گرمی سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر اوپر چڑھتا ہے پھر اوپر ٹھنڈک پا کر جم جاتا ہے' پھر وہی جما ہوا پانی قطروں کی شکل میں بارش ہو کر برستا ہے لہٰذا من السماء فرمانا بالکل درست ہے یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ لغت میں سماء ہر اونچی چیز کو کہتے ہیں چنانچہ چھت کو سماء البیت کہتے ہیں لہٰذا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اوپر سے بارش برسائی تاکہ درختوں کو غسل بھی ہو جائے اگر زمین میں سے پانی پھوٹ جایا کرتا تو جڑیں تر ہوتیں' غسل نہ ہوا کرتا اس تفسیر سے آیت بالکل صاف ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ فاخرجنا بہ نبات کل شیء یہ عبارت انزل پر معطوف ہے یہاں ف مطلقاً عطف تعقیبی کے لئے ہے کیونکہ بعض گھاسیں بارش ہوتے ہی اگ پڑتی ہیں' بعض کچھ دیر سے یہاں روشن کلام بدلی ہوئی ہے کہ پہلے ھو اور انزل غائب کے طور پر ارشاد ہوا۔ یہاں انزلنا جمع متکلم کے طریقہ پر اسے عربی میں التفات کہتے ہیں۔ اس سے کلام کا لطف بڑھ جاتا ہے اور مضمون کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ زمینی پیداوار پر جانداروں کی بقا موقوف ہے اس لئے اخرجنا فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے نا ارشاد ہوتا ہے وہاں نا جمعیت کے لئے نہیں تعظیم کے لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے وہاں جمعیت کیسی (روح البیان)۔ بہ کا مرجع وہی بارش ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔ نبات مصدر ہے بمعنی اگنا یہاں مراد اگنے والی چیز جب درخت یا پیڑ زمین سے سر نکالتا ہے اسے اردو میں کونپل پنجابی میں انگوری کہتے ہیں وہی یہاں مراد ہے کل شیء سے مراد ہرا گنے والی چیزیں ہیں جنہیں نباتات کہا جاتا ہے۔ جانور' پتھر وغیرہ اس میں داخل نہیں' چونکہ بارش سے کھیت میں بھی کونپلیں اگ پڑتی ہیں۔ باغ میں بھی کھیت کی کونپلیں باغ کی کونپل سے افضل ہیں اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ فاخرجنا منہ خضرا " یہ عبارت پہلے فاخرجنا پر معطوف ہے یہاں بھی ف صرف تعقیب کے لئے ہے کیونکہ کونپلوں سے سبزہ عرصہ کے بعد بنتا ہے۔ پانی کونپلوں (انگوری کا سبب ہے اس لئے وہاں بہ ارشاد ہوا مگر کونپل سبزہ' پتے وغیرہ کا سبب نہیں بلکہ مبدا ہے اس لئے یہاں منہ ارشاد ہوا کہ کونپل ہی کچھ دنوں میں بڑھ کر سبزی بن جاتی ہے۔ خضر [illegible] ہری ڈالیں ہرے پتے ہیں۔ خضر [illegible] اخضر ہے جیسے عور بمعنی اعور اخضر اصلی سبز

کو کہتے ہیں جو بذات خود سبز ہو جس پر ہرا رنگ چڑھا دیا جائے اسے اخضر نہیں کہا جاتا۔ (معانی)۔ **نخرج منہ حبا متراکبا** " یہ عبارت خضرا کی صفت ہے منہ کا مرجع وہی ہے خضر ہے حب دانہ کو کہتے ہیں اس کی جمع حبوب ہے یہاں غذائی دانے مراد ہیں جیسے گندم' جو' دھان وغیرہ چونکہ یہ دانے ایک دوسرے پر ایسے چنے ہوتے ہیں جیسے کسی نے لڑی میں موتی چن دیئے یہ بالیاں قدرت کا نمونہ ہیں اس لئے متراکبا" ارشاد ہوا یعنی بارش کے ذریعہ پہلے ہر نبات کی کونپلیں زمین سے نکالتے ہیں پھر وہ کونپلیں سبز لکڑیں' سبز شاخیں' پتے بن جاتی ہیں پھر انہی پتوں میں سے اوپر تلے چنے ہوئے دانے نکلتے ہیں یہ تو کھیت کا حال ہوا۔ اب سنو باغ کے حالات **و من النخل من طلعها قنوان دانیہ** جملہ نیا ہے اس میں من النخل خبر مقدم ہے اور من طلعها اس کا بدل' بعض اور **قنوان دانیہ** مبتداء موخر اس میں من ابتدائیہ ہے۔ نخل واحد بھی آتا ہے' جمع بھی' کھجور کے درخت کو نخل کہا جاتا ہے۔ چونکہ تمام میووں میں کھجور افضل ہے کہ اس میں لذت بھی ہے' غذائیت بھی۔ حضرت مریم نے جناب مسیح کی ولادت کے وقت کھجوریں ہی کھائی تھیں نیز درخت کھجور حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کی کمر چن سے بنا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک کھجوروں سے آباد ہے۔ غرضیکہ درخت کھجور کو تین نبیوں سے نسبت ہے۔ حضرت آدم' حضرت عیسیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نیز یہ درخت خدمت نہیں لیتا' کھاد' پانی کا محتاج نہیں ہوتا۔ نیز اس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے لگائے ہوئے کھجور کے درخت اب چودہ سو برس بعد دیکھے ہیں نیز یہ درخت ہر بلا آفت کو جھیل جاتا ہے۔ خزاں وغیرہ کا اثر نہیں لیتا' نیز یہ درخت ہمیشہ فائدہ دیتا ہے یعنی کٹ جانے کے بعد بھی جیسے مرد مومن سوتے' جاگتے' جیتے' مرتے فائدہ مند ہے ایسے ہی درخت کھجور کٹنے کے بعد مفید ہے ان وجوہ سے پہلے کھجور کا ذکر کیا گیا۔ جب کھجور میں پھل آنے کا وقت آتا ہے تو اس کے سرے پر پہلے دو جڑے ہوئے جوتوں کی طرح پٹھا نکلتا ہے اسے طلع کہتے ہیں پھر اس پٹھے میں کھچے لگتے ہیں اسے قنو کہتے ہیں۔ قنوان قنو کا تثنیہ بھی ہے اس کی جمع بھی اس تثنیہ و جمع میں چند طرح فرق کیا جاتا ہے۔ (1) تثنیہ کا نون ہمیشہ کسرہ والا بغیر تنوین کے ہوتا ہے۔ جمع کے نون پر تینوں اعراب مع تنوین آتے ہیں جیسے یہاں پیش آیا ہے۔ (2) تثنیہ کا نون اضافت کے وقت گر جاتا ہے۔ جمع کا نون نہیں گرتا۔ چنانچہ تثنیہ میں قنواک کہا جاتا ہے جمع قنوانک۔ (3) تثنیہ کو جب واحد کی طرف مضاف کریں گے تو واحد کر کے مضاف کریں گے۔ جیسے قنوی اور جمع کو ایسے ہی رکھیں گے جیسے قنوانی (تفسیر صاوی) یہاں جمع ہے دانیہ بنا ہے دنو سے بمعنی قرب دانیہ بمعنی قریب ہوں۔ جنہیں انسان بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر منہ سے پکڑ لے ہم نے مدینہ منورہ میں ایسی کھجوریں دیکھی ہیں جن کے پھل زمین سے لگے ہوتے ہیں یہ بعض کھجوروں کا حال ہے بعض کھجوروں کے پھل بہت اونچے ہوتے ہیں کیونکہ وہ خود بہت لمبی ہوتی ہیں وہ کھجوریں زمین پر پھیلی ہوتی ہیں لمبی نہیں ہوتیں۔ چونکہ ان کھجوروں کا نظارہ نہایت خوبصورت' خوشنما ہوتا ہے اور بہت آرام دہ اس لئے ان کا ہی ذکر فرمایا۔ اونچی' لمبی کھجوروں کو خود معلوم کر لو۔ **و جنات من اعناب** یہ عبارت معطوف ہے یا نبات پر یا خضر پر یا حبا" پر اس لئے اخرجنا کا مفعول ہے اور نصبی حالت میں ہے. نات جمع ہے جنت کی یعنی گھنا باغ جس کے نیچے کی زمین نظر نہ آئے چونکہ کھجور کا ایک درخت بھی فائدہ دے دیتا ہے مگر انگور کا ایک دو درخت فائدہ نہیں دیتا۔ اس کا تو باغ فائدہ مند ہے اس لئے کھجور کے لئے باغات کا ذکر نہ فرمایا انگور کے لئے باغات کا ذکر ہوا۔ اعناب جمع ہے عنب کی بمعنی انگور یعنی ہم بارش کے ذریعہ انگوروں کے باغ لگاتے ہیں جو تمہارا بہترین میوہ ہے۔ **والزیتون والرمان**

مشتبھا" و غیر متشابہ۔ یہ عبارت معطوف ہے نبات پر اور اخرجنا کا مفعول بہ ہے زیتون کے درخت اور پھل کو
زیتون کہتے ہیں اس کے تیل کو زیت۔ مشتبھا اور غیر متشابہ دونوں زیتون اور رمان سے حال ہیں یعنی زیتون اور انار کے
درخت ان کے پتے تو ہم شکل ہوتے ہیں مگر پھل ہم شکل نہیں ہوتے ہم نے زیتون کے درخت فلسطین میں دیکھے تو انہیں انار
کے درخت سمجھے۔ ہم کو بتایا گیا کہ یہ زیتون کے درخت ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مشتبھا اور غیر متشابھا ان تمام پھلوں کا حال
ہو اور مطلب یہ ہوا کہ انگور' انار' کھجوریں ان کے پھل دیکھنے میں آپس میں یکساں ہوتے ہیں مگر مزے میں مختلف بعض انگور
کھٹے ہوتے ہیں بعض میٹھے' بعض کسیلے یہی انار کا حال ہے کہ بعض میٹھے' بعض کھٹے ہر پھل کا یہی حال ہے آم میں تو کمال ہی
ہے کہ ایک ہی آم کچا ہو تو سخت کھٹا پک جائے تو نہایت ہی میٹھا غرضیکہ قدرت کے کمالات ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ
ایک پھل بہت سی قسم کا ہوتا ہے ہر قسم دوسرے سے شکل میں مشابہ مگر ان کے مزے مختلف۔ چنانچہ کھجوریں قریبا" اسی قسم کی
ہیں سب کو کھجور ہی کہا جاتا ہے۔ شکل میں مشابہ مگر ان کے مزے مختلف۔ یہی حال انگور' انار کا ہے نیز ان قسموں کے درخت
یکساں۔ مگر پھل مختلف غرضیکہ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں انظروا الی ثمرہ اذا اثمر۔ یہ علیحدہ جملہ اس میں
خطاب سارے انسانوں سے خصوصا" کفار سے ہے نظر سے مراد نظر عبرت ہے بمعنی غور کرنا ہے ثمرہ میں ہ ضمیر سارے مذکورہ
درختوں کی طرف راجع ہے ایسے ہی اثمر کا فاعل وہی ہیں یعنی جب یہ مذکورہ درخت پھل دیں تو ان پھلوں میں غور کرو کہ کیسے
چھوٹے بدمزہ کسیلے ہوتے ہیں جن سے نفع حاصل نہ کیا جاسکے وینعہٖ یہ معطوف ہے ثمرہ پر ظاہر یہ ہے کہ ینع مصدر ہے جس
کا ماضی مضارع ینع یینع ہے بمعنی پھل کا پکنا تیار ہو جانا بعض مفسرین نے فرمایا کہ ینع جمع ہے یانع کی جیسے تجر جمع تاجر کی
بعض قراءتوں میں یانعہ ہے (معانی)۔ مگر پہلی بات قوی ہے یعنی ان پھلوں کا پکنا دیکھو ایک وقت کا پکنا دیکھو پختہ پھل دیکھو کہ وہ
کیسے خوشنما بڑے اور موٹے خوشبودار' مزے دار ہو جاتے ہیں ایک ہی پھل' ایک وقت میں کچھ ہے دوسرے وقت میں کچھ اور
ان میں غور کرو اور رب تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لاؤ۔ ان فی ذالکم لایات لقوم یومنون یہ نیا جملہ ہے ذالکم میں
اشارہ ساری مذکورہ چیزوں کی طرف ہے اس لئے ذالکم جمع ارشاد ہوا آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی قدرت یعنی ان مذکورہ
چیزوں میں ایک نہیں دو نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہیں مگر مومنوں کے لئے وہ ان چیزوں کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ جو رب یہ
کام کر سکتا ہے وہ قیامت میں مردے زندہ بھی کر سکتا ہے اور ان سے حساب و کتاب بھی لے سکتا ہے بارش کا پانی مردہ زمین میں
زندگی بخش سکتا ہے تو صور کی آواز مردہ جسموں میں جان بھی ڈال سکتی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو تم اپنی ابتداء" انتہا تو سن چکے اب ذرا اپنی بقا کا حال بھی سنو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرما کر یونہی بیکار نہ
چھوڑ دیا بلکہ تمہیں زندہ رکھنے کے لئے تمہارے نفع کے واسطے مختلف دانے بھی پیدا کئے اور قسم قسم کے پھل بھی ذرا ان دانوں
اور پھلوں کی پیدائش میں غور تو کرو کہ کسان دانہ بو کر بے خبر ہو جاتا ہے۔ ہم بادل سے پانی برساتے ہیں اس پانی سے زمین میں ہر
قسم کی کونپلیں (انگوریاں) نکالتے ہیں جو نہایت نرم و نازک ہوتی ہیں پھر اس نرم و نازک کونپلوں سے سبز تنے ہرے بھرے پتے
بناتے ہیں پھر اسی سبزی میں بالیاں نکالتے ہیں جن میں دانے اوپر تلے ایسے چنے ہوتے ہیں جیسے کسی کاریگر نے موتی چن دیئے
ہیں یہ دانے تمہاری غذا ہیں جن سے تمہاری بقا ہے۔ اب ذرا پھلوں میں غور کرو ہم اس بارش کی برکت سے کھجوریں میں گابھے
(پچھے) پیدا کرتے ہیں پھوں [illegible] سے بہت ہی قریب ہوتے ہیں کہ

مشتبھا " و غیر متشا بہ۔ یہ عبارت معطوف ہے نبات پر اور اخرجنا کا مفعول بہ ہے زیتون کے درخت اور پھل کو زیتون کہتے ہیں اس کے تیل کو زیت۔ مشتبھا اور غیر متشا بہ دونوں زیتون اور رمان سے حال ہیں یعنی زیتون اور انار کے درخت ان کے پتے تو ہم شکل ہوتے ہیں مگر پھل ہم شکل نہیں ہوتے ہم نے زیتون کے درخت فلسطین میں دیکھے تو انہیں انار کے درخت سمجھے۔ ہم کو بتایا گیا کہ یہ زیتون کے درخت ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مشتبھا اور غیر مشتبھا ان تمام پھلوں کا حال ہو اور مطلب یہ ہوا کہ انگور' انار' کھجوریں ان کے پھل دیکھنے میں آپس میں یکساں ہوتے ہیں مگر مزے میں مختلف بعض انگور کھٹے ہوتے ہیں بعض میٹھے 'بعض کسیلے یہی انار کا حال ہے کہ بعض میٹھے 'بعض کھٹے ہر پھل کا یہی حال ہے آم میں تو کمال ہی ہے کہ ایک ہی آم کچا ہو تو سخت کھٹا پک جائے تو نہایت ہی میٹھا غرضیکہ قدرت کے کمالات ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایک پھل بہت سی قسم کا ہوتا ہے ہر قسم دوسرے سے شکل میں مشابہ مگر ان کے مزے مختلف۔ چنانچہ کھجوریں قریبا" اسی قسم کی ہیں سب کو کھجور ہی کہا جاتا ہے۔ شکل میں مشابہ مگر ان کے مزے مختلف۔ یہی حال انگور' انار کا ہے نیز ان قسموں کے درخت یکساں۔ مگر پھل مختلف غرضیکہ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں انظروا الی ثمرہ اذا اثمر۔ یہ علیحدہ جملہ اس میں خطاب سارے انسانوں سے خصوصا" کفار سے ہے نظر سے مراد نظر عبرت ہے بمعنی غور کرنا ہے ثمرہ میں ہ ضمیر سارے مذکورہ درختوں کی طرف راجع ہے ایسے ہی اثمر کا فاعل وہی ہیں یعنی جب یہ مذکورہ درخت پھل دیں تو ان پھلوں میں غور کرو کہ کیسے چھوٹے بدمزہ کسیلے ہوتے ہیں جن سے نفع حاصل نہ کیا جا سکے وینعہ یہ معطوف ہے ثمرہ پر ظاہر یہ ہے کہ ینع مصدر ہے جس کا ماضی مضارع ینع یینع ہے بمعنی پھل کا پکنا تیار ہو جانا بعض مفسرین نے فرمایا کہ ینع جمع ہے یانع کی جیسے تجر جمع تاجر کی بعض قراءتوں میں یانعہ ہے (معانی)۔ مگر پہلی بات قوی ہے یعنی ان پھلوں کا پکنا دیکھو ایک وقت کا پکنا دیکھو پختہ پھل دیکھو کہ وہ کیسے خوشنما بڑے اور موٹے خوشبودار' مزے دار ہو جاتے ہیں ایک ہی پھل 'ایک وقت میں کچھ ہے دوسرے وقت میں کچھ اور ان میں غور کرو اور رب تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لاؤ۔ ان فی ذالکم لایات لقوم یومنون یہ نیا جملہ ہے ذالکم میں اشارہ ساری مذکورہ چیزوں کی طرف ہے اس لئے ذالکم جمع ارشاد ہوا آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی قدرت یعنی ان مذکورہ چیزوں میں ایک نہیں دو نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہیں مگر مومنوں کے لئے وہ ان چیزوں کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ جو رب یہ کام کر سکتا ہے وہ قیامت میں مردے زندہ بھی کر سکتا ہے اور ان سے حساب و کتاب بھی لے سکتا ہے بارش کا پانی مردہ زمین میں زندگی بخش سکتا ہے تو صور کی آواز مردہ جسموں میں جان بھی ڈال سکتی ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو تم اپنی ابتداء انتہا تو سن چکے اب ذرا اپنی بقا کا حال بھی سنو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرما کر یوں ہی بیکار نہ چھوڑ دیا بلکہ تمہیں زندہ رکھنے کے لئے تمہارے نفع کے واسطے مختلف دانے بھی پیدا کئے اور قسم قسم کے پھل بھی ذرا ان دانوں اور پھلوں کی پیدائش میں غور تو کرو کہ کسان دانہ بو کر بے خبر ہو جاتا ہے۔ ہم بادل سے پانی برساتے ہیں اس پانی سے زمین میں ہر قسم کی کونپلیں (انگوریاں) نکالتے ہیں جو نہایت نرم و نازک ہوتی ہیں پھر اس نرم و نازک کونپلوں سے سبز تنے ہرے بھرے پتے بناتے ہیں پھر اسی سبزی میں بالیاں نکالتے ہیں جن میں دانے اوپر تلے ایسے چنے ہوتے ہیں جیسے کسی کاریگر نے موتی چن دیئے ہیں یہ دانے تمہاری غذا ہیں جن سے تمہاری بقا ہے۔ اب ذرا پھلوں میں غور کرو ہم اس بارش کی برکت سے کھجور میں گابھے (گچھے) پیدا کرتے ہیں پھر [illegible] سے بہت ہی قریب ہوتے ہیں کہ

آدمی زمین پر بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر منہ سے توڑے اس بارش سے ہم انگور' زیتون اور انار کے باغات لگاتے ہیں زیتون و انار کے درخت ان کی شاخیں پتے دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے پھل یکساں نہیں ہوتے۔ ان درختوں میں جب پھل نمودار ہوں تو ان میں غور کرو کہ کیسے چھوٹے بدمزہ سے ہوتے ہیں اور جب یہ پھل پک جائیں تو غور کرو کہ اس وقت یہ پھل کیسے حسین' کیسے موٹے تازے' کیسے خوشبودار' کیسے مزے دار ہوتے ہیں۔ ان درختوں اور ان کے پھلوں میں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں نشان موجود ہیں مگر ایمان والوں کے لئے کہ ان کے ایمان ان چیزوں سے تازہ ہو جاتے ہیں۔

برگ درختان سبزہ در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

خیال رہے کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ایک تو مجملاً "مختلف قسم کے کھیتوں اور ان کی پیداوار' دانوں کا اور چار پھلوں کا کھجور' انگور' زیتون' انار اور ان میں ترتیب یہ رکھی کہ دانوں کا ذکر پہلے پھر کھجور کا' پھر انگور کا' پھر زیتون کا' پھر انار کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دانوں پر انسان بلکہ بہت سے جانوروں کی زندگی موقوف ہے یہ چاروں پھل اپنے میں بہت ہی نشان قدرت رکھتے ہیں۔ امام رازی نے یہاں فرمایا کہ اگر ان چاروں پھلوں کی تفصیل کی جائے تو دفتر بھر جائیں۔ کھجور کے درخت کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے ہے اس درخت کو جاندار مخلوق سے بہت مشابہت ہے اس کا پھل غذا اور مزہ دونوں چیزیں اپنے میں رکھتا ہے اہل عرب مہینوں صرف کھجوریں کھا کر رہتے ہیں کھجور کی گٹھلی میں وہ فوائد ہیں کہ سبحان اللہ انسانوں کے لئے یہ قوت باہ زیادہ کرتی ہے اس کا آٹا بنا کر معجون تیار کرتے ہیں' بکریوں کو کتر کر کھلائیں تو مکھن بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انگور سبز کھاؤ تو اور تاثیر ہے اگر اس کی کشمش منقیٰ کھاؤ تو اور تاثیر۔ اس سے سرکہ نہایت اعلیٰ بنتا ہے۔ جو مرضوں میں مفید ہے۔ زیتون کے پھل اور تیل کے منافع تو بیان سے باہر ہیں حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی۔ انار میں وہ کرشمے ہیں کہ سبحان اللہ اس میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ چھلکا' چربی' دانہ' دانوں کا پانی۔ ان میں سے تین چیزوں کی اور تاثیر اور دانوں کے پانی کی ان کے خلاف تاثیر ہے۔ انار کا پانی' انار کا شربت' بہت مرضوں میں مفید ہے یہ محض اجمالی ذکر ہے اس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئیں۔ پاک ہے وہ رب جس نے ہمیں ایسی نعمتیں بخشیں۔ (تفسیر کبیر)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کھیت اور اس کے دانے باغات اور ان کے پھل معرفت الٰہی کے دفتر ہیں بشرطیکہ ان میں غور کیا جائے۔ یہ فائدہ **وھو الذی** الخ سے حاصل ہوا۔ ان میں غور کرنا بھی عبادت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کھیتیاں باغات سے اور دانے پھلوں سے افضل ہیں یونہی کاشتکاری' باغبانی سے بہتر ہے کہ دانوں سے انسان کی زندگی قائم ہے۔ اور پھلوں سے لذت۔ یہ فائدہ ترتیب بیانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں پہلے کھیتوں' دانوں کا ذکر فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** پھلوں میں کھجور افضل اور بہترین پھل ہے۔ یونہی درختوں میں درخت کھجور بہت اعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ نخل کو دوسرے درختوں سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ کھجور کی برکت تو اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت ان کی والدہ جناب مریم کے لئے یہی پھل غذا کے لئے منتخب ہوا اور حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس ملک میں بھیجے گئے وہاں کا یہی پھل ہے۔ کھجور کی دیگر خوبیاں ابھی تفسیر میں گزر چکیں۔ **چوتھا فائدہ:** جس چیز کو اللہ کے مقبول بندوں سے نسبت ہو جائے وہ افضل و اعلیٰ ہے دیکھو درخت کھجور اس لئے محترم ہے کہ اسے تین نبیوں اور کچھ ولیوں سے نسبت ہے۔ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے یعنی کھرچن سے بنایا گیا۔ (روح البیان)۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت

کام آیا- حضور صلی اللہ علیہ کو اس سے خاص تعلق رہا- جناب مریم نے اسے دردزہ کے وقت استعمال کیا- دیکھو کدو دوسری سبزیوں سے اس لئے افضل ہے کہ اس کے درخت کے نیچے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے باہر آنے پر رکھا گیا- **و انبتنا علیہ شجرۃ من یقطین** - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھا- یہ فائدہ **النخل** کو دوسرے درختوں پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا- پانچواں فائدہ: ظاہری شکل و شباہت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے ہر چیز کو حقیقت بینی نگاہ سے دیکھنا چاہئے- یہ فائدہ **مشتبھا** اور **غیر متشابھا** سے حاصل ہوا- دیکھو زیتون اور انار کے درخت یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر پھل بالکل مختلف نیم اور بکائن (دھریک) بظاہر یکساں ہیں مگر حقیقت میں فرق ہے- سونا اور پیتل شکل و صورت میں یکساں ہیں مگر حقیقت میں فرق ہے- یونہی مومن و کافر' نبی اور غیر نبی صورت بشری میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر اندرون میں بہت فرق ہے **انما انا بشر مثلکم** کا مقصد یہی ہے- چھٹا فائدہ: دنیا کی ہر چیز معرفت الٰہی کا دفتر ہے مگر اس سے فائدہ کوئی کوئی حاصل کرتا ہے- جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستگی ہے اس کے لئے ہر چیز سبق آموز ہے ورنہ بیکار یہ فائدہ **لایات لقوم یومنون** سے حاصل ہوا-

پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ بارش آسمان سے اتاری حالانکہ بارش آسمان سے نہیں آتی- وہ بادل سے آتی ہے اور بادل سمندر کے پانی سے بنتے ہیں پھر یہ فرمان کیسے درست ہوا- جواب: اس کے چند جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے نیز ہم اس کی تحقیق پہلے پارہ کی تفسیر میں کرچکے ہیں کہ سماء سے مراد یا بلندی ہے یا بادل یا مقصد یہ ہے کہ آسمان کی طرف سے بارش برسائی لہذا آیت واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں- دوسرا اعتراض: سارے پانی اللہ کی نعمت ہیں' خواہ کنوئیں کا ہو یا دریا کا یا تالاب و سمندر کا پھر خصوصیت سے بارش کے پانی کا ذکر کیوں ہوا- جواب: اس لئے کہ بارش کا پانی دوسرے پانیوں کا اصل ہے اگر بارش نہ ہو تو نہ کنوؤں میں پانی رہے' نہ دریاؤں' نہروں میں نیز دوسرے پانیوں میں آدمی کے کسب کو دخل ہے کہ آدمی کنواں کھودتا ہے' دریا سے نہر نکالتا ہے مگر بارش کے پانی میں کسی کو کسی طرح کا دخل نہیں- دوسرے پانی فروخت ہوسکتے ہیں مگر بارش کا پانی فروخت نہیں ہوتا- تیسرا اعتراض: اگر کھیتی اعلیٰ چیز ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی کے آلات دیکھ کر یہ کیوں فرمایا کہ جس گھر میں یہ ہوں گے وہاں ذلت و خواری ہوگی- جواب: وہ ہنگامی حالات کا حکم تھا یعنی آج کل یعنی کل جہادوں کی سخت ضرورت ہے مسلمان دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اگر اس وقت جہاد چھوڑ کر تم لوگ کھیتی باڑی میں لگ گئے تو دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے- اب بھی ہنگامی حالات میں رات کو روشنی کرنا جرم ہو جاتا ہے- چوتھا اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ دانے پھلوں سے افضل ہیں اور کھیتی باڑی' باغبانی سے بہتر ہے حالانکہ جنت میں باغات اور پھل تو ہوں گے مگر کھیت اور دانے نہ ہوں گے اگر دانہ افضل ہیں تو جنت میں کیوں نہ رکھے گئے- جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں نہ بھوک ہوگی' نہ غذا کی ضرورت ہوگی لہذا وہاں دانے بھی نہ ہوں گے' دنیا میں بھوک بھی ہے اور غذا کی ضرورت بھی بلکہ یہاں کی زندگی کا بقا دانوں پر ہے- اس لئے یہاں دانے رکھے گئے- دنیا میں دانہ پھل سے افضل ہے جیسے جنت میں نہ دوائیں ہوں گی نہ طبیب کیونکہ وہاں بیماری نہیں مگر دنیا میں طبابت اعلیٰ پیشہ ہے کہ اس سے انسان کی بڑی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں- پانچواں اعتراض: کھجور کے پھل تو بہت اونچے ہوتے ہیں کہ سیڑھی وغیرہ سے چڑھ کر توڑے جاتے ہیں- پھر اس آیت کریمہ میں اس کے پھل [illegible] جواب: ہاں ہمارے ملک کی کھجوریں

کے پھل واقعی اونچے ہوتے ہیں مگر عرب شریف خصوصاً" مدینہ منورہ میں ایسی کھجوریں بھی ہیں جو لمبی نہیں ہوتیں کچھ اونچی ہو کر ہی پھیل جاتی ہیں اور ان میں خوشے لگ جاتے ہیں۔ آدمی ان کے نیچے بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر منہ سے پھل توڑ سکتا ہے میں نے وہ کھجوریں مدینہ منورہ میں خود دیکھی ہیں ایسی کھجوریں بہت ہی خوشنما ہوتی ہیں۔ ان کا حسن بیان سے باہر ہے یہاں انہیں کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ چھٹا اعتراض: جب کھجوریں نیچی بھی ہوتی ہیں اور اونچی بھی تو صرف ایک قسم کا ہی ذکر کیوں ہوا۔ دوسری قسم کا ذکر بھی چاہئے تھا۔ جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر و تفسیر روح المعانی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اس نے اونچی کھجور کا بھی پتہ لگ جاتا ہے۔ قرآن کریم کبھی کسی چیز کے بعض نفعے بیان فرماتا ہے تاکہ دوسرے نفعے خود ہی سمجھ میں آ جائیں جیسے لباس کے متعلق فرماتا ہے۔ **و سرا ءیل تقیکم الحر** حالانکہ لباس گرمی سے بھی بچاتا ہے اور سردی سے بھی مگر ایک کا ذکر فرما کر دوسرے کا پتہ دے دیا۔ چونکہ نیچی کھجور بہت خوشنما بھی ہوتی ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں **دانیہ** سے مراد ہے آسانی سے حاصل ہو جانے والے پھل کہ کھجور میں وہ محنت نہیں کرنی پڑتی جو دوسرے پھلوں میں کرنی پڑتی ہے مگر پہلا جواب قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ آسمانی عنایت سے بارش ہدایت نازل فرماتا ہے جو مومنوں کے قلب پر برستی ہے جس سے قسم قسم کے عارف و اسرار کے پھل پیدا ہوتے ہیں جیسا زہد و تقویٰ اور جس درجہ کا عشق و تقویٰ اس قسم کا پھل انسان کا دل گویا باغ ہے اس میں وہی پھل پیدا ہوتے ہیں جس کے تخم بوئے گئے ہوں۔ نبات تراب کا پتہ دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

درزمیں گرنے شکر درخوردنی است ترجمان ہر زمین بنت وے است

خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا آسمان ہیں۔ قرآن مجید اس نبوت کے آسمان کا پانی انسانوں کے دل مختلف زمینیں ہیں جن میں قدرت نے مختلف قسم کے تخم بوئے ہیں اس بارش قرآنی سے ہر سعید کے دل میں ایمان کا کھیت اگتا ہے مگر خاص مقبولوں کے دلوں میں شریعت کے نخل طریقت کے انگور۔ حقیقت کے زیتون معرفت کے انار کے باغات لگتے ہیں یہ حضرات صورت میں یکساں ہوتے ہیں مگر سیرت مختلف **مشتبھا و غیر متشابہ** مومن لوگ تو اختلاف سیرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ کفار ہی کہتے ہیں کہ ہم اور نبی و ولی یکساں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دانہ و تخم بغیر پانی اگ نہیں سکتے خواہ زمین کیسی ہی اعلیٰ ہو ایسے ہی ہمارے اعمال بغیر کسی مقبول بندے کی نظر عنایت کے بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہو سکتے۔ شیطان کے پاس اعمال کا تخم بہت تھا مگر اسے نبوت کا پانی نہ لگا لہٰذا ان میں قبولیت کا پھل نہ لگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے رب تعالیٰ نے قالب کی پرورش کے لئے غذائیں اور پھل پیدا فرمائے غذائیں زندگی کے لئے اور پھل لذت کے لئے ایسے ہی قلب کی پرورش کے لئے شریعت و طریقت بنائی۔ شریعت روحانی زندگی کی غذا ہے طریقت لذیذ پھل ایسے ہی عبادات میں فرائض غذائیں ہیں اور نوافل لذیذ پھل حیا" مترا کیا" میں اسی غذا کی طرف اشارہ ہے اور من النخل الخ میں انہیں پھلوں کی طرف اشارہ ہے جیسے جسمانی غذاؤں کے مرکز کھیت ہیں' پھلوں کے مرکز باغات ہیں' ضرورت مند کو وہاں جانا پڑتا ہے یا ان دکانوں پر پہنچنا ضروری ہوتا ہے جن دکانوں میں ان کھیتوں سے دانے باغوں سے پھل آئیں۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ان سب کا مرکز ہے۔ حضرت اولیاء اللہ کے آستانے یہ دانے اور پھل ملنے کی دکانیں ہیں جہاں سے یہ دانے' یہ پھل ملتے ہیں وہاں حاضری ضروری

ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے انار اور زیتون کے درخت اور پتے یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر پھلوں میں بڑا فرق ہے ایسے ہی مومن کافر پرہیزگار بدکار نبی وغیرنبی مقبول و مردود صورت میں یکساں مگر سیرت و اعمال میں بڑا فرق ہے یہ تو جانور بلکہ لکڑی پتھر چاند سورج بھی جانتے ہیں کہ ابو جہل پتھروں جانوروں کو سجدے کرتا تھا۔ مگر کعبہ کے بت جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کرتے تھے۔

گر بصورت آدمی انساں بدے ۔ احمد و بو جہل ہم یکساں بدے

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور بنائے ان لوگوں نے واسطے اللہ کے شریک جن حالانکہ پیدا فرمایا رب نے ان کو اور گھڑ لیں ان لوگوں نے واسطے

اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو بنایا اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں جہالت سے

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰

اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر کسی علم کے پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جو بیان کرتے ہیں

پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی قدرت و رحمت پر زمین و آسمانی پانچ دلائل بیان فرمائے گئے۔ اب کفار کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے کہ وہ ان دلائل کے ہوتے ہوئے اللہ کے شریک اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں گویا پچھلی آیات میں ہادی چیزوں کا ذکر تھا۔ اب بدنصیب ہٹ دھرموں کے ہدایت نہ لینے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ ان درختوں کے پھل اور ان پھلوں کی پختگی دیکھو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس نظر سے نہ دیکھو جس سے کفار دیکھتے ہیں کہ وہ مخلوق کو ہی خدا مان لیتے ہیں بلکہ اس نظر سے دیکھو جس سے ایمان و عرفان نصیب ہو جائے۔ گویا نظر کرنے دیکھنے کا حکم پہلے دیا گیا اور نظر کی نوعیت کا بیان اب ہو رہا ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر و تفصیل ہے غرضیکہ پچھلی آیت میں قدرت کی نشانیاں دیکھنے کا حکم تھا۔ اس آیت کریمہ میں اس عینک و چشمہ کا ذکر ہے جو عقل کی آنکھ پر لگا کر دیکھا جائے۔ دوربین کے ذریعہ دور کی چیز اور خوردبین کے ذریعہ چھوٹی چیز دیکھی جاتی ہے۔ یونہی خدابینی کے ذریعہ اللہ کی قدرتوں کو دیکھا جاتا ہے یعنی نبوت کے چشمہ سے آنکھ کا ذکر پہلے تھا۔ چشمہ کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ ان چیزوں میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ کفار کی نظر ان عجائبات میں ہی پھنس کر رہ جاتی ہے۔ اس سے آگے خالق کی طرف نہیں جاتی وہ آئینہ میں پھنس کر آئینہ دار سے غافل ہو جاتے ہیں۔

شان نزول: کفار عرب [illegible] تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی بھائی

ہیں۔ انسان بے ضرر جانور اور اچھی چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور سانپ' بچھو' درندے' برائیاں ابلیس نے پیدا کیں۔ اللہ تعالیٰ کو یزداں اور ابلیس کو اہرمن کہتے تھے۔ اس فرقہ کا نام ثانویہ زندی اور مجوسی تھا۔ عربی میں ان کا نام زندیق ہوا۔ جمع زنادقہ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارا نبی زرتشت ہے اس پر جو آسمانی کتاب اتری' اس کا نام زند ہے لہٰذا وہ زندی کہلاتے تھے یعنی زند کتاب کو ماننے والے جب یہ لفظ عربی بنایا گیا تو بجائے زندی کے انہیں زندیق کہا گیا۔ اب ہر منکر الوہیت بلکہ ہر بے دین کو زندیق کہہ دیتے ہیں ہر فرقہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرتا تھا۔ بعض کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت مسیح یا حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان تمام کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان' خازن' تفسیر کبیر' روح المعانی وغیرہ)۔

تفسیر: **و جعلوا اللہ شرکاء الجن** - یہ جملہ نیا ہے۔ اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ یہاں جعل کے معنی ہیں۔ اپنے عقیدے میں بنانا انہیں ایسا ماننا' اس کا فاعل وہی مجوسی ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ للہ کا تعلق شرکاء سے ہے۔ جن مفعول اول ہے۔ جعلوا کا اور شرکاء دوسرا مفعول اصل عبارت یوں تھی۔ **و جعلوا الجن شرکاء للہ۔** یا **للہ جعلوا** کا دوسرا مفعول ہے اور **شرکاء** پہلا مفعول اور **الجن** یا تو **شرکاء** کا بدل ہے یا عطف بیان۔ ان دونوں صورتوں میں **الجن** پر فتحہ ہے۔ بعض قراءتوں میں **الجن** پیش سے ہے کیونکہ یہ ھو پوشیدہ کی خبر ہے۔ بعض قراءتوں میں **الجن** کسرہ سے ہے کہ وہ **شرکاء** کا مضاف الیہ ہے اور اضافت بیانیہ ہے غرضیکہ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں ہر ترکیب سے علیحدہ معنی اور ہر معنی میں علیحدہ لطف ہے یعنی ان مجوسیوں نے جن یعنی ابلیس کو اللہ کا شریک مانا چونکہ ابلیس جنات کی اصل ہے اس لئے وہ اسے اللہ کا مستقل شریک مانتے تھے اور ابلیس کی ذریت کو اس کا لشکر فرشتے اللہ کا لشکر فرشتے لوگوں کے دلوں میں اچھے خیالات ڈالتے ہیں۔ جنات و شیاطین برے وسوسے اس لئے یہاں **شرکاء** جمع ارشاد ہوا (کبیر) کہ انہوں نے ابلیس کو بڑا شریک اور اس کی ذریت کو چھوٹے شریک مانا۔ نعوذ باللہ یا یہ کہو کہ جب انہوں نے ابلیس کو اللہ تعالیٰ کا بھائی مان لیا تو یقیناً اس کی ذریت کو اللہ کے بھتیجے بھتیجیاں مانیں گے جیسے بھائی شریک ہوتا ہے۔ جنس' نوع' صنف' بلکہ ماں باپ خاندان میں ایسے ہی بھتیجے ان چیزوں میں شریک ہوتے ہیں لہٰذا **شرکاء** جمع فرمانا بالکل مناسب ہے۔ **و خلقهم** یہ عبارت **جعلو** کے فاعل سے حال ہے۔ واؤ حالیہ خلق کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **ھم** کا مرجع یا **شرکاء** ہے یا جن یا وہ مجوسی جن کے ایسے گندے عقیدے تھے یہ عبارت ہے تو حال مگر ہے ان کی پوری تردید یعنی ان زندیقوں نے ابلیس اور اس کی ذریت کو اللہ کا بھائی' اس کا شریک مان لیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ابلیس اور اس کی ذریت کا خالق ہے۔ ان مجوسیوں میں سے اکثر کا یہی عقیدہ ہے کہ ابلیس قدیم (ازلی) نہیں اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اس کا بندہ ہے ان بے وقوفوں نے یہ نہ سوچا کہ مخلوق خالق کا بندہ ہے۔ رب کا بھائی یا شریک نہیں ہو سکتا یا یہ مطلب ہے کہ مجوسیوں نے جنات کو رب کا بھائی اس کا شریک مان لیا حالانکہ مجوسی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس نے انہیں پیدا کیا وہی ان کو روزی دیتا ہے۔ بڑے تعجب و افسوس کی بات ہے کہ کھائیں خدا کا اور گائیں ابلیس کا۔ **و خرقوا لہ بنین و بنات بغیر علم** یہ عبارت معطوف ہے **جعلوا** پر اس میں دوسرے کفار کی تردید ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بعض نبیوں کو خدا کے بیٹے مانتے تھے۔ **خرقوا** بنا ہے خرق سے جس کے معنی ہیں بگاڑنے کے لئے کسی چیز کو بغیر سوچے سمجھے توڑنا' پھاڑنا' درزی کپڑا کاٹتا ہے۔ اصلاح کے لئے' بچے کپڑے پھاڑتے ہیں' بگاڑ دینے کے لئے۔ رب فرماتا ہے۔ **اخرقتها اھلها** بعض نے کہا کہ خرق ضد ہے خلق کی بعض

نے کہا کہ خلق، خرق، اختلاق، اختراق ہم معنی ہیں۔ بڑا جھوٹ، مشہور جھوٹ، سفید جھوٹ۔ عقل کے خلاف جھوٹ بولنے کو خرق یا اختراق کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی ہیں یعنی اس فرقے نے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں گھڑلیں۔ ایسا جھوٹ بولا جو کسی کی عقل میں نہ آسکے۔ انہوں نے یہ حرکت بغیر علم کی انہیں اتنا نہ سوجھا کہ باپ اور اولاد ایک جنس بلکہ ایک نوع بلکہ ایک صنف کی دو فردیں ہوتی ہیں انسان کا بیٹا انسان، شیر کا بچہ شیر، سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے نیز باپ اپنے بچہ کا خالق نہیں ہوتا اور بچہ باپ کی مخلوق اور رب کا بچہ مخلوق و عابد کیونکر ہو سکتا ہے نیز باپ اپنے بچہ کا خالق نہیں ہوتا اور بچہ باپ کی مخلوق و بندہ نہیں ہوتا پھر فرشتے انبیاء کرام اللہ کے بندے اس کی مخلوق ہیں تو اس کی اولاد کیسے ہو گئے۔ اس لئے فرمایا سبحانہ غرضیکہ بغیر علم کے چھ معنی ہیں دو تو یہ مذکورہ معنی، تیسرے یہ کہ اولاد کے لئے بیوی، شہوت، نطفہ، جسمانیات ضروری ہیں، رب ان سے پاک ہے۔ بھائی بہن کے لئے، ماں باپ ضروری ہیں۔ ازلی قدیم غنی کے لئے ماں باپ کیسے چوتھے یہ کہ اولاد موت کے خطرہ کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہے کہ ہمارے بعد وہ ہماری جائیداد سنبھالے۔ جسے موت نہیں جو ابدی ہے اسے اولاد کی کیا ضرورت۔ پانچویں یہ کہ اولاد یا بھائی اپنی کمزوری کی وجہ سے اختیار کئے جاتے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلہ میں وہ ہمارے قوت بازو ہوں، قوی و قادر کو ان کی کیا ضرورت۔ چھٹے یہ کہ ان کے پاس جو علوم عقلیہ ہیں وہ سب فرشی ہیں اور معرفت الٰہی کے لئے عرشی علم چاہئے جو نبی کے ذریعہ ملتا ہے۔ **سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون**۔ سبحان کے معنی اس کی نحوی ترکیب بارہا بیان ہو چکی ہے کہ یہ اصل میں **سبح اللہ سبحانا** تھا اس سے **سبحانہ** بنا سبوحیت سے، سبوحیت کے معنی میں بہت ہی پاک منزلہ ہونا ہر عیب سے بری ہونا، جو چیزیں مخلوق کے لئے کمال ہوں مگر رب تعالیٰ کے لئے عیب ہوں ان سے بھی پاک ہونا جیسے بیوی بچے وغیرہ۔ غرضیکہ **سبحان** بہت جامع لفظ ہے غرضیکہ طاہر، طیب، سبحان۔ سب کے معنی ہیں پاک مگر ظاہری نجاست سے پاکی طہارت ہے اندرونی خباثت سے پاکی طیب ہے اور جو چیز نجس خبیث نہ ہو اچھی ہو مگر اللہ کی شان کے لائق نہ ہو اس سے پاک ہونا سبوحیت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو طیب یا طاہر نہیں کہتے سبحان کہتے ہیں اور بندے کو سبحان نہیں کہتے طیب یا طاہر کہتے ہیں۔ **تعالیٰ سبحانہ** پر معطوف ہے چونکہ سبحانہ، بظاہر ایک لفظ ہے مگر حقیقتہ" پورا جملہ اس لئے **تعالیٰ** کا اس پر عطف بلا تکلف درست ہے۔ **تعالیٰ** بنا ہے تعالی سے جس کا مادہ علو ہے بمعنی بلندی، اونچائی یہاں مکانی بلندی مراد نہیں کہ رب تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے تو مکانی اونچائی نیچائی سے بھی پاک ہے بلکہ مرتبہ و درجے کی بلندی مراد ہے **یصفون** کا فاعل وہ کفار ہیں جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے یعنی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ جو اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی بچے یا شریک ساجھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور اس کی شان عالی ان چیزوں سے بلند و بالا ہے جنہیں مشرکین رب کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ اعتقادی پاکی کو **سبحان** سے بیان فرمایا اور واقعی پاکی کو **تعالیٰ** سے یعنی سوا بعض جن و انس کے تمام مخلوق اسے عیوب سے پاک مانتی ہے اور واقعی وہ عیوب سے پاک ہے **سبحان اور تعالیٰ** کا یہ فرق خیال میں رہے۔ (روح المعانی) اللہ کے لئے تعالیٰ کہا جاتا ہے ترفع نہیں کہا جاتا اگرچہ اس میں بھی بلندی کے معنی ہیں کیونکہ ترفع مکانی بلندی کے لئے خاص ہے۔ تعالیٰ ہر بلندی کو عام (روح البیان)۔

خلاصہ تفسیر: ان مشرکین بدکار کی جماعت تو دیکھو کہ جنات جیسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا ساجھی اس کا ہمسر مانتے ہیں جو کہ فرشتوں اور انسانوں سے نیچے ہیں انسان اشرف المخلوق ہے اس کے بعد فرشتے انہوں نے جنوں کو رب کا شریک مان کر ان

کی پرستش شروع کردی۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنات کا خالق ہے جنات اس کی مخلوق اور مخلوق خالق کی شریک کیسے ہو سکتی ہے یا ان کفار کا خالق رب ہے نہ کہ جنات' پھر جنات ان کی عبادت کے مستحق کیسے ہو گئے۔ ان کی دوسری حماقت دیکھو' انہوں نے اللہ کے لئے بیٹے' بیٹیاں مانیں۔ ان بے وقوفوں نے یہ نہ سمجھا کہ بیٹے' بیٹیاں اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہیں مخلوق کی ہم جنس کیسے ہو سکتے ہے۔ خالق تو جنس و نوع سے پاک ہے نیز اولاد بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے جو دائم باقی ہے اسے نسل کی کیا ضرورت یہ دنیاوی فہم و سمجھ رکھتے ہوئے دین میں ایسے اندھے' بے عقل ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ ان کے گھڑے ہوئے عیوب سے پاک و برتر ہے ان کے سوا ساری مخلوق مجھے ان عیوب سے پاک جانتی مانتی ہے اور واقعہ میں وہ ان کی بدتمیزیوں سے بلند و بالا ہے۔ لفظ سبحان کبھی اظہار تعجب کے لئے بولا جاتا ہے۔ کبھی تعجب دلانے کے لئے' کبھی کفار کی بد عقیدگیوں کی تردید کے لئے یہاں تو تعجب دلانے کے لئے ہے کہ ساری مخلوق میں انسان افضل بھی ہے' اشرف بھی اس پر روحانی' جسمانی تکلیفیں بہت زیادہ ہیں۔ نبوت خلافت' ولایت نیز شریعت و طریقت کے سلسلہ انسان ہی کو دیئے گئے نیز ساری مخلوق انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی۔ **خلق لکم ما فی الا رض جمیعا** مگر اس کے باوجود انسان وہ عقیدے' وہ اعمال اختیار کرتا ہے جو شیطان بھی نہیں کرتا' شیطان نہ تو اپنے کو رب کا بھائی کہتا ہے نہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتا ہے نہ اس نے کبھی دعویٰ خدائی کیا' نہ وہ کبھی جھوٹا بنا۔ یہ سب حرکات انسان ہی کی ہیں یا یہ فرمان کفار کی تردید کے لئے ہے کہ بدنصیبو تم اس کے لئے اولاد' بھائی وغیرہ مانتے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تمام عیوب سے پاک ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: انسان اگر درست رہے تو ملائکہ سے افضل ہے اگر اندھا ہو تو گدھے' کتوں سے بدتر ہے۔ دیکھو مشرکین عرب انسان تھے خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں مان بیٹھے ابلیس جیسی بدترین مخلوق کو رب کا شریک مان بیٹھے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو نہ جانوروں کا ہے نہ اینٹ پتھروں بلکہ ابلیس بھی اپنے کو خدا کا بندہ ہی کہتا ہے' خدا کا شریک نہیں کہتا۔ یہ فائدہ جعلوا اللہ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے جعلوا کا فاعل ان مذکورہ انسانوں کو قرار دیا۔ **دوسرا فائدہ**: معبود اور الٰہ وہ ہے جو خالق ہو کسی کی مخلوق نہ ہو۔ یہ فائدہ و خلقھم سے حاصل ہوا اس کی مفصل بحث ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ کرو۔ **تیسرا فائدہ**: بیٹا بیٹی اپنے ماں باپ کی ہم جنس ہوتے ہیں' انسان کا بیٹا شیر نہیں ہو سکتا کہ اس کی ہم جنس نہیں۔ اللہ تعالیٰ جنس و نوع سے پاک ہے کوئی مخلوق اس کی ہم جنس نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ بغیر علم سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: اولاد اس کے ہوتی ہے جس کے لئے بقا نہ ہو' باقی غیر اولاد سے پاک کیوں نہ ہو۔ یہ فائدہ سبحانہ' اور تعالیٰ الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: جو علم اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا ذریعہ نہ بنے وہ جہالت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ علوم و عقول سے مقصود اصلی خدا رسی ہے۔ یہ فائدہ بغیر علم فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ لوگ دنیاوی لحاظ سے بڑے علم و عقل والے تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں جاہل کہا۔ یونہی جو عالم قرآنی آیات اور احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے' ان کی شان گھٹائے وہ ان کفار کی طرح جاہل ہے۔ اس کا یہ علم اس کے لئے عذاب ہے۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ تعالیٰ ایک ہے مگر اس کے نام بہت ہیں کیونکہ مخلوق کی حاجات بہت ہیں۔ ہر محتاج اپنی حاجت کے مطابق رب کو اس کے نام سے پکارے مگر سبحان اور رب اس کے بڑے پیارے نام ہیں۔ دیکھو کفار کی مکمل تردید کے موقعہ پر سبحانہ' فرمایا گیا۔ نماز شروع ہوتی ہے سبحانک اللھم سے' رکوع میں کہتے ہیں سبحان ربی العظیم' سجدہ میں سبحان ربی

الاعلیٰ۔ جو رب تعالیٰ کو اس نام سے پکارے وہ انشاء اللہ بامراد رہے گا۔

پہلا اعتراض : لفظ جن تو واحد ہے۔ پھر اس کے لئے شرکاء جمع کیوں ارشاد ہوا؟ شریکا فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے۔ ایک یہ کہ یہاں جن اسم جنس ہے اور اس سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپی ہوئی مخلوق۔ فرشتے بھی ہم سے چھپے ہیں لہٰذا وہ جن ہیں چونکہ فرشتے بہت ہیں اس لئے انہیں شرکاء فرمایا۔ رب فرماتا ہے۔ **فلما جن علیه اللیل**۔ یہ امام سدی اور قتادہ کا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ جن سے مراد تمام شیاطین ہیں انہیں شریک بنانے سے مراد ان کی اطاعت کرنا' خواجہ حسن بصری کا یہی قول ہے تیسرے یہ کہ جن سے مراد ابلیس ہے اور اس میں مجوسی کے عقیدے کا ذکر ہے۔ یہ قول سیدنا عبد اللہ ابن عباس کا ہے چونکہ ابلیس جنات کا مورث اعلیٰ ہے۔ جب مجوسیوں نے اس کو رب کا شریک مان لیا تو اس کے واسطے سے اس کی اولاد باقی جنات کو بھی شریک مان لیا کہ شریک کی اولاد شریک ہی ہوتی ہے۔ یہی تیسرا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مجوس کی تردید میں آئی ہے مجوسی فرشتوں کو خدا کا شریک نہیں مانتے تھے بلکہ مشرکین انہیں رب کی اولاد مانتے تھے ان کی تردید میں فرمایا گیا۔ **و خرقوا له بنین و بنات** الخ اگر **شرکاء الجن** میں بھی انہیں کی تردید ہو تو مضمون میں ایک ہی جگہ تکرار ہوگی۔ **دوسرا اعتراض:** نحوی قاعدہ سے یہ عبارت یوں چاہئے تھی۔ **و جعلوا الجن شرکاء لله** انہوں نے جن کو اللہ کا شریک بنادیا۔ اس آسان ترکیب کو چھوڑ کر ایسی پیچیدہ ترکیب کیوں اختیار کی گئی۔ **جواب** تفسیر کبیر نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہر زبان خصوصاً" عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ اہم چیز کا ذکر خصوصیت سے پیچھے کرتے ہیں۔ اردو میں کہتے ہیں کہ تم میرے پاس آنا کل' جہاں کل آنے پر زور دینا مقصود یہاں جن کا ذکر فرمانا ان کی حماقت کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ خود تو انسان ہیں۔ اشرف المخلوق یعنی اپنے سے ادنیٰ مخلوق جنات کو خدا تعالیٰ کا شریک مان بیٹھے بلکہ ابلیس جیسی خبیث مخلوق کو خدا کا شریک مان کر اس کے بندے بن گئے کیسے احمق ہیں اس لئے جن کو آخر میں بیان فرمایا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں شرکاء کے متعلق یہ نہ فرمایا گیا کہ مجوس نے ابلیس کو کس چیز میں اللہ کا شریک مانا لفظ **شرکاء** تو بہت وسیع ہے بعض لوگ ہمارے گھر میں شریک ہوتے ہیں' بعض باغ و کھیت میں' بعض کاروبار میں یونہی رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ماننے میں بہت احتمال ہیں۔ علم میں قدرت میں' خلق میں معبودیت میں کس چیز میں شریک مانا۔ **جواب:** چونکہ عرب میں مجوس کا عقیدہ مشہور و معروف تھا کہ وہ ابلیس کو معبودیت خالقیت میں اللہ کا شریک و ساجھی مانتے تھے اس لئے صرف اتنا فرمانا کافی تھا وہ کہتے تھے کہ خالق خیر یزدان ہے اس کا نام تو رب ہے اور خالق شر اہرمن ہے اس کا نام ابلیس یا ظلمت ہے۔ **چوتھا اعتراض:** جیسے مشرکین اللہ کے بندے ہو کر شیاطین وغیرہ کی پرستش کر کے مشرک ہوئے تم لوگ بھی **کمثلہ لله** کا روزی پاؤ اس کی اور جھکتے ہو نبیوں ولیوں کے سامنے تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ ماں باپ' حاکم' سلطان کے سامنے جھکتے ہو' کھاتے ہو اللہ کا' جھکتے ہو ان کے سامنے تم بھی مشرک ہوئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی بندے کو خدا کا شریک مان کر اس کے سامنے جھکنا اور ہے مگر اسے رب کا بندہ مان کر ان کی تعظیم و اطاعت کرنا کچھ اور۔ **پانچواں اعتراض:** کفار کے متعلق یہ کیوں فرمایا گیا کہ بغیر علم کفار تو بڑے علوم والے ہوتے ہیں بے علم نہیں [illegible] جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ رب کے نزدیک علم وہ ہے جو رب تک پہنچادے جو وہاں تک رہبری نہ کرے وہ جہالت ہے کفار یہود و نصاریٰ کے سائنس وغیرہ کے علوم انہیں چونکہ

رب تک نہ پہنچا سکے لہذا یہ سب جہالتیں ہیں دوسرے یہ کہ یہاں علم سے مراد ہے عرشی علم 'جو نبی کے ذریعہ ملے ۔جو خدا رسی کے لئے ضروری ہے وہاں عقل اور عقلی علوم بیکار ہیں۔ لہذا بغیر علم فرمانا بالکل درست ہے۔ چھٹا اعتراض: جب خدا تعالیٰ اولاد' بھائی برادروں سے اس لئے پاک ہے کہ یہ لوگ کمزوری کی وجہ سے اختیار کئے جاتے ہیں تو اس لئے نبی 'ولی' فرشتے وغیرہ کیوں پیدا کئے۔ ان کے ذمے عالم کے انتظام کیوں رکھے کیا وہ یہ کام خود نہیں کر سکتا۔ جواب: اس اعتراض کا جواب قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا۔ و لم یتخذ و لیا من الذل اللہ نے اپنی کمزوری کی وجہ سے ولی نہیں بنائے بلکہ اپنی شان کے اظہار کے لئے ولی بنائے غرضیکہ ملازمین اظہار شان کے لئے بھی ہوتے ہیں' وہاں یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: شرک بہت قسم کے ہیں مگران سب کی اصل خود فراموش ہے جس نے اپنے کو نہ پہچانا یا تو اپنے کو بہت اونچا کر کے دعویٰ خدائی کرے گا جیسے فرعون و نمرود یا اپنے کو بہت نیچا کر کے ابلیس' چاند' سورج بلکہ درختوں و پتھروں کا بندہ بنے گا۔ ان کی عبادت کرے گا' فرعون' نمرود بھی خود فریبی کا شکار تھے اور مجوسی و مشرکین عرب بھی خود فراموشی کے شکار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے دنیا میں تشریف لا کر ہم کو پہلی بات یہ سمجھائی کہ تم اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہو' نبی کے امتی ہو' اولیاء' علماء کے مطیع ہو۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یہاں تم جھکو کہ یہ مقامات اکڑنے کے لئے نہیں جھکنے کے لئے ہیں اور ساری مخلوق فرشتے ہوں یا جن سب تمہاری خاطر پیدا ہوئے' تم ان سب سے افضل ہو۔ رب کے سامنے اکڑ نامت' کسی مخلوق کے سامنے جھکنامت' ان کی عبادت نہ کرنا اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ان کفار نے اپنے کو نہ جانا بغیر علم سے مراد انہیں اپنا مقام کا اپنے درجہ کا علم نہیں جب اس علم سے محروم رہے تو ابلیس کو خدا تعالیٰ کا بھائی فرشتوں کو اس کی اولاد کہنے لگے اگر انہیں اپنا علم ہو تا تو ایسی باتیں نہ کرتے اس لئے اے انسان پہلے تو اپنے کو جان کر اپنے رب کو جانے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو اونچا کیا مگر انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے۔ چاند و سورج تاروں وغیرہ کو نیچا کیا کہ فرمایا یہ تم لوگوں کے لئے پیدا ہوئے۔ یہ خدا نہیں تمہارے بعد درجہ والے بندے ہیں وہ حضور کے دشمن نہ بنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام رہے فرمایا کہ سورج اشارہ سے واپس لوٹا' چاند اشارہ سے پھٹا' درختوں' پتھروں نے کلمہ پڑھا' انسان کیسا بے وقوف ہے کہ اپنے محسن کا دشمن ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَ
ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا کیسے ہو سکتا ہے اس کے بچہ حالانکہ نہیں ہے اس کی بیوی اور
بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی عورت نہیں اور اس نے
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
پیدا فرمایا ہر چیز کو جاننے والا یہ اللہ ہے رب تم سب کا نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے پیدا کرنے والا
ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا

هُوَۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ

ہر چیز کا پس عبادت کرو اس کی	اور وہ اوپر ہر چیز کے	نگران ہے۔	
بنانے والا تو اسے پوجو	وہ ہر چیز پر	نگہبان ہے۔	

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے شریک سے پاک ہونے کے دلائل بیان ہوئے۔ اب اس کے اولاد سے پاک ہونے کے قوی دلائل کا ذکر ہے غرضیکہ ایک قسم کے عیبوں سے پاکی کا ذکر فرمانے کے بعد دوسرے قسم کے عیبوں سے پاکی کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں دعویٰ فرمایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں۔ وہ نرے جاہل ہیں بغیر علم اب اس جہالت کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ اولاد سے پہلے ماں کا ہونا ضروری ہے۔ ماں وہ ہے جو باپ کی بیوی ہو جب اللہ تعالیٰ بیوی سے ہی پاک ہے تو اس کے اولاد کیسی صرف باپ سے اولاد ناممکن ہے کہ باپ تو ہو ماں نہ ہو۔ خیال رہے کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ یہ تو کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں یا عیسیٰ علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں مگر ان میں سے یہ کوئی نہ کہتا تھا کہ فلاں عورت اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے اس لئے یہ الزام نہایت ہی درست ہے کہ خدا کے لئے بیوی تم بھی نہیں مانتے تو اس کے لئے اولاد کیوں مانتے ہو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کا مثل، شریک اولاد وغیرہ سے پاک ہونا بیان ہوا تو اب دوسری آیت میں اس کا نتیجہ بیان ہوا کہ سوا اس کی عبادت کے لائق کوئی نہیں کہ فرمایا فاعبدوا۔

تفسیر: بدیع السموت والارض۔ بدیع بنا ہے بدع سے بمعنی کیا ہونا، بے مثل ہونا اسی سے ہے بدعت وہ عقیدے یا کام جو نئے ہوں جن کی مثال سلف میں نہ ملے۔ (تفسیر ابن کثیر)۔ رب فرماتا ہے قل ما کنت بدعا من الرسل۔ فرماؤ میں کوئی نیا نبی نہیں یعنی بے مثل تو ہوں بے مثل نہیں مجھ سے پہلے اور نبی آ چکے ہیں۔ اصطلاح میں بغیر مثال بغیر نمونہ بغیر آلہ، بغیر مادہ، بغیر زمان، بغیر مکان کسی چیز کو بنانا بدع ہے (امام راغب و روح المعانی) بدیع بمعنی اسم فاعل بھی آتا ہے اور بمعنی اسم مفعول بھی یعنی بے مثل پیدا کرنے والا یا بے مثل پیدا کیا ہوا۔ جیسے شہر بمعنی مشہور بھی ہے یہاں بدیع کی اضافت یا تو فاعل کی طرف ہے یا مفعول کی طرف یا ظرف کی طرف۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو بے مثل بنانے والا ہے یا بغیر نمونہ اور بغیر مادہ، بغیر ہتھیار و اوزار کے اس نے یہ چیزیں بنائیں یا اللہ تعالیٰ بے مثل آسمانوں بے مثل زمین والا ہے یا اللہ تعالیٰ آسمانوں و زمینوں میں بے مثل ہے۔ یعنی جہان میں اس کی مثال کوئی نہیں۔ لیس کمثلہ شی۔ تمام قراتوں میں بدیع کو پیش ہے مگر پیش کی تین وجہیں ہیں۔ (1) یہ ھو پوشیدہ کی خبر ہے۔ (2) یہ تعالیٰ فعل پوشیدہ کا فاعل ہے۔ (3) یہ مبتدا ہے اور انی یکون اس کی خبر غرضکہ اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں (روح المعانی)۔ انی یکون لہ ولد یہ عبارت یا تو مستقل جملہ ہے یا بدیع السموات کی خبر ہم فاتوا حرثکم انی شئتم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ انی یا بمعنی کیف ہوتا ہے یا بمعنی این اگر بمعنی این ہو تو اس سے پہلے من پوشیدہ ہوتا ہے یعنی کیسے یا کہاں سے اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے محال ہونے کی دلیل ارشاد ہوئی ولم تکن لہ صاحبۃ۔ یہ عبارت گزشتہ عبارت انی یکون کا حال ہے لم یکن میں ان کفار کے عقیدے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تمہارا بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible] لغوی معنی ہیں ساتھی صاحب بمعنی

ساتھی کا مونث مگر اصطلاح میں صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر حضرت عائشہ و حفصہ سے فرمایا تھا انکن لا نتن صوا حب یوسف - تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی (زلیخا) کی طرح ہو' چونکہ وہ کفار بھی کسی عورت یا کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں کہتے تھے اس لئے یہ الزام نہایت ہی درست ہوا یعنی تم عجیب بے وقوف ہو کہ جب تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی' کوئی نہیں یہ بھی مانتے ہو کہ بغیر بیوی صرف باپ سے اولاد نہیں ہو سکتی' پھر تم خدا تعالیٰ کے لئے بغیر بیوی اولاد کیونکر مان لیتے ہو۔ سبحان اللہ خیال رہے کہ صرف ماں سے بغیر باپ اولاد ہو سکتی ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام صرف مریم سے پیدا ہوئے بغیر باپ مگر بغیر ماں صرف باپ سے اولاد ہونا غیر ممکن ہے۔ چنانچہ حضرت حوا جناب آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں اور نہ آدم علیہ السلام ان کے باپ ہیں ورنہ پھر وہ ان کی بیوی کیسے بنتیں اور حضرت آدم خاوند کیسے ہوتے کیونکہ اگرچہ حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئیں مگر آپ کے نطفے سے پیدا نہیں ہوئیں آدم علیہ السلام نہ ماں کے بیٹے ہیں نہ باپ کہ ان کی پیدائش مٹی سے و خلق کل شیء یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے یا لم یکن لہ الخ پر معطوف ہے اور ان یکون الخ کا دوسرا حال بہرحال اس فرمان میں اولاد کے محال ہونے کی دوسری وجہ ارشاد ہوئی کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا یعنی فرشتوں کو بھی اور حضرت عیسیٰ و عزیر کو بھی۔ پھر وہ ان کا باپ کیسے ہوا۔ باپ اپنے بیٹے کا خالق نہیں ہوتا ہے۔ تفسیر کبیر نے یہاں عجیب بات فرمائی کہ اگر ولد کے معنی وہ لوگ یہ کریں کہ بغیر نطفہ ہی پیدا ہوئی ہیں اور اگر اولاد سے مراد وہی ہے جو حیوانات و انسان کے ہوتی ہے تو ہو بغیر بیوی ناممکن ہی پیدا ہوئی ہیں اور اگر اولاد سے مراد وہی ہے جو حیوانات و انسان کے ہوتی ہے تو وہ بغیر بیوی ناممکن ہے لہٰذا لم تکن لہ صاحبہ میں ایک معنی تردید ہے اور خلق کل شیء میں دوسرے معنی کی۔ بہرحال کسی معنی سے رب کے لئے اولاد ناممکن ہے وھو بکل شیء علیم یہاں بھی وہی دو احتمال ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کو یا یہ نیا جملہ ہے یا ولم یکن لہ صاحبہ پر معطوف ہے اور تیسرا حال اس فرمان عالی میں تیسری دلیل سے اولاد سے پاک ہیں۔ حضرت عیسیٰ وغیرہم ہماری مخلوق ہیں۔ ہمارے بندے ہیں ہماری اولاد نہیں تو تم کیسے کہتے ہو کہ رب کی اولاد ہے کیا تم ہم سے زیادہ ہم کو اور ہماری مخلوق کو جانتے ہو ہم تو اپنی ذات صفات اپنی مخلوقات سب کو ہمیشہ سے جانتے ہیں۔ خیال رہے کہ شیئی کے تین معنی ہیں ممکن' موجود' معلوم۔ جب قدرت کے ساتھ شیئی آئے گا تو بمعنی ممکن ہوگا۔ ان اللہ علی کل شیئی قدیر۔ اور جب خلق کے ساتھ ہو گا تو بمعنی موجود ہو گا۔ خالق کل شی یا جیسے خلق کل شی۔ اور جب علم کے ساتھ ہو گا تو بمعنی معلوم جس میں واجب اور ناممکن سب داخل ہوں گے۔ اس کی تحقیق ہم پارہ الم میں ان اللہ علی کل شی قدیر کی تفسیر میں کر چکے۔ ذالکم اللہ ربکم یہ جملہ علیحدہ ہے۔ جس میں ذالکم مبتداء ہے اور اللہ ربکم خبریں ہیں یا اللہ موصوف ربکم صفت مل کر خبر یا ذالکم اللہ مبتداء ہے اور ربکم خبر ذالکم سے اشارہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مذکورہ صفات کی طرف۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس کی ذات بندوں سے بہت دور ہے۔ خیال و گمان و وہم سے وراء ہے اور اس کی رحمت اس کا کرم' اس کی بندہ نوازی ہم سے بہت ہی قریب ہے نحن اقرب الیہ منکم اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید چونکہ ذات اور شان کا ذکر ہے کہ رب نے اپنی شان کے ذریعہ اپنی پہچان کرائی' لہٰذا ذالکم اشارہ بعید ارشاد ہوا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرف و عظمت ہیں۔ ہمارے خیال سے وراء ہیں اور کرم نوازی میں ہم سے بہت ہی قریب النبی اولی بالمومنین من انفسھم اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا جاتا ہے سلام قریب والے ہی کو ہوتا ہے اس لئے ہمارے ہر دکھ درد کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہے **عزیز علیہ ما عنتم** جیسے ہر عضو کے درد کی جان کو خبر ہے۔ اس آیت میں خطاب یا مشرکین و کفار سے ہے یا سارے انسانوں سے یعنی ان صفتوں والا اللہ تمہارا رب ہے جو اولاد شریک والا ہو وہ نہ اللہ ہے نہ تمہارا رب وہ تو صرف تمہاری ایک خیالی چیز ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت دو قسم کی ہے 'معرفت توحید اور معرفت ایمان آسمان و زمین وغیرہ کے ذریعہ رب کی معرفت توحید ہے جو بعض کفار بلکہ ابلیس کو بھی حاصل ہے اور نبی کے ذریعہ خدا کی پہچان معرفت ایمان ہے اسی معرفت کا ذکر اس آیت میں ہے **ھو الذی ارسل رسولہ** اور **نعبد الھک و الہ اباء ک ابراھیم قالوا امنا برب العلمین رب موسی و ھارون۔ رب العالمین** میں معرفت توحید ہے اور **رب موسی و ھارون** میں معرفت ایمان ہے یہاں معرفت توحید عطا فرمائی گئی ہے جو بندوں کا ابتدائی سبق ہے اور معرفت ایمان ان کا انتہائی سبق ہے رب اللہ تعالیٰ کے ان ناموں میں سے ہے جو بندوں پر بھی بولا گیا ہے **کما ربیانی صغیرا اور ارجع الی ربک** مگر رب تعالیٰ سب کو پالنے والے اور وقتی طور پر پالنے والے ہیں ہم کو بچپن میں اور طرح پالتا ہے 'جوانی میں اور طرح پالتا ہے' سردی میں 'گرمی میں اور طرح' پھر جسما" ماں باپ کے ذریعہ روحانی طور سے اولیاء انبیاء خصوصا" محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پالتا ہے 'غریبوں کو اور طرح پالے 'امیروں کو اور طرح۔ یونہی مومنوں 'عارفوں 'نبیوں کو مختلف طرح پالے۔

لا الہ الا ھو خالق کل شیء ۔ یہ عبارت لفظ اللہ کی خبریں ہیں یعنی یہ صفات والا اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اس کے سوا نہ کوئی رب ہے نہ کوئی خالق یہاں الٰہ سے مراد سچا معبود ہے کیونکہ جھوٹے معبود تو بہت تھے جنہیں کفار پوجتے تھے مگر کافر بھی جھوٹے ان کی عبادت بھی جھوٹی۔ خلق کے معنی ہیں نیست کو ہست کر دینا اس جملہ کی اور بہت ترکیبیں کی گئی ہیں۔ **فاعبدوہ** یہاں ف ترتیب کی ہے اور یہ جملہ پچھلے جملوں پر مرتب ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا رب خالق ہے 'مالک ہے تو تم بھی اسی کی عبادت کرو 'عبادت کے معنی اس کے اقسام واحکام ہم **ایاک نعبد** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ عبادت کے معنی ہیں انتہائی عجز و انکسار کا اظہار یعنی بندہ اپنی ایسی عاجزی ظاہر کرے جیسی کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے 'لہذا نہ دو معبود ہو سکتے ہیں اور نہ دو کی عبادت کیونکہ اگر دو کی عبادت ہو گی تو ان دونوں معبودوں کے سامنے برابر کی انکساری عاجزی کرنا پڑے گی۔ جب عجز میں برابری آئی تو انتہائی عاجزی نہ رہی لہذا چند معبودوں کا عابد کسی کا عابد نہیں۔ تفسیر روح المعانی نے اس جگہ یہاں اس پر زور دیا **فاعبدوہ** میں حصر ہے کہ اس ایک کی عبادت کرو لفظ عبادت بھی حصر چاہتا ہے خواہ الفاظ حصر کے ہوں یا نہ ہوں لہذا **ایاک نعبد** اور **لا تعبدوا الا ایاہ** اور یہاں **فاعبدوا** سب میں حصر ہے دنیاوی رشتوں سے بیٹا ہونا 'خاوند ہونا ایک ہی میں محدود ہے کہ ایک بیٹے کے دو باپ 'ایک بیوی کے بہ یک وقت دو خاوند نہیں ہو سکتے اسی طرح خالقیت 'معبودیت 'محدود ہے کہ بندے کے دو خالق 'دو معبود ہو ہی نہیں سکتے اگر دو ہوں تو وہ خالق نہیں کاسب ہوں گے معبود نہیں مطاع ہوں گے یعنی ان کی عبادت نہ ہو گی اطاعت و فرمانبرداری ہو گی۔ **وھو علی کل شیء وکیل** ۔ یہ عبارت معطوف ہے **لا الہ الا ھو** پر اور خبر ہے **اللہ ھو** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے شیء سے مراد ہر موجود مخلوق چیز ہے وکیل بنا ہے وکل سے بمعنی سپرد کرنا یا کسی کا والی وارث متولی ہونا چونکہ یہاں وکیل میں رقیب کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے ساتھ علی فرمانا بالکل درست ہے بلکہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں رقیب و حفیظ ہی ہے جیسے **علی کل شیء شھید** [illegible] پیدا فرما کر یونہی بے یار و مددگار نہ

چھوڑ دیا بلکہ وہ ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کا حافظ اس کا متولی' اس کی نگرانی فرمانے والا ہے کہ ہر وقت ہر چیز اور اس کی ہر ضرورت کی خبر رکھتا ہے (روح المعانی و خازن وغیرہ) ہم اسے بھول جائیں مگر وہ ہم کو نہ بھولتا ہے نہ چھوڑتا ہے۔ خیال رہے کہ حقیقی نگہبان صرف رب تعالیٰ ہے۔ مجازی نگران بہت سے بندے ہیں۔ چنانچہ فوج ملک کی نگہبان پولیس شہر کی نگہبان فرشتے ہمارے نگہبان و یرسل علیکم حفظۃ یہاں حقیقی نگہبانی مراد ہے۔

خلاصہء تفسیر : اس آیت کریمہ کے چار جزو ہیں۔ آسمان و زمین کا بدیع ہونا اللہ تعالیٰ کا بیوی سے پاک ہونا۔ تیسرے **خلق کل شیء** -چوتھا جزو **وھو بکل شیء علیم** -دوسری آیت کے پانچ جز ہیں اس کا رب ہونا۔ **لا شریک** ہونا' معبود ہونا ہر چیز پر وکیل ہونا' ان آیتوں کی یہ شان ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی نمونہ کے' بغیر کسی اوزار ہتھیار کے بغیر کسی مادہ کے' بغیر کسی جگہ کے' بغیر کسی زمانہ کے ایجاد فرمادیا۔ ہر چیز اس کی مخلوق ہے یہ بھی غور کرو کہ اس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے تم بھی مانتے ہو کہ اس کی کوئی بیوی نہیں اور بغیر بیوی صرف باپ سے اولاد ہو ہی نہیں سکتی پھر اس کی اولاد کیسی نیز وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ خالق والد نہیں ہو سکتا اور والد خالق نہیں بن سکتا لہذا وہ کسی کا باپ نہیں نیز وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے جب وہی فرما رہا ہے کہ کوئی چیز ہماری اولاد نہیں ہر چیز ہماری مخلوق پھر تم کیسے کہتے ہو کہ فلاں اللہ کی اولاد ہے کیا تم رب تعالیٰ سے زیادہ علم و خبر رکھتے ہو۔ دیکھو اور غور کرو کہ ان صفات سے موصوف ہی اللہ ہے وہی تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ نہ بیٹے کے دو باپ ہو سکتے ہیں نہ بندے کے دو معبود معبودیت ایک ہی کے لائق ہے وہ ہر چیز کا خالق ہے لہذا تم سب اسی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اس کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ تمہارا صرف خالق نہیں اس نے تم کو پیدا فرما کر یونہی آوارہ بے یار بے مددگار نہیں چھوڑ دیا بلکہ وہ ہر وقت اس کے عابد و ساجد رہو۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا مثل ناممکن ہے' نہ خدا دو ہو سکتے ہیں' نہ مصطفیٰ دو ہو سکتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق میں اول ہیں۔ **اول ما خلق اللہ نوری** سارے نبیوں سے پیچھے ہیں خاتم النبیین' سارے عالم کے لئے رحمت ہیں' سارے انسانوں کے شفیع ہیں کہ بعض شفاعتیں نبیوں کے لئے ہیں اور بعض شفاعتوں سے کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے' سارے عالم کی اصل ہیں یہ اوصاف تعدد کے لائق نہیں ہم نے عرض کیا ہے۔

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبتداء و — نہیں دوسرے کی یاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

خیال رکھو: کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ ہر ماسوی اس کا بندہ ہے مگر بندے بندے میں فرق ہے ہم لوگ ایسے بندے ہیں کہ ہم کو اس پر ناز ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے مگر حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب کے ایسے بندے ہیں کہ دست قدرت کو ان کی بندگی پر ناز ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے ہیں۔

عبد دیگر عبدہ' چیزے دگر — او سراپا انتظار آن منتظر

یہ بھی خیال رہے کہ اس آیت میں **اعبدو** مطلق بھی ہے اور عام بھی یعنی اے مشرکو کافرو عبادت کرو کہ ایمان لاؤ' اے مومنو عبادت کرو کہ پرہیزگار بن جاؤ' اے پرہیزگارو عبادت کرو کہ اخلاص اختیار کرو' اے مخلصو عبادت کرو کہ قرب الٰہی میں ترقی کرو۔ اے غریبو عبادت کرو کہ نماز و روزہ کی پابندی کرو' اے امیرو عبادت کرو کہ حج و زکوٰۃ دو یا اے بندو عبودیت کرو کہ میری رضا پر صابر و شاکر رہو کبھی میری شکایت نہ کرو غرضیکہ **اعبدو** یا عبادت سے ہے یا عبودیت سے خیال رہے کہ عبادت ہو یا عبودیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی ادا‌ؤں کا نام ہے عبادت قلبی ادا‌ؤں کا نام ہے عبودیت۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ عالم اجسام میں آسمانوں' زمین' عرش' کرسی' لوح و قلم وغیرہ کا بدیع ہے باقی تمام چیزوں کا خالق ہے یعنی آسمان و زمین کو تو بغیر مادہ' بغیر نمونہ کے بنایا نہ کسی وقت میں باقی دوسرے اجسام کو کسی مادہ سے کسی وقت میں' کسی جگہ میں بنایا۔ یہ فائدہ بدیع السموت اور خلق کل شیء سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے بدیع نہیں خیال رہے کہ بغیر نمونہ بنانا ایجاد ہے اور بغیر نمونہ' بغیر مادہ وغیرہ کے بنانا بدع لہٰذا اللہ تعالیٰ آسمانوں زمین وغیرہ کا بدیع ہے حضرت آدم علیہ السلام کا موجد یہ فرق خیال میں رہے۔ دوسرا فائدہ: بغیر باپ صرف ماں سے اولاد نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ و لم تکن لہ صاحبۃ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں (لطیفہ) کسی شخص نے حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا سے مردوں کی افضلیت اور عورتوں کی ماتحتی بیان کی اس کے دلائل دیئے آپ نے تبسم فرما کر فرمایا عورت کو برا نہ کہو یہ نبیوں ولیوں کی کان ہے بغیر باپ صرف عورت سے نبی پیدا ہوئے مگر بغیر عورت صرف باپ سے کوئی نبی ولی پیدا نہ ہوئے واقعی حضرات انبیاء موتی ہے مگر عورتیں بھی ان موتیوں کی سیپ ہیں۔ حضرات انبیاء لعل ہیں تو عورتیں ان لعلوں کی کان ہیں۔ تیسرا فائدہ: باپ کی اولاد وہ ہے جو بذریعہ بیوی کے اپنے نطفہ سے پیدا ہو ان دو شرطوں کے بغیر اولاد نہیں۔ یہ فائدہ بھی ولم تکن لہ صاحبۃ سے حاصل ہوا' ماں کی اولاد وہ ہے جو اس کے پیٹ سے ہو اس کی جنس ہو' نطفہ کی وہاں قید نہیں' لہٰذا حضرت عیسیٰ تو ابن مریم ہیں مگر حضرت حوا بنت آدم نہیں۔ چوتھا فائدہ: حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئیں' ان کی زوجہ بنیں۔ یہ فائدہ بھی ولم تکن لہ صاحبۃ سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم نے بیوی کو صاحبہ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کی صاحبہ فرمایا انکن انتن صوا حب یوسف جوان کو زوجیت کا انکار کرتا ہے۔ وہ یا تو اس آیت کا انکار کرتا ہے یا بخاری کی اس حدیث کا۔ پانچواں فائدہ: بعض اوصاف تعدد کے متحمل ہو سکتے ہیں مگر بعض چیزوں میں تعدد نہیں ہو سکتا۔ ہمارے جسم میں سارے اعضاء متعدد ہیں مگر دل ایک گھر میں اولاد بھائی بہن متعدد ہیں مگر باپ ماں ایک درخت میں شاخیں پتے متعدد ہیں مگر جڑ ایک مسجد میں مقتدی متعدد مگر امام ایک ملک میں وزراء امراء متعدد مگر صدر یا بادشاہ ایک یونہی مخلوق متعدد ہو سکتی ہے مگر خالق ایک نبی متعدد ہو سکتے ہیں مگر مصطفیٰ ایک جب ہم چند کے نطفوں سے نہیں بن سکتے تو ہم چند کے نور سے کیسے بن سکتے ہیں' مخلوق تو حضور کے نور سے پیدا ہو چکی۔ پھر اب دوسرا ان کی مثل کیسے ہو جس کے نور سے اب یہ جہان بنے یہ فائدہ اشارۃً" و لم تکن لہ صاحبۃ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بری چیزوں کا پیدا فرمانا برا نہیں' چیز بری ہو مگر اس کی خلق بری نہیں شیطان برا ہے اگر شیطان کو پیدا فرمانا برا نہیں۔ یہ فائدہ بھی خلق کل شیء سے حاصل ہوا۔ مسئلہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ادنیٰ و اعلیٰ چیز کا خالق و رب ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کو اعلیٰ بندوں کی نسبت سے یاد کیا جائے' یہ کہ یا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ کہو کہ یا رب الشیطان کہ اس میں سخت بے ادبی ہے۔ ساتواں فائدہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حافظ و وکیل ہے مگر اس کے باوجود ہم کو بھی اپنی حفاظت وغیرہ کا حکم ہے۔ چنانچہ ہم کو حکم ہے خذوا حذرکم کفار سے بچاؤ کے اسباب اختیار کرو لہٰذا مصیبت کے وقت حاکم یا حکیم کے پاس جانا یونہی ضرورت و حاجت کے وقت حضرات انبیاء و اولیاء کے آستانہ پر حاضری دینا علی کل شیء وکیل کے خلاف نہیں حضرات انبیاء و اولیاء [illegible] اللہ تعالیٰ کی ہی مدد ہے خلاف توکل

نہیں۔
پہلا اعتراض : یہاں آسمان و زمین کے واسطے بدیع فرمایا گیا اور باقی چیزوں کے لئے خلق یا خالق ارشاد ہوا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ جواب: اس کا جواب ہم ابھی تفسیر اور فائدوں میں عرض کر چکے۔ بدع ایجاد اور خلق میں بڑا فرق ہے۔ آسمان و زمین نہ کسی مادہ سے بنے مٹی ہم سب کا مادہ ہے مگر مٹی کا مادہ کچھ نہیں۔ یونہی آسمان و زمین کسی وقت یا کسی جگہ میں نہ بنے کہ جب یہ پیدا فرمائے گئے تو نہ جگہ تھی نہ وقت لہٰذا ان کے لئے بدیع فرمانا نہایت درست ہے۔ دوسری مخلوق کے لئے یہ کیسے فرمایا جاتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ خلق 'ایجاد اور بداعت میں فرق ہے بداعت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کیسے بنا' کب بنا' کہاں بنا۔ ایجاد میں بغیر مثال پیدائش ہوتی ہے۔ خلق ان دونوں سے عام نہیں لہٰذا رب تعالیٰ آسمان و زمین کا خالق بھی ہے' موجد بھی اور بدیع بھی ہمارا خالق ہے' موجد یا بدیع نہیں آدم علیہ السلام کا خالق بھی ہے موجد بھی۔ دوسرا اعتراض: اگر کفار اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی بھی مان لیں۔ مثلاً عیسائی کہہ دیں کہ حضرت مریم خدا تعالیٰ کی بیوی ہیں تو یہ فرمان ان کے مقابل کیونکر درست ہو گا۔ **و لم تکن صاحبۃ** جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں روئے سخن مشرکین مکہ سے ہے۔ جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ مگر فرشتوں کی ماں نہیں مانتے تھے' نہ کسی کو رب کی بیوی کہتے تھے اور اگر عیسائیوں' یہودیوں سے بھی ہو تو وہ بھی حضرت مریم کو خدا کی بیوی یا عزیر علیہ السلام کی ماں کو خدا کی زوجہ نہیں کہتے تھے لہٰذا انہیں الزاماً" فرمایا گیا کہ جب تمہارے عقیدہ میں بھی خدا کی بیوی کوئی نہیں تو تم ان مخلوق کو خدا کا بیٹا کیسے کہتے ہو۔ دوسرے یہ کہ کوئی پاگل بھی کسی کو خدا تعالیٰ کی بیوی نہیں کہہ سکتا کہ بیوی اور پھر بیوی سے صحبت' پھر صحبت کے نتیجہ میں بچہ کی پیدائش کا رب تعالیٰ کے لئے وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے کوئی پاگل بھی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا بیٹا ہے لہٰذا ایسے لغو احتمال کی تردید کرنا اس تردید پر دلائل قائم کرنا غیر ضروری ہے۔ تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ناممکن ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا **جسمک جسمی' لحمک لحمی دمک دمی انت مثلی** کہ تمہارا خون تمہارا جسم میرا جسم تمہاری ہڈیاں میری ہڈیاں تم بالکل میری مثل ہو معلوم ہوا کہ حضرت علی کا نکاح فاطمہ زہرا سے درست نہ ہو تا یہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ناممکن ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے۔ **قل انما انا بشر مثلکم** تمہارا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے۔ جواب: یہاں آیت میں جسمانی ظاہری مثلیت مراد ہے روح محمدی اور حقیقت محمدی بے مثال ہے وہ نہ کسی کی اولاد ہے نہ کسی کی قرابت دار جسم محمدی بظاہر دوسرے انسانوں کے مثل ہے اس میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں' نہ خدا کے بیٹے بلکہ خالص بندے ہیں۔ ہم نے حقیقت محمدیہ کا ذکر کیا ہے۔ پانچواں اعتراض: یہاں **لم تکن لہ صاحبۃ** کیوں فرمایا۔ **زوجۃ** کیوں نہ فرمایا' زوجہ اور صاحبہ میں کیا فرق ہے؟ جواب: اس کی طرف کسی مفسر نے توجہ نہ فرمائی غالباً" زوجہ اور صاحبہ میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ زوجہ ہر منکوحہ بیوی کو کہتے ہیں اس سے خلوت ہو یا نہ ہو۔ مگر صاحبہ وہ جس سے خلوت ہو' صاحبہ صحبت سے بنا' بچہ کی پیدائش بغیر مصاحبت سے ناممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ صاحبہ عام ہے' بیوی ہو یا لونڈی ہو مصاحبت والی مگر زوجہ صرف منکوحہ بیوی ہے۔ اولاد بیوی اور لونڈی دونوں سے ہو سکتی ہے' صاحبہ کی نفی فرما کر اولاد کی مطلقاً نفی فرمادی اگر زوجہ کی نفی کی جاتی تو لونڈی کا احتمال باقی رہتا۔ **واللہ اعلم و رسولہ اعلم و انہم** - چھٹا اعتراض: یہاں پہلی

آیت میں ارشاد ہوا۔ و خلق کل شیء۔ اور دوسری آیت میں ہے خالق کل شیء اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے خلق اور خالق میں کیا فرق ہے۔ جواب: خلق کل شیء میں پیدا شدہ چیزیں بھی داخل ہیں اور آئندہ پیدا ہونے والی بھی کہ خالق اسم فاعل لہٰذا پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ تمام پیدا شدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا اور خالق کل شیء کے معنی یہ ہوئے کہ آئندہ جو چیزیں پیدا ہوں گی ان کا خالق بھی رب تعالیٰ ہی ہے لہٰذا فرق ظاہر ہے۔ ساتواں اعتراض: یہاں فاعبدوہ فرمانا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ مشرکین اہل کتاب سب ہی اول اللہ کی عبادت کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی اللہ کی عبادت کا منکر نہ تھا لہٰذا حصر فرمانا چاہئے تھا کہ اس اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو دوسروں کی نہ کرو۔ جواب: اس کا جواب اشارۃ" ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ عبادت صرف ایک ہی کی ہو سکتی ہے۔ چند کی عبادت 'عبادت ہے ہی نہیں جب یہ کفار اللہ تعالیٰ اور اپنے جھوٹے معبودوں سب کی عبادت کرتے تھے تو وہ حقیقتہ" کسی کی عبادت نہ کرتے تھے عبادت کے معنی ہیں انتہائی عجز و انکسار' انکسار کی انتہا اور ابتدا صرف ایک ہی پر ہو سکتی لہٰذا اگر عبادت کے ساتھ حصر کا کلمہ نہ بھی ہو جب حصر حاصل ہے عبادت شرکت کے منافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے عالم روحانیات میں مختلف درجوں والے انبیاء و اولیاء پیدا فرمائے جو آسمانوں کی طرح مختلف' فیض دیتے ہیں اور مختلف کیفیت والے دل پیدا کئے جو زمین کی طرح ان حضرات کے حاجت مند ہیں۔ پھر بعض دل ان کے فیوض سے خود فائدے اٹھاتے ہیں۔ وہ عمدہ زمین کی طرح ہیں اور بعض فائدے نہیں اٹھاتے وہ گویا بے خبر زمین ہیں اس عالم میں فیض دینے والے اور فیض لینے والے سب ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس کے بندے ہیں لہٰذا وہ بیوی اور اولاد سے پاک ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے خالق والد نہیں ہو سکتا جب جانور انسان کی اولاد نہیں ہو سکتے تو مخلوق خالق کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے' ہر چیز کا رب ہے حقیقی معبود ہے۔ ہر چیز پر نگہبان ہے سب اس کے دروازے کے منگتا ہیں تو کوئی اس کی بیوی یا اس کی اولاد کیسے ہو سکتے ہیں ان میں یہ صفات کہاں جو وہ رب کے ہمسر ہوں۔ لہٰذا اسے خالق مانو والد نہ مانو بعض بندوں کی محبوبیت' مقربیت سے دھوکہ نہ کھاؤ' وہاں محبوبیت عبدیت کے ساتھ ہے نہ کہ ولادت کے ساتھ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی پیدائش میں اپنی شان بدیعی دکھائی ہے کہ وہاں یہ سوالات نہیں ہو سکتے کہ یہ چیزیں کاہے سے بنیں کیسے بنیں بھٹی میں گرم کر کے یا ویسے ہی ہتھوڑوں سے کوٹ کر کب بنیں کیونکہ وقت نام ہے سورج کی رفتار کا جب سورج ہی نہ تھا تو وقت کیا اور کہاں نہیں کیونکہ جگہ نام ہے زمین کے یا خلا کے حصوں کا جب نہ زمین نہ خلا تھا تو کہاں کا سوال غلط ہے۔ دوسری مخلوق میں رب نے اپنی شان خالقیت ظاہر فرمائی ہے کہ وہاں یہ چاروں سوالات ہو سکتے ہیں مگر اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں شانیں جمع فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ جسم محمدی کا خالق ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں 561ھ عیسوی میں حضرت آمنہ خاتون کے شکم پاک سے جناب عبداللہ کے گھر سے پیدا ہوا مگر نور محمدی میں رب نے اپنی شان بدیعی کا اظہار فرمایا ہے کہ وہاں یہ سوالات نہیں ہو سکتے جب نور محمدی کو پیدا فرمایا تو نہ وہاں تھا نہ یہاں نہ جب تھا نہ کب اللہ تعالیٰ نور محمدی کا بدیع ہے جسم محمدی کا خالق ہے پھر جسم محمدی جب فرش پر رہا تو رب کی شان خلق کو ظاہر فرما رہا تھا مگر جب عرش پر گیا تو رب کی شان بدیعی ظاہر فرمائی کہ معراج میں عرش پر پہنچ کر یہ جسم ایک جہاں کہاں 'کب' کیسے اور کاہے سے کے سوالات سے وراء ہو گیا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی خلق اور بدیع دونوں کے مظہر ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کارخانوں

میں تین طرح کا مال تیار ہوتا ہے چالو مال' فرمائشی مال اور نمونہ صنعت چالو مال اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی۔ مگر فرمائشی مال برا نہیں ہوتا اور نمونہ کے مال میں کاریگر کے سارے کمالات جمع ہوتے ہیں۔ یونہی ہم گنہگار کارخانہ قدرت کے گویا چالو مال ہیں اچھے بھی برے بھی اور حضرات اولیاء اللہ گویا فرمائشی مال ہیں۔ اچھے ہی اچھے ہیں مگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کارخانہ قدرت کے اعلیٰ درجہ کی صفت کے مظہر ہیں۔ **ھو الذی ارسل رسولہ** جن میں قدرت کے سارے کمالات جمع ہیں۔ جو نمونہ کی تعریف کرے اس سے کاریگر خوش ہوتا ہے۔ جو نمونہ میں عیب نکالے اس سے صانع ناراض ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں کرو' رب کو راضی کرلو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ طاقت' کچھ عجیب بات کچھ فائدہ یا کچھ نقصان ہوا۔ وہ گائے کو' سانپ کو' دریا کو' سورج و چاند کو خدا مان بیٹھے مگر اسلامی الٰہ وہ ہے جس کے قبضہ میں یہ سب کچھ ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

نہیں پا سکتیں اسے آنکھیں اور وہ پاتا ہے آنکھوں کو اور وہ لطف والا خبر والا ہے۔

آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے نہایت باطن پورا خبردار

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا ذکر تھا' بدیع وکیل ہے وغیرہ وغیرہ اب ان عیوب کا ذکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ پاک ہے' منزہ ہے کسی کے احاطہ نظر میں آجانا وغیرہ گویا کمالات کے ثبوت کے بعد عیبوں کی نفی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہر طرح جانتا ہے۔ **و ھو بکل شیء علیم**۔ اب ارشاد ہے کہ کوئی اسے ہر طرح نہیں جان سکتا مخلوق کا اسے جاننا محدود ہے گویا اللہ تعالیٰ اس کی سالمیت مطلقہ کے بعد اس کے معلوم ہونے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے **علی کل شیء وکیل**۔ اب ارشاد ہے کہ وہ ایسا نگہبان و نگران ہے کہ وہ سب کو دیکھتا ہے اسے کوئی نہیں دیکھتا لہٰذا اس سے ہر وقت ڈرتے رہو گویا اس کی نگرانی کا ذکر پہلے ہوا اور نگہبانی و نگرانی کی نوعیت کا ذکر اب ہے۔

تفسیر : **لا تدرکہ الابصار** یہ جملہ یا توکیل کی صفت ہے یا نیا ہے۔ دوسرا احتمال قوی ہے **لا تدرک** بنا ہے ادراک سے جس کا مادہ ہے **درک** معنی پانا' گھیرنا' کسی تک پہنچ جانا ہے۔ **درج** بھی اس کا ہم معنی ہے کبھی تہ تک پہنچ جانے کو درک کہتے ہیں اور چوٹی تک پہنچنے کو **درج** غرضیکہ اس کے معنی صرف دیکھنا نہیں قرآن کریم میں ہے۔ **لا تخاف درکا ولا تخشی** اور ارشاد ہے **حتی اذا ادرکہ الغرق** اور ارشاد ہے۔ **قال اصحاب موسی انا لمدرکون۔ قال کلا** ۔اور ارشاد ہے **لو لا ان تدرکہ نعمت من ربہ** ۔اور ارشاد ہے **حتی اذا اداركوا فیھا** ۔اور ارشاد ہے **بل ادارک علمھم فی الاخرۃ** ۔ان جیسی آیات میں درک ہے مگر اس کے معنی پانا' گھیرنا' پکڑنا ہیں۔ دیکھنا نہیں وہی معنی یہاں ہیں' اسی لئے یہاں **لا تبصر** یا **لا تنظر** نہیں فرمایا۔ اس کا خیال رہے وہ کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے **الابصار** جمع **بصر** کی ہے جیسے **بصائر** جمع ہے بصیرت کی۔ آنکھوں کی روشنی کو بصر کہتے ہیں۔ دل کی روشنی کو بصیرت' کبھی خود آنکھ کو بصر کہہ دیتے ہیں کہ وہ بصر کی جگہ ہے **الابصار** میں الف لام استغراقی ہے ہو سکتا ہے کہ جنسی ہو یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ شان ہے کہ اسے کوئی آنکھ یا کسی آنکھ کی روشنی احاطہ نہیں کر سکتی' گھیر نہیں سکتی کہ احاطہ محدود چیز کا ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ حد سے پاک ہے۔ جیسے آنکھ کسی

جسم کو دیکھ کر معلوم کرلیتی ہے کہ اس کی لمبائی یہاں سے شروع ہے' یہاں ختم' چوڑائی کی یہ حدود ہیں' موٹائی کی یہ حدود اس قسم
کا دیکھنا رب تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے اس تفسیر سے الابصار عام ہے کسی نبی' ولی' مومن' جن' انس' فرشتہ وغیرہ کی نظر کبھی بھی
رب کو احاطہ کرکے نہیں پاسکتی' نہ دنیا میں' نہ آخرت میں' نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں رب کو احاطہ کرکے دیکھا
کہ یہ ناممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ادراک بصر سے مراد ہو' صرف دیکھنا جیساکہ معتزلہ کہتے ہیں تو الابصار کی تحقیق کرنا ہوگی اب
اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ آنکھیں دنیا والی نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ ساری آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں' یا دنیا میں
اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں رب کو دیکھا تو دنیا والی آنکھ سے نہ دیکھا وہ آنکھ اور
تھی' اس آنکھ کی روشنی اور تھی بلکہ یوں کہو کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور رنگ میں تھے۔ مومنین جنت میں
رب کو دیکھیں گے تو ان کی آنکھ اور آنکھ کی روشنی اور ہی ہوگی۔ انشاء اللہ لہٰذا یہ آیت ان آیات واحادیث کے خلاف نہیں جن
میں دیدار الٰہی کا ثبوت ہے جو انشاء اللہ ہم خلاصہء تفسیر میں عرض کریں گے۔ **وھو یدرک الابصار** یہ عبارت یا نیا جملہ
ہے اور واؤ ابتدائیہ یا **لا تدرکہ** الخ پر معطوف ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی دوسری صفت ہے **ھو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے' یہاں بھی
یدرک کے معنی ہیں احاطہ فرمالینا ہے' گھیر لینا ہے اور یہاں بھی **ابصار بصر** کی جمع ہے بمعنی آنکھ کی روشنی یعنی اللہ تعالیٰ کی شان
یہ کہ تمام مخلوق کی آنکھ کی روشنی کو احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔ حالانکہ روشنی آنکھ کی ایسی لطیف ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی' کوئی
شخص نہ اپنی نگاہ کو دیکھ سکتا ہے نہ دوسرے کی نگاہ سب کو دیکھتی ہے مگر نگاہ کو کوئی نہیں دیکھتا' نہ کوئی نگاہ کی حقیقت سے خبردار
ہے کہ نگاہ چیز کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو بھی احاطہ فرمائے گا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ سارے بندوں
کی نگاہیں' ان کی ادائیں ہر وقت دیکھتا ہے مگر کفار کی ادائیں' نگاہیں' ادائیں اور نظر سے دیکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
اداؤں کے لئے رب تعالیٰ کی نظر ہی خاص ہے جیسے وہ بے مثال ہیں ایسے ہی ان کو دیکھنے کی نظر بھی خاص فرماتا ہے۔ **قد نری
تقلب وجھک فی السماء** اور فرماتا ہے۔ **انہ یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین**۔ اور فرماتا ہے
فانک باعیننا ۔ غرضیکہ **یدرک الابصار** ایک فرمان ہے مگر اس کی نوعیتیں بہت ہیں۔ تمہاری روح' تمہاری نگاہ'
تمہارے اعمال اور اعمال کا نور سب کچھ اس کے احاطہ علمی میں ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ **وھو اللطیف الخبیر**
۔ یہ جملہ نیا ہے لطیف یا بنا ہے لطف سے بمعنی کرم و مہربانی یا لطف سے بمعنی حجاب میں ہونا یا نرمی کرنا' کسی تک نرمی سے پہنچنا'
لطف و رحم قریباً" ہم معنی ہیں کبھی ان دونوں میں فرق یوں کیا جاتا ہے کہ مانگنے والے پر کرم فرمانا رحم ہے جسے مانگنا نہ آتا ہو اس پر
کرم فرمانا لطف ہے ہم مانگتے ہیں وہ دیتا ہے کیونکہ وہ رحیم ہے' جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے یا شیر خوار تھے' مانگنا نہ جانتے تھے
تب بھی وہ کرم فرماتا تھا کیونکہ وہ لطیف ہے۔ اللہ نے یہ صفت اپنے محبوب کو بھی عطا فرمائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
منگتوں کو بھی دیتے ہیں کیونکہ رحیم ہیں' بے زبان جانوروں پر رحم فرماتے ہیں کیونکہ لطیف ہیں یا بنا ہے لطافت سے بمعنی صفائی
وشفافی۔ جس کا مقابل ہے کثافت لطیف وہ ہے جسے حواس نہ پاسکیں کثیف وہ جو حواس سے محسوس ہوجائے۔ ہمارے سامنے
کے در و دیوار ہم کو نظر آتے ہیں کیونکہ کثیف ہیں مگر ہوا نظر نہیں آتی کیونکہ لطیف ہے بلکہ جان ہمارے جسم میں ہے' سارے
کام وہی کرتی ہے مگر نظر نہیں آتی کیونکہ لطیف ہے اللہ نے یہ صفت بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانوں سے زیادہ ہم سے قریب ہیں **النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم** مگر ان آنکھوں سے

نظر نہیں آتے کیونکہ یہ عطائے رب لطیف ہیں یعنی وہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر مہربان ہے' ان پر نرمی فرمانے والا ہے یا کسی کی نظر میں نہ آنے والا ہے۔ تمام کی خبر رکھنے والا ہے کہ چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز اس کے علم و خبر سے باہر نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کو صاف شفاف نہیں کہا جاسکتا کہ شفاف اور کثیف ہونا جسم کی صفت ہے اس لئے اس کا نہایت نفیس ترجمہ وہ ہے جو اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کیا۔ یعنی نہایت باطن اس ترجمہ کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے **ھو الاول و الاخرة والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم**۔ خیال رہے کہ چونکہ رب تعالٰی رب ہے اور ربوبیت بغیر علم و خبر ناممکن جس کی خبر نہ ہو اس کی پرورش کیسے کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم بھی بنایا کہ اللہ کی نعمتیں اس کی مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے ہیں۔ **اللہ المعطی و انا قاسم** نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع ہیں' شفاعت سات قسم کی فرمائیں گے اور تقسیم بھی خبر کے بغیر ناممکن ہے شفاعت بھی۔ فرشتے اللہ کے حکم سے موت' حیات' بارش وغیرہ تقسیم کرتے ہیں تو انہیں اس کی خبر بھی ہے کہ کس کا کتنا حصہ ہے اور وہ کہاں رہتا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ عطائے الٰہی خبیر بھی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی کی چار صفتوں کا ذکر ہوا۔ ان میں سے پہلی دو صفتیں گویا دعویٰ ہیں اور آخری دو صفتیں اس دعویٰ کی دلیل اور اس کا ثبوت ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالٰی وہ شان والا ہے کہ کوئی آنکھ یا کوئی نظر کسی وقت' کسی جگہ کبھی بھی اس کا ادراک اس کا احاطہ نہیں کر سکتی' وہ کسی نظر کے گھیرے میں نہیں آسکتا یا دنیا میں کوئی نظر اسے دیکھ نہیں سکتی۔ محبوب نے معراج میں تو دیکھا تو وہ نظر اور تھی' وہ عالم دوسرا تھا یا آخرت میں اسے ساری نظریں دیکھ نہیں سکیں گی صرف مومنوں کو دیدار ہو گا کفار اس سے محروم رہیں گے۔ اس کی دوسری شان یہ ہے وہ نظروں تمام کی نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے کسی نے آج تک نظر کو نہیں دیکھا' یہ رب کی شان ہے کہ وہ سب کی نظر کو دیکھ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لطیف ہے یا باطن ہے' مخفی الذات ہے' باطن کسی کو نظر نہیں آسکتا اس کے ساتھ ہی وہ خبر والا ہے' سب کی خبر رکھتا ہے۔ سب کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا وہ دیکھتا ہے دیکھا جاتا نہیں۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا۔ شعر۔

یا خفی الذات محسوس العطاء — انت کالماء و نحن کالرحی

انت کالریح و نحن کالغبار — مختفی الریح و غبراة جھار

یعنی اے مولٰی تیری ذات چھپی ہوئی ہے' تیری عطاء دن رات دیکھی ہوئی' تیری قدرت پانی کی طرح ہے' ہم پن چکی کی طرح' تیرا کرم ہوا کی طرح ہم غبار کی طرح' ہوا نظر نہیں آتی مگر غبار دکھائی دیتا ہے جس سے ہوا کا پتہ لگتا ہے۔

دیدار الٰہی

سوا معتزلہ' خوارج اور بعض مرجیہ فرقوں کے تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ قیامت میں مومنوں کو دیدار الٰہی ہو گا بلکہ جنت میں دیدار ہوا کرے گا۔ اس پر آیات قرآنیہ' احادیث نبویہ اور عقلی دلائل گواہ ہیں۔

آیات قرآنیہ : رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **وجوہ یومئذ ناضرة الی ربھا ناظرہ** بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں

گے۔ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ **کلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون۔**
کفار اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے یعنی انہیں دیدار الٰہی نہ ہو گا۔ معلوم ہوا کہ مومنوں کو دیدار ہو گا۔ نیز فرماتا ہے **للذين احسنوا الحسنى و زيادة** ۔ نیک کاروں کے لئے جنت کی نعمتیں بھی ہیں اور کچھ زیادتی بھی وہ زیادتی کیا ہے دیدار الٰہی۔

احادیث : بخاری و مسلم اور ابو داؤد' ترمذی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی کہ کچھ لوگوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ فرمایا کیا تم چودہویں شب میں جبکہ آسمان صاف ہو' چاند کے دیکھنے میں کچھ شک و شبہ کرتے ہو عرض کیا نہیں۔ فرمایا اسی طرح تم اپنے رب کو قیامت میں بلاشک و شبہ ظاہر ظہور دیکھو گے۔ نیز ابو داؤد نے بروایت ابو ذر بن عقیلی رضی اللہ عنہ روایت کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم میں سے ہر شخص اپنے رب کو خلوت میں دیکھے گا۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا کہ اس کی مثال کیسی ہے کہ ایک وقت میں خلوت و جلوت دونوں ہوں۔ فرمایا کیا تم سب لوگ بہ یک وقت خلوت میں خلیت میں چاند کو دیکھتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اللہ کی شان تو کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کے متعلق اور بہت احادیث ہیں۔

عقلی دلیل : یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ **رب ارنی انظر اليك** خدایا تو مجھے اپنا جمال دکھاوے میں تجھے دیکھوں گا اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کی دعا نہ کرتے۔ کیونکہ ناممکن چیز کی دعا کرنا ممنوع ہے۔ نبی ممنوع کام نہیں کرتے نیز رب تعالیٰ نے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ ہمارا دیدار ناممکن ہے بلکہ فرمایا کہ پہاڑ کو دیکھو۔ اگر یہ ٹھہرا رہے تو تم بھی دیکھ لو گے پہاڑ کا ٹھہرنا ایک ناممکن چیز ہے اور جو چیز ممکن پر موقوف کی جائے وہ بھی ممکن ہوتی ہے لہٰذا دیدار الٰہی ممکن ہوا (دیکھو تفسیر خازن و تفسیر کبیر)۔

دیدار معراج : حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات عرش سے گزر کر قاب قوسین میں پہنچ کر بچشم سر رب تعالیٰ کا دیدار فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ سے وہ قرب میسر ہوا جو کسی کو نہ ہوا نہ ہو گا۔ قرآن کریم دیدار معراج کے متعلق فرماتا ہے۔ **ما كذب الفؤاد ما راى** محبوب نے اپنے رب کو دیکھا تو دل نے اسے جھوٹ نہ کہا یعنی آنکھ نے رب کو دیکھا' دل نے اس کی تصدیق کی اگر دل کا دیکھنا مراد ہوتا تو دل کی تصدیق کرنے کے کیا معنی ہوتے اور فرماتا ہے۔ **ولقد راه نزلة اخرى عند سدرة المنتهى** محبوب نے رب تعالیٰ کو دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس سے دیکھا' قرب الٰہی کے متعلق فرماتا ہے۔ **ثم دنى فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى**۔ ان آیتوں میں اللہ کے دیدار اور اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذکر ہے نہ کہ حضرت جبرئیل کا دیدار اور حضرت جبرئیل سے قرب۔ کیونکہ آگے ارشاد ہے۔ **فاوحى الى عبده ما اوحى** اللہ نے اپنے بندے کو خاص وحی فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں نہ کہ حضرت جبرئیل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **رايت ربى و احسن صورة** میں نے اپنے رب کو اپنی اچھی صورت میں دیکھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں **راى محمد صلى الله عليه وسلم ربه**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] اچھ[illegible] فرما[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھ سے

رب کو دیکھا۔ امام احمد ابن حنبل نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو دیکھا۔ رب کو دیکھا یہاں تک فرمایا کہ آپ کی سانس بند ہو گئی۔ اس کی تحقیق انشاء اللہ سورۃ والنجم میں کی جائے گی۔ خیال رہے کہ سدرۃ المنتہی یا عرش معلی یا دنی فتدلی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کا دیدار ہوا یہ مقامات رب تعالیٰ کے نہیں۔ وہ تو جگہ سے پاک ہے بلکہ یہ مقامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہاں بلا کر دیدار دیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرعرش تخت نشین ہوئے

وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

جیسے جناب کلیم کو طور پر بلا کر کلام فرمایا تو طور رب تعالیٰ کی جگہ نہ تھی۔ جناب موسیٰ کی جگہ تھی وہاں انہیں کلام سے مشرف فرمایا۔ کسی کو ہلال زمین سے دکھایا جاتا ہے' کسی کو چھت سے' کسی کو پہاڑ سے' کسی کو ہوائی جہاز سے۔ تو یہ مقامات چاند کے نہیں بلکہ چاند دیکھنے والے کے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں ان آنکھوں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ فائدہ **لا تدرکہ الابصار** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا۔ بلکہ بہت سے مقبولوں کو ہوا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی سمت یا کسی جہت میں یا اسے گھیر کر نہیں دیکھ سکتا کہ نظر اس کا احاطہ کرے وہ کسی کے گھیرے میں آنے سے پاک ہے۔ یہ فائدہ **لا تدرکہ الابصار** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علمی احاطہ میں بھی نہیں لا سکتا۔ کسی کا علم اسے گھیر نہیں سکتا۔ یہ فائدہ **الابصار** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ **ابصار** میں بصارت اور بصیرت دونوں داخل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو جاننا کچھ اور ہے' اسے پورے گھیر کر جاننا یا اس کو پورا پورا جاننا کچھ اور ہے۔ اسے جاننا پہچاننا ماننا ضروری ہے۔ اسے پورا پورا جاننا ناممکن ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت میں کفار رب تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہوں گے وہاں دیدار صرف مسلمانوں کو نصیب ہو گا۔ یہ فائدہ **الابصار** کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **الابصار** میں الف لام استغراقی ہو۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کثیف' لطیف تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور پورے احاطہ سے دیکھتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ ہر چیز کی ہمیشہ سے خبر رکھتا ہے اور ہمیشہ تک خبر رکھے گا۔ یہ فائدہ **الخبیر** سے حاصل ہوا۔ جیسے اس کی اور صفتیں قدیم' ازلی' ابدی ہیں ایسے ہی ہر چیز کی خبر رکھنا بھی ازلی' ابدی ہے اس کی خبر کسی واسطہ یا وسیلہ پر موقوف نہیں۔

پہلا اعتراض : اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے نہ دنیا میں کوئی اسے دیکھ سکتا ہے نہ جنت میں کوئی دیکھے گا۔ دیکھو ارشاد فرمایا گیا **لا تدرکہ الابصار** (معتزلہ' خوارج)۔ **جواب:** اس اعتراض کے کئی جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ (1) یہاں رب کو دیکھنے کی نفی نہیں اس کے ادراک کی نفی ہے یعنی اسے گھیر کر دیکھنا کہ آنکھیں اس کا احاطہ کر لیں یہ ناممکن ہے۔ اسی لئے یہاں **لا ینظرہ** نہیں فرمایا بلکہ **لا یدرکہ** ارشاد ہوا۔ دوسری جگہ فرمایا **الی ربہا ناظرہ** دیکھا۔ ہم چاند' سورج' آسمان' زمین' سمندر کو دیکھتے ہیں۔ مگر اس کا احاطہ نہیں کر سکتے کہ یہ اتنا بڑا ہے ان چیزوں کو دیکھنے میں ان کا ادراک و احاطہ نہیں کر سکتے یہ مثالیں صرف سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ اس کے دیدار کی کیفیت انشاء اللہ دیدار کے وقت ہی معلوم ہو گی۔ (2) **الابصار** میں الف لام استغراقی ہی ہے۔ یعنی ساری نظریں اسے نہیں دیکھ سکتیں بعض نظریں یعنی مومنین کی نظریں اسے دیکھیں گی۔ (3)

دنیا میں کوئی نظر اسے نہیں دیکھ سکتی آخرت میں مومنوں کی نظریں اور ہوں گی' آنکھیں کچھ اور۔(4) کوئی نظر کسی سمت اور کسی جہت میں اسے نہیں دیکھ سکتی' اس کا دیدار بغیر جہت' بغیر سمت کے ہو گا۔ **دوسرا اعتراض:** آنکھ صرف رنگت دیکھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رنگ و روپ سے پاک ہے لہٰذا اس کا دیدار ناممکن ہے' دیکھو ہم صاف شفاف چیزیں' روح' نظر کو نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ یہ چیزیں رنگت سے وراء ہیں' لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں دیکھ سکتے کہ وہ رنگ سے وراء ہے۔ **جواب:** یہ کمزوری دنیا والی اس آنکھ میں ہے کہ وہ رنگ روپ' سمت' روشنی' قریب ہونے کی محتاج ہے۔ جس آنکھ سے رب کا دیدار ہو گا انشاء اللہ وہ آنکھ ان میں سے کسی چیز کی حاجت مند نہ ہو گی۔ جنت کی قوتوں کو دنیا کی قوتوں پر قیاس نہ کرو۔ جب قرآن کریم فرما رہا ہے کہ مومنوں کو رب کا دیدار ہو گا تو عقل کو اس میں کیا دخل۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ جب مومنوں کو دیدار الٰہی ہو گا تو رداء کبریائی درمیان میں ہو گی اور ظاہر ہے کہ چادر جب آڑے ہو تو دیدار نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث نے ہی دیدار بے حجاب کی نفی کر دی۔ **جواب:** وہ حجاب ہی تو دیدار کا ذریعہ ہو گا۔ اگر وہ حجاب درمیان میں نہ ہو تو دیدار ناممکن ہو جیسے سورج جب ہلکے بادل یا بخارات کی چادر ہو تو نظر آتا ہے اگر یہ حجاب نہ ہوں تو اس کا دیدار ناممکن ہوتا ہے وہ حجاب دیدار کرانے کے لئے ہو گا۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ وہ حجاب اٹھادے **لا حرقت سبحٰت وجهه ما انتهى اليه بصره** اس کی تجلیاں تمام عالم کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالیں۔ **چوتھا اعتراض:** آخر اس میں حکمت کیا ہے کہ دنیا میں رب کا دیدار نہ ہو آخرت یعنی جنت میں ہو جب اس نے دیدار دینا ہی تھا تو دنیا میں بھی دیدیا ہوتا۔ **جواب:** وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ایمان بالغیب ضروری اور ذات رب ایمان کا پہلا رکن ہے **امنت بالله و ملئكته** اگر یہاں ہی دیدار ہوتا تو ایمان بالغیب نہ رہتا۔ یہاں شرط ہے کہ ہر ایمانی چیز نبی کی زبان سے مانو۔ یونہی رب تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ مانو' حسن پروردگار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار میں دیکھو تاکہ یہ ماننا ایمان ہو جنت ایمان کی جزا کی جگہ ہے وہاں دیدار ہو گا۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جو کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو دیکھا ہے اس نے بڑا بہتان باندھا۔ معلوم ہوا کہ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ **جواب:** اس کے بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں' بہترین جواب وہ ہے جو تفسیر روح المعانی نے یہاں دیا کہ رب تعالیٰ کے دیدار کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جلالی' دوسری جمالی۔ جلالی دیدار وہ ہے جو اسے ایسے نور سے دیکھا جائے جو عالم کو جلا کر خاکستر کر دے۔ دوسرا جمالی دیدار وہ ہے جو کہ اسے ایسے نور سے دیکھا جائے۔ جس میں یہ تابش نہ ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نور سے نہ دیکھا بلکہ دوسرے نور سے دیکھا اس لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری نے حضور سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے رب کو دیکھا تو فرمایا **نورانی اراہ** وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھتا۔ دوسرے شخص نے یہی سوال کیا تو فرمایا **رایت نورا** میں نے دیکھا پہلی حدیث میں پہلے قسم کے نور دیکھنے کی نفی ہے۔ دوسری حدیث میں دوسرا نور دیکھنے کا ثبوت غرضیکہ رب کا ایک نور وہ جو **يذهب بالابصار** جو دیکھنے والے اور اس کی آنکھ اور دیکھنے سب کو فنا کر دے۔ دوسرا جمالی نور جہاں یہ تابش نہیں لہٰذا حدیث بالکل درست ہے (روح المعانی) سورج کو دوپہر کے وقت نہیں دیکھ سکتے جب آسمان صاف ہو' مگر وہی سورج جب قریب غروب ہو تو نظر آتا ہے سورج ایک ہے مگر اس کی تجلی دو قسم کی ہے ا[illegible] کی مثال دنیا میں [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **رایت ربی فی احسن صورة** میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ **چھٹا اعتراض:** حدیث **رایت ربی فی احسن صورة**

کے متعلق ہے نہ کہ معراج والے دیدار کے متعلق لہٰذا اس حدیث سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ جواب: یہ حدیث مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔ اس کی شرح میں ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں بہ چشم سر رب تعالیٰ کا دیدار کیا' اس کی کوئی دلیل نہیں کہ خواب کا دیدار مراد ہے۔ حدیث شریف میں خواب کا ذکر نہیں۔ ساتواں اعتراض: حدیث رایت ربی فی احسن صورۃ ۔اگر صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ رب تعالیٰ کی کوئی شکل و صورت ہو۔ رب تعالیٰ تو شکل و صورت سے پاک ہے۔ جواب: اس حدیث کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں نے رب تعالیٰ کو اس کی اچھی صورت میں دیکھا بلکہ معنی یہ ہیں کہ میں نے رب تعالیٰ کو اپنی اچھی صورت میں دیکھا۔ جب اسے دیکھا تو اس وقت میری صورت بہت اچھی تھی۔ میں نے لباس بشری اتارا ہوا تھا۔ لباس نوری زیب تن کیا ہوا تھا۔ جیسے میں کہوں کہ میں نے اچھے لباس میں دربار دیکھا تو لباس میرا ہے نہ کہ دربار کا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی سچی فہم عطا فرمائے۔ آٹھواں اعتراض: اس آیت کریمہ کو لطیف و خبیر پر کیوں ختم فرمایا۔ رب تعالیٰ کے دوسرے ناموں پر ختم کیوں نہ کیا۔ جواب: اس لئے کہ یہ دو صفتیں مذکورہ' دو دعوؤں کی دلیلیں ہیں۔ فرمایا کہ رب تعالیٰ کو آنکھیں نہیں پاسکتیں کیونکہ وہ لطیف ہے لطافت والی ذات کو دنیاکی آنکھیں کیسے دیکھ سکتی ہیں۔ اور وہ رب تعالیٰ تمام آنکھوں' نظروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ وہ خبیر ہے اور خبیر وہ جو ہر وقت ہر شی کی خبر رکھے' نظریں بھی تو شے ہیں وہ ان کی بھی خبر رکھتا ہے اس آیت کریمہ میں دعویٰ مع دلائل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت کریمہ میں ابصار کو احاطہ ذات باری سے مجبور و معذور فرمایا گیا۔ ابصار جمع ہے بصر کی انسان کے تمام حواس ظاہر ہوں یا باطن اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک اور احاطہ نہیں کر سکتے' حتیٰ کہ انسان کی فہم' عقل' علم سب اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ بصارت اور بصیرت دونوں کی اس کے ادراک تک رسائی نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **ولا یحیطون بہ علما** بلکہ اس کی صفات مخلوق کے ادراک سے وراء ہیں۔ خود فرماتا ہے۔ **ولا یحیطون بشیئ من علمہ الا بما شاء** اس کی تجلی بصارت یا بصیرت پر نہیں پڑتی مومن کے دل پر پڑتی ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا　　پہچان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

ہاں اگر اس کے دیدار کی تمنا ہے تو فنا والی بصارت حاصل کرو۔ **فانی اللہ** ہو کر باقی باللہ بنو تو سب کچھ نظارہ کر لو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جس آنکھ سے دیکھا وہ آنکھ ہی دوسری تھی۔ بلکہ وہ ذات ہی دوسری تھی اس رات آپ کی روح بلکہ آپ کا سر جسم بن چکا تھا۔ آپ سراپا بصارت تھے' عالم طبیعت سے عالم ارواح کی طرف پھر عالم ارواح سے عالم امر کی طرف منتقل ہو گئے۔ اپنے رب کو اپنے کل سے دیکھا۔

وہی ہے اول' وہی ہے آخر' وہی باطن' وہی ظاہر
اسی کے جلوے' اسی سے ملنے' اسی سے اس کی طرف گئے تھے

تجلی نے تجلی سے تجلی کو دیکھا' کوئی بتائے تو کیا بتائے' کوئی سمجھائے تو کیا سمجھائے یہ مقام بتانے سمجھانے سے وراء ہے جب تمہاری انا فنا ہو جائے تو سیر ہو کر اس کا مشاہدہ کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی معرفت سے اس کا دیدار مزیدار ہے اسی لئے تو موسیٰ علیہ السلام نے معرفت یار کے بعد دیدار کی تمنا کی۔ **رب ارنی انظر الیک**۔ غرضیکہ اگر دیدار کی آرزو ہے تو فنا اختیار کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم پس بسوزد وصف حادث را کلیم

بند فعلی خلق را جذاب تر کہ رسد درجان ہر گوش کر

رب تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ ہم کو ہماری ابصار' ہماری ارواح' ہمارے سر کو محیط ہے' وہ لطیف ہے' وہ خبیر ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں لطیف وہ ہے جو سب کو دیکھے مگر اسے کوئی نہ دیکھے۔ لطیف وہ ہے جو خود نظر نہ آئے اس کا لطف' اسی کی مہربانیاں' ہر وقت' ہر طرح محسوس ہوں۔ خبیر وہ ہے جو ہر ایک کی خبر بھی رکھے اور خبرات بھی رکھے۔ ظاہر چیزوں کے علم کو خبر اور باطن و اندرونی چیزوں کے علم کو خبرت کہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات باطن ہے اس کی صفات ظاہر ذات غیب ہے۔ صفات شہادت جنت میں ذات پاک بھی شہادت ہوگی یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور رخسار تو شہادت ہے جو کفار نے بھی دیکھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن مصطفیٰ کچھ ظاہر ہوا۔ اس لئے کسی انسان کو نہیں دکھایا' رات ورات معراج کرائی مگر جنت میں یہ غیب شہادت ہوگا کہ حسن مصطفیٰ وہاں دیکھا جاوے گا۔

رخ تو بے پردہ تھا لیکن حسن بے پردہ نہ تھا جز خدا بندوں نے حسن مصطفیٰ دیکھا نہ تھا

نیز ذات باری اگر غور کیا جائے تو یہاں بھی ظاہر ہے مگر ایک آئینہ کے ذریعہ وہ آئینہ ہے' رخسار پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ حسن پروردگار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

خود تو پردہ میں رہے آئینہ حسن خاص کا بھیج کر بیگانوں سے کی راہ داری واہ واہ

من رانی فقد رای الحق جیسے اللہ کی ذات باطن ہے کہ اسے کوئی نہیں پاسکتا' اس کی جود و عطا ظاہر کہ ہر شخص پاتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت باطن ہے جسے بجز پروردگار کوئی نہیں جانتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی ظاہر ہے کہ مخلوق کا ذرہ ذرہ جانتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا ایک ظاہر ہے جسے ہر شخص پالیتا ہے۔ ایک باطن جسے اللہ و رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسے متشابہات' پھر جیسے جنت میں رب کا دیدار حجاب کبریائی کے ذریعہ ہوگا ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار حجابات بشریت کے ذریعہ کرایا گیا۔ رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ وھو یدرک الابصار وہ سب کی نگاہیں' سب کی اوائیں دیکھتا ہے۔ اس نے یہ صفت اور اس صفت کی تجلی اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے کہ اس کے مقبول بندے ہماری نگاہوں ہماری کھلی چھپی اداؤں' ہمارے دل کے ارادوں سے خبردار ہیں۔ سب کو دیکھتے سنتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی نے جناب انس سے فرمایا کہ بعض لوگ ہماری مجلس میں آتے ہیں حالانکہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھو بد نظری کی خبر دیدی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے۔ و تبسم ضاحکا من قولھا کہ آپ نے میلوں فاصلے سے چیونٹی کی آواز سنی اور تبسم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے کان چیونٹی کی آواز سن لیتے ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری آہ و زاری' ہماری فریادیں' آوازیں مدینہ منورہ سے سن لیتے ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا

بیشک آگئیں تمہارے پاس بصیرتیں طرف سے رب تمہارے کے پس وہ جس نے دیکھا پس اپنی ذات کے لئے اور

تمہارے پاس آنکھیں کھولنے [illegible] تو اپنے بھلے کو دیکھا اور جو

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ

جو اندھا ہوا پس اوپر اسکے اور نہیں ہوں میں اوپر تمہارے محافظ اور اسی طرح پھیرتے ہیں ہم آیتوں کو اور

اندھا ہوا اپنے برے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں اور ہم اسی طرح آیتیں طرح طرح سے بیان کرتے

لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾

تاکہ کہیں کہ تم نے پڑھا اور تاکہ خوب کھول دیں ہم اس کو واسطے اس قوم کے جو جانتی ہے

ہیں اور اس لئے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم تو پڑھتے ہو اور اس لئے کہ اسے علم والوں پر واضح کریں

تعلق : اس آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی قدرتوں کا ذکر ہوا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قرآن کریم کی حقانیت کا تذکرہ ہے یعنی ایمان کے ایک رکن (توحید) کے بعد دوسرے رکن (رسالت) کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ اسے نبی ان کے معجزات' قرآنی آیات کے ذریعہ سے جانا جاسکتا ہے گویا بصارت کی نفی کے بعد بصیرت کا ثبوت ہے۔ اسے دیکھو مت اسے ان ذریعوں سے مانو پہچانو۔ **تیسرا تعلق:** پہلے ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ تم بھی اسے جانو بھی' مانو بھی' مگر براہ راست نہیں بلکہ اس کی آیات کے ذریعہ گویا رب تعالیٰ کی عالمیت کا ذکر پہلے ہوا۔ اب مخلوق کے ذریعہ علم کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی شان مختلف طریقوں سے بیان ہوئی اب اس بیان کی حکمتوں کا ذکر ہے۔ **لیقولو درست** یعنی ہم جو اپنی شان ہر طرح بیان فرماتے ہیں ان میں حکمتیں ہیں۔

تفسیر : **قد جاء کم** یہ نیا جملہ ہے اس میں خطاب یا کفار مکہ سے ہے یا مسلمانوں سے یا سارے انسانوں سے۔ تیسرا احتمال قوی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سارے انسانوں کے لئے آیا ہے۔ چونکہ نزول قرآن آسمان سے ہوا اس لئے کبھی **انزلنا** فرمایا جاتا ہے' کبھی **جاء** جیسے کبھی کہا جاتا ہے بارش نازل ہوئی اور کبھی کہا جاتا ہے بارش آئی یا یوں کہو کہ اوپر سے قرآن کریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی لب و زبان سے ہم کو ملا پہلی تشریف آوری کے لحاظ سے نزول کہا جاتا ہے۔ دوسری آمد کے لحاظ سے **جاء** اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں **انزل** بھی آیا۔ **و انزلنا الیکم ذکرا رسولا** اور کبھی آیا **لقد جاء کم رسول** کہ جسم پاک مصطفوی ہمارے پاس مکہ یا مدینہ منورہ سے تشریف لایا مگر نور مصطفوی رسالت و نبوت محمدی عرش سے فرشیوں تک پہنچی۔ پہلے لحاظ سے **جاء** فرمایا جاتا ہے۔ دوسرے لحاظ سے **انزل**۔ خیال رہے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تشریف آوری کی چند نوعیتیں ہیں۔ عام تشریف آوری جن و انس بلکہ سارے جہانوں کے لئے ہے' اس کے لئے ارشاد ہے۔ **وما ارسلناک الا رحمت للعالمین** یا فرمایا گیا **لیکون للعالمین نذیرا** یہ رحمت والی تشریف آوری ہے۔ دوسری سارے انسانوں کے لئے آمد اس کے لئے ارشاد ہوا **ھدی للناس** یا ارشاد ہوا **کافتہ للناس بشیرا و نذیرا** یہ ہدایت والی بشارت' والی نذارت والی تشریف آوری ہے۔ تیسری آمد صرف مومنوں کے لئے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا **لقد جاء کم رسول** یا ارشاد ہوا **ھدی**

للمتقین یہ فائدہ مند تشریف آوری ہے جس سے مومنوں نے فائدہ اٹھایا۔ چوتھی تشریف آوری صرف کافروں کے لئے کہ ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے جس سے کفار نے نقصان اٹھایا۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا۔ قد جاء کم بصائر من ربکم یا ارشاد ہوا فقد کذبوا بالحق لما جاء ھم جیسے سورج کا چمکنا ایک عام ہے۔ روشنی دینے کے لئے اور ایک خاص ہے باغوں میں پھل کھیتوں میں دانہ پکانے کے لئے یہی سورج چمکتا ہے۔ بدخشاں کے پہاڑوں پر لعل بنانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے سینہ پر چمکے لعل عرفان بخشنے کے لئے ایک خاص مغز چمگادڑ کی آنکھیں اندھی کر دینے کے لئے یونہی نور محمدی ابو جہل' ابو لہب پر چمکا' اسے خیرہ کر دینے کے لئے یہی حال بارش کا ہے۔

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و درشورہ بوم خس

یہاں اگر کم میں صرف مسلمانوں سے خطاب ہے تو تیسری آمد مراد ہے اور اگر صرف کفار سے خطاب ہے تو چوتھی آمد مراد اور اگر سارے انسانوں سے خطاب ہے تو دوسری آمد مراد ہے غرضیکہ جلء کم کی چند تفسیریں ہیں۔ بصائر من ربکم۔ بصائر فاعل ہے جاء کا یہ جمع بصیرت کی بمعنی دل کی روشنی جس سے چیزوں کا اندرون جانا جائے جیسے بصارت آنکھوں کی روشنی جس سے چیزوں کا ظاہر نظر آئے' اس کی جمع ابصار ہے من ربکم یا تو بصائر کی صفت ہے یا جاء کے متعلق بصائر سے مراد ہے اور بیرونی روشنی سورج چراغ وغیرہ کی بھی ضرورت ہے ایسے ہی دل کے لئے ایک اندرونی نور کی بھی ضرورت ہے کہ انسان دیوانہ بیہوش نہ ہو اسے عقل و ہوش عطا ہو اور بیرونی نور یعنی نبوت کی روشنی کی بھی ضرورت ہے کہ خواہ بلاواسطہ ملے یا ولی اور عالم کے واسطے سے ہے یہاں دونوں نور مراد ہو سکتے ہیں جیسے آنکھ کی روشنی کے لئے موتیا بند پھولا' جالا وغیرہ مضر ہیں۔ حاذق طبیب دواؤں یا اپریشن کے ذریعہ اسے صاف کر دیتا ہے ایسے ہی دل پر بھی غفلت' شیطانی اثر سے دل کا موتیا جالا دھند چھا جاتا ہے ان کا اپریشن اس حکیم مطلق سرکار مدینہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر' نشتر سے آنکھ کا اپریشن کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر کریمانہ سے سارے عالم کے دلوں کا اپریشن فرما کر انہیں منور کر دیتے ہیں مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تمام جہاں کے دل روشن فرما دیتے ہیں یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کے سورج ہیں' روشنی دیتے ہیں۔ بصائر سے مراد یا ذات پاک حضور پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا' ہر حالت' ہر گفتگو دل میں روشنی پیدا کرنے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان تمام روشنیوں کا ذریعہ یا اس سے مراد توحید و نبوت' قیامت' دوزخ و جنت کے دلیلیں ہیں۔ پہلے دو احتمال زیادہ قوی ہیں غرضیکہ بصائر میں چار احتمال ہیں اس سے مراد ہیں دلائل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا قرآن کریم کی آیات یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات من ربکم فرما کر یہ بتایا گیا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کی شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جسمانی غذاؤں کے ساتھ روحانی غذائی' دوائیں بھی تم کو عطا فرمائے نیز یہ بتاتا ہے کہ جسے اللہ یہ نور عطا فرمادے اسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون اللہ تعالیٰ وہ نور ہم سب کو عطا فرما دے آمین۔ فمن ابصر فلنفسہ اس فرمان عالی میں بصائر کے نتیجہ کا ذکر ہے من سے مراد سارے جن و انس ہیں۔ ابصر کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی ابصر الحق لنفسہ میں لام نفع کا نفس سے مراد ذات ہے ہو سکتا ہے کہ ابصر کا مفعول۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات یا قرآنی تعلیمات ہوں یعنی جو کوئی ان روشن کرنے والی چیزوں کے ذریعہ حق کو یا میرے محبوب کی صفات کو یا قرآن مجید کی حقانیت کو یا دلائل توحید کو دیکھ لے تو اپنے ہی نفع کے لئے دیکھے گا اس کا

نفع خود اس کی ذات ہی کو ملے گا۔ سبحان اللہ کیا لطف کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بصیرت ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مبصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کو اسی روشنی سے دیکھو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشی ہے تمام چیزوں کو شمع سے دیکھا جاتا ہے پھر خود شمع کو بھی شمع سے ہی دیکھو اس کے لئے دوسری شمع کی ضرورت نہیں وہ اپنے کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ دوسروں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی شمع نورانی ہیں۔ **و من عمی فعلیھا** - اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے پہلے جز میں فرمایا گیا تھا کہ دل کے سورج سے جسم کی روشنی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کی روشنی سورج سے جسم کو ایک روشنی ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو ہزارہا قسم کی روشنیاں ملتی ہیں۔ سورج سے جسم کو روشنی کبھی ملتی ہے کبھی نہیں۔ چنانچہ سورج رات میں روشنی نہیں دیتا اور گرہن لگنے پر بھی نہیں دیتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ روشنی روحانی عطا فرماتے ہیں سورج سے کہیں روشنی ہوتی ہے کہیں نہیں' چنانچہ تہ خانوں میں اس کا نور نہیں پہنچتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہر جگہ پہنچتا ہے قبر میں' حشر میں' سورج کا نور نہیں پہنچتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور وہاں بھی پہنچتا ہے **قد جاء کم بصائر من ربکم** اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بے نیازی کا ذکر ہے کہ جیسے سورج لوگوں سے بے نیاز ہے اگر کوئی بھی اس سے نور نہ لے تو اس کے نور میں کمی نہیں ایسے ہی نبوت کا سورج لوگوں سے بے نیاز ہے۔ اگر کوئی بھی ایمان نہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی کمی نہیں ایسے ہی نبوت کا رب تعالیٰ خدائی میں بے نیاز ہے اور جناب مصطفیٰ شان مصطفائی میں بے نیاز ہیں۔ یہاں **من** سے وہی جن و انس مراد ہیں **عمی** فرما کر یہ بتایا گیا کہ اس شمع نورانی سے وہی فائدہ نہیں اٹھائے گا جو دل کا بالکل اندھا ہو جیسے سورج سے صرف اندھے یا چمگادڑ فائدہ نہیں اٹھاتے' کمزور نظر والے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا ہی لیتے ہیں **عمی** کا متعلق پوشیدہ ہے اور **علیھا** میں **علی** نقصان کے لئے ہیں یعنی اس کا وبال خود اس پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ خیال رہے کہ **من** مذکر ہے اور **نفس** مونث' اس لئے **عمی** مذکر لایا گیا اور **علیھا** کی ضمیر مونث کہ **عمی** کا فاعل **من** ہے اور **علیھا** کا مرجع **نفس** **وما انا علیکم بحفیظ** - یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں گزشتہ مضمون کی علت بیان فرمائی گئی۔ **حفیظ** سے مراد محافظ یا نگران یا ذمہ دار ہے یعنی مجھ پر تبلیغ احکام واجب ہے جو میں نے کر دی میں تمہارے قبول کرانے عمل کرانے کا ذمہ دار نہیں اگر تم سارے کے سارے کافر ہو تو اس سے میرا کچھ نہیں بگڑتا غرضیکہ تم میرے محتاج ہو میں تمہارا احاجت مند نہیں۔ **و کذالک نصرف الایات** - یہ نیا جملہ ہے۔ **ذالک** سے گزشتہ تمام آیات ان کے طرز بیان کی طرف اشارہ ہے **نصرف** بنا ہے **تصریف** سے بمعنی پھیرنا مختلف طریقہ سے بیان فرمانا۔ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں چونکہ دنیا میں مختلف قسم کے لوگ ہیں بعض دلائل سے مانتے' بعض ڈر سے' بعض لالچ سے' بعض محبت و عشق سے اس لئے رب تعالیٰ نے دلائل' عذاب' رحمت' عشق و محبت' سب ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس رکوع میں دیکھ لو کہ اس میں دلائل بیان فرمائے گئے۔ **بدیع السموات** الخ پھر رحمت **فمن ابصر فلنفسہ** پھر عذاب **و من عمی فعلیھا** یہ ہے پھیر پھیر کر بیان فرمانا یعنی جیسے ہم نے یہاں ایک مضمون مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ایسے ہی ہم نے تمام مضامین کی آیتیں ہر طرح پھیر پھیر کر بیان فرمائی ہیں۔ **و لیقولوا درست** اس جملہ کی نحوی ترکیب مشکل ہے اس کی بہت ترکیبیں ہیں' ہم نہایت آسان سی دو ترکیبیں اور وہ معنی عرض کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں واؤ ابتدائیہ ہے اور **درست** کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے۔ **تفعل ما تفعل** لام انجام کا ہے یعنی ہم مختلف طریقوں سے آیات

بیان ہی کرتے ہیں جس کا انجام یہ ہے کہ لوگ آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ کسی سے سیکھ کر آیتیں ہم کو سناتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ جملہ ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ **لیعتبروا و لیقولوا**۔ **لیعتبروا** کا فاعل مومنین ہیں اور **یقولوا** کا فاعل کفار یعنی اس طرح آیات کا بیان فرمانے کا نتیجہ یہ ہے کہ مومن تو اس سے عبرت پکڑتے ہیں اور کفار یہ کہتے ہیں **یقولوا** کا فاعل یا کفار مکہ ہیں یا سارے کفار درست بنا ہے درس سے بمعنی سبق پڑھنا سیکھنا۔ خیال رہے کہ مکہ معظمہ میں قریش کے دو رومی غلام تھے یسار اور جبیر یہ گزشتہ قوموں کے قصے کہانیاں بہت جانتے اور لوگوں کو سنایا کرتے تھے' کفار قریش کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں غلاموں سے قصے سن کر سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس فرمان عالی میں اس طرف اشارہ ہے (روح البیان)۔ یعنی کفار یہی کہتے رہیں گے کہ آپ نے یہ تمام آیات ان دو رومی غلاموں سے پڑھی ہیں اور ہم کو کلام الٰہی بنا کر سناتے ہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان ھذا الا افک افترہ و اعانہ علیہ قوم اخرون** نیز وہ آیت ہے **انما یعلمہ بشر** لہٰذا آیت واضح ہے۔ بعض قراءتوں میں **دارست** ہے الف کے ساتھ بعض میں **درست** ہے ت کے سکون سے اس صورت میں اس کا مطلب ہی کچھ نہیں پڑھا' ان کا علم لدنی ہوتا ہے۔ حضرت آدم کے لئے رب نے فرمایا **و علم ادم الاسماء کلھا** ۔ حضرت نوح کو کشتی سازی رب نے سکھائی۔ **واصنع الفلک باعیننا** ۔ حضرت داؤد کو زرہ سازی رب نے سکھائی۔ **و علمناہ صنعۃ لبوس** حضرت سلیمان کو جانوروں کو بولیاں رب نے سکھائی۔ **علمنا منطق الطیر** حضرت یوسف کو ملک رانی' کاشتکاری' غلہ سنبھالنا سب کو کھلا دینا' رب نے سکھایا۔ **انی حفیظ علیم**۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی سے کچھ نہ سیکھا حتیٰ کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور تمام جہان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا لہٰذا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ کہے کہ فلاں شخص سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سیکھا وہ بے دین ہے اس لئے یہاں قوم کفار کا یہ قول نقل فرمایا کہ **درست**۔ یونہی کوئی نبی کبھی کافر کی رعایا اس کے ماتحت بن کر نہ رہے یا وہاں سے ہجرت فرما گئے جیسے حضرت ابراہیم یا اس کی سلطنت درہم برہم فرما دی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ یونہی کسی نبی نے نبوت کو اپنے گزارہ کا ذریعہ نہیں بنایا۔ **و لنبینہ لقوم یعلمون**۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ **لیقولوا** پر واؤ عاطفہ اور لام حکمت کے لئے ہے اس میں نزول قرآن اور تصریف آیات کی دوسری حکمت کا ذکر ہے یعنی اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ ہم یہ آیتیں علم و عقل و ایمان والی قوم کے لئے بیان فرماتے ہیں۔ وہ ان سے فائدے حاصل کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات کے نتیجے دو ہیں۔ کفار کے کفر میں زیادتی اور ان کا آپ پر بہتان تراشی کرنا اور مومنوں کو ہدایت ملنا۔ نبین بنا ہے تبعین سے بمعنی خوب ظاہر کرنا اچھی طرح واضح کرنا۔ یاد رکھو کہ آیات قرآنیہ علم و معرفت کا سمندر ہیں اس سمندر سے موتی نکالنے والے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے علماء دین اولیاء اللہ کے آستانے ان موتیوں کے ملنے کی دکانیں ہیں۔ جہاں سے یہ موتی ہم لوگوں کو ملتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا۔ **لقوم یعلمون**۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانوں یا اے انسانوں یا اے کفار یا اے تمام جن و انس تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دل کی آنکھیں کھول دینے والی دلیلیں اور روشنیاں آگئیں۔ کون ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ہر ادا' ہر حالت' ہر کیفیت رب کی دلیل ہے یا آیات قرآنیہ جو دل کی آنکھیں کھولنے والی ہیں' جو تمہارے زنگ آلود دلوں کے لئے صیقل فرما کر انہیں پاک و صاف کرتے ہیں۔ لہٰذا تم چاند اور سورج کی طرح تمہارے دلوں پر چمک کر انہیں نور و روشنی بیرونی بھی

بخشتے ہیں۔ یہ نعمتیں تمہارے پاس آ چکیں' اب جو کوئی بصیرت حاصل کر کے اپنے دل کو منور کرے وہ اپنی ہی ذات کے لئے بصیرت حاصل کرے گا' اس کا نفع اس کو ہو گا اور جو اب بھی اندھا رہے گا اور ان محبوب یا اس قرآن کے ذریعہ اپنے دل کی آنکھیں روشن نہ کرے گا۔ اس کا وبال اس کی ذات پر پڑے گا اے محبوب فرما دو کہ اے لوگو میں تم پر محافظ یا نگرانی کرنے والا ذمہ دار نہیں ہوں' تمہارے متعلق سوال مجھ سے نہ ہو گا اگر تم سارے کے سارے گمراہ رہو تو اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ اے محبوب جیسے ہم نے یہاں توحید رب تعالیٰ کی ذات و صفات' قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ کی آیتیں ہر طرح گھما پھیر کر بیان فرمائیں اسی طرح ہم اپنی آیات پھیر پھیر کر بیان فرماتے رہتے ہیں تاکہ سعید لوگ تو ان پر ایمان لے آئیں اور شقی و بد نصیب یہی کہتے رہیں کہ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیتیں آپ نے لوگوں سے پڑھیں ہیں اور ان سے پڑھ کر ہم سے کہتے ہیں کہ یہ رب کا کلام ہے اور تاکہ ہم علم والی قوم کے لئے خوب ظاہر فرما دیں کیونکہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں۔ بعض ڈر سے' بعض لالچ و امید سے قرآن مجید میں سب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہر طرح کی آیتیں اتاری ہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات آپ کی صفات' آپ کے حالات' آپ کے افعال کریمہ' آپ کے اعمال' دلوں کی روشنیاں ہیں جن سے دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ یہ فائدہ بصائر کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری شریف آپ کے سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا کرے کہ اس سے دل روشن ہوتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** قرآن کریم کی آیات دل کی آنکھوں کا سرمہ ہیں' یونانی طبیبوں کے سرمے نور بصیرت کہلاتے ہیں مگر آیات قرآنیہ نور بصیرت ہیں۔ یہ فائدہ بصائر کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا بلکہ آیات قرآنیہ بھی نور ہیں۔ ہر ظاہری' باطنی' جسمانی' روحانی بیماریوں کی شفاء ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و ننزل من القران ما هو شفاء و رحمة للمومنين** ۔

کلام اللہ بھی نام خدا کیا راحت جان ہے عصاء پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید سے سارے انسان فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ نصف سے زیادہ اندھے ہو جاتے ہیں ان ہستیوں کا انکار کر کے دوزخ خرید لیتے ہیں۔ یہ فائدہ **فمن ابصر** اور **و من عمی** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ذمہ دار نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کافر کے متعلق یہ سوال ہو کہ وہ ایمان کیوں نہ لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بے نیاز ہیں۔ ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیاز مند ہیں اگر سورج سے کوئی نور نہ لے تو اس کا کچھ بگڑتا نہیں اگر سارے ہی اس سے نور لے لیں تو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ حضور سورج ہیں ہم لوگ نور حاصل کرنے والے۔ یہ فائدہ **ما انا علیکم بحفیظ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن کریم میں مختلف پہلوؤں سے توحید رسالت' قیامت وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے' دلائل سے عذاب کا خوف دلا کر رحمت کی امید دلا کر کیونکہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں اور قرآن مجید سب کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ یہ فائدہ **نصرف الایات** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن مجید کسی کی حقیقت کو نہیں بدلتا بلکہ جو تخم سینہ میں قدرت نے بویا ہے اس کو اگا دیتا ہے' بارش بوئے ہوئے تخم کو اگاتی ہے' اسے بدلتی نہیں۔ یہ فائدہ **و لیقولوا درست** سے حاصل ہوا یہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حضرت ابو بکر صدیق اکبر بن گئے مگر ابو جہل شقی ازلی ہم نے عرض کیا ہے۔

نہیں جلوے میں ان کے یکرابی کوئی آقا کہے کوئی بھائی — مومن سمجھا بندہ پرور اندھوں نے محض بندہ پایا!

ساتواں فائدہ: جیسے رب تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔ صفات و شانیں بے شمار ہیں کل یوم ھو فی شان ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک ہے' آپ کی صفات' شانیں' احوال' اعمال' افعال بے شمار ہیں۔ اور ہر شان عمل' ہر حال مسلمانوں کے لئے روشنی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکین بھی ہیں۔ بادشاہ بھی' تارک الدنیا بھی ہیں' دنیانواز بھی' بہادر بھی ہیں' سخی بندہ نواز بھی' غرضیکہ بے شمار صفات سے موصوف ہیں۔ یہ فائدہ بصائر کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ بصائر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو۔ آٹھواں فائدہ: نزول قرآن کا مقصد کافروں کا کفر ظاہر کر دینا بھی ہے' بارش بعض درختوں کو سکھانے کے لئے اور سورج چمگادڑ کی آنکھوں کو اندھا کرنے کے لئے بھی آتا ہے۔ لہٰذا معتزلہ کا یہ قول درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ہر وہ کام واجب ہے جو بندوں کے لئے مفید ہو۔ نواں فائدہ: انسان اگر بگڑے تو جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے اگر سنبھلے تو فرشتوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب جن و انس کے سوا کسی اور مخلوق نے نہ کی' جانور انہیں سجدے کرتے تھے مگر سرکش انسان ان سے اکڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ راہ راست پر رکھے۔ آمین۔ دسواں فائدہ: عوام مسلمانوں کو قرآن کریم سے فائدہ بذریعہ علماء کے ملے گا۔ جو علماء سے برگشتہ رہے گا وہ قرآنی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ و لنبینہ لقوم یعلمون سے حاصل ہوا۔ سمندر کے موتی غواص کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور جوہریوں کی دکان سے ملتے ہیں' علماء جوہری ہیں۔

پہلا اعتراض: پچھلی آیت کریمہ میں ابصار ارشاد ہوا تھا لا تدرکہ الابصار اور یہاں بصائر فرمایا قد جاء کم بصائر ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ دونوں جگہ ایک لفظ ہی کیوں نہ ارشاد ہوا۔ جواب: ابصار جمع ہے بصارت کی بمعنی آنکھ کی روشنی اور بصائر جمع بصیرت کی بمعنی دل کی روشنی وہاں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ کی روشنی سے نہیں دیکھ سکتے۔ دل کی روشنی سے اسے جانتے پہچانتے مانتے ہیں۔ یہاں اس آیت کا مقصد یہ ہے تمہارے پاس وہ رسول یا وہ قرآن تشریف لائے جو دل کی روشنی کے ذریعہ ہیں لہٰذا وہاں ابصار فرمانا ہی مناسب تھا۔ یہاں بصائر فرمانا مناسب ہے واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید سے دل دماغ روح روشن ہوئے اور ہو رہے ہیں تاقیامت ہوتے رہیں گے۔ دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ما انا علیکم بحفیظ میں تمہارا نگہبان نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا و یکون الرسول علیکم شھیدا وہاں بھی شہید بمعنی نگہبان ہے یہاں نگہبانی کی نفی ہے۔ وہاں نگہبانی کا ثبوت آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وہاں مسلمانوں سے خطاب ہے یہاں کفار سے خطاب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کے ضرور نگران بھی ہیں' حافظ بھی۔ کفار کے نہ نگران ہیں' نہ حافظ۔ پالتو کتے کا مالک نگران ہوتا ہے' آوارہ کتوں کا کوئی نہ نگران' نہ حافظ۔ شکاری جانور کی طرح جس کا جی چاہے اسے مار دے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ نفس و شیطان سے محفوظ ہیں۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان لہٰذا آیات میں تعارض نہیں رہا یہ کہو کہ یہاں حفیظ بمعنی ذمہ دار ہے۔ جس کی ذمہ داری کا سوال قیامت میں ہو اس معنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ذمہ دار نہیں کہ کسی کے کفر یا گناہ کا سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو کہ فلاں کیوں مومن نہ بنا۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا و لیقولوا درست یہ عبارت معطوف ہے۔ نصرف الایات پر مگر معطوف اور معطوف

علیہ میں مناسبت بالکل نہیں۔ جواب: یہ غلط ہے۔ **لیقولوا** ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہ دونوں عبارتیں **نصرف** کی حکمت بیان فرما رہی ہیں یعنی آیات کا پھیر پھیر کر بیان فرمانا دو حکمتوں سے ہے ایک یہ کہ مسلمان تو ان سے عبرت پکڑیں اور کفار یہ کہتے رہیں لہذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن علم والوں کے لئے ہوا۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ **و لنبینہ لقوم یعلمون** مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ھدی للناس** دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ قرآن مجید صرف عالموں کے لئے ہے یا تمام لوگوں کے لئے۔ جواب: قرآن کریم ہدایت تو سارے لوگوں کے لئے ہے مگر بیان صرف علماء کے لئے اور تبیا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے لئے **و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**۔ عوام بذریعہ علماء کے اور علماء بذریعہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے قرآن کریم کا بیان سمجھیں۔ **پانچواں اعتراض:** اگر **بصائر** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے معجزات ہوں اور جاء کم میں خطاب سارے انسانوں یا سارے مسلمانوں سے ہو تو یہ آیت کیونکر درست ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات کے بعد معجزات تو ختم ہو گئے ہم تک نہیں پہنچے۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے صدہا معجزات تاقیامت باقی ہیں۔ قرآن کی ہر آیت حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا معجزہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی امت کا ہر ولی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا معجزہ ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ذکر کثیر کہ ہر جگہ، ہر وقت ان کا چرچہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ہر معجزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی بن دیکھے محبوبیت لوگوں کا ان کے نام پر جانیں فدا کرنا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا معجزہ ہے **و رفعنا لک ذکرک** بلکہ اب تک حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے اسلام حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے احکام کا بے کم و کاست باقی رہنا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا معجزہ ہے۔ یہ معجزات تاقیامت قائم ہیں جاء کم درست ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اگر بصائر سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات عالی ہے تو جاء کم میں خطاب سارے مسلمانوں سے کیونکر درست ہوا، حضور صلی اللہ علیہ و سلم تو ایک وقت خاص میں مکہ مدینہ میں جلوہ گر رہے۔ **جواب:** اس کا جواب گذر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی سکونت مدینہ منورہ میں رہی یہ دونوں چیزیں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات سے ختم ہو گئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی تشریف آوری سارے جہاں میں ہوئی، سورج کی طرح وفات شریف سے تشریف آوری ختم نہ ہوئی جیسے سورج غروب ہو جائے تو اس کا طلوع و ظہور ختم ہو جاتا ہے اس کی ذات اور اس کے فیضان ختم نہیں ہوتے۔

جلوہ دکھا کے چھپ گئے ہیں — دیوانے بنا کے چھپ گئے ہیں
ڈھونڈوں میں ان کو عالم عالم — وہ دل میں سما کے چھپ گئے ہیں
حیرت ہے یہ مجھ کو اے عزیزو — وہ سامنے آ کے چھپ گئے ہیں

ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہم سے بالکل بے خبر ہیں، ہمارے کسی حال کی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو خبر نہیں۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ **ما انا علیکم بحفیظ** میں تمہارا نگران نہیں یعنی خبردار نہیں۔ **جواب:** یہاں حفیظ کے معنی خبردار نہیں بلکہ ذمہ دار ہیں یعنی اے کافرو بدکارو میں تمہارا ذمہ دار نہیں، مجھ سے تمہارے بارے میں سوال نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اپنی ہزارہا صفات اور لاکھوں برکات کے ساتھ دنیا میں ہر شخص کے پاس پہنچے آئے' عرب میں پہنچے' سب کے پاس جیسے سورج رہتا ہے' آسمان پر مگر پہنچتا ہے' ذرہ ذرہ میں پھر تشریف لائے تو اس شان سے کہ تمام کے دلوں کی آنکھیں روشن کر دیں' دل کی روشنی بہت قسم کی ہے کسی روشنی سے انسان اپنے کو دیکھتا ہے' کسی روشنی سے حضرات اولیاء اللہ کو' کسی روشنی سے عالم کے ذرہ ذرہ کو' کسی روشنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو' کسی روشنی سے رب تعالیٰ کو جانتا' مانتا' پہچانتا ہے۔ اس لئے یہاں **بصائر** جمع ارشاد ہوا۔ یہ تمام روشنیاں ملتی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے ان روشنیوں سے خوش نصیب لوگ فائدہ اٹھالیتے ہیں بعض محروم رہتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جو ان بصیرتوں سے فائدہ اٹھائے گا تو اپنے لئے نہ اٹھائے گا تو اپنے پر ہی وبال لے گا۔ ہم دینے کے ذمہ دار ہیں تمہارے لینے کے ذمہ دار نہیں۔ بادل بارش دینے کا ذمہ دار ہے اس سے فائدہ اٹھانا کاشتکار کی کوشش پر موقوف ہے۔ جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

یا یہ کہو کہ جیسے رات میں چاند' مریخ' زحل' مشتری' عطارد وغیرہ سارے تارے آسمانوں پر مختلف رنگوں میں چمکتے ہیں' کوئی سرخ' کوئی سبز' کوئی پیلا' مگر ان سب میں روشنی ایک' سورج سے ہی آرہی ہے یونہی شافعی' حنفی' مالکی' حنبلی شریعت کے سلسلوں والے نیز قادری' چشتی' نقشبندی' سہروردی طریقت کے سلسلوں والے' نیز رنگ برنگے صحابہ کرام کہ حضرت صدیق جمالی رنگ میں حضرت فاروق شان جلال میں حضرت عثمان شان غنا میں' حیدر کرار شان فقر میں چمک رہے ہیں مگر ان سب کو چمکانے والے ایک ذات کریم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **بصائر** یعنی روشنیاں کہا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں مگر جلوے مختلف ہیں' جیسے درندوں کے جنگل میں وہ بکری ہی محفوظ رہ سکتی ہے جو مالک کے قلعہ اور اس کے نوکروں کے پہرہ میں رہے۔ جو ان دو چیزوں سے دور ہوئی وہ کسی شکاری جانور کا شکار بنی ایسے ہی دنیا درندوں کا جنگل ہے۔ جس میں شیطان نفس امارہ وغیرہ بھیڑیئے ہمارے پیچھے پڑے ہیں' اسلام اور شریعت محمدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مضبوط اور حفاظتی قلعہ ہے۔ اولیائے اللہ علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر اس امت کے نگہبان ہیں جو اس قلعہ میں ان بزرگوں کی حفاظت میں رہا۔ شکار ہو جانے سے محفوظ رہا جو ان سے دور ہوا شکار ہوا۔ فرمایا گیا **وما انا علیکم بحفیظ** اگر تم کافر رہے تو میں تمہاری حفاظت نہ کروں گا تم مارے جاؤ گے۔ قرآنی آیات مختلف طرح سے بیان فرمائی جاتی ہیں مگر یہ ہے انہی کے لئے جو علم والے دل والے' عقل والے ہیں۔ پند و نصیحت سے یہی فائدے اٹھاتے ہیں۔ میاں محمد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔

مورکھ نوں کی پند نصیحت پتھروں کی پالا کمبل نوں لکھ صابن ملئے پھر کالے دا کالا

یعنی بے وقوف کو نصیحت مفید نہیں جیسے پتھر کو بارش مفید نہیں اسے سرسبز نہیں کر سکتی کالا کمبل ہزار بار صابن سے دھو ور ہے گا کالا ہی۔ اللہ تعالیٰ اپنا علم اپنی معرفت عطا کرے' اپنی عبادت اپنے حبیب کی اطاعت کی توفیق دے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

پیروی کرو اس کی جو وحی کی گئی طرف آپ کے طرف آپ کے رب کے نہیں ہے کوئی لائق عبادت سوا اس کے اور

اس پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا وَمَآ اَنْتَ

بے توجہ ہو جاؤ مشرکوں سے اور اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے وہ لوگ اور نہیں بنایا ہم نے آپکو اوپر انکے محافظ

اور اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے انہیں تم پر نگہبان نہیں کیا اور تم ان پر

عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

اور نہیں ہیں آپ اوپر انکے ذمہ دار

کروڑے نہیں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اس بہتان کا ذکر تھا جو کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو لگاتے تھے یعنی یہ کہ آپ لوگوں سے سیکھ کر قرآن بھی سناتے ہیں اور یہ قرآن کریم اللہ کا کلام نہیں بناوٹی چیز ہے اب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ آپ ان بہتانوں سے دل تنگ نہ ہوں' اپنا کام کیے جائیں گویا بندوں کی طرف سے زخم کا ذکر پہلے ہوا اور مرہم اب بتایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ قرآن مجید علم والوں کے لئے بیان کیا گیا۔ اب ارشاد ہے کہ اے محبوب آپ اس قرآن پر عمل کر کے لوگوں کو دکھاویں تاکہ وہ بھی اس پر عمل کر سکیں گویا اللہ کے قانون کا ذکر پہلے تھا اور اس قانون پر عمل کا ذریعہ اب بتایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ جو دیکھے گا وہ اپنے بھلے کو دیکھے گا' جو اندھا رہے وہ اپنے برے کو اندھا ہو گا' اب اس دیکھنے کے ذریعہ کا ذکر ہے۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن پر عمل کر کے لوگوں کو دکھانا تاکہ لوگ یہ عمل دیکھ کر بصیرت حاصل کریں گویا بصیرت کا ذکر پہلے ہوا اور بصیرت پیدا کرنے والے سرمہ کا ذکر اب ہے کہ کسی کو قرآن کی بصیرت خود بخود نہیں مل جاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس بصیرت کا ذریعہ ہے۔

تفسیر : اتبع ما اوحی الیک من ربک اس فرمان عالی میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اتبع بنا ہے اتباع سے جس کا مادہ تبع ہے بمعنی پیچھے ہونا اگر اتبع کا مفعول انسان ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس کے نقش قدم پر چلنا اس کی نقل کرنا' اسے جو کرتے ہوئے دیکھنا وہی کرنا۔ جیسے فاتبعونی اور اگر انسان کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس کے دکھائے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا جیسے لا تتبع الهوی یا اتبعوا اهواء هم یہاں اتباع کے دوسرے معنی مراد ہیں یعنی بتائے ہوئے دکھائے ہوئے راہ پر چلنا۔ اطاعت کے معنی ہیں کسی کا حکم ماننا' فرمانبرداری کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے متبع ہیں مگر اس کے مطیع نہیں' ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متبع بھی ہے اور مطیع بھی۔ اس لئے یہاں اطاعت وحی کا حکم نہیں دیا بلکہ اتباع وحی کا حکم دیا اتبع کے معنی ہیں یونہی اتباع کیے جاؤ' اتباع پر قائم رہو کیونکہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم اس آیت سے پہلے بھی اتباع کر رہے تھے۔ حتی کہ بی بی حلیمہ کا دایاں پستان شریف چوسنا' بایاں نہ چوسنا' حلیمہ کے ہاں بچوں کے ساتھ کھیلنے سے انکار فرمادینا۔ پانچ چھ سال کی عمر شریف میں بتوں کے نام کے ذبیحہ کا گوشت نہ کھانا' حلیمہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جانا اور یہ فرمانا کہ جب ہم کھانے میں برابری کرتے ہیں تو کھانے اور کام میں بھی برابری کریں گے یہ سب **اتبع ما اوحی الیک** پر عمل تھا وحی الہٰی اس زمانہ سے بلکہ اس سے پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ **ما اوحی** سے مراد صرف قرآن مجید نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری وحی مراد ہے۔ خواہ وہ قرآن ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں القاء یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اطلاع جو صحابہ کرام کی خواب کے ذریعہ سے ہو جیسے نماز کی اذان جو صحابہ کرام کے خواب کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی بہر حال یہ فرمان عالی بہت ہی جامع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وحی کی اتباع کرتے ہیں نہ کہ صرف قرآن کی بہت سے احکام وہ ہیں جو قرآن کریم کے نزول سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمادیئے جیسے حکم وضو یا حکم غسل کہ قرآن کریم نے وضو اور غسل کا حکم نماز کی فرضیت کے برسوں بعد آیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل پہلے ہی کیا اور کرلیا۔ بہرحال **ما اوحی** میں ظاہری وحی' قرآن اور باطنی وحی حدیث سب ہی داخل ہیں۔ **من ربک** یا تو متعلق ہے **اوحی** کے یا ثابتا" پوشیدہ کے متعلق ہو کر ما کی صفت ہے لہٰذا اس جملہ کے دو معنی اور دو تفسیریں ہیں۔ یعنی اے محبوب آپ اس طرح ساری وحی الہٰی کی خواہ قرآن ہو' خواہ حدیث اتباع کئے جائیں۔ **لا الہ الا ھو** ہر عبارت یا تو ربک کا حال مؤکدہ ہے یا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان میں جملہ معترضہ ہے **اتبع** معطوف علیہ ہے اور **اعرض عن المشرکین** معطوف' درمیان میں یہ جملہ معترضہ ہے' طیبیب یہ کہ یہ فرمان عالی اتبع کی علت ہو یعنی وحی الہٰی کی اس لئے اتباع کیجئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اس کی یہ علت اس کی وحی کی اتباع ضروری ہے اس جملہ کی تفسیر ہم آیت الکرسی کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ شریعت والے اس کے معنی کرتے ہیں۔ **لا معبود الا ھو** طریقت والے کہتے ہیں **لا مقصود الا ھو** حقیقت والے کہتے ہیں **لا موجود الا ھو**۔ ہمہ نیست از آنچہ ہستی توئی۔ **و اعرض عن المشرکین** یہ عبارت **اتبع ما اوحی** الخ پر معطوف ہے اعرض بنا اعراض سے۔ جس کے لغوی معنی ہیں منہ کی چوڑائی کسی طرف کر دینا اس کا مطلب ہوتا ہے منہ پھیر لینا کیونکہ جس کی طرف سے منہ پھیرا جاتا ہے تو منہ کا چوڑا حصہ اس طرف ہو جاتا ہے اور جس کی طرف منہ کیا جاتا ہے تو منہ کا لمبا حصہ اس کی طرف ہو جاتا ہے۔ منہ پھیرنے سے مراد ہے ان مردودوں کی باتوں ان کے کفر ان کی بکواس کی پروا نہ کرنا اپنا کام کئے جانا لہٰذا یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی کئے ہیں کفار پر جہاد نہ کرنا ان کی طرف کسی طرح توجہ نہ کرنا ان کے نزدیک یہ حکم جہاد کی آیات سے منسوخ ہے۔ غرضیکہ اس فرمان عالی کے تین معنی ہیں۔ (1) آپ کفار کی ایذاء رسانی پر توجہ نہ فرمائیں۔ صبر و تحمل عفو و درگذر سے کام لیں تب یہ منسوخ ہے۔ (2) آپ کفار کے کفر پر رنج و ملال نہ فرمائیں اور ادھر توجہ نہ کریں۔ (3) آپ ان کفار کو اپنی توجہ کرم سے نکال دیں ادھر سے بے توجہ ہو جائیں اپنی امت پر نظر کرم فرمادیں ان دو معنی سے یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ مشرکین سے مراد سارے کفار ہیں خواہ مشرک ہوں یا عیسائی' یہودی یا دہریئے وغیرہم چونکہ عرب خصوصاً" مکہ معظمہ میں مشرکین ہی زیادہ تھے اس لئے قرآن مجید میں بہت جگہ مشرکین فرمایا جاتا ہے۔ لہٰذا آیات کریمہ کا مقصد یہ نہیں کہ صرف مشرکوں [illegible] قرآن کے خلاف ہے یہاں بھی

اعرض کے معنی بھی یہی ہیں کہ اسی طرح کفار سے منہ پھیرے رہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے مشرکین سے الگ ان سے متنفر تھے۔ خیال رہے کہ مشرکین و کفار کے عقائد ان کے اعمال ان کے طور و اطوار ان کی محبت و الفت ان کی قومیت سب سے الگ رہنا ضروری ہے۔ اعرض میں یہ ساری علیحدگیاں مراد ہیں۔ **و لو شاء اللہ ما اشرکوا**۔ اس فرمان عالی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا مقصود ہے کہ کفار کا کفر مشرکین کا شرک رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہے اس لئے نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کوتاہی ہے آپ کی ذات' آپ کے فیض سے لاکھوں مومن عارف بن گئے وہ بھی ہمارے ارادے سے بنے بعض یونہی کافر رہے وہ بھی ہمارے ارادہ سے رہے لہذا ان کے کفر پر آپ غمگین نہ ہوں' ارادہ' مشیت' رضا' حکم ان سب کا فرق ہم تیسرے پارے میں **ولو شاء اللہ ما قتتلوا** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' کافر کا کفر اللہ کی رضا' اللہ کے حکم سے نہیں ہاں اس کے ارادہ' اس کی مشیت سے ہے۔ **وما جعلناک علیھم حفیظا** اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بیان فرمایا گیا اس میں **علیھم** متعلق ہے **حفیظ** کے معنی ہیں نگران یا ذمہ دار یعنی ہم نے آپ کو ان کا نبی' ان کا مبلغ' ان پر جہاد فرمانے والا مقرر فرمایا ہے اس کے عقائد و اعمال کا نگران' ان کا ذمہ دار نہ بنایا' ہماری طرف سے آپ پر یہ بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ **وما انت علیھم بوکیل** اس میں دوسرا رخ بیان ہوا یہاں بھی **علیھم** متعلق ہے وکیل کے معنی یعنی آپ ان کے ذمہ دار نہیں آپ ان سب کے رسول' نبی تو ہیں وکیل نہیں ان دونوں عبارتوں میں دو طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ پہلی عبارت کا مقصد یہ تھا کہ ہماری طرف سے آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ دوسری عبارت کا مقصد یہ ہے کہ آپ خود ان کفار کے مقرر کردہ ذمہ دار نہیں اس لئے پہلے ارشاد ہوا۔ **وما جعلنا** اور یہاں ارشاد ہوا۔ **وما انت الخ**۔ دوسرے یہ کہ حفیظ وہ جس کے ذمہ برائیوں سے حفاظت ہو' وکیل وہ جس کے ذمہ پہنچانا ہو تو مطلب یہ ہوا کہ نہ تو آپ انہیں کفر سے بچانے' دوزخ سے محفوظ رکھنے کے ذمہ دار ہیں نہ انہیں ایمان دینے' جنت میں پہنچانے کے ذمہ دار' حافظ وہ جو عارضی ظاہری حفاظت کرے' حفیظ وہ جو دائمی' ہر طرح کی حفاظت کرے۔ دونوں جگہ **علیھم** کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا جس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف کفار کے حفیظ اور وکیل نہیں' اپنی امت مرحومہ کے بفضلہ تعالیٰ حفیظ بھی ہیں' وکیل بھی ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و یکون الرسول علیکم شھیدا** یہاں شہید بمعنی نگران و محافظ ہے **و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمتہ** اور فرماتا ہے۔ **بالمومنین رءوف رحیم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے شفیع' مزکی' معلم' شہید' حفیظ و کیل وغیرہ سب کچھ ہی ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حفاظت سے ہم نفس و شیطان سے بچے رہتے ہیں کفار کو شیطان شکار کر لیتا ہے پالتو جانور مالک کی پناہ اس کی حفاظت اس کی ذمہ داری میں ہوتا ہے۔ شکاری جانور کا نہ کوئی حافظ ہے نہ کوئی پناہ جس کا جی چاہے شکار کرے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کے تین جز ہیں پہلے جز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی تعریف ہے۔ دوسرے جز **لا الہ الا ھو** میں حمد الٰہی ہے۔ تیسرے جز **و اعرض عن المشرکین** میں کفار و مشرکین پر اظہار غضب ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کا غم مشرکین کی فکر چھوڑ دیجئے' آپ اسی طرح اس پر چلتے جایئے اس کی اتباع کرتے رہیئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کیا گیا خواہ قرآنی شکل میں ہو یا آپ پر الہام' خواب کی شکل میں کیونکہ رب تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ جب وہ آپ کا رب آپ کو پالنے والا بھی

ہے اور سچا معبود بھی تو آپ اس کی وحی کی تباع کئے جائیں اور کفار و مشرکین سے منہ پھیرلیں ان کی پرواہ نہ کریں ان کے کفرو شرک و بد عملی گستاخیوں پر رنج و غم نہ فرمائیں آپ یقین رکھیں کہ دنیا میں ہی جو کچھ ہو رہا ہے رب تعالیٰ کے ارادے اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ رب نے ان بے دینوں کی بے دینی کا ارادہ کیا ہے تو یہ بے دین ہیں اگر وہ چاہتا تو یہ کفر نہ کرتے اس ارادہ میں رب تعالیٰ کی لاکھوں حکمتیں ہیں ان کے کفر کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی نقص یا کمی ہے۔ آپ یہ بھی خیال رکھیں کہ نہ تو ہم نے آپ کو ان کفار کا محافظ و نگران بنایا کہ آپ ضرور انہیں کفر سے روکیں دوزخ سے بچائیں نہ ان کفار کی طرف سے آپ ان کے وکیل و ذمہ دار ہیں کہ انہیں ایمان دے دیں اور جنت میں پہنچادیں جب یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو آپ ان کے کفر کا غم کیوں کرتے ہو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے اپنے کو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب فرمایا جیسے یہاں کہیں مومنوں کا رب جیسے **ادعوا ربکم تضرعا** کہیں سارے انسانوں کا رب جیسے **برب الناس** کہیں سارے جہانوں کا رب جیسے **رب العالمین** کیونکہ اس کی ربوبیت کو نوعیتیں مختلف ہیں حتی کہ کہیں اپنے کو کفار کا رب فرمایا **ربکم و رب ابائکم** کیونکہ خدا تعالیٰ کفار و مشرکین کا رب ہے قہر کے ساتھ جیسے پھانسی کے ملزم کو حکومت اچھا کھلاتی ہے۔ فرماتا ہے۔ **کلوا و تمتعوا قلیلا انکم مجرمون** اور ایمان و عرفان سے مومنوں کا رب ہے۔ نبوت و ہدایت سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربوبیت فرماتا ہے محبوبیت سے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے کہیں فرمایا۔ **رحمۃ للعالمین**۔ کہیں فرماتا ہے۔ **بالمومنین رءوف رحیم**۔ کہیں فرماتا ہے۔ **کافۃ للناس بشیرا و نذیرا**۔ غرضیکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رحمت عالمین کے لئے ہے ایک رحمت مومنین کے لئے ایک رحمت صحابہ کرام کے لئے رب کی ربوبیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے رنگ مختلف ہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی بندے جن و انس و فرشتہ کی نہ اطاعت واجب ہے نہ اتباع بلکہ سب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی واجب ہے۔ اور اتباع بھی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم۔ یہ فائدہ **اتبع ما اوحی الیک** سے حاصل ہوا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین طیبین طاہرین جناب آمنہ و عبداللہ رضی اللہ عنہما حیات رہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتے تو ان پر بھی بلکہ اگر دوسرے انبیاء کرام از آدم تا اسماعیل علیہم السلام میں سے کوئی نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرتے **لو کان موسی حیا" ما وسعہ الا اتباعی** ہمارے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اطیعوا للہ و اطیعوا لرسول** اور فرماتا ہے۔ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی**۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام جناب خضر کے پاس گئے تو ان سے کہا **هل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا** آپ نے حضرت خضر کی اتباع کی خواہش کی پھر جناب خضر نے شریعت موسوی کی اتباع نہیں کی بلکہ بے قصور بچہ کو قتل کیا وغیرہ مگر وہی خضر علیہ السلام آج زندہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع ہیں حتی کہ بیعت الرضوان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی معراج کی رات سارے نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں محمدی نمازہی پڑھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نرالی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید کا اتباع نہیں فرماتے تھے بلکہ ہر وحی الٰہی کی خواہ وہ قرآن مجید ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام۔ خواب وغیرہ۔ یہ فائدہ **ما اوحی الیک** سے حاصل کہ یہاں قرآن

نہ فرمایا گیا بلکہ اتنی دراز عبارت ما اوحی الیک الخ ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ بعض اسلامی احکام حضرات صحابہ کرام کے خواب سے ہم لوگوں کو ملے۔ جیسے نماز کی اذان وغیرہ مگر وہ خوابیں بھی اس لئے ہمارے لئے واجب عمل ہوئیں کہ بارگار نبوت سے ان کی تصدیق و تائید ہو گئی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خوابیں رب کی طرف سے ہیں یونہی اذان دیا کرو لہٰذا یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وحی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رب ہے اور مسلمانوں کا بھی اور سارے انسانوں کا بھی اور ساری مخلوق کا بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ربوبیت خاص الخاصہ سے فیض پاتے ہیں 'مومنین خاص ربوبیت سے یہ فائدہ من ربک میں ربوبیت کو حضور کی طرف نسبت فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ہم سے ارشاد ہے۔ ربکم ایک جگہ ارشاد ہے۔ رب العالمین ربوبیت کی پوری بحث ہم سورۂ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** کافر کا کفر 'مشرکین کا شرک' گنہگاروں کے گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اس کی مشیت سے ہیں 'دنیا کا کوئی کام اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا' اس کے ارادہ کے بغیر ذرہ جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ ولو شاء اللہ ما اشرکوا الخ سے حاصل ہوا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کفر و شرک و گناہ سے راضی نہیں نہ ان چیزوں کا اس نے حکم دیا۔ ارادہ 'مشیت' رضا' حکم میں بڑا فرق ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم میں آجائے کہ جو ان کی نگاہ کرم میں آگیا وہ اللہ کی نظر رحمت میں آگیا' پھر وہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دنیا اس کی نیاز مند ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کا بڑا غضب یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے گر جائے جو ان کی نظر سے گرا وہ دنیا میں کبھی اٹھ نہ سکا۔ یہ فائدہ واعرض عن المشرکین کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔

تیرے در کے ٹکڑے ہیں اور میں غریب　　مجھ کو روزی کا ٹھکانا مل گیا

چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین و کفار کے نہ حفیظ ہیں نہ وکیل کفار آوارہ کتے یا شکاری آوارہ جانور ہیں جو چاہے انہیں مار دے مگر اپنی امت کے شفیع بھی 'حفیظ بھی' وکیل بھی' کفیل بھی' شہید بھی ہیں' رقیب بھی' پالتو جانور کا کھانا پینا' علاج معالجہ' حفاظت سب کچھ جانور کا مالک کرتا ہے' جانور ان فکروں سے آزاد ہوتا ہے۔ اسے تو ایک ہی فکر چاہئے مالک کی' اطاعت اسے راضی رکھنا یہ فائدہ علیھم کے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

احل امتہ فی حرز لملتہ　　کاللیث احل بالاشبال فی الاجم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے دین کے قلعہ میں محفوظ کر دیا ہے جیسے شیر اپنے بچوں کو کچھار میں محفوظ کر دیتا ہے۔ خود فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم شفاعتی لاھل الکبائر من امتی میری شفاعت' میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ان کی اطاعت کر کے انہیں اور ان کے رب کو راضی رکھیں۔ باقی ہماری عزت و آبرو' روزی وغیرہ کی انہیں فکر ہے ہم کو کیا فکر ہو ہم تو ان کے پروردے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** بندے پر رب تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر لیں۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اس سے خدائی بھی پھر گئی' خدا بھی پھر گیا' اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوا۔ یہ فائدہ اعرض عن المشرکین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ان کفار سے منہ پھیر لو تاکہ میں ان سے اپنے سارے کرم' ساری رحمتیں پھیر لوں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی

آٹھواں فائدہ: مومن اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو انشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منہ نہیں پھیرتے بلکہ انہیں بلاتے ہیں کہ توبہ کرلے میرے دامن کرم میں آجائے۔ یہ فائدہ بھی و اعرض عن المشرکین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور کو کفار سے منہ پھیرنے کا حکم دیا مگر مسلمانوں کے متعلق فرمادیا و اخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین۔ مومن کے لئے اپنے رحمت کے پر کھولے رکھو اور فرمایا و اذا جاءک الذین یومنون بایاتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ جب تمہارے پاس مومنین آئیں تو ان سے فرمادو کہ تم پر سلامتی ہے۔ رب نے تمہارے لئے اپنے کرم پر رحمت لازم فرمالی۔ نواں فائدہ: مومن کہیں ہو' کسی وقت ہو' کسی حال میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اپنی نظر نہیں ہٹاتے یہ فائدہ بھی اعرض عن المشرکین سے حاصل ہوا۔ مکہ مدینہ کا رہنے والا کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے دور ہے۔ پنجاب و بنگال وغیرہ کا رہنے والا مومن ان کی نظر کرم میں رہتا ہے۔ ہم نے روضہ اطہر سے وداع کے وقت عرض کیا تھا۔

اے دلوں کے چین' اے پیارے نبی لو غلاموں کا سلام آخری
دور سے آئے تھے پردیسی غلام عرض کرنے کو غلامانہ سلام
آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب یہ تو فرماؤ کہ بلواؤ گے کب
چشم رحمت سے نہ تم کرنا جدا رکھیو اپنے سایہ میں ہم کو سدا

انہیں کی نگاہ عنایت ہم بے سہاروں کا سہارا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

جس طرف اٹھ گئیں دم میں آگیا اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

اللھم صل علی سیدنا محمد و الہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

پہلا اعتراض: یہاں اتبع کیوں ارشاد ہوا۔ اطع کیوں نہ فرمایا گیا اطاعت اور اتباع میں کیا فرق ہے۔ جواب: اطاعت صرف حاکم کی ہوتی ہے۔ اتباع حاکم کی بھی۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاکم نہیں حاکم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن مجید اور وحی الٰہی حکم ہے لہٰذا یہاں اتبع فرمانا ہی موزوں تھا۔ رب فرماتا ہے لتحکم بین الناس بما ارٰک اللہ نیز اطاعت میں حکم دینا ضروری ہے اتباع میں حکم لازم نہیں۔ دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب کو ایمان کی توفیق کیوں نہ دیدی تاکہ نور خانہ بن جاتی' مشرکین و کفار کیوں رکھے گئے۔ جواب: اس کی حکمتیں ہم پہلے پارے میں شیطان کی پیدائش کی حکمت کے ماتحت بیان کرچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسے عالم اجسام کا نظام توڑ پھوڑ سے قائم ہے کہ اندھیرا نور سے' رات دن سے' بھوک غذا سے' پیاس پانی سے' بیماری دوا سے توڑتے رہو' دنیا کا نظام قائم رہے گا۔ اسی طرح عالم روحانیات میں گناہ کو توبہ سے' فسق کو تقویٰ سے' کفر کو ایمان سے' کفار کو غازیوں کی تلوار سے توڑتے رہو نظام قائم رہے گا ورنہ محض عبادت تو فرشتے بھی کررہے تھے۔ خلافت انسانی سے کیا فائدہ تھا۔ نیز نبی کی طاقت کفار کی شکست سے معلوم ہوتی ہے' فرعون کی غرقابی' قارون کی تباہی' [illegible] سے شان کلیم اللہ ظاہر ہوئی [illegible] ابوجہل کی ہلاکت ابولہب کی بربادی سارے کفار کی شکست سے طاقت محمدی ظاہر ہوتی ہے۔ نیز کفار کی بناء پر اسلام کی بہت سی عبادتیں ہوتی ہیں۔ ہجرت جہاد غازیوں کی فتح

شہیدوں کی شہادت کفار کے ذریعہ ادا ہوتی ہے۔ اس لئے آسمان سے زمین افضل ہے کہ وہاں صرف نمازیں ہوتی ہیں مگر زمین پر بہت سی عبادتیں ہوتی ہیں۔ نیز کفار و مشرکین مسلمانوں کے ایمان و عبادات کے لئے رکاوٹ ہیں اور رکاوٹ کے ہوتے ہوئے عبادات کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اس لئے مسلمان کا ایک سجدہ فرشتوں کی بہت رکاوٹیں ہیں بہر حال دنیا میں مشرکین و کفار کا رہنا اس میں اللہ کی بڑی حکمتیں ہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اتباع صرف قرآن کریم کی چاہئے۔ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **اتبع ما اوحی الیک** حدیث کا نام تک نہیں لیا گیا۔ (چکڑالوی)۔ جواب: یہی آیت بتا رہی ہے کہ صرف قرآن مجید کی اتباع واجب نہیں۔ حدیث کی بھی اتباع چاہئے کہ یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ **ما انزل اللہ** ارشاد ہوا۔ **ما انزل اللہ** میں قرآن و حدیث سب داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وحی الٰہی ہے۔ **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** ہم نے عرض کیا ہے۔

ہے جس کی ساری گفتگو وحی خدا یہ ہی تو ہیں — رب جن کے چہرے سے عیاں وہ حق نما یہ ہی تو ہیں

لہٰذا اتباع قرآن و حدیث دونوں کی چاہئے۔ چوتھا اعتراض: اتبع فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی حکم شرعی کے مالک اور مختار نہیں بلکہ ہماری طرح حکم الٰہی کے تبع ہیں جو رب تعالیٰ کہتا ہے وہ کرتے ہیں۔

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تانہ گفتے جبرئیل — جبرئیل ہرگز نہ گفتے تانہ گفتے کردگار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بندہ مجبور ہیں۔ (وہابی)۔ جواب: اس کا نہایت مفصل جواب ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل اختیاری یا غیر اختیاری وحی الٰہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار خداد سے جو کسی کو حکم دے دیں وہ وحی اور **ما اوحی الیک** میں داخل ہے۔ مثلاً ایک شخص کو تین نمازیں معاف فرمادیں اس پر دو ہی نمازیں فرض رہیں دیکھو (مسند امام احمد ابن حنبل) حضرت خذیمہ کی ایک گواہی دو کے برابر کر دی دیکھو (بخاری شریف) اگر ہم ابھی ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا (بخاری شریف)۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف کی اذخر گھاس توڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ فرمایا اچھا **الا الاذخر** (بخاری شریف)۔ یہ جو کچھ اس معدن وحی سے نکل رہا ہے سب وحی الٰہی ہے اسلام کے نوے فیصد احکام قرآن مجید میں نہیں یا ہیں تو بہت مجمل۔ حدیث شریف نے ان کا بیان بالتفصیل فرمایا حتیٰ کہ نماز و روضہ' زکوٰۃ کی تفصیل حدیث نے کی۔ نماز کے لئے وضو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرایا۔ آٹھ برس کے بعد وضو کی آیت آئی۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وحی الٰہی سے ہو رہا ہے۔ غرضیکہ **ما اوحی الیک** بہت جامع فرمان ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے راہ راست پر نہ تھے وحی کے تبع نہ تھے اگر آپ پہلے سے ہی تبع وحی ہوتے تو آپ کو اتباع کا حکم کیوں دیا جاتا۔ جو شخص پہلے سے کوئی کام نہ کر رہا ہو اسے کام کا حکم دیا جاتا ہے (بعض بے دین)۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ' دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ جو کوئی پہلے سے کام کر رہا ہے اسے حکم دینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ کام کرو ہم کو حکم دیا **اتقوا اللہ** یا **اقیموا الصلوۃ** معنی یہ ہوئے کہ تم نماز پڑھو اللہ سے ڈرو مگر حضور انور کو حکم دیا **یا ایھا النبی اتق اللہ** یا فرمایا **اقم الصلوۃ لدلوک الشمس** وہاں معنی یہ ہوئے کہ اے محبوب اسی طرح اللہ سے ڈرے جاؤ' نمازیں پڑھے جاؤ' آپ بالکل ٹھیک کر رہے ہیں جیسا فاعل ویسے ہی فعل کے معنی۔ عاشقانہ جواب یہ ہے کہ ہمارے لئے ان

احکام کے معنی یہ ہیں کہ اے محبوب اپنے غلاموں کی نمازیں' تقویٰ' خوف خدا ان کے دلوں میں قائم کرو کعبہ سر کے سجدہ کو درست کرتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دل کے سجدوں کو سیدھا اور درست کرتے ہیں۔ سجدے ہم کر لیتے ہیں انہیں قائم حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے ہیں کہ برباد نہیں ہونے دیتے۔ یونہی ہم کو اتباع کا حکم دیا' بایں معنی کو تم لوگ اتباع کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا بایں معنی کہ لوگوں کو متبع بنادو کہ تم اتباع کرو اور لوگ تم کو دیکھ کر اتباع کریں۔ ہم اتباع کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتباع کراتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ مشرکوں سے منہ پھیر لو تو کیا کفار سے منہ نہ پھیرا جائے' ان سے محبت میل جول رکھا جائے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ ان جیسی آیتوں میں مشرک بمعنی کافر اور شرک بمعنی کفر ہوتا ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ کفار سے منہ پھیر لو۔ ارشاد باری ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے گا۔ یہاں بھی شرک بمعنی کفر ہے۔ کوئی کفر قابل بخشش نہیں فرماتا ہے کہ اپنی بیٹیوں کا نکاح مشرکین سے نہ کرو۔ یہاں مشرکین بمعنی کفار ہیں کسی کافر سے مسلمہ عورت کا نکاح درست نہیں ایسے ہی یہ یہاں ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک و کفر اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے۔ فرمایا **ولو شاء اللہ ما اشرکوا** - حالانکہ جیسے شرک و کفر کرنا گناہ ہے ویسے ہی شرک کا ارادہ کرنا بھی برا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر برائی سے پاک ہے وہ شرک کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے۔ (معتزلہ) (نوٹ) معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہر شخص کے ایمان کا ارادہ کیا ہے مگر بعض لوگ رب کے ارادہ کے خلاف شیطان و نفس کے بہکانے سے کافر ہوئے نہ کہ اللہ کے ارادہ سے۔ یہ اعتراض ان کے مذہب کی بناء پر ہے۔ **جواب:** یہ خیال ہی درست نہیں کہ کسی کے کفر کا ارادہ برا ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ بری چیزوں کا پیدا کرنا برا ہے۔ لہٰذا برائیوں کا خالق کوئی اور ہے رب تعالیٰ نہیں' کفر کا حکم دینا' کفر پسند کرنا' کفر سے محبت کرنا راضی ہونا برا ہے۔ کفر کا ارادہ برا نہیں ورنہ پھر بندے سے بڑھ جائیں گے کیونکہ رب کا ارادہ تھا کہ ابو جہل ایمان لائے مگر شیطان کا ارادہ ہوا کہ کافر رہے' اللہ کا ارادہ نہ چلا شیطان کا ارادہ چلا تو شیطان غالب ہوا۔ اللہ تعالیٰ مغلوب نعوذ باللہ۔ لہٰذا دنیا میں جو ہو رہا ہے رب تعالیٰ کے ارادے سے ہو رہا ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب مشرکین و کفار کا شرک و کفر اور تمام بد عملیاں اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہیں تو پھر کسی کو سزا نہ ملنی چاہئے کہ رب کے ارادے کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ہم تیسرے پارے میں **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کی تفسیر میں دے چکے ہیں کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ پھر تو کسی نیک کار کو ثواب بھی نہیں ملنا چاہئے کہ اس نے جو کچھ کیا اللہ کے ارادے سے کیا' چلو چھٹی ہوئی ثواب و عذاب سب ختم' جنت و دوزخ کی پیدائش بیکار۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارادے سے بندہ مجبور نہیں ہو گیا بلکہ مختار رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوا کہ فلاں بندہ اپنے اختیار و ارادے سے کفر کرے' بندہ کا یہ اختیار و ارادہ اس کے سزا و جزا کا باعث ہے۔ مجبور بندے کو سزا رب نہیں دیتا مختار کو دیتا ہے۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی کے حفیظ ہیں نہ وکیل' پھر تم لوگ حضور کی شفاعت و کالت پر بلا وجہ آس لگائے بیٹھے ہو۔ **جواب:** واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے نہ حفیظ ہیں نہ وکیل' انشاء اللہ مومنوں کے وکیل بھی ہیں حفیظ بھی' شفیع کفار کے لئے تو رب تعالیٰ غفور رحیم بھی نہیں تو کیا [illegible] اسی لئے دونوں جگہ علیہم پہلے ارشاد ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فانی جسم و جان و مال کی حفاظت کے لئے قفل' دروازے' پولیس چوکی وغیرہ پیدا فرمائے تو کیسے ممکن ہے

کہ ایمان جیسی باقی نعمت کے لئے کوئی حفیظ پیدا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں چالیس ابدال اور اقطاب رقبا غوث و قطب و اولیاء پیدا نہ فرمائے جو ہمیشہ رہیں گے ان کی برکت سے بارشیں وغیرہ ہوں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و یرسل علیکم حفظة** حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا **انی حفیظ علیم**۔ رب فرماتا ہے **و ان علیکم لحافظین** کو **اما کاتبین**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی آنکھ 'عبداللہ ابن عتیک کی پنڈلی' معاذ بن عفراء کے کٹے ہوئے ہاتھ میں لعاب دھن لگادیا تو عمر بھر ان اعضاء کی حفاظت ہو گئی۔ آج تک قرآن 'کعبہ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت 'نمازیں بلکہ سارا دین اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی **لحافظون** اس لئے گزشتہ نبیوں کے دین 'کتابیں مٹ گئیں مگر اسلام ویسے ہی قائم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہے یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری دیکھنی ہو تو دیکھو کہ حضرت طلحہ کے لئے جنت کی ذمہ داری کرلی۔ حضرت عثمان کے ہاتھ بیر رومہ کے عوض حوض کوثر فروخت کردیا۔ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری۔

تفسیر صوفیانہ : قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم میں عجیب تعلق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کے تبع ہیں اور قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے تو قرآن مجید بھی عربی میں آیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی تھے تو قرآنی آیات و سورتیں مکیہ ہوئیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہو گئے تو قرآن کی آیتیں سورتیں مدنیہ ہو گئیں۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سانس توڑا وہ قرآن کی آیت بنی۔ جہاں سانس روکا وہاں سکتہ ہوا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا وہ جگہ رکوع کہلائی' جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے وہ جگہ وقف بنی۔ دیکھو مکی مدنی ہونا' سانس توڑنا اور رکنا یونہی رکوع کرنا' نہ رب تعالیٰ کی صفات و افعال ہیں' نہ حضرت جبرئیل کی صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہیں۔ یونہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ہمارا قبلہ کعبہ بنے تو قرآن نے فرمایا کہ **فلنولینک قبلة ترضاها** جس قبلہ سے تم راضی ہو ہم اس طرف آپ کو پھیرے دیتے ہیں۔۔

حکم رب قرآن ہے حکم پیمبر ہے حدیث لفظ ہی کا فرق ہے تقریر ہے دونوں کی ایک

صوفیاء فرماتے ہیں کہ شقی انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے دور کردیئے جاتے ہیں شقاوت کی چار علامتیں ہیں۔ آنکھوں کی خشکی' دل کی سختی' حب دنیا' درازامیدیں۔ سعادت کی بھی چار علامتیں ہیں' نیکوں سے محبت اور ان سے قرب' تلاوت' قرآن مجید' راتوں کی بیداری اور شب خیزی' ذکر خدا کے لئے' علماء کی صحبت' دل کی نرمی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی مبلغ سب کے ہیں مگر حفیظ' شفیع' وکیل صرف مومنوں کے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم عوام کو توحید کی طرف خواص کو وحدانیت کی طرف' خواص الخاص کو وحدت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ **لا معبود الا اللہ** توحید ہے' **لا مقصود الا اللہ** وحدانیت ہے اور **لا موجود الا اللہ** وحدت پھر اس کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ لا محبوب الامر غرضیکہ لا معبود الا ہو توحید ہے اور یعقوب الا ھو ایمان ہے۔۔

ابن یعقوب کو اللہ نے صورت بخشی	ید بیضاء کی کلیم اللہ کو نعمت بخشی
اور سلیمان کو دنیا کی حکومت بخشی	اپنے محبوب کو بے پردہ زیارت بخشی

کلمہ توحید سے کافر مومن بنتا ہے اور اس کی تکرار سے مومن مخلص بن جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے جب یہ کلمہ دل میں اتر جائے تو مخلص عارف بن جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ **اعرض عن المشرکین** اور ارشاد ہوا **وما انت علیھم بوکیل** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت کے لحاظ سے مشرکین سے **اعراض** کا حکم تھا۔ مگر ظاہر کے اعتبار سے ان کی طرف اقبال کا حکم **بلغ ما انزل الیک** ہدیٰ والوں پر سلام ہے اور ھویٰ والوں پر سلام ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔۔

چہ شکرہاست دریں شہر کہ قانع شدہ اند شاہبازان طریقت بمقام مگس (روح)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور نہ گالیاں دو انہیں جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا ورنہ وہ گستاخی کریں گے اللہ کی حد سے بڑھتے

اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ

ہوئے اور بغیر جانے اسی طرح آراستہ کر دیئے ہم نے ہر جماعت کے لئے ان کے کام پھر ان کے رب کی طرف

اور جہالت سے یوں ہی ہم نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیئے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

ہی لوٹنا ہے ان کا پس خبر دے گا ان کو اس کی جو وہ کام کرتے تھے۔

طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بتا دے گا جو کرتے تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں توحید کی حقانیت اور شرک و کفر کی برائیوں پر نہایت قوی دلائل ارشاد ہوئے۔ اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ دلائل سے تو کفار کی تردید کرو کہ اس میں اصلاح ہے مگر مشرکین یا ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو' ان کا مذاق نہ اڑاؤ کہ اس میں فساد کا اندیشہ ہے گویا صحیح تبلیغ سے غلط اور خطرناک تبلیغ کو روکا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ مشرکین سے منہ پھیر لو **اعرض عن المشرکین**۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ منہ پھیرنے کے معنی یہ نہیں کہ انہیں تبلیغ نہ کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ انہیں ان کے معبودوں کو برا نہ کہو کہ اس میں فساد کا اندیشہ ہے۔ گویا یہ آیت کریمہ اس حکم کی تفسیر یا تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ تم کفار کے حفیظ اور وکیل نہیں اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ جب آپ ان کے ذمہ دار نہیں تو انہیں یا ان کے معبودوں کو برا بھی نہ کہیں کہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے نہ کہ انہیں مجبور کر کے مسلمان کرنا' برا بھلا کہنا بھی ایک قسم کا جبر ہے گویا یہ آیت کریمہ پچھلے مضمون کا نتیجہ ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کی بد خلقیوں کا ذکر تھا ان کی بد خلقیوں پر مسلمانوں کو صبر کا حکم ... کو اخلاق ... کی بد اخلاق کا ذکر فرمانے کے بعد

اختیار کرنے والے اچھے اخلاق کا ذکر ہے گویا علاج کا ایک رکن پہلے ارشاد ہوا تھا۔ دوسرے رکن کا اب ذکر ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق بہت روایات ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ پہلے مسلمان کفار اور ان کے معبودوں کو برا کہتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ جس کے جواب میں وہ مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ تعالیٰ کو برا کہتے تھے۔ مسلمانوں میں انہیں اس حرکت سے روکنے کی طاقت نہ تھی۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا کہ نہ تم انہیں برا کہو' نہ ان سے برا سنو (خازن' روح المعانی' ابن کثیر) خیال رہے کہ اہل عرب صدیوں سے بتوں کے پجاری تھے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے سے دور تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کے فیض سے انہیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فرشتوں سے' قرآن مجید' کلمہ طیبہ تمام ارکان اسلام سے محبت ہو گئی اور بتوں سے' بتوں کے پجاریوں سے بت پرستی اور تمام بدعقیدگیوں سے انتہائی نفرت یعنی ایمان کے یہ دونوں رکن انہیں اس صحبت پاک سے میسر ہو گئے تو اب مسلمان بتوں بت پرستوں کو برملا برا کہنے لگے۔ (2) امام سدی فرماتے ہیں کہ جب ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو سرداران قریش ابو سفیان' ابو جہل نضر ابن حارث اور خلف کے دونوں بیٹے امیہ اور ابی' عقبہ ابن ابی معیط' عمرو ابن عاص' اسود ابن بختری وغیرہم ان کے پاس گئے اور بولے کہ آپ اپنے برادر زادہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت فرمادیں کہ وہ ہمارے معبودوں اور ہم سے الگ اور بے تعلق ہو جائیں' ہم ان سے بے تعلق ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ ہم انہیں تمہارے بعد قتل کر دیں اور لوگ کہیں کہ ابو طالب کے مرتے ہی قریش نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔ چنانچہ ابو طالب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر یہ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری ایک بات یہ مان لیں تو میں ان کی ہر بات مان لوں گا۔ ابو جہل بولا ہم آپ کی دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ فرمایا کہ کلمہ طیبہ پڑھ لو جھگڑا ہی ختم ہو جائے وہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے یہ لوگ بولے کہ اچھا اگر آپ ہمارے معبودوں کو برا کہیں گے تو ہم بھی آپ کے رب کو برا کہیں گے۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' معانی' خازن وغیرہ)۔

تفسیر : ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہوتا ہے جیسے **ولا تمش فی الارض مرحا یا وبالوالدین احسانا** وغیرہ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ نے ایسے سانچہ میں ڈھال کر بھیجا تھا کہ بچپن شریف سے وفات شریف تک اس زبان پاک پر کبھی جھوٹ' گالی' ناجائز غیبت نہ آئی کبھی کھلکھلا کر ہنسے نہیں' کبھی بچپن میں کھیلے نہیں' کبھی کسی چیز پر ضد نہیں فرمائی' اگر کبھی اصرار فرمایا تو اس میں صدہا حکمتیں ہوتی تھیں جیسے جناب حلیمہ کے ہاں اصرار فرمایا کہ ہم جنگل میں بکریاں چرانے جائیں گے جس کا نتیجہ شق الصدر ہوا اور حلیمہ بلکہ سارے بنی سعد کے ایمان کا ذریعہ بنایا جیسے ابو طالب سے ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے اصرار فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحیرہ راہب کو ایمان ملا للہ اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ یہ عبارت نئی ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ لاتسبوا بنا ہے سب سے قوی یہ ہے کہ سب کے معنی گالی اور فحش کلامی نہیں۔ عربی میں گالی کو شتم کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام نے کبھی بتوں کو گالی نہیں دی' وہ حضرات فحش گو نہ تھے۔ جب نماز ہر مسلمان کو فحش سے بچا لیتی ہے۔ **ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** تو وہ حضرات تو بڑے مہذب تھے بلکہ سب کے معنی ہیں برا کہنا' ان کا مذاق اڑانا' ان کی دل لگی کرنا' یہ بات بہت خیال میں رہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں سب کے معنی گالی ہو تو یہ آیت محکم ہے

منسوخ نہیں- دوسرے یہ کہ اس کے معنی ہوں' بتوں کے عیب بیان کرنا- تیسرے یہ کہ اس کے معنی ہوں ان کی خرابیاں بتانا کہ بت پرستی میں یہ خرابیاں ہیں- ان دونوں معنی سے یہ آیت منسوخ ہے- **الذین** سے پہلے **الہ** پوشیدہ ہے یا **یدعون** کے بعد ہا ضمیر پوشیدہ چونکہ کفار اپنے بے جان بتوں یعنی پتھروں' درختوں' چاند و سورج' تاروں کو عقل والا سمجھتے تھے نیز ان کے بعض معبود انسان تھے جیسے اساف' نائلہ وغیرہ اس لئے **الذین** ارشاد ہوا جو عقل والوں کے لئے بولا جاتا ہے **التی یا الاتی** نہ فرمایا گیا **یدعون** بنا ہے دعوے جس کے لغوی معنی ہیں بلانا' شرعی معنی ہیں پوجنا' قرآن مجید میں ان جیسے موقعوں پر یہی معنی مراد ہوتے ہیں یعنی پرستش کرنا' پوجنا' **دون** بمعنی سوا بھی آتا ہے اور بمعنی مقابل بھی اور بمعنی دور بھی بمعنی منقطع کٹا ہوا بھی یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں- دعاء اور دون کے معنی کی تحقیق ہم نے اپنی کتاب علم القرآن میں کر دی ہے وہاں مطالعہ فرماؤ یعنی اول مشرکوں کو برا نہ کہو جو ماسوی اللہ کی پوجا کرتے ہیں یا ان مشرکین کے بتوں کو برا نہ کہو جن کی یہ پوجا کرتے ہیں یعنی بتوں کو مشرکین کے سامنے برا نہ کہو- **فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم** اس فرمان عالی میں گزشتہ حکم کی حکمت ارشاد فرمائی گئی- لہذا ف تعلیل یا تعقیب کی ہے- چونکہ **لیسبوا اللہ** گزشتہ نہی **لا تسبو** کے جواب میں ارشاد ہوا لہذا اجزم کی حالت میں ہوا اور اس کا نون گر گیا' اس کا فاعل وہی مشرکین و کفار ہیں **عدوا** کے معنی ہیں حد سے بڑھنا یہ **فیسبوا** کا مفعول لہ ہے یا حال ہے اسی صورت میں بمعنی اسم فاعل ہے- **بغیر علم**' تعلق **فیسبوا** سے ہے یہاں اللہ کو برا کہنے سے مراد یا تو اللہ کے رسول کو برا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم رب ہی کی تعظیم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اللہ تعالیٰ کی توہین ہے یا مسلمانوں کو برا کہنا ہے یا براہ راست خود رب تعالیٰ کی شان اقدس میں بکواس بکنا ہے کہ اگرچہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے' اسے اپنا خالق مانتے تھے مگر تھے جاہل وہ جوش انتقام میں آکر رب تعالیٰ ہی کی شان میں بے ادبی کر دیتے تھے' محض مسلمانوں کو دکھ دینے کے لئے جیسے بعض جاہل مسلمان عیسائیوں کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیعوں کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کر دیتے ہیں' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں جواب دے رہے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان حضرات کی گستاخی کر رہے ہیں- اسی لئے یہاں **بغیر علم** ارشاد ہوا- حق یہ ہے کہ یہ ممانعت آیات جہاد سے منسوخ ہے چونکہ مکہ کی زندگی میں مسلمانوں میں یہ قوت نہ تھی کہ کفار کی زبان بندی کر سکتے اس لئے اس وقت نہ جہاد کا حکم تھا نہ بتوں اور بت پرستوں کی برائی کرنے کی اجازت تھی' جب بعد ہجرت مسلمانوں کو اللہ نے قوت و طاقت دی تو جہاد کا بھی حکم ہو گیا اور برائی کی بھی اجازت دیدی گئی یا سب سے مراد ہے فحش گالیاں دینا اور تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے یا سب سے مراد اس طرح ان کے معبودوں کو برا کہنا جو فساد' لڑائی' قتل و خونریزی کا ذریعہ بنے تو یہ حکم تاقیامت جاری ہے- لہذا یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف نہیں جن میں بتوں' بت پرستوں کی بہت برائی کی گئی ہے- جیسے **انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم** یونہی ان احادیث اور اقوال صحابہ و اعمال صحابہ کے مخالف بھی نہیں جن میں بتوں کی برائیاں ہیں' ہم تو شیطان کو برائی کر کے پھر تلاوت قرآن کرتے ہیں کہ اولاً" پڑھتے ہی **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں- حالانکہ بہت سی قومیں خصوصاً" مجوسی شیطان کو اللہ تعالیٰ کا چھوٹا بھائی کہتے ہیں اسے بری چیزوں کا خالق مانتے ہیں اس کی پرستش ہیں- ابن انباری کا یہی قول ہے (از تفسیر خازن) بعض مفسرین نے اس کو محکم مانا ہے ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے معبودوں کو اس طرح [illegible] لگیں یا جب اس سے فساد کا

دروازہ کھلتا ہو تب برا نہ کہو وغیرہ کہ اس صورت میں ہم کو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی گستاخی سے ان کو روکنا مقصود ہے کہ ہمارا یہ عمل ان کی اس گستاخی کا سبب ہے (خازن)۔ **کذالک زینا لکل امة عملھم** یہ عبارت گذشتہ حکم کی گویا دلیل ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی **کما زینا لھولاء عملھم** کل امت سے مراد یا تو ساری کافر جماعتیں ہیں یا کافر و مومن دونوں جماعتیں پہلی صورت میں عمل سے مراد کفار کی بد عقیدگیاں' بد عملیاں ہیں۔ دوسری صورت میں نیکیاں برائیاں سب کچھ یعنی جیسے کفار مکہ کے لئے ہم نے ان کے عقائد و اعمال' ان کی نگاہ میں اچھے بنادیئے ایسے ہی ساری کافر جماعتوں کے لئے ان کے عقیدے و اعمال ان کی نگاہ میں پسندیدہ کر دیئے۔ خیال رہے کہ یہاں زینت دینے کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی نسبت ہے۔ اور **زین لھم الشیطان** میں زینت کی نسبت شیطان کی طرف رغبت دینے کی ہے لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ اس زینت دینے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ نبی کی زبان پر اعتماد کریں اور انہیں ایمان بالغیب نصیب ہو' طبیب کی دکان میں میٹھی کڑوی ہر قسم کی دوائیں ہیں۔ گھر میں گوشت وغیرہ ہر چیز پکتی ہے' عقل اور آنکھ ان مزیدار چیزوں کو پسند کرتی ہے مگر طبیب کڑوی دوائیں اور سابودانہ مریض کے لئے تجویز کرتا ہے تو عاقل کا کام یہ ہے اپنی آنکھ اور عقل کی نہ مانے طبیب کی مانے۔ دنیا ایک دکان ہے ہم لوگ مریض حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں لہٰذا اچھائی برائی میں اپنی عقل سے فیصلہ نہ کرو بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ مانو۔ **ثم الی ربھم مرجعھم** یہ عبارت پہلے جملہ پر معطوف ہے چونکہ سب بندوں کا رب کی طرف لوٹنا قیامت میں ہو گا۔ اور قیامت دنیاوی زندگی سے بہت دور ہے اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا مرجع مصدر میمی ہے بمعنی رجوع کرنا' لوٹنا ھم سے مراد یا کفار ہیں۔ یا سارے انسان خواہ کافر ہوں یا مسلمان مگر خیال رہے کہ کافر غافل پکڑ کر لائے جائیں گے' مومن عاقل عزت سے بلائے جائیں گے۔ حضرات انبیاء کرام وہاں پہنچائے جائیں گے' موت اور قیامت میں کافر کی حاضری وارنٹ کے ذریعہ مومن کی حاضری سمن کے ذریعہ ہے مگر محبوبوں کی حاضری دعوت نامے کے ذریعہ مرجعھم کی بہت صورتیں ہیں۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جھنم وردا** اسی لئے کافر کی موت کا نام ہلاکت ہے مومن کی موت وفات کہ اس نے مزدوری پوری کر دی' اب اجرت و انعام ملنے کا وقت ہے محبوبوں کی موت کا نام ہے وصال **فینبئھم بما کانوا یعملون**۔ یہ عبارت پچھلے جملہ الیٰ ربھم پر معطوف ہے یہاں خبر دینے سے مراد فیصلہ کی خبر دینا ہے یعنی دنیا میں ہر شخص کو اپنے عقیدے اپنے اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہاں پردہ ہے یا اندھیرا ہے قیامت میں سویرا ہو جائے گا پردہ اٹھ جائے گا۔ رب تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے گا کہ فلاں عقیدہ و عمل اچھا تھا اور فلاں فلاں عقیدے و اعمال برے تھے لہٰذا اچھے عقیدے و اعمال والے جنت میں جائیں اور برے عقیدے' برے اعمال والے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں۔ تب ہر ایک کو اصلیت کا پتہ چلے گا۔ خیال رہے کہ اچھے برے عقیدوں اور اعمال کا قول فیصلہ تو دنیا میں بھی رب نے فرما دیا ہے۔ حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ مگر عملی فیصلہ قیامت میں ہو گا۔ لہٰذا یہ فرمان اس آیت کے خلاف نہیں کہ **انہ لقول فصل**۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں نیک و بد اعمال کی اچھائی برائی صرف بتائی گئی ہے۔ وہ بھی صرف قول سے عمل سے نہیں بارہا بدکار مالدار ہوتے ہیں نیک کار فقیر اور تکالیف میں مبتلا مگر بعد موت اور حشر میں یہ اچھائی برائی دکھائی جائے گی کہ نیک اعمال کی صورتیں اچھی ہوں گی' برے اعمال کی صورتیں بری۔ نیز نیک اعمال والوں کے منہ اجیالے ہاتھ کھلے داہنے ہاتھوں میں نامہ اعمال' نیز اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان ہر ایک کو دکھائی جائے گی جس سے آپ کے فرمانوں کی شان ظاہر ہو گی پھر یہ بدکار کفار ایسے پچھتائیں گے جیسے مالک ابن زعر حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کر کے پھر آپ کا جمال دیکھ کر پچھتایا تھا۔ لہٰذا یہاں فینبئھم فرمانا بالکل درست ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو تم کفار کے سامنے ان کو یا ان کے جھوٹے معبودوں کو برا نہ کہو ان کا مذاق نہ اڑاؤ کہ اس میں اندیشہ ہے کہ اس کے جواب میں وہ اپنی جہالت ' اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا تمہارے دین یا تمہاری کتاب کی شان میں گستاخی کریں گے کہ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ مگر تمہاری مخالفت میں اس کی پرواہ نہ کریں گے جیسے ہم نے ان کفار مکہ کی نظروں میں ان کے برے عقیدے برے اعمال اچھے بنادیئے کہ وہ اپنے کفر و شرک کو بہترین نیکی اور بت پرستی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں یونہی ہر کافر قوم کی نظروں میں اس کے عقیدے و اعمال اچھے بنادیئے کہ خواہ ان کے عمل کیسے ہی برے ہوں مگر وہ انہیں بھلا سمجھتے ہیں ان پر فخر کرتے ہیں' یہ خود فریبی صرف دنیا میں ہے یہاں ثواب و جزا نہیں آخرت میں ان سب کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے۔ جب وہاں اپنے اعمال کی سزا کا فیصلہ سنیں گے تب انہیں پتہ لگ جائے گا کہ ہم کیا تھے تب کف افسوس ملیں گے اور کہیں گے یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا اور سوچیں گے۔ مصرع۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

مگر پھر

پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اگر غیر ضروری عبادت سے ایسا فساد پیدا ہوتا ہو جو ہم سے مٹ نہ سکے تو اس عبادت کو چھوڑ دو یہ فائدہ لا تسبوا الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو بت پرستوں اور بتوں کی برائی کرنا انہیں برا سمجھنا عبادت ہے مگر جب اس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ رب تعالیٰ کی بے ادبی کریں اور ہم انہیں روک نہ سکیں تو کفار کے سامنے انہیں برا نہ کہو۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو فرمایا کہ کعبہ معظمہ ابراہیمی بنیادوں پر مکمل نہیں اس کی تعمیر ناقص بھی ہے اور بدلی ہوئی بھی مگر آپ نے کعبہ معظمہ کو بدلا نہیں بلکہ فرمایا کہ قوم ابھی نو مسلم ہے کعبہ کی ترمیم سے فساد کر بیٹھے گی۔ دوسرا فائدہ: کوئی واعظ و عالم اس طریقہ سے وعظ نہ کہے جس سے لوگوں میں عناد و ضد پیدا ہو جائے اور فساد برپا ہو جائے دلیل نہایت مضبوط الفاظ نہایت شیریں ہوں شہد کی ایک بوند سے بہت سی مکھیاں پکڑی جا سکتی ہیں مگر سرکہ کا ایک گھڑا ایک مکھی نہیں پکڑ سکتا۔ تیسرا فائدہ: اگر کسی شخص کے متعلق یہ قوی اندیشہ ہے کہ اسے نصیحت کرنا اور بھی زیادہ خرابی کا باعث ہو گا تو اسے نصیحت نہ کرے۔ چوتھا فائدہ: انسان کبھی ضد سے اپنا دین بھی کھو بیٹھتا ہے۔ دیکھو کفار مکہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضد میں اس کی شان میں بھی گستاخی کر دیتے تھے۔ سب کو شیطان نے گمراہ کیا مگر شیطان کو حسد اور ضد نے گمراہ کیا۔ پانچواں فائدہ: ہر خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بندہ کاسب ہے اور اسی کسب کا مجرم ہے۔ یہ فائدہ زینا لکل امۃ عملھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو کفار کا اپنے برے عقیدوں' برے اعمال کو اچھا سمجھنا بڑی ہی بری بات ہے۔ مگر رب نے فرمایا زینا ہم نے ان کی نگاہ میں یہ برا [illegible] بھلا [illegible] ہر ایک کو بارگاہ الٰہی میں

پیش ہونا ہے اور حق و باطل کا فیصلہ قیامت ہی میں ہو گا۔ دنیا میں اس کا قولی فیصلہ ہوا ہے۔ یہ فائدہ فمنبئھم الخ سے حاصل ہوا کیونکہ کانوا یعملون میں ان کے عقیدے و اعمال سب ہی داخل ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام بہت گالیاں دیا کرتے تھے اور گالیاں دینا عقل شرع سب کے ہی خلاف ہے کوئی مہذب انسان گالی دینا پسند نہیں کرے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا ولا تسبوا الذین یدعون۔ ان کے بتوں کو گالیاں نہ دو صحابہ کرام گالیوں کے عادی تھے (روافض)۔ جواب: ہم نے تفسیر میں اس کا جواب دیدا کہ عربی میں سب کے معنی گالی نہیں گالی کو شتم کہتے ہیں۔ سب کے معنی ہیں برا کہنا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

وما کان ذنب بنی مالک   بان سب منھم غلام نسب

بابیض ذی شطب قاطع   یقد العظام و یری العصب

اس شعر میں سب بمعنی برا کہنا ہے بلکہ کبھی شتم بھی بمعنی برا کہنا آتا ہے۔ یا عملاً برائی کا اظہار ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ و نفسھم بالا فعال لا بالتکلم (روح المعانی)۔ دوسرا اعتراض: حضرت ابوبکر صدیق نے صلح حدیبیہ کی تحریر کے موقعہ پر کفار مکہ کے نمائندے سے کہا امصص بظر اللات دیکھو آپ نے ان کے بت لات کو کیسی موٹی اور فحش گالی دی۔ آپ کا یہ عمل اس آیت کے بھی خلاف ہے اور تہذیب کے بھی ہذو نہایت ہی فحش گالی ہی۔ جواب: اس وقت حضرت صدیق اکبر اس کافر نمائندے کی بارگاہ نبوت میں گستاخی سخت بے ادبی سن کر جوش غیرت سے ہوش میں نہ رہے اور غیرت بھی ایمانی تھی بے ساختہ آپ کے منہ سے یہ لفظ نکلا ایسی حالت میں شرعی گرفت نہیں ہوتی دیکھو موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر جب اپنی قوم کے پاس آئے انہیں بچھڑا پوجتے دیکھا تو غیرت ایمانی سے بے خود ہو گئے اسی حالت میں توریت کی تختیاں بھی ڈال دیں اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے۔ یہ دونوں کام ٹھیک نہ تھے' خلاف اسلام تھے مگر چونکہ غیرت ایمانی کے جوش میں یہ کام صادر ہوئے لہٰذا ان پر کوئی گرفت نہ ہوئی ایسے ہی یہ ہوا۔ تیسرا اعتراض: خود رب تعالیٰ نے ولید ابن مغیرہ کے دس عیب بیان فرمائے جن میں سے ایک یہ کہ وہ زنیم یعنی حرامی ہے۔ وہ آیت اس حکم کے خلاف ہے۔ جواب: وہاں رب تعالیٰ نے اس کے واقعی عیوب گنائے ہیں اسے گالی نہیں کہتے اور لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ستار عیوب ہے مگر جو کوئی اس کے محبوب کی عزت پر ہاتھ ڈالے تو اس کے خفیہ عیوب بیان فرما دیتا ہے' اسے تاقیامت بدنام کر دیتا ہے۔ چوتھا اعتراض: اگر سب بمعنی برا کہنا ہے تو چاہیے کہ بتوں اور بت پرستوں کو برا ہی نہ کہا جائے حالانکہ قرآن مجید حدیث شریف میں بہت جگہ بتوں اور بت پرستوں کو برا کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے ولید ابن مغیرہ کے دس عیب بیان فرمائے حتیٰ کہ آخر میں فرمایا عتل بعد ذالک زنیم۔ ولید حرام کا بچہ ہے حضرت ابوبکر صدیق نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک کافر سے فرمایا امصص بظر اللات۔ لات بت کی فرج چوس لے یہ آیت کریمہ ان تمام کے خلاف ہے۔ جواب: ابن انباری نے اس آیت کو آیات جہاد سے منسوخ فرمایا ہے لہٰذا بتوں اور بت پرستوں کو برا کہنا عبادت ہے حرام نہیں۔ رب تعالیٰ حضرات صحابہ کی تعریف فرماتا ہے۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ان کی برائی بیان کرنا بھی کفار پر سختی ہی کی قسم ہے جن لوگوں نے اسے منسوخ نہیں مانا وہ فرماتے ہیں کہ اس طرح ان کی برائی بیان کرنا جس سے فساد ہو اور اگر وہ جواب میں اللہ تعالیٰ کی گستاخی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کریں تو ہم انہیں روک نہ سکیں ممنوع ہے اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ تم

کسی کے باپ کو برا نہ کہو تا کہ وہ تمہارے باپ کو برا نہ کہے ورنہ گویا تم نے خود اپنے باپ کو برا کہا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یونس علیہ السلام پر بزرگی مت دو یعنی اس طرح کی بزرگی جس سے جھگڑے پیدا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں **انا سید ولد ادم** **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ نے کفر کی نگاہ میں ان کے اعمال اچھے کر دکھائے مگر دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ **و زین لھم الشیطان اعمالھم** ابلیس نے ان کے اعمال کو آراستہ کر دکھایا۔ آیات میں تعارض ہے۔

جواب: یہاں خلق کا ذکر ہے۔ ان آیات میں کسب کا ذکر ہے جیسے کہا جائے کہ فلاں شخص نے فلاں کو مار ڈالا اور پھر کہتے ہیں کہ اسے اللہ نے موت دی یعنی کسب موت قاتل نے کیا خلق موت اللہ تعالیٰ نے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ ان کے اعمال کی قیامت میں انہیں خبر دے گا یہ کیونکر درست ہوا۔ رب تعالیٰ نے تو قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان کے اعمال کی خبر دیدی ہے۔ **جواب:** یہاں خبر دینے سے مراد ان کی سزا کا فیصلہ فرما کر انہیں دوزخ میں داخل فرمانا ہے۔ واقعی یہ فیصلہ قیامت میں ہی ہو گا۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے متعلق یہ دو باتیں کیوں ارشاد ہوئیں۔ **عدوا** یعنی حد سے بڑھتے ہوئے اور بغیر علم ان دو قیدوں سے کیا فائدہ مراد ہے۔

جواب: انسان شان نبوت یا شان الوہیت میں گستاخی جب ہی کرتا ہے جب اپنی حد سے نکل جاتا ہے اگر بندہ اپنی حد کو جانے' اپنی حد میں رہے تو کبھی ایسی جرات نہ کرے۔ ہر چیز حد میں رہ کر مفید ہے حد سے نکل جائے تو مضر بلکہ مہلک ہے پانی حد سے بڑھے تو سیلاب کی تباہی پھیل جائے اگر آگ حد سے بڑھے تو محلہ جلا کر خاک کر دے ایسے ہی انسان کی سر سے پاؤں تک ہر عضو کی حدود ہیں اگر انسان اپنی حدود میں رہے تو ولی ہو جائے اور اگر حدود سے بڑھے تو شیطان سے بدتر ہو جائے۔ اس لئے ارشاد ہوا **عدوا** نیز جاہل آدمی اپنی جہالت سے کفر کو ایمان اور طغیان کو عرفان سمجھ لیتا ہے وہ کفار رب تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے تھے یہ سمجھ کر کہ ہم مسلمانوں کو جواب دے رہے ہیں مگر حقیقت میں اپنے دین و مذہب کو جواب دے رہے تھے۔ **آٹھواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے دنیا میں برے اعمال اچھی شکل میں اور اچھے اعمال بری شکل میں کیوں پیدا کئے یہ تو دھوکہ دینا ہے رب دھوکے سے پاک ہے۔ **جواب:** دھوکہ جب ہوتا ہے جبکہ ان کی برائی بھلائی بتائی نہ جاتی اس طرح بنانے کا مقصد لوگوں کو ایمان دینا ہے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی عقل و آنکھ پر اعتماد نہ ہو نبی کے فرمان پر اعتماد ہو' عقل کہتی ہے کہ سود میں نفع ہے' زکوۃ میں نقصان مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ سود میں نقصان ہے زکوۃ میں نفع **یمحق اللہ الربو و یربی الصدقات** ایمان یہ ہے کہ رب کی مانے عقل کی نہ مانے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن اللہ کے فضل سے حقیقت بین ہے کافر ظاہر بین' قیامت بین ہر چیز اپنے اصل رنگ و روپ بین نظر آئے گی کافر اپنے برے اعمال سے بھاگے گا مومن اپنے اچھے اعمال سے خوش ہو گا۔ یہاں حضرت بلال سیاہ فام نظر آئے' ابو جہل گورا چٹا' کل قیامت میں حضرت بلال کا رنگ روپ دیکھنا ہزاروں حسینوں سے بڑھ کر حسین ہوں گے وہ ان کی اصل صورت ہو گی۔ یہاں فرمایا گیا کہ اے حقیقت بین مسلمانوں ان ظاہر بین کافروں کے سامنے ان کے عقیدوں اعمال کی برائی اس طرح بیان نہ کرو کہ یہ بھڑک جائیں کیونکہ ابھی یہ لوگ ظاہر میں پھنسے ہوئے ہیں اس لئے حقیقت سے بے خبر ہیں ممکن ہے کہ اس بے خبری میں تمہارے رب کی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کر ڈالیں پہلے ان کی آنکھوں میں آستانہ محبوب کی خاک کا سرمہ لگاؤ جب یہ [illegible] برا کہنے لگیں گے قیامت میں تو ہر

شخص ہر چیز کی حقیقت کو دیکھ ہی لے گا۔ بعض مقبولوں کو خواب یا کشف میں حقیقت دکھادی جاتی ہے۔

حکایت : ایک جوان عبادت گذار شب بیدار تھا۔ ایک رات غفلت میں گرفتار ہو گیا' عشاء فجر کی نمازیں بھی قضا کر دیں۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کی محراب سے ایسی حسین لڑکیاں نکل کر اس کے سامنے آرہی ہیں جیسی اس نے کبھی نہ دیکھیں آخر میں ایک لڑکی نہایت ہی بدشکل نمودار ہوئی یہ بولا تم لوگ کون ہو وہ بولیں ہم تیری وہ راتیں ہیں جو تو نے اللہ کے ذکر عبادت میں گذاریں مگر بدصورت لڑکی بولی میں تیری وہ رات ہوں جسے تو نے غفلت کی وجہ سے مجھے بدشکل بنادیا۔ حسین لڑکیوں نے کہا

نحن اللیالی اللواتی کنت تسهرها تتلوا القران بترجیع و رنات

ہم تیری وہ راتیں ہیں جنہیں تو نے جاگ کر تلاوت قرآن کے ساتھ گذاردیں یہ حسن تیرے اعمال کا ہے۔ بدصورت نے کہا۔

فانت قبحتنی من بین اشکالی اسئلی لمولات و اردونی الی حالی

و قد اردت بخمر اذ و عظمت بتا البشر فانت من المولی علی ...

تو نے مجھے اپنی غفلت سے بدشکل کر دیا اب توبہ کے صابن آنسوؤں کے پانی سے مجھے دھو کر صاف کر اور مجھے اصلی شکل پر لا غرضیکہ آنکھیں خودبین ہیں بعض خدا بین' بعض ظاہر بین' بعض حقیقت ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے عیوب پر مطلع ہونا عالم ملکوت پر مطلع ہونے سے افضل ہے کہ اپنے عیوب پر اطلاع اپنی اصطلاح کا ذریعہ ہے (از روح البیان)۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ

اور قسم کھائی انہوں نے اللہ کی پوری مشقت اپنی قسموں کی البتہ اگر آئے گی ان کے پاس کوئی آیت تو

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اس پر ایمان

اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ایمان لائیں گے بوجہ اسکے فرمادو کہ آیتیں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور کوئی چیز بتاتی ہے تم کو کہ تحقیق وہ آیات جب

لائیں گے تم فرمادو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ

آئیں گی تو نہیں ایمان لائیں گے یہ لوگ اور پھیر دیں ہم دل انکے اور آنکھیں انکی جیسے کہ نہیں ایمان لائے وہ ساتھ

اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں کو جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

اس کے پہلی دفعہ اور چھوڑ دیں گے ہم ان کو ان کی سرکشی میں کہ ٹاک ٹوئیاں مارتے ہیں

چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں کفار کے ان شبہات کا ذکر تھا اور ان کا جواب دیا گیا تھا جس کا تعلق قرآن مجید سے ہے و لیقولوا درست اب کفار کے اس شبہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے۔ یعنی ان کے مانگے معجزات نہ دکھانا گویا قرآن مجید کی صفائی بیان فرمانے کے بعد صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صفائی دی جا رہی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے محبوب کفار سے منہ پھیر لو یعنی ان کی باتوں پر دھیان نہ دو اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ کفار صرف زبان کے بہادر ہیں ایمان یا عمل ان کے نصیب میں نہیں ایسے بد نصیبوں کی طرف دھیان دینا اپنے ہی کو پریشان کرنا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ان کفار کے دل میں اللہ تعالیٰ کا بھی ادب نہیں۔ یہ تمہاری ضد میں اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی کرنے سے نہیں چوکتے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب ان کے دلوں میں رب تعالیٰ کا احترام نہیں تو اس کے نام کی کھائی ہوئی قسموں کا کیا احترام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی قسموں کا اعتبار نہ کرو۔ خیال رہے کہ ایمان کا رکن چند چیزیں ہیں ایمانیات کی عظمت' ان کی ہیبت' ان سے محبت اللہ تعالیٰ قرآن مجید ملائکہ وغیرہ سے یہ تین چیزیں چاہئیں۔ مگر یہ تینوں سودے مدینہ منورہ کے بازار سے ملتے ہیں۔ جس کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت' ہیبت ان سرکار سے محبت ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم وغیرہ سب کی عظمت' ہیبت' محبت ہوگی جو دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت و ہیبت سے خالی ہے اس دل میں اللہ تعالیٰ قرآن کی عظمت و ہیبت کبھی نہیں ہو سکتی چونکہ کفار کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت نہ تھی لہٰذا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کبھی نہیں آسکتی تھی اس لئے وہ ایسی جرات کر لیتے تھے۔

شان نزول : (1) جب آیت کریمہ ان نشا ننزل علیهم من السماء آیة فظلت اعناقهم لها خاضعین آئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمانی نشانی اتار دیں۔ جس سے ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں تب مشرکین نے قسم کھا کر کہا کہ اگر آپ آسمانی نشانی جو ہم مانگیں وہ دکھا دیں تو ہم ضرور ایمان قبول کر لیں گے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر) (2) ایک بار سرداران قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ بولے کہ آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ اور اندھے' کوڑھے' اچھے کرتے تھے اور صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی تھی اگر آپ بھی اس قسم کے معجزے ہم کو دکھائیں تو ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کون سا معجزہ چاہتے ہو وہ بولے کہ صفا پہاڑ سونے کا کر دیجئے اور ہمارے مرے ہوئے رشتہ داروں کو زندہ فرما دیجئے جن سے ہم آپ کے متعلق پوچھ لیں کہ آپ سچے نبی ہیں یا نہیں۔ اور فرشتوں کو ہمارے پاس بلا دیجئے جو ہم کو خبر دے دیں کہ آپ سچے ہیں تو ہم خدا کی قسم ابھی ایمان قبول کر لیں۔ بعض مومنین نے بھی خواہش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ معجزات انہیں ضرور دکھا دیئے جائیں' یہ لوگ اگر ایمان لے آئے تو دین کو بڑی قوت ہوگی' یہ گفتگو جاری تھی کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ دعا فرما دیں تو یہ کام کل صبح سے پہلے ہو جائیں گے مگر یہ ایمان نہ لائیں گے اور سب ہلاک کر دیئے جائیں گے اور اگر آپ نے یہ معجزات نہ دکھائے اور یہ اسی وقت ایمان نہ لائے تو آئندہ ان میں سے بہت کے ایمان لانے کی امید ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] معجزات کا اظہار اور ان کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ اس پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (تفسیر خازن' بیضاوی' روح المعانی' روح البیان' تفسیر صاوی' تفسیر ابن کثیر وغیرہ کتب کثیرہ)۔

تفسیر : **واقسموا باللہ جھد ایمانہم** قسم چار طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم' متقی
مومنوں کی قسم' فساق و کفار کی قسم' اللہ تعالیٰ کی قسم کا مقصد یا تو **مقسم بہ** کی عظمت کا اظہار ہے یا مقسوم علیہ' جس پر قسم فرمائی
جائے' اس کی عظمت کا اظہار دیکھو۔ انجیر زیتون' طور سینا مکہ معظمہ کی قسمیں۔ رب نے ارشاد فرمائیں' دوسرے پھلوں'
پہاڑوں' شہروں کی قسمیں نہ فرمائیں کیونکہ ان کو اللہ کے محبوبوں سے نسبت ہے کہ انجیر زیتون کو حضرت خلیل کے ملک
فلسطین سے نسبت ہے کہ یہ پھل وہاں کے ہیں طور کو جناب کلیم سے مکہ معظمہ کو' جناب حبیب سے نسبت ہے۔ اور رب
نے فرمایا۔ **یس والقران الحکیم انک لمن المرسلین** اے رسولوں کے سردار قرآن کی قسم تم سچے رسولوں میں سے
ہو وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسمیں ناز کی بناء پر متقی مسلمانوں کی قسمیں سچ بولنے کے لئے ہوتی ہیں۔ کفار و فساق کی
قسمیں دھوکہ دینے جھوٹ بولنے کے لئے یہاں کفار کی یہ قسم چوتھی قسم کی تھی اس کا ذکر ہے **واقسموا باللہ** یہ نیا مضمون
ہے جس میں **اقسموا** کا فاعل وہی کفار ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ قسم حلف یمین تینوں ہم معنی ہیں مگر ان
مختلف ناموں کی وجہیں مختلف ہیں۔ چونکہ حلف کے ذریعہ انسان اپنی بات کو قوت دیتا ہے' اپنا کلام لوگوں سے منواتا ہے اس
لئے اسے یمین کہتے ہیں۔ یمین بمعنی قوت و قوی اسی لئے داہنے ہاتھ کو یمین کہتے ہیں کہ اس میں قوت زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ
انسان کی خبر سن کر لوگوں کی دو قسمیں دو گروہ ہو جاتے ہیں بعض ماننے والے بعض منکر ہیں یہ شخص حلف کے ذریعہ اس قسم کے
لوگوں کی حمایت کرتا ہے جو اس کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے اسے قسم کہتے ہیں یعنی ایک قسم کے لوگوں کی تائید کرنے والی چیز (کبیر)
اگرچہ کفار اپنے بتوں کی اولاد کی جان و مال کی قسمیں بھی کھاتے تھے مگر چونکہ وہ اپنی اس قسم سے مسلمانوں بلکہ حضور سید عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلانا چاہتے تھے اس لئے وہ اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ **جھد ایمان** بمعنی پوری کوشش کی قسم یہ تھی
کہ انہوں نے کعبہ معظمہ میں بعد نماز عصر قسمیں کھائیں یا اپنی قسم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی ذکر کیا اس کی صفات کا بھی کہ
اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں جو ہم کو روزی اور زندگی و موت دیتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ ہے قسم میں کوشش
یا قسم کی کوشش قسم کا اہتمام ہے اور قسم میں اہتمام جب ہوتا ہے جب اللہ کی قسم ہو مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت
جیسے یہ کہا جائے رب محمد کی قسم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کی قسم۔ رب تعالیٰ نے بھی اپنی قسم حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی معرفت ارشاد فرمائی کہ فرمایا **فلا وربک لا یومنون** جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آجائے وہ شاندار ہو
جاتی ہے شاید کفار نے یہ کہا ہو گا آپ کے رب کی قسم **لئن جاءتہم ایۃ لیومنن بھا** یہ ہے قسم کا جواب جس پر وہ قسم
کھاتے تھے آیت سے مراد ان کی مطلوبہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی ہے یا صفا پہاڑ کا سونا ہو جانا یا مردے زندہ ہو کر آجانا یا فرشتے
آنا **بھا** میں **ب** یا صلہ کی ہے یا سببیہ یعنی ہم اس آیت پر ایمان لے آئیں گے یا اس نشانی کی وجہ سے آپ پر آپ کے قرآن مجید پر
ایمان لے آئیں گے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ پہلے احتمال پر ہے' ہمارا ترجمہ دوسرے احتمال پر۔ ان بد نصیبوں نے یہاں
ٹھوکر کھائی' ایمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا **لنومنن بک** نہ کہا بلکہ **لنومنن بھا** کہا گویا وہ راستے میں پھنس کر
رہ گئے اس لئے ایمان نہ لائے **قل انما الایات عند اللہ** اس جملہ کا ظاہری ترجمہ ان کفار کے سوال کا جواب نہیں بنتا اس
کے ظاہری معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ معجزات میں مجھے کوئی دخل نہیں میں تو بندہ مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان پر قادر ہے وہ چاہے تو
ظاہر فرمادے اگر یہ مطلب ہو تو اس جملہ میں کفار کی تائید ہو گئی وہ یہی تو کہتے تھے کہ آپ ہیں محض مجبور ہماری مطلوبہ چیزیں

آپ نہیں دکھا سکتے لہٰذا آپ نہ نبی ہیں' نہ رسول۔ نبی تو ہوتا ہی وہ ہے جس کو رب تعالیٰ نے اختیار دیا ہو جو عالم میں تصرف کر سکے نبی کے خصوصی اختیارات' ان کے معجزے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس فرمان عالی میں الایات میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد ان کے مطلوبہ معجزات ہیں۔ عند اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے ان کے دکھانے کی اجازت نہیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس ہی رکھا ہے اب معنی ظاہر ہو گئے کہ یہ معجزات جو تم مجھ سے مانگتے ہو مجھے ان کے دکھانے کی اجازت نہیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں تو ہر چیز ہے مگر ان میں سے بعض کے ظاہر کرنے کی مجھے اجازت ہے' بعض کے اظہار کی اجازت نہیں ورنہ صفا پہاڑ کے پتھروں کا سونا کر دینا آسان ہے مگر انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دینا اور پیالہ بھر دودھ سے ستر (70) صحابہ کرام کو سیر کر دینا مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ لو شئت لسارت معی جبال الذهب بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غلاموں نے مٹی کے ڈھیلے کو سونا بنایا۔ حضرت خواجہ فرید گنج شکر نے مرغی کے انڈے پر سورۂ اخلاص دم کی تو وہ سونے کا ہو گیا۔ ایک بزرگ ننگے پاؤں تھے' سردی کا سویرا تھا کسی چیز سے ٹھوکر لگی فرمایا یہ سونا ہے' کہ چاندی ہے' کہ لوہا ہے' کہ پیتل ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے' کہ نہ معلوم کیا ہے؟ جو ان کے منہ سے نکلتا گیا وہ ہی بنتا گیا۔ اس کی زیارت احمد آباد (گجرات) میں کرائی جاتی ہے یہ تو اس آستانہ کے خدام کا حال ہے۔ مردوں کو زندہ کر کے اپنی گواہی دلوا دینا آسان ہے کہ پہلے ان میں جان تھی مگر بے جان کنکروں پتھروں سے کلمہ پڑھوا کر ان سے اپنی گواہی دلوا دینا مشکل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام کر کے دکھائے' فرشتوں سے گواہی دلوانا آسان ہے مگر خدا تعالیٰ سے اپنی گواہی دلوانا بہت مشکل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گواہی اپنے رب سے دلوا دی۔ و کفی باللہ شهیدا لہٰذا یہ فرمان عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری' معذوری ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وما یشعرکم انها اذا جاءت لا یومنون یہ جملہ نیا ہے۔ یشعرکم میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جنہوں نے بارگاہ رسالت میں سفارش کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ معجزات دکھلا دیئے جاویں تاکہ یہ لوگ ایمان لے آویں انها میں ها سے مراد وہی کفار کے منہ مانگے معجزات ہیں جاءت سے مراد ہے ظہرت اور لا یومنون کا فاعل وہی مطالبات کرنے والے کفار ہیں۔ بعض مفسرین نے انها میں ان کو معنی لعل مانا ہے اور کہا ہے کہ کبھی ان معنی لعل آتا ہے۔ دیکھو امراء القیس کہتا ہے۔

عرجو علی الطلل المحیل لاننا نبکی الدیار کما بکی ابن خزام

مگر ہماری اس تفسیر میں اس توجیہ کی ضرورت نہیں ان اپنے ہی معنی میں ہے۔ یعنی اے مسلمانو تم کو خبر نہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ معجزات ظاہر بھی کر دیئے جاویں جب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کی ہلاکت منظور نہیں۔ شاید کوئی شبہ کرتا کہ اپنے منہ سے مانگے ہوئے معجزے دیکھ کر اور ایمان کا وعدہ کر کے پھر وہ ایمان کیوں نہیں لاتے اس کا جواب آگے دیا جا رہا ہے کہ معجزہ جب ایمان کی رہبری کرتا ہے جب دیکھنے والے کے دل میں غور کرنے کی اس کے آنکھ میں عبرت کی نگاہ کرنے کی صلاحیت ہو سورج کا نور بہت ہی تیز ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ نہیں دیکھتی۔ ان کے دلوں آنکھوں میں یہ دونوں صلاحیتیں نہیں تو یہ ایمان کیسے لائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ و نقلب افئدتهم و ابصارهم یہ عبارت معطوف ہے لا یومنون پر اور ما یشعرکم کے ماتحت ہے یعنی تم کو نہیں معلوم کہ ان معجزات کے اظہار پر بھی ہم ان کے دلوں کو سمجھنے سے آنکھوں کو دیکھنے سے پھیر دیں گے اس معجزات کو دیکھ کر ایمان نہ لائیں انہیں ایمان کی توفیق نہ ملے لہٰذا

تم ان کے ایمان کی آس نہ لگاؤ کما لم یومنوا بہ اول مرۃ یہ فرمان عالی ہے لا یومنون کی یا نقلب کی دلیل ہے لم یومنوا کا فاعل وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں بہ کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن مجید یا گزشتہ دکھائے ہوئے معجزے۔ (روح المعانی) یعنی جیسے کہ یہ لوگ اگلی باروں میں ہزار شاندار معجزات دیکھ کر ایمان نہ لائیں ان معجزات کو جادو ہی بتاتے رہے ایسے ہی ان مطلوبہ معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے انہیں جادو ہی کہیں گے۔ اول مرۃ سے مراد وہ وقت ہے جب انہیں عظیم الشان معجزے دکھائے گئے تھے۔ و نذر ھم فی طغیانھم یعمھون یہ عبارت معطوف ہے ونقلب الخ پر نذر کے متعلق عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ غیر متصرف فعل ہے اس کا صرف مضارع اور امر ہی آتا ہے نہ ان کا کوئی مصدر ہے نہ اور کوئی گردان ھم کا مرجع وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں طغیان کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا یہاں مراد سرکشی اور کفر ہے۔ یعمھون بنا ہے عمہ سے آنکھوں کا اندھا پن عمی ہے اور دل کا اندھا پن عمہ ہے حیرانی' سرگردانی' پریشانی' یعنی تم کو کیا خبر کہ ہم ان معجزات کے ظاہر ہو جانے پر بھی انہیں یونہی سرکشی میں حیران و سرگردان چھوڑ دیں کہ انہیں پتہ ہی نہ چلے کہ اب ہم کیا کریں' آنکھ والا آنکھوں سے دیکھ کر راستہ چلتا ہے مگر اندھا لاٹھی سے پتہ لگاکر لاٹھی والا اندھا سرگردان رہتا ہے۔ آنکھ والے کو اطمینان یونہی راہ ایمان عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے طے ہوتا ہے۔ عقل کی لاٹھی سے طے نہیں ہوتا ان کے پاس صرف عقل کی لاٹھی تھی۔ الفت رسول کی آنکھ نہیں۔ لہٰذا ان کی حیرانی لازم ہے فی طغیانھم یعمھون بالکل حق و درست ہے۔

خلاصہء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ ضدی کفار ہزارہا معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے ہمیشہ بہانہ ہی بناتے رہے اب ایک نئی چال یہ چلے ہیں کہ آپ کی بارگاہ میں آئے ہیں لوگوں کے سامنے نہایت مضبوط اور پختہ قسمیں کھائیں کہ اس دفعہ جو معجزات ہم مانگ رہے ہیں اگر ان میں سے کوئی معجزہ نمودار ہو جائے تو اسے دیکھ کر ہم ضرور ایمان لے آئیں گے فرمادو اے محبوب کہ یہ معجزات اللہ تعالیٰ کے خزانہ مکنون میں ہیں جن کے دکھانے کی مجھے اجازت نہیں دی گئی ہم اس کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ ظاہر نہیں فرماتے اجازت اس کی ہوتی ہے تصرف ہمارا ہوتا ہے پھر معجزہ ظاہر ہوتا ہے اور اے وہ مسلمانوں جو ان کفار کے مطالبے پورا کرنے کی سفارش کر رہے ہو' تم کو خبر نہیں اگر یہ معجزے انہیں دکھا بھی دیئے گئے جب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے ہم ان کے دلوں کو سوچنے سے ان کی آنکھوں کو دیکھنے سے یونہی پھیر دیتے ہیں جیسے پہلے پھیر دیا تھا کہ ہزارہا معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے ہم نے ان کے دلوں' آنکھوں کو سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہیں دی ہم ان کو یونہی سرکشی اور حیرانی و پریشانی میں ٹکریں مارتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر اس مطالبہ پر یہ ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے جائیں گے ان کی ہلاکت بھی ہم کو منظور نہیں جو ہلاک ہوں گے وہ جنگ بدر و حنین میں تمہارے ہاتھوں ہلاک ہوں گے' جن کے نصیب میں ایمان ہوگا وہ اپنے وقت پر ایمان لے آئیں گے لہٰذا اس وقت ان کے مطالبے پورے کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کے معجزات تین قسم کے ہیں' بعض لازم جیسے حسن یوسف علیہ السلام۔ بعض غیر لازم اختیاری جیسے عصاء موسوی بعض غیر اختیاری جن میں دعا کرنی پڑے جیسے حضرت صالح کی اونٹنی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ تیسرے معجزات کے انکار پر عذاب آتا ہے جبکہ وہ طلب کر کے دیکھے جائیں کفار مکہ کا مطالبہ انہیں تیسرے قسم کے معجزات کا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو زندہ کر کے کلمہ پڑھایا صحابی بنایا اور دعا سے مردے زندہ کیے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: زیادہ قسمیں کھانا کفار اور جھوٹوں کا شیوہ ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو قسم کھا کر ہی دھوکہ دیا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے و قاسمھما انی لکما لمن الناصحین۔ یہ قسمیں محض دھوکہ فریب ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ و اقسموا باللہ الخ سے حاصل ہوا' مخلص مومن قسمیں نہیں کھاتا زیادہ کلام نہیں کرتا' وہ کام کرتا ہے آج بھی بعض لوگ منبر پر کھڑے ہو کر قرآن مجید اٹھا کر قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم وہابی نہیں ہم پختہ سنی ہیں' مسلمان ان قسموں سے دھوکہ نہ کھایا کریں۔ دوسرا فائدہ: کفار کی قسموں کا اعتبار نہیں اگرچہ وہ کیسی ہی مضبوط و پختہ قسمیں کھائیں' قرآن کریم فرماتا ہے۔ لا ایمان لھم یہ فائدہ لایومنون سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ یہ اپنے منہ مانگے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کے تمام معجزات خواہ اختیاری ہوں' جیسے عصا موسوی یا ید بیضا یا غیر اختیاری لازم ہوں جیسے حسن یوسفی یا غیر اختیاری غیر لازم جیسے نزول آیات غرضیکہ ہر قسم کے معجزات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کے کرامات کوئی نبی' کوئی ولی۔ رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کی خلاف مرضی معجزہ یا کرامات نہیں دکھا سکتا یہ فائدہ الایات عند اللہ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما کان لرسول ان یاتی بایت الا باذن اللہ جو شخص کسی نبی' کسی ولی کو معجزات یا کرامات کا مستقل مالک یا خالق جانے وہ ان آیات کا انکاری ہے۔ چوتھا فائدہ: ہمارے تمام صفات' تمام افعال تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور اس کے ارادے کے ماتحت ہیں حتی کہ ہم اس کے خلاف ارادہ کچھ چاہ بھی نہیں سکتے۔ یہ فائدہ بھی انما الایات عند اللہ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین ۔ بادشاہ حاکموں کے اور خود ہمارے اپنے اختیارات رب تعالیٰ کی عطاء سے اس کے ارادے سے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

از خدا داں خلاف دشمن و دوست   کہ دل ہر دو در تصرف اوست!

گرچہ تیر از کماں ہمیں گزرد   از کماندار بیند اہل خرد

پانچواں فائدہ: انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہی اچھی طرف پھیرتا ہے تو پھرتا ہے لہذا کوئی شخص اپنے کسی کمال پر شیخی نہ مارے بلکہ اس کی توفیق پر شکر کرے یہ فائدہ و نقلب افئدتھم الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ چھٹا فائدہ: انسان کو گزشتہ تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے جس سے بارہا دھوکہ ہو چکا ہو اس کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔ یہ فائدہ کما لم یومنوا بہ اول مرۃ سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا کہ یہ مطالبے کرنے والے کفار صرف مطالبے ہی کرنے کے ہیں' ایمان لانے کے نہیں' جیسا کہ تم کو پہلے تجربہ ہو چکا کہ انہوں نے بڑے سے بڑا معجزہ دیکھا مگر ایمان نہ لائے لہذا تم لوگ اس تجربہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام پر بڑا ہی مہربان ہے ہر طرح ان کی تسلی فرماتا ہے دیکھو اس موقعہ پر حضرات صحابہ نے بھی سفارش کی تھی کہ یہ معجزات دکھا دیئے جائیں مگر ان حضرات پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں کئی طریقوں سے سمجھایا' دلائل سے اور گزشتہ واقعات یاد دلا کر کیوں نہ ہو کہ وہ حضرات محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر ہیں۔ یہ فائدہ وما یشعرکم انھا اذا جاءت الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھنے کے لئے صرف دماغ کی آنکھ کافی نہیں وہاں دل کی آنکھ یعنی بصیرت کی ضرورت ہے [illegible] تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ

و سلم کو دیکھا اور ایمان نہ لائے کروڑوں وہ خوش نصیب ہیں۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو نہ دیکھا اور ایمان لے آئے۔ یہ فائدہ بھی و نقلب افئدتھم الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا' آپ کے معجزات کے قصے سب گھڑے ہوئے ہیں' دیکھو کفار کہتے ہیں کہ ہم کوئی معجزہ تو دکھا دیجئے ہم ایمان لے آئیں گے مگر نہیں دکھایا گیا۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے۔ **وما منعنا ان نرسل بالایات الا ان کذب بھا الاولون** ہم کو معجزات اتارنے سے یہ بات روکتی ہے کہ گذشتہ لوگوں نے معجزات کا انکار کیا تھا (آریہ' چکڑالوی)۔ **جواب:** معترض نے اس آیت کا اور اپنی پیش کردہ آیت کا ترجمہ غلط کیا یہاں آیت سے اور وہاں **الایات** سے مراد ان کفار کے مطلوبہ منہ مانگے معجزات ہیں نہ کہ مطلقاً معجزات ورنہ بہت سی قرآنی آیات کے خلاف ہو گا خود قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ پھر شق القمر وغیرہ بہت سے معجزات کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے' احادیث اور تاریخی واقعات تو بہت ہی زیادہ اس کے متعلق موجود ہیں' ان کا انکار گویا چمکتے ہوئے سورج کا انکار ہے۔ **دوسرا اعتراض:** آخر وجہ کیا تھی کہ سرداران قریش ایسے عظیم الشان معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ **جواب:** قاعدہ ہے کہ جب کسی سے محبت و الفت ہو تو اس کی باتیں اس کے حالات' اس کے تعلق والے سب سے محبت ہوتی ہے اس کے ہنر بھی عیب معلوم ہوتے ہیں' شریعت طریقت حقیقت معرفت بلکہ قرآن مجید اور تمام معجزات حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے حالات ہیں جب ان کفار کو حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے نفرت تھی تو ان سب کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے پھر ایمان کیسے لاتے' خیال رہے کہ جیسے سویرا' دوپہر' شام اور رات' سورج کے حالات' اس کے مقامات کا نام ہے ایسے ہی شریعت حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے جسم کے حالات ہیں' طریقت دل کے حالات حقیقت روح کے حالات معرفت ہنر کے حالات بلکہ اسلام و ایمان قرآن حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے حالات کا نام ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ کفار ایمان لانے والے نہ تھے مگر ان میں سے بہت سے کافر بعد میں ایمان لے آئے' پھر **لایومنون** کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان مطلوبہ معجزات کے ذریعہ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت ایمان نہ لائیں گے ان کے ایمان کا وقت' اس کے معجزات' دوسرے ہیں۔ دیکھو حضرت خالد چاند پھٹنا' کنکروں' پتھروں کو کلمہ پڑھتا دیکھ کر ایمان نہ لائے بلکہ اپنی شکست' جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں پسپا ہوتا دیکھ کر ایمان لائے جیسے فرعونی جادوگر اپنی شکست دیکھ کر ایمان لائے جیسے ایک بخار مختلف دواؤں سے جاتا ہے کسی کا کونین سے کسی کا بنفشہ سے اسی طرح کفر کا بخار کسی کا کسی معجزہ سے جاتا ہے' کسی کا کسی اور چیز سے' شفا کے لئے وقت اور دوا بلکہ جگہ مقرر ہے' موت کے لئے' مرض جگہ وقت مقرر ہے ایسے ہی ایمان کے لئے جگہ وقت اور ذریعہ مقرر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جب وہ چاہتا ہے نبی کے ہاتھ پر کوئی معجزہ ظاہر فرما دیتا ہے' نبی محض مجبور اور بے اختیار ہوتے ہیں دیکھو یہاں ارشاد ہوا۔ **انما الایات عند اللہ** ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **وما کان لرسول ان یاتی بایتہ الا باذن اللہ** تم نبیوں کو با اختیار مان کر ان آیات کا انکار کرتے ہو (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ کچھ الزامی اور کچھ تحقیقی۔ **جواب الزامی** ایک تو یہ ہے کہ پھر تم سارے انسانوں' بادشاہوں' حاکموں اور دوسرے لوگوں کو پتھر کی طرح محض مجبور اور بے اختیار مانو کہ یہ ارشاد دوسرے لوگوں کے متعلق بھی ہے کہ تم اللہ کے بغیر چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ 'اللہ ہی حاکم ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ

نہیں اللہ جو چاہے کرے اور جب ہم بالکل مجبور ہوئے تو ہم کو ثواب و سزا کیسی اور پھر بادشاہ حکام سے خوف کیسا ان کی اطاعت کیسی مشہور مقولہ ہے۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ۔ اللہ کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری و معذوری بتانے کے لئے ہے تو ان کفار کی تائید اور ان کی تصدیق کے لئے ہو گی کہ وہ کفار یہی تو کہتے تھے کہ چونکہ آپ بالکل مجبور و معذور ہیں۔ کسی معجزہ پر قادر نہیں اس لئے آپ نبی نہیں نبی تو وہی ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے اختیار والا ہو' معجزات دکھا سکتا ہی یہی اس آیت نے فرمادیا تو یقیناً ان کفار کی تصدیق ہی ہوئی' آیت کریمہ کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ اگر حضرات انبیاء و اولیاء معجزات و کرامات میں بالکل مجبور ہیں تو وہ حضرات یہ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ میں یہ کرتا ہوں' حضرت آصف ابن برخیا ولی نے حضرت سلیمان سے عرض کیا۔ انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک میں تخت بلقیس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا و ابرئ الاکمہ والابرص و احی الموتیٰ باذن اللہ میں اللہ کے حکم سے اندھوں کوڑھوں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں یہ میں کیسی معلوم ہوا کہ اذن باذن اللہ میں اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے تصرف نبی و ولی کا۔ چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو شئت لسارت معی جبال من الذھب ہم اگر چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں' معلوم ہوا کہ صفا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے پہاڑوں کو سونا بنا سکتے ہیں' انبیاء کرام کے تصرف سے حقیقت بدل جاتی ہے' ان کی بددعا سے کفار بندر سور بنے۔ لاٹھی' سانپ بن جایا کرتی تھی یہ ہے انقلاب حقیقت تو پتھروں کو سونا بنا دینا کیسی آسان تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں الایات میں لام عہدی ہے اور اس سے وہ معجزات مراد ہیں جو کفار نے مانگے تھے اور عند اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے قبضہ میں ہیں مجھے ان کے اظہار کی اجازت نہیں اور اس اجازت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہوگا' اس کو ظاہر فرمانے کے لئے ارشاد ہوا کہ انھا اذا جاءت لا یومنون کہ یہ لوگ ان معجزات کے آنے پر ایمان لائیں گے' اللہ کے قبضہ میں ہونا اور بات ہے اور نبی کا اس پر قادر ہونا دوسری بات اللہ کے قبضہ سے یہ لازم نہیں کہ نبی کو اس پر اختیار نہ ہو' ہمارا چلنا پھرنا' جاگنا' سونا اللہ کے قبضہ میں ہے مگر ان کا ہم کو بھی اختیار ہے دیکھو حضرت خلیل اللہ کو آگ نے جلایا نہیں حضرت اسمٰعیل کو چھری نے ذبح نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ آگ میں جلانے کی' چھری میں ذبح کرنے کی طاقت نہ تھی بلکہ صرف اس لئے کہ انہیں اجازت نہ تھی قدرت اور اجازت میں فرق کرنا ضروری ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم کفار کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں جس سے پتہ لگا کہ رب تعالیٰ انہیں ایمان و ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتا' یہ کام تو ابلیس کا ہے خدا تعالیٰ کا نہیں ہو سکتا' مسلمانوں کا خدا وہی کام کرتا ہے جو شیطان کرتا ہے۔ (آریہ' ہندو)۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب ابھی پچھلی آیت میں زینا لکل امۃ عملھم کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ابلیس کا کام برائیوں کی رغبت دینا' انہیں اچھائیوں سے منع کرنا ہے۔ رب تعالیٰ کا کام ہے کہ جب بندہ ارادے برے کرے اچھی باتوں کی طرف نہ آئے تو کفر و عناد کو اس میں پیدا کر دینا خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے' مقتول پر تلوار چلانا' قاتل کا کام ہے اور تلوار چلنے پر موت پیدا فرمادینا رب کا کام' ان جیسی تمام آیات میں یہی خلق مراد ہوتا ہے' واقعی رب تعالیٰ ہادی بھی ہے اور مضل بھی۔ یعنی ہدایت گمراہی کا بندے میں پیدا فرمانے والا انبیاء کرام ہادی ہیں' ابلیس مضل ہے یعنی اچھی باتوں [illegible]۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہر مقصد کے دروازے اور راستے جداگانہ بنائے ہیں' ہر شخص ان راستوں کے ذریعہ دروازہ پر پہنچتا ہے اور دروازے کے ذریعہ مقصد تک جو کوئی راستہ غلط چلے یا دروازہ چھوڑ کر اور ذریعہ سے داخل ہونا چاہے وہ بے عقل ہے خدا کی رسی کا راستہ نبی کی تصدیق ہے' ہدایت کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ مگر خیال رہے کہ راستہ پر ٹھہرا نہیں جاتا اور دروازہ چھوڑا نہیں جاتا' معجزات میں بخصوصت نبی کو چھوڑ و مت' معجزاتو نبی رسی کے لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے بندہ نبی کو پہچان لیتا ہے کہ واقعی یہ نبی ہیں جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ رہ کر صرف معجزات کے ذریعہ ہدایت پانا رب تک پہنچنا چاہے وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا یہ مطالبے کرنے والے کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے در کارے ہوئے تھے۔ معجزات کی آڑ پکڑتے تھے کہ ہم فلاں معجزہ دیکھ کر ہدایت پائیں گے آخر ناکام رہے فرمادیا گیا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے' خواہ کوئی معجزہ دیکھیں کیونکہ یہ اللہ کے دروازے ہدایت کے راستے سے ٹوٹے ہوئے ہیں پھر خدا کو کیسے پائیں۔ ہدایت کیسے حاصل کریں اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بہت معجزے دیکھے' مگر رہے بے ایمان' ان کو معجزات دکھانا محض بیکار بلکہ مضر ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے سر کی ظاہری آنکھوں پر مختلف بیماریاں آتی ہیں اور ہر بیماری کا علاج علیحدہ ہے۔ یونہی دل کی باطنی آنکھ پر مختلف بیماریاں آتی ہیں' ظاہری آنکھوں کا سرمہ اور ہے دل کی آنکھ کا سرمہ خاک پائے اولیاء اللہ پھر خاک پاک کوچہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان مطالبے والوں کو یہ سرمہ نصیب نہیں ہوا اس لئے وہ بہانے بناتے رہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ و نقلب افئدتهم و ابصارهم جیسے ان آنکھوں کا اندھا اس زمین میں حیران پھرتا ہے کہ کدھر جائے ایسے ہی دل کی آنکھوں کا اندھا راہ ہدایت میں حیران ہی پھرتا ہے رب تعالیٰ ہر مسلمان کو اور سب کے صدقہ میں مجھے فقیر گنہگار کو دل کی روشنی نصیب کرے' تقویٰ کی زندگی ایمان پر موت میسر فرمادے۔ آمین یارب العالمین۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ہے کہ تفسیر نعیمی کا ساتواں پارہ دو (2) صفر 1386ھ تیئس (23)' مئی 1966ء عیسوی بروز دوشنبہ بعد نماز ظہر شروع ہوا اور آج سترہ (17) جمادی اول 1387ھ چوبیس (24) اگست 1967ء بروز پنجشنبہ بعد نماز ظہر بخیر و خوبی ختم ہوا۔ یعنی ایک سال تین ماہ میں ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے اسے اور فقیر کی تمام تصنیفات کو قبول فرمائے۔ صدقہ جاریہ اور کفارہ بنائے بقیہ تفسیر کی تکمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ الکریم الرءوف الرحیم علیہ و علی الہ و اصحابہ افضل الصلوۃ و اکمل التسلیم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و زینتہ عرشہ سیدنا محمد و الہ و اصحابہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الرحمین۔

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات پاکستان

17 جمادی الاول 1387 ہجری یوم پنجشنبہ